

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدانا لهذا
وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا هُدَاؤُهُ
سنة ١٤٢٢ هـ

نظم الباری فی شرح صحیح البخاری

تصنیف
علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی

مکتبہ اسلامیہ کراچی

شرح صحیح البخاری کے نام ”نعم الباری“ کی توجیہ

میں نے 18 جنوری 2006ء کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ کی مشہور زمانہ کتاب ”المسند الصحیح الجامع المعروف بہ صحیح البخاری“ کی شرح لکھنے کا آغاز کیا، میں نے ابتداءً اس کا نام انعام الباری رکھا تھا، بعد ازاں مجھے معلوم ہوا کہ شیخ محمد تقی عثمانی بھی اس نام سے صحیح البخاری کی شرح لکھ رہے ہیں اور اس وقت تک انعام الباری کی چار جلدیں ہو چکی تھیں، اس لیے میں نے اس کا نام بدل کر نعمۃ الباری رکھ دیا اور فرید بک اسٹال لاہور سے اس کی سات جلدیں لکھنے کا معاہدہ کیا اور 14 ستمبر 2010 کو میں نے نعمۃ الباری کی ساتویں جلد مکمل کر کے سید محسن اعجاز شاہ صاحب کے حوالہ کردی اور یوں میری حد تک اس معاہدہ کی تکمیل ہو گئی۔

بعد ازاں میرا رابطہ ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز سے ہوا اور میں نے محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب سے شرح صحیح البخاری لکھنے کا معاہدہ طے کیا اور اب آٹھویں جلد سے میں نے اس کا نام نعمۃ الباری کے بجائے ”نعم الباری“ رکھ دیا ہے تاکہ معاندین اور مفسدین کے لیے کسی شرکی گنجائش نہ رہے اور وہ یہ نہ کہیں کہ نعمۃ الباری کا معاہدہ تو ہم سے تھا اب یہ ضیاء القرآن اس کو کیوں شائع کر رہا ہے۔ اس لیے میں نے اس کا نام ہی بدل دیا ہے اور بجائے نعمۃ الباری کے اس کا نام ”نعم الباری“ رکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ میرا اور ضیاء القرآن پبلی کیشنز کا حافظ اور ناصر ہو اور ہمیں معاندین اور مفسدین کے شر اور فساد سے محفوظ اور مامون رکھے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلىٰ الہ واصحابہ وازواجہ وذریۃہم الف الف صلوات وتسلیمات دائما اہدا۔

غلام رسول سعیدی

خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ، کراچی 38

وَلَا تَقْرَأُ الْقُرْآنَ حَتَّىٰ تَغْتَسِلَ بِالْمَاءِ الْغَضِيِّ
 (در آیت قرآنی غسل کردن پیش از تلاوت قرآن)

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری

تصنیف
 علامہ غلام رسول سعیدی
 شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی ۲۸۰

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی



رَعْدُ الْبَنَارِ

صَحِيحُ الْبَخَارِ

عَلَامَةُ عَلَامَةِ رَسُولِ اللَّهِ

الجزء الثامن

وَاِنْ تَعْلَمَ اَنْتَ وَاَنْعُمْتَ بِاللّٰهِ الْاِخْصَاءُ

اور اگر تم اندکی نعمتوں کا شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم ص: ۲۴)

اعظم الباری

شرح صحیح البخاری

جلد ثامن (۸)

الاحادیث: ۴۹۷۷ — ۴۶۲۷

کتابُ التفسیر

تفسير سورة الانعام تا سورة الناس

تَصْنِيفُ

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ، کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں
(یہ کتاب کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے)

نام کتاب	نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد ثامن (۸)
تصنیف	علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ، کراچی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی
سال اشاعت	بار اول جون 2012ء بار دوم ستمبر 2012ء بار سوم مئی 2013ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	HS21

ملنے کا پتہ
ضیاء القرآن پبلی کیشنز

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:- 021-32212011-32630411- فیکس:- 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

ziaulquranpublications@gmail.com

Website:- www.ziaulquran.com

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فہرست مضامین

نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری (جلد ہشتم)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
☆	نعمۃ الباری کا افتتاحیہ	47	9	اس امت کا آپس کی لڑائیوں میں مبتلا ہونا ان کے	
☆	گزارش احوال واقعی	49		گناہوں کا کفار وہ ہے	69
	۶۔ سورۃ الانعام کی تفسیر	57	10	باب مذکور کی حدیث کے موافق دیگر احادیث	70
1	سورۃ الانعام کا تعارف	57		۳۔ باب	
2	تعلیقات مذکورہ کی شرح	59	11	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور انہوں نے اپنے ایمان	
	۱۔ باب			کے ساتھ ظلم (شرک) کو نہیں ملایا (الانعام: ۸۲)	
3	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اس کے پاس غیب کی		71	کی تفسیر	
	چاہیاں ہیں، اس کے سوا (از خود) ان کو کوئی نہیں			۳۔ باب	
	جانتا (الانعام: ۵۹) کی تفسیر	66	12	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور یونس اور لوط، اور ہم نے	
4	غیب کی تعریف	66		سب کو (ان کے زمانہ کے) تمام جہان والوں پر	
5	الانعام: ۵۹ میں مذکور مَقَاتِیْمُ الْغِیْبِ کی لفظی اور		71	فضیلت دی ○ (الانعام: ۸۶) کی تفسیر	
	معنوی تحقیق	66		۵۔ باب	
6	مَقَاتِیْمُ الْغِیْبِ کی تفسیر میں علامہ ابن الملقن، علامہ		13	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے	
	ابن حجر اور علامہ یعنی پر مستند کا تعاقب	67		ہدایت دی ہے، سو آپ بھی ان کے طریقہ پر	
7	مقبول بندوں کو علم غیب عطا کرنے میں محققین علماء		72	چلیں۔ (الانعام: ۹۰) کی تفسیر	
	کی تصریحات	67	14	اس اشکال کا جواب کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا	
	۲۔ باب			ہے کہ آپ انبیاء سابقین کے مقتدی ہیں حالانکہ	
8	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ کہے کہ وہی اس پر قادر		73	آپ کا مقام مقتدی ہونا ہے نہ کہ مقتدی ہونا	
	ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے۔			۶۔ باب	
	(الانعام: ۶۵) کی تفسیر	69	15	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور یہودیوں پر ہم نے ہر	

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
97	۱۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ کہئے کہ میرے رب نے تو صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام کیا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں، خواہ پوشیدہ (الاعراف: ۳۳) کی تفسیر	28	75	تاخن والا جانور حرام کر دیا تھا اور ہم نے ان پر گائے اور بکری کی جڑی حرام کر دی تھی (الانعام: ۱۴۶) کی تفسیر	16
			75	تعلیقات مذکورہ کی شرح	17
			76	جائز حیلہ اور ناجائز حیلہ کی تحقیق	18
	۲۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جب موسیٰ ہمارے مقرب کئے ہوئے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا تو عرض کیا: اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھا کہ میں تجھے دیکھوں، فرمایا: تم مجھے برگز نہ دیکھ سکو گے، البتہ تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر (میری تجلی کے باوجود) یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو عنقریب تم بھی مجھے دیکھ سکو گے، پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب ان کو ہوش آیا تو کہا: تو پاک ہے، میں نے تیرے حضور توبہ کی اور میں ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا ہوں O (الاعراف: ۱۴۳) کی تفسیر	29	76	۷۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ۔ (الانعام: ۱۵۱) کی تفسیر	19
			77	ظاہری بے حیائی اور باطنی بے حیائی کی تفصیل	20
			77	اللہ تعالیٰ کی غیرت اور بندوں کی غیرت کا معنی	
			78	اپنی تعریف کو پسند کرنا	21
				۸۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور وہ ہر چیز کا گنجبان ہے O (الانعام: ۱۰۲) کی تفسیر	22
98			78	۹۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ کہئے کہ تم اپنے ان گواہوں کو پیش کرو۔ (الانعام: ۱۵۰) کی تفسیر	23
				۱۰۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تو کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہوگا۔ (الانعام: ۱۵۸) کی تفسیر	24
98	۳۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ہم نے ان پر من اور سلوئی نازل کیا۔ (الاعراف: ۱۶۰) کی تفسیر	30	80	باب مذکور کے موافق دیگر احادیث	25
			81	سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے وقت ایمان لانے کے غیر مفید ہونے کا سبب	26
100	۴۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اے رسول مکرم!) آپ کہئے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، جس کی ملک میں تمام آسمان اور زمینیں ہیں، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے	31	82	۷۔ سورۃ الاعراف کی تفسیر	27
			84	سورۃ الاعراف کا تعارف	
			84	تعلیقات مذکورہ کی شرح	
			86		

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے، سو تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر جو نبی امی لقب ہیں، جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں، اور تم سب ان کی پیروی کرو تا کہ ہدایت پاؤ۔ (الاعراف: ۱۵۸) کی تفسیر	101	43	۲۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک اللہ کے نزدیک بدترین جاندار وہ لوگ ہیں جو بہرے، گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ (الانفال: ۲۲) کی تفسیر	111
	۵۔ باب		44	سب سے بدترین جاندار کے مصداق میں متعدد اقوال	111
33	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور چٹّہ (معاف کرنا) کہتے جاؤ۔ (الاعراف: ۱۶۱) کی تفسیر	102	45	۳۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے بلائے پر (فوراً) حاضر ہو جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لئے حیات آفریں ہو، اور یقین رکھو کہ انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ حائل ہے اور بے شک تم اسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے۔ (الانفال: ۲۳) کی تفسیر	112
34	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ غزوہ بدر کا طریقہ اختیار کیجئے، اور نیکی کا حکم دیجئے، اور جاہلوں سے اعراض کیجئے۔ (الاعراف: ۱۹۹) کی تفسیر	103	46	سورہ فاتحہ کے سب سے عظیم ہونے کی توجیہ اور اس کے السبع الثانی ہونے کا معنی	113
35	الْعَفْو: معروف کا حکم دینے اور جاہلوں سے درگزر کی تفصیل	103		۳۔ باب	
36	مشکل الفاظ کے معنی	104	47	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور (یاد کیجئے) جب انہوں نے کہا: اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری جانب سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا ہم پر (کوئی دوسرا) دردناک عذاب لے آئے۔ (الانفال: ۳۲) کی تفسیر	113
37	خلق کی تعریف	105	48	کفار کے طلب عذاب کی دعا کے باوجود ان پر عذاب نازل نہ فرمانے کی توجیہ	113
38	۸۔ سورۃ الانفال کی تفسیر	106	49	احمد بن المنذر کا تعارف	115
	سورۃ الانفال کا تعارف	106	50	ابو جہل کا تذکرہ اور علامہ عینی کا علامہ عسقلانی پر تعاقب کرنا	115
39	۱۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اے رسول مکرم!) یہ آپ سے انفال (اموال قیمتی) کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہئے کہ انفال (کے حکم) کا اللہ اور اس کا رسول مالک ہیں، سو تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو۔ (الانفال: ۱) کی تفسیر	106	51	کفار قریش پر عذاب نازل نہ کرنے کی وجوہ	115
40	غنیمشوں کی تقسیم میں متعدد اقوال	106	52	مسجد حرام کے متولی صرف مسلمان ہیں	116
41	تعلیق مذکور کی شرحت	107			
42	سورۃ الانفال کے شان نزول میں متعدد اقوال	107			
	تعلیقات مذکور کی شرحت	108			

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
53	۵۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ انہیں عذاب دے جب کہ آپ ان میں موجود ہوں اور نہ اللہ (اس وقت) انہیں عذاب دینے والا ہے جب کہ یہ استغفار کر رہے ہوں O (الانفال: ۳۳) کی تفسیر	116	63	دی ہے اور اسے معلوم ہے کہ تم میں کمزوری ہے۔ (الانفال: ۶۶) اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، تک کی تفسیر	122
54	اس باب کے تکرار پر علامہ عینی کا اعتراض	116	64	شکر کے بغیر تنہا مسلمان کا دو کافروں کے مقابلہ سے بھاگنا، آیا جائز ہے یا نہیں؟	123
55	الانفال: ۳۳-۳۴ کی متعدد تفسیریں	117	65	تنہا مسلمان کے دو یا زیادہ کافروں سے لڑنے کے وجوب پر حافظ ابن حجر کے دلائل پر مستف کی گرفت	124
56	۶۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور تم ان کے خلاف جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ کفر (کا غلبہ) نہ رہے اور پورا دین (صرف) اللہ کے لئے ہو جائے۔ (الانفال: ۳۹) کی تفسیر	118	66	۹۔ سورۃ التوبہ کی تفسیر	125
57	فتنہ کا مصداق شرک ہے	118	67	سورۃ براءۃ (توبہ) کا تعارف	125
58	حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مسلمانوں کی آپس کی لڑائیوں سے الگ رہنا	120	68	سورۃ التوبہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھنے کی توجیہات	125
59	۷۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے نبی (مکرم!) مومنین کو قتال پر برا بھلا نہ کہئے، اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آ جائیں گے، اور اگر تم میں ایک سو (صبر کرنے والے) ہوں تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آ جائیں گے، کیوں کہ وہ لوگ سمجھ نہیں سکتے O (الانفال: ۶۵) کی تفسیر	121	69	تعلیقات مذکور کی شرح	126
60	مشکل الفاظ کے معانی	121	70	۱۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین سے اعلان براءت (بیزاری) ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا O (التوبہ: ۱) کی تفسیر	132
61	شیخ اور تخفیف کا فرق اور ابن شبرمہ کا تعارف اور اکفار اور فساق دونوں سے مقابلے کا حکم واحد ہے	122	71	مشرکین سے کیے ہوئے معاہدہ کو ان کی خلاف ورزی کی وجہ سے توڑنا	132
62	۸۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اب اللہ نے تم سے تخفیف کر		72	آخری آیت اور آخری سورت کے متعلق متعدد اقوال	134
			73	۲۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سو (اے مشرک!) اب تم (صرف) چار ماور زمین میں (آزادی سے) چل پھرو اور یقین رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے O (التوبہ: ۲) کی تفسیر	135
				حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو براءت کا اعلان کرنے کے لئے بھیجنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجنے کی توجیہ	135

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
74	۳۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور سب لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان ہے کہ حج اکبر کے دن اللہ مشرکین سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول (بھی)، پس اگر تم تو پہ کر لو تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم اعراض کرتے ہو تو تم یقین رکھو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو، اور آپ کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دیجئے O (التوبہ: ۳) کی تفسیر	82	141	نہیں کرتے تو آپ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے O (التوبہ: ۳۴) کی تفسیر	141
75	حج اکبر کے متعلق مختلف اقوال اور مصنف کا مختار	136	141	آیت مذکورہ کی تفسیر	141
76	اس اشکال کا جواب کہ حضرت ابو بکر نے حضرت ابو ہریرہ کو اعلان کے لئے کیسے بھیجا؟ جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اعلان کرنے کے لئے حضرت علی کو بھیجا تھا، اور حضرت علی کے اعلان کے متعلق حدیث اور سورہ توبہ سے ان کے اعلان کی وضاحت	136	142	حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے ربذہ میں جانے کا صحیح سبب	142
77	۴۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ماسوا ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا۔ (التوبہ: ۴) کی تفسیر	136	142	۷۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جس دن وہ (سونا چاندی) دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں اور ان کے ہاتھوں اور ان کی چمچوں کو داغ جائے گا، یہ دن وہ (سونا اور چاندی) جس دن تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا، سواپ اپنے لئے جمع کرنے کا مزد چھو O (التوبہ: ۳۵) کی تفسیر	142
78	۵۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ماسوا ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا۔ (التوبہ: ۴) کی تفسیر	138	143	۸۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد اللہ کی کتاب میں بارہ مہینے ہے جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ (التوبہ: ۳۶) کی تفسیر	143
79	۶۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: کفر کے علم برداروں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (التوبہ: ۱۲) کی تفسیر	139	143	۹۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: درآن حالیکہ وہ وہاں سے دوسرے جگہ سے دو دو نوں غار میں تھے، جب وہ اپنے صاحب سے فرما رہے تھے: تم نے ہم سے بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، یعنی ہمارا مددگار ہے۔ (التوبہ: ۳۷) کی تفسیر	143
80	۷۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: کفر کے علم برداروں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (التوبہ: ۱۲) کی تفسیر	139	144	۱۰۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: درآن حالیکہ وہ وہاں سے دوسرے جگہ سے دو دو نوں غار میں تھے، جب وہ اپنے صاحب سے فرما رہے تھے: تم نے ہم سے بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، یعنی ہمارا مددگار ہے۔ (التوبہ: ۳۷) کی تفسیر	144
81	۸۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: کفر کے علم برداروں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (التوبہ: ۱۲) کی تفسیر	140	145	۱۱۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: کفر کے علم برداروں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (التوبہ: ۱۲) کی تفسیر	145
	۹۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: کفر کے علم برداروں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (التوبہ: ۱۲) کی تفسیر	140	148	۱۲۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: کفر کے علم برداروں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (التوبہ: ۱۲) کی تفسیر	148

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
89	بعض مشکل جملوں اور بعض ناموں کی وضاحت ۱۰۔ باب	149	157	کے لئے استغفار کیوں کیا؟ اور اس کا جواب ۱۳۔ باب	157
90	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جن کے دلوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا مقصود ہو۔ (التوبہ: ۶۰) کی تفسیر	149	101	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے عنقریب اللہ کی	101
91	مؤلفۃ القلوب کی تعریف اور ان کا حکم	149		قسمیں کھائیں گے، تاکہ تم ان (کے جھوٹے بہانوں) سے صرف نظر کرو، پس تم ان کی طرف	
92	چند مبہم اسماء کی تعیین ۱۱۔ باب	150		توجہ نہ کرو، بے شک وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، (یہ) ان کے ان کاموں کی سزا ہے،	
93	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک جو (منافق) خوشی سے صدقہ دینے والے مومنوں کو طعنہ دیتے ہیں۔ (التوبہ: ۷۹) کی تفسیر	150	158	جو وہ کرتے تھے ○ (التوبہ: ۹۵) کی تفسیر ۱۵۔ باب	158
94	آیت مذکورہ میں طعن کی تفسیر	150	102	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وہ تم کو راضی کرنے کے لئے تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے، پس اگر تم ان	102
95	جن صحابہ پر منافقین نے طعن کیا تھا، ان کے اسماء ۱۲۔ باب	151		سے راضی ہو (بھی) گئے تو اللہ فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہوتا ○ (التوبہ: ۹۶) کی تفسیر	
96	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ ان کے لئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی مغفرت طلب کریں تو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشنے گا۔ (التوبہ: ۸۰) کی تفسیر	152	159	۱۶۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بعض دوسرے وہ (مسلمان) ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار	159
97	نکتہ چینی کرنے والے منافقین کا استغفار سے محروم ہونا عبداللہ بن ابی کوفیہ عطا فرمانے اور اس کی نماز جنازہ پڑھانے کی وجوہات	152	103	کر لیا، انہوں نے نیک کاموں کو دوسرے برے کاموں سے ملا دیا۔ عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم	103
98	حدیث مذکور میں اضافہ شدہ روایات اور عبداللہ بن ابی ابن سلول کے نام کی وضاحت ۱۳۔ باب	153		فرمانے والا ہے ○ (التوبہ: ۱۰۲) کی تفسیر بعض صالح مومنین کے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے کا ذکر	
99	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جو ان میں سے مر جائے تو آپ ان میں سے کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ (التوبہ: ۸۳) کی تفسیر	155	104	۱۷۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: نبی اور ایمان والوں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ شرکین کے لئے استغفار	104
100	التوبہ: ۸۳ کا مصداق حدیث مذکور میں یہ تصریح ہے کہ عبداللہ بن ابی کفر پر مرا، پھر اس پر یہ اشکال ہے کہ آپ نے اس	156	161	کریں۔ (التوبہ: ۱۱۳) کی تفسیر رسول اللہ ﷺ کے تمام آباء اور امہات مومن تھے	161

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
107	۱۸۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک اللہ نے نبی کی توبہ قبول فرمائی، اور مہاجرین اور انصار کی جنہوں نے تنگی کے وقت میں نبی کی اتباع کی جب کہ اس کے بعد یہ قریب تھا کہ ایک گروہ کے دل اپنی جگہ سے ہل جائیں، پھر اس کے بعد اس نے ان کی توبہ قبول کی، بے شک وہ ان پر نہایت مہربان بہت رحم والا ہے O (التوبہ: ۱۱) کی تفسیر	162	167	مہربان ہیں O (التوبہ: ۱۲۸) کی تفسیر	167
108	نبی سنیٰ پیغمبر کی توبہ قبول کرنے کے محال	163	114	التوبہ: ۱۲۸ میں نبی سنیٰ پیغمبر کے فضائل	167
109	۱۹۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اس نے ان تین شخصوں کی توبہ (بھی) قبول فرمائی جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا، حتیٰ کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور خود ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں اور انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ کے سوا ان کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے، پھر ان کی توبہ قبول فرمائی تاکہ وہ توبہ پر قائم رہیں، بے شک اللہ بہت توبہ قبول فرمانے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O (التوبہ: ۱۱۸) کی تفسیر	164	115	حضرت ابوبکر کے قرآن جمع کرنے اور حضرت عثمان کے قرآن مجید جمع کرنے کا فرق اور بعض دیگر مسائل	170
110	ان تین کا بیان، جو پیچھے رہ گئے تھے	164	116	حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دینے کے متعلق حدیث میں صراحت	171
111	۲۰۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور (ہمیشہ) بچوں کے ساتھ رہو O (التوبہ: ۱۱۹) کی تفسیر	166	117	۱۰۔ سورۃ یونس کی تفسیر	173
112	۲۱۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آگئے ہیں، تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے، تمہاری فلاح پر وہ بہت حریص ہیں، مومنوں پر بہت شفیق اور نہایت	166	118	سورۃ یونس کا تعارف	173
113	۲۲۔ باب اللہ تعالیٰ کا ارشاد: سنو! وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تاکہ وہ اس سے چھپائیں، سنو! جس وقت وہ اپنے کپڑے اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں (اس وقت بھی) وہ اس کو جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے	166	119	۱۔ باب تعلیقات مذکورہ کی شرح	174
			120	۲۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار گزار دیا تو فرعون اور اس کے لشکر نے دشمنی اور سرکشی سے ان کا پیچھا کیا، حتیٰ کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو اس نے کہا: میں ایمان لایا کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں O (یونس: ۹۰) کی تفسیر	177
			121	فرعون کا نام اور جس سمندر میں فرعون غرق ہوا تھا	177
			122	اس کا بیان اور فرعون کا ایمان قبول نہ ہونے کی وجہ	177
			123	۱۱۔ سورۃ ہود کی تفسیر	179
			124	سورۃ ہود کا تعارف	179
			125	تعلیقات مذکورہ کی شرح	180
			126	۱۔ باب	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
193	ان لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں (ہود: ۱۱۳) کی تفسیر		ہیں، اور جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ بے شک وہ سینوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے (ہود: ۵) کی تفسیر	
194	دن کی دو طرفوں کا بیان اور زلفامن الیل کا معنی	183	حدیث مذکور کی صرفی اور نحوی ترکیب	124
195	بوسا لینے والے مرد کا نام اور ان کا مختصر تذکرہ	184	۲۔ باب	
197	۱۲۔ سورۃ یوسف کی تفسیر		اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ (ہود: ۷) کی تفسیر	125
197	سورۃ یوسف کا تعارف	135	اللہ تعالیٰ کے بھرے ہوئے ہاتھ کا معنی	126
	۱۔ باب	186	۳۔ باب	
	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت کو مکمل فرمائے گا جس طرح اس سے پہلے اس نے اس نعمت کو تمہارے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق پر مکمل فرمایا تھا (یوسف: ۶) کی تفسیر	187	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور (ہم نے) مدین والوں کی طرف ان کے ہم قبیلہ شعیب کو بھیجا۔ (ہود: ۸۳) کی تفسیر	127
205	حضرت یوسف علیہ السلام پر اور ان کے باپ دادا پر نعمت پوری کرنے کا معنی	189	شعیب کی انظلی تحقیق اور ان کا نسب	128
205	۲۔ باب	189	۴۔ باب	
	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک یوسف اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں پوچھنے والوں کے لئے بہت نشانیاں ہیں (یوسف: ۷) کی تفسیر	191	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور تمام گواہ کہیں گے: یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا، سنو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے (ہود: ۱۸) کی تفسیر	129
205	۳۔ باب	192	النجوی اور گنہگار کا معنی	130
	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (یعقوب نے) کہا: (بھڑیئے نے تو خیر نہیں کھایا) بلکہ تمہارے دل نے ایک بات گھڑ لی ہے، پس اب صبر جمیل کرنا ہی بہتر ہے (یوسف: ۱۸) کی تفسیر		۵۔ باب	
206	۴۔ باب		اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور آپ کے رب کی گرفت اسی طرح ہوتی ہے جب وہ ہستیوں پر اس حال میں گرفت کرتا ہے کہ وہ ظلم کر رہی ہوتی ہیں، بے شک اس کی گرفت دردناک شدید ہے (ہود: ۱۰۲) کی تفسیر	131
	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور وہ جس عورت کے گھر میں تھے اس نے ان کو اپنی طرف راغب کیا اور اس نے دروازے بند کر کے کہا: جلدی آؤ۔ (یوسف: ۲۳) کی تفسیر	192	۶۔ باب	
208	۵۔ باب		اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور دن کی دونوں طرفوں میں اور (ابتدائی) رات کے پیچھ حصوں میں نماز قائم رکھئے، بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، یہ	132
	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جب ان کے پاس قاصد آیا	141		

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	تو انہوں نے کہا: اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو: ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، بے شک میرا رب ان کی سازش کو خوب جاننے والا ہے O بادشاہ نے (ان عورتوں کو بلا کر) پوچھا: اس وقت کیا ہوا تھا جب تم نے یوسف کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی تھی، انہوں نے کہا: خاشی بندہ (یوسف: ۵۱-۵۰) کی تفسیر			۲- باب	
142	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: حتیٰ کہ جب رسول ناامید ہونے لگے (یوسف: ۱۱۰) کی تفسیر	210	150	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اللہ ایمان والوں کو مضبوط کلمہ کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے (ابراہیم: ۲۷) کی تفسیر	226
143	کذب ہوا اور کذب ہوا کی قراءت کا فرق	211	151	عذاب قبر کا ثبوت	226
144	۱۳- سورۃ الرعد کی تفسیر	213	152	۳- باب	
145	سورۃ الرعد کا تعارف	213	153	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: یا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا (ابراہیم: ۲۸) کی تفسیر	226
146	۱- باب	211	154	۱۵- سورۃ الحجۃ کی تفسیر	228
147	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بر مادہ کے حمل کو اللہ ہی جانتا ہے، اور ہر رحم میں جو کئی اور زیادتی ہوتی ہے اس کو بھی وہی جانتا ہے (الرعد: ۸) کی تفسیر	211	155	سورۃ الحجۃ کا تعارف	228
148	نا تمام بچے کی مختلف تعریفات	213	156	۱- باب	
149	۱۴- سورۃ ابراہیم کی تفسیر	221	157	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سوا اس کے جو چوری سے (فرشتوں کی باتیں) سنے تو اس کے پیچھے ایک چمکتا ہوا انکار آتا ہے O (الحجۃ: ۱۸) کی تفسیر	232
	سورۃ ابراہیم کا تعارف	221	158	حدیث مذکور کی شرح اور مشکل الفاظ کے معانی	233
	۱- باب		159	۲- باب	
	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بے شک وادی حجر کے رہنے والوں نے رسولوں کی تکذیب کی O (الحجۃ: ۸۰) کی تفسیر	219	160	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اللہ ایمان والوں کو مضبوط کلمہ کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے (ابراہیم: ۲۷) کی تفسیر	226
	۱۴- سورۃ ابراہیم کی تفسیر	221	161	عذاب قبر کا ثبوت	226
	سورۃ ابراہیم کا تعارف	221	162	۳- باب	
	۱- باب		163	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: یا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا (ابراہیم: ۲۸) کی تفسیر	226
	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جز (زمین میں) مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں O وہ درخت اپنے رب کے اذن سے ہر وقت پھل دیتا ہے۔ (ابراہیم: ۲۵-۲۴) کی تفسیر	224	164	۱۵- سورۃ الحجۃ کی تفسیر	228
	کلمہ طیبہ اور شجرہ طیبہ میں مختلف وجود سے مشابہت	224	165	سورۃ الحجۃ کا تعارف	228

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
260	لوگوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے عیش پرستوں کو اپنے احکام بھیجتے ہیں۔ (بنی اسرائیل: ۱۶) کی تفسیر	238	۵۔ باب	(الحجر: ۹۱) کی تفسیر	۰
260	۲۔ باب	172	240	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے حتیٰ کہ آپ کے پاس پیغام اجل آ جائے ○ (الحجر: ۹۹) کی تفسیر	161
260	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اے) ان لوگوں کی اولاد! جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا، بے شک وہ بہت شکر گزار بندے تھے ○ (بنی اسرائیل: ۳) کی تفسیر	242	242	۱۶۔ سورۃ النحل کی تفسیر	162
260	۷۔ باب	173	247	۱۔ باب	163
264	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی ○ (بنی اسرائیل: ۵۵) کی تفسیر	247	247	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور تم میں سے بعض کو ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ (النحل: ۷۰) کی تفسیر	164
264	۸۔ باب	174	249	۱۷۔ سورۃ بنی اسرائیل کی تفسیر	165
264	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ کہئے کہ تم ان کو پکارو جو تمہارے زعم میں اللہ کے سوا (عبادت کے مستحق) ہیں، سودہ تم سے نہ کسی ضرر کو دور کرنے کے مالک ہیں اور نہ اس کو بدلنے کے (مالک ہیں) ○ (بنی اسرائیل: ۵۶) کی تفسیر	249	249	سورۃ بنی اسرائیل کا تعارف	166
264	۹۔ باب	175	250	۱۔ باب	167
265	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جن لوگوں کی یہ (مشرکین) عبادت کرتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف قریب ترین وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔ (بنی اسرائیل: ۵۷) کی تفسیر	254	254	۲۔ باب	168
265	۱۰۔ باب	176	255	۳۔ باب	169
266	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ہم نے آپ کو (شب معراج) جو جلوہ دکھایا تھا وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لیے تھا۔ (بنی اسرائیل: ۶۰) کی تفسیر	256	256	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ہر عیب سے پاک ہے وہ جو اپنے (مکرم) بندہ کو رات کے ایک قلیل وقفہ میں مسجد حرام سے لے گیا۔ (بنی اسرائیل: ۱) کی تفسیر	170
267	شب معراج میں عجائبات دیکھنے کی خبر کا لوگوں کے لیے آزمائش ہونا			نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیت المقدس اٹھا کر رکھنے میں آپ کی فضیلت اور خصوصیت	171
				۵۔ باب	
				اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جب ہم کسی بستی کے	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
177	۱۱۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک فجر کی نماز میں قرآن پڑھنے میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں O (بنی اسرائیل: ۷۸) کی تفسیر	267	187	بعض مشکل عبارات کی شرح	284
178	۱۲۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا O (بنی اسرائیل: ۷۹) کی تفسیر	268	188	۳۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پس جب وہ دونوں سمندر کے سنگم پر پہنچ گئے تو وہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے، سو مچھلی نے سمندر میں سرنگ بناتے ہوئے اپنا راستہ بنا لیا۔ (الکہف: ۶۱) کی تفسیر	285
179	۱۳۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور آپ کہیے: حق آگیا اور باطل نابود ہو گیا اور بے شک باطل تھا بھی نابود ہونے والا O (بنی اسرائیل: ۸۱) کی تفسیر	269	189	اللہ نے اس مقتول لڑکے کے بدلے میں جو لڑکی دی تھی اس کا تذکرہ	289
180	۱۴۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ (بنی اسرائیل: ۸۵) کی تفسیر	269	190	۴۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پھر جب وہ دونوں اس جگہ سے آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا: ہمارا ناشتہ لاؤ، ہمیں اس سفر سے تھکاوٹ پہنچی ہے O اس نے کہا: بھلا دیکھیے جب ہم اس چٹان کے پاس آ کر ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا۔ یہ آیت یہاں تک ہے: اور اس مچھلی نے سمندر میں عجیب طریقہ سے راستہ بنا لیا تھا۔ (الکہف: ۶۲-۶۳) کی تفسیر	289
181	۱۵۔ باب روح کی تحقیق	269	191	۵۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ کہیے: کیا ہم تم کو یہ خبر دیں کہ سب سے زیادہ نقصان دہ کام کن لوگوں کے ہیں۔ (الکہف: ۱۰۳) کی تفسیر	294
182	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور آپ نماز میں نہ بہت بلند آواز سے قرآن پڑھیں اور نہ بہت نپست آواز سے۔ (بنی اسرائیل: ۱۱۰) کی تفسیر	271	192	۶۔ باب مصعب کے والد کا نام اور حورور یہ کا معنی	295
183	نماز میں قرآن کو متوسط آواز کے ساتھ پڑھنے کا حکم	271	193	۲۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس سے ملاقات کے ساتھ کفر کیا، سو ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔	277
184	۱۸۔ سورۃ الکہف کی تفسیر	273			
185	سورۃ الکہف کا تعارف	273			
186	۱۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور انسان ہر چیز سے زیادہ جھگڑالو ہے۔ (الکہف: ۵۴) کی تفسیر	277			
	۲۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جب موسیٰ نے اپنے خادم				

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	(الف: ۱۰۵) کی تفسیر	295		۴۔ باب	
	۱۹۔ سورۃ کہف کی تفسیر	297	203	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: کیا وہ غیب پر مطلع ہے یا اس	
194	سورۃ کہف (مریم) کا تعارف	297		نے رحمن سے کوئی عہد لیا ہوا ہے (یعنی پکا عہد لیا	
	۱۔ باب			ہے)۔ (مریم: ۷۸) کی تفسیر	306
195	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور آپ انہیں حسرت والے			۵۔ باب	
	دن سے ڈرائیے۔ (مریم: ۳۹) کی تفسیر	300	204	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: برگز نہیں! ہم عنقریب اس کی	
196	یوم الحشر کا مصداق	301		باتوں کو لکھ لیں گے اور اس کے عذاب کو بڑھاتے	
197	موت کو مینڈھے کی شکل میں ذبح کرنے کے			رہیں گے O (مریم: ۷۹) کی تفسیر	307
	متعلق احادیث	301		۶۔ باب	
198	مینڈھے میں سفید اور سیاہ رنگ ہونے کی حکمت اور		205	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ہم ہی اس کی باتوں کے	
	موت کا مخلوق ہونا اور جنت اور دوزخ کا دائمی ہونا	302		وارث ہیں، اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا O	
199	مینڈھے کی سفید دھاریوں سے اہل جنت کی			(مریم: ۸۰) کی تفسیر	307
	طرف اور سیاہ دھاریوں سے اہل دوزخ کی طرف			۲۰۔ سورۃ طہ کی تفسیر	309
	اشارہ کی توجیہ		206	سورۃ طہ کا تعارف	309
	۲۔ باب		207	لفظ طہ کے متعدد محال	309
200	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ہم (فرشتے) صرف آپ			۱۔ باب	
	کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں اور		208	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور میں نے آپ کو خاص	
	تبار سے آئے اور پیچھے اور جواس کے درمیان ہے			اپنے لیے چن لیا O (طہ: ۴۱) کی تفسیر	317
	وہ سب اس کی ملکیت ہے۔ (مریم: ۱۳) کی تفسیر	303	209	حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مذاکرہ کی	
	خبر جبریل کے آپ کے پاس نازل نہ ہونے			تفصیل اور یہ مذاکرہ کس جگہ ہوا تھا	318
	کی مدت میں متعدد اقوال	304	210	دنیا میں کیے ہوئے گناہوں پر تقدیر کا عذر پیش	
	۳۔ باب			کرنا جائز نہیں ہے	318
201	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: کیا آپ نے اس شخص کو		211	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بے شک ہم نے موسیٰ کی	
	دیکھا؟ جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور			طرف وحی فرمائی کہ آپ راتوں رات میرے	
	کہا: مجھے نہ ور مال اور اولاد دی جائے گی۔			بندوں کو لے جائیں، پھر ان کے لیے سمندر میں	
	(مریم: ۷۷) کی تفسیر	304		سے خشک راہ نکالیں آپ کو کسی کے پکڑنے کا	
202	اس اعتراض کا جواب کہ کیا حضرت خباب قیامت			خوف ہو گا نہ ڈر ہو گا O پس فرعون نے اپنے لشکر	
	کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کفر کر دینے کے	305		کے ساتھ ان کا چھپا کیا، پھر سمندر نے ان کو	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
212	وہانچ لیا جو وہانچ لیا O اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا اور سیدھا راستہ نہ دکھایا O (ط: ۷۷۷-۷۹۳) کی تفسیر	319	220	گمراہی ہے O (الحج: ۱۲-۱۱) کی تفسیر	335
213	سورۃ الانبیاء کا تعارف	322	221	۳- باب	336
214	۱- باب	322	223	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے متعلق جھگڑا لیا۔ (الحج: ۱۹) کی تفسیر	338
215	اللہ تعالیٰ کا ارشاد: جس طرح ہم نے ابتداء پیدا کیا تھا، ہم اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے، جس کو ہم ضرور پورا کرنے والے ہیں O (الانبیاء: ۱۰۳) کی تفسیر	327	224	۲۳- سورۃ المومنون کی تفسیر	342
216	الفتح کا معنی اور اس کی وجہ تسمیہ، غرانا کا معنی اور مرتدین کا مصداق	328	225	سورۃ النور کا تعارف	342
217	۲۲- سورۃ الحج کی تفسیر	330	226	۱- باب	345
218	سورۃ الحج کا تعارف	330	227	اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور تم کو لوگ مدبوش نظر آئیں گے۔ (الحج: ۲) کی تفسیر	346
219	۱- باب	333	228	لعان کے بعد وقوع طلاق کا جواز اور شرع صحیح مسلم میں اس کی تحقیق	349
	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور تم کو لوگ مدبوش نظر آئیں گے۔ (الحج: ۲) کی تفسیر	334	229	لعان کرنے والے مرد و عورت کے درمیان تہنید و تکبھی نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں فقہاء احناف کا اختلاف اور مشقی بقول پردلائل	351
	۲- باب	334	230	۲- باب	352
	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور کوفی شخص ایک کنارے پر کھڑا ہو کر اللہ کی عبادت کرتا ہے، پس اگر اس کو کوئی بھلائی مل جائے تو وہ اس سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اس پر کوئی آزمائش کی جائے تو وہ منہ کے بل پلٹ جاتا ہے، اس نے دنیا اور آخرت کا نقصان سمیٹا (یہ یہاں تک ہے) یہی دور کی			اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو O (النور: ۷) کی تفسیر	
				علامہ نووی کا یہ استدلال کہ محض لعان سے جدائی واقع ہو جاتی ہے اور دلائل سے اس نظر یہ کار د	

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
360	”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت میں جس نے بڑا حصہ لیا“ اس سے عبد اللہ بن ابی کے مراد ہونے پر دلائل	239	231	محض حمل کا انکار کرنے پر لعان کرنا واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں ائمہ کے اقوال اور احناف کے موقف پر دلائل	
361	آیت میں عبد اللہ بن ابی کے مراد ہونے پر صحیح بخاری ہی کی ایک حدیث کے ذریعہ معترضین کا اعتراض اور اس کا جواب	240	353	لعان والی عورت اور اس کی اولاد کا آپس میں ایک دوسرے کا وارث ہونا	232
362	اس جواب کی تائید میں مختلف شارحین حدیث کی آراء	241	354	۳۔ باب	
363	سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی عزت افزائی فرمانا اور ان کے خلاف بولنے سے منع فرمانا	242	233	اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور عورت سے حد زنا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے (النور: ۸) کی تفسیر	
	۶۔ باب		355	لعان کی آیتیں حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں نازل ہوئیں یا حضرت عویم رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں؟ اس پر حافظ ابن حجر عسقلانی کی مفصل تحقیق	234
	اللہ تعالیٰ کا ارشاد: جب تم نے اس (تہمت) کو سنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنوں کے متعلق نیک گمان کیوں نہیں کیا اور یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ تو کھلا بہتان ہے؟ تہمت لگانے والے اس تہمت پر چار گواہ کیوں نہ لائے آپس جب وہ گواہ نہیں لائے تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں (النور: ۱۳-۱۲) کی تفسیر	243	356	حدیث کے کچھ مشکل کلمات کی تشریح	235
364	بے قصور یا نامعلوم شخص پر تہمت لگے تو اہل ایمان کو کیا گمان رکھنا چاہیے؟ اور واقعہ افک کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر ایک دلیل	244	358	۴۔ باب	236
365	حدیث افک	245		اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور پانچویں بار (عورت یہ کہے) کہ اس پر اللہ کا غضب نازل ہوا اگر (اس کا خاوند) بچوں میں سے ہو (النور: ۹) کی تفسیر	
364	حدیث افک کے مباحث پر سب سے زیادہ محدث اعظم علامہ غلام رسول سعیدی کا بحث اور تحقیق فرمانا	246		۵۔ باب	237
374	نعمۃ الباری، کتاب الشهادات میں حدیث افک: ۲۶۶۱ کی شرح کے عنوانات	247		اللہ تعالیٰ کا ارشاد: بے شک جن لوگوں نے (عائشہ صدیقہ پر) تہمت لگائی وہ تم میں سے ایک گروہ ہے، تم اس (تہمت) کو اپنے لیے شر نہ سمجھو بلکہ وہ (نتائج کے اعتبار سے) تمہارے لیے بہتر ہے، اس گروہ میں سے ہر فرد کے لیے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا اور جس شخص نے ان میں سے اس (تہمت) میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے (النور: ۱۱) کی تفسیر	
374	نعمۃ الباری، کتاب المغازی میں حدیث افک: ۳۱۳۱ کی شرح کے عنوانات	248	359	سورۃ النور کی آیت: ۱۱ کی مختصر تفسیر، لفظ افک کا اصل معنی اور غُصْبَةٌ فَمِنْكُمْ پر اشکال کا جواب	238
374	شرح صحیح مسلم میں حدیث افک کی شرح کے	249	359		
	شرح صحیح مسلم میں حدیث افک کی شرح کے	250			

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
251	عنوانات تفسیر تبیان القرآن میں سورۃ النور کی آیات اٹک	374	261	فضل و رحمت اور عذاب عظیم کا معنی و مفہوم اور اس	381
252	کے تحت حدیث اٹک کا تذکرہ اور اس کی شرح میں بعض معاصرین کے اعتراضات کے جوابات	375	262	آیت کے مخاطبین کا تعین مسروق کا حضرت ام رومان بنت نبیہ سے سامع ثابت	382
253	حدیث اٹک پر شارح بخاری علامہ ابن ابی جرہ کی شرح اور اس سے کچھ علمی نکات	375	263	ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف اور رائج قول کا بیان	382
254	سیدہ عائشہ بنت نبیہ کا ہودج میں سوار ہونا اور اس کے ضمن میں مختلف شرعی مسائل	376	264	۸۔ باب اللہ عزوجل کے ارشاد: جب تم یہ (تہمت) اپنی	383
255	سیدہ عائشہ بنت نبیہ کا قضائے حاجت فرمانے کے بعد اپنے گلے کے ہار کی طرف متوجہ ہونا اور کچھ شرعی مسائل	376	265	زبانوں سے نقل کرتے رہے اور اپنے منہ سے وہ بات کہتے رہے جس کا تمہیں علم نہ تھا اور تم اس کو معمولی بات سمجھتے رہے حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت سنگین بات تھی O (النور: ۱۵) کی تفسیر	383
256	سیدہ عائشہ بنت نبیہ کے ساتھ ان کی بیماری کے دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل اور کچھ شرعی مسائل	376	266	اِذْ تَلْقَوْنَہُ میں سیدہ عائشہ بنت نبیہ کی قراءت اور اس پر وارد ہونے والے ایک اعتراض کا جواب	383
257	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ بنت نبیہ کے معاملہ میں حضرت علی اور حضرت اسامہ بن زید بنی نبیہ سے مشورہ فرمانا اور اس سے علامہ ابن ابی جرہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم علم پر استدلال	377	267	۹۔ باب اللہ عزوجل کے ارشاد: اور تم نے اس (تہمت) کو سننے ہی یہ کیوں نہ کہا: ایسی بات کرنا ہمارے لیے جائز نہیں ہے، اے اللہ! تو پاک ہے، یہ تو بہت سنگین بہتان ہے O (النور: ۱۶) کی تفسیر	384
258	مصنف کی طرف سے علامہ ابن ابی جرہ کے اس استدلال کا جواب	377	268	سیدہ عائشہ بنت نبیہ کے مرض الموت میں حضرت ابن عباس بنیہما کا ان کے پاس آنا اور ان کی تعریف و توصیف کرنا	385
259	حضرت عائشہ بنت نبیہ کا اپنی والدہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو مقدم کرنا اور یہ فرمانا کہ میں صرف اللہ عزوجل کی حمد کروں گی	378	269	صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث کی سند میں ذکوان کا نام مذکور نہ ہونا اور اس سے علامہ ابن الملقن کا اس حدیث کے مرسل ہونے پر استدلال	386
260	حدیث اٹک پر علامہ ابن ابی جرہ کے وارد کردہ کچھ سوالات اور ان ہی کے دیئے ہوئے جوابات	379	270	حافظ ابن الملقن کے اس استدلال پر حافظ ابن حجر عسقلانی کا کلام اور علامہ ابن الملقن کی تردید	386
	۷۔ باب		270	علامہ بدر الدین عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی پر رد اور علامہ ابن الملقن کی تائید	386
	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم نے جس (تہمت) کا جہر چا کیا تھا اس کی وجہ سے تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا O (النور: ۱۳) کی تفسیر	380		مصنف کا نقطہ نظر اور اس پر زیر بحث حدیث کی	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	اور جو ایسے کام کرے گا وہ اپنے گناہوں کی سزا		297	اونچی جگہ پر یادگار بنانے کے متعلق اقوال	415
	پائے گا O (الفرقان: ۶۸) کی تفسیر	406	298	جائز اور ناجائز کھینوں کا بیان	415
287	الفرقان: ۶۸ اور النساء: ۹۳ کی تفسیر میں حضرت		299	قوم عادی کی مذمت کی وجوہ	415
	ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف اور جمہور امت کا ان		300	نبی سید تپہ کے والدین کریمین کے ایمان کی تحقیق	418
	سے اختلاف		301	شیخ سلیم اللہ خان کا الخطرۃ نکحہ اور یہ لفظ غلط اور	
	۳۔ باب			خلاف قرآن ہے	420
288	اللہ عزوجل کے ارشاد: اس کے لیے قیامت کے		302	اس اعتراض کا جواب کہ نکل کا معنی ہے امید ور	
	دن عذاب کو دو گنا کر دیا جائے گا اور اس میں وہ			شاہد اور اللہ تعالیٰ تو ماحم الغیب ہے وہ کسی چیز کی	
	ذلت کے ساتھ ہمیشہ رہے گا O (الفرقان: ۶۹)			امید کرنے سے پاک ہے	420
	کی تفسیر		303	الروم اور النعبث کے معنی کی تحقیق	421
	۴۔ باب			۱۔ باب	
289	اللہ عزوجل کے ارشاد: سو اس کے جس نے توبہ کر		304	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جس دن لوگ دوبارہ زندہ کیے	
	لی اور ایمان لے آیا اور اس نے نیک عمل کیے تو یہ			جائیں گے مجھے شرمندہ نہ کرنا O (الشعراء: ۸۷)	
	وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ سے بدل			کی تفسیر	423
	دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا ہے حد رحم فرمانے		305	حدیث مذکور کے رجال	423
	والا ہے O (الفرقان: ۷۰) کی تفسیر		306	قدر اور غیرہ کا معنوی فرق	424
290	گناہوں کا نسیوں سے بدلنا کس طرح ہوگا؟ اس		307	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے (عربی) باپ آزر کو	
	بارے میں مفسرین کے اقوال			دوزخ میں ڈالنے پر اعتراض کے متعدد جوابات	424
	۵۔ باب		308	آزر کو بجو کی شکل میں مسخ کرنے کی حکمتیں، اور	
291	اللہ عزوجل کے ارشاد: پس (اس کا عذاب تم پر)			حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آزر کے لیے استغفار کو	
	ہمیشہ لازم رہے گا O (القرآن: ۷۷) کی تفسیر	410		حرک کرنے اور آخرت میں اس کے لیے استغفار	
292	بیزاد کا معنی و مفہوم اور اس کی تفسیر میں مختلف اقوال	411		کرنے کی دو روایتوں میں تطبیق	425
	قیامت کی پانچ نشانیوں میں دھواں نکلنے سے			۲۔ باب	
	متعلق ملامت یعنی کی تحقیق		309	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور آپ اپنے قریبی رشتہ	
293	بقیہ چار نشانیوں کی تائید میں قرآن مجید کی آیات	412		داروں کو (عذاب سے) ڈرائیے O اور جن	
294	سورۃ الفرقان کا اختتام	412		مسلمانوں نے آپ کی پیروی کی ہے ان کے لیے	
295	نعمۃ الباری کی تحریر کی تشکیل جدید	413		اپنی رحمت کے بازو کو جھکا کر رکھیے O (الشعراء: ۷۱)	
	۲۶۔ سورۃ الشعراء کی تفسیر	414		۲۱۵-۲۱۳) کی تفسیر	426
296	سورۃ الشعراء کا مختصر تعارف	414	310	اس کی تحقیق کہ نبی سید تپہ کا صفا پہاڑ پر کھڑے	

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
450	قرآن فرض کیا ہے۔ (القصص: ۸۵) کی تفسیر	321		ہو کر کفار قریش کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا	
451	۲۹۔ سورۃ العنکبوت کی تفسیر			قصہ ایک بار کا ہے یا دو مرتبہ ایسا ہوا اور اس	
451	سورۃ العنکبوت کا تعارف	322		اعتراض کا جواب کہ نبی ﷺ کا حضرت سیدہ	
452	اللہ تعالیٰ کے علم پر حادث ہونے کے اشکال کا جواب	323		فاطمہ سے فرماتا: تم اپنے آپ کو دوزخ کے عذاب	
455	۳۰۔ سورۃ الروم کی تفسیر			سے بچاؤ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا	
455	سورۃ الروم کا تعارف	324	428	سکتا اور دیگر مباحث	
	۱۔ باب		431	۲۷۔ سورۃ النمل کی تفسیر	
	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں	325	431	سورۃ النمل کا تعارف	311
456	بڑھتا۔ (الروم: ۳۹) کی تفسیر		437	۲۸۔ سورۃ القصص کی تفسیر	
	مصنف کی جوانی کے بعد بڑھاپا اور اس سے نعمت	326	437	سورۃ القصص کا تعارف	312
	الباری کا کام متاثر ہونا اور پھر اللہ کے فضل سے			۱۔ باب	
460	دوبارہ شروع ہونا			اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک آپ جس کو پسند	313
462	حدیث مذکور کی مزید شرح	327		کریں اس کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے، لیکن اللہ	
462	حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی	328		جس کو چاہے اس کو ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے، اور	
	۲۔ باب			وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے O	
	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اللہ تعالیٰ کی خلقت میں کوئی	329	438	(القصص: ۵۶) کی تفسیر	
	تبدیلی نہیں ہے، (روم: ۳۰) یعنی اللہ تعالیٰ کے		439	علامہ یعنی اور علامہ عسقلانی کا مناقشہ	314
	دین میں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: یہ صرف پہلے			نبی ﷺ کی خصوصیت کی وجہ سے ابو طالب	315
	لوگوں کا طریقہ ہے O (الشعراء: ۱۳) یعنی		440	کے عذاب میں تخفیف	
463	اولین کا دین، فطرت سے مراد اسلام ہے۔			ابو طالب کا کلمہ توحید سے انکار کرنا اور حافظ ابن حجر	316
463	باب مذکور کے عنوان کی شرح	330	440	کا ابن المنیر پر رد کرنا	
465	۳۱۔ سورۃ لقمان کی تفسیر			امام بخاری نے کہا ہے کہ التوبہ: ۱۱۳ ابو طالب کی	317
465	سورۃ لقمان کا تعارف	331		وفات کے وقت نازل ہوئی اور حافظ ابن حجر کی	
465	لقمان کا تعارف	332		تحقیق یہ ہے کہ یہ آیت حضرت آمنہ اور مشرکین	
	۱۔ باب		441	کی وفات کے وقت نازل ہوئی	
	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا ہے	333	443	الغصۃ کی تفسیر میں متعدد اقوال	318
	شک شرک کرنا ضرور سب سے بڑا ظلم ہے O		449	دیگان کی لفظی تحقیق	319
466	(لقمان: ۱۳) کی تفسیر			۲۔ باب	
				اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک جس نے آپ پر	320

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
334	۲۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ (لقمان: ۳۴) کی تفسیر	467	478	کی تفسیر	
335	علوم خمسہ کے متعلق متعدد احادیث اور قرآن مجید	468	480	حضرت خزیمہ بن ثابت کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دینے کی توجیہ	
336	میں علم غیب کی نفی اور اس بات کا محمل	769	481	اس اعتراض کا جواب کہ جس آیت کو حضرت خزیمہ نے گم پایا تھا اس کی تعیین میں تعارض ہے	
337	لقمان: ۳۴ کی تفسیر میں مصنف کی تحقیق	472	481	نبی سنی پیغمبر کے اختیار اور وسعت علم کی دلیل	
338	۳۲۔ سورۃ السجدۃ کی تفسیر	472		۳۔ باب	
339	سورۃ السجدۃ کا تعارف	473	482	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے نبی! اپنی بیویوں سے کہیے: اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ! میں تم کو دنیا کا مال دوں اور تم کو اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں O (الاحزاب: ۲۸) کی تفسیر	
340	۱۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سو کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کن نعمتوں کو چھپا کر رکھا گیا ہے۔ (السجدۃ: ۱۷) کی تفسیر	475	482	ازواج مطہرات کو اختیار دینے کا معنی اور ان کو اختیار دینے کا سبب	
341	بنۃ کے معنی کی تحقیق	476		۵۔ باب	
342	۳۳۔ سورۃ الاحزاب کی تفسیر	476	484	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اگر تم اللہ کا ارادہ کرتی ہو اور اس کے رسول کا اور آخرت کے گھر کا تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے O (الاحزاب: ۲۹) کی تفسیر	
343	سورۃ الاحزاب کا تعارف	477	485	ازواج مطہرات کو اختیار دینے کے متعدد اسباب اور ان کے درمیان تطبیق	
344	۱۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: نبی ایمان والوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے مالک ہیں (الاحزاب: ۶) کی تفسیر	478	486	آپ نے جو ازواج کو اختیار دیا تھا آیا یہ اختیار دنیا اور آخرت کے درمیان تھا یا ان کو طلاق دینے اور نکاح کو برقرار رکھنے کے درمیان تھا؟	
	۲۔ باب		486	حضرت ام رومان کے نو (۹) بھری تک زندہ رہنے پر دلیل	
	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے (الاحزاب: ۵) کی تفسیر		486	اختیار دینے کے واقعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت	
	۳۔ باب		486	آیا اپنی ازواج کو اختیار دینا طلاق ہے یا نہیں	
	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سو ان میں سے بعض نے (شہید ہو کر) اپنی نذر پوری کر دی اور ان میں سے بعض منتظر ہیں اور انہوں نے (اپنے وعدہ میں) کوئی تبدیلی نہیں کی O (الاحزاب: ۲۳)				

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
356	۶۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپا رہے تھے جس کو اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ کو لوگوں کے طعنوں کا اندیشہ تھا اور اللہ آپ کے خوف کا زیادہ مستحق ہے۔ (الاحزاب: ۳۷) کی تفسیر	486	357	حضرت زینب بنت جحش بنو شعبہ کے نبی سنیہ تہجد کے ساتھ نکاح کے قصہ کے متعلق حاتم بن حجر کی عبارت	487
358	حضرت زینب بنت جحش بنو شعبہ کے نبی سنیہ تہجد کے ساتھ نکاح کے قصہ کے متعلق حاتم بن حجر کی عبارت	488	359	۷۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ان ازواج میں سے جن کو چاہیں خودت دور رکھیں اور جن کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں اور جس بیوی سے آپ الگ ہو چکے ہیں اگر آپ اس کو (پھر) طلب کر لیں تو آپ پر کوئی تنگی نہیں ہے (الاحزاب: ۵۱) کی تفسیر	490
360	حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی اور اپنا نفس بہ کرنے والی عورتوں کا بیان	491	361	جن عورتوں نے اپنا نفس آپ کو بہ کیا تھا ان کے متعلق احادیث	491
362	الاحزاب: ۵۱ کی تفسیر میں تین اقوال	492	363	۸۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو، سوا اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو، بلکہ جب تمہیں بلایا جائے اس وقت جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو فوراً چلے جاؤ اور (وہاں) باتوں میں دل نہ لگاؤ، بے شک تمہارے اس عمل سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے، سو وہ	500
493	۹۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اگر تم کسی بات کو چھپاؤ یا اس کو ظاہر کرو تو بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O ان خواتین پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ دادا اور اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور اپنے بھتیجیوں اور اپنے بھانجیوں اور اپنی ہم دین خواتین اور اپنی باندیوں سے پردہ نہ کریں اور تم اللہ سے ڈرتی رہو، بے شک اللہ ہر چیز کا نگہبان ہے O (الاحزاب: ۵۳-۵۵) کی تفسیر	364	499	۱۰۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود پڑھتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود پڑھو اور یہ کثرت سلام پڑھو O (الاحزاب: ۵۶) کی تفسیر	500

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
369	علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ	501	514	۳۶ کی تفسیر	514
370	دروود ابراہیمی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہمارے		515	۳۵۔ سورۃ المائدہ (فاطر) کی تفسیر	515
	نبی سیدنا پیغمبر پر فضیلت کے اعتراض کا جواب	502	515	سورۃ المائدہ (فاطر) کا تعارف	515
371	ابراہیم بن حمزہ اور ابن ابی حازم کا تعارف	503	517	۳۶۔ سورۃ یس کی تفسیر	517
372	غیر نبی پر استقامت الاصلۃ پڑھنے کی تحقیق	503	517	سورۃ یس کا تعارف	517
	۱۱۔ باب			سورۃ یس کے بعض فضائل	386
373	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے ایمان والو! ان لوگوں			۱۔ باب	
	کی طرف نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو اذیت			اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور سورۃ اپنی مقرر شدہ منزل	387
374	پہنچائی تھی۔ (الاحزاب: ۶۹) کی تفسیر	504		تک چلتا رہتا ہے، یہ بہت غالب علم والے کا بنایا	
375	صیبا اور وجیہا کے معنی	504	521	ہو انظام ہے O (یس: ۳۸) کی تفسیر	521
376	حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت پہنچانے کا ایک اور محل	505		عرش کے نیچے سورۃ کے سجدہ کرنے کے متعلق	388
	۳۴۔ سورۃ سبا کی تفسیر	506	522	علامہ عینی کی تقریر	522
377	سورۃ سبا کا تعارف	506		عرش کے نیچے سورۃ کے سجدہ کرنے کے متعلق	389
378	سبا کے متعلق علامہ عینی کی تحقیق	506	522	حافظ ابن حجر کی تقریر	522
379	سبا کے متعلق حافظ ابن حجر کی تحقیق	506	523	سورۃ کے مستقر کے متعلق مصنف کی تقریر	523
	۱۔ باب		524	۳۷۔ سورۃ الصافات کی تفسیر	524
380	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: حتیٰ کہ جب ان شفاعت		524	سورۃ الصافات کا تعارف	391
	کرنے والوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو			۱۔ باب	
	جائے گی، تو (طالبین شفاعت ان سے) پوچھیں			اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بے شک یونس ضرور رسوا ہوا	392
	گے کہ آپ کے رب نے کیا فرمایا تھا؟ وہ کہیں		528	میں سے ہیں O (الصافات: ۱۳۹) کی تفسیر	528
	گے: حق فرمایا تھا اور وہ نہایت بلند اور بہت بڑا		530	۳۸۔ سورۃ ص کی تفسیر	530
	ہے O (سبا: ۲۳) کی تفسیر	511	530	سورۃ ص کا تعارف	393
381	حدیث مذکور کے بعض مشکل جملوں کی شرح علامہ		530	لفظ ص کے متعلق متعدد اقوال	394
	عینی سے	513		۱۔ باب	
382	حدیث مذکور کے بعض مشکل جملوں کی شرح حافظ		531	الانعام: ۹۰ میں ہمارے نبی سیدنا پیغمبر کی عظیم منقبت	395
	ابن حجر سے	513		اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں ہیں، ایک مشہور تفسیر	
	۲۔ باب		535	اور دوسری محقق تفسیر	535
383	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وہ تو صرف تم کو سخت عذاب			۲۔ باب	
	کے آنے سے پہلے ڈرانے والے ہیں O (سبا:			اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو	396

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
397	میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو بے شک تو ہی بہت دینے والا ہے O (ص: ۳۵) کی تفسیر ص: ۳۵ کی علامہ یعنی سے تفسیر ۳۔ باب	536	536	زمینیں اس کی مٹھی میں ہوں گی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لیے ہوئے ہوں گے، وہ ان چیزوں سے پاک اور برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں O (الزمر: ۶۷) کی تفسیر	547
398	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں O (ص: ۸۶) کی تفسیر	537	407	تمام زمینوں کو اپنی مٹھی میں پکڑنے سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت ہے اور آسمانوں کو دائیں ہاتھ میں لپیٹنے سے مراد اللہ کی قدرت اور قوت ہے ۳۔ باب	548
399	ص: ۸۶ کی تفسیر علامہ یعنی سے ۳۹۔ سورۃ الزمر کی تفسیر	537	540	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور صور میں پھونکا جائے گا تو آسمان والے اور زمینوں والے سب ہلاک ہو جائیں گے، ماسوا ان کے جس کو اللہ چاہے، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو یگانہ یک وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے O (الزمر: ۶۸) کی تفسیر	548
400	سورۃ الزمر کا تعارف ۱۔ باب	540	408	آیت مذکورہ کے مشکل الفاظ کی شرح	548
401	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے میرے وہ بندو! جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا، بے شک وہی بہت بخشنے والا ہے حد رحم فرمانے والا ہے O (الزمر: ۵۳) کی تفسیر	540	409	حدیث مذکورہ کے بعض مشکل الفاظ کی شرح	549
402	آیت مذکورہ کا شان نزول	544	411	حدیث مذکورہ کے مشکل الفاظ کی شرح	550
403	آیا اس آیت میں حقوق اللہ اور حقوق العباد سب حقوق کی مغفرت کی نوید ہے یا صرف حقوق اللہ کی مغفرت کی نوید ہے؟ ۲۔ باب	545	412	عجب الذنب کے متعلق علماء اور شارحین کی عبارات	551
404	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہ کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا۔ (الزمر: ۶۷) کی تفسیر	546	413	عجب الذنب کے متعلق علامہ ابن السلقین کی عبارت	552
405	حدیث مذکورہ میں انگلی کی شرح میں علماء کے اقوال اور ہنسی کے وقت نبی ﷺ کی ڈانٹوں کے ظہور کی تحقیق ۳۔ باب	546	414	۴۰۔ سورۃ المؤمن یعنی سورۃ غافر کا تعارف	553
406	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور قیامت کے دن سب	546	415	ختم کے معنی میں بعض اقوال	553
			416	۴۱۔ سورۃ حم السجدۃ کی تفسیر	557
			417	سورۃ حم السجدۃ کا تعارف	557
			418	اشتبہ کا معنی اعطی کرنے کی توجیہ	557
			419	قرآن مجید کی چار آیتوں میں تعارض کا جواب	558
			420	علامہ یعنی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ ۱۔ باب	563
				اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور تم اس وجہ سے اپنے گناہ نہیں چھپاتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
573	جود دیگر روایات ہیں وہ موضوع ہیں یا ضعیف ہیں		576	۴۳۔ سورہ حم (الزخرف) کی تفسیر	
576	۴۳۔ سورہ حم (الزخرف) کا تعارف	432	576	۱۔ باب	
421	آیت مذکورہ کی تفسیر	565	422	حدیث مذکور کے الفاظ کی شرح	566
423	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور تمہارا اپنے رب کے ساتھ		424	حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کی شرح حافظ ابن حجر	567
425	شیخ ابن تیمیہ وغیرہ کا اللہ کے نیک بندوں کے وسیلہ		426	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اب اگر یہ صبر کریں تب بھی	568
427	صحیح البخاری: ۳۸۱۷ کی سند کی تحقیق	568	428	سورہ حم عسق (یعنی سورۃ الشوریٰ) کی تفسیر	570
429	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سوا قرابت کی محبت کے۔		430	قرابت اور قرابت داروں کی تفسیر	572
431	اس بات کی تحقیق کہ الشوریٰ: ۲۳ کی تفسیر میں صحیح		590	بخاری کی روایت ہی مستند ہے اور اس کے علاوہ	
573	جود دیگر روایات ہیں وہ موضوع ہیں یا ضعیف ہیں		576	۴۳۔ سورہ حم (الزخرف) کی تفسیر	
576	۴۳۔ سورہ حم (الزخرف) کا تعارف	432	576	۱۔ باب	
582	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور وہ (دوزخ کے نگران فرشتے	433	584	سے) پکار کر کہیں گے: اے مالک! چاہیے کہ تمہارا	
586	رب ہمیں ختم کر دے، وہ کہے گا: تم اس میں ہمیشہ		586	رہنے والے ہو O (الزخرف: ۷۷) کی تفسیر	
586	۲۔ باب	434	586	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تو کیا ہم اس وجہ سے تم کو	
588	نصیحت کرنے سے اعراض کریں کہ تم حد سے		589	گزرنے والے لوگ ہو O (الزخرف: ۵) کی تفسیر	
590	۴۳۔ سورہ حم (الزخرف) کی تفسیر	435	590	۱۔ باب	
590	۳۔ باب	436	590	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے	
590	جب آسمان واضح دھواں لائے گا O (الدخان: ۱۰)	437	590	۲۔ باب	
590	۳۔ باب	438	590	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا، یہ	
590	ہے دردناک عذاب O (الدخان: ۱۱) کی تفسیر	439	590	حدیث مذکور کے بعض مشکل الفاظ میں بعض مشکل	
590	جملوں کا بیان	440	590	۳۔ باب	
590	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اس دن وہ کہیں گے:)		590	اے ہمارے رب! ہم سے اس عذاب کو دور کر	
590	دے بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں O		590	(الدخان: ۱۲) کی تفسیر	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
441	۴۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اب ان کے نصیحت قبول کرنے کا وقت کہاں ہے حالانکہ ان کے پاس واضح ہدایت دینے والے رسول آچکے تھے O (الدخان: ۱۳) کی تفسیر	592	۵۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پھر انہوں نے اس رسول سے اعرش کیا اور بنا یہ سکھائے ہوئے دیوانے ہیں O (الدخان: ۱۴) کی تفسیر	592	۶۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جس دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے، بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں O (الدخان: ۱۵) کی تفسیر
442	۴۵۔ سورۃ حم الجاثیہ کی تفسیر	595	۱۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ہم (ان دنیا میں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں - ف و ہر (زمانہ) ہلاک کرتا ہے۔ (الجاثیہ: ۲۴) کی تفسیر	596	۲۶۔ سورۃ (حم) الاحقاف کی تفسیر
443	۴۵۔ سورۃ حم الجاثیہ کا تعارف	595	۱۱۱۔ الدھر کی توبیہ اور ابوہریرہ بن داؤد کے قول کا بطلان	596	۲۷۔ سورۃ حم الجاثیہ کا تعارف
444	۱۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ہم (ان دنیا میں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں - ف و ہر (زمانہ) ہلاک کرتا ہے۔ (الجاثیہ: ۲۴) کی تفسیر	596	۱۱۲۔ علامہ قرطبی، علامہ نووی اور علامہ رافعی کی اس مسئلہ میں عبارات	597	۱۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جس نے اپنے ماں باپ
445	۱۱۱۔ الدھر کی توبیہ اور ابوہریرہ بن داؤد کے قول کا بطلان	596	۱۱۳۔ انا الدھر کی ممانعت کی حالت کے بیان میں	598	
446	۱۱۲۔ علامہ قرطبی، علامہ نووی اور علامہ رافعی کی اس مسئلہ میں عبارات	597	۱۱۴۔ سورۃ (حم) الاحقاف کی تفسیر	600	
447	۱۱۳۔ انا الدھر کی ممانعت کی حالت کے بیان میں	598	۱۱۵۔ سورۃ حم الجاثیہ کا تعارف	600	
448	۱۱۴۔ سورۃ (حم) الاحقاف کی تفسیر	600	۱۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جس نے اپنے ماں باپ	608	
449	۱۱۵۔ سورۃ حم الجاثیہ کا تعارف	608			
450	۱۔ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جس نے اپنے ماں باپ	608			

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	۱۔ باب		471	الفقہ: ۲ کی تفسیر میں مختلف اقوال	620
458	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور رشتہ توڑ ڈالو گے۔		472	نبی سنن پینہ کے پیہ سو جنے کی توجیہ اور الفقہ: ۲ کی	
	(محمد: ۲۲) کی تفسیر	610		تفسیر میں مزید اقوال	621
459	رحم کا معنی، اور اس کے کھڑے ہونے اور بات		473	آپ کے بدن پر گوشت زیادہ ہونے کی تحقیق	622
	کرنے کی توجیہ	611	474	الفقہ: ۲ میں ذنب کا حقیقی معنی مراد ہونے اور اس	
460	الحق کا معنی اور اس میں استعارہ تخیلیہ اور تشریحیہ	611		کے مجاز پر محمول ہونے پر عبارات علماء سے استدلال	622
461	کن رشتوں کو جوڑنا واجب ہے اور کن رشتوں کو		475	ذنب کا معنی خلاف اولیٰ کرنے پر دلائل	623
	جوڑنا مستحب ہے	611	476	اعلیٰ حضرت کی عبارت سے نبی سنن پینہ کے لیے	
462	آیت مذکورہ سے یزید پر لعنت کے جواز پر			خلاف اولیٰ کا ثبوت	624
	استدلال اور اس پر جمہور کا موقف	612		۳۔ باب	
463	لعن یزید کے سلسلہ میں علامہ آلوسی کی مفصل تحقیق	612	477	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک ہم نے آپ کو وہابی	
	۲۸۔ سورۃ الفتح کی تفسیر	615		دینے والا، ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب	
464	سورۃ الفتح کا تعارف	515	624	سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے O (الفقہ: ۸) کی تفسیر	
	۱۔ باب		624	شاہد، میسر اور نذیر کے معانی	
465	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اے رسول مکرم!) ہم نے			۴۔ باب	
	آپ کے لیے کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی O (الفقہ: ۱)		478	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وہی ہے جس نے مومنوں کے	
	کی تفسیر	617	625	دلوں میں سکون نازل فرمایا۔ (الفقہ: ۴) کی تفسیر	
466	تکنت امک (تجھ پر تیری ماں روئے) کی تحقیق	619	479	حضرت اسید بن حضیر کی قراءت اور اس پر سکینہ	
467	حضرت عمر کے بار بار سوال کرنے اور رسول اللہ		626	نازل ہونے کے متعلق دو روایتیں	
	سنن پینہ کے فوراً جواب نہ دینے کی توجیہ	619		۵۔ باب	
468	إِنَّا قَمَحْنَاكَ قَمَحًا مُبِينًا اس آیت کے زیادہ		480	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جب وہ درخت کے نیچے آپ	
	محبوب ہونے کی توجیہ	619	626	سے بیعت کر رہے تھے۔ (الفقہ: ۱۸) کی تفسیر	
469	نبی سنن پینہ کی ترجیع کا معنی	620	481	کنکر اور پتھر مارنے کی ممانعت کی حکمت اور اگر	
	۲۔ باب		627	اس سے کسی کو ضرر نہ ہو تو پھر اس کی اجازت	
470	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تاکہ اللہ آپ کے لیے		482	غسل خانہ میں پیشاب کرنے کی ممانعت کی توجیہ	
	معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے (جہ)			اور اگر غسل خانہ میں پانی گزرنے کے لیے مالی بنی	
	ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام، اور آپ پر اپنی		627	ہوئی ہو تو پھر اس میں پیشاب کرنے کی رخصت	
	نعمت پوری کر دے اور آپ کو صراط مستقیم پر		629	حدیث مذکور کی شرح علامہ مینی سے	
	برقرار رکھے O (الفقہ: ۲) کی تفسیر	620	484	متنصف کے نزدیک حدیث مذکور کا خلاصہ	630

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
485	حدیث مذکور کی شرح حافظ ابن حجر عسقلانی سے	630	645	کے متعلق دو مذہب اور قدم رکھنے اور پیر رکھنے کی مختلف تاویلات	645
486	سورۃ الحجرات کا تعارف	632		۲۔ باب	
487	۱۔ باب	632	498	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے ۵۰ (ق: ۳۹) کی تفسیر	646
488	بلند نہ کرو۔ (الحجرات: ۲) کی تفسیر	634	499	حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کا مناقشہ	646
489	بنو قسیم کے سواروں کے آنے کی تاریخ اور آپ کے سامنے بعض خواتین کے بلند آواز سے باتیں کرنے کی توجیہ	635	648	۵۱۔ سورۃ الذاریات کی تفسیر	648
490	حضرت ثابت بن قیس کو جنت کی بشارت دی گئی تو یہ عشرہ مبشرہ پر زائد ہو گئے؟ اس اعتراض کا جواب	636	500	سورۃ الذاریات کا تعارف	648
491	۲۔ باب		501	شیخ سلیم اللہ خان کا امام بخاری پر یہ اعتراض کہ ان کا اہل بیت کے ناموں کے ساتھ بیعت لکھنا درست نہیں	649
492	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اے رسول مکرم!) بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں ۵۰ (الحجرات: ۴) کی تفسیر	636	502	الذاریت: ۵۶ پر اشکال کے امام بخاری کی طرف سے دو جوابوں کی وضاحت	652
493	الحجرات: ۴، کا شان نزول	636	503	امام بخاری کے جوابوں کا خلاصہ اور معتزلہ کے رد کی وضاحت	653
494	۳۔ باب		657	۵۲۔ سورۃ الطور کی تفسیر	657
495	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اگر یہ لوگ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ خود باہر آ جاتے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا۔ (الحجرات: ۵) کی تفسیر	637	504	سورۃ الطور کا تعارف	657
496	۵۰۔ سورۃ ق کی تفسیر	638	660	۱۔ باب	
497	سورۃ ق کا تعارف	638	661	الطور: ۳۵، ۳۷ کی تفسیر	661
	۱۔ باب		663	۵۳۔ سورۃ النجم کی تفسیر	663
	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اور دوزخ کہے گی:) کیا کچھ اور زیادہ (لوگ) ہیں ۵۰ (ق: ۳۰) کی تفسیر	643	663	سورۃ النجم کا تعارف	663
	جنت اور دوزخ کے مباحث کی کیفیت، جنت میں زیادہ تر پسماندہ لوگ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت پر دلیل	644	667	علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ	667
	دوزخ میں اللہ تعالیٰ کے قدم رکھنے اور پیر رکھنے		667	مصنف کی طرف سے ان دونوں میں محاکمہ	667
			668	۱۔ باب	
			669	یا امتناہ کی لفظی تحقیق اور حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کا مناقشہ	669
			510	لَا تُدْخِلُہَا لَہُ الْاَنْصَارُ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لفظی روایت باری پر استدلال اور علامہ عینی کے جوابات	669
			511	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس سے استدلال فرمانا کہ	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	۴۔ باب			اللہ تعالیٰ سے کلام کی حالت میں کوئی اس کو دیکھ نہیں سکتا اور علامہ عینی کا جواب	
512	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک (اس نبی نے) اپنے رب کی نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشانی کو ضرور دیکھا O (انجم: ۱۸) کی تفسیر	670	521	یہ جائز نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن کی کسی آیت یا اس کے کسی حکم کو چھپالیں	670
677	اپنے رب کی سب سے بڑی نشانی کا مصداق	678	522	علامہ ثعلبی اور اکثر علماء کے نزدیک رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دوبار دیکھا	671
678	۵۔ باب		523	حضرت ابن عباس کے نزدیک رسول اللہ ﷺ نے دل سے دیکھا ہے آنکھ سے نہیں دیکھا	671
	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: کیا تم نے لات اور عزیٰ کو (بہ غور) دیکھا O (انجم: ۱۹) کی تفسیر		524	اپنے رب کو دوبار دیکھنے کے متعلق مصنف کی تحقیق	672
679	اللات کے ماخذ اشتقاق میں متعدد اقوال	679	525	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ نبی ﷺ نے اپنے رب کو دل کی آنکھ سے دیکھا ہے، انجم: ۱۱ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے پر استدلال اور امام اشعری کا یہ قول کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے، اور لات و دکہ الالبصار کے متعدد جوابات اور دیگر مباحث میں علامہ ابن السلقن کی تحقیق	672
680	۶۔ باب		526	علامہ ابن السلقن کی تحقیق	675
	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اس تیسری ایک اور دیوی منات کو O (انجم: ۲۰) کی تفسیر		527	روایت باری کے مسئلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق کا خلاصہ	676
681	عروہ کے اشکال کا حضرت عائشہ کی طرف سے جواب اور منات کی وجہ تسمیہ اور محل وقوع میں متعدد اقوال	682	528	۲۔ باب	
	حدیث مذکور اور علامہ عینی کی شرح کی وضاحت از مصنف		529	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تو وہ (نبی، اللہ سے) دو کمائوں کی مقدار قریب ہو گئے یا اس سے بھی زیادہ O (انجم: ۹) کی تفسیر	676
683	۷۔ باب		530	۳۔ باب	
683	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سو اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو O (انجم: ۲۳) کی تفسیر	684	531	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پھر اللہ نے اپنے بندے کی طرف وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی O (انجم: ۱۰) کی تفسیر	676
684	مسلمانوں کے ساتھ مشرکین کے سجدہ کرنے کی توجیہ	684	532	حضرت عبد اللہ بن مسعود کے مذہب کے مطابق	677
	حافظ ابن حجر کا علامہ کرمانی سے مناقشہ اور اس پر علامہ عینی کے اعتراضات		532	سورۃ النجم: ۱۰-۸ کے معنی	
684	۵۳۔ سورۃ اقتربت الساعة				
685	(سورۃ القمر) کی تفسیر				

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
533	سورۃ اقتربت الساعة (سورۃ القمر) کا تعارف	685		روندی ہوئی گھاس کی طرح چورا چورا ہو گیا O اور	
	۱۔ باب			بے شک ہم نے حصول نصیحت کے لیے قرآن کو	
534	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا O			آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے	
	(اور کافر) اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو پیٹھ پھیر لیتے			والا O (القمر: ۲۲-۲۱) کی تفسیر	693
	ہیں اور کہتے ہیں: یہ تو وہ جادو ہے جو پیچھے سے چلا			۶۔ باب	
	آ رہا ہے O (القمر: ۱-۲) کی تفسیر	689	542	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بے شک ان کو طے شدہ	
535	چاند کے شق ہونے کی جگہ میں متعدد روایات اور			عذاب نے علی السج تباہ کر دیا O پس تم میرے	
	اقوال	689		عذاب اور میرے ڈرانے کا مزا چکھو O (القمر:	
536	سورۃ القمر میں شق القمر سے مراد قرب قیامت میں		694	۳۸-۳۹) کی تفسیر	
	اس کا شق ہونا ہے نہ کہ وہ شق القمر جو رسول اللہ			۷۔ باب	
	سنیت پینہ کا معجزہ ہے			اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بے شک ہم تم جیسی بہت	
	۲۔ باب			سی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں، پس ہے کوئی	
537	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جو (کشتی) ہماری آنکھوں		690	نصیحت قبول کرنے والا O (القمر: ۵۱) کی تفسیر	694
	کے سامنے چل رہی تھی ان کے صلہ میں جن کے			۸۔ باب	
	ساتھ کفر کیا تھا O اور بے شک ہم نے اس کو			اللہ تعالیٰ کا ارشاد: عنقریب ان کی جماعت شکست	
	نشانی بنا کر چھوڑا، تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے			کھائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے O (القمر:	
	والا O (القمر: ۱۵-۱۳) کی تفسیر	691	695	۲۵) کی تفسیر	
538	منفرت نوح - پینہ کا کشتی کو بنانا اور اس کو سیلاب			حدیث مذکور کی دو سندوں کی وضاحت اور اللہ	
	میں چلانا کفار کو سزا دینے کے لیے تھا	691	696	تعالیٰ کے عہد اور وعدہ کا بیان	
	۳۔ باب			۹۔ باب	
539	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بے شک ہم نے نصیحت کے			اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بلکہ ان کی وعید قیامت ہے	
	حصول کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی			اور قیامت بڑی مصیبت اور بہت تلخ ہے O	
	نصیحت قبول کرنے والا O (القمر: ۱۷) کی تفسیر	692	696	(القمر: ۳۶) کی تفسیر	
	۴۔ باب		698	۵۵۔ سورۃ الرحمن کی تفسیر	
540	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جیسے وہ جز سے کٹے ہوئے کھجور		698	سورۃ الرحمن کا تعارف	
	کے تے ہیں O پس کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا			امام بخاری اور امام ابو حنیفہ کا اس بات میں مناقشہ	
	میرا اذرا O (القمر: ۲۱-۲۰) کی تفسیر	692	548	کہ آیا کھجور اور انار پھلوں میں داخل ہیں یا نہیں،	
	۵۔ باب			امام ابو حنیفہ کے نزدیک کھجور اور انار پھلوں میں	
541	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تو وہ بازو بنانے والے کی			داخل نہیں بلکہ وہ غذا اور دوا ہیں اور امام بخاری	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	کے نزدیک وہ پھلوں میں داخل ہیں	703		۲۔ باب	
549	مناقشہ مذکورہ میں مصنف کی رائے	705	562	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تم نے کھجوروں کے جو درخت	
	۱۔ باب			کاٹ دیئے۔ (الحشر: ۵) کی تفسیر	726
550	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ان دو جنتوں کے علاوہ اور		563	لینہ کی تفسیر میں متعدد اقوال	726
	دو جنتیں ہیں O (الرحمن: ۶۲) کی تفسیر	708		۳۔ باب	
551	اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی چادر اور اس کے چہرے کی		564	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اللہ نے جو اموال اپنے	
	تحقیق	708		رسول پر لوٹا دیئے۔ (الحشر: ۶) کی تفسیر	726
552	الرحمن: ۶۲، میں مذکور دو جنتوں کی تفصیل	709	565	السلام اور الکرام کے معانی اور الفی کی تقسیم میں	
	۲۔ باب			مذہب اور خوراک کے ذخیرہ کرنے کی تفصیل	727
553	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آنکھوں والی حوریں ہیں جو			۴۔ باب	
	خیموں میں باپردہ ہیں O (الرحمن: ۷۲) کی تفسیر	709	566	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور رسول جو تم کو دیں اس کو	
	کھوکھلے موتی کے خیمہ کی شرح	710		لے لو۔ (الحشر: ۷) کی تفسیر	727
	۵۶۔ سورۃ الواقعہ کی تفسیر	711	567	داشہ اور موتشہ کا معنی اور ان کا شرعی حکم	728
554	سورۃ الواقعہ کا تعارف	711	568	داشہ اور موتشہ کے حکم میں امام شافعی کا مذہب	729
555	علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ	716	569	عورت کی بھوؤں اور اس کے رخسار پر اگے ہوئے	
	۱۔ باب			بالوں اور اس کی ڈاڑھی مونچھوں کے کاٹنے کے	
556	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور پھیلے ہوئے لمبے سایوں			متعلق شرعی حکم	729
	میں O (الواقعہ: ۳۰) کی تفسیر	718	570	دانتوں میں کشادگی کرنے اور کروانے کا شرعی حکم	729
	۵۷۔ سورۃ الحدید کی تفسیر	719	571	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں کسی مسلمان پر	
557	سورۃ الحدید کا تعارف	719		لعنت کرنے کا جواز اور اس پر بحث	730
	۵۸۔ سورۃ المجادلہ کی تفسیر	722	572	سوئی سے گودنے اور بال نوچنے وغیرہ پر قرآن	
558	سورۃ المجادلہ کا تعارف	722		مجید میں بالواسطہ لعنت ہے	730
	۵۹۔ سورۃ الحشر کی تفسیر	724	573	دو لوحوں کا معنی اور اس حدیث کی دیگر مبہم یا مجمل	
559	سورۃ الحشر کا تعارف	724		عبارتوں کی وضاحت اور بیان	730
	۱۔ باب		574	عورت کے رخساروں اور بھوؤں سے بال نوچنے	
560	جن آیات میں منہم اور منہم کا ذکر کیا گیا ہے			کے متعلق علامہ ابن عابدین شامی حنفی کی تحقیق	730
	اور یہ پانچ آیات ہیں	725	575	بالوں کے دوسرے بالوں کے ساتھ وصل کرنے	
561	سورۃ الحشر کو سورت بنو النضر کہنے کی وجہ	726		میں علامہ قرطبی مالکی اور علامہ نووی شافعی کا مفصل	
				قول اور پرانندوں کے ساتھ وصل کرنے کا جواز	731

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
740	عورت کا نام و دیگر امور	591	732	بالوں کے دوسرے بالوں کے ساتھ وصل کرنے میں علامہ شامی حنفی اور دیگر فقہاء احناف کا مفصل قول	576
740	جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب کی تصدیق کر دی تھی تو پھر حضرت عمر نے ان کو قتل کرنے کی اجازت کیوں طلب کی	592	733	۵۔ باب	577
740	جس روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت حاطب کے قصہ میں الممتحنہ: ۱۱، نازل ہوئی وہ روایت مدرج ہے	593	733	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور (یہ اموال) ان لوگوں کے لیے ہیں جو دار ہجرت میں اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنا چکے ہیں۔ (الحشر: ۹) کی تفسیر	578
741	۲۔ باب	594	734	مہاجرین کے آنے سے پہلے انصار کے مدینہ میں دار ہجرت اور دار ایمان بنانے کی فضیلت	579
742	عورتوں کا امتحان لینے کی کیفیت، نبی ﷺ نے عورتوں کو بیعت کرتے وقت کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا، اس پر ایک اشکال کا جواب	595	736	مہاجرین اولین کے مصداق میں متعدد اقوال	580
743	۳۔ باب	596	736	۶۔ باب	581
744	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں بیعت کے لیے حاضر ہوں۔ (الممتحنہ: ۱۲) کی تفسیر	597	737	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔ (الحشر: ۹) کی تفسیر	582
745	نوحہ کرنے کا معنی اور جس عورت نے اپنا ہاتھ کھینچا تھا اس سے مراد خود حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا ہیں، اور نبی ﷺ کا اختیار	598	738	علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ	583
748	جن احادیث میں مذکور ہے کہ آپ نے دوسری عورتوں کو بھی نوحہ کرنے کی اجازت دی ان احادیث کا محمل	539	738	جو مرد بھوکا تھا اور اس نے کھانا طلب کیا تھا اس کا مصداق	584
748	معروف کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال، اور شرط مذکورہ کا مردوں کے لیے بھی معتبر ہونا	540		جس انصاری نے اس بھوکے کی مہمانی کی تھی اس کا مصداق	585
	۶۱۔ سورۃ القف کی تفسیر			ہنکی کورات میں بھوکا سلانے کی توجیہ	586
	۱۔ باب			اللہ تعالیٰ کے تعجب اور ہنسنے کا معنی	587
	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جو میرے بعد آئے گا اس کا			۶۰۔ سورۃ الممتحنہ کی تفسیر	588
				سورۃ الممتحنہ کا تعارف	589
				مکہ میں جن کافر عورتوں کے ساتھ نکاح کو فسخ کر دیا گیا ان کی تفصیل	590
				۱۔ باب	
				اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے ایمان والو! میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ (الممتحنہ: ۱) کی تفسیر	
				رسول اللہ ﷺ نے عورت سے خط لینے کے لیے جن کو بھیجا ان کے ناموں کی تفصیل اور اس	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
541	نام احمد ہے۔ (القف: ۶) کی تفسیر آپ کے نام احمد کا معنی اور اہل انجیل کے نزدیک آپ کا نام	749	552	حدیث میں مذکور غزوہ کی تعیین، عبد اللہ بن ابی کا پورا نام، حضرت زید نے صرف اپنے چچا سے اس واقعہ کا ذکر کیا تھا نہ کہ حضرت عمر سے	749
542	الحاشر اور العاقب کی وضاحت اور اس سوال کا جواب کہ اس حدیث میں جتنے اسماء ذکر کیے گئے آپ کے اسماء تو اس سے بہت زیادہ ہیں	749	553	حضرت زید بن ارقم کو جھوٹا قرار دینے سے ان کو جو غم ہوا اس کی کیفیت اور رسول اللہ ﷺ کا انہیں راضی کرنا	749
543	محمد، احمد اور الماحی کے معنی ۶۲۔ سورۃ الجمعہ کی تفسیر	750	554	حدیث مذکور پر ایک اشکال کا مصنف کی طرف سے جواب اور حضرت زید بن ارقم کی فضیلت	750
544	سورۃ الجمعہ کا تعارف ۱۔ باب	751	751	۲۔ باب	751
545	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ان میں سے دوسروں کو بھی (تعلیم دیتے ہیں) جو ان پہلوں سے (ابھی) نہیں ملے۔ (الجمعة: ۳) کی تفسیر	751	555	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: انہوں نے اپنی قسموں کو ذحال بنالیا۔ (المنافقون: ۲) کی تفسیر	751
546	دوسرے لوگوں کا مصداق اور فارس کی تاریخ ۲۔ باب	752	556	حضرت زید بن ارقم کی تصدیق کے لیے رسول اللہ ﷺ نے جو آٹھ (۸) آیات تلاوت فرمائیں ان کا ترجمہ	752
547	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جب انہوں نے کوئی تجارتی قافلہ دیکھا۔ (الجمعة: ۱۱) کی تفسیر	753	557	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ (زبان سے) ایمان لائے، پھر انہوں نے (دل کا) کفر ظاہر کر دیا، سو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے، سو وہ سمجھتے نہیں ہیں O (المنافقون: ۳) کی تفسیر	753
548	تجارت کے بعد لبو کے ذکر کا سبب	753	558	حدیث مذکور کے تعارض کو دور کرنے میں حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کا مناقشہ	753
549	تجارت کے بعد اؤلہوذا فرمانے کی توجیہات اور لبو کا ترجمہ تماشا کرنا، نامناسب ہے اور جو صحابہ خطبہ چھوڑ کر چلے گئے تھے ان کی توجیہ	754	760	۳۔ باب	754
550	۶۳۔ سورۃ المنافقون کی تفسیر سورۃ المنافقون کا تعارف ۱۔ باب	755	559	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور (اے مخاطب!) جب تم انہیں دیکھو گے تو ان کے جسم تمہیں اچھے لگیں گے اور اگر وہ بات کریں تو تم ان کی بات سنو گے، گویا وہ دیوار کے سہارے کھڑے ہوئے شہتیر ہیں، وہ ہر بلند آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں، یہی (حقیقی) دشمن ہیں، سو تم ان سے خبردار رہو، اللہ انہیں ہلاک کرے یہ کہاں اوندھے جا رہے ہیں O	755
551	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اے رسول مکرم!) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں یہ آیت یہاں تک ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں O (المنافقون: ۱) کی تفسیر	755			

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
560	(المنافقون: ۴) کی تفسیر	760	569	سمجھنے O (المنافقون: ۷) کی تفسیر	765
561	عبداللہ بن ابی اور اس کے حامیوں کی جسمانی خوبصورتی اور ان کا ایمان سے خالی ہونا اور شبہتوں سے ان کی مشابہت کی توجیہ	761	570	واقعہ حرہ کا بیان اور حضرت زید بن ارقم کی حضرت انس سے شہداء انصار پر تعزیت	766
562	اللہ انہیں ہلاک کرے، اس کی شرح میں علامہ عینی کا تسامح اور مصنف کا اس پر تبصرہ	761	571	۸۔ باب	
563	علامہ عینی کا علامہ کرمانی سے مناقشہ	762	572	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وہ کہتے ہیں کہ اگر (اب) ہم مدینہ واپس گئے تو ضرور عزت والا ذلت والے کو وہاں سے نکال دے گا حالانکہ عت تو صرف اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے ہے اور ایمان والوں کے لیے لیکن منافقین نہیں جانتے O	
564	۵۔ باب		573	(المنافقون: ۸) کی تفسیر	766
565	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جب ان سے کہا جاتا ہے: آؤ رسول تمہارے لیے مغفرت طلب کریں تو یہ اپنے سرمٹکاتے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ یہ تکبر سے اپنے آپ کو روکتے ہیں O (المنافقون: ۵) کی تفسیر	763	574	۶۳۔ سورۃ التغابن کی تفسیر	768
566	لَوْ ذَا اور يَصْذُونَ کا معنی	763	575	۶۴۔ سورۃ التغابن کی تفسیر	768
567	۶۔ باب		576	سورۃ التغابن کا تعارف	768
568	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ان کے حق میں برابر ہے خواہ آپ کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں اللہ ان کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا، بے شک اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O (المنافقون: ۶) کی تفسیر	764	577	۶۵۔ سورۃ الطلاق کی تفسیر	770
569	منافقین کی مغفرت نہ کرنے کی وجہ	764	578	سورۃ الطلاق کا تعارف	770
570	حدیث میں مذکور غزوہ کی تعیین، جس مہاجر نے انصاری کو لات ماری تھی اس مہاجر اور انصاری کا نام	765	579	۱۔ باب	
571	۷۔ باب		580	عورت کو حالت حیض میں طلاق دینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب کا سبب ہے	771
572	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں: ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہیں حتیٰ کہ یہ لوگ منتشر ہو جائیں (یعنی متفرق ہو جائیں) اور آسمانوں اور زمینوں کے تمام خزانے اللہ کی ملکیت میں ہیں، لیکن منافقین نہیں		581	طلاق حسن، طلاق احسن اور طلاق بدعت کے متعلق امام ابو حنیفہ اور دیگر فقہاء کا مذہب	771
573			582	حالت حیض میں طلاق سے ممانعت کے متعلق دیگر مسائل	772
574			583	حالت حیض میں طلاق سے ممانعت کی مصنف کے نزدیک حکمت	773
575			584	۲۔ باب	
576			585	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے کام میں آسانی کر دے گا O (الطلاق: ۴) کی تفسیر	773
577			586	حضرت سیدہ اسمیہ کا تعارف	774
578			587	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی توجیہ	774

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
580	فہمن لی غلط ہے اور صحیح ضعیف ہے اور اس کا معنی ہے: چپ کرو، اور دیگر بعض الفاظ کے معانی ۶۶۔ سورۃ التحریم کی تفسیر	776	781	نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے O (التحریم: ۲-۱) کی تفسیر	784
581	سورۃ التحریم کا تعارف	777	784	عورتوں کے حقوق کے متعلق آیات ۳۔ باب	
582	۱۔ باب		592	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے راز کی بات کہی، پس اس نے اس راز کی خبر دے دی اور اللہ نے نبی پر اس کا اظہار فرما دیا تو نبی نے اس کو کچھ بتا دیا اور کچھ بتانے سے اعراض کیا پھر جب نبی نے اس کو اس (انشاء راز) کی خبر دی تو اس نے کہا: آپ کو کس نے اس کی خبر دی تو نبی کہا: مجھے عظیم و خیر نے خبر دی ہے O (التحریم: ۳) کی تفسیر	784
583	جس شخص نے اپنے اوپر اپنی بیوی کو حرام قرار دیا اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعدد اقوال	777	785	آیت مذکورہ کی تفسیر	
584	صورت مذکورہ میں چودہ (۱۴) مذاہب	778	593	۲۔ باب	
585	اس سوال کا جواب کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے کے لیے کیوں جھوٹ پر اتفاق کیا؟	778	594	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو اچھا ہے) کیونکہ تمہارے دل اعتدال سے کچھ ہٹ چکے ہیں۔ (التحریم: ۴) کی تفسیر	786
586	آپ نے کس کے گھر شہد پیا تھا، اس کے متعلق متعدد مختلف روایات	779	595	۵۔ باب	
587	مغایر کا معنی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آئندہ شہد نہ کھانے کی قسم کھانا اور حضرت حفصہ کو اس کی خبر دینے سے منع فرمانا	780	787	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اگر نبی نے تم کو طلاق دے دی تو عنقریب ان کا رب ان کو تمہارے بدلہ میں تم سے بہتر بیویاں دے دے گا جو فرماں بردار، ایمان دار، عبادت گزار، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ دار، شوہر دیدہ اور کنواریاں ہوں گی O (التحریم: ۵) کی تفسیر	
588	بعض روایات میں مذکور ہے کہ آپ نے شہد کی بجائے حضرت ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کیا تھا	780	596	ازواج مطہرات کے بدلہ میں آنے والی بہ فرس وقوع دیگر ازواج امہات المؤمنین سے کیسے بہتر ہو سکتی ہیں، اس سوال کا جواب اور مسئلہ مومنہ وغیرہ باصفات کے معانی	787
589	ان روایات کی تعیین جن میں مذکور ہے کہ آپ نے اپنے اوپر حضرت ماریہ قبطیہ کو حرام قرار دیا تھا	781	789	۶۷۔ سورۃ تہرک النبی کی تفسیر	
590	۲۔ باب				
	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ اپنی بیویوں کی رضا طلب کرتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا ہے حد رحم فرمانے والا ہے O (اے مسلمانو!) بے شک اللہ				

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
805	کاسب	612	789	سورۃ تہٰنّٰلّٰہِیّٰ وَبِیْہِیّٰ وَالتَّمٰلِکِ کا تعارف	597
	اس حدیث کی سند میں امام بخاری پر اعتراض کہ یہ	612	792	۶۸۔ سورۃ نّٰلّٰہِیّٰ کی تفسیر	
	حدیث منقطع ہے کیونکہ عطاء خراسانی کا حضرت		792	سورۃ نّٰلّٰہِیّٰ وَالتَّمٰلِکِ کا تعارف	598
806	ابن عباس سے سماع نہیں ہے		793	علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ	599
807	ادنان کا معنی	613		۱۔ باب	
807	حدیث مذکور کا خلاصہ	614		اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بہت بد خو، ان سب کے بعد	600
807	حافظ عبد المجید مقیم برشل کے مبسوط مقالہ کی تلخیص	615	794	نطفہ حرام ہے (القلم: ۱۳) کی تفسیر	
	عطاء خراسانی کے ضعف کے متعلق محدثین کی		794	عسل اور زہیم کے معانی	601
810	تصریحات	616	795	زہیم کے مصداق کا بیان	602
810	حدیث مذکور کے متن پر اعتراض	617		ضعیف سے مراد متواضع اور متذلّل ہے اور عسل	603
	امام بخاری کی سند مذکور پر شیخ سلیم اللہ خان	618	795	سے مراد بد خصلت اور متکبر ہے	
811	دیوبندی کا اعتراض			۲۔ باب	
	صحیح بخاری کی مذکورہ روایت کی بناء پر غیر مقلدین کا	619		اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جس دن پنڈلی کھول دی	604
812	اہل سنت پر بے بنیاد الزام		796	جائے گی۔ (القلم: ۴۲) کی تفسیر	
813	۷۲۔ سورۃ الجن کی تفسیر		796	کشف ساق یعنی پنڈلی کھولنے کا معنی	605
813	سورۃ الجن (قُلْ اُذِیّٰ اٰیّٰ) کا تعارف	620		کشف ساق کے متعلق علماء کے دو مذہب اور	606
	جنات کے قرآن مجید سننے کا واقعہ کب ہوا اور	621		متکلمین کی تاویلات، اور تکلیف مالا یطاق کا	
815	عکاظ اور تہامہ کا معنی		796	نا جائز ہونا	
	جنات کے سامنے قرآن پڑھنے اور نہ پڑھنے کے	622	798	۶۹۔ سورۃ الحاقہ کی تفسیر	
815	متعلق دو حدیثوں کا تعارض اور اس کا جواب		788	سورۃ الحاقہ کا تعارف	607
	بعث نبوی سے پہلے اور بعث نبوی کے بعد	623	801	۷۰۔ سورۃ المعارج کی تفسیر	
	شیاطین پر آگ کے گولے پھینکنے کی کیفیت اور		801	سورۃ المعارج کا تعارف	608
815	مختلف احادیث میں تطبیق		803	۷۱۔ سورۃ نوح کی تفسیر	
817	۷۳۔ سورۃ المزمل کی تفسیر		803	سورۃ نوح (اِنَّا اَنْهٰی سَلٰتًا) کا تعارف	609
817	سورۃ المزمل کا تعارف	624		۱۔ باب	
819	۷۴۔ سورۃ المدثر کی تفسیر			اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور وہ اور سواغ اور یغوث اور	610
819	سورۃ المدثر کا تعارف	625	805	یعوق (نوح: ۲۳) کی تفسیر	
820	۱۔ باب			حضرت نوح علیہ السلام کی قوم جن بتوں کی عبادت کرتی	611
	سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت میں تعارض	626		تھی ان بتوں کے اسماء اور ان کی عبادت کی ابتداء	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	اور اس کا جواب اور جاورت اور جواری کا معنی	820	638	القیامہ: ۱۶ میں نبی ﷺ سے خطاب کی توجیہ	827
	۲۔ باب			۲۔ باب	
627	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اٹھیے پس لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیے O (المدثر: ۲) کی تفسیر	821	639	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک اس کو (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے O (القیامہ: ۱۷) کی تفسیر	829
	۳۔ باب			۳۔ باب	
628	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اپنے رب کی بڑائی کیجئے O (المدثر: ۳) کی تفسیر	821	640	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں O (القیامہ: ۱۸) کی تفسیر	829
629	نبی ﷺ کی تکبیر پڑھنے کا معنی	821	641	نزول وحی کے وقت نبی ﷺ پر شدت اور سختی کی کیفیت	830
	سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق، اور سورۃ المدثر کا			آپ وحی کو یاد کرتے وقت زبان اور ہونٹ دونوں کو ہلاتے تھے، پھر قرآن مجید میں صرف زبان کا ذکر کیوں کیا گیا ہے	831
630	سورۃ المزمل سے پہلے نازل ہونا	822	642	آپ وحی کو یاد کرتے وقت زبان اور ہونٹ دونوں کو ہلاتے تھے، پھر قرآن مجید میں صرف زبان کا ذکر کیوں کیا گیا ہے	831
	۴۔ باب			نبی ﷺ کے جلدی جلدی ہونٹ ہلانے کے دو سبب اور حضرت ابن عباس نے تو آپ کو ہونٹ ہلاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، پھر انہوں نے کیسے اس کا ذکر کیا	831
631	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اپنا لباس پاک رکھیے O (المدثر: ۳) کی تفسیر	823	643	نبی ﷺ کے جلدی جلدی ہونٹ ہلانے کے دو سبب اور حضرت ابن عباس نے تو آپ کو ہونٹ ہلاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، پھر انہوں نے کیسے اس کا ذکر کیا	831
632	لباس پاک رکھنے کے متعلق متعدد تفاسیر اور مصنف کا مختار	823	644	نبی ﷺ کے اجتہاد کی دلیل اور اس پر امام رازی کا اعتراض	831
633	وَشَيْئَانِكَ فَكَلِّمْهُنَّ کی مزید تفاسیر اور حافظ ابن حجر کا تسامع	824	645	القیامہ: ۱۸ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دو تاویلیں	832
	۵۔ باب			خطاب کے وقت سے خطاب کے بعض الفاظ کے بیان کی تاخیر کا جائز ہونا اور اس پر بحث و تحقیق	832
634	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بتوں کو چھوڑے رہیے O (المدثر: ۵) کی تفسیر	825	646	۷۶۔ سورۃ الانسان (دہر) کی تفسیر	834
	۷۵۔ سورۃ القیامہ کی تفسیر	826	647	سورۃ الانسان (الدہر) کا تعارف	834
635	سورۃ القیامہ کا تعارف	826	648	۷۷۔ سورۃ المرسلات کی تفسیر	839
	۱۔ باب			سورۃ المرسلات کا تعارف	839
636	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) عجلت سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں O (القیامہ: ۱۶) کی تفسیر	826		۱۔ باب	841
637	القیامہ: ۱۶ میں نبی ﷺ سے خطاب ہے یا مطلق انسان سے؟	826			

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
649	موذی جانوروں اور حشرات الارض کو قتل کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	842	861	۸۱۔ سورۃ اذا الشمس کورت (سورۃ التکویر) کی تفسیر	861
650	سانپ اور دیگر موزی جانوروں کو مارنے کے متعلق احادیث اور آثار کی روشنی میں مذاہب فقہاء	842	861	سُورَةُ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (سورۃ التکویر) کا تعارف	861
651	۲۔ باب		864	۸۲۔ سورۃ إِذَا الشَّمْسُ انْفَطَرَتْ کی تفسیر	864
652	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک دوزخ محل کے برابر انگارے پھیلتی ہے O (المرسلات: ۲۳) کی تفسیر	845	864	سُورَةُ إِذَا الشَّمْسُ انْفَطَرَتْ (الانفطار) کا تعارف	864
653	۳۔ باب		866	۸۳۔ سورۃ وَنِيلٍ لِلْمُطَفِّفِينَ کی تفسیر	866
654	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: گویا وہ زرد اونٹ ہیں O (المرسلات: ۳۳) کی تفسیر	845	866	سُورَةُ وَنِيلٍ لِلْمُطَفِّفِينَ (المطففين) کا تعارف	866
655	۴۔ باب		869	۸۴۔ سورۃ إِذَا الشَّمْسُ انشَقَّتْ کی تفسیر	869
656	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا O (الانشقاق: ۸) کی تفسیر	846	869	سُورَةُ إِذَا الشَّمْسُ انشَقَّتْ (الانشقاق) کا تعارف	869
657	۵۔ باب		870	۱۔ باب	
658	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: یہ وہ دن ہے جس میں وہ (نفع آور) بات نہ کر سکیں گے O (المرسلات: ۳۵) کی تفسیر	847	871	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا O (الانشقاق: ۸) کی تفسیر	870
659	۸۔ سورۃ نبا کی تفسیر	847	872	باب مذکور کی آسان حساب سے متعلق ایک حدیث کا دوسری صحیح حدیث سے تعارض اور اس کے دو جواب	871
660	سورۃ نبا کا تعارف	847	873	بیماریوں اور مصیبتوں کا گناہوں کے لیے کفارہ ہونا اور مناقشہ کے عذاب ہونے اور آسان حساب کی دو تاویلیں	872
661	۱۔ باب		874	۲۔ باب	
662	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو تم فوج در فوج آؤ گے O (النبأ: ۱۸) کی تفسیر	849	875	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تم ضرور درجہ بہ درجہ چڑھو گے O (الانشقاق: ۱۹) کی تفسیر	873
663	۹۔ سورۃ والنازعات کی تفسیر	851	876	ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ کی طرف منتقل ہونے کی متعدد تفاسیر	873
664	سورۃ والنازعات کا تعارف	851	877	طبق کا معنی اور طبقات کی مختلف تعبیریں	874
665	۱۔ باب		878	نطفہ سے لے کر موت تک انسان کے اڑتیس احوال (۳۸) احوال	874
666	۸۰۔ سورۃ عبس کی تفسیر	855	879	۸۵۔ سورۃ البروج کی تفسیر	876
667	سورۃ عبس کا تعارف	855	880	سورۃ البروج کا تعارف	876
668	۱۔ باب		881		
669	قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے حافظ کی مثال اور معزز فرشتوں کے ساتھ ہونے کا معنی	859			

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
671	بروج کے لغوی اور عرفی معنی	876	686	حدیث مذکور کی سند کی تفصیل	896
	۸۶۔ سورۃ الطارق کی تفسیر	878	687	حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اوثنی اور اس کی کونچیں	
672	سورۃ الطارق کا تعارف	878		کائنات والے کا تذکرہ	897
	۸۷۔ سورۃ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ		688	عزیز، عارم اور منیع کے معانی اور زمعد کے باپ	
	کی تفسیر	880		کی مثل کے مصداق کا بیان	897
673	سورۃ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ (الاعلیٰ) کا تعارف	880	689	عورتوں کے ساتھ نرمی کرنے کی نصیحت اور گوز کی	
	حافظ ابن حجر کی اس پر تصریح کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے			آواز سن کر ہنسنے کی مذمت	897
	ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا مستحب ہے خواہ روایت میں		690	زمعد کے باپ کو زبیر بن عوام کا چچا کہنے کی توجیہ	897
	مذکور نہ ہو	881	691	حافظ ابن حجر عسقلانی سے اس توجیہ کی تائید	898
674	علامہ عینی کا حافظ ابن حجر سے مناقشہ	882		۹۲۔ سورۃ اللیل کی تفسیر	899
675	حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی کے درمیان		692	سورۃ ذَا النُّجُومِ (اللیل) کا تعارف	899
	مصنف کا محاکمہ	882		۱۔ باب	
	۸۸۔ سورۃ الغاشیہ کی تفسیر	883	693	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور دن کی (قسم) جب وہ	
676	سورۃ قُلْ أَنتَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ (الغاشیہ) کا			روشن ہوا: (اللیل: ۲) کی تفسیر	900
	تعارف	883	694	حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور اہل شام کا سورۃ ایل کی	
	۸۹۔ سورۃ الفجر کی تفسیر	886		قراءت میں اختلاف	901
677	سورۃ الفجر کا تعارف	886		۲۔ باب	
678	قوم عاد کا تعارف	887	695	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اس ذات کی (قسم) جس	
679	حلال اور حرام کی تمیز کے بغیر مال کھانے کی مذمت	888		نے نرا اور مادہ کو پیدا کیا: (اللیل: ۳) کی تفسیر	901
680	علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ	888	696	حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابن مسعود کی قراءت	
	۹۰۔ سورۃ لَا اِھْمَ کی تفسیر	891		متواترہ کی مخالفت کرنے کی توجیہ اور تحقیق	901
681	سورۃ لَا اِھْمَ (البلد) کا تعارف	891	697	حضرت ابوالدرداء کی قراءت کے منسوخ ہونے	
682	بھوکے کو کھانا کھلانے کی فضیلت	892		پر تمام مسلمانوں کا اجماع	902
683	دشوار گھائی اور پل صراط کا بیان	893	698	حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابن مسعود کی	
	۹۱۔ سورۃ الشَّمْسِ کی تفسیر	894		قراءت متواترہ کی مخالفت کرنے کی مزید توجیہ	902
684	سورۃ الشَّمْسِ وَضُحَا (الشمس) کا تعارف	894		۳۔ باب	
685	علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ اور مصنف کا		699	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پس جس نے (اللہ کی راہ	
	محاکمہ	895		میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا: (اللیل: ۵) کی تفسیر	903
	۱۔ باب	896			

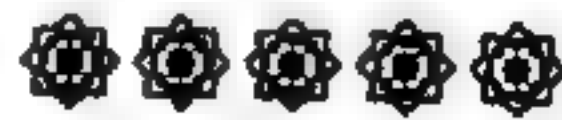
صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
912	والضعی کے سبب نزول کے متعلق دیگر روایات اور ان کا غیر معتبر ہونا	713	903	بقیۃ الشرح کا معنی	700
	۲۔ باب		903	جب سب کچھ تقدیر میں لکھا ہوا ہے تو پھر عمل کی کیا ضرورت ہے	701
913	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ آپ سے بیزار ہوا (الضحیٰ: ۳) کی تفسیر	714		۳۔ باب	702
913	دوسری حدیث میں آپ سے کہنے والی عورت کا مصداق	715	904	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا (اللیل: ۶) کی تفسیر	
914	اس پر دلیل کہ دوسری روایت میں جو عورت مذکور ہے وہ پہلی روایت میں مذکور عورت کی غیر ہے	716		۵۔ باب	703
914	علامہ عینی کا علامہ کرمانی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے ساتھ مناقشہ	717	904	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پس عنقریب ہم اس کو آسانی (جنت) مہیا کریں گے (اللیل: ۷) کی تفسیر	704
914	حضرت جبریل علیہ السلام کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے میں تاخیر کی مدت	718	905	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پروا رہا (اللیل: ۸) کی تفسیر	
915	۹۴۔ سورۃ الم نشرح لک کی تفسیر	719		۶۔ باب	705
915	سورۃ الم نشرح لک کا تعارف	720	906	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور نیک باتوں کی تکذیب کی (اللیل: ۹) کی تفسیر	
915	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ترک افضل کام اور خطا اور سہو کی تحقیق	721	907	۸۔ باب	706
	نحویوں کے اس قاعدہ کی وضاحت کہ جب معرفہ مکرر ہو تو ثانی اول کا عین ہوتا ہے اور جب مکرر مکرر ہو تو ثانی اول کا غیر ہوتا ہے، لہذا الم نشرح: ۳، میں ایک مشکل کے ساتھ دو آسانیوں کا ذکر ہے اور اس کی احادیث اور آثار سے تائید	722	907	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پس عنقریب ہم اس کو دشواری (دوزخ) مہیا کریں گے (اللیل: ۱۰) کی تفسیر	707
917	۹۵۔ سورۃ والضحیٰ کی تفسیر	723	910	حدیث مذکور کا چھ سندوں کے ساتھ مردی ہونا	708
919	سورۃ والضحیٰ کا تعارف		910	اہل بیت کرام کے اسماء کے ساتھ چہلے لکھنے کا جواز اور چہلے لکھنے کا افضل ہونا، اس کے متعلق مصنف کی تحقیق	
919	انجیر اور زیتون کے طبی فوائد			۹۳۔ سورۃ الضحیٰ کی تفسیر	709
920	۱۔ باب			سورۃ الضحیٰ کا تعارف	
920	اس سوال کا جواب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی کون سی رکعت میں سورۃ الضحیٰ پڑھی تھی؟			۱۔ باب	710
922	۹۶۔ سورۃ اقرأ کی تفسیر		911	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ بیزار ہوا (الضحیٰ: ۳) کی تفسیر	711
			911	نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے والی عورت کا نام صحیح بخاری کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں سورۃ	712

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
724	سُورَةُ اٰثَرُ اِبٰهَسِمِ رَبِّكَ الَّذِي (العلق) کا تعارف	922		مناسبت اور حضرت جبریل کے آپ کو تین بار	
725	سورة فاتحہ اور ہر سورت کے اول میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھنے یا نہ لکھنے کے متعلق حسن بصری کا مذہب	922		دبانے اور تین بار چھوڑنے کی حکمت	929
726	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو سورة فاتحہ کے اول میں اور ہر سورت کی ابتداء میں لکھنے کے متعلق مذاہب فقہاء اور علامہ ابن الملقن کا اختلاف	923	736	حضرت خدیجہ بنت جحش نے نبی ﷺ کو جو تسلی دی تھی اس کی توجیہ	
727	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو سورة فاتحہ کی ابتداء اور ہر سورت کی ابتداء میں لکھنے پر علامہ ابن الملقن کی عبارت کا رد	923	737	ورقہ بن نوفل کا تذکرہ	931
728	امام بخاری کا منشاء یہ ہے کہ ہر سورت کی ابتداء میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا پڑھنا واجب نہیں ہے	923	738	حدیث مذکور کا مرسل ہونا	932
729	حضرت عائشہ بنت جحش کی اس حدیث کا مرسل ہونا	927	739	سورة المدثر کی ابتدائی پانچ آیتوں کی تفسیر	932
730	اس حدیث کے مرسل ہونے پر بعض لوگوں کا اعتراض اور حافظ ابن حجر کا جواب	927		۲۔ باب	
731	اس حدیث میں آپ پر نزول وحی کی دلیل ہے اور آپ کی نبوت کی دلیل دوسری کتب حدیث میں ہے اور اس پر دلیل کہ آپ کے پاس جو فرشتہ آیا تھا وہ حضرت جبریل تھے	927	740	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: انسان کو جسے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے (العلق: ۲) کی تفسیر	932
732	روایہ صالحہ کا معنی، اور حراء میں آپ کب گئے تھے اور تحنث کا معنی حضرت عائشہ نے نہیں راوی نے بیان کیا ہے	928	741	اس آیت میں انسان سے مراد کیا ہے اس کا بیان	933
733	غار حراء میں عبادت کی کیفیت اور اس کے متعلق شارحین کے اقوال	928		۳۔ باب	
734	نبی ﷺ پر وحی کی اور نبوت کی ابتداء کس وقت ہوئی	929	742	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پڑھیے اور آپ کا رب ہی سب سے زیادہ کریم ہے (العلق: ۳) کی تفسیر	933
735	اقراء اور ما انا بقاری کی وضاحت اور تین دفعہ اقرء کہنے کی حکمت اور سورة العلق کی پانچ آیتوں کی		743	اللہ تعالیٰ کے کرم اور علم کا بیان	934
			744	اللہ تعالیٰ کی خصوصی نعمت قلم کا بیان	934
				۴۔ باب	
			745	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جس نے قلم سے (لکھنا) سکھایا (القلم: ۴) کی تفسیر	934
				۵۔ باب	
			746	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اس کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر کھینچیں گے وہ پیشانی جو جھوٹی گناہ گار ہے (القلم: ۱۶-۱۵) کی تفسیر	934
			747	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ابو جہل کے قول کے متعلق مرسل روایت	935
			748	ابو جہل کو اس کی دھمکی کی وجہ سے آگ کی خندق دکھائی گئی اور عقبہ بن ابی معیط کی ایذا رسانی پر فوراً کوئی عذاب نہیں آیا، اس کی توجیہ	935

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	۹۷۔ سورۃ القدر کی تفسیر	937		۲۔ باب	
749	سورۃ القدر کا تعارف	937	761	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جو ذرہ برابر کوئی برائی کرے	
	۹۸۔ سورۃ البینۃ کی تفسیر	939		گاہ اس کا عذاب دیکھے گا O (الزلزال: ۸) کی	
750	سورۃ البینۃ کا تعارف	939		تفسیر	947
	۱۔ باب	940	762	الزلزال: ۸۔ ۷ کی تفسیر علامہ قرطبی سے	948
751	حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے اپنے نام کے متعلق		763	الزلزال: ۸ کی تفسیر مصنف کی طرف سے	948
	سوال کرنے اور پھر رونے کی توجیہ	940	764	مصنف کی تفسیر پر قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے	
	۲۔ باب			تائید اور توثیق	948
752	مطلق حدیث کو مقید پر محمول کرنا اور سورۃ البینۃ کی			۱۰۰۔ سورۃ العادیات کی تفسیر	951
	آیت پڑھنے کی تخصیص اور حضرت ابی بن کعب		765	سورۃ العادیات کا تعارف	951
	کا نام لینے کی توجیہ	941	766	سورۃ العادیات کا شان نزول اور العادیات کے	
753	حضرت ابی بن کعب کو قرآن مجید پڑھانے اور ان			مختلف معانی	952
	کے سامنے قرآن پڑھنے کی حکمت اور سورۃ البینۃ			۱۰۱۔ سورۃ القارعۃ کی تفسیر	953
	کی جامعیت	941	767	سورۃ القارعۃ کا تعارف	953
757	امام بخاری کی سند پر خطیب بغدادی کے			۱۰۲۔ سورۃ الحکاثر کی تفسیر	954
	اعتراض کا جواب اور اسامہ رجاہ کے فن میں امام		768	سورۃ الحکاثر کا تعارف	954
	بخاری کی عظمت	942		۱۰۳۔ سورۃ العصر کی تفسیر	956
	۹۹۔ سورۃ اذا انزلنا لیلۃ الانعام کی تفسیر	944	769	سورۃ العصر کا تعارف	956
755	سورۃ اذا انزلنا لیلۃ الانعام (الزلزال) کا تعارف	944	770	قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھائی ہے	
	۱۔ باب			یا آپ کی طرف نسبتوں کی	956
756	اللہ تعالیٰ کا ارشاد: سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گاہ			۱۰۴۔ سورۃ البہزۃ کی تفسیر	958
	اس کا صلہ دیکھے گا O (الزلزال: ۷) کی تفسیر	944	771	سورۃ البہزۃ کا تعارف	958
757	گھوڑوں پر زکوٰۃ فرض ہونے میں امام ابو حنیفہ کی		772	سورۃ البہزۃ کے شان نزول کے متعلق روایات	658
	دلیل اور الزلزال: ۸۔ ۷ کا جامع ہونا	946		۱۰۵۔ سورۃ الفیل کی تفسیر	960
758	دریاؤں کے پانی کو بلا اجازت پینے کا جواز اور اس		773	سورۃ الفیل (الفیل) کا تعارف	960
	پانی کو فروخت کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء	946	774	سورۃ الفیل کا خلاصہ	960
759	بعض مشکل الفاظ کے معانی	946		۱۰۶۔ سورۃ لایلاف (قریش) کی تفسیر	962
760	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کرنے پر دلیل اور اس پر		775	سورۃ لایلاف (قریش) کا تعارف	962
	ایک سوال کا جواب	947	776	بیت اللہ کے رب کی عبادت کی وجہ سے اس کی	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	خصوصی نعمت سفر میں آسانی مہیا کرتا ہے	963	788	علامہ یعنی کا تسامح	975
	۱۰۷۔ سورۃ الماعون کی تفسیر	964		۱۔ باب	976
777	سورۃ الماعون کا تعارف	964	789	ورہطک منهم المخلصین کا منسوخ التواتر ہوتا	976
	۱۰۸۔ سورۃ الکوثر کی تفسیر	966		۲۔ باب	977
778	سورۃ الکوثر کا تعارف	966	790	یا صباحا کا معنی	977
	۱۔ باب	966		۲۔ باب	
779	الکوثر کا معنی اور اس کے مصداق میں اقوال	967	791	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور وہ ہلاک ہو جائے ○ اس کے مال نے اور اس کی کمائی نے اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا ○ (الہب: ۲-۱) کی تفسیر	977
780	الکوثر کی تفسیر میں مزید اقوال	968		۳۔ باب	
	۱۰۹۔ سورۃ الکافرون کی تفسیر	969		۳۔ باب	
781	سورۃ الکافرون کا تعارف	969		اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وہ عنقریب سخت شعلوں والی آگ میں جائے گا ○ (الہب: ۳) کی تفسیر	977
782	علامہ یعنی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ اور تعلیق مذکور کا خلاصہ	970	792	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وہ عنقریب سخت شعلوں والی آگ میں جائے گا ○ (الہب: ۳) کی تفسیر	977
	۱۱۰۔ سورۃ الفتح کی تفسیر	971		۳۔ باب	
783	سورۃ الفتح کا تعارف	971	793	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اس کی بیوی بھی لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے ○ (الہب: ۳) کی تفسیر	978
	۱۔ باب	971		ابولہب کی بیوی کا تذکرہ	978
	۲۔ باب	972	794	۱۱۲۔ سورۃ الاخلاص کی تفسیر	979
	۳۔ باب		795	سورۃ الاخلاص کا تعارف	979
784	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں ○ (النصر: ۲) کی تفسیر	972	796	واحد اور احد کا فرق	979
	۳۔ باب			۱۔ باب	979
785	اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے ○ (النصر: ۲) کی تفسیر	973	797	اللہ تعالیٰ کے احد ہونے کے متعلق ایک حدیث	980
786	آخری سورت کی تعیین اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متعلق متعدد اقوال	974	798	۲۔ باب	
	۱۱۱۔ سورۃ المسد کی تفسیر	975		اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اللہ بے نیاز ہے ○ (الاخلاص: ۲) کی تفسیر	980
787	سورۃ المسد (الہب) کا تعارف	975	801	۱۱۳۔ سورۃ الفلق کی تفسیر	982
			799	سورۃ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (الفلق) کا تعارف	982
			800	اَلْمُعَوِّذَتَيْنِ کا قرآن ہوتا	983
				۱۱۴۔ سورۃ الناس کی تفسیر	984
			801	سورۃ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (الناس) کا تعارف	984

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
802	المعوذتین کے قرآن ہونے پر احادیث سے دلائل	985			
803	حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے المعوذتین کے انکار				
	قرآن کی توجیہ	985			
804	بعض علماء کا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف انکار				
	معوذتین کی نسبت کو باطل قرار دینا	985			
805	حافظ ابن حجر عسقلانی کا ان بعض علماء سے اختلاف	986			
806	حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے المعوذتین کے انکار				
	قرآن کی دوسری توجیہ	986			
807	زرنے صراحتاً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف				
	انکار معوذتین کی نسبت نہیں کی اس کی توجیہ	987			
808	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو المعوذتین پڑھنے کا حکم اللہ تعالیٰ				
	نے دیا تھا یا حضرت جبریل نے یہ حکم پہنچایا تھا	987			
809	المعوذتین کے قرآن ہونے پر خصوصی احادیث				
	کی ضرورت نہیں بلکہ ان کے قرآن ہونے پر				
	اجماع کافی ہے	988			
810	المعوذتین کے قرآن ہونے پر خصوصی احادیث	988			
811	المعوذتین کو پڑھ کر دم کرنے کے متعلق احادیث	989			
	حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نظریہ پر قوی اشکال				
812	اور جمہور صحابہ کی ایک حدیث سے دلیل	990			
813	ختم قرآن کے وقت دعا کرنے کا استحباب	990			
814	کتاب التفسیر میں مذکور احادیث کی تعداد	991			
815	نعمۃ الباری جلد ثامن کی تکمیل	991			
816	نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد ثامن (۸)				
	کی ڈائری	992			
817	مصادر التحقيق فی نعمۃ الباری	993			



نعمۃ الباری کا افتتاحیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمین، الذی جعلنا من المسلمین، ووصفنا بخیر امة من الأمم الماضین، و انعم علینا بتزویل القرآن الکریم و هداانا به الی الصراط المستقیم، و الصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین قائد الغر المحجلین، الذی شرح الفرقان باحادیثه و بیانه القویم، و کشف عن اسرارہ و غوامضہ لهدایة الناس اجمعین، و انقذنا بحسن سیرتہ من الظلمات والضلال البین، و علی الہ الطیبین واصحابہ الطاہرین الذین قاموا باشاعة الدین المتین مع کمال الخلوٰص و الجهد العظیم، و علی ازواجه الطاہرات امہات المؤمنین، و علی جمیع الائمة التابعن من المفسرین والمحدثین المخلصین کاملین الی یوم الذین۔

و بعد فیقول العبد الفقیر الی مولاء القدیر غلام رسول السعیدی دائم الاحتیاج الی کرم ربہ السرمدی انی بعد الفراغ من التفسیر قد شرعت فی شرح الصحیح للامام البخاری (علیہ نعمة الباری) توکلاً علی رحمة الله و فضله العیم۔ ولا یكون تحریرہ و تقریرہ و تکمیلہ الا نعمة العظمی۔ فلذا ستیتہ بنعمة الباری فی شرح الصحیح للبخاری۔ (تقبلہ الله بلفظہ و تغمدنی بغفرانہ ببعض فضله)

اشھدان لا الہ الا الله وحده لا شریک لہ واشھد ان سیدنا و مولانا محمدا عبدا و رسوله۔ اعوذ بالله من شرور نفسی و من سیئات اعمالی۔ من ینہدہ الله فلا مضل لہ و من ینزلہ فلا ہادی لہ۔ اللهم انی الحق حقاً وارزقنی اتباعہ۔ اللهم انی الباطل باطلاً وارزقنی اجتنابہ۔ اللهم اجعلنی فی تصنیف هذا الكتاب علی صراط مستقیم واجعله موافقاً باسمہ واحفظہ من شرور الاشرار و الحاسدین۔ اللهم اجعله خالصاً لوجهک الکریم و مقبولاً عندک و عند رسولک الرؤف الرحیم واجعله شائعاً و مستفیضاً و مفیضاً و مرغوباً فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعله لی ولجمیع من اتسب الی من المسلمین صدقة جاریة الی یوم القيامة وارزقنی زیارة النبی الکریم ﷺ فی الدنیا و شفاعتہ فی الآخرة و احیننی علی الاسلام بالسلامة و امتنی علی الایمان بالکرامة۔ اللهم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی و انا عبدک و انا علی عهدک و وعدک ما استطعت۔ اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی و ابوء لک بذنبی فاغفر لی فانه لا یغفر الذنوب الا انت۔ رب اوزعنی ان اشکر نعمتک الی انعمت علی و علی والدی و ان اعمل صالحاً ترضہ۔ آمین یا رب العالمین ہجاء سید المرسلین ﷺ۔

ترجمہ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں، جس نے ہمیں مسلمان بنایا اور سب سے بہترین امت کا لقب عطا فرمایا، قرآن کریم نازل فرما کر ہم پر احسان کیا اور اس کتاب کے ذریعہ ہمیں سیدھی راہ دکھائی۔ حمد کے بعد سب سے افضل اور بلند مرتبہ پیغمبر آقائے دو جہاں ﷺ پر درود و سلام ہو، جو سفید رو اور سفید ہاتھ پیروں والوں کے قائد ہیں، جنہوں نے اپنی احادیث اور مستحکم بیان سے قرآن مجید کی تشریح فرمائی اور تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے اس کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا اور ہمیں اپنا بہترین نمونہ عمل عطا کر کے ظلمت و گمراہی سے نجات بخشی۔ آپ کے بعد آپ کی اولاد پاک اور صحابہ کرام پر رحمتوں کا نزول ہو جو پورے اخلاص اور محنت کے ساتھ اشاعت دین میں مصروف رہے، اور آپ کی ازواج مطہرات پر رحمتوں کا نزول ہو جو مسلمانوں کی مائیں ہیں اور ان سب کے بعد تا قیام قیامت آنے والے مخلص اور باکمال ائمہ مفسرین اور محدثین پر رحمتیں نازل ہوں۔

حمد و صلوة کے بعد رب کائنات کے دائمی کرم کا بندہ محتاج غلام رسول سعیدی غفرلہ عرض پرداز ہے کہ میں تفسیر تبیان القرآن سے فارغ ہونے کے بعد اللہ عز و جل کی رحمت اور اس کی عنایت پر بھروسہ کرتے ہوئے صحیح بخاری کی شرح کا آغاز کر چکا ہوں۔ چونکہ ظاہری توئی اس عظیم کام کے متحمل نہیں ہیں اس لیے تصنیف کے جملہ مراحل سے گزر کر پایہ تکمیل کو پہنچنے تک اس شرح کا مکمل دار و مدار صرف اور صرف اللہ عز و جل کی خصوصی نعمت اور احسان پر ہے۔ اسی لیے میں نے اس شرح کا نام ”نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری“ رکھا ہے۔ (اللہ تعالیٰ اپنے لطف و عنایت سے اس تصنیف کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنی بخشش میں ڈھانپ لے)۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بد اعمالیوں سے اللہ عز و جل کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لاسکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح فرما اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور باطل کو مجھ پر منکشف فرما اور اس سے بچنے کی توفیق مرحمت فرما۔ اے اللہ! مجھے اس شرح کی تصنیف میں صراط مستقیم پر گامزن فرما اور اس شرح کو اسم بہ منشی کر دے اور اسے شریروں کے شر اور حاسدوں کے حسد سے محفوظ فرما۔ اے اللہ! اس تصنیف میں صرف اپنی رضا مقدر فرما دے اور اس کو اپنی اور اپنے مہربان رسول (سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ) کی بارگاہ میں مقبول بنا دے، اور صبح قیامت تک اس کو اکناف عالم میں مشہور و مقبول، مرغوب و محبوب اور اثر آفرین بنا دے، اس کو میرے لیے اور میرے جملہ مسلمان متعلقین کے لیے قیامت تک صدقہ جاریہ بنا۔ مجھے دنیا میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرما۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندگی اور عزت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ نصیب فرما۔ اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بد اعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں ان کا میں اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میری بخشش فرما، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے، پروردگار! تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر جو انعامات فرمائے ہیں ان پر مجھے ہمیشہ شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما اور مجھے ایسے نیک اعمال کی توفیق دے جو تجھے محبوب اور پسند ہوں۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

گزارش احوال واقعی

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق ☆ میں زہر حلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قد فروری 2005ء کو میں نے بیان القرآن کی تکمیل کے بعد شرح صحیح البخاری کی تصنیف کا عزم کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل مجھے اس سعادت کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ چنانچہ 22 جنوری 2006ء کو میں نے ”انعام الباری شرح بخاری“ کے نام سے فرید بک اسٹال کے ساتھ سات مجلدات کی تصنیف کا معاہدہ کیا۔ بعد ازاں میں نے ”نعمۃ الباری“ کے نام سے توفیق باری تعالیٰ اس معاہدے کو مکمل کیا اور سات مجلدات فرید بک اسٹال کے سپرد کر دیں، جن میں سے پانچ مجلدات طبع ہو چکی ہیں اور دو مجلدات زیر طبع ہیں۔

میں اپنے مزاج کے اعتبار سے خلوت نشین آدمی ہوں اور بہت سے معاملات سے مجھے کماحقہ آگہی نہیں ہوتی۔ فرید بک اسٹال کے مالک سید محسن اعجاز شاہ صاحب کارویہ میرے ساتھ ہمیشہ روکھے پن اور سرد مہری کارہا، لیکن میں اُن کے اس رویے کو اس لئے برداشت کرتا رہا کہ میری زندگی کی جتنی سانسیں باقی ہیں، اُن میں دین کا زیادہ سے زیادہ کام کر سکوں، جو میرے لئے صدقہ جاریہ بنے اور ”باقیات صالحات“ کی صورت میں طالبان علم کے لئے فیض رساں ثابت ہو۔

اب میری عمر تقریباً 76 سال ہو چکی ہے، میں کئی عشروں سے متعدد عوارض اور امراض میں مبتلا ہوں، درمیان میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مجھے تحریری و تدریسی کام معطل کرنا پڑا، یہ ایام میرے لئے انتہائی اذیت ناک تھے، کیونکہ مارچ 1986ء سے لے کر جنوری 2011ء تک مسلسل مطالعہ اور تصنیف کی وجہ سے میں شدید بیمار ہو گیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور 18 مئی 2011ء کو میری صحت بحال ہو گئی اور میرے تصنیفی کام کی نشاۃ ثانیہ ہو گئی۔ اب میری قوت برداشت اتنی مضاعف ہو چکی ہے کہ میں سید محسن اعجاز شاہ صاحب کی بے مہری اور بے اعتنائی کے رویے کا مزید متحمل نہیں ہو سکتا۔ میری دل شکنی کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ شرح صحیح مسلم شریف کے معاہدہ کے مطابق سید محسن اعجاز شاہ صاحب کے والد مرحوم سید اعجاز شاہ نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ خدا نخواستہ میری علالت کی صورت میں میری اعانت کریں گے، لیکن از حد افسوس کے ساتھ یہ حقیقت بیان کر رہا ہوں کہ جب میں انتہائی علالت کے سبب کچھ عرصہ کام کے قابل نہ رہا تو میرے ساتھ تعاون تو درکنار انہوں نے ہمدردی کے کلمات بھی ادا نہیں کئے بلکہ یہ کہا کہ متبادل انتظام کر دیجئے، اس سے میرا دل ٹوٹ گیا، آخر ع

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

چنانچہ میں نے اب اُن سے قطع تعلق کا ارادہ کیا اور مزید کام جاری نہ رکھنے کا قطعی فیصلہ کر لیا ہے۔

اسی دوران ”ضیاء القرآن پبلی کیشنز“ کے مالک محترم جناب محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب دامت الطافہم العالیہ سے رابطہ ہوا، اُن کی ایک عرصے سے خواہش تھی کہ میں اُن کے اشاعتی و طباعتی ادارے کے لئے کوئی کام کروں۔ شاہ صاحب اہلسنت و جماعت کی ایک عظیم روحانی اور علمی شخصیت کے فرزند ارجمند ہیں، اُن کے والد ماجد حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی

۱۹۹۸ء اپنی تمام تر علمی عظمت و وجاہت کے باوجود انتہائی ملنسار، خلیق اور محبت کرنے والے انسان تھے اور اپنے اسی رویے سے وہ اپنے معاصرین اور اصاغر کو اپنا گرویدہ بنا لیتے تھے۔ مجھ پر ان کی خصوصی شفقتیں تھیں، ضیائے حرم کے لئے مضامین لکھوانے کے لئے وہ کئی بار میرے پاس تشریف لائے۔ اُن کے صاحبزادگان بھی اُن کے اسی حسن اخلاق کا مظہر ہیں، مجھے امید ہے کہ شاہ صاحب زید حبہ سے مجھے محبت و احترام اور گرمجوشی ملے گی، جس سے میرے علمی اور فکری ثوی کو تقویت ملے گی اور میں معیار اور مقدار کے اعتبار سے زیادہ سرعت رفتار سے کام کر سکوں گا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں میرے لئے حسن ظن سے بھی بہتر ثابت کرے، اُن کے دل میں میرے لئے ہمیشہ وسعت پیدا ہو، تاکہ میں اپنے وجود کے لاحق امراض و عوارض کا مقابلہ کرتے ہوئے زندگی کی آخری سانس تک کام جاری رکھ سکوں اور ”نعمۃ الباری“ کی بقیہ مجلدات پہلے سے بھی زیادہ وقیع انداز میں علمی وجاہت کے ساتھ مکمل کر سکوں۔ قارئین کرام اور دین کا درد رکھنے والے سب اہل عقیدت و محبت سے التجا ہے کہ اپنی خلوتوں میں میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تائید غیبی ہمیشہ میرے شامل حال رہے اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم دنیا و آخرت میں میرے لئے وسیلہ نجات بنے۔ میری علمی زندگی کا سارا سرمایہ میرا یہی قلبی درخش ہے، یہ رب تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں ماجور و مشکور ہو اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور مقبول ہو۔

میں ”نعمۃ الباری“ کی آٹھویں جلد سے اس کی طباعت و اشاعت کا کام محترم صاحبزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب ”ضیاء القرآن پبلی کیشنز“ 14 انفال سنٹر اردو بازار، کراچی کے سپرد کر رہا ہوں، اسی طرح میں اپنی مندرجہ ذیل کتب کے دائمی حقوق بھی ”ضیاء القرآن پبلی کیشنز“ کو تفویض کر رہا ہوں:

(۱) تذکرۃ المحدثین (۲) مقالات سعیدی (۳) مقام ولایت و نبوت (۴) توضیح البیان (۵) ذکر بالمجر
مندرجہ بالا کتب کو اگرچہ ماضی میں فرید بک اسٹال والے شائع کرتے رہے، لیکن میرا ان سے کوئی باقاعدہ معاہدہ نہیں تھا اور نہ ہی میں نے ان سے کوئی اس کا معاوضہ لیا، لہذا آج کے بعد میں انہیں باقاعدہ طور پر متنبہ کرتا ہوں کہ وہ میری ان کتب کی اشاعت فوراً روک دیں، ورنہ میں ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا حق محفوظ رکھتا ہوں۔ اور اگر میں نے ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی نہیں کی اور وہ میری اجازت کے بغیر ان کتابوں کو چھاپ کر رقم بخور تے رہے تو آخرت میں عذاب الہی کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہیں۔ اگر ان میں ایمان کی ذرہ برابر بھی رمت ہے تو جس معاہدہ پر انہوں نے میری بیماری کی حالت میں مجھ سے جبراً انگوٹھا لگوا یا اور میرے دستخط کرائے تھے اس کا مسودہ مجھے واپس کر دیں اسی طرح نعمۃ الباری اور تبیان القرآن کے انہوں نے جو دوبارہ معاہدات تیار کرائے اور اصطلاحی الفاظ کے معنی بتائے بغیر مجھ سے دستخط کرائے ان کے مسودات بھی مجھے واپس کر دیں کیونکہ یہ تمام معاہدات شرعاً غیر مؤثر ہیں۔

شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن کے حقوق میں نے فرید بک اسٹال کو دیئے تھے اور انہوں نے ماشاء اللہ عرصہ دراز تک ان کتب کو طبع کیا، فروخت کیا اور معتد بہ نفع حاصل کیا، یہ منافع ان کو مبارک ہوں۔ اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ ملکی قانون کے تحت مصنف کے ناشر کو تفویض کردہ حقوق دائمی نہیں ہوتے اور دس سال کے بعد مصنف دوبارہ انہیں واپس لے سکتا ہے اور کسی بھی ملک کا پبلک لاء ملک کے تمام شہریوں پر نافذ ہوتا ہے اور حکومت نے یہ قانون اس لئے بنایا کہ پبلشرز تو لامحدود مدت تک منافع سمیٹتے رہتے تھے، لیکن جو مصنفین و مؤلفین اپنا خون جگر کشید کر کے اور پوری علمی، عقلی اور فکری قوت صرف کر کے یہ شاہکار تخلیق کرتے تھے، وہ اور ان کے متعلقین آخری عمر میں اپنے علاج معالجے اور بنیادی انسانی ضرورتوں کے لئے پریشان رہتے تھے، غالباً حکومت نے یہ

قانون ایسے ہی پریشان حال مصنفین کی اشک شوئی کے لئے وضع کیا، کیونکہ جنہوں نے ساری زندگی ذہن اور قلم کے ساتھ اپنے دل و دماغ کی زمین کی اپنی فکری کاوشوں سے آبیاری کی ہو اور قلم کے ذریعے وہ تیار فصل کاٹ کر پبلشرز کے حوالے کر دی ہو، جب وہ قابل کار نہ رہیں تو اب آخری عمر میں وہ کیا کریں! لہذا میں نے بھی اس ملکی قانون کی رعایت کو استعمال کرتے ہوئے فیصلہ کیا ہے کہ اپنا حق لوں اور آئندہ ان کتب کی اشاعت کا متبادل انتظام کروں اور اب قانوناً فریڈ بک اسٹال کو ان کتب کی مزید اشاعت کا حق باقی نہیں رہے گا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

خادم الحدیث، دارالعلوم نعیمیہ، کراچی 38

19-03-2012

فرید بک اسٹال سے واپسی کے سفر کی دل دوز حکایت

محترم قارئین! اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ”نعمۃ الباری“ کی جلد ثامن (۸) ہے جو ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور کی طبع شدہ ہے، یقیناً آپ کو تعجب ہوگا کہ اس سے پہلے تو ”نعمۃ الباری“ کی مجلدات فرید بک اسٹال لاہور سے طبع ہو کر آرہی تھیں اب یکا یک یہ آٹھویں جلد ضیاء القرآن پبلی کیشنز کی طرف سے طبع ہو کر کیسے آگئی! اس کا پس منظر بتانے کے لئے میں آپ کو شروع سے کہانی سناتا ہوں۔

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو . دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

مارچ 1986ء کی کسی تاریخ کو سید محمد اعجاز شاہ صاحب رحمہ اللہ، مالک فرید بک اسٹال اپنی علالت اور ضعفِ بصارت کے باوجود مجھ سے ملاقات کے لئے کراچی تشریف لائے اور انہوں نے ”شرح صحیح مسلم“ کی سات جلدوں کی اشاعت کا مجھ سے معاہدہ کیا اور فی جلد دس ہزار روپے (10,000) کی معمولی سی رقم مقرر کی اور دو جلدوں کی ایڈوانس رقم مجھے پیش کر دی، سید محمد اعجاز شاہ مرحوم بہت متحمل مزاج اور فراخ دل شخص تھے۔ ان کے ساتھ جو بھی وقت گزرا وہ میری زندگی کے بہترین ایام میں سے ہے۔ جب ”شرح صحیح مسلم“ کی سات جلدوں کی تکمیل ہو گئی تو اس کی خوشی میں انہوں نے مجھے انیس سو ترانوے (1993ء) میں پینتیس (۳۵) ہزار روپے عمرہ کرنے کے لئے پیش کئے پھر ”شرح صحیح مسلم“ کی تکمیل کے بعد میرا عزم تھا کہ میں قرآن مجید کی تفسیر ”تبیان القرآن“ کے نام سے لکھوں، سو مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ منیب الرحمن زید جبہ نے سید محمد اعجاز شاہ صاحب مرحوم کے ساتھ میری طرف سے اس کا معاہدہ کیا جس کے مطابق ”تبیان القرآن“ کی ہر جلد کا معاوضہ پچاس (۵۰) ہزار روپے مقرر کیا گیا اور پہلے ایڈیشن کی پچاس (۵۰) جلدوں کا فراہم کرنا طے کیا گیا اور ہر نئے ایڈیشن کی دس (۱۰) جلدوں کی فراہمی مقرر کی گئی۔ سید صاحب موصوف نے اسی وقت مجھے پہلی جلد کے پچاس ہزار روپے (۵۰,۰۰۰) پیشگی ادا کر دیئے، سید محمد اعجاز شاہ صاحب مرحوم نے اس معاہدہ میں یہ بھی لکھوایا کہ اگر کسی جلد کی تکمیل سے پہلے میں قضائے الہی سے وفات پا گیا تو اس کی پیشگی لی ہوئی رقم مجھ پر معاف ہوگی، اور اگر اس دوران میں سخت بیمار ہو گیا تو وہ میرے علاج کے اخراجات برداشت کریں گے اور اگر میں تنگ دست ہو گیا تو وہ میری کفالت کریں گے۔ قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک وقیع علمی و تحقیقی کام کا یہ معاوضہ اس قابل بھی نہیں کہ اس کا ذکر کیا جائے، مگر اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ میرے پیش نظر میری کم از کم ضروریات کی تکمیل تھی اور یہ حسن نیت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو علمی صلاحیت اور تحریر کا ملکہ عطا کیا ہے، اس کا تشکرِ نعمت ایک علمی کام کی صورت میں کرتا جاؤں جو میرے، میرے والدین اور میرے اساتذہ کرام علیہم الرحمۃ کے لئے صدقہ جاریہ بنے اور دین کا قرض جو کہ ایک خادمِ دین پر ہوتا ہے، اپنی حقیر بشری استطاعت کے مطابق اس سے عہدہ برآ ہو سکوں اور یہ میرے لئے آخرت میں سرمایہ نجات بن جائے۔

تبیان القرآن کی دوسری جلد کی طباعت کے دوران سید محمد اعجاز شاہ صاحب وفات پا گئے۔ ان کی وفات سے مجھے بہت رنج ہوا اور میں نے ایک سو (۱۰۰) قرآن مجید کے ختم ہائے مبارکہ کروا کے ان کو ایصالِ ثواب کیا۔

انیس سو چورانوے (1994ء) میں اللہ تعالیٰ نے مجھے حج اور عمرہ کی سعادت عطا کی اور جنوری 2006ء میں تبیان القرآن

کی بارہ (۱۲) جلدیں مکمل ہو گئیں۔ اس وقت مجھے سید محمد اعجاز شاہ مرحوم کی یاد آئی جنہوں نے شرح صحیح مسلم کی سات جلدوں کی تکمیل پر مجھے عمرہ کرنے کے لئے پینتیس (۳۵) ہزار روپے ارسال کئے تھے لیکن اس کے برعکس سید محسن اعجاز شاہ نے تبیان القرآن کی بارہ جلدوں کی تکمیل پر ایسی کسی فیاضی تو درکنار، کسی علامتی خوشی کا بھی مظاہرہ نہیں کیا، سید محمد اعجاز شاہ مرحوم کے ساتھ گزارا ہوا دور ختم ہوا۔ اور اب میں ”نعمۃ الباری“ کی تصنیف کے دوران سید محسن اعجاز شاہ کے ساتھ گزارے ہوئے دور کی چند جھلکیاں پیش کرتا ہوں۔

نعمۃ الباری کی تصنیف کے دوران سید محسن اعجاز شاہ کے حسن اخلاق کی چند جھلکیاں:

ہے بجا شیوہ تسلیم میں مشہور ہیں ہم قصہ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم
سازِ خاموش ہیں، فریاد سے معمور ہیں ہم نالہ آتا ہے اگر لب پہ، تو معذور ہیں ہم
میں بندہ نادان ہوں، مگر شکر ہے تیرا رکھتا ہوں نہانخانہ لاہوت سے پیوند
اک دلولہ تازہ دیا میں نے دلوں کو لاہور سے تا خاک بخارا دسر قند

18، جنوری 2006ء کو سید محسن اعجاز شاہ نے کراچی آ کر مجھ سے نعمۃ الباری کی سات جلدیں لکھنے کا معاہدہ کیا اور ہر جلد کے عوض پچتر (75) ہزار روپے کی معمولی رقم ملے کی اور پہلے ایڈیشن پر پچاس (50) جلدیں اور نئے ایڈیشن پر دس جلدیں مہیا کرنے کا وعدہ کیا، الحمد للہ میں نے 14، ستمبر 2010ء کو نعمۃ الباری کی ساتویں جلد مکمل کر کے سید محسن اعجاز شاہ کے حوالہ کردی اور یوں میری حد تک اس معاہدہ کی تکمیل ہو گئی۔ 15، ستمبر 2010ء کو میں نے آٹھویں جلد کی ابتداء کردی تھی، میں مارچ 1986ء سے لے کر جنوری 2011ء تک مسلسل فریڈ بک اسٹال کے لئے لکھتا رہا اور اس اثناء میں، میں نے شرح صحیح مسلم کی سات جلدیں، تبیان القرآن کی بارہ جلدیں اور نعمۃ الباری کی سات جلدیں لکھیں جو تقریباً چھبیس (26) ہزار صفحات سے زیادہ پر مشتمل ہیں۔ مسلسل دماغی کام اور ذہنی دباؤ کی وجہ سے میری صحت نہایت متاثر ہوئی، یکم جنوری 2011ء سے لے کر 18، مئی 2011ء تک میں سخت بیمار رہا اور تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کا کام معطل ہو گیا، یہ ایام میرے لئے سخت اذیت ناک تھے، تبیان القرآن کے معاہدہ میں یہ بات تحریر تھی کہ اگر میں سخت بیمار ہو گیا تو فریڈ بک اسٹال کی طرف سے میرا علاج کیا جائے گا اور اگر میں تنگ دست ہو گیا تو میری کفالت کی جائے گی، لیکن سید محسن اعجاز شاہ نے معاہدہ کی اس شق کی کوئی پروا نہیں کی، ان کو تو یہ فکر تھی کہ اگر میں اسی طرح بیمار رہا تو نعمۃ الباری کی بقیہ مجلدات کیسے پوری ہوں گی، انہوں نے مجھ سے سیل فون پر کہا کہ اب آپ یہ کام نہیں کر سکتے تو یہ کام اپنے لائق شاگرد مفتی محمد اسماعیل نورانی زید علمہ کے سپرد کر دیں۔ پھر انہوں نے کراچی آ کر مفتی محمد اسماعیل نورانی سے نعمۃ الباری لکھنے کا معاہدہ کیا، پہلے انہوں نے اس کا معاوضہ پینتیس (35) ہزار روپے فی جلد مقرر کیا پھر میرے کہنے سے بڑھا کر اس کا معاوضہ پچاس (50) ہزار روپے فی جلد کر دیا اور وہ پچاس (50) ہزار روپے مفتی محمد اسماعیل نورانی کو پیشگی ادا کر دیئے، مفتی محمد اسماعیل نورانی زید حسب نے وہ پچاس ہزار روپے اسی وقت میرے قدموں میں ڈال دیئے اور مجھ سے کہا: یہ میری طرف سے حقیر نذرانہ ہے، مجھے چونکہ بیماری کے ان ایام میں پیسوں کی سخت ضرورت تھی اس لئے میں نے اس نذرانہ کو مجبوراً قبول کر لیا، اسی مجلس میں سید محسن اعجاز شاہ بونڈ پیپر پر ایک معاہدہ لکھوا کر لائے جس کے مطابق میں نے توضیح البیان، ذکر بالجہر، تذکرۃ الحمدین

مقالات سعیدی اور مقام ولایت و نبوت کی اشاعت کے دائمی حقوق فرید بک اسٹال کے نام کر دیئے، میں نے پوچھا: اس کی کوئی رائٹنگ اور معاوضہ؟ انہوں نے کہا: آپ کو اس کی کوئی رائٹنگ اور معاوضہ نہیں ملے گا، پھر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر بونڈ پیپر پر میرا گلوٹھا لگوایا اور میں نے شدید بیماری کی حالت میں یہ امر مجبوری اس پر دستخط کر دیئے۔ سید محسن اعجاز شاہ کاروباری ذہنیت کے مالک ہیں اور پروفیشنل آدمی ہیں۔ ان کے دل میں انسانی ہمدردی کا کوئی شتمہ نہیں ہے، بہر حال وہ لاہور واپس چلے گئے۔

مفتی محمد اسماعیل نورانی زید علمہ وجہ بہت ذہین، طباع اور محنتی عالم دین ہیں، انہوں نے درس نظامی کی اکثر کتب اپنے محترم استاذ مفتی محمد حسن حقانی رحمہ اللہ سے پڑھی ہیں اور 2001ء میں صحیح البخاری مجھ سے اور مفتی منیب الرحمن مدظلہ العالی سے صحیح مسلم پڑھی ہے۔ وہ دارالعلوم نعیمیہ کے فارغ التحصیل ہیں اور انہوں نے تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان سے نمایاں حیثیت (ممتاز مع الشرف) کے ساتھ شہادۃ العالمیہ فی العلوم العربیہ والاسلامیہ کی سند حاصل کی ہے۔ انہوں نے میری تمام تصانیف کو بہ غور پڑھا ہے، وہ جامعہ انوار القرآن کراچی میں درس نظامی کی منتہی کتب پڑھاتے ہیں اور افتاء کا کام بھی کرتے ہیں اور ”انوار الفتاویٰ“ کے نام سے ان کے فتاویٰ کی پہلی جلد شائع ہو چکی ہے، انہوں نے تفسیر خازن کا ترجمہ کیا اور اس میں درج احادیث کی تخریج و تحقیق کی اور علامہ خازن شافعی نے فقہاء احناف کے خلاف جو دلائل دیئے ان کے مثبت اور مدلل جوابات لکھے، اس کی پہلی جلد شائع ہو چکی ہے اور شائقین نے داد و تحسین حاصل کر چکی ہے، انہوں نے تفسیر خازن کی دوسری جلد بھی تیار کر کے فرید بک اسٹال کو دے دی جو فرید بک اسٹال نے ہنوز شائع نہیں کی، انہوں نے شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن کے تعارف پر ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام ”حقائق شرح صحیح مسلم و دقائق تبیان القرآن“ ہے، یہ کتاب بھی شائع ہو چکی ہے۔ سو مفتی محمد اسماعیل نورانی کی بہت علمی اور دینی مصروفیات ہیں، وہ اعلیٰ پایہ کے مقرر ہیں، شہر میں ان کے خطابات ہوتے رہتے ہیں اور Q.tv پر ان کے دینی معلوماتی پروگرام مسلسل ٹیلی کاسٹ ہوتے رہتے ہیں، ان کی شادی بھی ہو چکی ہے، ان کی گھریلو اور خانگی ذمہ داریاں ہیں اور والدین کی خدمت کا فریضہ بھی ان کے ذمہ ہے، لہذا ان کے لئے نعمۃ الباری کی آٹھویں جلد کی تصنیف کے لئے وقت نکالنا بہت مشکل تھا، وہ ایک گھنٹے کے لئے میرے پاس آتے اور میری ذاتی لائبریری میں بیٹھ کر نعمۃ الباری کی آٹھویں جلد کی تصنیف پر کام کرتے اور مجھ سے مشاورت کرتے، اسی اثناء میں وہ عمرہ کی ادائیگی کے لئے حرمین شریفین حاضر ہوئے اور ایک ماہ کا عرصہ گزار کر آئے اور جنوری 2011ء سے مئی 2011ء کے طویل عرصہ میں وہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے صرف پچاس صفحات لکھ سکے اور انہوں نے سورۃ النور اور سورۃ الفرقان کی تفسیر مکمل کی، جس کو میں نے من وعن نعمۃ الباری کی آٹھویں جلد میں شامل کر دیا۔

میری اس طویل بیماری کے دوران مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمن مہتمم دارالعلوم نعیمیہ کراچی (بسط علمہ وزید حب) نے میری بہت دل جوئی اور دستگیری کی۔ ہر چند کہ میں اب صحیح البخاری کی تدریس پر پہلے کی طرح قادر نہیں تھا، لیکن انہوں نے میرا مشاہرہ اور دیگر تمام سہولیات برقرار رکھیں اور وقتاً فوقتاً مجھے دیگر عطیات سے بھی نوازتے رہے اور مسلسل میرے ساتھ ہمدردی اور شفقت کا اظہار فرماتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو دارین میں اس کی بہترین جزاء عطا فرمائے اور آخرت کے مراحل ان پر آسان کر دے اور ہمیں جنت میں بھی اسی طرح یک جا کر دے جس طرح 1964ء سے لے کر تا دم تحریر ہم باہم شہر و شکر ہیں۔

چونکہ میری کتابیں، بھارت میں بھی پڑھی جاتی ہیں بلکہ بھارت میں توضیح البیان، تذکرۃ الھدین، شرح صحیح مسلم، تفسیر تبیان القرآن اور تاریخ مجدد حجاز شائع بھی ہو چکی ہیں۔ اسی طرح یورپ اور امریکہ میں بھی میری کتابیں پڑھی جاتی ہیں، جب امریکہ کے قارئین کو یہ معلوم ہوا کہ میں اب ذہنی دہاؤ کی وجہ سے بیمار ہو گیا ہوں اور لکھنے کے قابل نہیں رہا تو ڈاکٹر خالد اعوان، ڈاکٹر

ارشاد بھی اور ڈاکٹر شہرام شکر اللہ عطا یا ہم نے امریکہ سے میری دماغی تقویت کے لئے دوائیں بھجوائیں اور ان کو مسلسل استعمال کرنے سے الحمد للہ میں دوبارہ اپنا تصنیفی کام شروع کرنے کے قابل ہوا۔ پھر مفتی محمد اسماعیل نورانی زید حبہ نے نعمۃ الباری کی آٹھویں جلد کا کام میرے سپرد کر دیا اور میں نے 18 مئی 2011ء سے نعمۃ الباری کی آٹھویں جلد کو لکھنا شروع کر دیا اور میں نے سورۃ الشعراء سے لے کر سورۃ الناس تک کی تفسیر لکھ کر آٹھویں جلد کو مکمل کیا اور 8 ستمبر 2011ء کو میں نے آٹھویں جلد مکمل کر دی۔ 18 مارچ 2012ء کو میں نے نعمۃ الباری کی جلد ناسخ (9) بھی مکمل کر دی ہے اور 19 مارچ 2012ء کو میں نعمۃ الباری جلد عاشر (10) کا بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور رسول اللہ ﷺ کی نظر عنایت سے افتتاح کر چکا ہوں۔ تقبلہ اللہ منی و ادامہ اشاعتہ الی یوم القیامۃ (آمین)۔

میری عمر اب انگریزی حساب سے 76 سال اور چاند کے حساب سے 78 سال ہو چکی ہے اور کمر کے درد، شوگر، کولیسٹرول اور ہائی بلڈ پریشر کے امراض اور عوارض کی وجہ سے اب میرے لئے اپنے قلم سے خود لکھنا بے حد مشکل اور دشوار ہے، میرے ایک مخلص، محب اور ہونہار شاگرد جنہوں نے مجھ سے دورۂ حدیث پڑھا ہے مولانا دقار الحسن زید علمہ وجہ ہیں، وہ لکھتے ہیں اور میں ان کو اطباء کراتا ہوں۔ وہ صبح پونے چار بجے میرے پاس آ جاتے ہیں اور ہم صبح ساڑھے چھ بجے تک کام کرتے ہیں، وہ چونکہ تخصص سال دوم میں پڑھ رہے ہیں، اس کے بعد ان کی تعلیمی مصروفیات ہوتی ہیں اور میری تدریسی مصروفیات ہوتی ہیں، پھر نماز ظہر کے بعد وہ میرے پاس آ جاتے ہیں اور ظہر کے بعد سے لے کر عصر تک میرے ساتھ کام کرتے ہیں، وہ ماشاء اللہ بہت ذہین اور طباع ہیں اور میری ضرورت کے مطابق کتابوں سے حوالہ جات بھی تلاش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے علم و فضل میں ترقی عطا فرمائے اور حدیث کی اس خدمت کی وجہ سے ان کو دنیا اور آخرت میں اس کی بہترین جزا عطا فرمائے۔

سید محسن اعجاز شاہ کے میرے ساتھ ظالمانہ رویہ اور استحصال کی بدترین مثال یہ ہے کہ انہوں نے نعمۃ الباری کا دوبارہ معاہدہ بونڈ پیپر پر لکھوایا اور اس میں Contract of Service (کنٹریکٹ آف سروس) کے ٹیکنکل الفاظ لکھے اور مجھے اس کا معنی اور مفہوم بالکل نہیں بتلایا اور یہ تو مجھے اب معلوم ہوا کہ اس اصطلاح کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے تحت مستقبل میں مصنف کے حقوق ساقط ہو جاتے ہیں۔ یہ میرے ساتھ انتہائی فراڈ اور فریب کاری ہے۔ انہوں نے اس کا معنی بتائے بغیر مجھ سے اس پر دستخط کرائے، سید محسن اعجاز شاہ نے بیان القرآن کا بھی دوبارہ اسی طرح معاہدہ لکھوایا اور فریب دہی سے اس کا معنی اور مفہوم مجھے بتائے بغیر اس پر مجھ سے دستخط کرا لیے، اس لیے شرعاً یہ معاہدہ غیر مؤثر ہے، وہ دنیا میں تو ان کتابوں کی غیر شرعی اشاعت سے اپنا خزانہ بھر لیں گے لیکن ان شاء اللہ العزیز آخرت میں اس کے متعلق جواب دہ ہوں گے۔

سید محسن اعجاز شاہ کے اس بے رحمانہ رویہ اور شدید استحصال کے باوجود میں فرید بک اسٹال کے لئے کام کرتا رہتا لیکن چھٹی جلد کی اشاعت میں انہوں نے جو غیر معمولی تاخیر کی تو اس سے میرا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور میں نے عزم مصمم کر لیا کہ اب میں آئندہ فرید بک اسٹال کے لئے کام نہیں کروں گا اور آٹھویں جلد اشاعت کے لئے ان کے حوالہ نہیں کروں گا۔

09 فروری، بہ روز جمعرات 2012ء علی الصبح سید محسن اعجاز شاہ میرے پاس تشریف لائے، انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے دروازہ کھولا اور انہیں عزت و احترام سے بٹھایا اور ان کی تواضع کی۔ اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ میں آٹھویں جلد آپ کو نہیں دوں گا اور آپ نے اس سلسلہ میں پچاس ہزار روپے مفتی اسماعیل نورانی کو دیئے اور بعد ازاں پچیس ہزار روپے مجھے بھجوائے، وہ میرے ذمہ واجب الاداء ہیں اور اسی طرح میرے بھی آپ کے ذمے واجبات ہیں۔ یہ رقم ان کے عوض منہا ہو جائے گی، پھر بھی

میرے ذمے ان کی کوئی رقم باقی رہی تو میں فی الفور ادا کر دوں گا۔

پھر میں نے واشگاف الفاظ میں بتا دیا کہ آپ نے توفیق البیان، ذکر البہر، تذکرۃ المحدثین، مقالات سعیدی اور مقام ولایت و نبوت کی اشاعت پر بلا معاوضہ جو مجھ سے دائمی حقوق کا جبری معاہدہ لکھوایا تھا اور میری بیماری کے ایام میں میرا ہاتھ پکڑ کر بونڈ پیپر پر اپنے ہاتھ سے انگوٹھا لگوایا تھا، وہ اب غیر مؤثر ہے اور اگر اب آپ نے ان کتابوں کی اشاعت کی تو میں آپ کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہوں۔ پھر میں نے کہا کہ مارچ 1986ء سے لے کر 9 فروری 2012ء تک ہمارے درمیان جو اشاعتی تعلقات تھے وہ اب ختم ہو گئے ہیں، لیکن اسلام کی محبت اور دعا سلام کا تعلق باقی رہے گا اور جب بھی آپ مجھ سے سلام دعا کریں گے اور محبت آمیز بات کریں گے تو میں خوش دلی سے اس کا خیر مقدم کروں گا، اس پر سید محسن اعجاز شاہ نے کہا: جب کاروباری تعلق ختم ہو گیا تو پھر اب اسلامی سلام دعا کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ رخصت کے وقت جب میں نے ان سے معاف کرنا چاہا تو انہوں نے انکار کر دیا اور صرف بے دلی سے مصافحہ کر کے وہ میرے کمرے سے چلے گئے اور یوں ان کے بے رحمانہ اور سنگدلانہ طویل دور کا ڈراپ سین ہو گیا۔

اس دوران ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور کے مینجنگ ڈائریکٹر محترم جناب محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب زید حبہ و لطفہ سے میرا رابطہ ہوا۔ انہوں نے بہت پہلے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ میں ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے لئے کوئی علمی کام کروں۔ چنانچہ میں نے ان کے ساتھ نعمۃ الباری کی بقیہ جلدوں کا معاہدہ کر لیا ہے۔ محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب بہت خوش اخلاق، فیاض اور دل آویز شخص ہیں اور اپنے والد محترم پیر محمد کرم شاہ الازہری قدس سرہ العزیز متوفی ۱۹۹۸ء کے حسن اخلاق کا مظہر ہیں، اللہ تعالیٰ ہماری اور ان کی رفاقت اور محبت کو قائم و دائم رکھے، میں اب عمر کے آخری حصہ میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ”نعمۃ الباری“ کی بقیہ جلدوں کی میرے ہاتھوں تکمیل کرادے اور ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے زیر انتظام اس کی شایان شان طریقہ سے اشاعت کرادے، وما ذلک علی اللہ بعزیز، وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔ اللہم تقبل منی هذه الدعوات بجاۃ النبی الکریم علیہ الف الف صلوات وتسليم، آمین یا رب العالمین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

دارالعلوم نعیمیہ، بلاک 15 فیڈرل بی ایریا، عقب ایوب منزل، کراچی

19-03-2012

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۶۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْأَنْعَامِ

سورة الانعام کی تفسیر

سورة الانعام کا تعارف

امام ابن المنذر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورة الانعام مکمل مدہ مکرمہ میں رات کو نازل ہوئی اور اس کے گرد ستر ہزار فرشتے تھے جو بلند آواز سے تسبیح پڑھ رہے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عطاء اور الکلبی سے روایت ہے کہ سورة الانعام مکہ میں نازل ہوئی ہے، سوائے تین آیتوں کے، وہ مدینہ میں نازل ہوئی ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) قُلْ تَعَالَوْا - تَشْفُقُونَ تک (الانعام: ۱۵۳-۱۵۱)۔ (۲) مَا أُنْزِلَ اللَّهُ عَلَى بَشَرٍ (الانعام: ۹۱)۔ (۳) هُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّتٍ مَّعْرُوشَتٍ (الانعام: ۱۴۱)۔

الکتاب الفائق میں عبدالحسن القیس نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے پوری سورة الانعام پڑھی اور درمیان میں کوئی بات نہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے کیونکہ یہ پوری سورت ایک ساتھ نازل ہوئی ہے اور اس کے ساتھ فرشتوں کی جماعت تھی جنہوں نے زمین اور آسمان کو بھر لیا تھا اور ان کی تسبیح سے زمین لرز رہی تھی۔

اس سورت میں ایک سو پینسٹھ (۱۶۵) آیات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۲۹۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَمْ يَكُنْ تَكُنْ فَتَنَّتْهُمْ (الانعام: ۲۳) مَعَذَرَتُهُمْ مَعْرُوشَتٍ (الانعام: ۱۴۱) مَا يُغْرَسُ مِنْ الْكُرْمِ وَغَيْرِ ذَلِكَ حَمُولَةٌ (الانعام: ۱۴۲) مَا يُحْتَلُ عَلَيْهَا وَلَلْبَيْتَا (الانعام: ۹) لَشَبَّهْنَا وَيَتَوْنِ (الانعام: ۲۶) يَتَّبَاعِدُونَ تُبَسِّلُ (الانعام: ۷۰) تَفْضَحُ أُبْسِلُوا (الانعام: ۷۰) أَفْضَحُوا بَاسِطُوا أَيْدِيَهُمْ (الانعام: ۹۳) الْبَسِطُ الضَّرْبُ وَقَوْلُهُ اسْتَكَثَرْتُمْ (الانعام: ۱۲۸) مِنَ الْإِنْسِ أَضَلَلْتُمْ كَثِيرًا مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ (الانعام: ۱۳۶) جَعَلُوا لِلَّهِ مِنْ ثَمَرَاتِهِمْ وَمَالِهِمْ نَصِيبًا وَلِلشَّيْطَانِ وَالْأَوْثَانِ نَصِيبًا أَكِنَّةٌ (الانعام: ۲۵) وَاجِدَهَا كِنَانًا أَمَّا اسْتَكَلْتُ (الانعام: ۱۴۳، ۱۴۴) يَغْنِي هَلْ تَشْتَلِلُ إِلَّا عَلَى ذِكْرٍ أَوْ أُنْثَى فَلِمَ تَحْزَنُونَ بَعْضًا وَتُحِلُّونَ بَعْضًا مَسْفُوحًا (الانعام: ۱۳۵) مَهْرَاقًا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: لَمْ يَكُنْ تَكُنْ فَتَنَّتْهُمْ (الانعام: ۲۳) اس کا معنی ہے: پھر ان کا اور کوئی عذر نہ ہوگا۔ مَعْرُوشَتٍ (الانعام: ۱۴۱) اس کا معنی ہے: چھپر پر چڑھائی ہوئی انگور وغیرہ کی بلیں۔ حَمُولَةٌ (الانعام: ۱۴۲) اس کا معنی ہے: جن جانوروں پر بوجھ لا دیا جائے۔ وَلَلْبَيْتَا (الانعام: ۹) اس کا معنی ہے: ہم نے ان پر شبہ ڈال دیا۔ وَيَتَوْنِ (الانعام: ۲۶) اس کا معنی ہے: وہ دور ہو جاتے ہیں۔ تُبَسِّلُ (الانعام: ۷۰) اس کا معنی ہے: وہ رسوا کئے جائیں گے۔ أُبْسِلُوا (الانعام: ۷۰) اس کا معنی ہے: وہ رسوا کئے گئے۔ بَاسِطُوا أَيْدِيَهُمْ (الانعام: ۹۳) اس کا معنی ہے: مارنا۔ اسْتَكَثَرْتُمْ (الانعام: ۱۲۸) اس کا معنی ہے: یعنی تم نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا۔ ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ (الانعام: ۱۳۶) یعنی انہوں نے اپنے پھلوں اور مالوں میں سے اللہ کا ایک حصہ اور شیطان اور بتوں کا ایک حصہ قرار دیا۔ أَكِنَّةٌ (الانعام: ۲۵) اس کا واحد کنان

وَصَدَقَ (الانعام: ۱۵۷) اَعْرَضَ اُبَيْلُسُوْا (الانعام: ۲۳)
 اُوَيْسُوْا وَ اُبَيْلُسُوْا (الانعام: ۷۰) اُسْلِمُوْا سَرْمَدًا
 (القصاص: ۷۱) دَائِبًا اسْتَهْوَتْهُ (الانعام: ۷۱) اَضَلَّتْهُ
 تَتَتَوْنَ تَشْكُوْنَ وَقَدْ صَمَمَ وَاَمَّا وَقْرًا (الانعام: ۲۵)
 فَاِنَّهُ الْحِجْلُ اَسَاطِيْرُ (الانعام: ۲۵) وَاَحَدُهَا اُسْطُوْرَةٌ
 وَاِسْطَارَةٌ وَهِيَ التُّرَهَاتُ بِالْبَاسَاءِ (الانعام: ۲۳) مِنْ
 الْبَاسِ وَيَكُوْنُ مِنَ الْبُؤْسِ (الانعام: ۳۷) جَهْرَةً
 (الانعام: ۳۷) مُعَايَنَةً الصُّوْرِ (الانعام: ۷۳) جَبَاعَةٌ
 صُوْرَةٌ كَقَوْلِهِ سُوْرَةٌ وَسُوْرٌ مَلَكُوْتُ (الانعام: ۷۵)
 مُلْكٌ مِثْلُ رَهْبُوْتٍ خَيْرٌ مِنْ رَحَبُوْتٍ وَتَقُوْلُ تُرَهَّبُ
 خَيْرٌ مِنْ اَنْ تُرَحَّمَ جَنَّ (الانعام: ۷۶) اُظْلَمَ تَعْلَى
 (الانعام: ۱۰۰) عَلَا اِنْ تَعْدِلْ (الانعام: ۷۰) تَقْسِطُ لَا
 يَقْبَلُ مِنْهَا فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ يَقَالُ عَلَى اللّٰهِ حُسْبَانُهُ اَنْى
 حِسَابُهُ وَيَقَالُ حُسْبَانًا (الانعام: ۹۶) مَرَامٍ وَرُجُوْمًا
 لِلشَّيْطٰنِ (الملك: ۵) مُسْتَقَرٌّ (الانعام: ۹۸) فِي الصُّلْبِ
 وَمُسْتَوْدَعٌ (الانعام: ۹۸) فِي الرَّحِمِ الْقِنُوْ (الانعام: ۹۹)
 الْعِذْقُ وَالْاِثْنَانِ قِنُوَانٍ وَالْجَبَاعَةُ اَيْضًا قِنُوَانٌ مِثْلُ
 صِنُوْدٍ وَصِنُوَانٍ۔

ہے اور اس کا معنی ہے: پردہ۔ اَمَّا اسْتَمَلْتُ (الانعام: ۱۳۳)
 (۱۳۳) یعنی کیا مادہ جانوروں کے پیٹ میں نر اور مادہ نہیں ہوتے تو
 پھر تم کیوں ایک کو حرام اور دوسرے کو حلال قرار دیتے ہو؟
 فَسْفُوْحًا (الانعام: ۱۳۵) یعنی بہایا ہوا خون۔ وَصَدَقَ (الانعام: ۲۳)
 (۱۵۷) اس کا معنی ہے: اعراض کیا۔ اُبَيْلُسُوْا (الانعام: ۲۳) اس کا
 معنی ہے: وہ ناامید کئے گئے۔ اُسْلِمُوْا (الانعام: ۷۰) اس کا معنی
 ہے: وہ غمگین اور نامدم ہوئے۔ سَرْمَدًا (القصاص: ۷۱) اس کا معنی
 ہے: ہمیشہ۔ اسْتَهْوَتْهُ (الانعام: ۷۱) یعنی گمراہ کیا۔ تَتَتَوْنَ
 (الانعام: ۲۵) یعنی تم شک کرتے ہو۔ وَقْرًا (الانعام: ۲۵) اس کا معنی
 ہے: ڈاٹ۔ (دَقْرًا) اس کا معنی ہے: بوجھ۔ اَسَاطِيْرُ (الانعام: ۲۵)
 اس کا واحد اُسْطُوْرَةٌ اور اِسْطَارَةٌ ہے اور یہ ترہات ہیں۔ اس کا معنی
 ہے: کہانیاں اور لغو باتیں۔ بِالْبَاسَاءِ (الانعام: ۲۳) یہ بَاس سے
 ماخوذ ہے اور بؤس سے بھی ہے، اس کا معنی خوف اور مایوسی ہے۔
 جَهْرَةً (الانعام: ۳۷) اس کا معنی ہے: کھلم کھلا۔ الصُّوْرِ (الانعام: ۳۷)
 (۷۳) یہ صُوْرَةٌ کی جمع ہے جیسے سُوْرَةٌ کی جمع سُوْرٌ ہے۔ مَلَكُوْتُ
 (الانعام: ۷۵) اس کا معنی ہے: ملک یعنی سلطنت جیسے کہا جاتا ہے:
 رهبوت رحوت سے بہتر ہے اور تم یوں کہتے ہو کہ تمہیں ڈرایا
 جائے، یہ اس سے بہتر ہے کہ تم پر رحم کیا جائے۔ جَنَّ
 (الانعام: ۷۶) یعنی رات کا اندھیرا اس پر چھا گیا۔ تَعْلَى (الانعام: ۱۰۰)
 اس کا معنی ہے: وہ بلند ہے۔ اِنْ تَعْدِلْ (الانعام: ۷۰) اس کا
 معنی ہے کہ اگر وہ (نفس کافر) انصاف (یعنی توبہ) کرے گا تو
 قیامت کے دن اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ کہا جاتا ہے: علی
 اللّٰہ حسابہ یعنی اس کا حساب اللّٰہ پر ہے، اور کہا جاتا ہے:
 حُسْبَانًا (الانعام: ۹۶) مَرَامٍ (شیطان کو آگ کے گولے مارنے کی
 جگہیں) اور رُجُوْمًا لِلشَّيْطٰنِ (الملك: ۵) (یعنی شیاطین کو آگ
 کے گولے مارنا) مُسْتَقَرٌّ (الانعام: ۹۸) سے مراد ہے: وہ پشت
 میں ٹھہرا ہوا ہے اور مُسْتَوْدَعٌ (الانعام: ۹۸) کا معنی ہے: وہ رحم میں
 رکھا ہوا ہے۔ الْقِنُوْ (الانعام: ۹۹) اس کا معنی ہے: خوش۔ اس کا
 تشبیہ بھی قنوان ہے اور جمع بھی قنوان ہے جیسے صِنُوْدٌ اور صِنُوَانٌ۔

تعلیقات مذکورہ کی شرح

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فَتَشْتَهُمْ مَعْدِرَتَهُمْ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پھر ان کا اور کوئی عذر نہ ہوگا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّا سُرَّاكَا وَكُنتُمْ تَوَعُّمُونَ ۝ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فَتَشْتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ۝ (الانعام: ۲۲-۲۳)

اور جس دن ہم سب کو جمع کریں گے، پھر مشرکین سے کہیں گے: تمہارے (وہ) شرکاء کہاں ہیں جن پر تم گھمنڈ کرتے تھے؟ ۝ پھر وہ صرف یہی عذر کر سکیں گے کہ کہیں: اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے! ہم شرک کرنے والے نہ تھے ۝

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تعلیق کی امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

مَعْرُوشَاتٍ مَّا يُعْرَشُ مِنَ الْكُزْمِ وَغَيْرِ ذَلِكَ۔ معرُوشات اس کا معنی ہے: چھپر پر جو انگور وغیرہ کی نیل چڑھائی جاتی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَعْرُوشَاتٍ وَغَيْرِ مَعْرُوشَاتٍ۔ اور وہی ہے جس نے بیلوں والے باغ پیدا کئے اور جس نے درختوں والے باغ پیدا کئے۔ (الانعام: ۱۳۱)

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ معرُوشات سے مراد ہے: جن کو لوگ چھپروں پر بیلین چڑھا لیتے ہیں اور غیر معرُوشات سے مراد وہ ہے جو میدانوں میں اور پہاڑوں میں پھلوں کے درخت ہوتے ہیں۔

حَمُولَةٌ مَّا يُحْمَلُ عَلَيْهَا۔ حمُولَةٌ کا معنی ہے: جن جانوروں پر بوجھ لادا جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةٌ وَفَرَسًا۔ (الانعام: ۱۳۲)

اور اس نے بعض (قد آور) مویشی پیدا کئے جو بوجھ اٹھانے والے ہیں اور بعض زمین سے لگے ہوئے (کوتاہ قد) مویشی پیدا کئے۔

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ الحمولة سے مراد ہیں: اونٹ، گھوڑے، خیر اور گدھے اور ہر وہ جانور جس پر سامان لادا جائے اور فرش سے مراد ہیں: بکریاں۔

وَلَلْبَسَنَّا لَشَبَّهْنَا۔ اور لَلْبَسَنَّا کا معنی ہے: ہم نے ان پر مشتبہ کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَلْبَسَنَّا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبَسُونَ ۝ (الانعام: ۹)

اور ان پر وہی اشتباہ ڈال دیتے جو اشتباہ وہ اب کر رہے ہیں ۝

اس تعلیق کی امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

يَتَأَوَّنَ يَتَّبَعُونَ۔ وَيَتَوَّنَ کا معنی ہے: وہ دور ہوتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَهُمْ يَتَّبَعُونَ عَنْهُمْ وَيَتَوَّنُونَ عَنْهُمْ۔ (الانعام: ۲۵)

اور وہ لوگوں کو اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اس کا معنی ہے: کفار مکہ لوگوں کو حق کی پیروی سے منع کرتے ہیں اور (خود بھی) اس

سے دور ہوتے ہیں۔

تُبَسَّلُ تَفْضَحُ أَبْسَلُوا أَفْضَحُوا۔
تُبَسَّلُ (الانعام: ۷۰) کا معنی ہے: وہ رسوا کئے جائیں گے اور
أَبْسَلُوا (الانعام: ۷۰) کا معنی ہے: وہ رسوا کئے گئے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے دو آیتوں کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَذَكْرِيَّةً أَنْ تُبَسَّلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ۔
اور اس (قرآن) کے ساتھ ان کو نصیحت کرتے رہو کہیں یہ اپنے
(الانعام: ۷۰) کرتوتوں کی وجہ سے رسوائی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

یعنی لوگوں کو قرآن مجید سے نصیحت کرتے رہیے اور ان کو قیامت کے دن کے دردناک عذاب سے ڈرائیے کہ کہیں وہ اپنے
کرتوتوں کی وجہ سے رسوا نہ ہو جائیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا۔ (الانعام: ۷۰)
بَاسِطُوا أَيْدِيهِمُ الْبَسِطُ الضَّرْبُ۔
یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے رسوائی میں مبتلا کئے گئے۔
بَاسِطُوا أَيْدِيهِمُ (الانعام: ۹۳) اس کا معنی ہے: مارنا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا
أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ۔
اور (اے مخاطب!) کاش! تو وہ منظر دیکھے جب یہ ظالم موت کی
سختیوں میں مبتلا ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ پھیلائے

(الانعام: ۹۳) ہوئے ہوں گے (اور کہیں گے): نکالو اپنی جانوں کو۔

بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ کی ایک تفسیر ہے: مارنا اور دوسری تفسیر ہے: ان کو عذاب دینا اور تیسری تفسیر ہے: موت کے وقت ان کے
جسموں سے ان کی روحوں کو کھینچ کر نکالنا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ عذاب قیامت کے دن ہوگا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ عذاب دوزخ
میں ہوگا۔

وَقَوْلُهُ اسْتَكَثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ أَضَلَلْتُمْ كَثِيرًا۔
اسْتَكَثَرْتُمْ (الانعام: ۱۲۸) یعنی تم نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا۔
امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَعْتَصِرَ الْجِنَّ قَدَا اسْتَكَثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ۔
(اور فرمائے گا): اے جنات کی جماعت! تم نے بہت سے
(الانعام: ۱۲۸) انسانوں کو گمراہ کر دیا۔

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر دیا۔

مِثَا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ جَعَلُوا لِلّٰهِ مِنْ ثَمَرَاتِهِمْ وَمَالِهِمْ
ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ (الانعام: ۱۳۶) یعنی انہوں نے اپنے پھلوں اور
مالوں میں سے اللہ کا ایک حصہ اور شیطان اور بتوں کا ایک حصہ

قرار دیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا لِّمَا نَالُوا
هَذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا لِشُرَكَائِهِمْ۔ (الانعام: ۱۳۶)
اور انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتیوں اور مویشیوں میں سے
ایک حصہ اللہ کے لئے مقرر کر لیا اور بزعْمِ خُوشِ یہ کہا کہ یہ اللہ کے
لئے اور یہ ہمارے شرکاء کے لئے ہے۔

امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

اَكِنَّةٌ وَاَحَدُهَا كِنَانٌ۔ اَكِنَّةٌ (الانعام: ۲۵) اس کا واحد ہے: کنان اور اس کا معنی ہے: پردہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمُ آكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا۔ (الانعام: ۲۵)

اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ آپ کی باتیں سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی ہے۔

یعنی ان کے دلوں پر پروے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ قرآن کو سمجھ نہ سکیں اور کانوں میں ڈاٹ لگا دی ہے تاکہ وہ قرآن کو سن نہ سکیں۔
أَمَّا اشْتَمَلَتْ یَعْنِیْ هَلْ تَشْتَمِلُ إِلَّا عَلٰی ذَکَیْہِ أَوْ اُنْثٰی
فَلِمَ تُحَرِّمُوْنَ بَعْضًا وَتُحِلُّوْنَ بَعْضًا۔
 پیٹ میں نر اور مادہ نہیں ہوتے تو پھر تم کیوں ایک کو حرام اور
 دوسرے کو حلال قرار دیتے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۝ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ لَّيْسَ لَهُ كَفٌّ أَوْ يَدٌ ۚ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامِ ۚ تِلْكَ آيَاتُ الْكَافِرِينَ ۝
 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ ۝

آپ کہئے: کیا اس نے دوزحرام کئے یا دوزحرام کیں یا وہ جے
 دونوں مادہ اپنے پیٹوں میں لئے ہوئے ہیں، مجھے علمی دلیل سے
 خبر دو اگر تم سچے ہو O

(الانعام: ۱۴۳)

مشرکین اونٹوں کی بعض اجناس کو مردوں اور عورتوں دونوں پر حرام قرار دیتے تھے اور اونٹوں کی بعض اجناس کو صرف عورتوں پر حرام قرار دیتے تھے نہ کہ مردوں پر، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کا رد فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح حرام قرار دیا ہے یا تم اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہو۔

مَسْفُوحًا مُهْرًا قًا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مُسْفُوحًا۔

آپ کہئے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے، میں اس میں کسی کھانے والے پر کوئی چیز حرام نہیں پاتا سوائے اس کے کہ وہ مردار

(انعام: ۱۳۵) ہو یا بہا ہوا خون ہو۔
امام بخاری نے مَسْفُوحًا کی تفسیر مُہْرَاقًا کے ساتھ کی ہے یعنی بہا یا ہوا۔ العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی تفسیر کی روایت کی ہے۔

وَصَدَفَ (الانعام: ۱۵۷) اس کا معنی ہے: اعراض کیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَصَدَفَ عَنْهَا - تو اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے،
(الانعام: ۱۵۷) اور ان سے اعراض کرے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات سے اعراض کیا ہے اور اللہ ہی نے کہا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات پر عمل کرنے سے اعراض کیا اور لوگوں کو ان آیات پر ایمان لانے سے روکا۔

أَبْلِسُوا أَوْ بَلَسُوا۔ اَبْلِسُوا (الانعام: ۴۳) اس کا معنی ہے: وہ ناامید کئے گئے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۖ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِهَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ﴿۴۳﴾ (الانعام: ۴۳)

پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی، تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے، حتیٰ کہ جب وہ ان چیزوں پر اترانے لگے جو ان کو دی گئی تھیں تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ ناامید ہو کر رہ گئے۔

امام ابو عبیدہ نے بھی اَلْمُبْلِسِينَ کی تفسیر میں کہا ہے: جو غمزہ اور نادام ہوں اور اَلْفِتَاءُ نے کہا ہے: اَلْمُبْلِسُ وہ شخص ہوتا ہے جس کی امید منقطع ہو چکی ہو۔

وَأَبْلِسُوا أَسْلَبُوا۔ اَبْلِسُوا (الانعام: ۷۰) وہ غمگین اور نادام ہوئے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَبْلَسُوا بِمَا كَسَبُوا (الانعام: ۷۰) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے رسوائی میں مبتلا کئے گئے۔ اس آیت کی تفسیر بھی حسب سابق ہے۔

سَرْمَدًا دَائِمًا۔ سَرْمَدًا (القصاص: ۷۱) اس کا معنی ہے: ہمیشہ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ أَمْرٌ عَلَيْكُمْ إِنَّ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ الْيَلَّ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَنْ إِلَهَ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بَضِيَاءٌ ۖ أَفَلَا تَسْمَعُونَ ﴿۷۱﴾ (القصاص: ۷۱)

فرمائیے: بتاؤ اگر اللہ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت کے دن تک رات کر دے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہارے پاس (دن کی) روشنی لے آئے۔ تو کیا تم نہیں سنتے؟

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ سورۃ الانعام کی تفسیر میں اس آیت کو لکھنے کی کوئی مناسبت نہیں۔

اسْتَهْوَتْهُ أَضَلَّتْهُ۔ اسْتَهْوَتْهُ (الانعام: ۷۱) یعنی گمراہ کیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ أَتَدْعُونِ دُونَ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُزِدُ عَلَىٰ أَعْقَابِنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْنَا اللَّهَ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيَاطِينُ فِي الْأَرْضِ حَيْرَانٌ۔ (الانعام: ۷۱)

آپ کہئے: کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کریں جو ہم کو نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ اور ہم اللہ کے ہدایت دینے کے بعد اگلے پاؤں لوٹا دیئے جائیں! اس شخص کی طرح جس کو جنات نے جنگل میں بھٹکا دیا ہو اور وہ اس حال میں حیران اور پریشان پھر رہا ہو۔

قادمہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ جس کو جنات نے گمراہ کر دیا ہو۔

تَتَمَتُّونَ تَشْكُونَ۔ تَتَمَتُّونَ (الانعام: ۲) یعنی تم شک کرتے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا ۖ وَأَجَلٌ مُّقَرَّرٌ (الحیات) مقرر

مُسْتَشْفَعٌ عِنْدَكُمْ أَنْتُمْ تَمْتَرُونَ ① (الانعام: ۲)

فرمادی، اور قیامت کا معین وقت اللہ ہی کے پاس ہے، پھر تم لوگ شک کرتے ہو O

السدی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ تَمْتَرُونَ کا معنی ہے: تم اس آیت میں شک کرتے ہو۔
وَقَرَأُوا (الانعام: ۲۵) اس کا معنی ہے: ڈاٹ یا گرائی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَقَدْ أَذَانَهُمْ وَقَرَأُوا۔ (الانعام: ۲۵)

اس آیت کی تفسیر حسب سابق ہے۔

وَقَرَأُوا اس کا معنی ہے: بوجھ۔

امام بخاری نے اس تعلق کو اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ اَلْوَقْرُ اور اَلْوَقْرُ کافرق ظاہر ہو جائے۔ دَقْرُ کا معنی ڈاٹ ہے اور وُقْرُ کا معنی بوجھ ہے۔

أَسَاطِيرُ أَحَدُهَا أَسْطُورَةٌ وَأَسْطَارَةٌ وَفِي الثُّرَاهِثِ۔
أَسَاطِيرُ (الانعام: ۲۵) اس کا واحد أَسْطُورَةٌ اور أَسْطَارَةٌ ہے، اس کا معنی ہے: کہانیاں اور لغو باتیں اور یہ ثُرَاهِثِ ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ② (الانعام: ۲۵)
حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس بحث کرتے ہوئے آئیں گے تو کہیں گے: یہ قرآن تو محض پہلے لوگوں کا قصہ کہانی ہے O

أَسَاطِيرُ کا معنی ہے: باطل باتیں۔ ابوزید نے کہا: ثُرَاهِثِ، ثُرَاهِثِ کی جمع ہے۔ علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ ثُرَاهِثِ کا معنی ہے: وہ چھوٹے راستے جو کسی بڑی شارع کی طرف نکلتے ہوں اور یہ باطل باتوں سے کنایہ ہے۔ الاصبہی نے کہا ہے کہ ثُرَاهِثِ اصل میں فارسی لفظ ہے جس کو عربی بنالیا گیا ہے۔

الْبَاسَاءُ مِنَ الْبَاسِ وَيَكُونُ مِنَ الْبُؤْسِ۔
بِالْبَاسَاءِ (الانعام: ۴۲) یہ بَاس سے ماخوذ ہے اور بُؤْس سے بھی ہے، اس کا معنی خوف اور مایوسی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاتَّخَذْتَهُمُ الْبَاسَاءَ ۖ وَالضَّرَاءَ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ③
اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے، پھر ہم نے ان کو خوف اور مایوسی میں مبتلا کر دیا تاکہ وہ گڑگڑا

(الانعام: ۴۲) کر دعا کریں O

امام بخاری نے اس تفسیر سے یہ اشارہ کیا ہے کہ الْبَاسَاءُ، الْبَاسِ سے ماخوذ ہو، جس کا معنی شدت ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ الْبُؤْسِ سے ماخوذ ہو جس کا معنی ضرر ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی فقر اور بد حالی ہے۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ الْبَاسِ کا معنی قتال ہے۔

جَهْرَةً مُّعَايِنَةً۔
جَهْرَةً (الانعام: ۴۷) اس کا معنی ہے: کھلم کھلا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٤٤﴾ (الانعام: ۴۴) آپ کہئے! یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اچانک یا کھلم کھلا اللہ کا عذاب آجائے تو ظالم لوگوں کے سوا اور کون ہلاک کئے جائیں گے؟

بَغْتَةً کا معنی ہے: اچانک اور جَهْرَةً کا معنی ہے: مشاہدہ، امام ابو عبیدہ نے اسی طرح تفسیر کی ہے۔
الصُّورُ جَمَاعَةُ صُورَةٍ كَقَوْلِهِ صُورَةٌ وَسُورَةٌ۔ (الانعام: ۴۳) یہ صُورَةُ کی جمع ہے جیسے سُورَةُ کی جمع

سُورَةٌ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ ۚ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ﴿٤٣﴾ (الانعام: ۴۳) اور اس کی حکومت ہوگی جس دن صور پھونکا جائے گا، وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کا جاننے والا ہے اور وہی نہایت حکمت والا، بہت خبر رکھنے

والا ہے۔

امام بخاری نے کہا ہے کہ صور، صُورَةُ کی جمع ہے۔ امام ابن جریر نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے لیکن یہ تفسیر صحیح نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ صُور سے مراد وہ سینک ہے جس میں حضرت اسرائیل علیہ السلام پھونک ماریں گے۔ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک اعرابی نے پوچھا: یا رسول اللہ! صور کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ ایک سینک ہے جس میں پھونک ماری جائے گی اور یہ واحد لفظ ہے، اسم جمع نہیں۔

مَلَكُوتٌ مُلْكٌ وَمِثْلُ رَهْبُوتٍ خَيْرٌ مِنْ رَحْمُوتٍ مَلَكُوتٌ (الانعام: ۷۵) اس کا معنی ہے: ملک یعنی سلطنت، جیسے کہا جاتا ہے: رَهْبُوتٌ، رَحْمُوتٌ سے بہتر ہے اور تم کہتے ہو کہ تمہیں وَتَقُولُ تُرْهَبُ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تُرْحَمَ۔ ڈرایا جائے، یہ اس سے بہتر ہے کہ تم پر رحم کیا جائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَكَذَلِكَ نُرِيّكَ إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَنَّ مِنَ الْمُوقِنِينَ ﴿٧٥﴾ (الانعام: ۷۵) اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت دکھائی اور اس لئے کہ وہ (کامل) یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

الجوہری نے کہا ہے کہ الملکوت، ملک سے ماخوذ ہے جیسے رَهْبُوتٌ، اَلْمُلْكُوتُ سے ماخوذ ہے اور ان دونوں لفظوں میں واو اور تاء دونوں زائد ہیں۔ مَلَكُوتٌ کُلُّ شَيْءٍ کا معنی ہے کہ ہر چیز اس کی ملک میں ہے اور وہ ہر چیز میں جس طرح چاہے تصرف کرتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ملکوت کا معنی ہے: عالم الغیب، جس طرح ملک کا معنی ہے: عالم الشهادة۔ امام بخاری نے جو کہا کہ رَهْبُوتٌ، رَحْمُوتٌ سے بہتر ہے اور تم کو ڈرایا جائے، وہ تم پر رحم کئے جانے سے بہتر ہے، یہ بہت کمزور تاویل ہے۔ جَنَّ أَظْلَمَ۔ (الانعام: ۷۶) یعنی رات کا اندھیرا اس پر چھا گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى الْكُوفَةَ (الانعام: ۷۶) پھر جب ان پر رات کا اندھیرا چھا گیا تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا۔

یہ ابو عبیدہ کی تفسیر کے مطابق ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ جَنَّ کا معنی ہے: ڈھانپ لیا اور اندھیرا کر دیا۔

تَعَالَى عَلَا۔ (الانعام: ۱۰۰) اس کا معنی ہے: وہ بلند ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُصِفُونَ ﴿۱۰۰﴾ (الانعام: ۱۰۰)

نسفی نے اس کی تفسیر کی ہے: ظالم اور جاہل لوگ جو اللہ تعالیٰ کے لئے شر کا قرار دیتے ہیں اور اس کے لئے اولاد بناتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام اوصاف سے بہت بلند اور برتر ہے۔

وَإِنْ تَعْدِلْ تَقْسِطْ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ۔
 إِنَّ تَعْدِلَ (الانعام: ۷۰) اس کا معنی ہے کہ اگر وہ (نفس کافر) انصاف کرے (یعنی توبہ کرے) تو قیامت کے دن اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِنْ تَعْدِلْ كُلُّ عَدْلٍ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا۔ (الانعام: ۷۰) اور اگر وہ ہر قسم کا فدیہ دے تو اس سے نہیں لیا جائے گا۔

امام بخاری نے تَعْدِلْ کا معنی انصاف کیا ہے اور اس کی ضمیر نفس کافر کی طرف لوٹائی ہے یعنی اگر قیامت کے دن کافر انصاف کرے (اور انصاف سے مراد توبہ ہے) تو اس کا یہ عمل قبول نہیں کیا جائے گا۔ امام ابو عبیدہ نے عدل کی تفسیر توبہ سے کی ہے، یعنی قیامت کے دن توبہ قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ توبہ تو زندگی میں نفع دیتی ہے موت کے بعد نہیں۔

يُقَالُ عَلَى اللَّهِ حُسْبَانُهُ أَيْ حِسَابُهُ وَيُقَالُ حُسْبَانًا۔
 عَلَى اللَّهِ حُسْبَانُهُ یعنی اس کا حساب اللہ پر ہے اور کہا جاتا ہے: حُسْبَانًا (الانعام: ۹۶)

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَالَيْشِ إِلَّا صَبَاحٌ ۖ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
 حُسْبَانًا۔ (انعام: ۹۶) وہ رات کو چاک کر کے صبح نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو آرام کے لئے بنایا اور سورج اور چاند کو ایک حساب سے چلایا۔

حُسْبَانِ حساب کی جمع ہے اور تفسیر میں ہے کہ سورج اور چاند حساب سے چلتے ہیں اور ان میں کوئی تغیر اور اضطراب نہیں ہے۔
 مَرَامٍ وَرُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ۔
 مَرَامٍ: شیطان کو آگ کے گولے مارنے کی جگہ۔ رُجُومًا
 لِلشَّيَاطِينِ (الملک: ۵) یعنی شیطان کو آگ کے گولے مارنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے سورۃ الملک: ۵ کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس کی تفسیر کتاب ہذہ الخلق میں گزر چکی ہے۔

مُسْتَقَرٌّ فِي الصُّلْبِ وَمُسْتَوْدَعٌ فِي الرَّحِمِ۔
 (مُسْتَقَرٌّ) فی الصلب (الانعام: ۹۸) یعنی وہ پشت میں ٹھہرا ہوا ہے، (مُسْتَوْدَعٌ) فی الرحم یعنی وہ رحم میں رکھا ہوا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ ۖ
 (الانعام: ۹۸) وہی ہے جس نے تم (سب) کو ایک نفس سے پیدا کیا، پھر ہر ایک کے ٹھہرنے کی جگہ ہے اور اس کی سپردگی کی جگہ ہے۔

امام بخاری نے مستقر کی تفسیر کی ہے: فی الصلب یعنی وہ نطفہ پشت میں رکھا ہوا ہے اور مُسْتَوْدَعٌ کی تفسیر کی ہے: فی الرحم یعنی وہ نطفہ رحم میں ہے۔ یہ تفسیر حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد، عطاء، نخعی، ضحاک اور قتادہ کے قول کے

مطابق ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ ہے کہ مستقر کا تعلق دنیا کے ساتھ ہے اور مُستودع کا تعلق اس کی موت کے وقت کے ساتھ ہے۔ اور امام طبرانی کی حدیث میں ہے کہ مستقر کا تعلق رحم کے ساتھ ہے اور مستودع کا تعلق زمین کے ساتھ ہے۔

الْقِنُوءُ الْعَذَقُ وَالْإِثْنَانِ قِنُوءَانِ وَالْجَبَاعَةُ أَيْضًا قِنُوءَانِ (الانعام: ۹۹) اس کا معنی ہے: خوشہ، اس کا تشبیہ بھی قنوانِ مثلُ صنو وِ صنوان۔ ہے اور جمع بھی قنوان ہے، جیسے صنو اور صنوان۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِنَ النَّخْلِ مِمَّنْ طَلَعَهَا قِنُوءَانِ (الانعام: ۹۹) اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے پیدا کئے۔

القنوء واحد ہے اور اس کا تشبیہ اور جمع قنوان ہے اور ان دونوں میں فرق اس طرح ہے کہ تشبیہ میں ہر حال میں نون پر زیر ہوگی اور جو قنوان جمع ہے اس میں نون پر اعراب بہ اعتبار عوامل ہوگا مثلاً جاءنی قِنُوءَانِ میرے پاس ایک خوشہ آیا اور رَأَيْتُ قِنُوءَانَا، میں نے ایک خوشہ دیکھا اور مَوَزْتُ بِقِنُوءَانِ، میں ایک خوشہ کے پاس سے گزرا۔

نوٹ: ان تمام تعلیقات کی شرح عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۰۲-۲۹۵ سے لی گئی ہے۔

۱۔ بَابُ: وَعِنْدَ مَا مَفَاتِحُ الْغَيْبِ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اس کے پاس غیب کی چابیاں

ہیں، اس کے سوا (از خود) ان کو کوئی نہیں جانتا

لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ۔ (الانعام: ۵۹)

(الانعام: ۵۹) کی تفسیر

غیب کی تعریف

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: جس چیز کا حواس (خبر) سے ادراک نہ کیا جاسکے اور نہ اس کو ابتداء عقل سے معلوم کیا جاسکے، وہ غیب ہے۔ اس کا علم صرف انبیاء علیہم السلام کے خبر دینے سے ہوتا ہے۔ (المفردات ص ۳۶۷، مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ، ایران، ۱۳۴۲ھ) علامہ زبیدی لکھتے ہیں: جو چیز تم سے غائب ہو، وہ غیب ہے۔ ابو اسحاق زجاج نے ”یَوْمُئِذٍ يُبْعَثُ الْغَيْبُ“ کی تفسیر میں کہا ہے: جو چیز متقین سے غائب تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کی خبر دی، وہ غیب ہے، جیسے مرنے کے بعد اٹھنا، جنت، دوزخ اور ہر وہ چیز جو ان سے غائب تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کی خبر دی، وہ غیب ہے۔ (تاج العروس ج ۱ ص ۴۱۶، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ، مصر، ۱۳۰۶ھ)

الانعام: ۵۹ میں مذکور مَفَاتِحُ الْغَيْبِ کی لفظی اور معنوی تحقیق

علامہ عمر بن علی ابن السلقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

الْمَفَاتِحُ، الْمَفْتَحُ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: المفتاح یعنی چابی یا کنجی اور اس کا معنی یہ ہے کہ علم غیب تک پہنچنے کا ذریعہ اسی کے پاس ہے۔ السدی نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے، خزائن الغیب (تفسیر طبری ج ۵ ص ۲۱۰) اور مقاتل نے کہا ہے کہ عذاب کے غیب کا علم کہ وہ عذاب تم پر کب نازل ہوگا (تفسیر بغوی ج ۳ ص ۱۵۰) اور دوسروں نے کہا ہے: اس سے مراد ہے جو چیزیں ابن آدم سے غائب ہیں مثلاً زمین کے خزانے اور رزق اور بارش اور ثواب اور بعض علماء نے کہا: اس سے مراد شقاوت اور سعادت ہے یعنی بد بختی اور نیک بختی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ ہی کو علم ہے کہ بارش کب اور کیسے نازل ہوگی۔ ایک اور قول یہ ہے کہ اس سے مراد اعمال کا خاتمہ ہے

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا از خود کوئی نہیں جانتا کہ بندے کا کس عمل پر خاتمہ ہوگا۔

اور جب کہ چابیوں سے مقفل خزانے کو کھولا جاتا ہے تو جس کو چابیوں کا علم ہوگا وہ غیب کے ان خزانوں کو کھول سکے گا اور ان چابیوں کا اللہ عزوجل ہی کو علم ہے۔ (التوحید لشرح الجامع الصحیح ج ۲ ص ۲۲۸-۳۲۷، وزارة الاوقاف، قطر ۱۴۲۹ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے کہا ہے کہ مَفَاتِحُ مَفْتَحِہ کی جمع ہے جس سے کسی چیز کو کھولا جاتا ہے۔ اسم آلہ میں یہ لغت بہت کم مستعمل ہے اور مشہور یہ ہے کہ مفتاح کی جمع مفاتیح ہے۔ اور امام طبری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم دیا گیا ہے سوا مفتاح الغیب کے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۵۸۲، دار المعرف، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ زمخشری نے کہا ہے کہ غیب کے لئے چابیاں بطور استعارہ ہیں کیونکہ چابیوں سے ان بند خزانوں کو کھولا جاتا ہے جن میں قفل لگا ہوا ہو اور جس کو ان چابیوں کا علم ہوگا اور یہ پتا ہوگا کہ ان چابیوں سے قفل کو کیسے کھولا جاتا ہے تو وہ غیب کے خزانوں سے علم حاصل کر لے گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ مغیبات کا علم صرف اسی کو ہے اور کوئی ان مغیبات کا علم حاصل نہیں کر سکتا جیسے جس شخص کے پاس خزانوں کی چابیاں ہوں اور اس کو قفل کھولنے کا طریقہ معلوم ہو تو وہی ان بند خزانوں کو کھول سکتا ہے اور کوئی نہیں کھول سکتا۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

مفتاح الغیب کی تفسیر میں علامہ ابن الملقن، علامہ ابن حجر اور علامہ عینی پر مصنف کا تعاقب

ان شارحین نے مطلق علم غیب کا حصر اللہ عزوجل کی ذات مقدسہ میں کیا ہے، حالانکہ غیب کے علم کی دو قسمیں ہیں: ذاتی اور عطائی۔ اگر مطلق علم غیب کا اللہ کی ذات میں حصر کیا جائے تو اس کا معنی ہوگا: علم غیب خواہ ذاتی ہو یا عطائی وہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور یہ صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے مقبول بندوں کو غیب کا علم عطا فرماتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو تو کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے، سو ان علماء اور مفسرین کو یہ کہنا چاہئے تھا کہ ذاتی علم غیب صرف اللہ عزوجل ہی کے پاس ہے اور وہی از خود ہر غیب کو جاننے والا ہے، وہ غیب کو جاننے میں کسی سبب، کسی ذریعہ اور کسی کی تعلیم کا محتاج نہیں ہے، ہاں! تمام مخلوق غیب کو جاننے میں اس کی طرف محتاج ہے۔

مقبول بندوں کو علم غیب عطا کرنے میں محققین علماء کی تصریحات

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر القرطبی المالکی متوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

ان مغیبات کے علم کو جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کو علم عطا فرمائے یا جس کو چاہے ان مغیبات میں سے کسی ایک چیز کا علم عطا فرمائے، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

عَلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۖ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ
مِنْ رَسُولٍ۔ (الحج: ۲۷-۲۶)

وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے، سو وہ اپنے ہر غیب پر کسی کو مکمل مطلع نہیں فرماتا سوا ان کے جن کو اس نے پسند فرمالیا ہے جو اس کے

(سب) رسول ہیں۔

اس کے بعد علامہ قرطبی لکھتے ہیں: سو جس شخص نے ان پانچ مغیبات میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کے بغیر کسی چیز کے علم کا دعویٰ کیا تو وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہوگا۔ (المہم ج ۱ ص ۱۵۶، دار ابن کثیر، بیروت ۱۴۲۰ھ)

علامہ قرطبی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ان مغیبات خمسہ میں سے جتنا اس نے چاہا، آپ کو علم عطا فرمایا ہے اور آپ کے واسطے سے دوسرے مقبول بندوں کو ان پانچ مغیبات میں سے جتنا اس نے چاہا ان کو اتنا علم عطا فرمایا ہے۔ علامہ قرطبی کی اس عبارت کو علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ بدر الدین عینی، ملا علی قاری اور دیوبندیوں کے عالم شیخ شبیر احمد عثمانی نے بھی اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے۔ ان کے حوالہ جات درج ذیل ہیں:

(فتح الباری ج ۱ ص ۱۲۴، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ، عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۹۰، مطبوعہ مصر ۱۳۴۸ھ، مرقاة المفاتیح ج ۱ ص ۶۵، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، لبنان ۱۳۹۰ھ، فتح المکرم ج ۱ ص ۱۷۲، مطبوعہ مکتبۃ الحجاز، کراچی)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ کو ان پانچ چیزوں کا علم بھی دیا گیا ہے اور وقت وقوع قیامت اور روح کا علم بھی دیا گیا ہے اور آپ کو ان کے چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔ (شرح الصدور ص ۳۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۰۴ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ سورۃ لقمان کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الجن: ۲۶ میں فرمایا ہے: وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے، سودہ اپنے ہر غیب پر کسی کو مکمل مطلع نہیں فرماتا۔ ماسوا ان کے جن کو اس نے پسند فرمایا ہے جو اس کے (سب) رسول ہیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ لوگوں کو خبر دیتے ہیں کہ وہ کیا کھاتے ہیں اور کیا گھر میں رکھتے ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام لوگوں کو خواب کی تعبیر بیان کرتے تھے۔ ان کے علاوہ جو معجزات اور کرامات ظاہر ہیں، اس کا ثبوت سورۃ الجن کی اس آیت سے ہے کیونکہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو بعض غیب پر مطلع فرماتا ہے اور وہی اس کے رسول کے تابع ہیں اور وہی رسول علیہ السلام سے اکتساب فیض کرتا ہے اور رسول اور ولی کے علم میں فرق یہ ہے کہ رسول ان غیب کے علم پر وحی کی اقسام سے مطلع ہوتا ہے اور ولی ان غیب پر خواب کے ذریعے یا الہام سے مطلع ہوتا ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۷۷۰، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از سالم بن عبداللہ از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غیب کی پانچ چابیاں ہیں، بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہی بارش نازل فرماتا ہے اور وہی جانتا ہے ماؤں کے پیٹوں میں کیا ہے اور کوئی شخص از خود نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور نہ کوئی شخص از خود جانتا ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ بے شک اللہ بے حد جاننے والا، بہت زیادہ خبر رکھنے والا ہے O (لقمان: ۳۴)

۴۶۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ ابْنِ شَهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ (إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَنْحَاوِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَمْرٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ) (لقمان: ۳۴)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۰۳۹ میں گزر چکی ہے۔

۲۔ بَابُ: قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ

عَلَيْكُمْ عَذَابًا بَاقِينَ فَوْقَكُمْ (الانعام: ۶۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ کہئے کہ وہی اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے۔ (الانعام: ۶۵)

کی تفسیر

يَلْبِسُكُمْ (الانعام: ۶۵) یہ التباس سے ماخوذ ہے، يَلْبِسُوا (الانعام: ۸۲) اس کا معنی ہے: وہ خلط ملط ہو گئے اور شیعہ (الانعام: ۶۵) مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔

۶۲۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الثُّغَمَانِ حَدَّثَنَا حَتَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لَنَا نَزَلَتْ هَذِهِ آيَةُ ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا بَاقِينَ فَوْقَكُمْ﴾ (الانعام: ۶۵) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَعُوذُ بِوَجْهِكَ قَالَ ﴿أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكَ﴾ (الانعام: ۶۵) قَالَ أَعُوذُ بِوَجْهِكَ ﴿أَوْ يَلْبِسُكُمْ شَيْعًا وَيُذَيِّقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ﴾ (الانعام: ۶۵) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هَذَا أَهْوَنُ أَوْ هَذَا أَيْسَرُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالثعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از عمرو بن دینار از حضرت جابر رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: آپ کہئے کہ وہی اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے (الانعام: ۶۵) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: میں تیری ذات کی پناہ میں آتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے (الانعام: ۶۵) تو آپ نے دعا کی: میں تیری ذات کی پناہ میں آتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے اور تمہارے بعضوں کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ (الانعام: ۶۵) تو آپ نے فرمایا یہ بہت ہلکا ہے یا آپ نے فرمایا: یہ بہت آسان ہے۔

یہ حدیث صحیح البخاری: ۲۵۱۶ میں گزر چکی ہے۔

اس امت کا آپس کی لڑائیوں میں مبتلا ہونا ان کے گناہوں کا کفارہ ہے

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۳ھ لکھتے ہیں:

تمہارے اوپر سے: جیسے آسمان سے پتھر برسائے مثلاً قوم لوط پر یا جیسے ابرہہ کے لشکر پر ابابیلوں نے کنکریاں برسائیں۔ تمہارے پاؤں کے نیچے سے: اس کا معنی ہے: زمین میں دھنسا دینا جیسے قارون کو زمین میں دھنسا دیا یا آل فرعون کو سمندر میں غرق کر دیا یا قوم نوح کو غرق کرنے کے لئے موسیٰ دھار بارش نازل کی، دوسری تفسیر یہ ہے کہ ”تمہارے اوپر سے“ کا معنی یہ ہے کہ تمہارے اکابر اور تمہارے سلاطین سے اور ”تمہارے پاؤں کے نیچے سے“ کا معنی ہے: جو لوگ تمہارے نیچے اور تمہارے غلام ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمہارے اوپر سے، کا معنی ہے: بارش کو روک لینا اور تمہارے پیروں کے نیچے سے، کا معنی ہے: زمین کی پیداوار کو روک لینا۔ اس تفسیر کو امام طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ (تفسیر طبری ج ۵ ص ۲۲۹)

اور تمہارے بعضوں کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے: اس کا معنی ہے: فتنے اور اختلاف، یہ مجاہد کی تفسیر ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۸۹۰)

یہ بہت ہلکا ہے یا بہت آسان ہے: یعنی جو فتنے مخلوق کے درمیان واقع ہوں گے، ان کا عذاب اللہ کے عذاب سے بہت ہلکا ہے اور یہ امت فتنوں میں مبتلا ہوئی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ آپ کی امت کے اوپر کوئی ایسا دشمن

غالب نہ ہو جو آپ کی امت کا غیر ہو تو اللہ تعالیٰ نے یہ آپ کو عطا کر دیا، اور دوسری دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے وہ بھی آپ کو عطا کر دیا، اور جب یہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا سے روک دیا اور اس میں حکمت یہ تھی کہ جب آپ کی امت آپس کی لڑائیوں میں مبتلا ہو گی تو اس سے ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۳۳۱-۳۳۰، وزارة الاوقاف، قطر، ۱۴۲۰ھ)

باب مذکور کی حدیث کے موافق دیگر احادیث

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے اس باب کی حدیث کے موافق متعدد احادیث روایت کی ہیں۔ ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

(۱) امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میری امت سے چار چیزیں اٹھالے تو اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں اٹھالیں اور دو چیزوں کے اٹھانے سے انکار کر دیا، میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان سے پتھروں کے برسنے کو اٹھالے اور ان سے زمین میں دھنسائے جانے کے عذاب کو اٹھالے اور یہ دعا کی کہ وہ مختلف فرقوں میں مبتلا نہ ہوں اور امت کے بعض افراد کو دوسرے بعض افراد کی لڑائی سے مزہ نہ چکھائے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے زمین میں دھسنے کو اور پتھر برسنے کو اٹھالیا اور دوسرے دو عذابوں کو اٹھانے سے انکار فرمادیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تمہارے اوپر سے یا تمہارے نیچے سے، اس کی نظیر درج ذیل آیت میں ہے:

أَفَأَمْسَلْتُمْ أَنْ يَخْصِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُزِيلَ عَلَيْكُمْ
حَاصِبًا۔ (الاسراء: ۶۸)

کنارے میں دھنسا دے یا تم پر پتھر برسا دے۔

(۲) امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ العبدی نے بیان کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ چند قبائل کو زمین میں دھنسا نہ دیا جائے۔

(۳) امام ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت کے آخر میں زمین میں دھنسا ہوگا اور مسخ ہوگا اور آسمان سے پتھروں کا برسنا ہوگا۔

(۴) امام احمد نے، امام ابن ماجہ نے، امام بزار نے اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کی ہے لیکن ان کی اسانید پر جرح ہے، البتہ ان اسانید کا تعدد اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس حدیث کی اصل ہے۔

(۵) امام مسلم نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے میرے لئے زمین کے مشارق اور مغارب کو لپیٹ دیا اور جہاں تک ان کو لپیٹا ہے میری امت وہاں تک پہنچے گی اور اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ میں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ میری امت کو عام قحط سے ہلاک نہ کرنا اور یہ کہ میری امت پر ان کے غیر کو مسلط نہ کرنا اور یہ کہ میری امت کو مختلف فرقوں میں تقسیم نہ کرنا اور میری امت کو ایک دوسرے کی لڑائی کا مزہ نہ چکھانا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! جب میں کوئی فیصلہ کروں تو وہ مسترد نہیں کیا جاتا اور میں نے آپ کی امت کو یہ عطا کر دیا ہے کہ ان کو عام قحط سے ہلاک نہیں کروں گا اور ان کے اوپر ان کے غیر کو مسلط نہیں کروں گا حتیٰ کہ وہ خود ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور امام طبری نے سند صحیح کے ساتھ حضرت شداد سے یہ روایت کی ہے کہ بعض مومنوں کے اوپر ان کے دشمن کافر کو مسلط کیا گیا ہے لیکن یہ بر طریق عموم نہیں تھا، اسی طرح بعض مسلمانوں کو زمین میں دھنسا یا گیا اور بعض پر پتھر برسائے گئے لیکن یہ بھی بر طریق عموم نہیں تھا اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ ان پر بر طریق عموم پتھر نہیں برسائے جائیں گے یا پوری امت کو زمین میں دھنسا یا نہیں جائے گا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۵۸۳-۵۸۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۔ بَابُ: وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ۔

(الانعام: ۸۲)

۴۶۲۹۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لَنَا ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ (الانعام: ۸۲) قَالَ أَصْحَابُهُ وَآيَاتُنَا لَمْ يَظْلِمُوا فَتَنَزَّلَتْ ﴿إِنَّ الشُّرُكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾

(لقمان: ۱۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم (شرک) کو نہیں ملایا (الانعام: ۸۲) کی تفسیر

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی عدی نے حدیث بیان کی از شعبہ از سلیمان از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم (شرک) کو نہیں ملایا (الانعام: ۸۲) تو آپ کے اصحاب نے کہا: ہم میں سے کون شخص ظلم نہیں کرتا؟ تب یہ آیت نازل ہوئی: بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے (لقمان: ۱۳)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲ میں گزر چکی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ظلم کا ایک معنی ہے: غیر کی ملک میں تصرف کرنا یا کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا، جیسے کوئی شخص کسی کی چیز دوسرے کو دے دے یا مسجد میں دخول کے وقت پہلے بایاں پیر رکھ دے، لیکن یہ معنی الانعام: ۸۲ کے منافی نہیں ہے۔ یہ پوری آیت اس طرح ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمَنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿۸۲﴾ (الانعام: ۸۲)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم (شرک) کو نہیں ملایا، ان ہی کے لئے بے خوفی ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں

پس صحابہ کرام کو یہ اشکال ہوا کہ ظلم تو کبھی خلاف اولیٰ کا ارتکاب بھی ہوتا ہے، سو اگر دوزخ سے نجات ظلم نہ کرنے پر موقوف ہے تو پھر ہم میں سے کسی کی بھی نجات نہیں ہوگی، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ ظلم کا ایک معنی شرک بھی ہے کیونکہ شرک میں بھی عبادت کو غیر محل میں رکھا جاتا ہے، جیسا کہ لقمان: ۱۳ میں ہے اور الانعام: ۸۲ میں جو فرمایا کہ ”جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملایا“ اس سے مراد بھی شرک ہے یعنی جنہوں نے ایمان لانے کے بعد شرک نہیں کیا، ان ہی کو دوزخ سے نجات ملے گی۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور یونس اور لوط، اور ہم نے سب کو (ان کے زمانہ کے) تمام جہان والوں پر فضیلت

دی (الانعام: ۸۶) کی تفسیر

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن مہدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از ابی العالیہ، انہوں نے کہا: مجھے تمہارے نبی کے عم زاد نے حدیث بیان کی یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے از نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ کسی بندے

۴۶۳۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ ابْنِ الْعَالِيَةِ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ عَمِّ نَبِيِّكُمْ يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى۔

کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں حضرت یونس بن مثنیٰ (علیہ السلام) سے بہتر ہوں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۹۵ میں گزر چکی ہے۔

۴۶۳۱۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنَا سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ سَمِعْتُ حُمَيْدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ أَنَا خَيْرُ مَنْ يُونُسَ بْنِ مَثْنَى۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعد بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حمید بن عبد الرحمن بن عوف سے سنا از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ آپ نے فرمایا: کسی بندے کو یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں حضرت یونس بن مثنیٰ (علیہ السلام) سے بہتر ہوں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۴۱۵ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس کے خلاف دوسری حدیث یہ ہے:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور اس پر فخر نہیں ہے اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور اس پر فخر نہیں ہے اور اس دن ہر نبی خواہ حضرت آدم ہوں یا ان کے ماسوا سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور سب سے پہلے زمین مجھ سے شق ہوگی اور اس پر فخر نہیں ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی: ۳۶۱۵، مسند احمد ج ۳ ص ۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث مروی ہے، اس میں مذکور ہے کہ: سنو! میں اللہ کا محبوب ہوں اور فخر نہیں ہے اور میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں اور اس پر فخر نہیں ہے اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور فخر نہیں ہے اور میں وہ ہوں جو سب سے پہلے جنت کے دروازے کو کھٹکھٹائے گا، پس وہ دروازہ میرے لئے کھول دیا جائے گا، پس اللہ تعالیٰ مجھے اس میں داخل کرے گا اور میرے ساتھ فقراء مومنین ہوں گے اور فخر نہیں ہے اور میں تمام اولین اور آخرین سے زیادہ مکرم ہوں اور فخر نہیں ہے۔ (سنن ترمذی: ۶۶۱۶)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ نے خود فرمایا کہ میں تمام نبیوں سے افضل ہوں اور اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ کوئی بندہ یہ نہ کہے کہ میں حضرت یونس علیہ السلام سے بہتر ہوں، سو اس باب کی حدیث کا ان احادیث سے تعارض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا جب آپ کو یہ علم نہیں دیا گیا تھا کہ آپ تمام نبیوں سے افضل ہیں یا یہ آپ کا ارشاد بطور تواضع اور انکسار ہے۔

۵۔ بَابُ: أَوْلَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ

فِي هَذِهِمُ اقْتَدَا۔

(الانعام: ۹۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ

نے ہدایت دی ہے، سو آپ بھی ان کے طریقہ پر

چلیں۔ (الانعام: ۹۰) کی تفسیر

۴۶۳۲۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث

أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ الْأَحْوَلُ أَنَّ مُجَاهِدًا أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ أَيْ صَاحِبَهُ فَقَالَ نَعَمْ ثُمَّ تَلَا ﴿وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ إِلَى قَوْلِهِ فَبِهِدَاهُمُ اقْتَدَاهُ﴾ (الأنعام: ۸۴-۹۰) ثُمَّ قَالَ هُوَ مِنْهُمْ زَادَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ وَسَهْلُ بْنُ يُونُسَ عَنْ الْعَوَّامِ عَنْ مُجَاهِدٍ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ نَبِيُّكُمْ ﷺ مَثْنُ أَمْرٍ أَنْ يَقْتَدِيَ بِهِمْ۔

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی کہ ابن جریج نے ان کو خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان الاحول نے خبر دی کہ ان کو مجاہد نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ کیا سورہ ص میں سجدہ ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! پھر یہ آیت تلاوت کی: اور ہم نے انہیں اسحاق اور یعقوب عطا کیا (الانعام: ۸۴) یہ آیت یہاں تک پڑھی تو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں (الانعام: ۹۰) پھر کہا: اور آپ بھی ان میں سے ہیں اور یزید بن ہارون اور محمد بن عبید اور سہل بن یوسف نے از عوام از مجاہد یہ اضافہ کیا کہ میں نے حضرت ابن عباس سے کہا: کیا آپ کے نبی ﷺ بھی ان میں سے ہیں جن کو ان نبیوں کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۴۲۱ میں گزر چکی ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ انبیاء سابقین کے مقتدی ہیں حالانکہ آپ کا مقام مقتدی ہونا ہے نہ کہ مقتدی ہونا

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کو انبیاء سابقین کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے حالانکہ نبی کریم ﷺ کا مقام یہ ہے کہ آپ کی پیروی کی جائے نہ یہ کہ آپ کسی کی پیروی کریں، اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو انبیاء سابقین سے امتثال کے عقائد کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے اور عقائد تمام نبیوں کے ایک ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۳۳۳، وزارة الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ ناسخ کے نازل ہونے تک نبی ﷺ سابقہ شریعتوں پر عمل کرتے تھے یا نہیں؟ بعض علماء نے اثبات کا قول کیا ہے اور ان کی دلیل یہی آیت (الانعام: ۹۰) ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ نہیں! اور انہوں نے اس آیت کا یہ جواب دیا ہے کہ آپ انبیاء سابقین کی ان اعمال میں پیروی کریں جو آپ کی شریعت میں بھی مذکور ہیں۔ اکثر شافعی علماء نے اور امام الحرمین نے اور ابن حجب نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۵۸۵، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: اس آیت کا معنی ہے: اے رسول مکرم! ان نبیوں اور رسولوں نے جو عمل کیا ہے آپ اس کے مطابق عمل کریں اور جس منہاج پر یہ چلتے رہے ہیں اسی منہاج پر چلیں اور ہماری دی ہوئی ہدایت اور توفیق کے مطابق جس طرح انہوں نے زندگی گزاری ہے، آپ اسی طرح زندگی گزاریں اور ان تمام نبیوں اور رسولوں کے جس قدر محاسن اور خوبیاں ہیں آپ وہ سب اپنے اندر جمع کر لیں۔ اس آیت میں نبی ﷺ کی عظیم منقبت ہے کہ تمام نبیوں اور رسولوں میں جو خوبیاں اور کمالات الگ الگ اور متفرق طور پر پائے جاتے تھے، وہ سب کمالات آپ کی ذات میں جمع ہو گئے، جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

امام مالک بن انس اسی متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اس لئے مبعوث کیا گیا ہوں تاکہ حسن اخلاق کو مکمل کر دوں۔

(الموطا: ۱۶۷، مشکوٰۃ: ۵۰۶۷-۵۰۶۸)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس لئے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں صالح اخلاق کو مکمل کر دوں۔ (المستدرک: ج ۲ ص ۶۱۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۱۹۲، الاستدکار: ۳۸۹۳۲، مسند احمد: ۸۹۳۲، شیخ احمد شاکر نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد: ۳۸۱، طبع قدیم، کنز العمال: ۳۱۹۶۹)

امام احمد بن عمر عتیکلی بزار متوفی ۲۹۲ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے صرف مکارم اخلاق کو پورا کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔

(مسند البزار: ۲۴۷۰، المعجم الاوسط: ۶۸۹۱، علامہ البیہقی نے کہا: امام بزار کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۵، طبرانی کی روایت میں ایک راوی ضعیف ہے، الدر المنثور: ۱۶۸)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ہمارے رسول ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اور اس کی تقریر یہ ہے کہ صفات کمال اور خصال شرف ان میں متفرق ہیں۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام نعمت پر بے حد شکر کرنے والے تھے، اور حضرت ایوب علیہ السلام آزمائشوں پر بہت صبر کرنے والے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام صبر اور شکر کے جامع تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام قوی شریعت کے بانی اور غالب معجزات کے حامل تھے اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس علیہم السلام زہد میں راسخ قدم رکھتے تھے، حضرت اسماعیل پر صدق غالب تھا اور حضرت یونس علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں بہت گزرگذا کر دعا کرنے والے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جن انبیاء علیہم السلام کا یہاں ذکر فرمایا ہے، ان میں سے ہر ایک پر شرف اور فضیلت کی کوئی نہ کوئی صفت غالب تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو یہ حکم دیا کہ وہ ان تمام انبیاء کی اتباع کریں، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو یہ حکم دیا کہ عبودیت اور اطاعت کی کل صفات جو ان تمام انبیاء علیہم السلام میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں، آپ تنہا ان صفات سے متصف ہو جائیں اور خصائل رفیعہ اور شمائل جمیلہ کو اپنی ذات میں جمع کر لیں، اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا تو یہ محال ہے کہ آپ ان صفات کمال کے حصول میں کوئی کوتاہی کریں، پس ثابت ہوا کہ شرف اور فضیلت کی یہ تمام صفات آپ کی ذات میں جمع ہو گئیں اور جو کمال تمام انبیاء علیہم السلام میں متفرق تھے، وہ سب آپ کی ذات مبارکہ میں جمع ہو گئے، لہذا یہ کہنا واجب ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔

(تفسیر کبیر: ج ۵ ص ۵۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ، ج ۱۳ ص ۷۱، مطبوعہ مصر)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہئے: میں اس (تبلغ رسالت) پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، اس سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو انبیاء سابقین علیہم السلام کی سیرت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی سیرت یہ تھی کہ وہ دین کو پہنچانے اور شریعت کی تبلیغ کرنے پر اجر اور معاوضہ کا مطالبہ نہیں کرتے تھے تو آپ نے بھی ان کے طریقہ کی پیروی کی اور

فرمایا: میں دین کے پہنچانے کے عوض تم سے کسی معاوضہ کا مطالبہ نہیں کرتا اور یہ قرآن تو تمام جہان والوں کے لئے نصیحت ہے۔ یعنی تمام انسانوں کو اپنی دنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح کے لئے جن امور کی ضرورت ہوتی ہے، وہ سب قرآن مجید میں موجود ہیں اور اس میں یہ دلیل ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ تمام دنیا کے انسانوں کی طرف مبعوث ہیں نہ کہ کسی ایک قوم کی طرف۔

علامہ شہاب الدین القسطلانی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ ہمارے نبی ﷺ تمام انبیاء سے افضل ہیں کیونکہ اللہ سبحانہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ ان کی ہدایت کی اقتداء کریں اور اس حکم پر آپ کا عمل کرنا واجب ہے، پس ضروری ہوا کہ آپ کی ذات مقدسہ میں تمام انبیاء علیہم السلام کے فضائل اور اخلاق متفرقہ مجتمع ہو جائیں، سو اس آیت سے ثابت ہوا کہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اور جن امور میں آپ کو اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ اصول دین ہیں جو کہ اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کا نام ہدایت مطلقہ رکھا جائے کیونکہ وہ نسخ کو قبول نہیں کرتے، اسی طرح ان انبیاء علیہم السلام کے مکارم اخلاق اور صفات محمودہ و مشہودہ بھی نسخ کو قبول نہیں کرتے۔ سو انبیاء علیہم السلام میں جو الگ الگ مکارم اخلاق تھے وہ سب آپ میں جمع ہو گئے۔ (ارشاد الساری ج ۱۰ ص ۲۳۹، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۷۷ھ نے یہ پوری عبارت نقل کی ہے۔

(عون الباری ج ۵ ص ۳۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۶۔ بَابُ: وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي

ظُفْرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا

عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا۔ (الانعام: ۱۴۶)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كُلُّ ذِي ظُفْرٍ الْبَعِيرُ وَالنَّعَامَةُ الْحَوَايَا السَّبْعُ وَقَالَ غَيْرُهُ هَادُوا صَارُوا يَهُودًا وَأَمَّا قَوْلُهُ هَذَا تَبْنَاهَا يَدُ تَائِبٍ۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا تھا اور ہم نے ان پر گائے اور بکری کی چربی حرام کر دی تھی (الانعام: ۱۴۶) کی تفسیر

حضرت ابن عباس نے فرمایا: كُلُّ ذِي ظُفْرٍ (الانعام: ۱۴۶) یعنی ہر ناخن والے جانور، اس سے مراد اونٹ اور شتر مرغ ہے۔ الْحَوَايَا (الانعام: ۱۴۶) یعنی انتڑیاں یعنی مینگنیوں کی جگہ اور دوسروں نے کہا: هَادُوا (الانعام: ۱۴۶) اس کا معنی ہے: وہ یہودی ہو گئے اور هَدْنَاهَا (الاعراف: ۱۵۶) اس کا معنی ہے: ہم نے توبہ کی اور هَادُوا کا معنی ہے: تائب۔

تعلیقات مذکورہ کی شرح

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۳ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جو قول ذکر کیا ہے اس کو امام ابن المنذر نے علی بن ابی طلحہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہر ناخن والے جانور، قتادہ نے کہا: یہ وہ پرندے ہیں جن کے ناخن طے ہوئے ہوں، الگ الگ نہ ہوں، جیسے بطخ۔ (تفسیر طبری: ج ۵ ص ۳۸۲)

اور اہل لغت کے نزدیک یہ وہ پرندے ہیں جو اپنے پنجوں سے شکار کرتے ہیں اور ان میں تمام وہ پرندے داخل ہو گئے جو ناخنوں سے شکار کرتے ہیں اور کتوں اور بلیوں اور درندوں کی تمام اقسام، یہی الزجاج کا مختار ہے۔ (معانی القرآن، ج ۲ ص ۳۰۱)

اور یہ کھروالے جانور ہیں جیسے اونٹ اور وہ جانور ہیں جن کی انگلیاں کھلی ہوئی نہیں ہوتیں، جیسے بٹخ۔

اور ابن زید نے کہا کہ ناخن والے جانور صرف اونٹ ہیں۔ (تفسیر طبری: ج ۵ ص ۳۸۲)

اور القتی نے کہا: یہ ہر وہ پرندہ ہے جس کے پنجے ہوں اور ہر وہ چوپایہ ہے جس کے کھر ہوں اور انہوں نے اس قول کی بعض مفسرین سے حکایت کی ہے اور انہوں نے کہا: کھر کو یہ طور استعارہ ناخن کہا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الْحَوَاِیَا کی تفسیر الْمَبَاعِی یعنی میگنیوں کی جگہ سے کی ہے۔ اس کو ابن منذر نے اپنی سند سے روایت کیا ہے اور الصحاک سے روایت ہے کہ الْحَوَاِیَا کا معنی ہے: الْمَرَابِض یعنی پیٹ میں آنتوں کے جمع ہونے کی جگہ اور ایک قول ہے کہ جو چیز پیٹ میں ہو اور جمع ہو اور ٹھہری رہے اور ایک قول ہے: اس کا معنی ہے: وہ انتڑیاں جن پر چربی ہو۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح: ج ۲۲ ص ۳۳۶-۳۳۵، وزارت الادب، قطر ۱۴۲۹ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی حبیب، عطاء نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سنا: انہوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا: آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کر دے، جب اللہ تعالیٰ نے ان پر (جانوروں کی) چربی حرام کر دی تو انہوں نے چربی کو پگھلایا، پھر اس کو بیچا، پھر اس کو کھایا، اور ابو عاصم نے کہا: ہمیں عبد الحمید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میری طرف عطاء نے لکھا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جابر سے سنا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم "اسی کے مثل"۔

۴۶۳۳۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ قَالَ عَطَاءٌ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ قَاتَلَ اللَّهُ الْيَهُودَ لَنَا حَرَمَ اللَّهِ عَلَيْهِمْ شُحُومَهَا جَمَلُوهَا ثُمَّ بَاغَوْهَا فَاكْلُوهَا وَقَالَ أَبُو عَاصِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَكِيمِ حَدَّثَنَا يَزِيدُ كَتَبَ إِلَيَّ عَطَاءٌ سَمِعْتُ جَابِرًا عَنْ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۲۳۶ میں گزر چکی ہے۔

جائز حیلہ اور ناجائز حیلہ کی تحقیق

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسا حیلہ جائز نہیں ہے جس میں اصل کے اندر کوئی تغیر نہ ہو کیونکہ چربی تو بہر حال چربی ہے خواہ جھی ہوئی ہو یا پگھلی ہوئی ہو لیکن اگر اصل میں تغیر ہو جائے تو پھر وہ حیلہ جائز ہے، جیسے گدھے کا گوشت کھانا حرام ہے لیکن اگر وہ نمک کی کان میں جا کر نمک بن جائے تو پھر اس کی ذات میں تغیر ہو گیا تو اب اس کا کھانا جائز ہے، اسی طرح شراب حرام ہے لیکن جب اس میں اتنا نمک ڈال دیا کہ وہ سرکہ بن گئی اور نشا آور نہیں رہی اور یہ اس کی ذات میں تغیر ہے تو اب اس سے بنا ہوا کھانا کھانا جائز ہے۔

۷۔ بَابُ: وَلَا تَقْرُبُوا الْفَوَاحِشَ

مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔

(الانعام: ۱۵۱)

قریب نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ۔

(الانعام: ۱۵۱) کی تفسیر

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث

۴۶۳۴۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ

عَمْرُو عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لَا أَحَدٌ أَغْيَرُ مِنَ اللَّهِ وَلِذَلِكَ حَرَّمَ الْقَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ وَلَا شَيْئًا أَحَبُّ إِلَيْهِ السَّدْحُ مِنَ اللَّهِ وَلِذَلِكَ مَدَحَ نَفْسَهُ قُلْتُ سَمِعْتُهُ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَرَفَعَهُ قَالَ نَعَمْ۔

[اطراف الحدیث: ۴۶۳، ۵۲۲۰، ۷۴۰۳]

[صحیح مسلم: ۲۷۶۰، الرقم المسلسل: ۶۸۸۵]

بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عمرو از ابی وائل از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت والا نہیں ہے اس لئے اس نے تمام بے حیائی کے کاموں کو حرام کر دیا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ باطن اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ اپنی تعریف کرنا پسند ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف کی ہے۔ راوی نے کہا: میں نے ابو وائل سے پوچھا: کیا آپ نے اس حدیث کو خود حضرت عبداللہ سے سنا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! میں نے پوچھا: کیا انہوں نے یہ بتایا تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں!

ظاہری بے حیائی اور باطنی بے حیائی کی تفصیل

علامہ عمر بن علی ابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

قنادہ نے کہا کہ بے حیائی کے ظاہر کام وہ ہیں جن کو انسان کھلم کھلا کرے۔ (تفسیر طبری: ج ۵ ص ۳۹۲)
لوگ آزاد عورت کے ساتھ چھپ کر زنا کرتے تھے اور باندی کے ساتھ کھلم کھلا زنا کرتے تھے۔ ایک قول ہے کہ بے حیائی کے ظاہر کاموں سے مراد ہے: شراب پینا اور بے حیائی کے پوشیدہ کاموں سے مراد ہے: زنا۔ (تفسیر طبری: ج ۵ ص ۳۹۲)
اور الماوردی نے کہا ہے کہ بے حیائی کے ظاہر کاموں سے مراد ہے: ظاہری اعضاء سے کئے ہوئے کام اور پوشیدہ سے مراد ہے: دل کا اعتقاد، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ تمام بے حیائی کے کاموں کو شامل ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ ظاہر سے مراد وہ ہے جو بندے اور لوگوں کے درمیان ہوں اور باطن سے مراد ہے: جو بندے اور اللہ کے درمیان ہوں، اور ایک قول یہ ہے کہ ظاہر بے حیائی سے مراد ہے: اجنبی عورت کو گلے لگانا اور اس کا بوسہ لینا اور باطن سے مراد ہے: برے کاموں کی نیت کرنا۔

اللہ تعالیٰ کی غیرت اور بندوں کی غیرت کا معنی

غیرت کا معنی ہے: حمیت اور کسی چیز کو باعث عار سمجھنا۔ النحاس نے کہا ہے: اس کا معنی ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی اور اس کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کی حفاظت کرے اور غیر محرم کو ان کے پاس آنے اور ان کو دیکھنے سے منع کرے اور یہ دیوث اور بے غیرت کی ضد ہے۔ صاحب المطالع نے کہا ہے کہ ایک شخص کی بیوی کی شرمگاہ میں اگر کوئی دوسرا شخص دخل اندازی کرے تو اس سے اس کا خون جوش میں آئے اور قلب میں ہيجان پیدا ہو تو یہ آدمیوں کے معاملہ میں غیرت کا معنی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی غیرت کا معنی یہ ہے: جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے حرام کئے ہوئے کاموں کو کرے تو اس سے اللہ تعالیٰ غیرت میں آتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی غیرت کا معنی ہے: کسی کام سے منع کرنا اور اس کو حرام قرار دینا اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے اور ان کے ارتکاب پر وعید فرمائی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو غیرت سے تعبیر فرمایا ہے اور آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی غیرت سے یہ ہے کہ اس نے بے حیائی کے کاموں کو حرام فرمایا۔ (صحیح البخاری: ۵۲۲۳)

اپنی تعریف کو پسند کرنا

اللہ تعالیٰ جو اپنی تعریف کو پسند فرماتا ہے، یہ اس طرح نہیں ہے جس طرح ہم اپنی تعریف کو پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت کو پسند فرماتا ہے اور اس کی تعریف فرماتا ہے تاکہ اس پر ثواب عطا فرمائے اور بندہ اس ثواب سے فائدہ اٹھائے، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ بندے کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ ہو یا اللہ تعالیٰ جو اپنی تعریف فرماتا ہے اس سے اس کو کوئی فائدہ ہو، جب کہ ہم اپنی تعریف کو اس لئے پسند کرتے ہیں کہ اس سے ہم کو فائدہ ہو اور لوگوں کے سامنے ہماری قدر و منزلت میں اضافہ ہو، پس ظاہر ہو گیا کہ یہ کہنا غلط ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی تعریف کو پسند فرماتا ہے تو ہم کیوں نہ اپنی تعریف کو پسند کریں کیونکہ دونوں میں فرق ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح: ج ۲۲ ص ۳۳۹-۳۳۸، وزارة الادب والفن قطر ۱۴۲۹ھ)

۸۔ بَابُ: وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝ ۸۔ باب: اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور وہ ہر چیز کا نگہبان

ہے (الانعام: ۱۰۲) کی تفسیر

وَكَيلٌ حَفِیْظٌ وَ مُحِیْظٌ بِہ۔ وکیل: حفیظ اس کا معنی ہے: وہ اس کو محیط ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝ (الانعام: ۱۰۲) اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے ۝

امام ابو عبیدہ نے بھی وکیل کی تفسیر حفیظ اور محیط کے ساتھ کی ہے۔ ایک اور آیت میں ہے:

وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ ۝ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت

آلَا تَتَّخِذُوا مِن دُونِي وَكِيلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۲) بنایا کہ میرے سوا کسی کو کار ساز نہ ٹھہراؤ ۝

اس آیت میں وکیل کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی شریک ہے یعنی تم اللہ کے سوا کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ جس کی

طرف تمہارے امور مفوض ہوں، اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس کا معنی کفیل ہے یعنی لوگوں کو رزق دینے کا اللہ کے سوا کوئی کفیل نہیں ہے۔

قُبُلًا جَمْعٌ قَبِيلٍ وَالتَّغْنَى أَنَّهُ ضَرْبٌ لِلْعَذَابِ، كُلٌّ قُبُلًا قَبِيلٍ كِي جَمْعٌ ہے اور اس کا معنی ہے: عذاب کی قسمیں اور اس

کی ہر قسم ایک قبیل ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَوْ أَنَّا نَزَّلْنَاهُ بِاللَّيْلِ وَإِلَيْهِمْ الْمَوْتُ ۝ اور اگر ہم ان کی طرف فرشتوں کو بھی نازل کرتے اور مردے ان

سے باتیں کرتے اور ہم ہر چیز کو ان کے سامنے جمع کر دیتے، تب

بھی وہ ایمان نہ لاتے، سوائے اس کے کہ اللہ کی مشیت ہوتی لیکن

أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ ۝

(الانعام: ۱۱۱) ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں ۝

تفسیر میں مذکور ہے کہ قُبُلًا قبیلہ کی جمع ہے یعنی طوچا ہو چا اور صنفا صنفا اور انفس نے کہا: قبیلہ، قبیلہ اور اس آیت کے

علاوہ قبیلہ کفیل کے معنی میں ہوتا ہے اور عزیز (کار مختار) کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور اس سے امام بخاری نے عذاب کی انواع

اور اقسام کی طرف اشارہ کیا ہے اور بعض لوگوں نے اس لفظ کو قاف کے کسرہ اور ہاء کے فتح کے ساتھ قُبُلًا پڑھا ہے اور اس کا معنی

ہے: مقابلہ اور معاینہ (یعنی بالمقابل اور سامنے ہونا)۔

زُخْرَفَ الْقَوْلِ كُلُّ شَيْءٍ حَسَنَتُهُ وَوَشَيْتُهُ، وَهُوَ بَاطِلٌ
فَهُوَ زُخْرَفٌ۔
زُخْرَفَ الْقَوْلِ ہر اس بات کو کہتے ہیں جس کو تم خوش نما اور آراستہ
بناؤ اور وہ واقع میں باطل ہو تو وہ زُخْرَف ہے یعنی وہ ملمع کاری اور
مصنوعی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَاطِئِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرَفَ الْقَوْلِ
عَنَّا وَنَرَاهُ۔ (الانعام: ۱۱۲)
اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے شیطان انسانوں اور جنوں کو
دشمن بنا دیا جو (لوگوں کو) دھوکے میں ڈالنے کے لئے ایک
دوسرے کو خوش نمائیاں القا کرتے رہتے ہیں۔

زُخْرَف کا معنی ہے: کسی باطل چیز کو خوبصورت بنانا اور مزین کرنا جیسے پیتل کے اوپر سونے کا پانی چڑھانا تاکہ دیکھنے والے
اسے سونا سمجھیں، مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ کفار جن اور شیطین، شیطین انس کی طرف وحی کرتے تھے۔ وہ بیان
کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا انسانوں میں بھی شیطین ہوتے ہیں؟ فرمایا: ہاں! اس حدیث کی امام
ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

وَخَرَّتْ حَجْرٌ حَرَامٌ وَكُلُّ مَنْعٍ فَهُوَ حَجْرٌ مَخْجُورٌ
وَالْحَجْرُ كُلُّ بِنَاءٍ بَنِيَتْهُ وَيُقَالُ لِلْأَنْثَى مِنَ الْخَيْلِ
حَجْرٌ وَيُقَالُ لِلْعَقْلِ حَجْرٌ وَحِجَى وَأَمَّا الْحَجْرُ فَمَوْضِعٌ
ثَمُودَ وَمَا حَجَّرَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْأَرْضِ فَهُوَ حَجْرٌ وَمِنْهُ
سَبِيٌّ حَطِيمٌ الْبَيْتِ حَجْرًا كَأَنَّهُ مُشْتَقٌّ مِنْ مَخْطُومٍ
مِثْلُ قَتِيلٍ مِنْ مَقْتُولٍ وَأَمَّا حَجْرُ الْيَمَامَةِ فَهُوَ
مَنْزِلٌ۔
وَخَرَّتْ حَجْرٌ حَرَامٌ کا معنی ہے: جو کھیت حرام ہو اور ہر ممنوع چیز کو حَجْر
مَخْجُور کہتے ہیں اور حجر اس عمارت کو بھی کہتے ہیں جس کو تم نے
بنایا ہو اور مادہ گھوڑیوں کو بھی کہتے ہیں اور عقل کو بھی حجر اور حِجَى
کہتے ہیں اور أَصْحَابُ الْحَجَرِ سے مراد اہل ثمود کی بستی والے ہیں
اور جس زمین کو تم لوگوں کے آنے سے اور جانوروں کے چرانے
سے روک دو، اس کو بھی حجر کہتے ہیں۔ خانہ کعبہ کے حطیم کو حجر کہنا بھی
اسی سے ماخوذ ہے اور وہاں حطیم محطوم کے معنی میں ہے، جیسے قتل
مقتول کے معنی میں ہے، رہا یمامہ کا حجر تو وہ ایک مقام کا نام ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ تکرار بلا فائدہ ہے، کیونکہ اس کا ذکر درج ذیل آیت کے تحت آچکا ہے:

قَالِي ثَمُودَ وَأَخَاهُمْ ضَلِيلًا۔ (الاعراف: ۷۳)
اور یہ آیت:

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحَجَرِ الْمُرْسَلِينَ ۝ (الحجر: ۸۰) اور بے شک (وادئ) حجر والوں نے رسولوں کو جھٹلایا ○

اس آیت میں الْحَجَر سے مراد قوم ثمود کی جگہ ہے اور وہ جو امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ خَرَّتْ حَجْرٌ کا معنی ہے: حرام (آخر
عبارت تک) اس کو صحیح بخاری کے دوسرے ناقلین نے ذکر نہیں کیا اور یہ اولیٰ ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۱۰-۳۰۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۹۔ بَابُ: قُلْ هَلَمْ شَهِدَ آءَكُمْ۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ کہئے کہ تم اپنے ان گواہوں کو
پیش کرو۔ (الانعام: ۱۵۰) کی تفسیر

امام بخاری نے یہاں پوری آیت ذکر نہیں کی، پوری آیت اس طرح ہے:

قُلْ هَلَمْ شَهِدَ آءَکُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَذَا فَإِنْ شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدُ مَعَهُمْ۔ (الانعام: ۱۵۰)

آپ کہئے کہ تم اپنے ان گواہوں کو پیش کر دو جو یہ گواہی دیں کہ اللہ نے اس کو حرام کیا ہے، پس اگر وہ یہ (جھوٹی) گواہی دیں تو (اے مخاطب!) تم ان کے ساتھ گواہی نہ دینا۔

لُعْنَةُ أَهْلِ الْحِجَازِ هَلَمْ لِلوَاحِدِ وَالْاِثْنَيْنِ وَالْجَمْعِ

یعنی اہل حجاز کے نزدیک ہَلَمْ واحد، تثنیہ اور جمع تینوں کی صلاحیت رکھتا ہے اور اہل نجد کے نزدیک واحد مذکر کے لئے هَلَمْ ہے اور واحد مؤنث کے لئے هَلِیْسِ ہے اور دونوں کے لئے تثنیہ هَلْتُمَا ہے اور جمع مذکر کے لئے هَلْتُمُوا ہے اور جمع مؤنث کے لئے هَلْتُنَّ ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۶۳۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا عُمَارَةُ حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَإِذَا رَأَاهَا النَّاسُ آمَنَ مَنْ عَلَيْهَا فَذَاكَ جَيْنٌ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو زرعہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا، پس اس وقت جب لوگ اس کو دیکھیں گے تو جو زمین پر ہوں گے ایمان لے آئیں گے اور یہی وہ وقت ہوگا جب کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہوگا جو پہلے سے ایمان نہیں لایا ہوگا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۸۵ میں گزر چکی ہے۔

۱۰۔ بَابُ: يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا

يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا۔ (الانعام: ۱۵۸)

امام بخاری نے یہاں پوری آیت ذکر نہیں کی، پوری آیت اس طرح ہے:

يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا قُلْ انْتَظِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ۝

جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی تو کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہوگا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو، آپ کہئے کہ تم بھی انتظار کرو، ہم بھی انتظار کر رہے ہیں ۝

(الانعام: ۱۵۸)

۴۶۳۶۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَطْلُعَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ہمام از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے

السُّنْسُ مِنْ مَّغْرِبِهَا فَإِذَا طَلَعَتْ وَرَأَاهَا النَّاسُ
آمَنُوا أَجْمَعُونَ وَذَلِكَ حِينَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا ثُمَّ
قَرَأَ الْآيَةَ۔

بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک
قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا، جب سورج
(مغرب سے) طلوع ہوگا اور لوگ اس کو دیکھ لیں گے تو سب
لوگ ایمان لے آئیں گے اور یہ اس وقت ہوگا جب کسی نفس کو
اس کا ایمان نفع نہیں دے گا (الانعام: ۱۵۸) پھر آپ نے یہ پوری
آیت پڑھی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۸۵ میں گزر چکی ہے، تاہم ضروری امور بیان کئے جا رہے ہیں:

باب مذکور کے موافق دیگر احادیث

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: جب تین چیزوں کا خروج ہو جائے گا تو کسی ایسے شخص کا ایمان لانا نفع نہیں
دے گا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو یا جس شخص نے اپنے ایمان لانے کے بعد کوئی نیک کام نہ کیا ہو: (۱) سورج کا مغرب سے طلوع
ہونا۔ (۲) دجال کا نکلنا۔ (۳) دابة الارض کا نکلنا۔ (صحیح مسلم: ۱۵۸)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: سورج کے ساتھ چاند بھی اسی وقت میں طلوع ہوگا گویا کہ وہ دونوں ایک ساتھ چلنے والے
اونٹ ہیں، پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی:

وَجُوعَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ ① (القیامہ: ۹)

اور سورج اور چاند اکٹھے کر دیئے جائیں گے ○

اس حدیث کی امام طبری نے روایت کی ہے۔ (تفسیر طبری ج ۵ ص ۴۰۹)

قیامت کی پہلی نشانیوں میں اختلاف ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ پہلی نشانیاں یہ
ہیں: سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، دابة الارض کا نکلنا، ان میں سے جس کا بھی پہلے ظہور ہو، دوسرے کا اس کے بعد خروج ہوگا۔

(صحیح مسلم: ۲۹۴۱)

نعیم بن حماد سے روایت ہے کہ صفوان بن عسال نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مغرب میں تو بہ کا ایک دروازہ ہے،
اس کا عرض ستر یا چالیس سال کی مسافت ہے۔ وہ اس وقت تک بند نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو، پھر آپ نے
درج ذیل آیت کی تلاوت کی:

يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ
تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا۔

جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی تو کسی ایسے
شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہوگا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا

ہو یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو۔ (الانعام: ۱۵۸)

اس حدیث کی امام ترمذی نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (سنن ترمذی: ۳۵۳۶)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب سورج
مغرب سے طلوع ہوگا تو ابلیس سجدے میں گر پڑے گا اور بلند آواز سے کہے گا کہ اے معبود! مجھے حکم دے کہ تو جس کے لئے چاہے
میں اس کو سجدہ کروں، پھر (دوزخ کے) فرشتے اس کے پاس جمع ہو کر کہیں گے: یہ کیسا گڑبڑاٹا ہے؟ ابلیس کہے گا: میں نے اپنے

اور لکھ دے گا کہ یہ مومن ہیں اور یہ کافر ہیں۔ (المفہم ج ۷ ص ۲۴۲)

میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ نے جو تفسیر القرطبی کا حوالہ دیا ہے وہ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۲۸ھ کی تصنیف ہے اور وہ صاحب المفہم کے شاگرد ہیں، جن کا نام ہے: علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی متوفی ۶۵۶ھ، انہوں نے صحیح مسلم کی شرح المفہم کے نام سے لکھی ہے۔ گویا استاد نے حدیث کی کتاب صحیح مسلم کی شرح لکھی ہے اور شاگرد نے قرآن مجید کی تفسیر الجامع لاحکام القرآن کے نام سے لکھی ہے اور اس ناکارہ پر اللہ کا احسان اور انعام و اکرام ہے کہ اس نے مجھے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کی بھی توفیق دی اور صحیح مسلم کی شرح لکھنے کی بھی ہمت عطا کی۔ تفسیر تبیان القرآن کی بارہ ضخیم جلدیں ہیں اور شرح صحیح مسلم کی سات ضخیم جلدیں ہیں۔ اور اب صحیح البخاری کی شرح لکھنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد ایمان اس لئے نفع نہیں دے گا کیونکہ اس کے بعد قیامت قائم ہوگی، پس جب اس کا مشاہدہ کر لیا جائے گا تو اس پر بد اُھۃ ایمان حاصل ہو جائے گا اور یہ ایمان بالمشاہدہ ہوگا اور یہ ایمان بالغیب نہیں ہوگا جس کے ہم مکلف ہیں۔

مقاتل نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں ہے کہ اس وقت کسی نفس کو اس کا ایمان لانا مفید نہیں ہوگا (الانعام: ۱۵۸) اس سے مراد ہے: نفس کافر کو اس وقت ایمان لانا مفید نہیں ہوگا، پس جس کو اس سے پہلے عمل نے نفع نہیں دیا تھا تو اس کے بعد بھی ایمان نفع نہیں دے گا۔ (التوضیح لشرح الجامع صحیح ج ۲۲ ص ۳۵۰-۳۴۳، ملخصاً، وزارة الادقاف قطر، ۱۴۲۹ھ)

سورۃ الانعام کی تفسیر یہاں پر ختم ہوگئی ہے اور اب ان شاء اللہ سورۃ الاعراف کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۷۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْأَعْرَافِ

سورة الاعراف کی تفسیر

سورة الاعراف کا تعارف

ابوالعباس نے اپنی کتاب ”مقامات التنزیل“ میں لکھا ہے کہ سورة الاعراف کی ہے اور اس میں اختلاف ہے۔ لکھی نے ذکر کیا ہے کہ اس کی پندرہ (۱۵) آیات مدنی ہیں جو إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ (الاعراف: ۱۵۲) سے لے کر وَاتَّبِعُوا التَّوْرَ الَّذِي (الاعراف: ۱۵۶) تک ہیں، اور وَسُئِلُهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ (الاعراف: ۱۶۳) سے لے کر وَذَرْنَاهَا فِيهِ (الانعام: ۱۶۹) تک ہیں، اور اس میں ایک اور آیت ہے: وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ (الاعراف: ۲۰۳) ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت جمعہ کے دن خطبہ میں نازل ہوئی اور جمعہ صرف مدینہ میں ہوتا تھا۔

سورة الاعراف میں دو سو چھ (۲۰۶) آیات ہیں جو کوئی اور کی ہیں اور دو سو پانچ (۲۰۵) آیات بھری اور شامی ہیں۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَبِإِنشَاءِ (الاعراف: ۲۶) النَّالِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَبِرِينَ (الاعراف: ۵۵) فِي الدُّعَاءِ وَفِي غَيْرِهِ عَقُّوا (الاعراف: ۹۵) كَثُرُوا وَكَثُرَتْ أَمْوَالُهُمُ الْفَتَاكُمُ (سبا: ۲۶) الْقَاضِي افْتَحَ بَيْنَنَا (الاعراف: ۸۹) اقْضِ بَيْنَنَا نَتَّقْنَا الْجِبَلَ (الاعراف: ۱۷۱) رَفَعْنَا فَأُتِيبَجَسْتُ (الاعراف: ۱۶۰) انْفَجَرَتْ مُتَبَّرٌ (الاعراف: ۱۳۹) خُسْرَانٍ أُنْسِي (الاعراف: ۹۳) أَخْزَنُ تَأْسٍ (المائدہ: ۲۶) تَخْزَنُ وَقَالَ غَيْرُهُ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ (الاعراف: ۱۲) يَقُولُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ يَخْصِفُنِ (الاعراف: ۲۲) أَخْذَا الْخِصَافَ مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ يُؤَلِّفَانِ الْوَرْقَ يَخْصِفَانِ الْوَرْقَ بَعْضُهُ إِلَى بَعْضٍ سَوَاتِهِمَا (الاعراف: ۲۰) كِنَايَةً عَنْ فَرَاجِهِمَا وَمَتَاعٍ إِلَى حِينٍ (الاعراف: ۲۳) هُوَ مَا هُنَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَالْحِينُ عِنْدَ الْعَرَبِ مِنْ سَاعَةٍ إِلَى مَا لَا يُخْصَى عِدْدُهُ الرِّيشُ وَالرِّيشُ وَاحِدٌ وَهُوَ مَا ظَهَرَ مِنَ الذِّبَابِ وَفَيْلُهُ (الاعراف: ۲۷) جَيْلُهُ الَّذِي هُوَ مِنْهُمْ إِذَا مَلَكَوا (الاعراف: ۳۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وَبِإِنشَاءِ (الاعراف: ۲۶) کا معنی ہے: مال۔ الْمُعْتَبِرِينَ (الاعراف: ۵۵) اس کا معنی ہے: دعاء اور اس کے غیر میں تجاوز کرنے والے۔ عَقُّوا (الاعراف: ۹۵) اس کا معنی ہے: وہ کثیر ہو گئے اور ان کے مال بہت زیادہ ہو گئے۔ الْفَتَاكُمُ (سبا: ۲۶) اس کا معنی ہے: فیصلہ کرنے والا۔ افْتَحَ بَيْنَنَا (الاعراف: ۸۹) اس کا معنی ہے: ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔ وَاقْضِ بَيْنَنَا نَتَّقْنَا الْجِبَلَ (الاعراف: ۱۷۱) اس کا معنی ہے: جب ہم نے پہاڑ کو اٹھایا۔ فَأُتِيبَجَسْتُ (الاعراف: ۱۶۰) اس کا معنی ہے: جیسے پھوٹ پڑے۔ مُتَبَّرٌ (الاعراف: ۱۳۹) اس کا معنی ہے: خسارہ اور نقصان۔ أُنْسِي (الاعراف: ۹۳) اس کا معنی ہے: میں غمگین ہوتا ہوں۔ تَأْسٍ (المائدہ: ۲۶، ۶۸) اس کا معنی ہے: تم غم کرو اور دوسروں نے کہا: مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ (الاعراف: ۱۲) اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تجھ کو سجدہ کرنے سے کس نے روکا۔ يَخْصِفُنِ (الاعراف: ۲۲) اس کا معنی ہے: ان دونوں نے جنت کے پتے پکڑ لئے، وہ ان پتوں کو ایک دوسرے سے ملا کر لپیٹتے تھے۔ سَوَاتِهِمَا (الاعراف: ۲۰) یہ ان کی شرمگاہوں سے کنایہ

اجْتَمَعُوا وَمَشَا فِي الْإِنْسَانِ وَالذَّابَّةِ كُلِّهَا يُسْتَى
سُومًا وَاحِدًا سَمٌ وَهِيَ عَيْنَاةٌ وَمَنْخَرَاةٌ وَفَمُهُ
وَأُذُنَاةٌ وَدُبُرَةٌ وَإِخْلِيلُهُ غَوَاشٍ (الاعراف: ۴۱) مَا
غُشُوا بِهِ نُشْرًا (الاعراف: ۵۷) مُتَفَرِّقَةً نَكِيدًا
(الاعراف: ۵۸) قَلِيلًا يَغْتَوُوا (الاعراف: ۹۲) يَعْيشُوا
حَقِيقٌ (الاعراف: ۱۰۵) حَقٌّ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ (الاعراف: ۱۱۶)
مِنْ رَهْبَتِ تَلْقَفُ (الاعراف: ۱۱۷) تَلْقَفُ ظَلْمُهُمْ
(الاعراف: ۱۳۱) حَظَّهُمْ طُوفَانٌ مِنَ السَّيْلِ وَيُقَالُ
لِلْمَوْتِ الْكَثِيرِ الطُّوفَانُ وَالْقَتْلُ (الاعراف: ۱۳۳)
الْحُنْتَانُ يُشَبِّهُ صَغَارَ الْحَلَمِ عُرُوشٌ وَعَرِيشٌ بِنَاءٌ
سُقِطَ (الاعراف: ۱۳۹) كُلُّ مَنْ نَدِمَ فَقَدْ سَقِطَ فِي يَدِهِ
أَسْبَاطًا (الاعراف: ۱۶۰) قَبَائِلُ بَنِي إِسْرَائِيلَ يَعْدُونَ
فِي السَّبْتِ (الاعراف: ۱۶۳) يَتَعَدُّونَ لَهُ يُجَاوِزُونَ تَجَاوَزَ
بَعْدَ تَجَاوَزَ تَعَدُّ تَجَاوَزَ شَرَعًا (الاعراف: ۱۶۳)
شَوَارِعَ بَيْبِيسَ (الاعراف: ۱۶۵) بَيْبِيسَ (الاعراف: ۱۶۵)
شَدِيدٍ أَخْلَدَ (الاعراف: ۱۷۶) إِلَى الْأَرْضِ قَعَدَ
وَتَقَاعَسَ سَنَسَدَ بِرُجُومِهِمْ (الاعراف: ۱۸۲) أُنَى نَأْيِهِمْ
مِنْ مَأْمَنِهِمْ كَقَوْلِهِ تَعَالَى فَاتَاهُمْ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ
يَحْتَسِبُوا مِنْ جَنَّةٍ (الاعراف: ۱۸۳) مِنْ جُنُودٍ آيَاتٍ
مُرْسَلًا (الزمر: ۴۲) مَتَى خُرُوجُهَا قَبَزَتْ
بِهِ (الاعراف: ۱۸۹) بِهِ اسْتَمَرَّ بِهَا الْحَنْلُ فَاتَتْهُ
يُتْرَعْنَكَ (الاعراف: ۲۰۰) يَسْتَخِفُّكَ طَيْفٌ مُلِمٌ بِهِ
لَمْ وَيُقَالُ طَيْفٌ (الاعراف: ۲۰۱) وَهُوَ وَاحِدٌ
يَسُدُّونَهُمْ (الاعراف: ۲۰۲) يُزَيِّنُونَ وَخِيفَةً (الاعراف: ۲۰۵)
خَوْفًا خُفِيَةً (الاعراف: ۵۵) مِنَ الْإِخْفَاءِ
وَالْأَصَالِ (الاعراف: ۲۰۵) وَاحِدًا أَصِيلٌ وَهُوَ مَا بَيْنَ
الْعَصْرِ إِلَى التَّغْرِيبِ كَقَوْلِهِ بَلْكَأٌ وَأَجِيلًا (الفرقان: ۵)

ہے۔ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ (الاعراف: ۲۴) یعنی اس وقت سے لے
کر قیامت تک اور حِينِ کا عربوں کے نزدیک معنی ہے: ایک
ساعت سے لے کر غیر متناہی ساعات تک اور رِيَاش اور رِيَش
دونوں کا ایک معنی ہے یعنی ظاہری لباس۔ وَقَبِيلُهُ (الاعراف: ۲۷)
اس کا معنی ہے: شیطان کا وہ گروہ جس میں سے وہ خود بھی
ہے۔ اِذَا رَآهُ كُفَّ (الاعراف: ۳۸) اس کا معنی ہے: وہ جمع ہو جائیں
گئے، آدمی اور جانور سب کے سوراخ، اس کو سموم کہتے ہیں اور اس کا
واحد سَمٌ ہے اور وہ سوراخ کہ اس کی دو آنکھیں ہیں اور دو نتھنے
ہیں اور منہ ہے اور اس کے دو کان ہیں اور اس کی مقعد کا سوراخ
ہے اور اس کے آلہ تناسل کا سوراخ ہے۔ غَوَاشٍ (الاعراف: ۴۱)
اس کا معنی ہے: جس سے ڈھانپے گئے یعنی غلاف۔ نُشْرًا
(الاعراف: ۵۷) اس کا معنی ہے: متفرق۔ نَكِيدًا (الاعراف: ۵۸)
اس کا معنی ہے: تھوڑا۔ يَغْتَوُوا (الاعراف: ۹۲) اس کا معنی ہے: وہ
زندہ رہے یا آباد ہوئے۔ حَقِيقٌ (الاعراف: ۱۰۵) اس کا معنی
برحق ہے یا واجب۔ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ (الاعراف: ۱۱۶) یہ رَهْبَتُ
سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: میں نے اس کو ڈرایا۔ تَلْقَفُ
(الاعراف: ۱۱۷) اس کا معنی ہے: وہ نکلنے لگا۔ ظَلْمُهُمْ (الاعراف: ۱۳۱)
اس کا معنی ہے: سیلاب کے طوفان سے ان کا حصہ، اور جب
اس سے بہت زیادہ اموات ہوں تو اس کو طوفان کہتے ہیں۔
وَالْقَتْلُ (الاعراف: ۱۳۳) اس کا معنی ہے: چھوٹی جوؤں کی طرح
چیچریاں اور عُرُوش اور عَرِيش کا معنی ہے: عمارت۔ سُقِطَ
(الاعراف: ۱۳۹) اس کا معنی ہے: ہر شخص جب نادم ہوتا ہے تو کہا
جاتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں پر گر گیا۔ أَسْبَاطًا (الاعراف: ۱۶۰)
اس کا معنی ہے: بنی اسرائیل کے قبائل۔ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ
(الاعراف: ۱۶۳) اس کا معنی ہے: وہ ہفتہ کے دن حد سے تجاوز کرتے
تھے۔ تَعَدَّى اس کا معنی ہے: حد سے تجاوز کرنا۔ شَرَعًا
(الاعراف: ۱۶۳) اس کا معنی ہے: پانی کے اوپر تیرتے ہوئے۔
بَيْبِيسَ (الاعراف: ۱۶۵) اس کا معنی ہے: سخت۔ أَخْلَدَ (الاعراف: ۱۷۶)
اس کا معنی ہے: بیٹھا اور پیچھے ہٹ گیا۔ سَنَسَدَ بِرُجُومِهِمْ

(الاعراف: ۱۸۲) اس کا معنی ہے: جہاں سے ان کو خطرہ نہیں ہوگا ہم وہاں سے آئیں گے جیسا کہ اس آیت میں ہے، یعنی اللہ کا عذاب ان پر وہاں سے آیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا۔ (الحشر: ۲) **مِنْ جَبَلٍ** (الاعراف: ۱۸۳) اس کا معنی ہے: جنوں اور دیوانگی۔ **أَيَّانَ مُرْسَاهَا** (النزعت: ۴۲) اس کا معنی ہے: اس کے نکلنے کا وقت کب ہوگا۔ **فَمَرَّتْ بِهَا** (الاعراف: ۱۸۹) اس کا معنی ہے: اس کا جمل برقرار رہا، پس اس کی مدت پوری ہو گئی۔ **يَتَذَكَّرُكَ** (الاعراف: ۲۰۰) اس کا معنی ہے: شیطان تم کو ڈمگائے یا پھسلائے۔ **خَلِيفٌ** (الاعراف: ۲۰۱) اس کا معنی ہے: شیطان کی طرف سے جو تمہیں دوسرہ آئے۔ **طَائِفٌ** اور **طَيْفٌ** کا ایک ہی معنی ہے۔ **يَسْتَدْذِنُهُمْ** (الاعراف: ۲۰۲) اس کا معنی ہے: وہ اس کو خوش نمائتے ہیں۔ **وَأَخِيفُهُ** (الاعراف: ۲۰۵) اس کا معنی ہے: ڈرا اور خوف۔ **خُفْيَةً** (الاعراف: ۵۵) اس کا معنی ہے: چپکے چپکے۔ **وَالْأَصَالُ** (الاعراف: ۲۰۵) اس کا واحد **أَصِيلٌ** ہے اور اس کا معنی ہے: عصر سے لے کر مغرب تک کا وقت جیسا کہ اس آیت میں ہے: **بُكْرًا وَآَصِيلًا** (الفرقان: ۵) یعنی صبح اور شام کے وقت۔

تعلیقات مذکورہ کی شرح

علامہ عمر بن علی ابن الحقلین الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَرِيشَا السَّالِ - حضرت ابن عباس نے کہا: وَرِيشَا کا معنی ہے: مال۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُؤَيِّدُ بَاطِلَكُمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الرَّاكِبُونَ - بے شک ہم نے تم پر ایسا لباس نازل کیا ہے جو تمہاری شرم گاہوں

(الاعراف: ۲۶) کو چھپاتا ہے اور تمہاری زینت (بھی) ہے۔

اس تعلیق کی امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ علی بن ابی طلحہ سے روایت کی ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۳۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رِيشَا اور رِيشَا دونوں قراءتیں ہیں۔

اور رِيشَا یہ عام کی قراءت ہے۔ (المخضب ج ۱ ص ۲۴۶)

امام ابو حاتم نے کہا: یہ قراءت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس کا معنی ہے: رزق میں فراخی اور پریشانی

زندگی اور لباس کی کثرت۔ ابن الاعرابی نے کہا کہ الریش کا معنی ہے: کھانا اور پینا اور الریش کا معنی ہے: حاصل شدہ مال۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: الریش کا معنی مال ہے جیسا کہ امام بخاری نے ذکر کیا ہے۔ ان سے ایک روایت ہے:

لباس اور پریشانی زندگی۔ (تفسیر طبری ج ۵ ص ۴۵۷)

جب کوئی شخص مال دار ہو جائے تو کہا جاتا ہے: تَرْتَشُّ الرَّجُلُ (تفسیر طبری ج ۵ ص ۴۵۸ تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۳۵۷) اور قطرب نے کہا: الریش اور الریاش کا ایک معنی ہے، جیسے حِلٌّ اور حَلَالٌ کا ایک معنی ہے اور الخفش نے کہا: اس کا معنی ہے: کھیتوں کی اور فصلوں کی زرخیزی، اور القشی نے کہا: الریش اور الریاش کا معنی ہے: ظاہری لباس۔ (القرطبی ج ۱ ص ۱۷۶) مقاتل نے کہا: یہ آیت ثقیف، بنو عامر بن صعصعہ، خزاعہ، بنو مدیج، عامر اور الحارث بن عبد کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا تھا: ہم ان کپڑوں میں بیت اللہ کا طواف نہیں کریں گے جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کئے تھے اور ہم ریشم کا اور اون کا، اور بالوں سے بنا ہوا اور چمڑے سے بنا ہوا لباس نہیں پہنیں گے اور وہ بیت اللہ کا برہنہ طواف کرتے تھے اور ان کی عورتیں رات کو طواف کرتی تھیں۔

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ فِي الدُّعَاءِ وَفِي غَيْرِهِ۔ الْمُعْتَدِينَ (الاعراف: ۵۵) اس کا معنی ہے: دعاء اور اس کے غیر میں تجاوز کرنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (الاعراف: ۵۵)
تم اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارو، بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا ○

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا میں حد سے تجاوز کرنے کو پسند نہیں فرماتا اور نہ ہی کسی اور کام میں۔ (تفسیر طبری ج ۵ ص ۵۱۵) دعا میں حد سے بڑھنے کا معنی یہ ہے کہ اپنی ضرورت سے زیادہ سوال کرے، یا گا گا کر سوال کرے یا زیادہ بلند آواز کے ساتھ سوال کرے، حالانکہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ گڑگڑا کر اور چپکے چپکے سوال کرو۔
عَفَّوْا (الاعراف: ۹۵) اس کا معنی ہے: وہ کثیر ہو گئے اور ان کے مال بہت زیادہ ہو گئے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
لَمْ يَدُلُّنَا مَكَانَ الْمَيْمَةِ الْحَسَنَةَ حَتَّى عَفَّوْا۔
پھر ہم نے ان کی بد حالی کو خوش حالی سے بدل دیا حتیٰ کہ وہ خوب (الاعراف: ۹۵) پھلے پھولے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: وہ کثیر ہو گئے اور ان کے مال بھی بہت زیادہ ہو گئے۔ (تفسیر طبری ج ۶ ص ۹) اور مقاتل نے کہا کہ انہوں نے تکبر کیا اور وہ اترائے اور انہوں نے شکر ہی نہیں کیا، اور عَفَّوْا کی اصل عَفَّوْا سے ہے جس کا معنی کثرت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَعَفَّوْا الدُّخَىٰ یعنی داڑھیاں بڑھاؤ۔ (صحیح البخاری: ۵۸۹۳) اور قتادہ نے کہا ہے کہ وہ مال کی فراوانی سے خوش ہوئے۔ (تفسیر طبری ج ۶ ص ۱۰)

الْفَتْحُ الْقَاضِي۔ الْفَتْحُ (سبا: ۲۶) اس کا معنی ہے: فیصلہ کرنے والا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَقْتَضِي بَيْنَنَا الْبَحْثُ وَهُوَ الْفَتْحُ الْعَلِيمُ (سبا: ۲۶)
فرمادیجئے: ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمادے گا اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے ○

الْفَتْاحُ کا معنی ہے: فیصلہ کرنے والا، قرآن مجید میں ہے: ہمارے درمیان فیصلہ فرمادے، اور قتادہ کہتے ہیں: میں اس کا معنی نہیں جانتا تھا حتیٰ کہ میں نے ذی یزن کی بیٹی سے سنا، وہ اپنے شوہر سے کہہ رہی تھی: أَفَاتِيحُكَ یعنی میں تجھ سے فیصلہ کراتی ہوں۔

(تفسیر طبری ج ۶ ص ۴)

المؤرج نے کہا ہے کہ اَفْتَحُ کا معنی ہے: میں فیصلہ کرتا ہوں اور الفتاء نے کہا کہ اہل عمان قاضی کو فاتح اور فَتْاحُ کہتے ہیں۔

(معانی القرآن ج ۱ ص ۳۸۵)

اَفْتَحْ بَيْنَنَا اَقْضِ بَيْنَنَا۔
اَفْتَحْ بَيْنَنَا (الاعراف: ۸۹) اس کا معنی ہے: ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ
الْفَاتِحِينَ ﴿۸۹﴾ (الاعراف: ۸۹)
اے ہمارے رب! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان
حق کا فیصلہ فرمادے اور تو سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے O

اس کی شرح اوپر گزر چکی ہے۔

تَنَقُّنَا الْجَبَلَ رَفْعًا۔
وَإِذْ تَنَقُّنَا الْجَبَلَ (الاعراف: ۱۷۱) اس کا معنی ہے: جب ہم نے
پہاڑ کو اٹھایا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِذْ تَنَقُّنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ۔
(الاعراف: ۱۷۱) وہ ان کے اوپر سائبان ہے۔
اور جب ہم نے ان کے اوپر پہاڑ (اس طرح) اٹھالیا تھا گویا کہ

تَنَقُّنَا کا معنی ہے: ہم نے اوپر اٹھا دیا۔

اَنْبَجَسَتْ اَنْفَجَرَتْ
فَاَنْبَجَسَتْ (الاعراف: ۱۶۰) اس کا معنی ہے: چشمے پھوٹ پڑے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَنْبَجَسَتْ مِنْهُ اثنَا عَشْرَةَ عَيْنًا۔ (الاعراف: ۱۶۰) تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے اَنْبَجَسَتْ کی تفسیر انفجرت کے ساتھ کی ہے، جیسا کہ سورہ بقرہ میں ہے:

فَاَنْفَجَرَتْ مِنْهُ اثنَا عَشْرَةَ عَيْنًا۔ (البقرہ: ۶۰) تو اس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔

جس پتھر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاشی ماری تھی وہ پتھر پہاڑ طور کا تھا، جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھ اٹھا کر لائے
تھے، پس جب بنی اسرائیل اس جگہ پہنچے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاشی سے ضرب لگائی تھی تو اس سے پانی کے بارہ چشمے
نکل آئے تھے اور ہر قبیلہ نے اپنے اپنے چشمے سے پانی پیا۔

مُتَّبِعُونَ خُسْرًا۔
مُتَّبِعُونَ (الاعراف: ۱۳۹) اس کا معنی ہے: خسارہ اور نقصان۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ هَؤُلَاءِ مُتَّبِعُونَ مَا هُمْ فِيهِ وَ يُطْلَمُ مَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۹﴾ (الاعراف: ۱۳۹)
بے شک جس کام میں یہ لوگ مصروف ہیں وہ برباد ہونے والا ہے
اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں، وہ سراسر غلط ہے O

امام بخاری نے مُتَّبِع کی تفسیر خسارے کے ساتھ کی ہے اور مُتَّبِع کا لفظ تَبَّار سے ماخوذ ہے، اور اس کا معنی ہلاک ہے اور یہی تَتَّبِع ہے، اور جب کوئی شخص کسی کو توڑ پھوڑ دے اور ہلاک کر دے تو کہا جاتا ہے: تَبَّارًا تَتَّبِعُ۔

اُسی اَحْزَنُ۔ اُسی (الاعراف: ۹۳) اس کا معنی ہے: میں غمگین ہوتا ہوں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَكَيْفَ اِسَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ كُفِرُوْنَ ۝ (الاعراف: ۹۳) تو اب میں کافروں (کے عذاب) پر کیوں افسوس کروں ○

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہاں پر دو لفظ ہیں: پہلا لفظ ہے: اُسی اور یہ الاعراف: ۹۳ میں ہے جس کا معنی ہے: میں غم اور افسوس کروں، اور یہ حضرت شعیب علیہ السلام کے قول کی حکایت ہے جب انہوں نے اپنی قوم کے ہلاک ہونے کے بعد فرمایا: میں کیسے اس قوم کی ہلاکت پر افسوس کروں جو اپنے کفر کی وجہ سے ہلاک ہوئی، اور دوسرا لفظ ہے: تَأْس جس کی شرح آ رہی ہے۔

تَأْس تَحْزَنُ۔ تَأْس (المائدہ: ۶۸، ۲) اس کا معنی ہے: تم غم کرو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ۝ (المائدہ: ۲۶) تو (اے موسیٰ!) غمگین نہ ہونا فرمان قوم (کے انجام) پر ○

اس تعلیق کی شرح سورۃ المائدہ: ۲۶، ۶۸ میں گزر چکی ہے۔

وَقَالَ غَيْرُهَا مَا مَنَعَكَ اَنْ لَا تَسْجُدَ يَقُولُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ۔ اور دوسروں نے کہا: مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ (الاعراف: ۱۲) اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تجھ کو سجدہ کرنے سے کس نے روکا؟

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذَا اَمَرْتُكَ۔ فرمایا: تجھ کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ (الاعراف: ۱۲)

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے الاعراف: ۱۲ کو لکھنے کے بعد یہ کہا ہے کہ یہ کہا جاتا ہے کہ تجھ کو سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا؟ اور اس قول سے یہ تشبیہ کی ہے کہ اس آیت میں لَا کا لفظ زائد ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قَالَ يَا بَلِيسَ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِهَدًى۔ (ص: ۷۵) کرے اس کے لئے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اگر الاعراف: ۱۲ میں لَا کو زائد نہ مانا جائے تو پھر تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: تجھے سجدہ نہ کرنے پر کس نے برا ہیختہ کیا۔

يُخَصِّفَانِ اَحَدًا الْخِصَافِ مِنْ دَرَقِ الْجَنَّةِ يُؤَلِّفَانِ الْوَرَقَ يُخَصِّفَانِ الْوَرَقَ بَعْضُهُ اِلَىٰ بَعْضٍ سَوَاتِيَهُمَا كِنَافَةً عَنْ فُرَجِيَهُمَا۔ يَخَصِّفَانِ (الاعراف: ۲۲) اس کا معنی ہے: ان دونوں نے جنت کے درخت کے پتے پکڑ لئے۔ وہ ان پتوں کو ایک دوسرے سے ملا کر لپیٹتے تھے۔ سَوَاتِيَهُمَا یہ ان دونوں کی شرمگاہوں سے کنایہ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا ذَاكَ الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوَاتِيَهُمَا وَطَفِقَا يَخَصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ دَرَقِ الْجَنَّةِ۔ (الاعراف: ۲۲) پس جب انہوں نے اس درخت سے چکھا تو ان کی شرمگاہیں ان کے لئے ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے اوپر جنت کے پتے جوز نے لگے۔

خَصَاف، خَصْفَة کی جمع ہے اور یہ اس ٹوکری کو کہتے ہیں جس میں کھجوریں رکھی جاتی ہیں، اور طَفَقَا افعال مقاربہ میں سے ہے، یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام اپنے اوپر جنت کے درخت کے پتے لپیٹنے لگے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ انجیر کا درخت تھا، تو جب حضرت آدم اور حوا علیہما السلام نے اس ممنوع درخت سے کھایا تو ان کی شرمگاہیں کھل گئیں۔ تفسیر میں ہے کہ ان دونوں کا لباس گر گیا اور ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں اور وہ دونوں اپنی طرف نہیں دیکھتے تھے اور نہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے تھے۔ امام بخاری نے جو کہا ہے کہ یہ شرم گاہ سے کنایہ ہے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ کنایہ نہیں ہے۔ الجوہری نے کہا کہ السَّوَاةُ کا معنی شرم گاہ ہے۔ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ هُوَ مَا هُنَا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَالْحِينُ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ (الاعراف: ۲۴) یعنی اس وقت سے لے کر قیامت تک اور حِينُ کا عربوں کے نزدیک معنی ہے: ایک ساعت سے لے کر غیر متناہی ساعات تک۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ (الاعراف: ۲۴) فائدہ اٹھانا ہے O

امام بخاری نے اس پر تنبیہ کی ہے کہ حِينُ سے مراد یہاں پر قیامت تک کا وقت ہے، پھر امام بخاری نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ عرب کے نزدیک حِينُ کا لفظ اعداد کثیرہ کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور اس کی کم سے کم مقدار ایک ساعت یا ایک گھنٹہ ہے، علامہ ابن الاثیر نے کہا کہ حِينُ کا معنی وقت ہے اور لغت کی کتاب ”مغرب“ میں مذکور ہے کہ حِينُ کا لفظ مبہم ہے، قلیل اور کثیر پر واقع ہوتا ہے۔

الرِّيشُ وَالرِّيشُ وَاحِدٌ وَهُوَ مَا ظَهَرَ مِنَ الثِّبَاسِ۔ اور رِيش اور رِيش دونوں کا ایک معنی ہے: یعنی ظاہری لباس۔ اس تعلیق کی شرح اوپر گزر چکی ہے۔

قَبِيلُهُ جِيلُهُ الَّذِي هُوَ مِنْهُمْ۔ قَبِيلُهُ (الاعراف: ۲۷) اس کا معنی ہے: شیطان کا وہ گروہ جس میں سے وہ خود بھی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ۔ بے شک وہ (شیطان) اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ (الاعراف: ۲۷)

امام بخاری نے قبیل کی تفسیر جیل کے ساتھ کی ہے۔ علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: لوگوں کی ایک قسم، ترک بھی ایک جیل ہے اور چین بھی ایک جیل ہے، اور یہاں جیل سے مراد شیطان اور اس کا قبیلہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد گھوڑ سوار اور پیادہ ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اس کی ذریت ہے اور تیسرا قول ہے کہ اس سے مراد اس کے اصحاب ہیں۔ اِذَا رَكُوعًا اجْتَمَعُوا۔ اِذَا رَكُوعًا (الاعراف: ۳۸) اس کا معنی ہے: وہ جمع ہو جائیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَعَنَتْ أُخْتَهَا حَتَّىٰ إِذَا دَخَلُوا رَبَّنَا جَمِعْتُمْ فِيهَا جَمِيعًا۔ (الاعراف: ۳۸) جب بھی کوئی جماعت (دوزخ میں) داخل ہوگی تو وہ اپنی جیسی جماعت پر لعنت کرے گی حتیٰ کہ جب اس میں سب جمع ہو جائیں گے۔

امام بخاری نے اِذَا اَمَّا كُؤَا کی تفسیر اجتمعوا کے ساتھ کی ہے، یعنی وہ جمع ہو گئے۔ مقاتل نے کہا کہ جب بھی ایک ملت والے دوزخ میں داخل ہوں گے تو وہ اپنی ملت والوں پر لعنت کریں گے، پس یہود، یہود کو لعنت کریں گے اور نصاریٰ، نصاریٰ کو لعنت کریں گے اور مجوس، مجوس کو لعنت کریں گے، اور اس آیت میں اُخت سے مراد ہے: دین اور ملت کی اخوت نہ کہ نسب کی اخوت اور حتیٰ اِذَا اَمَّا كُؤَا کا معنی ہے: جب وہ دوزخ میں جمع ہو جائیں گے۔ اصل میں یہ لفظ تَدَارَكُؤَاتھا، پھرتا، کودال سے بدل کر بدل کا دال میں ادغام کر دیا۔

وَمَشَاقِي الْإِنْسَانِ وَالذَّائِبَةِ كُلُّهَا يُسْتَمَى سُمُومًا
وَاحِدُهَا سَمٌّ وَهِيَ عَيْنَاءُ وَمَنْخَرَاءُ وَقَمُهُ وَأُذُنَا
وَدُبُرُهُ وَإِخْلِيلُهُ۔
آدمی اور جانور سب کے سوراخ کو سُمُوم کہتے ہیں اور اس کا واحد سَمٌّ ہے اور وہ سوراخ اس کی دوا نکھیں ہیں اور دوتھنہ ہیں اور منہ ہے اور اس کے دوکان ہیں اور اس کی مقعد کا سوراخ ہے اور اس کے آلہ تناسل کا سوراخ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے لفظ سَمٌّ کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے، جو درج ذیل آیت میں ہے:
وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلْبِغَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ۔
(الاعراف: ۴۰) سوئی کے بنا کے (سوراخ) میں داخل ہو جائے۔

اس تعلق میں مشاقی الانسان کا ذکر ہے۔ اور صحیح بخاری کے دوسرے نسخوں میں مسام الانسان کا ذکر ہے۔ اور دونوں کا معنی ایک ہے، اور وہ ہے: انسان کے سوراخ۔

غَوَاشٍ مَا غَشَّوْا بِهِ۔
غَوَاشٍ (الاعراف: ۴۱) اس کا معنی ہے: جس میں ڈھانپے گئے
یعنی غلاف۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ قَوَّيْمٍ غَوَاشٍ۔
(الاعراف: ۴۱) ان کے لئے دوزخ (کی آگ) کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہوگا۔

امام بخاری نے غَوَاشٍ کے لفظ کی اس کے ساتھ تفسیر کی ہے جس کو ڈھانپ لیا گیا ہو، جیسے لحاف یا لباس بدن کو ڈھانپ لیتا ہے، اس طرح دوزخ کے اوپر تلے طبقات ہیں اور ہر اوپر والا طبقہ نیچے والے طبقہ کو ڈھانپ لیتا ہے۔
نُشْرًا مُتَفَرِّقَةً۔
(الاعراف: ۵۷) اس کا معنی ہے: متفرق۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَهُوَ الَّذِي يُزِيلُ إِلَيْكُمْ نُشْرًا بَلِّغَ يَدَيَّ مَحَبَّةٍ۔
(الاعراف: ۵۷) وہی ہے جو متفرق ہواؤں کو بھیجتا ہے اپنی رحمت کے سامنے۔

امام بخاری نے نشرا کی تفسیر متفرق کے ساتھ کی ہے اور فن تفسیر میں مذکور ہے کہ نُشْرًا نُشْرًا کی جمع ہے اور یہ اس لطیف ہوا کو کہتے ہیں جو ہر جانب سے چلتی ہے۔ (ہماری قرأت میں یہ لفظ بُشْرًا ہے، اور اس کا معنی ہے: بارش کی خوش خبری دینے والی ہوا کہیں)۔
تَكْدًا أَقْلِيلًا۔
(الاعراف: ۵۸) اس کا معنی ہے: تھوڑا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَّذِي خَبِثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا۔ (الاعراف: ۵۸) اور جو خراب زمین ہوتی ہے، اس کی پیداوار صرف تھوڑی سی نکلتی ہے۔
امام بخاری نے نَكِدًا کی تفسیر قلیلاً کے ساتھ کی ہے اور امام ابو عبیدہ نے اس کی تفسیر عُشراً یعنی شدت کے ساتھ کی ہے۔
يَغْنَوْنَ اَيَعِيشُوا۔ (الاعراف: ۹۲) اس کا معنی ہے، وہ زندہ رہے یا آباد ہوئے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

الَّذِينَ كَذَّبُوا شَعِينًا كَانُوا لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا۔ جن لوگوں نے شعیب (علیہ السلام) کی تکذیب کی تھی، (وہ صفحہ ہستی سے

(الاعراف: ۹۲) اس طرح مٹ گئے) گویا کہ کبھی ان گھروں میں بے ہی نہ تھے۔

امام بخاری نے يَغْنَوْنَ کی تفسیر يَعِيشُوا کے ساتھ کی ہے۔ اس کا معنی ہے: انہوں نے خوش گوار زندگی نہیں گزاری۔

حَقِيقٌ حَقٌّ۔ (الاعراف: ۱۰۵) اس کا معنی ہے برحق یا واجب۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

حَقِيقٌ عَلَىٰ أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقُّ۔ میرا یہ منصب ہے کہ میں اللہ کے متعلق حق کے سوا کوئی بات نہ

(الاعراف: ۱۰۵) کہوں۔

امام بخاری نے حَقِيقٌ کی تفسیر حَقٌّ کے ساتھ کی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس لائق ہے کہ اس کے متعلق حق کے سوا اور کوئی بات نہ

کہی جائے۔

اَسْتَرْهَبُوهُمْ مِنَ الزَّهْبَةِ۔ (الاعراف: ۱۱۶) یہ ذہبت سے ماخوذ ہے: اس کا

معنی ہے: میں نے اس کو ڈرایا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ اَلْقُوا فَلَمَّا اَلْقَوْا سَحَرُوا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: تم ڈالو! جب انہوں نے ڈالنا تو لوگوں کی

آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان کو خوف زدہ کر دیا اور انہوں نے بہت

ہم و جَاءُوا بِسِحْرِ عَزِيزٍ ۝

(الاعراف: ۱۱۶) بڑا جادو پیش کیا ○

امام بخاری نے کہا کہ استرہبہوہم، ذہبت سے ماخوذ ہے، یعنی خوف اور اس کا معنی یہ ہے کہ فرعون کے جادوگر لوگوں کی

آنکھوں پر جادو کرتے تھے یعنی جو چیز ان کی آنکھوں میں ڈالتے، لوگ سمجھتے کہ خارج میں اس کی کوئی حقیقت ہے اور وہ لوگوں کو اس

سے ڈراتے اور لوگ اس سے خوف زدہ ہو جاتے۔

تَلْقَفُ تَلْقَفُ۔ (الاعراف: ۱۱۷) اس کا معنی ہے: نکلنے لگا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اَوْحَيْنَا اِلٰی مُوسٰی اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَمٰی تَلْقَفَ مَا ۚ اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی فرمائی کہ تم اپنا عصا ڈال دو تو وہ فوراً

ان کے جھوٹے طلسم کو نکلنے لگا ○

(الاعراف: ۱۱۷) ۝

امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ فرعون کے جادوگروں نے لاشیوں کو اور رسیوں کو سانپ بنا کر دکھایا تھا، ان سب کو حضرت

موسیٰ (علیہ السلام) کے اژدھے نے نکل لیا اور ظاہر ہو گیا کہ انہوں نے جو کچھ دکھایا تھا، وہ باطل ہے۔

طَائِرُهُمْ حَظُّهُمْ طُوفَانٌ مِنَ السَّيْلِ وَيَقَالُ لَيَمُوتَ ۚ طَائِرُهُمْ (الاعراف: ۱۳۱) اس کا معنی ہے: سیلاب کے طوفان سے

الْكَثِيرِ الطُّوفَانُ۔

ان کا حصہ اور جب اس سے بہت زیادہ اموات ہوں تو اس کو طوفان کہتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّمَا ظَلِمُوا عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (الاعراف: ۱۳۱) سنو! ان کافروں کی نحوست اللہ کے نزدیک (ثابت) ہے، لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے O

امام بخاری نے ظلم کی تفسیر حصہ کے ساتھ کی ہے اور امام ابو عبیدہ نے بھی اسی طرح اس کی تفسیر کی ہے۔

طوفان سیلاب سے ماخوذ ہے، اور موت کثیر کے لئے طوفان کہا جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَنزَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ۔ پس ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور چمچڑیاں اور جوئیں۔

(الاعراف: ۱۳۲)

امام بخاری نے طوفان کی تفسیر سیلاب سے کی ہے اور سیلاب کے معنی میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب بہت زیادہ بارشیں ہوں جن سے فصلیں، کھیتیاں اور باغات تباہ ہو جائیں تو اس کو سیلاب کہتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت ہے کہ سیلاب کا معنی ہے: کثرة الموت جیسا کہ یہاں بیان کیا ہے اور عطاء کا بھی یہی قول ہے۔

الْقُمَّلُ الْحُمَانُ يُشَبِّهُ صَغَارَ الْحَلِيمِ۔ وَالْقُمَّلُ (الاعراف: ۱۳۲) اس کا معنی ہے: چمچڑیاں جو چھوٹی

جوؤں کے مشابہ ہوتی ہیں۔

امام بخاری نے قُمَّل کی تفسیر وہ کی ہے جو اس آیت میں ہے۔ امام ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ عرب کے نزدیک قُمَّل چمچڑی کی ایک قسم ہے اور اس کا واحد حمنانہ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قُمَّل اس سرسری کو کہتے ہیں جو گندم وغیرہ سے نکلتی ہے اور ان سے ایک اور روایت ہے کہ قُمَّل اس چھوٹی ٹڈی کو کہتے ہیں، جس کے پر نہیں ہوتے اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے کہا کہ قتل کا معنی ہے: پتو۔

عُرُوشٌ وَعَرْشٌ بِنَاءٌ۔ عُرُوش اور عرش کا معنی ہے: عمارت۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَدَمَّرْنَا مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ فِرْعَوْنَ وَ قَوْمَهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ (الاعراف: ۱۳۷) اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی بنائی ہوئی عمارتوں اور جو کچھ وہ بناتے ہیں، ان کو تباہ و برباد کر دیا O

امام بخاری نے یہ بتایا ہے کہ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ کا معنی ہے: جو کچھ وہ بناتے تھے۔ اور امام بخاری نے جو عروش اور عرش کا معنی بیان کیا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ عُرُوش عرش کی جمع ہے اور عرش کا معنی ہے: بادشاہ کا تخت اور مکان کی چھت، لہذا امام بخاری نے جو اس کا معنی بیان کیا ہے: وہ درست نہیں ہے۔

سُقِطَ كُلُّ مَنْ نَدِمَ فَقَدْ سَقِطَ يَدُهُ۔ سُقِطَ (الاعراف: ۱۳۹) اس کا معنی ہے: ہر شخص جب نادم ہوتا ہے

تو کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں پر گر گیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَمَّا سَقَطَ فِي أَيُّوْمِهِمْ - (الاعراف: ۱۳۹) اور جب ان کی خود فریبی کا طلسم جاتا رہا (یعنی جب وہ اپنے کئے پر نادم اور شرمسار ہو گئے)۔

امام بخاری نے سَقَطَ کی تفسیر ندامت کے ساتھ کی ہے اور علامہ جوہری نے بھی کہا ہے کہ سَقَطَ فی یدیدہ کا معنی ہے: وہ نادم ہو گیا اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے قصہ میں ہے، جنہوں نے زیورات کا بچھڑا بنا لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کی اس آیت میں خبر دی کہ جب وہ نادم ہو گئے اور انہوں نے جان لیا کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں، یعنی وہ اپنے کئے پر نادم ہو گئے ہیں۔
الْأَسْبَاطُ قَبَائِلُ بَنِي إِسْرَائِيلَ - (الاعراف: ۱۶۰) اس کا معنی ہے: بنی اسرائیل کے قبائل۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَطَّعْنَاهُمْ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا - (الاعراف: ۱۶۰) اور ہم نے ان (بنو اسرائیل) کو بارہ قبیلوں میں گروہ در گروہ تقسیم کر دیا۔

امام بخاری نے اسباط کی تفسیر یہ کی ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے قبائل ہیں۔ امام ابو عبیدہ نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے اور انہوں نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اس کا واحد سبط ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تم کس سبط سے ہو، یعنی کس قبیلے سے ہو۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو اسباط کہا جاتا ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کو قبائل کہا جاتا ہے۔ اس کا اشتقاق سبط سے ہے اور اس کا معنی ہے: پے در پے آنا اور سبط اس درخت کو کہتے ہیں، جو بہت گھنا ہو۔ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو سبط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی ذریت دنیا میں بہت پھیل گئی۔

يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ يَتَعَدُّونَ لَهُ يُجَاوِزُونَ تَجَاوُزُ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ (الاعراف: ۱۶۳) اس کا معنی ہے، وہ ہفتہ کے بعد تَجَاوُزُ تَعْدُ تَجَاوُزُ۔ دن حد سے تجاوز کرتے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَسُئِلَهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةً الْبَحْرُ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ - (الاعراف: ۱۶۳) اور ان سے اس بستی کے متعلق سوال کیجئے جو سمندر کے کنارے واقع تھی، جب وہ سنبھر (ہفتہ) کے دن تجاوز کرتے تھے۔

امام بخاری نے يَعْدُونَ کی تفسیر بتجاوِز کے ساتھ کی ہے، یعنی وہ حد سے گزرتے تھے۔ علامہ زنجشیری نے کہا ہے کہ وہ ہفتہ کے دن شکار کرتے تھے، حالانکہ انہیں ہفتہ کے دن شکار کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ ہفتہ کے دن شکار کے آلات تیار کرتے تھے، حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ عبادت کے سوا اور کوئی کام نہیں کریں گے۔

شَرَّاعًا شَوَارِعَ - (الاعراف: ۱۶۳) اس کا معنی ہے: پانی کے اوپر تیرتے ہوئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِذْ تَأْتِيهِمْ حِثَّائُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّاعًا وَيَوْمَ لَا يَسْهُونَ لَا تَأْتِيهِمْ - (الاعراف: ۱۶۳) جب سنبھر کے دن مچھلیاں حیرتی ہوئی ان کے پاس آتی تھیں، اور جب سنبھر کا دن نہ ہوتا تو وہ ان کے پاس (اتنی کثرت سے) اس طرح نہیں آتی تھیں۔

امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ شُرَّاعًا، شوارع کی جمع ہے اور یہ پانی کی سطح کے اوپر راستہ ہے۔

بَیِّنٌ شَدِيدٌ۔

بَیِّنٌ (الاعراف: ۱۶۵) اس کا معنی ہے: سخت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ أَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَیِّنٍ۔ اور ہم نے ظالموں کو سخت عذاب میں جکڑ لیا۔

(الاعراف: ۱۶۵)

امام بخاری نے بَیِّنٌ کی تفسیر شدید سے کی ہے یعنی سخت اور مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے: اَلْبَیِّنُ یعنی دردناک۔

أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ قَعْدًا وَ تَقَاعَسَ۔ أَخْلَدَ (الاعراف: ۱۷۶) اس کا معنی ہے: بیٹھا اور پیچھے ہٹ گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَكِنَّةً أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَ انْتَبَهَ هَوَاهُ۔ (الاعراف: ۱۷۶) مگر وہ پستی کی طرف جھکا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کی۔

امام ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ أَخْلَدَ کا معنی ہے: وہ زمین کی طرف لازم ہو گیا یعنی وہ دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کی طرف

لازم ہوا اور وہ دنیا کی لذتوں اور نعمتوں کی طرف بڑھا اور ان چیزوں نے اس کو دھوکے میں ڈال دیا اور وہ پستی میں گر گیا اور

تَقَاعَسَ کا معنی ہے: اس نے تاخیر کی اور دیر کی اور وَلَكِنَّةً کی ضمیر بلعم بن باعور کی طرف راجع ہے۔ یہ بنی اسرائیل کے علماء میں

سے تھا اور اس کی دعاء بہت قبول ہوتی تھی لیکن اس نے اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کی اور یہ ایمان سے نکل گیا اور اس کا قصہ مشہور

ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد امیہ بن ابی الصلت ہے، جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور آپ کی پیروی نہیں کی، اور یہ

مشرکین کے مددگاروں میں سے ہو گیا، اور بعض احادیث میں وارد ہے کہ یہ زبان سے ایمان لایا اور دل سے ایمان نہیں لایا اور اس

کے کچھ ربانی اشعار بھی ہیں، جن میں حکمت اور فصاحت ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے اس کا دل نہیں کھولا۔

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ أُنْ نَّاتِيَهُمْ مِنْ مَّأْمَنِهِمْ كَقَوْلِهِ تَعَالَى سَنَسْتَدْرِجُهُمْ (الاعراف: ۱۸۲) اس کا معنی ہے: جہاں سے ان کو

خطرہ نہیں ہوگا ہم وہاں سے آئیں گے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

قَالَتْ لَهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا۔ (الحشر: ۲) یعنی اللہ کا عذاب وہاں سے آیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا

يَعْلَمُونَ۔ (الاعراف: ۱۸۲) طرف اس طرح لے جائیں گے کہ ان کو پتا بھی نہیں چلے گا ○

استدراج کا معنی ہے: کسی چیز کی طرف درجہ بہ درجہ لے جانا یا پہنچنا اور الحشر: ۲ کے ساتھ تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

ان کو اچانک پکڑ لیا، جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے:

فَلَمَّا أَصَابَهُمُ الظَّنُّ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِوَدُنِهِمْ إِذْ جَاثُوا عَلَى كُرْسِيِّ هَارُونَ فَفَثْنَاهُمْ فِي عَصَاهِ آلَ فِرْعَوْنَ تَرَوُنَّ عُثُوبَ آلَ فِرْعَوْنَ كَمَا تُبْعَثُونَ۔

جب وہ اترانے لگے ان چیزوں کے ساتھ، جو انہیں دی گئیں تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا۔ (الانعام: ۴۴)

مِنْ جَنَّةٍ مِنْ جُنُونَ۔ مِنْ جَنَّةٍ (الاعراف: ۱۸۳) اس کا معنی ہے: جنون اور دیوانگی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَمَا يَصَاحِبُهُمْ مِنْ جَنَّةٍ۔ (الاعراف: ۱۸۳) ان کے صاحب پر مطلقاً جنون نہیں ہے۔

اس آیت میں صاحب سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کفار آپ کے متعلق یہ کہتے تھے کہ آپ شاعر ہیں یا مجنون، تو اللہ تعالیٰ

نے کفار کا رد فرمایا کہ مسلمانوں کے صاحب پر جنون نہیں ہے۔

أَيَّانَ مُرْسَاهَا مَتَىٰ خُرُوجُهَا۔
آيَاتِ مُرْسَاهَا (النزعت: ۴۲) اس کا معنی ہے: اس کے نکلنے کا وقت کب ہوگا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَلَأْنَاكَ مِنَ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا۔
آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں: اس کے نکلنے،
(النازعات: ۴۲، الاعراف: ۱۸۷) وقت کب ہوگا۔

امام ابو عبیدہ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے اور امام طبری نے علی بن ابی طلحہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ تفسیر کی ہے کہ
مُرْسَاهَا کا معنی ہے: اس کی انتہاء کب ہوگی اور قتادہ سے روایت ہے کہ اس کا معنی ہے: کب قائم ہوگی یعنی قیامت۔
فَمَثَرٌ بِهٖ اسْتَرْبٰهَا الْحَنَلُ فَانْتَشَتْ۔
فَمَثَرٌ بِهٖ (الاعراف: ۱۸۹) اس کا معنی ہے: اس کا حمل برقرار رہا،
پس اس کی مدت پوری ہوگئی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلٌ خَفِيفًا فَمَثَرٌ بِهٖ۔
پھر مرد نے جب اسے ڈھانپ لیا تو اسے خفیف سا حمل ہو گیا، وہ
(الاعراف: ۱۸۹) اس کے ساتھ چل پھر رہی تھی۔

فَمَثَرٌ بِهٖ کی ضمیر حضرت حوا علیہا السلام کی طرف لوٹتی ہے، یعنی جب ان کو حضرت آدم علیہ السلام سے حمل ہو گیا تو انہوں نے حمل
کی مدت کو پورا کیا۔

يُنْزِعُكَ يَسْتَخِفُّكَ۔
يُنْزِعُكَ (الاعراف: ۲۰۰) اس کا معنی ہے: شیطان تم کو ڈمگائے
یا پھسلائے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِنَّمَا يُنْزِعُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ قَلِيلٌ يَّسْتَعِذُّ بِاللَّهِ۔
اور (اے مخاطب!) اگر شیطان تمہیں کوئی وسوسہ ڈالے تو اللہ کی
(الاعراف: ۲۰۰) پناہ طلب کرو۔

امام بخاری نے یُنْزِعُكَ کی تفسیر کی ہے: شیطان تم کو ڈمگائے یا پھسلائے، اسی طرح امام ابو عبیدہ نے بھی اس کی تفسیر کی
ہے۔ اور امام ابن جریر نے اس کی تفسیر میں کہا ہے: اگر شیطان آپ کو غضبناک کرے، اور آپ کو جاہل سے درگزر کرنے سے
روکے، اور آپ کو جاہل سے بدلہ لینے پر برا بیختہ کرے تو آپ اللہ کی پناہ طلب کریں۔

طَيْفٌ مُّدِيمٌ بِهٖ لَنَمٌ وَيَقَالُ طَائِفٌ وَهُوَ وَاحِدٌ۔
طَيْفٌ (الاعراف: ۲۰۱) اس کا معنی ہے: شیطان کی طرف سے جو
تمہیں وسوسہ آئے۔ طَائِفٌ اور طَيْفٌ کا ایک ہی معنی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَٰئِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ۔
بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں، انہیں اگر شیطان کی طرف

(الاعراف: ۲۰۱) سے کوئی برا خیال چھو بھی جاتا ہے۔

امام ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ طیف کا معنی ہے: لَنَمٌ اور لَنَمٌ کا اطلاق جنوں کی ایک قسم پر، اور صغیرہ گناہوں پر کیا جاتا ہے۔ بعض

مفسرین نے اس کی تفسیر غضب کے ساتھ کی ہے اور بعض مفسرین نے اس کی تفسیر مبین شیطان کے ساتھ کی ہے اور بعض نے اس کی تفسیر ارتکاب گناہ کے ساتھ کی ہے۔

يَسُدُّوْنَ عَنْهُمْ يُؤْتِيُوْنَ۔
يَسُدُّوْنَ عَنْهُمْ (الاعراف: ۲۰۲) اس کا معنی ہے: وہ اس کو خوش نما بناتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِخْوَانُهُمْ يَسُدُّوْنَ عَنْهُمْ فِي الْعَمَىٰ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ۝ (الاعراف: ۲۰۲) کو گمراہ کرنے میں (کوئی کی نہیں کرتے) اور شیطانوں کے بھائی بند ان کو گمراہی میں کھینچتے ہیں، پھر وہ (ان کو گمراہ کرنے میں) کوئی کی نہیں کرتے ○

امام ابو عبیدہ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے: وہ ان کے لئے کفر اور گمراہی کو مزین کرتے ہیں۔

وَخِيفَةُ خَوْفًا وَخِيفَةُ مِنَ الْخُفَاءِ۔
وَخِيفَةُ اس کا معنی ہے: ڈر اور خوف۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیتوں کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَإِذْ كُنَّا رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرَّعًا وَخِيفَةً۔ (الاعراف: ۲۰۵) اور اپنے رب کو اپنے دل میں خوف اور عاجزی کے ساتھ یاد کرو۔ اور قرآن مجید میں خُفْيَہ بھی ہے، جس کا معنی ہے: چپکے چپکے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرَّعًا وَخِيفَةً۔ (الاعراف: ۵۵) تم اپنے رب کو گڑ گڑا کر اور چپکے چپکے پکارو۔

وَالْأَصَالُ وَاحِدٌ مَا أَصِيلٌ وَهُوَ مَا بَيْنَ الْبَعْضِ إِلَى الْمَغْرِبِ كَقَوْلِهِ بُكَرَةً وَأَصِيلًا۔
وَالْأَصَالُ (الاعراف: ۲۰۵) اس کا واحد اصيل ہے، اور اس کا معنی ہے: عصر سے لے کر مغرب تک کا وقت، جیسا کہ اس آیت میں ہے: بُكَرَةً وَأَصِيلًا (الفرقان: ۵) یعنی صبح اور شام کے وقت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَذُؤُنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ۔
اور زبان سے آواز بلند کئے بغیر صبح اور شام (اپنے رب کو) یاد کرو۔ (الاعراف: ۲۰۵)

امام ابو عبیدہ نے بھی یہی کہا ہے کہ اَصَالٌ، اَصِيلٌ کی جمع ہے۔

نوٹ: ان تعلیقات کی شرح التوضیح ج ۲۲ ص ۳۵۶-۳۵۲ اور عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۳۲-۳۳۱ سے لی گئی ہیں۔

۱۔ بَابُ: قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ

مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطْنَ۔

ہوں، خواہ پوشیدہ (الاعراف: ۳۳) کی تفسیر

فواحش سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض مفسرین نے اس کو عموم پر محمول کیا ہے۔ قتادہ سے روایت ہے کہ چھپ کر

بے حیائی کے کام کئے جائیں خواہ کھلم کھلا بے حیائی کے کام کئے جائیں اور بعض مفسرین نے اس کو خصوص پر محمول کیا ہے۔ حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ چھپ کر زنا کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے اور کھلم کھلا زنا کرنے کو برا سمجھتے

تھے، تب اللہ تعالیٰ نے مطلقاً زنا کو حرام قرار دیا خواہ چھپ کر کیا جائے، خواہ کھلم کھلا۔ (عمدة القاری: ج ۲۲ ص ۳۲۳-۳۲۲)

۴۶۳۷۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ أَنْتَ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ نَعَمْ وَرَفَعَهُ قَالَ لَا أَحَدَ أَغْيَرُ مِنَ اللَّهِ فَلِذَلِكَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا أَحَدَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْبِدْحَةُ مِنَ اللَّهِ فَلِذَلِكَ مَدَّ نَفْسَهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، از عمرو بن مرہ از ابی وائل از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ نے ابودائل سے پوچھا: کیا آپ نے یہ حدیث حضرت عبداللہ سے سنی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت والا نہیں ہے۔ اسی لئے اس نے بے حیائی کے کاموں کو حرام فرمادیا خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ باطن اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کو اپنی تعریف کرنا پسند نہیں ہے، اسی لئے اللہ نے اپنی تعریف کی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۶۳۴ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا، تو عرض کیا: اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھا کہ میں تجھے دیکھوں، فرمایا: تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے، البتہ تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر (میری تجلی کے باوجود) یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو عنقریب تم بھی مجھے دیکھ سکو گے، پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب ان کو ہوش آیا تو کہا: تو پاک ہے، میں نے تیرے حضور توبہ کی اور میں ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا ہوں O (الاعراف: ۱۴۳) کی تفسیر

۲۔ بَابُ: وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَنْ نَرِيكَ وَلَكِنْ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي ۖ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا ۖ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَنَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (الاعراف: ۱۴۳)

مِيقَاتِ، رب کی تجلی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بے ہوشی، ان کی توبہ اور ان کے اول المؤمنین ہونے کا محمل علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لِمِيقَاتِنَا: الْمِيقَاتِ وَقْتُتُهَا، وَأَوَّلًا قَبْلُ مَكْسُورٌ تَحَاتُّوْا سَ كَوِيَاءَ سَ بَدَلُ دِيَا تَوِيَّةِ مِيقَاتِ هُوَ كَمَا۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے: یعنی کسی بشر میں یہ طاقت نہیں ہے کہ دنیا میں میری طرف دیکھے اور جس نے دنیا میں میری طرف دیکھا تو وہ مرجائے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے خدا! میں نے تیرا کلام سنا تو مجھے تیری طرف

دیکھنے کا شوق ہوا، سو تو مجھے اپنی ذات دکھا تو میں تیری طرف دیکھوں، پھر اگر میں تیری طرف دیکھتے ہوئے مرجاؤں تو وہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں تیری طرف دیکھے بغیر زندہ رہوں۔

فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رب کی تجلی اس کے نور کا ظہور ہے اور حضرت عبداللہ بن سلام اور کعب احبار نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت سے صرف اتنی تجلی کی تھی جتنا سوئی کا ناکہ ہوتا ہے، اور السدی نے کہا: چھنگلی کے برابر۔ امام احمد اور امام ترمذی نے حضرت ہل بن سعد سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار حجابات میں سے ایک درہم کے برابر اپنے نور کو ظاہر کیا۔

جَعَلَهُ دَكَا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس پہاڑ کو مٹی کا ڈھیر بنا دیا۔ ابو بکر الہذلی نے کہا: وہ پہاڑ زمین کی تہہ میں چلا گیا۔ وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا: یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر گئے۔ وہ جمعرات کا دن اور یوم عرفہ تھا اور انہیں جمعہ کے دن تورات دی گئی اور وہ یوم غر تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صَعِقًا کی تفسیر بے ہوشی کے ساتھ کی ہے، اور قتادہ نے اس کی تفسیر موت کے ساتھ کی ہے، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر رائج ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوش میں آئے تو کہا: سُبْحَانَكَ: یعنی تیری ذات اس سے مبرہ ہے کہ کوئی تجھے دنیا میں دیکھے اور جو تجھے دنیا میں دیکھے گا، وہ مرجائے گا۔

ثُبْتُ إِلَيْكَ: یعنی میں تجھے دنیا میں دیکھنے کے سوال سے توبہ کرتا ہوں، اور ایک قول یہ ہے کہ میں تیری اجازت سے پہلے تجھ سے سوال کرنے سے توبہ کرتا ہوں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ میں اس اعتقاد سے توبہ کرتا ہوں کہ تجھے دنیا میں دیکھنا ممکن ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ توبہ سے یہاں مراد ہے: بغیر کسی بیشکلی گناہ کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔ چوتھا قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بطور تسبیح سبحان اللہ کہا جیسا کہ مسلمانوں کی عادت ہے کہ وہ اللہ کی کسی نشانی کو دیکھ کر سبحان اللہ کہتے ہیں۔

أَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ: یعنی میں سب سے پہلے اس پر ایمان لانے والا ہوں کہ تجھے دنیا میں نہیں دیکھا جاسکتا، اور مجاہد نے کہا: میں بنی اسرائیل میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔

اس آیت میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم مجھے نہیں دیکھ سکتے، اس سے معتزلہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دنیا اور آخرت میں نہیں دیکھا جاسکتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اتر کے ساتھ یہ حدیث ثابت ہے کہ مومنین اللہ تعالیٰ کو آخرت میں دیکھیں گے، نیز اہلسنت نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دکھائی دینے کو پہاڑ کے اپنی جگہ برقرار رہنے پر موقوف کیا ہے اور پہاڑ کا اپنی جگہ برقرار رہنا ممکن ہے، سو جو اس پر معلق ہو وہ بھی ممکن ہی ہو گا نہ کہ محال۔

(عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۲۵-۳۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۵۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اَرِنِ یعنی مجھے دکھا، اس کا معنی ہے: مجھے (اپنا دیدار) عطا فرما۔

اس تعلیق کو امام طبری نے از علی بن ابی طلحہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما موصولاً روایت کیا ہے۔

۳۶۳۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى النَّازِئِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَدْ لُطِمَ وَجْهُهُ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو بن یحییٰ المازنی از والد خود از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جس

رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِكَ مِنَ الْأَنْصَارِ لَطَمَ فِي وَجْهِهِ قَالَ
ادْعُوهُ فَدَعَوْهُ قَالَ لِمَ لَطَمْتُ وَجْهَهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
إِنِّي مَرَرْتُ بِالْيَهُودِ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ وَالَّذِي اصْطَفَى
مُوسَى عَلَى الْبَشَرِ فَقُلْتُ وَعَلَى مُحَمَّدٍ وَأَخَذْتُفِي
غَضَبَةً فَلَطَمْتُهُ قَالَ لَا تُخَيِّرُونِي مِنْ بَيْنِ الْأَنْبِيَاءِ فَإِنَّ
النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ
فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ فَلَا
أَدْرِي أَفَأَقَى قَبْلِي أَمْ جُزِيَ بِصَعْقَةِ الطُّورِ-

کے منہ پر تھپڑ مارا گیا تھا اور اس نے کہا: اے محمد! (ﷺ) آپ کے اصحاب میں سے ایک انصاری شخص نے میرے منہ پر تھپڑ مارا۔ آپ نے فرمایا: اس کو بلاؤ، لوگوں نے اس کو بلایا، آپ نے اس سے پوچھا: تم نے اس کے منہ پر تھپڑ کیوں مارا ہے؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں ایک یہودی کے پاس سے گزرا۔ میں نے سنا وہ کہہ رہا تھا کہ اس ذات کی قسم! جس نے موسیٰ کو تمام بشروں پر فضیلت دی، تو میں نے اس سے کہا: کیا سیدنا محمد (ﷺ) پر بھی؟ تو اس نے کہا: ہاں! محمد پر بھی، تو مجھے بہت غصہ آیا اور میں نے اسے تھپڑ مار دیا۔ آپ نے فرمایا: مجھے انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو۔ کیونکہ قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہوں گے، پس میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کے پایوں میں سے ایک پائے کو پکڑ کر کھڑے ہوں گے، پس میں از خود نہیں جانتا کہ آیا وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے تھے یا طور کی بے ہوشی کے بدلے میں ان کو یہ جزا دی گئی (پھر ان کو بے ہوش نہیں کیا گیا)۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۱۲ میں گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور کی وضاحت کی جا رہی ہے: مجھے انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو: یعنی مجھے انبیاء علیہم السلام پر اس طرح فضیلت مت دو جس سے ان کی کمی لازم آئے، یا مجھے ان پر اس طرح فضیلت مت دو جو کسی جھگڑے کا موجب ہو۔ امام ابن ابی الدنیا نے لکھا ہے کہ جس نے یہودی کو تھپڑ مارا تھا وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے اور صحیح بخاری میں ہے: ایک انصاری نے تھپڑ مارا تھا، اور یہ تعارض ہے، تاہم صحیح بخاری کی حدیث راجح ہے۔ کیونکہ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے: ظاہر یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ بے ہوشی اس وقت ہوگی جب اللہ تعالیٰ فیصلہ کرنے کے لئے ان پر تجلی فرمائے گا اور سب لوگ اس تجلی سے بے ہوش ہو جائیں گے اور یہاں صعقۃ سے مراد موت نہیں ہے۔ (عمدة القاری: ج ۲۲ ص ۳۲۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ہم نے ان پر من اور سلویٰ نازل کیا۔ (الاعراف: ۱۶۰) کی تفسیر

۳۔ بَابُ: الْمَنِّ وَالسَّلْوٰی (الاعراف: ۱۶۰)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کر دیا اور ہم نے ان پر من و سلویٰ نازل کیا۔

وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَ أَنزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّٰی وَ السَّلْوٰی (الاعراف: ۱۶۰)

۳۶۳۹۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ
التَّلِكَ عَنْ عَمْرِو بْنِ حَرْثٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ
النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْكُمَاةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءُ
الْعَيْنِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی،
انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبد الملک از عمرو
بن حرث از سعید بن زید از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: کھنسی
”من“ میں سے ہے۔ اور اس کا پانی آنکھوں کے لئے شفاء ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۸۷۴۷ میں گزر چکی ہے۔ اس حدیث میں کھنسی کے پانی میں دوا احتمال ہیں: یا تو محض اس کا
پانی شفاء ہے، یا اس کے پانی کو دواء میں ملا کر ڈالا جائے تو وہ آنکھوں کے لئے شفاء ہے۔

۴۔ بَابُ: قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ
اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ
قَامُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي
يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ
تَهْتَدُونَ ⑤ (الاعراف: ۱۵۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اے رسول مکرم!) آپ کہئے:
اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، جس
کی ملک میں تمام آسمان اور زمینیں ہیں، اس کے سوا
کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور
وہی مارتا ہے، سو تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول
پر جو نبی امی لقب ہیں، جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر
ایمان رکھتے ہیں، اور تم سب ان کی پیروی کرو تا کہ

ہدایت پاؤ ⑤ (الاعراف: ۱۵۸) کی تفسیر

علامہ بدر الدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ مذکور الصدر آیت کے تحت لکھتے ہیں:
قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ: اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور رسول محمد ﷺ سے فرماتا ہے: اے محمد! آپ کہئے: اے لوگو! یہ خطاب ہر کالے
اور گورے اور عربی اور نجی کے لئے ہے کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

میں اللہ کا رسول ہوں: یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے جو ہر چیز کا خالق ہے، رب ہے اور مالک ہے اور اسی کے قبضے میں ملک
ہے اور وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، پس اللہ پر ایمان لاؤ۔ جب اللہ نے لوگوں کو یہ بتا دیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں (ﷺ)
تو اللہ نے آپ پر ایمان لانے کا حکم دیا، اور اپنے رسول نبی امی کی اتباع کا حکم دیا، جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور کتب قدیمہ میں تم
کو بشارت دی گئی تھی کہ ان کی یہ یہ صفات ہیں۔

وَاتَّبِعُوهُ: یعنی ان کے طریقے پر چلو اور ان کے نقش قدم کی تلاش کرو تا کہ تم صراط مستقیم کی ہدایت پا جاؤ۔

(عمدة القاری: ج ۲۲ ص ۳۲۶)

۳۶۴۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ عَدِي
الرَّحْمَنِ وَمُوسَى بْنُ هَارُونَ قَالَا حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ
مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْعَلَاءِ بْنُ زُبَيْرٍ قَالَ
حَدَّثَنِي بُشَيْرُ بْنُ عُبَيْدٍ اللَّهُ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو ذَرِيْسٍ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ نے حدیث بیان کی،
انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان بن عبد الرحمن اور موسیٰ بن ہارون نے
حدیث بیان کی، ان دونوں نے کہا: ہمیں الولید بن مسلم نے
حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن العلاء بن زبر

الْخَوْلَانِ قَالَ سَبَعْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ يَقُولُ كَأَنَّهُ بَيْنَ
أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ مُحَاوَرَةً فَأَغْضَبَ أَبُو بَكْرٍ عُمَرَ فَانْصَرَفَ
عَنْهُ عُمَرُ مُغْضِبًا فَاتَّبَعَهُ أَبُو بَكْرٍ يَسْأَلُهُ أَنْ يَسْتَغْفِرَ
لَهُ فَلَمْ يَفْعَلْ حَتَّى أَغْلَقَ بَابَهُ فِي وَجْهِهِ فَأَقْبَلَ أَبُو
بَكْرٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَنَحْنُ
عِنْدَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَمَّا صَاحِبُكُمْ هَذَا
فَقَدْ غَامَرَ قَالَ وَنَدِمَ عُمَرُ عَلَى مَا كَانَ مِنْهُ فَأَقْبَلَ
حَتَّى سَلَّمَ وَجَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَقَصَّ عَلَى
رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْخَبَرَ قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَغَضِبَ
رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَأَنَا كُنْتُ أَظْلَمُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ
ﷺ هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُونَ لِصَاحِبِي هَلْ أَنْتُمْ
تَارِكُونَ لِصَاحِبِي إِنِّي قُلْتُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ
اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا فَقُلْتُمْ كَذَبْتَ وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ
صَدَقْتَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ غَامَرَ سَبَقَ بِالْخَيْرِ-

نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے بسر بن عبد اللہ نے
حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابو ادریس الخولانی نے
حدیث بیان کی: انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ
سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ
کے درمیان کچھ رنجش ہو گئی تو حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو
غضبناک کر دیا، پس حضرت عمر وہاں سے ناراض ہو کر چلے گئے،
پھر حضرت ابوبکر ان کے پیچھے گئے اور ان سے یہ سوال کیا کہ ان کو
معاف کر دیں۔ حضرت عمر نے ان کو معاف نہ کیا اور ان کے منہ
کے سامنے اپنا دروازہ بند کر لیا، پھر حضرت ابوبکر رسول اللہ ﷺ
کے پاس گئے، حضرت ابوالدرداء نے بتایا ہم اس وقت آپ کے
پاس بیٹھے ہوئے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے یہ
صاحب (یعنی حضرت ابوبکر) کسی سے لا کر آئے ہیں۔ حضرت
ابوالدرداء نے بتایا کہ حضرت عمر اپنے فعل پر نادم ہوئے، پس وہ
آئے حتیٰ کہ سلام کیا اور نبی ﷺ کے پاس بیٹھ گئے اور نبی
ﷺ کو پورا واقعہ بتایا۔ حضرت ابوالدرداء نے بتایا اور رسول
اللہ ﷺ غضبناک ہوئے اور حضرت ابوبکر کہہ رہے تھے: اللہ
کی قسم یا رسول اللہ! میں ہی ظلم کرنے والا تھا، تب رسول اللہ
ﷺ نے فرمایا: کیا تم میرے لئے میرے صاحب کو چھوڑتے
ہو؟ (پھر مکرر فرمایا:) کیا تم میرے لئے میرے صاحب
کو چھوڑتے ہو؟ میں نے کہا تھا: اے لوگو! میں تم سب کی طرف
اللہ کا رسول ہوں، تو تم لوگوں نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو، اور ابوبکر
نے کہا: آپ نے سچ فرمایا۔ امام ابو عبد اللہ نے کہا: غامر کا معنی
ہے: نیکی میں سبقت لے لینا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۶۱ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے نبی ﷺ کی تصدیق کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور حِطَّة (معاف کرنا) کہتے

۵۔ بَابُ: وَقُولُوا حِطَّةً

چاؤ۔ (الاعراف: ۱۶۱) کی تفسیر

(الاعراف: ۱۶۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان

۳۶۶۱۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا

کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی ازہام بن منبہ، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ دروازے میں جھکتے ہوئے داخل ہونا اور کہنا حِطَّة (معاف کرنا) تو ہم تمہارے لئے تمہاری خطاؤں کو معاف کر دیں گے، انہوں نے اس کو بدل دیا، پس وہ اپنی سرین پر گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور کہا: دانہ جو میں۔

مَعْمَرُ عَنْ هَئَامِ بْنِ مُنْبِهِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قِيلَ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةً نَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ فَبَدَلُوا فَادْخُلُوا يَزْحَفُونَ عَلَى أَسْتَاهِهِمْ وَقَالُوا حَبَّةٌ فِي شَعْرَةٍ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۴۰۳ میں گزر چکی ہے۔

۶۔ بَابُ: حُذِّ الْعَفْوُ وَأَمْرٌ بِالْعُرْفِ

وَأَعْرَضَ عَنِ الْجَاهِلِينَ ①

(الاعراف: ۱۹۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ عفو و درگزر کا طریقہ اختیار کیجئے، اور نیکی کا حکم دیجئے، اور جاہلوں سے اعراض کیجئے ① (الاعراف: ۱۹۹) کی تفسیر

الْعَفْوُ: معروف کا حکم دینے اور جاہلوں سے درگزر کی تفصیل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو تین چیزوں کا حکم دیا ہے: (۱) معاف کرنے کا۔ (۲) نیکی کا حکم دینے کا۔ (۳) جاہلوں سے درگزر کرنے کا۔

امام طبری نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ معاف کرنے کے حکم کا تعلق لوگوں کے اخلاق اور ان کے اعمال کے ساتھ ہے اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت صرف لوگوں کے اخلاق کے متعلق نازل کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک اور سدی نے کہا کہ حُذِّ الْعَفْوُ کا تعلق مسلمانوں کے اموال کے ساتھ ہے اور عفو کا معنی ہے: زائد چیز، یعنی لوگوں کے اموال میں سے جو چیز زائد ہے، وہ لے لیں۔ امام ابن جریر نے کہا: یہ حکم زکوٰۃ کے نازل ہونے سے پہلے تھا اور امام ابن جوزی نے کہا ہے: یہ وہ صدقہ ہے جو زکوٰۃ سے پہلے لیا جاتا تھا، پھر زکوٰۃ سے اس کا حکم منسوخ ہو گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں نبی ﷺ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ شرکین کو معاف کر دیں اور ان پر سختی نہ کریں، اور یہ حکم جہاد کی فرضیت سے پہلے تھا اور الْعُرْف کی تفسیر ابھی آرہی ہے اور یہ جو فرمایا ہے کہ جاہلوں سے اعراض کریں، تو ان جاہلوں سے ابو جہل اور اس کے اصحاب مراد ہیں۔ ابن زید نے کہا: یہ حکم بھی جہاد کی آیات سے منسوخ ہو گیا۔

الْعُرْف کا معنی ہے: الْمَعْرُوف

امام طبری نے السدی اور قتادہ سے روایت کی ہے کہ معروف میں رشتہ داروں سے میل ملاپ رکھنا، اور جو محروم ہوں، ان کو عطا کرنا اور جو ظالم ہوں، ان کو معاف کرنا یہ امور داخل ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے کہا ہے: معروف سے مراد وہ امور ہیں جو اللہ عز و جل کی اطاعت میں معروف ہیں۔ الثعلبی نے کہا ہے: ہر نیک خصلت معروف ہے۔ عطا نے کہا ہے: اس سے مراد ہے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پر ایمان لانے کا حکم دینا۔ (عمدة القاری: ج ۲ ص ۳۲۹-۳۲۸)

۴۶۴۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ
الرُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثَيْبَةَ
أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَدِمَ عُيَيْنَةُ بْنُ
حِصْنٍ بْنُ حُذَيْفَةَ فَتَنَزَلَ عَلَى ابْنِ أَخِيهِ الْحَرِ بْنِ
قَيْسٍ وَكَانَ مِنَ الثَّقَلَيْنِ الَّذِينَ يُدْنِيهِمْ عُمَرُ وَكَانَ
الْقُرَّاءُ أَصْحَابَ مَجَالِسٍ عُمَرُ وَمُشَاوَرَتِهِ كَهَوْلًا
كَانُوا أَوْ شُبَّانًا فَقَالَ عُيَيْنَةُ لِابْنِ أَخِيهِ يَا ابْنَ أَخِي
هَلْ لَكَ وَجْهٌ عِنْدَ هَذَا الْأَمِيرِ فَاسْتَأْذِنْ لِي عَلَيْهِ قَالَ
سَأَسْتَأْذِنُ لَكَ عَلَيْهِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاسْتَأْذَنْ
الْحُرَّ لِعُيَيْنَةَ فَأَذِنَ لَهُ عُمَرُ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ قَالَ هِيَ
يَا ابْنَ الْخَطَّابِ قَوَاهِ مَا تُعْطِينَا الْجَزْلَ وَلَا تَحْكُمُ
بَيْنَنَا بِالْعَدْلِ فَغَضِبَ عُمَرُ حَتَّى هَمَّ أَنْ يُوقِعَ بِهِ فَقَالَ
لَهُ الْحُرُّ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ لِنَبِيِّهِ
ﷺ ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ
الْجَاهِلِينَ﴾ (الأعراف: ۱۹۹) وَإِنَّ هَذَا مِنَ الْجَاهِلِينَ
وَاللَّهُ مَا جَاوَزَهَا عُرُجِينَ تَلَاَهَا عَلَيْهِ وَكَانَ وَفَافًا
عِنْدَ كِتَابِ اللَّهِ۔

[طرف المدیث: ۷۲۸۶]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے حدیث بیان کی، از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے خبر دی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ عیینہ بن حصن بن حذیفہ آئے تو وہ اپنے بھتیجے الحر بن قیس کے ہاں ٹھہرے اور یہ ان چند لوگوں میں سے تھے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے قریب رکھتے تھے، جو لوگ قرآن مجید کے زیادہ عالم اور قاری ہوتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ان کو زیادہ قرب حاصل ہوتا تھا اور ایسے لوگ آپ کے مشیر ہوتے تھے، خواہ وہ ادھیڑ عمر کے ہوں یا جوان ہوں۔ عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا: اے میرے بھتیجے! تمہیں اس امیر کی مجلس میں بہت قرب حاصل ہے، سو میرے لئے بھی اس مجلس میں حاضر ہونے کی اجازت لے دو، حر بن قیس نے کہا: میں آپ کے لئے عنقریب ان سے اجازت حاصل کروں گا۔ حضرت ابن عباس نے بتایا: سو انہوں نے عیینہ کے لئے بھی حاضری کی اجازت طلب کی، پس حضرت عمر نے ان کو مجلس میں حاضر ہونے کی اجازت دے دی۔ جب وہ مجلس میں پہنچے تو کہنے لگے: اے ابن خطاب! قصہ یہ ہے اللہ کی قسم! تم ہمیں نہ مال دیتے ہو اور نہ ہمارے درمیان عدل و انصاف سے فیصلہ کرتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات پر سخت غصہ آیا حتیٰ کہ انہوں نے عیینہ کو مارنے کا ارادہ کیا۔ تب حر نے کہا: اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا ہے: آپ عفو و درگزر کا طریقہ اختیار کیجئے، اور نیکی کا حکم دیجئے، اور جاہلوں سے اعراض کیجئے (الأعراف: ۱۹۹)۔ اور یہ شخص بھی جاہلوں میں سے ہے۔ اللہ کی قسم! جب حر نے یہ کہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بالکل تجاوز نہ کیا اور قرآن سن کر حضرت عمر کی یہی حالت ہوتی تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی

علامہ بدرالدین محمود بن عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

كُهُولًا: ابن فارس نے کہا: اس کا معنی ہے: جس شخص کے بال سفید ہو جائیں۔ المبرد نے کہا: جس شخص کی عمر تینتیس (۳۳)

سال ہو۔

ہی: یہ ڈانٹ ڈپٹ کا کلمہ ہے، اور دھمکانے کا کلمہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے، یعنی قصہ یہ ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اسماء افعال میں سے ہے۔ یہ اس شخص سے کہا جاتا ہے جس نے اپنے قول یا کسی کام میں زیادتی کی ہو۔
الجزل: اس کا معنی یہ ہے کہ تم ہمیں عطا و کثیر نہیں دیتے۔

وَقَافًا: یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کتاب سے بہت واقف تھے۔ جب وہ کوئی آیت سنتے تو ٹھہر جاتے اور اس کے حکم سے تجاوز نہ کرتے۔ (عمدة القاری: ج ۱۸ ص ۳۲۹)

۳۶۳۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ خُذَ الْعَفْوُ وَأُمِرَ بِالْعُرْفِ
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی، از ہشام از والد خود از حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ خذ العفو وامر بالعرف کے متعلق انہوں نے بتایا کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے صرف لوگوں کے اخلاق کے متعلق نازل کیا ہے۔

خلق کی تعریف

اخلاق خُلُق کی جمع ہے، اور خُلُق اس ملکہ یا مہارت کو کہتے ہیں جس سے افعال بغیر غور و فکر کے صادر ہوتے ہیں۔ امام جعفر الصادق نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں مکارم اخلاق کی اس سے زیادہ جامع آیت اور کوئی نہیں ہے اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ معاملہ اپنے نفس کے ساتھ ہو گا یا اپنے غیر کے ساتھ، اور ہر ایک کے متعلق اس آیت میں ہدایت ہے یا اس لئے کہ اخلاق کے اصول تین ہیں کیونکہ انسانی قوی بھی تین ہیں: عقلیہ، شہویہ اور غضبیہ اور ہر قوت کی ایک فضیلت ہے اور وہ کیفیت متوسطہ ہے اور عقلیہ کی کیفیت متوسطہ حکمت ہے، اور اسی کے ساتھ انسان نیکی کا حکم دیتا ہے اور قوت شہویہ کی کیفیت متوسطہ عفت ہے اور اسی سے انسان معاف کرتا ہے اور قوت غضبیہ کی کیفیت متوسطہ شجاعت ہے اور اسی سے انسان جاہلوں سے درگزر کرتا ہے۔

۳۶۳۴۔ وَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ بَرَّادٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ أَمَرَ اللَّهُ نَبِيَّهُ ﷺ أَنْ يَأْخُذَ بِالْعَفْوِ مِنْ أَخْلَاقِ النَّاسِ أَوْ كُنَّا قَالِ۔
اور عبد اللہ بن براد نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم دیا کہ لوگوں کے اخلاق میں سے معاف کرنے کو لے لیں یا جس طرح آپ نے فرمایا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۳۳ میں گزر چکی ہے۔

سورة الاعراف کی تفسیر یہاں پر ختم ہو گئی۔ اب ان شاء اللہ سورة الانفال کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۸۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ الْاَنْفَالِ

سورة الانفال کی تفسیر

سورة الانفال کا تعارف

سورة الانفال چار آیات کے سوا مدنی ہے اور جو چار آیات کی ہیں، وہ یہ ہیں:

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ (الانفال: ۲۲، ۵۵) وَإِذْ يَسْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا (الانفال: ۳۰) اور ایک آیت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے اور وہ یہ ہے: وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ (الانفال: ۳۳) الحصار نے اپنی کتاب ”الناسخ والمنسوخ“ میں لکھا ہے کہ یہ آیت بالاتفاق مدنی ہے۔

سورة الانفال کی پچتر (۷۵) آیات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اے رسول مکرم!) یہ آپ سے انفال (اموال غنیمت) کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہئے کہ انفال (کے حکم) کا اللہ اور اس کا رسول مالک ہیں، سو تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو۔

۱۔ بَابٌ: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ
قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ فَأَتَقُوا
اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ۔
(الانفال: ۱)

(الانفال: ۱) کی تفسیر

غنیمتوں کی تقسیم میں متعدد اقوال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

يَسْأَلُونَكَ: یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے اصحاب آپ سے ان غنیمتوں کے متعلق سوال کرتے ہیں جن غنیمتوں کو آپ نے اور آپ کے اصحاب نے غزوہ بدر میں حاصل کیا تھا کہ یہ غنیمتیں کس کے لئے ہیں؟ پس ایک قول یہ ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ انفال السایا ہیں، یعنی لشکر کے افراد کو جو مال غنیمت کے اس کے حصے سے زائد دیا جاتا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ مشرکین مسلمانوں کی طرف جو غلام یا سواری چھوڑ گئے تھے، وہ مراد ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ غنیمتوں کی تقسیم کے بعد غنیمتوں کے سامان سے جو چیز گر جائے تو وہ نفل ہے، سو وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ نفل سے مراد وہ خمس ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اہل خمس کے لئے مقرر کیا ہے۔

الحاس نے کہا ہے: اس آیت کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں اور اکثر اس پر متفق ہیں کہ یہ آیت درج ذیل آیت سے منسوخ ہے:

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ
وَاللرَّسُولِ وَلِلَّذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالسَّكِينِ وَابْنِ

السَّيْلُ۔ (الانفال: ۳۱)

لئے ہے، اور (رسول کے) قرابت داروں کے لئے ہے، اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت محکمہ ہے اور ائمہ کے لئے جائز ہے کہ وہ اس آیت پر عمل کریں، پس جس کو چاہیں نفل دیں، یعنی اس کی کارکردگی کی بناء پر اس کو مال غنیمت سے زائد حصہ دیں، جب کہ اس میں مسلمانوں کی اجتماعی مصلحت ہو۔

(عمدة القاری ج ۱۸ ج ۳۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْأَنْفَالُ الْمَغَانِمُ قَالَ قَتَادَةُ رِبْحُكُمْ الْخَرْبُ يُقَالُ نَافِلَةٌ عَطِيَّةٌ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: (الانفال: ۱) اس کا معنی ہے: غنیمتیں۔ قتادہ نے کہا: رِبْحُكُمْ (الانفال: ۳۶) اس کا معنی ہے: جنگ۔ کہا جاتا ہے کہ نائلۃ کا معنی عطیہ ہے۔

تعلیق مذکور کی شرح

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

اس تعلیق کو امام ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: ج ۵ ص ۱۶۳۹) انفال کا واحد نفل ہے، اور اس کا معنی ہے: زیادہ۔ اس لئے امام بخاری نے اس کے بعد کہا ہے کہ کہا جاتا ہے: نافلة کا معنی عطیہ ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے حلال میں زیادہ کیا، کیونکہ اس سے پہلی امتوں میں یہ حرام تھا، اسی وجہ سے فرض سے زائد رکعات کو نماز میں نفل کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ فرض سے زیادہ ہیں، اور ایک قول کے مطابق درج ذیل آیت میں نائلۃ کا معنی "زیادہ" ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً۔ (الانبیاء: ۷۲) اور ہم نے انہیں اسحاق عطا فرمائے اور (اسحاق پر) زائد یعقوب۔

اور قتادہ نے کہا: (و تذهب رِبْحُكُمْ)، اس کا معنی ہے: جنگ، اس اثر کی امام عبدالرزاق نے معمر سے روایت کی ہے۔

(تفسیر عبدالرزاق: ج ۱ ص ۲۳۸)، (التوضیح: ج ۲۲ ص ۳۷۳-۳۷۲)

۴۶۳۵۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا أَبُو بَشِيرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا سُورَةُ الْأَنْفَالِ قَالَ نَزَلَتْ فِي بَدْرٍ۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن عبدالرحیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو بشر نے خبر دی از سعید بن جبیر، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۃ الانفال کے متعلق پوچھا: تو انہوں نے کہا: یہ غزوہ بدر میں نازل ہوئی تھی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۰۲۹ میں گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور بیان کئے جا رہے ہیں:

سورۃ الانفال کے شان نزول میں متعدد اقوال

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے متعلق چند اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ بدر میں نازل ہوئی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ مسلمانوں کے تین گروہ کر دیئے گئے تھے۔ ایک گروہ وہ تھا، جو دشمن سے لڑ رہا تھا۔ دوسرا گروہ وہ تھا، جو رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کر رہا تھا تاکہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور تیسرا گروہ وہ تھا، جو غنیمتوں کو جمع کر رہا تھا پس جب لڑائی ختم ہو گئی تو

مسلمانوں نے ان غنیمتوں کے متعلق اختلاف کیا، سو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ان میں اللہ اور رسول کا حکم ہوگا اور اس آیت سے ان کی آزمائش کی گئی، پس وہ راضی ہو گئے اور انہوں نے اس حکم کو تسلیم کر لیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان غنیمتوں کا حکم بیان فرمایا: اور (اے مسلمانو!) یاد رکھو! تم جتنا بھی مال غنیمت حاصل کرو تو بے شک اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہے اور رسول کے لئے ہے، اور (رسول کے) قرابت داروں کے لئے ہے، اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ یہ تفسیر امام حاکم نے از عبادہ روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔ (المستدرک: ج ۲ ص ۱۳۵-۱۳۴)

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت ابوالیسر کے متعلق نازل ہوئی اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے۔

(الناسخ والمنسوخ ج ۲ ص ۳۶۵)

اور اکثر سے منقول ہے کہ یہ آیت محکمہ (غیر منسوخ) ہے۔ (التوضیح ج ۲ ص ۳۷۳-۳۷۲)

الشُّوْكَةُ (الانفال: ۷) الْحَدُّ مُرْدِفَيْنِ (الانفال: ۹) فَوَجَا
بَعْدَ قَوْجٍ رَدَفَيْنِ وَأَزْدَفَيْنِ جَاءَ بَعْدِي فَذَوُّوْا
(الانفال: ۳۵) بَاشِرُوا وَجَرِّبُوا وَلَيْسَ هَذَا مِنْ ذَوِّي
الْقِيَمِ قَدِيرُ كَيْفَةٍ (الانفال: ۳۷) يَجْمَعُهُ فَشَرُّهُ (الانفال: ۵۷)
فَبَاقٍ وَإِنْ جَحَّوْا (الانفال: ۶۱) طَلَبُوا السِّلْمَ
وَالسِّلْمَ وَالسَّلَامَ وَاحِدٌ يُشْخِنَ (الانفال: ۶۷) يَغْلِبُ
وَقَالَ مُجَاهِدٌ مُكَّاءٌ إِذْ خَالَ أَصَابِعِهِمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ
تَضْبِيَّةٌ (الانفال: ۳۵) الضَّيْفُ لِيُثْبِتُوكَ (الانفال: ۳۰)
لِيُخْبِتُوكَ۔

الشُّوْكَةُ (الانفال: ۷) اس کا معنی ہے: تلوار کی دھار۔ مُرْدِفَيْنِ
(الانفال: ۹) اس کا معنی ہے: فوج در فوج۔ رَدَفَيْنِ اور أَزْدَفَيْنِ کا
معنی ہے: وہ میرے بعد آیا۔ فَذَوُّوْا (الانفال: ۳۵) اس کا معنی
ہے: اس کو برداشت کرو اور تجربہ کرو اور اس سے منہ سے چکھنا مراد
نہیں۔ قَدِيرُ كَيْفَةٍ (الانفال: ۳۷) یعنی اس کو جمع کر دے۔ فَشَرُّهُ
(الانفال: ۵۷) اس کا معنی ہے: متفرق کر دیں۔ وَإِنْ جَحَّوْا
(الانفال: ۶۱) انہوں نے طلب کیا۔ سِلْمٌ، سَلَامٌ اور سَلَامٌ کا ایک ہی
معنی ہے۔ يُشْخِنَ (الانفال: ۶۷) اس کا معنی ہے: غالب ہوئے اور
مجاہد نے کہا کہ مُكَّاءٌ کا معنی ہے: اپنی انگلیوں کو اپنے منہ میں داخل
کرنا اور تَضْبِيَّةٌ (الانفال: ۳۵) کا معنی ہے: سیٹی بجانا۔ لِيُثْبِتُوكَ
(الانفال: ۳۰) اس کا معنی ہے: تاکہ وہ آپ کو قید کر لیں۔

تعلیقات مذکور کی شرح

علامہ ابن السلقن متوفی ۸۰۴ھ ان تعلیقات کی شرح میں لکھتے ہیں:

الشُّوْكَةُ الْحَدُّ۔ الشُّوْكَةُ (الانفال: ۷) اس کا معنی ہے: تلوار کی دھار۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ إِذْ يَبْعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَ
تَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشُّوْكَةِ۔ (الانفال: ۷)
اور (یاد کرو) جب اللہ نے دو گروہوں میں سے ایک (پر غلبہ) کا
تم سے وعدہ فرمایا تھا کہ یہ تمہارے لئے ہے اور تم یہ چاہتے تھے
کہ غیر مسلح گروہ (قائلہ) تمہارے ہاتھ لگے۔

علامہ ابن السلقن کہتے ہیں کہ امام بخاری نے جو شوکۃ کا معنی تلوار کی دھار کیا ہے، وہ صحیح ہے۔ (مجاز القرآن ج ۱ ص ۲۴)

مُرْدِفَيْنِ فَوَجَا بَعْدَ قَوْجٍ رَدَفَيْنِ وَأَزْدَفَيْنِ جَاءَ
بَعْدِي۔ مُرْدِفَيْنِ (الانفال: ۹) اس کا معنی ہے: فوج در فوج۔ رَدَفَيْنِ اور
أَزْدَفَيْنِ کا معنی ہے: وہ میرے بعد آیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِالْفِ
مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرَدِّفِينَ ① (الأنفال: ۹)

فرشتوں سے تمہاری مدد فرمانے والا ہوں ○

یعنی اللہ تعالیٰ ان کے پاس فرشتوں کو فوج و رفوج لایا۔ ردفت و اردفتہ اس وقت کہتے ہیں جب تم اس کے بعد آؤ۔

(کتاب الحج للفقاری ج ۲ ص ۱۲۵-۱۲۴)

امام طبری نے کہا ہے کہ اَزْدَفْتُهُ اور رَدَفْتُهُ کا ایک ہی معنی ہے۔ (تفسیر طبری ج ۶ ص ۱۹۰)

امام ابو عبید نے کہا ہے: مُرَدِّفِينَ کا لفظ اصلاً مُوْتَدَفِينَ کے معنی میں ہے، جیسا کہ سیبویہ نے کہا ہے اور السدی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ تمہاری ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کرے گا۔ (تفسیر طبری ج ۶ ص ۱۹۰) اور یہ آل عمران کے موافق ہے اور جس نے الف کے ساتھ پڑھا اور مُرَدِّفِينَ کی تفسیر ”ملائکہ کو یکے بعد دیگرے بھیجنے“ کے ساتھ نہیں کی، اس نے مُوْتَدَفِينَ ان فرشتوں کو کہا ہے جوڑنے والے تھے، اور ان کے ماسوا فرشتے ان کے پیروکار تھے۔ (الکشاف ج ۲ ص ۲۴۱)

ذُوقُوا الْعَذَابَ وَاجْزُوا وَلَيْسَ هَذَا مِنْ ذُوقِ الْقَمِ
فَلْذُوقُوا (الأنفال: ۳۵) اس کا معنی ہے: اس کو برداشت کرو اور تجربہ کرو، اور اس سے منہ سے چکھنا مراد نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلْذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ② (الأنفال: ۳۵)
علامہ عینی فرماتے ہیں: اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے:

ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ۔ (الحشر: ۱۵)
فَيَذُرُكُمْ يَجْتَعِهُ۔

فَيَذُرُكُمْ (الأنفال: ۳۷) یعنی اس کو جمع کر دے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لِيُذِرَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الظَّالِمِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ
بَعْضُهُ عَلَى بَعْضٍ فَيَذُرُكُمْ جَمِيعًا فَيَجْعَلُهُ فِي جَهَنَّمَ۔
(الأنفال: ۳۷) دوزخ میں ڈال دے۔

امام بخاری نے يَذُرُكُمْ کی تفسیر يَجْتَعِهُ کے ساتھ کی ہے، یعنی وہ ان کو اوپر تلے جمع کرتا ہے۔ اور اسی طرح امام ابن ابی حاتم نے اس کی تفسیر کی ہے، اور رُكْم کا معنی ہے: چیزوں کو اوپر تلے جمع کرنا جیسے بادل، اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کے خبیث فریق کو مومنین کے طیب فریق سے ممتاز کر دے گا، پس خبیث لوگوں کو اوپر تلے جمع کرے گا اور ان سب کو جہنم میں ڈال دے گا۔

فَشَرِّدْ (الأنفال: ۵۷) اس کا معنی ہے: متفرق کر دیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا تَثَقَّفَتْهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرَّدَهُمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ لَعَلَّهُمْ
يَكْفُرُونَ ③ (الأنفال: ۵۷)
پس اگر آپ ان کو میدان جنگ میں پائیں تو ان کو ان کے پیچھے سے بھگادیں تاکہ وہ عبرت حاصل کریں ○

امام ابو عبیدہ نے بھی اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے، اور زجاج نے کہا ہے کہ آپ ان کے ساتھ ایسا فعل کریں جو قتل کرنے، اور بھگانے کے فعل کی طرح ہو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت حسن بصری اور ضحاک اور سدی نے کہا ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: ان کو سخت سزا دیں اور ان کو قتل کریں اور ان کا خون بہائیں تاکہ ان کے علاوہ جو اور عرب میں دشمن ہیں، وہ ڈریں۔

وَإِنْ جَنَحُوا طَلَبُوا السَّلَامَ وَالسَّلَامُ وَاحِدٌ۔ وَإِنْ جَنَحُوا (الانفال: ۶۱) انہوں نے طلب کیا۔ سَلَم، سَلَم اور سلام کا ایک ہی معنی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِنْ جَنَحُوا لِسَلَامٍ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ۔ اور اگر (دشمن) صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی ان کی طرف مائل ہوں اور اللہ پر توکل کریں۔ (الانفال: ۶۱)

امام بخاری نے جَنَحُوا کی تفسیر کی ہے: وہ طلب کریں اور امام ابو عبیدہ نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے اور تفسیر میں مذکور ہے: اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی صلح کی طرف مائل ہوں اور ان سے صلح کو قبول کر لیں۔

يُشْخِنَ يَغْلِبُ۔ (الانفال: ۶۷) اس کا معنی ہے: غالب ہو جائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُفْخِنَ فِي الْأَرْضِ۔ (الانفال: ۶۷) کسی نبی کے یہ لائق نہیں کہ اس کے لئے قیدی ہوں، حتیٰ کہ وہ زمین میں (کافروں کا) اچھی طرح خون بہا دے۔

امام بخاری نے خون بہانے کی تفسیر غلبہ کے ساتھ کی ہے، کیونکہ جب کفار کا زمین پر خون بہایا جائے گا تو نبی کو زمین پر غلبہ حاصل ہوگا۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ مُكَاةٌ إِذْ خَالَ أَصَابِعِهِمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَتَضْدِيَةُ الشَّفِيرِ۔ اور مجاہد نے کہا: مُكَاةٌ (الانفال: ۳۵) اس کا معنی ہے: اپنی انگلیوں کو اپنے منہ میں داخل کرنا اور تَضْدِيَةُ کا معنی ہے: سیٹی بجانا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَضْدِيَةً۔ اور بیت اللہ کے نزدیک ان کی نماز اس کے سوا کیا تھی کہ وہ سیٹیاں (الانفال: ۳۵) اور تالیاں بجاتے تھے۔

امام بخاری نے یہ مجاہد کی تفسیر نقل کی ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: اَلْمُكَاةُ کا معنی ہے: سیٹیاں بجانا اور تَضْدِيَةُ کا معنی ہے: تالی بجانا، اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی تفسیر نقل کی ہے کہ قریش بیت اللہ کے گرد برہنہ طواف کرتے تھے، سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے۔

لِيُثْبِتُوكَ لِتُخَيِّبُوكَ۔ (الانفال: ۳۰) اس کا معنی ہے: تاکہ وہ آپ کو قید کر لیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِذْ يَبْغُوكَ الْكَلْبَيْنِ كَقَوْمٍ وَابْنِ مَرْثَدَةَ أَوْ يُثْبِتُوكَ أَوْ يُخَيِّبُوكَ۔ اور یاد کیجئے جب کافر آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے تاکہ آپ کو قید کریں یا قتل کریں یا جلاوطن کر دیں۔ (الانفال: ۳۰)

امام بخاری نے لِيُثْبِتُوكَ کی تفسیر کی ہے: تاکہ وہ آپ کو قید کر لیں۔ عطاء نے کہا ہے کہ میں نے عبید بن عمیر سے سنا، وہ

بیان کرتے ہیں کہ کفار نے نبی ﷺ کے متعلق مشورہ کیا کہ وہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو وطن سے نکال دیں۔ آپ کے چچا ابوطالب نے آپ سے پوچھا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے آپ کے متعلق کیا مشورہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ان کا ارادہ ہے کہ وہ مجھے قید کر دیں یا مجھے قتل کر دیں یا مجھے وطن سے نکال دیں۔ ابوطالب نے پوچھا: آپ کو اس کی کس نے خبر دی؟ تو آپ نے کہا: میرے رب نے۔ ابوطالب نے کہا: کیا ہی اچھا رب ہے تمہارا رب، تم اس سے خیر خواہی طلب کرو۔ آپ نے فرمایا: میں اس سے خیر خواہی طلب کروں، بلکہ وہ میری خود خیر خواہی کرتا ہے۔ اس حدیث کی ابن جریج نے بھی عبید بن عمیر سے روایت کی ہے، اور حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ابوطالب کا ذکر بہت عجیب ہے، بلکہ منکر ہے، کیونکہ یہ آیت مدنی ہے اور قریش نے جو یہ مشورہ کیا تھا کہ آپ کو قید کیا جائے یا قتل کیا جائے یا بے وطن کیا جائے، یہ ہجرت کا واقعہ ہے اور یہ ابوطالب کی موت کے تین سال بعد کا واقعہ ہے جب کفار قریش اس پر قادر ہوئے کہ آپ کے خلاف یہ اقدام کریں، کیونکہ آپ کے چچا ابوطالب فوت ہو چکے تھے جو آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کی نصرت کرتے تھے اور آپ کی مدافعت کرتے تھے۔

نوٹ: ان تعلیقات کی شرح التوضیح: ج ۲۲ ص ۷۴-۷۵ اور عمدۃ القاری: ج ۱۸ ص ۳۳۵-۳۳۶ سے لی گئی ہے۔

۲۔ بَابُ: اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ
اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک اللہ کے نزدیک بدترین
جاندار وہ لوگ ہیں جو بہرے، گونگے ہیں جو عقل سے
کام نہیں لیتے ○ (الانفال: ۲۲) کی تفسیر

جنب سے بدترین جاندار کے مصداق میں متعدد اقوال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اپنے الفاظ کے عموم کے اعتبار سے تمام مشرکین کو شامل ہے اگرچہ اس کا شان نزول مجاہد کی تفسیر کے مطابق بنو عبد الدار کے قریش کے ساتھ خاص ہے، اور محمد بن اسحاق نے کہا: اس آیت کا مصداق منافقین ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ بنو آدم کی یہ قسم بدترین مخلوق ہے۔ پس فرمایا کہ سب سے بدترین جاندار وہ ہیں جو حق کو سننے سے بہرے ہیں، اور حق کو سمجھنے سے قاصر ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ بے عقل ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو جانوروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ پس فرمایا:

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلَّوْهُمْ اَصْلٌ۔ (الاعراف: ۱۷۹)

وہ جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے زیادہ گم راہ ہیں۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث

۴۶۳۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ورقاء نے حدیث بیان کی، از ابن

عَبْنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّ شَرَّ

نَجْحٍ از مجاہد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ

الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ قَالَ

کے نزدیک سب سے بدترین جاندار وہ ہیں جو بہرے ہیں اور

لَهُمْ نَفْسٌ مِّنْ بَنِيْ عَادٍ الدَّارِ۔

گونگے ہیں اور عقل نہیں رکھتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے

بتایا کہ وہ بنو عبد الدار کی ایک جماعت ہے۔

حدیث کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں۔

۳۔ بَابُ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا
لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَ
اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ
وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۳﴾
(الأنفال: ۲۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے ایمان والو! اللہ اور رسول
کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو جب رسول تمہیں اس چیز
کی طرف بلائیں جو تمہارے لئے حیات آفریں
ہو، اور یقین رکھو کہ انسان اور اس کے دل کے درمیان
اللہ حائل ہے اور بے شک تم اسی کی طرف اکٹھے کئے
جاؤ گے ○ (الأنفال: ۲۳) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
إِذَا دَعَاكُمْ: یعنی جب تم کو طلب کریں یا تم کو بلائیں۔

اللہ تعالیٰ مرد اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ مومن اور اس
کے کفر کے درمیان اور کافر اور اس کے ایمان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کی حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کی
ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور امام بخاری اور مسلم نے اس کی روایت نہیں کی ہے۔
مجاہد سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ مرد اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کو اس حال میں چھوڑ دیتا ہے
کہ وہ غور و فکر نہیں کرتا اور السدی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، پس وہ اس کی
اجازت کے بغیر ایمان لا سکتا ہے اور نہ کفر کر سکتا ہے۔

اسْتَجِيبُوا کا معنی ہے: اُجیبُوا یعنی اس چیز کو قبول کرو جو تمہیں دائمی زندگی دے گی اور تمہاری اصلاح کرے گی۔

امام ابو عبیدہ نے بھی یہی کہا ہے کہ یہاں اسْتَجِيبُوا کے معنی میں ہے، یعنی یہاں پر باب استفعال طلب کے معنی
میں نہیں ہے۔ قتادہ نے کہا: جو چیز تمہیں دائمی زندگی دے گی اور تمہاری اصلاح کرے گی، وہ قرآن ہے جس میں نجات ہے، بقاء
ہے اور حیات ہے۔ عروہ بن زبیر نے کہا ہے: وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلاتا ہے جو تمہیں دائمی زندگی دے گی، اس سے مراد جہاد
ہے جس نے تمہیں ذلت کے بعد عزت دی ہے اور ضعف کے بعد قوت دی ہے اور دشمن کو تم سے دور کر دیا ہے جب کہ وہ اپنے قہر سے

تم پر حاوی ہو رہا تھا۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۳۶-۳۳۵)

۴۵۴۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ
عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ سَمِعْتُ حَفْصَ بْنَ عَاصِمٍ
يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ بْنِ الْمَعْلَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ
كُنْتُ أَصْلَى فَمَرَّبَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَدَعَانِي فَلَمْ
آتِهِ حَتَّى صَلَّيْتُ ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَأْتِيَ
أَنَّم يَقُلُ اللَّهُ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ
وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾ (الأنفال: ۲۳) ثُمَّ قَالَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی،
انہوں نے کہا: ہمیں روح نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے
حدیث بیان کی از خبیب بن عبد الرحمن، وہ بیان کرتے ہیں: میں
نے حفص بن عاصم سے سنا، وہ حدیث بیان کرتے ہیں از حضرت
ابی سعید بن المعالی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا
پس میرے پاس سے رسول اللہ ﷺ گزرے تو آپ نے مجھے
بلایا، پس میں آپ کے پاس نہ آیا حتیٰ کہ میں نے نماز پڑھ لی، پھر

لَاُعَلِّمَنَّكَ أَكْثَرَ سُوْرَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ أُخْرِجَ
قَدْ هَبَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لِيُخْرِجَ قَدْ كَثُرَتْ لَهُ۔

میں آپ کے پاس آیا، پس آپ نے فرمایا: تمہیں میرے پاس
آنے سے کس چیز نے روکا؟ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: اے
ایمان والو! اللہ اور رسول کے بلانے پر (فورا) حاضر ہو جب تمہیں
رسول بلائیں۔ (الانفال: ۲۳) پھر آپ نے فرمایا: میں تمہیں جانے
سے پہلے ضرور قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت کی تعلیم دوں گا،
پھر رسول اللہ ﷺ جانے لگے، پھر میں نے آپ کو یاد دلایا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۷۴۷ میں گزر چکی ہے۔

وَقَالَ مُعَاذٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ
الرَّحْمَنِ سَبْعَ حَفَظًا سَبْعَ أَبَا سَعِيدٍ رَجُلًا مِنْ
أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ بِهَذَا وَقَالَ هِيَ الْخَنْدُ لِلَّهِ
رَبِّ الْعَالَمِينَ، السَّبْعُ الْمِثْنَانِ۔
اور معاذ نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، از خبیب بن
عبدالرحمن انہوں نے حفص سے سنا، انہوں نے حضرت ابوسعید
سے سنا جو نبی ﷺ کے اصحاب میں سے ایک مرد تھے، یعنی
اسی حدیث کو اور آپ نے فرمایا: وہ الحمد لله رب العالمین
ہے اور السبع المِثْنَانِ ہے۔

سورۃ فاتحہ کے سب سے عظیم ہونے کی توجیہ اور اس کے السبع المِثْنَانِ ہونے کا معنی

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں سورۃ الفاتحہ کو سب سے عظیم سورت فرمایا ہے، یعنی اس کی قراءت کا ثواب سب سے
زیادہ ہے کیونکہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بھی ہے اور اس سے سوال اور دعاء بھی ہے۔

اس حدیث میں آپ نے سورۃ فاتحہ کو السبع المِثْنَانِ فرمایا ہے۔ السبع اس لئے فرمایا ہے کہ اس میں سات آیات ہیں اور مِثْنَانِ
اس لئے فرمایا ہے کہ یہ تثنیہ سے ماخوذ ہے اور تثنیہ کے معنی میں تکرار ہے یا پھر ثناء سے ماخوذ ہے کیونکہ یہ سورت اللہ تعالیٰ کی ثناء پر
مشتمل ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۳۷-۳۳۶)

۴۔ بَابُ: وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ
الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارَةً مِنَ
السَّمَاءِ أَوْ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ (الانفال: ۳۲)
اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور (یاد کیجئے) جب انہوں نے
کہا: اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری جانب سے حق
ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا ہم پر (کوئی دوسرا)
دردناک عذاب لے آ ۝ (الانفال: ۳۲) کی تفسیر

کفار کے طلب عذاب کی دعا کے باوجود ان پر عذاب نازل نہ فرمانے کی توجیہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ کہنے والے کفار قریش تھے جیسے النضر بن الحارث اور ابو جہل اور ان کے مشابہ دوسرے کافر اور جاہل جو اپنے کثرت جہل
اور سرکشی اور اپنے عناد اور اپنی تکذیب کی شدت کی وجہ سے یہ کہتے تھے کہ اگر یہ قرآن برحق ہے یا آپ کی نبوت برحق ہے تو
ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسائیں اور یہ بات انہوں نے اس وجہ سے کہی تھی کہ ان کے دلوں میں آپ کی نبوت اور قرآن مجید

کے مُنْزَل من اللہ ہونے کے متعلق شبہ جز پکڑ چکا تھا اور اگر انہیں اپنے شبہ کے باطل ہونے کا پتا ہوتا تو وہ یہ بات نہ کہتے کیونکہ انہیں علم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے، پس انہوں نے پتھروں کے برسانے کو طلب کیا، کیونکہ ان کے خیال میں نبی ﷺ کی تکذیب کے لئے یہ بہت بڑی دلیل تھی۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مطالبے کو پورا نہیں کیا۔ اولاً، اس وجہ سے کہ جب تک آپ کافروں کے درمیان موجود تھے تو اللہ تعالیٰ کی شان سے یہ بعید تھا کہ وہ رحمۃ للعالمین کے ہوتے ہوئے ان پر آسمانی عذاب نازل فرماتا۔ ثانیاً، اس لئے کہ اگر آسمان سے پتھر برس جاتے تو پھر نبی ﷺ کی نبوت اور قرآن مجید کی حقانیت بالکل بدیہی ہو جاتی اور اس میں عقل انسانی کے امتحان کے لئے کوئی گنجائش نہ رہتی اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔

ابن عیینہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مَطَرٌ صرف عذاب کو فرمایا ہے اور عرب مطر بارش کو کہتے ہیں، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَهُوَ الَّذِي يُنْزِلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَضَوْا۔

(الشوری: ۲۸) فرماتا ہے۔

ابن عیینہ کے اس قول پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں مطر کا لفظ بارش کے معنی میں بھی آیا ہے جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے:

إِنْ كَانَ يَكُفُّمْ أَدَىٰ مِنْ مَّطَرٍ۔ (النساء: ۱۰۴)

ان کو بارش کی وجہ سے یہ تکلیف تھی کہ ان کے بدن اور کپڑے بارش کی وجہ سے بھیگ گئے تھے۔

جوہری نے کہا ہے کہ لوگ کہتے ہیں: مطرت السماء امطرت یعنی آسمان سے بارش ہوئی۔

امام ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ جب عذاب کا معنی ہو تو اَمِطْرٌ ہوتا ہے اور جب رحمت کا معنی ہو تو مَطَرٌ ہوتا ہے۔

۴۶۳۸۔ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبُو حُدَّيْجَةَ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ هُوَ ابْنُ كُرْدَيْبٍ صَاحِبُ الزِّيَادَةِ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَبُو جَهْلٍ اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمِطْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوْ انْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ فَنَزَلَتْ ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ ۝ وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (الأنفال: ۳۳-۳۴) الآية

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے احمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن معاذ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبد الحمید اور وہ ابن کرید ہیں جو زیادہ کے صاحب ہیں، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابو جہل نے کہا: اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا، یا ہم پر دردناک عذاب لے آ، تو یہ آیت نازل ہوئی: اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ انہیں عذاب دے جب کہ آپ ان میں موجود ہوں اور نہ اللہ (اس وقت) انہیں عذاب دینے والا ہے جب کہ یہ استغفار کر رہے ہوں۔ اور اللہ انہیں کیوں عذاب نہیں دے گا حالانکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں۔ (الأنفال: ۳۳-۳۴)

احمد بن النضر کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں احمد کا ذکر ہے اور ان کی کسی کی طرف نسبت نہیں ہے۔ حاکم ابو عبد اللہ نے کہا ہے کہ وہ احمد بن النضر بن عبد الوہاب نیشاپوری ہیں اور حافظ مزنی نے بھی کہا ہے کہ وہ احمد بن نضر ہیں جو محمد کے بھائی ہیں۔

علامہ عینی کہتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس حدیث کے بعد امام بخاری کی روایت میں از محمد بن نضر آ رہا ہے اور یہ دونوں امام بخاری کے تلامذہ میں سے ہیں، اگرچہ یہ امام بخاری کے بعض شیوخ میں شریک ہیں اور ان دونوں کی صحیح بخاری میں صرف اسی جگہ روایت ہے اور ان کے شیخ عبید اللہ بن معاذ اپنے والد معاذ بن حصان ابو عمر العنبر ی النخعی البصری سے روایت کرتے ہیں اور عبد الحمید بن یونس البصری سے روایت کرتے ہیں اور عمرو بن علی نے کہا: وہ عبد الحمید بن واصل ہیں اور وہ کسن تابعی ہیں۔ اور ہمارے بعض نسخوں میں عبد الحمید بن کردید مذکور ہے اور میں نے نہیں دیکھا کہ ان کا کسی نے ذکر کیا ہو اور میں اس کی صحت کا التزام نہیں کرتا اور ان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ زیادہ کی صاحب ہیں اور زیادہ کی زیادہ بن ابوسفیان کی طرف نسبت ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۳۸)

ابو جہل کا تذکرہ اور علامہ عینی کا علامہ عسقلانی پر تعاقب کرنا

ابو جہل کا نام عمرو بن ہشام المخزومی ہے اور ظاہر عبارت کا یہ تقاضا ہے کہ ابو جہل نے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسسا۔ اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ یہ دعا کرنے والا النضر بن الحارث تھا۔ اسی طرح مجاہد، عطاء اور السدی نے کہا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں نے یہ دعا کی ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ اس دعا کی ابو جہل کی طرف نسبت کرنا زیادہ لائق ہے اور قنادہ سے روایت ہے کہ یہ دعا اس نے کی ہے جو اس امت میں سب سے بڑا جاہل ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۵۹۷)

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس دعوے پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ زیادہ اولیٰ یہ ہے کہ یہ دعا ابو جہل نے کی تھی بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ النضر بن الحارث کی طرف اس دعا کی نسبت کرنا زیادہ لائق ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ النضر بن الحارث فارس کے شہروں میں جاتا تھا اور وہاں کے بادشاہوں کی خبریں معلوم کر کے آتا تھا اور رستم اور اسفندیار کی خبریں حاصل کر کے آتا تھا اور جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے اور آپ لوگوں کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی مجلس سے اٹھتے تو النضر بھی وہیں آپ کی جگہ جا کر بیٹھ جاتا اور پھر لوگوں کو فارس میں سنے ہوئے قصے سناتا، پھر لوگوں سے پوچھتا: بتاؤ کون عمدہ قصے سناتا ہے، میں یا محمد؟ یہی وجہ ہے کہ جب غزوہ بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر قادر کیا اور وہ قیدیوں میں گرفتار ہو کر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ آپ کے سامنے اس کو باندھ کر اس کی گردن ازادی جائے، سو ایسا کیا گیا اور جس نے اس کو گرفتار کیا تھا، وہ حضرت المقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ تھے۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۳۸)

کفار قریش پر عذاب نازل نہ کرنے کی وجوہ

جب ان کافروں نے یہ دعا کی تو پھر وہ اس پر نادم ہوئے اور کہا: اے اللہ تو ہمیں معاف کر دے، تو یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا الَّذِينَ يَدْعُواكُم إِلَى الْكُفْرِ ۚ يَدْعُواكُم إِلَى عَذَابٍ أَلِيمٍ ۚ وَمَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَهْدِيَ الْقَوْمَ الضَّالِّينَ ۚ

مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿٣٣﴾ (الانفال: ۳۳)

میں موجود ہوں اور نہ اللہ (اس وقت) انہیں عذاب دینے والا ہے جب کہ یہ استغفار کر رہے ہوں O

علی بن ابی طلحہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی قوم کو اس وقت عذاب دے جب اس قوم میں انبیاء بھی موجود ہوں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان نبیوں کو اس قوم کے درمیان سے نکال لیتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اہل مکہ کے لئے دو امانیں تھیں: ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں تشریف فرما ہونا اور دوسرا ان کا استغفار کرنا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے تو تشریف لے گئے اور ان کا استغفار کرنا باقی رہا۔

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ ابن ابی ہریرہ سے روایت کی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ انہیں (مشرکین کو) عذاب دے جبکہ آپ ان میں تشریف فرما ہوں۔ امام ابن جریر نے بیان کیا: پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ”اور نہ اللہ (اس وقت) انہیں عذاب دینے والا ہے جبکہ یہ استغفار کر رہے ہوں“ اور اس وقت باقی مسلمان اپنے ضعف کی وجہ سے مکہ میں ہی رہ رہے تھے اور جب وہ بھی ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ”اور اللہ انہیں کیوں عذاب نہیں دے گا حالانکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں۔“

مسجد حرام کے متولی صرف مسلمان ہیں

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے: ”اور نہ اللہ (اس وقت) انہیں عذاب دینے والا ہے جب کہ یہ استغفار کر رہے ہوں“ پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے عموم سے مشرکین کا استثناء کر لیا اور فرمایا: ”اور اللہ! انہیں کیوں عذاب نہیں دے گا حالانکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں۔“ (الانفال: ۳۳) یعنی وہ مومنین کو مسجد حرام میں جانے سے روکتے ہیں حالانکہ وہ مسجد حرام میں نماز پڑھنے اور اس میں طواف کرنے کے اہل ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَ ؕ إِنْ أَوْلِيَاءُ ۖ إِلَّا الَّذِينَ يُشْفِقُونَ۔ اور وہ (مشرکین) اس (مسجد حرام) کے متولی نہیں ہیں، اس کے متولی تو صرف متقی مسلمان ہی ہوتے ہیں۔ (الانفال: ۳۳)

عروہ، السدی اور محمد بن اسحاق نے کہا: وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم ہیں۔ مجاہد نے کہا: اس کے متولی متقی مسلمان ہیں، خواہ وہ کہیں بھی ہوں۔

۵۔ بَابُ: وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿٣٣﴾ (الانفال: ۳۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ انہیں عذاب دے جب کہ آپ ان میں موجود ہوں اور نہ اللہ (اس وقت) انہیں عذاب دینے والا ہے جب کہ یہ استغفار کر رہے ہوں O (الانفال: ۳۳) کی تفسیر

اس باب کے تکرار پر علامہ عینی کا اعتراض

اس باب میں جو آیت ذکر کی ہے اور اس کی تفسیر میں جو حدیث ذکر کی ہے، وہ بعینہ باب سابق میں گزر چکی ہے، تاہم یہ فرق ہے کہ باب سابق میں یہ حدیث احمد بن النضر سے مروی تھی اور اس باب میں یہ حدیث ان کے بھائی محمد بن النضر سے مروی ہے

ورنہ یہ تکرار بلا فائدہ ہے۔

۴۶۴۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ النَّضْرِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ صَاحِبِ الزِّيَادَةِ سَبْعَ أَنْسَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ أَبُو جَهْلٍ اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمِضْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوْ اثْبِتْنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ فَتَزَكَّتْ ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ ۝ وَمَا لَهُمْ إِلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴿الأنفال: ۳۳-۳۴﴾ الآية۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن النضر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن معاذ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، از عبد الحمید جو صاحب الزیادی ہیں، انہوں نے حضرت انس بن مالک بن ابی شیبہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابو جہل نے کہا: اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسسا، یا ہم پر دردناک عذاب لے آ۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ انہیں عذاب دے جب کہ آپ ان میں موجود ہوں اور نہ اللہ (اس وقت) انہیں عذاب دینے والا ہے جب کہ یہ استغفار کر رہے ہوں O اور اللہ انہیں کیوں عذاب نہیں دے گا حالانکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں۔ (الأنفال: ۳۳-۳۴)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۶۴۸ (حدیث سابق) میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کئے جا رہے ہیں:

الأنفال: ۳۳-۳۴ کی متعدد تفسیریں

علامہ محمد بن علی ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

مقاتل نے بیان کیا: جب النضر بن الحارث نے کہا: (سیدنا) محمد (ﷺ) تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں سناتے ہیں تو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ سے ڈر، سیدنا محمد (ﷺ) تو صرف حق بات کہتے ہیں اور میں بھی حق بات کہہ رہا ہوں، کیونکہ سیدنا محمد (ﷺ) کہتے ہیں: لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی عبادت کے مستحق نہیں ہے)، النضر بن الحارث نے کہا: میں بھی یہی کہتا ہوں، لیکن میں کہتا ہوں کہ فرشتے رحمان کی بیٹیاں ہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی:

قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَبْدِينَ ﴿الزخرف: ۸۱﴾ آپ کیسے کہ اگر (بالفرض) رحمن کی اولاد ہو تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرنے والوں میں سے ہوں O

پس انہوں نے کہا کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) نے سچ فرمایا ہے۔ تب الولید بن المغیرہ نے کہا، اور وہ بہت فصیح تھا: نہیں اللہ کی قسم! انہوں نے تم سے سچ نہیں کہا، پھر النضر نے کہا: اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو تو ہم پر پتھر برسسا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ انہیں عذاب دے، جب کہ آپ ان میں موجود ہوں اور نہ اللہ (اس وقت) انہیں عذاب دینے والا ہے جب کہ یہ استغفار کر رہے ہوں O (الأنفال: ۳۳) یعنی جب وہ نماز پڑھ رہے ہوں، پھر بنو عبد الدار کی ایک جماعت نے کہا: ہم وہ لوگ ہیں جو بیت اللہ کے پاس نماز پڑھتے ہیں تو اللہ ہمیں عذاب دینے والا نہیں ہے، جب کہ ہم نماز پڑھتے ہیں، پس یہ آیت نازل ہوئی: اور اللہ انہیں کیوں عذاب نہیں دے گا حالانکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں۔ (الأنفال: ۳۳) کیونکہ ان کے درمیان کوئی نبی تھا نہ مومن اور وہ مومنین کو مسجد حرام سے روکتے تھے۔

اور الواحدی نے نقل کیا ہے کہ (الانفال: ۳۳) کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ ان مشرکین کو عذاب نہیں دے گا جب کہ انبیاء علیہم السلام ان کے درمیان موجود ہیں۔ (تفسیر البیضا، الانفال: ۳۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس بستی پر بھی عذاب نازل کیا تو انبیاء علیہم السلام اور مومنین کو اس بستی سے نکال لیا اور اسی کے ساتھ یہ آیت ملی ہوئی ہے: اور نہ اللہ اس وقت انہیں عذاب دینے والا ہے جب یہ استغفار کر رہے ہوں، یعنی اللہ ان کفار کو اس وقت عذاب دینے والا نہیں ہے جب ان میں مومنین ہوں اور وہ استغفار کر رہے ہوں۔ (تفسیر طبری ج ۶ ص ۲۳۳)

ایک قول یہ ہے کہ جن کفار کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم سابق یہ تھا کہ وہ ایمان لے آئیں گے جیسے ابوسفیان بن حرب اور ابوسفیان بن الحارث بن عبد المطلب اور الحارث بن ہشام اور حکیم بن حزام اور ایک جماعت۔ یہ قول الزجاج کا مختار ہے۔

(معانی القرآن ج ۲ ص ۳۱۲)

اس آیت میں عذاب سے مراد ایسا عذاب ہے جو ان کافروں کو نیست و نابود کر دے، پھر اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے مشرکین کا ذکر کیا کہ وہ ان کو تلوار سے عذاب دینے والا ہے، اور اللہ انہیں کیوں عذاب نہیں دے گا یعنی تلوار سے، حالانکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں، یعنی مومنین کو بیت اللہ میں طواف کرنے سے روکتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء نہیں ہیں۔ یہ اس لیے فرمایا کہ مشرکین نے کہا تھا کہ ہم اللہ کے اولیاء ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا اور فرمایا:

إِنْ أَوْلِيَاءُ إِلَّا الْمُنَافِقُونَ۔ (الانفال: ۳۳)

اللہ کے اولیاء تو صرف منافقین ہیں۔

(تفسیر البیضا ج ۲ ص ۳۵۸-۳۵۷)

الحاس نے کہا: یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے: اور اللہ انہیں کیوں عذاب نہیں دے گا۔ (الانفال: ۳۳)

اور تمام علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت محکمہ ہے۔ (الناخ والسنوخ: ج ۲ ص ۳۸۱)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲ ص ۳۸۵-۳۸۳، وزارة الاوقاف، قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۔ بَابُ: وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ۔ (الانفال: ۳۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور تم ان کے خلاف جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ کفر (کا غلبہ) نہ رہے اور پورا دین (صرف) اللہ کے لئے ہو جائے۔ (الانفال: ۳۹) کی تفسیر

فتنہ کا مصداق شرک ہے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے مومنین کو کفار سے قتال کرنے کا حکم دیا ہے حتیٰ کہ فتنہ نہ رہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: حتیٰ کہ شرک نہ رہے، یعنی فتنہ سے مراد شرک ہے۔ ابوالعالیہ، مجاہد، حسن بصری، قتادہ، ربیع بن انس، سدی، مقاتل بن حیان اور زید بن اسلم نے بھی اسی طرح اس آیت کی تفسیر کی ہے اور عروہ بن زبیر وغیرہ نے کہا: حتیٰ کہ کسی مسلمان کو اس کے دین کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا نہ کیا جائے۔

اور پورا دین (صرف) اللہ کے لئے ہو جائے یعنی توحید خالص اللہ کے لئے ہو جائے۔ حضرت حسن بصری، قتادہ اور ابن جریج نے کہا کہ وہ لا الہ الا اللہ کہے اور محمد بن اسحاق نے کہا: توحید خالص اللہ کے لئے ہو اور اس میں شرک نہ ہو اور اللہ کے سوا جو اس نے

شرکاء بنار کھے تھے، ان سب کو چھوڑ دے۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۳۰)

۳۶۵۰۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا حَيُّوَةُ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ بُكَيْرٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَجُلًا جَاءَهُ فَقَالَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَلَا تَسْمَعُ مَا ذَكَرَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ ﴿وَإِنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا﴾ (الحجرات: ۹) إِلَى آخِرِ الْآيَةِ فَمَا يَسْنَعُكَ أَنْ لَا تُقَاتِلَ كَمَا ذَكَرَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ فَقَالَ يَا ابْنَ أَخِي أَعْتَذِرُ بِهَذِهِ الْآيَةِ وَلَا أُقَاتِلُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَعْتَذِرُ بِهَذِهِ الْآيَةِ الَّتِي يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا (النساء: ۹۳) إِلَى آخِرِهَا قَالَ فَإِنَّ اللَّهَ يَقُولُ ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾ (الأنفال: ۳۹) قَالَ ابْنُ عُمَرَ قَدْ فَعَلْنَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِذَا كَانَ الْإِسْلَامُ قَلِيلًا فَكَانَ الرَّجُلُ يُفْتَنُ فِي دِينِهِ إِمَّا يَقْتُلُونَهُ وَإِمَّا يُوثَقُونَهُ حَتَّى كَثُرَ الْإِسْلَامُ قَدَمٌ تَكُنْ فِتْنَةً فَلَمَّا رَأَى أَنَّهُ لَا يُوَافِقُهُ فِيمَا يُرِيدُ قَالَ فَمَا قَوْلُكَ فِي عَلِيٍّ وَعُثْمَانَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ مَا قَوْلِي فِي عَلِيٍّ وَعُثْمَانَ أَمَّا عُثْمَانُ فَكَانَ اللَّهُ قَدْ عَفَا عَنْهُ فَكُفِّرْتُمْ أَنْ يَغْفُو عَنْهُ وَأَمَّا عَلِيٌّ فَأَبْنُ عَمِّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَخَتَنُهُ وَأَشَارَ بِيَدِهِ وَهَذِهِ ابْنَتُهُ أَوْ بِنْتُهُ حَيْثُ تَرَوْنَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حسن بن عبدالعزیز نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حیوۃ نے حدیث بیان کی از بکر بن عمرو از بکیر از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، کہ ان کے پاس ایک (خارجی) مرد آیا، پس اس نے کہا اے عبدالرحمن! کیا آپ اللہ کی کتاب میں اس آیت کا ذکر نہیں سنتے: اور اگر ایمان والوں کی دو جماعتیں آپس میں قتال کریں (الحجرات: ۹) آخر آیت تک، پھر آپ کو اس طرح قتال کرنے سے کیا چیز مانع ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے، تو حضرت ابن عمر نے کہا: اے میرے بھتیجے! میں اس آیت میں تاویل کرتا ہوں اور قتال نہیں کرتا اور میرے نزدیک یہ تاویل اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اس آیت میں تاویل کروں جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور جو کوئی کسی مسلمان کو قصد قتل کرے تو اس کا بدلہ دوزخ ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ آخر آیت تک۔ اس خارجی نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور تم ان کے خلاف جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ کفر (کا غلبہ) نہ رہے۔ (الأنفال: ۳۹) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اس پر عمل کیا ہے جب مسلمانوں کی تعداد کم تھی، پس آدمی کی اس کے دین میں آزمائش کی جاتی تھی، پس مشرکین یا تو اس کو قتل کر دیتے یا اس کو قید کر دیتے حتیٰ کہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی، پس فتنہ نہ رہا، جب اس خارجی نے دیکھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کے ارادے کی موافقت نہیں کرتے تو اس نے کہا: اچھا تو آپ علی رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق میرا قول یہی ہے کہ رہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا اور تم ان کی معافی کو ناپسند کرتے ہو، اور رہے حضرت علی رضی اللہ عنہ تو وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں اور ان کے داماد ہیں، پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور کہا: یہ ان کی صاحبزادی ہیں

اور یہ ان کا گھر ہے جہاں تم دیکھ رہے ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۱۳۰ میں گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور بیان کئے جا رہے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مسلمانوں کی آپس کی لڑائیوں سے الگ رہنا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متونی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک مرد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا: اس مرد کا نام حبان تھا۔ یہ امام سعید بن منصور کا قول ہے اور ابو بکر نجار نے کہا: اس کا نام یثیم بن حنش تھا اور احمد بن یونس سے روایت ہے: وہ ایک شخص تھا جس کو حکیم کہا جاتا تھا اور ایک قول ہے: اس کو نافع بن اذرق کہا جاتا تھا۔ اس مرد نے کہا: تم کو قتال کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟ اس جملہ میں ”أَلَّا تَقَاتِلَ“ مذکور ہے مگر اس میں لازماً ہے جیسے مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ (الاعراف: ۱۲) میں لازماً ہے۔ اور مسلمانوں میں جو آپس کی لڑائیاں ہوئی تھیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ان میں سے کسی لڑائی میں شریک نہ ہوئے تھے نہ جنگ صفین میں، نہ جنگ جمل میں اور نہ اس جنگ میں جب حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا تھا اور نہ کسی اور جنگ میں۔

أَعْتَذَرُ بِإِغْتِرَازٍ مِّنْ مَّا خُوِذَ بِهِ، یعنی الحجرات: ۹ میں تاویل کرنا میرے نزدیک النساء: ۹۳ میں تاویل کرنے سے زیادہ محبوب ہے، کیونکہ اس آیت میں سخت تغلیظ ہے اور بہت بڑی تہدید ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اس سائل کا اعتقاد یہ تھا کہ جس امام کی اطاعت کا وہ معتقد ہے، جو شخص اس امام کی مخالفت کرے اس کے خلاف لڑنا ضروری ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ نظریہ تھا کہ جو لڑائیاں حکومت اور ملک کو حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہیں، ان لڑائیوں میں حصہ نہیں لینا چاہئے اور ان کو ترک کر دینا چاہئے، اور ظاہر یہ ہے کہ وہ سائل خوارج میں سے تھا، کیونکہ خوارج حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے تو محبت کرتے تھے اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خطا پر قرار دیتے تھے، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان دونوں کے مناقب ذکر کئے اور یہ بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان دونوں کا بہت بڑا مرتبہ تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو غزوہ احد میں بھگدڑ کی وجہ سے بھاگے تھے اور غزوہ بدر اور بیت رضوان سے جو غائب رہے تھے، اس قصے میں ان کا عذر بیان کیا۔

یہ ان کی صاحبزادی ہیں اور یہ ان کا گھر ہے: راجح یہ ہے کہ روایت میں گھر کا ذکر ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۴۱-۳۴۰ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زبیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بیان نے حدیث بیان کی کہ ان کو ویرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن جبیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمارے پاس یا ہماری طرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما آئے تو ایک (خارجی) مرد نے پوچھا کہ قتال فتنہ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ قتال فتنہ کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین سے قتال کرتے تھے اور ان مشرکین پر داخل ہونا فتنہ تھا اور وہ قتال

۴۶۵۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا
بِشَارٌ أَنَّ وَهْرَةَ حَدَّثَهُ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ
قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا أَوْ إِيَّا ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ رَجُلٌ كَيْفَ
تَرَى فِي قِتَالِ الْفِتْنَةِ فَقَالَ وَهَلْ تَذَرِي مَا الْفِتْنَةُ
كَانَ مُحَمَّدٌ ﷺ يُقَاتِلُ الْمُشْرِكِينَ وَكَانَ
الدُّخُولُ عَلَيْهِمْ فِتْنَةً وَلَيْسَ كَهَاتَاكُمْ عَلَى الْمَلِكِ۔

ایسا نہیں تھا جیسا تم ملک کے حصول کے لئے جنگ کرتے ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۱۳۰ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے نبی (مکرم!) مومنین کو قتال پر براہیختہ کیجئے، اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دوسو پر غالب آ جائیں گے، اور اگر تم میں ایک سو (صبر کرنے والے) ہوں تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آ جائیں گے، کیوں کہ وہ لوگ سمجھ نہیں سکتے ○ (الانفال: ۶۵) کی تفسیر

۷۔ بَابُ: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۝ (الانفال: ۶۵)

مشکل الفاظ کے معانی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ: یہ تحریض سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: کسی چیز پر براہیختہ کرنا۔
وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ: یعنی اگر تم میں سے سو صبر کرنے والے ہوں اور دشمن کے لشکر سے مقابلے کے وقت صبر کرنے والے ہوں۔

قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ: یعنی شرکین قتال کرتے ہیں بغیر ثواب کی نیت کے اور بغیر طلب ثواب کے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، از عمرو از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی: ”اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو دوسو پر غالب آ جائیں گے“ (الانفال: ۶۵) تو ان پر یہ فرض کر دیا گیا کہ ایک (مومن) دس (کفار) سے مقابلہ میں نہ بھاگے، پس سفیان نے متعدد مرتبہ کہا کہ بیس دوسو کے مقابلہ میں نہ بھاگیں، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: ”اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی ہے“۔ (الانفال: ۶۶) پوری آیت پڑھیں، پس اللہ نے یہ فرض کر دیا کہ ایک سو (مومن) دوسو (کافروں) سے نہ بھاگیں اور کبھی سفیان نے یہ اضافہ کیا کہ یہ آیت نازل ہوئی: ”مومنین کو قتال پر براہیختہ کیجئے اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں“ (الانفال: ۶۵) سفیان نے بیان کیا کہ ابن شبرمہ نے کہا: میری رائے

۳۶۵۲: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا لَمَّا نَزَلَتْ ﴿إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۝﴾ (الانفال: ۶۵) فَكُتِبَ عَلَيْهِمْ أَنْ لَا يَفِرَّ وَاحِدٌ مِنْ عَشْرَةٍ فَقَالَ سُفْيَانُ غَيْرَ مَرَّةٍ أَنْ لَا يَفِرَّ عَشْرُونَ مِنْ مِائَتَيْنِ ثُمَّ نَزَلَتْ ﴿أَلَنْ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ﴾ (الانفال: ۶۶) الْآيَةَ فَكُتِبَ أَنْ لَا يَفِرَّ مِائَةٌ مِنْ مِائَتَيْنِ وَزَادَ سُفْيَانُ مَرَّةً نَزَلَتْ ﴿حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ﴾ (الانفال: ۶۵) قَالَ سُفْيَانُ وَقَالَ ابْنُ شَبْرَمَةَ وَأَرَى الْأَمْرَ بِالسَّعْوَةِ وَالشَّهَى عَنِ الْمُتَكْرِ مِثْلَ هَذَا۔

یہ ہے کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بھی اسی کی مثل ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث کی شرح ۴۲۵۳ میں کی ہے۔ تاہم بعض امور کی وضاحت کی جا رہی ہے:

نسخ اور تخفیف کا فرق اور ابن شبرمہ کا تعارف اور کفار اور فساق دونوں سے مقابلے کا حکم واحد ہے

علامہ بدرالدین محمود بن عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فَكُتِبَ عَلَيْهِمْ: یعنی مسلمانوں پر یہ فرض کر دیا گیا کہ ایک مسلمان دس کافروں سے مقابلہ میں نہ بھاگے۔ یہ آیت اگرچہ صورتِ خبر ہے۔ مگر اس سے مراد امر ہے۔ اس لئے اس پر نسخ داخل ہوا کیوں کہ جب مسلمانوں پر ایک کا دس سے مقابلہ دشوار ہوا تو اس فرض کو منسوخ کر کے ایک مسلمان کا دو کافروں سے مقابلہ فرض کر دیا۔ اس بناء پر یہ تخفیف ہے، نسخ نہیں ہے، اور قاضی ابوبکر بن الطیب نے کہا ہے کہ جب کسی حکم کا بعض حصہ منسوخ کر دیا جائے یا اس کے بعض اوصاف کو منسوخ کر دیا جائے یا اس کے عدد کو مغیر کر دیا جائے تو یہ کہنا جائز ہے کہ حکم منسوخ ہو گیا، کیونکہ اب وہ پہلے والا حکم نہیں ہے بلکہ اس کا غیر ہے۔ بعض علماء نے کہا: یہ واقعہ بدر کے دن کا ہے۔ علامہ ابن العربی نے کہا: یہ غلط ہے بلکہ یہ بدر کے بعد کا واقعہ ہے اور مقاتل نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ بدر کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو علم تھا کہ جو قتال وہ کر رہے ہیں، وہ ثواب ہے اور کفار کو سمجھ نہیں تھی۔

ایک قول یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی اس لئے ایک کا دس سے مقابلہ فرض کیا گیا، پھر جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو اس حکم میں تخفیف کر دی گئی، پھر یہ ہمارے حق میں ہے اور رہے سیدنا رسول اللہ ﷺ تو آپ کا مقابلہ کثیر تعداد کے دشمن سے بھی واجب ہے۔ کیونکہ آپ سے مدد کا وعدہ کیا گیا ہے اور آپ کا مل القوتہ ہیں۔

اور ابن شبرمہ نے کہا: ان کا نام عبد اللہ ہے، یہ تابعی ہیں اور کوفہ کے عالم ہیں۔ ایک سو چوالیس ہجری (۱۴۴ھ) میں ان کی وفات ہوئی۔ ابن شبرمہ نے کہا: جب ایک مسلمان کے سامنے دو فاسق کوئی برا کام کر رہے ہوں تو اس پر واجب ہے کہ وہ ان دو سے گھبرا کر نہ بھاگے، ہاں! اگر ایک مسلمان کا دو سے زیادہ فاسقوں سے مقابلہ ہو تو پھر اس کا بھاگنا جائز ہے۔ کفار سے مقابلہ ہو یا فساق سے مقابلہ ہو ایک کا دو کے مقابلے سے بھاگنا جائز نہیں ہے۔ (عمدة القاری ۱۸ ص ۳۴۳-۳۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی

۸۔ بَابُ: اَلَّذِنْ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ

ہے اور اسے معلوم ہے کہ تم میں کمزوری ہے۔

وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا

(الانفال: ۶۶) اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے،

(الانفال: ۶۶)

تک کی تفسیر

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن عبد اللہ السلمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن المبارک نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر بن حازم نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے الزبیر بن خریث نے خبر دی، از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دوسو (کافروں

۴۶۵۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللَّهِ السُّلَمِيُّ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ أَخْبَرَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ قَالَ أَخْبَرَنِي الزُّبَيْرُ بْنُ خَرِيثٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ لَنَا نَزَلَتْ ﴿إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا أَمَّا ثَلَاثِينَ﴾ (الانفال: ۶۵) شَقِي ذَلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ حِينَ فُرِضَ عَلَيْهِمْ أَنْ لَا يَغْفِرَ

وَاحِدٌ مِنْ عَشْرَةِ قَبَائِلٍ الشَّخِيفُ فَقَالَ ﴿الَّذِينَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ﴾ (الأنفال: ۶۶) الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ قَالَ فَلَمَّا خَفَّفَ اللَّهُ عَنْهُمْ مِنَ الْحِدَّةِ نَقَضَ مِنَ الصَّبْرِ بِقَدَرٍ مَا خَفَّفَ عَنْهُمْ۔

(سنن ابوداؤد: ۲۶۳۶)

پر) غالب آجائیں گے۔ (الأنفال: ۶۵) جب مسلمانوں پر یہ فرض کیا گیا تھا تو یہ حکم مسلمانوں پر دشوار ہوا تھا کہ ایک مسلمان (دس) کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگے۔ تب تخفیف آگئی۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی ہے اور اسے معلوم ہے کہ تم میں کمزوری ہے۔ پس اگر تم میں سے ایک صابر کرنے والے ہوں تو وہ دوسو (کافروں) پر غالب آجائیں گے (الأنفال: ۶۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر تعداد کے بارے میں تخفیف کر دی تو تعداد کی اس کمی سے اس کے مطابق مسلمانوں کے صبر میں کمی ہوگئی۔

لشکر کے بغیر تنہا مسلمان کا دو کافروں کے مقابلہ سے بھاگنا، آیا جائز ہے یا نہیں؟

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں تخفیف نازل ہونے کا ذکر ہے۔ اسما علی کی روایت ہے: پس ان پر یہ فرض کیا گیا کہ ایک مسلمان دو کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگے، اور اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ایک مسلمان دو کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہے اور اس کا دو کافروں کے مقابلہ سے بھاگنا حرام ہے، خواہ وہ اس کو طلب کریں یا نہ کریں، خواہ وہ لشکر کی کسی صف میں کھڑا ہو یا وہاں کوئی لشکر نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کا یہی تقاضا ہے اور یہی امام شافعی کا جدید قول ہے، لیکن اگر مسلمان ایک ہو اور لشکر میں نہ ہو اور اس کے پاس لڑنے کے لئے اسلحہ ہو اور دو کافر اس کو مقابلہ کے لئے لاکاریں تو اس کے لئے ان سے پیچھے موڑ کر بھاگنا جائز ہے۔ اگر اس کو کافر طلب کریں تو آیا اس کا بھاگنا حرام ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق متاخرین کے دو قول ہیں: زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس کا بھاگنا حرام نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ظاہر قول یہ ہے کہ جب مسلمان لشکر میں ہو تو پھر اس کا دو کافروں کے مقابلہ سے بھاگنا جائز نہیں ہے، لیکن جب کوئی مسلمان لشکر کے بغیر اکیلا ہو تو پھر اس کا دو کے مقابلہ سے بھاگنا حرام نہیں ہے، کیونکہ معروف یہ ہے کہ جہاد جماعت کے ساتھ ہوتا ہے، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض اصحاب کو تنہا لڑنے کے لئے بھی بھیجا ہے، اور امام طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایسی روایات جمع کی ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ ایک مسلمان کا بھی دو کافروں کے مقابلہ سے بھاگنا ممنوع ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے اس موقف پر ان آیات سے استدلال کیا ہے:

وَمِنَ الثَّانِي مَنْ يُشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ۔

(البقرہ: ۲۰۷)

اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جو اللہ کی رضا طلب کرنے کے لئے اپنی جان فروخت کر دیتا ہے۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ۔

(النساء: ۸۴)

سو آپ اللہ کی راہ میں جہاد کیجئے، آپ کو صرف آپ کی ذات کا مکلف کیا جائے گا۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۶۰۱، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

تنہا مسلمان کے دو یا زیادہ کافروں سے لڑنے کے وجوب پر حافظ ابن حجر کے دلائل پر مصنف کی گرفت

حافظ ابن حجر عسقلانی نے البقرہ: ۲۰۷ سے اس پر استدلال کیا ہے کہ تنہا مسلمان کا دو یا زیادہ کافروں سے لڑنا واجب اور مقابلہ میں ان سے بھاگنا جائز نہیں ہے، تاہم یہ استدلال صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ آیت صہیب رومی یا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ جب وہ مدینہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے تو کفار قریش نے ان کو پکڑ لیا تو وہ ان کو اپنا سارا مال دے کر مدینہ کی طرف چلے گئے اور حضرت صہیب سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صہیب! تمہاری تجارت نے نفع پایا۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۹، ایران، مختصر تاریخ دمشق ج ۱۳ ص ۱۱۷، دار الفکر، بیروت)

اس آیت میں حضرت صہیب اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما کی فضیلت کا ذکر ہے اور اس میں یہ حکم نہیں ہے کہ تنہا مسلمان کا دو یا دو سے زائد کفار سے لڑنا واجب ہے، تاہم جو تنہا مسلمان زیادہ کافروں سے لڑے گا خواہ اپنی جان دے دے، وہ بھی اس فضیلت میں داخل ہوگا، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تنہا مسلمان کا دو یا زیادہ کافروں سے لڑنا واجب ہے۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے النساء: ۸۴ سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: سو آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجئے آپ کو صرف آپ کی ذات کا مکلف کیا جائے گا۔

اس آیت میں صرف رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے عام مسلمانوں سے خطاب نہیں ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی طاقت اور قوت عطا کی تھی کہ آپ تنہا تمام کافروں سے لڑ سکتے تھے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عام مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ اگر وہ تنہا ہوں اور غیر مسلح ہوں پھر بھی ان کا زیادہ کافروں سے لڑنا واجب ہے اور مقابلہ میں ان سے بھاگنا حرام ہے۔

سو حافظ ابن حجر نے اپنے موقف پر قرآن مجید کی جن دو آیتوں سے استدلال کیا ہے، ان سے ان کا موقف ثابت نہیں ہوتا۔
سورۃ الانفال کی تفسیر یہاں پر ختم ہوگئی۔ اب ان شاء اللہ سورۃ التوبہ کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۹۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ التَّوْبَةِ

سورة التوبة کی تفسیر

سورة براءة (توبہ) کا تعارف

ابوالحسن بن المحصار نے کہا ہے کہ سورة براءة بالاتفاق مدنی ہے اور اس میں ایک سو اسی آیات ہیں۔ مقاتل نے کہا: اس کی آخری دو آیات: ۱۲۸-۱۲۹ مکہ میں نازل ہوئیں ہیں۔ اس سورت کے متعدد اسماء ہیں، ان میں سے دو اسم مشہور ہیں: براءة اور توبہ۔ سورة التوبہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھنے کی توجیہات

اس میں اختلاف ہے کہ سورة توبہ کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کیوں نہیں لکھی گئی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں عہد کو توڑنے کا حکم ہے، اور زمانہ جاہلیت میں جب لوگوں کا کسی سے معاہدہ ہوتا اور پھر اس معاہدے کو توڑنے کی تحریر لکھتے تو اس کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھتے تھے، سو اس وجہ سے سورة براءة کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نہیں لکھا اور جب سورة براءة میں عہد کے توڑنے کا اعلان کیا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سورت کو کفار قریش کے سامنے پڑھا اور ان کے عرف و عادت کے مطابق بسم اللہ نہیں پڑھی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سورة انفال اداکل سورتوں میں سے ہے اور سورة براءة کا قصہ سورة انفال کے قصے کے مشابہ تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور آپ نے ہم سے یہ بیان نہیں کیا کہ سورة براءة سورة انفال کا حصہ ہے، پس میں نے یہ گمان کیا کہ یہ اسی کا حصہ ہے۔ اسی وجہ سے میں نے ان دونوں سورتوں کو ملا دیا اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نہیں لکھا۔ اس حدیث کی امام حاکم نے روایت کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں مصحف کو لکھا گیا تو صحابہ کا اختلاف ہوا، پس بعض نے کہا: سورة براءة اور سورة انفال ایک سورت ہیں اور بعض نے کہا: یہ دو سورتیں ہیں، پس ان دو سورتوں کے درمیان خالی جگہ چھوڑ دی گئی۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ امام حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم امان ہے اور سورة براءة تکوار کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے جس میں امان نہیں ہے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ امام قشیری نے کہا ہے کہ صحیح وجہ یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سورة براءة سے پہلے بسم اللہ کو نازل نہیں کیا، اس لئے اس سے پہلے بسم اللہ کو نہیں لکھا گیا۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۴۳، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

وَلِيَهْجَةً (براءة: ۱۶) اس کا معنی ہے: ہر وہ چیز جس کو تم دوسری چیز میں داخل کرو۔ مَرَصَدًا (براءة: ۵) طَرِيقُ الْخَبَالِ (براءة: ۴۲) الشَّعْرُ الْخَبَالُ (براءة: ۵) اس کا معنی ہے: راستہ۔

الْفَسَادُ وَالْخَبَالُ الْمَوْتُ وَلَا تَقْتَتِي (۴۹) لَا تَوْبِخَنِي
 كَرِهًا وَكَرِهًا (۵۳) وَاحِدٌ مُدَّخَلًا (۵۷) يُدْخَلُونَ
 فِيهِ يَجْحَدُونَ (۵۷) يُسْرِعُونَ وَالْمَوْتُ تَفَكَّتْ (۷۰)
 انْتَفَكَّتْ انْقَلَبَتْ بِهَا الْأَرْضُ أَهْوَى (انجم: ۵۳)
 الْقَادُ فِي هَوَا عَدْنٍ (۷۲) خُلِدَ عَدْنْتُ بِأَرْضِ أُمِّي
 أَقْنْتُ وَمِنْهُ مَعْدِنٌ وَيُقَالُ فِي مَعْدِنٍ صِدْقِي فِي
 مَنَبَتِ صِدْقِي الْخَوَالِفِ (۹۳) الْخَالِفُ الَّذِي
 خَلَفَنِي فَقَعَدَ بَعْدِي وَمِنْهُ يَخْلُقُهُ فِي الْغَابِرِينَ
 وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ النِّسَاءُ مِنَ الْخَالِفَةِ وَإِنْ كَانَ جَنَعُ
 الذُّكُورِ فَإِنَّهُ لَمْ يُوَجَدْ عَلَى تَقْدِيرِ جَنَعِهِ إِلَّا خَرَفَانِ
 فَارِسٌ وَفَوَارِسٌ وَهَالِكٌ وَهَوَالِكٌ الْخَيْرَاتُ (۸۸)
 وَاحِدُهَا خَيْرَةٌ وَهِيَ الْفَوَاضِلُ مُرْجُونَ (۱۰۶)
 مُؤَخَّرُونَ شَفَا (۱۰۹) شَفِيرٌ وَهُوَ حَدَّةٌ وَالْجُرْفُ (۱۰۹)
 مَا تَجَرَّفَ مِنَ الْبُسُولِ وَالْأَوْدِيَةِ هَارٍ (۱۰۹) هَائِرٌ
 يُقَالُ تَهَوَّرَتِ الْبُشْرُ إِذَا انْهَدَمَتْ وَانْهَارَ مِثْلُهُ
 لَاؤَاكَا (۱۱۳) شَفَقَا وَفَرَقَا وَقَالَ الشَّاعِرُ إِذَا قُنْتُ
 أَرْحَلَهَا بِلِيلٍ تَأْوُهُ آهَةٌ الرَّجُلِ الْحَزِينِ-

الْمُشَلَّةُ (براء: ۴۲) اس کا معنی ہے: سفر۔ خَبَالًا (۴۷) اس کا
 معنی ہے: فساد اور موت۔ وَلَا تَقْتَتِي (۴۹) اس کا معنی ہے: تم
 مجھ کو مت جھڑکویا مجھ کو مت ڈانٹو، کَرِهًا اور کَرِهًا (۵۳) کا ایک
 معنی ہے: زبردستی اور ناخوشی۔ مُدَّخَلًا (۵۷) اس کا معنی ہے:
 کسی چیز کے داخل ہونے کی جگہ مثلاً سرنگ۔ يَجْحَدُونَ (۵۷)
 اس کا معنی ہے: دوڑتے جائیں۔ وَالْمَوْتُ تَفَكَّتْ (۷۰) اس کا
 معنی ہے: جس زمین کو الٹ دیا گیا۔ أَهْوَى (انجم: ۵۳) یعنی
 اس کو گڑھے میں دھکیل دیا۔ عَدْنٍ (۷۲) اس کا معنی ہے: ہمیشہ
 یعنی اس زمین میں ہمیشہ رہ گیا اور اسی سے مَعْدِنٌ کا لفظ نکلا ہے۔
 مَعْدِنٍ صِدْقِي اس جگہ کو کہتے ہیں جس جگہ سچائی ہوتی ہے۔
 الْخَوَالِفِ (۹۳) خَالِفٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو مجھ سے پیچھے رہا
 اور میرے پیچھے بیٹھ گیا۔ اسی سے ماخوذ ہے یہ جملہ کہ: جو لوگ
 مرنے والوں کے بعد باقی رہ گئے، اللہ عزوجل ان کا ولی و وارث
 ہو جائے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ خوالف جمع مونث ہو اور خالِفَةُ کی
 جمع ہے اور اگر یہ خَالِفٌ مذکر کی جمع ہو تو یہ شاذ ہے۔ عربی زبان
 میں صرف ایسی دو جمع ہیں: فارس کی جمع فوارس اور هَالِكٌ کی جمع
 هَوَالِكٌ۔ الْخَيْرَاتُ (۸۸) کا واحد خَيْرَةٌ ہے، اس کا معنی ہے:
 نیکیاں اور اچھائیاں اور یہ الْفَوَاضِلُ کی طرح ہے۔ مُرْجُونَ
 (۱۰۶) اس کا معنی ہے: جن لوگوں کو موخر کیا گیا یا ان کو ڈھیل دی
 گئی۔ شَفَا (۱۰۹) اس کا معنی ہے: کنارہ اور حد۔ الْجُرْفُ (۱۰۹)
 اس کا معنی ہے: ندی نالوں کے بننے سے جو زمین کھد جاتی ہے۔
 هَارٍ (۱۰۹) اس کا معنی ہے: گرنے والی۔ کہا جاتا ہے: تَهَوَّرَتِ الْبُشْرُ
 جب کنواں گر جائے اور اِنْهَارَ بھی اسی کی مثل ہے۔ لَاؤَاكَا (۱۱۳)
 اس کا معنی ہے: اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والا اور خوف زدہ۔
 شاعر نے کہا ہے: جب میں رات میں اٹھوں تو اونٹنی کو کیونکر سفر کے
 لئے تیار کروں جب کہ وہ غمزہ مرد کی طرح آہیں بھر رہی ہو۔

تعلیقات مذکور کی شرح

وَلَيْجَةً كُلُّ شَيْءٍ أَذْخَلَتْهُ لِي شَيْنٌ-

وَلَيْجَةً (براء: ۱۶) اس کا معنی ہے: ہر وہ چیز جس کو تم دوسری چیز

میں داخل کرو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ
وَلِيَّةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ (براءہ: ۱۶)

اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو اپنا محرم راز نہ بنایا ہو، اور اللہ تمہارے سب کاموں کی خوب خبر رکھتا ہے ○

امام بخاری نے وَلِيَّةً کی تفسیر کی ہے: ہر وہ چیز جس کو تم دوسری چیز میں داخل کر دو اور تفسیر میں مذکور ہے کہ ذِیْنَجَہ کا معنی ہے: محرم راز، یعنی جن لوگوں نے تمہارے ساتھ جہاد کیا ہے اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے سوا کسی کو محرم راز نہیں بنایا، بلکہ وہ ظاہر اور باطن میں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیر خواہی کرنے والے ہیں۔

مَرْصِدٌ طَرِيقٌ۔ (براءہ: ۵) اس کا معنی ہے: راستہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاقْعُدُوا لِلَّهِ كُلَّ مَرْصِدٍ۔ (براءہ: ۵)

اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو۔
مَرْصِدٌ کا معنی ہے: راستہ یعنی ان کو گرفتار کرنے کے لئے ہر راستہ پر بیٹھو۔ مَرْصِدٌ کی جمع مَرَاصِدُ آتی ہے یعنی راستے۔
الشَّقَّةُ الشَّفَرُ۔ (براءہ: ۴۲) اس کا معنی ہے: سفر

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَاتَّبَعُوكَ وَلَكِنْ
يَعْدَتْ عَلَيْهِمُ الشَّقَّةُ۔ (براءہ: ۴۲)

(اے رسول مکرم! آپ نے جس طرف نکلنے کے لئے کہا تھا) اگر وہ سہل الحصول مال ہوتا اور متوسط سفر ہوتا تو (یہ منافقین) ضرور آپ کے پیچھے چل پڑتے، لیکن دور دراز کا سفر ان کو بھاری لگا۔

امام بخاری نے شَقَّة کی تفسیر سفر کے ساتھ کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے اور کتب تفسیر میں ہے: لو كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا کا معنی ہے: اگر مال غنیمت قریب کی جگہ حاصل ہو تو یہ آپ کے ساتھ جائیں گے لیکن جب دور دراز کی مسافت ہو مثلاً شام کی طرف تو پھر یہ سفر منافقین پر دشوار ہوگا۔

الْخَبَالُ الْفَسَادُ وَالْخَبَالُ الْمَوْتُ۔
الْخَبَالُ (۴۷) اس کا معنی ہے: فساد اور موت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا تَخْرُجُوا فِيكُمْ مَادًّا دُؤْلَمًا إِلَّا خَبَالًا۔ (التوبہ: ۴۷)

اور اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو وہ تم میں فساد زیادہ پھیلاتے۔
امام بخاری نے الْخَبَالُ کی تفسیر فساد کے ساتھ کی ہے۔ امام ابو عبیدہ نے بھی اس کی یہی تفسیر کی ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ الْمَالُ، ابدان اور عقول میں فساد کو خَبَالُ کہتے ہیں اور امام بخاری نے کہا ہے: الْخَبَالُ کا معنی ہے: موت۔ یہ انہوں نے صحیح نہیں کہا، الخبال کا معنی موت نہیں ہے بلکہ الْمَوْتُ ہے اور اس کا معنی ہے: مرگی۔

وَلَا تَقْتُلْنِي لَا تُوْبِحْنِي۔
وَلَا تَقْتُلْنِي (۴۹) اس کا معنی ہے: تم مجھ کو موت جہز کو یا مجھ کو موت ڈالو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالُوا مَنْ يَكْفُلُ اِيَّاكَ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ لَقَتَلْنَاكَ لَوْلَا رَحْمَةُ رَبِّنَا لَكُنَّا مِنَ الْغَالِبِينَ۔ (التوبہ: ۴۹)

اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ مجھے (جہاد سے رخصت کی)

اجازت دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالو۔

امام بخاری نے اس کا معنی کیا ہے: تم مجھے زجر و توبیخ نہ کرو۔ اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: تم مجھے گناہ میں نہ ڈالو اور یہی صحیح ہے۔ یہ آیت ابن قیس منافق کے دادا کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے تم رومیوں سے جہاد کرو اور ان کی باندیوں کو حاصل کرلو۔ اس نے کہا: آپ مجھے یہیں بیٹھے رہنے کی اجازت دیں اور عورتوں کا ذکر کر کے مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں، کیونکہ میری قوم کو معلوم ہے کہ میں عورتوں کو بہت پسند کرتا ہوں اور ان پر صبر نہیں کر سکتا۔

کُذِّهَآ وَ کُذِّهَآ وَاحِدٌ مُّذَّخَلًا۔ کُذِّهَآ اور کُذِّهَآ (۵۳) کا ایک معنی ہے: یعنی زبردستی اور ناخوشی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ أَنُفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَلَ مِنْكُمْ۔ آپ کہئے کہ تم (اللہ کی راہ میں) خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے، (التوبہ: ۵۳) تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

امام بخاری نے اس تفسیر سے یہ اشارہ کیا ہے کہ اس لفظ میں دو لغتیں ہیں: کوفیوں نے اس کو کُذِّهَآ پڑھا ہے اور باقیوں نے

اس کو کُذِّهَآ پڑھا ہے۔

مُذَّخَلًا یَدْخُلُونَ فِیْهِ۔ مُذَّخَلًا (۵۷) اس کا معنی ہے: کسی چیز کے داخل ہونے کی جگہ مثلاً سرنگ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَوْ یَجِدُونَ مَلْجَاً أَوْ مَخْرَبًا أَوْ مُذْخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَیْهِ وَهُمْ یَجْمَحُونَ ۝ (التوبہ: ۵۷) اگر انہیں کوئی پناہ کی جگہ مل جائے یا تہ خانے یا دخول کی کوئی بھی جگہ، تو وہ اس میں تیزی سے رسیاں تڑاتے ہوئے گھس جائیں ○

اس کا معنی یہ ہے کہ اگر منافقین کو کوئی قلعہ مل جائے، جس میں یہ محفوظ رہ سکیں یا پہاڑوں میں کوئی غار مل جائے اور مُذَّخَلًا کا

معنی ہے: پانی کا چشمہ، تو یہ لوگ وہیں چلے جائیں

یَجْمَحُونَ یُسْبِرُونَ۔ یَجْمَحُونَ (۵۷) اس کا معنی ہے: دوڑتے جائیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَوْ یَجِدُونَ مَلْجَاً أَوْ مَخْرَبًا أَوْ مُذْخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَیْهِ وَهُمْ یَجْمَحُونَ ۝ (التوبہ: ۵۷) اگر انہیں کوئی پناہ کی جگہ مل جائے یا تہ خانے یا دخول کی کوئی بھی جگہ، تو وہ اس میں تیزی سے رسیاں تڑاتے ہوئے گھس جائیں ○

یعنی یہ منافق جو آپ کے ساتھ مل جل کر رہتے ہیں، یہ خوشی سے نہیں رہتے بلکہ جبراً رہتے ہیں۔ اگر انہیں کوئی اور جگہ مل جائے

تو وہ دوڑتے ہوئے وہاں چلے جائیں گے۔

وَالْمُؤْتَفِكَاتِ انْتَفَكَّتْ بِهَآ الْأَرْضُ۔ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ (۷۰) اس کا معنی ہے: جس زمین کو الٹ دیا گیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ أَصْحَابِ مَدَیْنٍ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ أَتَتْهُمْ مُّسْلِمًا ان کے پاس ان کے رسول مجزات لے کر آئے تھے۔

امام بخاری نے الْمُؤْتَفِكَاتِ کی تفسیر اس سے کی ہے کہ جس جگہ کی زمین کو الٹ دیا گیا۔ اس سے مراد قوم لوط کے شہر ہیں اور

ان کے بڑے شہر کا نام سدوم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کر دیا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام کی تکذیب کرتے تھے اور ایسی بے حیائی کا کام کرتے تھے جو ان سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔

أَهْوَىٰ الْقَاةُ فِي هُوَّةٍ۔ (النجم: ۵۳) یعنی اس کو گڑھے میں دھکیل دیا۔

یہ لفظ سورہ توبہ میں نہیں ہے یہ لفظ سورہ النجم میں ہے۔ امام بخاری نے یہاں اس لفظ کو وَالْمُؤْتَفِكَةُ أَهْوَىٰ (النجم: ۵۳) کی مناسبت سے ذکر کر دیا ہے اور هُوَّةٌ کا معنی گڑھا ہے۔

عَذْنٌ خُلْدٌ عَذْنٌ بِأَرْضٍ أَيْ أَقْنَتْ وَمِنْهُ مَعْدِنٌ وَيُقَالُ فِي مَعْدِنٍ صِدْقِي فِي مَنَبَتٍ صِدْقِي۔ عَذْنٌ (۷۲) اس کا معنی ہے: ہمیشہ یعنی میں اس زمین میں ہمیشہ رہ گیا اور اسی سے مَعْدِنٌ کا لفظ نکلا ہے۔ مَعْدِنٌ صِدْقٌ اس جگہ کو کہتے ہیں جس جگہ سچائی ہوتی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسْكَنٌ ظَنَبَةٌ فِي جَنَّاتٍ عَذْنٍ۔ (التوبہ: ۷۲) اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ان جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور دائمی جنتوں میں پاکیزہ رہائش گاہوں کا (وعدہ فرمایا ہے)۔

امام بخاری نے عدن کی تفسیر دوام، بقا اور ہمیشگی سے کی ہے اور اس کا لغوی معنی ہے: ٹھہرنا۔

الْخَوَالِفُ الْخَالِفُ الَّذِي خَلَفَنِي فَقَعَدَ بَعْدِي وَمِنْهُ يَخْلُفُهُ فِي الْغَابِرِينَ وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ النِّسَاءُ مِنَ الْخَالِفَةِ فَإِنْ كَانَ جَنَمَ الذُّكُورِ فَإِنَّهُ لَمْ يُوجَدْ عَلَى تَقْدِيرِ جَمْعِهِ إِلَّا خَرَفَانِ قَارِسٌ وَقَوَارِسُ وَهَالِكٌ وَهَوَالِكٌ۔ الْخَوَالِفُ (۹۳) خَالِفٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو مجھ سے پیچھے رہا اور میرے پیچھے بیٹھ گیا۔ اسی سے ماخوذ ہے یہ جملہ کہ جو لوگ مرنے والے کے بعد باقی رہ گئے، اللہ عزوجل ان کا ولی و وارث ہو جائے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ خوالف جمع مونث ہو اور خالِفہ کی جمع ہو اور اگر یہ خالِف مذکر کی جمع ہو تو یہ شاذ ہے۔ عربی زبان میں ایسی صرف دو جمع ہیں: فارس کی جمع فوارس اور هَالِك کی جمع هَوَالِك۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَرْضَا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (التوبہ: ۹۳) وہ اس کو پسند کرتے ہیں کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ (گھروں میں) رہیں اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے تو وہ سمجھ نہیں جانتے ○

یہ آیت اور اس سے پہلی آیتیں غزوہ تبوک کے قہصے میں ہیں اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غزوہ تبوک میں جانے کا حکم دیا تو ایک جماعت پیچھے رہ گئی جس کا اللہ تعالیٰ نے عذر بیان فرمایا: کمزوروں اور بیماروں اور جو لوگ خرچ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، ان پر (جہاد میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے) کوئی حرج نہیں ہے، جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے اخلاص سے عمل کریں، نیکی کرنے والوں پر (طعنہ کرنے کی) کوئی راہ نہیں ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا ہے حد رحم فرما، نے والا ہے ○ اور نہ ان لوگوں پر کوئی حرج ہے جو آپ کے پاس آئے تاکہ آپ انہیں جہاد کے لئے سواری مہیا کریں تو آپ نے فرمایا: تمہارے لئے میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے، وہ اس حال میں واپس گئے کہ ان کی آنکھوں سے اس غم میں آنسو بہہ رہے تھے کہ

ان کے پاس جہاد میں خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے O (التوبہ: ۹۲-۹۱)

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے ملامت کی نفی کر دی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر رد فرمایا جو خوش حال تھے اور اس کے باوجود انہوں نے بیٹھے رہنے اور غزوہ تبوک میں نہ جانے کی اجازت طلب کی۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ اس کو پسند کرتے ہیں کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ (گھروں میں) رہیں، اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے تو وہ کچھ نہیں جانتے۔ (التوبہ: ۹۳) اور الْخَوَالِفُ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو مردوں سے پیچھے رہ جاتی ہیں۔

امام بخاری نے کہا ہے: خَالِفُ اس شخص کو کہتے ہیں جو مجھ سے پیچھے رہا اور میرے پیچھے بیٹھ گیا۔ اس عبارت میں خالف کی تفسیر کی طرف اشارہ ہے اور یہ وہ شخص ہے جو کسی شخص کے بعد پالان میں بیٹھتا ہے۔ اس کی جمع خالفین آتی ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: فَاَقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ ⑤ (التوبہ: ۸۳)

سواب پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یعنی جو مرد غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ اور خَالِفُ کی جمع خَالِفِينَ نہیں آتی، کیونکہ جمع مونث یاء اور نون کے ساتھ نہیں آتی، پس اگر تم یہ سوال کرو کہ قتادہ سے یہ روایت ہے کہ فَاَقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ کا معنی ہے: عورتوں کے ساتھ بیٹھے رہو تو میں کہوں گا کہ امام ابن جریر نے اس کا رد کیا ہے اور اس کے اوپر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو ترجیح دی ہے۔ علامہ کرمانی نے قتادہ کے قول کو اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ الخوالف، خالف کی جمع ہے اور کہا ہے کہ یہ جمع مونث ہے کیونکہ فَوَاعِلُ فَاعِلَةٌ کی جمع ہے۔ اور کلام عرب میں ایسے صرف دو لفظ ہیں: فَوَارِسُ اور هَوَالِكُ۔ تو میں کہوں گا کہ سابق کی جمع سَوَاقِبُ اور ناقص کی جمع نَوَاقِصُ اور داجن کی جمع ذَوَاجِنُ آتی ہے: اور خلاصہ یہ ہے کہ الخوالف سے مراد وہ عورتیں ہیں جو پیچھے رہ گئی تھیں۔

امام بخاری نے کہا ہے: اسی سے ماخوذ ہے جو لوگ مرنے والوں کے بعد باقی رہ گئے: یہ اس شخص کے لئے دعا ہے جس کا کوئی مرد فوت ہو گیا ہو، یعنی اے اللہ! اس کی نسل سے ان لوگوں کو کر دے جو باقی رہنے والے ہوں۔

امام بخاری نے کہا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ الخوالف جمع مونث ہو اور یہ خَالِفَةُ کی جمع ہو اور اگر یہ خَالِفُ مذکر کی جمع ہو تو یہ شاذ ہے۔ عربی زبان میں ایسی صرف دو جمعیں ہیں: فارس کی جمع فوارس اور هالک کی جمع هوالک۔

امام بخاری کی اس عبارت پر دو اعتراض ہیں: اول یہ کہ امام بخاری نے اس عبارت کے شروع میں حتمی طور پر یہ کہا تھا کہ الخوالف خالف کی جمع ہے اور یہاں پر اس کو شک کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ اگر الخوالف جمع مذکر ہو تو ایسی جمع صرف دو آئی ہیں: فوارس اور هوالک۔ ثانی یہ کہ امام بخاری نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ فاعل کی جمع فواعل صرف دو لفظوں میں آئی ہے: فوارس اور هوالک، حالانکہ اس کے علاوہ اور بھی اس وزن پر جمع مذکر آئی ہیں جیسے سابق کی جمع سوابق اور ناقص کی جمع نواقص اور داجن کی جمع ذواجن۔

الْخَيْرَاتُ وَاجِدُهَا خَيْرَةٌ وَهِيَ الْفَوَاضِلُ۔ (۸۸) الْخَيْرَاتُ کا واحد خَيْرَةٌ ہے، اس کا معنی ہے: نیکیاں اور

اچھائیاں اور یہ الْفَوَاضِلُ کی طرح ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأُولَئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ⑥ اور ان ہی کے لئے سب اچھائیاں ہیں اور وہی کامیاب ہونے

والے ہیں O (التوبہ: ۸۸)

امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ خَيْرَاتُ کا واحد خَيْرَةٌ ہے، پھر خَيْرَاتُ کی تفسیر فَوَاضِلُ کے ساتھ کی اور تفسیر میں مذکور ہے کہ اس

سے مراد آخرت میں جنات الفردوس اور بلند درجات ہیں۔

مُزَجَّوْنَ مُؤَخَّرُونَ۔

مُزَجَّوْنَ (۱۰۶) اس کا معنی ہے: جن لوگوں کو مؤخر کیا گیا یا ان کو ڈھیل دی گئی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَآخِرُونَ مُزَجَّوْنَ لِأَمْرِ اللَّهِ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا يَمُنُّ عَلَيْهِمْ۔ (التوبہ: ۱۰۶)

یا اللہ ان کو عذاب دے گا یا ان کی توبہ قبول فرما لے گا۔

امام بخاری نے مُزَجَّوْنَ کی تفسیر کی ہے کہ ان کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک مؤخر کیا گیا ہے اور اسی لفظ سے مُزَجَّوْنَ، خوذ ہے اور یہ اسلام کے فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے جن کا یہ اعتقاد تھا کہ ایمان کے ساتھ گناہ کرنے سے کوئی ضرر نہیں ہوتا اور جن تین لوگوں کا معاملہ یہاں مؤخر کیا گیا تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ مرارہ بن الربیع، کعب بن مالک اور ہلال بن امیہ تھے۔ یہ ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہے جو سستی، آرام طلبی اور درختوں پر کھجوروں کے پکنے کے انتظار میں بیٹھے رہے، اور غزوہ تبوک میں نہیں گئے۔

الشفاء شفیذ وهو حد۔ الشفاء (۱۰۹) اس کا معنی ہے: کنارہ اور حد۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَسَّسَ بَنِيَّانَهُ عَلَى تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٍ أَمْ مِّنْ أَسَّسَ بَنِيَّانَهُ عَلَىٰ شِقَاجِرٍ هَٰبٍ۔ (التوبہ: ۱۰۹)

تو کیا جس نے اللہ سے ڈرنے اور اس کی رضا پر اپنی مسجد کی بنیاد رکھی وہ بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایسے گڑھے کے کنارے پر رکھی جو گرنے کے قریب ہے۔

امام بخاری نے الشفاء کی تفسیر شفیہ کے ساتھ کی ہے، جس کا معنی طرف اور کنارہ ہے۔

وَالْجُرُفُ مَا تَجَرَّفَ مِنَ السُّبُولِ وَالْأُودِيَّةُ هَا بِ هَٰئِیْ يُقَالُ تَهَوَّزْتُ الْبُسْرَ إِذَا انْهَدَمَتْ وَانْهَارَ مِثْلُهُ۔ الْجُرُفُ (۱۰۹) اس کا معنی ہے: ندی نالوں کے بہنے سے جو زمین کھد جاتی ہے۔ ہا بِ (۱۰۹) اس کا معنی ہے: گرنے والی۔ تَهَوَّزْتُ الْبُسْرَ إِذَا انْهَدَمَتْ وَانْهَارَ مِثْلُهُ۔ البُجُوب کنواں گر جائے اور انہار بھی اسی کی مثل ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَسَّسَ بَنِيَّانَهُ عَلَى تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٍ أَمْ مِّنْ أَسَّسَ بَنِيَّانَهُ عَلَىٰ شِقَاجِرٍ هَٰبٍ۔ (التوبہ: ۱۰۹)

تو کیا جس نے اللہ سے ڈرنے اور اس کی رضا پر اپنی مسجد کی بنیاد رکھی وہ بہتر ہے، یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایسے گڑھے کے کنارے پر رکھی جو گرنے کے قریب ہے۔

جُرُف نالے کے اس کنارے کو کہتے ہیں جو نہر اور وادیوں کے پانی سے کمزور ہو جاتا ہے، اور گرنے کے قریب ہو جاتا ہے، اور ذرا سی حرکت سے گر جاتا ہے۔

ہا بِ اصل میں ہا بِ تھا، پھر ہا بِ میں صرفی قانون سے قلب ہو گیا یعنی وہ ہا بِ ہو گیا، پھر ہمزہ کو ماقبل مکسور ہونے کی وجہ سے ہا بِ بناد یا تو ہا بِ بن گیا۔ پھر قاضی کے قاعدہ سے یا ہ کو حذف کر دیا تو ہا بِ بن گیا جس کا معنی ہے: گرنے والا۔

لَا وَاقًا شَفَقًا وَفَرَقًا وَقَالَ الشَّاعِرُ إِذَا قُنْتُ أَرْحَلُهَا يَمْلِكُ تَأْوُكَ آهَةَ الرَّجُلِ الْحَزِينِ۔ لَا وَاقًا (۱۱۴) اس کا معنی ہے: اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والا اور خوف زدہ۔ شاعر نے کہا ہے: جب میں رات میں اٹھوں تو اونٹنی کو

کیونکہ سفر کے لئے تیار کروں جب کہ وہ غمزدہ مرد کی طرح آہیں
بھر رہی ہو۔ کہا جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ (التوبہ: ۱۱۳)

بے شک ابراہیم بہت نرم دل اور بہت بردبار تھے O
آواہ کا معنی ہے: گڑگڑا کر دعا کرنے والا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: آواہ کا معنی ہے: بہت زیادہ توبہ
کرنے والا۔ ابویوب سے مروی ہے: آواہ کا معنی ہے: جو شخص اپنے گناہ کو یاد کرے تو توبہ کرے اور شفق کا معنی ہے: خوف خدا۔
اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے۔ اگر کوئی ان پر ظلم کرتا تو وہ بہت بردباری سے کام لیتے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت سے خوف
زدہ رہتے تھے۔

نوٹ: ان تعلیقات کی شرح عمدۃ القاری: ج ۱۸ ص ۳۴۹-۳۴۴ سے لی گئی ہے۔

۱۔ بَابُ: بَرَاءَةُ مَنْ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اِلَى
الَّذِيْنَ عٰهَدْتُمْ مِّنَ الشُّرَکَیْنِ (التوبہ: ۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اللہ اور اس کے رسول کی طرف
سے ان مشرکین سے اعلان براءت (بیزاری) ہے
جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا O (التوبہ: ۱) کی تفسیر

مشرکین سے کیے ہوئے معاہدہ کو ان کی خلاف ورزی کی وجہ سے توڑنا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام ابواللیث سمرقندی نے کہا ہے کہ ”اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مشرکین کے عہد سے براءت ہے۔“ یہ آیت
براءت ہے اور یہ سورۃ براءت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: براءت کا معنی ہے: تم نے مشرکین سے جو عہد کیا تھا اللہ اور
رسول نے اس عہد کو توڑ دیا، کیونکہ انہوں نے بھی مدت پوری ہونے سے پہلے اپنے معاہدے کو توڑ دیا تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنے
نبی ﷺ کو یہ حکم دیا کہ ان کو چار مہینے کی مہلت دیں۔ اس کے بعد ان سے عہد یا معاہدہ ختم ہو جائے گا۔

علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ اس مدت کی ابتداء حج اکبر کے دن سے تھی اور دس ربیع الثانی کو اس کی انتہاء ہو گئی، اور اس آیت کے
نازل ہونے کے بعد نبی ﷺ نے کسی سے معاہدہ نہیں کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۵۱)

أَذَانٌ اٰعْلٰہُمْ وَقَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ اَذُنٌ یُّصَدِّقُ۔
اذان اس کا معنی ہے: اعلان اور خبر دینا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما
نے کہا: اذن کا معنی ہے: وہ تصدیق کر دیتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِنْهُمْ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ النَّبِیَّ وَیَقُولُوْنَ هُوَ اَذُنٌ۔
اور بعض منافقین نبی کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کانوں
(التوبہ: ۶۱) کے کچے ہیں۔

یعنی منافقین نبی ﷺ کو اپنی باتوں سے تکلیف پہنچاتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ کان ہیں، یعنی وہ ہر ایک کی بات سن لیتے
ہیں یا ہر ایک کی بات سن کر اس کی تصدیق کر دیتے ہیں۔

تُطَهَّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَنَخُوها كَثِيرًا وَزَكَاةُ الطَّاعَةِ وَالْإِخْلَاصِ۔
آپ ان کو پاکیزہ کرتے ہیں، اور ان کا باطن صاف کرتے ہیں، اور اس کی بہت مثالیں ہیں۔ اور زکوٰۃ کا معنی ہے: اطاعت اور اخلاص۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا۔
آپ ان کے مالوں میں زکوٰۃ لیجئے جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک کریں اور ان کے باطن کو صاف کریں۔ (التوبہ: ۱۰۳)

مفسرین نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابولبابہ اور ان کے اصحاب کی توبہ قبول فرمائی تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ ہمارے اموال ہیں، آپ ان کو صدقہ کر دیں اور ہم کو پاک کر دیں اور ہمارے لئے مغفرت طلب کریں، تو آپ نے فرمایا: مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں تمہارے اموال میں سے کوئی چیز لوں، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ "آپ ان کے اموال سے صدقہ لیں"، اس کے متعلق دو قول ہیں: (۱) نفلی صدقہ (۲) زکوٰۃ، اور اس آیت میں جو ترکیہ کا ذکر ہے، اس سے مراد پاکیزگی میں مبالغہ ہے اور یہ افزائش اور برکت کے معنی میں ہے۔

امام بخاری نے کہا ہے کہ اس کی بہت مثالیں ہیں: یعنی دو لفظوں کا مادہ مختلف ہو اور ان کا معنی ایک ہو جیسے تطہیر اور تزکیہ، دو مختلف لفظ ہیں اور ان کا معنی ایک ہے: پاکیزہ کرنا، اور ان کی بہت مثالیں ہیں: جیسے لیث اور اسد دو مختلف لفظ ہیں اور ان کا معنی ایک ہے، یعنی شیر۔

نیز امام بخاری نے کہا کہ زکوٰۃ کا معنی اطاعت اور اخلاص ہے۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔
لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ لَا يَشْهَدُونَ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔
وہ زکوٰۃ نہیں دیتے۔ اس کا معنی ہے: وہ یہ شہادت نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَيُلْطَمُ لِمَنْ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ۔
ان مشرکین کے لئے سخت عذاب ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔

(حم السجدة: ۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔
میں کہتا ہوں کہ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کفار اور مشرکین بھی احکام شرعیہ فرعیہ کے مکلف ہوتے ہیں اور محققین احناف کا بھی یہی مختار ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق میں جس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ سورۃ توبہ میں نہیں ہے، بلکہ حم السجدة میں ہے اور انہوں نے اس آیت کی طرف اس مناسبت سے اشارہ کیا ہے کہ اس آیت میں بھی زکوٰۃ کا ذکر ہے۔
يُضَاهَوْنَ يُشَبِّهُونَ۔
یضاہنون کا معنی ہے: وہ پہلے لوگوں کے مشابہ ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَتِ الْيَهُودُ عِزِّيْزُ اللَّهِ وَ قَالَتِ النَّصَارَى السَّيِّئُ الْإِنْسَانِ اللَّهُ ذَٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَقْوَامِهِمْ يُضَاهَوْنَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ۔ (التوبہ: ۳۰)
اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ محض ان کے منہ سے کہی ہوئی (بے سرو پا) باتیں ہیں، یہ اپنے سے پہلے کافروں کی کہی ہوئی باتوں کی

مشابہت کرتے ہیں۔

امام بخاری نے جو یُضَاهِیُونَ کی تفسیر مشابہت کے ساتھ کی ہے، یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ یہ صرف ان کے منہ سے کہی ہوئی باتیں ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے پاس ان کے اس قول کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ قول ان سے پہلے کفار کے قول کی مثل ہے اور جس طرح وہ گم راہ تھے اسی طرح یہ بھی گم راہ ہیں۔

(عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۵۲-۳۵۳، ملخصاً وموضحاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۶۵۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ
أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
يَقُولُ آخِرُ آيَةِ نَزَلَتْ ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ
يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ (النساء: ۱۷۶) وَآخِرُ سُورَةِ
نَزَلَتْ بِرَأْتَهُ۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الولید نے حدیث بیان کی،
انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، از ابی اسحاق، انہوں نے
کہا: میں نے حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے ہیں جو آخری آیت
نازل ہوئی وہ یہ ہے: آپ سے حکم پوچھتے ہیں، فرمادیجئے! اللہ تمہیں حکم
دیتا ہے کلالہ (کی میراث) میں۔ (النساء: ۱۷۶) اور سورت براءة آخر
میں نازل ہوئی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۳۶۴ میں گزر چکی ہے۔

آخری آیت اور آخری سورت کے متعلق متعدد اقوال

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آخری آیت سود کی آیت ہے اور وہ یہ ہے:

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ۔ (البقرہ: ۲۹۱)

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سورہ توبہ کے نزول کی ابتداء نو ہجری میں ہوئی ہے۔ جب حضرت

ابو بکر صدیق نے لوگوں کو حج کرایا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ۔ (المائدہ: ۳)

یہ آیت حجتہ الوداع کے سال نازل ہوئی، پس سورہ توبہ کیسے آخری نازل ہونے والی سورت ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ حضرت

البراء رضی اللہ عنہ نے سورہ توبہ کی بعض آیتوں کا ارادہ کیا ہو۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۴۰۲-۴۰۱، وزارة الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ہو سکتا ہے حضرت البراء کی مراد یہ ہو کہ سورہ توبہ کا اکثر حصہ آخر میں نازل ہوا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سورہ توبہ کا اکثر

حصہ غزوہ تبوک کے بیان پر مشتمل ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضرت ابن عباس اور حضرت البراء رضی اللہ عنہما کے اقوال میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ انہوں نے آخر

میں نازل ہونے والی سورت کو کسی سے نقل نہیں کیا ہے، بلکہ اپنے اجتہاد سے کہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے اجتہاد

سے کہا کہ آخری آیت البقرہ: ۲۸۱ ہے، اور حضرت البراء نے کہا کہ آخری سورت سورہ توبہ ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۰۴)

علامہ عینی علامہ ابن حجر پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ کا اجتہاد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۵۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر نے ایک قول یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آخری سورت جو نازل ہوئی، وہ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ ہے۔ اور میں وہاں پر ان اقوال میں تطبیق ذکر کروں گا۔ لیکن حافظ ابن حجر نے وہاں پر کوئی تطبیق ذکر نہیں کی اور وہ غالباً بھول گئے جیسا کہ وہ اکثر بھول جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سو (اے مشرک! اب تم (صرف) چار ماہ زمین میں (آزادی سے) چل پھر لو اور یقین رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے O (التوبہ: ۲) کی تفسیر

۲۔ بَابٌ: فَيَسْخَرُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ
وَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ O (التوبہ: ۲)

سَيَسْخَرُوا کا معنی ہے: زمین میں سیر کرو۔

۴۶۵۵۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَفِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عَقِيلٌ عَنْ ابْنِ شَهَابٍ وَأَخْبَنِي حُسَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ بَعَثَنِي أَبُو بَكْرٍ فِي تِلْكَ الْحَجَّةِ فِي مُؤَذِّنِينَ بَعْثَهُمْ يَوْمَ النَّحْرِ يُؤَذِّنُونَ بِنِيٍّ أَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ قَالَ حُسَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ثُمَّ أَرَدَفَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَأَمَرَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ بِبِرَائَةِ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَأَذَّنَ مَعَنَا عَلَيْهِ يَوْمَ النَّحْرِ فِي أَهْلِ مَنَى بِبِرَائَةٍ وَأَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے الليث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے حمید بن عبد الرحمن نے خبر دی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھے اس حج میں اعلان کرنے والوں میں بھیجا، آپ نے ان کو قربانی کے دن بھیجا، وہ منیٰ میں اعلان کر رہے تھے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی کعبہ میں برہنہ طواف کرے گا۔ حمید بن عبد الرحمن نے کہا: پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کے پیچھے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ مشرکین سے برأت کا اعلان کریں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمارے ساتھ قربانی کے دن اہل منیٰ میں برأت کا اعلان کیا اور یہ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا، اور بیت اللہ میں برہنہ طواف نہیں کرے گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۹ میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو براءت کا اعلان کرنے کے لئے بھیجنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجنے کی توجیح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مشرکین سے براءت کا اعلان کرنے کے لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ جب وہ ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے تو آپ نے فرمایا: یہ اعلان صرف میں کر سکتا ہوں یا میرے اہل بیت میں سے کوئی کر سکتا ہے، پھر آپ نے براءت کا اعلان کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اس

حدیث کی امام ترمذی نے بھی کتاب التفسیر میں روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

امام عبداللہ بن احمد بن حنبل نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ جب سورہ توبہ کی دس آیتیں نازل ہوئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں اہل مکہ پر یہ آیات پڑھنے کے لئے بھیجا، پھر آپ نے مجھے بلایا اور فرمایا: تم ابوبکر سے جا کر ملو وہ جہاں بھی ہوں اور ان سے وہ مکتوب لے لو اور تم اہل مکہ کے سامنے جاؤ اور یہ آیات پڑھو، پس میں مقام الحفہ میں جا کر ان سے مل گیا اور ان سے وہ مکتوب لے لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس گئے، پس کہا یا رسول اللہ! کیا میرے متعلق کوئی حکم نازل ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں لیکن ابھی حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور بتایا کہ آپ کی طرف سے یہ اعلان یا آپ کریں گے یا آپ کی طرف سے کوئی مرد کرے گا۔ حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت واپس آ کر پوچھا تھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جو تمام مناسک حج ادا کرنے کا حکم دیا تھا، وہ مناسک ادا کرنے کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر پوچھا جیسا کہ درج ذیل روایت میں ہے:

امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ حنین کے زمانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے البحرانہ سے عمرہ کیا، پھر آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس حج کا امیر بنایا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ مکہ میں جا کر مشرکین سے براءت کا اعلان کریں۔ حضرت ابو ہریرہ نے بتایا: پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ براءت کا اعلان کریں۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ) میں کہتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بعد میں براءت کا اعلان کرنے کے لئے بھیجنے کی وجہ یہی تھی کہ معاہدہ توڑنے کا اعلان یا تو خود صاحب معاہدہ کرے گا یا اس کے اہل بیت میں سے کوئی مرد کرے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جو معاہدہ حدیبیہ کیا تھا، ان کی عہد شکنی کی وجہ سے وہ معاہدہ توڑ دیا، سو اس کا اعلان آپ خود کرتے یا آپ کا کوئی قریبی عزیز کرتا۔

۳۔ بَابُ: وَأَذَانٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى

النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

وَالْمُشْرِكُونَ بَرِيءُونَ ۗ قَدْ نَبَّأْتُكُمْ قَدْ نَبَّأْتُكُمْ قَدْ نَبَّأْتُكُمْ

لَكُمْ وَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ عِزٌّ

مُعْجِزٌ مِنَ اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا

بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ (التوبہ: ۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور سب لوگوں کو اللہ اور اس کے

رسول کی طرف سے اعلان ہے کہ حج اکبر کے دن اللہ

مشرکین سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول (بھی)،

پس اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم

اعراض کرتے ہو تو تم یقین رکھو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے

والے نہیں ہو، اور آپ کافروں کو دردناک عذاب کی

خوشخبری دیجئے ۝ (التوبہ: ۳) کی تفسیر

حج اکبر کے متعلق مختلف اقوال اور مصنف کا مختار

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَأَذَانٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ: یعنی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمام لوگوں کو یہ خبر دینا ہے اور یہ اعلان کرنا ہے اور لوگوں

کوڑا نا ہے۔

يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ: یہ وہ دن ہے جو ایام مناسک میں سب سے افضل دن ہے اور سب سے زیادہ لوگوں کو جمع کرنے والا دن ہے۔

امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ ابواسحاق سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو جحیفہ سے حج اکبر کے دن کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: وہ یوم عرفہ ہے۔ اسی طرح عطاء سے بھی روایت ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم، مجاہد اور طاؤس سے روایت ہے۔ ان سب نے کہا کہ عرفہ کا دن ہی حج اکبر کا دن ہے۔

محمد بن قیس بن مخرمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن خطبہ دیا، پس فرمایا: یہ حج اکبر کا دن ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حج اکبر کا دن یوم النحر ہے یعنی قربانی کا دن۔ اسی طرح حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ سے مروی ہے کہ حج اکبر کا دن یوم النحر ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم النحر کو جمرات کے پاس ٹھہرے اور فرمایا: یہ حج اکبر کا دن ہے۔ ابن عوف بیان کرتے ہیں کہ میں نے محمد بن سیرین سے حج اکبر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: حج اکبر وہ دن ہے جو اس دن کے موافق ہو جس دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تھا، اور تمام اہل خیمہ نے حج کیا تھا۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۵۶-۳۵۵) میں کہتا ہوں: اس حدیث کی بنیاد پر بعض اہل علم نے کہا ہے کہ جس سال یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ حج، حج اکبر ہے۔ اس حدیث صحیح مسلم جلد ثالث (۳) ص ۶۹۲-۶۸۸ میں اس کی بہت زیادہ تحقیق کی ہے کہ جس سال یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ حج، حج اکبر ہوتا ہے، اور میں نے ۱۹۹۳ء میں حج کیا تھا اور اللہ کا کرم ہے کہ وہ حج بھی حج اکبر تھا۔

اذنہم کا معنی ہے: ان کو مطلع کیا یا خبر دی۔

۴۶۵۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عَقِيلٌ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِي حُسَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَنِي أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لِي تِلْكَ الْحَجَّةُ فِي الْمُؤَذِّينَ بَعْثَهُمْ يَوْمَ النَّحْيِ يُؤَذِّنُونَ بَيْنِي أَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عَزِيَّانَ قَالَ حُسَيْنٌ ثُمَّ أَرَدَفَ النَّبِيُّ ﷺ بِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ فَأَمَرَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ بِبَرَاءَةِ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَأَذَّنَ مَعَنَا عَلِيٌّ فِي أَهْلِ مِثْنَى يَوْمَ النَّحْيِ بِبَرَاءَةِ وَأَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عَزِيَّانَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی، ابن شہاب نے کہا: پس مجھے حمید بن عبدالرحمن نے خبر دی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مجھے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس حج میں اعلان کرنے والوں میں بھیجا جن کو انہوں نے قربانی کے دن بھیجا تھا۔ وہ منیٰ میں اعلان کر رہے تھے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی بیت اللہ کا برہنہ طواف کرے گا۔ حمید نے بتایا: پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے حضرت علی بن ابی طالب کو بھیجا، پس ان کو یہ حکم دیا کہ وہ مشرکین سے براءت کا اعلان کریں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمارے ساتھ منیٰ والوں میں قربانی کے دن مشرکین سے براءت کا اعلان کیا اور یہ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں

کرے گا اور نہ صیت اللہ کا برہنہ طواف کرے گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۹ میں گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور بیان کئے جا رہے ہیں:

اس اشکال کا جواب کہ حضرت ابوبکر نے حضرت ابو ہریرہ کو اعلان کے لئے کیسے بھیجا؟ جب کہ نبی ﷺ نے تو اعلان کرنے کے لئے حضرت علی کو بھیجا تھا، اور حضرت علی کے اعلان کے متعلق حدیث اور سورۃ توبہ سے ان

کے اعلان کی وضاحت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ نے بیان کیا کہ مجھے حضرت ابوبکر نے اعلان کرنے والوں میں بھیجا: امام طحاوی نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر کو بھیجا، پھر ان کے پیچھے حضرت علی کو بھیجا، پس ان کو اعلان کرنے کا حکم دیا تو یہ کیسے صحیح ہوگا کہ حضرت ابوبکر نے حضرت ابو ہریرہ کو بھیجا؟ پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ حضرت ابو ہریرہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نے حضرت علی کو مشرکین سے براءت کا اعلان کرنے کے لئے بھیجا تو میں بھی ان کے ساتھ تھا اور میں بھی بلند آواز سے اعلان کر رہا تھا اور وہ حضرت ابوبکر کے حکم سے اعلان کر رہے تھے جس طرح ان کو یہ پیغام پہنچانے کا حکم دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر کو نوبجری میں حج کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔ اور حضرت علی کو سورۃ توبہ کی تیس یا چالیس آیتیں مشرکین پر پڑھنے کے لئے بھیجا تھا۔

علامہ کرمانی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت علی کو تو سورۃ التوبہ کی آیات پڑھ کر سنانے کے لئے بھیجا تھا، پھر انہوں نے یہ اعلان کیسے کیا کہ اس سال کے بعد کوئی حج نہیں کرے گا، پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ حضرت علی کا یہ اعلان سورۃ براءت کی ان آیات کے مطابق ہے:

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ
بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا۔ (التوبہ: ۲۸)
تمام مشرک محض نجس ہیں، سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔

اور ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت علی کو یہ حکم دیا ہو کہ تم وہی اعلان کرنا جس کا میں نے ابوبکر کو حکم دیا تھا، اور حضرت ابوبکر کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا تھا کہ بیت اللہ کا کوئی برہنہ طواف نہ کرے۔

شعبی نے روایت کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، جب ان کو نبی ﷺ نے اعلان کرنے کے لئے بھیجا، پس جب وہ تیز آواز سے اعلان کرتے تو میں اعلان کرتا۔ شعبی نے پوچھا: آپ کیا اعلان کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: ہم چار باتوں کا اعلان کرتے تھے: (۱) کوئی بھی کعبہ کا برہنہ طواف نہ کرے (۲) جس نے رسول اللہ ﷺ سے جتنی مدت کے لئے عہد کیا، وہ عہد اس مدت تک ہے (۳) مومن کے سوا کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا (۴) اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا۔

اس حدیث کی امام ابن جریر نے متعدد سندوں کے ساتھ شعبی سے روایت کی ہے۔

۴۔ بَابُ: اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ماسوا ان مشرکین کے جن سے تم

(التوبہ: ۴)

نے معاہدہ کیا تھا۔ (التوبہ: ۴) کی تفسیر

۴۶۵۷۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنْ ابْنِ شَهَابٍ أَنَّ حُمَيْدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بَعَثَهُ فِي الْحَجَّةِ الَّتِي أَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَيْهَا قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فِي رَهْطٍ يُؤَدِّتُونَ فِي النَّاسِ أَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عَرِيَانٌ فَكَانَ حُمَيْدٌ يَقُولُ يَوْمَ النَّحْرِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ مِنْ أَجْلِ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از صاحب از ابن شہاب کہ حمید بن عبد الرحمن نے ان کو خبر دی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کو بتایا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کو اس حج میں بھیجا جس حج کا ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیہ بن یاسر جتہ الوداع سے پہلے۔ وہ ایک جماعت کے ساتھ لوگوں میں یہ اعلان کر رہے تھے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ بیت اللہ کا برہنہ طواف کرے، پس حمید یہ کہتے تھے کہ قربانی کا دن ہی حج اکبر کا دن ہے، وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی وجہ سے ایسا کہتے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۹ میں گزر چکی ہے۔

حج اکبر اور حضرت علی کے اعلان کے متعلق مختلف روایات

علامہ عمر بن ابن السلقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حمید یہ کہتے تھے کہ قربانی کا دن ہی حج اکبر کا دن ہے: میں کہتا ہوں: یہی زیادہ صحیح قول ہے، اور کتاب الحج میں گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر کے متعلق فرمایا: یہ دن حج اکبر ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۷۴۲) اور یہ حج اکبر کے متعلق نص صریح ہے اور ایک قول یہ ہے کہ تمام ایام، حج اکبر ہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا کہ یوم عرفہ حج اکبر ہے اور محمد بن سیرین نے کہا کہ جس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تھا، اس دن تمام اہل مل نے حج کیا اور وہی دن حج اکبر ہے اور مجاہد سے روایت ہے کہ حج اکبر قرآن ہے اور حج اصغر عمرہ ہے۔ (تفسیر طبری ج ۶ ص ۳۱۸-۳۰۹)

امام بیہقی نے کہا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نوبھری میں حج کیا اور سورہ توبہ ان کے جانے کے بعد نازل ہوئی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو بھیجا تا کہ وہ سورہ توبہ لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو بھیجا کہ وہ ان کلمات کے ساتھ ندا کریں، پھر ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ حضرت علی ان کلمات کے ساتھ ندا کرتے تھے، پس جب وہ تھک جاتے تو حضرت ابو ہریرہ کھڑے ہو کر ندا کرتے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو سورہ توبہ کی چند آیات پڑھنے کے لئے بھیجا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۴۰۷، وزارة الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۵۔ بَابُ: فَقَاتِلُوا أَيُّهَا الْكُفْرُ إِنَّهُمْ لَا

أَيْمَانٌ لَهُمْ۔ (التوبہ: ۱۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: کفر کے علم برداروں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (التوبہ: ۱۲) کی تفسیر

۳۶۵۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ النُّشَیْ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَهَبٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ حُذَيْفَةَ فَقَالَ مَا بَقِيَ مِنْ أَصْحَابِ هَذِهِ الْآيَةِ إِلَّا ثَلَاثَةٌ وَلَا مِنَ السَّائِقِينَ إِلَّا أَرْبَعَةٌ فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ إِنَّكُمْ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ تُخْبِرُونَا فَلَا نَذَرِي قَسًا بَالٌ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَنْقُرُونَ بُيُوتَنَا وَيَسْرِقُونَ أَعْلَاقَنَا قَالَ أُولَئِكَ الْفُسَّاقُ أَجَلُ لَمْ يَبْقَ مِنْهُمْ إِلَّا أَرْبَعَةٌ أَحَدُهُمْ شَيْخٌ كَبِيرٌ لَوْ شَرِبَ الْمَاءَ الْبَارِدَ لَنَا وَجَدَ بَرْدًا۔

(اس حدیث کی روایت میں امام بخاری مفرد ہیں۔)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن النشئی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زید بن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: جن لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی ان میں سے صرف تین زندہ ہیں اور منافقین میں سے صرف چار زندہ ہیں۔ ایک اعرابی نے کہا: آپ لوگ! سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب ہیں، آپ ہمیں خبر دیں ہم خود نہیں جانتے، ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ہماری چھتوں میں سوراخ کرتے ہیں اور اچھی چیزیں چرا کر لے جاتے ہیں۔ حضرت حذیفہ نے بتایا کہ یہ لوگ فاسق ہیں، ہاں! ان منافقین میں سے صرف چار باقی ہیں اور ان میں سے ایک تو اتنا بوڑھا ہو چکا ہے کہ اگر وہ ٹھنڈا پانی پیے تو اسے اس کی ٹھنڈک کا پتا نہیں چلتا۔

ائمہ کفر کے متعلق مختلف اقوال اور حضرت حذیفہ کو ان منافقین کا علم تھا یا نہیں؟

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ائمہ کفر سے مراد ہے: قریش کے بڑے بڑے سردار جو اس آیت کے نزول کے وقت تھے۔ ابو جہل، امیہ بن خلف، عتبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب اور سہیل بن عمرو (مؤخر الذکر دونوں بعد میں اسلام لے آئے تھے)۔ اس آیت میں ہے: لَا أَيْمَانُ لَهُمْ: فراء نے کہا: ان کے کئے ہوئے عہدوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (معانی القرآن ج ۱ ص ۲۲۵) مجاہد نے کہا: ائمہ کفر سے مراد اہل فارس اور اہل روم ہیں۔

حذیفہ نے کہا: اس آیت کے مصداق سے ابھی تک قتال نہیں کیا گیا اور ان کے مصداق ابھی تک نہیں آئے۔

(تفسیر طبری ج ۶ ص ۳۳۰ و تفسیر ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۷۶)

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں کہ حضرت حذیفہ کو نبی ﷺ نے متعدد منافقین کے نام بتائے تھے اور ان ائمہ کفر کے متعلق بھی بتایا تھا جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے، لیکن آپ نے ان کو تمام منافقین کے متعلق نہیں بتایا تھا۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ حضرت حذیفہ کی اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ وہ ان منافقین کو جانتے تھے، جب ہی تو انہوں نے کہا کہ اب منافقین میں سے صرف چار باقی رہ گئے۔

اس حدیث میں اطلاق کا معنی ہے: نفیس مال اور ہر وہ چیز جس کی قدر و منزلت ہو۔ علامہ خطابی نے کہا ہے: اطلاق کا معنی ہے: قیمتی چیز۔ (اعلام الحدیث ج ۳ ص ۱۸۴۴)، (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲ ص ۳۱۰-۳۰۸، وزارة الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۶۔ بَابُ: وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (التوبہ: ۳۴)
 اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو آپ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے ○
 (التوبہ: ۳۴) کی تفسیر

آیت مذکورہ کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
 اس آیت کے مصداق کے متعلق اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ عام اہل کتاب اور مسلمانوں دونوں کے متعلق نازل ہوئی اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ صرف اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ اس امت کے ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔ یہ حضرت ابن عباس، سدی اور عام مفسرین کا قول ہے۔
 کنز: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اس سے مراد وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو اور وہی مال وعید کا مستحق ہے۔ پس ان کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے: زکوٰۃ نہ دینے والوں کے لئے عذاب کی وعید کو ثواب کی بشارت کے قائم مقام کیا گیا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۵۹)

۳۶۵۹۔ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ يَكُونُ كَنْزُ أَحَدِكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَجَاعًا أَقْرَعَ۔
 امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احکم بن نافع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو الزناد نے حدیث بیان کی کہ عبد الرحمن اعرج نے انہیں حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے کسی ایک کا جمع کیا ہوا مال قیامت کے دن گنجا سانپ بن جائے گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۴۰۳ میں گزر چکی ہے۔

گنجا سانپ عام سانپوں کی بہ نسبت زیادہ زہریلا ہوتا ہے۔

۳۶۶۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهَبٍ قَالَ مَرَرْتُ عَلَى أَبِي ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ فَقُلْتُ مَا أَنْزَلْتَ بِهَذِهِ الْأَرْضِ قَالَ كُنَّا بِالسَّامِرَةِ فَقَرَأْتُ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ
 امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از حصین از زید بن وہب، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ربذہ میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا تو میں نے ان سے پوچھا: آپ کو اس زمین میں کس نے ٹھہرایا ہے؟ انہوں نے بتایا: میں شام میں تھا تو

الْيَوْمَ (التوبہ: ۳۴) قَالَ مُعَاوِيَةُ مَا هَذِهِ فِينَا مَا هَذِهِ إِلَّا فِي أَهْلِ الْكِتَابِ قَالَ قُلْتُ إِنَّهَا لَفِينَا وَفِيهِمْ-

میں نے یہ آیت پڑھی: اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجئے O (التوبہ: ۳۴) تو حضرت معاویہ نے کہا: یہ آیت ہمارے متعلق نازل نہیں ہوئی، یہ آیت صرف اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بتایا: میں نے کہا: یہ آیت ہمارے متعلق اور ان کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۰۶ میں گزر چکی ہے۔

ربذہ: مدینہ کے قریب ایک بستی کا نام ہے، اور حضرت ابوذر کے وہاں رہنے کی وجہ یہ تھی کہ شام میں ان کے اور حضرت معاویہ کے درمیان اس آیت کی تفسیر میں مناظرہ ہوا تو وہ دل برداشتہ ہو کر مدینہ میں آ گئے، پھر مدینہ میں بھی لوگوں نے ان سے اس سلسلے میں مناظرے کئے تو وہ دل برداشت ہو کر ربذہ میں آ گئے۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۶۰-۳۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ربذہ میں جانے کا صحیح سبب

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ربذہ میں جانے کا صحیح سبب یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد سے یہ کہتے تھے کہ ہر انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد مال کو اللہ کی راہ میں صدقہ کر دے اور اس کا استنباط انہوں نے درج ذیل آیت سے کیا تھا:

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ-

اور آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں؟ آپ فرمادیں: جو (البقرہ: ۲۱۹) ضرورت سے زائد ہو۔

میں کہتا ہوں: اس آیت میں حکم مستحب بیان کیا ہے، یہ حکم واجب نہیں ہے، کیونکہ اگر ہر شخص اپنی ضرورت سے زائد مال صدقہ کر دے تو نہ کسی پر زکوٰۃ واجب ہوگی نہ قربانی، نہ صدقہ فطر اور نہ حج واجب ہوگا۔ تب حضرت عثمان نے حضرت ابوذر سے کہا: یہ لوگ آپ سے بحث کرتے ہیں اور آپ کی بات سمجھتے نہیں ہیں، اس لئے بہتر یہ ہے کہ آپ ربذہ میں چلے جائیں، سو اس وجہ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ربذہ میں چلے گئے۔

۷۔ بَابُ: يَوْمَ يُخْلَىٰ عَلَيْهِمَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكَلِّمُ بِهِمَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كُنْتُمْ لَا تُفْسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ (التوبہ: ۳۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جس دن وہ (سونا اور چاندی) دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا، یہ ہے وہ (سونا اور چاندی) جس کو تم نے اپنے لئے جمع کر کے رکھا تھا، سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو O (التوبہ: ۳۵) کی تفسیر

اور احمد بن حنبل بن سعید نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث

۳۶۶۱۔ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبِي

عَنْ يُونُسَ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ
خَرَجْنَا مَعَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ فَقَالَ هَذَا قَبْلَ أَنْ تُنْزَلَ
الزَّكَاةُ فَلَمَّا أُنْزِلَتْ جَعَلَهَا اللَّهُ طَهْرًا لِلْأَمْوَالِ

بیان کی، از یونس از ابن شہاب از خالد بن اسلم، انہوں نے بیان
کیا کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نکلے تو انہوں
نے کہا: یہ حکم زکوٰۃ کے حکم نازل ہونے سے پہلے تھا، پس جب
زکوٰۃ کا حکم نازل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو اموال کی پاکیزگی
کا ذریعہ بنا دیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۴۰۴ میں گزر چکی ہے۔

۸۔ بَابُ: إِنْ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں
کی تعداد اللہ کی کتاب میں بارہ مہینے ہے جس دن سے
اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا، ان میں سے
چار مہینے حرمت والے ہیں۔ (التوبہ: ۳۶) کی تفسیر

عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ

(التوبہ: ۳۶)

ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيُّمُ الْقَيُّمُ هُوَ الْقَائِمُ

اور یہ دین قیّم ہے۔ (التوبہ: ۳۶) قیّم کا معنی ہے: قائم
یعنی یہی شرع مستقیم ہے کہ اللہ عزوجل کے حکم کی اطاعت کی جائے، کیونکہ چار مہینوں میں قتال کو حرام قرار دینا، یہ حضرت
ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دین ہے اور یہی دین مستقیم ہے۔

فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ

سو ان مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ (التوبہ: ۳۶)

یعنی ان چار مہینوں میں تم ایک دوسرے سے قتال کر کے اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

۳۶۶۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا
حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ
عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ الزَّمَانَ قَدْ
اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثُ
مُتَوَالِيَّاتٍ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ
مُحَرَّمِ الْيَمَانِ بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن عبدالوہاب نے
حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث
بیان کی از ایوب از محمد از ابن ابی بکرہ از حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ از نبی
صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: زمانہ گھوم کر اپنی اصل حالت پر آ گیا ہے
جیسے اس وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا
تھا۔ سال کے بارہ مہینے ہیں، ان میں سے چار مہینے حرمت والے
ہیں، تین مہینے بے درپے ہیں، ذو القعدہ، ذو الحجہ اور محرم اور مضرب کا
رجب جو جمادی اور شعبان کے درمیان میں ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۱۹۷ میں گزر چکی ہے۔

زمانے کے گھومنے کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بے شک زمانہ: اس سے مراد ہے: سال۔

بے شک گھوم کر آ گیا ہے: گھومنے سے مراد ہے: زمانہ اپنی اصل حالت کی طرف منتقل ہو گیا ہے، کیونکہ عرب محرم کو صفر کی طرف موخر کر دیتے تھے تاکہ اس مہینے میں قتال کر سکیں اور وہ یہ عمل ہر سال کرتے رہتے تھے، پس محرم ایک مہینے سے دوسرے مہینے کی طرف منتقل ہوتا رہا حتیٰ کہ وہ سال کے تمام مہینوں میں یہ عمل کرتے رہے۔

اور مُضَر کا رجب: مُضَر کی طرف رجب کی اضافت کی گئی ہے، کیونکہ یہ وہ قبیلہ تھا جو رجب کے مہینے کی تعظیم کرتا تھا اور اس مہینے کو اس کی جگہ سے منتقل نہیں کرتا تھا۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۶۲-۳۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۹۔ بَابُ: ثَانِيِ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ
اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللَّهَ
مَعَنَا۔ (التوبہ: ۴۰)
اللہ تعالیٰ کے ارشاد: درآں حالیکہ وہ دو میں سے
دوسرے تھے جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ
اپنے صاحب سے فرما رہے تھے: غم نہ کرو، بے شک
اللہ ہمارے ساتھ ہے، یعنی ہمارا مددگار ہے۔
(التوبہ: ۴۰) کی تفسیر

امام بخاری نے پوری آیت ذکر نہیں کی، پوری آیت درج ذیل ہے:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ لَقَدْ تَضَرَّعْتُ لِلّٰهِ اِذَا خَرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا
ثَانِيِ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ
اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔
اگر تم نے رسول کی مدد نہیں کی تو بے شک اللہ ان کی مدد کر چکا ہے
جب کافروں نے ان کو بے وطن کر دیا تھا درآں حالیکہ وہ دو میں
سے دوسرے تھے جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے
صاحب سے فرما رہے تھے: غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ
ہے، (یعنی اللہ ہمارا مددگار ہے)۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ: یعنی اگر تم اللہ کے رسول محمد ﷺ کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ آپ کا مددگار ہے، اور آپ کا مؤید ہے، اور آپ
کے لئے کافی ہے، اور آپ کا محافظ ہے، جیسے اللہ نے آپ کی اس وقت مدد کی جب مشرکین مکہ نے آپ کو شہر سے نکال دیا تھا اور یہ
ہجرت کے سال کا واقعہ ہے جب انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا یا آپ کو قید کرنے کا یا آپ کو جلا وطن کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

ثَانِيِ اثْنَيْنِ: یعنی دو میں سے ایک، اور وہ دونوں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔
اِذَا خَرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا: اور غار ثور، ثور کی بلندی کے اوپر ایک سوراخ ہے اور وہ مشہور پہاڑ ہے جو مکہ کے پیچھے دائیں
جانب واقع ہے۔

لِصَاحِبِهِ: اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

اَلشَّكِيْنَةُ: یہ سکون سے ماخوذ ہے، فَعِيْنَةُ کے وزن پر اور اس کا معنی بھی سکون ہے۔

ہر چند کہ نبی ﷺ پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکون نازل ہوتا رہتا ہے لیکن یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ آپ کے اوپر
دو بار سکون نازل ہو۔

۴۶۶۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا حَبَّانُ
حَدَّثَنَا هَنَاقٌ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ حَدَّثَنَا أَنَسٌ قَالَ حَدَّثَنِي
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث
بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حبان نے حدیث بیان کی، انہوں نے

أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْغَارِ فَرَأَيْتُ آثَارَ الْمَشْرِكِينَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ رَفَعَ قَدَمَهُ رَأَى أَنَا قَالِ مَا ظَنُّكَ بِاِثْنَيْنِ اللَّهُ تَالِيَهُمَا۔

نے کہا: ہمیں حمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ثابت نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار میں تھا تو میں نے مشرکین کے آثار دیکھے تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کسی ایک نے اپنا قدم اوپر اٹھایا تو وہ ہم کو دیکھ لے گا۔ تو آپ نے فرمایا: تمہارا ان دو کے متعلق کیا خیال ہے؟ جن میں تیسرا اللہ ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۵۳ میں گزر چکی ہے۔

۳۶۶۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عِيْنَةَ عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ حِينَ وَقَعَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ ابْنِ الزُّبَيْرِ قُلْتُ أَبُوهُ الزُّبَيْرُ وَأُمُّهُ أَسْمَاءُ وَخَالَتُهُ عَائِشَةُ وَجَدُّهُ أَبُو بَكْرٍ وَجَدَّتُهُ صَفِيَّةُ فَقُلْتُ لِسُفْيَانَ إِسْنَادُهُ فَقَالَ حَدَّثَنَا فَشَغَلَهُ إِنْسَانٌ وَلَمْ يَقُلْ ابْنُ جُرَيْجٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے حدیث بیان کی، ابن جریج از ابن ابی ملیکہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب ان کے اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے درمیان مناقشہ ہوا تو میں نے کہا کہ ان کے باپ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کی ماں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ہیں اور ان کی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اور ان کے نانا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کی دادی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہیں)، پس میں نے سفیان سے پوچھا: اس کی سند کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: انہوں نے ہمیں حدیث بیان کی، پھر کسی انسان نے ان کو باتوں میں مشغول کر دیا اور انہوں نے ابن جریج نہیں کہا۔

[طرف الحدیث: ۳۶۶۵، ۳۶۶۶]

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر کے درمیان بیعت کے مناقشہ کی تفصیل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر میں بیعت کے سبب سے اختلاف ہوا تھا، کیونکہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی تو حضرت ابن زبیر نے یزید بن معاویہ کی بیعت سے انکار کیا اور اس پر اصرار کیا حتیٰ کہ یزید بن معاویہ نے مسلم بن عقبہ کو بھیج کر مدینہ پر حملہ کرایا، پھر آخرتاً کا واقعہ ہوا، پھر وہ لشکر مکہ کی طرف روانہ ہوا، پس ان کا امیر مسلم بن عقبہ مر گیا اور شامی لشکر کی قیادت خصیین بن نمیر نے سنبھال لی اور مکہ میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا محاصرہ کیا اور منجنیق سے کعبہ کے اوپر پتھر برسائے حتیٰ کہ کعبہ جل گیا، پھر ان کے پاس اچانک یزید بن معاویہ کے مرنے کی خبر آئی، پھر وہ لشکر شام کی طرف واپس چلا گیا اور حضرت ابن الزبیر نے کعبہ کی تعمیر شروع کی، پھر انہوں نے لوگوں کو اپنی بیعت کرنے کی دعوت دی تو ان کی بیعت خلافت کی گئی اور اہل حجاز، مصر، عراق، خراسان اور شام کے بھی بہت سے لوگوں نے ان کی بیعت کر لی، پھر مردان بن الحکم نے شام پر غلبہ پالیا اور اس نے ضحاک بن قیس کو

قتل کر دیا جو حضرت ابن زبیر کی طرف سے امیر تھا، پھر مروان مصر کی طرف روانہ ہوا اور اس نے مصر کے اوپر غلبہ پالیا اور یہ تمام واقعات چونسٹھ (۶۳) ہجری کے ہیں اور کعبہ کی تعمیر پینسٹھ (۶۵) ہجری میں مکمل ہو گئی، پھر مروان پینسٹھ (۶۵) ہجری میں مر گیا اور اس کا بیٹا عبدالملک بن مروان، اس کا جانشین ہوا اور المختار بن ابی عبید نے کوفہ پر غلبہ پالیا تو وہاں حضرت ابن زبیر کے طرفدار جو لوگ تھے، وہ وہاں سے بھاگ گئے اور محمد بن علی بن ابی طالب جو ابن الحنفیہ کے نام سے معروف ہیں، وہ اور حضرت عبداللہ بن عباس مکہ میں ہی تھے جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے، پس ان دونوں کو حضرت ابن الزبیر نے اپنی بیعت کے لئے بلایا تو ان دونوں نے انکار کیا اور کہا: ہم اس وقت تک بیعت نہیں کریں گے جب تک کہ تمام لوگ اس خلیفہ کی بیعت پر متفق نہ ہو جائیں اور مسلمانوں کی ایک جماعت نے ان کی موافقت کی تھی تو حضرت ابن زبیر نے ان کے اوپر سختی کی اور ان کو گھیر لیا، مختار کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے ان کی طرف ایک لشکر بھیجا اور ان دونوں کو وہاں سے نکال لیا اور ان دونوں سے حضرت ابن زبیر سے لڑنے کی اجازت طلب کی تو ان دونوں نے انکار کیا اور وہ دونوں طائف کی طرف چلے گئے، پھر وہ دونوں وہیں پر رہے، حتیٰ کہ حضرت ابن عباس اڑسٹھ (۶۸) ہجری میں وفات پا گئے اور ان کے بعد ابن الحنفیہ ینبع پہاڑ کی طرف چلے گئے اور وہاں ٹھہر گئے، پھر انہوں نے شام میں داخل ہونے کا ارادہ کیا، پس وہ بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوئے اور سن تہتر (۷۳) یا چوہتر (۷۴) ہجری کے اول میں فوت ہو گئے اور صحیح قول یہ ہے کہ یہ حضرت ابن الزبیر کی شہادت کے بعد کا واقعہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اسی (۸۰) ہجری یا اس کے بعد تک زندہ رہے اور امام واقدی نے یہ کہا ہے کہ وہ اکیاسی (۸۱) ہجری میں مدینہ میں فوت ہوئے تھے اور فرقۃ الکلیسانیہ کا یہ زعم ہے کہ وہ ابھی تک زندہ ہیں اور فوت نہیں ہوئے اور وہی مہدی ہیں اور وہ اس وقت تک فوت نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ تمام روئے زمین کے مالک نہ ہو جائیں اور اس فرقہ کی اس سلسلہ میں بہت خرافات ہیں جن کو بیان کرنے کی یہ جگہ نہیں ہے اور میں نے جو ذکر کیا ہے، اس کو میں نے طبقات ابن سعد اور تاریخ الطبری سے اخذ کیا ہے تاکہ ابن ابی ملیکہ کے اس قول کی وضاحت ہو جائے کہ "حضرت ابن عباس کے اور حضرت ابن الزبیر کے درمیان اختلاف ہوا"۔ اور دوسری سند سے ان کا یہ قول ہے کہ میں صبح کو حضرت ابن عباس کے پاس گیا، پس میں نے کہا: کیا آپ حضرت ابن الزبیر سے لڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ تو حضرت ابن عباس نے کہا: ان سے لڑائی کیسے ہو سکتی ہے اور ان کے مناقب بیان کئے لیکن حضرت ابن عباس نے حضرت ابن الزبیر کی بیعت کرنے سے انکار کیا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

اور فاکہی نے سعید بن محمد بن جبیر بن معطوم از والد خود یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس اور ابن الحنفیہ دونوں مدینہ میں تھے، پھر انہوں نے مکہ میں رہائش اختیار کی اور حضرت ابن الزبیر نے ان دونوں سے بیعت طلب کی، پس ان دونوں نے انکار کیا حتیٰ کہ تمام لوگ اس مرد کی بیعت پر متفق ہو جائیں تو حضرت ابن الزبیر نے ان دونوں پر تنگی کی، پس ان دونوں نے ایک قاصد عراق کی طرف بھیجا، پس ان کی طرف چار ہزار کا ایک لشکر آیا، پس ان دونوں کو محصور پایا، پھر ان کو ڈرانے کے لئے دروازے پر لکڑیاں رکھی گئیں، پھر ان دونوں کو طائف کی طرف نکال دیا۔ امام ابن سعد نے حضرت ابن زبیر اور حضرت ابن عباس کے درمیان مناقشہ کا یہ قصہ چھیاسٹھ (۶۶) ہجری میں ذکر کیا ہے۔

اور ان کی ماں اسماء ہیں: یعنی بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما اور ان کی داوی صفیہ ہیں یعنی بنت عبدالطلب اور دوسری روایت میں ہے کہ ان کی پھوپھی نبی سلیمانہ بنت ہاشم کی زوجہ ہیں۔ ان کی مراد تھی: حضرت خدیجہ بنت خویلد، ان پر ان کی پھوپھی کا اطلاق مجازاً ہے، ورنہ وہ ان کے باپ کی پھوپھی ہیں کیونکہ حضرت خدیجہ خویلد بن اسد کی بیٹی ہیں اور حضرت زبیر، وہ ابن العوام بن خویلد بن اسد ہیں۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۶۱۳-۶۱۴، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۶۶۵۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنِي
يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ
ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ وَكَانَ بَيْنَهُمَا شَيْءٌ فَعَدَّوْتُ عَلَى ابْنِ
عَبَّاسٍ فَقُلْتُ أَتُرِيدُ أَنْ تُقَاتِلَ ابْنَ الرَّبِيعِ فَتُحِلَّ
حَرَمَ اللَّهِ فَقَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ ابْنَ الرَّبِيعِ
وَبَنِي أُمَيَّةَ مُحِلِّينَ وَإِنِّي وَاللَّهِ لَا أَحِلُّهُ أَبَدًا قَالَ قَالَ
النَّاسُ بَايَعُوا ابْنَ الرَّبِيعِ فَقُلْتُ وَآيَنَ بِهَذَا الْأَمْرِ عَنْهُ
أَمَّا أَبُوهُ فَخَوَارِئُ النَّبِيِّ ﷺ يُرِيدُ الرَّبِيعَ وَأَمَّا
جَدُّهُ فَصَاحِبُ الْغَارِ يُرِيدُ أَبَا بَكْرٍ وَأُمُّهُ فَذَاثُ
النِّطَاقِ يُرِيدُ أَسْمَاءَ وَأَمَّا خَالَتُهُ فَأُمُّ الْمُؤْمِنِينَ يُرِيدُ
عَائِشَةَ وَأَمَّا عَمَّتُهُ فَزَوْجَةُ النَّبِيِّ ﷺ يُرِيدُ خَدِيجَةَ
وَأَمَّا عَمَّةُ النَّبِيِّ ﷺ فَجَدَّتُهُ يُرِيدُ صَفِيَّةَ ثُمَّ
عَقِيفٌ فِي الْإِسْلَامِ قَارِعٌ يَلْقُرُ آيَةَ اللَّهِ إِنْ وَصَلُونِي
وَوَصَلُونِي مِنْ قَرِيبٍ فَإِنْ رُبُّونِي رُبُّونِي أَكْفَاءُ كَرَاهٍ فَاتَّرَ
الشُّوَبَاتِ وَالْأَسَامَاتِ وَالْحَصِيدَاتِ يُرِيدُ أَبْنُطْنَا مِنْ
بَنِي أَسَدِ بَنِي تَوَيْتٍ وَبَنِي أَسَامَةَ وَبَنِي أَسَدٍ إِنَّ ابْنَ
أَبِي الْعَاصِ بَرَزَ يَسْئَلُ الْقَدَمِيَّةَ يَعْنِي عَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ
عُرْوَانَ وَإِنَّهُ لَوَى ذَنَبَهُ يَعْنِي ابْنَ الرَّبِيعِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یحییٰ بن معین نے حدیث بیان کی: انہوں نے کہا: ہمیں حجاج نے حدیث بیان کی، ابن جریج نے کہا کہ ابن ابی ملیکہ نے بتایا کہ ان دونوں کے درمیان اختلاف تھا، پس میں صبح کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا، پس میں نے کہا: کیا آپ حضرت ابن زبیر سے لڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ پس آپ اللہ کے حرم کو حلال کریں گے؟ حضرت ابن عباس نے کہا: معاذ اللہ! بے شک اللہ نے ابن الزبیر اور بنو امیہ کے متعلق لکھ دیا ہے کہ وہ حرم کو حلال کرنے والے ہیں اور بے شک میں اللہ کی قسم! حرم کو کبھی حلال نہیں کروں گا، ابن ابی ملیکہ نے بتایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ ابن الزبیر سے بیعت کریں تو حضرت ابن عباس نے کہا: مجھے ان سے بیعت کرنے میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔ رہے ان کے والد تو وہ نبی ﷺ کے حواری تھے، ان کی مراد تھی حضرت زبیر۔ رہے ان کے نانا تو وہ غار کے ساتھی ہیں، ان کی مراد تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ رہی ان کی ماں تو وہ کمر بند والی ہیں، ان کی مراد تھی حضرت اسماء۔ رہی ان کی خالہ تو وہ ام المؤمنین ہیں، ان کی مراد تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور رہی ان کی پھوپھی تو وہ نبی ﷺ کی زوجہ ہیں، ان کی مراد تھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور رہی نبی ﷺ کی پھوپھی تو وہ ان کی دادی ہیں، ان کی مراد تھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا، پھر وہ اسلام میں پاک باز ہیں، قرآن مجید کے قاری ہیں اور اللہ کی قسم اگر وہ مجھ سے حسن سلوک کریں تو ان کو حسن سلوک کرنا ہی چاہئے، وہ میرے بہت قریبی رشتہ دار ہیں اور اگر وہ مجھ پر حکومت کریں تو حکومت کریں وہ ہمارے برابر عزت دار ہیں لیکن انہوں نے تو تویات، اسامات اور حمیدات کو ہم پر ترجیح دی ہے۔ ان کی مراد بنو اسد کے قبیلہ سے تھی بنو تویت، بنو اسامہ اور بنو اسد اور بے شک ابوالعاص کا بیٹا اعلان جنگ کر رہا ہے، اور پیش قدمی کر رہا ہے، ان کی مراد تھی عبد الملک بن مروان اور بے شک ابن الزبیر نے اپنی دم دہالی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۶۳ میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ اور بنو امیہ کے درمیان جنگ کی تفصیل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پس تم اللہ کے حرم کو حلال کرو گے: یعنی تم حرم میں قتال کرو گے، خون بہاؤ گے۔

اللہ نے لکھ دیا ہے: یعنی اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیا ہے۔

ابن الزبیر اور بنو امیہ حرم کو حلال کرنے والے ہیں: یعنی وہ حرم میں قتال کریں گے اور خون بہائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حرم کو حلال کرنے کی نسبت حضرت ابن الزبیر کی طرف کی ہے، حالانکہ بنو امیہ ہی وہ لوگ تھے جنہوں نے قتال کی ابتداء کی تھی اور حضرت ابن الزبیر کا حرم میں محاصرہ کیا تھا اور حضرت ابن الزبیر نے تو اپنی مدافعت کی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب یہ تھا کہ حرم میں اپنی مدافعت کے لئے بھی قتال کرنا جائز نہیں ہے، خواہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ التویات، الاسامات، الحمیدات، ان کی مراد تھی: بنو اسد کے قبیلے۔ رہے تویات تو ان کی نسبت بنو تویت بن اسد کی طرف ہے اور رہے اسامات تو ان کی نسبت بنو اسامہ بن اسد بن عبد العزیٰ کی طرف ہے اور رہے حمیدات تو ان کی نسبت بنو حمید بن زبیر بن الحارث بن اسد بن عبد العزیٰ کی طرف ہے۔

اور انہوں نے اپنی دم دہالی ہے: یعنی حضرت ابن الزبیر نے۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ وہ کھڑے رہے، نہ آگے بڑھے نہ پیچھے ہٹے اور ابن العتین نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ ان کا ارادہ پورا نہیں ہوا اور ابو مخنف نے کہا ہے کہ حضرت ابن الزبیر اپنے پچھلے پاؤں پر لوٹ رہے تھے اور یہ اس کے مناسب ہے کہ عبد الملک آگے بڑھ رہا تھا، یہاں تک کہ اس نے عراق کو حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے چھین لیا اور ان کے بھائی حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا پھر اس کے لشکر مکہ میں حضرت ابن الزبیر پر حملہ آور ہوئے اور حضرت ابن الزبیر مسلسل پیچھے ہٹتے رہے، یہاں تک کہ ان کو قتل کر دیا گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ورضی اللہ تعالیٰ۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۶۱۵-۶۱۳، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبید بن میمون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عیسیٰ بن یونس نے حدیث بیان کی، از عمر بن سعید، انہوں نے کہا: مجھے ابن ابی ملیکہ نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گئے تو انہوں نے کہا: تمہیں ابن الزبیر پر تعجب نہیں ہوتا؟ وہ خلافت کے لئے کھڑے ہو گئے، تو میں نے کہا: میں ان کے لئے اپنے نفس کا ایسا محاسبہ کروں گا کہ ایسا محاسبہ میں نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لئے بھی نہیں کیا تھا اور وہ دونوں ان سے ہر اعتبار سے افضل تھے اور میں نے کہا: وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے بیٹے ہیں اور حضرت زبیر کے بیٹے ہیں اور حضرت ابوبکر کے بیٹے ہیں اور حضرت خدیجہ کے بھتیجے ہیں اور حضرت عائشہ کے بھانجے ہیں اور اب وہ مجھ پر بڑائی ظاہر کرنے لگے ہیں اور وہ مجھے اپنے برابر

۴۶۶۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ بْنِ مَيْمُونٍ حَدَّثَنَا عَيْسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ دَخَلْنَا عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ أَلَا تَعْجَبُونَ لِابْنِ الزُّبَيْرِ قَامَ فِي أَمْرِهِ فَذَا فَقُلْتُ لِأَخَاسِبَتْ نَفْسِي لَهُ مَا حَاسِبْتُهَا لِأَبِي بَكْرٍ وَلَا لِعُمَرَ وَلَهُمَا كَانَا أَوْلَى بِكُلِّ خَيْرٍ مِنْهُ وَقُلْتُ ابْنُ عَتَةِ النَّبِيِّ ﷺ وَابْنُ الزُّبَيْرِ وَابْنُ أَبِي بَكْرٍ وَابْنُ أَخِي خَدِيجَةَ وَابْنُ أُخْتِ عَائِشَةَ فَإِذَا هُوَ يَتَعَلَّى عَنِّي وَلَا يُرِيدُ ذَلِكَ فَقُلْتُ مَا كُنْتُ أَظُنُّ أَنِّي أَعْرِضُ هَذَا مِنْ نَفْسِي فَيَدْعُهُ وَمَا أَرَاهُ يُرِيدُ خَيْرًا وَإِنْ كَانَ لَا يَهْدَى لَأَنْ يَرِيَنِي بِشَوْعَى أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَرِيَنِي غَيْرُهُمْ۔

رکھنے کا ارادہ نہیں رکھتے، پس میں نے (دل میں) کہا کہ مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ میں اپنے متعلق ان سے یہ عرض کروں گا کہ وہ اس کو چھوڑ دیں گے اور مجھے ان سے کسی خیر کی توقع نہیں ہے، اگرچہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہے، اگر میرے چچا کے بیٹے مجھ پر حکومت کریں تو وہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ ان کا غیر مجھ پر حکومت کرے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۶۳ میں گزر چکی ہے۔

بعض مشکل جملوں اور بعض ناموں کی وضاحت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: وہ اس امر میں کھڑے ہو گئے، یعنی خلافت کے لیے کھڑے ہو گئے۔

میں ان کے لئے ضرور اپنے نفس سے محاسبہ کروں گا: یعنی میں حضرت ابن الزبیر کے لئے ضرور مناقشہ کروں گا اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: میں اپنے نفس سے ضرور مطالبہ کروں گا کہ وہ میری رعایت کرے اور میرے حق کی حفاظت کرے اور میں ان کی پوری پوری خیر خواہی کروں گا اور ان کا دفاع کروں گا۔

وہ نبی سلمیٰؑ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں: اس میں مجاز ہے اور حقیقت میں ان کے والد نبی سلمیٰؑ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں اور وہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب ہیں۔ اسی طرح انہوں نے کہا: وہ حضرت ابوبکر کے بیٹے ہیں، اس میں بھی مجاز ہے، کیونکہ وہ حضرت ابوبکر کی بیٹی حضرت اسماء کے بیٹے ہیں۔ (عمدة القاری، ج ۱۸ ص ۳۶۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۰۔ بَابُ: وَالْمُؤَلَّفَةُ قُلُوبُهُمْ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جن کے دلوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا مقصود ہو۔ (التوبہ: ۶۰) کی تفسیر

(التوبہ: ۶۰)

امام بخاری نے پوری آیت نہیں لکھی، پوری آیت درج ذیل ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالتَّسْكِينِ وَالتَّحْقِيقِ عَلَيْهَا
وَالْمُؤَلَّفَةُ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَغَرْمِينَ وَفِي سَبِيلِ
اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
حَكِيمٌ ۝ (التوبہ: ۶۰)

زکوٰۃ کے مصارف صرف فقراء اور مساکین ہیں، اور زکوٰۃ کی وصول یا بی پر مامور لوگ، اور جن کے دلوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا مقصود ہو، اور جن غلاموں کو آزاد کرنا ہو، اور مقروض لوگ اور اللہ کی راہ میں مسافرین، یہ اللہ کی جانب سے ایک فریضہ ہے، اور اللہ بہت علم والا، بے حد حکمت والا ہے ۝

مؤلفۃ القلوب کی تعریف اور ان کا حکم

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل نے اس آیت میں صدقات کی تقسیم اور ان کے آٹھ مصارف کا بیان فرمایا ہے اور ان میں سے مؤلفۃ القلوب اب ساقط ہو گئے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور ان سے مستغنی فرمادیا۔ ابتداء میں مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ میں سے حصہ دیا جاتا تھا، تا کہ ان کے دل اسلام کی طرف مائل رہیں یا مسلمانوں سے ان کا ضرر دور رہے۔ آیا مؤلفۃ القلوب کو نبی سلمیٰؑ

کے بعد بھی اسلام پر قائم رکھنے کے لئے زکوٰۃ میں سے حصہ دیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، پس حضرت عمر، شعبی اور ایک جماعت سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے بعد ان کو زکوٰۃ سے حصہ نہیں دیا جائے گا اور دوسروں نے کہا ہے کہ دیا جائے گا۔ کیونکہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے بعد اور ہوازن کا زور ٹوٹنے کے بعد ان کو زکوٰۃ میں سے حصہ دیا اور اس چیز کی کب ضرورت پیش آتی ہے؟ اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان کی تالیف قلب کے لئے کس وقت ان کو زکوٰۃ سے حصہ دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کے اسلام لانے سے پہلے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کے اسلام لانے کے بعد، اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ زکوٰۃ میں سے ان کا حصہ کب منقطع کیا گیا؟ ایک قول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت میں اور دوسرا قول ہے کہ حضرت عمر فاروق کی خلافت میں، مؤلفۃ القلوب کی تعداد تقریباً پچاس (۵۰) تھی۔ ان میں سے حضرت ابوسفیان اور ان کے بیٹے حضرت معاویہ اور حضرت حکیم بن حزام اور حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۶۷)

مجاہد نے کہا: ان کو کچھ عطیہ دے کر ان کی تالیف قلب کی جاتی تھی۔

۳۶۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ ابْنِ أَبِي نُعَيْمٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ بُعِثَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِشَيْئٍ فَقَسَمَهُ بَيْنَ أَرْبَعَةٍ وَقَالَ أَتَأْتِفُهُمْ فَقَالَ رَجُلٌ مَا عَدَلْتَ فَقَالَ يَخْرُجُ مِنْ ضُفْضِي هَذَا قَوْمٌ يَسْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از والد خود از ابن ابی نعیم از حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس کوئی چیز بھیجی گئی تو آپ نے اس کو چار مردوں میں تقسیم کر دیا اور فرمایا: میں ان کی تالیف کرتا ہوں، تو ایک مرد نے کہا: آپ نے عدل نہیں کیا، تو آپ نے فرمایا: اس آدمی کی نسل سے ایسی قوم نکلے گی جو دین سے نکل جائے گی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۴۱۵ میں گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور بیان کئے جا رہے ہیں:

چند مبہم اسماء کی تعیین

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

چار مردوں میں تقسیم کر دیا: ان میں سے ایک اقرع بن حابس ہیں، دوسرے عیینہ بن بدر ہیں، اور تیسرے زید بن مہلب ہیں، اور چوتھے علقمہ بن علاشہ ہیں۔

ایک مرد نے کہا: آپ نے عدل نہیں کیا، اس مرد کا نام ذوالخویصرہ ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک جو (منافق) خوشی سے

صدقہ دینے والے مومنوں کو طعنہ دیتے ہیں۔

(التوبہ: ۷۹) کی تفسیر

۱۱۔ بَابُ: الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ

الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ۔ (التوبہ: ۷۹)

آیت مذکورہ میں طعن کی تفسیر

اس آیت میں منافقین کی منفات بیان کی گئی ہیں کہ کوئی شخص بھی ان کی عیب جوئی اور نکتہ چینی سے بچا ہوا نہیں تھا۔ اگر کوئی شخص

اللہ کی راہ میں بہت زیادہ مال لے کر آتا تو وہ کہتے: یہ دکھاوا کرنے والا ہے اور اگر کوئی شخص محنت مزدوری کر کے تھوڑا مال لے کر آتا تو وہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ کو اتنے مال کی کیا ضرورت ہے۔

يَلْمِزُونَ: کا معنی ہے: وہ عیب جوئی کرتے ہیں، اور نکتہ چینی کرتے ہیں۔

جُهِدَهُمْ اور جُهِدَهُمْ اس کا معنی ہے: ان کی طاقت کے مطابق۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ۔ اور ان کو جن کے پاس (صدقہ کے لئے) اپنی محنت کی مزدوری کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ (التوبہ: ۷۹)

اس لفظ میں دو لغتیں ہیں جُہد اور جَہد، جُہد کا معنی ہے: طاقت اور جَہد کا معنی ہے: مشقت۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۶۸)

۳۶۶۸۔ حَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ أَبُو مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ لَمَّا أَمَرْنَا بِالصَّدَقَةِ كُنَّا تَحَامِلُ قَبَاءَ أَبُو عَقِيلٍ يَنْصِفُ صَاعٍ وَجَاءَ إِنْسَانٌ بِأَكْثَرِ مِنْهُ فَقَالَ الْمُنَافِقُونَ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنْ صَدَقَةِ هَذَا وَمَا فَعَلَ هَذَا إِلَّا خَرٌّ إِلَّا رِثَاءً فَزَكَتُ ﴿الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ﴾ (التوبہ: ۷۹) الْآيَةُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے بشر بن خالد ابو محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے خبر دی از شعبہ از سلیمان از ابی وائل از حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: جب ہمیں صدقہ دینے کا حکم دیا گیا تو ہم بوجھ اٹھا کر لاتے، پس ابو عقیل نصف صاع (دو کلو گرام) لے کر آئے اور ایک انسان اس سے زیادہ لے کر آیا، تو منافقین نے کہا: اللہ عزوجل اس صدقہ سے مستغنی ہے اور دوسرا جو اکثر لے کر آیا ہے، وہ صرف دکھاوے کے لئے لے کر آیا ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی: بے شک جو (منافق) خوشی سے صدقہ دینے والے مومنوں کو طعنہ دیتے، ہیں اور ان کو جن کے پاس (صدقہ کے لئے) اپنی محنت کی مزدوری کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ (التوبہ: ۷۹)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۴۱۵ میں گزر چکی ہے تاہم بعض امور کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے:

جن صحابہ پر منافقین نے طعن کیا تھا، ان کے اسماء

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

ایک قول ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنے نصف مال کا صدقہ کیا جو چار ہزار درہم یا چار سو دینار تھا، اور حضرت عاصم بن عدی ایک سودق (چھ سو من) کھجوریں لے کر آئے تو منافقین نے ان دونوں پر نکتہ چینی کی اور کہا: یہ دکھاوا ہے اور کسی منافق نے کہا یہ کتنا بڑا دکھاوا ہے اور ایک انصاری تھوڑی سی کھجوریں لے کر آیا تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ حضرت ابو عقیل رضی اللہ عنہ ایک صاع (چار کلو گرام) کھجوریں لے کر آئے اور کہا کہ میرے پاس صرف دو صاع کھجوریں تھیں۔ ایک صاع کھجوریں میں نے اپنے بال بچوں کے لئے رکھ لیں اور ایک صاع صدقہ کے لئے لے کر آ گیا۔ تو منافقین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے۔ (التوضیح للشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۴۲۳، وزارة الادب والفن، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۳۶۶۹۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے

أَسَامَةَ أَحَدَثَكُمْ زَائِدَةً عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ
أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ
يَأْمُرُ بِالصَّدَقَةِ فَيُخْتَالُ أَحَدُنَا حَتَّى يَجِيئَ بِالْمِذَّةِ
وَيَأْتِي لِأَحَدِهِمُ الْيَوْمَ مِائَةُ أَلْفٍ كَأَنَّهُ يُعْرِضُ بِنَفْسِهِ-

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابواسامہ سے پوچھا: کیا
تم کو زائدہ نے (یہ) حدیث بیان کی ہے؟ از سلیمان از شقیق از
حضرت ابومسعود الانصاری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ
ﷺ ہمیں صدقہ دینے کا حکم دیتے تو ہم میں سے کوئی شخص حیلہ
کرتا، حتیٰ کہ وہ ایک کلو لے کر آتا اور بے شک آج ان کے پاس
ایک لاکھ ہے۔ حضرت ابومسعود اپنی ذات سے کنایہ کرتے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۴۱۵ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ وہ حیلہ کرتا: اس کا معنی ہے: کوشش کرتا۔

۱۲۔ بَابُ: اِسْتَعْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ
اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ
لَهُمْ۔ (التوبہ: ۸۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ ان کے لئے مغفرت طلب
کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی
مغفرت طلب کریں تو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔
(التوبہ: ۸۰) کی تفسیر

نکتہ چینی کرنے والے منافقین کا استغفار سے محروم ہونا

علامہ عینی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہ خبر دی ہے کہ یہ نکتہ چینی کرنے والے منافقین ہیں، یہ استغفار کے اہل نہیں تھے اور اگر نبی
ﷺ ان کے لئے ستر (۷۰) بار بھی استغفار کرتے تو اللہ تعالیٰ انہیں منع فرما دیتا۔ ستر (۷۰) سے مراد ستر کا عدد نہیں ہے بلکہ عرب
ستر کا لفظ مبالغہ کے لئے بولتے تھے اور اس سے خاص عدد مراد نہیں ہوتا۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۷۰)

۴۶۷۰۔ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي أَسَامَةَ
عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا
قَالَ لَمَّا تَوَلَّى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي جَاءَ ابْنُهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ
عَبْدِ اللَّهِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَسَأَلَهُ أَنْ يُعْطِيَهُ
قَبِيضَهُ يُكْفِنُ فِيهِ أَبَاهُ فَأَعْطَاهُ ثُمَّ سَأَلَهُ أَنْ يُصَنِّيَ
عَلَيْهِ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِيُصَنِّيَ عَلَيْهِ فَقَامَ
عُمَرُ فَأَخَذَ بِثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ
اللَّهِ تُصَنِّيَ عَلَيْهِ وَقَدْ نَهَاكَ رَبُّكَ أَنْ تُصَنِّيَ عَلَيْهِ
فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّمَا خَيْرَتِي اللَّهُ فَقَالَ
﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ
سَبْعِينَ مَرَّةً﴾ (التوبہ: ۸۰) وَسَازِيدُهُ عَلَى السَّبْعِينَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے عبید بن اسماعیل نے حدیث
بیان کی، از ابواسامہ از عبید اللہ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما،
وہ بیان کرتے ہیں: جب عبد اللہ بن ابی فوت ہو گیا تو اس کا بیٹا
حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ
سے یہ سوال کیا کہ آپ ان کو اپنی قمیص عطا فرمائیں تاکہ اس قمیص
میں وہ اپنے باپ کو کفن دیں تو آپ نے ان کو قمیص عطا فرمادی، پھر
انہوں نے سوال کیا کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں تو رسول
اللہ ﷺ اس کی نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے، سو
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کا کپڑا کھینچا،
پس کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ اس پر نماز پڑھیں گے؟ حالانکہ
آپ کے رب نے آپ کو اس پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، تو

قَالَ إِنَّهُ مُنَافِقٌ قَالَ فَصَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَنْزَلَ اللَّهُ لَهُ وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ (التوبہ: ۸۴)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے، پس فرمایا ہے: آپ ان کے لئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی مغفرت طلب کریں تو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ (التوبہ: ۸۰) اور میں عنقریب ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: وہ منافق ہے، حضرت ابن عمرؓ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اور جو ان میں سے مر جائے تو آپ ان میں سے کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ (التوبہ: ۸۴)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۲۶۹ میں گزر چکی ہے۔ تاہم چند ضروری امور بیان کئے جا رہے ہیں:

عبداللہ بن ابی کوفیہ عطا فرمانے اور اس کی نماز جنازہ پڑھانے کی وجہات

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ واقدی نے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی آپ کے تبوک سے واپس آنے کے بعد مر گیا تھا اور یہ ذوالقعدہ ذوالحجری کا واقعہ ہے۔ یہ بیس (۲۰) دن بیمار رہا اور اس کی بیماری کی ابتداء شوال کی راتوں سے ہوئی تھی۔ اسی طرح امام حاتم نے ”اکلیل“ میں ذکر کیا ہے۔

علماء نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی اور اس کے اصحاب غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے، اور ان ہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی:

لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا (التوبہ: ۴)

نبی ﷺ نے اس کو اپنی قمیص عطا فرمادی: علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس پر یہ اعتراض ہے کہ نبی ﷺ نے اس منافق کو قمیص کیوں عطا فرمائی ہے؟ پھر انہوں نے کہا کہ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اس منافق کی وجہ سے قمیص نہیں عطا فرمائی تھی بلکہ اس کے بیٹے کی وجہ سے قمیص عطا فرمائی تھی، جو صحابی تھے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ غزوہ بدر میں حضرت عباسؓ بنی نضیر پر کسی کی قمیص پوری نہیں آ رہی تھی، کیونکہ ان کا بہت لمبا قد تھا، تو عبداللہ بن ابی نے ان کو اپنی قمیص دی تھی جو ان کو پوری آگئی، تو نبی ﷺ نے اس کا بدلہ اتارنے کے لئے عبداللہ بن ابی کو قمیص عطا فرمادی تاکہ آپ کے چچا پر اس کا احسان نہ رہے۔

میں کہتا ہوں کہ آپ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ آپ کسی سائل کو رد نہیں فرماتے تھے، اس لئے آپ نے قمیص عطا فرمادی اور اس کی یہ وجہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا:

وَأَمَّا السَّائِلُ فَلَا تَنْهَهُ (النحی: ۱۰)

اور سائل کو نہ جھڑکیں ○

پھر اس کے بیٹے نے آپ سے اس پر نماز جنازہ پڑھنے کا سوال کیا: انہوں نے یہ سوال اس لئے کیا تھا کہ عبداللہ بن ابی ظاہر میں کلمہ بھی پڑھتا تھا اور نماز میں بھی پڑھتا تھا، تو انہوں نے اس کو اسلام پر محمول کیا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ لوگ ان کے باپ پر اور ان کے قبیلے پر طعن نہ دیں اور نبی ﷺ نے بھی ظاہر حال کے مطابق ان کے اس سوال کو قبول کر لیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حقیقت

واضح فرمادی۔

حضرت عمرؓ نے نبی ﷺ سے کہا: کیا آپ منافق پر نماز پڑھتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے منافق پر نماز پڑھنے کی ممانعت کو اس آیت سے نکالا تھا:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا
لِلْمُشْرِكِينَ۔ (التوبہ: ۱۱۳)

حضرت عمرؓ کی رائے دین پر تَصَلُّب اور منافقین پر شدت کا مظہر تھی اور نبی ﷺ کا ارادہ یہ تھا جس کی تھوڑی سی بھی دین کی طرف نسبت ہے، اس پر شفقت کی جائے اور ان کے بیٹے کی دل جوئی کی جائے، جو صحابی تھے، اس لئے نبی ﷺ نے افضل چیز پر عمل کیا اور قتادہ نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے بیان فرمایا کہ میری قمیص اس سے اللہ کے عذاب کو نہیں دور کر سکتی، لیکن مجھے یہ امید ہے کہ میرے اس حسن خلق کو دیکھ کر اس کی قوم کے ایک ہزار افراد ایمان لے آئیں گے۔ (سوا یا ہی ہوا)

اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ۔ (التوبہ: ۸۴)

اور جوان میں سے مر جائے تو آپ ان میں سے کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔

اس کے بعد پھر نبی ﷺ نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

میں کہتا ہوں: یہاں پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ قرآن مجید کی یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق نازل ہوئی ہے اور نبی ﷺ کے خلاف نازل ہوئی ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو عبد اللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے سے پہلے ہی منع فرما دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے نماز جنازہ پڑھانے کے بعد یہ آیت نازل فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا اس کی نماز جنازہ پڑھانا بالکل درست تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر عبد اللہ بن ابی کے ظاہر نفاق پر تھی اور نبی ﷺ کی نظر اس کی قوم کے ایک ہزار مردوں کے اسلام پر تھی۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۷۱-۳۷۰، فتح الباری ج ۵ ص ۶۲۱-۶۱۹)

۳۶۷۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عَقِيلٍ وَ قَالَ غَيْرُهُ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عَقِيلٌ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ لَمَّا مَاتَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي سَلُولٍ دَعَى لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَلَمَّا قَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَ ثَبَّتَ إِلَيْهِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتُصَلِّي عَلَى ابْنِ أَبِي وَقَدْ قَالَ يَوْمَ كَذَا وَ كَذَا قَالَ أَعَدُّ عَلَيْهِ قَوْلَهُ فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَقَالَ أَجْزَأُ عَنِّي يَا عُمَرُ فَلَمَّا أَكْثَرْتُ عَلَيْهِ قَالَ إِنَّ خُبْرَكَ فَاخْتَرْتُ لَوْ أَعْلَمْتُ أَنَّ إِنْ رَدْتُ عَلَى الشَّعْبِ يُغْفَرُ لَهُ لَوَدْتُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی، از عقیل اور ان کے غیر نے کہا: مجھے لیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ نے خبر دی از حضرت ابن عباس از حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: جب عبد اللہ بن ابی سلول مر گیا تو رسول اللہ ﷺ کو اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے بلایا گیا، پس جب رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے تو میں تیزی سے آپ کی طرف بڑھا، پس میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ ابن ابی پر نماز پڑھیں گے؟ حالانکہ اس نے فلاں دن اس طرح اور اس طرح کہا تھا۔ حضرت عمر اس کے اقوال گنواتے

عَلَيْهَا قَالَ فَصَلِّ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ انْصَرَفَ فَلَمْ يَنْكُثْ إِلَّا يَسِيرًا حَتَّى نَزَلَتْ الْاَيْتَانِ مِنَ بَرَاءَةِ ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا﴾ (التوبہ: ۸۴) إِلَى قَوْلِهِ ﴿وَهُمْ فَيَسْقُونَ﴾ قَالَ فَعَجِبْتُ بَعْدَ مِنْ جُرْأَتِي عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ۔

رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا اور فرمایا: اے عمر! مجھ سے پیچھے ہو، پس جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا: مجھے اختیار دیا گیا ہے، پس میں نے (استغفار کو) اختیار کیا اور اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اگر میں نے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کیا تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی تو میں ستر بار سے زیادہ استغفار کرتا۔ حضرت عمر نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی، پھر آپ لوٹ آئے، پھر سورہ توبہ کی دو آیتیں نازل ہو گئیں: اور جو ان میں سے مرجائے تو آپ ان میں سے کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ (التوبہ: ۸۴) یہ آیت وہم فیسقون تک ہے۔ حضرت عمر نے کہا: پھر بعد میں مجھے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی جرأت پر بہت تعجب ہوا، اور اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ علم والے ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۶۶ میں گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور بیان کئے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور میں اضافہ شدہ روایات اور عبد اللہ بن ابی ابن سلول کے نام کی وضاحت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: اور جو ان میں سے مرجائے تو آپ ان میں سے کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ (التوبہ: ۸۴) مسدد نے اپنی حدیث میں از یحیی القطان از عبید اللہ بن عمر اس حدیث کے آخر میں یہ اضافہ کیا ہے کہ پس آپ نے ان پر نماز پڑھنے کو ترک کر دیا ہے۔ امام بخاری نے کتاب الجنائز میں از مسدد اس حدیث کی بغیر اس اضافے کے روایت کی ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ آپ نے اس پر نماز پڑھائی، پھر واپس چلے گئے، پھر تھوڑی دیر بعد یہ آیت نازل ہو گئی۔ اور زہری نے اپنی سند کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھالیا، اور طبری نے اسی سند کے ساتھ ابن اسحاق سے یہ روایت کی ہے کہ نہ آپ کسی منافق کی قبر پر کھڑے ہوئے۔

امام عبد الرزاق نے از معمر از قتادہ روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

اَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ۔ (التوبہ: ۸۰)

تو نبی ﷺ نے فرمایا: میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ۔ (المنافقون: ۶)

ان پر یکساں ہے، آپ ان کے لئے معافی چاہیں یا ان کے لئے معافی نہ چاہیں، اللہ انہیں ہرگز معاف نہ فرمائے گا۔

جب عبد اللہ بن ابی ابن سلول مر گیا: سلول عبد اللہ بن ابی کی ماں کا نام ہے اور وہ قبیلہ خزاعہ سے تھی اور عبد اللہ بن ابی قبیلہ

خزرج سے تھا اور یہ دونوں انصار کے قبیلے ہیں۔

پس رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا: مجھ سے پیچھے ہو۔ علامہ داؤدی نے اس حالت میں نبی ﷺ کے مسکرانے پر اشکال کیا ہے کہ جنازہ کے موقع پر نبی ﷺ کا مسکرانا اور ہنسا ثابت نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر کی دل جوئی کے لئے اور ان کو خوش کرنے کے لئے نبی ﷺ مسکرائے۔ آپ نے ان کے مشورے کو قبول نہیں کیا تھا اور ان کے کلام کو ترک کر دیا تھا تو گویا آپ کا مسکرانا اس کی معذرت کے لئے تھا۔

بعض شارحین نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے حضرت عمر نے یہ گمان کیا ہو کہ جب نبی ﷺ عبد اللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے آگے بڑھے تو شاید آپ بھول گئے کہ اس نے آپ کے خلاف کیا کیا کہا تھا، تو پھر جب میں نے زیادہ مبالغہ کیا تو آپ نے فرمایا: مجھے اختیار دیا گیا ہے، یعنی استغفار کا، پس میں نے استغفار کو اختیار کر لیا، تب حضرت عمر کو پتا چلا کہ آپ بھولے نہیں تھے۔

۱۳۔ بَابُ: وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جو ان میں سے مر جائے تو آپ ان میں سے کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر

آبداء وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ۔ (التوبہ: ۸۴)

پر کھڑے ہوں۔ (التوبہ: ۸۴) کی تفسیر

التوبہ: ۸۴ کا مصداق

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کا ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت تمام منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے، لیکن حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت معین منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں ایک راز بتا رہا ہوں تم اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ آپ نے فرمایا: مجھے فلاں فلاں کی نماز جنازہ پڑھانے سے منع کیا گیا ہے اور منافقین کے معین عدد کا ذکر فرمایا۔ حضرت جبیر بن معطم سے روایت ہے کہ وہ بارہ (۱۲) مرتبے تھے۔

۴۶۷۲۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ السُّذْرِيِّ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ لَنَا تَوَقَّى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي جَاءَ ابْنُهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَعْطَاهُ قَمِيصَهُ وَأَمَرَهُ أَنْ يُكْفِنَهُ فِيهِ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي عَلَيْهِ فَأَخَذَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ بِثَوْبِهِ فَقَالَ تُصَلِّي عَلَيْهِ وَهُوَ مُنَافِقٌ وَقَدْ نَهَاكَ اللَّهُ أَنْ تَسْتَغْفِرَ لَهُمْ قَالَ إِنَّمَا خَيَّبَنِي اللَّهُ أَوْ أَخْبَبَنِي اللَّهُ فَقَالَ ﴿إِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ (التوبہ: ۸۰) فَقَالَ سَازِيدَةُ عَلَى سَبْعِينَ قَالَ فَصَلِّ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْهِ ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں انس بن عیاض نے حدیث بیان کی، از عبد اللہ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں: جب عبد اللہ بن ابی فوت ہو گیا تو اس کے بیٹے حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ نے ان کو اپنی قمیص عطا فرمائی اور فرمایا: اس قمیص میں اس کو کفن دینا، پھر آپ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کا کپڑا پکڑ کر کہا کہ آپ اس پر نماز پڑھ رہے ہیں؟ یہ تو منافق ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقین کے لئے استغفار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے، یا فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ آپ ان کے لئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں،

أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَمَا تَوَّاهُمْ فَيَسْقُون ۝ (التوبہ: ۸۴)

[طرف الحدیث: ۷۸۰۹]

اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی مغفرت طلب کریں تو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ (التوبہ: ۸۰) پس آپ نے فرمایا: میں عنقریب ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ حضرت ابن عمر نے بتایا: پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ اس کی نماز جنازہ پڑھی، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل کی: اور جو ان میں سے مر جائے تو آپ ان میں سے کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور یہ نافرمانی کی حالت میں مرے ۝ (التوبہ: ۸۴)

حدیث مذکور میں یہ تصریح ہے کہ عبد اللہ بن ابی کفر پر مرا، پھر اس پر یہ اشکال ہے کہ آپ نے اس کے لئے

استغفار کیوں کیا؟ اور اس کا جواب

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ عبد اللہ بن ابی کی موت کفر پر ہوئی، تو اس پر یہ اعتراض ہے کہ پھر نبی ﷺ نے یہ کیسے فرمایا کہ مجھے اس کے لئے استغفار کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اور نبی ﷺ نے اس شخص کی نماز جنازہ کیسے پڑھائی؟ جس کی موت کفر پر ہوئی، ہر چند کہ یہ حدیث متعدد اسانید سے مروی ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے لیکن اس حدیث میں یہ طعن ہے، اس وجہ سے حسب ذیل مشاہیر علماء اور محققین نے اس حدیث کی صحت کا انکار کیا ہے۔

(۱) قاضی ابوبکر نے کہا کہ اس حدیث کو قبول کرنا جائز نہیں ہے اور نہ یہ صحیح ہے کہ نبی ﷺ نے یہ فرمایا کہ مجھے اختیار دیا گیا ہے اور نہ یہ صحیح ہے کہ آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

(۲) علامہ ابوبکر الباقلائی نے "التقریب" میں کہا کہ یہ حدیث احاد میں سے ہے، جس کے ثبوت کا یقین نہیں ہے۔

(۳) امام الحرمین نے اپنی مختصر میں کہا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اور "البرہان" میں کہا: اس حدیث کو محدثین صحیح نہیں قرار دیتے۔

(۴) امام غزالی نے "المستصفیٰ" میں کہا: زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

(۵) علامہ داؤدی نے کہا: یہ حدیث غیر محفوظ ہے۔

اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ان علماء نے یہ گمان کیا کہ قرآن مجید کی یہ آیت کہ: انہوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ کفر کیا اور یہ لوگ فسق پر مر گئے، یہ آیت اس آیت کے ساتھ نازل ہوئی ہے کہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا استغفار نہ کریں، لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ آیت اس کے بعد نازل ہوئی ہے اور اب اعتراض اٹھ جاتا ہے۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس استغفار سے ممانعت اس کے لئے ہے جو حالت شرک میں مرا اور یہ ممانعت اس کے لئے نہیں ہے جو اسلام کو ظاہر کرتا ہے اور چونکہ عبد اللہ بن ابی اسلام کو ظاہر کرتا تھا، اس لئے اس کے لئے استغفار کی ممانعت نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا: میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ آپ کا یہ کلام عبد اللہ بن ابی کے قبیلہ کی دل جوئی کے لئے تھا، ورنہ آپ کا یہ ارادہ نہیں تھا، کیونکہ آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے

سے اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں اس کے لئے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا۔

(عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس حدیث کی شرح میں یہی تقریر کی ہے، لیکن ان کا کلام بہت طویل اور غیر مرتب ہے اور ملامہ یعنی کی عبارت مختصر اور مرتب ہے اور تقریباً ہر حدیث کی شرح میں ان دونوں شارحین کا یہی اسلوب ہوتا ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۶۲۳-۶۲۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے عنقریب اللہ کی قسمیں کھائیں گے، تاکہ تم ان (کے جھوٹے بہانوں) سے صرف نظر کرو، پس تم ان کی طرف توجہ نہ کرو، بے شک وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، (یہ) ان کے ان کاموں کی سزا ہے، جو وہ کرتے تھے ○

(التوبہ: ۹۵) کی تفسیر

امام عبدالرحمن بن محمد بن اوریس الرازی، ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ سے اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک کے لئے روانہ ہوئے تو آپ نے حضرت علی کو اپنے بعد خلیفہ بنایا اور ان کو اپنے ساتھ نہیں لے گئے۔ منافقین نے کہا کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی ناراضی کی بناء پر اپنے ساتھ نہیں لے گئے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ راستہ میں آپ سے جا ملے اور منافقین کی باتوں سے آپ کو مطلع کیا۔ تب نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جب موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے پاس گئے تو انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنایا تھا اور میں نے اپنے پیچھے تم کو خلیفہ بنایا ہے۔ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو؟ کہ تم میرے لئے ایسے ہو جیسا کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تھے، ہاں! مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ انہوں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس آئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کا استقبال کیا۔ نبی ﷺ نے ان کو سواری پر اپنے ساتھ بٹھایا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ منافقین اور مخالفین پر لعنت فرمائے اور نبی ﷺ نے مومنین سے فرمایا: ان کے ساتھ بات کرو، نہ ان کے ساتھ بیٹھو، اور ان سے اس طرح اعراض کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۶۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک وہ ناپاک ہیں: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کا باطن خبیث اور نجس ہے، اور ان کی روح ناپاک ہے اور جس طرح جسمانی نجاستوں سے احتراز کرنا واجب ہے، اسی طرح روحانی نجاستوں سے بھی احتراز کرنا واجب ہے تاکہ ان کی نجاستیں انسان میں سرایت نہ کر جائیں اور تاکہ ان کے برے کاموں کی طرف انسان کی طبیعت راغب نہ ہو۔

۳۶۷۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا الثَّيْتُ عَنْ عَقِيلِ بْنِ ابْنِ شَهَابٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ عَبْدًا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الثیث نے حدیث بیان کی، از عقیل از ابن

اللّٰهُ بَنَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ سَبَعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ
حِينَ تَخَلَّفَ عَنْ تَبُوكَ وَاللّٰهُ مَا أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ مِنْ
نِعْمَةٍ بَعْدَ إِذْ هَدَانِي أَعْظَمَ مِنْ صِدْقِ رَسُولٍ
اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَا أَكُونُ كَذِبْتُهُ فَأَهْلِكَ كَمَا هَلَكَ
الَّذِينَ كَذَبُوا حِينَ أُنْزِلَ الْوَحْيُ ﴿سَيَخْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ
إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ﴾ (التوبہ: ۹۵) إِلَى قَوْلِهِ الْفَاسِقِينَ ۝

شہاب از عبدالرحمن بن عبداللہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن
کعب بن مالک نے کہا کہ میں نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ
سے سنا جب وہ غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے۔ انہوں نے کہا:
اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت دینے کے بعد اس سے بڑی
اور کوئی نعمت عطا نہیں کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچ بولا
اور اگر میں نے آپ سے جھوٹ بولا ہوتا تو میں بھی اسی طرح
ہلاک ہو جاتا جس طرح وہ لوگ ہلاک ہو گئے جنہوں نے جھوٹ
بولاتھا، جب وحی نازل ہوئی: جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے
تو وہ تمہارے سامنے عنقریب اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم
(ان کے جھوٹے بہانوں سے) صرف نظر کرو (التوبہ: ۹۵) یہ
فاسقین تک ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۷۵۷ میں گزر چکی ہے۔

۱۵۔ بَابُ: يَخْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ
فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَى
عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ۝ (التوبہ: ۹۶)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وہ تم کو راضی کرنے کے لئے
تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے، پس اگر تم ان
سے راضی ہو (بھی) گئے تو اللہ فاسق لوگوں سے
راضی نہیں ہوتا O (التوبہ: ۹۶) کی تفسیر

یہ آیت ان منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو قسمیں کھاتے تھے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، پس اگر تم بالفرض راضی ہو بھی
جاؤ تو اللہ تعالیٰ قوم فاسقین سے راضی نہیں ہوتا۔ فاسقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت سے اور اس کے رسول کی اطاعت
سے خارج ہو گئے۔

امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر میں کوئی تعلیق ذکر کی ہے، نہ کوئی حدیث روایت کی ہے۔

۱۶۔ بَابُ: وَآخِرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا
عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ
عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (التوبہ: ۱۰۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بعض دوسرے وہ (مسلمان)
ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا، انہوں نے
نیک کاموں کو دوسرے برے کاموں سے ملا دیا۔
عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا، بے شک اللہ
بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O
(التوبہ: ۱۰۲) کی تفسیر

بعض صالح مومنین کے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے کا ذکر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کے حال کی خبر دی تھی، جنہوں نے غزوہ تبوک سے تکذیب کی وجہ سے اعراض کیا تھا، تو اب ان لوگوں کے حال کا بیان شروع کیا جو سستی کی وجہ سے اور راحت اور آرام کے میلان کی وجہ سے جہاد سے پیچھے رہ گئے تھے، حالانکہ وہ مومن تھے اور حق کی تصدیق کرنے والے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَآخِرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ۔ (التوبہ: ۱۰۲)
اور بعض دوسرے وہ (مسلمان) ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا۔

یعنی انہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور اپنے رب کے سامنے اعتراف کیا اور ان کے دیگر اعمال صالح بھی تھے جو ان کے گناہوں کے ساتھ مل گئے تھے، تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عنقا اور مغفرت کے تحت ہیں۔ یہ آیت اگرچہ ان خاص لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے مگر اس کا حکم ان تمام گناہ گاروں اور تمام خطا کاروں کو شامل ہے جن کے برے عمل بھی ہیں اور نیک عمل بھی ہیں۔ مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت ابولبابہ اور ان کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ بعض نے کہا: حضرت ابولبابہ کے ساتھ ان کے پانچ اصحاب تھے۔ بعض نے کہا: سات اصحاب تھے اور بعض نے کہا: نو اصحاب تھے۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۷۴)

۴۶۷۴۔ حَدَّثَنَا مُؤَمِّلٌ هُوَ ابْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا
إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا عَوْفٌ حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ
حَدَّثَنَا سُرَّةُ بْنُ جُنْدَبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَنَا أَتَانِ الثَّلَاثَةُ آتِيَانِ
فَابْتَعَثَانِ فَاتَّهَيْنَا إِلَى مَدِينَةٍ مَبْنِيَّةٍ بِلَبْنٍ ذَهَبٍ
وَلَبْنٍ فِضَّةٍ فَتَلَقَانَا رَجُلَانِ شَطْرَ مَنْ خَلَقَهُمَا كَأَحْسَنِ
مَا أَنْتَ رَأَى وَشَطْرَ مَا أَنْتَ رَأَى قَالَا لَهُمْ
اذْهَبُوا فَقَعُوا فِي ذَلِكَ النَّهْرِ فَوَقَعُوا فِيهِ ثُمَّ رَجَعُوا
إِلَيْنَا قَدْ ذَهَبَ ذَلِكَ الشُّوءُ عَنْهُمْ فَصَارُوا إِلَيْنَا أَحْسَنِ
صُورَةٍ قَالَا لِي هَذِهِ جَنَّةُ عَذْنٍ وَهَذَاكَ مَنْزِلُكَ قَالَا
أَمَّا الْقَوْمُ الَّذِينَ كَانُوا شَطْرَ مِنْهُمْ حَسَنٌ وَشَطْرُ
مِنْهُمْ قَبِيحٌ فَإِنَّهُمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا
تَجَاوَزَ اللَّهُ عَنْهُمْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مؤمل نے حدیث بیان کی،
اور وہ ابن ہشام ہیں، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن ابراہیم نے
حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عوف نے حدیث بیان کی،
انہوں نے کہا: ہمیں ابورجاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا:
ہمیں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، انہوں
نے بیان کیا: ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس
رات کو دو آنے والے آئے۔ ان دونوں نے مجھے بیدار کیا اور ہم
ایسے شہر کے پاس پہنچے جو سونے کی اینٹوں اور چاندی کی اینٹوں
سے بنا ہوا تھا، پھر ہم سے کچھ لوگ ملے جو بہت حسین تھے کہ تم نے
اتنے حسین لوگ نہ دیکھے ہوں گے اور کچھ اور لوگ ملے جو انتہائی
بد شکل تھے۔ تم نے اتنے بد شکل لوگ نہ دیکھے ہوں گے۔ ان دونوں
آنے والوں نے ان سے کہا: جاؤ اس دریا میں کود جاؤ، سو وہ دریا
میں کود گئے، پھر وہ ہماری طرف لوٹ کر آئے تو ان کی بد صورتی ان
سے ختم ہو چکی تھی، پس وہ انتہائی حسین صورت میں ہو گئے۔ ان
دونوں نے مجھے کہا: وہ لوگ جن میں سے آدمے حسین تھے اور
آدمے بد شکل تھے، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نیک اعمال کے ساتھ

برے اعمال ملا لئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر فرمایا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۸۴۵ میں گزر چکی ہے، تاہم کچھ وضاحت مزید کی جا رہی ہے:

دو آنے والے آئے: وہ فرشتے تھے۔

پس انہوں نے مجھے بیدار کیا: یعنی نیند سے۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۷۵) (۳)

۱۔ باب: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ۔ (التوبہ: ۱۱۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: نبی اور ایمان والوں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کریں۔

(التوبہ: ۱۱۳) کی تفسیر

قنادہ نے کہا: ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے کچھ مردوں نے نبی ﷺ سے کہا: اے اللہ کے نبی! ہمارے آباء و اجداد میں سے ایسے لوگ تھے جو پڑوسیوں سے حسن سلوک کرتے تھے، رشتہ داروں سے مل جل کر رہتے تھے، قیدیوں کو چھڑاتے تھے اور لوگوں کے حقوق ادا کرتے تھے۔ کیا آپ ان کے لئے استغفار نہیں کریں گے؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، اللہ کی قسم! میں اپنے باپ کے لئے ضرور استغفار کروں گا، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے استغفار کیا تھا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: نبی اور ایمان والوں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ مشرکین کے لئے استغفار کریں۔ (التوبہ: ۱۱۳) یہ آیت أَصْحَابُ الْجَحِيمِ تک ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی والدہ کے لئے استغفار کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔ آپ نے کہا: حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے استغفار کیا تھا، تو یہ آیت نازل ہوئی: اور ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ کے لئے استغفار کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو اس سے ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا اور جب ان پر یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔ (التوبہ: ۱۱۳) اور علی بن طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ لوگ اپنے فوت شدہ رشتہ داروں کے لئے مغفرت کی دعا کرتے تھے اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ ان کے لئے مغفرت کی دعا کرنے سے رک گئے، اور زندوں کے لئے مغفرت کی دعا کرنے سے نہیں منع کیا گیا۔

(عمدة القاری ج ۱۸ ص ۷۵) (۳)

رسول اللہ ﷺ کے تمام آباء اور امہات مومن تھے

میں کہتا ہوں کہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے لئے نبی ﷺ کو استغفار کرنے کی اجازت نہیں ملی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب غیر نبی یا غیر معصوم کے لئے استغفار کیا جائے تو اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ شاید انہوں نے گناہ کبیرہ کئے ہوں گے۔ اور صحیح مسلم: ۹۷۶ میں یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو اس کی آپ کو اجازت دی گئی، حالانکہ کفار کی قبروں پر آپ کو کھڑے ہونے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ کافرہ نہیں تھیں۔ نبی ﷺ کے والدین اور آپ کے تمام آباء اور امہات مومن تھے۔ علامہ یعنی نے اس مسئلہ پر کچھ نہیں لکھا، اس لیے کہ یہ مسئلہ بعد کے متاخرین پر منکشف ہوا ہے جب کہ ان کی حدیث میں اس بات کا ثبوت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے والدین کے لئے نہیں بلکہ اپنے چچا ابو طالب کے لئے استغفار کرنے کا ارادہ کیا تھا اور یہی التوبہ: ۱۱۳ کا شان نزول ہے۔

۴۶۷۵۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ دَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ وَعِنْدَهُ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ فَقَالَ النَّبِيُّ أَيْ عَمَّ قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ يَا أَبَا طَالِبٍ أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ النَّبِيُّ لَا تَسْتَغْفِرُكَ لَكَ مَا لَمْ أَنَّهُ عَنْكَ فَتَزَلَّتْ فَمَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أَوْلَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝

(التوبہ: ۱۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از زہری از سعید بن المسیب از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ جب ابو طالب پر وفات کا وقت آیا تو اس کے پاس نبی ﷺ آئے اور اس کے پاس اس وقت ابو جہل تھا اور عبد اللہ بن ابوامیہ تھا، پس نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: آپ کہتے: لا الہ الا اللہ، میں اس کلمہ کی وجہ سے آپ کے لئے اللہ کے پاس شفاعت کروں گا، تو ابو جہل اور عبد اللہ بن ابوامیہ نے کہا: اے ابو طالب! کیا تم عبد المطلب کی ملت سے اعراض کر رہے ہو؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا: میں آپ کے لئے استغفار کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: نبی اور ایمان والوں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قرابت دار ہوں جب کہ ان پر یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ (مشرکین) دوزخی ہیں ۝ (التوبہ: ۱۳)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۱۳۶۰ میں گزر چکی ہے۔

ابو طالب کا نام عبد مناف ہے اور ابو جہل کا نام عمرو بن ہشام الخزومی ہے اور عبد اللہ بن ابی امیہ الخزومی فتح مکہ کے سال اسلام لے آئے تھے۔

میں اللہ کے پاس آپ کی شفاعت کروں گا: علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا ابو طالب کو زندہ کیا، پس وہ آپ پر ایمان لائے اور علامہ سیبلی نے "الروض الانف" میں روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی والدہ کو اور آپ کے والد کو زندہ کیا، پس وہ آپ پر ایمان لے آئے۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۷۶)

میں کہتا ہوں: ابو طالب کے ایمان کی پوری تحقیق ان شاء اللہ میں سورۃ القصص کی تفسیر میں بیان کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک اللہ نے نبی کی توبہ قبول فرمائی، اور مہاجرین اور انصار کی جنہوں نے تنگی کے وقت میں نبی کی اتباع کی جب کہ اس کے بعد یہ قریب تھا کہ ایک گروہ کے دل اپنی جگہ سے ہل جائیں، پھر اس کے بعد اس نے ان کی توبہ قبول کی، بے شک وہ

ان پر نہایت مہربان بہت رحم والا ہے ۝

۱۸۔ بَابُ: لَقَدْ ثَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ

الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ

الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبَ فَرِيقٍ

مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ

رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝ (التوبہ: ۱۱۷)

(التوبہ: ۱۱۷) کی تفسیر

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ قبول کرنے کے محامل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بے شک اللہ نے نبی کی توبہ قبول کی: یہ آیت اس طرح ہے جس طرح یہ آیت ہے: اور تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے تمام اگلی اور پچھلے بے ظاہر خلاف اولیٰ کام بخش دے۔ (الفتح: ۲) اور جیسے یہ آیت ہے: اور آپ اپنے بے ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کے لئے استغفار کیجئے۔ (المومن: ۲۵۵) اور اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نے مومنین کو توبہ اور استغفار کرنے پر براہیختہ کیا۔ اور بے شک ہر مومن توبہ اور استغفار کی طرف محتاج ہے، حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کو غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے کی جو اجازت دی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ کا ذکر بطور تمہید کیا گیا ہے۔ تنگی کے وقت میں: اس وقت بہت تنگی تھی اور سختی تھی۔ حضرت جابر نے بتایا کہ سوار یوں کی تنگی تھی اور زادراہ کی تنگی تھی اور مال کی تنگی تھی، اور مجاہد وغیرہ نے کہا: یہ آیت غزوہ تبوک کے متعلق نازل ہوئی ہے، کیونکہ صحابہ اس غزوہ میں سخت گرمی کے موسم میں نکلے تھے اور زادراہ اور پانی کی بہت تنگی تھی۔ قتادہ نے کہا کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ دو آدمی ایک کھجور کے دو ٹکڑے کرتے اور اس کو آپس میں تقسیم کر لیتے اور لوگ باری باری ایک کھجور کو چوستے، پھر اس کے اوپر پانی پی لیتے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، پھر ان کو اس غزوہ سے واپس لوٹا دیا۔

جب کہ اس کے بعد یہ قریب تھا کہ ایک گروہ کے دل بل جائیں: یعنی غزوہ تبوک میں جو سختی اور مشقت انہیں برداشت کرنی پڑی تھی اس کی وجہ سے ہو سکتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں ان کو شک پڑ جاتا۔

پھر اس کے بعد اللہ نے ان کی توبہ قبول کی: یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف رجوع اور اپنے دین کے اوپر ثابت قدمی عطا فرمائی۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۷۷-۳۷۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۶۷۶۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهَبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ ح قَالَ أَخْبَدُ وَحَدَّثَنَا عَنَبَةُ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ كَعْبٍ بْنُ مَالِكٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ كَعْبٍ وَكَانَ قَائِدَ كَعْبٍ مِنْ بَنِيهِ جِئَ عَنِّي قَالَ سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ فِي حَدِيثِهِ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا قَالَ فِي آخِرِ حَدِيثِهِ إِنَّ مِنْ تَوْبَتِي أَنْ أَخْذِلَ مِنْ مَالٍ صَدَقَةً إِلَى اللَّهِ وَإِلَى رَسُولِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَمْسِكْ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی۔ (ح) احمد نے کہا: اور ہمیں عنسہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے حدیث بیان کی، از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عبد الرحمن بن کعب نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے عبد اللہ بن کعب نے خبر دی اور وہ حضرت کعب کے بیٹوں میں سے ان کے قائد تھے، جب وہ ناہینا ہو گئے تھے۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت کعب بن مالک سے ان کی حدیث میں سنا: اور ان تین آدمیوں پر جو پیچھے رہ گئے تھے۔ اور حضرت کعب نے اس حدیث کے آخر میں کہا کہ میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنا سارا مال خالی کر کے اللہ اور اس کے رسول کی طرف صدقہ کر دوں۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنا بعض مال اپنے پاس رکھو وہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۷۵۷ میں گزر چکی ہے۔

حضرت کعب بن مالک کے تین بیٹے تھے: عبداللہ، عبدالرحمن اور عبید اللہ، اور وہ تینوں اپنے والد حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

۱۹۔ بَابُ: وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّى

إِذَا ضَاقتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ

ضَاقتْ عَلَيْهِمُ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنْ

اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ

اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ① (التوبة: ۱۱۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اس نے ان تین شخصوں کی توبہ

(بھی) قبول فرمائی جن کا معاملہ موخر کر دیا گیا تھا، حتیٰ

کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو

گئی اور خود ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں اور

انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ کے سوا ان کی کوئی جائے

پناہ نہیں ہے، پھر ان کی توبہ قبول فرمائی تاکہ وہ توبہ پر

قائم رہیں، بے شک اللہ بہت توبہ قبول فرمانے والا،

بے حد رحم فرمانے والا ہے ① (التوبة: ۱۱۸) کی تفسیر

ان تین کا بیان، جو پیچھے رہ گئے تھے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اور اس نے ان تین شخصوں کی توبہ (بھی) قبول فرمائی، جن کا معاملہ موخر کر دیا گیا تھا: ان تینوں کے نام یہ ہیں: حضرت کعب

بن مالک، حضرت مرارہ بن الربیع اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم، یہ تینوں دوسرے مجاہدین کے ساتھ تبوک کی طرف نہیں گئے اور

مدینہ میں ان سے پیچھے رہ گئے تھے۔

زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی: یعنی اس زمین میں ان کو کوئی ایسی جگہ نہیں ملی، جس میں ان کے بے قرار دل کو

قرار آتا اور سکون ملتا۔

اور خود ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں: یعنی ان کے دلوں میں نہ کوئی انس تھا اور نہ کوئی سرور۔

اور انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ کے سوا ان کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے: یعنی انہوں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے

صرف اس کی طرف توبہ اور استغفار کرنے سے پناہ ملے گی، پھر ان کی توبہ قبول فرمائی: یعنی اللہ تعالیٰ نے دوسری بار ان کی طرف قبول

اور رحمت کے ساتھ رجوع فرمایا۔

تاکہ وہ توبہ پر قائم رہیں: تاکہ وہ اپنی توبہ پر مستقیم اور ثابت قدم رہیں اور اگر ان سے مستقبل میں پھر کوئی خطا ہو جائے تو پھر

اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کریں۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۷۷)

۳۶۷۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ ابْنُ أَبِي

شُعَيْبٍ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ أَغَيْنَةَ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ

زَاهِدٍ أَنَّ الزُّهْرِيَّ حَدَّثَهُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد نے حدیث بیان کی،

انہوں نے کہا: ہمیں احمد بن ابی شعیب نے حدیث بیان کی،

انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن اعمین نے حدیث بیان کی، انہوں

بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ وَهُوَ أَحَدُ الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ تَبَيَّنَ عَلَيْهِمْ أَنَّهُ لَمْ يَتَخَلَّفْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ فِي غَزْوَةٍ غَزَاهَا قَطُّ غَيْرَ غَزَوَتَيْنِ غَزْوَةَ الْعُسَيْرَةِ وَغَزْوَةَ بَدْرٍ قَالَ فَأَجَعْتُ صِدْقِي رَسُولَ اللَّهِ ضَعْفِي وَكَانَ قَلْبًا يَقْدُمُ مِنْ سَفَرٍ سَافَرَهُ إِلَّا ضَعْفِي وَكَانَ يَبْدَأُ بِالنَّسْجِدِ فَيَزَكُّكُمْ رَكَعَتَيْنِ وَنَهَى النَّبِيَّ عَنْ كَلَامِي وَكَلَامِ صَاحِبِي وَلَمْ يَنْهَ عَنْ كَلَامِ أَحَدٍ مِنَ الْمُتَخَلِّفِينَ غَيْرِنَا فَأَجْتَنَّبَ النَّاسُ كَلَامَنَا فَلَبِثْتُ كَذَلِكَ حَتَّى طَالَ عَنِّي الْأَمْرُ وَمَا مِنْ شَيْءٍ أَهَمُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَمُوتَ فَلَا يُصَلِّيَ عَلَيَّ النَّبِيُّ أَوْ يَمُوتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَكُونُ مِنَ النَّاسِ بِتِلْكَ التَّهْلُكَةِ فَلَا يُكَلِّمُنِي أَحَدٌ مِنْهُمْ وَلَا يُصَبِّي وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيَّ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَوْبَتَنَا عَلَى نَبِيِّهِ ﷺ حِينَ بَقِيَ الثُّلُثُ الْآخِرُ مِنَ اللَّيْلِ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ عِنْدَ أَمْرِ سَلَمَةَ وَكَانَتْ أُمُّ سَلَمَةَ مُحْسِنَةً فِي شَأْنِ مَغْنِيَّةٍ فِي أَمْرِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا أُمُّ سَلَمَةَ تَبَيَّنَ عَلَى كَعْبٍ قَالَتْ أَفَلَا أُرْسِلُ إِلَيْهِ فَأُبَشِّرُهُ قَالَ إِذَا يَخْطُبُكُمُ النَّاسُ فَيَسْتَعُونُكُمُ الثَّوَمَ سَائِرَ اللَّيْلِ حَتَّى إِذَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَلَاةَ الْفَجْرِ آذَنَ بِتَوْبَةِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَكَانَ إِذَا اسْتَبَشَرَ اسْتَنَارَ وَجْهُهُ حَتَّى كَانَتْهُ قِطْعَةٌ مِنَ الْقَبْرِ وَكُنَّا أَتْيَا الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا عَنِ الْأَمْرِ الَّذِي قَبِلَ مِنْ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ اعْتَذَرُوا حِينَ أَنْزَلَ اللَّهُ لَنَا التَّوْبَةَ فَلَمَّا ذُكِرَ الَّذِينَ كَذَبُوا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مِنَ الْمُتَخَلِّفِينَ وَاعْتَذَرُوا بِالْبَاطِلِ ذُكِرُوا بِشَرِّ مَا ذُكِرَ بِهِ أَحَدٌ قَالَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ ﴿يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُلْ لَا تَعْتَذِرُونَ لَنَا لَوْ كُنَّا نَكُفُّ عَنْهُ لَأَنَابْنَا إِلَى اللَّهِ مِنْ أَحْبَابِكُمْ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ﴾ (الحج: ٩٣) الْآيَةُ

نے کہا: ہمیں اسحاق بن راشد نے حدیث بیان کی کہ بے شک زہری نے ان کو حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبدالرحمن بن عبداللہ بن کعب بن مالک نے خبر دی از والد خود، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا اور وہ ان تین میں سے ایک تھے جن کی توبہ قبول کی گئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ جس غزوہ میں بھی جہاد کے لئے گئے وہ ان میں سے کسی غزوہ میں آپ سے پیچھے نہیں رہے سوائے دو غزووں کے، ایک تنگی کا غزوہ تھا اور دوسرا غزوہ بدر تھا۔ انہوں نے کہا: جب چاشت کے وقت رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس پہنچے تو میں نے آپ سے سچ بولنے کا پختہ ارادہ کر لیا اور بہت کم آپ کسی سفر سے چاشت کے وقت واپس آتے تھے، آپ مسجد سے ابتداء کرتے تھے، پس وہاں دو رکعت نماز پڑھتے اور نبی ﷺ نے مجھ سے اور میرے دو صاحبوں سے لوگوں کو کلام کرنے سے منع فرما دیا تھا اور ہمارے علاوہ دوسرے پیچھے رہنے والوں میں سے کسی کے ساتھ کلام کرنے سے منع نہیں فرمایا تھا، پس لوگوں نے ہمارے ساتھ کلام کرنے سے اجتناب کیا، پس میں اس حال پر ٹھہرا رہا حتیٰ کہ کافی طویل عرصہ گزر گیا۔ اور میرے نزدیک سب سے تکلیف دہ بات یہ تھی کہ میں مرجاؤں اور رسول اللہ ﷺ میری نماز جنازہ نہ پڑھیں یا رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو جائے اور میں لوگوں سے اسی طرح الگ تھلک رہوں، پس مجھ سے کوئی شخص بات نہیں کرے گا اور نہ میری نماز جنازہ پڑھے گا، اور نہ مجھے سلام کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر ہماری توبہ نازل کی جس وقت رات کا تہائی حصہ باقی رہ گیا تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ اس وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے۔ اور حضرت ام سلمہ میرے متعلق بہت نیکی کرنے والی تھیں اور میرے معاملہ میں بہت مدد کرنے والی تھیں، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ام سلمہ! کعب کی توبہ قبول کر لی گئی ہے، تو انہوں نے کہا: کیا میں ان کی طرف کسی کو بھیج کر یہ پیغام نہ دوں اور ان کو یہ خوش خبری نہ سناؤں؟ آپ نے فرمایا: اس وقت تمہیں لوگ

روند ڈالیں گے اور تمہیں ساری رات نیند نہیں آ سکے گی، حتیٰ کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی تو آپ نے یہ اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول فرمائی ہے اور جب آپ خوش ہوتے تھے تو آپ کا چہرہ یوں چمکنے لگتا تھا جیسا کہ وہ چاند کا ٹکڑا ہو۔ جو لوگ ہم تین کے علاوہ پیچھے رہ گئے تھے ان کا عذر قبول کر لیا گیا تھا اور ہم تینوں کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا جب اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ نازل کی، پس جب ان لوگوں کا ذکر کیا گیا جو پیچھے رہ جانے والے تھے، اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے جھوٹ بولا تھا، اور جھوٹا عذر پیش کیا تھا تو ان کا ذکر اتنی برائی کے ساتھ کیا گیا تھا جتنی برائی کے ساتھ کسی کا ذکر نہیں کیا گیا ہوگا۔ اللہ سبحانہ نے ان کے متعلق فرمایا: (اے مسلمانو!) جب تم ان (منافقین) کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے بہانے بنائیں گے، (اے رسول مکرم!) آپ کہئے کہ تم بہانے نہ بناؤ، ہم ہرگز تمہاری بات کا یقین نہیں کریں گے، اللہ نے ہم کو تمہارے حالات سے مطلع کر دیا ہے اور اب اللہ اور اس کا رسول تمہارے (طرز) عمل کو دیکھے گا۔ (التوبہ: ۹۳)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۷۵۷ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض امور کی وضاحت کی جا رہی ہے: یَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ: یعنی منافقین جب مدینہ آئیں گے تو تمہارے سامنے عذر پیش کریں گے جب تم غزوہ تبوک سے واپس آؤ گے۔

قَدْ ثَبَّأْنَا اللَّهَ: یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے راز کی خبر دی ہے اور جن باتوں کو تم اپنے سینوں میں چھپاتے تھے، ان کی خبر دے دی ہے، اور عنقریب اللہ اور اس کا رسول دیکھیں گے کہ تم آئندہ کیا کام کرتے ہو کہ آیا تم اپنے نفاق سے توبہ کرتے ہو، یا اس پر قائم رہتے ہو؟ اور تم موت کے بعد عالم الغیب والشہادہ کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے تو وہ تم کو خبر دے گا کہ تم ظاہر اور پوشیدہ اور جلوت اور خلوت میں کیا کام کرتے رہے۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۷۹)

۲۰۔ بَابُ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ
كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۝ (التوبہ: ۱۱۹)
اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے
رہو اور (ہمیشہ) سچوں کے ساتھ رہو ۝ (التوبہ: ۱۱۹)

کی تفسیر

یہ آیت التوبہ: ۱۱۸ کے بعد ہے جس میں یہ بتایا تھا کہ نبی ﷺ کے تین اصحاب پر جو جنگی اور تکلیف آئی اور مسلمانوں نے ان سے پچاس راتوں تک قطع تعلق رکھا۔ انہوں نے اس پر صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سچ بولنے کے سبب ان کو اس مصیبت سے

نجات عطا فرمائی اور ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کے صدق اور ان کے تقویٰ کے سبب سے ان کو نجات عطا فرمائی تو اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو اور بچوں کے ساتھ رہنے کو لازم کر لو تا کہ تم کو بھی مصائب سے نجات ملے اور اللہ تعالیٰ تمہاری تنگی کو کشادگی سے بدل دے۔

۴۶۷۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عَقِيلٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ كَعْبٍ بْنِ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ كَعْبٍ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَ قَائِدَ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ يُحَدِّثُ حِينَ تَخْلَفَ عَنْ قِصَّةِ تَبُوكَ فَوَاللَّهِ مَا أَعْلَمُ أَحَدًا أَبْلَاهُ اللَّهُ فِي صِدْقِ الْحَدِيثِ أَحْسَنَ مِنَّا أَبْلَانِي مَا تَعَمَّدْتُ مُنْذُ ذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِلَى يَوْمِ هَذَا كَذِبًا وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى رَسُولِهِ ﴿لَقَدْ ثَابَّ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (التوبة: ۱۱۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الیث نے حدیث بیان کی، از عقیل از ابن شہاب از عبد الرحمن بن عبد اللہ بن کعب بن مالک از عبد اللہ بن کعب بن مالک جو حضرت کعب بن مالک کو راستہ دکھاتے تھے، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت کعب بن مالک بنی نضیر سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ جب تبوک کے قصبے میں وہ پیچھے رہ گئے تھے تو انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں کسی شخص کو نہیں جانتا جس کو اللہ تعالیٰ نے سچی بات بیان کرنے کی وجہ سے اس سے اچھی جزا دی ہو، جس میں میں مبتلا ہو گیا تھا۔ جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس سچی بات کا ذکر کیا اس وقت سے لے کر اب تک میں نے عدا جھوٹ نہیں بولا اور اللہ عزوجل نے اپنے رسول پر یہ آیت نازل کی: بے شک اللہ نے نبی کی اور مہاجرین کی توبہ قبول فرمائی اور یہ آیت یہاں تک ہے: اور بچوں کے ساتھ رہو O (التوبة: ۱۱۹)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۷۵۷ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آگئے ہیں، تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے، تمہاری فلاح پر وہ بہت حریص ہیں، مومنوں پر بہت شفیق اور نہایت مہربان ہیں O (التوبة: ۱۲۸) کی تفسیر

۲۱۔ بَابُ: لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (التوبة: ۱۲۸)

التوبة: ۱۲۸ میں نبی ﷺ کے فضائل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مِنْ أَنْفُسِكُمْ: یعنی ہم نے مومنین کی جنس سے اور ان کی زبان سے ایک رسول بھیجا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ۔ (البقرہ: ۱۲۹)

اور ایک قراءت میں ہے: مِنْ أَنْفُسِكُمْ اور یہ نفاست سے ماخوذ ہے، یعنی تم میں جو سب سے زیادہ نفاست والے اور سب سے زیادہ شرف والے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہی رسول اللہ ﷺ کی قراءت ہے، اور حضرت سیدہ فاطمہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما

کی قراءت ہے۔

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ: یعنی جو کام تم پر دشوار ہے، وہ ان پر شاق ہے۔ عَنِتُّمْ، عَنِتُّ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: مشقت۔ اس آیت کا حاصل یہ ہے: آپ پر یہ شاق گزرتا ہے کہ تم دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔ اس آیت میں سیدنا رسول اللہ ﷺ کی چھ صفات ہیں:

(۱) رسالت (۲) نفاست (۳) عزت (۴) اپنی امت کی طرف دنیا اور آخرت کی خیر پہنچانے کی حرص (۵) رأفت یعنی مہربانی (۶) رحمت۔ حسین بن الفضل نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کے لئے اپنے نام سے دو نام نہیں بنائے سوائے ہمارے نبی ﷺ کے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آپ کا نام رؤف اور رحیم رکھا ہے، کیونکہ فرمایا ہے:

بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (التوبہ: ۱۲۸)

اور اللہ تعالیٰ کا نام بھی رؤف و رحیم ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ (البقرہ: ۱۲۳، الحج: ۱۶۵)، (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ) مِنْ الرَّأْفَةِ: یعنی رؤف، رَأْفَةٌ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: بہت زیادہ رحمت کرنے والا۔

۴۶۷۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ السَّبَّاحِ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيَّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَكَانَ مِمَّنْ يَكْتُبُ الْوَحْيَ قَالَ أُرْسِلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ مَقْتَلًا أَهْلَ الْيَمَامَةِ وَعِنْدَهُ عُمَرُ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّ عُمَرَ أَتَانِي فَقَالَ إِنَّ الْقَتْلَ قَدْ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِالنَّاسِ وَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يَسْتَحِرَّ الْقَتْلُ بِالْقُرَّاءِ فِي التَّوَاتُطِ قَبْذَهَبَ كَثِيرٌ مِنَ الْقُرَّاءِ إِلَّا أَنْ تَجْمَعُوهُ وَإِنِّي لَأَرَى أَنْ تَجْمَعَ الْقُرَّاءَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ قُلْتُ لِعُمَرَ كَيْفَ أَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ عُمَرُ هُوَ وَاللَّهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِي فِيهِ حَتَّى شَرَعَ اللَّهُ لِي ذَلِكَ صَدْرِي وَرَأَيْتُ الَّذِي رَأَى عُمَرُ قَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَعُمَرُ عِنْدَهُ جَالِسٌ لَا يَتَكَلَّمُ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌ عَاقِلٌ وَلَا تَسْهَمُكَ كُنْتُ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَتَتَّبِعُ الْقُرَّاءَ فَاجْمَعُهُ فَوَاللَّهِ لَوْ كَلَفْنِي نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِي بِهِ مِنْ جَمْعِ الْقُرَّاءِ قُلْتُ كَيْفَ تَفْعَلَانِ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ هُوَ وَاللَّهِ خَيْرٌ فَلَمْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابن السباق نے خبر دی کہ حضرت زید بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ اور یہ ان صحابہ میں سے تھے جو وحی لکھتے تھے، نے بیان کیا کہ مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بتایا جن دنوں اہل یمامہ سے لڑائی ہوئی تھی اور ان کے پاس اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ یمامہ کی جنگ میں بہت زیادہ مسلمان شہید ہو گئے ہیں اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ مختلف علاقوں کی جنگوں میں قرآن مجید کے مزید قاری شہید ہوتے رہیں گے تو اکثر قرآن جاتا رہے گا سو اس کے کہ آپ اس کو کسی مصحف میں جمع کر لیں اور میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کو جمع کریں۔ حضرت ابوبکر نے بتایا کہ میں نے حضرت عمر سے کہا: میں وہ کام کیسے کروں جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا تو حضرت عمر نے کہا: اللہ کی قسم! اس کام میں خیر ہے، پھر حضرت عمر مجھ سے مسلسل اس کام کے لئے بات کرتے رہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے میرا سینہ کھول دیا اور میری بھی وہی رائے ہو گئی جو حضرت عمر کی رائے تھی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے

أَزَلُّ أَرَاغُهُ حَتَّى شَرَحَ اللَّهُ صَدْرِي لِذِي شَرَحَ اللَّهُ
لَهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ وَعَمَرَ فَقُنْتُ فَتَتَبَعْتُ الْقُرْآنَ
أَجْمَعُهُ مِنَ الرِّقَاعِ وَالْأَكْتَفِ وَالْعُسْبِ وَصُدُورِ
الرِّجَالِ حَتَّى وَجَدْتُ مِنْ سُورَةِ التَّوْبَةِ آيَتَيْنِ مَعَ
خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ لَمْ أَجِدْهُمَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ ﴿لَقَدْ
جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ
حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ﴾ (التوبہ: ۱۲۸) إِلَى آخِرِهِمَا وَكَانَتْ
الْصُّحُفُ الَّتِي جُمِعَ فِيهَا الْقُرْآنُ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ حَتَّى
تَوَفَّاهُ اللَّهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللَّهُ ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ
بِنْتِ عُمَرَ تَابِعَهُ عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ وَالثَّيْتُ عَنْ يُونُسَ
عَنِ ابْنِ شِهَابٍ وَقَالَ الثَّيْتُ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ
بْنُ خَالِدٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ وَقَالَ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ
الْأَنْصَارِيِّ وَقَالَ مُوسَى عَنْ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ
شِهَابٍ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ وَتَابِعَهُ يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ
عَنْ أَبِيهِ وَقَالَ أَبُو ثَابِتٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ وَقَالَ مَعَ
خُزَيْمَةَ أَبُو أَبِي خُزَيْمَةَ۔

کہا: حضرت عمر بھی اس وقت وہیں بیٹھے ہوئے تھے اور کوئی بات
نہیں کر رہے تھے۔ پس حضرت ابو بکر نے کہا: تم جو ان مرد ہو اور
عقل مند ہو اور ہم تم پر کوئی تہمت نہیں لگاتے تم رسول اللہ ﷺ پر
کے لئے وحی لکھتے تھے، پس تم قرآن مجید کو تلاش کرو اور اس کو جمع
کرو۔ حضرت زید نے کہا: پس اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے پہاڑ کو ایک
جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیتے تو وہ مجھ پر اتنا بھی رعب نہ
ہوتا جتنا مجھ پر یہ بھاری تھا کہ انہوں نے مجھے قرآن مجید کو جمع
کرنے کا حکم دیا۔ میں نے کہا: آپ دونوں وہ کام ایسے کریں گے
جس کو نبی ﷺ نے نہیں کیا، تو حضرت ابو بکر نے کہا: اللہ کی قسم!
اس کام میں خیر ہے، پھر میں ان سے مسلسل اس سلسلہ میں بات
کرتا رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لئے کھول
دیا جس کام کے لئے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کا سینہ کھولا تھا، پھر
میں کھڑا ہوا اور میں نے قرآن مجید کو تلاش کیا۔ میں قرآن مجید کو
چمڑوں سے اور چوڑی ہڈیوں سے اور کھجور کی چوڑی شاخوں سے
اور مردوں کے سینوں سے جمع کرتا رہا حتیٰ کہ میں نے سورۃ توبہ کی
دو آیتوں کو حضرت خزیمہ انصاری کے پاس پایا اور میں نے ان
آیتوں کو ان کے سوا کسی اور کے پاس نہیں پایا۔ وہ آیتیں یہ ہیں:
لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ
حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ (التوبہ: ۱۲۸) ان آیتوں کو آخر تک پڑھیں۔ اور
وہ صحیفے جن کو قرآن مجید میں جمع کیا گیا حضرت ابو بکر کے پاس
تھے حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دے دی تو پھر وہ صحیفے
حضرت عمر کے پاس تھے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی وفات
دے دی تو پھر وہ صحیفے حضرت حفصہ بنت عمر کے پاس تھے۔
شعیب کی متابعت عثمان بن عمر اور لیث نے کی ہے از یونس از ابن
شہاب اور لیث نے کہا: مجھے عبد الرحمن بن خالد نے حدیث بیان
کی از ابن شہاب، اس میں خزیمہ کی جگہ ابو خزیمہ انصاری کا ذکر
ہے اور موسیٰ نے کہا: از ابراہیم، ہمیں ابن شہاب نے حدیث بیان
کی، ابو خزیمہ کے ساتھ اس حدیث کی یعقوب بن ابراہیم نے
متابعت کی ہے از والد خود اور ابو ثابت نے کہا: ہمیں ابراہیم نے

حدیث بیان کی اور کہا خزیمہ کے ساتھ یا ابو خزیمہ کے ساتھ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۸۰۷ میں گزر چکی ہے، تاہم کچھ ضروری امور بیان کئے جا رہے ہیں:

حضرت ابو بکر کے قرآن جمع کرنے اور حضرت عثمان کے قرآن مجید جمع کرنے کا فرق اور بعض دیگر مسائل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

مقتل اہل یمامہ: جن ایام میں صحابہ نے مسیلہ کذاب سے قتال کیا تھا، جن نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ یہ قتال گیارہ ہجری میں ہوا تھا اور یمامہ یمن کا ایک شہر ہے۔

النحہ: جب بہت شدت سے اور بہت کثرت سے قتال ہوا۔ اس جنگ میں گیارہ سو مسلمان شہید کر دیئے گئے تھے اور ایک قول ہے کہ چودہ سو مسلمان شہید کر دیئے گئے تھے۔ ان میں ستر ایسے مسلمان تھے، جو قرآن مجید کے حافظ تھے۔

فی السواطن: یعنی ان جگہوں میں جہاں مسلمان جہاد کریں گے، اور قرآن مجید کے حفاظ وہاں شہید ہو جائیں گے۔

میں کیسے وہ کام کروں جس کام کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا: علامہ ابن جوزی نے کہا ہے: یہ ایسے شخص کا کلام ہے جو رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو اختیار کرتا ہے اور بدعت کے ارتکاب سے ڈرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں قرآن مجید کو اس لئے جمع نہیں کیا تھا کہ ان دنوں مسلسل وحی نازل ہوتی رہتی تھی اور بعض آیتیں منسوخ ہو جاتی تھیں، اور بعض آیات میں اضافہ ہو جاتا تھا، اس لئے آپ کی حیات میں قرآن مجید کو جمع کرنا ممکن نہ تھا، تو جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی اور اب یہ احتمال نہ تھا کہ کوئی آیت منسوخ ہو جائے گی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو جمع کرنے کا اہتمام کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید میں کوئی کارروائی نہیں کی۔ انہوں نے وہ مصحف منگوا یا جو ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھا ہوا تھا اور حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن الزبیر اور حضرت عبداللہ بن الحارث بن ہشام اور حضرت سعید بن العاص اور حضرت ابی بن کعب اور دیگر قریش اور انصار کے بارہ مردوں کو یہ حکم دیا کہ وہ حضرت حفصہ کے مصحف کے مطابق نقول تیار کریں اور ان نقول کو مختلف شہروں میں بھیج دیا، کیونکہ حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان کو یہ خبر دی تھی کہ لوگ قرآن مجید میں اختلاف کر رہے ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے قرآن مجید کو سات قراءتوں میں پڑھنے کی اجازت دی تھی، پس جب کوئی شخص ایک قراءت کے مطابق قرآن پڑھتا تو دوسرا شخص اس کی تغلیط کرتا، کیونکہ وہ دوسری قراءت کے مطابق قرآن پڑھتا تھا، اس لئے حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان کو لکھا کہ اس سے پہلے کہ یہ امت بھی یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی کتاب میں اختلاف کرنے لگے آپ اس کی کوئی تدبیر کر لیجئے۔ تب حضرت عثمان نے یہ کارروائی کی، پھر جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہو گئی تو مروان بن الحکم نے ان مصاحف کو دھو ڈالا اور یہ کہا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ ان مصاحف میں کوئی ایسی چیز ہو جو حضرت عثمان کے لکھے ہوئے مصاحف کے خلاف ہو۔ یہ کام حضرت عثمان نے کیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ کام نہیں کیا، اس لئے کہ حضرت ابو بکر کی غرض یہ تھی کہ قرآن مجید کو ان جمیع حروف اور ان جمیع طرق سے جمع کیا جائے جن پر وہ نازل ہوا اور یہ لغت قریش پر بھی تھا اور دوسری لغت پر بھی تھا اور حضرت عثمان کی غرض یہ تھی کہ قرآن مجید کو لغت قریش کے علاوہ باقی قراءت سے خالی کر لیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر کا قرآن کو جمع کرنا اور ہے اور حضرت عثمان کا قرآن مجید کو جمع کرنا اور ہے۔

اور اللہ کی قسم! اس کام میں خیر ہے: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابو بکر کا قرآن مجید کو جمع کرنا نیک کام تھا اور اس میں خیر تھی تو رسول اللہ ﷺ نے اس خیر کو کیسے ترک کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جمع قرآن کا خیر ہونا حضرت ابو بکر کے زمانے میں ہے۔

اور نبی ﷺ کے زمانے میں قرآن مجید کو جمع کرنا خیر نہیں تھا، کیونکہ اس وقت تک تمام قرآن نازل نہیں ہوا تھا اور بعض آیات کے منسوخ ہونے کا احتمال قائم تھا۔

تم جوان مرد ہو: حضرت ابو بکر نے یہ کلام حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کیا تھا اور ان کو جوان اس لئے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں آئے تو ان کی عمر گیارہ سال تھی اور جب حضرت ابو بکر نے ان سے اپنی خلافت میں کلام کیا تو ان کی عمر تقریباً بیس (۲۲) سال تھی اور یہ ایام شباب ہیں۔

آپ رسول اللہ ﷺ کے لئے وحی لکھتے تھے: حضرت زید بن ثابت کا وحی لکھنا، ان کی انتہائی امانت پر دلیل ہے اور کیوں نہ ہو کہ وہ افاضل صحابہ میں سے ہیں اور اصحاب الفتویٰ میں سے ہیں۔

پس میں نے قرآن مجید کو تلاش کیا: اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت زید بن ثابت قرآن مجید کے حافظ تھے تو پھر ان کی تلاش اور تتبع کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت ساتوں قراءتوں کو تلاش کرتے تھے اور اپنی قراءت کے علاوہ دوسری قراءتوں کا بھی تتبع کرتے تھے۔

الرقاع، الکتاف اور العُصْب: رِقَاع کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: چمڑے کا ٹکڑا اور الاکتاف، کتف کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: چوڑی ہڈی اور العُصْب اس کا معنی ہے: کھجور کی چوڑی شاخ۔

حضرت خزیمہ الانصاری کے ساتھ: یہ حضرت خزیمہ بن ثابت بن الفا کھہ الانصاری ہیں جو صاحب شہادتین تھے۔ یہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور سینتیس (۳۷) ہجری میں اس دن شہید کر دیئے گئے۔

میں نے ان دو آیتوں کو حضرت خزیمہ کے سوا کسی کے پاس نہیں پایا: اس سے معلوم ہوا کہ سورہ توبہ کی آخری دو آیتیں صرف حضرت خزیمہ کے قول سے ثابت ہوئیں، حالانکہ قرآن مجید کے ثبوت کے لئے تو نقل متواتر ضروری ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سورہ توبہ کی یہ دو آیتیں ان سب کو نقل متواتر سے معلوم تھیں اور ان سب کو حفظ تھیں۔ انہیں اس کی تلاش تھی کہ انہیں اس پر دو گواہیاں مل جائیں کہ نبی ﷺ نے ان آیتوں کو لکھوایا تھا، کیونکہ وہ مصحف میں کسی آیت کو اس وقت لکھتے تھے جب اس پر کم از کم دو گواہیاں مل جاتیں کہ نبی ﷺ نے اس آیت کو لکھوایا تھا اور سورہ توبہ کی ان آخری دو آیتوں کے متعلق صرف حضرت خزیمہ کی شہادت ملی، پھر جب ان کو یہ بتایا گیا کہ حضرت خزیمہ کی شہادت کو نبی ﷺ نے دو شہادتوں کے برابر قرار دیا ہے، تو وہ مطمئن ہو گئے اور انہوں نے ان دو آیتوں کو سورہ توبہ کے آخر میں لکھ دیا۔

حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دینے کے متعلق حدیث میں صراحت

عمارہ بن خزیمہ کے چچا رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا۔ نبی ﷺ نے اس سے مہلت طلب کی تاکہ گھوڑے کی قیمت لے کر آئیں۔ نبی ﷺ جلدی جلدی گھوڑے کی قیمت لینے گئے۔ اس اعرابی نے اس کو تاخیر سمجھا، پھر دوسرے لوگ اس اعرابی سے اس گھوڑے کی قیمت لگانے لگے اور ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ نبی ﷺ اس گھوڑے کو خرید چکے ہیں، پھر اس اعرابی نے رسول اللہ ﷺ کو پکارا: اگر آپ اس گھوڑے کو خرید رہے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں اس گھوڑے کو بیچ رہا ہوں۔ آپ نے اس اعرابی کی بات سن کر فرمایا: کیا میں تم سے یہ گھوڑا خرید نہیں چکا؟ اس اعرابی نے کہا: نہیں خدا کی قسم! میں نے آپ کو یہ نہیں فروخت کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں، میں تم سے یہ گھوڑا خرید چکا ہوں۔ اس اعرابی نے کہا: اچھا پھر آپ گواہ لائیں۔ حضرت خزیمہ بن ثابت نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے یہ گھوڑا آپ کو فروخت کر دیا ہے۔ نبی ﷺ یہ سنا کر بہت خوش ہوئے۔

حضرت خزیمہ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا: تم کس وجہ سے گواہی دے رہے ہو؟ حضرت خزیمہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیونکہ میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں، تب نبی سنیٰ خیرؐ نے حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو گواہیوں کے برابر قرار دیا۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۶۰۷، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۴۶۶۱، طبقات الکبریٰ، رقم الحدیث: ۵۸۴، المعجم الکبیر، رقم الحدیث: ۳۷۳۰،

مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۳۲۰، المستدرک، ج ۲ ص ۱۸، سنن کبریٰ، ج ۱۰ ص ۱۳۶، تہذیب تاریخ دمشق، ج ۵ ص ۱۳۶، کنز العمال، رقم الحدیث:

۳۷۰۳۸، الاصابہ، رقم الحدیث: ۴۲۵۶، اسد الغابہ، رقم الحدیث: ۱۴۴۶)

سورہ توبہ کی تفسیر یہاں ختم ہو گئی، اب ان شاء اللہ سورہ یونس کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۰۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ يُونُسَ

سورۃ یونس کی تفسیر

سورۃ یونس کا تعارف

ابوالعباس نے ”مقامات التزیل“ میں لکھا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس میں ایک آیت ہے جس کے متعلق کہیں نے ذکر کیا ہے کہ وہ آیت مدنی ہے اور وہ یہ ہے:

لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ (یونس: ۶۳) اور ہم تک یہ خبر نہیں پہنچی کہ سورۃ یونس میں اس کے سوا کوئی اور مدنی آیت ہے اور تفسیر ابن النقیب میں انکی سے منقول ہے کہ سورۃ یونس مکی ہے سوا اس آیت کے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَا يُؤْمِنُ بِهِ (یونس: ۴۰) مقاتل نے کہا ہے: سورۃ یونس مکی ہے سوا ان دو آیتوں کے: فَإِنْ كُنْتَ فِي شكٍّ مِمَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِينَ يَقْرَأُونَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ ۖ لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُسْتَكْثَرِينَ ﴿۱﴾ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونُوا مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۲﴾ (یونس: ۹۵-۹۴) یہ دونوں آیتیں مدنی ہیں۔ اور تفسیر ابن مردودہ میں مذکور ہے کہ مشہور یہ ہے کہ پہلی آیت مکی ہے اور دوسری آیت مدنی ہے۔ سورۃ یونس میں ایک سونو (۱۰۹) آیات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۸۵)

۱۔ بَابُ

بَابُ

اور حضرت ابن عباس نے کہا: فَأَخْتَلَطَ (یونس: ۲۴) اس کا معنی ہے: بارش نازل ہونے کی وجہ سے ہر قسم کا سبزہ اگا۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ ۖ هُوَ الْغَنِيُّ (یونس: ۶۸) یعنی عیسائیوں نے کہا: اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے۔ وہ اس سے پاک ہے اور بے پرواہ ہے۔ اور زید بن اسلم نے کہا: أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صَدِيقٍ (یونس: ۲) اس سے مراد (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد خیر ہے۔ کہا جاتا ہے: تِلْكَ آيَةُ (یونس: ۱) یعنی یہ قرآن کی نشانیاں ہیں، اور اسی کی مثل یہ آیت ہے: حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرَّتْ بِكُمْ (یونس: ۲۲) اس آیت میں بہم، بکنہ کے معنی میں ہے۔ دَعَوْهُمْ (یونس: ۱۰) کا معنی ہے: ان کی دعا۔ أُحْصِطَ بِهِمْ (یونس: ۲۲) یعنی وہ ہلاکت کے قریب آ پہنچے۔ وَأَخَاطَتْ بِهِمْ خَطِيبَتُهُ (البقرہ: ۸۱) یعنی ان کو ان کے گناہوں

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَأَخْتَلَطَ (یونس: ۲۴) قَنَبَتْ بِالنَّاءِ مِنْ كُلِّ لَوْنٍ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ ۖ هُوَ الْغَنِيُّ (یونس: ۶۸) وَقَالَ زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صَدِيقٍ (یونس: ۲) مُحْتَدٌ ۖ وَقَالَ مُجَاهِدٌ خَيْرٌ يَقَالُ تِلْكَ آيَةُ (یونس: ۱) يَعْنِي هَذِهِ أَعْلَامُ الْقُرْآنِ وَمِثْلُهُ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرَّتْ بِكُمْ (یونس: ۲۲) بِهِمُ السَّعْيُ بِكُمْ يَقَالُ دَعَوْهُمْ (یونس: ۱۰) دَعَاؤُهُمْ أُحْصِطَ بِهِمْ (یونس: ۲۲) دَعَا مِنْ الْهَلَاكَةِ وَأَخَاطَتْ بِهِمْ خَطِيبَتُهُ (البقرہ: ۸۱) فَاتَّبَعَهُمْ (یونس: ۹۰) وَاتَّبَعَهُمْ وَاحِدٌ عَدَا (یونس: ۹۰) مِنَ الْعَدَاةِ وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَلَوْ يُعْجَلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتَعْجَلَهُمْ بِالْخَيْرِ (یونس: ۱۱) قَوْلُ الْإِنْسَانِ لِيُؤَدِّيَهُ وَمَالِهِ إِذَا

نے گھیر لیا۔ فَاتَّبَعَهُمْ (یونس: ۹۰) اور أَتَّبَعَهُمْ کا ایک معنی ہے، عَدَّوْا (یونس: ۹۰) یہ عدوان یعنی سرکشی سے ماخوذ ہے۔ اور مجاہد نے کہا: يَعْجَلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتَعْجَلَهُمْ بِالْخَيْرِ (یونس: ۱۱) اگر اللہ لوگوں کے لئے شر کو جلدی نازل کر دیتا جس طرح وہ خیر کو جلدی طلب کرتے ہیں۔ یہ اس طرح ہے جب انسان اپنے بیٹے یا مال پر غضب ناک ہو کر کہتا ہے: اے اللہ! اس میں برکت نہ ڈال اور اس پر لعنت کر۔ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ (یونس: ۱۱) یعنی جس کے خلاف دعا کی گئی، وہ ہلاک ہو گیا اور اس کو مار دیا۔ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْخُسْفَى (یونس: ۲۶) یعنی جن لوگوں نے نیک کام کئے ان کے لیے مغفرت ہے، اور اللہ کی خوشنودی ہے۔ زِيَادَةٌ (یونس: ۲۶) یعنی اضافہ ہے۔ اور دوسروں نے کہا: اس سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف دیکھنا۔ الْكِبْرِيَاءُ (یونس: ۷۸) اس سے مراد ہے: اللہ کا ملک اور اس کی بادشاہی۔

تعلیقات مذکورہ کی شرح

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاخْتَلَطَ فَنَبَتَ بِالنَّاءِ مِنْ كُلِّ لَوْنٍ۔ حضرت ابن عباس نے کہا: فَاخْتَلَطَ (یونس: ۲۴) اس کا معنی ہے: بارش نازل ہونے کی وجہ سے ہر قسم کا سبزہ اگا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ۔ (یونس: ۲۴) دنیا کی زندگی کی مثال محض اس پانی کی طرح ہے جس کو ہم نے آسمان سے نازل کیا تو اس کی وجہ سے زمین کی وہ پیداوار خوب گھٹی ہو گئی۔

امام ابن جریر نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پانی سے ہر قسم کا غلہ پیدا کیا جس کو لوگ کھاتے ہیں جیسے گندم، جوہکی وغیرہ۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ هُوَ الْغَنِيُّ۔ (یونس: ۶۸) یعنی عیسائیوں نے کہا: اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے وہ اس سے پاک ہے اور بے پرواہ ہے۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ هُوَ الْغَنِيُّ (یونس: ۶۸) یعنی عیسائیوں نے کہا: اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے وہ اس سے پاک ہے اور بے پرواہ ہے۔

یعنی اہل مکہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد بنالی ہے۔ انہوں نے کہا: فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور یہود نے کہا: عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں نے کہا: مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اولاد بنانے سے پاک ہے، وہ بیوی اور بچوں سے مستغنی ہے۔ وَقَالَ زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ مُحْتَدٍ اور زید بن اسلم نے کہا: أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ (یونس: ۲) اس سے مراد (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد خیر ہے۔

زید بن اسلم کی کنیت ابواسامہ ہے، وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام ہیں۔ انہوں نے درج ذیل آیت میں قدم صدق کی تفسیر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے اور وہ آیت یہ ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (یونس: ۲)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر کی ہے: مَنَزِلِ صَدَق۔ اور ایک قول یہ ہے کہ قدم سے مراد عمل صالح ہے۔ ربیع بن انس نے کہا: اس سے مراد ہے: صدق کا ثواب اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد ہے: خیر، پھر ان سے مروی ہے کہ اس سے مراد ہے: لوگوں کی نماز، ان کی تسبیح اور ان کے روزے۔ امام ابن جریر نے مجاہد کے قول کو ترجیح دی ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ خَيْرُ يُقَالُ تِلْكَ آيَاتُ۔ کہا جاتا ہے: تِلْكَ آيَاتُ (یونس: ۱) یعنی یہ قرآن کی نشانیاں ہیں۔ امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

الْأَن تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ (یونس: ۱)

الف، لام، را، یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو حکمت سے معمور ہے۔ امام بخاری نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اس آیت میں تِلْكَ، ہذہ کے معنی میں ہے، اور بعید کا اشارہ قریب کے لئے ہے اور بعد رتبہ کو بعد مکان کا قائم مقام کر کے اسم اشارہ بعید ذکر کیا گیا۔

يَعْنِي هَذِهِ أَعْلَامُ الْقُرْآنِ وَمِثْلُهُ حَتَّى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنِ الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمُ السَّغْفَىٰ بِكُمْ۔ اور اس کی مثل یہ آیت ہے: حَتَّى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنِ الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمُ السَّغْفَىٰ بِكُمْ (یونس: ۲۲) اس آیت میں بہم، بِكُمْ کے معنی میں ہے۔

یعنی جس طرح یونس: ۱ میں تِلْكَ، ہذہ کے معنی میں ہے، اسی طرح یونس: ۲۲ میں بہم، بِكُمْ کے معنی میں ہے اور غائب سے مراد حاضر ہے، اس صنعت کو علم بلاغت میں التفات کہتے ہیں۔

يُقَالُ دَعَوْهُمْ دَعَاؤُهُمْ دَعَوْهُمْ (یونس: ۱۰) اس کا معنی ہے: ان کی دعا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

دَعَوْهُمْ فِيهَا سُبْحَنَكَ اللَّهُمَّ۔ (یونس: ۱۰) اور جنتوں میں ان کی (بے ساختہ) یہ پکار ہوگی: ”پاک ہے تو اے اللہ!“۔

امام ابو عبیدہ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

أَحْيَطَ بِهِمْ دَنَؤًا مِنَ الْهَلَكَةِ۔ (یونس: ۲۲) یعنی وہ ہلاکت کے قریب آ پہنچے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَكَلَّمُوا أَنَّهُمْ أَحْيَطَ بِهِمْ۔ (یونس: ۲۲) اور لوگ یہ یقین کر لیں کہ وہ (طوفان میں) پھنس چکے ہیں۔

امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کی ہے کہ وہ ہلاکت کے قریب آ پہنچے اور امام ابو عبیدہ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

وَأَخَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ۔ (البقرہ: ۸۱) یعنی ان کو ان کے گناہوں نے گھیر لیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَخَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ۔ (البقرہ: ۸۱) کیوں نہیں جس نے برائی کی اور اس کے گناہوں نے اسے گھیر لیا۔

یعنی ان کو ان کے گناہوں نے گھیر لیا ہے، جس طرح دشمن کسی کا احاطہ کر لیتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کے گناہوں نے ان کے لئے نجات کے راستے بند کر دیئے ہیں۔

فَاتَّبَعَهُمْ وَاتَّبَعَهُمْ وَاحِدٌ۔ فَاتَّبَعَهُمْ (یونس: ۹۰) اور اتَّبَعَهُمْ کا ایک معنی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجُودًا بِبَنِي إِسْرَآئِيلَ الْبَحْرَ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ
وَجُودًا (پولس: ۹۰)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار گزار دیا تو فرعون اور اس کے لشکر نے ان کا پیچھا کیا۔

امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ اَتَّبَعَهُمْ، تاء کی تشدید کے ساتھ اور اَتَّبَعَهُمْ، تاء کی تشدید کے بغیر دونوں کا معنی ایک ہے اور اسمعی نے یہ کہا ہے کہ اَتَّبَعَهُمْ کا معنی یہ ہے کہ ان کو پالیا اور ان کے ساتھ مل گیا اور اَتَّبَعَهُمْ کا معنی ہے: ان کے نشانات کو پالیا۔
عَدُوًّا اَصْحٰبِ الْعُدُوِّ اِنْ۔ عَدُوًّا (یونس: ۹۰) یہ عدوان یعنی سرکشی سے ماخوذ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدُوًّا - (يونس: ۹۰)

تو فرعون اور اس کے لشکر نے دشمنی اور سرکشی سے ان کا پیچھا کیا۔

امام بخاری نے عَدُوًّا کی تفسیر دشمنی کے ساتھ کی ہے۔ امام ابو عبیدہ نے بھی اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

وَقَانَ مُجَاهِدٌ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالشَّرِّ (یونس: ۱۱) اگر اللہ لوگوں کے لئے شر کو جلدی نازل کر دیتا جس طرح وہ خیر کو جلدی طلب کرتے ہیں۔ یہ اس طرح ہے جب انسان غَضَبَ اللَّهِ لَا تُبَارِكُ فِيهِ وَالْعَنَةُ۔

یہ آیت نضر بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی، جب اس نے یہ کہا تھا: اے اللہ! اگر یہ حق ہے تو تو ہم پر پتھر برسا۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب لوگ غضب ناک ہو کر اپنی جانوں کے اوپر اور اپنے گھروالوں کے اوپر اپنے اموال کے اوپر بددعا کرتے ہیں تو اگر اللہ تعالیٰ ان کی بدعاؤں کو بھی قبول کر لیتا جس طرح وہ ان کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے تو وہ ہلاک ہو جاتے۔

لَقَضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ لَأُخَذَ مِنْ دَعْوِ عَلَيْهِ لَقَضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ (يونس: ١١) یعنی جس کے خلاف دعا کی گئی
وَلَا مَنَافَةَ۔ وہ ہلاک ہو گیا اور اس کو مار دیا۔

یہ نونکا جواب ہے، اس کا معنی ہے: وہ مار دیئے جاتے اور ہلاک کر دیئے جاتے، یعنی جس کے خلاف دعا کی گئی ہے وہ مار دیا جاتا یا ہلاک کر دیا جاتا۔

لِذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ بِمِثْلِهَا حُسْنَىٰ۔
 لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ (یونس: ۲۶) یعنی جن لوگوں نے نیک کام
 کئے ان کے لئے مغفرت ہے، اور اللہ کی خوشنودی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ۖ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ
قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ۔ (یونس: ۲۶)

نہ ہی ذلت۔

امام بخاری نے جو تفسیر ذکر کی ہے، یہ مجاہد کا قول ہے۔ زنجشری نے کہا: حسنی سے مراد نیک کام ہیں، اور دوسروں نے کہا: حسنی سے مراد لا الہ الا اللہ کہنا ہے۔ امام بخاری نے جو کہا ہے: **مِثْلُهُ حُسْنٰی**، اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کو اس حُسْنٰی کی مثل اور حُسْنٰی عطا فرمائے گا، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **يَزِيدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ** (النساء: ۱۷۳) یعنی ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ اجر عطا فرمائے گا۔

وَزِيَادَةٌ مَّغْفِرَةٌ وَرِضْوَانٌ وَقَالَ غَيْرُهُ الشَّظَرُ إِلَى **زِيَادَةٌ** (یونس: ۲۶) یعنی اضافہ ہے۔ اور دوسروں نے کہا: اس سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف دیکھنا۔

قنادہ سے روایت ہے: حُسْنٰی سے مراد ہے: جنت اور **زِيَادَةٌ** سے مراد ہے: رحمن عزوجل کے چہرے کا دیدار۔ **الْكِبْرِيَاءُ الْمُلْكُ**۔ **الْكِبْرِيَاءُ** (یونس: ۷۸) اس سے مراد ہے: اللہ کا ملک اور اس کی بادشاہی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے: **قَالُوا أَجِئْنَا لِنُلْفِتَنَّا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونَ لَكُمُ الْكِبْرِيَاءُ يَا عِزُّ الْأَرْضِ**۔ (یونس: ۷۸) انہوں نے کہا: کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ تم ہمیں اس (دین) سے پھیر دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور زمین میں تم ہی دونوں کے لیے بڑائی ہو جائے۔

یعنی فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو اپنے آباء و اجداد کے طریقے یعنی بتوں کی عبادت سے پھیر دو اور تمہارے لئے اس سرزمین مصر میں بڑائی اور سلطنت حاصل ہو جائے۔

نوٹ: ان تمام تعلیقات کی شرح عمدۃ القاری جلد ۱۸ صفحہ ۳۸۸-۳۸۵ سے لی گئی ہے۔

۲۔ بَابُ: وَاجُوزُ نَابِئِي إِسْرَآءِ يَلُ الْبَحْرَ
فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدُوًّا حَافِي
إِذَا آذَرَاكَ الْغَرَقُ قَالَ أَصْنَتْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا
الَّذِي أَصْنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَآءِ يَلُ وَإِنَّا مِنَ
الْمُسْلِمِينَ ① (یونس: ۹۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار گزار دیا تو فرعون اور اس کے لشکر نے دشمنی اور سرکشی سے ان کا پیچھا کیا، حتیٰ کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو اس نے کہا: میں ایمان لایا کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں ① (یونس: ۹۰) کی تفسیر

فرعون کا نام اور جس سمندر میں فرعون غرق ہوا تھا اس کا بیان اور فرعون کا ایمان قبول نہ ہونے کی وجہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَجُوزًا: یعنی ہم نے ان کے لئے سمندر کو قطع کیا اور اس سمندر کا نام بحر قلزم ہے اور یہ مصر اور یمن کے درمیان میں واقع ہے۔ اور بحر قلزم کے قرب میں فرعون کو غرق کیا گیا تھا۔ اس فرعون کا نام ولید بن مصعب بن ریان ابو مرہ تھا۔ سدی نے بیان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چھ

لاکھ بیس ہزار لڑنے والی فوج کے ساتھ نکلے، اس فوج میں کوئی مرد بیس سال سے کم کا نہیں تھا، اور نہ ساٹھ سال سے زیادہ عمر کا تھا۔
فَاتَّبَعَهُمْ: پھر فرعون ان کے لشکر سے جا ملا، وہ دس لاکھ کا لشکر لے کر نکلا تھا، اس کے لشکر میں ایک لاکھ سیاہ گھوڑے تھے اور ان میں کوئی مادہ گھوڑی نہیں تھی۔

حَتَّىٰ إِذَا أَذْرَكَهُ الْعَرْقُ: حتیٰ کہ جب فرعون کو غرق کر دیا گیا، اور وہ عاشوراء کا دن تھا۔ اس نے تین بار کہا: میں ایمان لے آیا مگر اس کا ایمان قبول نہیں ہوا، کیونکہ وہ آخرت کا عذاب دیکھ کر ایمان لایا تھا۔ اگر وہ اس سے پہلے ایک بار بھی کہتا کہ میں ایمان لے آیا تو اس کا یہ قول قبول کر لیا جاتا۔

نُتْجِنِكَ: یعنی ہم تجھے زمین کی بلند جگہ پر ڈال دیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالِيَوْمَ نُنْجِيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً۔ سو آج ہم تیرے (بے جان) جسم کو بچالیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے عبرت کا نشان بن جائے۔ (یونس: ۹۲)

امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ نُنْجِيكَ کا معنی ہے: ہم تمہیں ڈال دیں گے۔ یہ النجوة سے مشتق ہے نہ کہ نجاۃ سے، النجوة کا معنی ہے: زمین کی بلند جگہ اور النجاۃ کا معنی ہے: سلامتی۔

اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب جب سمندر سے باہر نکل آئے تو جو فرعون کی قوم کے بقیہ لوگ تھے، انہوں نے کہا: فرعون غرق نہیں ہوا بلکہ فرعون اور اس کے اصحاب سمندر میں شکار کر رہے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے سمندر کی طرف یہ وحی کی کہ وہ فرعون کو برہنہ ساحل کی کسی بلند جگہ پر پھینک دے تو سب نے دیکھ لیا کہ فرعون مردہ پڑا ہوا ہے۔
مقاتل نے بیان کیا کہ بنو اسرائیل نے کہا کہ قبلی غرق نہیں ہوئے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کی طرف وحی کی کہ وہ قبطیوں کی لاشوں کو سمندر کی سطح پر لے آئے۔

بیدنت سے مراد ہے: تیرے جسم کے ساتھ، یہ مجاہد کا قول ہے، ایک قول یہ ہے کہ بیدنت سے مراد وہ زرہ ہے جو اس کے جسم پر تھی اور وہ زرہ سونے کی تھی جس سے وہ دور سے پہچان لیا جاتا تھا۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۸۹-۳۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)
۳۶۸۰۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بَشِيرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ وَالْيَهُودُ تَصُومُ عَاشُورَاءَ فَقَالُوا هَذَا يَوْمٌ ظَهَرَ فِيهِ مُوسَىٰ عَلَىٰ فِرْعَوْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَصْحَابِهِ أَأَنْتُمْ أَحَقُّ بِمُوسَىٰ مِنْهُمْ فَصُومُوا۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، ابن عباس نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ مدینہ آئے اور یہود عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے۔ انہوں نے کہا: یہ وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو فرعون پر غلبہ عطا فرمایا تھا، تب نبی ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: تم ان کی بہ نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حق دار ہو، پس تم (بھی) روزہ رکھو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۰۴ میں گزر چکی ہے۔

سورۃ یونس کی تفسیر ختم ہوئی، اب ان شاء اللہ سورۃ ہود کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۱۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ هُوْدٍ

سورہ ہود کی تفسیر

سورہ ہود کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ابوالعباس نے ”المقامات“ میں لکھا ہے کہ سورہ ہود میں ایک آیت مدنی ہے اور بعض نے کہا: دو آیتیں مدنی ہیں۔ السدی نے بتایا کہ حضرت ابن عباس نے کہا: سورہ ہود کی ہے سو اس آیت کے: **وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي الثَّمَانِيَا** (ہود: ۱۱۴)۔ علامہ قرطبی نے کہا کہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ سورت مطلقاً مکی ہے، حسن بھری، عکرمہ، مجاہد، جابر بن زید اور قتادہ نے بھی یہی کہا ہے اور قتادہ سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے سوائے ایک آیت کے اور وہ یہ ہے: **فَلَعَلَّكَ تَائِيْرٌ بَعْضُ مَا يُؤْتِي إِلَيْكَ** (ہود: ۱۲) اس کی ان سے علی بن ابی طلحہ نے روایت کی ہے اور مقاتل نے کہا ہے: دو آیتوں کے سوائے سورت مکی ہے: (۱) **أَقِمِ الصَّلَاةَ** (۱۱۴) (۲) **أُولَئِكَ يُؤْمِنُونَ** (ہود: ۱۷) یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

سورہ ہود میں ایک سو تیس (۱۲۳) آیتیں ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۹۱)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَصِيْبٌ (ہود: ۷۷) **شَدِيْدٌ لَا جَرَمَ** (ہود: ۲۲) **بَلَىٰ وَقَالَ غَيْرُهُ وَحَاقَ** (ہود: ۸) **نَزَلَ يَحِيْقُ** **يُنْزِلُ يُوْذِنُ** (ہود: ۹) **فَعُولٌ مِّنْ يَّيْسَتْ وَقَالَ مُجَاهِدٌ** **تَبْتَسُّسُ** (ہود: ۳۶) **تَحْزَنُ يَشْتُوْنَ صُدُوْرَاهُمْ** (ہود: ۵) **شَكٌّ وَامْتَرَأَىٰ فِي الْحَقِّ لِيَسْتَحْفُوا مِنْهُ مِنَ اللَّهِ إِنَّ** **اسْتَطَاعُوا وَقَالَ أَبُو مَيْسَرَةَ الْآوَاهُ** (ہود: ۷۵) **الرَّحِيمُ** **بِالْحَبَشِيَّةِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بَادِي الزَّأْيِ** (ہود: ۲۷) **أَمَّا ظَهَرْنَا وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْجُودِي** (ہود: ۴۴) **جَبَلٌ** **بِالْجَزِيرَةِ وَقَالَ الْحَسَنُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ** (ہود: ۸۴) **يَسْتَهْزِؤْنَ بِهِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَقْلِيْنِ** (ہود: ۴۴) **أَمْسِكِي عَصِيْبٌ شَدِيْدٌ لَا جَرَمَ بَلَىٰ وَقَامَرُ التَّنُوْرُ** (ہود: ۴۰) **نَبَعَ النَّاءُ وَقَالَ عِكْرِمَةُ وَجْهَ الْأَرْضِ**

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: **عَصِيْبٌ** (ہود: ۷۷) اس کا معنی ہے: شدید۔ **لَا جَرَمَ** (ہود: ۲۲) اس کا معنی ہے: کیوں نہیں اور دوسروں نے کہا: **حَاقَ** (ہود: ۸) اس کا معنی ہے: نازل ہوا اور یحییٰ کا معنی ہے: نازل ہوگا۔ **يُوْذِنُ** (ہود: ۹) یہ فعل کا وزن ہے اور **يَيْسَتْ** یعنی یاس اور ناامیدی سے ماخوذ ہے اور مجاہد نے کہا: **تَبْتَسُّسُ** (ہود: ۳۶) اس کا معنی ہے: غمگین ہونا۔ **يَشْتُوْنَ** **صُدُوْرَاهُمْ** (ہود: ۵) اس کا معنی ہے: حق میں شک کرنا اور تردد کرنا تاکہ اگر ہو سکے تو وہ اللہ تعالیٰ سے چھپ سکیں۔ ابو میسرہ نے کہا: **الْآوَاهُ** (ہود: ۷۵) اس کا معنی حبشی زبان میں رحیم ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: **بَادِي الزَّأْيِ** (ہود: ۲۷) اس کا معنی ہے: سرسری نظر میں۔ اور مجاہد نے کہا: **الْجُودِي** (ہود: ۴۴) یہ جزیرے میں ایک پہاڑ ہے۔ اور حسن نے کہا: **إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ** (ہود: ۸۴) یعنی آپ بردبار ہیں۔ وہ اس قول سے استہزاء

کرتے تھے اور حضرت ابن عباس نے کہا: أَقْلَبُ (حدود: ۴۴) اس کا معنی ہے: روک لے اور عَصِيبُ کا معنی ہے: شدید اور لا جومہ کا معنی ہے: کیوں نہیں۔ وَقَاتَرُ السُّؤْمُ (حدود: ۴۰) اس کا معنی ہے: پانی ابل گیا۔ اور عکرمہ نے کہا: اس کا معنی ہے: زمین کی سطح پر زمین سے پانی ابلنا شروع ہوا۔

تعلیقات مذکورہ کی شرح

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَصِيبٌ شَدِيدٌ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عَصِيبٌ (حدود: ۷۷) اس کا معنی ہے: شدید۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے: وَلَمَّا جَاءَتْهُمْ أَسْطُورَةٌ مِّنْ سَمَاءٍ صَافِيَةٌ لَهُمْ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَازِلُ مُتَقَدِّمِينَ وَآخِرِينَ (حدود: ۷۷) اور جب ہمارے فرشتے (خوبصورت لڑکوں کی شکل میں) لوط کے پاس گئے تو وہ ان کی آمد سے غمگین ہوئے اور ان کا دل تنگ ہوا اور انہوں نے کہا: آج کا دن بڑا سخت ہے ○

امام بخاری نے عَصِيبُ کی تفسیر شدید سے کی ہے، یعنی یہ سخت دن ہے۔ یہ قول حضرت لوط علیہ السلام نے اس وقت کیا تھا جب ان کے پاس فرشتے بے ریش لڑکوں کی صورت میں آئے، پس انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ انسان ہیں، پھر اپنی قوم کے شرکی وجہ سے ان پر خوف زدہ ہوئے اور کسی کو ان کا پتا نہیں تھا۔ ان کی بیوی گھر سے باہر نکلی اور اس نے ان کی قوم کو خبر دے دی تو حضرت لوط علیہ السلام نے کہا: یہ سخت دن ہے۔

لَا جَرَمَ بَلَى۔ لَا جَرَمَ (حدود: ۲۲) اس کا معنی ہے: کیوں نہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے: لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْآخَسِرُونَ ○ بلاشبہ یقیناً یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں ○ (حدود: ۲۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ امام ابن ابی حاتم نے اس تعلیق کی سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ (النحل: ۲۳) اس کا معنی ہے: کیوں نہیں بے شک اللہ جانتا ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۳۰)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری اس سورت، یعنی سورہ ہود کی تفسیر لکھ رہے ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو آیت نقل کی ہے وہ سورہ ہود میں نہیں ہے بلکہ سورہ النحل میں ہے اور مناسب یہ تھا کہ وہ سورہ ہود کی آیت لکھتے، کیونکہ امام بخاری سورہ ہود کی تفسیر لکھ رہے ہیں، اگرچہ معنی دونوں جگہ پر ایک ہے۔ فراء نے کہا ہے کہ لَا جَرَمَ ایک کلمہ ہے اور یہ اصل میں لَا هَذَا اور لَا مَخَالَةَ کے معنی میں ہے، پس یہ اسی طرح جاری ہو گیا اور اس کا استعمال کثیر ہو گیا، حتیٰ کہ یہ قسم کے معنی میں منتقل ہو گیا اور حَقُّ کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۹۱)

وَقَالَ غَيْرُهُ وَحَاقَ نَزْلُ يَحْيَىٰ نَزْلُ۔ اور دوسروں نے کہا: حَاقَ (حدود: ۸) اس کا معنی ہے: نازل ہوا اور

يَحْيِيْقُ کا معنی ہے: نازل ہوگا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْْسٌ مَّصْرُوْقًا عَنْهُمْ وَ حَاقَّ بِهِمْ مَا كَانُوْا بِهِ يَسْتَهْزِءُوْنَ ① (حود: ۸)

سنو! جس دن ان پر وہ عذاب واقع ہوگا تو پھر وہ ان سے دور نہیں کیا جائے گا اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑاتے تھے، وہ ان کا

احاطہ کرے گا ○

امام بخاری نے حَاقَّ کی تفسیر کی ہے: ان پر نازل ہوا اور ان کو پہنچا۔ امام ابو عبیدہ نے بھی یہی تفسیر کی ہے، پھر امام بخاری نے لکھا ہے: يَحْيِيْقُ کا معنی ہے: يَنْزِلُ، اس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ فَعْلٌ يَفْعِلُ کے باب سے ہے یعنی ماضی میں عین کلمہ پر زبر اور مضارع میں عین کلمہ کے نیچے زیر۔

يُؤْذِش (حود: ۹) یہ فَعُوْلٌ کا وزن ہے اور يَسْتُ کا معنی یا س اور ناامیدی سے ماخوذ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ لَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِثْلَ رَاحَةِ ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَكُوْشُ كُفُوْرًا ① (حود: ۹)

اور اگر ہم اپنے پاس سے انسان کو رحمت (کی لذت) چکھائیں، پھر اس سے اس رحمت کو واپس لے لیں (تو) یقیناً وہ ناامید اور

ناشکرا ہوگا ○

امام بخاری نے اس تفسیر سے یہ اشارہ کیا ہے کہ يُوْشُ، فَعُوْلٌ کے وزن پر ہے اور یہ مبالغہ کے صیغوں میں سے ہے اور یہ یا س سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: امید کا منقطع ہونا۔ امام بخاری نے جو کہا ہے کہ یہ يَسْتُ سے ماخوذ ہے، یہ ان کا تسخُّع ہے، کیونکہ تمام صیغے مصدر سے مشتق ہوتے ہیں نہ کہ فعل سے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَبْتَشِسُ تَحْزَنُ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَا تَبْتَشِسْ بِهَا كَالْوَايِفَعْلُوْنَ ② (حود: ۳۶)

پس آپ ان کی کارروائی سے غمگین نہ ہوں ○

امام بخاری نے اس تعلق سے یہ اشارہ کیا ہے کہ مجاہد نے تَبْتَشِسُ کی تفسیر تَحْزَنُ کے ساتھ کی ہے اور اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام سے خطاب ہے اور اس تعلق کی امام طبری نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔

يَسْتُونُ صُدُوْرَهُمْ شَكٌّ وَاَمْتَرَاءُ فِي الْحَقِّ لَيَسْتَحْفُوا ③ (حود: ۵) اس کا معنی ہے: حق میں شک کرنا اور

تردد کرنا تاکہ اگر ہو سکے تو وہ اللہ تعالیٰ سے چھپ سکیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَلَا اِنَّهُمْ يَسْتُونُ صُدُوْرَهُمْ لَيَسْتَحْفُوا مِنْهُ ۚ اَلَا حِثٌّ يَّسْتَعْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُبْسُوْنَ وَمَا يُعْلَمُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④

سنو! وہ اپنے سینوں کو موزتے ہیں تاکہ وہ اس سے چھپ سکیں، سنو! جس وقت وہ اپنے کپڑے اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں (اس وقت بھی) وہ اس کو جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں، اور جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ بے شک وہ سینوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے ○

(حود: ۵)

امام بخاری نے جو تفسیر کی ہے، یہی مجاہد کی تفسیر ہے، کیونکہ انہوں نے کہا: یثنون صدورہم کا معنی ہے: حق میں شک اور تردد کرنا۔ علامہ زحشری نے کہا: اس کا معنی ہے: وہ حق کی تکذیب کرتے ہیں اور حق سے انحراف کرتے ہیں، کیونکہ جو شخص کسی چیز کو قبول کرتا ہے تو وہ اس کی طرف اپنا منہ اور سینہ کرتا ہے، اور جو شخص کسی سے انحراف کرتا ہے تو وہ اسے دیکھ کر اپنا سینہ موڑ لیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ آیت اخس بن شریق کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ بہت شیریں کلام تھا۔ نبی ﷺ سے اس طرح ملتا جس طرح آپ پسند کرتے اور دل میں ناپسندیدہ باتوں کو چھپاتا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت بعض منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت بعض مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ جب نبی ﷺ ان کے پاس سے گزرتے تو وہ اپنا سینہ موڑ لیتے اور سر جھکا لیتے تاکہ آپ ان کو نہ دیکھیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ خبر دے دی کہ وہ اپنے دلوں میں کیا چھپاتے ہیں اور وہ آپ کے ساتھ عداوت رکھتے تھے۔

وَقَالَ أَبُو مَيْسَرَةَ: الْاَوَاةُ الرَّحِيمُ بِالْحَبَشِيَّةِ۔ ابو میسرہ نے کہا: الْاَوَاةُ (حدود: ۷۵) اس کا معنی حبشی زبان میں رحیم ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ ۝ (حدود: ۷۵)

بے شک ابراہیم بردبار، اللہ سے آہ و زاری کرنے والے، اور اس کی طرف رجوع کرنے والے تھے O

ابو میسرہ کا نام عمرو بن شریل الہمدانی ہے، یہ تابعی کوئی ہیں، ان سے شعبی اور ابواسحاق السبئی ایسے لوگوں نے حدیث کی روایت کی ہے۔ امام بخاری نے اس تفسیر سے یہ اشارہ کیا ہے کہ الْاَوَاةُ کا معنی بہت مہربانی کرنے والا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: بَادِي الرَّأْيِ مَا ظَهَرَ لَنَا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بَادِي الرَّأْيِ (حدود: ۲۷) اس کا معنی ہے: سرسری نظر میں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا تَرِكَ أَشْبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادُوا بِادِي الرَّأْيِ۔ (حدود: ۲۷)

امام بخاری نے بَادِي الرَّأْيِ کی تفسیر کی ہے: جو چیز ہمیں سرسری نظر میں معلوم ہوتی ہے۔ اس تعلیق کی ابو محمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْجُودِيُّ جَبَلٌ بِالْجَزِيرَةِ۔ اور مجاہد نے کہا: الْجُودِيُّ (حدود: ۴۴) یہ جزیرے میں ایک پہاڑ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ۔ (حدود: ۴۴)

یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جو دی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔ اس دن پہاڑوں نے بہت سراٹھایا اور تکبر کیا اور جو دی پہاڑ نے اللہ عزوجل کے سامنے تواضع کی تو وہ پہاڑ غرق نہیں کیا اور کشتی وہاں ٹکرا انداز ہو گئی۔ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین نبیوں کی وجہ سے تین پہاڑوں کو عزت دی ہے: حراء پہاڑ کو ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی وجہ سے عزت دی ہے، اور جو دی پہاڑ کو حضرت نوح علیہ السلام کی وجہ سے عزت دی ہے اور پہاڑ طور کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے عزت دی ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ إِنَّكَ لَأَكْثُ الْحَلِيمِ يَسْتَهْزِؤْنَ بِهِ۔ اور حسن نے کہا: إِنَّكَ لَأَكْثُ الْحَلِيمِ (حدود: ۸۷) یعنی آپ بردبار

ہیں، وہ اس قول سے استہزاء کرتے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّكَ لَا تَأْتِي الْحَلِيمَ الرَّشِيدَ (ہود: ۸۷)

بے شک آپ تو بہت بردبار اور راست باز ہیں O

حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ آیت حضرت شعیب علیہ السلام کے قصے میں نازل ہوئی ہے۔ ان کی قوم نے ان کا مذاق اڑانے کے لئے کہا تھا کہ آپ تو بہت بردبار ہیں۔ اس تعلیق کی ابو محمد نے اپنی سند کے ساتھ حسن بصری سے روایت کی ہے۔
وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَقْلَعِي أُمِّسِي۔
حضرت ابن عباس نے کہا: أَقْلَعِي (ہود: ۴۴) اس کا معنی ہے: روک لے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَلَا يَسْمَأْ أَقْلَعِي۔ (ہود: ۴۴) اور حکم دیا گیا کہ اے زمین! اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان! بھٹم جا۔
اس تعلیق کی ابو محمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے۔
عَصِيبٌ شَدِيدٌ لَا جَرَمَ بَلَى۔
عَصِيبٌ کا معنی ہے: شدید اور لَا جَرَمَ کا معنی ہے: کیوں نہیں۔

ان دونوں تعلیقوں کی شرح پہلے گزر چکی ہے۔

وَقَارَ التَّنُورُ نَبْعَ الْمَاءِ وَقَالَ عِكْرِمَةُ وَجْهَ الْأَرْضِ۔
وَقَارَ التَّنُورُ (ہود: ۴۰) اس کا معنی ہے: پانی ابل گیا اور عکرمہ نے کہا: اس کا معنی ہے: زمین کی سطح پر زمین سے پانی ابھنا شروع ہوا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُورُ۔ (ہود: ۴۰) حتیٰ کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور تنور ابلنے لگا۔

اس تعلیق کی علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے اور قَارَ، الْفُورُ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: پانی کا جوش مارنا۔ ابن درید نے کہا ہے کہ التَّنُورُ فارسی اسم ہے، جس کو عربی بنالیا گیا ہے۔ عربی زبان میں التَّنُورُ کے علاوہ اس کے لئے اور کوئی اسم نہیں ہے، اس لئے قرآن میں جب یہ لفظ آیا تو لوگوں نے اس کو جان لیا۔ اس تنور کی جگہ میں اختلاف ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ کوفہ کی ایک جانب میں ہے۔ انہوں نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام نے کوفہ کی مسجد کے وسط میں یہ کشتی بنائی تھی اور تنور اس میں داخل ہونے والے کی دائیں جانب میں تھا۔ مقاتل نے کہا: یہ حضرت آدم علیہ السلام کا تنور تھا اور یہ شام کی ایک جگہ میں تھا اور عکرمہ نے کہا: یہ تنور ہند میں تھا اور عکرمہ نے کہا کہ تنور کا معنی ہے: روئے زمین کا اسم، اور اس میں چھ اقوال ہیں: (۱) ایک یہی قول ہے۔ (۲) سطح زمین کی بلند جگہ کا نام ہے۔ (۳) صبح کے نور کا نام ہے۔ (۴) طلوع شمس کا نام ہے۔ (۵) یہ اس جگہ کا نام ہے جہاں کشتی کا پانی جمع ہو گیا تھا۔ جب وہاں پانی ابلا تو حضرت نوح علیہ السلام نے جان لیا کہ اب کشتی میں سوار ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ (۶) جو امام بخاری نے ذکر کیا ہے یعنی سطح زمین۔

نوٹ: ان تمام تعلیقات کی شرح عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۴۹۴ سے لی گئی ہے۔

۱۔ بَابُ: أَلَا إِنَّهُمْ يَشْتُونَ صُدُورَهُمْ
لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ أَلَا جِنَّ يَسْتَعْشُونَ
اللہ تعالیٰ کا ارشاد: سنو! وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں
تاکہ وہ اس سے چھپائیں، سنو! جس وقت وہ اپنے

ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ (ہود: ۵)

کپڑے اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں (اس وقت بھی) وہ اس کو جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں، اور جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ بے شک وہ سینوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے ۝ (ہود: ۵) کی تفسیر

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن محمد بن صباح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حجاج نے حدیث بیان کی، انہوں نے بتایا کہ ابن جریج نے کہا: مجھے محمد بن عباد بن جعفر نے خبر دی، انہوں نے حضرت ابن عباس کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا: سنو! وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں (ہود: ۵) انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کچھ لوگ کھلی جگہ میں قضاے حاجت کرتے وقت آسمان کی طرف سر کھولنے سے حیاء کرتے تھے، اسی طرح اپنی عورتوں سے جماع کرتے وقت آسمان کی طرف سر کھولنے سے حیاء کرتے تھے (تو وہ اپنے سینوں کو موڑ کر جھکا لیتے تھے)۔ یہ ان کے بارے میں نازل ہوئی۔

۳۶۸۱۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ صَبَّاحٍ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ بْنُ جَعْفَرٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقْرَأُ إِلَّا إِنَّهُمْ تَشْنُونُ صُدُورَهُمْ قَالَ سَأَلْتُ عَنْهَا فَقَالَ أَنَا نَسْ كَانُوا يَسْتَخْفُونَ أَنْ يَتَخَلَّوْا فَيُقْفُضُوا إِلَى السَّمَاءِ وَأَنْ يُجَامِعُوا نِسَاءَهُمْ فَيُقْفُضُوا إِلَى السَّمَاءِ فَنَزَلَ ذَلِكَ فِيهِمْ۔

[اطراف الحدیث: ۳۶۸۲، ۳۶۸۳]

حدیث مذکور کی صرفی اور نحوی ترکیب

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: یَشْنُونُ: یہ باب العیال سے ہے اَشْنُونُ یَشْنُونُ جیسے اَحْلُوْنَ یَحْلُوْنَ۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: ”مِثْلُ اِعْشَوْشَب“۔ علامہ عینی رد فرماتے ہیں کہ ان کو چاہئے تھا کہ وہ کہتے: ”مِثْلُ الْعِشْوَشَب“ اس میں ایک شین اور واو زائد ہے اور اس کا مادہ عِشْبٌ ہے اور قرأت مشہورہ یَشْنُونُ ہے، جمع مذکر مضارع اور اس کی ضمیر منافقین کی طرف راجع ہے، یعنی وہ اپنے سینوں کو موڑ لیتے ہیں۔

كَانُوا يَسْتَخْفُونَ: حضرت ابن عباس نے کہا: وہ اس سے حیاء کرتے تھے کہ کھلے میدان میں قضاے حاجت کے وقت آسمان کی طرف منہ کریں یا اپنی عورتوں کے ساتھ جماع کریں یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے انہیں برہنہ ہونے سے حیاء آتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ تو ہر کھلی اور ڈھکی چیز کو دیکھنے والا اور جاننے والا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۹۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی از ابن جریج، انہوں نے کہا: اور مجھے محمد بن عباد بن جعفر نے خبر دی کہ حضرت ابن عباس نے یہ آیت پڑھی: سنو! وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں

۳۶۸۲۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ وَأَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ بْنُ جَعْفَرٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَرَأَ إِلَّا إِنَّهُمْ تَشْنُونُ صُدُورَهُمْ قُلْتُ يَا أَبَا الْعَبَّاسِ مَا تَشْنُونُ صُدُورَهُمْ قَالَ كَانَ الرَّجُلُ

یُجَامِعُ امْرَأَتَهُ فَيَسْتَحْيِ أَوْ يَتَخَلَّى فَيَسْتَحْيِ فَنَزَكَتْ
(۵: حود) اَلَا اِنَّهُمْ يَشْتُوْنَ صُدُوْرَهُمْ)۔ (حود: ۵)

(حود: ۵) میں نے کہا: اے ابوالعباس! ان کے سینہ موڑنے کا کیا
معنی ہے؟ انہوں نے بتایا: جب مرد اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے
تو اسے حیا آتی ہے یا جب وہ قضاء حاجت کرتا ہے تو اسے اللہ
تعالیٰ کے سامنے (برہنہ ہونے سے) حیا آتی ہے، تب یہ آیت
نازل ہوئی: سنو! وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں۔ (حود: ۵)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۶۸۱ میں بیان کی جا چکی ہے۔

۴۶۸۳۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا
عَمْرُو قَالَ قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ ﴿اَلَا اِنَّهُمْ يَشْتُوْنَ
صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَغْفُوْا مِنْهُ اَلَا حِيْنَ يَسْتَعْشُوْنَ
ثِيَابَهُمْ﴾ (حود: ۵) و قَالَ غَيْرُهُ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ
يَسْتَعْشُوْنَ يَغْطُوْنَ رُؤُسَهُمْ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی،
انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا:
ہمیں عمرو نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: حضرت ابن
عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی: سنو! وہ اپنے سینوں کو موڑتے
ہیں تاکہ وہ اس سے چھپا سکیں، سنو! جس وقت وہ اپنے کپڑے
اوڑھتے ہوئے ہوتے ہیں (حود: ۵) اور دوسروں نے حضرت ابن
عباس سے روایت کی ہے کہ یَسْتَعْشُوْنَ کا معنی ہے: وہ اپنے
سروں کو ڈھانپ لیتے ہیں یا چھپا لیتے ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۶۸۱ میں گزر چکی ہے۔

سَيُنْزِلُ عَلَيْهِمْ سَاءَ ظَلْمٍ بِقَوْمِهِ وَضَاقَ بِهِمْ بِاضْيَافِهِ۔
یٰۤاَيُّهَا بِيْهَمٌ کا معنی ہے: حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے ساتھ
برائی کا گمان کیا اور اپنے مہمانوں کی وجہ سے ان کا دل تنگ ہو گیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيقَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذُرْعًا
- وَقَالَ هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ (حود: ۷۷)

اور جب ہمارے فرشتے (خوبصورت لڑکوں کی شکل میں) لوط کے
پاس گئے تو وہ ان کی آمد سے غمگین ہوئے اور ان کا دل تنگ ہوا اور
انہوں نے کہا: آج کا دن بڑا سخت ہے ○

امام بخاری نے جو تفسیر کی ہے، اس کی علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور امام طبری نے اس
کی اپنی سند سے روایت کی ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کے پاس فرشتے بے ریش لڑکوں کی صورت میں آئے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے جب ان کے حسین
چہروں اور ان کے خوشبودار جسموں کو دیکھا تو وہ اپنی قوم کے کرتوتوں سے ڈرے کہ کہیں وہ ان کے ساتھ بدکاری کا ارادہ نہ کریں۔
یَقْطَعُ مِنَ الْبَلِّ بِسْوَادٍ۔
اس کا معنی ہے: رات کے ایک حصہ میں جب سیاہی پھیل جائے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ۔ (حود: ۸۱)
آپ رات کے ایک حصہ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ یہاں
سے روانہ ہو جائیں۔

امام بخاری نے رات کے ایک حصہ کی سیاہی کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ امام ابو عبیدہ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے: رات کے بعض حصہ میں اور امام عبدالرزاق نے قتادہ سے روایت کی ہے: رات کے ایک طائفہ میں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ إِنَّهُ أُتِيبُ وَأَرْجَعُ۔ اور مجاہد نے کہا: اُتِيبُ کا معنی ہے: میں رجوع کرتا ہوں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿۸۸﴾ اور میری توفیق صرف اللہ کی مدد سے ہے، میں نے اسی پر توکل کیا

ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ○ (ہود: ۸۸)

امام بخاری نے اُتِيبُ کی تفسیر اَرْجَعُ کے ساتھ کی ہے۔ امام عبد بن حمید نے اس تعلیق کی سند موصول کے ساتھ مجاہد سے روایت کی ہے۔

سَجَنِلٌ کا معنی ہے: سخت اور بڑا۔ سَجَنِلٌ اور سَجَنِلٌ لام اور نون کے ساتھ ایک جیسے لفظ ہیں۔

اس سے امام بخاری نے ہود: ۸۲ کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ قوم ہود پر جو پتھر برسائے گئے وہ سخت اور

بڑے پتھر تھے۔

اور تمیم بن مقبل نے کہا: بہت سے پیدل چلنے والے ایسے ہیں جو چاشت کے وقت ایسی سخت تلواریں مارتے ہیں جن کی بہادر مرد وصیت کرتے ہیں۔ تمیم بن مقبل مخضرمی شاعر ہے، یعنی اس نے زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں کو پایا ہے۔ اس کے اس شعر کو یہاں ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ سَجَنِلٌ کا لفظ سخت کے معنی میں آتا ہے۔

اور اَشْهَاد کہیں گے، یعنی گواہ جنہوں نے اپنے رب کے اوپر جھوٹ بولا، سنو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ اَشْهَاد کا واحد شاہد ہے۔ جیسے اَصْحَاب کا واحد صاحب ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَيَقُولُ إِلَّا شُهَادًا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَيَّ رَبِّهِمْ۔ اور تمام گواہ یہ کہیں گے: یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب

پر جھوٹ باندھا تھا۔ (ہود: ۱۸)

امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ اَشْهَاد شاہد کی جمع ہے جیسے اَصْحَاب صَاحِب کی جمع ہے۔ زید بن اسلم نے کہا ہے کہ اَشْهَاد یہ ہیں: انبیاء مہملاً، ملائکہ اور مومنین، اور ضحاک نے کہا: انبیاء اور رسل مہملاً اور مجاہد سے روایت ہے کہ ملائکہ اَشْهَاد ہیں، اس کی روایت امام ابن ابی حاتم نے کی ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۹۹-۳۹۵)

۲۔ بَابُ: وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

(ہود: ۷) کی تفسیر

(ہود: ۷)

امام بخاری نے یہاں پوری آیت ذکر نہیں کی، پوری آیت درج ذیل ہے:

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا۔ اور وہی جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کس کا عمل نیکو

(ہود: ۷) ہے۔

علامہ عینی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ پانی کس چیز پر تھا؟ تو انہوں نے کہا: وہ ہوا کی پشت پر تھا؟ اور کعب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے سرخ یا قوت پیدا کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف نظر ہیبت سے دیکھا تو وہ کپکپاتا ہوا پانی ہو گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا کو پیدا کیا اور پانی کو ہوا کی پشت پر رکھا، پھر عرش کو پانی پر رکھا۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۴۰۰-۴۹۹)

۴۶۸۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْفَقُ أَنْفَقُ عَلَيْكَ وَقَالَ يَدُ اللَّهِ مَلَأَى لَا تَغِيضُهَا نَفَقَةً سَخَاءَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَقَالَ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مِنْذُ خَلَقَ السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ فَإِنَّهُ لَمْ يَغْضُ مَا فِي يَدِهِ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ وَيَبِيدُهُ الْمِيزَانُ يَخْفِضُ وَيَرْفَعُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو الزناد نے حدیث بیان کی، از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: تم خرچ کرو میں تم پر خرچ کروں گا، اور آپ نے فرمایا: اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے، اس میں خرچ سے کمی نہیں ہوتی۔ وہ مسلسل رات اور دن میں خرچ کرتا رہتا ہے، اور آپ نے فرمایا: مجھے بتاؤ جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے اس نے کتنا خرچ کیا ہے؟ اس سے اس کے ہاتھ میں کوئی کمی نہیں ہوئی اور اس کا عرش پانی پر تھا اور اس کے ہاتھ میں میزان ہے وہ اس (کے پڑے) کو جھکاتا ہے اور اس کو اٹھاتا ہے۔

[اطراف الحدیث: ۵۳۵۲-۴۳۱۱-۴۳۱۹-۴۳۹۶]

اللہ تعالیٰ کے بھرے ہوئے ہاتھ کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تم خرچ کرو میں تم پر خرچ کروں گا: کیونکہ اللہ تعالیٰ کے خرچ کرنے سے اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے: یہ اس سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے سے اس کے خزانوں میں کمی نہیں ہوتی۔

جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے، وہ خرچ کر رہا ہے اور اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی: اس حدیث میں جو اللہ

تعالیٰ کے ہاتھ اور اس کے بھرے ہوئے ہونے کا ذکر ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ اور اس کی کیفیت کی تاویل میں نہیں پڑنا

چاہئے اور متاخرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے خزانوں کو خرچ کرنا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۴۰۰)

إِعْتَمَلِكْ یعنی افتعلت یہ عَمَلٌ سے ماخوذ ہے، یعنی میں نے اسے نصیبت میں مبتلا کر دیا اور اس سے ہے: يَغْرُؤُكَ وَاعْتَمَلَانِ

(یعنی یہ لفظ نَصَرَ اور افتعال دونوں سے ایک معنی میں استعمال ہوتا ہے)۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنْ تَقُولُ إِلَّا اعْتَمَلِكْ بَعْضُ الْهَيْئَاتِ سَوْءٌ۔ (هود: ۵۴) ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے بعض معبودوں نے تم کو مجنون بنا دیا ہے۔

امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ إِعْتَمَلِكْ باب افتعال سے ہے، اور اس کے بعد کاف خطاب کا ذکر ہے، پھر امام بخاری

نے کہا یہ عَمَلٌ سے ماخوذ ہے۔ اس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ نَصَرَ کے باب سے بھی آتا ہے اور علامہ جوہری نے صحاح میں کہا ہے

کہ عَزَّوَالِہُ الرَّجُلُ اس وقت کہتے ہیں جب تم کسی کے پاس سائل بن کر جاؤ، پھر امام بخاری نے کہا: اسی سے ماخوذ ہے یَعُوذُکَ وَاعْتَرَانِی علامہ جوہری نے کہا: اس کا معنی ہے: اس نے مجھ کو مصیبت میں مبتلا کر دیا۔

اِخِذْ بِنَاصِیَتِہَا (ہود: ۵۶) یعنی وہ اس کے قبضہ اور اس کی سلطنت میں ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اِخِذٌ بِنَاصِیَتِہَا اِنَّ رَبَّیْ عَلٰی صِرَاطٍ
رَبِّ سِدِّہِ رَاسِیَہِ (ملئ) ہے O

امام بخاری نے ”وہ اس کو پیشانی سے پکڑے ہوئے ہے“ کی تفسیر اس سے کی ہے کہ وہ اس کے قبضہ اور اس کی سلطنت میں ہے۔ یہ تفسیر غایت کے اعتبار سے ہے، کیونکہ جس کو کوئی پیشانی سے پکڑے ہوئے ہو وہ اس کا مقہور اور ماتحت ہوتا ہے۔

عَنِید اور عَنُود اور عَانِد، ان سب کا ایک معنی ہے اور یہ تَجَبُّز (تکبر) کی تاکید ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاطِيعُوا اَمْرَ کُلِّ جَبَّارٍ عَنِیدٍ (ہود: ۵۹) اور انہوں نے ہر ظالم ہٹ دھرم کا حکم مانا O

عَنِید، عَنُود اور عَانِد ان سب کا معنی ہے: سرکش یعنی وہ ایسے لوگوں کی پیروی کرتے رہے جو ظالم اور سرکش تھے۔ ان الفاظ سے تَجَبُّز یعنی تکبر کی تاکید اور اس کا مبالغہ مراد ہے۔

و یقول الاشہاد اور اس کا واحد شاہد ہے جیسے اصحاب کا واحد صاحب ہے۔

اس تعلیق کی شرح اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

اِسْتَعْمَرْتُکُمْ کا معنی ہے: تم کو آباد کیا اور بسایا۔ عرب کہتے ہیں: اعمرتہ الذاد فہی عمرة میں نے وہ گھرا سے عمر بھر کے لئے دے دیا، پس وہ عمرہ ہے یعنی وہ گھر میں نے اس کے لئے کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

هُوَ اَنْتَا کُمْ مِنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرْتُکُمْ فِیْہَا فَاسْتَغْفِرُوْکَ
لَمْ تُؤْبَہُوْا اِلَیْہِ۔ (ہود: ۶۱) مغفرت طلب کرو، پھر اس کی طرف تو پہ کرو۔

مجاہد سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔ امام بخاری نے کہا ہے: میں نے یہ گھر اس کے لئے کر دیا یعنی اس کے لئے ہبہ کر دیا۔

نَکَرْتُہُمْ وَ اَنْکَرْتُہُمْ وَ اسْتَنْکَرْتُہُمْ، یعنی وہ ان سے خوف زدہ ہوئے، ان تینوں لفظوں کا معنی واحد ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا رَاْ اٰیٰتِہُمْ لَا تَوٰسِلُ اِلَیْہِ نَکَرْتُہُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْہُمْ
خِیْفَةً۔ (ہود: ۷۰) پھر جب ابراہیم نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے تک نہیں بڑھ رہے تو ابراہیم نے ان کو اجنبی سمجھا اور اپنے دل میں ان سے ڈرنے لگے۔

یعنی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ فرشتوں کے ہاتھ ان کے لائے ہوئے بچھڑے کے بھنے ہوئے گوشت کی طرف نہیں پہنچ رہے تو وہ خوف زدہ ہوئے، پس فرشتوں نے کہا:

لَا تَخَفْ اِنَّا اَنْزَلْنٰکَ اِلٰی قَوْمٍ لُّوْطٍ (ہود: ۷۰)

آپ مت ڈریں، بے شک ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے O

امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ نَکَرْتُہُمْ ثلاثی مجرد ہے، اور اَنْکَرْتُہُمْ ثلاثی مزید فی باب افعال سے ہے، اور اِسْتَنْکَرْتُہُمْ

ثلاثی مزید فیہ باب استفعال سے ہے اور ان تینوں کا معنی ایک ہے یعنی وہ ان سے خوف زدہ ہوئے۔
 حَیْنَدٌ مَّجِیْدٌ: گویا کہ یہ مَاجِدٌ سے فعل کے وزن پر ہے، اور حمید، محمود کے معنی میں ہے۔
 امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

رَحِمَتْ اللّٰهُ وَبَرَکَتْهُ عَلَیْکُمْ اَهْلُ الْبَیْتِ اِنَّهُ حَیْدٌ اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں، بے شک اللہ مَّجِیْدٌ ﴿۷۳﴾ (ہود: ۷۳)

حمد و ثناء کا مستحق بہت بزرگ ہے ○

یعنی اللہ تعالیٰ ہی حمد کا اور مجد کا مستحق ہے، مجد کا معنی ہے: شرف اور بلندی، جب کوئی شخص سخی ہو اور اس کی عطا بہت وسیع ہو تو کہا جاتا ہے: وہ مَاجِدٌ شخص ہے۔ علامہ طیبی نے کہا ہے کہ مَجِیْدٌ، مَاجِدٌ کا مبالغہ ہے، یعنی بہت زیادہ سخاوت کرتا ہے۔ ایک قول ہے: مجید کا معنی ہے: عظیم اور بلند قدر و منزلت والا۔

سَجِیْلٌ کا معنی ہے: سخت اور بڑا۔ سَجِیْلٌ اور سَجِیْنٌ لام اور نون کے ساتھ ایک جیسے لفظ ہیں اور تمیم بن مقبل نے کہا ہے: بہت سے پیدل چلنے والے ایسے ہیں جو چاشت کے وقت ایسی سخت تلواریں مارتے ہیں جن کی بہادر مرد وصیت کرتے ہیں۔ اس تعلیق کی شرح گزر چکی ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۔ بَابُ: وَ اِلٰی مَدَیْنٍ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور (ہم نے) مدین والوں کی طرف ان کے ہم قبیلہ شعیب کو بھیجا۔ (ہود: ۸۴) کی تفسیر

شعیب کی لفظی تحقیق اور ان کا نسب

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی ہم نے اہل مدین کی طرف ان ہی میں سے شعیب کو بھیجا اور لفظ شعیب منصرف ہے کیونکہ یہ علم اور عربی ہے اور اس میں دوسری علت نہیں ہے۔

صحیح ابن حبان میں یہ حدیث ہے کہ چار نبی عرب ہیں: (۱) ہود (۲) صالح (۳) شعیب (۴) اور اے ابو ذر! تمہارے نبی، یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت شعیب کی زبان عربی تھی، ان کو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے بعد مدین کی طرف بھیجا۔ حضرت شعیب کے والد کے متعلق کئی قول ہیں، مشہور یہ ہے: شعیب بن بویب ابن مدینہ بن ابراہیم اور مدین غلیت اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے، پھر وہ قبیلہ کا نام پڑ گیا، پھر جب مدینہ نے سرزمین معان کے قریب ایک شہر بنایا جو شام کے اطراف میں تھا تو انہوں نے اس کا نام مدین رکھا۔

اہل مدین: یعنی اہل مدین کی طرف کیونکہ مدین ایک شہر کا نام ہے اور شہر کی طرف رسول کو بھیجنا ممکن نہیں ہے، لہذا اس شہر والوں کی طرف رسول کو بھیجا گیا تھا، اس لئے وہاں پر مضاف مقدر ہے جیسے وَ سَتَّلِ الْقَهَیْبَ، یعنی بستی والوں سے سوال کیجئے کیونکہ بستی سے سوال کرنا متصور نہیں ہے۔ اسی طرح وَ سَتَّلِ الْعِیْرَ یعنی قافلہ والوں سے سوال کیجئے۔

وَ زَاۓکُمْ ظَهْرِنَا: یعنی تم نے اس کی طرف توجہ نہیں کی اور جب کوئی شخص کسی کی حاجت پوری نہ کرے تو کہا جاتا ہے: تم نے میری حاجت کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا اور تم نے مجھے پیٹھ کے پیچھے کر دیا اور ظہری کا معنی یہاں پر یہ ہے کہ تم اپنے ساتھ کوئی چوپایہ یا برتن لو تاکہ اس سے مدد حاصل کرو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِشْخَاطُ تَمُوكَ وَسَاءَ كَمْ ظَهَرِيًّا۔ (حود: ۹۲) اور تم نے اللہ کو بالکل نظر انداز کیا ہوا ہے۔

امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر یہ کی ہے کہ تم نے اس کی طرف توجہ نہیں کی اور یہ تفسیر نتیجہ اور غایت کے اعتبار سے ہے، کیونکہ کسی چیز کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دینا اس کی طرف توجہ نہ کرنے سے کنایہ ہوتا ہے اور امام بخاری نے جو کہا ہے: ظہری کا معنی یہاں پر یہ ہے کہ تم اپنے ساتھ کوئی چوپایہ یا برتن لو تاکہ اس سے مدد حاصل کرو: یہ عرب کے محاورہ کے اعتبار سے ہے، قرآن مجید کی آیت کی تفسیر نہیں ہے۔

أَرَادْنَا اس کا معنی ہے: جو ہمارے پس ماندہ طبقہ سے ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا تَرْكُ أَتْبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادُوا أَنْ يَنْفَكُوا۔ (حود: ۲۷) اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری پیروی صرف ہمارے پس ماندہ اور کم عقل لوگ ہی کر رہے ہیں۔

أَرَادُوا اس کا معنی ہے: اس کا معنی ہے: ردی، خسیس، گھٹیا اور نچلے طبقہ کے لوگ۔ یہ آیت حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں وارد ہوئی۔

إِجْرَامِ اور وہ أَجْرَمْتُ کا مصدر ہے اور بعض علماء نے کہا: وہ جَوَمْتُ کا مصدر ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَىٰ إِجْرَامِي وَأَنَا بَوْدِيٍّ مِّمَّا تَجْرِمُونَ ۖ (حود: ۳۵) آپ کہئے کہ اگر (بالفرض) میں نے اس کو گھڑ لیا ہے تو میرا گناہ میرے ذمہ ہے۔ اور میں تمہارے گناہوں سے بری ہوں ○

إِجْرَامِ باب افعال کا مصدر ہے، اور یہ ثلاثی مزید فیہ ہے اور بعض نے کہا: یہ ثلاثی مجرد جَوَمْتُ کا مصدر ہے۔

الْفُلُكُ وَالْفُلُكُ دونوں کا معنی ایک ہے اور یہ کشتی اور جہاز کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيُنَا۔ (حود: ۳۷) آپ ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے موافق کشتی بنائیے۔

یہ آیت بھی حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔

مَجْرَمًا اس کا معنی ہے: کشتی کو چلانا اور یہ أَجْرَمْتُ کا مصدر ہے۔ أَجْرَمْتُ کا معنی ہے: میں نے اس کو چلایا اور أَذْنَيْتُ کا معنی

ہے: میں نے اس کو روک لیا اور مَرَسَهَا پڑھا جاتا ہے، یہ رَسَتْ سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے: کشتی کو روکنا یعنی کشتی کو چلانا اور

روکنا اللہ ہی کا کام ہے۔ دوسری قراءت ہے: مَجْرَمًا وَ مَرَسَهَا یہ جَرَتْ سے ماخوذ ہے۔ تیسری قراءت ہے: مَجْرَمًا وَ مَرَسَهَا

یعنی کشتی کو چلانے والا اور ٹھہرانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور جس نے کشتیوں کو ٹھہرایا یعنی اس سے مراد ہے: ٹھہری ہوئی کشتیاں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالَ امْرَأَتُهَا إِنَّهَا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ مَجْرَمًا وَ مَرَسَهَا۔ اور نوح نے کہا: اس کشتی میں سوار ہو جاؤ، اس کا چلانا اور ٹھہرانا اللہ

ہی کے نام سے ہے۔ (حود: ۴۱)

پہلی قراءت میں مَجْرَمًا وَ مَرَسَهَا ہے اور یہ دونوں باب افعال سے مصدر مسمیٰ ہیں، یعنی کشتی کو چلانا اور روکنا اللہ ہی کے نام

سے ہے۔ دوسری قراءت مَجْرُهَا وَ مَرْسُهَا ہے۔ اس میں میم پر زبر ہے یعنی کشتی کا چلنا اور رکنا اللہ ہی کے نام سے ہے۔ تیسری قراءت مُجْرِيهَا وَ مَرْسِيهَا ہے۔ اس قراءت میں دونوں باب افعال سے اسم فاعل کے صیغے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کشتی کا چلانے والا اور ٹھہرانے والا اللہ ہی ہے۔ امام بخاری نے ہماری قراءت کی طرف اشارہ نہیں کیا، یعنی مَجْرِيهَا وَ مَرْسِيهَا جیسا کہ ہود: ۴۱ میں ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۳۴، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۔ بَابٌ: وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ
كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۖ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى
الظَّالِمِينَ ۝ (ہود: ۱۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور تمام گواہ یہ کہیں گے: یہی وہ
لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا،
سنو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے ۝ (ہود: ۱۸) کی تفسیر

اشہاد کا واحد شاہد ہے جیسے اصحاب کا واحد صاحب ہے۔

۳۶۸۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ
حَدَّثَنَا سَعِيدٌ وَهْشَامٌ قَالَ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ صَفْوَانَ
بْنِ مُحَرَّرٍ قَالَ بَيْنَا ابْنُ عُمَرَ يَطُوفُ إِذْ عَرَضَ رَجُلٌ
فَقَالَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَوْ قَالَ يَا ابْنَ عُمَرَ سَمِعْتُ
النَّبِيَّ ﷺ فِي النَّجْوَى فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ
ﷺ يَقُولُ يُدْنِي الْمُؤْمِنُ مِنْ رَبِّهِ وَقَالَ هَشَامٌ
يُدْنُو الْمُؤْمِنُ حَتَّى يَضَعَ عَلَيْهِ كَنَفَهُ فَيَقْرَأُ بِذُنُوبِهِ
تَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا يَقُولُ أَعْرِفْ يَقُولُ رَبِّ أَعْرِفْ
مَرَّتَيْنِ فَيَقُولُ سَتَرْتُهَا فِي الدُّنْيَا وَأَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ
ثُمَّ تَطْوِي صَحِيفَةً حَسَنَاتِهِ وَأَمَّا الْآخِرُونَ أَوِ الْكُفَّارُ
فَيُنَادِي عَلَى رُؤُسِ الْأَشْهَادِ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا
عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۖ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ (ہود: ۱۸)
وَقَالَ شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا صَفْوَانُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی،
انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، انہوں
نے کہا: ہمیں سعید اور ہشام نے حدیث بیان کی، ان دونوں نے
کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از صفوان بن محرز، وہ بیان
کرتے ہیں: جب حضرت ابن عمر طواف کر رہے تھے تو ان کے
پاس ایک مرد آیا، سو اس نے کہا: اے ابو عبد الرحمن! یا کہا: اے ابن
عمر! کیا آپ نے النجوی (سرگوشی) کے متعلق نبی ﷺ سے
کچھ سنا ہے؟ حضرت ابن عمر نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو یہ
فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن کو اس کے رب کے قریب کیا جائے
گا، اور ہشام نے کہا: مومن قریب ہو گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے
اوپر اپنی رحمت کا پر رکھ دے گا، پھر اس سے اس کے گناہوں کا
اقرار کرائے گا: تم فلاں گناہ کو پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا: اے میرے
رب! میں پہچانتا ہوں اور وہ دو مرتبہ کہے گا: میں پہچانتا ہوں، اللہ
تعالیٰ فرمائے گا: میں نے دنیا میں تمہارا پر وہ رکھا تھا اور آج میں تم کو
بخش دیتا ہوں، پھر اس کی نیکیوں کا صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا۔ رہے
دوسرے لوگ یا کفار تو ان کو گواہوں کے سروں پر پکارا جائے گا کہ
یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے اوپر جھوٹ باندھا تھا۔
سنو! لعنت ہے اللہ کی ظالموں پر ۝ (ہود: ۱۸) اور شیبان نے کہا: از
قتادہ: ہمیں صفوان نے حدیث بیان کی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۴۱ میں گزر چکی ہے۔

النجوی اور کَنَف کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

النجوی: یہ اللہ تعالیٰ اور مومنین کے درمیان مناجات ہے۔ اس کو نجوی اس لئے فرمایا کہ یہ کفار کی ندا کے مقابلہ میں ہے، ان کو لوگوں کے سروں پر سے ندا کی جائے گی۔

کَنَفُ: یعنی دو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں ہوگا۔ ابن اشیر نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت کا پر رکھے گا، یعنی اس کو چھپائے گا اور کَنَف کا معنی ہے: قرب یعنی اللہ تعالیٰ اس کو قریب کر لے گا اور حقیقت میں یہ دونوں معانی اللہ کے لئے محال ہیں اور یہ حدیث متشابہات میں سے ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۴۰۳)

۵۔ بَابٌ: وَ كَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا
أَخَذَ الْقُرْأَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ
إِلَيْمٌ شَدِيدٌ ۝ (ہود: ۱۰۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور آپ کے رب کی گرفت اسی
طرح ہوتی ہے جب وہ بستیوں پر اس حال میں گرفت
کرتا ہے کہ وہ ظلم کر رہی ہوتی ہیں، بے شک اس کی
گرفت دردناک شدید ہے ۝ (ہود: ۱۰۲) کی تفسیر

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے پچھلی امتوں کو ہلاک کیا، اور ان کو عذاب میں گرفتار کیا اسی طرح جن
بستیوں کے رہنے والے اللہ کی نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، ان کو بھی اللہ تعالیٰ اپنے عذاب میں گرفتار کر لے گا۔
الزَّفْدُ الزَّفْدُ الْعَوْنُ السُّعِينُ رَفْدُهُ أَعْنَتُهُ۔
الزَّفْدُ الزَّفْدُ رَفْدُهُ: کا معنی ہے: میں نے اس کی مدد کی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأُتْبِعُوا فِي هَذِهِ لَعْنَةً وَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَأْتِسُ الزَّفْدُ
الزَّفْدُ ۝ (ہود: ۹۹)

اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی، اور قیامت کے
دن بھی ان کو کیسا برا انعام دیا گیا ۝

امام بخاری نے الزَّفْدُ الزَّفْدُ کی تفسیر الْعَوْنُ السُّعِين سے کی ہے، یعنی وہ بری مدد اور برا انعام ہے۔ علامہ زحشری نے بھی
اسی طرح تفسیر کی ہے۔

تَزَكُّوْا تَبِيْلُوْا۔
تَزَكُّوْا: یعنی تم دل سے میلان اور محبت کرو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا تَزْكُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔
(ہود: ۱۱۳)

اور تم ان لوگوں سے میل جول نہ رکھو جنہوں نے ظلم کیا ہے ورنہ
تمہیں بھی (دوزخ کی) آگ لگ جائے گی۔

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تم ان ظالموں کے ساتھ دل سے محبت نہ رکھو اور
ان کے ساتھ نرمی سے کلام نہ کرو۔

فَلَوْلَا كَانَ فَهَلَا كَانَ۔
فَلَوْلَا كَانَ: یعنی ایسا کیوں نہ ہوا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ (ہود: ۱۱۶)

پس تم سے پہلی امتوں میں ایسے نیک لوگ کیوں نہ ہوئے۔

اس کی تفسیر یہ آیت ہے:

وَلَوْلَا أَنْ تَبْتَئَكَ لَقَدْ كُنْتَ تَرْكُنُ إِلَيْهِمْ۔
(نبی اسرائیل: ۷۳) اور اگر (بالفرض) ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف مائل ہو جاتے۔

اُتْرَفُوا أَهْلِكُوا۔
اُتْرَفُوا: اس کا معنی ہے: وہ ہلاک کر دیئے گئے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَ اتَّبَعِ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَ كَانُوا مُجْرِمِينَ ۝ (حود: ۱۱۶)
اور ظالموں نے اس عیش و نشاط کی پیروی کی جس پر وہ جئے ہوئے تھے اور وہ لوگ مجرم تھے ۝

امام بخاری نے اُتْرَفُوا کی تفسیر کی ہے کہ وہ ہلاک کر دیئے گئے حالانکہ اُتْرَاف کا معنی ہے: ناز و نعمت اور عیش و نشاط، پس شاید امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ اس عیش و نشاط نے ان کو سرکش بنا دیا اور وہ ہلاک کر دیئے گئے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ زَفِيرٌ شَهِيقٌ شَدِيدٌ وَصَوْتُ طَبِيعٍ۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: زفیر اور شہیق کا معنی ہے: بلند آواز اور پست آواز۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُّوا فِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ۝ (حود: ۱۰۶)
رہے بد بخت لوگ تو وہ دوزخ میں ہوں گے، اور ان کے لئے اس میں چیخنا اور چلانا ہوگا ۝

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: زَفِيرٌ سخت آواز ہے اور شَهِيقٌ پست آواز ہے اور تفسیر میں مذکور ہے کہ یہ دونوں مکروہ آوازیں ہیں، یعنی مفسرین نے کہا کہ زفیر گدھے کی آواز ہے اور شہیق فخر کی آواز ہے۔ امام ابو العالیہ نے کہا: زفیر وہ آواز ہے جو حلق سے نکلتی ہو اور شہیق وہ آواز ہے جو سینے سے نکلتی ہو۔

۴۶۸۶۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا بَرِيدُ بْنُ أَبِي بَرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ لَيُنْبِلُ لِلظَّالِمِ حَتَّى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ قَالَ ثُمَّ قَرَأَ وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَى وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں صدقہ بن الفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو معاویہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں برید بن ابو بردہ نے حدیث بیان کی از ابی بردہ از حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب اس کو پکڑ لیتا ہے تو اس کو نہیں چھوڑتا، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: اور آپ کے رب کی گرفت اسی طرح ہوتی ہے، جب وہ بستیوں پر اس حال میں گرفت کرتا ہے کہ وہ ظلم کر رہی ہوتی ہیں، بے شک اس کی گرفت دردناک شدید ہے ۝ (حود: ۱۰۲)

(صحیح مسلم: ۲۵۸۳، ترمذی: ۳۱۱۰، ابن ماجہ: ۴۰۱۸)
اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور دن کی دونوں طرفوں میں اور (ابتدائی) رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم رکھئے، بے

۶۔ بَابُ: وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفَا مِنْ اللَّيْلِ ۚ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۖ

ذَلِكَ ذِكْرُنِي لِلَّذِي كَرِهْتَنِي ۝

(ہود: ۱۱۳)

شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، یہ ان لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں ○
(ہود: ۱۱۳) کی تفسیر

دن کی دو طرفوں کا بیان اور زلفا من الیل کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ: اس آیت میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے کہ آپ دن کی دو طرفوں میں نماز پڑھیں۔ دن کی دو طرفوں سے مراد فجر اور مغرب ہے۔ ایک قول ہے کہ ظہر اور عصر ہے اور دوسرا قول ہے کہ فجر اور ظہر ہے، یعنی ان میں پوری طرح رکوع اور سجود کریں۔ نماز کا خصوصیت سے اس لئے ذکر ہے کہ ایمان کے بعد نماز پڑھنے کا حکم ہے اور انسان مصائب سے گھبرا کر نماز کی پناہ میں آتا ہے۔

وَزُلْفَا مِّنَ اللَّيْلِ: اور رات کے قریب نماز پڑھیے یعنی دن کی ان ساعات میں نماز پڑھیے جو رات کے قریب ہیں۔ صلوٰۃ الزلف مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں کیونکہ زلف کے معنی قریب ہیں۔

بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں: نیکیوں سے مراد ہے: پانچ نمازیں اور ایک قول ہے: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ عطاء نے کہا: یہ باقیات صالحات ہیں اور سننات سے مراد ہے: گناہ صغیرہ۔

یہ نصیحت قبول کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے: یعنی پانچ نمازیں اور ایک قول ہے: قرآن مجید کی تلاوت اور دوسرا قول ہے نبی پر قائم رہنا، برائیوں سے بچنا اور الذکر کی معنی ہیں: توبہ اور دوسرا قول ہے: نصیحت۔ اس کو نصیحت قبول کرنے والوں کے ساتھ خصوصیت سے ذکر کیا اس لئے کہ وہی اس نصیحت سے فائدہ اٹھانے والے ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۴۰۵)

اور زلفا کا معنی ہے: ساعات کے بعد ساعات اس سے ماخوذ کر کے الزلفہ کا نام رکھا گیا ہے۔ الزلف کا معنی ہے: ایک منزل کے بعد دوسری منزل اور زلفی تو یہ قرنی کا مصدر ہے، اِذْ ذُلْفُوا کا معنی ہے: وہ جمع ہو گئے۔ اِذْ ذُلْفُوا کا معنی ہے: ہم جمع ہو گئے۔ زلفا مِّنَ اللَّيْلِ: یہ زلفہ کی جمع ہے جیسے ظلمۃ کی جمع ظلم۔

اس سے ماخوذ کر کے الزلفہ کا نام رکھا گیا ہے کیونکہ اس میں لوگ رات کے اوقات میں آتے ہیں۔ ایک قول ہے: لوگ اس میں اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے اور اللہ کے نزدیک مرتبہ پانے کے لئے آتے ہیں۔ دوسرا قول ہے: کیونکہ لوگ اس میں جمع ہوتے ہیں۔ تیسرا قول ہے: کیونکہ اس میں کئی منازل ہیں۔ الجوہری نے کہا ہے: الزلفۃ اور الزلفی اس کا معنی ہے: قربت اور منزلت۔ اِذْ ذُلْفُوا کا معنی ہے: اجتمعوا۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ از دلاف اجتماع کے معنی میں آتا ہے اور یہ آگے بڑھنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ کہا جاتا ہے: قوم از دلفوا الی الخرب یعنی وہ لوگ جنگ کی طرف آگے بڑھے۔

اِذْ ذُلْفُوا کا معنی ہے: ہم جمع ہو گئے، قرآن مجید میں ہے: وَ اِذْ ذُلْفَانَا لَ اٰخِرَتَيْنِ ۝ (شعراء: ۶۳) اور اس جگہ ہم فرعون کو قریب لائے پھر دوسروں کو ○

اور زلفی کا معنی قرین ہے اور اس کی مثال یہ آیت ہے:

وَ اِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَ حُسْنَ مَّآپٍ ۝ (م: ۲۵) اور بے شک ان کے لئے ہمارے پاس ضرور قرب خاص اور

بہترین ٹھکانا ہے O

(ممدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۰۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید نے حدیث بیان کی وہ ابن زریج ہیں، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان تیمی نے حدیث بیان کی از ابی عثمان از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے ایک عورت کا بوسا لے لیا، پس وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: اور دن کی دونوں طرفوں میں اور (ابتدائی) رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم رکھیے۔ بے شک نیکیاں، گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔ یہ ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں O (سود: ۱۱۳) اس مرد نے کہا کیا یہ صرف میرے لئے ہے۔ آپ نے فرمایا میری امت میں سے جو بھی اس پر عمل کرے اس کے لئے ہے۔

۳۶۸۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ هُوَ ابْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ التَّمِيمِيُّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا أَصَابَ مِنْ امْرَأَةٍ قُبْلَةً فَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَدْ كَرِهَ ذَلِكَ لَهُ فَأَتَتْهُ عَلَيْهِ هَرَوَ أَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفَاءِ مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُدْخِلُنَّ السَّيِّئَاتِ ذَلِكِ ذِكْرِي لِلَّذِينَ آمَنُوا (سود: ۱۱۳) قَالَ الرَّجُلُ أَيْ هَذِهِ قَالَ لِمَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ أُمَّتِي

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۲۶ میں گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور بیان کئے جا رہے ہیں:

بوسا لینے والے مرد کا نام اور ان کا مختصر تذکرہ

علامہ بدرالدین محمود احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک مرد نے ایک عورت کا بوسا لے لیا: اس مرد کا نام کعب بن عمرو ہے اور اس کی کنیت ابوالیسر ہے۔ اس حدیث کی ابن ابی خثیمہ نے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا: انصار کا ایک مرد جسے معتب کہا جاتا تھا، ایک قول ہے: اس کا نام نبھان التمار (کھجور فروش) تھا۔ دوسرا قول ہے: اس کا نام عمرو بن غزیہ تھا، وہ بیت عقبہ کے بعد غزوہ بدر میں حاضر ہوئے تھے اور ان کی عمر بیس (۲۰) سال تھی، یہ وہی ہیں جنہوں نے غزوہ بدر میں عباس بن عبدالمطلب کو گرفتار کیا تھا، ان کا قد چھوٹا تھا اور یہ دبے تھے اور عباس طویل قامت تھے اور فربہ تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک ایک معزز فرشتہ نے تمہاری مدد کی ہے۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے مشرکین سے ان کا جھنڈا چھین لیا تھا، یہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ ان کا شمار اہل مدینہ میں ہوتا تھا۔ نبھان التمار کی حدیث کی امام ثعلبی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ حضرت ابن عباس نے بیان کیا کہ نبھان التمار کے پاس ایک خوبصورت عورت کھجور خریدنے کے لئے آئی تو انہوں نے اس کو گولہوں پر ضرب لگائی، پھر وہ نادام ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا: تم غازی فی سبیل اللہ کی بیوی کو چھینرنے سے اجتناب کرو تو، پھر وہ بہت روئے اور روزے رکھے اور قیام کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

اور وہ لوگ کہ جب وہ بے حیائی کا کام کریں یا اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں۔

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ (آل عمران: ۱۳۵)

نبی سنی ﷺ نے اس مرد کو اس کی خبر دی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی، پھر اس نے کہا: یا رسول اللہ! میری توبہ قبول ہوگئی ہے تو میں اللہ تعالیٰ کا شکر کس طرح ادا کروں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: اور دن کی دونوں طرفوں میں اور (ابتدائی) رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم رکھیے، بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں یہ ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں O (ہود: ۱۱۳) اس مرد نے کہا: کیا یہ صرف میرے لئے ہے: یعنی کیا یہ آیت میرے ساتھ مختص ہے کہ میرا نماز پڑھنا میرے گناہ کو مٹانے والا ہے یا یہ حکم پوری امت کے لئے ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں یہ حکم پوری امت کے لئے ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ سنن دارقطنی کے اندر ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے بارے میں پوچھا کیا یہ صرف ان کے لیے ہے یا تمام لوگوں کے لئے ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث متعدد سوال کرنے والوں پر معمول ہیں۔

(عمدة القاری ج ۱۸ ص ۴۰۶، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

سورہ ہود کی تفسیر ختم، ہوئی اب سورہ یوسف کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۲۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَةِ یُوْسُفَ

سورۃ یوسف کی تفسیر

سورۃ یوسف کا تعارف

ابوالعباس نے مقامات التزیل میں کہا ہے کہ سورۃ یوسف پوری مکی ہے اور ہمیں اس میں کوئی اختلاف نہیں پہنچا اور حضرت ابن عباس اور قتادہ سے روایت ہے کہ چار آیتوں کے سوا سورۃ یوسف مکہ میں نازل ہوئی، ان میں سے تین آیتیں سورۃ یوسف کی پہلی آیات ہیں اور چوتھی آیت یہ ہے: لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلنَّاسِ بَلِيِّنٍ ﴿۱﴾ (یوسف: ۷)

اس سورت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ یہود نے حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کے متعلق سوال کیا تھا تو یہ سورت نازل ہوئی۔

وَقَالَ فَضِيلٌ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ مُجَاهِدٍ مُّشْكًا الْأَنْثَرُجُ
قَالَ فَضِيلٌ الْأَنْثَرُجُ بِالْحَبَشِيَّةِ مُشْكًا وَقَالَ ابْنُ
هَبِيْنَةَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ مُجَاهِدٍ مُّشْكًا قَالَ كُلُّ شَيْءٍ
طَعَامٌ بِالسَّيْئِينَ۔

اور فضیل نے از حصین از مجاہد کہا کہ مُشْكًا کا معنی ہے: الْأَنْثَرُجُ یعنی سترہ یا نارنگی، فضیل نے کہا: الْأَنْثَرُجُ حبشی زبان میں مُتْکَا کو کہتے ہیں اور ابن عیینہ نے از ایک مرد از مجاہد کہا: مُتْکَا ہر وہ چیز ہے جس کو چھری سے کاٹا جائے۔

علامہ بدرالدین عینی اس تعلیق کی شرح میں اور اس باب میں مذکور دیگر تعلیقات کی شرح میں لکھتے ہیں:

فُضَيْلٌ: یہ فضل کی تصغیر ہے، ان کا پورا نام ہے: فضل بن عیاش بن موسیٰ بن علی، یہ سمرقند میں پیدا ہوئے تھے اور ابی ورد میں ان کی نشوونما ہوئی اور کوفہ میں انہوں نے حدیث لکھی، پھر مکہ مکرمہ میں منتقل ہو گئے اور وہیں پر قیام کیا حتیٰ کہ انہوں نے ۱۸۷ھ میں وفات پائی، ان کی قبر مکہ میں ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے اور حصین کا پورا نام حصین بن عبدالرحمن السلمی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ
لَهُنَّ مُتْكًا ذَاتَ كُلِّ وَاحِدَةٍ فَمَبْنُوعٌ سَيِّئًا وَقَالَتْ
اُخْرِجْنِي عَنْ هَٰذَا۔ (یوسف: ۳۱)

جب اس عورت نے ان عورتوں کی نکتہ چینی سنی تو اس نے ان کو بلوایا اور اس نے ان کے لئے تکیے سجا کر ایک محفل منعقد کی اور ان میں سے ہر ایک کو ایک چھری دے دی اور (یوسف سے) کہا: ان کے سامنے باہر آؤ۔

مُتْكًا کی تفسیر مجاہد نے کی ہے کہ اس سے مراد الْأَنْثَرُجُ ہے یعنی سترہ یا نارنگی اور علامہ زنجشیری نے کہا ہے کہ مُتْكَا سے مراد وہ گدے ہیں جن پر ٹیک لگا کر بیٹھتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مُتْكَا کا معنی ہے: طعام کی مجلس کیونکہ اس میں کھانے، پینے اور باتیں کرنے کے لئے تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھتے تھے جس طرح امراء کی عادت ہوتی ہے۔ اسی لئے آپ نے لوگوں کو ٹیک لگا کر کھانے سے منع فرمایا ہے اور مجاہد سے دوسری تفسیر یہ مروی ہے کہ مُتْكَا اس طعام کو کہتے ہیں جسے کاٹ کاٹ کر کھایا جاتا ہے گویا کہ معنی یہ

ہے کہ وہ چھری پر اعتماد کرتے تھے کیونکہ کانٹے والا کانٹے والی چیز کے لیے چھری کا سہارا لیتا ہے۔

اور ابن عیینہ نے کہا: یہ سفیان بن عیینہ ہیں از ایک مرد اور وہ مجہول ہے از مجاہد مُشْکَا اور یہ ہر وہ چیز ہے جسے چھری سے کاٹا جائے۔
وَقَالَ قَتَادَةُ لَذُو عِلْمٍ لِمَا عَلَّمْنَاهُ عَامِلٌ بِمَا عَلَّمَهُ۔
قنادہ نے کہا: لَذُو عِلْمٍ اس کا معنی ہے: جو اپنے علم کے تقاضے پر عمل کرے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِمَا عَلَّمْنَاهُ۔ (یوسف: ۶۸)

إِنَّهُ کی ضمیر حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف راجع ہے کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا تھا: اے میرے بیٹو! ایک دروازے سے مت داخل ہونا اور الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا اور میں تم کو اللہ کی تقدیر سے بالکل بچا نہیں سکتا۔ (یوسف: ۶۷)
وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ صَوَاعِمُ الْمَلِكِ مَكُونُ الْفَارِسِيِّ
اور سعید بن جبیر نے کہا: صَوَاعِمُ اس کا معنی ہے: اہل فارس کا ایک پیالہ جس کی دونوں جانبیں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی تھیں، عجی لوگ اس میں پانی پیتے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالُوا انْفِقْ صَوَاعِمَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حُلٌّ بَعِيرٌ وَأَنَا
آئے گا اس کو غلہ سے لدا ہوا ایک اونٹ ملے گا اور میں اس کا
بِهِ زَعِيمٌ ۝ (یوسف: ۷۲)

خاص ہوں O

سعید بن جبیر نے کہا: بادشاہ کا پیالہ چاندی کا پیالہ تھا جس میں وہ پانی پیتے تھے، حضرت عباس کے پاس بھی زمانہ جاہلیت میں ایسا پیالہ تھا۔ زید بن زید نے کہا: یہ سونے کا پیالہ تھا۔ امام ابن اسحاق نے کہا: یہ چاندی کا پیالہ تھا اور اس میں جواہر جڑے ہوئے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس پیالے سے ناپ ناپ کر غلہ دیتے تھے اور اسی سے پانی پتے تھے۔ علامہ ابن اثیر نے کہا ہے کہ الملوك پیمانے کا نام ہے اور مختلف شہروں میں لوگوں کی اصطلاح سے اس کی مقدار مختلف ہوتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ ایک ملک پانی سے وضو کرتے تھے یعنی ایک لیٹر پانی سے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تَفْنِدُونَ تَجْهَلُونَ۔
حضرت ابن عباس نے کہا: تَفْنِدُونَ کا معنی ہے: تم مجھے جاہل قرار دیتے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعَذْرَاءُ قَالَ أَبُو هَمٍّ إِنِّي لَا جَدَّ يَهْتَمُّ يَوْسُفَ
یہ نہ کہو کہ بوڑھا سٹھیا گیا ہے تو مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے O
لَوْلَا أَنْ تَفْنِدُونَ ۝ (یوسف: ۹۳)

امام ابو حمیدہ نے کہا: لَوْلَا ان تَفْنِدُونَ کا معنی ہے: اگر تم مجھے بے وقوف نہ قرار دو اور مجاہد نے کہا: اگر تم یہ نہ کہو کہ آپ کی عقل ضائع ہو چکی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو تین دن کی مسافت سے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آ گئی تھی۔

وَقَالَ غَيْرُهُ غِيَابَةُ كُلِّ شَيْءٍ غَيْبٌ عَنْكَ شَيْئًا فَهُوَ
حضرت ابن عباس کے غیر نے کہا کہ غِيَابَةُ الْغَيْبِ کا معنی ہے: وہ چیز جو تم سے تھوڑی سی بھی غائب ہو تو وہ غیابت ہے۔
غِيَابَةُ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالْقُوَّةُ فِي غَيْبَتِ الْجُبِّ يَنْتَقِظُ بَعْضُ الشَّيْءِ مَرَّةً - اور اس کو کسی اندھے کنوئیں کی گہرائی میں ڈال دو اس کو کوئی قافلہ (یوسف: ۱۰) والا اٹھالے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: یہ حضرت ابن عباس کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ امام ابو عبیدہ کا کلام ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۴۰) علامہ بدر الدین عینی اس عبارت پر مواخذہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام ابو عبیدہ کا کلام ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حضرت ابن عباس کا کلام نہ ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہ حضرت ابن عباس کا کلام ہو اور اس کو امام ابو عبیدہ نے بھی نقل کیا ہو۔

(عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۱۰)

ثعلبی نے کہا ہے کہ غِيَابَةُ الْجُبِّ کا معنی ہے: کنوئیں کی گہرائی اور اس کا اندھیرا جہاں اس کی خبر غائب ہو جاتی ہے اور قنادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: کنوئیں کا نچلا حصہ اور اس کی اصل غیبیہ بت ہے۔

وَالْجُبُّ الرَّكِيَّةُ الَّتِي لَمْ تُطَوَّ - اور جُبِّ کا معنی ہے: وہ کنواں جس کی منڈیر نہ ہو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالْقُوَّةُ فِي غَيْبَتِ الْجُبِّ - (یوسف: ۱۰) اور اس کو کسی اندھے کنوئیں کی گہرائی میں ڈال دو۔

قَلْبِيب کا معنی بھی وہ کنواں ہے جس کی منڈیر نہ ہو۔ الجوہری نے کہا ہے: قلبیب وہ کنواں ہے جس کی منڈیر نہ ہو۔ اس کو جُبِّ اس لئے کہتے ہیں گویا کہ اس کو کاٹا گیا ہے۔

يُؤْمِنُ لَنَا بِصَدَقِي - يَوْمَئِذٍ لَنَا اس کا معنی ہے: آپ ہماری تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَكَلَّمَهُ الْغَيْبُ وَمَا أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ (یوسف: ۱۷) اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا، پس اس کو بھیڑیے نے کھالیا اور آپ ہماری بات ماننے والے نہیں ہیں خواہ ہم سچے ہوں ○

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ ہمارے کلام کی تصدیق کرنے والے نہیں ہیں اور تفسیر میں مذکور ہے: اور آپ ہماری تصدیق کرنے والے نہیں ہیں کیونکہ آپ ہمارے ساتھ براگمان رکھتے ہیں اور ہم پر تہمت لگاتے ہیں حالانکہ یہ قمیص خون آلود ہے۔

أَشَدُّ قَبْلَ أَنْ يَأْخُذَ فِي التَّقْصَانِ يُقَالُ بَدَغٌ أَشَدُّ - أَشَدُّ کا معنی ہے: قبل اس کے کہ اس میں کمی شرع ہو، کہا جاتا ہے: بَدَغٌ أَشَدُّ یعنی وہ اپنی نشوونما کے کمال کو پہنچ گیا اس سے پہلے کہ اس میں کمی شروع ہوتی اور انہوں نے کہا: بَدَغٌ أَشَدُّ اور بَدَغُوا أَشَدُّ اور بعض نے کہا: اس کا واحد شَدٌّ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَمَّا بَدَغَ أَشَدُّ أَتَيْنَهُ حُكْمًا وَعِلْمًا - (یوسف: ۲۲) اور جب وہ چنگلی کی عمر کو پہنچے تو ہم نے ان کو فیصدہ کی قوت اور علم عطا کیا۔

امام بخاری نے اشدۃ کی تفسیر کی ہے کہ اس سے پہلے کہ اس میں کی شروع ہو۔ اس سے امام بخاری نے یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ اپنے شباب کی انتہاء کو پہنچ گیا اور امام مالک سے منقول ہے کہ وہ بلوغت کی عمر کو پہنچ گیا اور سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ وہ اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچ گیا۔ یہاں پر کئی اقوال ہیں جو ساٹھ سال کی عمر تک کے ہیں۔ علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ چالیس سال کی عمر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب وہ بچگی کی عمر کو پہنچے تو ہم نے ان کو فیصلہ کرنے کی قوت اور علم عطا کیا (یوسف: ۲۲) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر نبی کو چالیس سال کے بعد نبوت عطا کی گئی ہے۔ بعض علماء نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو چالیس سال سے کم عمر میں نبوت عطا کر دی گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ (مریم: ۱۲)

اور ہم نے ان کو بچپن میں نبوت عطا کی ۝

علامہ عینی نے کہا کہ یہ دونوں اس وصف کے ساتھ مخصوص ہیں بہ خلاف تمام انبیاء کے۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بچپن میں نبوت عطا کی گئی تھی (یعنی روح مع الجسد والی نبوت) اور اس پر دلیل یہ حدیث ہے: عتبہ بن عبد السلمی نے بیان کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یا رسول اللہ! آپ کی نبوت کی پہلی نشانی کیا تھی؟ آپ نے فرمایا: میں بنو سعد بن بکر کے ہاں اپنی دایہ کے پاس تھا، میں اور ان کا بیٹا بکریاں چرانے لگے، ہم نے اپنے ساتھ ناشتہ نہیں لیا تھا، میں نے کہا: اے بھائی! جاؤ ہماری ماں کے پاس سے ناشتہ لے آؤ، میرا بھائی چلا گیا اور میں بکریوں کے پاس رہا، پھر گدھ کی طرح دو سفید پرندے آئے، ایک نے دوسرے سے کہا: کیا یہ وہی ہے؟ اس نے کہا: ہاں! پھر وہ دونوں میری طرف جھپٹے، ان دونوں نے مجھے پکڑ کر زمین پر پیٹھ کے بل گرادیا، پھر انہوں نے میرا سینہ چاک کیا اور میرا دل نکالا اور اس سے دو سیاہ لوتھڑے نکالے، پھر ایک نے دوسرے سے کہا: برف کا پانی لاؤ، پھر انہوں نے اس پانی سے میرے پیٹ کو دھویا، پھر کہا: ٹھنڈا پانی لاؤ، پھر کہا: چھری لاؤ، پھر ٹھنڈا پانی میرے دل پر چھڑکا، پھر کہا: اس دل کو سیو اور اس پر نبوت کی مہر لگا دو، پھر ایک نے دوسرے سے کہا: ان کو ایک پلڑے میں رکھو اور ان کی امت کو دوسرے پلڑے میں رکھو، پھر میں اپنے اوپر ہزاروں آدمیوں کو دیکھ رہا تھا اور مجھے ڈرتھا کہ ان میں سے بعض مجھ پر گر پڑیں گے، پھر ان میں سے کسی نے کہا: اگر ان کا امت کے ساتھ وزن کیا گیا تو ان کا پلڑا بھاری ہوگا، پھر میں اپنی رضاعی ماں کے پاس گیا اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی، ان کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں مجھ پر کوئی افتاد آجائے گی، انہوں نے کہا: میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتی ہوں، وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئیں اور مجھے اپنے پیچھے پالان پر بٹھایا حتیٰ کہ ہم میری والدہ (رضی اللہ عنہا) تک پہنچ گئے، میری رضاعی ماں نے کہا: کیا میں نے اپنی امانت ادا کر دی اور اپنے ذمہ کو پورا کر دیا؟ اور وہ واقعہ بیان کیا جو مجھے پیش آیا تھا۔ میری والدہ اس سے خوف زدہ نہیں ہوئیں اور فرمایا: میں نے دیکھا تھا کہ مجھ سے ایک نور نکلا تھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے تھے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۸۵-۱۸۴ طبع قدیم، مسند احمد ج ۲۹ ص ۱۹۶-۱۹۵۔ سنن دارمی: ۱۳، الاحاد والثنائی: ۱۳۶۹، مسند الشامیین: ۱۱۸۱، المستدرک ج ۲ ص ۶۱۶-۶۱۷، تاریخ دمشق ج ۱ ص ۷۳، الوفا لابن الجوزی ص ۱۰۸، دلائل النبوة للبیہقی ج ۲ ص ۷، مجمع الزوائد: ۱۳۸۴، حافظ البیہقی نے کہا: امام احمد کی سند حسن ہے، البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۳۳۳ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن میں شق صدر کیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شق صدر کے اس واقعہ کو اپنی نبوت کی نشانی قرار دیا اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ آپ کو روح مع الجسد والی نبوت بچپن میں عطا کر دی گئی تھی اور اس میں نبوت کا ثبوت ہے اور نبوت کے احکام اس وقت جاری ہوئے جب آپ کی عمر کے چالیس سال پورے ہو گئے اور آپ کو اعلان نبوت کا حکم دیا گیا۔

اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق ہم نے سورۃ الم نشرح: ۱ کے تحت تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۸۴۲ میں لکھی ہے۔

امام بخاری نے کہا کہ کہا جاتا ہے: **بَدَغَ أَشَدُّ** اور **بَدَغُوا أَشَدَّهُمْ**، امام بخاری نے اس قول سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کی اضافت مفرد اور جمع دونوں کی طرف لفظ واحد سے کی جاتی ہے اور امام بخاری نے کہا: بعض نے کہا: اس کا واحد **أَشَدُّ** ہے، اس بات سے مراد سیبویہ اور کسائی ہیں اور امام ابو عبیدہ نے کہا: اس کا واحد اس لفظ سے نہیں آتا۔

وَالْمُشْكَا مَا أَتَكَتْ عَلَيْهِ لِسْرَابٍ أَوْ لِحَدِيثٍ أَوْ لَطَعَامٍ وَأَبْطَلَ الَّذِي قَالَ الْأَثْرُجُ وَلَيْسَ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ الْأَثْرُجُ فَلَمَّا احْتَجَّ عَلَيْهِمْ بِأَنَّهُ الْمُشْكَا مِنْ تَارِقٍ فَرَّوْا إِلَى شَرِّ مِنْهُ فَقَالُوا إِنَّمَا هُوَ الْمُشْكُ سَاكِنَةٌ الشَّيْ وَإِنَّمَا الْمُشْكُ طَرَفُ الْبُظْرِ وَمِنْ ذَلِكَ قِيلَ لَهَا مُشْكَاؤُ وَابْنُ الْمُشْكَاؤِ فَإِنْ كَانَ ثُمَّ أَثْرُجٌ فَإِنَّهُ بَعْدَ الْمُشْكَا۔

اور **مُشْكَا** کا معنی ہے: کسی چیز کو پینے کے لئے یا باتیں کرے کے لئے جس پر ٹیک لگائی جائے اور جس نے کہا: اس کا معنی ہے: **أَثْرُجٌ** یعنی سترہ یا نارنگی۔ اس کا قول باطل ہے، کلام عرب میں **أَثْرُجٌ** کا لفظ نہیں ہے، جب ان کے خلاف یہ دلیل دی گئی کہ اس کا معنی ٹیک لگانے والے گدے ہیں تو وہ اس سے بھی بدتر معنی کی طرف بھاگے تو انہوں نے کہا: یہ لفظ **الْمُشْكُ** ہے اور اس میں تاء ساکن ہے، یہ انہوں نے صحیح نہیں کہا کیونکہ **الْمُشْكُ** کا معنی ہے: عورت کی شرم گاہ کا کنارہ اور اسی وجہ سے غیر محنتون عورت کے لئے کہا جاتا **مُشْكَاؤُ** اور اس کے بیٹے کے لئے کہا جاتا ہے: **ابنُ الْمُشْكَاؤِ**، پھر اگر وہاں پر سترہ کا معنی ہو تو وہ ٹیک لگانے کے بعد کا استعمال ہے۔

اس سے پہلے ذکر کیا گیا تھا کہ **الْمُشْكَا** کا معنی **الْأَثْرُجُ** یعنی سترہ ہے، سو امام بخاری نے اس کا انکار کیا اور انہوں نے کہا: **الْمُشْكَا** کا معنی ہے: جس پر کسی مشروب کو پینے کے لئے یا کسی طعام کو کھانے کے لئے یا کسی سے باتیں کرنے کے لئے ٹیک لگائی جائے۔ امام بخاری نے کہا: یہ کہنا باطل ہے کہ **الْمُشْكَا** کا معنی سترہ ہے اور انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ کلام عرب میں **الْأَثْرُجُ** کا لفظ مستعمل نہیں ہے۔ اس قول پر اعتراض ہے کیونکہ علامہ ابن الملقن نے کہا ہے کہ یہ دعویٰ تعجب خیز ہے کیونکہ لغت کی کتاب المحکم میں لکھا ہے کہ **الْمُشْكَا** کا معنی **الْأَثْرُجُ** ہے اور انفس نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ ابو حنیفہ دینوری نے کہا ہے: **الْمُشْكَا** کا معنی **الْأَثْرُجُ** ہے۔ اسی طرح ابو العلی القالی اور ابن فارس نے مجمل وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔ امام بخاری نے **الْمُشْكُ** کا معنی ذکر کیا ہے کہ یہ عورت کی شرم گاہ کا کنارہ ہے یعنی عورت کے ختنہ کے بعد جو کھال لگی ہوتی ہے اس کو **الْمُشْكُ** کہتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ امام بخاری نے جو کہا ہے وہ امام ابو عبیدہ کی اتباع میں کہا ہے، تاہم ان لوگوں نے اتنا تتبع نہیں کیا جتنا ہم نے تتبع کیا ہے، دراصل امام بخاری امام ابو عبیدہ کی تقلید کرتے ہیں اور یہ سب تقلید کی آفت ہے۔

شَغَفَهَا يُقَالُ بَدَغَ شَغَافَهَا وَهُوَ غِلَافٌ قَلْبِهَا وَأَمَّا شَغَفَهَا فَمِنْ الْمَشْغُوفِ۔

شَغَفَهَا کہا جاتا ہے کہ وہ اس کے پردے تک پہنچ گیا اور یہ اس کے قلب کا غلاف ہے اور رہا **شَغَفَهَا** تو اس کا معنی ہے: دل کی گہرائی تک پہنچ گیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

عزیز مصر کی بیوی اپنے نوجوان (غلام) کو اپنی طرف راغب کر رہی ہے اس کی محبت اس کے دل پر چھا چکی ہے، بے شک ہم اس کو صریح بے راہ روی میں دیکھ رہے ہیں ○

امرات العزیز تراود قلبها عن نفسها قد شغفها حباً إن التريها في ضلالي مؤبدن ○

(یوسف: ۳۰)

یعنی زلیخا کے دل کے پردے میں یوسف کی محبت پہنچ گئی تھی۔ ایک قول ہے: شِغَافُ کا معنی ہے دل کی محبت اور رہا شِغَافُ تو اس کا معنی ہے: کسی چیز کا دل کی گہرائی میں پہنچنا۔

أَصْبُ أَمِيلُ صَبَا مَالٍ۔

أَصْبُ اس کا معنی ہے: أَمِيلُ یعنی میں مائل ہو جاؤں گا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنْ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ (یوسف: ۳۳)

اور اگر تو نے اس کی سازش مجھ سے دور نہ کی تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں سے ہو جاؤں گا O

امام بخاری نے أَصْبُ کی تفسیر أَمِيلُ کے ساتھ کی ہے، جب کوئی شخص کسی چیز کی طرف مائل ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے: صَبَا إِلَيْهِ اور صَبِي یعنی بچہ بھی اسی سے ماخوذ ہے کیونکہ وہ ہر چیز کی طرف مائل ہوتا ہے۔

أَضْغَاثُ أَخْلَامٍ مَا لَا تَأْوِيلَ لَهُ۔

أَضْغَاثُ أَخْلَامٍ اس کا معنی ہے: جس کی کوئی تاویل نہ ہو سکے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالُوا أَضْغَاثُ أَخْلَامٍ ۚ وَمَنْ يَكْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَخْلَامِ بِعِلْمَيْنِ ۝ (یوسف: ۴۴)

انہوں نے کہا: یہ تو پریشان خواب ہیں اور ہم پریشان خوابوں کی تاویل نہیں جانتے O

اضغاث ضَغْث کی جمع ہے اور اس کا لغوی معنی ہے: مٹھی بھرتکے۔ امام بخاری نے اضغاث اخلام کی تفسیر کی ہے: جس کی تاویل نہ ہو سکے کیونکہ یہ جھوٹے خواب ہوتے ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہوتی۔

وَالضُّغْثُ مِلْءُ الْيَدِ مِنْ حَشِيشٍ وَمَا أَشْبَهَهُ وَمِنْهُ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا لَا مِنْ قَوْلِهِ أَضْغَاثُ أَخْلَامٍ وَاحِدُهَا ضِغْثٌ۔

ضِغْث کا معنی ہے: مٹھی بھرتکے اور جو اس کے مشابہ ہے اور اسی معنی میں یہ آیت ہے: وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا (ص: ۴۴) اور (اے ایوب! آپ) اپنے ہاتھ میں تنکوں کی ایک جھاڑو لے لیں، اور یہ آیت کریمہ أَضْغَاثُ أَخْلَامٍ (یوسف: ۴۴) سے ماخوذ نہیں ہے جس کا واحد ضغث ہے۔

امام بخاری نے ضغث کا لفظ لا کر دو چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے: ایک یہ کہ ضغث واحد ہے اور اضغاث جمع ہے اور دوسرا یہ کہ ص: ۴۴ میں ضِغْث کا معنی ہے: تنکوں کی جھاڑو۔

نَبِيرٌ مِنَ الْبَيْرَةِ۔

وَنَبِيرٌ، الْبَيْرَةُ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: طعام۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

هَذِهِ رِضَاعَتُنَا رَدَّتْ إِلَيْنَا وَنَبِيرُ أَهْلِنَا۔

یہ ہماری رقم کی ٹھیلی ہمیں لوٹا دی گئی ہے ہم اپنے گھر والوں کے لئے غلہ لائیں گے۔ (یوسف: ۶۵)

اور اس کا معنی ہے: ہم اپنے گھر والوں کے لئے طعام یا غلہ لے کر آئیں گے۔

وَنَزَّادُ كَيْلٍ بَعِيرٌ مَا يَخِيلُ بَعِيرٌ۔

وَنَزَّادُ كَيْلٍ بَعِيرٌ کا معنی ہے: جتنا غلہ ایک اونٹ پر لا دیا جاسکے۔ یعنی ہم زیادہ غلہ لائیں گے جس کو اونٹ پر لا دیا جاسکے۔ ثعلبی نے ذکر کیا ہے کہ یہاں اونٹ کا معنی گدھا ہے اور اس کی تاویل اس سے ہوتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی کنعان میں رہتے تھے اور وہاں اونٹ نہیں ہوتے۔

أَوَى إِلَيْهِ صَمَّ إِلَيْهِ۔ اَوَى إِلَيْهِ کا معنی ہے: حضرت یوسف کی طرف ملا دیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَى إِلَيْهِ أَخَاهُ۔ اور جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ٹھہرایا۔ (یوسف: ۶۹)

یعنی جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس ٹھہرایا۔ السَّقَايَةُ مَكِيلًا۔ السَّقَايَةُ کا معنی ہے: ناپنے کا پیمانہ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ جَعَلَ السَّقَايَةَ فِي رَاحِلِ أَخِيهِ۔ (یوسف: ۷۰) پھر جب یوسف نے ان کا سامان تیار کیا تو اس میں (شاہی) پیالہ اپنے بھائی کی بوری میں رکھ دیا۔

امام بخاری نے سَقَايَہ کی تفسیر مکیل سے کی ہے اور یہ وہ برتن ہے جس میں حضرت یوسف علیہ السلام پانی پیتے تھے، پھر انہوں نے اس کو ناپنے کا پیمانہ بنا دیا تاکہ لوگ اس پیمانہ کے علاوہ اور کسی پیمانہ سے نہ دیں ورنہ وہ ظالم ہو جائیں گے۔

اسْتَيْسَوا يَسُورًا وَلَا تَأْيُسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ مَعْنَاءُ اسْتَيْسَوا کا معنی ہے: وہ مایوس ہو گئے وَلَا تَأْيُسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ الرَّجَاءُ۔ (یوسف: ۸۷) اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اور اس کا معنی

ہے: امید۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا اسْتَيْسَوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا۔ (یوسف: ۸۰) جب یوسف کے بھائی اس سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے تنہائی میں سرگوشی کی۔

یعنی جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے تنہائی میں یہ مشورہ کیا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی کو ان سے ملا دیں۔

خَلَصُوا نَجِيًّا اغْتَرَزُوا نَجِيًّا وَالْجَبِيَّةُ أَنْجِيَّةٌ يَتَنَاجَوْنَ خَلَصُوا نَجِيًّا کا معنی ہے: انہوں نے الگ بیٹھ کر سرگوشی کی اور نَجِيًّا کی جمع أَنْجِيَّةٌ ہے یعنی وہ سرگوشی کرتے ہیں، اس کا واحد نَجِيٌّ

ہے اور تشبیہ اور جمع نَجِيٌّ اور أَنْجِيَّةٌ ہے۔

اور نَجِيٌّ کے لفظ کا واحد اور جمع دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۴۱)

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا اسْتَيْسَوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا۔ (یوسف: ۸۰) جب یوسف کے بھائی اس سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے تنہائی میں سرگوشی کی۔

یعنی انہوں نے دوسروں سے الگ بیٹھ کر تنہائی میں مشورہ کیا ہے۔

تَفْتَنًا لَا تَزَالُ۔ تَفْتَنًا کا معنی ہے: لَا تَزَالُ یعنی ہمیشہ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالُوا تَاللّٰهِ تَفْتُوَاتُ كُرِّيْوُ سَفَ۔ (یوسف: ۸۵)

بیٹوں نے کہا: اللہ کی قسم! آپ یوسف کو (ہی) یاد کرتے رہیں گے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا: اللہ کی قسم! آپ ہمیشہ حضرت یوسف کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور آپ کے دل سے ان کی محبت کم نہیں ہوتی۔

حَرَصًا مُّحَرَّصًا یَذِیْبُكَ الْهَمُّ۔
حَرَصًا کا معنی ہے: مُحَرَّصًا یعنی تفکرات آپ کا جسم گھلا دیں گے، کمزور کر دیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

حَتّٰی تَكُوْنُ حَرَصًا اَوْ تَكُوْنُ مِنَ الْهٰلِکِیْنَ ۝

حتیٰ کہ آپ سخت بیمار پڑ جائیں گے یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے (یوسف: ۸۵) ○

امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ حَرَصًا، مُحَرَّصًا کے معنی میں ہے، یعنی جس کا جسم تفکرات سے گھل گیا ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ موت کے قریب آ پہنچا ہو۔ الفراء نے کہا ہے کہ اس کے جسم میں فساد ہو گیا ہو۔ قتادہ نے کہا: حَرَصًا کا معنی ہے: بڑھا پا۔ ربیع بن انس نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: ہڈیوں پر اس کی کھال خشک ہو گئی ہو۔

تَحَسُّوْا تَخَبُّوْا۔
تَحَسُّوْا: اس کا معنی ہے: تم خبر حاصل کرو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لِیَبْیْنَ اَذْهَبُوْا فَتَحَسُّوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْهِ۔ (یوسف: ۸۷) اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو۔

امام بخاری نے تَحَسُّوْا کا معنی کیا ہے: خبر طلب کرو۔ حضرت ابن عباس سے پوچھا گیا: تَحَسُّسٌ اور تَجَسُّسٌ میں کیا فرق ہے؟ انہوں نے کہا: کوئی فرق نہیں ہے مگر تَحَسُّسٌ کا استعمال خیر میں ہوتا ہے اور تَجَسُّسٌ کا استعمال شر میں ہوتا ہے۔
مُزْجَاةٌ قَلِیْلَةٌ۔
مُزْجَاةٌ کا معنی ہے: تھوڑی سی یعنی پونجی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجِئْنَا بِضَاعَةَ مُزْجَاةٍ۔ (یوسف: ۸۸) اور ہم آپ کے پاس حقیر پونجی لے کر آئے ہیں۔

یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نے حضرت یوسف سے کہا: ہم آپ سے غلہ خریدنے کے لئے تھوڑی سی پونجی لے کر آئے ہیں۔
غَاشِیَةٌ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ عَامَّةٌ مُّجَلَّدَةٌ۔
غَاشِیَةٌ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ اس کا معنی ہے: عام عذاب۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَفَاْمُنُوْا اَنْ تَاْتِیْھُمْ غَاشِیَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِیْھُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝

کیا وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے اوپر اللہ کا ایسا عذاب آجائے جو ان کا مکمل احاطہ کر لے یا ان پر اچانک قیامت آجائے اور ان کو خبر بھی نہ ہو ○ (یوسف: ۱۰۷)

امام بخاری نے غاشیہ کا معنی کیا ہے: عام عذاب اور مجللہ کا بھی یہی معنی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ سے بھی یہی

تفسیر مروی ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۱۳-۳۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نوٹ: ہم نے سورۃ یوسف کی تفسیر میں تعلیقات کا اسلوب تبدیل کر دیا ہے۔ پہلے ہم نے التوضیح اور فتح الباری کی طرز پر تمام تعلیقات کو اکٹھا لکھا، پھر ان میں سے ہر تعلق کی الگ الگ شرح کی اور سورۃ یوسف کی تفسیر میں ہم نے عمدة القاری کی طرز پر الگ الگ

تعلیقات کو لکھا اور تعلیق کے ساتھ اس کی شرح کی اور زیادہ غور و فکر سے ہمیں عمدۃ القاری کی طرز زیادہ مختصر اور آسان معلوم ہوئی۔

۱۔ بَابُ: وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ
كَمَا آتَاهَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ
إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ۔ (یوسف: ۶)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی
نعمت کو مکمل فرمائے گا جس طرح اس سے پہلے اس نے
اس نعمت کو تمہارے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق پر مکمل
فرمایا تھا (یوسف: ۶) کی تفسیر

حضرت یوسف علیہ السلام پر اور ان کے باپ دادا پر نعمت پوری کرنے کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ: یعنی اللہ آپ پر اپنی نعمت پوری کرے گا، اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام سے خطاب ہے، اور نبوت کے
ذریعے آپ پر نعمت پوری کرے گا: ایک قول ہے کہ آپ کا نام بلند کرے گا۔ دوسرا قول ہے: آپ کے بھائیوں کو آپ کا محتاج
کرے گا۔

اور آل یعقوب پر: وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد پر، ایک اور قول ہے: ان پر، ان کی بیوی
پر اور ان کے گیارہ بیٹوں پر، اور نعمت پوری کرنے کا معنی یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کی نعمتیں ان میں جمع کر دے گا۔

جیسا کہ نعمت کو پورا کیا تھا حضرت ابراہیم اور اسحاق کے اوپر: حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نعمت یہ تھی کہ ان کو آگ سے نجات دی
اور حضرت اسحاق پر نعمت یہ تھی کہ ان کو ذبح سے نجات دی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۱۵)

میں کہتا ہوں کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ذبح نہیں تھے بلکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبح تھے جب کہ حضرت اسحاق پر
نعمت کو پورا کرنا یہ ہے کہ ان کو نبوت عطا فرمائی، ان کے باپ بھی نبی ہیں ان کے بیٹے حضرت یعقوب اور پوتے حضرت یوسف علیہ السلام
بھی نبی ہیں۔

۴۶۸۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ
الْقَسَدِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ
أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ
ﷺ قَالَ الْكَرِيمُ ابْنُ الْكَرِيمِ ابْنُ الْكَرِيمِ ابْنُ
الْكَرِيمِ يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث
بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عبد الصمد نے حدیث بیان کی از
عبد الرحمن بن عبد اللہ بن دینار از والد خود از حضرت عبد اللہ بن عمر
رضی اللہ عنہما از نبی ﷺ آپ نے فرمایا: الکریم ابن الکریم ابن الکریم
ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں۔
اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۸۲ میں گزر چکی ہے۔

۲۔ بَابُ: لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ

وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّأُولِيْ الْأَبْصَارِ ۝

(یوسف: ۷)

نشانیاں ہیں ۝ (یوسف: ۷) کی تفسیر

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد نے حدیث بیان کی،

عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ أَكْرَمُ النَّاسِ أَكْرَمُهُمْ قَالَ اللَّهُ أَتَقَاهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَنْ هَذَا نَسَأَلُكَ قَالَ فَأَكْرَمُ النَّاسِ يُوسُفُ بْنُ أَبِي اللَّهِ ابْنُ نَبِيِّ اللَّهِ ابْنِ نَبِيِّ اللَّهِ ابْنِ خَلِيلِ اللَّهِ قَالُوا لَيْسَ عَنْ هَذَا نَسَأَلُكَ قَالَ فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُونِي قَالُوا نَعَمْ قَالَ فَخِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقَّهُوا تَابَعَهُ أَبُو أُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ -

انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے خبر دی از عبد اللہ از سعید بن ابی سعید از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ کریم کون ہے؟ آپ نے فرمایا: لوگوں میں سب سے زیادہ کریم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ صحابہ نے کہا: ہم آپ سے اس کے متعلق سوال نہیں کر رہے۔ آپ نے فرمایا: پھر لوگوں میں سب سے زیادہ کریم یوسف نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ ہیں۔ صحابہ نے کہا: ہم آپ سے اس کے متعلق (بھی) سوال نہیں کر رہے، آپ نے فرمایا: پھر تم عرب کے معادن کے متعلق سوال کر رہے ہو۔ صحابہ نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: پھر جو زمانہ جاہلیت میں تم میں سب سے بہتر تھا وہ زمانہ اسلام میں بھی تم میں سب سے بہتر ہے بشرطیکہ اس کو دین میں فہم ہو۔ عبدہ کی متابعت ابو اسامہ نے کی از عبد اللہ -

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۵۳ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ از روئے نسب حضرت یوسف سب سے افضل ہیں کیونکہ ان کے باپ، ان کے دادا اور ان کے دادا کے باپ سب نبی ہیں اور یہ فضائل کسی اور شخص میں جمع نہیں ہوئے۔ اس حدیث میں معادن کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ جس طرح معادن میں مختلف دھاتیں ہوتی ہیں اسی طرح فضیلت میں بھی مختلف صفات ہوتی ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۴۱۶)

۳۔ بَابُ: قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً

فَصَبِّرْ جَبِيلٌ -

(یوسف: ۱۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (یعقوب نے) کہا: (بھیڑیے) نے تو خیر نہیں کھایا (بلکہ تمہارے دل نے ایک بات گھڑ لی ہے، پس اب صبر جمیل کرنا ہی بہتر ہے۔

(یوسف: ۱۸) کی تفسیر

حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ بات اپنے بیٹوں سے اس وقت فرمائی تھی جب وہ حضرت یعقوب کے پاس حضرت یوسف علیہ السلام کی خون آلود قمیص لے کر آئے اور کہا: یوسف کو بھیڑیے نے کھالیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: یہ بات تم نے بنائی ہے، پس میرا صبر، صبر جمیل ہے۔ صبر جمیل سے مراد وہ صبر ہے جس میں نہ بے قراری کا اظہار ہو اور نہ اللہ تعالیٰ سے کوئی شکایت ہو۔ سَوَّلَتْ یعنی تمہارے دل نے یہ خوش نما بات بنائی ہے۔

۳۶۹۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا

إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ أَبِي شَهَابٍ قَالَ سَمِعَ

حَدَّثَنَا الْحَجَّابُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ التَّمِيمِيُّ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد العزیز بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب انہوں نے کہا: (ح) اور ہمیں حجاج

حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ الْأَيْدِيُّ قَالَ سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ
سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ
وَعَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ وَعُبَيْدَ اللَّهِ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ
حَدِيثِ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ قَالَ لَهَا
أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوا فَبَرَّأَهَا اللَّهُ كُلُّ حَدَّثِي طَائِفَةٌ
مِنَ الْحَدِيثِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنْ كُنْتُ بَرِيئَةً
فَسَيَبْرُئُكَ اللَّهُ وَإِنْ كُنْتُ أَلَمْتُ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِي
اللَّهُ وَتَوَيَّ إِلَيْهِ قُلْتُ إِنْ وَاللَّهِ لَا أَجِدُ مَثَلًا إِلَّا أَبَا
يُوسُفَ ﴿فَصَبَّرْ جَبِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا
تُصِفُونَ﴾ (يوسف: ١٨) وَأَنْزَلَ اللَّهُ ﴿إِنَّ الَّذِينَ
جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ﴾ (النور: ١١) إِنَّ الَّذِينَ
جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ الْعَشْرُ الْآيَاتِ

نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن عمر النخعی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس بن یزید الايلي نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے عروہ بن زبیر اور سعید بن مسیب اور علقمہ بن وقاص اور عبید اللہ بن عبد اللہ سے سنا از حدیث عائشہ نبی ﷺ کی زوجہ جب تہمت لگانے والوں نے ان کے متعلق جو کہا سو کہا، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو بری کر دیا، ان میں سے ہر ایک نے مجھ سے حدیث کا ایک حصہ بیان کیا، نبی ﷺ نے فرمایا: اگر آپ بے قصور ہیں تو عنقریب اللہ آپ کی براءت کو ظاہر کر دے گا اور اگر آپ نے گناہ کا ارتکاب کر لیا ہے تو آپ اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور اس کی طرف توبہ کریں، میں نے کہا: بے شک اللہ کی قسم! میں صرف حضرت یوسف علیہ السلام کے والد کی مثال پاتی ہوں، پس صبر کرنا چاہیے اور جو کچھ آپ بیان کر رہے ہیں اس پر اللہ ہی سے مدد طلب کی گئی ہے ﴿یوسف: ١٨﴾ اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: بے شک جو لوگ (ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ پر) کھلا بہتان لائے (وہ) تم میں سے ایک گروہ ہے (النور: ١١) یہ دس آیات ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۵۹۳ میں گزر چکی ہے۔

۳۶۹۱۔ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ حُصَيْنِ
عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ حَدَّثَنِي مَسْرُوقُ بْنُ الْأَجْدَعِ قَالَ
حَدَّثَنِي أُمُّ رُومَانَ وَهِيَ أُمُّ عَائِشَةَ قَالَتْ بَيْنَا أَنَا
وَعَائِشَةُ أَخَذَتْهَا الْحُثْيُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَعَلَّ فِي
حَدِيثٍ تُحَدِّثُ قَالَتْ نَعَمْ وَقَعَدْتُ عَائِشَةَ قَالَتْ
مَشَى وَمَشَلَكُمْ كَيْتَعُوبَ وَبَنِيهِ ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ
أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا﴾ فَصَبَّرْ جَبِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا
تُصِفُونَ ﴿يوسف: ١٨﴾

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے حدیث بیان کی از حصین از ابی وائل، انہوں نے کہا: مجھے مسروق بن الاعدع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ام رومان نے حدیث بیان کی اور یہ حضرت عائشہ کی والدہ ہیں انہوں نے بیان کیا کہ جس وقت میں حضرت عائشہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی ان کو بخار چڑھ گیا تھا، نبی ﷺ نے فرمایا: شاید یہ اس بات کی وجہ سے ہے جو بیان کی جا رہی ہے۔ حضرت ام رومان نے کہا جی ہاں اور حضرت عائشہ اٹھ کر بیٹھ گئیں، حضرت عائشہ نے کہا: میری اور تمہاری مثال حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کی مثل ہے: بلکہ تمہارے دلوں نے ایک بات گھڑ لی ہے، پس اب صبر جمیل ہی بہتر ہے۔ اور جو کچھ تم لوگ کہہ رہے ہو

اس پر اللہ ہی سے مدد طلب کی گئی ہے O (یوسف: ۱۸)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۸۸ میں گزر چکی ہے۔

۳۔ بَابُ: وَرَأَوْا دَثَّهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ
نَفْسِهِ وَغَلَقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ
لَكَ^۱ (یوسف: ۲۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور وہ جس عورت کے گھر میں تھے اس نے ان کو اپنی طرف راغب کیا اور اس نے دروازے بند کر کے کہا: جلدی آؤ۔ (یوسف: ۲۳) کی تفسیر

یعنی عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے یوسف کا ارادہ کیا یعنی حضرت یوسف سے یہ طلب کیا کہ وہ اس کے ساتھ جماع کریں۔ اس آیت میں ابواب کا ذکر ہے، وہاں پر سات دروازے تھے۔

وَقَالَ عَمْرِمَةُ هَيْتَ لَكَ بِالْحَوْرَانِيَّةِ هَلُمَّ وَقَالَ ابْنُ جُبَيْرٍ تَعَالَى۔ اور عکرمہ نے کہا: هَيْتَ لَكَ اس کا معنی حورانی زبان میں ہے: آؤ اور ابن جبیر نے کہا: اس کا معنی ہے: آؤ۔

مامہ کرمانی نے کہا، الْخُورَانِ شام کا شہر ہے اور رشا طی نے کہا کہ حوران شام کا پہاڑ ہے۔ ابو محمد نے کہا: حوران دمشق کے شہروں میں سے ہے اور هَلُمَّ کا معنی ہے: آگے بڑھو۔ الکسائی نے کہا: یہ اہل حوران کی زبان ہے جس کا حجاز کی زبان میں معنی ہے: آؤ۔ حسن بصری نے کہا: یہ سریانی زبان کا لفظ ہے اور هَيْتَ لَكَ کا معنی ہے: کیا تمہیں میرے حسن و جمال میں کوئی رغبت نہیں؟ ابو عبیدہ نے کہا: هَيْتَ کا نہ تثنیہ ہے نہ جمع نہ مونث ہے، یہ ہر حال میں اسی صورت میں ہوتا ہے۔ امام بخاری نے کہا: ابن جبیر نے کہا: یعنی سعید بن جبیر نے اور تعال کے آخر میں جوہ (ھا) ہے وہ سکتہ کے لئے ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۱۸-۳۱۷)

۳۶۹۲۔ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي ذَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: لَكَ قَالَ: أَتَيْنَا نَفَرًا ذَهَابًا عَلَيْنَاهَا۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے احمد بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بشر بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از سلیمان عن ابی ذائل از حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: هَيْتَ لَكَ اور کہا: ہم اس کو اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح ہمیں اس کی تعلیم دی گئی۔

اس حدیث کی روایت میں امام بخاری مفرد ہیں۔

مَثْوَاهُ اس کا معنی ہے: ان کا مقام اور مرتبہ۔

مَثْوَاهُ مُقَامُهُ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لَامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي
مَثْوَاهُ۔ (یوسف: ۲۱)

اور مصر کے جس شخص نے یوسف کو (قائد سے) خریدا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا: اس کو تعظیم و تکریم سے ٹھہراؤ۔

اس آیت میں عزیز مصر کی بیوی کا ذکر ہے۔ اس کا نام زلیخا تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام راعیل تھا۔

وَالْفَيَّاءُ جَدًّا الْفَوَّاءُ أَبَاءَهُمْ الْفَيْئَةُ۔

وَالْفَيَّاءُ کا معنی ہے: ان دونوں نے پایا۔ الْفَوَّاءُ أَبَاءَهُمْ کا معنی ہے:

انہوں نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ الْفَيْئَةُ کا معنی ہے: ہم نے پایا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَسْتَقْبَلُ الْبَابَ وَقَدْ ثَلَاثُ فَيَصَّ مِنْ دُخَانٍ وَالْفَيَّاءُ سَيِّدَهَا۔ وہ دونوں دروازے کی طرف دوڑے، اس عورت نے ان کی قمیص

لَدَا الْبَابِ۔ (یوسف: ۲۵)

پیچھے سے پھاڑ ڈالی اور ان دونوں نے اس عورت کے خاوند کو دروازے کے قریب پایا۔

یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا دونوں دروازے کی طرف بھاگے۔ رہے حضرت یوسف علیہ السلام وہ بے حیائی کے کام سے بچنے کے لئے بھاگے اور رہی زلیخا تو وہ حضرت یوسف کو پکڑنے کے لئے بھاگی تاکہ وہ اس کی خواہش پوری کریں۔ زلیخا نے حضرت یوسف کی قمیص کو پیچھے سے پکڑ کر کھینچا تو وہ پھٹ گئی اور ان دونوں نے زلیخا کے شوہر قطفیر کو دروازے پر دیکھا جو اپنے چچ زاد کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ بَلَّ عَجِبَتْ وَيَسْخَرُونَ۔

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے بلَّ عَجِبَتْ وَيَسْخَرُونَ اس کا معنی ہے: بلکہ آپ نے تعجب کیا اور وہ مذاق اڑاتے ہیں۔

یہ پوری آیت درج ذیل ہے:

إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَا زَيْطَ ۝ بَلَّ عَجِبَتْ وَيَسْخَرُونَ ۝ (الصافات: ۱۲-۱۱)

وہ مذاق اڑاتے ہیں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کو یہاں ذکر کرنے کی کوئی مناسبت نہیں ہے۔

۴۶۹۳۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ قُرَيْشًا لَمَّا أَبْطَلُوا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ بِالْإِسْلَامِ قَالَ اللَّهُمَّ اكْفِنِيهِمْ بِسَبْعٍ كَسْبِعِ يَوْسُفَ فَأَصَابَتْهُمْ سَنَةٌ حَقَّتْ كُلُّ شَيْءٍ حَتَّى أَكَلُوا الْعِظَامَ حَتَّى جَعَلَ الرَّجُلُ يَنْظُرُ إِلَى السَّمَاءِ فَيَرَى بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا مِثْلَ الدُّخَانِ قَالَ اللَّهُ ﴿فَأَمَّا تَقُبُ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ ۝﴾ (الدخان: ۱۰) قَالَ اللَّهُ ﴿إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابَ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ۝﴾ (الدخان: ۱۵) أَفِيُكْشَفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَقَدْ مَضَى الدُّخَانُ وَمَضَتْ الْبَطْشَةُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاعمش از مسمر از مسروق از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب قریش نے نبی ﷺ پر ایمان لانے میں تاخیر کی تو آپ نے ان کے خلاف دعا کی: اے اللہ! ان سے میرا بدلہ لے اور ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کے قحط کے سات سالوں کی طرح قحط کے سات سال مسلط کر دے تو ان پر قحط آگیا جس نے ہر چیز کو خالی کر کے رکھ دیا حتیٰ کہ انہوں نے ہڈیاں کھائیں حتیٰ کہ ان میں سے کوئی مرد آسمان کی طرف دیکھتا تو وہ اپنے اوپر آسمان کے درمیان دھوئیں کی مثل دیکھتا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جس دن آسمان ہوا صبح دھواں لائے گا ۝ (الدخان: ۱۰) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ہم تھوڑے وقت کے لئے عذاب دور کئے دیتے ہیں (مگر) بے شک تم پھر (کفر کی طرف) لوٹنے والے ہو ۝ (دخان: ۱۵) اور کیا قیامت کے دن ان سے عذاب دور کر دیا جائے گا اور دُخَان یعنی دھواں گزر چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کی گرفت جنگ بدر میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۰۰۷ میں گزر چکی ہے۔

۵۔ بَابٌ: فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الَّتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ۝ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدْتُنَّ يُوسُفَ عَنْ نَفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ (یوسف: ۵۰-۵۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جب ان کے پاس قاصد آیا تو انہوں نے کہا: اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو: ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، بے شک میرا رب ان کی سازش کو خوب جاننے والا ہے O بادشاہ نے (ان عورتوں کو بلا کر) پوچھا: اس وقت کیا ہوا تھا جب تم نے یوسف کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی تھی، انہوں نے کہا: حَاشَ لِلَّهِ (یوسف: ۵۰-۵۱) کی تفسیر

علامہ عینی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ: یعنی جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس بادشاہ کا قاصد آیا اور کہا: بادشاہ کے پاس چلیں حتیٰ کہ بادشاہ کے پاس ان کا عذر اور ان کا بے قصور ہونا واضح ہو جائے اور بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ عورتوں نے ان کو گناہ پر اکسایا تھا۔
إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ: یعنی اللہ تعالیٰ عورتوں کے مکر و فریب کو جاننے والا ہے، اور یہ کہ ان کا آقا قطفیر جاننے والا ہے کہ عورتوں نے ان کو فتنہ میں مبتلا کیا تھا۔

حَاشَ لِلَّهِ: یعنی معاذ اللہ ہم نے حضرت یوسف میں کوئی بے حیائی کا کام نہیں پایا۔

وَحَاشَى تَنْزِيهٍ وَاسْتِثْنَاءٍ: حَاشَى وَحَاشَى اس کا معنی تنزیہ اور استثناء ہے۔

حاش کی تین قسمیں ہیں: ایک یہ کہ وہ فعل متعدی ہو اور اس کی گردان ہو جیسے حَاشَيْتُهُ کا معنی ہے: میں نے اس کا استثناء کیا اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ تنزیہ کے لئے ہو جیسے حَاشَ لِلَّهِ اور یہ مبردا اور کوفیوں کے نزدیک فعل ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ اسم ہے جو تنزیہ کے مترادف ہے کیونکہ بعض کی قراءت میں حَاشَا لِلَّهِ ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ یہ استثناء کے لئے ہو، پس سیبویہ اور بصریوں کا مذہب یہ ہے کہ یہ ہمیشہ حرف ہوتا ہے اور الا کے قائم مقام ہے لیکن یہ مستثنیٰ کو جردیتا ہے۔
حَصَصَ وَضَمَّ: حَصَصَ اس کا معنی ہے: وَضَعَ یعنی واضح ہو گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ النَّحْصُ الْحَقُّ - (یوسف: ۵۱) عزیز مصر کی بیوی نے کہا: اب تو حق بات ظاہر ہو ہی گئی ہے۔
امام بخاری نے حصص کی تفسیر کی ہے: وَضَعَ (بمعنی واضح اور ظاہر ہونا) اور بعض نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ قول باطل

چلا گیا اور کذب منقطع ہو گیا اور حق ظاہر ہو گیا۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۴۲۱-۴۲۰)

۴۶۹۴۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ ثَلَيْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ بَكْرِ بْنِ مُضَرَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ ابْنِ شِهَابٍ
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن علیہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرحمن بن القاسم نے حدیث بیان کی از بکر بن مضر از عمرو بن الحارث از یونس بن یزید از ابن شہاب

از سعید بن مسیب والی سلمہ بن عبد الرحمن از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت لوط پر رحم فرمائے انہوں نے کسی مضبوط قبیلہ کی طرف پناہ لی اور اگر میں قید میں اتنا عرصہ رہتا جتنا عرصہ حضرت یوسف رہے تھے تو میں بلانے والے کی بات مان لیتا اور ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہ نسبت شک کرنے کے زیادہ حق دار ہیں جب ان سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا آپ ایمان نہیں لائے تو انہوں نے کہا: کیوں نہیں لیکن تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ (البقرہ: ۲۶۰)

سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَرْحَمُ اللَّهُ لُوطًا لَقَدْ كَانَ يَأْوِي إِلَى ذِكْنِ شَدِيدٍ وَلَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ مَا لَبِثَ يُوسُفُ لَأَجَبْتُ الدَّاعِيَ وَنَحْنُ أَحَقُّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لَهُ ﴿أَوَلَمْ تَأْمِنْ﴾ قَالَ بَلَى وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قُلُوبِي ﴿البقرہ: ۲۶۰﴾۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۲/۳۳ میں گزر چکی ہے۔

۶۔ بَابُ: حَتَّى إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ

(یوسف: ۱۱۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: حتیٰ کہ جب رسول ناامید ہونے لگے (یوسف: ۱۱۰) کی تفسیر

کُذِّبُوا اور کُذِّبُوا کی قراءت کا فرق

علامہ بدرالدین عینی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہونے لگے اور ان کی قوم نے یہ گمان کیا کہ رسولوں نے جو ان کو عذاب نازل ہونے کی وعید سنائی تھی وہ جھوٹی تھی اور دوسرا قول یہ ہے کہ جب رسول اس بات سے مایوس ہو گئے کہ ان کی قوم ان کی تصدیق کرے گی اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ رسولوں نے ان سے جھوٹ بولا تھا اور عطاء اور حسن اور قنادرہ نے یہ کہا کہ رسولوں کو یہ یقین تھا کہ ان کی قوم ان کی تکذیب کرے گی اور اگر یہ کذبوا نہ ہو بلکہ کُذِّبُوا ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ امتوں نے یہ گمان کیا کہ رسولوں نے جو ان کو یہ خبر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کو ہلاک کر کے ان کی مدد کرے گا تو رسولوں نے ان سے جھوٹ بولا تھا۔ (یہ قوم کا گمان تھا)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن بیر نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، انہوں نے عروہ کو بتایا: جب وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق سوال کر رہے تھے (حَتَّى إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ) عروہ نے بتایا کہ میں نے پوچھا کہ یہ لفظ کُذِّبُوا ہے یا کُذِّبُوا ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا: کُذِّبُوا ہے، میں نے کہا: رسولوں کو یقین تھا کہ ان کی قوم نے ان کی تکذیب کی ہے تو یہ ظن تو نہیں ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: معاذ اللہ! رسول

۴۶۹۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ لَهُ وَهُوَ يَسْأَلُهَا عَنْ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى ﴿حَتَّى إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ﴾ حَتَّى إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ قَالَ أَقُلْتُ أَكُذِّبُوا أَمْ كُذِّبُوا قَالَتْ عَائِشَةُ كُذِّبُوا قُلْتُ فَقَدْ اسْتَيْقَنُوا أَنَّ قَوْمَهُمْ كَذَّبُوهُمْ فَمَا هُوَ بِالظَّنِّ قَالَتْ أَجَلٌ لَعَنِي لَقَدْ اسْتَيْقَنُوا بِذَلِكَ فَقُلْتُ لَهَا لَقَدْ ظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا قَالَتْ مَعَاذَ اللَّهِ لَمْ تَكُنْ

اپنے رب کے ساتھ یہ گمان کرنے والے نہیں تھے۔ میں نے کہا: پھر اس آیت کا کیا معنی ہے؟ حضرت عائشہ نے بتایا: وہ رسولوں کے پیروکار تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی، پھر ان پر مصائب بہت طویل ہو گئے اور اللہ کی مدد موخر ہو گئی حتیٰ کہ جب رسول ان لوگوں سے مایوس ہو گئے جنہوں نے ان کی قوم میں سے ان کی تکذیب کی تھی اور رسولوں نے یہ گمان کیا کہ ان کے پیروکار بھی ان کی تکذیب کریں گے تو اس وقت ان کے پاس اللہ کی مدد آ گئی۔

الرُّسُلُ تَطْلُقُ ذَلِكَ بِرَبِّهَا قُلْتُ فَمَا هَذِهِ الْآيَةُ قَالَتْ هُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ الَّذِينَ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَصَدَّقُوهُمْ فَبَالَغَ عَلَيْهِمُ الْبَلَاءُ وَاسْتَأْخَرَ عَنْهُمْ النِّصْرَ حَتَّى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ مِنْهُمْ كَذَّبَهُمْ مِنْ قَوْمِهِمْ وَظَنَّتِ الرُّسُلُ أَنَّ أَتْبَاعَهُمْ قَدْ كَذَّبُوهُمْ جَاءَهُمْ نَصْرُ اللَّهِ عِنْدَ ذَلِكَ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۸۹ میں گزر چکی ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اتباع الرُّسُل: اس سے مراد مومنین ہیں، پس جس چیز کا رسولوں نے گمان کیا وہ مومنین کی تکذیب ہے اور جس چیز کا انہیں یقین تھا وہ کفار کی تکذیب ہے۔

معاذ اللہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے اللہ کی پناہ طلب کی کہ رسولوں کو یہ گمان ہو کہ وہ اللہ کے نزدیک جھٹلائے گئے

ہوں بلکہ رسولوں کو یہ گمان اپنے ان پیروکاروں پر تھا۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۳۲۲)

۴۶۹۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ لَقِيتُ لَعْلَهَا كُذِّبُوا مُخَفَّفَةً قَالَتْ مَعَاذَ اللَّهِ نَحْوَهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری انہوں نے کہا: مجھے عروہ نے خبر دی، میں نے کہا: شاید یہ لفظ تخفیف کے ساتھ کُذِّبُوا ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا معاذ اللہ اسی کی طرح۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۸۹ میں گزر چکی ہے۔

سورۃ یوسف کی تفسیر ختم ہو گئی، اب ان شاء اللہ سورۃ الرعد کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۳۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ الرَّعْدِ

سورۃ الرعد کی تفسیر

سورۃ الرعد کا تعارف

ایک قول یہ ہے کہ سورۃ الرعد مکی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں مکی اور مدنی آیات ہیں اور اس سورت میں تینتالیس (۲۳) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۲۲۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زغذ کے متعلق سوال کیا کہ وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادل کے ساتھ موکل ہے۔ اس کے پاس آگ کے کوڑے ہیں، جہاں اللہ چاہتا ہے وہ فرشتہ بادل کو وہاں لے جاتا ہے۔ انہوں نے پوچھا: یہ آواز کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ بادل کو ڈانٹنے کی آواز ہے جب فرشتہ بادل کو ڈانٹتا ہے۔ یہود نے کہا: آپ نے سچ فرمایا۔ (سنن ترمذی: ۳۱۱۷، سنن کبریٰ للنسائی: ۱۰۹۰۷، المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۲۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: اگر میرے بندے میری اطاعت کریں تو میں رات میں ان پر بارش نازل کروں گا اور دن میں ان پر سورج طلوع کروں گا اور ان کو رعد کی آواز نہیں پہنچائوں گا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۳۴۹)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَتَبَ سِطٌ كَفَيْهِ مَثَلُ الشَّرِكِ الَّذِي عَبَدَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ غَيْرُهُ كَمَثَلِ الْعَطْشَانِ الَّذِي يَنْتَظِرُ إِلَى ظِلِّ خَيْالِهِ فِي السَّاءِ مِنْ بَعِيدٍ وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَتَكَوَّلَهُ وَلَا يَقْدِرُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: گکبا سبط کفئیو (الرعد: ۱۳) یعنی اس شخص کی طرح جو اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے۔ یہ اس مشرک کی مثال ہے جو اللہ کے ساتھ اس کے سوا کسی اور کی بھی عبادت کرے وہ اس پیاسے شخص کی طرح ہے جو دور سے پانی کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے پانی کو لینے کا ارادہ کرے اور اس پر قادر نہ ہو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ شَيْءٌ إِلَّا كَتَبَ سِطٌ كَفَيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْتَغِيَهُ۔

(الرعد: ۱۳)

اور جو لوگ کسی اور کو (حقیقی حاجت روا سمجھ کر) پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کا کوئی جواب نہیں دے سکتے، ان کا پکارنا صرف اس شخص کی طرح ہے جو (دور سے) پانی کی طرف اپنے دونوں ہاتھوں کو بڑھائے تاکہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے۔

یعنی جو مشرکین اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پکارتے ہیں اور اس سے کسی ضرر کو دور کرنے کا ارادہ کرتے ہیں یا کسی نفع کے حصول کا ارادہ رکھتے ہیں وہ بت ان کی بات کا جواب نہیں دے سکتے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ سَحَرٌ ذَّلَّلَ۔

اور دوسروں نے کہا: سحر کا معنی ہے: تابع کر دیا اور کام میں لگا دیا۔

وَأَمْرُ اللَّهِ - (الرعد: ۱۱)

سے اس کے سامنے سے اور اس کے پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

امام بخاری نے مُعَقَّبَات کی تفسیر حفاظت کرنے والے فرشتوں سے کی ہے جو رات اور دن میں باری باری آتے ہیں، جب دن کے فرشتے اوپر چلے جاتے ہیں تو رات کے فرشتے نیچے آ جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی اس طرح تفسیر کی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رحمن کی طرف سے جو آپ کے آگے اور پیچھے کی جانب سے آپ کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور مِنْ أَمْرِ اللَّهِ کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے حفاظت کرتے ہیں اور اسی سے عقیب ماخوذ ہے جو کسی کے بعد آتا ہے۔
الْبَحَالُ الْعُقُوبَةُ۔
الْبَحَالُ کا معنی ہے: الْعُقُوبَةُ یعنی سزا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ ۖ وَهُوَ شَدِيدُ الْحَالِ ۝

(الرعد: ۱۳) والا ہے ○

امام بخاری نے الحال کی تفسیر گرفت کے ساتھ کی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: وہ شدید گرفت کرنے والا ہے۔ مجاہد سے مروی ہے: وہ شدید قوت والا ہے۔ حسن بصری سے مروی ہے: وہ شدید غلبہ والا ہے اور مجاہد سے دوسری روایت میں ہے: وہ سخت انتقام لینے والا ہے۔

كَبَّاسِطٌ كَفَّيْهِ إِلَى السَّمَاءِ لِيَقْبِضَ عَلَى السَّمَاءِ۔
کَبَّاسِطٌ کَفَّيْهِ اِلَى السَّمَاءِ یعنی جیسے وہ شخص جو اپنے ہاتھوں کو بڑھائے تاکہ پانی پر قبضہ کر لے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ ۖ إِلَّا كَبَّاسِطٌ كَفَّيْهِ إِلَى السَّمَاءِ لِيَبْلُغَ أَفَاهُ ۚ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ۔

(الرعد: ۱۳)

اور جو لوگ کسی اور کو (حقیقی حاجت روا سمجھ کر) پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کا کوئی جواب نہیں دے سکتے، ان کا پکارنا صرف اس شخص کی طرح ہے جو (دور سے) پانی کی طرف اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے تاکہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ وہ پانی اس کے منہ تک پہنچنے والا نہیں۔

یعنی جو مشرکین اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پکارتے ہیں وہ بت ان کی کسی پکار کا جواب نہیں دے سکتے مگر جس طرح کوئی شخص پانی کو دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف بڑھائے، سو جس طرح اس شخص کا مقصود پورا نہیں ہو سکتا اسی طرح بتوں کو پکارنے والے کا مقصود بھی پورا نہیں ہو سکتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: جیسے کوئی پیاسا شخص کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھا ہو اور اپنے ہاتھ کنوئیں کے پانی کی طرف بڑھائے تو اس کے ہاتھ کنوئیں کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتے اور وہ کنوئیں کے پانی کو نہیں پاسکتا۔

رَابِعًا مِنْ رَبَائِزِهِ۔
رَابِعًا یہ رَبَائِزُ سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے: وہ پھول کر بلند ہو جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا تَزُولُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءٌ فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ

اسی نے آسمان سے پانی نازل کیا جس سے اپنی وسعت کے

السَّيْلُ زَبَدًا ثَرَابِيًّا۔ (الرعد: ۱۷)

مطابق ندی نالے جاری ہو گئے، پھر پانی کے زور نے بلبلے والے جھاگ بنا دیئے۔

امام بخاری نے یہ بتایا ہے کہ زَابِيَّا، زبائینو سے ماخوذ ہے۔ امام ابو عبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے: پھول گیا اور تفسیر میں مذکور ہے۔ اس کا معنی ہے: وہ پانی کی سطح کے اوپر بلند ہو گیا۔

أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلَهُ النِّمَاءُ مَا شَغْتِ بِهِ۔
أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ يَجْهَاجُ كِي مَتَاعٍ أَوْ مَتَاعٍ كَامَعْنِي هِي: جس سے تم فائدہ اٹھاؤ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حُلِيٍّ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ
آگ میں پگھلاتے ہیں اس میں بھی ایسے ہی جھاگ بنتے ہیں۔ (الرعد: ۱۷)

امام بخاری نے مَتَاعٍ کی تفسیر کی ہے: جس سے تم فائدہ اٹھاؤ، یعنی جس طرح تم زیورات یا دیگر زینت کی چیزوں کو طلب کرنے کے لئے مختلف دھاتوں کو مثلاً سونے، چاندی، پتیل اور تانبے کو پگھلاتے ہو، پس ان سے وہ چیزیں بنتی ہیں جن سے تم فائدہ اٹھاتے ہو یعنی زیورات یا برتن وغیرہ اور ان کو بھی پگھلانے سے ایسے ہی جھاگ بنتے ہیں اور جھاگ باقی نہیں رہتا اور نہ اس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔

جُفَاءً يُقَالُ أَجْفَأْتُ الْقِدْرُ إِذَا غَلَتْ فَعَلَاهَا الزَّبَدُ ثُمَّ
تَسْكُنُ فَيَذْهَبُ الزَّبَدُ بِلَا مَنَفْعَةٍ فَكَذَلِكَ يُسَبِّرُ
الْحَقُّ مِنَ الْبَاطِلِ۔
جُفَاءً یہ أَجْفَأْتُ الْقِدْرُ سے ماخوذ ہے یعنی جب دیکھی کا پانی جوش میں آئے تو جھاگ اوپر آ جاتا ہے، پھر جب دیکھی میں پانی ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو پھر جھاگ بغیر کسی منفعت سے ختم ہو جاتا ہے اسی طرح حق کو باطل سے ممتاز کیا جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً۔ (الرعد: ۱۷)

امام بخاری کے قول کا معنی یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے جھاگ کو اس چیز سے ممتاز کیا ہے جو باقی رہتی ہے اور جھاگ باقی نہیں رہتا اور نہ نفع پہنچاتا ہے اسی طرح حق باقی رہتا ہے اور باطل باقی نہیں رہتا اور دوسری آیت میں زیادہ وضاحت سے فرمایا: رہا جھاگ تو وہ بغیر فائدے کے زائل ہو جاتا ہے اور وہی وہ چیز جو لوگوں کو نفع دیتی ہے، پس وہ زمین میں باقی رہتی ہے۔ (الرعد: ۱۷)

الْبَهَادُ الْفَرَّاشُ۔
الْبَهَادُ کا معنی ہے: بچھونا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا لَهُمْ بِهِمْ جَهَنَّمَ وَيُسَّسُ الْبَهَادُ (الرعد: ۱۸)

یہ تفسیر ابو ذر کی روایت کے علاوہ دوسروں کی روایت میں ہے۔

يَذْرَؤُنْ يَذْفَعُونَ ذَرَأْتُهُ عَنِّي دَفْعَتُهُ۔
وَيَذْرَؤُنْ یعنی وہ دور کرتے ہیں۔ ذَرَأْتُهُ عَنِّي یعنی میں نے اس کو

اپنے پاس سے دور کیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَيَذَرُهُنَّ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقُوبُ الدَّارِ ۝ (الرعد: ۲۲) اور وہ برائی کو اچھائی سے دور کرتے ہیں ان ہی کے لئے آخرت کا (اچھا) گھر ہے O

امام بخاری نے يَذَرُهُنَّ کی تفسیر يَذْفَعُوْنَ کی ہے، جب تم کسی شخص کو گھر سے دور کر دو تو کہا جاتا ہے: تم نے فلاں شخص کو دفع کر دیا۔

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ أَمَّا يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ یعنی وہ کہیں گے: سلام علیکم۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ (الرعد: ۲۳) تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر کیا، پس آخرت کا گھر کیسا اچھا گھر ہے O

امام بخاری نے اس آیت سے پہلے يَقُولُونَ کو محذوف نکالا ہے۔ تفسیر میں مذکور ہے کہ فرشتے اہل جنت کے پاس آئیں گے، پس ان کو سلام کر کے کہیں گے کہ چونکہ تم نے دنیا میں فقر پر صبر کیا، ایک قول ہے جہاد پر صبر کیا، دوسرا قول ہے: دائمی عبادت پر صبر کیا۔ تیسرا قول ہے: گناہوں کے چھوڑنے پر صبر کیا، چوتھا قول ہے: شہوت کے تقاضوں کو ترک کرنے پر صبر کیا، اس لئے تم پر سلامتی ہو۔ وَالْيَهُ مَتَابِ تَوْبَتِي۔ وَالْيَهُ مَتَابِ کا معنی ہے: اور اس کی طرف میری توبہ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ ۝ (الرعد: ۳۰) آپ کہئے: وہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے O

تفسیر میں مذکور ہے: اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے اور مَتَابِ مصدر میسی ہے اور توبہ کا معنی ہے: گناہ سے رجوع کرنا۔ أَقَلَمُ يَأْتِيَنَّ أَقَلَمُ يَتَّبِعِينَ۔ أَقَلَمُ یا یئس کا معنی ہے: کیا پس ان پر ظاہر نہیں ہوا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَقَلَمُ يَأْتِيَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهْدَىٰ إِلَٰهَاسَ جَمِيعًا۔ (الرعد: ۳۱) کیا پس ایمان والوں پر یہ منکشف نہیں ہوا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا۔

امام بخاری نے أَقَلَمُ یا یئس کی تفسیر کی ہے: کیا پس ان پر ظاہر نہیں ہوا۔ مجاہد اور حسن بصری نے کہا ہے کہ یہ ہوازن کی لغت ہے تم کہو: یأیسٹ کذا یعنی میں نے اس کو اس طرح جان لیا۔

قَارِعَةً دَٰهِيَةً۔ قَارِعَةً اس کا معنی ہے: دَٰهِيَةً یعنی مصیبت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَأُصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةً۔ (الرعد: ۳۱) اور کافروں کو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی۔

امام ابو عبیدہ نے کہا ہے دَٰهِيَةً کا معنی ہے: ہلاکت اور مصیبت۔

فَأَمَلَيْتُ أَطْلُتُ مِنَ السَّيْرِ وَالْمَلَاوَةِ وَمِنْهُ مَلِيَّتَا وَقِيلَ لِلنَّوَاسِيعِ الطَّوِيلِ مِنَ الْأَرْضِ مَلَى مِنَ اور الْمَلَاوَةُ سے ماخوذ ہے اور اسی سے مَلِيَّتَا ماخوذ ہے۔ وسیع اور

الْأَرْضِ۔ طویل زمین کے لئے کہا جاتا ہے: مَلَأَ مِنَ الْأَرْضِ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَمَلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثَمًّا أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝
اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا (بھی) مذاق اڑایا گیا، پس میں نے کافروں کو ڈھیل دی، پھر میں نے ان کو پکڑ لیا، سو کیسا تھا

(الرعد: ۳۲) میرا عذاب! O

امام بخاری نے اَمَلَيْتُ کی تفسیر کی ہے: میں نے طویل مہلت دی، اور قرآن مجید میں ہے:

وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ۝ (مریم: ۳۶) اور مجھے طویل عرصے کے لئے چھوڑ دے O

الجوہری نے کہا ہے: الْمَلَأُ کا معنی ہے: صحراء۔

أَشَقُّ أَشَدُّ مِنَ الشَّقَّةِ۔ أَشَقُّ یعنی بہت سخت اور یہ مشقت سے ماخوذ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِن وَّاقٍ ۝ (الرعد: ۳۳)
ان کے لئے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ دشوار ہے اور ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہے O

امام بخاری نے اس تفسیر سے یہ اشارہ کیا ہے کہ أَشَقُّ کا لفظ شَقٌّ يَشَقُّ سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔

مُعَقَّبٌ مُّغَيَّرٌ۔ مُعَقَّبٌ اس کا معنی ہے: مُغَيَّرٌ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقَّبَ لِحُكْمِهِ ۖ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝
کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو اس کے اطراف سے کم کرتے جا رہے ہیں اور اللہ حکم فرماتا ہے اور کوئی اس کے حکم کو رد کرنے والا نہیں اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے O

(الرعد: ۳۱)

امام ابو عبیدہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ کوئی اس کے حکم کو رد کرنے والا نہیں ہے اور نہ کوئی اس کے حکم کو متغیر کرنے والا ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ طَيِّبُهَا وَخَبِيثُهَا
اور مجاہد نے کہا: مُتَجَاوِرَاتٌ یعنی زمین کے بعض حصے عمدہ اور قابل

السَّيَاحِ۔ کاشت ہیں اور بعض حصے شور اور کھاری ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ۔ (الرعد: ۳)

اور زمین میں ایک دوسرے کے قریب قطعات ہیں۔

اس کی شرح پہلے گزر چکی ہے۔

صِنَوَانِ النَّخْلَتَانِ أَوْ أَكْثَرُ فِي أَصْلِ وَاحِدٍ وَغَيْرُ
صِنَوَانٍ وَخَذَهَا بِنَاءٍ وَاحِدٍ كَصَالِحٍ بَنَى آدَمَ

صِنَوَانِ اس کا معنی ہے: کھجور کے دو یا دو سے زائد درخت جن کی

جز ایک ہو اور غَيْرُ صِنَوَانِ اس کا معنی ہے: ایک درخت، ان کو ایک

ہی زمین سے پانی دیا جاتا ہے جیسے بنو آدم نیک اور بدکار اور دونوں کے باپ ایک ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صَنْوَانٌ وَعَيْتٌ صَنْوَانٌ يُسْقَى بِمَاءٍ
وَاحِدٍ۔ (الرعد: ۴)

اور کھیت ہیں اور ایک ہی جڑ سے نکلے ہوئے کھجور کے درخت ہیں
اور الگ الگ بھی ہیں (حالانکہ) سب کو ایک ہی پانی سے سیراب
کیا جاتا ہے۔

صَنْوَانٌ کا اصل معنی ہے: مثل، حدیث میں ہے: مرد کا چچا اس کے باپ کی مثل ہوتا ہے کیونکہ ان دونوں کی اصل واحد ہے۔
السَّحَابُ الثَّقَالُ الَّذِي فِيهِ الْمَاءُ۔
السَّحَابُ الثَّقَالُ یعنی جس بادل میں پانی ہو، اس شخص کی طرح جو
دور سے بادل کو دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھوں کو ہلائے اور پانی کو
ہلائے، پس وہ اس کے پاس نہیں آئے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْشِئُ السَّحَابَ
الثَّقَالَ ۝ (الرعد: ۱۲)

وہی ہے جو تم کو (کبھی) ڈرانے کے لئے اور (کبھی) امید دلانے
کے لئے بجلی کی چمک دکھاتا ہے اور بھاری بادل پیدا کرتا ہے ۝

یعنی اللہ تعالیٰ پانی سے بوجھل اور بھاری بادلوں کو چلاتا ہے۔

فَسَأَلَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا إِعْنًا ۚ وَادٌّ زَبَدًا رَابِيًا
الزَّبْدُ زَبَدُ السَّيْلِ زَبَدٌ مِثْلُهُ خَبَثُ الْحَدِيدِ
وَالْحَلِيَّةِ۔

سَأَلَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا یعنی نالے اندازے سے بہتے ہیں اور وہ
ہر وادی کا پیٹ پھولنے والے جھاگ سے بھر دیتے ہیں۔ جھاگ
سے مراد ہے: سیلاب یعنی بہتا ہوا پانی یا جھاگ سے مراد ہے:
لوہے اور زپورات کا زنگ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ
السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا۔ (الرعد: ۱۷)

وسعت کے مطابق ندی نالے جاری ہو گئے، پھر پانی کے زور نے
بلبلے والے جھاگ بنا دیئے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے بارش نازل کی اور اس بارش سے ہر وادی اپنی گنجائش سے بھر گئی خواہ وہ وادی چھوٹی ہو یا بڑی۔
أَوْدِيَةٌ وادی کی جمع ہے، دو پہاڑوں کے درمیان جو کشادہ جگہ ہوتی ہے اس کو وادی کہتے ہیں۔

(عمدة القاری ج ۱۸ ص ۴۲۹-۴۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ہر مادہ کے حمل کو اللہ ہی جانتا ہے،
اور ہر رحم میں جو کمی اور زیادتی ہوتی ہے اس کو بھی وہی
جانتا ہے (الرعد: ۸) کی تفسیر

۱۔ بَابُ: اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ
وَمَا تَغْضُّ الْأُنْثَىٰ حَامٌ۔ (الرعد: ۸)

تمام بچے کی مختلف تعریفات

علامہ بدرالدین عینی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَمَا تَغْضُّ: وہ جو رحم میں بچے کا نقصان ہو جاتا ہے یعنی حمل ساقط ہو جاتا ہے اور کبھی بچہ پورا پیدا ہو جاتا ہے۔ ضحاک نے کہا:

ہے کہ غیضہ کا معنی یہ ہے کہ عورت کے ہاں بچہ نو مہینہ سے کم میں پیدا ہو جاتا ہے۔ حسن بھری نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: ناقص تمام بچہ پیدا ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ چھ مہینے سے تین دن کم میں بچہ پیدا ہوا۔ علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ حاملہ کو حیض آتا ہے اور امام شافعی کا بھی یہ ایک قول ہے اور عطاء، شعبی اور دوسروں نے کہا ہے کہ اس کو حیض نہیں آتا اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ (عمدة القاری ۱۸ ص ۴۲۸)

۴۶۹۷۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ النَّذِيرِ حَدَّثَنَا مَعْنُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللَّهُ لَا يَعْلَمُ مَا فِي غَيْبِ اللَّهِ وَلَا يَعْلَمُ مَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ إِلَّا اللَّهُ وَلَا يَعْلَمُ مَتَى يَأْتِي الْمَطَرُ أَحَدٌ إِلَّا اللَّهُ وَلَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ وَلَا يَعْلَمُ مَتَى تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا اللَّهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از عبد اللہ بن دینار از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیب کی پانچ چابیاں ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ رحم میں کیا کمی ہوتی ہے اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب آئے گی اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۰۳۹ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں صرف پانچ چیزوں کا ذکر ہے جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا حالانکہ ایسی بہت چیزیں ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اس کا جواب یہ ہے کہ کفار قریش کا یہ عقیدہ تھا کہ ان پانچ چیزوں کا علم ان کے کاہنوں کو ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کر کے فرمایا کہ ان پانچ چیزوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق سے سورۃ الرعد کی تفسیر ختم ہو گئی، اب ان شاء اللہ سورۃ ابراہیم کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۴۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ اِبْرٰہِیْمَ

سورۃ ابراہیم کی تفسیر

سورۃ ابراہیم کا تعارف

ابوالعباس نے کہا ہے کہ اس سورت میں صرف ایک آیت مدنی ہے اور وہ یہ ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ کُفْرًا۔ (ابراہیم: ۲۸) اور کبھی سے روایت ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اور ان کفار کے متعلق نازل ہوئی جو غزوہ بدر میں قتل کر دیئے گئے تھے۔

اس سورت میں باون (۵۲) آیات ہیں۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هَٰذَا دَاعٍ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہَٰذَا کا معنی ہے: دعوت دینے والا۔

آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کو ہدایت دینے والے ہیں ○

اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ○ (الرعد: ۷)

امام بخاری پر یہ اعتراض ہے کہ انہوں نے سورۃ ابراہیم کی تفسیر میں سورۃ رعد کی آیت کو ذکر کر دیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان بعض لکھنے والوں کی غلطی ہے جنہوں نے صحیح بخاری کے نسخہ کو نقل کیا ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ صَدِیْدٌ قَنِیْمٌ وَدَدَمٌ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قِنْ وَرَآیَہُمْ جَهَنَّمُ وَّیُسْقٰی مِنْ مَّاءٍ صَدِیْقٍ ○

(ابراہیم: ۱۶)

قرآنہ سے روایت ہے کہ یہ وہ پیپ اور خون ہے جو کافر کی کھال سے نکلے گا اور ربیع بن انس سے روایت ہے کہ یہ دوزخیوں کا غسل ہے اور یہ وہ پیپ اور خون ہے جو زنا کرنے والوں کی شرم گاہوں سے نکلے گا اور وہ دوزخیوں کو پلایا جائے گا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِذْ کُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ اور ابن عبینہ نے کہا: اِذْ کُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ کا معنی ہے، اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کرو جو تمہارے پاس ہیں اور ان واقعات کو یاد کرو جو اس کی قدرت سے ہوئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ اِذْ کُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ اَنْجٰیْکُمْ مِنْ اِلٍ فِرْعَوْنَ۔ (ابراہیم: ۶)

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب اس نے تم کو فرعون کے قبیعین سے نجات دی۔

امام بخاری نے نِعْمَةُ اللَّهِ کی تفسیر ایادی اللہ کے ساتھ کی ہے۔ اور ایادی یعنی جمع ہے اور وہ نعمۃ کے معنی میں آتا ہے۔
امام طبری نے اس تعلق کی سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ رَغِبْتُمْ إِلَيْهِ اور مجاہد نے کہا: مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ کا معنی ہے: ہر وہ چیز جس کی طرف تم نے رغبت کی۔
فیہ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ وَآتَاكُم مِّنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ (ابراہیم: ۳۳-۳۴)
اور تمہارے لئے رات اور دن کو مسخر کیا اور تمہاری تمام مانگی ہوئی چیزوں میں سے تم کو (بہت کچھ) عنایت کیا۔

یعنی جن چیزوں کی طرف تم نے رغبت کی وہ اللہ تعالیٰ نے تم کو عطا کر دیں اور بعض مفسرین نے کہا: اس کا معنی ہے: تم کو وہ نعمتیں عطا کیں جن کا تم نے سوال کیا اور وہ نعمتیں بھی عطا کیں جن کا تم نے سوال نہیں کیا۔

وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا يُغْتَابُونَ لَهَا عِوَجًا۔
وہ بیغونہا عوجا اس کا معنی ہے: اور وہ اس میں کجی اور ٹیڑھ کو تلاش کرتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَيَصُدُّونَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا۔
اور وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں۔ (ابراہیم: ۳)

یہ تفسیر مجاہد کی تفسیر کے مطابق ہے۔

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ أَعْلَنَ لَكُمْ آذَنَكُمْ۔
وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے آگاہ کر دیا تھا کہ اگر تم نے شکر کیا تو میں ضرور تم کو زیادہ (نعمت) دوں گا۔ (ابراہیم: ۷)

امام ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ اس آیت میں إِذْ کا لفظ زائد ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس طرح نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے: یاد کرو جب تمہارے رب نے یہ خبر دی۔

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ تَأَذَّنَ، إِذْ اذنان سے ماخوذ ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۵۴)

علامہ عینی اس کا رد فرماتے ہوئے کہتے ہیں: بلکہ یہ تاذین سے ماخوذ ہے۔

رَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ هَذَا مَثَلٌ كَقَوْلَا عَنَّا أَمْرًا رَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ یہ ایک مثال ہے یعنی وہ اس کام سے باز رہے جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ۔
ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہوں پر رکھ دیئے۔ (ابراہیم: ۹)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: انہوں نے غصہ میں آ کر اپنے ہاتھوں کو کاٹ لیا۔ امام بخاری نے کہا: یہ ضرب المثل ہے یعنی

جب کوئی شخص کسی حکم پر عمل نہ کرے تو اس کے لئے ضرب المثل ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لئے، یعنی جب انبیاء علیہم السلام نے ان کو وعظ اور نصیحت کی تو انہوں نے ان کا بہت زیادہ رد کرنے کے لئے اپنے ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لئے یعنی تم جو پیغام لے کر آئے ہو ہم اس کا کفر کرتے ہیں اور ہماری طرف سے اس کا یہی جواب ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ انہوں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نصیحتوں کو ان کی طرف لوٹا دیا۔

مَقَامٍ حَيْثُ يُقْبِلُهُ اللَّهُ بَيْنَ يَدَيْهِ۔
مَقَامٍ یعنی وہ جگہ جہاں اللہ تعالیٰ ان کو اپنے سامنے کھڑا کرے گا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ذَلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِي ۝
یہ (اعلان) اس کے لئے ہے جو میرے سامنے پیش ہونے اور

(ابراہیم: ۱۳) میرے عذاب دینے کی خبر سننے ڈرے ۝

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت ہے اور تفسیر میں مذکور ہے کہ یہ موقف ہے یعنی یہ وہ جگہ ہے جہاں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے حساب لے گا۔

مِنْ ذَرَاتِهِ قَدْ اَمَّهُ جَهَنَّمُ۔
مِنْ ذَرَاتِهِ اس کا معنی ہے: ان کے سامنے جہنم ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِنْ ذَرَاتِهِمْ عَذَابٌ غَلِيظٌ ۝ (ابراہیم: ۱۷)
اور ان کے سامنے ایک اور سخت عذاب ہے ۝

امام بخاری نے ذَرَاتِهِم کی تفسیر قدام سے کی ہے یعنی سامنے اور زمخشری نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے۔ قطرب وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ لفظ اضداد سے ہے یعنی اس کا معنی پیچھے بھی ہے اور سامنے بھی اور ابراہیم بن عرفہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ وراء کا لفظ آگے یا سامنے کے معنی میں اسی وقت آتا ہے جب وہ مکان یا زمان کے معنی میں ہو۔

لَكُمْ تَبَعًا وَاِحْدَاهَا تَابِعٌ مِّثْلُ غَيْبٍ وَغَائِبٍ۔
لَكُمْ تَبَعًا اس کا واحد تَابِعٌ ہے جیسے غَيْبٌ اور غَائِبٌ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَهَرُّ ذَا بِلَهٍ جَبِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفَاءُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا اِنَّا
اور آخرت میں سب اللہ کے سامنے پیش ہوئے تو کمزور لوگوں نے
كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا قَهْلًا اَنْتُمْ مُّعْتَوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ
بڑوں سے کہا: ہم (دنیا میں) تمہاری پیروی کرتے تھے، پس کیا
شئ ع۔ (ابراہیم: ۲۱) تم ہم سے اللہ کے عذاب کو کچھ کم کر سکتے ہو؟

التَّبَعُ التَّابِعُ کی جمع ہے جیسے خَدَمٌ خَادِمٌ کی جمع ہے۔ امام بخاری نے مثال دی ہے جیسے غَيْبٌ غَائِبٌ کی جمع ہے، اس آیت کا معنی ہے: بے شک ہم تمہاری پیروی کرنے والے تھے۔

يَسْتَغْفِرُكُمْ اِسْتِغْفَارًا يَسْتَضِيْخُ مِنْ
بِضْرٍ خَكْمٌ يَسْتَضِيْخُ مِنْ اِسْتِغْفَارٍ سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے:
استغاثتی یعنی اس نے مجھ سے مدد طلب کی۔ يَسْتَضِيْخُ وہ مدد
طلب کرتا ہے اور یہ مُرَاخَمَةٌ سے ماخوذ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَفَلَا تَلُوْا مُوْنِيْ وَلَوْ مَوَّآ اَنْفُسَكُمْ مَا اَنَا بِضَرْ خَكْمٍ وَمَا
تو تم مجھ کو ملامت نہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو، نہ میں تمہاری
اَنْتُمْ بِضَرْ خَكْمٍ۔ (ابراہیم: ۲۲) فریادری کرنے والا ہوں اور نہ تم میری فریادری کرنے والے ہو۔

علامہ زنجشیری نے اس کا معنی کیا ہے: ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے عذاب سے نجات دے سکتا ہے اور نہ کسی کی بددعا سے۔ یَسْتَضْرِخُہ کا معنی ہے: وہ زور سے چلاتا ہے۔ اسی لئے امام بخاری نے کہا: یہ مؤخر سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے آواز دینا۔ وَلَا خِلَالَ مَضَرٍ خَالَتْهُ خِلَالًا وَيَجُوزُ أَيْضًا جَمْعٌ وَلَا خِلَالَ يَه خَالَتْهُ خِلَالًا کا مصدر ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خُلَّةٌ کی جمع خِلَالٌ ہو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَنْ قَبْلُ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمَ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ ⑤

اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ

(ابراہیم: ۳۱) دوستی O

امام بخاری نے لفظ خِلَالٌ میں دو صورتیں بیان کی ہیں: ایک یہ کہ یہ مصدر ہے اور اس کا معنی ہے: اس دن کسی دوست کی دوستی کام نہیں آئے گی اور دوسرا یہ کہ یہ خُلَّةٌ کی جمع ہے جیسے ظُلَّةٌ کی جمع ہے: ظلال ہے اور جمہور اہل لغت نے پہلی صورت کو اختیار کیا ہے اور خُلَّةٌ کا معنی صداقت اور محبت ہے جو دل میں بس جائے اور اسی سے خلیل اور صدیق بنا ہے۔ اجْتَشَّتْ اسْتَوْصَلَتْ۔ اجْتَشَّتْ اس کا معنی ہے: جڑ سے اکھاڑ لیا گیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ⑥ (ابراہیم: ۲۶)

امام بخاری نے اجْتَشَّتْ کی تفسیر اسْتَوْصَلَتْ کے ساتھ کی ہے، یہ لفظ اسْتِیْصَالَ سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑ دینا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۶-۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین میں) مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں O وہ درخت اپنے رب کے اذن سے ہر وقت پھل دیتا ہے۔ (ابراہیم: ۲۵-۲۴)

کی تفسیر

۱۔ بَابُ: كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَقَرَعُهَا فِي السَّمَاءِ ⑦ تُؤْتِي أَكْثَرَهَا كُلَّ حِينٍ۔ (ابراہیم: ۲۴-۲۵)

کلمہ طیبہ اور شجرہ طیبہ میں مختلف وجوہ سے مشابہت

علامہ بدرالدین محمود احمد بن عینی حنفی متونی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ کلمہ طیبہ سے مراد ہے: اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور شجرہ طیبہ میں کئی اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہر پھل دار درخت ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد کھجور کا درخت ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد جنت ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد جنت کا درخت ہے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ اس سے مراد مومن ہے۔

اگر اس سے مراد پھل دار درخت ہو تو کلمہ طیبہ میں اور شجرہ طیبہ میں مشابہت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک سے منافع حاصل

ہوتے ہیں۔ کلمہ طیبہ سے جنت میں دخول اور دوزخ کے دوام سے نجات حاصل ہوگی اور پھل دار درخت سے لذت اور قوت حاصل ہوتی ہے اور اگر شجرہ طیبہ سے مراد کھجور کا درخت ہو تو کھجور کا درخت دیکھنے میں بہت خوبصورت ہوتا ہے اور اس سے بہت خیر حاصل ہوتی ہے اور اس کے منافع بہت زیادہ ہیں، اس کے تنے سے ستون بنائے جاتے ہیں اور اس کی شاخیں اور پتوں سے بہت کارآمد اور مفید چیزیں بنتی ہیں مثلاً چٹائیاں، پتکھے، چنگیریاں اور ٹوپیاں وغیرہ اور اس کی شاخیں جو اوپر کو جاتی ہیں اور اس کی جڑیں جو زمین میں پیوست ہوتی ہیں تو یہ ایسے ہیں جیسے مومن کا ایمان اس کے سینہ میں ہوتا ہے اور اس کے نیک اعمال قبولیت کے لئے اوپر پہنچائے جاتے ہیں اور اگر شجرہ طیبہ سے مراد جنت یا جنت کا درخت ہو تو یہ اس لئے واضح ہے کہ کلمہ طیبہ سے جنت ملتی ہے اور جنت میں دوام حاصل ہوتا ہے اور اگر شجرہ طیبہ سے مراد مومن ہو تب بھی واضح ہے کہ کلمہ طیبہ پڑھنے سے بندہ مومن ہوتا ہے۔

اور وہ ہر وقت پھل دیتا ہے: یعنی جس طرح کھجور کا درخت ہر وقت پھل دیتا ہے اور کبھی معطل نہیں ہوتا، اسی طرح مومن سے بھی اس کے اعمال صالحہ کبھی معطل نہیں ہوتے۔

اس کی اصل ثابت ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں: یعنی کھجور کی جڑیں زمین میں پیوست ہوتی ہیں اور اس کی شاخیں بلندی کی طرف اٹھی ہوئی ہوتی ہیں اور جب اس کی شاخیں اوپر اٹھی ہوئی ہوتی ہیں تو وہ زمین کی کٹافتوں سے بہت بلند ہوتی ہیں۔ درخت اس وقت مکمل درخت بنتا ہے جب اس میں تین چیزیں ہوں، اس کی جڑ راسخ ہو اور اس کی اصل قائم ہو اور اس کی فرع بلند ہو، اسی طرح مومن اس وقت پھل دیتا ہے جب اس میں تین چیزیں ہوں: تصدیق بالقلب ہو، اقرار باللسان ہو اور عمل بالابدان ہو۔ سعید بن جبیر اور قتادہ نے کہا ہے کہ ”حین“ کا اطلاق ہر چھ ماہ بعد پر ہوتا ہے یعنی کھجور کا درخت ہر چھ ماہ بعد پھل دیتا ہے۔ الزبج بن انس نے کہا: کل حین کا معنی ہے: ہر صبح اور شام۔ اسی طرح مومن بھی ہر صبح اور شام نیک عمل کرتا ہے۔ نحاک نے کہا ہے کہ حین کا معنی ہے: رات اور دن کی ساعت یعنی کھجور ہر موسم میں رات اور دن کے وقت کھائی جاتی ہے، اسی طرح مومن بھی رات اور دن کے ہر وقت میں نیک کام کرتا رہتا ہے، اس کا سونا بھی ٹپکی ہے کیونکہ وہ رات کی نیند سے دن میں نیک کام کرنے کی طاقت حاصل کرتا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۸ ص ۷-۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے عبید بن اسماعیل نے حدیث بیان کی از ابی اسامہ از عبید اللہ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، آپ نے فرمایا: مجھے ایک درخت کی خبر دو جو مشابہ ہے یا فرمایا وہ مسلمان مرد کے مشابہ ہے۔ اس کے پتے نہیں گرتے اور نہ اس طرح ہوتا اور نہ اس طرح ہوتا ہے اور نہ اس طرح ہوتا ہے وہ اپنا پھل ہر وقت دیتا ہے، حضرت ابن عمر نے بتایا پس میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے اور میں نے دیکھا کہ حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما بات نہیں کر رہے تو میں نے بات کرنا پسند نہیں کیا، پس جب صحابہ نے کچھ بھی نہیں کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا: وہ کھجور کا درخت ہے، پس جب ہم اٹھے تو میں نے حضرت عمر سے کہا اے ابا جان! اللہ کی

۴۶۹۸۔ حَدَّثَنِي عَبِيدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي أَسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ أَخْبِدُونِي بِشَجَرَةٍ تُشَبِّهُهُ أَوْ كَالرَّجُلِ الْمُسْلِمِ لَا يَتَحَاثُّ وَرَقُهَا وَلَا وَلَا تَوْتِي أَكْلَهَا كُلَّ حِينٍ قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَوَقَعَنِي نَفْسِي أَنَّهَا الشَّخْلَةُ وَرَأَيْتُ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ لَا يَتَكَلَّمَانِ فَكَرِهْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ فَلَمَّا لَمْ يَقُولُوا شَيْئًا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هِيَ الشَّخْلَةُ فَلَمَّا قُمْنَا قُلْتُ لِعُمَرَ يَا أَبَتَاهُ وَاللَّهِ لَقَدْ كَانَ وَقَعَنِي نَفْسِي أَنَّهَا الشَّخْلَةُ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَكَلَّمَ قَالَ لَمْ أَرَكُم تَكَلَّمُونَ فَكَرِهْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ أَوْ أَقُولَ شَيْئًا قَالَ عُمَرُ لَأَنْ تَكُونَ قُلْتُهَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ

كَذَّابًا وَكَذَّابًا۔

قسم! میرے دل میں یہ آیا تھا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، پس انہوں نے کہا: تمہیں بتانے سے کیا چیز مانع ہوئی؟ حضرت ابن عمر نے کہا: میں نے دیکھا کہ آپ لوگ نہیں بتا رہے تو میں نے بتانے کو ناپسند کیا یا کچھ کہنے کو ناپسند کیا۔ حضرت عمر نے کہا اگر تم بتا دیتے تو یہ مجھے فلاں اور فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۶۱ میں گزر چکی ہے۔

۲۔ بَابُ: يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ

الثَّابِتِ۔ (ابراہیم: ۲۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اللہ ایمان والوں کو مضبوط کلمہ کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے (ابراہیم: ۲۷) کی تفسیر

عذاب قبر کا ثبوت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو اور ان کے اعمال کو قول ثابت کے ساتھ محقق کرتا ہے اور اس سے مراد ہے: اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

دنیا کی زندگی میں: یعنی قبر میں منکر نکیر کے سوال کے وقت۔

اور آخرت میں: یعنی جب ان کو قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے علقمہ بن مرثد نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے سعد بن عبیدہ سے سنا از حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان سے جب قبر میں سوال کیا جائے گا تو وہ شہادت دے گا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، پس یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: اللہ ایمان والوں کو دنیا میں (بھی) مضبوط کلمہ کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں (بھی)۔ (ابراہیم: ۲۷)

۳۶۹۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عُلَقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ عُبَيْدَةَ عَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ الْمُسْلِمُ إِذَا سُئِلَ فِي الْقَبْرِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ فَذَلِكَ قَوْلُهُ ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ (ابراہیم: ۲۷)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۶۹ میں گزر چکی ہے۔

۳۔ بَابُ: أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ

كُفْرًا۔ (ابراہیم: ۲۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا (ابراہیم: ۲۸) کی تفسیر

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بَدَلُوا: یعنی جنہوں نے سیدنا محمد ﷺ میں اللہ عزوجل کی نعمت کو تبدیل کر دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان ہی لوگوں میں سے مبعوث فرمایا اور ان ہی میں مبعوث فرمایا، پس انہوں نے آپ کا کفر کیا اور آپ کی تکذیب کی۔

وَاحْلُوا: یعنی انہوں نے اپنی قوم کے ان لوگوں کو جہنم میں داخل کر دیا جنہوں نے کفر کرنے میں ان کی موافقت کی تھی۔
 اَلَمْ تَعْلَمْ یہ آیت اَلَمْ تَرَ کَیْفَ کی مثل ہے یعنی کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھیوں والوں کے ساتھ کیا کیا یہ اَلَمْ تَرَ اَلَّذِیْنَ خَرَجُوْا کی مثل ہے یعنی کیا آپ نے نہیں دیکھا جو لوگ اپنے گھروں سے نکلے تھے۔

امام بخاری نے جو تفسیر کی ہے وہی تفسیر امام ابو عبیدہ نے کی ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اَلَمْ تَعْلَمْ، اَلَمْ تَرَ کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ ان کو دیکھنا عادتاً حاصل نہیں ہوا۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ اظہار تعجب کے موقع پر کہا جاتا ہے۔

۴۷۰۰۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ
 عَنْ عَمْرِو عَنْ عَطَاءٍ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى
 الَّذِیْنَ بَدَلُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ کُفْرًا﴾ (ابراہیم: ۲۸) قَالَ هُمْ
 کُفَّارُ اَهْلِ مَكَّةَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو از عطاء، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا۔ (ابراہیم: ۲۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ اہل مکہ کے کفار تھے جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے تبدیل کیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۹۷ میں گزر چکی ہے۔
 سورۃ ابراہیم کی تفسیر ختم ہوئی اب انشاء اللہ سورۃ الحجرت کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۵۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْحَجْرِ

سورة الحجر کی تفسیر

سورة الحجر کا تعارف

امام طبری نے کہا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس پر مفسرین کا اجماع ہے۔ علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ یہ سورت سورۃ یوسف کے بعد اور سورۃ النعام سے پہلے نازل ہوئی اور اس میں ننانوے (۹۹) آیات ہیں۔ حجر کا معنی منع کرنا ہے۔ عقل کو بھی حجر کہتے ہیں کیونکہ وہ انسان کو غلط اور برے کاموں سے روکتی ہے، جو مکان پتھروں سے بنایا جائے اس کو بھی حجر کہتے ہیں۔ قوم ثمود کی آبادیاں چونکہ پتھروں کو تراش کر کے بنائی گئی تھیں اس لئے ان کو الْحِجَر کہا گیا ہے جیسا کہ (الحجر: ۸۰) میں ہے۔ (تبیان القرآن ج ۶ ص ۲۳۱)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ صِرَاطٌ عَلَى مُسْتَقِيمٍ الْحَقُّ يَرْجِعُ إِلَى اللَّهِ وَاعْبَادُهُ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ اس کا معنی ہے کہ حق اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور وہی اللہ کا راستہ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ هَذَا صِرَاطٌ عَلَى مُسْتَقِيمٍ (الحجر: ۴۱) فرمایا: مجھ تک (پہنچنے کا) یہی سیدھا راستہ ہے ○

یہ امام ابن ابی حاتم کی تعلق ہے اور اخفش نے اس کا معنی بیان کیا ہے کہ یہ صراط مستقیم پر دلالت ہے۔

وَأَنَّهُمَا لَيَأْمُرَا مُبِينٍ الْإِمَامُ كُلُّ مَا اتَّسَنَتْ وَأَنَّهُمَا لَيَأْمُرَا مُبِينٍ اس کا معنی ہے: یہ دونوں شہر کھلے ہوئے راستہ پر ہیں۔ امام ہر اس راستہ کو کہتے ہیں جس کا تم قصد کرو اور جس سے تم کسی منزل کا راستہ پاؤ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَتَقْنَا مِنْهُمْ ؕ وَأَنَّهُمَا لَيَأْمُرَا مُبِينٍ (الحجر: ۷۹) سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا اور یہ دونوں بستیاں عام گزرگاہ پر ہیں ○

یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا شہر اور اصحاب الایکہ کا شہر کھلی ہوئی شاہراہ پر ہیں یعنی وہ بالکل واضح راستہ ہے، اس راستے کو امام اس لئے کہا کہ اس راستے کی اتباع کی جاتی ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَعَنُوكَ لَعْنُكَ اس کا معنی ہے: آپ کی زندگی کی قسم۔ حضرت ابن عباس نے کہا: لَعْنُكَ کا معنی ہے: آپ کی زندگی کی قسم۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَعْنُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ (الحجر: ۷۲) (اے محمد!) آپ کی زندگی کی قسم! وہ لوگ اپنی مستی میں مدھوش ہو رہے ہیں ○

تفسیر ثعلبی میں مذکور ہے: اے محمد! آپ کی زندگی کی قسم! حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اپنی گمراہی اور اپنی حیرت میں تردد کر رہے ہیں اور قنادہ سے روایت ہے کہ کھیل رہے ہیں۔

علامہ ابن الملقن نے لکھا ہے: تفسیر ابن مردودہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے علاوہ اور کسی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی، پھر فرمایا: لَعَنُوكَ يَا مُحَمَّدٌ وَحَيَاتُكَ يَا مُحَمَّدٌ۔ (الدر المنثور ج ۴ ص ۱۹۲)، (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۵۰۸)

قَوْمٌ مُّشْكِرُونَ اَنْكَرَهُمْ لُوطٌ۔
قَوْمٌ مُّشْكِرُونَ یعنی یہ اجنبی لوگ ہیں، حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو اجنبی قرار دیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ﴿١١﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ
مُّشْكِرُونَ ﴿١٢﴾ (الحجر: ۱۱-۱۲)
لوگ ہو ○

اس سے مراد یہ ہے کہ پہلے فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے اور ان کو یہ بشارت دی کہ ان کے بڑھاپے کے باوجود اللہ تعالیٰ ان کو بیٹا عطا فرمائے گا، (ابراہیم نے) پوچھا: اے فرشتو! تمہیں اور کیا کام ہے؟ انہوں نے کہا: بے شک ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ (الحجر: ۵۷-۵۶)

فرشتوں نے بحرین سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو مراد لیا، پھر جب وہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو حضرت لوط علیہ السلام نے فرشتوں کو نہیں پہچانا اور فرمایا کہ تم اجنبی لوگ ہو۔ (الحجر: ۶۲)
وَقَالَ غَيْرُكَ كِتَابٌ مَّعْلُومٌ أَجَلٌ۔
اور دوسروں نے کہا: کتاب معلوم کا معنی ہے: تقدیر میں لکھی ہوئی مدت۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَمَا أَهْلُكُمَا مِنْ قَزِيَّةٍ إِلَّا أُولَٰهَا كِتَابٌ مَّعْلُومٌ ﴿٣﴾ (الحجر: ۳)
ہم نے جس بستی کو تباہ کیا اس کا نوشتہ تقدیر میں وقت معین تھا ○
اس کا معنی ہے: مدت اور تفسیر میں مذکور ہے: مدت معینہ جو ہم نے ان کے لئے لکھ دی ہے، جب تک وہ اس مدت کو نہیں پہنچ جائیں گے ہم ان کو نہ عذاب دیں گے اور نہ ہلاک کریں گے۔

لَوْ مَا تَأْتِيْنَا هَلَّا تَأْتِيْنَا۔
لَوْ مَا تَأْتِيْنَا کا معنی ہے: ہَلَّا تَأْتِيْنَا یعنی تم ہمارے پاس کیوں نہیں لاتے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
لَوْ مَا تَأْتِيْنَا بِالْمَلِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٤﴾ (الحجر: ۴)
اگر تم سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتے ○
خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ آپ ہمارے پاس فرشتوں کو لے کر کیوں نہیں آئے جو آپ کے صدق پر گواہی دیتے اور ہمیں ڈرانے میں آپ کی مدد کرتے۔

شَيْعٌ أَمَّمْ وَلِلْأَوَّلِيَّاءِ أَيْضًا شَيْعٌ۔
شیعہ اس کا معنی ہے: امتیں اور دوستوں کے لئے بھی شیعہ کہا جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِعْبِ الْأَوَّلِينَ ①
اور بے شک ہم نے آپ سے پہلی امتوں میں بھی رسول بھیجے
(الحجر: ۱۰) تھے ○

امام ابو عبیدہ نے بھی شیعہ کی یہی تفسیر کی ہے اور شیعہ کا واحد شیعہ ہے اور شیعہ کا معنی ہے: فرقہ اور لوگوں کی جماعت۔ امام طبری نے کہا ہے کہ کسی شخص کے دوستوں کو بھی شیعہ کہا جاتا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُهْرَعُونَ مُسْرِعِينَ۔
حضرت ابن عباس نے کہا: يُهْرَعُونَ کا معنی ہے: وہ دوڑتے ہوئے آئے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ ② وَ مِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ۔ (هود: ۷۸)
پہلے ہی سے برے کام کرتے تھے۔

یعنی حضرت لوط علیہ السلام کے پاس ان کی قوم آئی۔ اس تعلق کی امام ابن ابی حاتم نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔
لَمُتَوَسِّعِينَ لِنَظَائِرِهِمْ۔
یعنی غور کرنے والوں کے لئے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّمُتَوَسِّعِينَ ③ (الحجر: ۷۵)
بے شک اس (قصہ) میں اہل فراست کے لئے نشانیاں ہیں ○

علامہ زمخشری نے کہا ہے: متوسمین کا معنی ہے: کسی چیز میں فکر و نظر کر کے اس کی حقیقت کو پہچاننا۔

قادر نے کہا: اس کا معنی ہے: معتبرین اور مقاتل نے کہا: اس کا معنی ہے: متفکرین۔

سُكْرَتٌ غُشِيَتْ۔
سُكْرَتِ اس کا معنی ہے: ڈھانپ لی گئیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَقَالُوا إِنَّمَا سُكْرَتٌ آفَصَانَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ④ (الحجر: ۱۵)
تب بھی وہ یہی کہیں گے کہ بات صرف یہی ہے کہ ہماری نظر بند کر دی گئی ہے بلکہ ہم لوگوں پر جادو کر دیا گیا ہے ○

امام بخاری نے سکر کی تفسیر کی ہے: ان کی آنکھوں کو ڈھانپ لیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے: سُكْرَتٌ کا معنی ہے: پکڑ لی گئی یا لے لی گئی اور کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے: نظر سے روک لیا گیا ہے۔

بُرُوجًا مَنَازِلَ لِلشَّمْسِ وَالْقَمَرِ۔
بروج چا کا معنی ہے: سورج اور چاند کی منازل۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّظَرِ ⑤
اور بے شک ہم نے آسمان میں برج بنائے اور ہم نے ان کو دیکھنے والوں کے لئے مزین کر دیا ○ (الحجر: ۱۶)

یہ کواکب سیارہ کی منازل ہیں۔

علماء ہیئت کہتے ہیں کہ آسمان نو (۹) ہیں۔ سات آسمانوں میں سے ہر آسمان میں ایک سیارہ ہے، سات سیارگان یہ ہیں: قمر،

زحل، عطارد، شمس، مشتری، مریخ اور زہرہ اور آٹھویں آسمان میں دو ستارے ہیں جو ثابت ہیں (یعنی گردش نہیں کرتے) اور نویں آسمان کو وہ فلک اطلس کہتے ہیں، وہ سادہ ہے اور آٹھویں آسمان میں ستاروں کے اجتماع سے جو مختلف شکلیں بنتی ہیں وہ اس نویں آسمان میں نظر آتی ہیں جن کو رصد گاہوں میں دیکھا جاتا ہے۔ کہیں یہ شکل شیر کی سی بن جاتی ہے، اس کو برج اسد کہتے ہیں اور کہیں ترازو کی سی شکل بن جاتی ہے اس کو برج میزان کہتے ہیں اور کہیں یہ شکل پچھو کی سی بنتی ہے اس کو برج عقرب کہتے ہیں، یہ کل بارہ برج ہیں: حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ سورج ہر ماہ میں ایک برج کی مسافت کو طے کرتا ہے اور ایک سال میں بارہ بروج کی مسافت قطع کرتا ہے۔ گرمی، سردی، بہار اور خزاں یہ چاروں موسم سورج کی اسی حرکت سے وجود میں آتے ہیں۔ (روح المعانی ج ۱۳ ص ۳۳-۳۲ ملخصاً و موصفاً)

میں کہتا ہوں کہ علماء ہیئت کا آسمانوں کی تعداد کو نو قرار دینا قرآن مجید کی صریح آیات اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ بعض مفسرین نے اس کی توجیہ میں یہ کہا ہے کہ اگر عرش اور کرسی کو بھی آسمانوں کے ساتھ ملا لیا جائے تو یہ تعداد نو ہو جاتی ہے مگر میرے نزدیک قرآن مجید کی نصوص کو علماء ہیئت کے مطابق کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اصل علماء ہیئت کے اقوال ہیں اور یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اصل قرآن مجید اور احادیث ہیں۔

لَوَاقِحَ مَلَاقِحَ مُلَقَّحَةٍ۔
لَوَاقِحَ کا معنی ہے: مَلَاقِحُ اور یہ مُلَقَّحَةُ کی جمع ہے یعنی وہ ہوائیں جو پانی کو اٹھائے ہوئے ہوتی ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَنزَلْنَا السَّمَاءَ مَاءً فَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ۔ (الحجر: ۲۲)

امام بخاری نے لَوَاقِحَ کی تفسیر مَلَاقِحَ کی ہے اور یہ بتایا کہ یہ ملقحہ کی جمع ہے اور یہ تفسیر بہت نادر ہے کیونکہ ریاح کی تفسیر لَوَاقِحَ آتی ہے ملاقح نہیں آتی۔ الجوہری نے کہا ہے کہ یہ تفسیر نادر ہے۔

حَمَاءُ جَمَاعَةٌ حَمَاءٌ وَهُوَ الطَّيْنُ الْمُنْتَفِيزُ وَالْمَسْنُونُ حَمَاءُ حَمَاءٌ کی جمع ہے اور یہ اس کیچڑ کو کہتے ہیں جو متغیر ہو کر بدبودار ہو گئی ہو اور مسنون کا معنی ہے: مَضْبُوبٌ یعنی گیلی مٹی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ لَمْ أَكُنْ لَأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ (الحجر: ۲۳)

امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ حَمَاءُ حَمَاءٌ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: بدبودار کیچڑ اور امام ابو عبیدہ نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ مسنون کا معنی ہے: گیلی مٹی اور صَلْصَالٌ کا معنی ہے: خشک مٹی۔

تَوَجَّلَ تَخَفٌ۔
تَوَجَّلَ کا معنی تَخَفٌ یعنی ڈرنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّكُم بِعِلْمِكُمْ لَبَشِيرٌ ۖ (الحجر: ۵۷)

انہوں نے کہا: آپ ڈریں نہیں! بے شک ہم آپ کو علم والے بیٹے کی بشارت دے رہے ہیں۔

لَا تَوَجَّلْ، وَجَلَّ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: خوف، یہ فرشتوں کا قول ہے جو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا تھا کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں کو دیکھ کر کہا تھا کہ ہم تم سے خوف زدہ ہیں، پھر فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم والے لڑکے کی بشارت دی باوجود اس بات کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی بوڑھے تھے اور ان کی بیوی بھی بوڑھی تھیں اور اس آیت میں لڑکے سے حضرت اسحاق علیہ السلام مراد ہیں اور علیہم سے مراد ہے: جس کو دین کا علم ہو یا حکمت کا علم ہو۔

ذَابِرٌ آخِرٌ۔ ذَابِرٌ کا معنی ہے: آخر اور اس سے مراد ہے: جز۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ ذَابِرَ هَوَآءٍ مَقْضُوْمٌ رَّحِمًا ۖ وَنَزَّلْنَا الذُّرُوءَ عَلَيْهِ ۖ وَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ عَاقِلٍ (النجم: ۶۶)
 رہے ہوں گے تو ان کی جز کا ث دی جائے گی ○

اس آیت میں فرمایا: ان لوگوں کی جز کا ثی ہوئی ہے یعنی اکھاڑی ہوئی ہے، اس سے مراد ہے: لوط علیہ السلام کی قوم کا انجام۔
الضَّيْحَةُ الْهَلَكَةُ۔ الضَّيْحَةُ اس کا معنی ہے: ہلاکت یعنی ایسی چنگھاڑ جس کو سن کر لوگ

ہلاک ہو جائیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَخَذَتْهُمُ الضَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ ○ (النجم: ۷۳)
 سوجب ان پر سورج چمک رہا تھا تو ایک زبردست چیخ نے ان کو پکڑ لیا ○

امام ابو عبیدہ نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے یعنی جب قوم لوط کے اوپر سورج طلوع ہوا تو ایک چنگھاڑ نے ان کو ہلاک کر دیا۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۲-۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابُ: إِلَّا مَنِ اسْتَرْقَى السَّمْعَ

فَاتَّبَعَهُ شِهَابٌ مُبِينٌ ○ (النجم: ۱۸)

چمکتا ہوا انگارہ آتا ہے ○ (النجم: ۱۸) کی تفسیر

اس آیت کی تفسیر کے لئے اس کمل آیت کو اور اس سے پہلی آیت کو جاننا ضروری ہے:

وَحَفِظْنَا بِهَا مِنَ كُلِّ شَيْطَانٍ رَّاجِئٍ ○ إِلَّا مَنِ اسْتَرْقَى السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شِهَابٌ مُبِينٌ ○

(النجم: ۱۸-۱۷) چمکتا ہوا انگارہ آتا ہے ○

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: پہلے شیطانوں کو آسمانوں سے حجاب میں نہیں رکھا جاتا تھا یعنی محفوظ نہیں رکھا جاتا تھا، پس جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کو تین آسمانوں میں جانے سے روک دیا گیا، پھر جب ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو ان کو تمام آسمانوں میں جانے سے روک دیا گیا، پھر جب ان میں سے کوئی شیطان یہ ارادہ کرتا کہ وہ چوری چھپے آسمانوں میں جا کر فرشتوں کی باتیں سن لے تو اس کے پیچھے ایک آگ کا شعلہ مارا جاتا جس کو شہابِ مبین فرمایا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۲)

۴۷۰۱۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ

عَنْ رُوَيْدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيُّ قَالَ إِذَا قَضَى اللَّهُ الْأَمْرَ لِي السَّيِّئِ ضَرَبَتْ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ كَالسِّلْسِلَةِ عَلَى صَفْوَانٍ قَالَ عَلَيْهِ وَقَالَ غَيْرُهُ صَفْوَانٍ يَنْفُذُهُمْ ذَلِكَ فَإِذَا فُزِعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الَّذِي قَالَ الْحَقُّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ فَيَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُو السَّمْعِ وَمُسْتَرِقُو السَّمْعِ هَكَذَا وَاحِدٌ فَوْقَ آخَرَ وَوَصَفَ سُفْيَانُ بِيَدِهِ وَفَرَجَ بَيْنَ أَصَابِعِ يَدِهِ الَّتِي نَصَبَهَا بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ فَرَبَّنَا أَدْرَكَ الشَّهَابُ السُّتَيْغَ قَبْلَ أَنْ يَزُومَ بِهَا إِلَى صَاحِبِهِ فَيُخْرِقُهُ وَرَبَّنَا لَمْ يُذِرْكَهُ حَتَّى يَزُومَ بِهَا إِلَى الَّذِي يَلِيهِ إِلَى الَّذِي هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ حَتَّى يُنْقَوْهَا إِلَى الْأَرْضِ وَرَبَّنَا قَالَ سُفْيَانُ حَتَّى تَنْتَهِيَ إِلَى الْأَرْضِ فَتُلْقَى عَلَى فِمِّ السَّاحِرِ فَيَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةً كَذِبَةٍ فَيُصَدِّقُ فَيَقُولُونَ أَلَمْ يُخْبِرْنَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا يَكُونُ كَذَا وَكَذَا فَوَجَدْنَا هَٰذَا حَقًّا لِلْحِكْمَةِ الَّتِي سُبِعَتْ مِنَ السَّيِّئِ۔

[اطراف الحديث: ۳۸۰۰-۳۸۸۱]

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو از عکرمہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں، آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی بات کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے عاجزی اور اطاعت کے اظہار کے لئے اپنے پروں کو مارتے ہیں جیسے آپ کا ارشاد ہے جس طرح زنجیر کو کسی چکنے پتھر پر مارا جائے، یہ علی بن عبد اللہ کا قول ہے اور ان کے علاوہ سفیان کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ فیصلہ ان میں نافذ فرماتا ہے، پھر جب فرشتوں کے دلوں سے خوف دور ہو جاتا ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ تو وہ اس سے کہتے ہیں جس نے پوچھا تھا کہ اس نے حق فرمایا اور وہ بلند اور بزرگ ہے، پس اس بات کو چوری چھپے سننے والے بھی سن لیتے ہیں اور اس طرح ایک کے بعد دوسرا سن لیتا ہے۔ سفیان نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان کشادگی رکھی اور انگلیوں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھا، پھر آگ کا ایک شعلہ سننے والے کو دوسرے تک بات پہنچانے سے پہلے پکڑ لیتا ہے، پس اس کو جلا دیتا ہے اور بعض مرتبہ وہ شعلہ اس کو نہیں پکڑ پاتا حتیٰ کہ وہ شعلہ اس کے قریب نیچے والے شیطان کو پکڑ لیتا ہے حتیٰ کہ اس کو زمین پر گرا دیتا ہے اور بعض اوقات سفیان نے کہا: حتیٰ کہ وہ بات زمین تک پہنچ جاتی ہے، پھر وہ بات جادوگر کے منہ میں ڈال دی جاتی ہے، پس وہ جھوٹ بول کر اس کے ساتھ سو جھوٹ ملاتا ہے پھر کبھی وہ بات سچی ہو جاتی ہے تو لوگ کہتے ہیں: کیا اس نے فلاں دن ہم کو اس طرح خبر نہیں دی تھی کہ اس طرح واقعہ ہوگا، پس ہم نے اس کو برحق پایا اس بات کی وجہ سے جس کو آسمان سے سنا گیا تھا۔

حدیث مذکور کی شرح اور مشکل الفاظ کے معانی

علامہ بدرالدین محمود احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے: انہوں نے صراحتاً یہ نہیں کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی واسطہ ہو۔

جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی چیز کا فیصلہ فرماتا ہے: یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا حکم دیتا ہے اور یہ تقدیر کے معنی میں ہے اور

یہ لفظ پیدا کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

فرشتے اطاعت سے اپنے پر آسمان پر مارتے ہیں: اس حدیث میں خضعان کا لفظ ہے، اس کا معنی انقیاد اور طاعت ہے۔ علامہ طبری نے کہا ہے کہ جب پرندہ خوف زدہ ہوتا ہے تو اپنے پروں کو مارتا ہے۔

جیسے زنجیر کو چکنے پتھر پر مارا جائے: جو قول اللہ تعالیٰ سے سنا ہو اس کو اس سے تشبیہ دی ہے جیسے زنجیر کو چکنے پتھر پر مارا جائے جیسے بداء الوحی کے باب میں وحی کو گھنٹی کی آواز کے ساتھ تشبیہ دی تھی۔

جب ان کا خوف زائل ہو جاتا ہے تو وہ پوچھتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا تو جو فرشتے جواب دیتے ہیں: وہ ملائکہ مقررین ہیں جیسے جبریل اور میکائیل وغیرہ، چنانچہ سنن ابوداؤد میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب اللہ عزوجل وحی کے ساتھ کلام کرتا ہے تو فرشتے ایسی آواز سنتے ہیں جیسے زنجیر کو چکنے پتھر پر مارنے سے آتی ہے، پس وہ بے ہوش ہو جاتے ہیں، پس وہ اسی طرح بے ہوش رہتے ہیں حتیٰ کہ ان کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آتے ہیں، پس جب حضرت جبریل علیہ السلام آتے ہیں تو ان کے دلوں سے خوف دور ہو جاتا ہے۔ پس وہ کہتے ہیں: اے جبریل! آپ کے رب نے کیا فرمایا: حضرت جبریل کہتے ہیں: حق فرمایا ہے تو فرشتے بھی کہتے ہیں: حق فرمایا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے قضا و قدر کے متعلق اللہ تعالیٰ کے قول کو حق سے تعبیر کیا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں حق سے مراد وہ ہو جو باطل کے مقابلے میں ہوتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ قول ہو جو لوح محفوظ میں لکھا ہو تو یہاں حق کا معنی ہے: جو لوح محفوظ میں ثابت ہو۔

سفیان نے اشارہ سے بتایا: کہ جس طرح یہ ہاتھ کی انگلیاں ایک دوسرے کے اوپر ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی وحی کو چوری چھپے سننے والے بھی ایک دوسرے پر سوار ہوتے ہیں۔

بعض اوقات شعلہ سننے والے کو پکڑ لیتا ہے: اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ شہاب سے مراد آگ کا شعلہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ روشن ستارے ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّا زَيْنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةِ الْكَوَكِبِ ۖ وَحِفْظًا مِن
كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِجٍ ۝ (الصفت: ۶-۷)

فرمایا O اور (اسے) ہر سرکش شیطان سے محفوظ رکھنے کے لئے

(بھی مزین فرمایا) O

اس کو اس کی روشنی اور آگ کی مشابہت کی وجہ سے شہاب کہا گیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ شہاب آگ کا شعلہ ہے۔

بعض اوقات سفیان نے کہا: پس وہ بات جادوگر کے منہ تک پہنچ جاتی ہے: یہاں جادوگر سے مراد نجومی ہے اور سورۂ سبأ میں ہے: جادوگر یا کاہن کی زبان۔ اور سنن سعید بن منصور میں سفیان سے روایت ہے کہ جادوگر یا کاہن کے منہ تک وہ بات پہنچ جاتی ہے، پس وہ ساحر اس بات کے ساتھ کئی جھوٹ ملا دیتا ہے اور اس وجہ سے ساحر کی جھوٹی باتوں کی تصدیق کی جاتی ہے اور سننے والے کہتے ہیں کہ جادوگر نے ہم کو فلاں فلاں دن یہ یہ بات بتائی تھی، یہ ان خرافات سے کتنا یہ ہے جن کا جادوگر ذکر کرتے ہیں، پس آسمان سے جو بات سنی گئی تھی اس کی وجہ سے وہ جادوگر کی تمام باتوں کو حق قرار دیتے ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵-۱۳)

۴۷۰۱۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ
حَدَّثَنَا عَمْرُو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ إِذَا قَطَعَ اللَّهُ
الْأَمْرَ وَزَادَ وَالْكَاهِنَ وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابو ہریرہ

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ قَالَ عَمْرُو سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ
حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ إِذَا قَضَى اللَّهُ الْأَمْرَ قَالَ عَلَى
فِيم السَّاحِرِ قُلْتُ لِسُفْيَانَ أَنْتَ سَمِعْتَ عَمْرُو قَالَ
سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ
لِسُفْيَانَ إِنَّ إِنْسَانًا رَوَى عَنْكَ عَنْ عَمْرُو عَنْ عِكْرِمَةَ
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَيَرْفَعُهُ أَنَّهُ قَرَأَ قُرْآنًا قَالَ سُفْيَانُ هَكَذَا
قَرَأَ عَمْرُو فَلَا أَدْرِي سَمِعَهُ هَكَذَا أَمْ لَا قَالَ سُفْيَانُ
وَهِيَ قَرَأَتُنَا

میں نے وہ بیان کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے
اور اس حدیث میں کاہن کا اضافہ ہے، اور ہمیں علی بن عبد اللہ نے
حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان
کی، انہوں نے بیان کیا کہ عمرو نے کہا: میں نے عکرمہ سے سنا،
انہوں نے کہا: ہمیں حضرت ابو ہریرہ نے حدیث بیان کی، وہ
بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے، اور
انہوں نے بیان کیا کہ یہ بات جادوگر کے منہ میں ڈال دی جاتی
ہے، علی بن عبد اللہ نے کہا: میں نے سفیان سے پوچھا: کیا تم نے
یہ خود عمرو سے سنا تھا؟ انہوں نے کہا: میں نے عکرمہ سے سنا، انہوں
نے کہا: میں نے حضرت ابو ہریرہ سے سنا، انہوں نے کہا: ہاں!
میں نے سفیان سے کہا کہ ایک انسان آپ سے روایت کرتے
ہیں از عمرو از عکرمہ از حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو ہریرہ اس
حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں انہوں نے (فُزِعَ کی
بجائے) فُزِعَ پڑھا ہے۔ سفیان نے کہا: اسی طرح عمرو نے پڑھا
تھا، پس میں نہیں جانتا انہوں نے اسی طرح سنا تھا یا نہیں، سفیان
نے کہا: یہی ہماری قراءت ہے۔

امام بخاری نے حدیث مذکور کی ایک اور سند بیان کی ہے جس میں یہ تصریح ہے کہ عکرمہ نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ سے سنی
تھی اور اس سند کے ساتھ حدیث میں کچھ لفظی اختلاف بھی ہے کیونکہ پہلی سند کے ساتھ حدیث میں فُزِعَ تھا اور اس حدیث کی سند
کے ساتھ فُزِعَ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بے شک وادی حجر کے رہنے

والوں نے رسولوں کی تکذیب کی ○ (الحجر: ۸۰)

کی تفسیر

۲۔ بَابُ: وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ

الْحَجَرِ الْمُرْسَلِينَ ○ (الحجر: ۸۰)

الحجر کا محل وقوع اور مرسلین کی تکذیب کی توجیہ

علامہ عینی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں حجر کا لفظ ہے یعنی وادی اور یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کا شہر ہے اور یہ مدینہ اور شام کے درمیان ہے۔ علامہ
طہطبی نے کہا: مرسلین سے مراد فقط حضرت صالح علیہ السلام ہیں۔ علامہ زنجشیری نے بتایا: اس کو جمع سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس نے
کسی ایک رسول کی تکذیب کی تو گویا اس نے تمام رسولوں کی تکذیب کی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی بھی
تکذیب کی اور ان کے ساتھ جو دوسرے مومنین تھے ان کی بھی تکذیب کی، دوسرے جواب پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں مذکور

ہے کہ انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ جو منین تھے وہ رسول نہیں تھے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵)

۳۷۰۲۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ التُّنْدِ حَدَّثَنَا مَعْنُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لِأَصْحَابِ الْحِجْرِ لَا تَدْخُلُوا عَلَى هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا بَاكِينَ فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَهُمْ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از عبد اللہ بن دینار از حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اصحاب حجر کے متعلق ارشاد فرمایا: ان لوگوں پر صرف روتے ہوئے گزرو اور اگر تم رونہ سکو تو پھر ان پر نہ گزرو، کہیں ایسا نہ ہو تو کہ تم پر بھی ایسا عذاب آئے جیسا کہ ان پر عذاب آیا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۴۳۳ میں گزر چکی ہے۔

اصحاب حجر سے فرمایا: یعنی رسول اللہ ﷺ نے ان اصحاب سے فرمایا جو وادی حجر میں گئے تھے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۶)

۳۔ بَابُ: وَلَقَدْ أَتَيْتُكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ۝ (الحجر: ۸۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بے شک ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو دوبار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا ۝ (الحجر: ۸۷) کی تفسیر

سبعاً من المثنائی کی متعدد تفاسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي: اس سے مراد سورہ فاتحہ ہے، یہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور تابعین میں سے حسن بصری، مجاہد، قتادہ، ربیع اور کلبی کا بھی قول ہے اور یہ حدیث مرفوعہ سے بھی ثابت ہے جیسے ان شاء اللہ عنقریب آئے گا۔

سورہ فاتحہ کو سبعا کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں سات آیات ہیں اور مثنائی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورت دوبار نازل ہوئی ہے، ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سات قافلے ایک دن میں بنو قریظہ اور بنو النضیر کے لئے انواع و اقسام کے ساز و سامان لے کر آئے جس میں نفیس جواہر تھے تو مسلمانوں نے انہیں دیکھ کر کہا: اگر یہ اموال ہمارے لئے ہوتے تو ہم ان اموال سے قوت حاصل کرتے اور ان اموال سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تو اللہ تعالیٰ نے الحجر: ۸۷ نازل فرمائی کہ سورہ فاتحہ کی سات آیات تمہارے لئے ان سات قافلوں سے بہتر ہیں کیونکہ اس کے بعد والی آیت میں فرمایا ہے:

لَا تُؤْثِرُونَ عَيْنِيكَ إِلَى مَا مَتَّعْنَاهُمْ أَزْوَاجًا وَلَهُمْ وَلَا تَحْزَنُ عَلَيْهِمْ۔ (الحجر: ۸۸)

اور آپ اس متاع (دنیاوی) کی طرف (رشتک سے) نہ دیکھیں جو ہم نے کافروں کے کئی گروہوں کو دی ہے اور نہ ان کافروں پر افسوس کریں۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سورہ فاتحہ کو مثنائی اس لئے کہا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جب چھینک آئی تو انہوں نے کہا: الحمد للہ اور

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا جنت میں آخری کلام بھی یہی ہوگا:

وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (یونس: ۱۰)

اور الحمد للہ رب العالمین پر ان کی دعا ختم ہوگی ۝

اور بعض مفسرین نے کہا: السبع المثانی سے مراد سات لمبی سورتیں ہیں: (۱) البقرة (۲) آل عمران (۳) النساء (۴) المائدہ (۵) الانعام (۶) الاعراف (۷) الانفال اور التوبہ۔ یہ دونوں ایک سورت ہیں اس لئے ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی گئی اور یہ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور تابعین میں سے سعید بن جبیر اور ضحاک کا قول ہے، اس کے بعد القرآن العظیم فرمایا ہے اور یہ عام کا خاص پر عطف ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۷-۱۶)

۴۷۰۳۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ بْنِ الْمَعْلَى قَالَ مَرَّ بِالنَّبِيِّ ﷺ وَأَنَا أَصَلِّي قَدَعَانِ فَلَمَّ آتَهُ حَتَّى صَلَّيْتُ ثُمَّ أَتَيْتُ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَأْتِيَنِي فَقُلْتُ كُنْتُ أَصَلِّي فَقَالَ أَلَمْ يَقُلِ اللَّهُ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْجُدُوا لِلَّهِ وَاللَّسُّوْلَ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ﴾ (انفال: ۲۴) ثُمَّ قَالَ أَلَا أَعْلَمُكَ سُورَةً فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ أَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَذَهَبَ النَّبِيُّ ﷺ لِيَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَذَكَرَتْهُ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِ وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أَوْتِيْتَهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از خبیب بن عبد الرحمن از حفص بن عاصم از حضرت ابو سعید بن المعلى انہوں نے کہا: نبی ﷺ میرے پاس سے گزرے اور میں اس وقت نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے مجھے بلایا تو میں آپ کے پاس نہیں آیا حتیٰ کہ میں نے نماز پوری کی، پھر میں آپ کے پاس آیا: آپ نے پوچھا: تمہیں (فورا) میرے پاس آنے سے کیا چیز مانع تھی؟ میں نے عرض کیا، میں نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا، اے ایمان والو! جب اللہ اور اس کا رسول بلائیں (تو فوراً آ جاؤ) (انفال: ۲۴)، پھر فرمایا: کیا میں تم کو قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت کی تعلیم نہ دوں اس سے پہلے کہ میں مسجد سے نکلوں، پھر نبی ﷺ کو مسجد سے نکلتے وقت خیال نہیں رہا تو میں نے آپ کو یاد دلایا تو آپ نے فرمایا: الحمد للہ رب العالمین، یہ السبع المثانی ہے اور وہ قرآن مجید ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۷۰۳ میں گزر چکی ہے۔

۴۷۰۴۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذَنْبٍ حَدَّثَنَا سَعِيدُ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَمَّا الْقُرْآنُ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِ وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذنب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید مقبری نے حدیث بیان کی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ام القرآن ہی السبع المثانی ہے اور قرآن عظیم ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۱۳۵۷، سنن ترمذی: ۳۱۲۳)

سورۃ فاتحہ کو ام القرآن کہنے کی توجیہ

السبع المثانی سے مراد سورۃ فاتحہ ہے اور اس کو ام القرآن اس لئے فرمایا ہے کہ یہ قرآن مجید کے ان معانی پر مشتمل ہے: اللہ عزوجل کی ثناء، اللہ عزوجل کے احکام پر عمل کرنے کا ذکر اور وعدہ اور وعید اور اس میں اصول ثلاثہ کا ذکر ہے اور وہ مبداء، معاش اور عاقبت اور اس حدیث میں ابن سیرین کے اس قول کا رد ہے کہ سورۃ فاتحہ کو ام القرآن نہ کہو کیوں کہ ام الکتاب تو صرف لوح محفوظ

ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۷)

۴۔ بَابُ: الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ

عِضِينَ ⑩ (الحجر: ۹۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جنہوں نے قرآن کو
(کچھ مان کر اور کچھ نہ مان کر) ٹکڑے ٹکڑے
کر دیا ⑩ (الحجر: ۹۱) کی تفسیر

اس سے پہلی آیت اور یہ آیت درج ذیل ہے:

وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ⑨ كَمَا أَنزَلْنَا عَلَى

الْمُتَشَبِّهِينَ ⑩ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ⑩

(الحجر: ۸۹-۹۰-۹۱)

ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ⑩

اور آپ کہیں: میں ہی علی الاعلان ڈرانے والا ہوں ⑨ جیسا کہ ہم
نے ان پر (عذاب) نازل کیا جو (اپنی کتاب کو) تقسیم کرنے
والے تھے ⑩ جنہوں نے قرآن کو (کچھ مان کر اور کچھ نہ مان کر)
ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ⑩

یعنی اے محمد! آپ کہئے کہ میں اللہ کے کھلے ہوئے عذاب سے ڈرانے والا ہوں جیسا کہ ہم نے ان پر عذاب نازل کیا جو اپنی
کتاب کو تقسیم کرنے والے تھے۔

عِضِينَ کا معنی ہے: اعضاء متفرقة، جب تم کسی چیز کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو تو کہتے ہو: عَضَيْتُ الشَّيْءَ یعنی میں نے اس چیز کے
ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۸)

الْمُتَشَبِّهِينَ کا معنی ہے: جن لوگوں نے قسم کھائی تھی۔

الْمُتَشَبِّهِينَ الَّذِينَ حَلَفُوا۔

ان کو المتشبهین اس لئے فرمایا ہے کہ یہ لوگ قرآن مجید کے ساتھ استہزاء کرتے تھے، ان میں سے ایک شخص کہتا کہ فلاں
سورت میرے لئے ہے اور دوسرا کہتا: فلاں سورت میری ہے۔ مجاہد نے کہا: انہوں نے اپنی کتاب کے حصے کر دیئے تھے، پس ان
میں سے بعض قرآن مجید کے کسی حصے پر ایمان لاتے اور دوسرے حصے کا کفر کرتے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی تقسیم کر دی تھی، پس ان میں سے بعض کہتے کہ قرآن مجید جادو ہے اور دوسرے
کہتے کہ یہ قرآن شعر ہے، ان میں سے کوئی کہتا کہ قرآن میں پچھلوں کے قصے ہیں اور دوسرا کہتا کہ یہ جھوٹ ہے اور جادو ہے۔

مقاتل نے کہا: یہ سولہ (۱۶) مرد تھے جن کو ولید بن مغیرہ نے حج کے ایام میں بھیجا، انہوں نے مکہ کے راستوں اور گلیوں کو تقسیم
کر لیا اور ان کے دروازوں پر بیٹھ گئے، پس جب کوئی حج کرنے والا آتا تو ایک فریق ان میں سے کہتا کہ جو شخص ہم میں سے خارج

ہو چکا ہے اس سے دھوکہ میں نہ آنا وہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور بے شک وہ مجنون ہے اور دوسری جماعت ایک اور راستے پر بیٹھ کر کہتی
کہ وہ کاہن ہے اور ان میں سے کوئی کہتا کہ وہ شاعر ہے اور ولید مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاتا اور وہاں انہوں نے ایک کاہن کو بیٹھ

رکھا تھا، پس جب ان سے رسول اللہ ﷺ کے متعلق کوئی سوال کرتا تو ولید بن مغیرہ کہتا کہ یہ لوگ سچ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان
غزوہ بدر کے دن ہلاک کر دیا اور کچھ کو غزوہ بدر سے پہلے مختلف آفات میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا۔

اور اسی سے ہے: لَا أَقْسِمُ یعنی میں قسم کھاتا ہوں لَا أَقْسِمُ بھی قسم
جاتا ہے۔

اور مقتسبین کے معنی سے لَا أَقْسِمُ ماخوذ ہے، اس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ مقتسبین کے معنی میں قسم ہے ماسی وجہ سے

بخاری نے اس سے پہلی تعلیق میں یہ کہا تھا کہ مقتسمین کا معنی ہے: وہ لوگ جنہوں نے قسم کھائی۔ امام بخاری نے یہ صحیح نہیں کہا کیونکہ مقتسمین، اقتسام سے بنا ہے نہ کہ قسم سے، لہذا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ لَا أَقْسِمُ، مقتسمین سے بنا ہے کیونکہ لَا أَقْسِمُ میں لَا کا لفظ زائد ہے۔

لَا أَقْسِمُ بِبَيْتِهِ الْقِيَمَةِ ① (القیامہ: ۱) کی تفسیر میں امام ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ یہ مجاز ہے اور اس کا معنی ہے: میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ لَا کا لفظ اپنے معنی پر ہے یعنی میں اس طرح قسم نہیں کھاتا اور اس طرح قسم نہیں کھاتا بلکہ اس طرح قسم کھاتا ہوں اور یہ لَا أَقْسِمُ بھی پڑھا جاتا ہے لام تاکید کے ساتھ۔

وَقَاسَهُمَا حَلْفَ لَهُمَا وَلَمْ يَخْلِفَالَهُ۔
قَاسَهُمَا یعنی ابلیس نے حضرت آدم اور حضرت حواء کے لئے قسم کھائی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَاسَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ ② (الاعراف: ۲۱) اور ان سے قسم کھا کر کہا کہ بے شک میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں ○
یعنی قاسما باب مفاعله ہے جو مشارکت کے لئے ہوتا ہے لیکن یہاں وہ اپنی اصل پر نہیں ہے اور یہ معنی نہیں ہے کہ ابلیس نے ان کے سامنے قسم کھائی اور ان دونوں نے اس کے سامنے قسم کھائی بلکہ صرف یہ معنی ہے کہ ابلیس نے ان کے سامنے قسم کھا کر یہ کہا تھا: (اے آدم و حوا!) تمہارے رب نے اس درخت سے تمہیں نہیں روکا مگر صرف اس لئے کہ کہیں تم فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والے میں سے ہو جاؤ۔ (الاعراف: ۲۰)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَقَاسَمُوا تَخَالَفُوا۔
اور مجاہد نے کہا: تَقَاسَمُوا کا معنی ہے: تَخَالَفُوا یعنی ان سب نے قسم کھائی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ۔ (النمل: ۴۹)
انہوں نے کہا: سب آپس میں اللہ کی قسمیں کھا کر عہد کر لو کہ ہم ضرور رات کو صالح اور ان کے گھر والوں پر شب خون مار دیں گے۔
الفریابی نے بھی اسی طرح روایت کی ہے، اس تعلیق سے اور تعلیق سابق سے امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ ان کے مذہب کو تقویت دی جائے کہ جنہوں نے کہا ہے کہ لفظ مقتسمین قسم سے ماخوذ ہے قِسْمَةٌ سے ماخوذ نہیں ہے اور یہ تفسیر جمہور مفسرین کی تصریحات کے خلاف ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۹-۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۷۰۵۔ حَدَّثَنِي يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا أَبُو بَشِيرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ قَالَ هُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ جَزُؤُهُ أَجْزَاءُ فَأَمَنُوا بِبَعْضِهِ وَكَفَرُوا بِبَعْضِهِ۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو بشر نے خبر دی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ جن لوگوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، حضرت ابن عباس نے بتایا کہ وہ اہل کتاب ہیں، انہوں نے قرآن مجید کے کئی حصے کر دیئے، پس بعض پر وہ ایمان لائے اور بعض کا انہوں نے کفر کیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۳۹۴۵ میں گزر چکی ہے۔

۴۷۰۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى عَنْ الْأَعْمَشِ
عَنْ أَبِي ظَبْيَانَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا
﴿كَمَا أُنْزِلْنَا عَلَى الْمُتَشَبِّهِينَ﴾ (الحجر: ۹۰) قَالَ
آمَنُوا بِبَعْضٍ وَكَفَرُوا بِبَعْضٍ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث
بیان کی از الأعمش از ابی ظبیان از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما،
انہوں نے گما اُنزلنا علی المتشبهین ﴿۹۰﴾ (الحجر: ۹۰) کی تفسیر
میں کہا کہ یہود و نصاریٰ قرآن مجید کی بعض آیات پر ایمان لائے
اور بعض آیات کا کفر کیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۹۴۵ میں گزر چکی ہے۔

۵۔ بَابُ: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ
الْيَقِينُ ﴿۹۹﴾ (الحجر: ۹۹)
اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اپنے رب کی عبادت کرتے
رہئے حتیٰ کہ آپ کے پاس پیغام اجل آجائے ○
(الحجر: ۹۹) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
صحابہ کرام نے بتایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر یہ وحی نہیں کی گئی کہ میں مال جمع کروں اور
تاجروں میں سے ہو جاؤں لیکن مجھ پر یہ وحی کی گئی ہے:
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ﴿۱﴾ وَاعْبُدْ
رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿۹۹﴾
سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے اور سجدہ کرنے
والوں میں سے رہئے ○ اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے حتیٰ
کہ آپ کے پاس پیغام اجل آجائے ○ (الحجر: ۹۹-۹۸)

سالم نے کہا: یقین سے مراد موت ہے۔

سالم سے مراد ہے: حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب کے بیٹے رضی اللہ عنہما، اس تعلیق کی اسحاق بن ابراہیم نے اپنی سند کے ساتھ
سالم سے روایت کی ہے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

موت پر یقین کے اطلاق کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ام العلاء کی حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن
مظعون کے متعلق فرمایا: ان کے پاس یقین آگیا ہے اور میں ان کے لئے خیر کی توقع کرتا ہوں۔ بخاری کے بعض شارحین نے امام
بخاری پر اعتراض کیا ہے کہ یقین موت کے اسماء میں سے نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا: میں کہتا ہوں کہ امام بخاری پر یہ اعتراض
لازم نہیں آتا کیونکہ امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں
بہترین زندگی گزارنے والا وہ شخص ہے جو اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے رہا حتیٰ کہ اس کے پاس یقین آگیا اور وہ شخص لوگوں
میں سے صرف خیر پر ہے اور یہ سالم کے قول پر عمدہ شاہد ہے، نیز قرآن مجید میں ہے:

وَكُنَّا نَكْذِبُ يَوْمَ الدِّينِ ﴿۱﴾ حَتَّى أَتَيْنَا الْيَقِينَ ﴿۲﴾
اور ہم حساب کے دن کو جھٹلاتے تھے ○ یہاں تک کہ ہمیں موت آ
گئی ○ (الدھر: ۴۷-۴۶)

اس آیت میں بھی موت کے اوپر یقین کا اطلاق کیا گیا ہے اور یقین پر موت کا اطلاق مجاز ہے کیونکہ موت کے متعلق کوئی شک نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۶۰، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی نصرت سے سورۃ الحجج کی تفسیر ختم ہوئی، اب ان شاء اللہ سورۃ النحل کی تفسیر شروع ہوگی۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۶۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ النَّحْلِ

سورة النحل کی تفسیر

سورة النحل کا تعارف

ہمام نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور سعید نے ان سے روایت کی ہے کہ اس سورت کا اول حصہ مکی ہے: **الَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا (النحل: ۴۱)** تک اور پھر اس آیت سے لے کر اخیر سورت تک مدنی ہے اور سدی نے کہا: یہ سورت مکی ہے سوا اس ایک آیت کے: **وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهِ (النحل: ۱۲۶)** اور سفیان نے کہا کہ یہ سورت مکی ہے۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ سورت مکی ہے سوا تین آیتوں کے جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد نازل ہوئی تھیں: **وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا (النحل: ۹۵)** الآیات۔ اور ایک روایت میں ہے کہ تین آیتوں کے سوا یہ سورت مکی ہے، وہ آیتیں مکہ اور مدینہ کے درمیان نازل ہوئیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ سے واپس جا رہے تھے۔

اس سورت میں ایک سواٹھائیس (۱۲۸) آیتیں ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

رُوحُ الْقُدُسِ جِبْرِيلُ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ۔ رُوحُ الْقُدُسِ سے مراد ہے: حضرت جبرئیل علیہ السلام، قرآن مجید میں ہے: اس قرآن کو الروح الامین نے نازل کیا O (الشعراء: ۱۹۳)

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ۔ آپ کہئے: اس کو روح القدس نے آپ کے رب کی جانب سے (النحل: ۱۰۲) حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔

امام طبری نے محمد بن الکعب قرظی سے روایت کی ہے کہ روح القدس حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں اور روح کی اضافت قدس کی طرف کی ہے جس کا معنی طہر اور پاکیزگی ہے اور اس سے مراد ہے: الروح القدس یعنی ایسی روح جو پاکیزہ ہے۔ روح حقیقت میں اس کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے جسم قائم ہوتا ہے اور اس میں حیات ہوتی ہے اور روح کا اطلاق قرآن پر بھی کیا گیا ہے اور رحمت پر بھی اور وحی پر بھی اور حضرت جبرئیل پر بھی کیا گیا ہے اور یہ جو امام بخاری نے کہا ہے کہ قرآن کو روح الامین نے نازل کرنا ہوتا ہے یہ اس لئے کہا کہ روح القدس سے مراد حضرت جبرئیل ہیں۔ یہ قرآن سے ثابت ہے اور ضحاک نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ روح القدس سے مراد وہ اسم ہے جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ امام ابن ابی حاتم نے اس حدیث کی سند ضعیف سے روایت کی ہے۔ حضرت جبرئیل کی صفت امین ہے کیونکہ انہیں جو پیغام دے کر رسولوں کے پاس بھیجا جاتا تھا وہ اس پیغام کو پہنچانے میں امین تھے۔

لِيُضَيِّقَ يُقَالَ أَمْرٌ ضَيِّقٌ وَمِثْلُ هَذَيْنِ وَهَوَيْنِ لِيُضَيِّقَ (تنگی میں)، کہا جاتا ہے: أَمْرٌ ضَيِّقٌ وَضَيِّقٌ جیسے هَوَيْنِ اور هَوَيْنِ ہے اور لَوَيْنِ اور لَوَيْنِ اور مَوْنٌ اور مَوْنٌ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿١٤﴾ (النحل: ۱۴)

امام بخاری نے کہا ہے: کہا جاتا ہے: اَمْرٌ ضَيْقٌ وَضَيْقٌ، اس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ یہاں پر دو لغتیں ہیں: ایک تشدید کے ساتھ اور ایک تخفیف کے ساتھ، اسی طرح باقی مثالوں کا بھی یہی محمل ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِي تَقْلِبِهِمْ اخْتِلَافِهِمْ۔ حضرت ابن عباس نے کہا ہے: تَقْلِبِهِمْ کا معنی ہے: ان کا اختلاف۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیات کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَفَاَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْبِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٥﴾
أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقْلِبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿١٦﴾ (النحل: ۱۵-۱۶)

جو لوگ بری سازشیں کرتے ہیں کیا وہ اس بات سے بے خوف ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر وہاں سے عذاب لے آئے جہاں سے عذاب آنے کا انہیں وہم و گمان بھی نہ ہو ○ یا ان کو چلتے پھرتے پکڑ لے، سو وہ خدا کو عاجز نہیں کر سکتے ○

علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ ان آیات کا معنی یہ ہے جب وہ رات یا دن میں کہیں چل پھر رہے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اچانک ان کو عذاب میں پکڑ لے گا۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَبِيدُ تَكْفًا۔ مجاہد نے کہا ہے: تَبِيدُ کا معنی ہے: جھکنا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَايَ أَنْ تَبِيدَ بِكُمْ۔ اور اس نے زمین میں پہاڑوں کو نصب کر دیا تاکہ زمین تمہارے ساتھ (ایک طرف) جھک نہ جائے۔ (النحل: ۱۵)

اس تعلق کو ابو محمد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

مُفَرِّطُونَ مُتْسِئُونَ۔ مُفَرِّطُونَ کا معنی ہے: جو لوگ بھلا دیئے گئے ہوں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا جَرَمَ أَنْ لَهُمُ النَّارُ وَأَنْتُمْ مُفَرِّطُونَ ﴿١٧﴾ (النحل: ۱۷)

بے شک ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے اور وہ (اس میں) سب سے پہلے بھیجے جائیں گے ○

امام بخاری نے کہا ہے کہ مُفَرِّطُونَ کا معنی مُتْسِئُونَ ہے اور امام طبری نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں سستی اور کمی کرتے تھے اور برے کاموں میں بہت زیادہ کوشش کرتے تھے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ هَذَا مُقَدَّمٌ وَمُؤَخَّرٌ وَذَلِكَ أَنَّ الْإِسْتِعَاذَةَ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَمَعْنَاهَا الْإِعْتِصَامُ بِاللَّهِ وَقَالَ غَيْرُهُ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ هَذَا مُقَدَّمٌ وَمُؤَخَّرٌ وَذَلِكَ أَنَّ الْإِسْتِعَاذَةَ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَمَعْنَاهَا الْإِعْتِصَامُ بِاللَّهِ۔ اور مجاہد کے غیر نے کہا: فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ (النحل: ۹۸) یعنی جب تم قرآن پڑھو تو اعوذ باللہ پڑھو، اس آیت میں تقدیم اور تاخیر ہے کیونکہ اعوذ باللہ قرآن مجید پڑھنے سے پہلے پڑھی جاتی ہے اور اس کا معنی ہے: اللہ کی پناہ میں آنا۔

وَقَالَ غَيْرُهُ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ هَذَا مُقَدَّمٌ وَمُؤَخَّرٌ وَذَلِكَ أَنَّ الْإِسْتِعَاذَةَ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَمَعْنَاهَا الْإِعْتِصَامُ بِاللَّهِ۔

یہ امام بخاری کی تقریر ہے اور جمہور نے یہ کہا ہے کہ اس آیت کے شروع میں یہ لفظ محذوف ہے کہ جب تم قرآن پڑھنے کا ارادہ کرو تو اللہ کی پناہ طلب کرو حتیٰ کہ علامہ ابن ملقن نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے سو اس کے جو حضرت ابو ہریرہ، داؤد ظاہری اور امام مالک سے مروی ہے کہ قرآن مجید پڑھنے کے بعد اعوذ باللہ پڑھی جائے تاکہ ظاہر قرآن پر عمل ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ غیر سے مراد امام ابو عبیدہ ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ امام بخاری کی تعلیق میں غیثۃ سے پہلے مجاہد کا ذکر ہے، اس کا معنی ہوگا: مجاہد کے غیر نے کہا کہ ابو عبیدہ نے کہا:

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تُسَيِّمُونَ تَزَعُونَ۔

حضرت ابن عباس نے کہا: تسیمون کا معنی ہے: چراتے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسَيِّمُونَ ①

جس پانی کو تم پیتے ہو اور اسی سے درخت بھی سیراب ہوتے ہیں

(النحل: ۱۰) جس میں تم موشی چراتے ہو ②

اور ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ است الابل کا معنی ہے میں نے اونٹوں کو چرایا۔

شَاكِلَتِهِ نَاجِيَتِهِ۔

شاکتہ کا معنی ہے اپنے اپنے طریقہ پر۔

یہ تعلیق اس کے بعد والی سورت میں ہے اور امام بخاری نے وہاں اس تعلیق کو پھر دہرایا ہے۔ حموی سے روایت ہے کہ

شاکتہ کا معنی ہے: نیت۔

قَصْدُ السَّبِيلِ الْبَيَانُ۔

قصد السبیل کا معنی ہے: سیدھے راستے کا بیان۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَ مِنْهَا جَاوِزٌ ۖ وَلَوْ شَاءَ

اور سیدھا راستہ اللہ تک پہنچتا ہے اور بعض راستے نیز ہے ہیں اور

لَهْدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ① (النحل: ۹)

اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو (جبرا) ہدایت دے دیتا ②

امام بخاری نے قصد السبیل کا معنی لکھا ہے: سیدھے راستے کا بیان۔ امام طبری نے لکھا ہے: اس کا معنی ہے: تمہارے

لئے حکم کو بیان کرنا اور قصد کا معنی ہے: سیدھا راستہ۔ ایک قول ہے کہ شرائع اور فرائض کا بیان، ابن المبارک نے کہا ہے: اس کا معنی

ہے: سنت۔

الدَّفْنُ مَا اسْتَدْفَأَتْ بِهِ۔

الدفن جس سے تم حرارت حاصل کرو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنْفَعَةٌ وَمِنْهَا

اور اس نے چوپاؤں کو پیدا کیا ان میں تمہارے لئے گرم کپڑے

تَأْكُلُونَ ① (النحل: ۵)

اور دوسرے فوائد ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو ②

امام بخاری نے الدفء کی تفسیر کی ہے: جن چیزوں سے تم حرارت حاصل کرو مثلاً چادریں اور مکان وغیرہ۔ الجوہری نے کہا

ہے: الدفء کا معنی ہے: گرمی اور اس آیت میں الدفء سے مراد ہے: اونٹوں کے بچے اور ان کے دودھ اور ان کے اون سے جو

نفع حاصل کیا جائے۔

تُرِيحُونَ بِالْعِشِيِّ وَتَسْرَحُونَ بِالْعَدَاةِ

تُرِيحُونَ بِالْعِشِيِّ وَتَسْرَحُونَ بِالْعَدَاةِ

لا تے ہو اور صبح کو موشی چراتے لے جاتے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْمَحُونَ ①

اور ان میں تمہارے لئے حسن و زیبائش ہے جب تم شام کو انہیں چرا کر واپس لاتے ہو اور جب صبح کو انہیں چراگاہ میں چھوڑتے ہو۔ (نحل: ۶)

یعنی شام کو تم انہیں چرا کر انہیں ان کے بازو کی طرف لاتے ہو اور صبح کو انہیں بازو سے نکال کر چراگاہ کی طرف لے جاتے ہو۔ بِشَقٍّ يَغْنَى الشَّقَّةَ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَلِّغِيهِ إِلَّا بِشَقِّ الْأَنْفُسِ۔ (نحل: ۷)

اور وہ چوپائے تمہارا سامان لاد کر اس شہر تک لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت کے خود نہیں پہنچ سکتے تھے۔

امام ابو عبیدہ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے اور کہا ہے کہ شق کا معنی مشقت ہے۔

عَنِ تَخَوُّفٍ تَنْقُصُ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَوْ يَأْخُذْهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ۔ (نحل: ۸)

یا وہ ان کو اس حال میں پکڑ لے جب وہ اپنے اعمال میں کمی کر رہے ہوں۔

حضرت ابن عباس نے اس کی یہی تفسیر کی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی خوف ہے اور اس صورت میں معنی ہوگا: یا وہ ان کو عین حالت خوف میں پکڑ لے۔

الْأَنْعَامِ لِعِبْرَةٍ وَهِيَ تَوَظُّتُ وَتَذَكَّرُ وَكَذَلِكَ النَّعَمُ

الْأَنْعَامِ لِعِبْرَةٍ وَهِيَ تَوَظُّتُ وَتَذَكَّرُ وَكَذَلِكَ النَّعَمُ

الْأَنْعَامِ لِعِبْرَةٍ وَهِيَ تَوَظُّتُ وَتَذَكَّرُ وَكَذَلِكَ النَّعَمُ

الْأَنْعَامِ لِعِبْرَةٍ وَهِيَ تَوَظُّتُ وَتَذَكَّرُ وَكَذَلِكَ النَّعَمُ

الْأَنْعَامِ لِعِبْرَةٍ وَهِيَ تَوَظُّتُ وَتَذَكَّرُ وَكَذَلِكَ النَّعَمُ

الْأَنْعَامِ لِعِبْرَةٍ وَهِيَ تَوَظُّتُ وَتَذَكَّرُ وَكَذَلِكَ النَّعَمُ

الْأَنْعَامِ لِعِبْرَةٍ وَهِيَ تَوَظُّتُ وَتَذَكَّرُ وَكَذَلِكَ النَّعَمُ

الْأَنْعَامِ لِعِبْرَةٍ وَهِيَ تَوَظُّتُ وَتَذَكَّرُ وَكَذَلِكَ النَّعَمُ

الْأَنْعَامِ لِعِبْرَةٍ وَهِيَ تَوَظُّتُ وَتَذَكَّرُ وَكَذَلِكَ النَّعَمُ

الْأَنْعَامِ لِعِبْرَةٍ وَهِيَ تَوَظُّتُ وَتَذَكَّرُ وَكَذَلِكَ النَّعَمُ

الْأَنْعَامِ لِعِبْرَةٍ وَهِيَ تَوَظُّتُ وَتَذَكَّرُ وَكَذَلِكَ النَّعَمُ

الْأَنْعَامِ لِعِبْرَةٍ وَهِيَ تَوَظُّتُ وَتَذَكَّرُ وَكَذَلِكَ النَّعَمُ

الْأَنْعَامِ لِعِبْرَةٍ وَهِيَ تَوَظُّتُ وَتَذَكَّرُ وَكَذَلِكَ النَّعَمُ

الْأَنْعَامِ لِعِبْرَةٍ وَهِيَ تَوَظُّتُ وَتَذَكَّرُ وَكَذَلِكَ النَّعَمُ

الْأَنْعَامِ لِعِبْرَةٍ وَهِيَ تَوَظُّتُ وَتَذَكَّرُ وَكَذَلِكَ النَّعَمُ

بِأَسْكُمُ فَاتَّهَا الذُّرُوعُ۔ تمہیں ہتھیاروں سے محفوظ رکھتی ہیں، اس سے مراد زرہیں ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجَعَلَ لَكُم سَرَائِیْلَ تَقِیْكُمْ الْخَرَّ وَسَرَائِیْلَ تَقِیْكُمْ۔ اور تمہارے لئے ایسے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں
بِأَسْكُمُ۔ (النحل: ۸۱)

جو قمیصیں گرمی سے بچاتی ہیں وہ سوت اور اون سے بنی ہوئی ہوتی ہیں اور یہ قمیصیں سردی سے بھی بچاتی ہیں اور جو قمیصیں
نیزوں اور تیروں کی ضرب سے بچاتی ہیں وہ لوہے سے بنی ہوئی ہوتی ہیں جن کو زرہ کہتے ہیں۔

دَخَلَا بَيْنَكُمْ كُلُّ شَيْءٍ لَمْ يَصِحَّ فَهُوَ دَخَلَ۔ دَخَلَا بَيْنَكُمْ اس کا معنی ہے: جو چیز صحیح نہ ہو اور جو چیز صحیح نہ ہو اس کو
دَخَلَ کہتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

تَشْخُذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلَا بَيْنَكُمْ۔ (النحل: ۹۲)

امام ابو عبیدہ نے کہا کہ دَخَلَ کا معنی دھوکہ دینا اور خیانت کرنا بھی ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ حَفْدَةً مَنْ وَلَدَ الرَّجُلُ۔ حضرت ابن عباس نے کہا: حَفْدَةً کا معنی ہے: مرد کی اولاد۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَرْوَاحِكُمْ بَنِينَ وَحَفْدَةً۔ (النحل: ۷۳)

مرد کی اولاد کا ذکر کیا ہے اور یہ بیٹوں، پوتوں اور ان کی اولاد کو شامل ہے۔

الشَّكْرُ مَا خَرَّ مِنْ ثَمَرِهَا وَالْبِرْزُقُ الْحَسَنُ مَا أَحَلَّ۔ الشَّكْرُ وہ ان پھلوں سے نکالا ہوا وہ مشروب ہے جس کو (نشہ آور
ہونے کی وجہ سے) حرام کر دیا گیا ہے اور رزق حسن وہ پھل ہیں
اللہ۔

جن کو حلال کر دیا گیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَشْخُذُونَ مِنْهُ سَكْرًا۔ اور ہم تمہیں کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے پلاتے ہیں تم ان
سے میٹھے مشروبات تیار کرتے ہو اور عمدہ رزق۔ (النحل: ۶۷)

الشعلبی نے کہا ہے کہ سَکْرٌ خمر ہے اور رزق حسن کھجور اور انگور ہیں، انہوں نے کہا: یہ خمر کی تحریم سے پہلے پر محمول ہے۔ حضرت

ابن مسعود، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر اور ابراہیم اور حسن کا یہی مذہب ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا کہ سَکْرٌ وہ مشروب

ہے جو ان پھلوں سے نکالا گیا ہو اور حرام ہو اور رزق حسن وہ مشروب ہے جو ان پھلوں سے نکالا گیا ہو اور حلال ہو، اور قتادہ نے کہا:

سَکْرٌ ان عجمیوں کی شرا ہیں اور رزق حسن، پس وہ نبیذ ہے اور سَکْرٌ ہے اور جن پھلوں کو تم کھاتے ہو، اور خمر کی تحریم سورہ مائدہ

کے بعد نازل ہوئی ہے۔ شعلبی نے کہا کہ سَکْرٌ وہ چیزیں ہیں جن کو پیا جاتا ہے اور رزق حسن وہ چیزیں ہیں جن کو کھایا جاتا ہے۔ حضرت

ابن عباس سے روایت ہے کہ حبشی لوگ خمر کا نام سَکْرٌ رکھتے ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ صَدَقَةَ أَنَّكَاشًا مِنْ خَزَائِنِ كَانَتْ۔ ابن عیینہ نے صدقہ سے روایت کی ہے کہ انكَاشًا کا معنی ہے:

إِذَا أَبْرَمَتْ غَزَلَهَا نَقَفَتْ۔ نکلے نکلے، یہ مکہ میں ایک عورت تھی جو مضبوط سوت بناتی تھی۔

پھر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَقَصَتْ غَزَاهُمْ بَعْدَ قُتُوهِمْ أَنْكَاكًا۔ اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوطی سے (انحل: ۹۲) کاٹنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

زنجیری نے کہا ہے کہ تم اپنی قسموں کو توڑنے میں اس عورت کی مثل نہ ہو جانا جو مضبوط سوت بناتی، پھر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی۔ امام بخاری نے کہا ہے کہ ہن خرقاء یعنی اس عورت کا نام خرقاء تھا۔ قتادہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان لوگوں کے لئے ضرب المثل بیان کی ہے جو پختہ اور مضبوط عہد کرنے کے بعد اس کو توڑ دیتے ہیں۔ مقاتل نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ عورت قرشیہ تھی اور اس کا نام ریطیہ بنت عمرو بن کعب تھا۔

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ الْأُمَّةُ مُعَلِّمُ الْخَيْرِ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اُمۃ کا معنی ہے: خیر کی یعنی نیکی کی تعلیم دینے والا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ۔ (انحل: ۱۲۰) بے شک ابراہیم (اپنی ذات میں) ایک امت تھے، اللہ کے اطاعت گزار۔

حضرت ابن مسعود نے امت کی تفسیر میں کہا ہے کہ وہ نیکی کی تعلیم دینے والا ہے۔ حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ مجاہد سے روایت ہے کہ وہ تنہا مومن تھے اور باقی تمام لوگ کفار تھے اور شہر بن حوشب سے روایت ہے کہ زمین میں ہمیشہ ایسے چودہ (۱۴) آدمی رہے ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مصائب دور کرتا ہے اور روئے زمین میں ان کی برکتیں نازل ہوتی ہیں سوا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کیونکہ وہ اپنے زمانے میں تنہا ایسے شخص تھے جو ان صفات کے حامل تھے۔ قرآن مجید میں اُمۃ کے اور بھی معانی ہیں: لوگ، جماعت، دین، وقت اور ایسا ایک شخص جو جماعت کے قائم مقام ہو۔ وَالْقَانِتُ الْبَاطِلُ۔ والقائت اس کا معنی ہے: مطیع یعنی اطاعت کرنے والا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا۔ (انحل: ۱۲۰) اللہ کے اطاعت گزار، باطل سے مجتنب۔

۱۔ بَابُ: وَمِنْكُمْ مَّنْ يَرُدُّ إِلَى

أَرَادَ لِلْعُمُرِ۔ (انحل: ۷۰) اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور تم میں سے بعض کو ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ (انحل: ۷۰) کی تفسیر

ارذل عمر کا معنی

علامہ بدرالدین محمود احمد عینی حنفی متونی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

الجوہری نے کہا ہے: رذل کا معنی ہے: گھٹیا، خسیس اور ہر چیز کا ردی جز۔ ارذل عمر کا معنی ہے: انسان کی عمر کا گھٹیا حصہ۔ سدی نے کہا ہے: سخت بوڑھا۔ قتادہ نے کہا ہے: نوے (۹۰) سال کی عمر۔ حضرت علی نے کہا: پچھتر (۷۵) سال کی عمر۔ مقاتل نے کہا ہے: بہت بوڑھا۔ عکرمہ نے کہا: جو قرآن پڑھنے والا ہو وہ ارذل عمر کی طرف نہیں لوٹایا جاتا۔ امام ابن مردودہ نے اپنی تفسیر میں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ارذل عمر ایک سو (۱۰۰) سال ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۶-۲۵)

۴۷۰۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مُوسَى أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْأَعْمُورُ عَنْ شُعَيْبٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَدْعُو أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْكَسَلِ وَأَرْذَلِ الْعُمُرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَفِتْنَةِ الدَّجَالِ وَفِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہارون بن موسیٰ ابو عبد اللہ الاعمور نے حدیث بیان کی از شعیب از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں بخل سے اور سستی سے اور ارذل عمر سے اور عذاب قبر سے اور دجال کے فتنہ سے اور زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۸۲۳ میں گزر چکی ہے، تاہم چند اہم باتیں بیان کی جا رہی ہیں:

بخل سے: یعنی مال کے حقوق سے، نبی ﷺ کا بخل سے پناہ مانگنا اس طرح ہے جس طرح آپ نے دولت کے فتنہ سے پناہ مانگی اور دولت کا فتنہ یہ ہے کہ اس کو گناہوں میں یا اسراف میں یا کسی قسم کے باطل کاموں میں خرچ کیا جائے۔

اور کسل سے یعنی سستی سے: اور وہ یہ ہے کہ کسی نیک کام کرنے کے لئے نفس کا تیار نہ ہونا اور اس میں کم رغبت کرنا۔

اور ارذل عمر سے: یعنی سخت بڑھاپے سے اور اس سے پناہ اس لئے مانگی ہے کہ عمر میں مطلوب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر کرے اور دل اور اعضاء سے اس کا شکر ادا کرے اور بڑھاپے میں چونکہ انسان اپنی قوتوں سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا اس لئے اس سے پناہ مانگنی چاہئے۔

اور زندگی کے فتنہ سے: زندگی کا فتنہ یہ ہے کہ انسان میں صبر نہ رہے اور مشکل حالات میں اللہ کی رضا نہ رہے، وہ مصائب میں مبتلا ہو اور فساد پر اصرار کرے اور ہدایت کی پیروی نہ کرے۔

اور موت کے فتنہ سے: یعنی منکر نکیر کا سوال کرنا حیرت اور خوف کے ساتھ۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۶)

اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے سورۃ النحل کی تفسیر ختم ہوئی اب ان شاء اللہ سورۃ بنی اسرائیل کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۷۱۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ

سورۃ بنی اسرائیل کی تفسیر

سورۃ بنی اسرائیل کا تعارف

قائدہ نے کہا ہے کہ یہ سورت آٹھ آیتوں کے سوا کی ہے اور وہ آٹھ آیتیں مدینہ میں نازل ہوئی تھیں اور وہ آٹھ آیتیں یہاں سے شروع ہوتی ہیں: وَإِنْ كَاذِبٌ لِّفَتْنُوكَ (بنی اسرائیل: ۷۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ علامہ سخاوی نے کہا کہ یہ سورت سورۃ القصص کے بعد سورۃ یونس (عجلوہ) سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ اس سورت میں ایک سو گیارہ آیتیں ہیں۔

۱۔ بَابُ

بَابُ

۸۰۷۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ يَزِيدَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لِي بَنِي إِسْرَائِيلَ وَالْكَهْفِ وَمَرِّمَ إِنَّهُنَّ مِنَ الْعِتَاقِ الْأُولِ وَهِنَّ مِنْ تِلَادِي فَسَيُغْفَرُونَ إِلَيْكَ رُؤُسَهُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَهْرُونَ وَقَالَ غَيْرُهُ نَغَضْتُ سَيْتَكَ أَيْ تَحَرَّكَتْ (اطراف الحديث: ۴۷۳۹-۴۷۹۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق، انہوں نے کہا: میں نے عبدالرحمن بن یزید سے سنا، انہوں نے کہا میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے کہا: بنی اسرائیل، الکھف اور مریم یہ سورتیں پہلی عمدہ سورتوں میں سے ہیں اور یہ مجھے اچھی طرح یاد تھیں۔ وہ عنقریب آپ کی طرف اپنے سروں کو ہلائیں گے (بنی اسرائیل: ۵۱) حضرت ابن عباس نے کہا اس کا معنی ہے: وہ ہلائیں گے اور دوسروں نے کہا: نَغَضْتُ سَيْتَكَ یعنی دانت بل گیا۔

مشکل الفاظ کے معانی

الْعِتَاقِ الْأُولِ: عتاق عقیق کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: قدیم یا ہر وہ چیز جو عہدگی میں انتہاء کو پہنچی ہوئی ہو، ایک جماعت نے کہا اس حدیث میں عتاق کا یہی معنی ہے۔

تِلَادِي: یعنی حضرت ابن مسعود کو یہ سورتیں شروع سے ہی حفظ تھیں، حضرت ابن مسعود کی مراد یہ ہے کہ جب انہوں نے ابتداء قرآن مجید پڑھا تھا تو ان سورتوں کو حفظ کر لیا تھا، ان سورتوں کی فضیلت یہ ہے کہ ان سورتوں میں انبیاء مہربانوں کے قصے اور ان کی امتوں کی خبریں ہیں۔

وہ عنقریب آپ کی طرف اپنے سروں کو ہلائیں گے۔ (بنی اسرائیل: ۵۱)

حضرت ابن عباس نے کہا کہ وہ استہزاء اپنے سروں کو ہلائیں گے اور ابن قتیبہ نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ وہ آپ کے ارشاد کو بعید

سمجھتے ہوئے اپنے سروں کو ہلائیں گے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۶۳)

۲۔ بَابُ: وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآءِيلَ۔

(بنی اسرائیل: ۴) تھا۔ (بنی اسرائیل: ۴) کی تفسیر

امام بخاری نے پوری آیت ذکر نہیں کی، پوری آیت اس طرح ہے:

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآءِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۴) بارز میں میں فساد کرو گے اور تم ضرور بہت بڑی سرکشی کرو گے ۝ حافظ ابن حجر عسقلانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یعنی ہم نے ان کو خبر دی تھی کہ وہ غنقریب فساد کریں گے۔

لفظ قضی کے کئی معنی ہیں: وَقَضَىٰ رَبُّكَ (بنی اسرائیل: ۲۳) یعنی آپ کے رب نے یہ حکم دیا اور اس کا معنی فیصلہ کرنا بھی ہے جیسے إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم (النمل: ۷۸) بے شک آپ کا رب ان کے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اس کا معنی پیدا کرنا بھی ہے جیسے فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سِنَوَاتٍ (حم سجدہ: ۱۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا کئے اور اس کا معنی ہے: فراغت جیسے فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ (البقرہ: ۲۰۰) یعنی جب تم افعال حج سے فارغ ہو جاؤ اور اس کا معنی تقدیر میں لکھا بھی ہے جیسے فَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا (المومن: ۶۸) یعنی جب اللہ تعالیٰ تقدیر میں کسی کام کو لکھ دیتا ہے اور اس کا معنی فیصلہ بھی ہے جیسے لَقَضَىٰ إِلَهُ رَبِّي وَبَيْنَكُمْ (الانعام: ۵۸) تو ضرور میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور اس کا معنی ہلاک کرنا بھی ہے جیسے لَقَضَىٰ إِلَهُهُمْ أَجْلَهُمْ (یونس: ۱۱) ان کی مدت حیات پوری کر دی جاتی یعنی ان کو ہلاک کر دیا جاتا اور اس کا معنی وصیت ہے جیسے وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ (بنی اسرائیل: ۲۳) اور آپ کے رب نے یہ وصیت (تاکید) کی ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور اس کا معنی موت ہے جیسے قَوْلَ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ (القصص: ۱۵) یعنی پس حضرت موسیٰ نے اس کو گھونسا مارا تو اللہ نے اس پر موت طاری کر دی اور اس کا معنی فعل ہے جیسے كَلَّا لَنَنَاقِضَ مَا آمَرْنَا ۝ (میس: ۲۳) یعنی حق بات یہ ہے کہ اس نے وہ کام نہیں کیا جس کا اسے حکم دیا اور اس کا معنی عہد ہے جیسے إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ الْأَمْرَ (القصص: ۲۴) یعنی جب ہم نے موسیٰ سے ایک کام کا عہد لیا۔

الازہری نے ذکر کیا کہ قضی کے لغت میں کئی معانی ہیں اور ان سب کا رجوع اس معنی کی طرف ہوتا ہے کہ کسی کام کو مکمل کر کے اسے منقطع کر دیا جائے۔

نَفِيرًا مِّنْ يَّنْفِرُ مَعَهُ۔

نَفِيرًا کا معنی ہے: جو شخص اس کے ساتھ روانہ ہو جائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجَعَلْنَاهُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۶)

اور ہم نے تم کو بڑا گروہ بنادیا ۝

ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ جو لوگ اس کے ساتھ جائیں اور قنادہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے: اور تم کو بڑا عدد بنادیا۔ ثعلبی نے

کہا ہے: اس کی اصل یہ ہے کہ کسی مرد کے ساتھ اس کے قبیلے والے اور گھروالے روانہ ہوں۔

مَيْسُورًا لِّنَا۔

مَيْسُورًا کا معنی ہے: نرم۔

فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ۝ (بنی اسرائیل: ۲۸)

تو ان کو کوئی نرم بات کہہ کر مال دو ۝

امام ابو عبیدہ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔ عکرمہ نے کہا ہے: ان سے اچھا وعدہ کر لو اور سدی نے کہا ہے کہ سائل سے

کہو: ہاں! اس وقت ہمارے پاس رقم نہیں ہے، پھر آئے گی تو دیں گے اور حسن بصری نے کہا: یوں کہو کہ ان شاء اللہ ہو جائے گا۔

حَصِيرًا مَحْبِسًا مَحْضَرًا۔
حصیرا اس کا معنی ہے: قید کرنے کی جگہ یعنی قید خانہ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۸)

امام بخاری نے حصیر کی تفسیر قید خانہ کے ساتھ کی ہے۔ حضرت ابن عباس نے بھی اس کی یہی تفسیر کی ہے۔
حَقٌّ وَاجِبٌ
حَقٌّ کا معنی ہے: واجب ہو گیا۔

فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَرْنَاهَا تَدْمِيرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۶) دیتے ہیں ○
پھر وہ عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں، سو ہم ان کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں ○

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ ان پر عذاب واجب ہو گیا ہے۔
خِطَاؤًا اِثْمًا وَهُوَ اِسْمٌ مِنْ خِطِئْتُ وَالْخَطَا مَفْتُوعٌ
خِطَاؤٌ یعنی گناہ اور یہ خِطِئْتُ کا اسم مصدر ہے اور خِطَاؤُجِس میں خاء
پر زبر ہے یہ گناہ کا مصدر ہے اور خِطِئْتُ کا معنی ہے: اَخْطِئْتُ یعنی
میں نے خطا کی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۳۱)
بے شک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے ○
امام بخاری نے عطا کی تفسیر گناہ کی ہے، اسی طرح امام ابو عبیدہ نے بھی تفسیر کی ہے اور امام بخاری نے کہا ہے کہ خِطَاؤُجِس کا
اسم مصدر ہے اور اہل لغت نے یہ کہا ہے کہ یہ خِطَاؤُجِس کا مصدر ہے، نیز امام بخاری نے کہا کہ خِطَاؤُجِس میں خاء پر زبر ہے یہ مصدر ہے،
یہ بھی اہل لغت کی تصریح کے خلاف ہے۔ انہوں نے کہا: یہ اسم مصدر ہے اور اس کا معنی ہے: جو کام صحیح اور صواب نہ ہو، نیز امام بخاری
نے کہا کہ خِطِئْتُ کا معنی اَخْطَاؤُجِس ہے یعنی میں نے گناہ کیا، یہ بھی اہل لغت کی تصریح کے خلاف ہے کیونکہ خطا کا لفظ جب ثلاثی مجرد
سے ہو تو اس کا معنی ہے: عدا کوئی غلط کام کرنا اور جب یہ ثلاثی مزید فیہ سے ہو تو اس کا معنی ہے: ایسا غلط کام کرنا جس میں عدا کا دخل نہ ہو۔
تَخْرِقٌ تَقْطَعُ۔
تَخْرِقٌ اس کا معنی ہے: تو زمین کو پھاڑ دے گا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَلَا تَنْشِ فِي الْأَرْضِ مَرْحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ
وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۝ (بنی اسرائیل: ۳۷)
اور زمین میں اکڑا کر نہ چلو کیونکہ نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ
ہی تم طول میں پہاڑوں تک پہنچ سکتے ہو ○
یعنی تم تمام روئے زمین کو طے نہیں کر سکو گے اور مَرْحًا کا معنی ہے: اترانا، تکبر کرنا اور فخر کرنا اور اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ کا
معنی ہے کہ تو تمام زمین کو طے کر کے اس کے آخر تک نہیں پہنچ سکتا۔

وَإِذْ هُمْ نَجْوَى مَضَدٍ مِنْ نَاجِيَةٍ قَوْصَفَهُمْ بِهَا
وَالْمَعْنَى يَتَنَاجَوْنَ۔
وَإِذْ هُمْ نَجْوَى مَضَدٍ یہ نَاجِيَةٍ کا مصدر ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت
سرگوشی کی ہے اور اس کا معنی ہے: وہ سرگوشیاں کرتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
إِذْ يَسْمِعُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوَى
(بنی اسرائیل: ۴۷) سرگوشی کرتے ہیں۔
جب وہ آپ کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں اور جب وہ آپس میں

یعنی جب وہ آپ کا کلام سنتے ہیں تو اس وقت وہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں، ان میں سے کوئی کہتا ہے کہ یہ مجنون ہیں اور کوئی کہتا ہے: یہ کاہن ہیں، کوئی کہتا ہے: یہ جادوگر ہیں، کوئی کہتا ہے: یہ شاعر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مجسم سرگوشی فرمایا حالانکہ سرگوشی کرنا ان کا فعل تھا اور یہ مبالغۃ اطلاق کرنا ہے جیسے کہا جاتا ہے: زیدٌ عدلٌ (زید سراپا عدل ہے)۔
رُفَاتَا حَطَامًا۔
رُفَاتَا اس کا معنی ہے: چوراچورا ہونا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَقَالُوا إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا إِنْ نَأْتِنَا بَعُثُونَ خَلْقًا
جَدِيدًا ۝ (بنی اسرائیل: ۴۹)
اور انہوں نے کہا: کیا جب ہم ہڈیاں ہو جائیں گے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو پھر ہم کو از سر نو بنا کر کھڑا کر دیا جائے گا؟

یعنی کفار مکہ حیات بعد الموت پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ کیا جب ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو کیا ہم کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ مجاہد نے بھی اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔
وَاسْتَفْزِزْ اسْتَفْزِزْ اس کا معنی ہے: تو اپنی آواز سے جن کو گمراہ کر سکتا ہے اور
وَالرِّجَالُ الرِّجَالُ وَاحِدًا رَاجِلٌ مِثْلُ صَاحِبٍ
اپنے گھوڑوں اور پیادوں سے بھی کام لے۔ الرجل، رجال کے
معنی میں ہے اور اس کا واحد راجل ہے جیسے الْقَصَبُ کا واحد
صاحب ہے اور التجر کا واحد تاجر ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعَتْ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمُ
بِخَيْلِكَ وَرَجُلِكَ۔ (بنی اسرائیل: ۶۴)
تو ان میں سے جن کو اپنی آواز کے ساتھ پھسلا سکتا ہے پھسلا دے
اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ چڑھائی کر دے۔
امام بخاری کی تفسیر امام ابو عبیدہ کی تفسیر کے مطابق ہے۔ کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ اس آیت میں امر تہدید کے لئے ہے یعنی
دھمکانے کے لئے ہے، مراد یہ ہے کہ تو آدم علیہ السلام کی اولاد کو اپنی ترغیب سے اور گناہوں کا وسوسہ ڈالنے کی وجہ سے گمراہ کر سکتا ہے تو
کر لے۔ حضرت ابن عباس نے کہا ہے: جو شخص بھی اللہ کی نافرمانی کی دعوت دے وہ شیطان کے لشکر میں سے ہے اور مجاہد نے کہا
ہے کہ شیطان کی آواز سے مراد ہے: غنا اور مزامیر یعنی وہ آلات موسیقی جن کو منہ سے بجایا جائے۔

حَاصِبًا الرِّيحُ الْعَاصِفُ وَالْحَاصِبُ أَيْضًا مَا تَزْمِي بِهِ
الرِّيحُ وَمِنْهُ حَصْبٌ جَهَنَّمُ يُزْمِي بِهِ فِي جَهَنَّمَ وَهُوَ حَصْبُهَا
وَيُقَالُ حَصْبٌ فِي الْأَرْضِ ذَهَبٌ وَالْحَصْبُ مُشْتَقٌّ مِنْ
الْحَصْبَاءِ وَالْحِجَارَةِ۔
حَاصِبًا اس کا معنی ہے: سخت آندھی۔ آندھی جن کنکریوں وغیرہ کو
پھینک دے ان کو بھی حاصب کہا جاتا ہے حَصْبٌ جَهَنَّمُ بھی اسی
سے ماخوذ ہے یعنی جن کافروں کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا وہ
اس کا ایندھن ہیں اور جب کوئی شخص چلا جائے تو کہا جاتا ہے
حَصْبٌ فِي الْأَرْضِ اور حَصْبٌ کا لفظ الْحَصْبَاءُ سے مشتق ہے جس کا
معنی پتھر ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُ وَالْكُفَّاءَ ۝ (بنی اسرائیل: ۶۸)
یا تمہارے اوپر پتھر برسائے، پھر تم اپنے لئے کوئی کار ساز نہ
پاؤ۔

امام بخاری نے حاصب کی تفسیر کی ہے: سخت آندھی اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ حاصب سے مراد وہ پتھر ہیں جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر برسائے گئے تھے۔ الجوہری نے کہا ہے کہ آندھی جن کنکریوں کو اڑا کر لاتی ہے ان کو حاصب کہتے ہیں۔ امام بخاری نے کہا ہے کہ حَصَبٌ، حَصْبَاءٌ سے مشتق ہے، اس سے مراد اشتقاق اصطلاحی نہیں ہے بلکہ صرف مناسبت مراد ہے۔

تَارَةً مَرَّةً وَجَمَاعَتُهُ تَبْرَةً وَتَارَاتٍ۔
تَارَةً کا معنی ہے مَرَّةً یعنی ایک مرتبہ اور اس کی جمع تَبْرَةٌ اور تَارَاتٍ آتی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَمْرًا مِّنْكُمْ أَنْ يُعِيدَ كُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَى۔
یا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ (سمندری سفر پر) بھیج دے۔ (بنی اسرائیل: ۶۹)

علامہ ابن التین نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ مناسب یہ تھا کہ امام بخاری لکھتے، تَارَةً کی جمع تَبْرَةٌ آتی ہے اور یاء پر جزم ہوتی جیسے قَاعَةٌ کی جمع قَبَائِعٌ آتی ہے۔

لَا حَتِّكَ لَأَسْتَأْصِلَنَّهُمْ يُقَالُ اخْتَنَكَ فُلَانٌ مَا عِنْدَ
لَا حَتِّكَ کا معنی ہے: تَأَسَّأْتُ صِلَتُهُمْ یعنی میں ان کو ضرور جڑ سے اکھاڑ دوں گا جیسے جب کوئی شخص کسی کا سارا علم لے لے تو کہا جاتا ہے: اخْتَنَكَ فُلَانٌ مَا عِنْدَ فُلَانٍ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَئِنْ أَخَّرْتَنِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَأَخْتَنَنَّ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۶۲)
اگر تو نے مجھے روز قیامت تک کی مہلت دی تو میں اس کی اولاد کو ضرور قابو میں کر لوں گا، سوا چند لوگوں کے ○

امام بخاری نے اخْتَنَكَ کا معنی کیا ہے: جڑ سے اکھاڑنا، اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: شیطان نے کہا: میں اولاد آدم کو گمراہ کر کے ان پر غالب آ جاؤں گا اور جب بڑیاں کسی کھیت کو چاٹ کر ختم کر دیں تو کہا جاتا ہے: اخْتَنَكَ الجرادُ الذَّرْعَ یعنی بڑیوں نے کھیت کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔

طَائِرَةٌ حَظَّةٌ۔
طَائِرَةٌ کا معنی ہے: اس کا حصہ یعنی اس کا نوشتہ تقدیر۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَكُلُّ إِنْسَانٍ لَّزَمْنَهُ طَائِرَةٌ فِي عُنُقِهِ۔ (بنی اسرائیل: ۱۳)
اور ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے۔

امام ابو عبیدہ اور قتبی نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ انسان کی خیر اور شر کا اور اچھائی اور برائی کا تقدیر میں جو بھی حصہ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ نے اس پر لازم کر دیا ہے اور گردن کا ذکر اس لئے کیا ہے جیسے گردن میں ہار ڈالا جاتا ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كُلُّ سُلْطَانٍ فِي الْقُرْآنِ فَهُوَ حُجَّةٌ۔
حضرت ابن عباس نے کہا: قرآن مجید میں سلطان کا لفظ جہاں بھی آیا ہے وہ حجت کے معنی میں ہے یعنی غلبہ کے۔

اس سورت میں سلطان کا لفظ دو مقامات پر آیا ہے جو حسب ذیل ہیں:

(۱) وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيٍّ سُلْطَانًا۔
اور جو شخص مظلوم قتل کیا گیا ہم نے اس کے وارث کو قوت دی ہے۔ (بنی اسرائیل: ۴۳)

(۲) وَاجْعَلْ لِّي مِنَ الدُّنْيَا سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝

(بنی اسرائیل: ۸۰)

وَلِيٍّ مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يُخَالِفْ اَحَدًا۔

وَلِيٍّ مِنَ الدُّنْيَا یعنی اس نے اپنی کمزوری میں کسی کو اپنا حلیف نہیں بنایا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الدُّنْيَا وَكَذٰلِكَ نَكْهِيْكُمْ ۝

(بنی اسرائیل: ۱۱۱)

اور نہ کسی کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے اور آپ اس کی کبریائی بیان کرتے رہے ۝

مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۲-۳۳، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۔ بَابُ: سُبْحَانَ الَّذِيْ اَسْمٰى بِعَبْدِهِ لَيْلًا

مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ (بنی اسرائیل: ۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ہر عیب سے پاک ہے وہ جو اپنے (مکرم) بندہ کو رات کے ایک قلیل وقفہ میں مسجد حرام سے لے گیا۔ (بنی اسرائیل: ۱) کی تفسیر

سُبْحَانَ: تسبیح کا نام ہے، اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے تسبیح کی، اس کے بعد اسمی کا ذکر ہے جس کا معنی ہے: رات کو لے

گیا، اس کے بعد پھر لیل کا ذکر ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ رات کے ایک قلیل وقت میں لے گیا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۲)

۳۷۰۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ أَخْبَرَنَا
يُونُسُ ۞ وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَالِكٍ حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ
حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ ابْنُ الْمُسَيْبِ
قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ
بِأَيُّلِيَاءَ بِقَدَحَيْنِ مِنْ خَمْرٍ وَلَبَنٍ فَنَظَرَ إِلَيْهِمَا فَأَخَذَ
الَّذِينَ قَالَ جَبْرِيلُ الْخَمْرُ لِلَّذِي هَذَاكَ لِيَلْفِطْرَةَ لَوْ
أَخَذْتُ الْخَمْرَ غَوِثَ أُمَّتِكَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی (ح) اور ہمیں احمد بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عنبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا کہ ابن المسیب نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ شب معراج جب رسول اللہ ﷺ کو ایلیاء یعنی بیت المقدس لے جایا گیا تو آپ کے پاس دو پیالے لائے گئے، ایک میں شراب تھی اور دوسرے میں دودھ تھا، آپ نے ان پیالوں کی طرف دیکھا، پھر دودھ کو لے لیا، حضرت جبریل نے کہا: اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے جس نے آپ کو فطرت کی ہدایت دی، اگر آپ شراب کا پیالہ لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۹۴ میں گزر چکی ہے۔

حدیث المعراج میں ہے کہ تین پیالے تھے اور تیسرے پیالے میں شہد تھا، علامہ عینی نے کہا ہے کہ اس میں کوئی منافات

(تضاد) نہیں ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۳)

۴۷۱۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنْ ابْنِ شَهَابٍ قَالَ أَبُو سَلَمَةَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ لَنَا كَذَّبَتْنِي قُرَيْشٌ قُتِلْتُ فِي الْحَجْرِ فَجَلَّ اللَّهُ لِي بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَطَفِقْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَأَنَا أَنْظَرُ إِلَيْهِ زَادَ يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شَهَابٍ عَنْ عَمِّهِ لَنَا كَذَّبَتْنِي قُرَيْشٌ حِينَ أُسْرِيَ بِي إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ نَحْوَهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: ابوسلمہ نے بتایا کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا کہ جب قریش نے میری تکذیب کی تو میں مقام حجر میں کھڑا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے بیت المقدس منکشف کر دیا، پھر میں بیت المقدس کو دیکھ کر انہیں اس کی نشانیاں بتاتا رہا، یعقوب بن ابراہیم نے یہ اضافہ کیا کہ ہمیں ابن شہاب کے بھتیجے نے اپنے چچا سے حدیث بیان کی کہ جب مجھے بیت المقدس کی طرف رات کو لے جایا گیا تو قریش نے میری تکذیب کی، یہ حدیث بھی اسی کی مثل ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۸۶ میں گزر چکی ہے۔

نبی ﷺ کے سامنے بیت المقدس اٹھا کر رکھنے میں آپ کی فضیلت اور خصوصیت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

میں حجر میں کھڑا ہو گیا: کعبہ کے پرٹالے کے نیچے جو جگہ ہے اس کو حجر کہتے ہیں۔ میں ان کو بیت المقدس کی نشانیاں بتا رہا تھا: آپ سے مطعم بن عدی نے کہا تھا: اگر آپ رات کو بیت المقدس جا کر ہو آئے ہیں تو آپ ہمیں اس کی نشانیاں بتائیں تو ان میں سے بعض تالیاں بجانے لگے اور بعض اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر تعجب سے دیکھنے لگے، ان میں سے بعض ایسے لوگ تھے جنہوں نے بیت المقدس تک کا سفر کیا تھا اور مسجد اقصیٰ کو دیکھا تھا تو ان میں سے کسی نے کہا: کیا آپ ہمیں بیت المقدس کی صفات بیان کر سکتے ہیں؟ تو نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ میں بیت المقدس کی صفات بیان کرنے لگا حتیٰ کہ بعض صفات مجھ پر مشتبہ ہو گئیں تو میرے سامنے بیت المقدس لا کر رکھ دی گئی تو پھر میں بیت المقدس کو دیکھ کر اس کی صفات بیان کر رہا تھا تو لوگوں نے کہا: جو آپ نے صفات بیان کی ہیں وہ درست ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۳)

میں کہتا ہوں: اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب بیت المقدس کو آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا گیا تو کیا بیت المقدس کی مسجد اپنی جگہ پر باقی نہیں رہی تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بیت المقدس اپنی جگہ قائم تھی اور نبی ﷺ کے سامنے اس کی مثال لا کر رکھ دی گئی تھی یا اصل بیت المقدس کی مسجد آپ کے سامنے لا کر رکھ دی گئی اور وہاں اس کی مثال رکھ دی گئی اور اس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کا معجزہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزہ سے زیادہ عظیم ہے کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے تخت بلقیس لایا گیا اور آپ کے لئے مسجد اٹھا کر لائی گئی اور تخت کا لایا جانا اتنی حیرت کا باعث نہیں ہے کیونکہ تخت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے لیکن کسی عمارت کو ایک جگہ سے کسی دوسری جگہ منتقل کرنا عادتا محال ہے اور اس میں یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ ہم میں اور رسول اللہ ﷺ میں یہ فرق ہے کہ ہماری توجہ کسی چیز کی طرف سے ہٹ جائے تو کچھ نہیں ہوتا اور رسول اللہ ﷺ کی توجہ کسی چیز سے ہٹ

جائے تو وہ چیز اپنی جگہ سے ہٹ جاتی ہے آپ کی توجہ بیت المقدس سے کیا ہوئی تو بیت المقدس اپنی جگہ سے ہٹ گیا! قاصفاً: وہ سخت آندھی جو ہر چیز کو اکھاڑ کر توڑ پھوڑ دیتی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَمْرُ أَمْنَتُمْ أَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُم بِمَا كَفَرْتُمْ۔ (بنی اسرائیل: ۶۹)

یا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ (سمندری سفر پر) بھیج دے، پھر تم پر تیز دند ہواؤں کے جھکڑ بھیج دے اور تمہارے کفر کے باعث تم کو غرق کر دے۔

امام بخاری نے قاصف کی تفسیر کی ہے: ایسی سخت آندھی جو اپنی شدت سے ہر چیز کو توڑ پھوڑ ڈالے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔

۴۔ بَابُ: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بے شک ہم نے اولاد آدم کو فضیلت دی (بنی اسرائیل: ۷۰) کی تفسیر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ بنو آدم کو عقل کے ساتھ دوسری مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔ ضحاک نے کہا: نطق کے ساتھ فضیلت دی ہے۔ عطاء نے کہا: اس کی فضیلت یہ ہے کہ وہ سیدھا چلتا ہے۔ یحییٰ نے کہا کہ اس کے لئے دوسری مخلوقات کو مسخر کیا گیا ہے اور اس کو کسی کے لئے مسخر نہیں کیا گیا ہے، نیز حضرت ابن عباس نے کہا: ہر مخلوق اپنا منہ کھانے تک لے جاتی ہے اور انسان کھانا اپنے ہاتھ میں لے کر منہ تک لے جاتا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۴)

كَرَّمْنَا وَكَرَّمْنَا وَاحِدٌ۔ كَرَّمْنَا اور اَكْرَمْنَا دونوں کا معنی ایک ہے۔

كَرَّمْنَا بَابُ تَفْعِيلٍ سے ہے اور اَكْرَمْنَا بَابُ اَفْعَالٍ سے ہے اور كَرَّمْنَا میں تشدید کی وجہ سے زیادہ مبالغہ ہے۔

ضِعْفُ الْحَيَاةِ عَذَابِ النَّارِ وَضِعْفُ النَّارِ ضِعْفُ الْحَيَاةِ کا معنی ہے: دنیا کی زندگی میں دگنا عذاب اور عَذَابِ النَّارِ کا معنی ہے: موت کے بعد دگنا عذاب۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِذَا لَدُّنَكَ ضِعْفُ الْحَيَاةِ وَضِعْفُ النَّارِ ثُمَّ لَا تَجِدُكَ عَلَيْهَا نَصِيرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۷۵)

تو اس وقت ہم آپ کو دنیا کی زندگی میں دگنا مزہ چکھاتے ہیں اور دگنا مزہ موت کے وقت، پھر آپ ہمارے خلاف اپنا کوئی مددگار

نہ پاتے ○

امام ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ اس آیت سے مراد ہے: دنیا اور آخرت کا عذاب اور اس سے مراد آپ کی امت کو ڈرانا ہے نہ کہ آپ کو ڈرانا تاکہ کوئی مسلمان کسی چیز میں کسی مشرک کی طرف مائل نہ ہو کیونکہ نبی ﷺ معصوم تھے اور امام ابن جوزی نے کہا: یہ آیت اور ایسی دوسری آیات نبی ﷺ کے حق میں محال ہیں اور یہاں ذکر آپ کا ہے اور مراد آپ کی امت ہے یعنی یہ ظاہر اسناد آپ کی طرف ہے اور حقیقت میں اسناد آپ کی امت کی طرف ہے اور اس کو صنعت تعریض کہتے ہیں۔

خَلَقَكَ وَخَلَقَكَ سَوَاءً۔ خَلَقَكَ اور خَلَقَكَ برابر ہے کیونکہ دونوں کا معنی ہے: آپ کے بعد۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِذَا لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۷۶) پھر یہ بھی آپ کے بعد بہت کم عرصہ ٹھہر پاتے ○

امام ابو عبیدہ نے بھی اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔
وَنَأَى تَبَاعَدًا۔

وَنَأَى کا معنی ہے: دور ہو گیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَإِذَا آتَيْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَتَأْبَاهَانِيهِ۔
(بنی اسرائیل: ۸۳) منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے۔

مفسرین نے کہا ہے کہ نَأَى کا معنی ہے: اس نے اپنے آپ کو ہم سے دور کر لیا۔ عطاء نے کہا: اس کا معنی ہے: اس نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور تکبر کیا۔

شَاكَلَتْہِ نَاحِيَّتِہِ وَہِی مِنْ شَكَلِہِ۔
شَاكَلَتْہِ کا معنی ہے: اس کے طریقہ پر اور یہ شَكَلَتْہِ سے ماخوذ ہے یعنی یہ اس کے مشابہ ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكَلَتِہِ۔ (بنی اسرائیل: ۸۳)
آپ کہئے کہ ہر شخص اپنے طریقہ اور مزاج کے مطابق عمل کرتا ہے۔
حضرت ابن عباس سے بھی یہی تفسیر مروی ہے اور مجاہد نے کہا ہے کہ ہر شخص علیحدہ عمل کرتا ہے۔ قتادہ نے کہا ہے کہ ہر شخص اپنی نیت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ ابو زید نے کہا ہے کہ ہر شخص اپنے دین پر عمل کرتا ہے اور مقاتل نے کہا ہے کہ ہر شخص اپنی فطرت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ ابو عبیدہ اور قتبی نے کہا ہے کہ ہر شخص اپنی طبیعت کے مطابق عمل کرتا ہے۔

صَرَفْنَا وَجْہَنَا۔
صَرَفْنَا کا معنی ہے: ہم نے اس کو کئی طرح بیان کیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَلَقَدْ صَرَفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا۔
اور بے شک ہم نے اس قرآن میں کئی طرح بیان فرمایا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (بنی اسرائیل: ۴۱)

قَبِيلًا مُّعَايِنَةً وَمُقَابِلَةً وَقِيلَ الْقَابِلَةُ لِأَنَّهَا مُقَابِلَتُهَا وَتَقْبِلُ وَلَدَهَا۔
قَبِيلًا کا معنی ہے: جس چیز کا مشاہدہ اور معاینہ ہو، اور جو آنکھوں کے سامنے ہو اور دائی کو اس لئے قابلہ کہا جاتا ہے کہ بچہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
أَوْتَاتِي بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۹۲)
یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے (بے حجاب) لے آئیں ○

قابِلہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کے سامنے بچہ کی ولادت ہوتی ہے، اردو میں اس کو دائی کہتے ہیں۔
خَشْيَةُ الْإِنْفَاقِ أَنْفَقَ الرَّجُلُ أَمْلَقَ وَنَفَقَ الشَّيْءُ
خَشْيَةُ الْإِنْفَاقِ کا معنی ہے کہ مال ختم ہونے کے ڈر سے خرچ نہ کرنا اور املاق کا معنی ہے: فقر۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
قُلْ لَوْ أَنْتُمْ تَشْكُرُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذَا لَا مَسْكَتُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ۔ (بنی اسرائیل: ۱۰۰)
آپ کہیے: اگر تم (بالفرض) میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تم خرچ کے ڈر سے ان کو روکے رکھتے۔

امام بخاری نے انفاق کی تفسیر اطلاق کی ہے جس کا معنی ہے: فقر یعنی تم فقر کے ڈر سے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔
قَتُورًا مُّقْتَرًا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُورًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۰۰) اور (دراصل) انسان ہے ہی بخیل ۝

قَتُور اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی انسان خرچ کرنے میں کمی کرے، اس کا معنی بخیل اور مسک ہے۔

لِأَذْقَانِ مُجْتَمِعِ اللَّحْيَيْنِ وَالْوَاحِدِ ذَقْنٍ۔
لِأَذْقَانِ یہ دو جڑوں کے ملنے کی جگہ ہے، اس کا واحد ذقن ہے
یعنی ٹھوڑی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَخْرُؤْنَ لِأَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۰۷) وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں ۝

جہڑا اس ہڈی کو کہتے ہیں جس میں دانت بیوست ہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے
چہروں اور پیشانیوں اور ٹھوڑیوں کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَوْفُورًا وَافِرًا۔
مجاہد نے کہا: موفور کا معنی ہے: وافر یعنی زیادہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ أَذْهَبَ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاءُكُمْ ۝ (بنی اسرائیل: ۶۳)
جہنم تمہاری سزا ہے پوری پوری سزا ۝

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں مفعول فاعل کے معنی میں ہے، اس کے برعکس عَيْشَةُ تَرَاهُ ضَيْقًا ۝ (الحاقہ: ۲۱) میں فاعل
مفعول کے معنی میں ہے یعنی پسندیدہ زندگی۔

تَبِيعًا شَائِرًا۔
تَبِيعًا اس کا معنی ہے: مطالبہ کرنے والا یا بدلہ لینے والا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَمْ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْكُمْ تَبِيعًا ۝ (بنی اسرائیل: ۶۹) پھر تم ہمارے خلاف کوئی چارہ جوئی کرنے والا نہ پاسکو گے ۝

امام بخاری نے تَبِيعًا کی تفسیر شائرا کی ہے یعنی انتقام لینے والا یہ تفسیر مجاہد نے بھی کی ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَصِيرًا۔
اور حضرت ابن عباس نے کہا: نَصِيرًا کا معنی ہے: مدد کرنے والا۔

امام ابن ابی حاتم نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

خَبَثٌ طَفِثٌ۔
خَبَثٌ کا معنی ہے: طَفِثٌ یعنی بچھ گئی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كُلَّمَا خَبَثَ زِدُّهُمْ سَعِيرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۹۷) جب بھی وہ بچھنے لگے گی تو ہم اس کو ان کے لئے اور بھڑکا دیں گے ۝

جب آگ کا شعلہ ٹھنڈا ہو جائے تو کہا جاتا ہے: خَبَثَ النَّارُ یعنی آگ بچھ گئی۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا تُهَيِّزُ لَا تُنْفِقُ فِي الْبَاطِلِ۔
اور حضرت ابن عباس نے کہا: لَا تُهَيِّزُ کا معنی ہے: باطل میں خرچ

نہ کرو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَابْتَغِ الْفَرْقَىٰ حَقَّهُ وَالْيُسْكِينَ وَالْأَبْنَ السَّيْلَ وَلَا تَبْذُرْهُ
تَبْذِيرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۲۶)
اسراف اور فضول خرچ کرنے سے بچو ۝

حضرت ابن عباس نے کہا ہے کہ تبذیر کا معنی ہے: جہاں مال خرچ نہیں کرنا چاہئے وہاں مال خرچ کرنا اور اسراف کا معنی ہے: جہاں مال خرچ کرنا چاہئے وہاں ضرورت سے زائد مال خرچ کرنا۔

ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ رَّبِّهِ ۝
ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّحْمَتِ رَبِّهِ ۝

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِذَا تَعَرَّضْتُمْ لِبِتْغَاءِ رَحْمَةِ رَبِّكَ فَتَرْتَدُّوا
فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ۝ (بنی اسرائیل: ۲۸)
اور اگر تم کو اپنے رب کی رحمت (وسعت رزق) کی توقع اور جستجو میں
ان سے اعراض کرنا پڑے تو ان کو کوئی نرم بات کہہ کر نال دد ۝

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی رحمت کی تفسیر رزق کے ساتھ کی ہے۔

مَشْهُورًا مَّלْعُونًا ۝
مَشْهُورًا مَّالْعُونًا ۝

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِنِّي لَأَكْتُبُكَ يَوْمَئِذٍ مَّشْهُورًا مَّالْعُونًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۰۲)
اور اے فرعون! میں تم کو ضرور ہلاک کئے جانے والا مگن کرتا ہوں ۝
حضرت ابن عباس نے بھی مشہور کا معنی ملعون بیان کیا ہے لیکن امام ابو عبیدہ نے کہا ہے: مشہور کا معنی ہے: ہلاکت اور ملعون کا

معنی ہے: ہلاک ہونے والا۔ العونی نے کہا: اس کا معنی ہے: مغلوب اور ابن زید بن اسلم نے کہا: اس کا معنی ہے: بے عقل۔

لَا تَقْفُ لَا تَقْلُ ۝
وَلَا تَقْفُ اس کا معنی ہے: تم نہ کہو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۝ (بنی اسرائیل: ۳۶)
اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کے درپے نہ ہو۔
یعنی جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اس کے متعلق کوئی بات نہ کہو۔ قتادہ نے کہا: جب تم نے کسی کو نہ دیکھا ہو تو یہ نہ کہو کہ میں نے دیکھا

ہے اور جب تم نے کوئی بات نہ سنی ہو تو یہ نہ کہو کہ میں نے سنی ہے اور جب تمہیں کسی چیز کا علم نہ ہو تو یہ نہ کہو کہ مجھے اس چیز کا علم ہے۔

امام ابو حنیفہ نے اسی آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص قیافہ سے کوئی بات کہے اس کی بات پر عمل نہ کرے اور اس سلسلے میں جو احادیث ہیں وہ سب اخبار احاد ہیں، وہ اس نص صریح کے مزاحم نہیں ہو سکتیں۔

فَجَاسُوا تَتَبَّعُوا ۝
فَجَاسُوا اس کا معنی ہے انہوں نے قصد کیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ۝ وَكَانَ وَعْدًا مَّقْضًى ۝ (بنی اسرائیل: ۵)
سوجب ان میں سے پہلے وعدہ کا وقت آیا تو ہم نے تم پر اپنے ایسے
بندے مسلط کر دیئے جو سخت جنگجو تھے، پس وہ شہروں میں تمہیں
ڈھونڈنے کے لئے پھیل گئے اور یہ وعدہ پورا ہونے والا تھا ۝

امام بخاری نے جاسوا کی تفسیر تیسوا کے ساتھ کی ہے یعنی انہوں نے گھر کے وسط کا قصد کیا۔ جاسوا کا لفظ جوس سے بنا ہے
اس کا معنی ہے: کسی چیز کو اچھی طرح طلب کرنا۔

يُزْجِي الْفُلْكَ يُجْرِي الْفُلْكَ۔
يُزْجِي الْفُلْكَ اس کا معنی ہے: کشتی کو چلاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

رَبُّكُمْ الَّذِي يُزْجِي لَكُمْ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ۔ (بنی اسرائیل: ۶۶) تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لئے سمندروں میں کشتیاں چلاتا ہے۔
يُزْجِي، الازجاء سے بنا ہے جس کا معنی ہے: کسی چیز کو چلاتا، جب تم اونٹوں کو ہانکتے ہو تو کہتے ہو: اَزْجَيْتُ الْإِبِلَ اور جب ہوا بادل کو چلائے تو کہا جاتا ہے: الرِّيحُ تُزْجِي السَّحَابَ۔

يَخْرُثُونَ لِلْأَذْقَانِ لِلْوُجُوهِ اس کا معنی ہے: وہ ٹھوڑیوں کے بل گر جاتے ہیں۔

اس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

۵۔ بَابُ: وَإِذَا أَرَادْنَا أَنْ تُهْلِكَ

قَرْيَةٍ أَمَرْنَا مُشْرَفِيهَا۔

(بنی اسرائیل: ۱۶)

امام بخاری نے پوری آیت نہیں لکھی، پوری آیت اس طرح ہے:

وَإِذَا أَرَادْنَا أَنْ تُهْلِكَ قَرْيَةٍ أَمَرْنَا مُشْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَرْنَاهَا تَدْمِيرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۶)

اور جب ہم کسی بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے عیش پرستوں کو اپنے احکام بھیجتے ہیں، سو وہ ان احکام کی نافرمانی کرتے ہیں، پھر وہ عذاب کے حکم کے مستحق ہو جاتے ہیں، سو ہم ان کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں ○

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں منصور نے خبر دی از ابی وائل از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہ جب زمانہ جاہلیت میں کسی قبیلہ کی کثرت ہو جاتی تو ہم کہتے تھے امرہ بنو فلان یعنی بنو فلان بہت کثیر ہو گئے ہیں۔

ہمیں حمیدی نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی اور کہا: امر۔

۱۱۷۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ أَخْبَرَنَا مَنْصُورٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كُنَّا نَقُولُ يَذْخَبُ إِذَا كَثُرُوا إِلَى الْجَاهِلِيَّةِ أَمْرُهُمْ فَلَانٌ۔

حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ وَقَالَ أَمْرٌ۔

اس حدیث کی شرح میں امام بخاری مفرد ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ یہاں امر کا معنی کثیر تعداد میں ہوتا ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۷۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اے) ان لوگوں کی اولاد! جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا، بے شک وہ بہت شکر گزار بندے تھے ○ (بنی اسرائیل: ۳) کی تفسیر

۶۔ بَابُ: ذُرِّيَّةٌ مِّنْ حَٰمِلِنَا مَعِ نُوحٍ ۖ

إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ۝

(بنی اسرائیل: ۳)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کوئی کپڑا پہنتے یا کوئی کھانا کھاتے یا کوئی مشروب پیتے تو کہتے: الحمد للہ تو ان کا نام عبد شکور رکھ دیا گیا اور عمران بن سلیم نے بیان کیا کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عبد شکور اس لئے کہا گیا ہے کہ جب وہ کوئی طعام کھاتے تو کہتے: اللہ کی حمد ہے کہ اس نے مجھے طعام کھلایا اور اگر وہ چاہتا تو مجھے بھوکا رکھتا اور جب کوئی مشروب پیتے تو کہتے کہ اللہ کی حمد ہے کہ اس نے مجھے مشروب پلایا، اگر وہ چاہتا تو مجھے پیاسا رکھتا اور جب وہ کوئی کپڑا پہنتے تو کہتے: اللہ کی حمد ہے کہ جس نے مجھے کپڑا پہنایا اور اگر وہ چاہتا تو مجھے برہنہ رکھتا اور جب وہ جوتی پہنتے تو کہتے: اللہ کی حمد ہے جس نے مجھے جوتی پہنائی اور اگر وہ چاہتا تو مجھے ننگے پیر رکھتا اور جب وہ قضائے حاجت کرتے تو اس کے بعد کہتے کہ اللہ کے لئے حمد ہے جس نے مجھ سے اس غلاظت اور نجاست کو نکال دیا اور اگر وہ چاہتا تو اس کو میرے اندر ہی رکھتا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی انہوں نے کہا: ہمیں ابو حیان التیمی نے خبر دی از ابی زرعة بن عمرو بن جریر از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا، آپ کی طرف اس کا اگلا پایا پیش کیا گیا گوشت دانتوں سے نوچا، پھر فرمایا: میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا اور فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ کیسا دن ہوگا؟ اس دن اللہ تعالیٰ تمام اولین اور آخرین کو ایک میدان میں جمع کرے گا اور ایک پکارنے والے کی آواز ان سب تک پہنچے گی اور ایک نظر ان سب کو دیکھ سکے گی، سورج قریب ہوگا اور لوگوں کو پریشانی بہت زیادہ ہوگی جس کی وہ طاقت نہیں رکھیں گے اور ان کی برواشت سے باہر ہوگی، لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے کیا: تم نہیں دیکھ رہے ہماری کیا حالت ہو گئی، کیا تم اللہ کے ایسے مقبول بندے کو تلاش نہیں کرتے جو تمہارے رب کے پاس تمہاری شفاعت کر سکے، لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے: ہمیں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جانا چاہئے، پس وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے کہیں گے: آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا تو انہوں نے آپ کو سجدہ کیا، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے، کیا آپ جو آپ کو پسند تھا، آپ نے اس میں سے نہیں دیکھ رہے کہ ہماری

۱۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ أَخْبَرَنَا أَبُو حَيَّانَ التِّيمِيُّ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أُنِي بِلَحْمٍ فَرَفَعَهُ إِلَيْهِ الذِّرَاعُ وَكَانَتْ تُعْجِبُهُ فَهَشَّ مِنْهَا نَهْشَةً ثُمَّ قَالَ أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهَلْ تَذَرُونَ مِنِّي ذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ النَّاسَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ يُسَبِّحُهُمُ الدَّاعِي وَيَنْفَعُهُمُ الْبَصَرُ وَتَذَرُوهُ الشُّسُ فَيَبْذُلُ النَّاسُ مِنَ الْغَنَمِ وَالْكَرْبِ مَا لَا يُطِيقُونَ وَلَا يَخْتَبِلُونَ فَيَقُولُ النَّاسُ أَلَا تَرَوْنَ مَا قَدْ بَلَغَكُمْ أَلَا تَنْظُرُونَ مَنْ يَشْفَعُ لَكُمْ إِلَى رَبِّكُمْ فَيَقُولُ بَعْضُ النَّاسِ لِبَعْضٍ عَلَيْكُمْ بِأَدَمَ فَيَأْتُونَ أَدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُولُونَ لَهُ أَنْتَ أَبُو الْبَشَرِ خَلَقَكَ اللَّهُ بِبَيْدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ أَلَا تَرَى إِلَى مَا قَدْ بَلَغْنَا فَيَقُولُ آدَمُ إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنَّهُ قَدْ نَهَاكَ عَنِ الشَّجَرَةِ فَعَصَيْتَهُ نَفْسِي نَفْسِي أَذْهَبُوا إِلَيَّ غَيْرِي أَذْهَبُوا إِلَيَّ نُوحٍ فَيَأْتُونَ نُوحًا فَيَقُولُونَ يَا نُوحُ إِنَّكَ أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ وَقَدْ سَأَلَكَ اللَّهُ عَبْدًا شَكُورًا اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ فَيَقُولُ إِنَّ

رَبِّ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ
مِثْلَهُ وَلَكِنْ يَغْضَبُ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنَّهُ قَدْ كَانَتْ لِي
دَعْوَةٌ دَعَوْتُهَا عَلَى قَوْمٍ نَفْسِي نَفْسِي أَذْهَبُوا
إِلَى غَيْرِي أَذْهَبُوا إِلَى إِبْرَاهِيمَ فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُونَ
يَا إِبْرَاهِيمُ أَنْتَ نَبِيُّ اللَّهِ وَخَلِيلُهُ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ
اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ فَيَقُولُ لَهُمْ
إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ
وَلَكِنْ يَغْضَبُ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنِّي قَدْ كُنْتُ كَذَبْتُ ثَلَاثَ
كَذِبَاتٍ قَدْ كَرِهْتُ أَبُو حَتَّانٍ فِي الْحَدِيثِ نَفْسِي
نَفْسِي أَذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي أَذْهَبُوا إِلَى مُوسَى
فَيَأْتُونَ مُوسَى فَيَقُولُونَ يَا مُوسَى أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ
فَضَلَّتْ اللَّهُ بِرِسَالَتِهِ وَبِكَلَامِهِ عَلَى النَّاسِ اشْفَعْ لَنَا
إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ فَيَقُولُ إِنَّ رَبِّي قَدْ
غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَكِنْ
يَغْضَبُ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنِّي قَدْ قَتَلْتُ نَفْسًا لَمْ أَوْمَرْ
بِقَتْلِهَا نَفْسِي نَفْسِي أَذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي أَذْهَبُوا
إِلَى عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ فَيَأْتُونَ عِيسَى فَيَقُولُونَ يَا عِيسَى
أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَدُودُ مِثْلَهُ
وَكَلِمَتُ النَّاسِ فِي التَّهْدِي صَبِيحًا اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا
تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ فَيَقُولُ عِيسَى إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ
الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ قَطُّ وَلَكِنْ يَغْضَبُ
بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ ذَنْبًا نَفْسِي نَفْسِي
أَذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي أَذْهَبُوا إِلَى مُحَمَّدٍ فَيَأْتُونَ مُحَمَّدًا
فَيَقُولُونَ يَا مُحَمَّدُ أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتِمُ الْأَنْبِيَاءِ
وَقَدْ غَفَرَ اللَّهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ
اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ فَأَنْطَلِقُ
فَاتِي تَحْتَ الْعَرْشِ فَأَقْعُمُ سَاجِدًا لِرَبِّي عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ
يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَيَّ مِنْ مَخَامِدِهِ وَحُسْنِ الثَّنَائِ عَلَيْهِ
شَيْنًا لَمْ يَفْتَحْهُ عَلَى أَحَدٍ قَبْلِي ثُمَّ يُقَالُ يَا مُحَمَّدُ

کیا حالت ہو گئی ہے، حضرت آدم کہیں گے: بے شک میرا رب
آج اتنے زیادہ غضب میں ہے کہ پہلے کبھی اتنے غضب میں نہیں
تھا اور نہ کبھی بعد میں اتنے غضب میں ہوگا، بے شک اس نے مجھے
ایک درخت سے روکا تھا اور میں نے اس کی (صورنا) نافرمانی کی،
پس مجھے آج اپنے نفس کی فکر ہے، پس مجھے آج اپنے نفس کی فکر
ہے، پس مجھے آج اپنے نفس کی فکر ہے، تم میرے علاوہ کسی اور کے
پاس جاؤ، تم حضرت نوح کے پاس جاؤ، پس لوگ حضرت نوح
علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ اے نوح! بے شک
آپ زمین والوں کی طرف سب سے پہلے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ
نے آپ کا نام شکر گزار بندہ رکھا ہے، آپ اپنے رب کے پاس
ہماری شفاعت کیجئے، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس حال میں
ہیں؟ تو حضرت نوح کہیں گے: بے شک میرا رب عزوجل آج
اتنے زیادہ غضب میں ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنے غضب میں
نہیں ہوا اور نہ کبھی اس کے بعد اتنے غضب میں ہوگا اور میں نے
اپنی قوم کے خلاف ایک دعا کی تھی، مجھے آج اپنی فکر ہے، مجھے آج
اپنی فکر ہے، مجھے آج اپنی فکر ہے۔ تم میرے علاوہ کسی اور کے
پاس جاؤ، تم حضرت ابراہیم کے پاس جاؤ، پس لوگ حضرت
ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے: اے ابراہیم!
آپ زمین والوں کی طرف اللہ کے نبی اور خلیل ہیں، آپ اپنے
رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم
کس حال میں ہیں؟ پس وہ ان سے کہیں گے کہ میرا رب آج
اتنے زیادہ غضب میں ہے کہ پہلے کبھی اتنے غضب میں نہیں ہوا
اور نہ کبھی آئندہ اتنے غضب میں ہوگا، پس میں نے (صورنا) تین
جھوٹے بولے تھے۔ راوی ابو حیان نے ان تین جھوٹوں کا اپنی
روایت میں ذکر کیا ہے، مجھے اپنی فکر ہے، مجھے اپنی فکر ہے، مجھے
اپنی فکر ہے، پس تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم حضرت
موسیٰ کے پاس جاؤ، پس وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں
گے، پس لوگ کہیں گے: اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ
تعالیٰ نے لوگوں کے اوپر آپ کو اپنی رسالت اور اپنی ہم کلامی

ارْفَعْ رَأْسَكَ سَلْ تُغَطَّهْ وَاشْفَعْ تُشَفِّعْ فَأَرْفَعُ
رَأْسِي فَأَقُولُ أُمِّتِي يَا رَبِّ أُمِّتِي يَا رَبِّ
فَيَقَالُ يَا مُحَمَّدُ ادْخُلْ مِنْ أُمَّتِكَ مَنْ لَا حِسَابَ
عَلَيْهِمْ مِنَ الْبَابِ الْأَيْمَنِ مِنَ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ
شُرَكَاءُ النَّاسِ فِيمَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الْأَبْوَابِ ثُمَّ قَالَ
وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّ مَا بَيْنَ الْبَصَرَاغَيْنِ مِنْ
مَصَارِيحِ الْجَنَّةِ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَحَنَئِدٍ أَوْ كَمَا بَيْنَ
مَكَّةَ وَبُصْرَى۔

سے فضیلت دی ہے، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت
کیجئے، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس حال میں ہیں، وہ کہیں
گئے: بے شک میرا رب آج اتنے غضب میں ہے کہ پہلے کبھی
اتنے غضب میں نہیں ہوا اور نہ کبھی اس کے بعد اتنے غضب میں
ہوگا اور میں نے ایک ایسے شخص کو (تادیباً) قتل کر دیا تھا جس کو قتل
کرنے کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا، آج مجھے اپنی فکر ہے، آج مجھے
اپنی فکر ہے، آج مجھے اپنی فکر ہے۔ تم میرے علاوہ کسی اور کے
پاس جاؤ، تم حضرت عیسیٰ کے پاس جاؤ، پس لوگ حضرت عیسیٰ کے
پاس جائیں گے اور کہیں گے: اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں
اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے حضرت مریم کی طرف ڈالا تھا اور
اس کی پسندیدہ روح ہیں اور آپ نے بچپن میں لوگوں سے
پگھوڑے میں کلام کیا تھا۔ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری سفارش
کیجئے، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حال میں ہیں، پس حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ آج میرا رب اتنے زیادہ غضب میں ہے
کہ اس سے پہلے کبھی اتنے غضب میں نہیں ہوا اور نہ اس کے بعد
اتنے غضب میں ہوگا اور وہ اپنا کوئی (صورنا) گناہ یاد نہیں کریں
گئے، مجھے اپنے نفس کی فکر ہے، مجھے اپنے نفس کی فکر ہے، مجھے اپنے
نفس کی فکر ہے۔ تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ، پس لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں
گے، پس کہیں گے: اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور تمام
انبیاء کے خاتم ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے بہ
ظاہر خلاف اولیٰ کام معاف کر دیئے ہیں۔ آپ اپنے رب سے
ہماری شفاعت کیجئے، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس حال میں
ہیں، پس میں جاؤں گا اور اپنے رب عزوجل کے لئے عرش کے
نیچے سجدہ میں گر جاؤں گا، پھر اللہ تعالیٰ میرے لئے اپنی حمد و ثناء
کے ایسے کلمات کھولے گا جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے نہیں کھولے
ہوں گے، پھر کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سراٹھائیے، آپ سوال
کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت
قبول کی جائے گی تو میں اپنا سراٹھاؤں گا، پھر کہوں گا اے میرے

رب! میری امت! اے میرے رب! میری امت! اے میرے رب! میری امت! پھر کہا جائے گا: اے محمد! جنت کے دروازوں میں سے سیدھے دروازے سے آپ اپنی امت کے ان لوگوں کو داخل کرو دیجئے جن پر کوئی حساب نہیں ہے اور ان دروازوں کے علاوہ باقی دروازوں میں دوسرے لوگ بھی شریک ہوں گے، پھر فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! جنت کے دروازوں میں سے دو دروازوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا فاصلہ مکہ اور حیر میں ہے یا جتنا فاصلہ مکہ اور بصری میں ہے۔

اس حدیث کی مفصل اور مکمل شرح صحیح البخاری: ۳۳۴۰ میں گزر چکی ہے۔

۷۔ بَابُ: وَاتَيْنَا دَاوُدَ دَرَبُورًا ⑤

(بنی اسرائیل: ۵۵)

(بنی اسرائیل: ۵۵) کی تفسیر

ربیع بن انس نے بیان کیا ہے کہ زبور میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے، دعا ہے اور تسبیح ہے، قتادہ نے کہا: ہم یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ زبور میں وہ دعا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو سکھائی تھی اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور تمجید ہے، اس میں حلال اور حرام کے احکام نہیں ہیں اور نہ اس میں فرائض ہیں اور نہ حدود ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۰)

۱۳۷۴۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْنٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ خُفِّفَ عَلَى دَاوُدَ الْقِرَاءَةُ فَكَانَ يَأْمُرُ بِدَابَّتِهِ يَسْتَرْجِعُ فَكَانَ يَقْرَأُ قَبْلَ أَنْ يَفْرُغَ يَغْنِي الْقُرْآنُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن نصر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی از معمر از ہمام بن منبہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، آپ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے اوپر (زبور کا) پڑھنا آسان کر دیا گیا تھا، وہ سواری پر زین بچھانے کا حکم دیتے، پھر زبور کو پڑھنا شروع کرتے اور زین بچھنے سے پہلے وہ زبور کو پڑھ لیتے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۷۳ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے زمانے کو لپیٹ دیتا ہے جس طرح ان کے لئے وہ مکان کو لپیٹ دیتا ہے یعنی جس طرح وہ کم وقت میں زیادہ سفر طے کر لیتے ہیں اسی طرح وہ کم وقت میں زیادہ کام کر لیتے ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۱-۴۰)

۸۔ بَابُ: قُلْ اذْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ

مِنْ دُونِهِمْ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشَفَ

الضَّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَخْوِيلًا ⑥

(بنی اسرائیل: ۵۶)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ کہئے کہ تم ان کو پکارو جو

تمہارے زعم میں اللہ کے سوا (عبادت کے مستحق)

ہیں، سو وہ تم سے نہ کسی ضرر کو دور کرنے کے مالک

ہیں اور نہ اس کو بدلنے کے (مالک ہیں) ○

(بنی اسرائیل: ۵۶) کی تفسیر

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے عمرو بن مٹلی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سیمان نے حدیث بیان کی از ابراہیم از ابی معمر از عبد اللہ، انہوں نے اپنے رب کی طرف وسیلہ (بنی اسرائیل: ۵۷) کی تفسیر میں کہا: اچھ انسان اچھ جنات کی عبادت کرتے تھے، پس جنات تو اسلام لے آئے اور وہ انسان جنات کی پرستش کے دین پر جمے رہے۔ اٹھجی نے از سفیان از اعمش یہ اضافہ کیا ہے: آپ کہئے کہ تم ان کو پکارو جو تمہارے زعم میں اللہ کے سوا (عبادت کے مستحق) ہیں۔ (بنی اسرائیل: ۵۶)

۱۴۷۲۔ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ اِلَى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ قَالَ كَانَ نَاسٌ مِنَ الْاِنْسِ يَعْبُدُوْنَ نَاسًا مِنَ الْجِنِّ فَلَسَلَمَ الْجِنُّ وَتَشَكَّ هَؤُلَاءِ بِدِينِهِمْ زَادَ الْاَشْجَعِيُّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ الْاَعْمَشِ ﴿قُلْ اَدْعُوا الَّذِيْنَ دَعَعْتُمْ مِنْ دُوْنِهِ﴾ (بنی اسرائیل: ۵۶)

[طرف الحدیث: ۱۴۷۱۵]

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اپنے رب کی طرف وسیلہ (بنی اسرائیل: ۵۷): یہاں یہ عبارت محذوف ہے، حضرت عبد اللہ نے یہ پوری آیت پڑھی: جن لوگوں کی یہ (مشرکین) عبادت کرتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف قریب ترین وسیلہ تلاش کرتے ہیں، اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں، بے شک آپ کے رب کے عذاب سے ڈرنا ہی چاہئے O (بنی اسرائیل: ۵۷)۔ حضرت عبد اللہ نے یہ آیت پڑھ کر کہا کہ انسانوں کی ایک جماعت جنات کی ایک جماعت کی عبادت کرتی تھی، پھر جنات کی جماعت اسلام لے آئی اور انسانوں کی جماعت جنات کی عبادت کے ساتھ چمٹی رہی، تب یہ آیت نازل ہوئی: وہ خود ہی اپنے رب کی طرف قریب ترین وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔ (بنی اسرائیل: ۵۷)

وسیلہ سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کا قرب، اور اس حدیث میں ہے کہ انسانوں میں سے کچھ ناس جنات میں سے کچھ ناس کی عبادت کرتے تھے، علامہ کرمانی نے یہ کہا ہے کہ ناس تو انسان ہیں جو جنات کی ضد ہیں، پس حضرت عبد اللہ نے یہ کیسے کہا کہ انسانوں میں سے کچھ ناس اور جنات میں سے کچھ ناس؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ناس کے لفظ سے طائفہ اور جماعت مراد ہے یعنی انسانوں کی ایک جماعت جنات کی ایک جماعت کی عبادت کرتی تھی، پھر انسانوں کی جماعت جنات کی عبادت پر قنکر رہی اور جنات ان کی عبادت کو پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ اسلام لا چکے تھے اور یہ وہی جن کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔

حدیث میں مذکور ہے کہ جنات اسلام لے آئے اور ان کو یہ علم نہیں تھا کہ انسان ان کی عبادت کرتے ہیں، تب یہ آیت نازل ہوئی: یہ مشرکین جن کی عبادت کرتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۲-۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جن لوگوں کی یہ (مشرکین) عبادت کرتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف قریب ترین وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔ (بنی اسرائیل: ۵۷) کی تفسیر

۹۔ بَابُ: اُولَئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

يَسْتَعُوْنَ اِلَىٰ مَآئِمِهِمُ الْوَسِيْلَةَ

(بنی اسرائیل: ۵۷)

یہاں بھی یہ عبارت محذوف ہے: یہ مشرکین جن کو معبود قرار دے کر ان کی عبادت کرتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں یعنی اپنے رب کا قرب تلاش کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس، مجاہد اور اکثر علماء سے روایت ہے کہ مشرکین جن کی عبادت کرتے تھے وہ حضرت عیسیٰ ہیں اور ان کی والدہ ہیں اور حضرت عزیر ہیں اور فرشتے ہیں اور سورج، چاند اور ستارے ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۶)

۱۵۷۴۔ حَدَّثَنَا بَشْرُ بْنُ خَالِدٍ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي هَذِهِ الْآيَةِ ﴿الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ سَائِرِهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾ (بنی اسرائیل: ۵۷) قَالَ كَانَ نَاسٌ مِنَ الْجِنِّ يُعْبَدُونَ فَأَسْلَمُوا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں بشر بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے خبر دی از شعبہ از سلیمان از ابراہیم از ابی معمر از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: جن لوگوں کی یہ (مشرکین) عبادت کرتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف قریب ترین وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔ (بنی اسرائیل: ۵۷) انہوں نے بیان کیا کہ جنات میں ہے ایک جماعت کی عبادت کی جاتی تھی، پس وہ اسلام لے آئے۔

اس حدیث کی شرح صحیح بخاری: ۴۷۱۴ میں گزر چکی ہے۔

۱۰۔ بَابُ: وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ۔ (بنی اسرائیل: ۶۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ہم نے آپ کو (شب معراج) جو جلوہ دکھایا تھا وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لیے تھا۔ (بنی اسرائیل: ۶۰) کی تفسیر

علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس روایہ سے مراد ہے: شب معراج جو عجائبات اور نشانیاں آپ کو دکھائی گئی تھیں، ابن الانباری نے کہا کہ روایت کا استعمال خواب میں کم ہوتا ہے اور الرؤیاء کا استعمال خواب میں زیادہ ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کا استعمال دونوں معنی میں جائز ہے۔

إِلَّا فِتْنَةً: یعنی یہ رؤیا لوگوں کے لیے آزمائش تھا کیونکہ انہوں نے واقعہ معراج کی خبر کو مذاق بنالیا تھا۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۶)

۱۶۷۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عُمَرَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ﴾ (بنی اسرائیل: ۶۰) قَالَ هِيَ رُؤْيَا عَيْنِ أَرِيَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيْلَةَ أُسْرَىٰ بِهِ وَالشَّجَرَةُ الْمَلْعُونَةُ شَجَرَةُ الرُّقُومِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمروان عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اور ہم نے آپ کو (شب معراج) میں جو جلوہ دکھایا تھا وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لیے تھا۔ (بنی اسرائیل: ۶۰) انہوں نے کہا: یہ وہ رؤیا ہے جو شب معراج کو رسول اللہ ﷺ کو آنکھ سے دکھایا گیا تھا اور الشجرة الملعونة سے مراد ہے: حنظل کا درخت۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۸۸ میں گزر چکی ہے۔

شب معراج میں عجائبات دیکھنے کی خبر کا لوگوں کے لیے آزمائش ہونا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ: یعنی شب معراج آپ کو جو عجائبات دکھائے گئے اور الشجرة الملعونة کا جو قرآن میں ذکر ہے وہ صرف لوگوں کے لیے آزمائش ہے کیونکہ ایک جماعت شب معراج کو عجائبات دیکھنے کی خبر سن کر اسلام سے مرتد ہو گئی تھی۔ انہوں نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ایک رات میں بیت المقدس کی طرف چلے گئے ہوں اور شجرة ملعونہ میں یہ آزمائش تھی کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابو جہل نے کہا کہ ابو کبشہ کے بیٹے یعنی نبی ﷺ کا اس سے بڑا اور کیا جھوٹ ہوگا کہ وہ تم کو دوزخ سے ڈراتے ہیں جو پتھروں کو جلادیتی ہے، پھر یہ کہتے ہیں کہ اس میں ایک درخت اگتا ہے اور تم جانتے ہو کہ آگ درخت کو جلادیتی ہے، اور شجرة الزقوم کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ①

یقیناً وہ ایک درخت ہے جو دوزخ کی اصل (گہرائی) میں سے

نکلتا ہے ② (الصفات: ۶۴)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک فجر کی نماز میں قرآن

پڑھنے میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں ③

(بنی اسرائیل: ۷۸) کی تفسیر

۱۱۔ بَابُ: إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ

مَشْهُودًا ④ (بنی اسرائیل: ۷۸)

قُرْآنَ الْفَجْرِ سے مراد ہے: فجر کی نماز میں قرآن مجید پڑھنا اور كَانَ مَشْهُودًا سے مراد یہ ہے کہ اس نماز میں رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی کہ: اللہ تعالیٰ اس میں رات کے فرشتوں کو اور دن کے فرشتوں کو حاضر فرماتا ہے، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب رات کی تین ساعات باقی رہ جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس ذکر کو کھول دیتا ہے جس کو کسی نے نہیں دیکھا، پھر جس چیز کو چاہتا ہے منادیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے، پھر دوسری ساعت میں عدن کی طرف متوجہ ہوتا ہے، پس فرماتا ہے: اے مبارک ہو جو تیرے اندر داخل ہوا، پھر تیسری ساعت میں آسمان دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے، پس فرماتا ہے: کیا کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے تو میں اس کی مغفرت کر دوں اور کیا کوئی دعا کرنے والا ہے تو میں اس کی دعا قبول کر لوں حتیٰ کہ وہ فجر کی نماز پڑھ لے اور پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حاضر کرتا ہے، رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے۔

قَالَ مُجَاهِدٌ صَلَاةُ الْفَجْرِ۔

مجاہد نے کہا: صلاة الفجر۔

یعنی فجر کی نماز میں قرآن پڑھنا مراد ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از ابی سلمہ و ابن المسیب از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جماعت سے نماز پڑھنے والے کی فضیلت تہ نماز پڑھنے

۴۷۱۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرُ بْنُ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَابْنِ الْمُسَيْبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ فَضَّلُ صَلَاةَ الْجُمُعَةِ عَلَى صَلَاةِ الْوَاحِدِ خُمْسَ وَعِشْرُونَ دَرَجَةً وَتَجْتَمِعُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ

وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ
اَقْرَأُوا اِنْ شِئْتُمْ ﴿اِنْ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾
(بنی اسرائیل: ۷۸)

والے پر پچیس (۲۵) درجہ ہے اور رات کے فرشتے اور دن کے
فرشتے صبح کی نماز میں جمع ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے
تھے کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: اور فجر کی نماز میں قرآن پڑھیں،
بے شک فجر کی نماز کے قرآن پڑھنے میں فرشتے حاضر ہوتے
ہیں ۵ (بنی اسرائیل: ۷۸)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۷۴ میں گزر چکی ہے۔

۱۲۔ بَابُ: عَسَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ

مَقَامًا مَّحْمُودًا ۝ (بنی اسرائیل: ۷۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام
محمود پر فائز کرے گا ۵ (بنی اسرائیل: ۷۹) کی تفسیر

مقام محمود سے مراد وہ مقام ہے جس میں آپ اپنی امت کی شفاعت کریں گے اور تمام اولین و آخرین آپ کی حمد کریں گے۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے
گا۔ (بنی اسرائیل: ۷۹) اور فرمایا: اللہ تعالیٰ مجھے اپنے قریب کر کے اپنے ساتھ اپنے عرش پر بٹھائے گا۔ یہ دونوں تفسیریں علامہ ثعلبی

نے اپنی تفسیر میں بیان کی ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۴)

۱۸۔ حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبَانَ حَدَّثَنَا أَبُو
الْأَخْوَصِ عَنْ آدَمِ بْنِ عَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَسَرَ رَضِيَ
اللَّهُ عَنْهُمَا يَقُولُ إِنَّ النَّاسَ يَصِيدُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
جُثَا كُلِّ أُمَّةٍ تَتَّبِعُ نَبِيَّهَا يَقُولُونَ يَا فُلَانُ اشْفَعْ يَا
فُلَانُ اشْفَعْ حَتَّى تَنْتَهِيَ الشَّفَاعَةُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ
فَذَلِكَ يَوْمٌ يَنْبَعُثُهُ اللَّهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُودَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے اسماعیل بن ابان نے حدیث
بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو الاحوص نے حدیث بیان کی از
آدم بن علی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ
کہتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن لوگ دوزانوں بیٹھے ہوئے
ہوں گے، ہر امت اپنے نبی کے تابع ہوگی، وہ کہیں گے: اے
فلاں! شفاعت کیجئے اے فلاں! شفاعت کیجئے حتیٰ کہ یہ شفاعت
نبی ﷺ پر ختم ہوگی، یہ وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ آپ کو مقام
محمود پر فائز فرمائے گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۷۵ میں گزر چکی ہے۔

۱۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ أَبِي
حَمْزَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ السُّنْكَدَرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَنْ
قَالَ حِينَ يَسْمَعُ الْبُتْدَاءَ اللَّهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ
الثَّامَةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ
وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ
حَدَّثَ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ رَوَاهُ حَمْزَةُ بْنُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عیاش نے حدیث
بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب بن ابی حمزہ نے حدیث بیان
کی از محمد بن المنکدر از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کہ رسول اللہ
ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اذان سن کر یہ دعا کی: اے اللہ!
اس دعوت تامہ کے رب اور اس کے نتیجے میں کھڑی ہونے والی
نماز کے رب! محمد ﷺ کو (جنت میں) بلند مقام عطا فرما اور
فضیلت عطا فرما اور آپ کو اس مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے

عَبْدُ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ -

ان سے وعدہ کیا ہے، تو قیامت کے دن اس کی شفاعت کرنا میرے لیے جائز ہو جائے گا۔ اس حدیث کی حمزہ بن عبد اللہ نے از والد خود از نبی ﷺ روایت کی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۶۱۴ میں گزر چکی ہے۔

۱۳۔ بَابُ: وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝ (بنی اسرائیل: ۸۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور آپ کہیے: حق آگیا اور باطل نابود ہو گیا اور بے شک باطل تھا بھی نابود ہونے والا O (بنی اسرائیل: ۸۱) کی تفسیر

حق سے مراد اسلام ہے اور باطل سے مراد شرک ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حق سے مراد اللہ کا دین اور باطل سے مراد بتوں کا دین ہے، ابن جریج سے روایت ہے کہ جہاد حق ہے اور قتال باطل ہے۔

يَزْهَقُ يَهْلِكُ۔ يَزْهَقُ کا معنی ہے: وہ ہلاک ہوگا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تم کیسے کہتے ہو کہ باطل ہلاک ہو گیا حالانکہ باطل موجود ہے اور اس کے ماننے والے اس پر عمل کرتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تدبیر کرنے والوں کے نزدیک دلائل سے باطل کا ہلاک ہونا بالکل واضح ہے۔

۴۷۲۰۔ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ ابْنِ أَبِي نَجِيْمٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ مَكَّةَ وَحَوْلَ الْبَيْتِ سِتُّونَ وَثَلَاثُ مِائَةٍ نَصَبَ فَجَعَلَ يَطْعُنُهَا بِعُودٍ فِي يَدِهِ وَيَقُولُ ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ (بنی اسرائیل: ۸۱) ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِي الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ﴾ (سبا: ۴۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابن ابی نعیم از مجاہد از ابی معمر از حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ مکہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کے گرد تین سو ساٹھ (۳۶۰) بت تھے، آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی، آپ وہ لکڑی ان بتوں کو چھوتے اور فرماتے: حق آگیا اور باطل نابود ہو گیا اور بے شک باطل تھا بھی نابود ہونے والا O (بنی اسرائیل: ۸۱) اور حق آگیا اور باطل نہ (کچھ) پیدا کرے گا اور نہ (کسی کو) لوٹا کر لائے گا O (سبا: ۴۹)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۷۸ میں گزر چکی ہے۔

۱۴۔ بَابُ: وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ (بنی اسرائیل: ۸۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ (بنی اسرائیل: ۸۵) کی تفسیر

روح کی تحقیق

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: علامہ زنجشیری نے کہا کہ اکثر مفسرین کا مختار یہ ہے کہ لوگوں نے آپ سے روح کی حقیقت کے متعلق سوال کیا تھا تو آپ نے یہ خبر دی کہ ”روح“ اللہ کے امر سے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے علم کو اپنے ساتھ مخصوص رکھا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان

کرتے ہیں کہ یہود نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ ہمیں روح کے متعلق خبر دیجئے اور اس کو کیسے عذاب ہوگا حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر روح کے متعلق کوئی چیز نازل نہیں ہوئی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا، پھر حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

العشری نے کہا کہ روح اس سانس کو کہتے ہیں جو جسم میں داخل ہوتا ہے اور جسم سے خارج ہوتا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہے جو اجسام ظاہرہ اور اعضائے ظاہرہ میں شریک ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو روح کا علم نہیں ہے، اور جمہور نے کہا کہ روح معلوم ہے یعنی مخلوق کو روح کا علم ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ روح خون ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ روح اللہ کے نور سے ایک نور ہے اور اللہ کی حیات سے ایک حیات ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ روح اللہ کے امر میں سے ایک امر ہے جس کی حقیقت اور اس کے علم کو اللہ نے مخفی رکھا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ روح روحانی ہے جو ملکوت سے پیدا کی گئی ہے، پس جب روح صاف ہوتی ہے تو یہ ملکوت کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ عام معتزلہ نے کہا ہے کہ روح عرض ہے اور ابن الراوندی کا قول ہے کہ یہ جسم لطیف ہے جو بدن میں رہتی ہے، علامہ واقدی نے کہا کہ مختار یہ ہے کہ روح جسم لطیف ہے جس میں حیات پائی جاتی ہے، اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ تمام مخلوق کی رو میں مخلوق ہیں اور اس میں اختلاف ہے کہ بدن کی صورت سے روح کی موت ہو جاتی ہے یا نہیں ہوتی۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ روح نہ مرنی ہے نہ بوسیدہ ہوتی ہے اور بعض علماء نے کہا کہ روح مرنی ہے اور بوسیدہ نہیں ہوتی اور ابدان بوسیدہ ہو جاتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ روح کو عذاب دیا جاتا ہے جس طرح بدن کو عذاب دیا جاتا ہے، اسی طرح روح کو ثواب ہوتا ہے جس طرح بدن کو ثواب ہوتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ قیامت کے دن روح کو اٹھایا جائے گا کیونکہ وہ آسمان کے حکم میں ہے اور بدن کو نہیں اٹھایا جائے گا کیونکہ وہ زمین سے پیدا کیا گیا ہے اور یہ قول کتاب، سنت اور اقوال صحابہ اور تابعین کے خلاف ہے اور ایک بحث یہ ہے کہ نفس اور روح ایک چیز ہیں یا مغایر ہیں تو علماء اہل سنت نے کہا کہ روح نفس کے مغایر ہے اور نفس کا قوام روح کے ساتھ ہوتا ہے اور نفس دنیا کی طرف دعوت دیتا ہے اور روح آخرت کی دعوت دیتی ہے، خواہشات، نفس اور شیطان کے تابع ہیں اور فرشتہ عقل اور روح کے ساتھ ہوتا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم نے حدیث بیان کی از علقمہ از حضرت عبد اللہ بن مسعود، انہوں نے بیان کیا کہ جس وقت کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک کھیت میں تھا اور آپ ایک شاخ کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے، اس وقت وہاں سے یہود گزرے، پس انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ان سے روح کے متعلق سوال کرو تو کسی نے کہا: کہیں وہ تمہیں اس کے متعلق شک میں نہ ڈال دیں، اور کسی نے کہا: کہیں وہ تم کو کوئی ایسی چیز نہ بیان کر دیں جس کو تم ناپسند کرتے، ہو پس انہوں نے آپ سے روح کے متعلق سوال کیا،

۲۱ ۷۴۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ لِي حَرْبٌ وَهُوَ مُشْكٍ عَلَى عَصِيبٍ إِذْ مَرَّ الْيَهُودُ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سَلُّوهُ عَنِ الرُّوحِ فَقَالَ مَا رَأَيْكُمْ إِلَيْهِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا يَسْتَقْبِلُكُمْ بِشَيْءٍ تَكْرَهُونَهُ فَقَالُوا سَلُّوهُ فَسَأَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ فَأَمْسَكَ النَّبِيُّ ﷺ فَلَمْ يَرُدَّ عَنْهُمْ شَيْئًا فَعَلِمْتُ أَنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ فَقُمْتُ مَقَامِي فَلَمَّا نَزَلَ الْوَحْيُ قَالَ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۸۵)

پس نبی ﷺ خاموش رہے اور آپ نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا، پس میں نے جان لیا کہ آپ کی طرف وحی نازل ہو رہی ہے، پس میں اپنی جگہ کھڑا رہا، پس جب وحی نازل ہو چکی تو آپ نے فرمایا: اور یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے، اور تم کو محض تھوڑا سا علم دیا گیا ہے O (بنی اسرائیل: ۸۵)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۲۵ میں گزر چکی ہے۔

۱۵۔ بَابُ: وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ

وَلَا تُخَافُتْ بِهَا۔ (بنی اسرائیل: ۱۱۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور آپ نماز میں نہ بہت بلند آواز سے قرآن پڑھیں اور نہ بہت پست آواز سے۔

(بنی اسرائیل: ۱۱۰) کی تفسیر

نماز میں قرآن کو متوسط آواز کے ساتھ پڑھنے کا حکم

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کے نزول کے کئی اسباب ہیں: ایک وہ ہے جس کو امام بخاری نے بیان کیا ہے جو اس باب کی حدیث میں آرہا ہے، دوسرا قول سعید بن جبیر کا ہے، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ مسجد حرام میں بلند آواز سے قرآن پڑھتے تھے تو قریش نے کہا کہ آپ بلند آواز سے قرآن پڑھ کر ہمارے معبودوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں، پھر ہم بھی آپ کے رب کی جھوکیں گے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی، تیسرا قول الواحدی کا ہے، انہوں نے بیان کیا کہ ایک اعرابی بلند آواز سے پڑھ رہا تھا: تمام قولی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں اور تمام بدنی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں اور تمام مالی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں اور وہ اپنی آواز بلند کر رہا تھا اور چوتھا قول عبد اللہ بن شداد کا ہے کہ جب بنو قسیم کے اعراب نماز میں نبی ﷺ کو سلام کرتے تو کہتے: اے اللہ! ہم کو مال دے اور اولاد دے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو بشر نے حدیث بیان کی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں کہا: اور آپ نماز میں نہ بہت بلند آواز سے قرآن پڑھیں اور نہ بہت پست آواز سے۔ (بنی اسرائیل: ۱۱۰) انہوں نے بتایا کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت رسول اللہ ﷺ مکہ میں ایک خفیہ مقام میں تھے اور جب آپ اپنے اصحاب کو نماز پڑھاتے تو بلند آواز سے قرآن مجید پڑھتے تو جب مشرکین اس کو

۴۷۲۲۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا أَبُو بَشِيرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُتْ بِهَا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۱۰) قَالَ نَزَلَتْ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ مُخْتَفٍ بِمَكَّةَ كَانَ إِذَا صَلَّى بِأَصْحَابِهِ رَفَعَ صَوْتَهُ بِالْقُرْآنِ فَإِذَا سَمِعَهُ الْمُشْرِكُونَ سَبُّوا الْقُرْآنَ وَمَنْ أَنْزَلَهُ وَمَنْ جَاءَ بِهِ فَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى لِيُتَبِّهَ ﷺ وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ أُنَى بِقِرَائَتِكَ فَيَسْتَمِعُ الْمُشْرِكُونَ فَيَسُبُّوا الْقُرْآنَ وَلَا تُخَافُتْ بِهَا

عَنْ أَصْحَابِكَ فَلَا تُسَبِّحُهُمْ وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا۔

[اطراف الحدیث: ۴۹۰-۴۹۵-۴۹۷]

سننے تو قرآن کو برا کہتے اور اس کے نازل کرنے والے کو برا کہتے اور جو اس کو لے کر آیا اس کو برا کہتے، تب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا: آپ اپنی نماز میں بلند آواز سے قرآن نہ پڑھیں، پس مشرکین اس کو نہیں گے تو وہ قرآن کو برا کہیں گے اور نہ اس کو اپنے اصحاب کے سامنے اتنا آہستہ پڑھیں کہ ان کو سنانہ سکیں اور آپ اس کی درمیانی صورت اختیار کریں۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ مکہ میں ایک خفیہ مقام میں تھے، یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے۔

۴۷۲۳۔ حَدَّثَنِي طَلْقُ بْنُ عَتَّامٍ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ أُنْزِلَ ذَلِكَ فِي الدُّعَاءِ۔

[اطراف الحدیث: ۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے طلق بن غنم نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں زائدہ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ پر دعا کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۵۱)

نیز سند صحیح کے ساتھ ایک انصاری صحابی سے روایت ہے کہ یہ آیت دعا کے متعلق نازل ہوئی ہے اور حضرت ابن عباس نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے اور سوال کرنے کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۃ بنی اسرائیل کی تفسیر ختم ہوئی، اب ان شاء اللہ سورۃ الکہف کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۸۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ الْكَهْفِ

سورة الکہف کی تفسیر

سورة الکہف کا تعارف

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ان دونوں نے کہا: یہ سورت مکی ہے۔ علامہ قرطبی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ سورت مکی ہے سو اس آیت کے: **وَاصْبِرْ نَفْسَکَ (الکہف: ۲۸)** اور مقامات التنزیل میں مذکور ہے کہ یہ آیت بھی مدنی ہے اور **وَيَسْأَلُونَکَ عَنِ الْقُرْآنِ** (الکہف: ۸۳) اور اس سورت میں ایک سو دس آیتیں ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۵۲)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سورة الکہف پڑھی، اس کے گھر میں ایک گھوڑا تھا، وہ بدکنے لگا، اس نے سلام پھیر دیا، اچانک اس نے دیکھا کہ ایک بادل کے ٹکڑے نے اس کو ڈھانپا ہوا تھا۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: اے شخص پڑھو! کیونکہ وہ سکینہ ہے (یعنی ایسی طمانیت اور رحمت ہے جس کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں) یہ قرآن مجید (پڑھنے) کی وجہ سے نازل ہوئی ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۸۳۹-۳۶۱۳، صحیح مسلم: ۷۹۵، سنن ترمذی: ۲۸۸۵، مسند ابویعلیٰ: ۱۷۰۲۲، مسند احمد: ۱۸۶۶۶)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَقْرِضُهُمْ تَتْرُكُهُمْ۔ مجاہد نے کہا: **تَقْرِضُهُمْ** کا معنی ہے: وہ ان کو چھوڑ دیتی ہے یعنی دھوپ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشَّمَالِ۔ اور جب سورج غروب ہوتا ہے تو دھوپ ان سے بائیں جانب پھر

(الکہف: ۱۷) جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ **تَقْرِضُهُمْ** کا معنی ہے کہ دھوپ ان کو چھوڑ دیتی ہے اور مقاتل نے کہا ہے کہ دھوپ ان سے تجاوز کر جاتی ہے اور قرض کا لغوی معنی ہے: قطع کرنا۔

وَكَانَ لَهُ شَرٌّ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ۔ **وَكَانَ لَهُ شَرٌّ**، اس سے مراد ہے: سونا اور چاندی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَكَانَ لَهُ شَرٌّ۔ (الکہف: ۳۳) اور جس شخص کے پاس پھل تھے۔

مجاہد نے کہا ہے کہ قرآن میں جو لفظ پیش کے ساتھ **شَرٌّ** ہے اس سے مراد مال ہے اور جو لفظ زبر کے ساتھ **شَرٌّ** ہے اس سے مراد ہے: درخت میں لگے ہوئے پھل۔

وَقَالَ غَيْرُهُ جَنَاعَةُ الشَّرِّ۔ اور مجاہد کے غیر نے کہا: یہ **شَرٌّ** کی جمع ہے۔

بعض مفسرین نے کہا کہ مجاہد کے غیر سے مراد ہے: قتادہ، اور کہا گیا ہے کہ **شَرٌّ** کی جمع **شَرٌّ** ہے اور **شَرٌّ** کی جمع **شَرٌّ** ہے تو گویا کہ

یہ جمع الجمع ہے۔

بَاخِعٌ مُّهِلِكٌ۔

بَاخِعٌ اس کا معنی ہے: ہلاک ہونے والا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسِكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنَّ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ آسَفًا ۝ (الکہف: ۶)

امام ابو عبیدہ نے بھی بَاخِعٌ کی یہی تفسیر کی ہے۔

آسَفًا نَدَمًا۔

آسَفًا اس کا معنی ہے: ندامت

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسِكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنَّ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ آسَفًا ۝ (الکہف: ۶)

امام ابو عبیدہ نے بھی آسَفًا کا معنی ندامت بیان کیا ہے اور قتادہ نے کہا ہے: اس کا معنی افسوس ہے۔

الْكُهْفُ الْفَتْحُ فِي الْجَبَلِ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَعَبُونَ ۝ (الکہف: ۹)

امام بخاری نے الکہف کی تفسیر کی ہے: پہاڑ میں کھلا ہوا راستہ، کہا جاتا ہے کہ الکہف کا معنی ہے: پہاڑ میں غار۔

وَالرَّقِيمُ الْكِتَابُ مَرْقُومٌ مَكْتُوبٌ مِنَ الرِّقْمِ۔

وَالرَّقِيمُ کا معنی ہے: کتاب اور مَرْقُومٌ کا معنی ہے: لکھی ہوئی چیز، یہ لفظ رقم سے ماخوذ ہے۔

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَعَبُونَ ۝ (الکہف: ۹)

مفسرین کا رقیم کا معنی میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ پہاڑ میں ایک طاق ہے، حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ وہ ایلہ اور اسفان کے درمیان ایک وادی ہے اور ایلہ فلسطین کے نزدیک ہے اور یہ وہ وادی ہے جس میں اصحاب کہف رہتے تھے۔

سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ الرقیم پتھر کی ایک لوح ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ سیر کی ایک لوح ہے جس میں اصحاب کہف کے اسماء اور ان کا قصہ لکھا ہوا ہے، اور انہوں نے اس لوح کو غار کے دروازے پر رکھ دیا، اس وجہ سے الرقیم کا معنی مرقوم ہے یعنی مکتوب اور رقم کا معنی لکھنا ہے۔

رَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَلْهَنَّاهُمْ صَبْرًا۔

کتاب تفسیر میں مذکور ہے کہ ہم نے ان کے دلوں میں صبر کو باندھ دیا اور ان کے دلوں میں ان کا الہام کیا اور ان کو نور ایمان سے قوی کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے اپنی قوموں سے جدائی پر صبر کیا اور جو عیش و عشرت وہ چھوڑ آئے تھے اس پر صبر کیا۔

لَوْلَا أَن رَّبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ لَفَسَدُوا ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝ (الکہف: ۱۰)

کیا ہوتا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أَدَمَ مُوسَىٰ فَرِحًا ۖ إِنَّ كَادَتْ لِثُبُوتِي بِهِ لَوْ لَا أَن تَرَبُّطًا عَلٰی قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (القصص: ۱۰)

اور موسیٰ کی ماں کا دل (صبر سے) خالی ہو گیا، بے شک وہ قریب ہو گئیں کہ موسیٰ کا حال ظاہر کر دیں اگر ہم ان کے دل کو (اس لیے) مضبوط نہ رکھتے کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے رہیں ○

یہ آیت سورۃ القصص میں ہے۔ امام بخاری نے اس آیت کو پہاں پر اس مناسبت سے ذکر کیا ہے کہ اس میں بھی تَرَبُّطًا کا لفظ ہے۔ شَطَطًا اِفْرَاطًا

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَقَالُوا رَبَّنَا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنْ نَدْعُوًا مِنْ دُونِهِ ۚ إِنَّا تَقَدُّعْنَا إِذَا شَطَطًا ۝ (الکہف: ۱۳)

تو انہوں نے کہا: ہمارا رب آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے، ہم اس کے سوا کسی اور معبود کی ہرگز عبادت نہیں کریں گے (ورنہ) اس وقت ہماری بات حق سے بہت دور ہوگی ○

امام بخاری نے شطط کی تفسیر افراط کی ہے، حضرت ابن عباس اور مقاتل نے اس کی تفسیر ظلم کی ہے اور قتادہ نے اس کی تفسیر جھوٹ کی ہے اور لغت میں شطط کا معنی ہے: حد سے تجاوز کرنا اور افراط۔

الْوَصِيدُ الْفِتَاءُ جَنَعُهُ وَصَائِدٌ وَوُصْدٌ وَيُقَالُ الْوَصِيدُ الْبَابُ مُوَصَّدَةً مُطَبَّقَةً آصَدَ الْبَابُ وَآوَصَدَ ۚ وَآوَصَدَ ۚ

اور بعض نے کہا: وَصِيدٌ کا معنی ہے: دروازہ اور مُوَصَّدَةٌ کا معنی ہے: بند کیا ہوا۔ عرب کہتے ہیں: آصَدَ الْبَابُ وَآوَصَدَ یعنی اس نے دروازہ بند کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَكُلُّهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ (الکہف: ۱۳)

امام بخاری نے وصید کی تفسیر صحن کے ساتھ کی ہے اور اس کا معنی ہے: گھروں کے سامنے کشادہ جگہ، حضرت ابن عباس اور سدی نے کہا ہے کہ وصید کا معنی ہے: دروازہ۔ عطاء نے کہا ہے کہ وصید کا معنی ہے: چوکھٹ، نیز امام بخاری نے کہا کہ موَصَّدٌ کا معنی بند کیا ہوا ہے، اس قول سے انہوں نے درج ذیل آیت کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّمَا عَلَيْهُمْ شُورَىٰ ۚ (الہزہ: ۸)

یعنی کافروں کے اوپر دوزخ کی آگ ہر طرف سے بند کی ہوئی ہوگی، امام بخاری نے کہا: یہ آصَدَ الْبَابُ سے ماخوذ ہے یعنی دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر مد کے ساتھ آصَدَ کر دیا یا واو سے بدل کر آوَصَدَ کر دیا۔

بَعَثْنَاهُمْ أَحْيَيْنَاهُمْ۔ اس کا معنی ہے: ہم نے ان کو زندہ کیا یعنی ان کو میند سے بیدار کر کے کھڑا کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوْا بَيْنَهُمْ۔ (الکہف: ۱۹)

اور اسی طرح ہم نے ان کو اٹھایا تاکہ ایک دوسرے کا حال پوچھیں۔

کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ ہم نے ان کو نیند سے بیدار کیا اور یہ اس وقت ہوا جب مسلمانوں نے اصحاب کبف کے متعلق بحث کی، اگلے مسلمانوں نے اور بعد کے مسلمانوں نے کہ وہ کتنی مدت غار میں رہے ہیں، اگلے مسلمانوں نے کہا کہ وہ تین سو نو سال (۳۰۹) غار میں رہے اور بعد کے مسلمانوں نے کوئی اور مدت بیان کی اور مسلمانوں کی ایک جماعت نے کہا کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت تک غار میں رہے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے غار میں ان کو نیند سے بیدار کیا تاکہ یہ ظاہر فرمائے کہ ان کی نیند کی مدت کے متعلق کس کا قول صحیح ہے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ لِمَا لَبِثُوا ۚ (الکہف: ۱۲)

پھر ہم نے ان کو اٹھایا تاکہ ہم یہ ظاہر کریں کہ ان کے غار میں ٹھہرنے کی مدت کو دو جماعتوں میں سے کس نے زیادہ یاد رکھا ہے ○

مجاہد نے کہا ہے کہ جب ہم نے ان پر غار میں نیند طاری کی تو اتنے طویل زمانے تک ان کے جسموں کو بوسیدہ ہونے سے محفوظ رکھا اور ان کے کپڑوں کو بدبو سے محفوظ رکھا۔

اَزْكٰى اَكْثَرُ وَيَقَالُ اَحَلُّ وَيَقَالُ اَكْثَرُ زَيْعًا۔
اَزْكٰى کا معنی ہے: جو اس بستی کے لوگوں کی زیادہ خوراک ہے اور جو زیادہ حلال اور پاکیزہ خوراک ہے اور جو زیادہ اچھی خوراک ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیات کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَابْعَثُوا أَحَدَكُم بِوَرِقِكُمْ هَذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ
أَيُّهَا أَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ۔
(الکہف: ۱۹)

سواب تم اپنے میں سے کسی کو چاندی کے یہ سکے دے کر شہر کی طرف بھیجو کہ وہ غور کرے کہ کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے اور اس میں سے تمہارے کھانے کے لیے لے کر آئے۔

امام بخاری نے اَزْكٰى کی تفسیر کی ہے: جو اس بستی والوں کی اکثر خوراک ہے، یہ لفظ زکوٰۃ سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: زیادتی اور بڑھنا، اور یہ جو معنی بیان کیا گیا کہ جو زیادہ حلال ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس بستی میں زیادہ مجوسی تھے جو ذبح نہیں کرتے تھے اور کچھ مومن تھے جو ذبح کرتے تھے تو اصحاب کبف نے کہا: ہمارے لیے حلال خوراک لے کر آنا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جس کا اصل کے مقابلہ میں بڑھنا زیادہ ہو۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَكْلَهَا وَلَمْ تَنْظُرْ لَمْ تَنْقُصْ۔
حَضْرَتِ ابْنِ عَبَّاسٍ نے کہا: اَكْلَهَا کا معنی ہے: خوب پھل لائے۔
وَلَمْ تَنْظُرْ کا معنی ہے: پھل لانے میں کوئی کمی نہ ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كُلْنَا الْجَنَّةَ إِنَّا أَكْلَاهَا وَلَمْ تَنْظُرْ مِّنْهُ شَيْئًا۔
دونوں باغ خوب پھل لائے اور پیداوار میں کوئی کمی نہیں کی۔
(الکہف: ۳۳)

حضرت ابن عباس کی اس تفسیر کی امام ابن ابی حاتم نے بھی روایت کی ہے۔
وَقَالَ سَعِيدٌ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ الرَّقِيمُ اللَّوْحُ مِنْ رِّصَاصٍ كُتِبَ عَلَيْهَا أَسْمَانُهُمْ ثُمَّ طَرَحَهُ فِي خِزَانَتِهِ۔
اور سعید نے کہا: از حضرت ابن عباس: الرَّقِيمُ کا معنی ہے: سیرہ کی لوح، ان کے عامل نے اس لوح کے اوپر اصحاب کبف کے نام لکھ دیئے، پھر اس لوح کو اپنے خزانے میں ڈال دیا۔

حضرت ابن عباس بن ہند سے روایت ہے کہ ان نو جوانوں کو تلاش کیا گیا تو وہ نہیں ملے، تب بادشاہ سے یہ قصہ بیان کیا گیا تو

بادشاہ نے کہا: ان نو جوانوں کا ضرور کوئی واقعہ ہے، پھر اس نے سیر کی لوح پر ان نو جوانوں کے اسماء لکھے اور اس لوح کو اپنے خزانے میں ڈال دیا، پس رقیم سے مراد وہ لوح ہے جس پر ان کے نام لکھے گئے تھے۔ اس تعلیق کی امام ابن منذر نے روایت کی ہے۔
فَضْرَبَ اللّٰهُ عَلٰی اَازَانِهِمْ فَنَامُوا۔
فَضْرَبَ اللّٰهُ عَلٰی اَازَانِهِمْ فَنَامُوا۔
کردی تو وہ سو گئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَضْرَبْنَا عَلٰی اَازَانِهِمْ فِی الْكَهْفِ سِنِیْنٍ عَدَدًا ۝
پھر ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر گنتی کے کئی سالوں تک
(الکہف: ۱۱) نیند مسلط کر دی ۝

یہ قرآن مجید کا بہت فصیح کلام ہے جس کی کوئی مثل نہیں لاسکتا۔ اس کا معنی ہے: ہم نے ان کو سلا دیا اور ہم نے ان پر نیند مسلط کر دی اور ان کے کانوں تک کسی آواز کو پہنچنے نہیں دیا۔

وَقَالَ غَيْرُهُ وَاَلَتْ تَبِلُ تَشْجُو وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَّوْتِلًا
حضرت ابن عباس کے غیر نے کہا: وَاَلَتْ تَبِلُ اور اس کا معنی ہے:
مَحْرِزًا۔ نجات پانا اور مجاہد نے کہا: مَّوْتِلًا کا معنی ہے: حفاظت کی جگہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ یَّجِدُوا مِنْ دُونِهِمْ مَّوْتِلًا ۝
بلکہ ان کے لیے وعدہ کا ایک وقت مقرر ہے وہ اس سے سرموٹنے کا
(الکہف: ۵۸) وقت نہیں پائیں گے ۝

امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ لفظ ”مَّوْتِل“ وال یثل سے ماخوذ ہے جو باب ضرب سے ہے اور مَّوْتِل کا معنی ہے: بھاگنا، تاراج سے اسی طرح روایت ہے۔

لَا یَسْتَطِیْعُونَ سَمْعًا ۝
لا یَسْتَطِیْعُونَ سَمْعًا کا معنی ہے: وہ سننے کی طاقت نہیں رکھتے یعنی
وہ سمجھ نہیں سکتے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے متعلق درج ذیل آیات کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

الَّذِیْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِی غَطَاۓ عَنْ ذِكْرِیْ وَكَانُوا لَا یَسْتَطِیْعُونَ سَمْعًا ۝ (الکہف: ۱۰۱)
جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں رہیں اور وہ (حق کو)
سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے ۝

کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کا وصف بیان کیا ہے جن کی آنکھوں کے آگے میرے ذکر سے اور مجھ پر ایمان لانے سے اور قرآن پر ایمان لانے سے غفلت کے پردے ہیں، وہ اللہ عزوجل کی کتاب کو سننے کی طاقت نہیں رکھتے اور چونکہ ان پر شقاوت کا غلبہ ہے اس لیے وہ اس قرآن میں تدبر نہیں کرتے یعنی اس طرح نہیں سنتے کہ غور و فکر کریں۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۵۵-۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور انسان ہر چیز سے زیادہ

جھگڑالو ہے۔ (الکہف: ۵۴) کی تفسیر

۱۔ بَابُ: وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرُ

شَیْءٌ جَدَلًا۔ (الکہف: ۵۴)

یہ آیت النضر بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی ہے جو قرآن میں بہت بحث کرتا تھا اور ایک قول ہے کہ یہ ابی بن خلف کے متعلق

نازل ہوئی ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر بحث کرتا تھا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۵۵-۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۷۲۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَمْرِو بْنِ أَخْبَرَهُ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ طَرَفَهُ وَفَاطِمَةَ قَالِ أَلَا تُصَلِّيَانِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے علی بن حسین نے خبر دی کہ حضرت حسین بن علی نے ان کو خبر دی از حضرت علی رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ ﷺ رات کو ان کے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے پاس آئے، فرمایا: کیا تم دونوں نماز نہیں پڑھتے؟

اس حدیث کی شرح صحیح بخاری: ۱۱۲ میں گزر چکی ہے۔

یہ پوری حدیث اس طرح ہے کہ حضرت علی نے کہا: یا رسول اللہ! ہماری جانیں اللہ کے اختیار میں ہیں وہ جب ہم کو جگانا چاہے گا جگا دے گا، یہ سن کر آپ خاموشی سے لوٹ گئے اور اپنے زانو پر ہاتھ مارتے ہوئے فرما رہے تھے: وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْئًا جَدَلًا ۝ (الکہف: ۵۴)۔

رَجْنَا بِالْغَيْبِ لَمْ يَسْتَبِينَ۔
رَجْنَا بِالْغَيْبِ کا معنی ہے: لَمْ يَسْتَبِينَ یعنی واضح نہیں ہوا اور انہوں نے صرف اندازے سے بات کی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَيَقُولُونَ حَسْبَهُ سَادُكُمْ كَلْبُهُمْ رَجْنَا بِالْغَيْبِ۔
اور (بعض) کہیں گے: وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا، یہ تمام اقوال انکل پچو پر مبنی ہیں۔ (الکہف: ۲۲)

امام بخاری نے رَجْنَا بِالْغَيْبِ کی تفسیر کی ہے: ”واضح نہیں ہوا“، ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے بغیر یقین کے ظن سے کہا ہے۔
فَرُطًا يُقَالُ نَدَمًا۔
کہا جاتا ہے: فَرُطًا کا معنی ندامت ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَاتَّبَعَهُمْ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ۝ (الکہف: ۲۸)
اور اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اور اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا O

امام بخاری نے فُرُطًا کی تفسیر ندامت کے ساتھ کی ہے اور ابو عبیدہ نے اس کی تفسیر اسراف اور ضائع کے ساتھ کی ہے۔ مجاہد نے اس کی تفسیر ضیاع کے ساتھ کی ہے اور سدی نے اس کی تفسیر ہلاک کرنے کے ساتھ کی ہے۔
سُرَادِقُهَا مِثْلُ السَّرَادِقِ وَالْحُجْرَةُ الَّتِي تُطِيفُ
سُرَادِقُهَا یہ لفظ سُرَادِقِ کی مثل ہے اور اس حجرہ کی مثل ہے جس کو سب طرف سے خیمے گھیر لیتے ہیں (اس کا معنی ہے: چار دیواری یا ہر وہ چیز جو کسی چیز کو محیط ہو جیسے خیمہ یا شامیانہ یا قنات)۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
إِنَّا آغْضْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهُمْ سُرَادِقُهَا۔
بے شک ہم نے ظالموں کے لیے ایسی دوزخ تیار کی ہے جس کے شعلوں کی چار دیواری ان کا احاطہ کرے گی۔ (الکہف: ۲۹)

سُرَادِقُهَا کی ضمیر دوزخ کی آگ کی طرف لوٹ رہی ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ دوزخ کی آگ کی چار دیواری اس حجرے کی طرح ہے جس کو خیموں نے گھیر لیا ہو اور سُرَادِقُ وہ جگہ ہے جو گھر کے اوپر صحن میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے اور گھر گھر محیط ہوتی ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ حضرت ابوسعید خدری نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ دوزخ کی آگ کے سُرَادِقُ چار دیواریں ہیں، ان میں سے ہر ایک کی موٹائی چالیس سال کی مسافت ہے، حضرت ابن عباس نے کہا: السُرَادِقُ دوزخ کی دیوار ہے اور یہاں سُرَادِقُ سے مراد وہ دھواں ہے جو قیامت کے دن کفار کا احاطہ کیے ہوئے ہوگا۔

يُحَاوِرُهُ السَّحَابُ س سے ماخوذ ہے اور اس میں اس آیت کی

طرف اشارہ ہے: فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ (الکہف: ۳۳) یعنی اس نے اپنے ساتھی سے بحث کرتے ہوئے کہا یعنی لفظ يحاوره، السحابة سے مشتق ہے اور اس کا معنی ہے: جواب دینا اور تفسیر میں مذکور ہے کہ يُحَاوِرُهُ کا معنی ہے: اس کو جواب دینا۔

اس تعلق کی امام بخاری نے از خود شرح کر دی ہے۔

لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي أَنَا هُوَ اللَّهُ رَبِّي ثُمَّ حَذَفَ الْأَلِفَ وَأَدْعَى السُّنَيْنَ فِي الْآخِرَى۔
لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي اس کا معنی ہے: لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ وہ اللہ میرا رب ہے۔ لَكِنَّا اصل میں لَكِن أَنَا تھا، الف کو حذف کر دیا اور ایک نون کا دوسرے نون میں ادغام کر دیا تو لَكِنَّا ہو گیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أَشْرُكَ بِرَبِّي أَحَدًا ۝ (الکہف: ۳۸) لیکن وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤں گا O

امام بخاری نے یہاں نحو یوں کا قاعدہ ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ لَكِنَّا اصل میں لکن انا تھا پھر انا کے الف کو حذف کر کے نون کا نون میں ادغام کر دیا تو لَكِنَّا ہو گیا۔

وَفَجَّرْنَا خِلَاءَهُمَا نَهْرًا يَقُولُ بَيْنَهُمَا نَهْرًا۔
وَفَجَّرْنَا خِلَاءَهُمَا نَهْرًا یعنی ہم نے دو باغوں کے درمیان زمین کو شق کر کے ایک دریا بہا دیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَلَّمَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْهُمَا نَهْرًا فَتَمَلَّظَتَا مِنْهُ شَيْئًا وَفَجَّرْنَا خِلَاءَهُمَا نَهْرًا ۝ (الکہف: ۳۳) دونوں باغ خوب پھل لائے اور پیداوار میں کوئی کمی نہیں کی اور ہم نے ان کے درمیان دریا رواں کر دیئے تھے O

یعنی ہم نے ان دو باغوں کے درمیان زمین شق کر کے دریا بنا دیا۔

زُلْفَا لَا يَشْبُتُ فِيهِ قَدَمٌ۔
زُلْفَا اس کا معنی ہے: پھسلنے کی جگہ جس میں قدم ٹھہرتے نہیں ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا يُزِيلُ سُلَّاتُهَا مِنْ السَّمَاءِ فَصَبَّحُ صَبِيحًا ۝ (الکہف: ۴۰) اور تمہارے باغ پر آسمان سے کوئی عذاب بھیج دے تو وہ چنیل اور چکنا میدان بن جائے O

تفسیر میں مذکور ہے کہ اس کا معنی ہے: چکنا میدان کہ جس میں کوئی پیداوار نہ ہو، اور مجاہد نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: ریتلی زمین۔
هٰذَاكَ الْوَلَايَةُ مَصْدَرُ الْوَلِيِّ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا ۖ هٰذَاكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ۔

(الکہف: ۴۳-۴۴) اختیارات اللہ ہی کے پاس ہیں جو سچا ہے۔

هٰذَاكَ سے مراد ہے: قیامت کا دن اور تفسیر میں مذکور ہے کہ اس دن وہ اللہ سے محبت کریں گے اور دنیا میں اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے تھے ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔

عُقُبَا عَاقِبَةً وَعُقُبَى وَعُقْبَةً وَاحِدٌ وَهِيَ الْآخِرَةُ۔

عُقُبَا، عَاقِبَةً وَعُقْبَةً ان سب کا ایک معنی ہے اور وہ ہے: آخرت۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا ۝ (الکہف: ۴۴)

وہی سب سے اچھا ثواب دینے والا ہے اور اس کے پاس بہترین انجام ہے O

الجوہری نے کہا ہے کہ ہر چیز کی عاقبت اس کا آخر ہے۔

قَبْلًا وَقَبْلًا وَقَبْلًا اسْتِثْنَاءًا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قَبْلًا ۝ (الکہف: ۵۵)

یا ان کے سامنے سے عذاب آجائے O

حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر میں کہا ہے: ان کی آنکھوں کے سامنے، ثعلبی نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہے: غزوہ بدر میں

ان کو تلواروں سے ہلاک کرنا اور مقاتل نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہے: مختلف قسم کے عذاب۔

لِيُدْخِلُوا فِي الدَّخْلِ الزَّلَاقِ۔

لِيُدْخِلُوا اس کا معنی ہے تاکہ وہ زائل کریں اور دَخْلُ کا معنی

ہے: پھسلانا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لِيُدْخِلُوا فِي الدَّخْلِ الزَّلَاقِ۔ (الکہف: ۵۶)

تاکہ حق کو زائل کریں۔

جب کسی آدمی کا پیر پھسل جائے تو وہ کہتا ہے: دَخَفْتُ رَجُلًا اور سدی نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: تاکہ وہ لوگ اس سے حق کو

باطل کریں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۵۸-۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابُ: وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ

حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا۔

(الکہف: ۶۰)

حُقُبًا کا معنی ہے: زمانہ اور اس کی جمع احقاب ہے۔

حُقُبًا مَنَاقِبًا وَجَنَعُهُ أَحْقَابُ۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ: لَيْعَنِي يَادِ كَيْجَ جِبِّ حَضْرَتِ مُوسَىٰ نَ كَبَا، اُور وِہ حَضْرَتِ اِبْنِ عَمْرَانِ ہِی۔

لَفْتَنُہ: یعنی اپنے شاگرد سے اور وہ یوشع بن نون ہیں، وہ ان کے ساتھ سفر میں تھے، ایک قول یہ ہے کہ وہ ان کے غلام اور مملوک تھے۔

مَجْمَعُ الْبَحْرَيْنِ: وہ بحر فارس اور بحر روم ہے جو شرق کے قریب ہے اور حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ وہ افریقہ میں ہے اور ایک قول ہے کہ وہ بحر اردن اور بحر قلزم ہے۔

أَوْ أَمْضَىٰ حَقْبًا: یعنی میں طویل زمانے تک سفر کرتا رہوں گا حتیٰ کہ میں مجمع البحرین تک پہنچ جاؤں گا۔ قتادہ نے کہا: حَقْبٌ کا معنی ہے: زمانہ، حضرت ابن عباس نے کہا: اس کا معنی ہے: دہر، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے کہا: اس کا معنی ہے: اسی (۸۰) سال اور اس کی جمع احقاب ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۵۸)

۴۷۲۵۔ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَنْوَةُ بْنُ دِينَارٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّ نَوْفًا الْبِكَالِيَّ يَزْعُمُ أَنَّ مُوسَىٰ صَاحِبَ الْخَضِرِ لَيْسَ هُوَ مُوسَىٰ صَاحِبَ بَنِي إِسْرَائِيلَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَذَبَ عَدُوُّ اللَّهِ حَدَّثَنِي أَبِي بْنُ كَعْبٍ أَنَّ سَيِّمَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّ مُوسَىٰ قَامَ خَطِيبًا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ قُسِيلَ أَتَى النَّاسَ أَعْلَمُ فَقَالَ أَنَا فَتَعَبَ اللَّهُ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَيْهِ فَأَوْحَىٰ اللَّهُ إِلَيْهِ إِنَّ لِي عَبْدًا يَسْجَمُ الْبَحْرَيْنِ هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ قَالَ مُوسَىٰ يَا رَبِّ فَكَيْفَ لِي بِهِ قَالَ تَأْخُذُ مَعَكَ حُوتًا فَتَجْعَلُهُ لِي مِثْلَ فَحِشْمَا فَقَذَتِ الْحُوتُ فَهُوَ ثُمَّ فَأَخَذَ حُوتًا فَجَعَلَهُ لِي مِثْلَ ثُمَّ انْطَلَقَ وَانْطَلَقَ مَعَهُ بِفَتَاةٍ يُوشَعَ بْنِ نُونٍ حَتَّىٰ إِذَا أَتَيَا الشَّجَرَةَ وَضَعَا رُءُوسَهُمَا فَنَامَا وَاضْطَرَبَ الْحُوتُ فِي الْمِثْلِ فَخَرَجَ مِنْهُ فَسَقَطَ فِي الْبَحْرِ فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا وَأَمْسَكَ اللَّهُ عَنِ الْحُوتِ جَرِيَّةَ النَّاسِ فَصَارَ عَلَيْهِ مِثْلُ الطَّاقِ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ نَسِيَ صَاحِبَهُ أَنَّ يُخْبِرُهُ بِالْحُوتِ فَانْطَلَقَا بِقِيَّةٍ يَوْمَهُمَا وَلَيْسَتْهُمَا حَتَّىٰ إِذَا كَانَ مِنَ الْعَدِ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاةٍ آتِنَا عَذَاثَنَا لَقَدْ لَعِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا قَالَ وَلَمْ يَجِدْ مُوسَىٰ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن دینار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن جبیر نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ نوف بکالی کا یہ زعم ہے کہ جو موسیٰ حضرت خضر کے صاحب تھے وہ بنی اسرائیل کے موسیٰ نہیں تھے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اس اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا، مجھے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل میں خطبہ دے رہے تھے تو ان سے سوال کیا گیا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ انہوں نے کہا: میں ہوں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے اللہ کی طرف علم کو نہیں لوٹا یا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ مجمع البحرین میں میرا ایک بندہ ہے جو تم سے بڑا عالم ہے تو حضرت موسیٰ نے پوچھا: اے میرے رب! میری اس تک کیسے رسائی ہوگی؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اپنے ساتھ ایک مچھلی لو اور اس کو نوکری میں رکھو، پس جہاں تم اس مچھلی کو گم پاؤ گے وہ بندہ اسی جگہ ہوگا، حضرت موسیٰ نے ایک مچھلی لے کر اس کو نوکری میں رکھا، پھر وہ روانہ ہوئے اور ان کے ساتھ ان کے شاگرد حضرت یوشع بن نون بھی تھے، حتیٰ کہ جب وہ دونوں ایک چٹان پر آئے اور اس پر سر رکھ کر وہ دونوں سو گئے تو وہ مچھلی

النَّصَبَ حَتَّى جَاوَزَا الْحَكَّانَ الَّذِي أَمَرَ اللَّهُ بِهِ فَقَالَ لَهُ فَتَاهُ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْخُوتَ وَمَا أَنَسَانِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا قَالَ فَكَانَ لِلْخُوتِ سَرَبًا وَلِمُوسَى وَلِفَتَاهُ عَجَبًا فَقَالَ مُوسَى ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي فَازْتَدَا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا قَالَ رَجَعَا يَقْضَانِ آثَارَهُمَا حَتَّى اتَّهَيَّا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِذَا رَجُلٌ مُسْتَجِبٌ ثَوْبًا فَسَلَّمَ عَلَيْهِ مُوسَى فَقَالَ الْخَضِرُ وَأَنْتَ يَا رَضِيكَ السَّلَامُ قَالَ أَنَا مُوسَى قَالَ مُوسَى بَنِي إِسْرَآئِيلَ قَالَ نَعَمْ أَتَيْتُكَ لِتُعَلِّمَنِي مِمَّا عَلَّمْتَ رَسَدًا قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا يَا مُوسَى إِنِّي عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ عَلَّمَنِيهِ لَا تَعْلَمُهُ أَنْتَ وَأَنْتَ عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ عَلَّمَكَهُ اللَّهُ لَا أَعْلَمُهُ فَقَالَ مُوسَى سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا فَقَالَ لَهُ الْخَضِرُ فَإِنْ أَتْبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّى أَخْبِرَكَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا فَإِن تَلَقَّيْنِي شِيَانٍ عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ فَمَزَتْ سَفِينَتُهُمْ فَكَلَّمُوهُمْ أَنْ يَخِيلُوهُمْ فَعَرَفُوا الْخَضِرَ فَحَمَلُوهُمْ بِغَيْرِ تَوَلٍّ فَلَمَّا رَكِبْنَا فِي السَّفِينَةِ لَمْ يَفْجَأْ إِلَّا وَالْخَضِرُ قَدْ قَدَّمَ لَوْحًا مِنْ أَلْوَحِ السَّفِينَةِ بِالنَّقْدِ فَقَالَ لَهُ مُوسَى قَوْمٌ قَدْ حَمَلُونَا بِغَيْرِ تَوَلٍّ عَمَدَتْ إِلَى سَفِينَتِهِمْ فَخَرَقْتُهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتُ شَيْئًا إِمْرًا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا قَالَ لَا تَوَاضِعْ بِنَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَكَانَتْ الْأُدَى مِنْ مُوسَى نَسِيَانًا قَالَ وَجَاءَ عُصْفُورٌ فَوَقَعَ عَلَى حَرْفِ السَّفِينَةِ فَتَقَرَّرَ فِي الْبَحْرِ نَقْرَةً فَقَالَ لَهُ الْخَضِرُ مَا عَلَيَّ وَعَيْلُكَ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ إِلَّا مِثْلُ مَا نَقَصَ هَذَا الْعُصْفُورُ مِنْ هَذَا الْبَحْرِ ثُمَّ خَرَجَا مِنَ السَّفِينَةِ فَبَيْنَمَا هُمَا يَتَشَيَّانِ عَلَى السَّاحِلِ إِذْ أَبْصَرَ الْخَضِرُ

ٹوٹری میں تڑپی اور وہ پھلی سمندر میں جاگری اور اس نے سمندر میں سرنگ کی طرح اپنا راستہ بنالیا اور اللہ تعالیٰ نے پھلی کے ساتھ پانی کے بہنے کو روک لیا اور وہ پانی اس پر طاق کی طرح ہو گیا، پھر جب حضرت موسیٰ بیدار ہوئے تو ان کا شاگرد ان کو پھلی کی خبر دیتا بھول گیا، پھر وہ دونوں بقیہ دن اور رات سفر کرتے رہے، پھر جب صبح ہوئی تو حضرت موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا: ہمارا ناشتہ لاؤ ہم اس سفر سے تھک گئے ہیں، آپ نے بتایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھکاوٹ اس وقت ہوئی تھی جب وہ اس جگہ سے آگے چلے گئے تھے جہاں کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا تو ان کے شاگرد نے کہا: بھلا دیکھیے جب ہم اس چٹان پر ٹھہرے تھے تو میں آپ سے پھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا اور مجھے اس کا ذکر کرنا صرف شیطان نے بھلایا تھا، اس پھلی نے سمندر میں بہت عجیب راستہ بنالیا تھا اور پھلی کے لیے سرنگ بن گئی تھی اور یہ حضرت موسیٰ اور ان کے شاگرد کے لیے بہت حیرت انگیز بات تھی، پس حضرت موسیٰ نے کہا: اسی واقعہ کو تو ہم ڈھونڈ رہے تھے، پھر وہ دونوں اپنے قدموں کے نشان پر واپس گئے اور اپنے قدموں کے نشان پر چلتے رہے حتیٰ کہ اس چٹان پر پہنچ گئے، پس انہوں نے دیکھا کہ وہاں ایک مرد چادر اوڑھے ہوئے بیٹھا ہے، حضرت موسیٰ نے انہیں سلام کیا، تو حضرت خضر نے کہا: اس جگہ سلام کہاں سے آیا؟ حضرت موسیٰ نے کہا: میں موسیٰ ہوں، حضرت خضر نے پوچھا: بنی اسرائیل کے موسیٰ ہو؟ حضرت موسیٰ نے کہا: جی ہاں! میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو ہدایت کا علم دیا ہے آپ اس میں سے کچھ علم مجھے بھی عطا فرمادیں۔ حضرت خضر نے کہا: آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے اے موسیٰ! مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے وہ علم دیا ہے جسے آپ نہیں جانتے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے جو علم دیا ہے اس کو میں نہیں جانتا۔ حضرت موسیٰ نے کہا: ان شاء اللہ آپ عنقریب مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں کسی بات میں آپ کی حکم برداری نہیں کروں گا۔ حضرت خضر نے کہا: اگر آپ میری پیروی کرتے ہیں تو آپ کسی چیز کے متعلق مجھ

غَلَامًا يَلْعَبُ مَعَ الْغُلَّامِ فَأَخَذَ الْخَضِرُ رَأْسَهُ بِيَدِهِ
فَأَقْبَلَهُ بِيَدِهِ فَقَتَلَهُ فَقَالَ لَهُ مُوسَى أَقْتَلْتَ نَفْسًا
زَاكِيَةً بَغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكَرًا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ
لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا قَالَ وَهَذِهِ أُشَدُّ
مِنْ الْأُولَى قَالَ إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا
تُصَاحِبْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا فَانْطَلَقَا حَتَّى
إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلُهَا فَأَبَوْا أَنْ
يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَ قَالَ
مَائِلٌ فَقَامَ الْخَضِرُ فَأَقَامَهُ بِيَدِهِ فَقَالَ مُوسَى قَوْمُ
أَتَيْنَاهُمْ فَلَمْ يُطْعَمُوا وَلَمْ يُضَيَّفُوا لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ
عَلَيْهِ أَجْرًا قَالَ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ إِلَى قَرْيَةٍ ذَلِكَ
تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿٢٨﴾ (البقرة: ٢٨) فَقَالَ رَسُولُ
اللَّهِ ﷺ وَدِدْنَا أَنَّ مُوسَى كَانَ صَبْرًا حَتَّى يَقْضَى
اللَّهُ عَلَيْنَا مِنْ خَيْرِهِمَا قَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ فَكَانَ
ابْنُ عَبَّاسٍ يَقْرَأُ وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَدِيدٌ يَأْخُذُ كُلُّ
سَفِينَةٍ صَالِحَةٍ خَضْبًا وَكَانَ يَقْرَأُ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ
كَافِرًا وَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ۔

سے اس وقت تک سوال نہ کریں جب تک کہ میں خود آپ سے
اس کا ذکر نہ کروں، پس وہ دونوں روانہ ہوئے اور سمندر کے
کنارے چلتے رہے، پھر ان کے پاس سے کشتی گزری، انہوں
نے اس سے بات کی کہ وہ ان کو سوار کر لیں انہوں نے حضرت خضر
کو پہچان لیا اور بغیر معاوضہ کے ان کو سوار کر لیا، پس جب وہ کشتی
میں سوار ہو گئے تو وہ صرف اس بات سے حیران ہوئے کہ حضرت
خضر نے کشتی کے تختوں میں سے ایک تختے کو کلباڑے سے چیر
ڈالا، تو حضرت موسیٰ نے کہا: ان لوگوں نے ہم کو بغیر اجرت کے
سوار کیا اور آپ نے ان کی کشتی کا ایک تختہ چیر ڈالا تا کہ انجام کار
اس میں بیٹھنے والے ڈوب جائیں، یہ تو آپ نے بہت برا کام کیا۔
حضرت خضر نے کہا کہ میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ
میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے؟ حضرت موسیٰ نے کہا: آپ
میری بھول پر مواخذہ نہ کریں اور میرے کام کو دشوار نہ بنائیں،
حضرت ابن عباس نے کہا: اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ پہلی
بار حضرت موسیٰ سے بھول ہوئی تھی اور آپ نے فرمایا: ایک چڑیا
آئی اور کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی، پھر اس نے سمندر میں ایک
چونچ ماری تو حضرت خضر نے کہا: میرا اور آپ کا علم اللہ کے علم کے
مقابلے میں بس اتنا ہے جتنا اس چڑیا نے سمندر سے پانی کم کیا
ہے، پھر وہ دونوں کشتی سے اتر کر روانہ ہوئے، پس جس وقت وہ
دونوں سمندر کے کنارے جا رہے تھے تو اچانک حضرت خضر نے
ایک لڑکے کو دیکھا جو لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، حضرت خضر نے
اس کا سر پکڑ کر اس پر اپنا ہاتھ مارا، سو اس کو مار ڈالا تو حضرت موسیٰ
نے ان سے کہا: آپ نے ایک بے قصور شخص کو بغیر کسی جان کے
بدلے مار ڈالا، یہ تو آپ نے بہت برا کام کیا، حضرت خضر نے کہا:
کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر
سکیں گے، نبی ﷺ نے فرمایا: یہ (ملامت) پہلے سے زیادہ
شدید تھی، حضرت موسیٰ نے کہا: اگر اس کے بعد میں آپ سے کسی
چیز کے متعلق سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں بے
شک آپ میری طرف سے عذر کو پہنچ چکے ہیں، پھر وہ دونوں روانہ

ہوئے حتیٰ کہ وہ ایک بستی والوں کے پاس آئے اور ان بستی والوں سے طعام طلب کیا، انہوں نے ان کی ضیافت سے انکار کر دیا، پھر ان دونوں نے دیکھا اس بستی کی ایک دیوار ٹوٹنے والی ہے، آپ نے بتایا کہ وہ جھک رہی تھی، حضرت خضر نے کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ سے اس دیوار کو سیدھا کر دیا، پس حضرت موسیٰ نے کہا: ہم ان لوگوں کے پاس آئے تو انہوں نے ہمیں کھانا نہیں کھلایا، ہماری مہمانی نہیں کی تو اگر آپ چاہیں تو اپنے اس کام پر اجرت لے لیں، حضرت خضر نے کہا: یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی کی گھڑی ہے، یہ آیت یہاں تک ہے ”یہ ان باتوں کی توجیہات ہیں جن پر آپ صبر نہیں کر سکے تھے“ (الکہف: ۷۸) پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم چاہتے تھے کہ حضرت موسیٰ صبر کرتے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کے واقعات سے کچھ اور خبریں بیان فرماتا۔ سعید بن جبیر نے کہا: حضرت ابن عباس یوں پڑھتے تھے کہ ان کے سامنے ایک بادشاہ تھا جو ہر صبح سالم کشتی کو چھین لیتا تھا اور وہ یہ پڑھتے تھے کہ ہادہ لڑکا تو وہ کافر تھا اور اس کے ماں باپ مومن تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۷۴ میں گزر چکی ہے، تاہم چند امور کی وضاحت کی جا رہی ہے:

بعض مشکل عبارات کی شرح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام بخاری نے دس سے زیادہ ابواب میں بیان کیا ہے اور ہم نے اس کی شرح اس باب میں کی ہے جس کا عنوان ہے: عالم کے لیے مستحب یہ ہے کہ جب اس سے سوال کیا جائے کہ سب سے بڑا عالم کون ہے تو وہ کہے: اللہ۔
نوف البکالی: حضرت ابن عباس نے ان کے متعلق کہا: اس اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے غضب سے کہا تھا ورنہ نوف البکالی نیک مومن تھے اور انہوں نے اسلام میں بہت اچھے عمل کیے تھے۔
حتیٰ کہ جب وہ دونوں چٹان پر پہنچے: یہ چٹان مجمع البحرین کے پاس تھی، وہ دونوں اس چٹان پر رات کے وقت پہنچے تھے اور سو گئے تھے۔

وہ مچھلی نوکری میں تڑپی اور نوکری سے نکل کر سمندر میں جا گری: کہا جاتا ہے کہ اس چٹان کی جڑ میں ایک چشمہ تھا جس کو آب حیات کہا جاتا تھا، جو بھی اس کا پانی پی لیتا تو وہ ہمیشہ زندہ رہتا۔ اس مچھلی نے بھی اس چشمہ کا پانی پالیا تھا اس لیے وہ نوکری میں تڑپی اور نوکری سے نکل کر سمندر میں داخل ہو گئی، یہ امام ابن مردویہ کی روایت ہے اور دوسری روایت ہے کہ اس چشمہ کے پانی کے چند قطرے اس مچھلی پر گرے تھے، پس وہ زندہ ہو گئی اور نوکری سے نکل کر سمندر میں گر گئی۔

سنابا: یعنی چلنے کی جگہ، حضرت ابی بن کعب نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ وہ پانی مچھلی کے راستہ سے ایک

طرف ہو گیا اور وہ روشن دان کی طرح ہو گیا، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مچھلی کے پیچھے اس روشن دان میں داخل ہو گئے، پس وہاں ان کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، یہ ثعلبی کی روایت ہے۔ کلبی کی روایت ہے کہ حضرت یوشع نے آب حیات کے چشمہ سے وضو کیا اور اس مچھلی پر جو نوکری میں تھی اس پر پانی کے چھینٹے ڈالے تو وہ زندہ ہو گئی، پھر وہ پانی میں کود گئی، پھر حضرت یوشع مچھلی کی دم کو مارتے اور جہاں بھی اس کو ضرب لگتی اس جگہ سے پانی خشک ہو جاتا۔

نَضْبًا: اس کا معنی ہے: شدید تھکاوٹ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس چٹان سے تجاوز کرنے کے بعد بھوک لگ گئی تھی تاکہ وہ مچھلی کو یاد کریں اور اپنے مطلب کی جگہ پہنچ جائیں۔

خضر: ان کا نام بلیا تھا، ان کو خضر کا لقب اس لیے دیا گیا کہ وہ جس زمین پر بیٹھتے تو وہ سرسبز ہو جاتی تھی۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۶۰-۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۔ بَابُ: فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنَهُمَا نِسْيَانَهُمَا
فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا۔

(الکہف: ۶۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پس جب وہ دونوں سمندر کے سنگم پر پہنچ گئے تو وہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے، سو مچھلی نے

سمندر میں سرنگ بناتے ہوئے اپنا راستہ بنا لیا۔

(الکہف: ۶۱) کی تفسیر

مَذْهَبًا يَسْرُبُ يَسْرُبُ يَسْرُبُ وَمِنْهُ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ۔
سَرَبٌ کا معنی ہے: جانے یا چلنے کی جگہ اور اسی سے ماخوذ ہے دن میں راستے پر جانے والا۔

وہ دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے: الثعلبی نے کہا ہے کہ مچھلی حضرت یوشع کے پاس تھی اور وہی اس کو بھول گئے تھے، پھر دونوں کی طرف نسیان کی نسبت کردی اور مراد یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک بھولا تھا۔

۲۶۷۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ أَخْبَرَنِي يَعْلَى بْنُ مُسْلِمٍ وَعَمْرُو بْنُ وَثَّارٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ يَزِيدُ أَحَدُهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ وَغَيْرُهُمَا قَدْ سَمِعْتُهُ يُحَدِّثُهُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ إِنَّا لَعِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي بَيْتِهِ إِذْ قَالَ سَلُونِي قُلْتُ أَيْ أَبَا عَبَّاسٍ جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاكَ بِالْكُوفَةِ رَجُلٌ قَاسٍ يُقَالُ لَهُ ثَوْبٌ يَزْعُمُ أَنَّهُ لَيْسَ بِمُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَمَّا عَمْرُو فَقَالَ لِي قَالَ قَدْ كَذَبَ عَدُوُّ اللَّهِ وَأَمَّا يَعْلَى فَقَالَ لِي قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنِي أَبِي بْنُ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ 'مُوسَى رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ ذَكَرَ النَّاسُ يَوْمًا حَتَّى إِذَا قَاضَتْ الْعُيُونُ وَرَقَّتِ الْقُلُوبُ وَلَّى

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے خبر دی کہ ابن جریج نے ان کو خبر دی، انہوں نے بتایا کہ یعلیٰ بن مسلم اور عمرو بن دینار نے مجھے خبر دی از سعید بن جبیر ان میں سے ایک اپنے صاحب کی روایت پر اضافہ کرتا تھا اور ان دونوں کے غیر نے کہا: میں نے ان سے سنا وہ اس حدیث کو سعید بن جبیر سے روایت کرتے تھے، انہوں نے کہا: میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ ان کے گھر میں بیٹھا ہوا تھا جب انہوں نے کہا: مجھ سے سوال کرو تو میں نے کہا: اے ابوالعباس! اللہ مجھے آپ پر فدا کر دے کوفہ میں ایک قصہ بیان کرنے والا ہے جس کا نام نوف ہے۔ جس کا یہ زعم ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے موسیٰ نہیں تھے (جن کی حضرت خضر سے ملاقات ہوئی تھی) لیکن عمرو بن دینار نے مجھ

فَأَذَرَكُهُ رَجُلٌ فَقَالَ أُمِّي رَسُولَ اللَّهِ هَلْ فِي الْأَرْضِ
أَحَدٌ أَعْلَمُ مِنْكَ قَالَ لَا فَعَتَبَ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرِدْ الْعِلْمُ
إِلَى اللَّهِ قِيلَ بَلَى قَالَ أُمِّي رَبِّ فَأَيْنَ قَالَ بِمَجْنَعِ
الْبَحْرَيْنِ قَالَ أُمِّي رَبِّ اجْعَلْ لِي عَلَمًا أَعْلَمُ ذَلِكَ بِهِ
فَقَالَ لِي عَمْرُو قَالَ حَيْثُ يُفَارِقُكَ الْحَوْثُ وَقَالَ لِي
يَعْلَى قَالَ خُذْ نُونًا مَيْتًا حَيْثُ يُنْقَعُ فِيهِ الرُّوحُ فَأَخَذَ
حَوْثًا فَجَعَلَهُ فِي مَكْتَلٍ فَقَالَ لِفَتَاهُ لَا أَكْفُفُكَ إِلَّا أَنْ
تُخْبِنَ بِحَيْثُ يُفَارِقُكَ الْحَوْثُ قَالَ مَا كُنْتُ كَثِيرًا
فَذَلِكَ قَوْلُهُ جَلَّ ذِكْرُهُ وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ يُوشَعَ
بْنُ نُونٍ لَيْسَتْ عَنْ سَعِيدٍ قَالَ فَبَيْنَمَا هُوَ فِي ظِلِّ
صَخْرَةٍ فِي مَكَانٍ ثَرَيَّانٍ إِذْ تَضَرَّبَ الْحَوْثُ وَمُوسَى
نَائِمٌ فَقَالَ فَتَاهُ لَا أُوقِظُكَ حَتَّى إِذَا اسْتَيْقَظَ نَبَى أَنْ
يُخْبِرَهُ وَتَضَرَّبَ الْحَوْثُ حَتَّى دَخَلَ الْبَحْرَ فَأَمْسَكَ
اللَّهُ عَنْهُ جَرِيَّةَ الْبَحْرِ حَتَّى كَانَتْ أَثَرُهُ فِي حَجَرٍ قَالَ لِي
عَمْرُو هَكَذَا كَانَتْ أَثَرُهُ فِي حَجَرٍ وَحَلَّتْ بَيْنَ إِبْنَاهُمَا
وَالثَّيْنِ تِلْكَ لَيْسَ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا
قَالَ قَدْ قَطَعَ اللَّهُ عَنْكَ النَّصَبَ لَيْسَتْ هَذِهِ عَنْ
سَعِيدٍ أَخْبَرَهُ فَمَجَعًا فَوَجَدَا خَضِرًا قَالَ لِي عُثْمَانُ بْنُ
أَبِي سُلَيْمَانَ عَلَى طَيْفَسَةٍ خَضِرَاءَ عَلَى كَيْدِ الْبَحْرِ قَالَ
سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ مُسْتَمِي بِشَوْبِهِ قَدْ جَعَلَ طَرَفُهُ تَحْتَ
رِجْلَيْهِ وَطَرَفُهُ تَحْتَ رَأْسِهِ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ مُوسَى
فَكَشَفَ عَنْ وَجْهِهِ وَقَالَ هَلْ بِأَرْضِي مِنْ سَلَامٍ مَنْ
أَنْتَ قَالَ أَنَا مُوسَى قَالَ مُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ قَالَ
نَعَمْ قَالَ فَمَا شَأْنُكَ قَالَ جِئْتُ لِتُعَلِّمَنِي مِمَّا عَلِمْتَ
رَشْدًا قَالَ أَمَا يَكْفِيكَ أَنَّ الشُّورَاةَ بِيَدَيْكَ وَأَنَّ
الْوَحْيَ يَأْتِيكَ يَا مُوسَى إِنَّ لِي عَلَمًا لَا يَنْهَيْكَ لَكَ أَنْ
تَعْلَمَهُ فَإِنَّ لَكَ عَلَمًا لَا يَنْهَيْكَ أَنْ أَعْلَمَهُ فَأَخَذَ طَائِرَ
بِسْتَقَارِهِ مِنَ الْبَحْرِ وَقَالَ وَاللَّهِ مَا عِنْدِي وَمَا عِنْدَكَ
لِي حَنْبٍ عِلْمِ اللَّهِ إِلَّا كَمَا أَخَذَ هَذَا الطَّائِرُ بِسْتَقَارِهِ وَمِنْ

سے کہا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس اللہ کے دشمن نے
جھوٹ بولا ہے اور یعلیٰ نے کہا کہ مجھ سے حضرت ابن عباس نے
کہا کہ مجھے حضرت ابی بن کعب نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ
ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام
نے لوگوں کو وعظ کیا حتیٰ کہ جب وعظ کے اثر سے لوگوں کی آنکھوں
سے آنسو بہنے لگے اور ان کے دل نرم ہونے لگے تو وہ پیٹھ پھیر کر
جانے لگے تو ایک شخص ان سے ملا اور کہا: اے رسول اللہ! کیا
زمین میں آپ سے بڑا بھی کوئی عالم ہے؟ حضرت موسیٰ نے کہا:
نہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے علم کو اللہ
کی طرف نہیں لوٹایا تھا، سو ان سے کہا گیا: کیوں نہیں، حضرت
موسیٰ نے پوچھا: اے میرے رب! وہ کہاں ہیں؟ فرمایا کہ مجمع
البحرین میں ہیں، حضرت موسیٰ نے کہا: اے میرے رب!
میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دے جس کے ذریعہ میں ان کو
پہچان لو، پس مجھ سے عمرو بن دینار نے کہا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
جس جگہ مچھلی تم سے جدا ہوگی اور یعلیٰ نے مجھ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا کہ تم ایک مردہ مچھلی لو، جس جگہ اس مچھلی میں روح ڈالی
جائے گی تو حضرت موسیٰ نے ایک مچھلی لی اور اس کو نوکری میں رکھ
دیا اور اپنے شاگرد سے کہا: میں تمہیں صرف اس بات کا پابند کرتا
ہوں کہ تم مجھے بتانا کہ وہ مچھلی تم سے کہاں جدا ہوتی ہے۔ ان کے
شاگرد نے کہا: آپ نے مجھے کسی زیادہ کام کا مکلف نہیں کیا اور یہ
اللہ عز وجل کا وہ قول ہے: جب موسیٰ نے اپنے شاگرد یوشع بن نون
سے کہا، یہ سعید کی روایت میں نہیں ہے، انہوں نے کہا کہ جس
وقت حضرت موسیٰ چٹان کے سائے میں گئے جہاں نئی اور ٹھنڈی تھی
اس وقت مچھلی تڑپی (اور سمندر میں کود گئی) اور حضرت موسیٰ سوئے
ہوئے تھے تو ان کے شاگرد نے کہا: میں ان کو بیدار نہیں کروں گا
حتیٰ کہ جب وہ بیدار ہوئے تو حضرت یوشع ان کو بتانا بھول گئے کہ
مچھلی تڑپی اور سمندر میں داخل ہو گئی، پس اللہ تعالیٰ نے مچھلی سے
سمندر کی روانی کو روک لیا حتیٰ کہ جس پتھر سے مچھلی گزری تھی اس
پر اس کا نشان بن گیا، مجھ سے عمرو بن دینار نے کہا: ”اس طرح“

الْبَحْرِ حَتَّى إِذَا رَكِبَ فِي السَّفِينَةِ وَجَدَ مَعَابِرَ صَغَارًا
تَحْمِلُ أَهْلَ هَذَا السَّاحِلِ إِلَى أَهْلِ هَذَا السَّاحِلِ
الْآخِرِ عَرَفُوهُ فَقَالُوا عَبْدُ اللَّهِ الصَّالِحُ قَالَ قُلْنَا
لِسَعِيدٍ خَصْرٌ قَالَ نَعَمْ لَا نَحْبِلُهُ بِأَجْرِ فَخَرَقَهَا وَوَتَدَ
فِيهَا وَتَدَا قَالَ مُوسَى أَخَرَقْتُهَا لِتُفَرِّقَ أَهْلَهَا لَقَدْ
جِئْتُ شَيْئًا إِمْرًا قَالَ مُجَاهِدٌ مُنْكَرًا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ
إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا كَانَتْ الْأُولَى نِسْيَانًا
وَالْوَسْطَى شَرْطًا وَالثَّالِثَةُ عَمْدًا قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا
لَسِيْتُ وَلَا تُزِغْنِي مِنْ أَمْرِي عُنْمًا لَقِيَا غُلَامًا
فَقَتَلَهُ قَالَ يَعْنِي قَالَ سَعِيدٌ وَجَدَ غُلَامًا يَلْعَبُونَ
فَأَخَذَ غُلَامًا كَافِرًا ظَرِيفًا فَأَصْبَحَهُ ثُمَّ ذَبَحَهُ
بِالسَّيِّئِينَ قَالَ أَقْتَلْتُ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَمْ
تَعْمَلْ بِالْحَيِّثِ وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَرَأَهَا زَكِيَّةً زَاكِيَّةً
مُسْلِمَةً كَقَوْلِكَ غُلَامًا زَكِيًّا فَانْطَلَقَا فَوَجَدَا جِدَارًا
أُرِيدُ أَنْ يَنْقُضَ فَأَقَامَهُ قَالَ سَعِيدٌ بَيِّنَةٌ هَكَذَا
وَرَفَعَ يَدَهُ فَاسْتَقَامَ قَالَ يَعْنِي حَسِبْتُ أَنَّ سَعِيدًا
قَالَ فَتَسَعَّهُ بَيِّنَةٌ فَاسْتَقَامَ لَوْ شِئْتُ لَأَتَّخَذْتُ
هَلِكِيهِ أَجْرًا قَالَ سَعِيدٌ أَجْرًا نَاكِلُهُ وَكَانَ وَرَائِهِمْ وَكَانَ
أَمَامَهُمْ قَرَأَهَا ابْنُ عَبَّاسٍ أَمَامَهُمْ مَدِيكَ يَزْعُمُونَ
بَعْنٌ غَيْرِ سَعِيدٍ أَنَّهُ هَدَدُ بَنٍ بُدَدَ وَالْغُلَامُ الْمَقْتُولُ
السُّبَّةُ يَزْعُمُونَ جَيْسُورٌ مَدِيكَ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَضْبًا
فَقَارَدَتْ إِذَا هِيَ مَرَّتْ بِهِ أَنْ يَدْعَهَا لِعَيْنِهَا فَإِذَا
تَجَاوَزُوا أَصْلَحُوهَا فَاتَّقَعُوا بِهَا وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ
سَدُّوْهَا بِقَارُورَةٍ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ بِالنَّارِ كَانَ
أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ وَكَانَ كَافِرًا فَخَشِينَا أَنْ يُزْهَقَهُمَا
فَلَقِينَا وَكُفِّرَا أَنْ يُحْمِلَهُمَا حُبُّهُ عَلَيَّ أَنْ يُتَابِعَا عَلَيَّ
فَبَيْنَمَا قَارَدْنَا أَنْ يُبَدِّلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً يَقُولُهُ
أَقْتَلْتُ نَفْسًا زَكِيَّةً وَأَقْرَبْتُ رُحْمًا هُنَا بِهِ أَزْحَمُ
مِنْهُمَا بِالْأَوَّلِ الَّذِي قَتَلَ خَصْرٌ وَزَعَمَ غَيْرُ سَعِيدٍ

اور انہوں نے اپنے انگوٹھے اور اس کے ساتھ کی دو انگلیوں کے
درمیان حلقہ بنایا گویا کہ پتھر پر اس طرح کا نشان تھا (حضرت
موسیٰ نے کہا:) ہم کو اس سفر سے بہت تھکاوٹ ہو گئی ہے،
(حضرت یوشع نے) کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے اس تھکاوٹ کو
منقطع کر دیا ہے، یہ جملہ سعید کی روایت میں نہیں ہے جو انہوں
نے بتائی، پس وہ دونوں واپس گئے اور انہوں نے حضرت خضر کو پا
لیا۔ ابن جریج نے کہا: مجھ سے عثمان بن ابی سلیمان نے کہا کہ
حضرت خضر سمندر کے وسط میں سبز چادر کے اوپر بیٹھے ہوئے
تھے، سعید بن جبیر نے کہا: وہ ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے،
اس کپڑے کی ایک طرف اپنے دونوں پیروں کے نیچے رکھی تھی اور
دوسری طرف اپنے سر کے نیچے رکھی تھی، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام
نے ان کو سلام کیا، انہوں نے اپنے چہرے سے کپڑا کھولا اور کہا:
کیا میری زمین میں سلامتی ہے؟ تم کون ہو؟ حضرت موسیٰ نے کہا:
میں موسیٰ ہوں، انہوں نے پوچھا: بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ انہوں
نے کہا: ہاں! انہوں نے پوچھا: آپ کو کیا کام ہے؟ انہوں نے کہا:
میں اس لیے آیا ہوں کہ اللہ نے آپ کو جو کچھ ہدایت کا علم دیا ہے
اس میں سے کچھ علم کی آپ مجھے بھی تعلیم دیں۔ حضرت خضر نے کہا
کہ آپ کو یہ کافی نہیں ہے کہ تورات آپ کے دونوں ہاتھوں میں
ہے اور وحی آپ کے پاس آتی ہے اے موسیٰ! بے شک ایک علم
ایسا ہے کہ آپ کے لیے اس کا جاننا مناسب نہیں ہے اور بے شک
آپ کے پاس ایسا علم ہے جس کو جاننا میرے لیے مناسب نہیں
ہے، پس ایک پرندے نے اپنی چونچ میں سمندر کا پانی پی لیا اور
کہا: اللہ کی قسم! میرا علم اور آپ کا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں
اتنا ہے جتنا اس پرندے نے اپنی چونچ میں سمندر کا پانی پی لیا حتیٰ کہ
وہ دونوں کشتی میں سوار ہو گئے، کشتی میں سوار ہوتے وقت انہوں
نے چھوٹی چھوٹی کشتیاں دیکھیں جو ساحل سمندر کے ایک طرف
رہنے والوں کو دوسرے ساحل پر رہنے والوں تک پہنچاتی تھی
انہوں نے حضرت خضر کو پہچان لیا۔ کہنے لگے اللہ کے نیک بندے
ہیں ابن جریج نے کہا: ہم نے سعید سے پوچھا: کیا حضرت خضر کو؟

أَنَّهُمَا أَبَدًا جَارِيَةً وَأَمَّا دَاوُدُ بْنُ أَبِي عَاصِمٍ فَقَالَ
عَنْ غَيْرٍ وَاحِدٍ إِنَّهَا جَارِيَةٌ۔

انہوں نے کہا: ہاں! کشتی والوں نے کہا: ہم انہیں اجرت لے کر سوار نہیں کریں گے، حضرت خضر نے کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا اور تختے کی جگہ اس میں کیلیں ٹھوک دیں، حضرت موسیٰ نے کہا: کیا آپ نے کشتی کا تختہ اس لیے اکھاڑا ہے کہ اس میں بیٹھنے والے غرق ہو جائیں؟ آپ نے ایک ناگوار کام کیا ہے۔ مجاہد نے اس کا ترجمہ منکرنا یعنی برا کیا ہے۔ حضرت خضر نے کہا: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔ پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ کا سوال بھول سے تھا، دوسری مرتبہ یہ طور شرط تھا اور تیسری مرتبہ عہد تھا، حضرت موسیٰ نے کہا: آپ میری بھول پر میرا مواخذہ نہ کریں اور میرے کام کو مشکل میں نہ ڈالیں، وہ دونوں ایک لڑکے سے ملے تو حضرت خضر نے اس کو قتل کر دیا، یعلیٰ نے کہا: سعید نے بیان کیا: حضرت خضر نے دیکھا کہ لڑکے کھیل رہے ہیں، انہوں نے ایک کافر اور چالاک لڑکے کو پکڑا اور اس کو زمین پر پچھاڑا اور اس کو زمین پر چھری سے ذبح کر دیا، حضرت موسیٰ نے کہا: کیا آپ نے ایک بے قصور لڑکے کو بغیر کسی جان کے بدلے کے قتل کر دیا جس نے ابھی تک کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ حضرت ابن عباس نے اس کو پڑھا ہے: ذَكِيَّةٌ، ذَاكِيَّةٌ مُنْبِلَةٌ جیسے تم کہو: بے قصور لڑکا، پس وہ دونوں گئے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک دیوار گرنے والی ہے تو حضرت خضر نے اس کو درست کر دیا، سعید نے کہا: انہوں نے اپنے ہاتھ سے اس طرح درست کیا، انہوں نے اپنا ہاتھ بلند کر کے سیدھا کیا۔ یعلیٰ نے کہا: میرا گمان ہے کہ سعید نے کہا کہ حضرت خضر نے اس دیوار پر اپنا ہاتھ پھیرا تو وہ سیدھی ہو گئی، (حضرت موسیٰ نے کہا:) آپ چاہیں تو اس کی اجرت لے لیں، سعید نے کہا: ایسی اجرت لیں کہ جس کو ہم کھائیں وَكَانَ ذَٰلِكَ اس کا معنی ہے: اس کے آگے ایک امام تھا، حضرت ابن عباس نے اس کو امام پڑھا ہے یعنی بادشاہ تھا اور سعید کے علاوہ دوسروں نے یہ کہا ہے کہ اس کا نام ہدود بن بدو تھا اور جو لڑکا قتل کیا گیا تھا اس کے بارے میں وہ بتاتے ہیں کہ اس کا نام جیسور تھا۔ بادشاہ ہر کشتی کو چھین لیتا تھا تو میں نے ارادہ کیا کہ جب وہ کشتی

بادشاہ کے پاس سے گزرے تو اس کے عیب کی وجہ سے اس کو چھوڑ دے، پس جب وہ کشتی والے وہاں سے گزر جائیں گے تو اس کشتی کو ٹھیک کر کے اس سے نفع اٹھائیں گے اور ان میں سے بعض یہ کہتے تھے کہ انہوں نے اس کشتی کے تختے کو سیسہ سے جوڑ دیا اور بعض نے کہا: تارکول سے جوڑ دیا اور اس لڑکے کے ماں باپ مومن تھے اور وہ لڑکا کافر تھا، پس ہم ڈرے کہ وہ لڑکا ان کو بھی کفر اور سرکشی میں مبتلا کر دے گا اور اس کے ماں باپ اس لڑکے سے محبت کی وجہ سے اس کے دین میں اس کی موافقت کریں گے، پس ہم نے ارادہ کیا کہ ان کا رب اس لڑکے سے بہتر اور پاکیزہ اور اللہ کی رحمت کے زیادہ قریب ان کو بیٹا دے دے، یہ اس قول کی تفسیر ہے: کیا آپ نے ایک بے قصور لڑکے کو قتل کر دیا اور اُقترب رحما سے مراد یہ ہے کہ وہ دونوں اس پہلے لڑکے سے زیادہ رحم کریں گے جس کو حضرت خضر نے قتل کر دیا تھا اور سعید کے علاوہ دوسروں نے یہ کہا کہ اس لڑکے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک لڑکی دے دی اور داؤد بن ابی عاصم نے کہا کہ متعدد لوگوں نے کہا ہے کہ اس لڑکے کے بدلے میں انہیں لڑکی دی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۷۴ میں گزر چکی ہے۔

اللہ نے اس مقتول لڑکے کے بدلے میں جو لڑکی دی تھی اس کا تذکرہ

اللہ نے انہیں اس لڑکے کے بدلے میں ایک لڑکی دی: ابن جریج نے بتایا کہ سعید بن جبیر نے کہا: اس مقتول لڑکے کے بدلے میں اللہ نے انہیں لڑکی دی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس لڑکی کے بطن سے ایک نبی پیدا ہوئے اور سدی بنے کہا: یہ وہی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تھے، بنی اسرائیل نے کہا تھا: ہمارے لیے ایک بادشاہ بھیجیے ہم اس کے ساتھ مل کر اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے، اس نبی کا نام شمعون علیہ السلام تھا اور اس لڑکی کا نام حنہ تھا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ ان کو اس مقتول لڑکے کے بدلے میں ایک لڑکا دیا تھا، میں کہتا ہوں کہ یہ روایت ضعیف ہے اور ابن الکلبی کی تفسیر میں ہے کہ ان کو ایسی لڑکی دی تھی جس سے متعدد انبیاء پیدا ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء علیہم السلام سے متعدد امتوں کو ہدایت دی۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۶۶)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پھر جب وہ دونوں اس جگہ سے

آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا: ہمارا

ناشتہ لاؤ، ہمیں اس سفر سے تھکاؤٹ پہنچی ہے ○ اس

۴۔ بَاب: فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ إِنِّي

عَدَاؤُنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا ۝

قَالَ أَرَأَيْتَ إِذَا أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي

نَسِيتُ الْحُوتَ۔ (الکہف: ۶۲-۶۳)

نے کہا: بھلا دیکھیے جب ہم اس چٹان کے پاس آکر ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا۔ یہ آیت یہاں تک ہے: اور اس مچھلی نے سمندر میں عجیب طریقہ سے راستہ بنا لیا تھا۔

(الکہف: ۶۲-۶۳) کی تفسیر

یعنی جب حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع نے اس جگہ سے تجاوز کیا جہاں وہ مچھلی بھول گئے تھے تو حضرت موسیٰ نے اپنے شاگرد حضرت یوشع بن نون سے کہا: ہمارا ناشتہ لاؤ ہم تھک گئے ہیں اور وہ اس لیے تھک گئے تھے کہ وہ اس چٹان سے گزرنے کے بعد ایک دن اور ایک رات تک چلتے رہے تھے۔

صُنْعًا کا معنی ہے: عمل اور کام۔

صُنْعًا عَمَلًا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

الَّذِينَ هُمْ يَسْعَوْنَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (الکہف: ۱۰۳)

یہ وہ لوگ ہیں جن کی تمام مساعی دنیا کی زندگی میں اکارت گئیں اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ نیک کام کر رہے ہیں ○

امام بخاری نے صُنْعًا کی تفسیر عَمَلًا سے کی ہے اور اس آیت میں جن کا ذکر ہے ان کا بیان اس دوسری آیت میں ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا (الکہف: ۱۰۳)

آپ کہیے: کیا ہم تم کو یہ خبر دیں کہ سب سے زیادہ نقصان دہ کام کن لوگوں کے ہیں ○

ان کے مصداق میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ راہب اور قصہ گو ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو گرجوں میں وقف کر رکھا تھا، یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ یہود اور نصاریٰ ہیں اور عبد اللہ بن الکوا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں تو انہوں نے کہا: یہ تم لوگ ہو، اے اہل حروراء! حَوْلًا کا معنی ہے: پھر جانا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

خُلِدُوا فِيهَا فَلَا يُبْعَثُونَ عَنْهَا حَوْلًا (الکہف: ۱۰۸)

وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں وہ اس جگہ کو تبدیل کرنا نہیں چاہیں گے ○

یعنی اہل جنت جنت کو چھوڑ کر کہیں اور جانا نہیں چاہیں گے۔

قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغُ فَأَمَّا تَدَاعَىٰ أَعْيُنُهُمْ فَوَاقَصَ (الکہف: ۶۳)

موسیٰ نے کہا: یہی تو وہ چیز ہے جس کو ہم ڈھونڈ رہے تھے تو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں کی پیروی کرتے ہوئے پیچھے لوٹے ○

امام بخاری نے اس تعلیق میں اس آیت کا ذکر کیا ہے، یہ ظاہر اس آیت کی اس تعلیق کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے، علامہ عینی نے اس آیت کا ذکر نہیں کیا، حافظ ابن حجر نے اس آیت کو لکھا ہے مگر اس آیت کی یہاں پر کسی مناسبت کا ذکر نہیں کیا ہے۔

إِمْرًا وَنُكْرًا ذَاهِيَةً۔

إِمْرًا اس کا معنی ہے: بہت عجیب کام و نکر اس کا بھی یہی معنی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل دو آیتوں کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِمْرًا ۝ (الکہف: ۷۱)

یہ تو آپ نے بہت خطرناک کام کیا ہے

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اَكْثَرًا ۝ (الکہف: ۷۲)

آپ نے یہ بہت معیوب کام کیا ہے

امام بخاری نے ان دونوں لفظوں کی تفسیر داہیہ کے ساتھ کی ہے یعنی عظیم (سنگین بات) اور اس میں اختلاف ہے کہ ان دونوں لفظوں میں سے کون سا زیادہ بلیغ ہے۔ ایک قول ہے کہ اِمْرًا، نکرأ سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ حضرت موسیٰ نے یہ اس وقت کہا تھا جب حضرت خضر نے کشتی کا تختہ اکھاڑ دیا تھا اور نکرأ اس وقت کہا تھا جب حضرت خضر نے اس لڑکے کو مار ڈالا تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ نکرأ زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اس کا ضرر اسی وقت ہو گیا تھا جب کہ اِمْرًا اس وقت کہا تھا جب ضرر کا خطرہ تھا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نکرأ کے ساتھ فرمایا: اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ (الکہف: ۷۵) اور یہ اِمْرًا کے ساتھ نہیں کہا تھا۔

يَنْقُصُ يَنْقَاضُ کما تَنْقَاضُ السِّنُّ۔

يَنْقُصُ اس کا معنی ہے: وہ دیوار ٹوٹ جائے گی جیسے دانت ٹوٹ

جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَوْ جَدَا فِيْهَا جَدًا مَّا تَرٰثِرِيْدًا اَنْ يَّتَقَضَّ فَاَقَامَهُ۔

پھر ان دونوں نے اس ہستی میں ایک دیوار کو دیکھا جو گرنے والی تھی

(الکہف: ۷۵) تو اس نے اس کو سیدھا کر دیا۔

جب کوئی گھر منہدم ہو جائے تو عرب کہتے ہیں: اِنْقَضَتِ الدَّارُ بعض نے اس کو يَنْقَاضُ پڑھا ہے، یہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی چیز اپنی اصل سے نکل جائے جیسے دانت نکل جائے تو کہتے ہیں: اِنْقَاضَتِ السِّنُّ۔

لَتَخَذْتُ وَاشْخَذْتُ وَاحِدٌ۔

لَتَخَذْتُ اور وَاشْخَذْتُ یہ دونوں الفاظ ایک ہیں یعنی آپ اجرت

لے لیتے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ لَوْ شِئْتُ لَتَخَذْتُ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝ (الکہف: ۷۷)

موسیٰ نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اجرت لے لیتے

مسلم کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لَتَخَذْتُ پڑھا ہے۔

رُحْمًا مِنَ الرُّحْمِ وَهِيَ اَشَدُّ مُبَالَغَةً مِنَ الرُّحْمَةِ وَنَظَرُ اَنَّهُ مِنَ الرُّحِيمِ وَتَدْعَى مَكَّةَ اُمَّ رُحِمٍ اَمَى الرُّحْمَةُ تَنْزِلُ بِهَا۔

رُحْمًا، رُحْم سے ماخوذ ہے اور یہ رحمت کا بہت زیادہ مبالغہ ہے اور ہم یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ رُحِيم سے نکلا ہے اس لیے مکہ کو اُمَّ رُحْم کہا جاتا ہے کیونکہ وہاں رحمت نازل ہوتی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَمَرَدُنَا اَنْ يَّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝ (الکہف: ۸۱)

تو ہم نے یہ چاہا کہ ان کا رب ان دونوں کو اس کے بدلہ میں اس

سے اچھا بچہ عطا فرمائے جو پاکیزہ اور زیادہ رحم دل ہو

خلاصہ یہ ہے کہ رُحْم اس رحم سے ماخوذ ہے جو قرابت کے معنی میں ہے اور اس میں رحمت سے زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ رحمت کا معنی ہے: رقت قلب اور وہ قرابت کو مستلزم نہیں ہے جب کہ قرابت رقت قلب کو مستلزم ہے اور یہی امام بخاری کا مختار ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۶۹۳، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

۳۷۲۷۔ حَدَّثَنِي قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنِي
سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ
جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّ تَوْفَا الْبِكَالِيَّ يَزْعُمُ أَنَّ
مُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ لَيْسَ بِمُوسَى الْخَضِرِ فَقَالَ
كَذَبَ عَدُوُّ اللَّهِ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ كَعْبٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ
ﷺ قَالَ قَامَ مُوسَى خَطِيبًا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ
فَقِيلَ لَهُ أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ قَالَ أَنَا فَعَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِ إِذْ
لَمْ يَزِدْ الْعِلْمُ إِلَيْهِ وَأَوْحَى إِلَيْهِ بَلَى عَبْدٌ مِنْ عِبَادِي
بِمَجْتَمِعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ قَالَ أَيُّ رَبِّ كَيْفَ
السَّبِيلُ إِلَيْهِ قَالَ تَأْخُذُ حُوتًا فِي مَكْتَلٍ فَحَيْثُمَا
فَقَدْتَ الْحُوتَ فَاتَّبِعْهُ قَالَ فَخَرَجَ مُوسَى وَمَعَهُ فَتَاهُ
يُوشَعَ بْنُ نُونٍ وَمَعَهُمَا الْحُوتُ حَتَّى اسْتَهَبَا إِلَى
الشَّجَرَةِ فَنَزَلَا عِنْدَهَا قَالَ فَوَضَعَ مُوسَى رَأْسَهُ فَنَامَ
قَالَ سُفْيَانُ وَفِي حَدِيثٍ غَيْرِ عَمْرِو قَالَ وَفِي أَصْلِ
الشَّجَرَةِ عَيْنٌ يُقَالُ لَهَا الْحَيَاةُ لَا يُصِيبُ مِنْ مَائِهَا
شَيْءٌ إِلَّا حَيِيَ فَأَصَابَ الْحُوتُ مِنْ مَائِهَا تِلْكَ الْعَيْنَ
قَالَ فَتَحَرَّكَ وَانْسَلَّ مِنَ الْمَكْتَلِ فَدَخَلَ الْبَحْرَ
فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ مُوسَى قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَائِنَا الْيَوْمَ
قَالَ وَلَمْ يَجِدْ النَّصَبَ حَتَّى جَاوَزَ مَا أَمَرِيهِ قَالَ لَهُ
فَتَاهُ يُوشَعَ بْنُ نُونٍ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الشَّجَرَةِ فَبَاقِ
لَسِيْتَ الْحُوتَ الْيَوْمَ قَالَ فَرَجَعَا يَقْضَانِ فِي آثَارِهِمَا
فَوَجَدَا فِي الْبَحْرِ كَالْطَّاقِ مَمَرُ الْحُوتِ فَكَانَ لِفَتَاهُ
عَجَبًا وَلِلْحُوتِ سَرَبًا قَالَ فَلَمَّا اسْتَهَبَا إِلَى الشَّجَرَةِ إِذْ
هُمَا بِرَجُلٍ مُسْتَعْمِلٍ بِشُوبٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ مُوسَى قَالَ وَأَنْتَ
بِأَرْضِكَ السَّلَامُ فَقَالَ أَنَا مُوسَى قَالَ مُوسَى بَنِي
إِسْرَائِيلَ قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ أَتَيْتُكَ عَلَى أَنْ تَعْلَمَنِي
مِمَّا عُلِمْتَ رَشْدًا قَالَ لَهُ الْخَضِرُ يَا مُوسَى إِنَّكَ عَلَى
عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ عِلْمُكَ اللَّهُ لَا أَعْلَمُهُ وَأَنَا عَلَى عِلْمٍ
مِنْ عِلْمِ اللَّهِ عِلْمِيهِ اللَّهُ لَا تَعْلَمُهُ قَالَ بَلَى أَتَيْتُكَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: مجھے سفیان بن عیینہ نے حدیث بیان کی از عمرو بن دینار از سعید بن جبیر، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ توف البرکالی کا یہ زعم ہے کہ بنی اسرائیل کے حضرت موسیٰ وہ موسیٰ نہیں تھے جو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ تھے، حضرت ابن عباس نے کہا: اس اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا، ہمیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل میں خطبہ دے رہے تھے تو ان سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ انہوں نے کہا: میں ہوں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف علم کو نہیں لوٹایا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی: کیوں نہیں جمع البحرین میں میرے بندوں میں سے ایک بندہ ہے جو آپ سے بڑا عالم ہے، حضرت موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے رب! میں ان تک کیسے پہنچوں گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اپنی ٹوکری میں ایک مچھلی رکھ لو، جس جگہ تم اس مچھلی کو گم پاؤ وہیں تم ان کی پیروی کرنا، آپ نے بتایا کہ حضرت موسیٰ نکلے اور ان کے ساتھ ان کے شاگرد حضرت یوشع بن نون بھی تھے اور دونوں کے ساتھ مچھلی تھی حتیٰ کہ جب وہ دونوں ایک چٹان پر پہنچے تو اس چٹان کے پاس ٹھہرے، پس حضرت موسیٰ اس چٹان پر سر رکھ سو گئے، سفیان نے کہا: عمرو بن دینار کے علاوہ دوسروں نے بتایا: اس چٹان کی جڑ میں ایک چشمہ تھا جس کو حیات کہا جاتا تھا، جس کو بھی اس چشمہ کا کچھ پانی مل جاتا تو وہ زندہ ہو جاتا، پس اس مچھلی نے اس چشمہ کا پانی پی لیا، وہ ٹوکری میں متحرک ہوئی اور ٹوکری سے نکل گئی، پس سمندر میں داخل ہوئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بیدار ہوئے تھے تو اپنے شاگرد سے کہتے تھے کہ ہمارا ناشتہ لاؤ (پوری آیت پڑھیں) نبی ﷺ نے بتایا: انہیں اس وقت تھکاوٹ ہوئی تھی جب وہ اس جگہ سے آگے گئے تھے جہاں پہنچنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا، ان کے شاگرد حضرت یوشع بن نون نے کہا: یہ بتائیے کہ جب ہم نے

قَالَ فَإِنْ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّى
أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا فَانْطَلَقَا يَتَّبِعِيَانِ عَلَى
السَّاحِلِ فَفَزَتْ بِهِمْ سَفِينَةٌ فَعَرَفَ الْخَضِرُ فَحَمَلُوهُمْ
فِي سَفِينَتِهِمْ بِغَيْرِ نَوْلٍ يَقُولُ بِغَيْرِ أَجْرٍ فَرَكِبَا
السَّفِينَةَ قَالَ وَوَقَعَ عُصْفُورٌ عَلَى حَرْفِ السَّفِينَةِ
فَغَمَسَ مِنْقَارُهُ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ الْخَضِرُ لِمُوسَى مَا
عَلَيْكَ وَعَلَيْهِ وَعِلْمُ الْخَلَائِقِ فِي عِلْمِ اللَّهِ إِلَّا مِقْدَارُ
مَا غَمَسَ هَذَا الْعُصْفُورُ مِنْقَارُهُ قَالَ قَدْ نَمَّ يَفْجَأَ
مُوسَى إِذْ عَسَدَ الْخَضِرُ إِلَى قُدُومِ فَخَرَّقَ السَّفِينَةَ
فَقَالَ لَهُ مُوسَى قَوْمٌ حَمَلُونَا بِغَيْرِ نَوْلٍ عَمَدَتْ إِلَى
سَفِينَتِهِمْ فَخَرَّقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ الْآيَةَ
فَانْطَلَقَا إِذَا هُمَا بِغُلَامٍ يَلْعَبُ مَعَ الْغُلَمَانِ فَأَخَذَ
الْخَضِرُ بِرَأْسِهِ فَقَطَعَهُ قَالَ لَهُ مُوسَى أَتَقْتُلُ نَفْسًا
رَكِيئَةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نَكْرًا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ
لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا إِلَى قَوْلِهِ قَالُوا أَنْ
يُضَيِّقُوا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقُصَ فَقَالَ
بِيَدِهِ هَكَذَا فَأَقَامَهُ فَقَالَ لَهُ مُوسَى إِنَّا دَخَلْنَا هَذِهِ
الْقَرْيَةَ فَلَمْ يُضَيِّقُوا وَلَمْ يُطْعِمُوا لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ
عَلَيْهِ أَجْرًا قَالَ هَذَا فِرَاقِي بَيْنِي وَبَيْنِكَ سَأُنَبِّئُكَ
بِشَأْنِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ
ﷺ وَوَدِدْنَا أَنَّ مُوسَى صَبَرَ حَتَّى يُقْضَى عَلَيْنَا مِنْ
أَمْرِهِمَا قَالَ وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقْرَأُ وَكَانَ أَمَامَهُمْ
مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ صَالِحَةٍ غَضَبًا وَأَمَّا الْغُلَامُ
فَكَانَ كَاذِبًا۔

چنان پر آرام کیا تھا تو میں آپ سے پچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا
(پوری آیت پڑھیں) تو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشان پر
واپس لوٹے تو انہوں نے دیکھا کہ پچھلی کے گزرنے سے سمندر
ایک طاق کی طرح بن گیا ہے، یہ ان کے شاگرد کے لیے بہت
حیرت انگیز بات تھی اور پچھلی کے لیے ایک سرنگ بن گئی تھی، آپ
نے بتایا: جب وہ دونوں اس چٹان کی طرف پہنچے تو وہاں ایک مرد
کپڑے میں لپٹا ہوا بیٹھا تھا۔ حضرت موسیٰ نے ان کو سلام کیا تو
انہوں نے کہا: تمہاری سرزمین میں سلامتی کہاں ہے، حضرت موسیٰ
نے کہا: میں موسیٰ ہوں، انہوں نے پوچھا: بنی اسرائیل کے موسیٰ
ہو؟ حضرت موسیٰ نے کہا: جی ہاں! حضرت موسیٰ نے کہا: کیا میں
آپ کی اس لیے پیروی کروں کہ آپ کو جو ہدایت کا علم دیا گیا ہے
آپ اس میں سے کچھ مجھے بھی تعلیم دیں، حضرت خضر نے کہا:
اے موسیٰ! آپ اللہ کے علم میں سے اس علم پر ہیں جس کی اللہ نے
آپ کو تعلیم دی ہے میں اسے نہیں جانتا اور میں اللہ تعالیٰ کے اس
علم پر ہوں جو اللہ نے مجھے تعلیم دی اور آپ اس علم کو نہیں جانتے۔
حضرت موسیٰ نے کہا: بلکہ میں آپ کی پیروی کروں گا، حضرت خضر
نے کہا: اگر آپ میری پیروی کرتے ہیں تو آپ مجھ سے کسی چیز
کے متعلق سوال نہ کریں جب تک کہ میں خود آپ سے اس کا ذکر نہ
کروں، پھر وہ دونوں روانہ ہوئے اور ساحل سمندر پر چلنے لگے،
پس ان دونوں کے پاس سے ایک کشتی گزری تو کشتی والوں نے
حضرت خضر کو پہچان لیا تو انہوں نے ان کو اپنی کشتی میں بغیر کسی
معاوضہ کے سوار کر لیا یعنی بغیر کسی اجرت کے، پس وہ دونوں کشتی
میں سوار ہو گئے، آپ نے بتایا کہ ایک چیز یا آ کر کشتی کے کنارے
پر بیٹھ گئی، پھر اس نے اپنی چونچ سمندر میں ڈالی تو حضرت خضر نے
حضرت موسیٰ سے کہا: آپ کا علم اور میرا علم اور تمام مخلوق کا علم اللہ
کے علم کے مقابلے میں بس اتنا ہے جتنا اس چیز یا نے سمندر میں
اپنی چونچ ڈبو کر اس سے پانی لیا ہے، آپ نے بتایا کہ پس حضرت
موسیٰ نے اچانک دیکھا کہ حضرت خضر نے کلباڑے سے کشتی کا
ایک تختہ چیر کر الگ کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر

سے کہا: ان لوگوں نے بغیر اجرت کے ہمیں کشتی میں سوار کیا اور آپ نے ان کی کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ کر نکال دیا تاکہ کشتی میں بیٹھنے والے غرق ہو جائیں، آپ نے یہ (برا) کام کیا ہے (پوری آیت پڑھیں) پھر وہ دونوں رواتہ ہوئے، پس وہ ایک لڑکے کے پاس سے گزرے جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، حضرت خضر نے اس کا سر پکڑ کر کاٹ ڈالا تو حضرت موسیٰ نے ان سے کہا: کیا آپ نے ایک بے قصور جان کو بغیر کسی جان کے بدلہ قتل کر دیا، یہ آپ نے بہت برا کام کیا۔ حضرت خضر نے کہا: کیا میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے، اس کے بعد یہ آیت یہاں تک ہے کہ بستی والوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا، پس وہاں ان دونوں نے دیکھا کہ ایک دیوار گرنے والی ہے، حضرت خضر نے اس دیوار کو اپنے ہاتھ سے درست کر کے اس طرح کھڑا کر دیا تو حضرت موسیٰ نے ان سے کہا: جب ہم اس بستی میں داخل ہوئے تو ان لوگوں نے ہماری مہمانی نہیں کی اور ہم کو کھانا نہیں کھلایا تو اگر آپ چاہیں تو اس پر اجرت لے لیں، حضرت خضر نے کہا: یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی کی گھڑی ہے، میں عنقریب آپ کو ان کاموں کی توجیہات بتاؤں گا جن پر آپ صبر نہیں کر سکے تھے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم یہ پسند کرتے تھے کہ حضرت موسیٰ صبر کرتے تاکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کے معاملہ سے ہمیں کچھ اور بتاتا اور حضرت ابن عباس یہ آیت اس طرح پڑھتے تھے کہ ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر صحیح سالم کشتی کو چھین لیتا تھا اور رہا دہ لڑکا تو وہ کافر تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۷۴ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس چشمہ کو حیات کہا جاتا تھا اور لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ اس چشمہ کو آب حیات کہا جاتا ہے۔

۵۔ بَابُ: قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا۔ (الکہف: ۱۰۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ کہیے: کیا ہم تم کو یہ خبر دیں کہ سب سے زیادہ نقصان دہ کام کن لوگوں کے ہیں۔

(الکہف: ۱۰۳) کی تفسیر

اس آیت کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

۳۷۲۸۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ سَأَلْتُ أَبِي ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا﴾ (الکہف: ۱۰۳) هُمْ الْخَرُورِيُّونَ قَالَ لَا هُمْ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى أَمَّا الْيَهُودُ فَكَذَّبُوا مُحَمَّدًا ﷺ وَأَمَّا النَّصَارَى فَكَفَرُوا بِالْجَنَّةِ وَقَالُوا لَا طَعَامَ فِيهَا وَلَا شَرَابَ وَالْخَرُورِيُّونَ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَكَانَ سَعْدٌ يُسَبِّحُهُمُ الْفَاسِقِينَ۔

(اس حدیث کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عمرو بن مرہ از مصعب بن سعد انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سوال کیا کہ آیہ کریمہ ”آپ کیسے: کیا ہم تم کو یہ خبر دیں کہ سب سے زیادہ نقصان دہ کام کن لوگوں کے ہیں۔“ (الکہف: ۱۰۳) کا مصداق کون ہے، کیا وہ الْخَرُورِیہ ہیں؟ انہوں نے کہا: نہیں وہ یہود اور نصاریٰ ہیں، رہے یہود تو انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی تھی، رہے نصاریٰ تو انہوں نے جنت کا کفر کیا تھا اور انہوں نے کہا کہ جنت میں نہ طعام ہوگا نہ شروب ہوگا اور حرور یہ وہ ہیں جنہوں نے اللہ کے عہد کو پکا کرنے کے بعد توڑ دیا تھا اور حضرت سعد ان کو فاسق کہتے تھے۔

مصعب کے والد کا نام اور حرور یہ کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مصعب بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سوال کیا: ان کے والد کا نام ہے: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔ وہ حرور یہ ہیں: یہ خوراج کی ایک جماعت ہے جو حروراء کی طرف منسوب ہے اور وہ کوفہ کے قریب ایک بستی ہے اور خوراج کے خروج کی ابتداء حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہوئی تھی، مصعب بن سعد بیان کرتے ہیں کہ جب حرور یہ نے خروج کیا تو میں نے اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی ہے: ان لوگوں کی کوشش دنیا کی زندگی میں ضائع ہوگئی۔ (الکہف: ۱۰۳) تو حضرت سعد نے کہا: اس آیت کا مصداق گرجے والے ہیں، یہ لوگ میڑھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو میڑھا کر دیا اور یہود و نصاریٰ کو خسارہ ہوا کیونکہ ان لوگوں نے بغیر کسی صحیح دلیل کے غیر اللہ کی عبادت کی تو ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور عمریں برباد ہو گئیں اور حرور یہ وہ ہیں جنہوں نے قرآن مجید میں اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پکا کرنے کے بعد اس عہد کی مخالفت کی، انہوں نے قرآن میں یہ اقرار کیا تھا کہ وہ اولوالامر کی اطاعت کریں گے اور انہوں نے اولوالامر کی مخالفت کی اور حرور یہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ نقصان اٹھانے والے ہیں کیونکہ وہ کافر نہیں ہیں بلکہ فاسق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے عہد شکنی کرنے والوں کے بارے میں فرمایا: وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہیں۔ (البقرہ: ۲۷۷) اور کافروہ ہیں جو زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں جن کا ذکر (الکہف: ۱۰۵) میں ہے، اس کا بیان اگلے باب میں آ رہا ہے۔

(عمدة القاری، ج ۱۹، ص ۷۰-۶۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۔ بَابُ: أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَ

لِقَائِهِمْ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ

(الکہف: ۱۰۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے

رب کی آیتوں اور اس سے ملاقات کے ساتھ کفر کیا، سو

ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔ (الکہف: ۱۰۵) کی تفسیر

یعنی جن لوگوں نے دلائل کا انکار کیا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور ثواب اور عذاب کا کفر کیا ان کے اعمال برباد ہو گئے کیونکہ وہ ثواب سے خالی ہیں۔

۴۷۲۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو الزِّنَادِ عَنْ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّهُ لَيَأْتِي الرَّجُلُ الْعَظِيمُ السَّيِّئُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَزُنْ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحُ بَعُوضَةٍ وَقَالَ اقْرَأُوا ۖ فَلَا تُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزَنًا ۝ (الكهف: ۱۰۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں المغیرہ بن عبد الرحمن نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے ابو الزناد نے حدیث بیان کی از اعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن ایک بہت بڑا مونا مرد آئے گا، اللہ کے نزدیک اس کا وزن چھپر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا اور آپ نے فرمایا تم یہ آیت پڑھو: اور ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے ○ (الكهف: ۱۰۵)، (مسلم: ۲۷۸۵)

وَعَنْ يَحْيَى بْنِ بُكَيْرٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ مِثْلَهُ۔

از یحییٰ بن بکیر از مغیرہ بن عبد الرحمن از ابی الزناد سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورہ کہف کی تفسیر مکمل ہو گئی، اب ان شاء اللہ سورہ مریم کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۹۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَةِ کَھٰیعَصّ

سورۃ کَھٰیعَصّ (مریم) کی تفسیر

سورۃ کَھٰیعَصّ (مریم) کا تعارف

یہ سورۃ کَھٰیعَصّ کی بعض آیات کی تفسیر ہے۔ الثعلبی نے کہا: یہ سورت مکی ہے، مقاتل نے کہا: یہ پوری سورت مکی ہے سوا آیت سجدہ کے، وہ مدنی ہے، علامہ قرطبی نے کہا: یہ سورت سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کے بعد نازل ہوئی اور اس میں اٹھانوے (۹۸) آیات ہیں۔

کَھٰیعَصّ کے معنی میں بھی اختلاف ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے، قتادہ سے روایت ہے کہ یہ اسماء قرآن میں سے ایک اسم ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ ایک سورت کا نام ہے، نیز حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ قسم ہے جس سے اللہ نے قسم کھائی ہے، کبھی سے روایت ہے کہ یہ ثناء ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنی ثناء کی ہے، نیز حضرت ابن عباس نے کہا: الکاف کریم سے ہے اور الباء ہادی سے ہے اور یاء رحیم سے ہے اور عین عظیم سے ہے۔ اس حدیث کی امام مالک نے از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس روایت کی ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۷۱)

امام ابن سعد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں مدینہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خیبر میں تھے، میں نے بنو غفار کے ایک شخص کو دیکھا وہ لوگوں کو صبح کی نماز پڑھا رہا تھا، میں نے سنا اس نے صبح کی پہلی رکعت میں سورۃ مزیم پڑھی اور دوسری رکعت میں وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ پڑھی۔ (الدر المنثور ج ۵ ص ۷۷۷)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَسْبَغَ بِهِمْ وَاَبْصَرَ اللّٰهُ یَقُولُهُ وَهُمْ
الْیَوْمَ لَا یَسْتَعُوْنَ وَلَا یُبْصِرُوْنَ فِی ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ یَعْنِی
قَوْلُهُ اَسْبَغَ بِهِمْ وَاَبْصَرَ الْکُفَّارَ یَوْمَیْنِ اَسْبَغَ شَیْئِی
وَاَبْصَرَکَ۔

حضرت ابن عباس نے کہا: اَسْبَغَ بِهِمْ وَاَبْصَرَ اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ کفار آج (دنیا میں) نہ (حقیقت میں) سنتے ہیں اور نہ (حقیقت میں) دیکھتے ہیں، ان کی مراد اللہ تعالیٰ کے ارشاد اَسْبَغَ بِهِمْ وَاَبْصَرَ کا تعلق قیامت کے دن سے ہے، اس دن وہ خوب سنتے ہوں گے اور خوب دیکھتے ہوں گے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَسْبَغَ بِهِمْ وَاَبْصَرَ یَوْمَ یَاْتُوْنَ اَیْنَ الظُّلُمُوْنَ الْیَوْمَ فِی
ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (مریم: ۳۸)

جس دن وہ ہمارے سامنے پیش ہوں گے تو کیسے سنتے ہوں گے اور کیسے دیکھتے ہوں گے! لیکن ظالم آج کے دن کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں

○ میں ہیں

اس کا معنی یہ ہے کہ اَسْبَغَ بِهِمْ وَاَبْصَرَ لفظاً امر ہیں اور اس کا معنی خبر ہے یعنی قیامت کے دن لوگوں میں کفار سے زیادہ سنتے والا اور دیکھنے والا کوئی نہیں ہوگا لیکن اس دن ان کا سننا اور دیکھنا ان کو نفع نہیں دے گا اور دنیا میں وہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں، نہ سنتے ہیں

نہ دیکھتے ہیں۔

قوله لَا تُرْجِسُكَ لَأَشْتَتِكَ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ أَرَأَيْتَ أَنْتَ عَنِ الْهَقِّ يَا بُرْهَانٌ لَّيْنٌ لَمْ تَنْتَهُ
لَا تُرْجِسُكَ وَافْجُرْ فِي مَلِيئًا (مریم: ۴۶)

بمیش کے لیے مجھے چھوڑ دے O

مقتل، ضحاک اور کبھی نے بھی اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے اور حضرت ابن عباس نے کہا: اس کا معنی ہے: میں تم کو ماروں گا۔
وَرَيْتَا مَنُظَرًا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا
براء یٰ (مریم: ۷۴)

امام بخاری نے ریتا کی تفسیر منظر کے ساتھ کی ہے۔ حضرت ابن عباس نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ عَلِمْتُ مَرِيْمُ أَنَّ الشَّقِيَّ ذُو نُفْيَةٍ حَتَّى
قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيْنَا وَقَالَ
ابْنُ عُيَيْنَةَ تَوَرَّهُمُ أَرَأَيْتَ عَجَبُهُمْ إِلَى السَّعَامِيِّ إِذْ عَاجَا۔
ابو دآل نے کہا کہ حضرت مریم نے جان لیا تھا کہ جو اللہ سے
ڈرنے والا ہو وہ صاحب عقل ہوتا ہے، حتیٰ کہ انہوں نے کہا کہ
میں تجھ سے رحمن کی پناہ میں آتی ہوں اگر تو اللہ سے ڈرنے والا
ہے۔ (مریم: ۱۸) اور ابن عیینہ نے کہا: تَوَرَّاهُمْ أَعْرَا کا معنی ہے:
تو ان کو گناہوں کی طرف کھینچتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَوَرَّاهُمْ
أَعْرَا (مریم: ۸۳)

سفیان بن عیینہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ شیاطین کفار کو گناہوں کی طرف کھینچتے رہتے تھے۔ حضرت ابن عباس سے بھی
یہی تفسیر مروی ہے اور ضحاک نے اس کی تفسیر میں کہا کہ شیاطین ان کو گناہوں کا حکم دیتے ہیں: أَلَاذَّكَالَتٍ میں معنی ہے: پست آواز۔
وَقَالَ مُجَاهِدٌ إِذَا عَوَّجَا۔
مجاہد نے کہا: لَدَا کا معنی ہے: کچی اور میڑھ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَإِنَّمَا يَسَّرُنَا بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا
لَّدَا (مریم: ۹۷)

لَدَا اس شخص کو کہتے ہیں جس کی عادت لوگوں سے جھگڑا کرنا ہو اور مجاہد نے کہا: لَدَا اس ظالم کو کہتے ہیں جو ہدایت پر نہ ہو اور ابو عبیدہ
نے کہا: أَلَا لَدَا اس شخص کو کہتے ہیں جو حق کو قبول نہ کرے اور باطل کی دعوت دے۔ مجاہد کی تعلیق کی امام ابن المنذر نے روایت کی ہے۔
قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَرَدَا عِطَاشًا۔
حضرت ابن عباس نے کہا: وَرَدَا کا معنی ہے: پیاسے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَتَسُوْقُ الْمُهْجِرَ مِنْ اِلٰی جَهَنَّمَ وَنُزْدًا ۝ (مریم: ۸۶)

اور ہم مجرموں کو پیاسے جہنم کی طرف ہانکیں گے ○
الْوُزْدُ اس جماعت کو کہتے ہیں جو پانی کے گھاٹ پر یا پانی کے تالاب پر پانی پینے کے لیے آئے اور تھکنے سے کہا ہے کہ اس کا
معنی ہے: جو پیاسا ہو اور ننگے پیر گردن اٹھائے ہوئے پانی کی طرف آئے۔

أَشَاثًا مَّالًا۔
أَشَاثًا اس کا معنی ہے: مال۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا ۝ (مریم: ۷۴)
اور ہم ان سے پہلے کتنی بستیوں کو تباہ کر چکے ہیں، جن کا سامان اور
آرائش ان سے زیادہ شاندار تھی ○

امام بخاری نے أَثَاثًا کی تفسیر مال کے ساتھ کی ہے، حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر بیت سے کی ہے، جب کہ مقتول نے
اس کی تفسیر کپڑے سے کی ہے۔

إِذَا قَوْلًا عَظِيمًا۔
إِذَا کا معنی ہے: قول عظیم یعنی بہت سنگین بات۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِذَا ۝ (مریم: ۸۸-۸۹)
اور کافروں نے کہا: رحمن نے (اپنی) اولاد بنائی ہے ○ بے شک
تم نے بہت سخت بات کہی ہے ○

یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے کا قول کرنا بہت سنگین بات ہے۔

رَكْعًا صَوْتًا۔
رَكْعًا کا معنی ہے: آواز۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ ۖ هَلْ تُحِصُّ مِنْهُمْ قُرْبًى
أَحَدًا أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رَكْعَةً ۝ (مریم: ۹۸)
اور ہم اس سے پہلے کتنی صدیوں کے لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں، کیا
آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا ان میں سے کسی کی آہٹ
سنتے ہیں ○

امام بخاری نے رَكْعَةً کی تفسیر آواز کے ساتھ کی ہے، حضرت ابن عباس سے بھی یہی تفسیر مروی ہے اور امام طبری نے کہا ہے
کہ کلام عرب میں رَكْعَةً کا معنی ہے: پست آواز۔

وَقَالَ غَيْرُهَا غَيًّا خُسْرًا ۝
حضرت ابن عباس کے غیر نے کہا: غَيًّا کا معنی ہے: خسران یعنی
نقصان۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا
الشَّهْوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ (مریم: ۵۹)
پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آئے جنہوں نے نمازیں ضائع کیں
اور خواہشات کی پیروی کی تو عذقیب وہ غی (بلاست) میں جا
گریں گے ○

امام بخاری نے غَيًّا کی تفسیر خسران کے ساتھ کی ہے، حضرت ابن عباس سے بھی اسی تفسیر کی مثل مروی ہے، حضرت ابن مسعود

یعنی شہد سے روایت ہے کہ اَلْغٰی جہنم کی ایک وادی ہے جس کی گہرائی بہت زیادہ ہے، اس حدیث کی حاکم نے روایت کی ہے، حضرت ابن مسعود سے یہ بھی روایت ہے کہ اَلْغٰی جہنم میں ایک دریا ہے، عطا سے روایت ہے کہ اَلْغٰی جہنم کی ایک وادی ہے جس میں خون اور پیپ بہتا رہتا ہے اور کعب سے روایت ہے کہ وہ جہنم میں ایک وادی ہے جو سب سے زیادہ گہری ہے اور اس میں سب سے زیادہ تپش ہے اس میں ایک کنواں ہے جس کا نام اَلْهَيْم ہے۔ جب بھی جہنم کی آگ ٹھنڈی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کنوئیں کو کھول دیتا ہے، پھر اس سے جہنم بھڑکنے لگتی ہے۔

بُکَيَّا جَمَاعَةٌ بَانَ۔
بُکَيَّا یہ بَانَ کی جمع ہے، یعنی رونے والے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَةُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ﴿٥٨﴾

جب ان پر رحمن کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیں ○ (مریم: ۵۸)

امام بخاری نے کہا کہ بُکَيَّا بَانَ کی جمع ہے، امام ابو عبیدہ نے بھی اس کی یہی تفسیر کی ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس کی اصل بُكُوْنٌ ہے۔ فُعُولٌ کے وزن پر جو قاعید کی جمع ہے۔ اس میں واو اور یا جمع ہوئے اور اس میں سے پہلا ساکن ہے تو واو کو یا سے بدل کر یا کا یا میں ادغام کر دیا اور چونکہ اس سے پہلے پیش تھا اس کو یا کی مناسبت سے زیر سے بدل دیا۔ ثعلبی نے کہا کہ یہ آیت اہل کتاب کے مومنین کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب ہیں۔

صَلِيًّا صَبِي يَفْسَىٰ کے باب کا مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے: جو دوزخ میں گر اور جل گیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَهُمْ كُنُحٌ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صَلِيًّا ﴿٥٠﴾

پھر بے شک ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو جہنم میں داخل ہونے کے زیادہ لائق ہیں ○ (مریم: ۵۰)

کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص آگ میں داخل ہوا اور جل گیا۔

نَدِيًّا وَالتَّادِي وَاحِدٌ مَّجْلِسًا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٌ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَمْثَلُ الْقَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَآخَسُنْ نَدِيًّا ﴿٤٣﴾

اور جب ان پر ہماری واضح آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو کفار مومنوں سے یہ کہتے ہیں کہ دو فریقوں میں سے کس کا مقام زیادہ اچھا ہے، اور کس کی مجلس زیادہ بہتر ہے ○

امام ابو عبیدہ نے کہا ہے: النَّدِي اور التَّادِي دونوں واحد ہیں اور اس کی جمع اَنْدِيَّةٌ ہے اور اس کا معنی ہے: وہ جگہ جہاں لوگ جمع ہو کر بیٹھتے ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۷۳-۷۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابُ: وَأَنْذَرَهُمْ يَوْمَ الْحَصَاةِ۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور آپ انہیں حسرت والے دن

سے ڈرائیے۔ (مریم: ۳۹) کی تفسیر

(مریم: ۳۹)

یَوْمَ الْحَسْرَةِ کا مصداق

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے پوری آیت نہیں لکھی، پوری آیت اس طرح ہے:

وَأَنْذَرُهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (مریم: ۳۹)

یعنی آپ کفار مکہ کو قیامت کے دن سے ڈرائیے جو حسرت کا دن ہے، اس دن بدکار حسرت کرے گا کہ اس نے نیک عمل کیوں نہ کیے اور نیکوکار حسرت سے کہیں گے کہ کاش! اس نے زیادہ نیک کام کیے ہوتے۔

جب فیصلہ ہو چکا ہوگا: یعنی جب اللہ عزوجل بندوں کا حساب لے چکا ہوگا اور ایک قول ہے: جب موت کو ذبح کیا جا چکا ہوگا اور یہ کفار دنیا کی محبت اور مشغولیت میں غافل ہیں اور آخرت میں جو کچھ ہوتا ہے۔ اس سے غافل ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۷۳-۷۴)

۳۷۳۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ بْنُ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُنَادِي بِالنُّفُوسِ كَهَيْئَةِ كَنْهٍ أَمَدَحَ فَيُنَادِي مُنَادٍ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ فَيُسْرِبُونَ وَيَنْظُرُونَ فَيَقُولُ هَلْ تَعْرِفُونَ هَذَا فَيَقُولُونَ نَعَمْ هَذَا النَّبِيُّ وَكُلُّهُمْ قَدْ رَأَوْهُ ثُمَّ يُنَادِي يَا أَهْلَ النَّارِ فَيُسْرِبُونَ وَيَنْظُرُونَ فَيَقُولُ هَلْ تَعْرِفُونَ هَذَا فَيَقُولُونَ نَعَمْ هَذَا النَّبِيُّ وَكُلُّهُمْ قَدْ رَأَوْهُ فَيُذَبِّحُ ثُمَّ يَقُولُ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ خُلُودٌ فَلَا مَوْتَ وَيَا أَهْلَ النَّارِ خُلُودٌ فَلَا مَوْتَ ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَأَنْذَرُهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ﴾ (مریم: ۳۹) وَهُوَ لَا يَأْتِي فِي غَفْلَةٍ أَهْلُ الدُّنْيَا وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ۔

(صحیح مسلم: ۲۸۳۹، سنن ترمذی: ۳۱۵۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی: انہوں نے کہا ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوصالح نے حدیث بیان کی از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سر می مینڈھے کی شکل میں موت کو لایا جائے گا، پس ایک منادی ندا کرے گا: اے اہل جنت! تو وہ گردن اٹھائیں گے اور دیکھیں گے، وہ کہے گا: کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ تو وہ کہیں گے: ہاں یہ موت ہے اور وہ سب اس کو دیکھ چکے ہوں گے، پھر وہ پکارے گا: اے اہل دوزخ! پھر وہ گردن اٹھائیں گے اور دیکھیں گے وہ کہے گا کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہاں یہ موت ہے اور ان سب نے اس کو دیکھ لیا ہوگا، پھر اس مینڈھے کو ذبح کر دیا جائے گا، پھر وہ منادی کہے گا: اے اہل جنت! اب خلود اور دوام ہے، پس موت نہیں آئے گی اور اے اہل دوزخ! اب خلود اور دوام ہے، پس موت نہیں آئے گی، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: اور آپ انہیں حسرت والے دن سے ڈرائیے، جب فیصلہ ہو چکا ہوگا اور وہ غفلت میں ہیں (مریم: ۳۹) اور یہ لوگ اہل دنیا کی غفلت میں ہوں گے اور وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

موت کو مینڈھے کی شکل میں ذبح کرنے کے متعلق احادیث

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سنن ترمذی میں ہے کہ حضرت ابوسعید نے بیان کیا کہ سر مئی مینڈھے کی شکل میں موت کو لایا جائے گا اور اس کو جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کر کے ذبح کر دیا جائے گا۔ پس اگر کوئی خوشی سے مرجاتا تو اہل جنت مرجاتے اور اگر کوئی غم سے مرجاتا تو اہل دوزخ مرجاتے۔ پھر امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۵۵۸)

اس حدیث و امام بخاری نے بھی حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۵۳۵)

نیز امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی اس طرح روایت کی ہے کہ موت کو لایا جائے گا، پھر اس کو الصراط پر کھڑا کر دیا جائے گا، پس کہا جائے گا: اے اہل جنت! تو وہ خوف زدہ ہوں گے، کہیں ان کو ان کی جگہ سے نکال نہ دیا جائے، پھر کہا جائے گا: اے اہل دوزخ! تو وہ خوشی خوشی مطلع ہوں گے کہ ان کو اس جگہ سے نکال دیا جائے گا، پھر کہا جائے گا، کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ تو وہ کہیں گے: ہاں یہ موت ہے تو اس کو ذبح کرنے کا حکم دیا جائے گا، پھر اس کو الصراط پر ذبح کر دیا جائے گا۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۳۲۷)

امام ترمذی نے اس حدیث کی ایک اور عبارت سے روایت کی ہے، اس میں ہے کہ موت کو لایا جائے گا اور اس کو جنت اور دوزخ کے درمیان سرحد پر کھڑا کر دیا جائے گا پھر اس کو لٹا کر اس سرحد پر ذبح کر دیا جائے گا۔ (سنن ترمذی: ۲۵۵۷)

امام ابن مردویہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ (الدر المنثور ج ۳ ص ۳۹۰)

مینڈھے میں سفید اور سیاہ رنگ ہونے کی حکمت اور موت کا مخلوق ہونا اور جنت اور دوزخ کا دائمی ہونا

اس مینڈھے میں سفید رنگ بھی ہوگا اور سیاہ و حار یاں بھی ہوں گی اور ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ وہ خالص سفید ہوگا۔

(تہذیب اللغت ج ۳ ص ۳۳۲)

اس کے سفید اور سیاہ رنگ کی حکمت یہ ہے کہ سفید رنگ جنت کی جہت سے ہے اور سیاہ رنگ دوزخ کی جہت سے ہے۔

علامہ مازنی نے کہا ہے کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک موت اعراض میں سے ایک عرض ہے جو حیات کی ضد ہے۔ بعض مفسرین کا زعم ہے کہ موت عرض نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے: حیات کا نہ ہونا، ان کا یہ قول غلط ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ۔ (الملک: ۲)

اس سے ثابت ہوا کہ موت مخلوق ہے اور ان دونوں اقوال کی بناء پر موت جسم نہیں ہے اس لیے اس حدیث کی یہ تاویل کی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے عالم مثال سے موت کا ایک جسم پیدا کر دیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ اہل آخرت کو موت نہیں آئے گی۔

(اکمال المعلم بفوائد المسلم ج ۲ ص ۴۳۲-۴۳۱)

حضرت ابن عباس، مقاتل اور کلبی نے کہا ہے کہ موت اور حیات دو جسم ہیں، پس موت مینڈھے کی شکل میں ہے اور جس شخص کو بھی اس کی خوشبو آئے گی، وہ مر جائے گا اور حیات چنگیری گھوڑی کی صورت میں ہے اور یہ وہی ہے جس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام اور انبیاء و پیغمبر سوار می کرتے تھے اور یہ وہی ہے جس کے پیروں کے نیچے آنے والی مٹی کو سامری نے لے کر گوسالے، یعنی بچھڑے میں ڈال دیا تھا۔

اس میں یہ دلیل ہے کہ اہل جنت اور اہل دوزخ صمدت السموات کا اس صورت میں مشاہدہ کریں گے۔

اس حدیث میں اور اس طرح کی دیگر احادیث میں یہ تصریح ہے کہ اہل جنت اور اہل دوزخ کے لیے خلود اور دوام ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں ہے، پس جس نے یہ کہا کہ اہل دوزخ کو دوزخ سے نکال دیا جائے گا اور دوزخ خالی ہو جائے گی اور فنا ہو جائے گی تو اس کا یہ قول عقل کے بھی خلاف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح احادیث کے بھی خلاف ہے اور علماء اہلسنت کے اجماع کے

کے بھی خلاف ہے۔ ہاں دوزخ کا پہلا طبقہ جس میں گناہ گار مسلمان ہوں گے وہ خالی ہو جائے گا جب گناہ گار مسلمانوں کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اس کا بیان ایک حدیث موقوف میں ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے کہا کہ آندھیاں دوزخ کے دروازوں کو بلائیں گی اور ان میں موحدین میں سے کوئی نہیں ہوگا۔ (مسند ابن ابی شیبہ: ۸/۲۴)

یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن اس حدیث کی مثل رائے اور عقل سے نہیں کہی جاسکتی تو یہ حدیث حکما مرفوع ہے۔

موت کو مینڈھے کی صورت میں اس لیے لایا جائے گا کیونکہ حدیث میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس ملک الموت سرمنی مینڈھے کی شکل میں آیا تھا اور اس نے اپنے چار ہزار (۴۰۰۰) پر کھول رکھے تھے اور جو اس کو ذبح کریں گے وہ یحییٰ بن زکریا ہیں، وہ اس مینڈھے کو نبی سنیٰ پیغمبر کے سامنے ذبح کریں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو حضرت جبرئیل علیہ السلام ذبح کریں گے۔ یہ دونوں قول علامہ قرطبی نے ذکر کیے ہیں۔ (الندکروص: ۵۱۳-۵۱۱)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۵۹۷-۵۹۴، وزارت اوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ہم اس حدیث کی شرح کتاب الرقاق میں کریں گے۔ دیکھیے صحیح البخاری: ۶۵۳۸۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۶۹۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے اس کی وہی شرح کی ہے جو ہم ابھی ”التوضیح“ سے لکھ چکے ہیں۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۷۵-۷۴)

علامہ محمد الفضیل بن الغامی المالکی الزرہونی المتوفی ۱۳۱۸ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

مینڈھے کی سفید دھاریوں سے اہل جنت کی طرف اور سیاہ دھاریوں سے اہل دوزخ کی طرف اشارہ کی توجیہ

موت کو لایا جائے گا: جو اعراض میں سے ایک عرض ہے، اس کو جسم بنا کر لایا جائے گا، کیونکہ اس میں کوئی مانع نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ عرض کو جسم بنا دے اور اس عرض کو اس کے جسم کا مادہ بنا دے۔ سرمنی مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا، اس میں سفید اور کالی دھاریاں ہوں گی، سفید زیادہ ہوں گی۔

قاضی عیاض نے کہا کہ سفیدی سے اہل جنت کی طرف اشارہ ہے، جن کے چہرے سفید ہوں گے اور سیاہی سے اہل دوزخ کی طرف اشارہ ہے، جن کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ (اکمال المعلم بشواہد مسلم ج ۸ ص ۳۸۳)

علامہ دامینی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ سفیدی زیادہ ہونے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب سے زیادہ ہے۔

(مصابیح الجامع الصحیح: ۴۷۳۰)

ان میں سے ہر ایک نے اس کو دیکھ لیا: یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسی بات ڈالی جس سے انہوں نے پہچان لیا کہ یہ

مینڈھا دراصل موت ہے۔ (انفجرات طبع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۳، مکتبۃ الرشید، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

۲۔ باب: وَمَا تَنْزِيلُ الْإِلَهِ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ہم (فرشتے) صرف آپ کے

رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں اور ہمارے آگے اور

پچھے اور جو اس کے درمیان ہے وہ سب اس کی ملکیت

ہے۔ (مریم: ۶۳) کی تفسیر

لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا

وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ (مریم: ۶۳)

حضرت جبرئیل کے آپ کے پاس نازل نہ ہونے کی مدت میں متعدد اقوال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مکرمہ، ضحاک، قتادہ، مقاتل اور کلبی نے بیان کیا ہے کہ جب آپ کی قوم کے لوگوں نے آپ سے اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے متعلق سوال کیا اور حضرت جبرئیل آپ کے پاس نہیں آئے، آپ کو امید تھی کہ حضرت جبرئیل آپ کے پاس ان کے سوال کا جواب لے کر آئیں گے، پس انہوں نے تاخیر کر دی، مکرمہ نے کہا: چالیس دن تاخیر کر دی، مجاہد نے کہا: بارہ راتیں اور ایک قول ہے: پندرہ دن، یہ تاخیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت شاق گزری، پھر جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے تو آپ نے ان سے کہا کہ آپ نے بہت تاخیر کر دی، مجھے آپ سے ملاقات کا اشتیاق ہوا۔ تب حضرت جبرئیل نے کہا: مجھے بھی آپ سے ملنے کا شوق تھا لیکن میں حکم کا پابند ہوں، جب مجھے بھیجا جاتا ہے تو میں نازل ہو جاتا ہوں اور جب مجھے روک لیا جاتا ہے تو میں رک جاتا ہوں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اور ہم (فرشتے) صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔ (مریم: ۶۳)

۳۷۳۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو نَعِيمٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ ذَرٍّ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِيَجْبُرِيلَ مَا يَنْتَعِلُ أَنْ تَزُورَنَا أَكْثَرَ مِنَّا تَزُورُنَا فَتَزْكُ ﴿وَمَا تَسْأَلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ﴾ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا (مریم: ۶۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن ذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے فرمایا: آپ کو کس چیز نے منع کیا کہ آپ اس سے زیادہ ہم سے ملاقات کیا کریں جتنی آپ ہم سے ملاقات کرتے ہیں، تب یہ آیت نازل ہوئی: اور ہم (فرشتے) صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں اور ہمارے آگے اور پیچھے جو اس کے درمیان ہے، وہ بس اس کی ملکیت ہے۔ (مریم: ۶۳)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۱۸ میں گزر چکی ہے۔

۳۔ بَابُ: أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِالْإِيتِنَاءِ قَالَ لَأَوْتَيْنَ مَالًا وَوَلَدًا۔

(مریم: ۷۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا؟ جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور کہا: مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی۔ (مریم: ۷۷) کی تفسیر

عاص بن وائل نے قرآن مجید کی آیات کا کفر کیا اور وہ کہتا تھا کہ قیامت کے بعد اسے جنت میں مال اور اولاد ملے گی اور وہ

قرآن مجید کی آیات کا مذاق اڑاتا تھا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاعشى ابی الضحیٰ از مسروق، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں عاص بن وائل

۳۷۳۲۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ الْأَعَشِيِّ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ سَمِعْتُ خُبَابًا قَالَ جِئْتُ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ الشَّهْمِيِّ اتَّقَاضَاهُ حَقًّا عِنْدَهُ فَقَالَ لَا أُعْطِيكَ حَتَّى تَكْفُرَ

يُسْحَتِبُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَا حَقَّ تَتَوَثَّ ثُمَّ تَبْعَتْ قَالَ
وَلَيْقَ لَمَيَّتْ ثُمَّ مَبْعُوثٌ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ إِنَّ لِي مِنْكَ
مَالًا وَلَوْلَا فَاقْضِيكَهُ فَتَوَلَّيْتُ هَذِهِ الْآيَةَ ﴿أَفَرَأَيْتَ
الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۚ﴾
(مریم: ۷۷)

کے پاس اس سے اپنے حق کا تقاضا کرنے کے لیے گیا جو اس
کے پاس تھا، اس نے کہا: میں تم کو تمہارا حق اس وقت تک نہیں
دوں گا جب تک کہ تم (سیدنا) محمد ﷺ کے ساتھ کفر نہیں کرو
گے، میں نے کہا: میں اس وقت تک یہ کفر نہیں کروں گا حتیٰ کہ تم مر
جاؤ، پھر تم کو زندہ کر کے اٹھایا جائے، اس نے کہا: میں مر جاؤں گا،
پھر مجھ کو اٹھایا جائے گا؟ میں نے کہا: ہاں! اس نے کہا: پھر میرے
پاس وہاں پر مال بھی ہوگا اور اولاد بھی ہوگی تو پھر میں تم کو تمہارا
قرض ادا کر دوں گا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: کیا آپ نے اس شخص
کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور کہا: مجھے ضرور
مال اور اولاد دی جائے گی (مریم: ۷۷)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۹۱ میں گزر چکی ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ کیا حضرت خباب قیامت کے بعد رسول اللہ ﷺ کا کفر کر دیں گے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

العاص بن وائل: یہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مشہور صحابی کے والد کا نام ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اس کی بہت قدر و منزلت
تھی، لیکن اس کو اسلام لانے کی توفیق نہیں ہوئی، کبھی نے کہا ہے کہ یہ قریش کے حکام میں سے تھا۔

التوضیح میں مذکور ہے: العاص بغیر یاء کے ہے اور یہ لفظ عصیان سے ماخوذ نہیں ہے بلکہ یہ عَصُیْ یُعْصُو سے ماخوذ ہے جب کوئی
فحش تلوار سے وار کرے، علامہ عینی ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اگر یہ عصیان سے ماخوذ ہو تب بھی کوئی مانع نہیں ہے بلکہ
ظاہر یہ ہے کہ یہ عصیان سے ہی ماخوذ ہے اور تخفیف کی وجہ سے اس کی یاء حذف کر دی گئی، علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ یہ لفظ اجوف
بھی ہے اور ناقص بھی ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: جب یہ لفظ اجوف ہوگا تو العوص سے ماخوذ ہوگا اور جب ناقص ہوگا تو پھر یہ
عصیان سے ماخوذ ہوگا۔

میں نے کہا: میں آپ کا کفر نہیں کروں گا: اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت خباب کے اس جواب سے پتا چلتا ہے کہ وہ موت کے بعد
نئی سُنَّۃِ ﷺ کا کفر کریں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ موت کے بعد کفر کا کوئی تصور نہیں ہے اور ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ میں
آپ کے ساتھ بالکل کفر نہیں کروں گا۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۷۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے یہ اس لیے کہا تھا کہ عاص بن وائل مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا قائل
نہیں تھا اور اس کے نزدیک یہ محال تھا اور حضرت خباب کا موت کے بعد کفر کرنا بھی محال تھا، تو حضرت خباب نے محال کے اوپر محال
کو معلق کیا اور اس کا خلاصہ یہی ہے کہ میں نئی سُنَّۃِ ﷺ کا کفر بھی نہیں کروں گا۔

رَوَاهُ الشَّوْرَعِيُّ وَشُعْبَةُ وَحَفْصٌ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ وَوَكِيْعٌ
اس حدیث کی ثوری، شعبہ، حفص، ابو معاویہ اور وکیع نے الاعمش
سے روایت کی ہے۔

۴۔ بَابُ: أَظْلَمَ الْغَيْبِ أَمْ اتَّخَذَ عِنْدَ

الرَّحْمَنِ عَهْدًا۔ (مریم: ۷۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: کیا وہ غیب پر مطلع ہے یا اس نے رحمن سے کوئی عہد لیا ہوا ہے (یعنی پکا عہد لیا ہے)۔

(مریم: ۷۸) کی تفسیر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا وہ غیب پر مطلع ہو گیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا عاص بن وائل نے لوح محفوظ کو دیکھ لیا اور مجاہد نے کہا: کیا اس نے غیب کو جان لیا حتیٰ کہ اس کو پتا چل گیا کہ وہ جنت میں ہوگا یا نہیں ہوگا۔

أَظْلَمَ: اس کا معنی ہے: جب کوئی شخص پہاڑ کی بلندی پر چڑھ جائے۔

عَهْدًا: اس کا معنی ہے: کیا اس نے کلمہ پڑھ کر جنتی ہونے کی سند حاصل کر لی ہے، قتادہ نے کہا: کیا اس نے اللہ کے پاس نیک عمل بھیج دیے ہیں، کبھی نے کہا: کیا اس نے اللہ سے یہ عہد لے لیا ہے۔

مَوْثِقًا: اس کا معنی ہے: پکا عہد۔ یہ لفظ وثاق سے باخوذ ہے، وثاق اس رسی کو کہتے ہیں جس سے قیدی کو یا سواری کو باندھا جاتا

ہے۔ جو بری نے کہا: مَوْثِقًا کا معنی ہے: میثاق۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۷۷)

۳۷۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ
الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الصُّحَيْ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ خُبَابٍ قَالَ
كُنْتُ قَيْنًا بِسَكَّةَ فَعَمِلْتُ لِلْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ السُّهُمِ
سَيْفًا فَجِئْتُ أَتَقَاضَاةَ فَقَالَ لَا أُعْطِيكَ حَتَّى تَكْفُرَ
بِمُحَمَّدٍ قُلْتُ لَا أَكْفُرُ بِمُحَمَّدٍ حَتَّى يُبَيِّنَ لِي
اللَّهُ ثُمَّ يُخَيِّرُكَ قَالَ إِذَا أَمَاتَنِي اللَّهُ ثُمَّ بَعَثَنِي وَلِي
مَالٍ وَوَلَدٌ فَأَنْزَلَ اللَّهُ ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَ
قَالَ لَاؤْتَمِنُ مَالًا وَوَلَدًا﴾ أَظْلَمَ الْغَيْبِ أَمْ اتَّخَذَ
عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ (مریم: ۷۸-۷۷) قَالَ مَوْثِقًا
لَمْ يَقُلْ إِلَّا شَجَعِي عَنْ سُفْيَانَ سَيْفًا وَلَا مَوْثِقًا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از الاعمش از ابی الصحی از مسروق از حضرت خباب بن منذر، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ میں لوہا رتھا، پس میں نے العاص بن وائل السہمی کے لیے تلوار بنائی، پس میں اس کے پاس (اپنی اجرت کا) تقاضا کرنے کے لیے گیا، اس نے کہا: میں تم کو اجرت نہیں دوں گا حتیٰ کہ تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کفر کرو، میں نے کہا: میں سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کفر نہیں کروں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تم کو مارے، پھر زندہ کرے، اس نے کہا: جب اللہ مجھ کو مارے گا، پھر زندہ کرے گا تو میرے پاس مال اور اولاد ہوگی، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور کہا: مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی ○ کیا وہ غیب پر مطلع ہے یا اس نے رحمن سے کوئی عہد لیا ہوا ہے ○ (مریم: ۷۸-۷۷) امام بخاری نے کہا: مَوْثِقًا سے پکا عہد مراد ہے، اشجعی نے سفیان سے روایت میں نہ تلوار کا ذکر کیا ہے اور نہ مَوْثِقًا کا ذکر کیا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۹۱ میں گزر چکی ہے۔

۵۔ باب: كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَ

نَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝

(مریم: ۷۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ہرگز نہیں! ہم عنقریب اس کی باتوں کو لکھ لیں گے اور اس کے عذاب کو بڑھاتے رہیں گے ○ (مریم: ۷۹) کی تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عاص بن وائل کے قول کا رد کیا ہے کہ ہم نے اس کے قول کو لکھ لیا ہے اور اس کی سزا میں آخرت میں اس کو دگنا عذاب دیں گے۔

۳۷۳۴۔ حَدَّثَنَا بَشْرُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ سَمِعْتُ أَبَا الصُّحَى يُعَدِّثُ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ خُبَّابٍ قَالَ كُنْتُ قَيْنًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ لِي دَيْنٌ عَلَى الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ قَالَ فَأَتَاهُ يَتَقَاضَاةً فَقَالَ لَا أُعْطِيكَ حَتَّى تَكْفُرَ بِسُحْتِي عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَاللَّهِ لَا أَكْفُرُ حَتَّى يُبَيِّتَكَ اللَّهُ ثُمَّ يَنْعَشَكَ قَالَ فَذَرْنِي حَتَّى أَمُوتَ ثُمَّ أُبْعَثَ فَسُوفَ أُوتَى مَالًا وَلَدًا فَأَقْضِيكَ فَتَزَكَّتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَلَدًا﴾ (مریم: ۷۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں بشر بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از سلیمان، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوالضحیٰ سے سنا، وہ حدیث بیان کرتے ہیں از مسروق از حضرت خباب رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں زمانہ جاہلیت میں لوہار تھا اور میرا العاص بن وائل پر قرض تھا۔ میں اس کے پاس تقاضا کرنے کے لیے گیا۔ اس نے کہا: میں تمہارا قرض نہیں دوں گا حتیٰ کہ تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کفر کرو۔ پس حضرت خباب نے کہا: اللہ کی قسم! میں ان کا اس وقت تک کفر نہیں کروں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مارے، پھر تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے، اس نے کہا: پس تم مجھے چھوڑو حتیٰ کہ میں مرجاؤں، پھر دوبارہ زندہ کیا جاؤں، پس مجھے عنقریب مال اور اولاد دی جائے گی، سو میں تمہارا قرض ادا کر دوں گا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور کہا: مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی ○ (مریم: ۷۷)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۹۱ میں گزر چکی ہے۔

۶۔ باب: وَنَزَّلْنَاهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝

(مریم: ۸۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ہم ہی اس کی باتوں کے

وارث ہیں، اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا ○

(مریم: ۸۰) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ علامہ نسفی نے کہا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم العاص بن وائل کے اس قول کو نہیں بھولیں گے اور نہ اس کو لغو قرار دیں گے بلکہ اس کے اس قول کو اس کے اعمال نامہ میں محفوظ رکھیں گے اور قیامت کے دن وہ صحیفہ اس کے منہ پر مار دیں گے اور وہ ہمارے پاس حالت فقر میں مال اور اولاد کے بغیر تنہا آئے گا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْجِبَالُ هَذَا هَذَا مَا۔

حضرت ابن عباس نے کہا: الْجِبَالُ هَذَا هَذَا کا معنی ہے کہ پہاڑ منہدم

ہو جائیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًا (مریم: ۹۰)

جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں ○

یعنی مشرکین نے جو کہا ہے کہ رخص کا بیٹا ہے۔ یہ قول اتنا سنگین ہے کہ اسے سن کر آسمان پھٹ جائیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ امام بخاری نے ہذا کی تفسیر منہدم ہونے کے ساتھ کی ہے۔ مقاتل نے اس کی تفسیر ٹوٹنے کے ساتھ کی ہے۔ امام ابو عبیدہ نے اس کی تفسیر گرنے کے ساتھ کی ہے۔

۳۷۳۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكَيْعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الطُّعَيْ عَنِ مَسْرُوقٍ عَنْ خُبَّابٍ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا قَيْنًا وَكَانَ لِي عَلَى الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ دَيْنٌ فَأَتَيْتُهُ أَتَقَاضَاةً فَقَالَ لِي لَا أَقْضِيكَ حَتَّى تَكْفُرَ بِبُحْتَدٍ قَالَ قُلْتُ لَنْ أَكْفُرَ بِهِ حَتَّى تَمُوتَ ثُمَّ تَبْعَثَ قَالَ وَإِنِّي لَتَبْعُوتُ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ فَسَوَفَ أَقْضِيكَ إِذَا رَجَعْتُ إِلَى مَالٍ وَوَلَدٍ قَالَ فَتَزَلَّتْ ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُؤْتِيَنَّ مَالًا وَلَدًّا﴾ أَظْلَمَ الْغَيْبِ أَوْ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ﴿كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا﴾ وَنُزِيلُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿(مریم: ۷۷-۸۰)﴾

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از الأعمش از ابو الطحیٰ از مسروق از حضرت خباب رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک لوہار شخص تھا اور میرا العاص بن وائل پر قرض تھا، میں اس کے پاس تقاضا کرنے کے لیے گیا۔ اس نے کہا: میں اس وقت تک (تمہارا قرض) ادا نہیں کروں گا حتیٰ کہ تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کفر نہ کرو، حضرت خباب بیان کرتے ہیں میں نے کہا: میں ہرگز ان کا کفر نہیں کروں گا حتیٰ کہ تم مرجاؤ، پھر تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے۔ اس نے کہا: بے شک میں جب موت کے بعد اٹھایا جاؤں گا تو میں عنقریب تمہارا قرض ادا کروں گا جب میں اپنے مال اور اولاد کے ساتھ لوٹوں گا، کہتے ہیں: تب یہ آیات نازل ہوئیں: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور کہا: مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی ○ کیا وہ غیب پر مطلع ہے یا اس نے رخص سے کوئی عہد لیا ہوا ہے ○ ہرگز نہیں! ہم عنقریب اس کی باتوں کو لکھ لیں گے اور اس کے عذاب کو بڑھاتے رہیں گے ○ اور ہم اس کی باتوں کے وارث ہیں اور وہ ہمارے پاس تھا آئے گا ○ (مریم: ۷۷-۸۰)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۹۱ میں گزر چکی ہے۔

الحمد لله رب العالمين، الله تعالى کے فضل و کرم سے سورہ مریم کی تفسیر مکمل ہو گئی، اب ان شاء اللہ سورہ طہ کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۲۰۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ طه

سورۃ طہ کی تفسیر

سورۃ طہ کا تعارف

مقاتل نے کہا: یہ پوری سورت مکی ہے، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح کہا ہے، اور مقامات التزیل میں مذکور ہے کہ یہ پوری سورت مکی ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور الکلبی نے ذکر کیا ہے کہ اس کی یہ آیت مدنی ہے: وَمِنْ اِنَّا اَيُّ الْاَيْلِ فَسَبَّحْ وَاطْرَافِ الثَّهَابِ لَعَلَّكَ تَرْفُضُ ۝ (طہ: ۱۳۰) اس آیت میں نماز کے اوقات بیان کیے گئے ہیں۔ اس سورت میں ایک سو پینتیس (۱۳۵) آیات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۷۹)

مقاتل نے کہا: جب ابو جہل، ولید بن مغیرہ، نضر بن حارث اور مطعم بن عدی نے نبی ﷺ کو لمبی لمبی نمازیں پڑھتے ہوئے دیکھا تو کہا: جب سے آپ نے اپنے آباء و اجداد کے دین کو چھوڑا ہے، آپ بہت سختی اور مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی: اے طہ! ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ کو سختی اور مشقت میں مبتلا کریں۔

(طہ: ۱-۲) (تبیان القرآن ج ۷ ص ۳۲۳)

لفظ طہ کے متعدد محامل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ طہ النبطیہ زبان کا لفظ ہے، مقاتل نے کہا: یہ سریانی زبان کا لفظ ہے اور اس کا معنی ہے: اے مرد، الواسطی نے کہا ہے کہ یہ حروف مقطوعہ ہیں اور ط سے مراد ہے: یا طاہر اور ہا سے مراد ہے: یا ہادی۔ امام ابو حاتم نے کہا کہ طہ اس سورت کا افتتاحی لفظ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس اسم کے ساتھ قسم کھائی ہے۔

لیث نے کہا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تو ان پر خوف طاری ہوا تو وہ شدت خوف کی وجہ سے اپنے بچوں کے اوپر کھڑے ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: طہ یعنی آپ مطمئن ہو جائیں، بعض علماء نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: زمین کو اپنے قدموں سے روندیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۷۹، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

قَالَ ابْنُ جُبَيْرٍ وَالضَّحَّاكُ بِالنَّبَطِيَّةِ اَيُّ طَهْ يَا رَجُلُ يُقَالُ كُلُّ مَا لَمْ يَنْطِقْ بِحَرْفٍ اَوْ فِيهِ تَشْتَبُهْ اَوْ فَاَفَاةٌ فَمِنْ عَقْدَةٍ۔ ابن جبیر اور ضحاک نے کہا: نَبَطِيَّة میں طہ کا معنی ہے: اے مرد! سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ نبطی زبان میں طہ کا معنی ہے: اے مرد! اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں جن کو ہم اس سے پہلے نقل کر چکے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہر وہ شخص جو کسی حرف کو نہ بول سکے یا اس کے بولنے میں تمتمہ ہو، یعنی بولنے میں اس کی زبان اٹکتی ہو یا فافاۃ ہو یعنی بولتے وقت اس کی زبان سے فافا کے الفاظ نکلتے ہوں ان

تمام صورتوں میں اس پر عقدہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي ۖ (ط: ۲۷)

اور میری زبان کی گرہ کھول دے ○

حضرت ابن عباس نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ میری زبان میں جو گرہ ہے، اس کو کھول دیجئے تاکہ لوگ میری بات کو سمجھ سکیں، متممہ کا معنی ہے: کلام میں تاء کو بار بار لانا۔ فافاقہ کا معنی ہے: کلام میں فاء کو بار بار لانا۔ اُزری ظہری۔ اُزریٰ اس کا معنی ہے: میری پشت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

هُرُونَ أَخِي ۖ اشدُّ دِبَّةً اُزْرِي ۖ (ط: ۳۰-۳۱)

میرے بھائی ہارون کو ○ اس سے میری کمر کو مضبوط کر دے ○

امام بخاری نے اُزریٰ کی تفسیر پشت کے ساتھ کی ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ اُزریٰ کا معنی قوت بھی ہے اور پشت بھی، کہا جاتا ہے: اُزْرَتْ فُلَانًا عَدُوٌّ لِّمَنْ فِيهِ قُوَّةٌ یعنی میں نے اس کو اس کام پر قوت دی۔

فَيَسْحَتُكُمْ يَهْدِكُمْ۔ فَيَسْحَتُكُمْ اس کا معنی ہے: وہ تم کو ہلاک کر دے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ وَيَلَّكُم لَا تَقْتُلُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَيَسْحَتُكُمْ بِعَذَابٍ۔ (ط: ۶۱)

موسیٰ نے ان سے کہا: تم پر افسوس ہے، تم جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان نہ باندھو، وہ تم کو عذاب سے ملیا میٹ کر دے گا۔

امام بخاری نے یَسْحَتُكُمْ کی تفسیر کی ہے: وہ تم کو ہلاک کر دے گا اور تفسیر میں ہے: وہ تم کو جڑ سے اکھاڑ دے گا۔

النَّشْءُ تَأْنِيثٌ الْأَمْثَلُ يَقُولُ بِدِينِكُمْ يُقَالُ خُذْ النَّشْءَ خُذْ الْأَمْثَلَ۔ النشء یہ تأنیث کی تانیث ہے۔ وہ کہتا ہے: یعنی وہ دونوں تمہارے بہترین دین کو لے جائیں، کہتے ہیں: خُذِ النَّشْءَ وَالْأَمْثَلَ یعنی آپ اعلیٰ اور افضل کو لے لیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالُوا إِنَّ هَٰذِهِ لَسِحْرَانِ يُرِيدَانِ أَنْ يُخْرِجَاكَ مِنْ أَرْضِكَ بِسِحْرِ هَٰؤُلَاءِ هَٰؤُلَاءِ يَذَّابُطُونَ قِيَمَتُكَ الْمَثَلُ ۖ (ط: ۶۳)

وہ کہنے لگے: بے شک یہ دونوں ضرور جادوگر ہیں جو اپنے جادو سے تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتے ہیں اور تمہارے بہترین مذہب کو مٹانا چاہتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ نے فرعون کی طرف سے یہ خبر دی ہے کہ اس نے کہا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے وطن سے نکالنا چاہتے ہیں اور تمہارے عمدہ طریقہ یعنی عمدہ دین کو مٹانا چاہتے ہیں۔

ثُمَّ انْتَوَا صَفًا يُقَالُ هَلْ أَتَيْتَ الصَّفَّ الْيَوْمَ يَعْنِي پھر تم صف میں آؤ: عرب کہتے ہیں: کیا تم آج صف میں گئے تھے، یعنی اس عید گاہ میں جہاں نماز پڑھی جاتی ہے۔ الْمُصَنَّى الَّذِي يُصَلِّي فِيهِ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَجْمَعُوا كَيْدَكُمْ ثُمَّ انْتَوَا صَفًا۔ (ط: ۶۴)

تم اپنے سارے دواؤں کو جمع کر لو، پھر صف باندھ کر آؤ۔

امام بخاری نے کہا: یہاں صف کا معنی عید گاہ ہے، یعنی لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ۔ امام ابو عبیدہ نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔

مقاتل نے کلبی سے تفسیر کی ہے: اس کا معنی ہے: تم سب مل کر آنا، خلاصہ یہ ہے کہ فرعون نے اپنے لوگوں سے کہا: تم جادو کے اپنے طریقوں کو جمع کر لو، پھر تم لوگوں کے مصلیٰ یعنی ان کے جمع ہونے کی جگہ میں آؤ۔ (امام بخاری کی یہ تفسیر کہ صف کا معنی عید گاہ ہے، صحیح نہیں ہے فرعون کے دور میں عید گاہ کہاں تھی، صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ سعیدی غفرلہ)

فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خَوْفًا فَذَهَبَتِ الْوَاوُ مِنْ خِيفَةٍ ۝
حضرت موسیٰ نے اپنے دل میں خوف کو چھپایا۔ خیفۃ اصل میں خوف تھا۔ واؤ کو ماقبل کسرہ کی وجہ سے یاء سے بدل دیا تو یہ لفظ خیفۃ ہو گیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُوسَى ۝ (ط: ۶۷)

امام بخاری نے اوجس کی تفسیر کی ہے: انہوں نے چھپایا، یعنی خوف کو، مقاتل نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ کو یہ خوف ہوا کہ جب وہ معجزہ سے لاشی کو اثر دہا بنائیں گے تو کہیں لوگ ان کے معجزہ کو بھی فرعونوں کے جادو کی طرح نہ گمان کر لیں اور پھر وہ آپ کی نبوت میں شک کرنے لگیں۔

فِي جُدُوعٍ أَمَى عَلَى جُدُوعِ النَّخْلِ ۝
فِي جُدُوعٍ یعنی کھجور کے تنوں کے اوپر۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا وَصَلَبْتُمْ فِي جُدُوعِ النَّخْلِ ۝ (ط: ۷۱)

یعنی اس آیت میں فی، علی کے معنی میں ہے۔

حَظَبُكَ بِأَلْكَ ۝
حَظَبُكَ اس کا معنی ہے: تمہارا معاملہ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَقَالُ فَمَا حَظَبُكَ يَسَامِرُ ۝ (ط: ۹۵)

امام بخاری نے حَظَبُكَ کی تفسیر کی ہے: تمہارا معاملہ، اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ نے سامری سے کہا: وہ کیا سبب ہے جس نے تمہیں اس کارروائی پر برا بیخیز کیا ہے۔

وَسَاسَ مَصْدَرٌ مَّاشَاءُ مَسَاسًا ۝
وَسَاسَ یہ مَاشَاءُ کا مصدر ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَقَالُ نَاذُهُبَ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ ۝
موسیٰ نے کہا: اب تو یہاں سے چلا جا، اب تو زندگی بھر یہی کہے گا

(ط: ۹۷) کہ ”مجھے مت چھوٹا“۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ نے سامری سے کہا: تم ہمارے پاس سے چلے جاؤ۔ اب تم جب تک زندہ ہو، یہی کہتے رہو گے کہ مجھے مت چھوٹا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ایسی سزا دی کہ اس سے زیادہ وحشت ناک اور کوئی سزا نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس کو لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے اور ان کے ساتھ باتیں کرنے سے بالکل روک دیا گیا تھا۔

لَتَنَسِفَنَّ لَكَ ذُرِّيَّتَهُ ۝
لَتَنَسِفَنَّ کا معنی ہے: ہم اس کو ضرور بکھیر دیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَتُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْبِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝
ہم اس کو ضرور جلا دیں گے، پھر اس کی راکھ کو اڑا کر سمندر میں

(ط: ۹۷) پھینک دیں گے ۝

کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو پکڑ کر ذبح کر دیا تو اس سے خون بہا چونکہ وہ گوشت اور خون بن گیا تھا، پھر انہوں نے اس کو جلا کر اس کی راکھ کو سمندر میں بہا دیا۔

قَاعًا يَغْلُوهُ السَّاءُ وَالْشَّفَفُ۔
قَاعًا اس کا معنی ہے: ہموار زمین، جس پر پانی چڑھ جائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ (ط: ۱۰۶)
اور زمین کو کھلے ہوئے ہموار میدان کی حالت میں چھوڑ دے گا ۝

امام بخاری نے القاع کی تفسیر کی ہے: ایسی زمین، جس پر پانی چڑھ جائے، امام عبدالرزاق نے از معمر از قتادہ روایت کی ہے کہ القاع الشفصف کا معنی ہے: ہموار زمین، القراء نے کہا ہے: القاع اس کشادہ زمین کو کہتے ہیں جس میں دو پہر کے وقت ریت پانی کی طرح دکھائی دے، یعنی سراب اور صفصاف چکنی اور پتھریلی زمین کو کہتے ہیں جس میں پیداوار نہ ہو۔

وَالشَّفَفُ السُّتُوِي مِنَ الْأَرْضِ۔
الشفف السطوی من الأرض اس کا معنی ہے: ہموار زمین۔

اس کی تشریح اس سے اوپر والی تعلیق میں ذکر کر دی گئی ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ أَوْزَارًا أَثْقَالًا۔
مجاہد نے کہا: اوزار کا معنی ہے: ثقیل چیزیں، یعنی بوجھل چیزیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلِكِنَّا حَبْلَتًا أَوْزَارًا هِيَ زِينَةُ الْقَوْمِ۔ (ط: ۸۷)
لیکن قوم (فرعون) کے زیورات کا بوجھ ہم پر لا دیا گیا تھا۔

اوزار، وزر کی جمع ہے اور وزر کسی سزا کے بوجھ کو کہتے ہیں جیسے کسی بوجھل چیز کے اٹھانے سے آدمی تھک جائے اور اس کو وہ بوجھل چیز سزا معلوم ہو یا اس سے مراد ہے: گناہوں کی سزا۔

مِنْ زِينَةِ الْقَوْمِ وَهِيَ الْحُلِيُّ الَّتِي اسْتَعَارُوا مِنْ آلِ
فِرْعَوْنَ۔
مِنْ زِينَةِ الْقَوْمِ یہ وہ زیورات ہیں جو بنی اسرائیل نے قوم فرعون سے عاریہ لیے تھے۔

جو زیورات بنی اسرائیل نے قوم فرعون سے عاریہ لیے تھے، جب مصر سے جاتے وقت ان کو وہ اٹھانے پڑے تو ان کو وہ بوجھ معلوم ہوئے۔

فَقَذَرْنَاهَا فَاَنْقَشْنَاهَا۔
فَقَذَرْنَاهَا اس کا معنی ہے: پس ہم نے ان کو ڈال دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَقَذَرْنَاهَا فَكَذَلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝ (ط: ۸۷)
تو ہم نے ان کو (آگ میں) ڈال دیا، سو اسی طرح سامری نے

(ان کو آگ میں) ڈالا تھا ۝

یعنی بنی اسرائیل کے پاس جو قوم فرعون کے زیور تھے سامری نے ان کو آگ میں پھینکا کر ایک مجسمہ بنالیا جس سے گائے کی آواز نکلتی تھی۔

اللقى اس کا معنی ہے: منہم یعنی بنایا۔

اس تعلیق میں بھی اسی آیت کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی سامری نے ان زیورات کو پھینکا کر ایک مجسمہ بنالیا تھا۔

فَقَسِيَ مُوسَى هُمْ يَقُولُونَهُ أَخْطَا الرَّبُّ لَا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا الْعِجْلُ۔
 قَسِيَ (موسیٰ) اس سے مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل یہ کہتے تھے کہ
 موسیٰ نے اپنے رب کو پہچاننے میں خطا کی یعنی اصل رب تو یہ بچھڑا
 ہے، حالانکہ وہ بچھڑا ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَهُ خُورًا فَقَالُوا هَذَا إِلَهُكُم وَإِلَهُ مُوسَى قَسِيَ ۖ (ط: ۸۸)
 پس اس نے ان کے لیے بچھڑے کا مجسمہ بنایا جس کی بیل کی
 (طرح) آواز تھی تو لوگوں نے کہا: یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا
 معبود، موسیٰ تو بھول رہا تھا O

امام بخاری نے کہا ہے: سامری اور اس کے قبیعین یہ کہتے تھے کہ حضرت موسیٰ تو بھول گئے کہ انہوں نے تم کو یہ نہیں بتایا کہ ان کا
 رب تو اصل میں یہ بچھڑا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَفَلَا يَذَرُونَ أَلَّا يَرْجِعَ إِلَيْهِمْ قَوْلًا۔ (ط: ۸۹)
 تو کیا یہ لوگ یہ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب
 نہیں دے سکتا تھا۔

یعنی بنی اسرائیل نے اس پر غور نہیں کیا کہ وہ بچھڑا نہ تو ان سے بات کر سکتا تھا، اور نہ ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا تھا۔
 هُنَّ اس کا معنی ہے: قدموں کی آہٹ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَحَشَعَتْ لِأَصْوَاتِ الْمَرَخَيْنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَهْنًا ۖ (ط: ۱۰۹)
 اور رخصن کے خوف سے سب کی آوازیں پست ہوں گی سو (اے
 مخاطب!) تو معمولی سی آہٹ کے سوا کچھ نہ سن سکے گا O

علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ حشر کے دن لوگوں کو صرف آہٹ سنائی دے گی۔ قنادہ اور عکرمہ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے اور
 ہنس کا لغوی معنی ہے: پست آواز۔

حَشَرْتَنِي أَعْمَى عَنْ حُجَّتِي وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا فِي الدُّنْيَا۔
 حَشَرْتَنِي أَعْمَى اس کا معنی ہے: یعنی تو نے میرا حشر اس طرح کیا
 ہے کہ میں اپنی دلیل سے اندھا ہوں، حالانکہ میں دنیا میں بہت
 بصیر تھا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ۖ (ط: ۱۲۵)
 وہ کہے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟
 حالانکہ میں (دنیا میں) دیکھنے والا تھا O

حضرت ابن عباس نے اَعْمَى کی تفسیر میں کہا ہے: جو آنکھوں سے اندھا ہو۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِقَبْسٍ ضَلُّوا الطَّرِيقَ وَكَانُوا شَاتِيْنَ فَقَالَ إِنَّ لَمْ أَجِدْ عَلَيْهَا مَنْ يَهْدِي الطَّرِيقَ آتَيْتُمْ بِنَارٍ تُوَقِّدُونَ۔
 حضرت ابن عباس نے کہا: بِقَبْسٍ کا معنی ہے: انگارہ۔ اس سے
 مراد یہ ہے کہ وہ لوگ راستہ بھول گئے تھے اور وہ سردیوں کے دن
 تھے تو حضرت موسیٰ نے کہا کہ اگر مجھے کوئی راستہ دکھانے والا نہیں

ملا تو میں تمہارے پاس آگ لے کر آؤں گا، جس سے تم حرارت اور روشنی حاصل کرو گے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِذْ رَأَوْا نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا تَلْعَلْ
أَتِيكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجْدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝

جب انہوں نے آگ کو دیکھا تو اپنی بیوی سے کہا: ٹھہرو! بے شک میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں اس سے تمہارے پاس کوئی

انگارہ لاؤں یا میں آگ سے راستہ کی کوئی نشانی پاؤں ○

امام طبری نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اہل سے کہا: تم لوگ ٹھہرو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہل سے مراد ان کی زوجہ صفوراء، ان کا بچہ اور ان کا خادم ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہل سے مراد صرف ان کی زوجہ ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: إِنِّي آنَسْتُ نَارًا میں نے آگ کو دیکھا ہے۔ اناس کا معنی ہے: اس واضح چیز کو دیکھنا جس میں کوئی اشتباہ نہ ہو، حضرت موسیٰ نے اپنے اہل سے فرمایا: شاید کہ میں اس سے تمہارے پاس کوئی انگارہ لاؤں۔

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً أَعَدَلُهُمْ۔ اور ابن عیینہ نے کہا: أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً کا معنی ہے: سب سے افضل راستہ والا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِنْ لَبِثْتُ إِلَّا يَوْمًا ۝

جب کہ ان کے نزدیک سب سے اچھے طریقہ والا یہ کہے گا کہ تم تو

صرف ایک دن ٹھہرے تھے ○

امام طبری نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ جس کی عقل ان سب میں سب سے کامل تھی۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هَضْبًا لَا يُظْلَمُ فَيُهْضَمُ مِنْ حَسَنَاتِهِ۔ حضرت ابن عباس نے کہا: هَضْبًا کا معنی ہے: ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا بایں طور کہ ان کی نیکیاں کم کر دی جائیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَفُ ظُلْمًا وَلَا هَضْبًا ۝

اور جو شخص ایمان کی حالت میں نیک عمل کرے گا، اسے نہ کسی ظلم کا

خوف ہوگا اور نہ کسی نقصان کا ○

یہ تفسیر حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ هَضْبٌ کا لغوی معنی ہے: کم کرنا اور توڑنا۔

يَعْوَجَا وَادِيَا۔ عَوَجًا کا معنی ہے: وادی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا تَرَى فِيهَا عِوَجًا۔ (ط: ۱۰۷)

آپ اس زمین میں نہ کوئی کجی دیکھیں گے۔

امام بخاری نے کہا ہے کہ عَوَجًا سے مراد وادیاں اور نالے ہیں اور لغت میں عَوَجًا کا معنی کجی اور نیڑھا پن ہے۔

وَلَا أَمْتًا زَابِيَةً۔ وَلَا أَمْتًا اس کا معنی ہے: بلندی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا تَرَى فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ۝ (ط: ۱۰۷)

آپ اس زمین میں نہ کوئی کجی دیکھیں گے نہ اونچ نیچ۔

حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے: ٹیلے اور مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا ہے: ارتقاع۔
سَيَرَّتْهَا حَالَتَهَا الْأُولَى۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۖ سَنُعِيدُهَا سَيَرَّتَهَا الْأُولَى ۖ ﴿٢١﴾ فرمایا: اس کو پکڑ لو اور ڈرو مت، ہم ابھی اس کو پہلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے۔

یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ لاشی ڈالیں، سو انہوں نے لاشی ڈال دی، پس وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گئی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: آپ اس کو پکڑ لیں اور مت ڈریں، ہم عنقریب اس کو اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔
النُّهُي الشُّعَى۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهْيِ ﴿٥٣﴾ بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیں ہیں۔
حضرت ابن عباس نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: عقل والے، ضحاک، نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حرام کیے ہوئے کاموں سے اپنے آپ کو روکتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: یہ متقی لوگ ہیں۔ ثعلبی نے کہا: النُّهُي سے مراد ہے: عقل والے، متقین کو عقل والے اس لیے فرمایا ہے کیونکہ عقل برے کاموں سے اور محرّمات اور ممنوعات سے روکتی ہے۔
صَنُكًا الشَّقَاءُ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا ۚ وَمَنْ يَنْصُرْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْمَى ﴿١٢٣﴾ اور جس نے میرے ذکر سے اعراض کیا تو یقیناً اس کی زندگی بہت تنگی میں گزرے گی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔
امام بخاری نے صَنْكًا کی تفسیر شقاوت اور بد بختی کے ساتھ کی ہے اور علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ صَنْكًا کا معنی ہے: تنگی۔ کہا جاتا ہے: مَنَزَلٌ صَنْكٌ یعنی تنگ گھر اور عَيْشٌ صَنْكٌ یعنی تنگ زندگی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ الضنك عذاب قبر ہے اور حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے: زقوم یعنی تھور کا درخت، عکرمہ نے کہا: اس کا معنی ہے: حرام، ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے: ناجائز کمائی۔

هَوًى۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَمَنْ يُحِلِّلْ عَلَيْهِ غَصْبِي فَقَدْ هَوَىٰ ﴿٨١﴾ اور جس پر میرا غصب نازل ہو وہ یقیناً تباہ ہو گیا۔
یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: وہ ہلاک ہو گیا یا دوزخ میں گر گیا۔

شَقِيٌّ بِالنَّوَادِي الْمُقَدَّسِ الْمُبَارَكِ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّكَ بِالنَّوَادِي الْمُقَدَّسِ طَوًى ﴿١٢﴾ بے شک آپ مقدس میدان طوی میں ہیں۔
امام بخاری نے اس کی تفسیر المبارک کی ہے۔

طُوًی اسْمُ الْوَادِي۔ طُوًی ایک وادی کا نام ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّكَ بِالنَّوَادِي الْمُقَدَّسِ طُوًی (ط: ۱۲)

امام بخاری نے اس کی تفسیر وادی کے ساتھ کی ہے اور ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے: گہری اور گول وادی جیسے کنوئیں کے گرد منڈیر ہوتی ہے۔

بِمَلِكِنَا اس کا معنی ہے: ہم نے اپنے امر اور اختیار سے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالُوا مَا آخُفُّنَا مَوْعِدَكَ بِمَلِكِنَا۔ (ط: ۸۷)

انہوں نے کہا: ہم نے دانستہ آپ سے کیے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی۔

امام بخاری نے اس کی تفسیر امر کے ساتھ کی ہے اور یہ اس تقدیر پر ہے کہ جب میم پرزیر ہو تو اکثر قراء کا یہی مختار ہے۔

مَكَانًا يَسْوَى مَنصُفٌ بَيْنَهُمْ۔ مَكَانًا يَسْوَى کا معنی ہے: ایسی جگہ جو ہمارے اور ان کے درمیان نصف نصف ہو یعنی برابر۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتَ مَكَانًا سَوًى (ط: ۵۸)

یعنی ایسی جگہ مقرر کر لیں جو مسافت میں دونوں فریقوں کے مساوی ہو۔

يَبَسًا يَابَسًا۔ يَبَسًا اس کا معنی ہے: خشک۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى أَنْ أَسْرِ بِعَبَادِنَا فِي الْفَصْرِ لَّهُمْ طَرِيقَانِ الْبَحْرُ يَبْسًا۔ (ط: ۷۷)

اور بے شک ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ راتوں رات میرے بندوں کو لے جائیں، پھر ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ نکالیں۔

امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے: یابس یعنی خشک، اور تفسیر میں مذکور ہے: ایسی جگہ جہاں پانی ہونہ کیچڑ ہو۔

عَلَى قَدَرٍ مَّوْعِدٍ۔ عَلَى قَدَرٍ اس کا معنی ہے: مقرر وقت پر۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَبِثْتُ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتُ عَلَى قَدَرٍ يَهُوسُفُ (ط: ۴۰)

سو آپ کئی سال اہل مدین میں رہے، پھر اے موسیٰ! آپ اللہ کے مقرر کردہ وقت پر آ گئے۔

امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے کہ آپ اس وقت پر آ گئے جو آپ کے آنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا اور عبدالرحمن بن کیسان نے کہا ہے کہ آپ چالیس (۴۰) سال کی ابتدا میں آ گئے اور یہ وہ وقت ہے جو انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی نازل کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

لَا تَنِيَا تَضَعُفًا۔

لا تَنِيَا اس کا معنی ہے: تم دونوں کمزور نہ ہونا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِذْ هَبْ أَنْتَ وَأَخُوكَ بِآيَتِي وَلَا تَنِيَا فِئْذِكُمَا ۝ (ط: ۴۲) آپ اور آپ کے بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جائیں اور میری یاد میں سستی نہ کریں ○

امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے کہ تم دونوں کمزور نہ ہونا۔ حضرت ابن عباس نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے اور سدی نے کہا ہے: تم دونوں ٹھکنا نہیں اور محمد بن کعب نے کہا ہے تم دونوں کوتاہی نہ کرنا، حضرت ابن مسعود کی قرأت میں ہے تم دونوں بزدلی نہ کرنا۔ الجوہری نے کہا ہے: وَثْنٌ کا معنی ہے: تھکاوٹ اور سستی۔

يَقْرُطُ عَقُوبَةً۔

يَقْرُطُ کا معنی ہے: وہ ہم پر زیادتی کرے گا یعنی کوئی سزا دے گا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَا رَبَّنَا إِنَّا أَتَيْنَاكَ خَافًا أَنْ يَقْرُطَ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يَطْغَى ۝ (ط: ۴۵) ان دونوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمیں خطرہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا سرکشی کرے گا ○

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے یہ دعا کی تھی کہ اے میرے رب! میرا کام مجھ پر آسان کر دے، پھر ان کو یہ خوف کیوں ہوا کہ فرعون ان پر زیادتی یا سرکشی کرے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کام آسان ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ احکام شرعیہ کی اس طرح تبلیغ کریں کہ اس میں سہو اور نسیان نہ آ سکے اور تبلیغ کرنے میں کوئی خوف اور خطرہ نہ ہو۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۸۵-۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابُ: وَاصْطَفَاكَ لِنَفْسِي ۝

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور میں نے آپ کو

خاص اپنے لیے چن لیا ○ (ط: ۴۱) کی تفسیر

(ط: ۴۱)

اس کا معنی ہے: میں نے تم کو اپنے لیے پسند کر لیا اور میں نے تم کو نبوت اور رسالت کے ساتھ فضیلت دی۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الصلت بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مہدی بن میمون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن سیرین نے حدیث بیان کی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے بیان فرمایا کہ حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی تو حضرت موسیٰ نے حضرت آدم سے کہا کہ آپ وہ ہیں جنہوں نے لوگوں کو بد بخت کیا اور ان کو جنت سے نکالا۔ حضرت آدم نے ان سے کہا: آپ وہ ہیں جن کو اللہ نے اپنا رسول بنانے کے لیے منتخب کر لیا اور آپ کو اپنے نفس کے لیے پسند کیا اور آپ پر تورات نازل کی، حضرت موسیٰ نے کہا: ہاں! حضرت آدم نے کہا کہ آپ نے تورات میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے متعلق یہ بات مجھے پیدا

۴۷۳۶۔ حَدَّثَنَا الْقُلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ اتَّقَى آدَمُ وَمُوسَى فَقَالَ مُوسَى لِآدَمَ أَنْتَ الَّذِي أَشَقَيْتَ النَّاسَ وَأَخْرَجْتَهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ قَالَ آدَمُ أَنْتَ مُوسَى الَّذِي اصْطَفَاكَ اللَّهُ بِرِسَالَتِهِ وَاصْطَفَاكَ لِنَفْسِهِ وَأَنْزَلَ عَلَيْكَ التَّوْرَةَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَوَجَدْتُهَا كُتِبَ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي قَالَ نَعَمْ فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى۔

کرنے سے پہلے لکھ دی تھی، حضرت موسیٰ نے کہا: ہاں! پس
حضرت آدم نے حضرت موسیٰ پر غلبہ پالیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۴۰۹ میں گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مذاکرہ کی تفصیل اور یہ مذاکرہ کس جگہ ہوا تھا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی: امام بخاری نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ سے دعا کی: اے ہمارے رب! ہمیں ہمارا باپ دکھا جس نے ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے نکالا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کی حضرت آدم سے ملاقات کرائی۔ حضرت موسیٰ نے کہا: آپ ہمارے باپ ہیں۔ انہوں نے کہا: ہاں! حضرت موسیٰ نے کہا: آپ وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی اور آپ کے لیے اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ حضرت آدم نے کہا: ہاں! حضرت موسیٰ نے کہا: پھر آپ کو ہمیں جنت سے نکلنے کے لیے کس چیز نے برا بیچتے کیا؟ حضرت آدم نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: میں موسیٰ ہوں، حضرت آدم نے کہا: جو بنو اسرائیل کے نبی ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور ان کے علاوہ اپنی مخلوق میں سے کسی اور رسول سے کلام نہیں کیا۔ حضرت موسیٰ نے کہا: جی ہاں! حضرت آدم نے کہا: کیا آپ نے اللہ کی کتاب میں میری پیدائش سے پہلے یہ لکھا ہوا نہیں پایا تھا؟ حضرت موسیٰ نے کہا: جی ہاں! حضرت آدم نے کہا: تو آپ مجھے اس کام پر کیوں ملامت کر رہے ہیں؟ جس کا اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فیصلہ فرما دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر فرمایا: سو حضرت آدم نے حضرت موسیٰ پر غلبہ پالیا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان دونوں کی ملاقات کس جگہ ہوئی تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کی روحوں کی آسمان میں ملاقات ہوئی تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت کے دن ان کی ملاقات ہو، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس کو ظاہر پر محمول کرنا جائز ہے۔ معراج کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام آسمانوں پر اور بیت المقدس میں جمع ہوئے اور نبی ﷺ نے ان کو نماز پڑھائی، سو یہ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا ہو جیسے شہداء کو زندہ فرمایا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات میں ہوا ہو۔

دنیا میں کیے ہوئے گناہوں پر نقدیر کا عذر پیش کرنا جائز نہیں ہے

یہ واقعہ میری پیدائش سے پہلے لکھا ہوا تھا: اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے یہ بتایا کہ شجر ممنوعہ سے کھانے میں ان کا کسب اور اختیار نہیں تھا، بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ یہ واقعہ ہوتا ہے اور انہوں نے بھولے سے شجر ممنوعہ کھانا ہے اور اس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرمایا ہے، سو جس کام سے وہ توبہ کر چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما چکا ہے آپ اس کام پر مجھے کیوں ملامت کر رہے ہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا ہم بھی اپنی کسی تقصیر پر نقدیر کا عذر پیش کر سکتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں! حضرت آدم علیہ السلام نے دنیا میں اس کام پر نقدیر کا عذر پیش نہیں کیا، بلکہ اس پر بڑے لمبے عرصہ تک استغفار کرتے رہے۔ انہوں نے آخرت میں یہ عذر پیش کیا تھا، سو جب تک ہم دنیا میں ہیں ہمیں اپنی تقصیرات پر استغفار کرنا ہوگا اور توبہ کرنی ہوگی۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۸۷-۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابُ: أَوْ حِينًا إِلَى مُوسَى أَنْ أَسْرِ

بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَا

تَخْضَرُّ دَرًا وَلَا تَخْشَى ۝ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ

بِجُنُودِهِ فَعَشِيَهِمْ مِنَ الْيَمِّ مَا عَشِيَهِمْ ۝ وَ

أَصْلَ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَاهِدَى ۝

(طہ: ۷۷-۷۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بے شک ہم نے موسیٰ کی طرف

وحی فرمائی کہ آپ راتوں رات میرے بندوں کو لے

جائیں، پھر ان کے لیے سمندر میں سے خشک راستہ

نکالیں آپ کو کسی کے پکڑنے کا خوف ہوگا نہ ڈر ہوگا ۝

پس فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا، پھر

سمندر نے ان کو ڈھانپ لیا جو ڈھانپ لیا ۝ اور فرعون

نے اپنی قوم کو گم راہ کر دیا اور سیدھا راستہ نہ دکھایا ۝

(طہ: ۷۷-۷۹) کی تفسیر

یعنی آپ میرے بندوں کو رات کے وقت مصر کی سرزمین سے نکال کر لے جائیں، سمندر میں آپ کے لیے خشک راستہ ہوگا، اس میں پانی ہوگا نہ مٹی، اور آپ اپنے پیچھے فرعون کے آنے سے نہ ڈریں، پس فرعون اور اس کے لشکر کو سمندر نے ڈھانپ لیا۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۸۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے یعقوب بن ابراہیم نے

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح نے حدیث بیان کی،

انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا:

ہمیں ابو بشر نے حدیث بیان کی، از سعید بن جبیر از حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما وہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ

میں آئے تو یہود عاشوراء (دس محرم) کا روزہ رکھتے تھے۔ آپ

نے ان سے (اس کے سبب کا) سوال کیا تو انہوں نے کہا: یہ وہ

دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے (حضرت) موسیٰ کو فرعون پر غلبہ عطا

کیا تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم ان کی بہ نسبت حضرت موسیٰ

کے زیادہ قریب ہیں۔ سو تم اس دن کا روزہ رکھا کرو۔

۳۔ حَدَّثَنِي يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا رَوْحٌ

حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو بَشِيرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ

اللَّهِ ﷺ الْمَدِينَةَ وَالْيَهُودُ تَصُومُ يَوْمَ عَاشُورَاءَ

فَسَأَلَهُمْ فَقَالُوا هَذَا الْيَوْمَ الَّذِي ظَهَرَ فِيهِ مُوسَى عَلَى

فِرْعَوْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ نَحْنُ أَوْلَى بِمُوسَى مِنْهُمْ

فَصُومُوهُ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۰۴ میں گزر چکی ہے۔

۳۔ بَابُ: فَلَا يُخْرِجُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ

فَتَشْتَلُونَ ۝ (طہ: ۱۱۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ایسا نہ ہو کہ یہ (ابلیس) آپ

دونوں کو جنت سے نکلوا دے تو آپ مشقت میں پڑ

جائیں گے ۝ (طہ: ۱۱۷) کی تفسیر

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں: حضرت آدم علیہ السلام کو سرخ تیل کی طرف اتارا گیا۔ وہ اس کے ذریعہ کھیتی باڑی کرتے تھے اور

اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے تھے۔ یہ وہ مشقت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، یہ ظاہریوں ہونا چاہیے تھا کہ تم دونوں مشقت میں پڑ جاؤ گے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ذکر کو غلبہ دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر فرمایا کیونکہ ان کی مشقت زیادہ تھی یا آیات کے وزن کی موافقت کے لیے واحد کا صیغہ فتشقی فرمایا۔ (عمدة القاری: ۸۸)

۸۳۷۸۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ
السَّجَّارِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ
الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ
ﷺ قَالَ حَاجَّ مُوسَى آدَمَ فَقَالَ لَهُ أَنْتَ الَّذِي
أُخْرِجْتَ النَّاسَ مِنَ الْجَنَّةِ بِذَنْبِكَ وَأَشَقَيْتَهُمْ قَالَ
قَالَ آدَمُ يَا مُوسَى أَنْتَ الَّذِي اصْطَفَاكَ اللَّهُ بِرِسَالَتِهِ
وَبِكَلَامِهِ أَتَلُمُنِي عَلَى أَمْرٍ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ
يَخْلُقَنِي أَوْ قَدَرَهُ عَنِّي قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ ﷺ فَحَاجَّ آدَمَ مُوسَى۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب بن النجار نے حدیث بیان کی، از یحییٰ بن ابی کثیر از ابی سلمہ بن عبد الرحمن از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال حاج موسى آدم فقال له انت الذي اخبرجت الناس من الجنة بذنبك واشقيتهم قال قال آدم يا موسى انت الذي اصطفاك الله برسالته وبكلامه اتلومني على امر كتبه الله علي قبل ان يخلقني او قدره عني قبل ان يخلقني قال رسول الله ﷺ فحاج آدم موسى۔

اور آپ نے ان کو نامراد کیا، آپ نے بتایا کہ حضرت آدم نے کہا: اے موسیٰ! آپ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اور اپنی ہم کلامی سے فضیلت دی، کیا آپ مجھے اس کام پر ملامت کر رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے پیدا کرنے سے پہلے لکھ دیا تھا یا مجھے پیدا کرنے سے پہلے مقدر فرما دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پس حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آگئے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۴۰۹ میں گزر چکی ہے تاہم بعض اہم امور بیان کیے جا رہے ہیں:

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام مسلم نے اس حدیث کی روایت میں بیان کیا ہے کہ حضرت آدم نے فرمایا: کیا آپ مجھے اس کام پر ملامت کر رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے تقدیر میں لکھ دیا تھا کہ میں یہ کام کروں گا! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھر حضرت آدم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ پالیا۔ (صحیح مسلم: ۲۶۵۲)

علامہ نووی نے کہا ہے کہ تقدیر سے مراد یہاں پر لوح محفوظ میں لکھنا ہے، یا تورات کے صحیفوں اور تختیوں میں لکھنا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے یہ لکھ دیا تھا اور اس کے بعد کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے کتنا عرصہ پہلے تورات کو لکھا تھا، تو حضرت موسیٰ نے کہا: چالیس سال پہلے تو حضرت آدم نے کہا: آپ مجھے اس کام کرنے پر ملامت کر رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے لکھ دیا تھا۔ (صحیح مسلم: ۲۶۵۲، رقم السلسل: ۶۶۳)

اس حدیث میں تصریح ہے کہ تقدیر سے مراد تورات کے صحیفوں میں لکھنا ہے اور اس سے حقیقتاً تقدیر مراد نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم اور جو کام اس نے اپنے بندوں کے لیے مقدر کیے ہیں، وہ ازلی ہیں، ان کی کوئی ابتدا نہیں ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت موسیٰ کی پیدائش سے چالیس سال پہلے لکھنے سے کیا مراد ہے؟ حالانکہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تقدیر کو لکھا۔ (صحیح مسلم: ۲۶۵۳، سنن ترمذی: ۲۱۶۳)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر مخلوق کے وجود سے پہلے تمام معلومات کو اللہ تعالیٰ کا علم قدیم محیط ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی نہ کسی زمانہ میں لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے، پس ہو سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا جو معاملہ ہو اس کو اللہ تعالیٰ نے ان کی پیدائش سے چالیس سال پہلے لکھ لیا ہو اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ وہ مدت ہے جس میں ان کا پتلا مٹی اور گارے میں رہا تھا، کیونکہ وہ چالیس سال تک اسی حالت میں رہے تھے۔ گویا کہ حضرت آدم نے فرمایا: یہ مجھ پر اس وقت لکھ دیا گیا تھا جتنی مدت میں میرے پتلے میں روح نہیں پھونکی گئی تھی۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۸۹-۸۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الحمد لله رب العالمین سورۃ طہ کی تفسیر ختم ہو گئی، اب ان شاء اللہ سورۃ الانبیاء کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۲۱۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْأَنْبِيَاءِ

سورة الانبياء کی تفسیر

سورة الانبياء کا تعارف

امام ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن الزبیر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ اسی طرح مقاتل نے کہا ہے اور مقامات التزیل میں مذکور ہے کہ اس آیت میں اختلاف ہے: أَفَلَا يَذَرُونَ أَتَيْنَا فِي الْأَمْثَلِ نَقُصُّهَا مِنْ أَطْرَافِهَا۔ (الانبیاء: ۴۴) کہ یہ آیت مکی ہے یا مدنی؟ کیونکہ اس کا معنی ہے کہ ہم کفار کو قتل کر دیں گے یا ان کو قید کریں گے اور یہ واقعہ مدینہ میں ہوا تھا، مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے: ہم وہاں کے رہنے والوں کو مارتے رہیں گے اور زمین کی پیداوار میں کمی کرتے رہیں گے، سو یہ واقعہ مکہ کا ہی ہو سکتا ہے۔

علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ یہ سورت، سورۃ ابراہیم کے بعد اور سورۃ الفتح سے پہلے نازل ہوئی ہے اور اس سورت میں ایک سو بارہ آیات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۷۳۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَالْكَهْفُ وَمَرْيَمُ وَطِهَ وَالْأَنْبِيَاءُ هُنَّ مِنَ الْعِتَاقِ الْأُولَى وَهُنَّ مِنْ تِلَادِي۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق، انہوں نے کہا: میں نے عبدالرحمن بن یزید سے سنا از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ انہوں نے کہا: (سورۃ) بنی اسرائیل، الکہف، مریم، طہ اور انبیاء ان پہلے کی بہت فصیح سورتوں میں سے ہیں (جو مکہ میں نازل ہوئی تھیں) اور یہ وہ سورتیں ہیں جن کو میں نے بہت پہلے یاد کیا ہوا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۷۰۸ میں گزر چکی ہے۔

وَقَالَ قَتَادَةُ جُذَا إِذَا قَطَعَهُنَّ۔ اور قتادہ نے کہا: جُذَا کا معنی ہے: اُس کو کاٹ ڈال یعنی ان بتوں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَجَعَلَهُمْ جُذَا إِلَّا كَبِيرًا لَهُمْ بَعْلُهُمْ إِلَيَّ يَرْجِعُونَ ﴿٥٨﴾

سو ابراہیم نے ان کے بڑے بت کے سوا سب بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں ○ (انبیاء: ۵۸)

امام شعبی نے کہا ہے کہ جُذَا کا معنی ہے: حضرت ابراہیم نے ان بتوں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جُذَا، جَذْبِذ کی جمع ہے اور اس کا اطلاق واحد، ثنیہ، جمع، مذکر اور مؤنث سب پر ہوتا ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ فِي فَلَكٍ مِثْلِ فَلَنَكَةِ الْمِغْزَلِ يَسْبَحُونَ حسن بھری نے کہا: فِي فَلَنَكٍ کی مثال چرخہ کے تکلے کی طرح ہے۔
يَسْبَحُونَ اس کا معنی ہے: وہ گھومتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۚ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿۳۲﴾ (انبیاء: ۳۲)
اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو پیدا کیا،
ہر ایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے O

مِغْزَل کا معنی سوت کا تنے کا چرخہ ہے اور فَلَنَكَةُ کا معنی ہے: تکلہ یعنی وہ لوہے کی سلاخ جس پر چرخہ گھومتا ہے۔ مجاہد نے کہا:
وہ چکی کی سلاخ کی طرح ہے اور ایک قول یہ ہے کہ فلک سے مراد آسمان ہے جس میں یہ سیارے ہیں۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَفَسَتْ رَعَتْ لَيْلًا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: رات کے وقت چریں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَمَمُ الْقَوْمِ۔ (انبیاء: ۷۸)
اور داؤد اور سلیمان کو یاد کیجئے جب وہ ایک کھیت کا فیصلہ کر رہے تھے،
جب کچھ لوگوں کی بکریوں نے رات میں اس کھیت کو چر لیا تھا۔

حضرت ابن عباس نے بھی اس کی یہی تفسیر کی ہے، جس کی امام ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے اور اہل لغت نے کہا ہے کہ
نَفَسَتْ کا معنی ہے: جو جانور کسی چرواہے کے بغیر از خود رات کو چر لیں۔

يُصْحَبُونَ يُنْشَعُونَ۔ يَصْحَبُونَ اس کا معنی ہے: اور نہ وہ ہم سے روئے جائیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مَتَّاعُونَ ﴿۳۳﴾ (انبیاء: ۳۳)
وہ تو خود اپنی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، اور نہ ہماری طرف
سے ان کی مدد کی جائے گی O

مجاہد نے کہا: یعنی ہماری طرف سے ان کی کوئی حفاظت نہیں کی جائے گی اور قتادہ نے کہا: وہ اللہ کی طرف سے کوئی خیر حاصل
نہیں کر سکیں گے۔

أَمْثَلُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً قَالِ دِينُكُمْ دِينِ وَاحِدٍ۔ امتکم امة واحدة اس کا معنی ہے: تمہارا دین ایک دین ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ﴿۹۲﴾ (انبیاء: ۹۲)
بے شک یہ تمہاری ملت ہے جو درحقیقت ایک ہی ملت ہے اور میں
(ہی) تمہارا رب ہوں۔ سو تم میری (ہی) عبادت کرو O

امام بخاری نے اُمة کی تفسیر دین کے ساتھ کی ہے، قتادہ نے بھی اس کی یہی تفسیر کی ہے۔ میں کہتا ہوں: تمام انبیاء علیہم السلام کا دین
ایک ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے اصول اور عقائد واحد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا واحد ہونا، اس کے رسولوں کا برحق ہونا، اس کی نازل کی
ہوئی کتابوں کا صادق ہونا، مرنے کے بعد سب کا دوبارہ زندہ ہونا اور ہر اچھی اور بری چیز کا اللہ کی تقدیر سے وابستہ ہونا، اعمال کے
اعتبار سے جزا اور سزا کا ملنا اور اللہ تعالیٰ کا گناہوں کو معاف فرمادینا اور شریعت ہر نبی کی الگ الگ ہوتی ہے، جس میں وہ اپنے
زمانے کی خصوصیات کے اعتبار سے احکام وضع فرماتے ہیں۔

وَقَالَ عِكرِمَةُ حَصْبُ حَصْبٌ بِالْحَبَشِيَّةِ۔ عکرمہ نے کہا: حَصْبُ کا معنی حبشیہ میں ایندھن ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَرَدُونَ ۝ (انبیاء: ۹۸)

بے شک تم خود اور جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو (وہ سب) دوزخ کا ایندھن ہیں، تم (سب) اس میں داخل ہونے والے ہو ۝

عکرمہ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو، اس سے مراد بت ہیں۔ اہل یمن کی لغت میں بھی حَصَب کا معنی ایندھن ہے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ أَحْسُوا تَوَقَّعُوا مِنْ أَحْسَسْتُ۔ عکرمہ کے علاوہ دوسروں نے کہا: أَحْسُوا کا معنی ہے: جب ان کو اس کی توقع ہوئی۔ یہ أَحْسَسْتُ سے ماخوذ ہے یعنی میں نے محسوس کیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا أَحَسُّوا بَأْسَنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَرْكُضُونَ ۝ (انبیاء: ۱۲) سوجب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا تو فوراً اس سے بھاگنے لگے ۝

عکرمہ کے غیر سے مراد امام ابو عبیدہ ہیں، انہوں نے کہا: جب کفار کو عذاب کا خطرہ ہوا اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ جب انہوں نے ہمارے عذاب کی علامتیں دیکھیں تو انہوں نے بستی سے نکلنے کا قصد کیا۔ امام بخاری نے کہا: أَحْسُوا، أَحْسَسْتُ سے ماخوذ ہے یعنی احساس سے اور احساس کا معنی ہے: حواس کے ذریعہ علم جیسے آنکھ سے دیکھنا اور کان سے سنا اور ناک سے سونگھنا اور زبان سے چکھنا اور ہاتھوں سے چھونا۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جب انہوں نے اپنے حواس سے ہمارے عذاب کی شدت اور گرفت کو جان لیا تو پھر ان کو اس میں کوئی شک نہ رہا۔

خَامِدِينَ خَامِدِينَ۔ خُمِدِينَ کا معنی ہے: بجھے ہوئے یعنی مرے ہوئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَمَا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّى جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا ۝ (انبیاء: ۱۵) ان کا مسلسل یہی کہنا رہا حتیٰ کہ ہم نے ان کو کافی ہوئی فصل کی طرح خُمِدِینَ ۝ (انبیاء: ۱۵) کر دیا زندگی کی حرارت سے بجھا ہوا ۝

امام ابو عبیدہ نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ جب آگ بجھ کر ختم ہو جائے تو کہا جاتا ہے: خَبِدَتِ النَّارُ اور جب کپڑا پراٹا اور بوسیدہ ہو جائے تو کہا جاتا ہے: خَبِدَتِ الثَّوبُ، جس زمین میں کوئی پیداوار نہ ہو اسے کہا جاتا ہے: اَرْضٌ خَامِدَةٌ۔ کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ خامدین کا معنی ہے: مرے ہوئے۔

وَالْحَصِيدُ مُسْتَأْصَلٌ يَقَعُ عَلَى الْوَاحِدِ وَالْاِثْنَيْنِ ۝ حَصِيدٌ اس کا معنی ہے: جڑ سے اکھاڑا ہوا۔ اس کا واحد، تشنیہ اور جمع سب پر اطلاق ہوتا ہے۔ وَالْجَبِيمُ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَمَا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّى جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا ۝ (انبیاء: ۱۵) ان کا مسلسل یہی کہنا رہا حتیٰ کہ ہم نے ان کو کافی ہوئی فصل کی طرح خُمِدِینَ ۝ (انبیاء: ۱۵) کر دیا زندگی کی حرارت سے بجھا ہوا ۝

امام بخاری نے اس کی تفسیر مُسْتَأْصَلٌ کی ہے اور یہ اشتباہ سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے: کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑ دینا۔

لَا يَسْتَحْصِرُونَ لَا يُغَيُّونَ وَمِنْهُ حَسِيرٌ وَحَسَنٌ لَا يَسْتَحْصِرُونَ اس کا معنی ہے: وہ تھکتے نہیں ہیں، حَسِيرٌ بھی اسی سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے: تھکا ہوا اور جب تم اپنے اونٹ کو تھکا دو تو کہتے ہو: حَسَنٌ بَعِيرٌ یعنی میں نے اپنے اونٹ کو تھکا دیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْصِرُونَ (انبیاء: ۱۹) اور جو اس کے پاس (فرشتے) ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ تکبر کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں ○

امام بخاری نے اس کی تفسیر لَا يُغَيُّونَ کی ہے۔ اس کا معنی ہے: وہ عاجز نہیں ہوتے۔ اسی سے الحسیر ماخوذ ہے۔ جو شخص تھک کر کھڑا ہو جائے اس کو الحسیر کہتے ہیں۔

عَبِيقٌ بَعِيدٌ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَوْنٌ فِي النَّاسِ بِالْحَبِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَبِيقٌ (انبیاء: ۲۷) اور (اے ابراہیم!) لوگوں میں بلند آواز سے حج کا اعلان کر دیجئے کہ وہ آپ کے پاس پیادہ اور ہر دہلی اونٹنی پر آئیں گے وہ اونٹنیاں جو ہر دور دراز راستے سے پہنچیں گی ○

امام بخاری نے عِیق کی تفسیر بعید کی ہے، لیکن امام بخاری سورۃ انبیاء کی تفسیر کر رہے ہیں اور یہ آیت سورۃ حج میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کو اس لیے ذکر کر دیا ہے کہ سورۃ انبیاء کی ایک آیت میں فُجَّاجًا کا لفظ ہے اور فُجَّاجًا کا لفظ بھی فُجَّج سے ماخوذ ہے۔ اس مناسبت سے اس آیت کی تفسیر کو ذکر کر دیا۔ سورۃ الانبیاء کی وہ آیت درج ذیل ہے:

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رِجَالًا وَمَوَالٍ أَنْ تَبْذُرَهُمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فُجَّاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ (انبیاء: ۲۷) اور ہم نے زمین میں اونچے اونچے پہاڑ بنا دیئے تاکہ لوگوں کے بوجھ سے زمین ایک طرف ڈھلک نہ جائے اور ہم نے اس زمین

میں کشادہ راستے بنائے تاکہ لوگ ہدایت حاصل کریں ○

نَكِسُوا رُءُودًا۔

نَكِسُوا کا معنی ہے: لوٹائے گئے یا پلٹائے گئے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَمْ نَكِسُوا عَلَى رُءُودِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هَؤُلَاءِ يَطْفِقُونَ (انبیاء: ۶۵) پھر انہوں نے اپنے سر جھکا لیے (اور شرمندگی سے) کہا: تم کو معلوم ہے یہ بول نہیں سکتے ○

امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے: وہ لوٹائے گئے اور امام ابو عبیدہ نے اس کی تفسیر کی ہے: وہ پلٹائے گئے اور امام ثعلبی نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: انہوں نے حیران ہو کر اپنے سروں کو جھکا لیا، اور انہوں نے جان لیا کہ یہ بت نہ بول سکتے ہیں اور نہ کسی چیز کو پکڑ سکتے ہیں۔ نَكِسَتْ اس وقت کہتے ہیں جب تم کسی چیز کو پلٹ کر اوندھا کر دو اور اس کے نیچے کا حصہ اوپر اور اوپر کا حصہ نیچے کر دو۔

صَنْعَةُ لَبُوسِ الدُّرُوعِ۔

صَنْعَةُ لَبُوسِ کا معنی ہے: زرہوں کو بنانے کی صنعت یا کاری

گری۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُؤٍ لَّكُم لِيُخْصِنَكُمْ فِيهِ بَابِكُمْ۔ اور ہم نے داؤد کو تمہارے لیے خاص لباس (زرہ) بنانا سکھایا (انبیاء: ۸۰) تاکہ وہ تم کو جنگوں میں محفوظ رکھے۔

امام بخاری نے صَنْعَةَ لَبُؤٍ کی تفسیر زرہوں کے ساتھ کی ہے اور امام ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ لَبُؤٍ کا معنی ہر قسم کے ہتھیار ہیں خواہ زرہ ہو یا نیزہ۔ امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ جس نے سب سے پہلے زرہ بنی اور اس کے حلقہ بنائے، وہ حضرت داؤد علیہ السلام تھے۔ علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ اہل عرب کے نزدیک لَبُؤٍ کا معنی ہر قسم کے ہتھیار ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی مراد اس جگہ زرہ ہے۔

تَقَطَّعُوا أَمْرَهُمُ اخْتَلَفُوا۔ تَقَطَّعُوا أَمْرَهُمُ كَامَعْنٰی ہے: انہوں نے اختلاف کیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمُ بَيْنَهُمْ كُلَّ إِلَهٍ تَارِجُونَ ۝ اور انہوں نے اپنے دین میں (مختلف) فرقے بنا لیے، وہ سب

(انبیاء: ۹۳) ہماری ہی طرف لوٹ کر آنے والے ہیں ○

امام ابو عبیدہ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ کئی فرقوں میں بٹ گئے۔ کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ انہوں نے دین میں اختلاف کیا اور ان کے کئی فرقے اور جماعتیں ہو گئیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ سب ہماری طرف لوٹ کر آنے والے ہیں، پس اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کی جزا دے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ یہود، نصاریٰ، مجوس اور مشرکین ہو گئے۔

الْخَيْسُ وَالْحِشُّ وَالْجَرَسُ وَالْهَنْسُ وَاحِدٌ وَهُوَ الْخَيْسُ وَالْحِشُّ وَالْجَرَسُ وَالْهَنْسُ، ان سب کا ایک معنی ہے: اور وہ ہے پست آواز۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا يَسْمَعُونَ خَيْسَهَا وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خَلِيدُونَ ۝ (انبیاء: ۱۰۲) وہ دوزخ کی آہٹ تک نہ سنیں گے اور انہوں نے جن لذتوں کو چاہا تھا ان میں ہمیشہ رہیں گے ○

امام بخاری نے الْخَيْسُ کی تفسیر کی ہے: پست آواز، اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ جب اہل جنت، جنت میں داخل ہوں گے تو وہ اہل دوزخ کی آہٹ تک نہیں سنیں گے۔

أَذِّنَاكَ أَغْلَنَّاكَ أَذِّنَّاكَ إِذَا أَغْلَنَتْهُ فَأَنْتَ وَهُوَ عَلَى سَوَاءٍ لَمْ تَغْدِرْ۔ اَذِّنَاكَ کا معنی ہے: ہم نے تم کو خبر دے دی، جب تم کسی کو کوئی چیز بتاؤ تو تم کہتے ہو: أَذِّنَّاكُمْ پس وہ اور تم عہد شکنی نہ کرنے میں برابر ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ آيِنُ شُرَكَائِي قَالُوا أَدْنَاكَ مَا مِمَّا مِّنْ شَيْءٍ ۝ (حم السجدہ: ۲۷) اور جس دن اللہ انہیں ندا فرمائے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں، وہ کہیں گے: (اے رب!) ہم تیری بارگاہ میں عرض کر چکے ہیں کہ ہم

میں سے کوئی گواہی دینے والا نہیں (کہ وہ تیرے شریک ہیں) ○

امام بخاری نے اَذِّنَاكَ کی تفسیر کی ہے کہ ہم نے تم کو خبر دے دی تھی لیکن یہ آیت سورۃ الانبیاء میں نہیں ہے، بلکہ یہ سورۃ حم السجدہ کی آیت ہے۔ امام بخاری نے اس آیت کو اس مناسبت سے ذکر کیا ہے کہ سورۃ انبیاء میں اَذِّنَّاكُمْ کا لفظ ہے اور وہ اس آیت میں ہے

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ أَذَنْتُمْكُمْ عَلَىٰ سَوَآءٍ۔ (انبیاء: ۱۰۹)

پھر اگر یہ بیٹھ پھیر لیں تو آپ کہیے: میں واضح طور پر تم کو خبردار کر چکا ہوں۔

عَلَىٰ سَوَآءٍ کا معنی ہے: جن کو خبر دی ہے، وہ سب اس خبر میں برابر ہیں، نہ کسی سے عہد شکنی کی ہے نہ کسی کو دھوکا دیا ہے۔
وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ تَفْهَمُونَ۔
مجاہد نے کہا: لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ اس کا معنی ہے: شاید کہ تم سمجھو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا تَزِرُ كُسُوفُآءُ أَرْجُوعُوا إِلَىٰ مَا أَتَوْكُمْ فِيهِ وَصَسَّيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ ۝ (انبیاء: ۱۳)
(ان سے کہا گیا:) اب بھاگو مت، اور اسی جگہ لوٹو جہاں تمہیں آسودگی دی گئی تھی اور اپنی رہائش گاہوں میں تاکہ تم سے پوچھ پچھ کی جائے ۝

ابن ابی نجیح نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

ارْتَضَىٰ رَضَىٰ۔
ارْتَضَىٰ کا معنی ہے: راضی ہوا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ۝ (انبیاء: ۲۸)
وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ اسی کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت سے وہ راضی ہو (انبیاء: ۲۸) اور وہ اس کی ہیبت سے لرزہ بر اندام ہیں ۝

امام بخاری نے ارْتَضَىٰ کی تفسیر راضی ہونے کے ساتھ کی ہے اور حضرت ابن عباس نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنے سے راضی ہوتا ہے۔

الشَّائِئِلُ الْأَضْمَامُ۔
الشَّائِئِلُ کا معنی ہے: اصنام یعنی بت اور مورتیاں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ الشَّائِئِلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاقِبُونَ ۝ (انبیاء: ۵۲)
جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا: یہ کیسی مورتیاں (بت) ہیں جن (کی پرستش) پر تم جتے ہوئے ہو ۝

الشَّائِئِلُ، تَشَال کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: مجسم صورت جیسے بت ہوتے ہیں۔

السَّجِلُّ الصَّحِيفَةُ۔
السَّجِلُّ کا معنی ہے: صحیفہ یعنی وہ کاغذات جن پر کوئی چیز لکھی ہوئی ہو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السَّجِلِ لِلْكَتُبِ۔ (انبیاء: ۱۰۴)
جس دن ہم آسمانوں کو وثیقہ کے کاغذوں کی طرح لپیٹ لیں گے۔
امام بخاری نے السَّجِلُّ کی تفسیر صحیفہ کے ساتھ کی ہے، یعنی وہ کاغذات جن پر کچھ لکھا ہوا ہو، جیسے وثیقہ ہوتا ہے، یعنی ہم آسمانوں کو کاغذات کی طرح لپیٹ دیں گے۔

۱۔ بَابُ: كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعَدْنَا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا مُعِدِّينَ ۝ (الانبیاء: ۱۰۳)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد: جس طرح ہم نے ابتداء پیدا کیا تھا، ہم اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے،

جس کو ہم ضرور پورا کرنے والے ہیں ○

(الانبیاء: ۱۰۴) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی جس طرح ہم نے لوگوں کو ان کی ماؤں کے پیٹوں میں ننگے پیر، ننگے بدن اور غیر محتون پیدا کیا تھا، اسی طرح ہم ان کو قیامت کے دن دوبارہ پیدا کریں گے، دوسرا قول یہ ہے کہ جس طرح ہم نے ان کو پانی سے پیدا کیا تھا، اسی طرح ہم ان کو مٹی سے پیدا کریں گے۔ ان کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا ہمارا وعدہ ہے، ہم اس وعدہ کو ضرور پورا کریں گے۔

۴۷۰۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ
السُّغَيْرَةِ بْنِ الثُّعْمَانِ شَيْخٍ مِنَ الثَّخَعِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ
جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ خَطَبَ
النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ إِنَّكُمْ مَخْشُورُونَ إِلَى اللَّهِ حُفَاةٌ
عُرَاةٌ غُرْلًا كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نَعِيدُهُ وَعَدَا عَلَيْنَا
إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ثُمَّ إِنَّ أَوَّلَ مَنْ يُكْسَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ
إِبْرَاهِيمُ أَلَا إِنَّهُ يُجَاءُ بِرِجَالٍ مِنْ أُمَّتِي فَيُؤْخَذُ بِهِمْ
ذَاتُ الشِّمَالِ فَأَقُولُ يَا رَبِّ أَصْحَابِ فَيْقَالُ لَا تَذَرِي
مَا أَخَذُوا بِعَذَابِكَ فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ
﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ إِلَى قَوْلِهِ
شَهِيدٌ﴾ (المائدة: ۱۱) فَيَقَالُ إِنَّ هَؤُلَاءِ لَمْ يَزَالُوا
مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ مِنْذُ قَارَعْتَهُمْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از المغیرہ بن النعمان جو التثع کے شیخ ہیں، از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا: (تم قیامت کے دن) اللہ کی طرف جمع کیے جاؤ گے اس حال میں کہ تم ننگے پیر، ننگے بدن اور غیر محتون ہو گے، جس طرح ہم نے تم کو پہلے پیدا کیا تھا اسی طرح تم کو دوبارہ پیدا کریں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے جس کو ہم ضرور پورا کرنے والے ہیں، پھر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے، مگر میری امت کے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا ان کو بائیں جانب کھڑا کیا جائے گا، میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرے اصحاب ہیں، پس کہا جائے گا: آپ (از خود) نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئے کام کیے ہیں، پس میں اسی طرح کہوں گا جس طرح اللہ کے نیک بندہ نے کہا تھا: میں ان پر اس وقت تک گواہ تھا جب تک میں ان میں تھا۔ یہ آیت شہید تک ہے۔ (المائدہ: ۱۱) پس بتایا جائے گا: یہ وہ لوگ ہیں کہ جب سے آپ ان سے جدا ہوئے، یہ ہمیشہ مرتدین رہے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۲۹ میں گزر چکی ہے۔

التثع کا معنی اور اس کی وجہ تسمیہ، غرلاً کا معنی اور مرتدین کا مصداق

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

التثع: یہ مذبح کا بڑا قبیلہ ہے اور التثع کا نام جبیر بن عمرو ہے۔ تثع کا معنی دور ہونا ہے، ان کو التثع اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنی قوم سے دور ہو گئے تھے اور اسلام قبول کر کے کوفہ میں رہائش اختیار کی تھی۔

غراً: یہ اغرل کی جمع ہے۔ یہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کا ختنہ نہ کیا گیا ہو۔ ان کو بائیں جانب کھڑا کیا جائے گا: یعنی دوزخ کی جانب۔

مرتدین: اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ یہ اسلام سے مرتد ہو گئے تھے، بلکہ یہ لوگ بعض حقوق واجبہ ادا نہیں کرتے تھے اور الحمد للہ صحابہ میں سے کوئی بھی مرتد نہیں ہوا، البتہ بعض اعرابی جو قتل کے خوف سے یا مال کے لالچ میں اسلام میں داخل ہوئے تھے، وہ مرتد ہو گئے تھے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۹۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الحمد للہ یہاں پر سورۃ الانبیاء کی تفسیر مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ الحج کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۲۲۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْحَجِّ

سورة الحج کی تفسیر

سورة الحج کا تعارف

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورۃ الحج مدینہ میں نازل ہوئی ہے اور مقاتل نے کہا: اس سورت کا بعض حصہ مکہ میں نازل ہوا ہے اور قتادہ نے کہا کہ یہ سورت مکی ہے اور ان سے یہ بھی روایت ہے کہ چار آیات کے سوا یہ سورت مدنی ہے اور ہبہ بن سلامہ نے کہا: یہ قرآن مجید کی سب سے عجیب سورتوں میں سے ہے، کیونکہ اس میں مکی آیات بھی ہیں اور مدنی آیات بھی، سفری آیات بھی ہیں اور حضری آیات بھی، زمانہ جنگ کی آیات بھی ہیں اور زمانہ صلح کی بھی، رات میں نازل ہونے والی آیات بھی ہیں اور دن میں نازل ہونے والی آیات بھی اور اس میں ناسخ آیات بھی ہیں اور منسوخ آیات بھی ہیں اور اس میں انجہتر (۷۸) آیات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۹۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ الْمُخْبِتَيْنِ الْمُطَهَّرَيْنِ۔ اور ابن عیینہ نے کہا: الْمُخْبِتَيْنِ کا معنی ہے: الْمُطَهَّرَيْنِ یعنی اللہ کے احکام پر خوشی اور اطمینان سے عمل کرنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَهُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلَمُوا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ﴿۳۴﴾ پس تمہاری عبادت کا مستحق واحد ہے اسی کی اطاعت کرو اور عاجزی کرنے والوں کو بشارت دیجئے ○ (الحج: ۳۴)

یعنی سفیان بن عیینہ نے اس آیت کی تفسیر میں از ابن جریر از مجاہد یہ روایت کی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: جو اطمینان سے اللہ کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں۔ دوسرا قول ہے: جو عاجزی کرتے ہیں، تیسرا قول ہے: جو اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِي إِذَا تَكَلَّمَ الشَّيْطَانُ فِي أَمْنِيَّتِهِ إِذَا حَدَّثَ أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي حَدِيثِهِ فَيُبْطَلُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ وَيُخَيِّمُ آيَاتِهِ۔ اور حضرت ابن عباس نے درج ذیل آیت: إِذَا تَكَلَّمَ الشَّيْطَانُ فِي أَمْنِيَّتِهِ (الحج: ۵۲) یعنی جب نبی کوئی بات کرتا ہے تو شیطان اس کی بات میں اپنی طرف سے کچھ ملا دیتا ہے۔ کی تفسیر میں کہا: پس اللہ تعالیٰ شیطان کی ملائی ہوئی باتوں کو باطل کر دیتا ہے اور اپنی آیات کو پختہ کر دیتا ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد مینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ کہتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَكَلَّمَ الشَّيْطَانُ فِي أَمْنِيَّتِهِ فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي

الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحَكِّمُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٢﴾
(الحج: ٥٢) (لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈال کر) اس کی تمنا (پوری ہونے) میں رخنہ ڈال دیا، سو اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے (شبہات) کو زائل کر دیتا ہے، پھر اللہ اپنی آیات کو پختہ کر دیتا ہے، اور اللہ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے ○

امام ابو الحسن بن علی الطبری نے اس آیت کی تفسیر میں یہ ذکر کیا ہے کہ جب نبی ﷺ تریل سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو شیطان آپ کی گھات لگا کر بیٹھ جاتا اور جب نبی ﷺ کسی آیت کے بعد سکوت کرتے تو وہ سکوت کے اس وقفہ میں آپ کی آواز بنا کر اپنی طرف سے کچھ ملا دیتا، جس سے سننے والا یہ سمجھتا کہ یہ آپ نے فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں سورہ والنجم پڑھی اور جب آپ اس آیت پر پہنچے:

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّتَّ وَالْعُزَّىٰ ۚ وَمَثُوَلَةَ الثَّالِثَةَ الْآخِرَىٰ ﴿١٩﴾
(النجم: ١٩-٢٠) تیسری ایک اور (دیوی) منات کو ○

تب شیطان نے آپ کے سکوت کے وقفہ میں آپ کی آواز کے مشابہ آواز میں اپنی طرف سے یہ کلمات ملا دیئے:

تلك الغرابيق العل، وان شفاعتھن لتترجی۔
یہ اونچی اڑان والے پرندے، ان کی شفاعت کے مقبول ہونے کی امید کی جاتی ہے۔

تب مشرکین نے کہا: آج سے پہلے انہوں نے کبھی ہمارے معبودوں کا خیر کے ساتھ ذکر نہیں کیا، پس جب آپ نے سجدہ کیا تو مشرکین نے بھی سجدہ کر لیا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی، یہ حدیث متجدد طرق سے مروی ہے۔

علامہ ابن العربی نے کہا کہ طبری نے اس مسئلہ میں بہت زیادہ روایات ذکر کی ہیں، جو سب باطل ہیں اور ان کی کوئی اصل نہیں ہے اور قاضی عیاض نے کہا: اس حدیث کی اصل صحت میں سے کسی نے روایت نہیں کی اور نہ کسی ثقہ راوی نے اس کی روایت کی ہے۔ اس کی کوئی سند متصل نہیں ہے اور اس کے ناقلین ضعیف ہیں اور یہ روایات مضطرب ہیں، ان کی اسانید منقطع ہیں، اسی طرح تابعین اور مفسرین میں سے جس نے اس قصہ کو بیان کیا ہے، ان میں سے کسی نے اس کی ثقہ راوی کی طرف نسبت نہیں کی اور اس حدیث کے اکثر طرق ضعیف ہیں۔ (عمدة القاری ج ١٩ ص ٩٥)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ ابن العربی اور قاضی عیاض نے یہ جو کچھ کہا ہے، یہ قواعد کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی حدیث کے طرق متعدد اور مختلف ہوں تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل ہے۔ (فتح الباری ج ٥ ص ٤٠٤)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ ابن العربی اور قاضی عیاض نے جو کہا ہے وہی نبی ﷺ کے مرتبہ اور مقام کے لائق ہے، کیونکہ دلائل سے نبی ﷺ کا معصوم ہونا ثابت ہے اور اس پر اجماع بھی ہے، اور نبی ﷺ بتوں کی تعریف میں کچھ کہنے سے معصوم ہیں اور آپ اس سے بری ہیں کہ آپ کے دل یا آپ کی زبان پر ایسی کوئی بات جاری ہو، ایسی کوئی بات آپ کی زبان پر عدا جاری ہو سکتی ہے نہ سہوا اور نہ شیطان کو یہ طاقت ہے کہ وہ آپ سے کوئی بات کہلوا سکے۔ عقل اور عرف کے نزدیک یہ محال ہے، اگر ایسا ہوتا تو کئی مسلمان مرتد ہو جاتے اور یہ منقول نہیں ہے۔

۵۲: ۵۲ کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے رسولوں میں سنت جاسیہ ہے کہ جب رسول کوئی بات کہتے ہیں تو شیطان اس میں اپنی طرف سے کچھ بڑھا دیتا ہے۔ اس قول میں یہ تصریح ہے کہ شیطان نے نبی ﷺ کے ارشاد میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کیا تھا، نہ کہ نبی ﷺ نے یہ کلمات از خود فرمائے تھے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

○ تفسیر

تفسیر نے اس مسئلہ کی پوری تحقیق اپنی تفسیر میں سورۃ الحج: ۵۲ کے تحت کی ہے۔ دیکھیے: تبيان القرآن ج ۷ ص ۷۷۷-۷۸۵۔
وَيَقَالُ أُمْنِيَّتُهُ قَوْلَ اللَّهِ إِلَّا أَمَانٌ يَقْرَأُونَ وَلَا يَكْتُمُونَ۔ اور کہا جاتا ہے: أُمْنِيَّتُهُ اس کا معنی ہے: اس کا پڑھنا إِلَّا أَمَانٌ
یعنی وہ پڑھتے ہیں اور لکھتے نہیں ہیں۔

یہ فراء کا قول ہے، اس نے إِلَّا اِذَا تَشَتَّى کا معنی بیان کیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانٌ۔ اور ان میں بعض ان پڑھ ہیں جو زبان سے لفظوں کو پڑھ لینے کے
(البقرہ: ۷۸) سوا (اللہ کی) کتاب (کے معانی) کا کچھ علم نہیں رکھتے ○

امام بخاری نے اس آیت کو یہ ثابت کرنے کے لیے پیش کیا ہے کہ تَشَتَّى کا معنی ہے: اس نے پڑھا۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَشِيدٌ بِالنَّقْصَةِ جَسٌّ۔ اور مجاہد نے کہا: مَشِيدٌ کا معنی ہے: اس کو چونے سے مضبوط کیا گیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُنْفَخُ عَنْكُمْ فِي الْيَوْمِ الْوَحِيدِ (الحج: ۴۵) اور بہت سے غیر آباد کنویں اور بہت سے مضبوط محل ○

نہضت نکاح بیان کرتے ہیں یہ کنواں حضرت موت کے شہر میں تھا جس کو حاضرا کہا جاتا تھا، کیونکہ چار ہزار مرد جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے، انہیں وہ عذاب سے نجات پا گئے تو وہ حضرت موت میں آئے اور ان کے ساتھ حضرت صالح علیہ السلام بھی تھے، پس جب وہ اس شہر میں حاضر ہوئے تو حضرت صالح علیہ السلام کو موت آگئی، اس وجہ سے اس شہر کا نام حضرت موت پڑ گیا۔ کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام کو جب موت آئی تو ان لوگوں نے حاضرا کو بنایا اور اس کنویں پر بیٹھ گئے اور ایک مرد کو وہاں امیر بنادیا جس کا نام جلیس تھا اور سخاریب بن سوادہ کو اس کا وزیر بنادیا، پھر وہ وہاں پر بڑے عرصہ تک رہے اور ان کی نسل چلتی رہی، حتیٰ کہ وہ بہت زیادہ ہو گئے، پھر انہوں نے جب ان کی عبادت کی اور اللہ تعالیٰ کا انکار کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک نبی کو بھیجا جن کا نام حنظلہ بن صفوان تھا، وہ اونٹ چراتے تھے۔ ان لوگوں نے ان کو بازار میں قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا اور وہ کنواں ویران ہو گیا اور ان کے محل کھنڈر بن گئے۔

وَيَقَالُ بَغْوَةٌ تَسْطُونُ يَغْرِطُونَ مِنَ السَّطْوَةِ وَيَقَالُ اور مجاہد کے غیر نے کہا: يَسْطُونُ کا معنی ہے: وہ زیادتی کرتے ہیں۔ یہ لفظ سَطْوَت سے ماخوذ ہے، کہا جاتا ہے: يَسْطُونُ یعنی وہ پکڑتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَكَاذِبُونَ يَسْطُونَ۔ (الحج: ۷۲) لگتا ہے کہ وہ ہماری آیتیں تلاوت کرنے والوں پر حملہ کر رہے ہیں

امام بخاری نے کہا ہے کہ یُسْطَوْنَ کا معنی ہے: وہ زیادتی کرتے ہیں، امام ابو عبیدہ نے بھی اس آیت کی ایسی تفسیر کی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ یُسْطَوْنَ کا معنی ہے: جب وہ کسی کو پکڑتے ہیں یعنی کفار سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب کی طرف غیظ و غضب میں آکر ہاتھ بڑھاتے تھے تاکہ ان کو ایذا پہنچائیں۔

اور ان کو نیک بات کی طرف ہدایت دی گئی، یعنی ان کو قرآن کی طرف الہام کیا گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَهَذَا إِلَى الظُّلُمِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهَذَا إِلَى صِرَاطِ الْحَيِّينَ ۝ (الحج: ۲۳)

ان کو صراطِ حمید کی طرف ہدایت دی گئی: اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو اسلام کی طرف ہدایت دی گئی اور انہیں نیک بات کی طرف

ہدایت دی گئی۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اس سے مراد ہے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ أَكْبَرُ۔ یعنی یہ حدیث ہے:

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِسَبَبٍ يَحْتَبِلُ إِلَى سَقْفِ الْبَيْتِ ثَانٍ عَظِيمٍ مُسْتَكْبِرٌ۔ اور حضرت ابن عباس نے کہا: بِسَبَبٍ لَقِيَ مِنْهُمَا وَثَرٌ مِمَّنْ عَفُو

چھت کی طرف لگی ہوئی ہو۔ چھت کی طرف لگی ہوئی ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَنْ كَانَ يَطْلُبُ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُدْهِمَ كَيْدُ مَا يَغِيظُ ۝ (الحج: ۱۵)

جو یہ گمان کرتا تھا کہ اللہ اپنے رسول کی شولیا اور آخرت میں نہرگز مدد نہیں کرے گا تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنی آؤچی جگہ پر دو علمائے ہندھ

کر (اپنے گلے میں ڈال لے)، پھر انہیں اونے کونکے ستارے بھرتیہ

دیکھے کہ آیا اس کی یہ تدبیر اس کے غضب اور غصہ کو دور کر سکتی ہے

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: جس شخص کا یہ گمان ہو کہ اللہ تعالیٰ سیدنا محمد ﷺ کی مدد نہیں کرے گا، وہ اپنے گھر کی چھت میں رسی لٹکا کر اپنا گلا گھونٹ لے۔

تَذْهَلُ تَشْغَلُ۔ تَذْهَلُ کا معنی ہے: وہ غافل ہو جائے گی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَوْمَ تَرَوْهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَرَىٰ وَهَٰهُمْ يَسْكَرُونَ وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ۝ (الحج: ۲)

جس دن تم اس کو دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اپنا دودھ (بچے) کو فراموش کر دے گی جس کو دودھ پلایا تھا خود ہر حاملہ کا حمل ساقط ہو جائے گا اور تم کو لوگ مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے ۝

۱۔ بَابُ: وَتَرَى النَّاسَ سُكَرَى۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور تم کو لوگ مدہوش نظر آئیں گے۔ (الحج: ۲) کی تفسیر

۴۷۴۱۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث

تاریخ بغداد میں روایت کی ہے۔

الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَا آدَمُ يَقُولُ لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ فَيُنَادِي بِصَوْتٍ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَخْرُجَ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ بَعْثًا إِلَى النَّارِ قَالَ يَا رَبِّ وَمَا بَعَثُ النَّارِ قَالَ مِنْ كُلِّ أَلْفٍ أَرَاةُ قَالَ تِسْعَ مِائَةٍ وَتِسْعَةَ وَتِسْعِينَ فَحِينَئِذٍ تَضَعُ الْحَامِلُ حَمْلَهَا وَيَشِيبُ الْوَلِيدُ وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُمْ بِسُكَارَى وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ فَشَقَّ ذَلِكَ عَلَى النَّاسِ حَتَّى تَغَيَّرَتْ وُجُوهُهُمْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ تِسْعَ مِائَةٍ وَتِسْعَةَ وَتِسْعِينَ وَمِنْكُمْ وَاحِدٌ ثُمَّ أَنْتُمْ فِي النَّاسِ كَالشَّجَرَةِ السُّودَاءِ فِي جَنْبِ الشُّورِ الْأَبْيَضِ أَوْ كَالشَّجَرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي جَنْبِ الشُّورِ الْأَسْوَدِ وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا رُبْعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَكَبَّرْنَا ثُمَّ قَالَ ثَلَاثُ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَكَبَّرْنَا ثُمَّ قَالَ شَطْرُ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَكَبَّرْنَا۔

قَالَ أَبُو أُسَامَةَ عَنْ الْأَعْمَشِ تَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُمْ بِسُكَارَى وَقَالَ مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَ مِائَةٍ وَتِسْعَةَ وَتِسْعِينَ وَقَالَ جَرِيرٌ وَعِيسَى بْنُ يُونُسَ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ سَكَرَى وَمَا هُمْ بِسَكَرَى۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۳۳۲۸ میں گزر چکی ہے۔

جریر اور عیسیٰ کے اختلاف کی وضاحت

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو صالح نے حدیث بیان کی از حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ عزوجل قیامت کے دن فرمائے گا، اے آدم! وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! میں حاضر ہوں اور تیری اطاعت کے لیے کمر بستہ ہوں، پھر اللہ عزوجل ایک آواز سے ندا فرمائے گا: بے شک اللہ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم اپنی اولاد میں سے نکالو ایک گروہ کو دوزخ کی طرف، حضرت آدم کہیں گے: اے میرے رب! دوزخ کا گروہ کتنا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ہر ہزار میں سے (میرا گمان ہے) نو سو ننانوے، پس اس وقت حاملہ عورت اپنے حمل کو گرا دے گی اور بچہ بوڑھا ہو جائے گا اور تم کو لوگ مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے (الحج: ۲) پس لوگوں پر یہ حدیث بہت سخت گزری حتیٰ کہ ان کے چہرے متغیر ہو گئے۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نو سو ننانوے یا جوج ماجوج میں سے ہوں گے اور تم میں سے ایک ہوگا اور تم لوگوں میں ایسے ہو گے جیسے سفید بیل کے پہلو میں ایک کالا بال ہو یا کالے بیل کے پہلو میں ایک سفید بال ہو اور مجھے توقع ہے کہ تم اہل جنت میں سے چوتھائی ہو گے، پس ہم نے کہا: اللہ اکبر، پھر فرمایا: پھر اہل جنت میں سے ایک تہائی ہو گے، پس ہم نے کہا: اللہ اکبر، پھر فرمایا: تم اہل جنت کا نصف ہو گے، پس ہم نے کہا: اللہ اکبر۔

ابو اسامہ نے اعمش سے روایت کرتے ہوئے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اور تم کو لوگ مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے (الحج: ۲) ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے اور جریر، عیسیٰ بن یونس اور ابو معاویہ نے اس آیت کو یوں پڑھا سَکَرَى وَمَا هُمْ بِسَکَرَى۔

سَکَرَى کا لفظ جمع ہے اور سَکَرَى کا لفظ واحد ہے۔ ان حضرات تابعین نے اس آیت میں لفظ واحد کو ذکر کیا، لیکن صحیح لفظ سَکَرَى ہے جو ہماری متواتر قراءت میں ہے۔

۲۔ بَابُ: وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَى وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۝
يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْصُرُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ذَلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ۝ (الحج: ۱۱-۱۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور کوئی شخص ایک کنارے پر کھڑا ہو کر اللہ کی عبادت کرتا ہے، پس اگر اس کو کوئی بھلائی مل جائے تو وہ اس سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اس پر کوئی آزمائش کی جائے تو وہ منہ کے بل پلٹ جاتا ہے، اس نے دنیا اور آخرت کا نقصان سمیٹا (یہ یہاں تک ہے) یہی دور کی گمراہی ہے ۝ (الحج: ۱۲-۱۱) کی تفسیر علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

علامہ الواحدی نے کہا ہے کہ حضرت ابوسعید نے بیان کیا کہ یہود میں سے ایک شخص اسلام لایا، پھر اس کی بینائی چلی گئی، پھر اس کا مال ضائع ہو گیا تو اس نے اسلام کے ساتھ بد شکونی لی اور اس نے نبی سنی ﷺ کے پاس آ کر کہا کہ مجھ سے میرا اسلام واپس لے لیجئے۔ آپ نے فرمایا: اسلام واپس نہیں لیا جاتا اور اسلام لوگوں کو اس طرح پگھلاتا ہے جس طرح آگ لوہے کو پگھلا کر اس کا رنگ دور کر دیتی ہے۔

اس آیت میں عَلَى حَرْفٍ کا لفظ ہے۔ حرف کا معنی ہے: طرف اور جانب اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد ہے: شک۔ یعنی وہ اللہ کی عبادت شک سے کرتا تھا۔ حسن بصری نے کہا: وہ منافق تھا، وہ زبان سے اللہ کی عبادت کرتا تھا دل سے اللہ کی عبادت نہیں کرتا تھا۔ اس آیت میں خَيْرٌ کا لفظ ہے، یعنی اس کو بھلائی مل جائے۔ اس سے مراد ہے: اس کا جسم تندرست ہو اور اس کا کاروبار وسیع ہو۔ اس آیت میں مذکور ہے اِطْمَأَنَّ بِهِ: اس سے مراد یہ ہے کہ پھر وہ اسلام پر راضی رہتا ہے اور اس پر قائم رہتا ہے۔ اور اس آیت میں مذکور ہے: وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ: اس سے مراد ہے کہ اس کے جسم میں کوئی بیماری ہو جائے اور اس کو کاروبار میں نقصان پہنچے۔

اس میں مذکور ہے: انْقَلَبَ عَلَى وَجْهِهِ: یعنی وہ مرتد ہو کر اپنے سابقہ کفر کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

الضَّلَالُ الْبَعِيدُ: یعنی وہ ہم سے بہت دور ہو جاتا ہے۔
اتَّرفنہم و سغنہم۔

اتَّرفنہم کا معنی ہے: ہم نے ان کی زندگی کشادہ کر دی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِإِيقَافِ الْآخِرَةِ وَاتَّرفنہم فی الحیوة الدنیا۔
اور رسول کی قوم کے وہ کافر سردار بولے جنہوں نے آخرت کی ملاقات کی تکذیب کی تھی اور جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں فروانی عطا فرمائی تھی۔ (المومن: ۳۳)

یہ آیت سورہ حج میں نہیں ہے، بلکہ سورہ المومن میں ہے۔ صحیح بخاری کو نقل کرنے والوں نے اس کو یہاں پر تسامح سے لکھ دیا ہے۔

۴۷۴۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ
امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن الحارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن ابی بکیر نے حدیث

سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَغْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ قَالَ كَانَ
الرَّجُلُ يَقْدَمُ الْمَدِينَةَ فَإِنْ وَلَدَتْ امْرَأَتُهُ غُلَامًا
وَتَسَجَّتْ خَيْلُهُ قَالَ هَذَا دِينٌ صَالِحٌ وَإِنْ لَمْ تَلِدْ
امْرَأَتَهُ وَلَمْ تُتَسَجَّ خَيْلُهُ قَالَ هَذَا دِينٌ سَوْءٌ

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی از ابی
حصین از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے اس
آیت کی تفسیر میں بیان کیا: اور کوئی شخص ایک کنارے پر کھڑا ہو کر
اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ (الحج: ۱۱) انہوں نے بتایا: ایک شخص مدینہ
آتا، پس اگر اس کی بیوی کے لڑکا پیدا ہوتا اور اس کی گھوڑیاں بچے
دیتیں تو وہ کہتا: یہ اچھا دین ہے اور اگر اس کی بیوی کے بچہ نہ ہوتا اور
اس کی گھوڑیاں بچے نہ دیتیں تو وہ کہتا کہ یہ خراب دین ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر ان لوگوں کے ہاں اچھی پیداوار نہ ہوتی اور بری اولاد پیدا ہوتی تو وہ کہتے کہ ہمارے لیے اس دین میں کوئی خیر نہیں ہے اور
العونی کی روایت میں ہے: اگر کوئی شخص مدینہ میں بیمار ہو جاتا اور اس کی بیوی کے لڑکی پیدا ہوتی اور اس کو صدقہ دیر سے ملتا تو اس
کے پاس شیطان آکر کہتا کہ اللہ کی قسم! تم نے اس دین میں صرف مصیبت ہی پائی ہے اور حسن بصری کی روایت ہے کہ اگر اس کے
جسم میں بیماری ہوتی اور اس کو صدقہ نہ ملتا اور اس کو مال کی ضرورت ہوتی تو وہ کہتا: اللہ کی قسم! یہ دین اچھا نہیں ہے میں ہمیشہ اپنے
جسم میں اور اپنے مال میں نقصان پارہا ہوں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۔ بَابُ: هَذَانِ خَصَمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَأْيِهِمْ۔
(الحج: ۱۹)

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

الْخَصَمَانِ: خَصَمٌ كَاتِبِيٌّ هُوَ، اور خصم کا معنی ہے: فریق اور مقابل۔

۴۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِهَالٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ
أَخْبَرَنَا أَبُو هَاشِمٍ عَنْ أَبِي مَجْلَزٍ عَنْ قَنَسِ بْنِ عُبَادَةَ
عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يُقْسِمُ قَسَمًا إِنَّ هَذِهِ
الْآيَةَ هَذَانِ خَصَمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَأْيِهِمْ نَزَلَتْ فِي حَمْزَةٍ
وَصَاحِبِيٍّ وَغُثْبَةٍ وَصَاحِبِيٍّ يَوْمَ بَرْزُودٍ فِي يَوْمٍ بَدْرٍ
رَوَاهُ سُفْيَانُ عَنْ أَبِي هَاشِمٍ وَقَالَ عُثْمَانُ عَنْ جَبْرِ
عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي هَاشِمٍ عَنْ أَبِي مَجْلَزٍ قَوْلُهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث
بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں
نے کہا: ہمیں ابو ہاشم نے خبر دی، از ابی مجلز از قنس بن عباد از
حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ وہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ یہ آیت: یہ دو فریق
ہیں جنہوں نے اپنے رب کے متعلق جھگڑا کیا۔ (الحج: ۱۹) حضرت
حمزہ اور ان کے دو صاحبوں کے متعلق نازل ہوئی ہے اور غثبہ اور
اس کے دو ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جب انہوں نے
غزوہ بدر میں ایک دوسرے کو لٹکایا۔ اس حدیث کی سفیان نے از
ابی ہاشم روایت کی ہے اور عثمان نے کہا: از جریر از منصور از ابی
ہاشم از ابی مجلز: یہ ان کا قول ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابو ذر کا نام جندب بن جنادہ ہے اور حضرت حمزہ کے دو صاحبوں کا نام حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن الحارث ہے

عبدالطلب ہے اور عتبہ کے دو ساتھیوں کا نام شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ ہے اور عتبہ کا پورا نام عتبہ بن ربیعہ ہے۔

۴۷۴۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو مَجْلَزٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَنَا أَوَّلُ مَنْ يَجْشُو بَيْنَ يَدَيِ الرَّحْمَنِ لِلْخُصُومَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ قَيْسٌ وَفِيهِمْ نَزَلَتْ ﴿هَٰذِهِ حَصْنُ احْتَصِمُوا فِي رَأْيِهِمْ﴾ (الحج: ۱۹) قَالَ هُمْ الَّذِينَ بَارَزُوا يَوْمَ بَدْرٍ عَلِيٌّ وَحَنْزَلَةُ وَعُبَيْدَةُ وَشَيْبَةُ بْنُ رَبِيعَةَ وَعُتْبَةُ بْنُ رَبِيعَةَ وَالْوَلِيدُ بْنُ عُتْبَةَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا، انہوں نے کہا: ہمیں ابو مجلز نے حدیث بیان کی از قیس بن عباد از حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ انہوں نے کہا: میں پہلا شخص ہوں جو قیامت کے دن جھگڑے (کے فیصلہ) کے لیے رحمن کے سامنے دوزانو بیٹھوں گا۔ قیس نے کہا: انہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے: یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے متعلق جھگڑا کیا۔ (الحج: ۱۹) قیس نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے غزوہ بدر کے دن کفار کو لٹکارتھا: حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم (اور جن کفار کو لٹکارتھا ان کے نام یہ ہیں: شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۹۶۵ میں گزر چکی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: اگر تم یہ اعتراض کرو کہ امام طبری نے از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ روایت کی ہے کہ یہ آیت اہل کتاب اور مسلمین کے متعلق نازل ہوئی ہے اور حسن بصری سے روایت کی ہے کہ یہ آیت کفار اور مومنین کے متعلق نازل ہوئی ہے اور مجاہد سے روایت کی ہے کہ مومن اور کافر نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے متعلق جھگڑا کیا تھا، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی آیت متعدد اسباب میں سے کسی ایک سبب کے متعلق نازل ہو تو وہ اس کے خلاف نہیں کہ وہ آیت ان تمام اسباب کے لیے عام ہو۔ (عمدة القاری ج ۱۹، ص ۱۰۱ ادارۃ الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۃ الحج کی تفسیر یہاں پر ختم ہو گئی، اب ان شاء اللہ سورۃ المومنون کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۲۳۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْمُؤْمِنُونَ

سورة المؤمنون کی تفسیر

سورة المؤمنون کا تعارف

یہ سورة المؤمنون کی بعض آیات کی تفسیر ہے۔ ابو العباس نے کہا ہے کہ پوری سورة المؤمنون مکی ہے اور اس میں ایک سواٹھارہ

(۱۱۸) آیات ہیں۔ (مدّة القاری ج ۱۹ ص ۱۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ سَبْعَ طَرَائِقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ۔ ابن عیینہ نے کہا: سَبْعَ طَرَائِقَ سے مراد سات آسمان ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ۔ (المؤمنون: ۱۷) اور بے شک ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے۔

امام شعبی نے کہا: سات آسمانوں کو سب سے زیادہ یعنی "سات راستے" فرمایا، کیونکہ آسمان ایک دوسرے کے اوپر ہیں، پس ان میں سے ہر آسمان ایک راستہ ہے اور جو چیز ایک دوسرے کے اوپر ہو، اس کو عرب راستہ کہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آسمان فرشتوں کے راستے ہیں۔

لَهَا سَابِقُونَ سَبَقَتْ لَهُمُ السَّعَادَةُ۔ لَهَا سَابِقُونَ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے لیے ازل سے سعادت اور نیک بخئی لکھ دی گئی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أُولَئِكَ يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ○ (المؤمنون: ۶۱) سے بڑھنے والے ہیں ○ وہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی نیکیوں میں سب سے پہلے ہیں ○

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: چونکہ ان کے لیے پہلے سے سعادت اور نیک بخئی متعین ہو چکی ہے،

اس لیے وہ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں۔

قُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ خَائِفِينَ۔ قُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ اس کا معنی ہے: ان کے دل خوف زدہ ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَى رَبِّهِمْ لَرَجِعُونَ ○ (المؤمنون: ۶۱) اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) کچھ دیتے ہیں وہ خوف زدہ دلوں کے ساتھ دیتے ہیں (اس یقین کے ساتھ) کہ وہ اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں ○

امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ وہ لوگ اس خوف سے عمل کرتے ہیں کہ شاید ان کے عمل مقبول نہ ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! المومنون: ۶۰ میں جو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، کیا یہ اس شخص کے متعلق ہے جو زنا کرتا ہے اور چوری کرتا ہے اس کے باوجود اللہ سے ڈرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ یہ اس شخص کے متعلق ہے جو روزہ رکھتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے۔ اس حدیث کی امام ترمذی، امام احمد اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور امام حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هِيَ هَاتِيهَا بَعِيدٌ بَعِيدٌ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: هِيَ هَاتِيهَا کا معنی ہے: بعید ہے بعید ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔
هِيَ هَاتِيهَا لِمَا تُوَعَّدُونَ ﴿المومنون: ۳۶﴾ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، (اس کا پورا ہونا) بہت دور ہے بہت دور ہے۔

امام طبری نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔
فَأَسْأَلُ الْعَادِيْنَ۔ فاسأل العاذین یہ فرشتوں کا قول ہے: یعنی آپ سننے والوں سے پوچھئے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔
قَالُوا الْبَشَاءُ مَا أَوْ بِغَضِّ يَوْمِ فَسْطٍ الْعَادِيْنَ ﴿المومنون: ۱۱۳﴾ وہ کہیں گے: ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے تھے آپ سننے والوں سے پوچھ لیجئے۔

امام ثعلبی نے کہا ہے کہ یہ مام فرشتوں کا قول ہے یا کرانا کا تبین کا قول ہے یا حساب رکھنے والے فرشتوں کا قول ہے۔ امام عبد الرزاق نے معمر اور قتادہ سے روایت کی ہے کہ یہ حساب رکھنے والے فرشتوں کا قول ہے۔
قَالَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْكِصُونَ تَسْتَأْخِرُونَ۔ فرشتوں نے کہا: تَنْكِصُونَ یعنی تم پیچھے ہٹ رہے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
قَدْ كَانَتْ اٰیَتِيْ تُشْلٰی عَلٰیكُمْ فَلَنْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ ﴿المومنون: ۶۶﴾ بے شک اس سے پہلے میری آیتیں تم پر تلاوت کی جاتی تھیں تو تم ایڑیوں کے بل پلٹ کر بھاگ جاتے تھے۔

امام طبری نے مجاہد سے اس آیت کی یہی تفسیر نقل کی ہے۔
لَنَّاكِبُونَ لَعَادِلُونَ۔ لَنَّاكِبُونَ کا معنی ہے: منحرف ہونے والے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ ﴿المومنون: ۷۴﴾ اور بے شک جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ ضرور صراطِ مستقیم سے منحرف ہونے والے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: جب کوئی شخص کسی کام سے اعراض کرے اور انحراف کرے تو کہا جاتا ہے: تَنَكَّبَ۔
كَالْحُوتِ عَابِثُونَ۔ کالْحُوتِ کا معنی ہے: بری حالت والے۔
امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ ﴿١٠٣﴾
آگ ان کے چہروں کو جھلکتی رہے گی اور وہ اس میں بری حالت میں ہوں گے ۝

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ دونوں ہونٹ ایک دوسرے سے دور ہو جائیں حتیٰ کہ دانت ظاہر ہو جائیں اور حضرت ابوسعید خدری نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اس کو آگ جلانے کی تو اس کا اوپر والا ہونٹ اوپر چڑھ کر دماغ کے وسط میں پہنچ جائے گا اور نیچے والا ہونٹ لٹک کر ناف تک پہنچ جائے گا۔
وَقَالَ غَيْرُهُ مِنْ سُلَالَةِ الْوَلَدِ وَالنُّطْفَةِ السُّلَالَةُ۔
مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا: مِنْ سُلَالَةٍ کا معنی ہے: ولد یعنی بچہ اور نطفہ ہے، ولد اور نطفہ کو سُلَالَةُ کہتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ﴿١٣﴾ (المومنون: ۱۳) اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا ۝
علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ قتادہ اور مجاہد نے کہا ہے: جو چیز زمین سے کھینچ کر نکالی جائے اس کو سُلَالَةُ کہتے ہیں اور عرب مرد کے نطفہ کو اور بچے کو سُلَالہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی اس کی پشت سے کھینچ کر آتے ہیں۔
وَالْجِنَّةُ وَالْجُنُونَ وَاحِدٌ۔
اور جِنّہ اور جنون کا ایک معنی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ۔ (المومنون: ۷۰)
یادہ کہتے ہیں کہ اس رسول کو جنون ہے۔
اس آیت میں جِنّہ کا معنی جنون ہے۔

وَالْغُشَاءُ الزُّنْدُ وَمَا أَرْتَفَعَ عَنِ النَّاءِ وَمَا لَا يَنْتَفَعُ وَالْغُشَاءُ کا معنی ہے: جھاگ اور جو چیز پانی سے بلند ہو اور اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُشَاءً۔
بالآخر تقاضہ عدل کے مطابق ان کو ایک زبردست چنگھاڑنے پکڑ لیا، پس ہم نے ان کو (ہلاک کر کے) خس و خاشاک بنا دیا۔ (المومنون: ۴۱)

امام عبدالرزاق نے معمر اور قتادہ سے روایت کی ہے کہ الغشاء کا معنی ہے: پرانی اور بوسیدہ چیز۔
يَجَارُونَ يَرْفَعُونَ أَصْوَاتَهُمْ كَمَا تَجَارُ الْبَقَرَةُ۔
يَجَارُونَ کا معنی ہے: وہ اپنی آواز بلند کرتے ہیں جیسے گائے تکلیف کے وقت آواز نکالتی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتَرْفِعِيهِمْ بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْزُرُونَ ﴿٦٣﴾ (المومنون: ۶۳)
حتیٰ کہ جب ہم ان کے آسودہ حال لوگوں کو گرفتار کریں گے تو وہ بلبلانے لگیں گے ۝

اس کی تفسیر کتاب الزکوٰۃ کے اواخر میں گزر چکی ہے۔

عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ رَجَعَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ۔
علیٰ اعقابکم کا معنی ہے: تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاتے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَدْ كَانَتْ آيَتِي تُشْلِي عَلَيْكُمْ فَلَنْتُمْ عَلَىٰ آعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ ﴿٦٦﴾ (المومنون: ٦٦)

بے شک اس سے پہلے میری آیتیں تم پر تلاوت کی جاتی تھیں، تو تم ایڑیوں کے بل پلٹ کر بھاگ جاتے تھے ○

یہ امام ابو عبیدہ کی تفسیر کے مطابق ہے۔

سَامِرًا مِّنَ السَّمَرِ وَالْجَبِيعِ السُّتَارُ وَالسَّامِرُ هَٰ هُنَا فِي مَوْضِعِ الْجَنَنِ۔

سَمَرًا، سَمَرٌ سے ماخوذ ہے اور اس کی جمع سُمَار ہے اور سَامِرُ یہاں پر جمع کی جگہ ہے۔ سَامِرٌ کا معنی ہے: رات کو فضول باتیں کرنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مُسْتَكْبِرِينَ ۖ بِهِ سِمِرٌ أَتَّهَجُّوْنَ ﴿٦٧﴾ (المومنون: ٦٧)

اس پر تکبر کرتے ہوئے اس قرآن کو افسانہ کہہ کر بکواس کرتے ہوئے ○

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: اس کی تشریح کتاب المواقیت کے اواخر میں گزر چکی ہے۔

تُسَحَّرُونَ تَغْمُونَ مِنَ السِّحْرِ۔

تُسَحَّرُونَ کا معنی ہے: وہ جادو سے اندھے ہو رہے ہیں، یہ لفظ سحر سے ماخوذ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ قَاتِلْ فَاَتَىٰ لِّلْجَحْدِثِ ﴿٦٨﴾

عنقریب وہ کہیں گے کہ سب کا اللہ ہی مالک ہے، آپ کہیے: پھر

(المومنون: ٦٨) کہاں سے تم پر جادو کیا گیا ہے ○

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی نے اس کی شرح میں کچھ نہیں لکھا، لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ اس آیت سے مشرکین کا رد کیا گیا ہے، تاہم اس کی تفسیر کے لیے کتب تفسیر کی طرف رجوع کیا جائے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۰۳-۱۰۱، فتح الباری ج ۵ ص ۷۱۳-۷۱۲)

الحمد للہ سورۃ المومنون کی تفسیر جتنی امام بخاری نے کی ہے، مکمل ہو گئی ہے اور اب ان شاء اللہ سورۃ النور کی تفسیر شروع ہوگی۔

علامہ عینی نے اکثر تعلیقات کا ذکر نہیں کیا۔ حافظ ابن حجر نے تمام تعلیقات ذکر کی ہیں، لیکن اکثر کی شرح نہیں کی تاہم ہم نے اپنے اسلوب کے مطابق ان کی شرح کی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۲۴۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ النُّورِ

سورة النور کی تفسیر

سورة النور کا تعارف

امام بدر الدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ابو العباس، مقاتل، حضرت ابن الزبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ یہ پوری سورت مدنی ہے اور اس میں انہوں نے کسی اختلاف کا ذکر نہیں کیا ہے اور اس میں چونستھ آیات ہیں۔

مِنْ خِلَالِهِ مِنْ بَيْنِ أَضْعَافِ السَّحَابِ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ۔ (النور: ۴۳)

امام ابو عبیدہ نے بھی اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے اور خِلَال، خَلَل کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے: درمیان اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خلل بارش کی جگہ ہے اور الودق کا معنی ہے: بارش۔

سَنَابِرَاقِهِ وَهُوَ الضِّيَاءُ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَكَاذِبُ سَنَابِرَاقِهِ يَذْهَبُ بِأَلْبَاصِهِمْ ۖ (النور: ۴۳)

یعنی بجلی کی روشنی کی شدت اور بجلی کی کڑک کی شدت سے قریب ہے ان کی آنکھیں اچک لی جائیں۔

مُذْعِنِينَ يُقَالُ لِمَنْ شَخِذِي مُذْعِنٌ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ۖ

(النور: ۴۹) کرتے ہوئے چلے آتے ہیں

امام کرمانی نے کہا ہے کہ مُذْعِنِينَ کا معنی ہے: عاجزی کرنے والے اور الجوہری نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: جلدی

کرنے والے۔

أَشْتَاتَا وَشَتَّى وَشَتَاتٌ وَشَتَّى ان سب کا ایک معنی ہے، یعنی

متفرق اور الگ الگ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا ذَا شَتَاتٍ ۖ (النور: ۶۱) اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ

اشتات، شت کی جمع ہے اور شت مفرد ہے اور اس کا معنی ہے: متفرق۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا بَيِّنَاتٍ لَهَا۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ: سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا کا معنی ہے: ہم نے اس سورت کو وضاحت سے بیان کیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا۔ (النور: ۶۱)
یہ ہے وہ سورت جو ہم نے نازل فرمائی اور ہم نے اس (کے احکام) کو فرض کیا۔

فَرَضْنَاهَا کا معنی ہے: ہم نے اس کو بیان کیا اور بَيِّنَاتٍ اس کی تفسیر ہے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ سَيِّ الْقُرْآنَ لِبَجَاعَةِ السُّورِ وَسُبَيْتِ السُّورَةِ لِأَنَّهَا مَقْطُوعَةٌ مِنَ الْأُخْرَى فَلَمَّا قُرِنَ بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ سَيِّ قُرْآنًا۔
حضرت ابن عباس کے علاوہ دوسروں نے کہا: قرآن کا نام قرآن اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ متعدد سورتوں کا جامع ہے اور سورت کا نام سورت اس لیے رکھا گیا ہے کہ ہر سورت دوسری سورت سے منقطع ہوتی ہے، پھر جب یہ سورتیں ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں تو ان کو قرآن کہا جاتا ہے۔

یہ امام ابو عبیدہ کے قول کے مطابق ہے۔ سورت کا اصطلاحی معنی ہے: یہ قرآن مجید کی چند آیات کا مجموعہ ہے اور سورت کا لغوی معنی منزل اور مرتبہ ہے اور یہ سُور سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے: کسی چیز کا بقیہ۔ اس میں ہمزہ کو داؤ سے تبدیل کر دیا، یا اس لیے کہ جس طرح کسی چیز کا بقیہ اس کا حصہ ہوتا ہے، اسی طرح سورت بھی قرآن کا حصہ ہے۔

وَقَالَ سَعْدُ بْنُ عِيَاضٍ الشَّمَاكُ الْيَشْكَاكُ الْكُوْذُ اور سعد بن عیاض ثمالی نے کہا کہ مشکاکہ کے لفظ کا معنی طاق ہے، اُیْسَانِ الْخَبَشَةِ۔ اور یہ حبشی زبان کا لفظ ہے۔

اس تعلیق میں سعد بن عیاض ثمالی کا ذکر ہے۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے ہیں اور تابعین میں سے ہیں۔ مشکاکہ کا دوسرا معنی وہ چیز ہے جس میں تبدیل کو نکالیا جاتا ہے۔ مجاہد نے کہا: مشکاکہ کا معنی تبدیل ہے اور ابن کعب نے کہا کہ مشکاکہ سے مراد سینہ ہے اور مضباح سے مراد ایمان اور قرآن ہے اور زُجَاجَةٌ سے مراد اس کا دل ہے اور الشجرۃ النُّبَارُکَةُ سے مراد اخلاص ہے۔

وَقَوْلُهُ تَعَالَى إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ○ (القیامہ: ۱۷)
اے نبی مکرم! بے شک ہمارے ذمہ ہے قرآن کو آپ کے سینے میں جمع کرنا اور آپ سے پڑھوانا ○ یعنی بعض آیت کو بعض آیت سے ملانا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِذَا قُرَأَتْ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ○ (القیامہ: ۱۸) پس جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی پیروی کیجئے ○ یعنی جب ہم قرآن کو جمع کر دیں اور اس کو مرتب کر دیں تو آپ اس مجموعہ کی پیروی کیجئے، پس جس کا آپ کو حکم دیا ہے اس پر عمل کیجئے اور جس کام سے اللہ نے آپ کو روکا

وَقَوْلُهُ تَعَالَى إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ تَأْلِيفَ بَعْضِهِ إِلَى بَعْضٍ فَإِذَا قُرَأَتْ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ فَإِذَا جَمَعْنَاهُ وَآلَفْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ أَيْ مَا جُبِعَ فِيهِ فَأَعْمَلْ بِمَا أَمَرَكَ وَاتَّبِعْ عَمَّا نَهَاكَ اللَّهُ وَيُقَالُ لَيْسَ لِشَعْرِهِ قُرْآنٌ أَيْ تَأْلِيفٌ وَسَيِّ الْفُرْقَانِ لِأَنَّهُ يُفَرِّقُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَيُقَالُ لِلنِّزَاةِ مَا قَرَأَتْ بِسَلَا قَطُّ أَيْ لَمْ تَجْعَلْ فِي بَطْنِهَا وَلَدًا وَيُقَالُ فِي فَرَضْنَاهَا أَنْزَلْنَاهَا فِيهَا فَرَائِضَ مُخْتَلِفَةً وَمَنْ قَرَأَ فَرَضْنَاهَا يَقُولُ

فَرَضْنَا عَلَيْكُمْ وَعَلَى مَنْ بَعْدَكُمْ۔

ہے اس سے رک جائے اور شعر کی تالیف کو قرآن نہیں کہا جاتا اور اس کو فرقان بھی فرمایا ہے، کیونکہ یہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرتا ہے اور عورت سے کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی بچہ دانی کو جمع نہیں کیا، یعنی اس کے پیٹ میں بچہ کبھی نہیں آیا۔

امام بخاری نے یہ جو کچھ ذکر کیا ہے، یہ بالکل ظاہر ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ قرآن قرء سے جَمَع کے معنی میں ماخوذ ہے اور قرآن قرء سے تلاوت کے معنی میں ماخوذ نہیں ہے اور اس تعلیق میں سَلَا کا لفظ ہے۔ سَلَا کا معنی ہے: وہ بار یک کھال، جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَرَضْنَا یعنی ہم نے اس میں مختلف فرائض نازل کیے اور جس نے اس آیت کو بغیر تشدید کے پڑھا، فَرَضْنَا تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے یہ احکام تم پر بھی فرض کیے ہیں اور تمہارے بعد والوں پر بھی۔ فَرَضْنَا میں راء پر تشدید ہے۔ اس کا معنی ہے: ہم نے تم پر مختلف فرائض نازل کیے ہیں اور ان کو تم پر اور تمہارے بعد قیامت تک آنے والوں پر واجب کیا ہے۔ یہ ابن کثیر اور ابی عمرو کی قراءت ہے اور دوسروں کی قراءت بغیر تشدید کے ہے، یعنی فَرَضْنَا ہم نے ان احکام کو فرض کر دیا ہے۔ فرض کا معنی ہے: یعنی ان پر عمل کرنے کو قطعی طور پر لازم قرار دیا ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ أَوْ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا مَجَاهِدٌ نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَوْ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا یعنی یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلع نہ ہوں لَبَّابَهُمْ مِنَ الصَّغِيرِ۔ (النور: ۳۱) یعنی وہ اپنی کم عمری کی وجہ سے نہیں جانتے۔

امام بخاری نے پوری آیت نہیں لکھی، پوری آیت کا ترجمہ اس طرح ہے:

أَوْ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ۔ (النور: ۳۱) یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلع نہ ہوں۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد نابالغ بچے ہیں، جنہیں صرف اپنے کھانے پینے کی فکر ہوتی ہے اور عورتوں کو ان سے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ وَقَالَ الشَّعْبِيُّ أُولَى الْأُزْبَةِ مَنْ لَيْسَ لَهُ أَرْبٌ۔ اور شعبی نے کہا کہ غُيُورُ أُولَى الْأُزْبَةِ کا معنی ہے: وہ لوگ جنہیں عورتوں کی شہوت نہ ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَوِ الشَّعْبِيِّ غُيُورِ أُولَى الْأُزْبَةِ مِنَ الزَّجَالِ۔ (النور: ۳۱) یا اپنے ان نوکروں پر جن کو عورتوں کی شہوت نہ ہو۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمہاری خدمت کرتے ہیں اور تمہارا بچا ہوا کھانا کھاتے ہیں اور نہ ان کو عورتوں کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ عورتوں کی شہوت ہوتی ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَا يُهْمُهُ إِلَّا بَطْنُهُ وَلَا يَخَافُ عَلَى النِّسَاءِ وَقَالَ طَاوُسٌ هُوَ الْأَخْتَقُ الَّذِي لَا حَاجَةَ لَهُ فِي النِّسَاءِ۔ اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو صرف اپنے پیٹ کی فکر ہو یعنی صرف کھانے پینے کی اور ان سے عورتوں پر کوئی خطرہ نہ ہو اور طَاوُس نے کہا: اس سے وہ اخق لوگ مراد ہیں، جن کو عورتوں کی احتیاج نہ ہو۔

امام بخاری کی اس تعلیق کی امام عبدالرزاق نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے اور علامہ نسفی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

اس سے وہ خدمت گار مراد ہے جو احمق ہو اور اس کو عورت کی شہوت نہ ہو اور مرد کو اس پر غیرت نہ ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے وہ احمق مراد ہے جو کھانے پینے کی خواہش تو کرتا ہو لیکن عورتوں کی خواہش نہ کرتا ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد نامرد ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد شیخ فانی ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کا آلہ کٹا ہوا ہو۔

(عمدة القاری ج ۱۹ صف ۱۰۵-۱۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابُ: وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ① (النور: ۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہو تو ان میں کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے O (النور: ۶) کی تفسیر

یعنی جو لوگ کسی پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور ان کے پاس اپنے قول کی یا تہمت کی صحت کے اوپر اور کوئی دلیل نہیں ہوتی سوا ان کے اپنے قول کے تو ان سے حد قذف کو صرف چار گواہیاں ساقط کر سکتی ہیں (یعنی چار مرتبہ اللہ کی قسم اٹھا کر شہادت دینا)۔

۳۷۵۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ عُوَيْرًا أَمَّ عَاصِمَ بْنَ عَدِيٍّ وَكَانَ سَيِّدَ بَنِي عَجْلَانَ فَقَالَ كَيْفَ تَقُولُونَ فِي رَجُلٍ وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيْقَلْتُهُ فَتَقْتُلُونَهُ أَمْ كَيْفَ يَصْنَعُ سَلُّ بْنُ رَسُولٍ اللَّهُ ﷺ عَنْ ذَلِكَ فَأَمَّ عَاصِمَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فِكْرَةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْمَسَائِلُ فَسَأَلَهُ عُوَيْرٌ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَرِهَ الْمَسَائِلَ وَعَابَهَا قَالَ عُوَيْرٌ وَاللَّهِ لَا أَتَشْهِي حَتَّى أَسْأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ ذَلِكَ فَبَاءَ عُوَيْرٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ رَجُلٌ وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيْقَلْتُهُ فَتَقْتُلُونَهُ أَمْ كَيْفَ يَصْنَعُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ الْقُرْآنَ فِيكَ وَفِي صَاحِبَتِكَ فَأَمَرَهُمَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالسَّلَاحَةِ بِمَا سَأَلَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ فَلَا عَنْهَا ثُمَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ حَبْسُهَا فَقَدْ ظَلَمْتُهَا فَطَلَقَهَا فَكَانَتْ سُلَّةً لِمَنْ كَانَ بَعْدَ هُمَا فِي الْمَسْأَلَةِ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاوزاعی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے الزہری نے حدیث بیان کی از حضرت سہل بن سعد کہ حضرت عویر حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہ بنو عجلان کے سردار تھے۔ انہوں نے کہا: تم اس مرد کے متعلق کیا کہتے ہو، جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی دوسرے مرد کو پائے، آیا اس کو قتل کرے؟ پس تم اس کو قتل کر دو گے (یعنی قصاص میں) یا پھر وہ کیا کرے؟ تم رسول اللہ ﷺ سے میرے لیے اس مسئلہ کے متعلق دریافت کرو۔ پھر حضرت عاصم نبی ﷺ کے پاس گئے، پس عرض کیا: یا رسول اللہ! تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے سوال کو ناپسند کیا، پھر حضرت عویر نے حضرت عاصم سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سوال کو ناپسند کیا ہے اور ان سوالات کی مذمت کی ہے۔ حضرت عویر نے کہا: اللہ کی قسم! میں باز نہیں آؤں گا حتیٰ کہ میں خود رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کروں، پھر حضرت عویر آئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ دوسرے مرد کو پاتا ہے کیا وہ اس کو قتل کر دے تو

اللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ اَنْظُرُوا فَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ اَسْحَمُ اَذْعَجَ
الْعَيْنَيْنِ عَظِيْمٌ اَلَا كَيْتَيْنِ خَدَلَجَ السَّاقِيْنَ فَلَا اُحْسِبُ
عُوْبِرًا اِلَّا قَدْ صَدَقَ عَلَيَّهَا وَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ اُحْسِبُ كَاَنَّهُ
وَحَرَّةٌ فَلَا اُحْسِبُ عُوْبِرًا اِلَّا قَدْ كَذَبَ عَلَيَّهَا فَجَاءَتْ
بِهٖ عَنِ الثَّغَةِ الَّذِي نَعَتْ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ
مِنْ تَصْدِيْقِ عُوْبِرٍ فَكَانَ بَعْدُ يُنْسَبُ اِلَى اُمِّهٖ۔

آپ لوگ اس کو قتل کر دیں گے (یعنی قصاص میں) یا پھر وہ کیا
کرے؟ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے
تمہارے متعلق اور تمہاری بیوی کے متعلق قرآن میں حکم نازل
فرمایا ہے، پس رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو لعان کرنے کا
حکم دیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے، پھر
حضرت عویر نے اپنی بیوی سے لعان کیا، پھر عرض کیا: یا رسول
اللہ! اب اگر میں نے اس کو اپنے نکاح میں رکھا تو میں اس پر ظلم
کرنے والا ہوں گا، پھر انہوں نے اس کو طلاق دے دی، اس
کے بعد جو لعان کرنے والے ہیں ان کے لیے یہ طریقہ مقرر ہو گیا،
پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دیکھو! اگر اس عورت کے کالا
بہت کالی پتلیوں والا بھاری سرین اور بھری ہوئی پنڈلیوں والا بچہ
پیدا ہو تو پھر میرا گمان ہے کہ عویر نے اس کے اوپر صحیح الزام لگایا
تھا اور اگر اس کا سرخ گرگٹ جیسا بچہ پیدا ہوا تو پھر گمان ہے کہ
عویر نے اپنی بیوی پر جھوٹا الزام لگایا تھا، پھر اس عورت کے ہاں
ایسا بچہ پیدا ہوا جس کی رسول اللہ ﷺ نے ایسی صفات بیان کی
تھیں، جن سے حضرت عویر کی تصدیق ہوتی تھی، پھر اس بچے کی
نسبت اس کی ماں کی طرف کی جاتی تھی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۲۳ میں گزر چکی ہے۔

ہر چند کہ اس حدیث کی مفصل شرح صحیح البخاری ۴۲۳ میں گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں۔

حضرت عاصم بن عدی کے سوال کو ناپسند کرنے کی وجوہ

نبی ﷺ نے حضرت عاصم کے سوال کو اس لیے ناپسند فرمایا کہ انہوں نے ایسے معاملہ کے متعلق سوال کیا تھا، جس کا ابھی
تک وقوع نہیں ہوا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عویر نے اپنی بیوی کے پاس دوسرے مرد کو دیکھا، سو
اس بات سے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی عزت پر حرف آیا اور یہودیوں اور منافقین کو مسلمانوں کی عزت کے خلاف
حرف گیری کا موقع ملا۔

ملاعنہ کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عویر اور ان کی بیوی کو ایک دوسرے پر لعان کرنے کا حکم دیا۔
مرد اپنی بیوی سے اس طرح لعان کرے گا کہ مرد یوں کہے گا کہ اگر میں جھوٹوں میں سے ہوں تو اللہ کی مجھ پر لعنت ہو اور عورت
چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب نازل ہوا اگر وہ
خاوند چوں میں سے ہو۔

ان قسموں کو لعان اس لیے فرمایا ہے کہ ان میں ہر ایک نے دوسرے پر لعنت کی ہے اور لعنت کا معنی ہے: الہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کی بدو عادی اور اس لیے کہ اس لعان کے بعد ہر ایک اپنے صاحب سے بعید اور دور ہو جائے گا اور ان کے درمیان نکاح و انما حرام ہو جائے گا۔ لعان کا یہ واقعہ شعبان نو بجری میں واقع ہوا، اس تاریخ کو قاضی عیاض نے طبری سے نقل کیا ہے۔ لعان کا واقعہ حضرت عویر العجلانی اور حضرت بلال بن امیہ دونوں کے درمیان ہوا ہے۔ جمہور علماء نے کہا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے لعان حضرت بلال بن امیہ نے کیا تھا۔ حضرت بلال بن امیہ کے لعان کا واقعہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور حضرت عویر کے لعان کے واقعہ کی روایت حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود سے ہے۔

حدیث مذکورہ سے مستنبط مسائل، لعان کے مختلف شرعی احکام اور ائمہ مجتہدین کے اقوال

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کے واقع ہونے سے پہلے بھی اس کے متعلق سوال کیا جاسکتا ہے تاکہ اس کا حکم معلوم ہو۔
(۲) جو صاحب اختیار اور حکم نافذ کرنے کا اختیار رکھتا ہو، اس سے یہ سوال کرنا چاہیے۔ (۳) احکام و خطا پر محمول کرنا چاہیے اور دلوں کی بات کو جاننے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ (۴) جن مسائل کے سوال کی حاجت نہ ہو، ان کے متعلق سوال نہیں کرنا چاہیے خاص طور پر جب اس سے کسی مسلمان مرد یا عورت کی عزت کی پردہ دری ہو یا کسی مسلمان مرد یا عورت کی طرف بدکاری کی نسبت ہو۔ (۵) اس میں اختلاف ہے کہ جب کوئی شخص کسی مرد کو قتل کر دے اور اس کا یہ زعم ہو کہ اس نے اس کی بیوی کے ساتھ بدکاری کی ہے تو جمہور علماء نے یہ کہا ہے کہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس سے قصاص لینا لازم ہے سو اس صورت کے کہ چار نیک مرد یہ گواہی دیں کہ اس شخص نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے اور وہ شخص شادی شدہ ہو اور اگر وہ شخص صادق ہو تو اللہ کے نزدیک اس کا کوئی جرم نہیں ہے۔ (۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسئلہ معلوم کرنے کے لیے عالم کے گھر کی طرف از خود جانا چاہیے نہ یہ کہ عام دین کا مسجد میں یا راستہ میں ملاقات کا انتظار کیا جائے۔ (۷) اس حدیث سے لعان کا جواز ثابت ہوتا ہے (یعنی زوجین کا باہم ایک دوسرے پر لعنت کرنا) اور یہ قرآن مجید کی اس آیت سے ماخوذ ہے:

وَالْخَاسَّةُ أَنْ تَلْعَنَ اللَّهُ عَلَيْهِ إِنَّ كَانَ مِنْ
الْكَاذِبِينَ (النور: ۷)

○ سے ہو

(۸) لعان کا فعل حاکم یا قاضی اور لوگوں کے مجمع کے سامنے انجام پانا چاہیے اور یہ لعان میں شدت کے مختلف طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں: لعان میں وقت، جگہ اور لوگوں کے مجمع سے شدت پیدا کی جاتی ہے، چنانچہ وقت یہ ہے کہ یہ فعل عصر کی نماز کے بعد ہو اور اس کے لیے شہر کی کسی بلند جگہ کا انتخاب کیا جائے اور مجمع یہ ہے کہ لوگوں کا گروہ وہاں موجود ہو جس کی کم سے کم تعداد چار ہے۔ رہا یہ کہ لعان میں یہ شدتیں واجب ہیں یا مستحب؟ سو اس بارے میں اختلاف ہے، ہمارے نزدیک صحیح ترین قول یہ ہے کہ یہ شدتیں مستحب ہیں۔ (۹) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ زوجین کے درمیان محض لعان سے جدائی واقع نہیں ہوتی، بلکہ حاکم کے فیصلہ سے واقع ہوتی ہے اور یہی امام ابو حنیفہ کا موقف ہے۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عویر رضی اللہ عنہ نے لعان کرنے کے بعد طلاق بھی دی، (جیسا کہ صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث میں صراحتاً مذکور ہے) اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے کہ: پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق فرمادی۔ (صحیح مسلم: ۱۳۹۲) اس سے معلوم ہوا کہ محض لعان سے جدائی واقع نہیں ہوتی۔ سفیان ثوری اور امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں۔ جب کہ امام مالک کی فقہ میں اس بارے میں چار اقوال منقول ہیں: (۱) جدائی اس وقت واقع ہوگی جب دونوں لعان کر لیں۔ (۲) دوسرا

قول یہ ہے کہ شوہر کے لعان کر لینے سے جدائی واقع ہو جائے گی۔ مؤطا میں یہی امام مالک کا ظاہر قول ہے۔ (۳) تیسرا قول علامہ سخون کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جدائی اس وقت واقع ہوگی جب شوہر کی طرف سے لعان پایا جائے اور عورت کی طرف سے نکول (قسم اٹھانے سے انکار)۔ (۴) اور چوتھا قول علامہ ابن القاسم کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ شوہر کے لعان سے جدائی واقع ہو جائے گی بشرط یہ کہ عورت بھی لعان کرے۔ خلاصہ یہ کہ فقہ مالکی میں لعان کے بعد جدائی کے لیے نہ حاکم کے فیصلہ کی ضرورت ہے، نہ شوہر کے طلاق دینے کی۔ امام زفر، اوزاعی، لیث اور ابو عبید بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعی کا موقف یہ ہے کہ شوہر کے لعان کر لینے سے جدائی واقع ہو جائے گی، پھر ائمہ کے درمیان ایک اختلاف یہ بھی ہے کہ لعان کرنے والوں کے درمیان جو جدائی ہے، وہ فسخ ہے یا طلاق؟ سو امام ابو حنیفہ، ابراہیم نخعی اور سعید بن المسیب کے نزدیک یہ ایک طلاق کے حکم میں ہے، جب کہ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک یہ فسخ کے حکم میں ہے۔

(۱۰) حدیث میں چونکہ یہ فرما دیا کہ ”لعان کرنے والوں کے درمیان یہ طریقہ مقرر ہو گیا“ تو اس سے معلوم ہوا کہ لعان کرنے والے زوجین کے درمیان آئندہ کبھی ملاپ نہیں ہو سکتا۔ (۱۱) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مشابہت کے ذریعہ قیاس کیا جا سکتا ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عویمر کی تصدیق کے معاملہ میں بچہ کی شبابہت پر اپنے اندازہ کو موقوف فرمایا، البتہ حکم اس لیے جاری نہیں فرمایا کہ مشابہت سے زیادہ قوی چیز موجود تھی، یعنی قسمیں اٹھا کر لعان کرنا اور جب قوی چیز موجود ہو تو اندازے اور ظاہری مشابہت پر فیصلہ نہیں کیا جاتا جیسے زمعد کی باندی کا بیٹا اگر چہ عتبہ بن ابی وقاص کے مشابہ تھا، مگر اس کے باوجود آپ نے ”الولد للفراش“ کے قوی اصول کی بنا پر یہی فیصلہ فرمایا کہ یہ زمعد کا بیٹا ہے، نہ کہ عتبہ بن ابی وقاص کا، مگر چونکہ وہ لڑکا عتبہ بن ابی وقاص کے مشابہ تھا اس لیے احتیاطاً آپ نے ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعد کو اس لڑکے سے پردہ کرنے کا حکم فرمایا۔ (صحیح بخاری: ۲۴۲۱، صحیح مسلم: ۱۴۵۷) اس سے بھی یہی واضح ہوا کہ مشابہت کے مقابلہ میں کوئی قوی چیز موجود ہو تو ظاہری مشابہت اور اندازے پر فیصلہ نہیں کیا جاتا۔ (۱۲) حدیث لعان سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ لعان شدہ عورت اور اس کا بیٹا دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، کیونکہ اس حدیث کا آخری جملہ یہ ہے کہ: حضرت عویمر کی تصدیق ہو جانے کے بعد وہ بچہ اپنی ماں کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ اور اگلی حدیث (صحیح البخاری: ۴۷۴۶) میں صراحتاً یہ بات آرہی ہے کہ لعان کے بعد میراث کے معاملہ میں یہ طریقہ مقرر ہو گیا کہ وہ بچہ اپنی ماں کا وارث ہوگا اور وہ عورت اپنے بچہ کی وارث ہوگی، اور اس کے لیے بچہ کے مال میں وہی حصہ ہوگا جو اس کے لیے اللہ عزوجل نے مقرر فرمایا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر اس بچہ کے مال میں صرف وہ عورت ہی وارث ہو تو عصبہ کے طور پر تمام مال اسی کو ملے گا اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ تنہا ہونے کی صورت میں تمام مال اسے ملے گا مگر عصبہ ہونے کی بناء پر نہیں، بلکہ ایک تہائی حصہ مقدار فرض کے طور پر اور بقیہ مال رد کے قاعدہ سے اسے دیا جائے گا۔ (۱۳) لعان کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ زوجین کے درمیان ہو (یعنی ایسے دو افراد کے درمیان جن میں نکاح صحیح کے ساتھ رشتہ زوجیت قائم ہوا ہو) کیونکہ اللہ عزوجل نے النور: ۶ میں وَالَّذِينَ يَزُمُونَ الْقَوَامِ فَهُمْ لَكُمْ لَعَانٌ کو زوجین کے ساتھ خاص فرمایا ہے، لہذا اگر نکاح فاسد کے بعد مرد، عورت پر زنا کی تہمت لگائے تو لعان نہیں کیا جائے گا، کیونکہ نکاح فاسد کی وجہ سے یہ دونوں آپس میں زوجین نہیں ہیں۔ اسی طرح طلاق بائن یا طلاق مغلظہ دینے کے بعد شوہر نے زنا کی تہمت لگائی، تب بھی لعان نہیں کیا جائے گا، البتہ اگر طلاق رجعی دی ہو اور پھر زنا کی تہمت لگائی تو لعان واجب ہوگا۔ اسی طرح شوہر نے عورت پر شادی سے پہلے زنا کی تہمت لگائی تب بھی لعان واجب ہوگا، کیونکہ آیت مبارکہ (النور: ۶) میں عموم ہے، البتہ امام شافعی کے نزدیک اس صورت میں لعان نہیں ہے۔ اس کے برعکس

اگر کوئی شخص اپنی عورت پر اس کے مرنے کے بعد زنا کی تہمت لگائے تو ہمارے نزدیک اس شخص پر لعان کا حکم نہیں ہے، جب کہ امام شافعی کا موقف یہ ہے کہ وہ شخص عورت کی قبر پر لعان کرے گا۔ (۱۴) اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ زنا کی تہمت لگانے کے باوجود آدمی پر تہمت کی حد جاری نہیں ہوگی، کیونکہ قسمیں کھانے کے سبب اس سے حد ساقط ہوگئی۔ (۱۵) ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ لعان کے واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ شوہر کے پاس اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ نہ ہوں، کیونکہ اسی آیت میں اللہ عزوجل نے فرمایا: وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شَهِدٌ آخَرٌ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ (النور: ۶) ”اور ان کے پاس خود ان کے سوا کوئی گواہ نہ ہو“۔ لہذا اگر شوہر نے عورت کے زنا کرنے پر شرعی گواہ قائم کر دیئے تو اب لعان واجب نہیں ہوگا بلکہ عورت پر حد جاری کی جائے گی۔ (۱۶) اس حدیث سے اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ لعان کے واجب ہونے کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عورت اپنی ذات سے زنا کا انکار کرے، لہذا اگر وہ انکار کرنے کے بجائے زنا کا اقرار کر لے تو بھی لعان کا حکم نہیں ہوگا، بلکہ عورت پر زنا کی حد جاری ہوگی اور زنا کی حد شرعی یہ ہے کہ اگر عورت محض نہ ہو تو اسے رجم کیا جائے گا اور اگر غیر محض نہ ہو تو اسے سو کوڑے لگائے جائیں گے (زنا کے باب میں محض سے مراد ایسی عورت ہے جو آزاد ہو، باندی نہ ہو، عاقلہ اور بالغہ ہو، مسلمان ہو اور نکاح صحیح کے ساتھ اس سے دخول کیا گیا ہو۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی دونوں اس پر متفق ہیں)۔ (القاسوس الفقی ص ۹۲)

(عمدة القاری مؤلفا و شرحا ج ۱۰ ص ۱۱۰، ۱۰۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

لعان کے بعد وقوع طلاق کا جواز اور شرح صحیح مسلم میں اس کی تحقیق

لعان کے ان مسائل میں جو مسئلہ زیادہ اہم ہے، وہ یہ ہے کہ زوجین کے درمیان آیا محض لعان سے ہی جدائی واقع ہو جاتی ہے یا شوہر کے طلاق دینے یا حاکم کے فیصلہ سے جدائی واقع ہوتی ہے؟ اس سلسلہ میں امام اعظم ابو حنیفہ کا یہ موقف بہت واضح ہے کہ لعان سے زوجین کے درمیان صرف مجامعت حرام ہو جاتی ہے، زوجیت کا رشتہ اس سے ختم نہیں ہوتا۔ اس کے لیے یا تو حاکم کے فیصلہ کی ضرورت ہوتی ہے، یا یہ کہ شوہر از خود طلاق دے کر عورت کو جدا کرے۔ علامہ عینی نے مذکورہ عبارت میں مسئلہ ۹ کے تحت امام ابو حنیفہ کے اس موقف کو بہت جامع انداز میں بیان کیا ہے، تاہم اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل اور تحقیق کے لیے ہمارے قارئین کو اس مقام پر شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۱۵۰ تا ۱۱۵۲ کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے، کیونکہ اس میں استاذ مکرم محدث اعظم علامہ غلام رسول سعیدی صاحب مدظلہ العالی نے امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے اس موقف پر بہت دلائل کے ساتھ بحث کی ہے اور غیر مقلدین کی طرف سے اس مسئلہ پر تین طلاقوں کے حوالہ سے جو خدشات اور اعتراضات وارد کیے جاتے ہیں، ان کا بھرپور ازالہ کیا ہے۔

لعان کرنے والے مرد و عورت کے درمیان آئندہ کبھی نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں فقہاء احناف کا

اختلاف اور مفتی بہ قول پر دلائل

گزشتہ عبارت میں علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمہ نے مسئلہ ۱۰ کے تحت یہ بیان کیا ہے کہ لعان کرنے والے زوجین کے درمیان کبھی ملاپ نہیں ہو سکتا اور اس کی تفصیل نہیں فرمائی کہ اس بارے میں ائمہ کا کیا اختلاف ہے اور فقہ حنفی میں اس بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ سو ہم یہاں مسئلہ کی وضاحت کے لیے ملک العلماء علامہ علاء الدین کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ کی ایک عبارت پیش کر رہے ہیں:

علامہ کاسانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: ایسی چیز جس سے لعان کا حکم باطل ہو جائے اس کے متعلق علماء کے درمیان اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ لعان سے جو جدائی واقع ہوتی ہے وہ ایک طلاق بائن کے ساتھ ہوتی ہے، اس لیے اس سے

نکاح کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے اور وطی کی حرمت ثابت ہو جاتی ہے اور جب تک وہ دونوں لعان کی حالت پر برقرار رہیں ان کا باہمی نکاح بھی جائز نہیں، البتہ اگر شوہر اپنے آپ کو جھٹلا دے (اور عورت کو تہمت سے بری کر دے) اور اپنے آپ کو جھٹلانے کے سبب اس پر حد قذف جاری ہو جائے یا عورت اپنی قسموں کو جھٹلا دے اور شوہر کے دعویٰ کی تصدیق کر دے تو اب دونوں کا باہمی نکاح جائز ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف، امام زفر اور حضرت حسن بن زیاد کا موقف یہ ہے کہ لعان ایک ایسی جدائی ہے جو طلاق کے بغیر ہے اور اس سے زوجین کے درمیان ابدی حرمت ثابت ہو جاتی ہے، جیسے رضاعت اور مصاہرت سے ابدی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ ان ائمہ کا استدلال نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے ہے کہ: متلاعنان (لعان کرنے والے زوجین) آپس میں کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ (سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۷۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۰۹) صحابہ کرام کی ایک جماعت جیسے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، جناب منہ اور دیگر سے بھی یہی منقول ہے کہ لعان کرنے والے زوجین آئندہ کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔

امام ابو حنیفہ اور امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت عویمر رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ کے درمیان لعان کروا دیا تو حضرت عویمر نے عرض کی: یا رسول اللہ! اب اگر اس عورت کو میں اپنے پاس رکھوں تو میں نے اس پر جھوٹا الزام لگایا، لہذا (میرے طرف سے) اس کو تین طلاقیں ہیں۔ بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ: اگر میں اس سے جدائی اختیار نہ کروں تو میں نے اس پر جھوٹا الزام لگایا، لہذا اس پر تین طلاقیں ہیں۔ سو لعان کرنے کے بعد طلاق دینا لعان کرنے والوں کے لیے ایک طریقہ قرار پایا۔ کیونکہ حضرت عویمر نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے لعان کرنے کے بعد اپنی عورت کو تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان طلاقیں کو نافذ فرما دیا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۵۰) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر لعان کرنے والا شخص اپنی عورت کو طلاق بھی دے (تاکہ دونوں میں تفریق ہو سکے)، اگر وہ طلاق نہ دے تو پھر تفریق کے لیے قاضی اس کا قائم مقام ہے، لہذا قاضی کا تفریق کرنا طلاق قرار پائے گا، جیسے عنین (نامرد) کے مسئلہ میں قاضی کی تفریق طلاق کے حکم میں ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ لعان میں جو جدائی ہے اس کا سبب قذف ہے، یعنی شوہر کا عورت پر زنا کا الزام لگانا، کیونکہ اس الزام لگانے سے ہی لعان واجب ہوتا ہے اور لعان تفریق کرنے کو واجب کرتا ہے (یعنی جدا کرنے کو) اور جدا کرنا فرقت کو واجب کرتا ہے (یعنی جدا ہونے کو) سو ان تمام واسطوں کے ذریعہ زوجین کے درمیان جو جدائی ہے وہ اصلاً شوہر کے قذف ہی کی طرف منسوب ہے اور بروہ جدائی جو شوہر کی طرف سے ہو یا شوہر کا کوئی فعل اس کا سبب بنے تو وہ جدائی طلاق کے حکم میں ہوتی ہے، جیسے عنین، خلع اور ایلا وغیرہ میں جدائی طلاق کے حکم میں ہے، متقدمین ائمہ جیسے حضرت ابراہیم نخعی، حسن بصری، سعید بن جبیر اور قتادہ وغیرہم بھی یہی فرماتے ہیں کہ بروہ فرقت جو شوہر کی طرف سے ہو وہ طلاق ہے۔

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں فرمایا کہ متلاعنان آپس میں کبھی جمع نہیں ہو سکتے، تو اس کے حقیقی معنی پر عمل ممکن نہیں ہے، کیونکہ متلاعنان کا لفظ باب تعامل سے ہے، جس کا حقیقی معنی ہے: عملاً کسی کام میں مشغول ہونا، (اس اعتبار سے حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ دونوں لعان کرنے والے جب لعان کرنے میں مشغول ہوں تو آپس میں جمع نہیں ہو سکتے، اور یہ ظاہری معنی ممکن نہیں کیونکہ جب دونوں لعان کرنے میں مشغول ہوتے ہیں تو اس وقت دونوں جمع بھی ہوتے ہیں اور نکاح بھی برقرار ہوتا ہے) اور جب دونوں لعان سے فارغ ہو جاتے ہیں تو وہ متلاعن رہتے ہی نہیں ہیں، لہذا حدیث میں متلاعنان سے مراد حکم لعان ہوگا اور مفہوم یہ ہوگا کہ جب دونوں اس وقت تک جمع نہیں ہو سکتے جب تک لعان کا حکم دونوں پر ثابت رہے، پس اگر شوہر اپنے آپ کو جھٹلا دے اور اس پر عورت قذف جاری ہو جائے تو اب اس سے لعان کا حکم زائل ہو جائے گا اور یوں وہ حقیقتہً متلاعن رہے گا نہ حکماً، لہذا اب دونوں کا باہمی

نکاح جائز ہو جائے گا، اس کی نظیر یہ ہے کہ اصحاب کہف کے واقعہ میں اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

إِنَّهُمْ إِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوا إِذَا أَبَدَا ۝

(الکہف: ۲۰) کبھی فلاح نہیں ملے گی ○

یعنی اگر تم نے ان کی ملت اختیار کر لی تو جب تک ان کی ملت پر رہو گے تمہیں فلاح اور کامیابی نصیب نہیں ہوگی۔ اسی معنی و مفہوم میں یہ حدیث ہے کہ لعان کرنے والے جب تک لعان کے حکم میں رہیں، کبھی آپس میں نکاح نہیں کر سکتے اور جب دونوں سے یا کسی ایک سے بھی لعان کا حکم زائل ہو جائے تو متلاعن نہ رہنے کے سبب دونوں کا باہم نکاح جائز ہے۔

(بدائع الصنائع، موضحاً ج ۵ ص ۵۳-۵۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

فقہ حنفی میں اسی پر فتویٰ ہے کہ لعان کا حکم زائل ہونے کی صورت میں دونوں کا آپس میں نکاح جائز ہے، کیونکہ لعان سے زوجین کے درمیان ابدی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی متوفی ۱۳۷۲ھ فتاویٰ عالمگیری اور درمختار کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

لعان و تفریق کے بعد پھر اس عورت سے نکاح نہیں کر سکتا جب تک دونوں اہلیت لعان رکھتے ہوں اور اگر لعان کی کوئی شرط دونوں یا ایک میں مفقود ہو گئی تو اب باہم نکاح کر سکتے ہیں، مثلاً شوہر نے اس تہمت میں اپنے کو جھوٹا بتایا اگرچہ صراحۃً یہ نہ کہا ہو کہ میں نے جھوٹی تہمت لگائی تھی، مثلاً وہ بچہ جس کا انکار کر چکا تھا مر گیا اور اس نے مال چھوڑا، ترکہ لینے کے لیے یہ کہتا ہے کہ وہ میرا بچہ تھا تو حد قذف قائم ہوگی اور اس کا نکاح اس عورت سے اب ہو سکتا ہے اور اگر حد قذف نہ لگائی گئی جب بھی نکاح ہو سکتا ہے۔

(بہار شریعت، ج ۸ ص ۶۱ مطبوعہ نسیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

۲۔ بَابُ: وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی

لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو ○ (النور: ۷) کی تفسیر

إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ○ (النور: ۷)

یعنی اگر ابتداءً چار مرتبہ شوہر اس بات پر قسم اٹھا کر شہادت دے کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر میں اس تہمت کے لگانے میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ اس کے بعد عورت سے قسمیں لی جائیں گی، جس کا ذکر آگے آئے گا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے سلیمان بن داؤد ابو الریح نے

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فلیح نے از الزہری از حضرت

سہل بن سعد رضی اللہ عنہما یہ حدیث بیان کی کہ: ایک شخص رسول اللہ

ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: یا رسول اللہ!

آپ یہ بتائیں کہ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ مرد کو پائے تو کیا وہ

اسے قتل کر دے اور پھر اس کے نتیجہ میں آپ (قصاص کے طور

پر) اس شخص کو قتل کر دیں گے، یا پھر اس آدمی کو کیا کرنا چاہیے؟ تو

ایسے مرد و عورت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وہ

۴۷۶۔ حَدَّثَنِي مُنْيَانُ بْنُ دَاوُدَ أَبُو الزَّبْيَعِ حَدَّثَنَا

فَلَيْحٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَى

رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ رَجُلًا

رَأَى مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيْقَتْلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ أَمْ كَيْفَ

يَفْعَلُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِمَا مَا ذَكَرَ فِي الْقُرْآنِ مِنَ

الْتِمَاسِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَدْ قَضَىٰ فِيكَ

قَوْلِي امْرَأَتِكَ قَالَ فَتَلَا عَنَّا وَأَنَا شَهِدٌ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ

ﷺ فَقَارَقَهَا فَكَانَتْ سُنَّةً أَنْ يُفَرَّقَ بَيْنَ

الْمُتَلَاَعَيْنِينَ وَكَانَتْ حَامِلًا فَأَنكَرَ حَمْلَهَا وَكَانَ ابْنُهَا
يُدْعَى إِلَيْهَا ثُمَّ جَرَتْ الشُّنَّةُ فِي الْبَيْتِ أَنْ يَرِثَهَا
وَتَرِثَ مِنْهُ مَا فَرَضَ اللَّهُ لَهَا۔

آیات نازل فرمائیں جن میں لعان کا ذکر ہے، پس رسول اللہ
ﷺ نے (سوال کرنے والے) شخص سے فرمایا: تمہارے
بارے میں اور تمہاری بیوی کے بارے میں فیصلہ کیا جا چکا ہے، راوی
نے کہا: پس دونوں نے آپس میں لعان کیا اور میں (اس وقت)
رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھا، پھر آپ نے دونوں میں جدائی
کرادی اور اس کے بعد یہی طریقہ مقرر ہو گیا کہ دونوں لعان کرنے
والوں کے درمیان جدائی کرادی جائے (اس واقعہ میں) عورت
حامل تھی، پس انہوں نے (اپنی زوجہ کے) حمل کا (بھی) انکار کر دیا
اور اس عورت کا (وہ) بیٹا اس عورت کی طرف منسوب کیا جاتا تھا، پھر
میراث کے معاملہ میں یہ طریقہ رائج ہو گیا کہ (ایسا) لڑکا اپنی ماں کا
وارث ہوگا اور ماں (بھی) اس کے مال میں اس حصہ کی وارث ہوگی
جو اللہ عزوجل نے اس کے لیے مقرر فرمایا ہے۔

اس حدیث کی شرح، صحیح البخاری: ۴۲۳ اور گزشتہ حدیث: ۴۷۵ کے تحت گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور حسب ذیل ہیں:
علامہ نووی کا یہ استدلال کہ محض لعان سے جدائی واقع ہو جاتی ہے اور دلائل سے اس نظر پر یہ کار د

علامہ بدرالدین عینی حنفی متونی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو امام بخاری علیہ الرحمہ نے دو سندوں سے روایت کیا ہے، ایک از اسحاق از محمد بن
یوسف، جو کہ رقم الحدیث: ۴۷۵ کے تحت گزر چکی اور دوسری از سلیمان بن داؤد از فلیح، جو کہ زیر بحث ہے، اور فلیح کا مکمل نام ابو
یحییٰ عبد الملک بن سلیمان الخزاعی ہے اور ان کا لقب فلیح ہے۔

اس حدیث میں جو فرمایا کہ: ایک شخص حاضر ہوا، اس سے مراد حضرت عویمر الجعفی رضی اللہ عنہ ہیں، اور یہ جملہ کہ: اس کے بعد یہی
طریقہ مقرر ہو گیا کہ دونوں لعان کرنے والوں کے درمیان جدائی کرادی جائے، اس کی تاویل میں علامہ ابن تافع المالکی نے کہا ہے
کہ اس کا معنی یہ ہے کہ لعان کے بعد طلاق دینا مستحب ہے، جب کہ علامہ نووی نے جمہور کے حوالہ سے کہا ہے کہ اس جملہ کا مفہوم یہ
ہے کہ محض لعان سے ہی زوجین کے درمیان جدائی حاصل ہو جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جدائی کے لیے حاکم کا فیصلہ ضروری ہے،
کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت عویمر کو لعان کے بعد فرمایا: تم اس (عورت) کو طلاق دے دو۔ (اس سے معلوم ہو کہ محض لعان سے
جدائی واقع نہیں ہوتی)۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۱۱-۱۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ نووی نے جمہور کا جو استدلال پیش کیا ہے اس کے جواب میں علامہ عینی کا کلام اطمینان بخشش نہیں ہے، کیونکہ جو جملہ آپ
نے نبی اکرم ﷺ کے حوالہ سے پیش کیا ہے کہ: ”آپ نے حضرت عویمر سے فرمایا: تم اس (عورت) کو طلاق دے دو“۔ اس پر
علامہ عینی نے کوئی حوالہ نہیں دیا کہ یہ جملہ کس حدیث میں مذکور ہے، جب کہ اس کے برخلاف کئی احادیث میں صراحت موجود ہے
کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے حکم فرمانے سے پہلے ہی عورت کو طلاق دے دی۔ (دیکھیے: صحیح بخاری: ۵۲۵۹-۵۲۶۰، ج ۵)
مسلم: ۱۳۹۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۳۵) اور خود علامہ عینی نے اس اعتراض و جواب سے چند سطر پہلے یہ بات لکھی ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ

نے رسول اللہ ﷺ کے حکم فرمانے سے پہلے ہی عورت کو تین طلاقیں دے دیں، اس لیے جمہور کے استدلال کا صحیح جواب یہ ہے کہ لعان کرنے والوں کے درمیان جدائی کروانے کا جو طریقہ مقرر ہوا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ محض لعان سے جدائی واقع ہو جاتی ہے، کیونکہ اگر نفس لعان سے جدائی واقع ہو جاتی تو نبی اکرم ﷺ کو دونوں میں جدائی کروانے کی ضرورت پیش نہ آتی اور نہ ہی حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کو لعان کے بعد طلاق کی ضرورت پیش آتی، مگر لعان کرنے کے بعد حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے نہ صرف یہ کہ اپنی عورت کو تین طلاقیں دیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ان طلاقوں کو نافذ بھی فرمادیا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۵۰) اس سے بالکل واضح ہو گیا کہ محض لعان سے جدائی واقع نہیں ہوتی۔

محض حمل کا انکار کرنے پر لعان کرنا واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں ائمہ کے اقوال اور احناف کے موقف پر دلائل

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس حدیث میں راوی نے کہا: وہ عورت حمل سے تھی پس، انہوں نے (یعنی حضرت عویمر نے) اس کے حمل کا انکار کر دیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حمل کے انکار پر لعان کروانا جائز ہے۔ ابن ابی لیلیٰ، امام مالک، ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اپنی ایک روایت کے مطابق اسی کے قائل ہیں۔ ان سب کا قول یہ ہے کہ جو شخص اپنی زوجہ کے حمل سے انکار کر دے، اس کے اور اس کی عورت کے درمیان قاضی لعان کروائے گا اور بچہ کو اس کی ماں کے ساتھ لاحق کر دے گا، جب کہ سفیان ثوری، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اپنے قول مشہور کے مطابق، امام محمد، امام احمد ایک قول کے مطابق، مالکیہ میں سے ابن الماجشون اور امام زفر کا موقف یہ ہے کہ حمل کے انکار پر لعان نہیں ہے۔ رہا یہ کہ حمل سے انکار کے بعد چھ مہینے مکمل ہونے پر ولادت ہوتی ہو یا چھ مہینے سے پہلے، سو امام ابو حنیفہ اور امام زفر کے نزدیک اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (یعنی ان دونوں صورتوں میں لعان نہیں ہوگا) جب کہ امام ابو یوسف، امام محمد اور امام احمد کا موقف یہ ہے کہ حمل سے انکار کے بعد چھ ماہ سے کم میں ولادت ہو جائے تو لعان واجب ہوگا، کیونکہ اب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ انکار کے وقت حمل موجود تھا اور اگر چھ ماہ سے زائد میں پیدا ہوا تو لعان نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ حمل بعد میں ٹھہرا ہوا اور انکار پہلے ہی کر دیا گیا ہو۔

اس مسئلہ میں جو علماء لعان کے قائل نہیں ہیں انہوں نے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے انکار حمل کا جواب یہ دیا ہے کہ ان کے اور ان کی زوجہ کے درمیان جو لعان ہوا ہے وہ حمل سے انکار کرنے کی وجہ سے نہیں ہوا، بلکہ انہوں نے اپنی عورت پر زنا کا جود دعویٰ کیا اس کی وجہ سے یہ لعان ہوا ہے اور دوسرا یہ کہ حمل کا ہونا ایک امکانی چیز تھی کیونکہ عورت سے کسی ایسے فعل کا صادر ہونا جس سے اسے حمل ٹھہرنا ممکن ہو یہ اس کے حمل کی یقینی دلیل نہیں ہے، اس لیے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کا حمل سے انکار ایک امکانی اور غیر یقینی چیز کا انکار کرنا تھا اور غیر یقینی چیز کے انکار سے لعان واجب نہیں ہوتا۔ (مدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ اس مسئلہ میں فقہاء احناف کا اختلاف اور دلائل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جب شوہر یہ کہے کہ: تیرا حمل مجھ سے نہیں ہے، تو اس صورت میں دونوں کے درمیان لعان نہیں ہوگا۔ یہ امام ابو حنیفہ اور امام زفر کا قول ہے، کیونکہ حمل کا قیام یقینی چیز نہیں ہے، اس لیے شوہر اپنے اس جملہ سے عورت پر زنا کی تہمت لگانے والا قرار نہیں پائے گا۔ جب کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کا موقف یہ ہے کہ حمل کا انکار کرنے کے بعد اگر چھ ماہ سے کم میں ولادت ہو جائے تو لعان واجب ہوگا، کیونکہ اب یہ بات ثابت ہو گئی کہ انکار کے وقت حمل موجود تھا اور جب حمل موجود تھا تو شوہر کی طرف سے عورت پر قذف (زنا کا

(الزام) متحقق ہو گیا۔ امام ابو حنیفہ اور امام زفر کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ شوہر نے جس وقت حمل سے انکار کیا اس وقت وہ قذف نہ بن سکا تو یہ معلق بالشرط کی طرح ہو گیا، یعنی شوہر نے گویا عورت سے یوں کہا کہ: اگر تجھے حمل ہو تو وہ مجھ سے نہیں ہے، اور جب شوہر کا جملہ شرط پر موقوف ہو گیا تو یہ قذف نہیں بن سکا، کیونکہ قذف کو معلق بالشرط کرنا درست نہیں ہے۔

(البدایہ مع فتح القدیر ج ۳ ص ۲۶۲ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

فقہ حنفی میں فتویٰ اسی قول پر ہے کہ محض حمل کا انکار کرنے پر لعان نہیں ہے، البتہ حمل کے انکار کے ساتھ ساتھ عورت پر زنا کا صراحۃ الزام لگایا تو اب لعان کیا جائے گا، اسی طرح بچہ پیدا ہونے پر کہا کہ یہ مجھ سے نہیں ہے تب بھی لعان ہوگا اور لعان کے بعد بچہ کو ماں کی طرف منسوب کر کے ماں کے ساتھ ہی لاحق کر دیا جائے گا، جیسا کہ صحیح بخاری کی زیر بحث احادیث میں صراحۃً مذکور ہے کہ اس عورت کا بیٹا اسی عورت کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث بھی بہت واضح ہے کہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد اور اس کی عورت کے درمیان لعان کروایا، کیونکہ مرد نے اس عورت کے بیٹے کا انکار کر دیا تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (لعان کے بعد) ان دونوں میں تفریق فرمادی اور اس لڑکے کو عورت کے ساتھ لاحق فرما دیا۔

(صحیح بخاری: ۴۷۳۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۹، سنن ترمذی: ۱۲۰۳، سنن نسائی: ۳۳۷۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۹)

لعان والی عورت اور اس کی اولاد کا آپس میں ایک دوسرے کا وارث ہونا

صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث کے آخر میں فرمایا: پھر میراث کے معاملہ میں یہ طریقہ رائج ہو گیا کہ (ایسا) لڑکا اپنی ماں کا وارث ہوگا اور ماں (بھی) اس کے مال میں اس حصہ کی وارث ہوگی جو اللہ عزوجل نے اس کے لیے مقرر فرمایا ہے۔

علامہ عینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: اس جملہ کا خلاصہ گزشتہ باب کی حدیث کے تحت گزر چکا ہے اور تمام علماء کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ اس بچہ کے اس کی ماں کی جانب سے جو اصحاب فروض رشتہ دار ہیں (یعنی ایسے لوگ جن کے حصے مقرر ہیں) وہ سب اس بچے کے وارث ہوں گے اور وہ بچہ ان کا وارث ہوگا۔ اور ایسے رشتہ دار اس بچے کے ماں شریک بھائی بہن اور اس کی نانیاں ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۱۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

زیر بحث جملہ کے آخر میں جو فرمایا کہ: ماں اس بچہ کے مال میں اس حصہ کی وارث ہوگی جو اللہ عزوجل نے اس کے لیے مقرر فرمایا ہے، اس سے مراد میراث کے وہ حصے ہیں جو شریعت میں ماں کے لیے طے کر دیئے گئے ہیں، اور یہ کل تین حصے ہیں:

(۱) سدس (چھٹا حصہ): یہ حصہ اس صورت میں ہے جب مرنے والے کی اولاد یا پوتا پوتی یا دو یا دو سے زائد بھائی بہن (خواہ گے ہوں یا سوتیلے) موجود ہوں۔

(۲) ثلث الکل (کل مال کا تہائی حصہ): یہ اس صورت میں ہے جب مذکورہ افرار میں سے کوئی بھی نہ ہو اور زوجین میں سے بھی کوئی نہ ہو تو اس صورت میں کل مال کا تہائی ماں کو دیا جائے گا۔

(۳) ثلث ما بقی (بقیہ مال کا ایک تہائی): یہ اس صورت میں ہے جب زوجین میں سے کوئی موجود ہو تو اس کو اس کا فرض حصہ دینے کے بعد باقی بچے ہوئے مال میں سے ایک تہائی حصہ ماں کو دیا جائے گا۔

(السراجی مع الشریفیہ ص ۳۰-۲۹، مکتبہ حقانیہ پشاور، درمختار مع رد المحتار ج ۱۰ ص ۴۲۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اور گزشتہ حدیث کی شرح میں علامہ عینی کے حوالہ سے ہم امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول لکھ چکے ہیں کہ اگر اس بچے کا سوائے اس کی ماں کے کوئی اور وارث نہ ہو تو سارا مال ماں کو ملے گا، مگر اس طرح کہ ایک تہائی حصہ مقدار فرض کے طور پر اور بقیہ مال رو کے قاعدے

سے دیا جائے گا۔

۳۔ بَابُ: وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ
أَرْبَعُ شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ①
(النور: ۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور عورت سے حد زنا اس طرح دور
ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے
شک اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے ○
(النور: ۸) کی تفسیر

۴۷۴۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي
عَدِيٍّ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانٍ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ عَنْ ابْنِ
عَبَّاسٍ أَنَّ هِلَالَ بْنَ أُمَيَّةَ قَذَفَ امْرَأَتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ
ﷺ بِشَرِيكِ ابْنِ سَخْنَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ
الْبَيْتَةُ أَوْ حَدَّثَنِي ظَهْرُكَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِذَا رَأَى
أَحَدُنَا عَلَى امْرَأَتِهِ رَجُلًا يَنْطَلِقُ يَلْتَمِسُ الْبَيْتَةَ
فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ الْبَيْتَةُ وَالْأَحَدُ فِي ظَهْرِكَ
فَقَالَ هِلَالٌ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ إِنِّي لَصَادِقٌ
فَلْيُنْزِلَنَّ اللَّهُ مَا يُبَيِّنُ ظَهْرِي مِنَ الْحَدِّ فَنَزَلَ جَبْرِيلُ
وَأُنْزِلَ عَلَيْهِ وَالَّذِينَ يَزْمُونَ أَرْوَاحَهُمْ فَقَرَأَ حَتَّى بَدَغَ
إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ فَأَنْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ
فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا فَجَاءَ هِلَالٌ فَشَهِدَ وَالنَّبِيُّ ﷺ
يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدُكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا
ثَابِتٌ ثُمَّ قَامَتْ فَشَهِدَتْ فَلَمَّا كَانَتْ عِنْدَ الْخَامِسَةِ
وَقَفَّوْهَا وَقَالُوا إِنَّهَا مُوجِبَةٌ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَتَلَاكَاتُ
وَتَكْصَتٌ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهَا تَرْجِعُ ثُمَّ قَالَتْ لَا أَفْضَحُ قَرْنِي
سَائِرَ الْيَوْمِ فَمَضَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَبْصُرُوهَا
فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَكْهَلَ الْعَيْنَيْنِ سَابِغَ الْأَلْيَتَيْنِ
فَحَدَّجَ السَّاقَيْنِ فَهُوَ لِشَرِيكِ ابْنِ سَخْنَاءَ فَجَاءَتْ بِهِ
كَذَلِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ تَوَلَّ مَا مَضَى مِنْ
كِتَابِ اللَّهِ لَكَانَ لِي وَلَهَا شَأْنٌ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان
کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی عدی نے از ہشام بن حسان
حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عکرمہ نے از حضرت عبداللہ
بن عباس رضی اللہ عنہما یہ حدیث بیان کی کہ: حضرت ہلال بن امیہ
رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی پر شریک بن حماء کے
ساتھ (زنا کرنے کی) تہمت لگائی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
(اپنے اس دعویٰ پر) گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پشت پر حد لگائی
جائے گی، تو انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! جب ہم میں سے
کوئی شخص کسی مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ ملوث پائے تو کیا (اس
وقت) وہ گواہ تلاش کرنے جائے؟ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے
رہے کہ گواہ لے کر آؤ ورنہ تمہاری پشت پر حد جاری کی جائے گی،
پس حضرت ہلال نے کہا: جس ذات نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا
ہے اس کی قسم! بے شک میں (اپنے دعویٰ میں) ضرور سچا ہوں اور
اللہ تعالیٰ ضرور ایسی آیت نازل فرمائے گا جو میری پشت کو حد سے
بری کر دے گی، سو (اس کے بعد) حضرت جبریل آپ کے پاس
یہ آیت لے کر نازل ہوئے: اور جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کی
تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود اپنے سوا اور گواہ نہ ہوں۔ (یہ
آیات النور: ۶ سے النور: ۹ تک ہیں۔) پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم (وحی
الہی سے) فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت ہلال کو (ان آیات پر
عمل کے لیے) بلوایا، سو انہوں نے حاضر ہو کر گواہیاں دیں (یعنی
چار مرتبہ قسمیں اٹھائیں) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر فرما رہے
تھے کہ اللہ عزوجل اس بات کو جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا
ہے تو کیا تم میں سے کوئی توبہ کے لیے تیار ہے؟ پھر (ان کی زوجہ

(نے) کھڑے ہو کر قسمیں کھائیں (یعنی چار مرتبہ قسم اٹھا کر شہادت دی کہ میرا خاوند جھوٹوں میں سے ہے)، پس دو پانچویں شہادت پر پہنچی تو لوگوں نے اسے روکا اور کہا کہ (اگر تم اپنی قسم میں جھوٹی ہو تو) تمہاری یہ قسمیں (دردناک عذاب کا) سبب بن جائیں گی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: پس دو عورت تردد کا شکار ہوئی اور ہچکچائی، حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ اب یہ رجوع کر لے گی، مگر اس نے کہا: میں کبھی اپنی قوم کو رسوا نہیں کروں گی اور (پانچویں شہادت دے کر) اس نے لعان مکمل کر دیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب دیکھنا اگر یہ عورت ایسا بچہ جنے جس کی آنکھیں بہت سیاہ پلکوں والی ہوں، اس کے سرین موٹے ہوں اور پنڈ لیاں بھری ہوئی ہوں تو وہ شریک بن حماء کا ہے، پس اس عورت نے اس طرح کا بچہ جنا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اللہ کی کتاب کا حکم نہ آچکا ہوتا تو میرا اس عورت کے لیے کچھ اور ہی سلوک ہوتا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۶۷۱ اور گزشتہ احادیث: ۴۷۵۵ اور ۴۷۶۶ کے تحت گزر چکی ہے، تاہم چند امور مزید بیان کیے جا رہے ہیں۔

لعان کی آیتیں حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں نازل ہوئیں یا حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں؟ اس پر حافظ ابن حجر عسقلانی کی مفصل تحقیق

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ہے کہ لعان کی آیات حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں نازل ہوئیں، جب کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی جو روایت گزری اس میں ہے کہ یہ آیتیں حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں نازل ہوئیں، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ: حضرت عویمر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پائے تو کیا وہ اسے قتل کر دے اور پھر اس کے نتیجہ میں آپ (قصاص کے طور پر) اس شخص کو قتل کر دیں، یا پھر اس آدمی کو کیا کرنا چاہیے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ عز وجل نے تمہارے اور تمہاری بیوی کے متعلق حکم نازل فرمایا ہے، اور پھر آپ نے ان دونوں کو لعان کرنے کا حکم دیا۔ اب ائمہ کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ لعان کی آیتیں کس واقعہ پر نازل ہوئیں، بعض ائمہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ آیتیں حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں نازل ہوئیں اور بعض ائمہ نے اس بات کو ترجیح دی کہ یہ آیتیں حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں نازل ہوئیں، اور بعض ائمہ نے ان دونوں روایات میں تطبیق دی ہے (یعنی اختلاف کو دور کیا ہے) اور وہ اس طرح کہ لعان کا واقعہ سب سے پہلے جن صحابی کو پیش آیا وہ حضرت ہلال ہی ہیں، البتہ ان کے ساتھ ہی حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس طرح کا واقعہ پیش آگیا اور لعان کی آیتیں ایک ہی وقت میں دونوں کے لیے نازل ہو گئیں۔ علامہ نووی کا رجحان بھی اسی قول کی طرف ہے اور خطیب نے ان پر سبقت کرتے ہوئے پہلے ہی فرما دیا کہ: ہو سکتا ہے دونوں صحابہ اتفاقاً ایک ہی وقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔

کے پاس پہنچے ہوں۔ یہ واقعہ ایک سے زائد افراد کے ساتھ پیش آیا، اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں جو تفصیل بیان کرنے والے ہیں وہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں، جیسا کہ اس کو امام ابو داؤد اور امام طبری نے روایت کیا ہے۔ (جامع البیان للطبری: ۱۹۵۳-۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ) جب کہ حضرت عویم رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں جو تفصیل بیان کرنے والے ہیں وہ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری کی گزشتہ حدیث: ۴۷۴۵ میں گزر چکا ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ واقعات میں تعدد ہو اور نزول ایک مرتبہ ہو۔ (لہذا حضرت ہلال اور حضرت عویم دونوں کا واقعہ آیات لعان کا سبب ہو سکتا ہے)، اسی طرح امام بزار اپنی سند کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر تم ام رومان کے ساتھ کسی مرد کو پاؤ تو اس سے کیا سلوک کرو گے؟ تو انہوں نے عرض کی: میں اس کے ساتھ بہت ہی سخت سلوک کروں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عمر! تم کیا کرو گے؟ انہوں نے کہا: میں اسے خدا کی قسم! قتل کر دوں گا، اور میں پہلے ہی کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اپنی رحمت سے بہت دور کر دے، راوی کہتے ہیں: پھر آیت لعان نازل ہوئی۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار: ۲۲۳، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۷۴)

اور یہاں یہ احتمال بھی ہے کہ آیت لعان کا نزول اصلاً حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی وجہ سے ہوا ہو، پھر جب حضرت عویم رضی اللہ عنہ آئے ہوں اور انہیں حضرت ہلال کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ معلوم نہ ہو تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسی سابقہ حکم سے آگاہ فرمایا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ہلال کے واقعہ میں راوی نے کہا: ”پس جبرئیل نازل ہوئے“ اور حضرت عویم کے واقعہ میں راوی نے کہا کہ: ”اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق حکم نازل فرما دیا ہے“۔ اس کا معنی یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق اور تمہاری طرح جس کے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آئے اس کے متعلق حکم نازل فرما دیا ہے، لہذا دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ علامہ ابن الصباغ نے الشامل میں یہی جواب دیا ہے، وہ کہتے ہیں: آیت لعان حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، البتہ حضرت عویم رضی اللہ عنہ سے جو فرمایا کہ: ”تمہارے اور تمہاری زوجہ کے بارے میں حکم نازل ہو گیا ہے“۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہی حکم جو حضرت ہلال کے واقعہ میں نازل ہوا۔ اس کی تائید امام ابو یعلیٰ کی روایت کر وہ اس حدیث سے ہوتی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسلام میں سب سے پہلا جو لعان ہوا وہ اس وجہ سے تھا کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ کے ساتھ شریک بن سماء کے ملوث ہونے کا دعویٰ کیا۔ الحدیث (مسند ابو یعلیٰ: ۲۸۲۳ ج ۵ ص ۲۰۷)

علامہ ابوالعباس قرطبی متوفی ۶۵۶ھ کا رجحان اس بارے میں یہ ہے کہ ہو سکتا ہے آیت لعان دو مرتبہ نازل ہوئی ہو۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں: یہ مختلف احتمالات اگرچہ بعید ہیں، مگر ان روایتوں کے راوی جو کہ حفاظ ہیں ان کو غلط قرار دینے سے یہ احتمالات ہی بہتر ہیں۔ ایک جماعت نے لعان کے واقعہ میں حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے ذکر سے انکار کیا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں: ابو عبد اللہ بن ابی صفورہ جو کہ المہلب کے بھائی ہیں انہوں نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ (راویوں سے) خطا ہوئی ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت عویم رضی اللہ عنہ کا ہے، اور امام طبری نے بھی اسی طرح کی بات کی ہے۔ (المشیم ج ۴ ص ۳۰۰، مطبوعہ دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی، ابو عبد اللہ بن ابی صفورہ کے اس قول کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ابن ابی صفورہ کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اور حضرت ہلال کا ذکر کرنے میں راویوں کی خطا، کا کیسے یقین کیا جاسکتا ہے جب کہ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے اور پھر ان میں تطبیق بھی ممکن ہے اور جہاں تک امام ابن جریر طبری کے حوالہ کا تعلق ہے تو ایسی کوئی بات میں نے ان کے کلام میں نہیں دیکھی۔

(فتح الباری، موضحاً وخریجاً ج ۵ ص ۷۱-۷۱۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حدیث کے کچھ مشکل کلمات کی تشریح

فتدکات: اس کا معنی ہے: کسی کام سے پیچھے ہٹنا، اس میں توقف اور تردد کرنا۔ یہ باب تفعّل سے ہے اور اس کے حروف اصلیہ لام، کاف اور ہمزہ ہیں۔ نکصت: یہ نکوص (مصدر) سے ہے اور اس کا باب نصر و ضرب ہے، اس کا معنی ہے: باز رہنا، پیچھے ہٹنا۔ فیضت: اس سے مراد ہے: اس نے لعان مکمل کر دیا۔ اکحل العینین: آنکھوں کی پلکوں پر قدرتی طور پر ایسی سیانی ہو جیسے ان پر سرمہ لگایا گیا ہو۔ سبابغ: ایسی چیز جو مکمل ہو اور بھری ہوئی ہو۔ خدلج: ایسی چیز جو بھری ہوئی ہو اور موٹی ہو۔ حدیث کے بالکل آخر میں جو فرمایا: لکان لولہا شأن اس میں لفظ شأن سے مراد رجم کرنا ہے اور مفہوم یہ ہے کہ اگر لعان کے سبب شریعت نے اس عورت سے رجم کو ساقط نہ کیا ہوتا تو میں اس کے بیٹے کے شریک بن سماء کے ساتھ مشابہ ہونے کی بناء پر رجم کرتا۔

(کشف المشکل لابن الجوزی ج ۶ ص ۱۶۷، عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۱۲، تحفۃ الباری لابن یحییٰ الانصاری الشافعی ج ۸ ص ۵۳)

۴۔ بَابُ: وَالْخَامِسَةُ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا

إِنْ كَانَ مِنَ الصِّدِّيقِينَ ⑤ (النور: ۹)

اس پر اللہ کا غضب نازل ہوا اگر (اس کا خاوند) سچوں میں سے ہو ⑤ (النور: ۹) کی تفسیر

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مقدم بن محمد بن محمد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے چچا قاسم بن یحییٰ نے از عبید اللہ حدیث بیان کی اور قاسم نے عبید اللہ سے سماع کیا ہے، عبید اللہ از نافع از حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اپنی عورت پر زنا کی تہمت لگائی اور اس سے پیدا ہونے والے بچہ کا انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سے لعان کروایا، پھر آپ نے فیصلہ فرمایا کہ بچہ عورت کا ہے اور دونوں لعان کرنے والوں کے درمیان آپ نے جدائی کروادی۔

۴۷۸۔ حَدَّثَنَا مُقَدَّمُ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ يَحْيَى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ وَقَدْ سَمِعَ مِنْهُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَجُلًا رَفِيَ امْرَأَتَهُ فَاتَّخَذَ مِنْ وَلَدِهَا فِي زَمَانِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَامَرِيَةً فَأَمَرَهُمَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَنَزَلَ عَنْهَا كَمَا قَالَ اللَّهُ ثُمَّ قُضِيَ بِالنَّوْدِ لِلزَّوْجَةِ وَفُرِّقَ بَيْنَ الْمُتَلَا عَيْنَيْنِ۔

[اطراف الحدیث: ۵۳۰۴ - ۵۳۱۳ - ۵۳۱۴ - ۵۳۱۵ - ۵۳۱۸ - ۵۳۱۹]

(صحیح مسلم: ۱۴۹۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۹، سنن ترمذی: ۱۲۰۳، سنن نسائی: ۳۴۷۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۹، مسکن لابن الجارود: ۷۵۳، سنن دارمی: ج ۱ ص ۱۵۱، سنن کبریٰ للبیہقی: ج ۷ ص ۳۰۹، صحیح ابن حبان: ۴۲۸۸، مسند احمد ج ۲ ص ۷، طبع قدیم ج ۸ ص ۱۲۴، رقم الحدیث ۳۵۲۷، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفس لعان سے میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع نہیں ہوتی بلکہ لعان کے بعد حاکم کے فیصلہ کی ضرورت پڑتی ہے یا یہ کہ شوہر از خود طلاق دے کر جدائی کر دے۔ دوسرا یہ کہ بچہ پیدا ہونے پر اس کا انکار کر دینا لعان کو واجب کر دیتا ہے اور لعان کے بعد وہ بچہ صرف اپنی ماں کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ ان تمام مسائل پر گزشتہ احادیث کی شرح میں تفصیلی کلام گزر چکا ہے۔

۵۔ بَابُ: إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (النور: ۱۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: بے شک جن لوگوں نے (عائشہ صدیقہ پر) تہمت لگائی وہ تم میں سے ایک گروہ ہے، تم اس (تہمت) کو اپنے لیے شر نہ سمجھو بلکہ وہ (نتائج کے اعتبار سے) تمہارے لیے بہتر ہے، اس گروہ میں سے ہر فرد کے لیے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا اور جس شخص نے ان میں سے اس (تہمت) میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ۝ (النور: ۱۱) کی تفسیر

سورۃ النور کی آیت: ۱۱ کی مختصر تفسیر، لفظ افک کا اصل معنی اور عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ پر اشکال کا جواب

مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت اور اس کے بعد آنے والی آیات (النور: ۲۰ تک) حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں، کیونکہ غزوہ بنو المصطلق سے لوٹنے کے بعد آپ پر حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے ساتھ بدکاری کی تہمت لگائی گئی، تو اللہ عزوجل نے نبی ﷺ کی عزت و حرمت کے تعلق سے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی کو از خود بیان فرمایا اور آپ کی شان میں سورۃ النور کی دس آیتیں نازل فرمائیں۔

اس آیت میں ”الْإِفْكَ“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: جھوٹ اور ایک قول کے مطابق اس کا معنی ہے: بدترین جھوٹ۔ اس کا اصل معنی ہے: کسی چیز کا پلٹ دینا، جیسے وہ بستیاں جن کو عذاب الہی نے پلٹ دیا ان کو قرآن مجید میں المؤتفکات کہا گیا ہے۔ اس اعتبار سے ”إِفْكَ“ کا معنی ہوا: ایسی بات جس کو اس کے اصل رخ سے پھیر دیا گیا ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں یہ لفظ اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا گیا، کہ وہ اپنی پاک دامنی اور شرافت نسب کی بناء پر تعریف و توصیف کی حق دار تھیں نہ کہ تہمت اور الزام تراشی کی، لیکن جنہوں نے ان پر تہمت لگائی انہوں نے ان کا اصل حق (تعریف و ثناء) ان سے پھیر دیا، اس لیے اس کو آیت میں ”إِفْكَ“ قرار دیا گیا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۱۳)

ایک لفظ ”عُصْبَةٌ“ آیا ہے، اس کا معنی جماعت اور گروہ ہے، البتہ کتنے افراد کے گروہ پر یہ لفظ بولا جاتا ہے اس بارے میں اقوال مختلف ہیں: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ لفظ تین سے دس تک افراد پر بولا جاتا ہے جب کہ ابن عیینہ کے نزدیک ۱۴۰ افراد، فراء کے نزدیک ایک سے چالیس ۱۴۰ افراد تک اور مجاہد کے نزدیک دس سے پندرہ افراد پر بولا جاتا ہے۔

(تفسیر قرطبی ج ۶ ص ۱۸۲، عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۱۳)

جن افراد نے تہمت لگائی ان میں اس کا بانی تورخیس المنافقین عبداللہ بن ابی ہے، جب کہ اس کے ساتھ زید بن رفاعہ، حضرت حسان بن ثابت، حضرت مسطح بن اثاثہ، حضرت حمزہ بنت جحش اور دیگر موافقین بھی شامل ہو گئے۔ یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ اس آیت میں ”مِّنْكُمْ“ کا لفظ فرمایا گیا ہے، جس کا معنی ہے: یہ گروہ تم ہی میں سے ہے، حالانکہ تہمت لگانے والے اس گروہ میں زیادہ تر منافقین نے حصہ لیا، اس کے باوجود ”مِّنْكُمْ“ کہہ کر ان کو مسلمانوں میں کیوں شامل کیا گیا؟ علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ

نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ”قَتْلُكُمْ“ سے مراد ہے: ایسا گروہ جو تمہاری ملت پر ہے اور اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرتا ہے، خواہ فی الواقع مسلمان ہے یا نہیں، لہذا یہ لفظ عبد اللہ بن ابی کو بھی شامل ہوگا، کیونکہ وہ بہ ظاہر اپنے آپ کو اسلام ہی کی طرف منسوب کرتا تھا، اگرچہ حقیقتہً وہ کافر تھا۔ (روح المعانی ج ۱۰ ص ۱۰۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اس آیت میں فرمایا، تم اس تہمت کو اپنے لیے شر نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اس جملہ میں مسلمانوں سے خطاب ہے، کیونکہ تہمت لگانے سے انہیں بہت صدمہ اور رنج ہوا تھا، خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کو اس کا بہت غم اور ملال تھا، اس لیے یہاں اللہ عز وجل کی طرف سے تسلی اور تسکین فرمائی جا رہی ہے کہ اس تہمت کو اپنے لیے شر یعنی نقصان وہ نہ سمجھو، بلکہ اس میں تمہارے لیے خیر اور نفع ہے، کیونکہ اس تکلیف پر اللہ تعالیٰ تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے گا اور اپنا کلام نازل فرما کر تمہاری پاکیزگی کا اعلان فرمائے گا اور اس کے لیے ایسی آیات نازل فرمائے گا کہ ان میں سے ہر آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور ان کی تسلی کا سامان ہوگا اور ام المومنین رضی اللہ عنہما کی پاکیزگی اور اہل بیت کرام کی طہارت کا بیان ہوگا اور جو اس معاملہ میں کلام کرے اس کے لیے سزا کا بیان ہوگا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۱۳)

آیت کے آخر میں فرمایا: اور جس شخص نے ان میں سے اس تہمت میں بڑا حصہ لیا اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ اس سے مراد رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں آنے والی حدیث: ۴۷۹۹ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے صراحت فرمائی ہے کہ اس سے مراد عبد اللہ بن ابی ابن سلول ہے۔ اس کی مزید تفصیل ہم وہیں ذکر کریں گے۔

افان اس کا معنی ہے: بہت جھوٹ بولنے والا۔

امام ابو عبیدہ اور دیگر نے افان کا یہی معنی بیان کیا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۱۳، فتح الباری ج ۵ ص ۷۱۸) اس تعلق سے امام بخاری کا مقصد لفظ ”افان“ کا معنی و مفہوم واضح کرنا ہے۔

۴۷۹۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو نَعِيمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ (النور: ۱۱) قَالَتْ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَنَسٍ سَلُولٌ۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از معمر از زہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ انہوں نے (النور: ۱۱) کی تفسیر میں وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ کے متعلق فرمایا: یہ عبد اللہ بن ابی ابن سلول ہے۔

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت میں جس نے بڑا حصہ لیا“ اس سے عبد اللہ بن ابی کے مراد ہونے پر دلائل

وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ کا معنی یہ ہے کہ جس شخص نے اس تہمت میں بڑا حصہ لیا۔ بڑا حصہ لینے سے مراد یہ ہے کہ اس سنگین کام کا آغاز کیا اور اس کی بنیاد رکھی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: ۱۴۲۱۳، معالم التنزیل ج ۳ ص ۳۹۲) اور ظاہر ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی ناپاک تہمت کی بنیاد رکھنے والا اور اس ناپاک مہم کا آغاز کرنے والا رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی تھا۔ اس لیے صحیح قول یہی ہے کہ النور: ۱۱ میں ”وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ“ سے مراد صرف عبد اللہ بن ابی ہے اور اسی کے لیے عذاب عظیم ہے۔ امام زہری نے عروہ سے اور انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ: وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ سے مراد عبد اللہ بن ابی ہے اور عذاب عظیم سے مراد جہنم کا عذاب ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۳۹۲)

علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عذاب عظیم سے مراد دنیا اور آخرت دونوں کا عذاب ہے یا صرف آخرت کا عذاب ہے، اور وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ سے مراد

عبداللہ بن ابی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری (۴۷۹) میں از زہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مروی ہے اور اسی پر محدثین کی اکثریت ہے، اور عبداللہ بن ابی لعنہ اللہ علیہ لوگوں کو اپنے پاس جمع کیا کرتا تھا اور ان کے سامنے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتا تھا، یہی وہ پہلا شخص تھا جس نے یہ تہمت گھڑی اور اس کی تشہیر و اشاعت کی اور اس نے یہ سب چھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں شدت کی وجہ سے کیا۔ آخرت میں اس کے لیے عذاب یہ ہے کہ اس کو جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ڈالا جائے گا اور اس میں کتنے عذاب دیا جائے گا اس کی مقدار اللہ عز و جل ہی کو معلوم ہے اور دنیا میں اس کو جو عذاب ملا وہ یہ کہ اللہ عز و جل نے اس کو ذمت و رسوائی کا نشان بنا دیا اور تمام لوگوں پر اس کی منافقت ظاہر فرمادی اور اس پر دو مرتبہ حد جاری ہوئی، جیسا کہ امام طبرانی اور ابن مردودہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی میں) آیات نازل ہونے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو بلایا اور لوگوں کو جمع فرمایا، پھر ان سب کے سامنے وہ آیات تلاوت فرمائیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی کے بیان میں نازل ہوئی تھیں اور آپ نے عبداللہ بن ابی کو بھی بلوایا، اسے سامنے لایا گیا تو آپ نے اس پر دو مرتبہ حد جاری فرمائی اور حضرت حسان، حضرت مسطح اور حضرت حمزہ بنت جحش (جنابہ) کو بھی بلوایا اور انہیں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لگائی۔ (المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۱۲۸) ایک قول یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی پر آپ نے ایک ہی حد جاری فرمائی۔ چنانچہ امام جہانوی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے لَہٗ عَذَابٌ عَظِيمٌ (النور: ۱۱) کی تفسیر یہ کی ہے کہ عبداللہ بن ابی کے لیے دنیا میں عذاب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ۸۰ کوڑے لگائے اور آخرت میں عذاب یہ ہے کہ اسے جہنم میں ڈالا جائے گا۔

(المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۱۳۷-۱۳۶) (روح المعانی ج ۱۰ ص ۱۷۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۰۷ھ)

آیت میں عبداللہ بن ابی کے مراد ہونے پر صحیح بخاری ہی کی ایک حدیث کے ذریعہ معترضین کا اعتراض اور اس

کا جواب

علامہ آلوسی کی اس عبارت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں آغاز سے لے کر تشہیر و اشاعت تک سب سے بڑا حصہ جس نے لیا ہے وہ عبداللہ بن ابی ہے اور اس کے لیے عذاب عظیم یہ ہے کہ وہ دنیا میں بھی رسوا ہوا اور آخرت کی رسوائی کہیں زیادہ ہے، اور صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود بھی صراحت فرما چکیں کہ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرًا سے مراد عبداللہ بن ابی ہے۔

اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ صحیح بخاری ہی کی ایک حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرًا (جس نے تہمت میں بڑا حصہ لیا) اس سے مراد حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں، چنانچہ مکمل حدیث اس طرح ہے:

مسروق روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کرنے کی اجازت چاہی، میں نے عرض کی کہ آپ انہیں بھی (اپنے پاس آنے کی) اجازت دیتی ہیں؟ ایک روایت میں ہے کہ میں نے عرض کی: آپ ایسے شخص کو اپنے پاس آنے دیتی ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ یہ آیت نازل فرما چکا کہ: وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرًا مِنْهُمْ (النور: ۱۱) تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا انہیں عذاب عظیم نہیں پہنچ چکا؟ سفیان کہتے ہیں: آپ کا اشارہ حضرت حسان کے نامینا ہو جانے کی طرف تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (مسروق سے) فرمایا: نامینا ہو جانے سے بڑھ کر اور کیا عذاب ہو گا؟ (اور ان کے بارے میں کچھ بولنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ) وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کفار کو جواب دیا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ میں حضرت حسان بنی شیبہ بھی شامل ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنا موقف تو یہی ہے کہ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ (جس نے تہمت میں بڑا حصہ لیا) اس سے مراد رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی ہے (جیسا کہ صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث: ۳۹۷۳ میں مذکور ہے) البتہ مسروق کو یہ وہم ہوا کہ حضرت حسان بنی شیبہ اور جتنے افراد بھی تہمت لگانے والے ہیں وہ سب اس آیت میں شامل ہیں، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے گویا برہنہ پر یہ بات فرمائی کہ اگر وہ اس آیت میں شامل بھی ہیں تو ان کا معاملہ عبد اللہ بن ابی کی طرح نہیں ہے، کیونکہ عبد اللہ بن ابی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلسل اذیت اور تکلیف دیتا رہا اور آپ کی شان میں گستاخیاں کرتا رہا، جب کہ حضرت حسان بنی شیبہ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور دفاع میں کفار کے خلاف اشعار کہتے ہیں اور ان کی طرف سے ہونے والے اعتراضات کے جواب دے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان کرتے ہیں، سو جب حضرت حسان بنی شیبہ عبد اللہ بن ابی کی طرح نہیں ہیں تو اس آیت کے بہ موجب ”عذاب عظیم“ میں بھی وہ عبد اللہ بن ابی کی طرح نہیں ہیں، کیونکہ عبد اللہ بن ابی کے لیے عذاب عظیم یہ ہے کہ وہ دنیا میں بھی ذلیل ہوا اور آخرت میں بھی اس کے لیے بہت شدید اور کبھی نہ ختم ہونے والی رسوائی ہے، جب کہ حضرت حسان بنی شیبہ کی جو بیعت چلی گئی، تو یہی ان کے لیے کفارہ بن گیا اور ان کے لیے آگے کوئی عذاب نہیں ہے۔

اس جواب کی تائید میں مختلف شارحین حدیث کی آراء

خلاصہ یہ کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذاتی موقف یہی ہے کہ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ سے مراد صرف عبد اللہ بن ابی ہے اور حضرت حسان بنی شیبہ کو اس میں شامل کرنا یہ مسروق کا اپنا خیال ہے۔ ذیل میں ہم اس سلسلہ میں مختلف شارحین کی آراء ذکر کر رہے ہیں۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ میں حضرت حسان بنی شیبہ کا شامل ہونا ایک پیچیدہ معاملہ ہے، کیونکہ یہ بات گزر چکی ہے کہ اس سے مراد عبد اللہ بن ابی ہے اور یہی قول معتد ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۴۶، مطبوعہ دارالعرف، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل کورانی حنفی متوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں:

یہ مسروق کا وہم ہے (ذاتی خیال ہے) کیونکہ اس بات پر اتفاق ہے کہ جس نے تہمت میں سب سے بڑا حصہ لیا وہ عبد اللہ بن ابی ابن سلول ہے۔ (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۲۰۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں:

یہ ایک پیچیدہ روایت ہے، کیونکہ اس سے یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ سے مراد حضرت حسان بنی شیبہ ہیں۔ حالانکہ معتد قول یہ ہے کہ اس سے مراد عبد اللہ بن ابی ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۰ ص ۵۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ محمد الفصیل بن الفاطمی الزہری ہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مسروق سے یہ فرمانا کہ: ”ناپینا ہونے سے زیادہ کیا عذاب ہوگا“ یہ برہنہ پر تزلزل ہے۔ (یعنی اگر مان لیا جائے کہ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ میں حضرت حسان بنی شیبہ شامل ہیں تو دنیا میں ناپینا ہو جانا ہی ان کے لیے کافی ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کا اس کے سوا کوئی معنی نہیں ہے۔ (علامہ زرہونی ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ) معتد قول یہی ہے کہ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ

سے مراد صرف عبد اللہ بن ابی ہے۔ (انجیر الساطع علی الصبح الجامع ج ۹ ص ۳۵۶، ج ۱۱ ص ۳۵، مطبوعہ مکتبۃ الرشید، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی عزت افزائی فرمانا اور ان کے خلاف بولنے سے منع فرمانا

ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذاتی موقف یہی تھا کہ وَالَّذِي نَفْسِي تَوَلَّى كَيْفَ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَأْسِ ابْنِ ابِي سُبَيْحَةَ“۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو بہت عزت دیتی تھیں اور ان کے خلاف کسی قسم کی بات سننے کو گوارا نہیں کرتی تھیں اور اگر کوئی کہنا چاہتا تو اسے یہ کہہ کر خاموش فرمادیتی تھیں کہ حسان رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں اشعار کہتے ہیں اور آپ کے دشمنوں کا بھرپور رد کرتے ہیں، اس لیے ان کے خلاف کچھ نہ کہو۔ چنانچہ واقعہ افک کی تفصیلی حدیث میں امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میرے معاملہ میں وہ لوگ ہلاک ہو گئے جو ہلاک ہو گئے اور جس نے اس تہمت میں سب سے زیادہ حصہ لیا وہ عبد اللہ بن ابی ابن سلول ہے۔ عروہ کہتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے سامنے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی مذمت کیے جانے کو ناپسند کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ انہوں نے یہ شعر کہا ہے:

فان ابی ووالدہ و عرضی لعرض محمد منکم وقاء

میرے آباء و اجداد اور میری عزت و آبرو کے لیے تمہارے حملوں سے بچاؤ کا ذریعہ اور ڈھال بنی رہے گی۔ (صحیح البخاری: ۴۱۳۱، صحیح مسلم: ۲۷۷۰)

علامہ ابو عمر ابن عبد البر قرطبی مالکی متوفی ۴۶۳ھ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حالات بیان کرتے ہوئے یہ حدیث ذکر کرتے ہیں کہ: محمد بن سائب بن برکہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ طواف کر رہی تھیں، ان کے ساتھ ام حکیم بنت خالد بن العاص اور ام حکیم بنت عبد اللہ بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں، یہ دونوں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے متعلق گفتگو کرنے لگیں اور ان کی گفتگو میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی مذمت تھی، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تم دونوں (حسان رضی اللہ عنہ کی مذمت کر رہی ہو؟) میں تو یہ امید کرتی ہوں کہ وہ اپنی زبان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کا جو تحفظ کرتے تھے اس کے طفیل اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل فرمائے گا۔ (الاستیعاب فی معرفة الاصحاب ج ۱ ص ۴۰۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مفسر شہیر امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

امام محمد بن سعد نے محمد بن سیرین سے روایت کیا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو (اپنے پاس آنے کی) اجازت دیا کرتی تھیں اور ان کے لیے تکیہ منگواتی تھیں اور (لوگوں سے) فرماتی تھیں کہ: حسان (رضی اللہ عنہ) کو اذیت مت دیا کرو، کیونکہ یہ اپنی زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و حمایت کرتے ہیں اور اللہ عز و جل اس بات پر قادر ہے کہ ان کے نابینا ہونے کو ہی ان کے لیے عذاب عظیم (کے قائم مقام) فرمادے (اور آخرت میں انہیں کچھ تکلیف نہ ہو)۔

ایک روایت میں ہے کہ: نابینا ہونا بڑا عذاب ہے اور اللہ عز و جل اس بات پر قادر ہے کہ وہ ان کے نابینا ہونے کو ہی عذاب عظیم (کے قائم مقام) فرمادے اور حسان (رضی اللہ عنہ) کی مغفرت فرمادے اور ان کو جنت میں داخل فرمادے۔

(الدر المنثور ج ۶ ص ۱۳۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس روایت میں نابینا ہونے کو جو عذاب عظیم قرار دیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں اس تکلیف کو ان کے لیے کفارہ کر دیا گیا ہے اور اب آخرت میں ان کے لیے کسی قسم کی سزا اور سزائش نہیں ہوگی، البتہ جو ان بستیوں پر لعن طعن کرے اس کے لیے ضرور ذلت و رسوائی کا عذاب ہے، کیونکہ جب ”رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ“ فرما کر اللہ عز و جل نے ان بستیوں سے اپنی رضا اور

خوشنودی کا اعلان فرمادیا تو یہی ان کے لیے سب سے بڑی نعمت ہے اور اس نعمت کے ہوتے ہوئے انہیں کسی کی ناراضی اور بغض و عداوت کی پرواہ نہیں ہے۔

۶۔ بَابُ: لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ
الْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا أَفْكٌ
مُّبِينٌ ۝ لَوْلَا جَاءُو عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ
فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ
الْكَاذِبُونَ ۝ (النور: ۱۲-۱۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: جب تم نے اس (تہمت) کو سنا تو
مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنوں کے متعلق
نیک گمان کیوں نہیں کیا اور یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ تو کھلا
بہتان ہے ۝ تہمت لگانے والے اس تہمت پر چار
گواہ کیوں نہ لائے! پس جب وہ گواہ نہیں لائے تو وہی
اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں ۝ (النور: ۱۲-۱۳) کی تفسیر

بے قصور یا نامعلوم شخص پر تہمت لگے تو اہل ایمان کو کیا گمان رکھنا چاہیے؟ اور واقعہ افک کے بارے میں رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر ایک دلیل

”مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنوں کے متعلق نیک گمان کیوں نہیں کیا“ یعنی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق جو غلط اور
سنگین افواہ اڑائی گئی اس کو سنتے ہی اہل ایمان کو چاہیے تھا کہ وہ اپنوں کے متعلق نیک گمان کرتے اور اس معاملہ کو اپنی ذات پر قیاس
کر کے غور کرتے، جیسے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ حضرت ام ایوب رضی اللہ عنہا نے مثال قائم فرمائی کہ انہوں نے
حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ نے سنا لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں؟ حضرت ابو
ایوب رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں میں نے وہ باتیں سنی ہیں، مگر وہ سب جھوٹ ہے۔ اے ام ایوب! تم بتاؤ کیا تم ایسا کر سکتی ہو؟ انہوں نے
کہا: نہیں، خدا کی قسم! میں ایسا نہیں کر سکتی، تو حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے کہا، خدا کی قسم! عائشہ (رضی اللہ عنہا) تم سے بہتر عورت ہیں (وہ
بدرجہ اولیٰ ایسا کام نہیں کر سکتیں)۔ (جامع البیان للطبری ج ۱۰ ص ۱۲۸، تفسیر قرطبی ج ۶ ص ۱۸۶)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: پس اللہ عزوجل نے مسلمانوں پر واجب فرمادیا کہ جب وہ نامعلوم شخص پر کسی کی زبان سے تہمت یا
کسی بھی قسم کا برا تذکرہ نہیں تو اس کو تسلیم نہ کریں اور اسے جھٹلا دیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ: اس آیت سے یہ قانون ملتا ہے کہ کوئی
فاسد، مجہول اور غیر یقینی خبر، خواہ کتنی ہی مشہور ہو جائے، اس کی بناء پر کسی کے مرتبہ ایمان، مقام تقویٰ اور پاک دامنی کی چادر کو زائل
نہیں کیا جاسکتا۔ (تفسیر قرطبی ج ۶ ص ۱۸۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

”اور یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ تو کھلا ہوا بہتان ہے“ اس جملہ میں اللہ عزوجل نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کے واقعہ کو
”افک مبین“ (کھلا بہتان) قرار دیا ہے اور اہل ایمان پر عتاب فرمایا ہے کہ ان کو یہ الزام سنتے ہی کہنا چاہیے تھا کہ یہ بالکل کھلا
بہتان ہے، سو جب قرآن مجید نے اس تہمت کو کھلا بہتان قرار دے دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ کوئی پوشیدہ اور پیچیدہ معاملہ نہیں تھا،
لہذا یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی حقیقت کا علم نہیں تھا اور معاذ اللہ لا علمی کی وجہ سے آپ افسردہ اور پریشان تھے، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے علم کا بھی انکار ہے اور آیت مبارکہ کے الفاظ ”افک مبین“ کے معنی و مفہوم کا بھی انکار ہے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ اس آیت کے تحت کنز الایمان کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

یہ بھی معلوم ہوا کہ اس (تہمت) کا جھوٹا بہتان ہونا غیب نہیں، بلکہ بالکل ظاہر تھا، جسے رب نے ”مبین“ فرمایا، لہذا حضور پر کیسے مخفی ہو سکتا ہے۔ (نور العرفان ص ۵۱۰، مطبوعہ ادارہ کتب اسلامیہ، گجرات، پاکستان)

اگلی آیت (النور: ۱۳) میں فرمایا: ”پس جب وہ گواہ نہیں آئے تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں“ یہی تہمت لگانے والے اے اے اپنی خبر میں حق پر تھے تو کذب کی جو بنیادی شرط ہے (چار گواہ پیش کرنا) وہ انہوں نے پوری کیوں نہیں کی؟ اور جب یہ شرط پوری نہیں کی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی یہ خبر کذب پر مبنی ہے۔

حدیث افک

۳۷۵۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ
يُونُسَ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ
وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَعَلْقَمَةُ بْنُ وَقَّاصٍ وَعُبَيْدُ اللَّهِ
بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ قَالَ لَهَا
أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوا فَبَرَّأَهَا اللَّهُ مِنْهَا قَالُوا وَكُلُّ
حَدَّثَنِي طَائِفَةٌ مِنَ الْحَدِيثِ وَبَعْضُ حَدِيثِهِمْ
يُعْذِرُ بَعْضًا وَإِنْ كَانَ بَعْضُهُمْ أَوْعَى لَهُ مِنْ بَعْضِ
الَّذِي حَدَّثَنِي عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ
عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ كَانَ
رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ أَقْرَعَ بَيْنَ
أَزْوَاجِهِ فَأَيُّهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ
ﷺ قَالَتْ عَائِشَةُ فَأَقْرَعَ بَيْنَنَا فِي غَزْوَةِ
عُزَاةَ فَخَرَجَ سَهْمِي فَخَرَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ
بَعْدَ مَا نَزَلَ الْحِجَابُ فَأَنَا أُحْمَلُ فِي فَوْدَجِي وَأُنْزَلُ
فِيهِ فَيَسِرُنَا حَتَّى إِذَا قَرَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ
غَزْوَتِهِ تِلْكَ وَقَعْلَ وَدَثُونَا مِنَ الْمَدِينَةِ قَافِلِينَ أَذِنَ
لَيْلَةً بِالرَّحِيلِ فَقُمْتُ حِينَ أَذْنُوا بِالرَّحِيلِ فَمَشَيْتُ
حَتَّى جَاوَزْتُ الْجَيْشَ فَلَمَّا تَقَضَيْتُ شَأْنِي أَقْبَلْتُ إِلَى
رَحِيلِي فَإِذَا عِقْدٌ لِي مِنْ جَزْمٍ فَفَارَقْتُ الْقَطْعَ
فَأَلْتَمَسْتُ عِقْدِي وَحَبَسَنِي ابْتِغَاؤُهُ وَأَقْبَلَ الرَّهْطُ
الَّذِينَ كَانُوا يَزْحَلُونَ لِي فَأَخْتَمَلُوا فَوْدَجِي فَرَحَلُوا عَنِّي
فَبَعِيرِي الَّذِي كُنْتُ رَكِبْتُ وَهُمْ يَحْسِبُونَ أَنِّي فِيهِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر، سعید بن المسیب، علقمہ بن وقاص اور عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود نے نبی ﷺ کی زوجہ سیدہ عائشہ بنت ابی شہاب پر تہمت لگانے کا واقعہ بیان کیا جب تہمت لگانے والوں نے ان کے متعلق ناگفتہ بہ باتیں کیں اور پھر اللہ عزوجل نے اس تہمت سے ان کی پاکیزگی کو بیان فرمایا، (ابن شہاب الزہری کہتے ہیں:) ان راویوں میں سے ہر ایک نے مجھے اس حدیث کا ایک ایک ٹکڑا بیان کیا اور ان راویوں کی بیان کردہ حدیث کا ایک ٹکڑا دوسرے کی تصدیق کرتا ہے، اگرچہ ان راویوں میں بعض ایسے ہیں جو اس حدیث کو دوسرے بعض سے زیادہ یاد رکھنے والے ہیں۔ عروہ نے یہ حدیث حضرت عائشہ بنتی شہاب سے مجھے جس طرح بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ: نبی ﷺ کی زوجہ سیدہ عائشہ بنتی شہاب نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب (سفر کے لیے) تشریف لے جانے کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے، پس ان میں سے جس کا نام نکل آتا رسول اللہ ﷺ اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: ایک غزوہ کے موقع پر آپ نے اسی طرح ہمارے درمیان قرعہ اندازی فرمائی تو میرا نام نکل آیا، پس میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئی، یہ واقعہ پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے، پس مجھے ہودج سمیت (اونٹ پر) سوار کیا جاتا تھا اور اسی کے ساتھ مجھے (اونٹ سے) اتارا جاتا تھا، سو (اس طرح) ہم چلتے رہے، حتیٰ کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے اس غزوہ سے

وَكَانَ النِّسَاءُ إِذْ ذَاكَ خِفَافًا لَمْ يُثْقِلْنَهُنَّ الْبَلْعُ إِثْمًا
تَأْكُلُ الْعُلُقَةَ مِنَ الطَّعَامِ فَلَمْ يَسْتَتِكِرِ الْقَوْمُ خِفَّةَ
الْهُودَجِ حِينَ رَفَعُوهُ وَكُنْتُ جَارِيَةً حَدِيثَةَ السِّنِّ
فَبَعَثُوا الْجَبَلَ وَسَارُوا فَوَجَدْتُ عِقْدِي بَعْدَ مَا
اسْتَمَرَّ الْجَيْشُ فَجِئْتُ مَنَازِلَهُمْ وَلَيْسَ بِهَا دَاعٍ وَلَا
مُحِيبٌ فَأَمَنْتُ مَنْزِلِي الَّذِي كُنْتُ بِهِ وَظَنَنْتُ أَنَّهُمْ
سَيَفْقِدُونِي فَيَرْجِعُونَ إِلَيَّ فَبَيَّنَّا أَنَا جَالِسَةً فِي مَنْزِلِي
غَلَبَتْنِي عَيْنِي فَنِئْتُ وَكَانَ صَفْوَانُ بْنُ الْمُعْطَلِ
السُّلَمِيُّ ثُمَّ الذُّكْوَانِيُّ مِنْ وَرَاءِ الْجَيْشِ فَأَذْلَجَ
فَأَصْبَحَ عِنْدَ مَنْزِلِي فَرَأَى سَوَادَ إِنْسَانٍ نَائِمٍ فَأَتَانِي
فَعَرَفَنِي حِينَ رَأَى وَكَانَ رَأَى قَبْلَ الْحَبَابِ
فَاسْتَيْقَظْتُ بِاسْتِرْجَاعِهِ حِينَ عَرَفَنِي فَخَمَرْتُ
وَجْهِي بِجَلْبَابٍ وَوَالَّهِ مَا كَلَّيْنِي كَلِمَةً وَلَا سِغَتْ
مِنْهُ كَلِمَةً غَيْرَ اسْتِرْجَاعِهِ حَتَّى أَنَاخَ رَاحِلَتَهُ فَوَطِئَ
عَن يَدَيْهَا فَرَكِبْتُهَا فَأَنْطَلَقَ يَقْدُوبُ الرَّاحِلَةَ حَتَّى
أَتَيْنَا الْجَيْشَ بَعْدَ مَا نَزَلُوا مُوْعَرِينَ فِي نَخْرِ الطَّهِيرَةِ
فَهَذَا مَنْ هَذَا وَكَانَ الَّذِي تَوَلَّى الْإِفْكَ عَبْدَ اللَّهِ بْنُ
أَبِي بَنٍ سَلُولَ فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فَاسْتَكْنَيْتُ حِينَ
قَدِمْتُ شَهْرًا وَالنَّاسُ يُفِيضُونَ فِي قَوْلِ أَصْحَابِ
الْإِفْكَ لَا أَشْعُرُ بِشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ وَهُوَ يَرِيئِي فِي وَجْهِي
أَنِّي لَا أَغْرِفُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْكُفَّ الَّذِي
كُنْتُ أَرَى مِنْهُ حِينَ أَشْتَكِي إِثْمًا يَدْخُلُ عَلَى رَسُولِ
اللَّهِ ﷺ فَيُسَلِّمُ ثُمَّ يَقُولُ كَيْفَ تَبِيتُمْ ثُمَّ يَنْصَرِفُ
فَذَاكَ الَّذِي يَرِيئِي وَلَا أَشْعُرُ بِالشَّيْءِ حَتَّى خَرَجْتُ
بَعْدَ مَا نَقَهْتُ فَخَرَجْتُ مَعِيَ أُمُّ مُسْطَحٍ قَبْلَ
الْمَنَاصِمِ وَهُوَ مُتَبَرِّزُنَا وَكُنَّا لَا نَخْرُجُ إِلَّا لَيْلًا إِلَى لَيْلٍ
وَذَلِكَ قَبْلَ أَنْ تَتَّخِذَ الْكُفَّ قَرِيبًا مِنْ بَيْوتِنَا
وَأَمَرْنَا أُمُّ الْعَرَبِ الْأُولَى فِي الشُّبُكِ قَبْلَ الْغَائِطِ فَكُنَّا
تَتَّادِي بَالْكَفِّ أَنْ تَتَّخِذَهَا عِنْدَ بَيْوتِنَا فَأَنْطَلَقْتُ

فارغ ہو کر واپس لوٹے اور لوٹتے ہوئے ہم مدینہ کے قریب ہو
گئے تو ایک رات جب قافلہ کے چلنے کا حکم ہوا تو میں چلنے کا حکم
ہوتے ہی کھڑی ہوئی اور (قضائے حاجت کے لیے ایک طرف)
چلی جتنی کہ لشکر سے دور نکل گئی، پھر جب اپنی حاجت پوری کر کے
میں اپنی منزل کی طرف آنے لگی تو اچانک میری توجہ ہوئی کہ ظفار
(یعنی کی ایک بستی) کے گھینوں کا بنا ہوا میرا ہار ٹوٹ کر کہیں گر گیا
ہے، پس میں اپنا ہار تلاش کرنے لگی اور اس کی تلاش نے مجھے
(وہاں) روک دیا، (دوسری طرف) وہ لوگ جو میرے لیے کجاوہ
اونٹ پر باندھتے تھے وہ آئے اور میرا کجاوہ اٹھا کر اس اونٹ پر
رکھ دیا جس پر میں سوار ہوتی تھی، وہ لوگ اس گمان میں تھے کہ
میں کجاوے میں موجود ہوں۔ ان دنوں عورتوں ہلکی پھلکی ہوتی
تھیں اور گوشت سے ان کے بدن بھاری نہیں ہوتے تھے، کیونکہ
وہ تھوڑا سا کھانا کھاتی تھیں، سو اس لیے کجاوے کو اٹھاتے وقت
لوگوں کو اس کا ہلکا ہونا محسوس نہیں ہوا اور (مزید یہ کہ اس وقت)
میں ایک کم عمر لڑکی تھی، پس ان لوگوں نے اونٹ کو اٹھایا اور چل
دیئے اور جب لشکر گزر گیا تو مجھے میرا ہار مل گیا، لہذا میں لوگوں کے
پڑاؤ کی جگہوں پر پہنچی تو وہاں (یہ حال تھا کہ) نہ کوئی آواز دینے
والا تھا نہ کوئی جواب دینے والا، پس میں اس جگہ پر چلی آئی جہاں
میں تھی، اور میرا گمان یہ تھا کہ جب لوگ (کجاوے میں) مجھے نہیں
پائیں گے تو میری طرف لوٹ آئیں گے، میں ابھی اپنے پڑاؤ کی
جگہ میں بیٹھی ہوئی تھی کہ اس دوران مجھے اونگھ آنے لگی اور میں سو
گئی، حضرت صفوان بن معطل السلمی ثم الذکوانی (بنی النضر) لشکر کے
پیچھے پیچھے تھے، وہ رات کے آخری حصہ سے چلتے ہوئے آ رہے
تھے، پس میرے پڑاؤ کی جگہ پر وہ صبح کے وقت پہنچے، انہوں نے
(دور سے) ایک سوئے انسان کا سراپا دیکھا تو وہ میرے پاس
آئے اور مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے (کیونکہ) پردے کا حکم آنے
سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا ہوا تھا، سو انہوں نے مجھے پہچانتے
ہی اِنَّا لَنُؤَدُّوْا اِلَيْهِمْ لِيُجِئُوْا پڑھا جس سے میں جاگ گئی اور
میں نے فوراً اپنی چادر سے اپنا چہرہ چھپا لیا، اللہ کی قسم! انہوں نے

أَنَا وَأُمُّ مُسْطَحٍ وَهِيَ ابْنَةُ أَبِي رُفَيْمٍ بْنِ عَبْدِ مَنَاظٍ وَأُمُّهَا بِنْتُ صَخْرِ بْنِ عَامِرٍ خَالَةَ أَبِي بَكْرِ الصِّدِّيقِ وَابْنُهَا مُسْطَحُ بْنُ أَثَاثَةَ فَأَتَيْتُ أَنَا وَأُمُّ مُسْطَحٍ قَبِيلَ بَنِي وَقَدْ فَرَعْنَا مِنْ شَأْنِنَا فَعَثَرْتُ أُمُّ مُسْطَحٍ فِي مِرْطَافِهَا فَقَالَتْ تَعَسَ مُسْطَحٌ فَقُلْتُ لَهَا بِشَسْ مَا قُلْتَ أَتَسْبِيْنِ رَجُلًا شَهْدَ بَدْرًا قَالَتْ أَيْ هُنَا أَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالَ قَالَتْ قُلْتُ وَمَا قَالَ فَأَخْبَرْتَنِي يَقُولُ أَهْلُ الْإِفْكِ فَازْدَدْتُ مَرَضًا عَلَى مَرَضِي فَلَمَّا رَجَعْتُ إِلَى بَنِي وَقَدْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَعْنِي سَلَمَ ثُمَّ قَالَ كَيْفَ تَبْكُمُ فَقُلْتُ أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أَتِيَ أَبَوَيَّ قَالَتْ وَأَنَا حِينَئِذٍ أُرِيدُ أَنْ أُسْتَيْقِنَ الْخَبَرَ مِنْ قَبِيلِهِمَا قَالَتْ فَأَذِنَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَجِئْتُ أَبَوَيَّ فَقُلْتُ لِمَنِي يَا أُمُّ ثَاثَةَ مَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ قَالَتْ يَا بَنِيَّةُ هَوْنٌ عَلَيْكَ فَوَاللَّهِ لَقَلْنَا كَانَتْ أُمْرًا قَطُّ وَضِيئَةً عِنْدَ رَجُلٍ يُحِبُّهَا وَلَهَا ضَرَائِرٌ إِلَّا كَثُرْنَ عَلَيْهَا قَالَتْ فَقُلْتُ سُبْحَانَ اللَّهِ أَوْلَقَدْ تَحَدَّثَ النَّاسُ بِهَذَا قَالَتْ فَبَكَيْتُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ حَتَّى أَصْبَحْتُ لَا يَرَقَانِي دَمْعٌ وَلَا أَكْثَحِلُ بِتَوْبٍ حَتَّى أَصْبَحْتُ أَبْيَ قَدَعَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَيَّ بَنُ أَبِي طَالِبٍ وَأَسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حِينَ اسْتَلَبْتُ الْوَحْشَ يَسْتَأْمِرُهَا يَدْرِأَقِي أَهْلِيهِ قَالَتْ فَأَمَّا أَسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ فَأَشَارَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِأَلَدِي يَعْلَمُ مِنْ بَرَاءَةِ أَهْلِيهِ وَبِأَلَدِي يَعْلَمُ لَهُمْ فِي نَفْسِهِ مِنَ الْوَدِّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَهْلَكَ وَلَا نَعْلَمُ إِلَّا خَيْرًا وَأَمَّا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَمْ يُضَيِّقْ اللَّهُ عَلَيْكَ وَالنِّسَاءُ بِمَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَإِنْ تَسْأَلُ الْجَارِيَةَ تَصُدِّقُكَ قَالَتْ فَقَدَعَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِرَبْرَةٍ فَقَالَ أَيْ بِرَبْرَةٍ هَلْ لَكَ مِنْ شَيْءٍ يَرِيكَ قَالَتْ بِرَبْرَةٍ لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ إِنْ رَأَيْتُ عَلَيْهَا أَمْرًا أَغْبِصُهُ عَلَيْهَا أَكْثَرَ مِنْ

مجھ سے کسی قسم کی کوئی بات نہیں کی اور نہ میں نے ان سے کی رائا اللہ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ کے سوا ان سے کوئی بات نہیں سنی، حتیٰ کہ انہوں نے اپنا اونٹ بٹھا دیا اور اونٹ کے پاؤں اپنے ہاتھوں سے دبا کر رکھے، پس میں اس اونٹ پر سوار ہو گئی اور وہ اونٹ کو آگے سے کھینچتے ہوئے مجھے لے چلے، حتیٰ کہ ہم اس وقت لشکر کے پاس پہنچے جب وہ عین دوپہر کی شدید گرمی میں (دھوپ سے بچنے کے لیے) پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے، سو (اس کے بعد تہمت کا ایک طوفان کھڑا ہوا اور اس میں) جسے ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہوا اور اس تہمت میں جس نے قائدانہ کردار ادا کیا وہ (رئیس المنفقین) عبد اللہ بن ابی ابن سلول ہے، پس ہم مدینہ پہنچے اور میں پہنچتے ہی ایک ماہ کے لیے بیمار ہو گئی، (اس دوران) لوگ تہمت لگانے والوں کی باتوں میں بہت مشغول رہے اور مجھے اس میں سے کسی بات کا علم نہیں تھا، البتہ اس بیماری کے دوران مجھے اس بات سے کچھ شبہ ہوتا تھا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے وہ لطف و کرم نہیں پاتی تھی جو اس سے پہلے بیماری کے دنوں میں آپ سے میں پاتی تھی، اب صرف اتنا ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لاتے اور سلام کر کے فرماتے کہ تم کیسی ہو؟ پھر واپس تشریف لے جاتے، پس یہ وہ بات تھی جس سے مجھے شبہ ہوتا تھا (کہ کوئی بات ضرور ہے) تاہم مجھے (باہر ہونے والی) شرارت کا کچھ علم نہیں تھا، حتیٰ کہ ایک دن جب کمزوری کے باوجود طبیعت میں کچھ افاقہ تھا تو میں باہر نکلی، حضرت ام مسطح (منی الثبہا) بھی میرے ساتھ نکلیں، ہم ”مناصح“ (مدینہ کے بیرونی جگہ ایک جگہ) کی طرف گئے، ہمارے قضائے حاجت کے لیے یہی جگہ تھی اور (قضائے حاجت کے لیے) ہم صرف رات میں نکلتے تھے اور پھر اس سے اگلی رات کو نکلتے تھے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب اپنے گھروں کے قریب بیت الخلاء بنانے سے ہمیں تکلیف ہوتی تھی، پس میں اور حضرت ام مسطح (مناصح کی طرف) روانہ ہوئیں، ام مسطح ابورہم بن عبد مناف کی بیٹی ہیں اور ان کی والدہ صحر بن عامر کی بیٹی ہیں۔ یوں ام مسطح، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ

أَنَّهَا جَارِيَةٌ حَدِيثُهُ السَّبَقُ تَنَامُ عَنْ عَجِينِ أَهْلِهَا
فَتَأْتِي الدَّاجِنُ فَتَأْكُلُهُ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ
فَاسْتَعْدَّ رِيَّوْمِيذٍ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي سَلُولٍ
قَالَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ عَلَى الْمَشْبَرِ يَا
مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ مَنْ يَعْذِرُنِي مِنْ رَجُلٍ قَدْ بَلَغَنِي
أَذَاؤُنِي أَهْلِي بَيْتِي فَأَوَّاهُ مَا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا
وَقَدْ ذَكَرُوا رَجُلًا مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ إِلَّا خَيْرًا وَمَا كَانَ
يَدْخُلُ بَعَثَ أَهْلِي إِلَّا مَعِيَ فَقَامَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ
الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا أَعْذِرُكَ مِنْهُ إِنْ
كَانَ مِنَ الْأَوْسِ فَزَيْتُ عَنْقَهُ وَإِنْ كَانَ مِنْ إِيَّائِنَا
مِنَ الْخَزَرَجِ أَمَرْتَنَا أَمَرَكَ قَالَتْ فَقَامَ سَعْدُ
بْنُ عُبَادَةَ وَهُوَ سَيِّدُ الْخَزَرَجِ وَكَانَ قَبْلَ ذَلِكَ رَجُلًا
صَالِحًا وَلَكِنْ اخْتَلَتْهُ الْحَيْثَةُ فَقَالَ لِسَعْدٍ كَذَبْتَ
لَعَنُ اللَّهُ لَا تَقْتُلُهُ وَلَا تَقْدِرُ عَلَى قَتْلِهِ فَقَامَ أُسَيْدُ
بْنُ حُضَيْرٍ وَهُوَ ابْنُ عَمِّ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فَقَالَ لِسَعْدِ
بْنِ عُبَادَةَ كَذَبْتَ لَعَنُ اللَّهُ لَنَقْتُلَنَّ فَإِنَّكَ مُنَافِقٌ
تُجَادِلُ عَنِ الْمُنَافِقِينَ فَتَشَاوَرُ الْخِيَانِ الْأَوْسُ
وَالْخَزَرَجُ حَتَّى قَالُوا أَنْ يَقْتَتِلُوا وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ
قَائِمٌ عَلَى الْمَشْبَرِ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ
يُخَفِّضُهُمْ حَتَّى سَكَتُوا وَسَكَتَ قَالَتْ فَبَكَيْتُ يَوْمَ
ذَلِكَ لَا يَزُقَالِي دَمْعٌ وَلَا أَكْتَجِلُ بِنَوْمٍ قَالَتْ فَأَصْبَحَ
أَبَوَايَ عِنْدِي وَقَدْ بَكَيْتُ لَيْلَتَيْنِ وَيَوْمًا لَا أَكْتَجِلُ
بِنَوْمٍ وَلَا يَزُقَالِي دَمْعٌ يَطْنَانِ أَنَّ الْبُكَائِي قَالَتْ كَبِدِي
قَالَتْ فَبَيْنَمَا هُمَا جَالِسَانِ عِنْدِي وَأَنَا أُنْكِي
فَاسْتَأْذَنْتُ عَنْ امْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَأَذِنْتُ لَهَا
فَجَلَسَتْ تَبْكِي مَعِيَ قَالَتْ فَبَيْنَمَا نَحْنُ عَلَى ذَلِكَ
دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَسَلَّمَ ثُمَّ جَلَسَ
قَالَتْ وَلَمْ يَجْلِسْ عِنْدِي مِنْذُ قَبْلِ مَا قِيلَ قَبْلَهَا
وَقَدْ لَبِثَ شَهْرًا لَا يُوحَى إِلَيْهِ لِي شَأْنٍ قَالَتْ فَتَشْهَدُ

ہیں اور ان کے بیٹے حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ ہیں، پس قضائے حاجت سے فارغ ہو کر جب میں اور ام مسطح گھر کی طرف آنے لگیں تو ام مسطح اپنی چادر میں الجھ کر پھسل گئیں، تو (بے اختیار) انہوں نے کہا: مسطح ہلاک ہو جائے! میں نے ان سے کہا: آپ نے بری بات کہی، آپ ایک ایسے شخص کو برا کہہ رہی ہیں جس نے غزوہ بدر میں شرکت کی ہے۔ انہوں نے کہا: ہائے سیدھی سادی لڑکی تم نے وہ بات نہیں سنی جو مسطح نے کہی ہے؟ میں نے کہا: (بتاؤ) مسطح نے کیا کہا ہے؟ پھر انہوں نے مجھے تہمت والوں کی خبر سنائی، یوں میری بیماری اور بڑھ گئی، پس میں اپنے گھر لوٹی اور رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور (حسب معمول) سلام فرما کر پوچھا کہ تم کیسی ہو؟ تو میں نے کہا: کیا آپ مجھے میرے والدین کے پاس جانے کی اجازت دیتے ہیں؟ اور میں اس وقت یہ چاہتی تھی کہ ان دونوں سے اس خبر کی تحقیق کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اجازت دے دی، پس میں اپنے ماں باپ کے پاس آئی اور میں نے اپنی والدہ سے کہا: امی جان! لوگ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: پیاری بیٹی! اپنے آپ پر اطمینان رکھو، کیونکہ اللہ کی قسم! بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی خوب صورت عورت کسی ایسے شخص کے نکاح میں ہو جو اس سے محبت بھی رکھتا ہو اور اس کی سونکیں بھی ہوں اور پھر عورتیں اس کے بارے میں باتیں نہ بنائیں۔ (حضرت عائشہ فرماتی ہیں:) میں نے کہا: اللہ بہت پاک ہے اور لوگ (بھی) اس بات کا چرچا کرنے میں لگے ہوئے ہیں؟ فرماتی ہیں: پھر میں وہ پوری رات روتی رہی حتیٰ کہ صبح ہو گئی، (لیکن) میرے آنسو نہیں رک رہے تھے اور نہ ہی نیند کو میں نے اپنی آنکھوں کا سرمہ بنایا، حتیٰ کہ مجھے روتے روتے صبح ہو گئی، پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلایا اس وقت کہ جب آپ پر وحی نازل ہونے میں دیر ہو گئی، آپ ان دونوں سے اپنی زوجہ کو چھوڑ دینے کے معاملہ میں مشورہ لیتا چاہتے تھے فرماتی ہیں: جہاں تک حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا معاملہ ہے

رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حِينَ جَلَسَ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ يَا عَائِشَةُ فَإِنَّهُ قَدْ بَلَغَنِي عَنْكَ كَذًا وَكَذَا فَإِنْ كُنْتَ بَرِيئَةً فَسَيُبْرِئُكَ اللَّهُ وَإِنْ كُنْتَ أَلَمْتَ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِي اللَّهَ وَتَوْبِي إِلَيْهِ فَإِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اعْتَرَفَ بِذَنْبِهِ ثُمَّ تَابَ إِلَى اللَّهِ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ قَالَتْ فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَقَالَتهُ قَلَصَ دَمْعِي حَتَّى مَا أَحْسُ مِنْهُ قَطْرَةً فَقُلْتُ لِأَبِي أُجِبْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِيمَا قَالَ قَالَ وَاللَّهِ مَا أُدْرِى مَا أَقُولُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقُلْتُ لِأُمِّي أُجِيبِي رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَتْ مَا أُدْرِى مَا أَقُولُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَتْ فَقُلْتُ وَأَنَا جَارِيَةٌ حَدِيثَةُ السِّنِّ لَا أَقْرَأُ كَثِيرًا مِنَ الْقُرْآنِ إِنِّي وَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُ لَقَدْ سَمِعْتُمْ هَذَا الْحَدِيثَ حَتَّى اسْتَقَرَّ فِي أَنْفُسِكُمْ وَصَدَّقْتُمْ بِهِ فَلَمِنْ قُلْتُ لَكُمْ إِنِّي بَرِيئَةٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَنِّي بَرِيئَةٌ لَا تَصْدُقُونِ بِذَلِكَ وَلَمِنْ اعْتَرَفْتُ لَكُمْ بِأَمْرِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَنِّي مِنْهُ بَرِيئَةٌ لَتَصْدُقُنِي وَاللَّهُ مَا أَجِدُ لَكُمْ مَثَلًا إِلَّا قَوْلَ أَبِي يُوسُفَ قَالَ ﴿فَصَبِّرْ جَبِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ ۝﴾ (يوسف: ١٨) قَالَتْ ثُمَّ تَحَوَّلْتُ فَأَصْطَجَعْتُ عَلَى فَرَأِشِي قَالَتْ وَأَنَا حِينَئِذٍ أَعْلَمُ أَنِّي بَرِيئَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ مُبَرِّئِي بَرَائَتِي وَلَكِنَّ وَاللَّهِ مَا كُنْتُ أَظُنُّ أَنَّ اللَّهَ مُنْزِلُ فِي شَأْنِي وَخَيَايَشِي وَلَشَأْنِي فِي نَفْسِي كَانَ أَحَقُّ مِنْ أَنْ يَتَكَلَّمَ اللَّهُ فِيَّ بِأَمْرِ يُشَلِّ وَلَكِنْ كُنْتُ أَرْجُو أَنْ يَرَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي النَّوْمِ رُؤْيَا يُبَرِّئُنِي اللَّهُ بِهَا قَالَتْ فَوَاللَّهِ مَا رَأَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَلَا خَرَجَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ حَتَّى أُنْزَلَ عَلَيْهِ فَأَخَذَهُ مَا كَانَ يَأْخُذُهُ مِنَ الْبُرْحَاءِ حَتَّى إِنَّهُ لَيَتَحَدَّرُ مِنْهُ مِثْلُ الْجَمَانِ مِنَ الْعَرَقِ وَهُوَ فِي يَوْمٍ شَابَ مِنْ ثِقَلِ الْقَوْلِ الَّذِي يُنْزَلُ عَلَيْهِ قَالَتْ فَلَمَّا سَرَى عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ سَرَى عَنْهُ وَهُوَ

انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو وہی مشورہ دیا جس کا ان کو علم تھا اور وہ یہ کہ آپ کی اہلیہ پاک ہیں اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے دل میں اپنے گھر والوں سے جس محبت کا علم تھا اس کے مطابق انہوں نے مشورہ دیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! (یہ) آپ کی اہلیہ ہیں اور ہمیں (ان کے بارے میں) خیر کے سوا کسی بات کا علم نہیں ہے، اور جہاں تک حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر ننگی نہیں رکھی، ان کے سوا عورتیں اور بھی بہت ہیں اور اگر آپ (ان کی) باندی سے پوچھ لیں تو وہ آپ کو سچ بچ بتائے گی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: پس رسول اللہ ﷺ نے حضرت بریرہ کو بلایا اور فرمایا: بریرہ! کیا تم نے کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جس سے تمہیں شک ہوتا ہو؟ حضرت بریرہ نے کہا: نہیں! جس ذات نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اس کی قسم! میں نے ان میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس کی وجہ سے میں ان کی ذات پر عیب لگا سکوں، البتہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ آپ ایک کم عمر لڑکی ہیں اور اپنے گھر میں آنا گوندھتے ہوئے سو جاتی ہیں تو کوئی جانور آکر اس آلے کو کھا جاتا ہے، پس رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور اس دن آپ نے عبد اللہ بن ابی ابن سلول کے معاملہ میں (اپنے لیے) حمایت طلب کی۔ فرماتی ہیں: پس رسول اللہ ﷺ نے منبر پر (کھڑے ہو کر) فرمایا: اے گروہ مسلمین! ایک ایسا شخص جس کی میرے گھر والوں کے متعلق شراٹکیزی (کی خبر) مجھے پہنچی ہے اس کے مقابلہ پر کون میری حمایت کرے گا؟ پس اللہ کی قسم! مجھے اپنے گھر والی کے متعلق خیر کے سوا کسی چیز کا علم نہیں ہے اور لوگ جس مرد کا ذکر کر رہے ہیں ان کے بارے میں (بھی) مجھے خیر کے سوا کسی چیز کا علم نہیں ہے اور وہ (شخص) ہمیشہ میرے گھر میں میرے ساتھ آیا ہے، پس حضرت سعد بن معاذ الانصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں اس (تہمت کا آغاز کرنے والے) کے مقابلہ میں آپ کی حمایت کرتا ہوں، اگر وہ شخص اوس سے ہوا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور

يَضْحَكُ فَكَانَتْ أَوَّلُ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا يَا عَائِشَةُ أَمَّا
اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فَقَدْ بَرَّأكَ فَقَالَتْ أَمِي قَوْمِي إِلَيْهِ قَالَتْ
فَقُلْتُ لَا وَاللَّهِ لَا أَقُومُ إِلَيْهِ وَلَا أَحْمَدُ إِلَّا اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ
فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ
مِنْكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَيْئًا وَلَئِنْ كُنْتُمْ عَلِيمِينَ لَشَأْنُهُ
هَذَا فِي بَرَأَتِي قَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَ
كَانَ يُنْفِقُ عَلَى مُسْطَحِ بْنِ أَثَاثَةَ لِقَرَابَتِهِ مِنْهُ وَفَقِيرِهِ
وَاللَّهُ لَا أَنْفِقُ عَلَى مُسْطَحٍ شَيْئًا أَبَدًا بَعْدَ الَّذِي
قَالَ لِعَائِشَةَ مَا قَالَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ ﴿وَلَا يَأْتِلُ أُولُوا
الْفُضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَى وَالسَّكِينِ
وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِيَعْفُوا وَلِيَصْفَحُوا أَلَا
تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾
(النور: ۲۲) قَالَ أَبُو بَكْرٍ بَنَى وَاللَّهُ إِنِّي أَحِبُّ أَنْ يَغْفِرَ
اللَّهُ لِي فَزَجَعَنِي إِلَى مُسْطَحِ الثَّقَفَةِ الَّتِي كَانَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ
وَقَالَ وَاللَّهِ لَا أَنْزِعُهَا مِنْهُ أَبَدًا قَالَتْ عَائِشَةُ وَكَانَ
رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَسْأَلُ زَيْنَبَ ابْنَةَ جَحْشٍ عَنْ
أَمْرِي فَقَالَ يَا زَيْنَبُ مَاذَا عَلِمْتَ أَوْ رَأَيْتِ فَقَالَتْ يَا
رَسُولَ اللَّهِ أَحْبَبِي سَعْدِي وَبَصْرِي مَا عَلِمْتُ إِلَّا خَيْرًا
قَالَتْ وَهِيَ الَّتِي كَانَتْ تُسَامِينِي مِنْ أَزْوَاجِ رَسُولِ
اللَّهِ ﷺ فَعَصَّتْهَا اللَّهُ بِالنَّوْزِ وَطَفِقَتْ أُخْتُهَا
حَمْنَةُ تُحَارِبُ لَهَا فَهَلَكَتْ فِيمَنْ هَلَكَ مِنْ أَصْحَابِ
الْإِفْكِ۔

اگر وہ ہمارے خزر جی بھائیوں میں سے ہوا تو آپ ہمیں جو حکم دیں
گے ہم اس پر عمل کریں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر
حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو کہ خزر جی کے سردار ہیں وہ کھڑے
ہوئے، پہلے وہ اچھے آدمی تھے، مگر (آج اپنی قوم کی) غیرت ان
پر غالب آگئی، انہوں نے کھڑے ہو کر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
سے کہا: اللہ کی بھائی قسم! تم نے غلط بیانی کی ہے، تم اس شخص کو قتل
نہیں کرو گے اور نہ ہی اسے قتل کرنے کی تم میں طاقت ہے، پس
حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے جو کہ حضرت سعد بن
معاذ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے، انہوں نے حضرت سعد بن
عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا: تم نے غلط بیانی کی ہے، اللہ کی بھائی قسم! ہم
ضرور اس شخص کو قتل کریں گے، کیا تم (بھی) منافق ہو گئے ہو جو
منافقوں کی حمایت میں جھگڑ رہے ہو؟ پس (اس طرح) اوس اور
خزر جی دونوں قبیلے (جوش میں) اٹھ کھڑے ہوئے، حتیٰ کہ انہوں
نے باہم لڑائی کا ارادہ کر لیا اور (دوسری طرف) رسول اللہ ﷺ
منبر پر کھڑے ہوئے تھے، آپ (اپنے منبر سے) مسلسل انہیں
ٹھنڈا کرتے رہے، حتیٰ کہ لوگ خاموش ہو گئے اور آپ ﷺ
بھی خاموش ہو گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پس میرا یہ
پورا دن اس طرح گزرا کہ میرے آنسو نہیں ٹھہر رہے تھے اور نہ
(اس دوران) میں نے نیند کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنایا۔ فرماتی
ہیں: پس (اگلے روز) صبح کو بھی میرے والدین میرے پاس
موجود تھے اور مجھے روتے روتے دو راتیں اور ایک دن گزر چکا
تھا، جس میں میں نے نہ تو نیند کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنایا تھا اور نہ
میرے آنسو رکے تھے، (اس حالت کو دیکھ کر میرے والدین) یہ
گمان کر رہے تھے کہ اتنا روتے سے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا، پس
وہ دونوں میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور میں رو رہی تھی کہ اس
اثناء میں انصار کی ایک عورت نے میرے پاس آنے کی اجازت
مانگی، میں نے اسے اجازت دی تو وہ بیٹھ گئی اور (خود بھی) جیرے
ساتھ رونے لگی۔ ابھی ہم اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ
ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، پس آپ نے سلام کیا اور پھر

بیٹھ گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب سے تہمت کا سلسلہ شروع ہوا تھا اس وقت سے لے کر آج سے پہلے تک آپ ﷺ میرے پاس نہیں بیٹھے، ایک مہینے تک آپ نے میرے معاملہ میں انتظار کیا (لیکن) آپ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔ فرماتی ہیں: پھر رسول اللہ ﷺ نے بیٹھے بیٹھے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی، پھر فرمایا: حمد و ثناء کے بعد اسے عائشہ! بے شک مجھے تمہارے بارے میں اس اس طرح کی خبر پہنچی ہے، پس اگر تم پاک ہو تو عنقریب اللہ عزوجل تمہاری پاکیزگی بیان فرمادے گا اور اگر تم سے کسی لغزش کا ارتکاب ہو گیا ہے تو اللہ عزوجل سے تم بخشش طلب کرو اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرو، کیونکہ بندہ جب اپنی لغزش کا اعتراف کر کے اللہ عزوجل کی طرف رجوع کر لیتا ہے تو اللہ عزوجل اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: پس جیسے ہی رسول اللہ ﷺ نے اپنی بات مکمل فرمائی میرے آنسو ایک دم اس طرح خشک ہو گئے کہ میں اس کا ایک قطرہ بھی اب محسوس نہیں کر رہی تھی، پس میں نے اپنے والد (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے کہا: رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے آپ (میری طرف سے) اس کا جواب دیں۔ انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے نہیں سمجھ آ رہا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے کیا عرض کروں؟ پس میں نے اپنی والدہ سے کہا: آپ رسول اللہ ﷺ کو جواب دیں۔ انہوں نے (بھی یہی) کہا کہ: مجھے نہیں سمجھ آ رہا میں رسول اللہ ﷺ سے کیا عرض کروں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پس میں نے (خود ہی) عرض کیا اور اس وقت میں ایک کم سن لڑکی تھی اور میں نے قرآن مجید بہت زیادہ نہیں پڑھا تھا، (میں نے عرض کیا کہ:) اللہ کی قسم! بلاشبہ یہ بات مجھے معلوم ہے کہ آپ لوگوں نے (میرے متعلق) یہ بات اس قدر سنی ہے کہ یہ آپ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی ہے اور آپ لوگوں نے اس کی تصدیق بھی کی ہے، پس اگر میں آپ لوگوں سے یہ کہوں کہ میں (اس تہمت سے) پاک ہوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں پاک ہوں، تو آپ لوگ ضرور میری تصدیق نہیں کریں گے اور اگر میں (اس)

تہمت کا اعتراف کر لوں حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ میں پاک ہوں، تو آپ لوگ ضرور میری تصدیق کریں گے۔ اللہ کی قسم! آپ لوگوں کے لیے میں کوئی مثال نہیں پاتی سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کے والد (حضرت یعقوب علیہ السلام) کے اس جملہ کے، انہوں نے فرمایا تھا: پس صبر کرنا ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم لوگ بیان کر رہے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد کی درخواست ہے O (یوسف ۱۸) فرماتی ہیں: پھر میں دوسری جانب منہ کر کے اپنے بستر پر لیٹ گئی اور اس وقت میں بہت مطمئن تھی کہ میں پاک ہوں اور مجھے یقین تھا کہ اللہ عزوجل میری براءت (پاکیزگی) ضرور بیان فرمائے گا، لیکن اللہ کی قسم! مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ اللہ عزوجل میرے معاملہ میں ایسی وحی نازل فرمائے گا جس کی (ہمیشہ) تلاوت کی جائے گی، اور میرے خیال میں میرا معاملہ اس سے کہیں کم تر تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق ایسی بات فرمائے گا جو (ہمیشہ) تلاوت کی جائے گی، البتہ مجھے یہ امید تھی کہ رسول اللہ ﷺ نیند میں کوئی ایسا خواب (ضرور) دیکھیں گے کہ جس سے اللہ تعالیٰ میری پاکیزگی ظاہر فرمائے گا، فرماتی ہیں: پس اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ (کہیں جانے کے لیے ابھی یہاں سے) اٹھے بھی نہیں تھے اور گھر والوں میں سے بھی کوئی باہر نہیں گیا تھا اور آپ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا، پس آپ پر وہی شدت طاری ہو گئی جو (نزول وحی کے وقت) آپ پر طاری ہوتی تھی، حتیٰ کہ جو کلام آپ پر نازل ہو رہا تھا اس کی ثنالت کی وجہ سے موتیوں کی طرح آپ سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگے، حالانکہ یہ سردی کا دن تھا۔ فرماتی ہیں: پس رسول اللہ ﷺ سے جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ مسکرا رہے تھے، پس (نزول وحی کے بعد) سب سے پہلی جو بات آپ نے فرمائی وہ یہ تھی کہ: اے عائشہ! اللہ عزوجل نے تمہاری پاکیزگی بیان فرمادی ہے، پس میری والدہ نے کہا: نبی ﷺ کی طرف کھڑی ہو جاؤ، پس میں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! میں آپ کی طرف کھڑی نہیں ہوں گی اور میں (ابھی) صرف اللہ عزوجل کی تعریف کروں گی۔ اللہ عزوجل نے إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ

عُصْبَةُ قُنُكُم (سے) وَأَنَّ اللَّهَ سَأْؤُفَّ تَرْجِيْمًا (تک) دس آیتیں مکمل نازل فرمائیں۔ جب یہ آیتیں میری پاکیزگی کے بیان میں اللہ عزوجل نے نازل فرمادیں تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ پر ان سے قرابت داری اور ان کی غربت کی وجہ سے (اپنا مال) خرچ کیا کرتے تھے ان کے متعلق انہوں نے فرمادیا کہ: اللہ کی قسم! میں آئندہ مسطح پر کوئی چیز خرچ نہیں کروں گا بعد اس کے کہ انہوں نے (میری بیٹی) عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی ہے۔ (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اس کہنے پر) پس اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: اور تم میں سے اصحاب فضل اور ارباب وسعت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہیں دیں گے، ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت فرمادے اور اللہ بہت بخشنے والا ہے حد رحم فرمانے والا ہے O (النور: ۲۲) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے (یہ آیت سن کر) کہا: کیوں نہیں! اللہ کی قسم! میں یہی پسند کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل میری مغفرت فرمادے، پس آپ نے مسطح رضی اللہ عنہ کو پھر سے خرچہ دینا شروع کر دیا جو پہلے آپ دیا کرتے تھے اور فرمایا: اللہ کی قسم! میں اس خرچہ کو ان سے کبھی نہیں روکوں گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے (بھی) میرے معاملہ میں دریافت کیا تھا اور فرمایا تھا: اے زینب! تمہیں (اس بارے میں) کیا کچھ معلوم ہے اور تمہاری کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کی بہت حفاظت کرتی ہوں، (عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق) مجھے خیر کے سوا کسی چیز کا علم نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا وہ خاتون ہیں جو مجھ سے بلند رہنا چاہتی تھیں، پس اللہ عزوجل نے ان کی خدا خونی کی وجہ سے ان کو (تہمت لگانے سے) محفوظ رکھا، (البتہ) ان کی بہن حضرت حمزہ بنت جحش رضی اللہ عنہا ان (کی بلندی) کے لیے لڑیں، پس وہ تہمت

لگانے والوں میں شامل ہو کر ہلاک ہو گئی۔

حدیث افک کے مباحث پر سب سے زیادہ محدث اعظم علامہ غلام رسول سعیدی کا بحث اور تحقیق فرمانا

یہ حدیث اسی تفصیل کے ساتھ اس سے قبل دو مرتبہ گزر چکی ہے، ایک مرتبہ کتاب الشہادات میں رقم الحدیث ۲۶۶۱ کے تحت اور دوسری مرتبہ کتاب المغازی میں ۴۱۴۱ کے تحت، اور استاذ مکرم محدث اعظم علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی دونوں مرتبہ اس کی بہت مفصل شرح کر چکے ہیں۔ البتہ پہلی حدیث (۲۶۶۱) کی شرح میں خود آپ کے یہ قول آپ نے علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ کی عمدۃ القاری کو پیش نظر رکھا ہے، جب کہ دوسری حدیث (۴۱۴۱) کی شرح میں آپ نے علامہ ابو حفص عمر بن علی المعروف بابن الملقن الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ کی التوضیح سے استفادہ فرمایا ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے یہاں علامہ کی دونوں ابحاث کے عنوان ذکر کیے جا رہے ہیں:

نعمۃ الباری، کتاب الشہادات میں حدیث افک: ۲۶۶۱ کی شرح کے عنوانات

(۱) حدیث مذکور کے رجال (۲) حدیث مذکور میں درج مشکل الفاظ کے معانی (۳) افک کا معنی، اہل افک کے اقسام اور حضرت صفوان بن المعطل رضی اللہ عنہ کا تذکرہ (۴) حضرت علی نے حضرت عائشہ کے علاوہ دیگر عورتوں کا جو مشورہ دیا تھا، اس کی توجیہ علامہ عینی کی طرف سے اور دیگر توجیہات مصنف کی طرف سے (۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عالی ظرفی اور اخلاق کی بلندی (۶) حدیث افک سے مستنبط بائیس فقہی مسائل (۷) حدیث افک سے مستنبط مزید تیس فقہی مسائل (۸) حضرت عائشہ کی براءت میں ایک ماہ کی تاخیر میں مصنف کی بیان کردہ حکمتیں۔ (نعمۃ الباری ج ۵ ص ۳۸۶-۳۸۸)

نعمۃ الباری، کتاب المغازی میں حدیث افک: ۴۱۴۱ کی شرح کے عنوانات

(۱) غزوہ بنو المصطلق کے وقوع کی تاریخ میں اختلاف اور اس میں مصنف کی تحقیق (۲) قرعہ اندازی کی تحقیق، قرعہ اندازی کا ثبوت اور قرعہ اندازی کا طریقہ (۳) سفر میں کسی بیوی کو ساتھ لے جانے کے لیے بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی میں مذاہب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بیویوں میں عدل کرنے کا عدم وجوب (۴) حضرت صفوان بن المعطل رضی اللہ عنہ کا تذکرہ (۵) حضرت عائشہ پر تہمت لگانے والوں کی تعداد اور بعض مشکل الفاظ کے معانی (۶) حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے درمیان مباحثہ کی توجیہ (۷) اس حدیث میں حضرت سعد بن معاذ کے ذکر کو اکثر محدثین نے امام بخاری کا وہم کہا اور اس پر مصنف کی گرفت (۸) حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ کے باہمی کلام کی وضاحت (۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو اعتراف گناہ کی جو تلقین کی اس کے متعلق علامہ داؤدی کی تقریر، پھر مصنف کی تقریر (۱۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عجز و انکسار (۱۱) حضرت عائشہ کے عتاب کی توجیہ علامہ ابن ملقن کی طرف سے، پھر مصنف کی طرف سے (۱۲) حدیث مذکور کے مختصر فوائد (۱۳) علامہ ابن الملقن کی نکتہ شناسی پر مصنف کا تعاقب اور تہمت لگانے والوں پر حد جاری کرنے کے ثبوت میں احادیث (۱۴) مقبولین کے درمیان حضرت عائشہ کی خصوصی فضیلت اور انفرادیت۔ (نعمۃ الباری ج ۷)

شرح صحیح مسلم میں حدیث افک کی شرح کے عنوانات

علاوہ ازیں یہ حدیث چونکہ صحیح مسلم، کتاب التوبہ (رقم: ۲۷۷۰) میں بھی موجود ہے اس لیے محدث اعظم علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی نے شرح صحیح مسلم میں بھی اس پر بہت سیر حاصل بحث فرمائی ہے اور مختلف عنوانات قائم کر کے بہت دلائل کے ساتھ گفتگو

کی ہے۔ آپ کی اس شرح کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

(۱) سفر میں بیوی کو ساتھ لے جانے کے لیے قرعہ اندازی میں مذاہب (۲) نزول وحی سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ کی براءت کے متعلق علم اور شبہات کے جوابات (۳) کسی نبی کی زوجہ نے کبھی بدکاری نہیں کی (۴) حضرت عائشہ کی براءت پر علماء اہل سنت کے دلائل (۵) حضرت عائشہ کی براءت پر علماء شیعہ کے دلائل (۶) حضرت عائشہ کی براءت کے متعلق نازل ہونے والی قرآن مجید کی آیات (۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل (۸) حدیث افک سے استنباط شدہ مسائل (۹) حضرت عائشہ کا یہ کہنا کہ ”میں حضور کے لیے قیام نہیں کروں گی، میں صرف اللہ کی حمد کروں گی“۔ (شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۵۷۰-۵۵۸)

تفسیر تبیان القرآن میں سورۃ النور کی آیات افک کے تحت حدیث افک کا تذکرہ اور اس کی شرح میں بعض

معاصرین کے اعتراضات کے جوابات

بات یہیں پر مکمل نہیں ہوتی، بلکہ علامہ نے اپنی تفسیر تبیان القرآن میں بھی اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس کے تحت ایک نئے عنوان کے طور پر بعض معاصرین کے حدیث افک پر آٹھ اعتراضات ذکر کر کے ان کے مدلل جوابات دیئے ہیں، اور چونکہ حدیث افک کا دارودار حضرت ابن شہاب زہری پر ہے اس لیے علامہ نے ان کی ثقاہت اور روایت حدیث میں ان کے مقام و مرتبہ پر بہت دلائل کے ساتھ گفتگو کی ہے اور منکرین حدیث کی طرف سے ابن شہاب زہری کے خلاف جو ہرزہ سرائی کی جاتی ہے اس کا بھرپور جواب دیا ہے۔ (تبیان القرآن ج ۸ ص ۱۰۲-۹۷)

قارئین سے التماس ہے کہ وہ حدیث افک کا فقط ترجمہ پڑھنے پر اکتفاء نہ کریں، بلکہ اس کی شرح کے ان تمام عنوانات کا تفصیل سے مطالعہ کریں جو محدث اعظم علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی کے حوالہ سے ہم نے اوپر ذکر کیے ہیں اور ان عنوانات کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد بھی یہی ہے، نیز ان عنوانات کے تحت جب اصل ابحاث کا مطالعہ کیا جائے گا تو قارئین پر یہ بھی منکشف ہو جائے گا کہ حدیث افک کے مختلف مباحث اور اس پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات پر سب سے زیادہ تحقیق محدث اعظم علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی نے فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر انہیں بہترین اجر عطا فرمائے اور صحت کے حوالہ سے اس وقت جس تکلیف اور پریشانی سے وہ گزر رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس دفاع کے صدقہ میں اس تکلیف اور بیماری سے نجات عطا فرمائے اور ان کا سایہ رحمت ہم پر دراز فرمائے۔

حدیث افک پر شارح بخاری علامہ ابن ابی جرہ کی شرح اور اس سے کچھ علمی نکات

علامہ عبد اللہ بن ابی جرہ اندلسی متوفی ۲۹۹ھ بہت عظیم محدث اور صحیح بخاری کے بہت مایہ نازار مستند شارح ہیں۔ نعمۃ الباری کی مختلف جلدوں میں اس کا ذکر کرنے والے آپ کی تحقیق کو اپنی شرح کی زینت بنایا ہے اور بعض مقامات پر دلائل کے ساتھ ان سے اختلاف بھی فرمایا ہے، تاہم مجموعی حیثیت سے ان کی شرح اور تحقیق بہت وسیع اور بہت مدلل ہوتی ہے۔ حدیث افک کے مباحث پر بھی انہوں نے بہت مفصل اور جامع تحقیق فرمائی ہے اور ساتھ ہی اس حدیث پر وارد ہونے والے بعض دلچسپ سوالات بھی انہوں نے ذکر فرمائے ہیں اور پھر علمی اور تحقیقی انداز میں ان سوالات کے جوابات دیئے ہیں۔ ذیل میں ہم ان کی اس شرح سے کچھ علمی نکات اور کچھ سوالات کے جوابات ذکر کر رہے ہیں، تاکہ حدیث افک کے بعض مباحث مزید واضح ہو جائیں:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہودج میں سوار ہونا اور اس کے ضمن میں مختلف شرعی مسائل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مجھے ہودج سمیت سوار کیا جاتا تھا اور اسی کے ساتھ اتارا جاتا تھا۔ اس سے چند امور معلوم ہوئے:

(۱) ایک یہ کہ جو چیز دنیا سے اور دنیا کی زیب و زینت سے تعلق رکھتی ہو اس سے اگر دین پر معاونت حاصل ہو رہی ہو تو وہ چیز دنیا نہیں رہتی، بلکہ آخرت سے ہو جاتی ہے۔ ”ہودج“ اہل عرب کے ہاں باہمی فخر کی چیز تھی، مگر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں دینی مصلحت دیکھی تو پردے کی غرض سے اس کو استعمال کروایا۔

(۲) دوسرا یہ کہ جانور پر بھاری چیز لا دنا جائز ہے، جب کہ جانور اس کی طاقت رکھتا ہو۔ ہودج بھی بھاری ہوتا ہے اور اس کو جانور پر لا دایا گیا، مگر چونکہ اس میں طاقت تھی اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا۔

(۳) جو پردہ عورت کے بدن سے جدا ہو اس کو اجنبی آدمی چھو سکتا ہے، کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود فرمایا کہ کچھ آدمی مقرر تھے جو ان کا ہودج اٹھاتے بھی تھے اور اتارتے بھی تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قضائے حاجت فرمانے کے بعد اپنے گلے کے ہار کی طرف متوجہ ہونا اور کچھ شرعی مسائل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: پھر جب اپنی حاجت پوری کر کے میں اپنی منزل کی طرف آنے لگی تو اچانک میری توجہ ہوئی کہ ظفار (يمن کی بستی) کے نگینوں کا بنا ہوا ہار ٹوٹ کر کہیں گر گیا ہے۔ اس جملہ سے چند امور معلوم ہوئے:

(۱) ایک یہ کہ خبیث چیزوں کا نام اپنی زبان پر لانے سے (حتی الامکان) بچنا چاہیے، کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے قضائے حاجت کے لیے ”قضیت شانی“ فرمایا، جس کا معنی ہے: جب میں اپنے کام سے فارغ ہوئی۔

(۲) اپنا مال ڈھونڈنا چاہیے، کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا ہار تلاش کیا۔

(۳) عورتوں کا اپنا زیور پہن کر سفر کرنا جائز ہے، لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ اس زیور سے آواز پیدا نہ ہو، کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے گلے میں ہار پہنا تھا اور ہار سے آواز پیدا نہیں ہوتی، اور اگر ایسا زیور جس سے آواز پیدا ہوتی ہو تو اس کو (اجنبی مردوں کے لیے) پہننا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کی آواز فتنہ کا سبب بنے گی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کی بیماری کے دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل اور کچھ شرعی مسائل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مجھے اس (تہمت) کا کچھ بھی علم نہیں تھا، البتہ اس بیماری کے دوران مجھے اس بات سے کچھ شبہ ہوتا تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ لطف و کرم نہیں پاتی تھی جو اس سے پہلے بیماری کے دنوں میں پاتی تھی۔ اب صرف اتنا ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لاتے اور سلام کر کے فرماتے کہ تم کیسی ہو؟ پھر واپس تشریف لے جاتے۔ اس سے چند امور معلوم ہوئے:

(۱) مریض کے ساتھ لطف اور محبت سے پیش آنا سنت ہے، کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں آپ کا وہ لطف و کرم نہیں پاتی تھی جو اس سے پہلے بیماری کے دنوں میں پاتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ (اصلاً) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیماروں پر بہت لطف فرمایا کرتے تھے۔

(۲) جس شخص کے بارے میں کوئی ایسی بات مشہور کر دی جائے جو اس کے حق میں قذف (یعنی بدکاری کی تہمت) قرار پائے تو اس سے کنار کشی کرنی چاہیے، البتہ اس سے بالکل قطع تعلق کر لینا جائز نہیں ہے، جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اپنی عادت اور معمول کو (کچھ دنوں کے لیے) تبدیل فرما دیا، لیکن اس کے باوجود آپ ان کے پاس تشریف لاتے، سلام کرتے اور

مزاج پری فرماتے۔

(۳) گھروالوں میں جب کوئی بیمار ہو تو اس کا حال پوچھتے رہنا چاہیے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ حال دریافت فرماتے تھے، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ بعض اوقات مریض کی تکلیف بڑھ جاتی ہے، تو گھر کے سرپرست کو جب مریض کے حال کا صحیح علم ہوگا تو وہ اس کے علاج کی ذمہ داری پوری کر سکے گا۔

(۴) گھروالوں کو سلام کرنا چاہیے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ بھی اپنے گھروالوں کو سلام کرتے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ اس سے گھر میں برکت پیدا ہوتی ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۶۹۸)

(۵) اس حدیث سے ”سد ذریعہ“ کا اصول بھی مستفاد ہوتا ہے۔ (یعنی لوگوں کی زبان بند کرنا، انہیں بات بنانے کا موقع نہ دینا) کیونکہ نبی اکرم ﷺ اپنے گھروالوں کی ہر بھلائی اور خوبی سے واقف تھے اور آپ کو معلوم تھا کہ یہ لوگ ایسے نہیں ہیں جیسی باتیں کی جارہی ہیں۔ اس کے باوجود آپ نے لطف و کرم میں کمی فرمادی اور کچھ لا تعلقی کا اظہار فرمایا، محض اس لیے تاکہ سد ذریعہ ہو سکے، کیونکہ ”غیرت“ (اپنے محبوب کے متعلق کسی بھی قسم کی غلط بات یا اس کے ساتھ کسی غیر کی شرکت کو برداشت نہ کرنا) دین کا حصہ ہے اور نبی ﷺ ہذا اس کا اظہار نہ فرماتے تو اس سے ترک غیرت لازم آتا۔ اس لیے نبی ﷺ نے وہ طرز عمل اختیار فرمایا جس کا بیان ابھی گزرا۔

رسول اللہ ﷺ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں حضرت علی اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مشورہ

فرمانا اور اس سے علامہ ابن ابی جمرہ کا رسول ﷺ کے عدم علم پر استدلال

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب آپ پر وحی نازل ہونے میں دیر ہو گئی تو آپ نے حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلا یا، آپ ان دونوں سے اپنی زوجہ کو چھوڑ دینے کے معاملہ میں مشورہ لینا چاہتے تھے۔

علامہ ابن ابی جمرہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ کا تہمت کے اس واقعہ میں حقیقت سے واقف نہ ہونا آپ کے معجزہ کی دلیل ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ جو کچھ لاتے ہیں وہ رب عزوجل کی طرف سے لاتے ہیں، کیونکہ آپ نے قیامت تک ہونے والے واقعات کی خبریں دی ہیں، جب کہ تہمت کے بارے میں آپ کو (حقیقت کا) علم نہیں تھا، اسی لیے آپ نے مشاورت فرمائی اور آپ پر بشریت کے اوصاف ظاہر ہوئے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ہر غیب کی خبر اللہ عزوجل کی طرف سے دیتے ہیں۔ اگر آپ کا خبر دینا کسی اور ذریعہ سے ہوتا جیسا کہ کفار سمجھتے ہیں تو آپ اس تہمت کے بارے میں بھی اسی ذریعہ سے جان لیتے۔

مصنف کی طرف سے علامہ ابن ابی جمرہ کے اس استدلال کا جواب

علامہ ابن ابی جمرہ کے اس استدلال پر حیرت ہے کہ جس چیز کا پہلے وہ اقرار اور اثبات کر چکے ہیں، اسی کا یہاں وہ رد کر رہے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب رسول اللہ ﷺ کے لطف و کرم میں کمی محسوس کرنے کی بات فرمائی تو علامہ ابن ابی جمرہ نے یہ توجیہ کی کہ یہ محض ”سد ذریعہ“ کے لیے تھا، ورنہ نبی ﷺ کو اپنے گھروالوں کی ہر بھلائی اور خوبی کا علم تھا اور آپ کو معلوم تھا کہ یہ لوگ ایسے نہیں ہیں جیسی باتیں کی جارہی ہیں۔ یعنی علامہ ابن ابی جمرہ واضح طور پر تسلیم کر رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حقیقت حال سے باخبر تھے۔ اس کے بعد پھر اپنی ہی بات کے خلاف فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جو مشاورت فرمائی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو حقیقت کا علم نہیں تھا، اور پھر اس نفی کے ساتھ ساتھ یہاں یہ اعتراف بھی فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے قیامت تک ہونے والے واقعات کی خبر دی، بلکہ صحیح احادیث کے مطابق صحابہ نے تو یہاں تک بیان کیا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں وہ

واقعات بھی بتائے جو ہو چکے اور وہ واقعات بھی بتائے جو آئندہ ہوں گے۔ (صحیح مسلم: ۲۸۹۲) اور ظاہر ہے کہ اس کے عموم میں واقعہ انک بھی داخل ہے۔

علامہ ازیں خود واقعہ انک کی حدیث میں یہ صراحت موجود ہے کہ (قرآنی آیات نازل ہونے سے پہلے ہی) رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر صحابہ سے فرمایا:

فواللہ ما علمت علی اہل الاخیرا وقد ذکرنا
رجلا ما علمت علیہ الاخیرا۔
(صحیح بخاری: ۳۷۵۰، صحیح مسلم: ۲۷۷۰) صرف پاکیزگی کا علم ہے۔

لہذا علامہ ابن ابی جرہ کا یہ کہنا قطعاً صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو تہمت کے اس واقعہ میں (حقیقت کا) کوئی علم نہیں تھا۔ البتہ علامہ ابن ابی جرہ اس کی بنیاد پر جو بات ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو دین اور جو بھی خبر لے کر آئے وہ اللہ عزوجل ہی کی جانب سے لائے ہیں۔ اللہ عزوجل کے علاوہ آپ کی خبر کا کوئی اور ذریعہ ہوتا تو آپ واقعہ انک کی خبر بھی لے آتے اور لوگوں کے سامنے پیش کر دیتے، اور کسی سے آپ کو مشاورت کی ضرورت بھی پیش نہ آتی۔

مگر علامہ ابن ابی جرہ نے یہ نکتہ آفرینی اس طرح بھی فرما سکتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ اگرچہ اس واقعہ کی حقیقت سے من جانب اللہ پوری طرح باخبر تھے (جیسا کہ صحیح احادیث سے اوپر ثابت کیا گیا) مگر اس کے باوجود آپ نے مشاورت فرمائی اور از خود کوئی فیصلہ نہیں فرمایا، بلکہ وحی جلی (قرآنی آیات) کے نزول کا انتظار فرمایا، تاکہ کفار پر یہ حقیقت آشکار ہو جائے کہ یہ نبی اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، اور یہ جو کچھ فرماتے اور حکم دیتے ہیں وہ اللہ عزوجل کی جانب سے ہوتا ہے، اور دوسری جانب نا پختہ ایمان والوں کے دلوں میں شیطان یہ وسوسہ بھی نہ ڈال سکے کہ نبی ﷺ نے جلدی کا مظاہرہ فرمایا اور اپنے گھر کا معاملہ تھا اس لیے آپ نے زیادہ تحقیق نہیں فرمائی۔ اس طرح کے تمام شکوک و شبہات اور وسوسوں کا ازالہ فرمانے کے لیے اتمام حجت کے طور پر آپ نے اپنے اصحاب سے مشاورت فرمائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنی والدہ پر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو مقدم کرنا اور یہ فرمانا کہ میں صرف اللہ

عزوجل کی حمد کروں گی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! اللہ عزوجل نے تمہاری پاکیزگی بیان فرمادی ہے، پس میری والدہ نے کہا کہ نبی ﷺ کی طرف کھڑی ہو جاؤ، پس میں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! میں آپ کی طرف کھڑی نہیں ہوں گی اور میں صرف اللہ عزوجل کی حمد کروں گی۔

صحیح بخاری: ۲۶۶۱ میں نبی ﷺ کے یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ! تم اللہ عزوجل کی حمد کرو، کیونکہ اس نے تمہاری پاکیزگی بیان فرمادی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ایک حکم نبی اکرم ﷺ کا تھا کہ اللہ عزوجل کی حمد کرو اور ایک حکم والدہ کا تھا کہ نبی ﷺ کے لیے قیام کرو۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے والدہ کے حکم پر عمل نہیں کیا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کی اور یہ ظاہر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت والدین کی اطاعت پر مقدم ہے، لہذا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ "میں رسول اللہ ﷺ کے لیے قیام نہیں کروں گی" یہ اس بناء پر ہے کہ میں پہلے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل کروں گی اور وہ حکم یہ تھا کہ تم اللہ عزوجل کی

حمد کرو، نہ یہ بات کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے خدا نخواستہ ناراض تھیں۔ اگر ایسی کوئی وجہ ہوتی تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس موقع پر خاموش نہ رہتے، بلکہ وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر سختی فرماتے اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے لیے قیام کرنے پر مجبور کرتے، لیکن انہوں نے ایسا کچھ نہیں کیا، حالانکہ آپ ہی نے اس سے بہت چھوٹی بات پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر سختی اور ناراضگی فرمائی جب ایک سفر میں ان کا ہار گم ہو جانے سے پورا قافلہ رک گیا اور آیت تیمم نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری: ۳۳۳، صحیح مسلم: ۳۶۷، سنن ابوداؤد: ۳۲۰) اس سے معلوم ہوا کہ یہاں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنی والدہ کے کہنے کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے لیے قیام نہ فرمانا خالصہ آپ رضی اللہ عنہا کی محبت اور آپ کے حکم کو مقدم کرنے کی وجہ سے تھا۔

حدیث افک پر علامہ ابن ابی جرہ کے وارد کردہ کچھ سوالات اور ان ہی کے دیئے ہوئے جوابات

(۱) ایک سوال یہ ہے کہ جب قرآن مجید نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی کو بیان فرمادیا تو پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوری حدیث افک بیان کر کے اپنی پاکیزگی کیوں بیان فرمائی اور انہیں اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پورا واقعہ اس لیے بیان فرمایا تا کہ کسی قسم کی بدگمانی باقی نہ رہے، کیونکہ قرآن مجید کی آیات سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے کسی قسم کی بدکاری نہیں کی، تاہم کسی بد باطن کے ذہن میں یہ گمان آ سکتا ہے کہ بدکاری کے علاوہ کچھ نہ کچھ ایسی بات ضرور ہوئی ہے جس کی وجہ سے لوگوں نے تہمت لگانے کا ارتکاب کیا۔ اگر سرے سے کچھ بھی نہ ہوا ہوتا تو اتنی بڑی بات نہ بتائی جاتی، سو اس بدگمانی سے لوگوں کو بچانے کے لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تہمت کا پورا واقعہ بیان فرمایا اور ایک ایک بات تفصیل سے ذکر فرمائی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو جانور ذبح کرنے اور حلق کروا کر احرام کھول دینے کا حکم فرمایا اور صحابہ نے (شدت غم) سے اس حکم پر عمل نہیں کیا تو نبی اکرم رضی اللہ عنہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا، تو انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! کیا آپ چاہتے ہیں کہ لوگ قربانی وغیرہ کر لیں، تو آپ باہر تشریف لائیں اور کسی سے کچھ کہے بغیر اپنا اونٹ نحر فرمادیں اور سر مونڈنے والے کو بلا کر سر منڈا دیں۔ نبی ﷺ نے جب اس طرح کیا تو سب نے آپ کی پیروی کی۔ (صحیح بخاری: ۲۷۳۱) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کو جو مشورہ دیا، اس میں مسلمانوں کے ساتھ رحمت اور لطف کا اظہار تھا، کیونکہ انہوں نے یہ مشورہ دے کر نبی اکرم رضی اللہ عنہ کے قلب سے اس رنج کو دور کیا جو بعد میں لوگوں کے لیے ہلاکت کا باعث ہو سکتا تھا، سو جس طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا کلام اور مشورہ لوگوں کے لیے باعث رحمت ثابت ہوا، اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنی زبان سے واقعہ افک کو تفصیلاً بیان فرمانا بھی لوگوں پر شفقت اور رحمت کی بناء پر ہے، تا کہ لوگ بدکاری کے علاوہ اور کسی قسم کی بدگمانی بھی نہ کریں اور اللہ عزوجل کی ناراضگی سے محفوظ رہیں۔

(۲) ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر عبد اللہ بن ابی کے خلاف حمایت طلب کی تو قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ نے آپ کی حمایت کا اعلان کرتے ہوئے یہ کیوں کہا کہ: اگر وہ شخص اوس سے ہوا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر وہ ہمارے خزر جی بھائیوں میں سے ہوا تو آپ ہمیں جو حکم دیں گے ہم اس پر عمل کریں گے؟ انہوں نے دونوں صورتوں میں قتل کی بات کیوں نہیں کی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ اہل عرب کے عرف و عادت کے مطابق تھا، کیونکہ ان میں یہ طریقہ تھا کہ قبیلہ کا سردار اپنی قوم پر از خود فیصلہ کر دیا کرتا تھا اور اس کی ہر بات میں پیروی کی جاتی تھی۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی قبیلہ اوس کے سردار تھے اور ان کا حکم اپنی قوم پر مکمل نافذ تھا، اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ابھی تہمت لگانے والے میں کوئی

نص یعنی واضح حکم وارد نہیں ہوا تھا اس لیے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے یہ کہا کہ ”میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔“ اور قبیلہ خزرج والوں کے لیے انہوں نے قتل کی بات نہیں کی، بلکہ صرف یہ کہا کہ ہم آپ کے حکم کی فرمانبرداری کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ”خزرج“ ان کا قبیلہ نہیں تھا اور خزرج والے ان کے حکم کے ماتحت نہیں تھے، اس لیے انہوں نے خزرج والوں کا معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر موقوف رکھا، تاکہ کسی ذاتی اقدام کے کرنے سے باہم جھگڑا لازم نہ آئے۔

(۳) ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث میں فرمایا: ”پس وہ دونوں (میرے والدین) میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور میں رو رہی تھی کہ اس اثناء میں انصار کی ایک عورت نے میرے پاس آنے کی اجازت طلب کی، میں نے اس کو اجازت دی تو وہ آ کر بیٹھ گئی اور (وہ بھی) میرے ساتھ رونے لگی۔“ اس جملہ کے مطابق انصار کی یہ عورت آپ کے ساتھ رونے میں شامل ہو گئی، جب کہ آپ کے والدین نہیں رو رہے تھے، اس کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ والدین کو اپنی بیٹی کا غم زیادہ ہوتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ درجات ہیں، ان میں سے سب سے اونچا درجہ تسلیم و رضا ہے، جس کو طہانیت یا اطمینان بھی کہا جاتا ہے اور تمام اہل ایمان باعتبار درجات برابر نہیں ہیں، بلکہ بعض لوگ مقام خوف میں ہوتے ہیں، بعض تسلیم و رضا میں ہوتے ہیں اور بعض کسی اور درجہ میں، اور جو تسلیم و رضا کے درجہ میں ہوتے ہیں وہ تقدیر کے فیصلہ پر نہ تو اعتراض کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے معاملات میں کسی تاویل اور حیلہ کا سہارا لیتے ہیں، کیونکہ وہ اللہ عزوجل کے ہر فیصلہ کو دلی طور پر قبول کر چکے ہوتے ہیں، اس لیے کوئی فائدہ ہو یا نقصان، وہ ہر حال میں خوش رہتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں جن کو تسلیم و رضا میں (انبیاء کرام کے بعد) سب سے اونچا مقام حاصل ہے اور کیوں نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں اور غار میں آپ کے ساتھ رہنے والے ہیں اور حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا بھی اس مقام و مرتبہ میں آپ سے قریب ہیں، سو اس لیے یہ دونوں اس واقعہ پر نہیں روئے اور تسلیم و رضا کا پیکر بنے رہے۔ جہاں تک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ تھا تو (اگرچہ وہ بھی تسلیم و رضا کی پیکر تھیں، مگر) وہ حیا کے غلبہ کی وجہ سے زیادہ رو رہی تھیں، کیونکہ انہیں والدین سے بھی حیا آ رہی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی حیا آ رہی تھی اور اس پر مستزاد یہ کہ ابھی ان کی عمر مبارک بھی کم تھی، سو اس لیے ان کا غم بہت بڑھ گیا اور خند بالکل غائب ہو گئی اور آنسو مسلسل جاری ہو گئے۔

(۴) ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خرچ کے معاملہ میں اللہ عزوجل نے (النور: ۲۲ میں) مغفرت کا وعدہ کیوں فرمایا؟ جب کہ قرآن و سنت میں علی العموم خرچ کرنے کے جو فضائل آئے ہیں ان میں فقط اجر و ثواب کو بڑھانے کا ذکر کیا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خرچ کرنے پر مغفرت کا وعدہ اس لیے فرمایا گیا کہ اس میں خرچ کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی اور ان کے بدری ہونے کا لحاظ کرنا بھی شامل ہے، اور اس کے علاوہ یہ وجہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دلی صدمہ پہنچنے کے باوجود تواضع اور انکساری فرمائی، پس پاک ہے وہ لطیف و حکیم پروردگار جس نے ہر شخص کو اس کے حال کے موافق بلندی عطا فرمائی اور اپنے حسن تدبیر سے ہر شخص کو اس کے درجہ اور مرتبہ میں رکھا۔ (بجہ النفوس للحدث ابن ابی جرہ ج ۳ ص ۷۳-۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ)

۷۔ بَابُ: وَلَا فَضْلَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ
فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لِمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ
عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (النور: ۱۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں
اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم نے جس
(تہمت) کا چرچا کیا تھا اس کی وجہ سے تمہیں بہت

بڑا عذاب پہنچتا O (النور: ۱۴) کی تفسیر

فضل و رحمت اور عذاب عظیم کا معنی و مفہوم اور اس آیت کے مخاطبین کا تعین

امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فضل اور رحمت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ عائشہ صدیقہ اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہما کے سلسلہ میں قرآنی آیات نازل فرمائیں اور ان دونوں کی براءت اور پاکیزگی کو بیان فرمایا، جس کا فائدہ یہ ہوا کہ تم لوگوں نے تہمت سے توبہ کر لی اور عذاب سے بچ گئے۔

عذاب کے بارے میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ ہو سکتا ہے اس سے آخرت کا عذاب مراد ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے دنیا کا عذاب مراد ہو۔ (تاویلات اہل النجاشی، ص ۵۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اس آیت میں صرف ان لوگوں سے خطاب ہے جو مسلمان تھے اور تہمت لگانے میں مشغول ہوئے، کیونکہ وہی اللہ عزوجل کے فضل اور رحمت سے مستفید ہوئے اور انہوں نے ہی اپنی تہمت سے توبہ کی جب کہ منافقین، جنہوں نے اس تہمت کی نشر و اشاعت میں خوب کردار ادا کیا انہوں نے کسی قسم کی توبہ نہیں کی، اس لیے براءت کی آیات نازل ہونے سے وہ لوگ دنیا میں رسوا ہو گئے اور آخرت میں ذلیل ہونا اور جہنم کا عذاب پانا بھی باقی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ براءت کی آیات نازل فرما کر اللہ عزوجل نے مسلمانوں پر بہت فضل و کرم اور رحمت فرمائی، کہ اس سے انہیں توبہ کی توفیق ملی اور وہ صدق دل سے توبہ کر کے اور حد شرعی کو پا کر حسب سابق طیب اور طابر ہو گئے اور اخروی عذاب سے بچ گئے، جب کہ دوسری طرف منافقین بے نقاب ہو گئے اور ان کا اصلی چہرہ سامنے آ گیا اور یوں آیات براءت کے نزول سے دونوں گروہوں میں فرق بالکل واضح ہو گیا اور اب بھی یہ فرق واضح ہوتا رہتا ہے (جیسا کہ مشاہدہ سے ثابت ہے) اور قیامت تک یہ فرق اسی طرح واضح ہوتا رہے گا۔ اسی لیے قرآن مجید کا ایک نام ”الفرقان“ ہے، یعنی حق اور باطل میں فرق واضح کرنے والی کتاب۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَلَقُّوْنَهُ يَرْوِيهِ بَعْضُكُمْ عَنْ بَعْضٍ اور مجاہد نے کہا، تلقونہ کا معنی ہے: تم اس آیت کو ایک دوسرے سے نقل کرنے لگے۔ اور تَفِيضُونَ کا معنی ہے: تم کہتے ہو۔

اس تعلق میں امام بخاری نے دو الفاظ کی تفسیر ذکر کی ہے۔ پہلے لفظ سے سورۃ النور کی آیت: ۱۵ کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جس کی تفصیل اگلے باب میں مستقل آرہی ہے اور امام بخاری تعلق کے اس حصہ کو وہیں ذکر کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا جب کہ دوسرے لفظ سے سورۃ یونس کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ:

وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ۔ (یونس: ۶۱)

اور تم جو کام بھی کرتے ہو تو ہم (اس وقت) تم سب پر گواہ ہوتے ہیں جس وقت تم ان کاموں میں مشغول ہوتے ہو۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام بخاری نے یہاں سورۃ یونس کے لفظ (تَفِيضُونَ) کی تفسیر اس لیے ذکر کی تاکہ اس سے سورۃ النور کی زیر بحث آیت میں لفظ ”افضتم“ کا معنی واضح ہو جائے، کیونکہ یہ دونوں الفاظ ”الافاضہ“ سے ہیں، جس کا معنی ہے: الاکثار (بہت زیادہ باتیں کرنا)، (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۴۲)

۴۷۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُليمان عَنْ امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان

حُصَيْنٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ أُمِّ رُومَانَ أُمِّ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ لَنَا رُمَيْتٌ عَائِشَةُ خَرَّتْ مَغْشِيًا عَلَيْهَا۔
کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان نے خبر دی از حصین از ابوداؤد از مسروق از حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا، جو کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہیں، انہوں نے فرمایا: جب عائشہ (رضی اللہ عنہا) پر تہمت لگائی گئی تو وہ بے ہوش ہو کر گر گئیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۸۸ میں گزر چکی ہے، تاہم یہاں ایک اعتراض اور اس کے جواب کی تفصیل ضروری ہے: مسروق کا حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف اور رائج قول کا بیان

اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث کو مسروق نے حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، حالانکہ مسروق کا حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں ہے، بلکہ ممکن ہی نہیں ہے، کیونکہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں چار یا پانچ یا چھ ہجری میں انتقال کر گئی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر میں اترے تھے، جب کہ مسروق تابعین میں سے ہیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق یا حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں یمن سے مدینہ منورہ آئے تھے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

غور و فکر کے بعد جو بات مجھ پر واضح ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ امام بخاری کا یہ روایت کرنا درست ہے، کیونکہ جنہوں نے اس سند پر اعتراض کیا ہے ان کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں چار یا پانچ یا چھ ہجری میں انتقال کر گئیں تھیں اور یہ وہ بات ہے جس کو واقدی نے اور سند منقطع کے ساتھ زبیر بن بکار نے ذکر کیا ہے اور صرف واقدی کی کسی بات کو بنیاد بنا کر اسانید صحیحہ کا رد نہیں کیا جاسکتا۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ اوسط اور تاریخ صغیر میں حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کا ذکر ان لوگوں میں سے کیا ہے جن کا انتقال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا اور پھر لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کے وفات پانے کی روایت محل نظر ہے اور مسروق کی حدیث سنداً بہت قوی ہے اور اس کا متصل ہونا بالکل واضح ہے۔ امام بخاری کا کلام مکمل ہوا۔ ابراہیم الحاربی نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ مسروق نے حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا سے حدیث کا سماع کیا ہے اور اس وقت ان کی عمر ۱۵ سال تھی۔ اس اعتبار سے ان کا حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا سے سماع حدیث حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا، کیونکہ ان کی ولادت ہجرت کے سال ہوئی ہے۔ اسی لیے امام ابو نعیم الاصبہانی نے کہا کہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد بھی حیات تھیں۔

الخطیب نے صرف واقدی اور زبیر بن بکار کے سہارے ان تمام حقائق کا رد کیا ہے، حالانکہ واقدی اور زبیر بن بکار نے جو بات ذکر کی ہے کہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا نے چار یا پانچ یا چھ ہجری میں وفات پائی، یہ درست نہیں ہے، کیونکہ امام احمد نے اپنی سنن کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا، جب تخیر (الاحزاب: ۲۹-۲۸) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اختیار دینے کا) آغاز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا اور فرمایا: اے عائشہ! بے شک میں تمہارے سامنے ایک معاملہ پیش کر رہا ہوں، پس تم اس میں از خود کوئی فیصلہ نہ کرنا جب تک تم اسے اپنے والدین حضرت ابوبکر اور حضرت ام رومان رضی اللہ عنہما کے سامنے پیش کرو۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۱۲) اور اس بات پر سب متفق ہیں کہ آیت تخیر ۹ ہجری میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ واقدی اور زبیر بن بکار نے حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کے انتقال کا جو سن ذکر کیا ہے وہ درست نہیں ہے۔

(فتح الباری، ملخص ج ۵ ص ۲۷۳-۲۷۴، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب الاصابہ میں بھی یہی بحث فرمائی ہے۔

(الاصابہ ج ۸ ص ۳۹۲-۳۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات کے بعد بھی زندہ تھیں اور مسروق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد یمن سے مدینہ منورہ آئے تھے اس لیے ان کا براہ راست حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا سے روایت کرنا بالکل ممکن ہے، بلکہ صحیح بخاری کی حدیث: ۴۱۴۳ میں انہوں نے صراحتہً کہا ہے کہ: حدیثی ام رومان (مجھے ام رومان نے حدیث بیان کی)، لہذا حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا سے ان کا سماع ثابت ہے اور امام بخاری کی اس سند کے بارے میں منقطع ہونے کا قول کرنا درست نہیں ہے۔

نعمۃ الباری کی ساتویں جلد میں حدیث: ۴۱۴۳ کے تحت محدث اعظم علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی نے اس موضوع پر تفصیل سے لکھا ہے اور وہاں حافظ ابن حجر عسقلانی کی مذکورہ عبارت کے ساتھ ساتھ اس موضوع پر حافظ ابن حجر کے استاذ علامہ ابن الملقن (صاحب توضیح) کا نظریہ بھی پیش کیا ہے۔ قارئین مزید تحقیق کے لیے اس کا بھی مطالعہ فرمائیں۔

۸۔ بَابُ: اِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُوْنَ
يَا قُوتَاهُ كُمْ مَا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُوْنَهُ
هَيَاتًا وَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝ (النور: ۱۵)

اللہ عز و جل کے ارشاد: جب تم یہ (تہمت) اپنی
زبانوں سے نقل کرتے رہے اور اپنے منہ سے وہ بات
کہتے رہے جس کا تمہیں علم نہ تھا اور تم اس کو معمولی بات
سمجھتے رہے حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت سنگین بات
تھی ○ (النور: ۱۵) کی تفسیر

اس آیت میں فرمایا: ”تم اپنے منہ سے وہ بات کہتے رہے“۔ حالانکہ بات منہ سے ہی کی جاتی ہے، اس کے باوجود منہ کا ذکر اس لیے فرمایا تا کہ یہ ظاہر کیا جائے کہ یہ تہمت بغیر علم اور تحقیق کے تم لوگوں میں گردش کرنے لگی، کیونکہ جس چیز کا علم ہو وہ پہلے دل و دماغ میں ہوتی ہے اور پھر زبان پر آتی ہے اور جس چیز کا کوئی علم ہی نہ ہو وہ صرف زبانوں پر جاری ہوتی ہے، علم اور تحقیق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۲۳-۱۲۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

جیسے قرآن مجید میں ایک مقام پر فرمایا: يَقُولُوْنَ يَا قُوتَاهُمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوْبِهِمْ (آل عمران: ۱۶۷)۔ یہ لوگ اپنے منہ سے وہ بات کہہ رہے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔

۴۷۵۲۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوسٰى حَدَّثَنَا هِشَامُ
بْنُ يُوْسُفَ اَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ اَخْبَرَهُمْ قَالَ ابْنُ اَبِي
مُلَيْكَةَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقْرَأُ اِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِاَلْسِنَتِكُمْ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے حدیث بیان کی کہ ابن جریج نے انہیں خبر دی کہ ابن ابی ملیکہ نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو (اس طرح) پڑھتے ہوئے سنا، اِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِاَلْسِنَتِكُمْ

اِذْ تَلَقَّوْنَهُ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی قراءت اور اس پر وارد ہونے والے ایک اعتراض کا جواب

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۱۴۳ کے تحت گزر چکی ہے، البتہ یہاں مختصرانہ وضاحت ضروری ہے کہ قراءت مشہورہ کے

مطابق یہ اذ تَلْقَوْنَهُ ہے جس کا معنی ہے: زبان در زبان کوئی بات منتقل کرنا، جب کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس طرح اس کو پڑھا ہے اس کے مطابق اس کا معنی ”جھوٹ بولنا“ ہے۔ صحیح البخاری: ۴۱۳۴ میں یہ صراحت ہے کہ آپ اذ تَلْقَوْنَهُ پڑھتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ اَلْوَلْتُكَ کا معنی الکذب ہے۔ (یعنی جھوٹ بولنا اور جھوٹی خبر دینا)، اس اعتبار سے سورۃ النور کی آیت: ۱۵ کا معنی یہ ہوگا کہ: جب تم اس جھوٹی تہمت کی خبر دیتے رہے یا غلط بیانی کرتے رہے۔ اور قراءت مشہورہ کے مطابق ترجمہ ہوگا کہ: جب تم یہ تہمت ایک دوسرے کی طرف منتقل کرتے رہے۔ رہا یہ کہ قراءت مشہورہ میں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پڑھنے میں فرق کیوں ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قرآن مجید کے مختلف قراءتوں پر نازل ہونے کی وجہ سے ہے، کیونکہ قرآن مجید اس طرح نازل ہوا ہے کہ اس کو سات طریقوں سے پڑھا جاسکتا ہے، جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک یہ قرآن سات طریقوں پر نازل ہوا ہے، پس اس قرآن سے جو آسان لگے اس کی تلاوت کرو۔ (صحیح بخاری: ۲۴۱۹، صحیح مسلم: ۸۱۸) ان شاء اللہ فضائل القرآن میں حدیث: ۴۹۹۲ کے تحت ہم اس حدیث کی مفصل شرح کریں گے۔

۹۔ بَابُ: وَلَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْا قُلْتُمْ مَا يَكُوْنُ لَنَا اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ (النور: ۱۶)

اللہ عزوجل کے ارشاد: اور تم نے اس (تہمت) کو سُننے ہی یہ کیوں نہ کہا: ایسی بات کرنا ہمارے لیے جائز نہیں ہے، اے اللہ! تو پاک ہے، یہ تو بہت سنگین بہتان

ہے (النور: ۱۶) کی تفسیر

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق تہمت کی بات سنی تو انہوں نے فوراً کہا: سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ (اے اللہ تو پاک ہے، یہ بہت سنگین بہتان ہے)۔ اسی طرح سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہما نے جب اس تہمت سے متعلق کوئی بات سنی تو فوراً کہا: اے اللہ تو پاک ہے، یہ بہت سنگین بہتان ہے۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۱۳۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

یعنی آیت کے نازل ہونے سے پہلے ہی ان حضرات نے سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ کہہ دیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے جب آیت نازل فرمائی تو اس میں تہمت لگانے والوں کو مخاطب کر کے اس طرف متوجہ کیا کہ تم لوگوں نے یہ جملہ کیوں نہیں کہا! تہمت کے اس افسوس ناک موقع پر سبحانک یا سبحان اللہ کہنا عربی محاورہ کے مطابق ہے، کیونکہ عربی میں یہ الفاظ تعجب کے موقع پر بولے جاتے ہیں، اور یہاں اس لفظ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ وہ اپنے نبی کو عیب دار کرے اور فجور والی عورت ان کے نکاح میں دے اور جب اللہ عزوجل اس بات سے ہی پاک ہے تو پھر نبی کی زوجہ پر بدکاری کا الزام لگانا سوائے سنگین بہتان کے اور کیا ہو سکتا ہے!

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عمر بن سعید بن ابی حسین، انہوں نے کہا: مجھے ابن ابی ملیکہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی موت سے قبل جب

۴۷۵۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدٍ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ اسْتَأْذَنَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَبْلَ مَوْتِهَا عَلَى عَائِشَةَ وَهِيَ مَغْلُوبَةٌ قَالَتْ أَخْشَى أَنْ يُفْشِيَ عَلَيَّ

فَقِيلَ ابْنُ عَمِّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَمِنْ دُجُوهِ الْمُسْلِمِينَ قَالَتْ ائْتَدُوا لَهُ فَقَالَ كَيْفَ تَجِدِينَ قَالَتْ بِخَيْرٍ اِنْ اتَّقَيْتُ قَالَ فَانْتِ بِخَيْرٍ اِنْ شَاءَ اللَّهُ زَوْجَةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَلَمْ يَشْكُكُمْ بِكُنْزٍ غَيْرِكِ وَنَزَلَ عَذْرُكِ مِنَ السَّمَاءِ وَدَخَلَ ابْنُ الزُّبَيْرِ خِلَافَهُ فَقَالَتْ دَخَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَكُنِيَ عَلِيٌّ وَوَدِدْتُ اَنْي كُنْتُ نَسِيًا مَنَسِيًا۔

(صحیح ابن حبان: ۱۰۸، المستدرک ج ۴ ص ۸، الطبقات لابن سعد ج ۸ ص ۷۴، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۴۵، مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۰، طبع قدیم، مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۹، رقم: ۱۹۰۵، مطبوعہ مؤسسة الرسالة، بیروت، ۱۳۲۰ھ، المعجم الکبیر: ۱۰۷۸۳، مسند ابو یعلیٰ: ۲۶۳۸)

نزع کے عالم میں تھیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے (ان کے پاس آنے کی) اجازت چاہی، آپ نے فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ یہ میری تعریف کریں گے، تو کہا گیا: یہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد ہیں اور مسلمانوں کے اکابرین میں سے ہیں، آپ نے فرمایا: (چلو پھر) انہیں اجازت دے دو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے (آپ کے پاس آ کر) پوچھا: آپ اپنے آپ کو کیسا پاتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر میں اللہ عزوجل سے ڈروں تو بہت بہتر ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان شاء اللہ آپ بہتر ہی ہیں (کیونکہ) آپ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے آپ کے سوا کسی کنواری سے نکاح نہیں فرمایا اور آسمان سے آپ کی پاکیزگی کا بیان نازل ہوا، (حضرت ابن عباس کے جانے کے بعد) ان کے پیچھے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما داخل ہوئے، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: (ابھی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آئے تھے اور انہوں نے میری تعریف کی، پس میں تو چاہتی ہوں کہ میں بھولی ب سری اور گنہگار ہو جاؤں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مرض الموت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ان کے پاس آنا اور ان کی تعریف و توصیف کرنا

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں کہتے ہیں:

ترجمۃ الباب کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے: وَنَزَلَ عَذْرُكِ مِنَ السَّمَاءِ (آسمان سے آپ کی پاکیزگی کا بیان نازل ہوا) یعنی اس جملہ کی وجہ سے امام بخاری نے اس حدیث کو یہاں روایت کیا، اور اس حدیث کی سند میں یحییٰ سے مراد سعید القطان کے بیٹے ہیں اور ابن ابی ملیکہ سے مراد عبد اللہ ہیں۔

اس حدیث میں فرمایا: وہی مغلوبہ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا موت کی تکلیف سے مغلوب تھیں۔ اس حالت میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کے پاس آنا چاہا، تو آپ نے فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ یہ میری تعریف کریں گے، تو آپ سے کہا گیا: یہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد ہیں۔ یہ جملہ کہنے والے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت عبد اللہ بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہما تھے۔ انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے جملہ سے یہ سمجھا کہ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو منع فرمانا چاہ رہی ہیں تو انہوں نے فوراً آپ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مقام و مرتبہ کی طرف توجہ دلائی، اور جنہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے اجازت طلب کی وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ذکوان تھے۔ یہ تمام تفصیل امام احمد نے اپنی مسند میں امام عبد الرزاق سے روایت کی ہے، چنانچہ امام احمد کہتے ہیں: ہمیں عبد الرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے عبد اللہ بن عثمان بن خثیم از ابن ابی ملیکہ از ذکوان جو کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں، کہ انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے اجازت طلب کی، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت نزع کے عالم میں تھیں اور آپ کے پاس آپ کے بھائی حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کے

بیٹے عبد اللہ موجود تھے۔ (ابی آخر الحدیث) (مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۹)

صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث کی سند میں ذکوان کا نام مذکور نہ ہونا اور اس سے علامہ ابن الملقن کا اس حدیث کے مرسل ہونے پر استدلال

امام بخاری کی زیر بحث روایت میں ابن ابی ملیکہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما کے درمیان کسی واسطہ کا ذکر نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس ملاقات کے موقع پر ابن ابی ملیکہ موجود تھے، جب کہ امام احمد کی مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن ابی ملیکہ خود وہاں موجود نہیں تھے، البتہ انہوں نے یہ ساری تفصیل ذکوان سے سنی ہے اور پھر اس کو ذکوان ہی سے روایت کیا ہے۔ اس اعتبار سے امام بخاری کی سند پر یہ اعتراض ہوگا کہ اس میں ابن ابی ملیکہ نے ذکوان کا نام چھوڑ دیا ہے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے براہ راست اس حدیث کو روایت کیا ہے، اس لیے یہ سند متصل نہیں ہے۔

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد انصاری شافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: امام احمد کی روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ (اس مقام پر) امام بخاری کی سند میں ارسال ہے اور یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ابن ابی ملیکہ اس موقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود نہیں تھے (بلکہ انہوں نے اس حدیث کو ذکوان سے ہی سن کر روایت کیا ہے)۔ (التوضیح ج ۲ ص ۲۸، مطبوعہ وزارة الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن الملقن کے اس استدلال پر حافظ ابن حجر عسقلانی کا کلام اور علامہ ابن الملقن کی تردید

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے اپنی شرح میں علامہ ابن الملقن کی اس عبارت کا رد کیا ہے، چنانچہ آپ لکھتے ہیں: مجھے نہیں معلوم کہ انہیں (علامہ ابن الملقن کو) یہ یقین کیسے حاصل ہوا کہ ابن ملیکہ نہ تو وہاں موجود تھے اور نہ انہوں نے براہ راست اس حدیث کو سماعت کیا ہے اور آخر اس میں رکاوٹ کیا ہے؟ ہو سکتا ہے یہ تمام افراد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود ہوں اور کافی دیر تک بیٹھے ہوں اور اس دوران جو کچھ ہوا ہو اس کو ان لوگوں میں سے ذکوان نے آگے روایت کیا ہو۔ (لہذا اس سے ابن ابی ملیکہ کا غیر حاضر ہونا لازم نہیں آتا)۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۴۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی پر رد اور علامہ ابن الملقن کی تائید

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے اپنی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس عبارت کا رد کیا ہے اور علامہ ابن الملقن کی تائید میں کلام کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

علامہ ابن الملقن نے اپنی عبارت میں یقین کا دعویٰ کیا ہی نہیں ہے، بلکہ ایک امکان قریب کا اظہار کیا ہے (پھر بھی حافظ ابن حجر نے لکھ دیا کہ مجھے نہیں معلوم کہ انہیں یہ یقین کیسے حاصل ہوا؟) اور حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ ابن الملقن کا کیسے رد کر سکتے ہیں حالانکہ انہوں نے اپنی عبارت میں "لعمدہ" (جس کا معنی ہے: ہو سکتا ہے) کا لفظ کہہ کر خود اپنا رد کیا ہے!!

(عمدة القاری ج ۱۰ ص ۱۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

مصنف کا نقطہ نظر اور اس پر زیر بحث حدیث کی سند سے استدلال

ہمارے نزدیک بھی علامہ ابن الملقن کا موقف قوی ہے کہ اس مقام پر امام بخاری کی سند میں ارسال ہے، کیونکہ ابن ابی ملیکہ اس موقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود نہیں تھے اور انہوں نے یہ حدیث ذکوان ہی سے سن کر روایت کی ہے۔ علامہ ابن

اسلمقن نے یہ دعویٰ اگرچہ یقین کے ساتھ نہیں کیا (جیسا کہ علامہ یعنی نے فرمایا) تاہم ہمیں اس دعویٰ پر یقین حاصل ہے اور یہ یقین اس لیے حاصل ہے کہ ابن ابی ملیکہ نے خود یہی کہا ہے کہ مجھے یہ حدیث ذکوان نے بیان کی ہے، جیسا کہ مسند احمد (ج ۱ ص ۲۷۷) اور طبقات ابن سعد (ج ۸ ص ۷۵) میں اس کی صراحت موجود ہے اور ابن ابی ملیکہ کی اپنی صراحت کے ہوتے ہوئے احتمال، امکان اور لعل وغیرہ کی طرف جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اگر ابن ابی ملیکہ کی یہ صراحت نہ ہوتی تو پھر مختلف احتمالات اور مفروضات قائم کرنا مناسب ہوتا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا کمال تواضع اور انکسار اور خوف الہی

زیر بحث حدیث میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا واضح ثبوت موجود ہے، کہ انہوں نے بے پناہ تواضع اور انکساری کا اظہار فرمایا اور بالکل گوارا نہیں فرمایا کہ ان کی تعریف کی جائے، حتیٰ کہ فرمایا: میں تو چاہتی ہوں کہ میں ”نسباً منسبتاً“ ہو جاؤں۔ یعنی بھولی ب سری اور گنہگار اور کوئی بھی مجھے پہچانے نہ میرا تذکرہ کرے۔ اور آپ کا یہ جملہ خالصہ خوف الہی کے غلبہ اور شدت کی وجہ سے تھا۔ طبقات ابن سعد میں آپ کے یہ جملے بھی مذکور ہیں کہ:

آپ نے اپنے وصال کے قریب فرمایا: کاش میں پیدا نہ کی جاتی! کاش میں ایک درخت ہوتی اور میں تسبیح کرتی رہتی اور میرے بچے اور شاخیں وغیرہ کاٹ دی جاتیں!

کاش میں ایک پتھر ہوتی! کاش میں مٹی کا ایک ڈھیلا ہوتی! کاش میں درخت کا ایک پتا ہوتی!

(الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۷۵-۷۴، دار صادر، بیروت)

صحابہ کرام کا خوف و خشیت اور ان کے مختلف جملے

سورہ مریم کی آیت: ۲۳ میں اللہ عزوجل نے حضرت مریم علیہا السلام کا یہ جملہ ذکر فرمایا ہے کہ: (دردزہ کے وقت) انہوں نے کہا: کاش! میں اس سے پہلے ہی مرجاتی اور بھولی ب سری اور گنہگار ہو جاتی۔ مفسر قرآن علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی نے اس آیت کی تفسیر میں مختلف صحابہ اور تابعین کے وہ اقوال ذکر کیے ہیں جو انہوں نے خوف خدا کے غلبہ سے کہے، مثلاً حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا: کاش! میں ایک درخت ہوتا جس کو کاٹ دیا جاتا۔ کاش! مجھے پیدا ہی نہ کیا جاتا۔ (کتاب الزہد للکعبی، رقم الحدیث: ۱۵۹، مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۳) اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک پرندے کو درخت پر بیٹھا ہوا دیکھا تو فرمایا: کاش میں اس پرندے کی جگہ ہوتا۔ (کتاب الزہد للکعبی، رقم الحدیث: ۱۶۵، مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۷) اور ایک موقع پر فرمایا: اے پرندہ! تیرے لیے خوشی ہے، تجھ سے حساب لیا جائے گا نہ تجھے عذاب ہوگا۔ (کتاب الزہد للبخاری، رقم الحدیث: ۴۳۷) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا: کاش! میں اس طرح تنکا ہوتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے دن کہا: کاش! میں اس دن کے آنے سے ۲۰ سال پہلے فوت ہو چکا ہوتا، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر کہا: کاش! بلال کو اس کی ماں نے نہ جنا ہوتا۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۲۶) (تبیان القرآن ملخص ج ۷ ص ۲۶۷)

امام عبدالرزاق نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے ایک موقع پر فرمایا: کاش! میں ایک مینڈھا ہوتا اور مجھے میرے گھردالے ذبح کر کے کھالتے، اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کاش! میں کسی نیلے کی ریت ہوتا، جسے تیز ہوائیں ادھر ادھر اڑا دیتیں۔ (معنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۲۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے یہ جملے یہاں اس لیے ذکر کیے گئے ہیں تاکہ خوف و خشیت اور تقویٰ و پرہیزگاری میں ان کا

مقام و مرتبہ واضح ہو جائے اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ اس طرح کے تمنائی جملے بہت سنجیدگی کے ساتھ بولنے چاہئیں اور اس وقت بولنے چاہئیں جب اللہ عز و جل کا خوف بہت شدت اختیار کر جائے، نہ یہ کہ ان جملوں کو وقت بے وقت بول کر یا ان کو اپنا تنگی منو گرام بنا کر ان جملوں کی اہمیت ختم کی جائے، یا موقع، بے موقع بول کر لوگوں کو ہنسنے کی دعوت دی جائے!! ہر کام میں حسن تدبیر اور حکمت ضروری ہے۔

۴۷۵۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ
الْوَهَّابِ بْنُ عَبْدِ الْمُجِيدِ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنِ
الْقَاسِمِ أَيْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا اسْتَأْذَنَ عَلَى
عَائِشَةَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ نِسْبًا مَثْنِيًّا۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث
بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوہاب بن عبد المجید نے حدیث
بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عون نے حدیث بیان کی از
القاسم، کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے
پاس (آنے کی) اجازت طلب کی۔ بقیہ حدیث سابق ہے، البتہ
انہوں نے (یعنی القاسم نے) نسیا منسیا کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کے لیے آنا اور اس بارے میں امام احمد کی مفصل

روایت کا بیان

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مرض الموت میں دیگر اصحاب کے علاوہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی ان کی عیادت کے لیے ان کے پاس تشریف لائے اور اس موقع پر ان کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کی کچھ تفصیل گزشتہ حدیث (۴۷۵۳) میں بیان ہو چکی ہے، البتہ امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس گفتگو کو زیادہ تفصیل سے روایت کیا ہے اور ایک سے زائد اسناد کے ساتھ متعدد مقامات پر روایت کیا ہے۔ ذیل میں ہم ان کی مکمل روایت پیش کر رہے ہیں:

امام احمد روایت کرتے ہیں کہ ہمیں معاویہ بن عمرو نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زائدہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبد اللہ ابن ابی ملیکہ نے حدیث بیان کی، یہ کہ ان کو ذکوان نے حدیث بیان کی، جو کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے دربان تھے، کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تشریف لائے، وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کی اجازت چاہتے تھے، پس میں (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس) حاضر ہوا، اس وقت ان کے سرہانے ان کے بھائی حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبد اللہ موجود تھے، میں نے عرض کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اجازت طلب کر رہے ہیں، تو ان کے بھائی کے بیٹے عبد اللہ ان پر جھک آئے اور وہ بھی یہ کہنے لگے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (آپ سے ملنے کے لیے) اجازت طلب کر رہے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت موت کے عالم میں تھیں، سو آپ نے فرمایا: مجھے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے نہ ملاؤ، تو عبد اللہ نے عرض کیا: امی جان! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے نیک بیٹوں میں سے ہیں، وہ آپ کو سلام اور الوداع کہنا چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا: اگر تم چاہتے ہو تو ان کو (آنے کی) اجازت دے دو۔

ذکوان کہتے ہیں: پس میں ان کو اندر لے آیا، پھر انہوں نے بیٹھے ہی (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے) کہا: آپ کو بشارت ہو۔ آپ نے فرمایا: اور کچھ؟ تو انہوں نے کہا: آپ کے درمیان اور رسول اللہ ﷺ کے دیگر محبوبین سے آپ کے ملنے کے درمیان صرف بدن سے روح نکلنے کا فاصلہ ہے، رسول اللہ ﷺ کو تمام ازواج مطہرات میں آپ سب سے زیادہ محبوب تھیں اور رسول اللہ ﷺ صرف طیب اور پاکیزہ چیز سے محبت فرماتے تھے، نیز غزوہ ابواء کی رات آپ کا ہار کہیں گر گیا، تو رسول اللہ ﷺ (آپ

کی خاطر) ٹھہر گئے حتیٰ کہ اس جگہ صبح ہو گئی اور لوگ بھی وہیں ٹھہرے ہوئے تھے، حالانکہ ان کے پاس پانی بھی نہیں تھا، پس اللہ عزوجل نے تیمم کا حکم نازل فرمایا، سو یہ حکم اور اس میں امت کے لیے جو رخصت اور سہولت ہے وہ آپ ہی کے سبب سے ہے، اور سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ عزوجل نے آپ کی پاکیزگی کا بیان نازل فرمایا، جسے روح امین (حضرت جبریل) لے کر نازل ہوئے، پس اب کوئی مسجد ایسی نہیں ہے جس میں شب و روز ان آیات کی تلاوت نہ ہوتی ہو۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے ابن عباس! مجھے (میرے حال پر) چھوڑ دو اور مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! میں یہ تمنا کرتی ہوں کہ میں بھولی بسری اور گننام ہو جاؤں۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۷ طبع قدیم، مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۸-۲۹۷، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث سے حافظ ابن حجر عسقلانی کا استنباط مسائل

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا علم بہت وسیع تھا اور صحابہ و تابعین کے درمیان ان کا مرتبہ بہت عظیم تھا، نیز اس واقعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تواضع و انکسار، بلندی مرتبہ اور دینی معاملات میں ان کے سختی فرمانے کا ثبوت بھی موجود ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بغیر اجازت کے امہات المؤمنین کے پاس نہیں آتے تھے۔ علاوہ ازیں اس واقعہ میں چھوٹے کا بڑے کو مشورہ دینے کا ثبوت بھی ہے اور اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ علم اور دین میں جو اکابر ہوں ان کے مقام و مرتبہ کا لحاظ کرنا چاہیے اور جس تعظیم کے وہ حق دار ہوں اس کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۲۵۵ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۰۔ بَابُ: يَعْظُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُوذُوا بِالْبَيْتَةِ
أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (النور: ۱۷)

اللہ عزوجل کا ارشاد: اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دوبارہ ایسی بات کبھی بھی نہ کرنا اگر تم مومن ہو ۝

(النور: ۱۷) کی تفسیر

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از اعش از ابوالضحیٰ از مسروق از سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، انہوں نے فرمایا کہ: حضرت حسان بن ثابت (رضی اللہ عنہ) نے ان سے (ملاقات کی) اجازت طلب کی، میں نے عرض کی: کیا آپ انہیں (بھی اپنے پاس آنے کی) اجازت دیتی ہیں؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا انہیں بڑا عذاب نہیں پہنچ چکا؟ سفیان کہتے ہیں: اس سے ان کی مراد تھی حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا ناپینا ہو جانا، پھر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے (یہ شعر) عرض کیا: (آپ) بہت پاک دامن اور باوقار خاتون ہیں اور کسی تہمت والی بات سے آلودہ نہیں ہیں۔ آپ اس حالت میں صبح کرتی ہیں کہ پاک دامن عورتوں کے گوشت سے

۳۷۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الطُّمَيْحِ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ جَاءَنِي حَسَانُ بْنُ ثَابِتٍ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْهَا قُلْتُ أَتَأْذِنِينَ لِهَذَا قَالَتْ أَوْلَيْسَ قَدْ أَصَابَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ قَالَ سُفْيَانُ تَعْنِي ذَهَابَ بَصَرِهِ فَقَالَ

حَصَانٌ زَرَانِ مَا تَزُرُنِ بَرِيَّةٌ وَتُضَيِّمُ غَرْفِي مِنْ لُحُومِ الْغَوَافِلِ قَالَتْ لَكِنْ أَنْتَ۔

آپ کا پیٹ خالی ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (یہ سن کر ان سے) فرمایا: لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔

اس حدیث کی شرح کے لیے صحیح البخاری: ۳۱۳۶ اور ۳۷۹۷ کا مطالعہ فرمائیں۔

۱۱۔ بَابُ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ

وَاللَّهُ عَلَيْكُمْ حَكِيمٌ ① (النور: ۱۸)

اللہ عزوجل کے ارشاد: اور اللہ تمہارے لیے آیتیں بیان فرماتا ہے، اور اللہ بہت علم والا بہت حکمت والا ہے ① (النور: ۱۸) کی تفسیر

۳۷۵۶۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ أُنْبَأَنَا شُعْبَةُ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الصُّعَيْ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ دَخَلَ حَسَنُ بْنُ ثَابِتٍ عَلَى عَائِشَةَ فَشَبَّهَ وَقَالَ

حَصَانٌ زَرَانٍ مَا تُزُونُ بِرَبِيبَةٍ

وَتُصْبِحُ غَرْفِي مِنْ لُحُومِ الْغَوَافِلِ

قَالَتْ لَسْتُ كَذَلِكَ قُلْتُ تَدْعِينِ مِثْلَ هَذَا يَدْخُلُ عَلَيْكَ وَقَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ ﴿وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ﴾ (النور: ۱۱) فَقَالَتْ وَأَيُّ عَذَابٍ أَشَدُّ مِنَ الْعَنَى وَقَالَتْ وَقَدْ كَانَ يَرُدُّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی عدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از اعمش از ابوالضحیٰ از مسروق، انہوں نے کہا: حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور انہوں نے تشبیب کے ساتھ یہ شعر کہا: (آپ) باوقار خاتون ہیں اور کسی تہمت والی بات سے آلودہ نہیں ہیں۔ آپ اس حالت میں صبح کرتی ہیں کہ پاک دامن عورتوں کے گوشت سے آپ کا پیٹ خالی ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (ان سے) فرمایا: (لیکن) آپ ایسے نہیں ہیں۔ (مسروق کہتے ہیں:) میں نے عرض کی: آپ ان جیسے شخص کو اپنے پاس آنے دیتی ہیں حالانکہ اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی کہ: ان میں سے جس نے اس تہمت میں بڑا حصہ لیا اس کے لیے بڑا عذاب ہے ① (النور: ۱۱) تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نارینا ہو جانے سے زیادہ شدید عذاب کیا ہوگا! اور انہوں نے (حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ بھی) فرمایا کہ: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا کرتے تھے۔

اس حدیث کی شرح کے لیے بھی صحیح البخاری: ۳۱۳۶ اور ۳۷۹۷ کا مطالعہ فرمائیں۔

۱۲۔ بَابُ: إِنَّ الَّذِينَ يُجْتُونُ أَنْ تَشِيْعَ

الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ① وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا

تَعْلَمُونَ ② وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ

اللہ عزوجل کے ارشاد: بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی کی بات پھیلے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ① اور اگر تم ان پر اللہ کا فضل

وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ سَرُوفٌ رَّحِيمٌ ①

(النور: ۱۹-۲۰)

اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ بہت شفیق اور بے

حد مہربان ہے (تو تم پر عذاب آجاتا) O

(النور: ۲۰-۱۹) کی تفسیر

تَشِيْعٌ تَظْهَرُ۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس میں ایمان والوں سے پاک دامن مرد اور پاک دامن عورتیں مراد ہیں اور یہ لفظ اگرچہ تمام اہل ایمان کے لیے ہے، مگر یہاں (خصوصیت کے ساتھ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کو مراد لیا گیا ہے اور ”فاحشہ“ کا معنی ہے: انتہائی بدترین فعل، اور ایک قول یہ ہے کہ یہاں اس کا معنی ہے: بری بات، اور دنیا میں دردناک عذاب سے مراد ہے: حد کا جاری ہونا اور آخرت کے اعتبار سے اس کا معنی ہے: جہنم کا عذاب، جو کہ (تہمت لگانے والوں میں) منافقین کے ساتھ خاص ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن جز ۱۸ ج ۶ ص ۱۹۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ ام المومنین سیدہ عائشہ اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہما کے لیے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ ان کے متعلق کوئی بری بات عام ہوان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

آگے جو فرمایا: ”اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے“ اس سے مراد یہ ہے کہ جنہوں نے تہمت لگائی ان کا جھوٹا ہونا اور جن پر تہمت لگائی گئی ان کا سچا ہونا اللہ کے علم میں ہے، اور اے لوگو! تمہیں اس کا علم نہیں ہے، کیونکہ یہ ایک غیب ہے اور غیب کا علم اللہ عزوجل کو ہے، لہذا جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اس کو ایمان والوں کی طرف منسوب نہ کرو، خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی طرف، ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ (جامع البیان ج ۱۰ ص ۱۳۳-۱۳۴، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام بخاری نے کہا: تشیع کا معنی ہے: ظاہر ہو جائے۔

اس سے امام بخاری کا مقصود سورۃ النور کی زیر بحث آیت: ۱۹ میں مذکور لفظ ”تشیع“ کا معنی بیان کرنا ہے، اور علامہ عینی نے کہا ہے کہ مجاہد نے بھی اس لفظ کی یہی تفسیر کی ہے، لیکن اس اضافہ کے ساتھ کہ اس لفظ کا معنی ہے: لوگوں میں اس بات کا چرچا ہو جائے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۲۶)

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ②

(النور: ۲۲)

ارشاد باری تعالیٰ: اور تم میں سے اصحاب فضل اور ارباب وسعت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے، ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کر دے اور اللہ بہت بخشنے والا ہے بے حد رحم فرمانے

والا ہے O (النور: ۲۲) کی تفسیر

یہ آیت حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی۔ آپ حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ پر اپنا مال خرچ کیا کرتے

تھے، لیکن حضرت مسطح رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں حصہ لیا، جس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ آئندہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ پر اپنا مال خرچ نہیں کریں گے۔ اس پر اللہ عزوجل نے مذکورہ آیت نازل فرمائی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو درگزر کرنے کا حکم فرمایا۔

اور ابواسامہ نے کہا ازہشام بن عروہ، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ آپ نے فرمایا: جب میرے متعلق لوگوں میں تہمت کا چرچا ہوا، حالانکہ مجھے اس کا کوئی علم نہیں تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے معاملہ میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، آپ نے تشہد پڑھا، یعنی اللہ عزوجل کی حمد و ثناء بیان کی، ایسے الفاظ کے ساتھ جو اللہ عزوجل کے شایان شان تھے، پھر فرمایا: حمد و ثناء کے بعد! مجھے ان لوگوں کے بارے میں مشورہ دو جنہوں نے میری زوجہ پر تہمت لگائی ہے، حالانکہ اللہ کی قسم! مجھے اپنی زوجہ کے متعلق کسی برائی (میں مبتلا ہونے) کا علم نہیں ہے اور ان لوگوں نے ایسے شخص کے ساتھ تہمت لگائی ہے کہ اللہ کی قسم! اس کے متعلق بھی کبھی کوئی برائی میرے علم میں نہیں آئی اور وہ میرے گھر میں کبھی داخل نہیں ہوتے مگر یہ کہ میں (خود) موجود ہوں اور میں کسی بھی سفر میں (گھر سے) غائب ہوتا ہوں تو وہ بھی میرے ساتھ غائب ہوتے ہیں، پس حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ! آپ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں کہ ہم تہمت لگانے والوں کی گردنیں اڑا دیں، (اتنے میں) بنو الخزرج کا ایک شخص کھڑا ہو گیا، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی والدہ اسی شخص کے قبیلہ سے تھیں، اس شخص نے (حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے) کہا: آپ نے کذب سے کام لیا ہے، اللہ کی قسم! اگر تہمت لگانے والے افراد قبیلہ اوس سے ہوتے تو آپ (قطعاً) پسند نہ کرتے کہ ان کی گردنیں اڑائی جائیں۔ (بات اتنی بڑھی) کہ مسجد ہی میں اوس اور خزرج کے درمیان جھگڑا برپا ہو گیا اور مجھے (کسی بات کا کوئی) علم نہیں تھا۔ جب اس دن شام ہوئی تو میں کسی ضرورت کی غرض سے باہر نکلی اور میرے ساتھ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی والدہ (بھی) تھیں، وہ (چلتے ہوئے) ٹھوکر کھا کر گر گئیں تو ان کے منہ سے کلام

۴۷۵۔ وَقَالَ أَبُو سَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَنَا ذِكْرٌ مِنْ شَأْنِ الَّذِي ذُكِرَ وَمَا عَلِمْتُ بِهِ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خَطِيبًا فَتَشَهَّدَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ أَشِيرُوا عَلَيَّ فِي أَنْاسٍ أَبْتُوا أَهْلِي وَإِيَّاهُ مَا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي مِنْ سُوءٍ وَأَبْتُوهُمْ بِمَنْ وَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ قَطُّ وَلَا يَدْخُلُ بَيْتِي قَطُّ إِلَّا وَأَنَا حَاضِرٌ وَلَا غَيْبْتُ فِي سَفَرٍ إِلَّا غَابَ مَعِيَ فَقَامَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ فَقَالَ ائْذَنْ لِي يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْ تُضْرِبَ أَعْنَاقَهُمْ وَقَامَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي الْخَزْرَجِ وَكَانَتْ أُمُّ حَسَّانَ بِنْتُ ثَابِتٍ مِنْ رَهْطِ ذَلِكَ الرَّجُلِ فَقَالَ كَذَبْتَ أَمَّا وَاللَّهِ أَنْ لَوْ كَانُوا مِنَ الْأَوْسِ مَا أَحْبَبْتَ أَنْ تُضْرِبَ أَعْنَاقَهُمْ حَتَّى كَادَ أَنْ يَكُونَ بَيْنَ الْأَوْسِ وَالْخَزْرَجِ شَرٌّ فِي الْمَسْجِدِ وَمَا عَلِمْتُ فَلَمَّا كَانَ مَسَاءُ ذَلِكَ الْيَوْمِ خَرَجْتُ لِبَعْضِ حَاجَتِي وَمَعِيَ أُمُّ مُسْطَحٍ فَعَثَرْتُ وَقَالَتْ تَعَسَّ مُسْطَحٌ فَقُلْتُ أَيْ أُمِّ تَسْبِينَ ابْنِكَ وَسَكَتَتْ ثُمَّ عَثَرْتُ الثَّانِيَةَ فَقَالَتْ تَعَسَّ مُسْطَحٌ فَقُلْتُ لَهَا أَيْ أُمِّ تَسْبِينَ ابْنِكَ فَسَكَتَتْ ثُمَّ عَثَرْتُ الثَّالِثَةَ فَقَالَتْ تَعَسَّ مُسْطَحٌ فَاتَّهَرَّتْهَا فَقَالَتْ وَاللَّهِ مَا أَسْبُهُ إِلَّا فِيكَ فَقُلْتُ فِي أَيْ شَأْنٍ قَالَتْ فَبَقَرْتُ فِي الْحَدِيثِ فَقُلْتُ وَقَدْ كَانَ هَذَا قَالَتْ نَعَمْ وَاللَّهِ فَرَجَعْتُ إِلَى بَيْتِي كَأَنَّ الَّذِي خَرَجْتُ لَهُ لَا أَجِدُ مِنْهُ قَلِيلًا وَلَا كَثِيرًا وَوَعَيْتُ فَقُلْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَرْسِلْنِي إِلَى بَيْتِ أَبِي فَأَرْسَلَ مَعِيَ الْغُلَامَ فَدَخَلْتُ الدَّارَ فَوَجَدْتُ أُمَّ رُوْمَانَ فِي السُّفْلِ وَأَبَا بَكْرٍ قَرِيبَ الْبَيْتِ يَتَمَرَأُ فَقَالَتْ أَيْ مَا جَاءَ بِكَ يَا بَنِيَّةُ

فَاخْبَرْتُهَا وَذَكَرْتُ لَهَا الْحَدِيثَ وَإِذَا هُوَ لَمْ يَبْلُغْ مِنْهَا مِثْلَ مَا بَلَغَ مِنِّي فَقَالَتْ يَا بَنِيَّةُ خَفِي عَلَيْكَ الشَّانُ فَإِنَّهُ وَاللَّهِ لَقَلَّمَا كَانَتْ امْرَأَةً حَسَنَاءَ عِنْدَ رَجُلٍ يُحِبُّهَا لَهَا ضَرَائِرُ إِلَّا حَسَدْنَهَا وَقِيلَ فِيهَا وَإِذَا هُوَ لَمْ يَبْلُغْ مِنْهَا مَا بَلَغَ مِنِّي قُلْتُ وَقَدْ عَلِمَ بِهِ أَبِي قَالَتْ نَعَمْ قُلْتُ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَتْ نَعَمْ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَاسْتَعْبِرْتُ وَبَكَيْتُ فَسَبَّحَ أَبُو بَكْرٍ صَوْتًا وَهُوَ فَوْقَ الْبَيْتِ يَقْرَأُ فَنَزَلَ فَقَالَ لِأُمِّي مَا شَأْنُهَا قَالَتْ بَلَغَهَا الَّذِي ذَكَرَ مِنْ شَأْنِهَا فَقَاضَتْ عَيْنَاهُ قَالَ أَقْسَمْتُ عَلَيْكَ أُمِّي بَنِيَّةُ إِلَّا رَجَعْتَ إِلَى بَيْتِكَ فَرَجَعْتُ وَلَقَدْ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَنِيَّتِي فَسَأَلَ عَنِّي خَادِمَتِي فَقَالَتْ لَا وَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهَا عَيْنًا إِلَّا أَنَّهَُا كَانَتْ تَرْتَدُّ حَتَّى تَدْخُلَ الشَّاةُ فَتَأْكُلَ حَبِيرَهَا أَوْ عَجِينَهَا وَاسْتَهْرَهَا بَعْضُ أَصْحَابِهِ فَقَالَ أَصْدَقَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى اسْقَطُوا لَهَا بِهِ فَقَالَتْ سُبْحَانَ اللَّهِ وَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهَا إِلَّا مَا يَعْلَمُ الصَّائِغُ عَلَى تَبْرِ الذَّهَبِ الْأَخْضَرِ وَبَلَغَ الْأُمْرَأَ ذَلِكَ الرَّجُلُ الَّذِي قِيلَ لَهُ فَقَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَاللَّهِ مَا كَشَفْتُ كَنَفَ أَثْنَى قَطُّ قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُتِلَ شَهِيدًا إِلَى سَبِيلِ اللَّهِ قَالَتْ وَأَصْبَحَ أَبَوَايَ عِنْدِي فَلَمْ يَزَالَا حَتَّى دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَقَدْ صَلَّى الْعَصَا ثُمَّ دَخَلَ وَقَدْ اكْتَفَيْنِي أَبَوَايَ عَنْ يَمِينِي وَعَنْ شِمَالِي فَحَمِدَ اللَّهُ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَا بَعْدُ يَا عَائِشَةُ إِنْ كُنْتُ قَارَفْتُ سَوْنًا أَوْ ظَلَمْتُ فَتُورِي إِلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ يَقْبَلُ الثُّوبَةَ مِنْ عِبَادِهِ قَالَتْ وَقَدْ جَاءَتْ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ فَهِيَ جَالِسَةٌ بِالنَّبَابِ قُلْتُ أَلَا تَسْتَحْيِي مِنْ هَذِهِ الْمَرْأَةِ أَنْ تَذْكُرَ شَيْئًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَتْ فَتَقُتِلُ إِلَى أَبِي فَقُلْتُ لَهُ أَلَيْسَ قَالَ قَالَتْ أَقُولُ قَالَتْ فَتَقُتِلُ إِلَى أَبِي فَقُلْتُ أُجِيبِيهِ

مسطح ہلاک ہو جائے۔ میں نے کہا: اماں جی! آپ اپنے بیٹے کو برا کہہ رہی ہیں؟ (لیکن) وہ چپ رہیں، پھر دوسری مرتبہ گر پڑیں، تو (دوبارہ) انہوں نے کہا: مسطح ہلاک ہو جائے۔ میں نے ان سے کہا: آپ اپنے بیٹے کو برا کہہ رہی ہیں؟ پھر وہ تیسری مرتبہ گر پڑیں، انہوں نے (پھر) کہا: مسطح ہلاک ہو جائے، تو میں نے ان کو سخت لہجہ میں اس سے روکا، تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں صرف آپ کے معاملہ کی وجہ سے مسطح کو برا کہہ رہی ہوں۔ میں نے کہا: میرا کون سا معاملہ ہے؟ تو انہوں نے پورا واقعہ بیان کیا۔ میں نے (انتہائی حیرت سے) کہا: کیا واقعی ایسا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! اللہ کی قسم! پس میں اپنے گھر لوٹ آئی اور میری حالت یہ تھی کہ جس کام کے لیے میں باہر نکلی تھی اس کا مجھے قطعاً احساس نہیں ہو رہا تھا، نہ کم نہ زیادہ اور مجھے بخار ہو گیا، پس میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: آپ مجھے میرے والد کے گھر بھجوادیں، تو آپ نے ایک بچے کے ساتھ مجھے بھیج دیا، میں گھر میں داخل ہوئی تو میں نے (اپنی والدہ) حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کو گھر کے نچلے حصہ میں پایا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو گھر کے بالا خانے میں تلاوت کرتے ہوئے پایا۔ میری والدہ نے کہا: پیاری بیٹی! کیسے آنا ہوا؟ تو میں نے انہیں پورا واقعہ سنایا اور اس وقت میں نے محسوس کیا کہ ان کو اس واقعہ سے اتنا رنج و غم نہیں تھا جتنا مجھے تھا۔ پھر انہوں نے کہا: اے بیٹی! اس معاملہ میں پرسکون رہو (پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے) کیونکہ اللہ کی قسم! بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی عورت بہت حسین ہو اور کسی ایسے شخص کے نکاح میں ہو جو اس سے محبت رکھتا ہو اور پھر اس کی سونکیں بھی ہوں اور وہ سونکیں اس (حسین عورت) سے حسد نہ کریں اور ایسی عورت میں عیب نہ نکالا جائے۔ مجھے (بہر حال) یہی معلوم ہو رہا تھا کہ ان کو اس معاملہ میں اتنی پریشانی لاحق نہیں تھی جتنی مجھے تھی۔ میں نے کہا: کیا میرے والد کو (بھی) یہ سب کچھ معلوم ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! میں نے کہا: اور رسول اللہ ﷺ کو؟ انہوں نے کہا: ہاں! رسول اللہ ﷺ کو بھی یہ سب کچھ معلوم ہے، پھر

فَقَالَتْ أَقُولُ مَاذَا قُلْتُمَا لَمْ يُجِيبَاہُ تَشْهَدُ
فَحَدَّثَ اللَّهُ وَأَثْبِتَ عَلَيْهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قُلْتُ أَمَّا
بَعْدُ فَوَاللَّهِ لَئِنْ قُلْتُ لَكُمْ إِنِّي لَمْ أَفْعَلْ وَاللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ
يَشْهَدُ إِنِّي لَصَادِقَةٌ مَا ذَاكَ بِنَافِعِي عِنْدَكُمْ لَقَدْ
تَكَلَّمْتُ بِهِ وَأُشْرِبْتُهِ قُلُوبُكُمْ وَإِنْ قُلْتُ إِنِّي قَدْ فَعَلْتُ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَنِّي لَمْ أَفْعَلْ لَتَقُولُنَّ قَدْ بَاءَتْ بِهِ عَلَى
نَفْسِهَا وَإِنِّي وَاللَّهِ مَا أَجِدُ لِي وَلَكُمْ مَثَلًا وَالتَّسْتُ
اسْمُ يَعْقُوبَ فَلَمْ أَقْدِرْ عَلَيْهِ إِلَّا أَبَا يُوسُفَ حِينَ قَالَ
﴿قَصَبٌ جَبِيلٌ^۱ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ ۝﴾
(یوسف: ۱۸) وَأُنْزِلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْ
سَاعَتِهِ فَسَكَنَّا فَرَفِعَ عَنْهُ وَإِنِّي لَأَتَّبِعُنَّ السُّورَ فِي
وَجْهِهِ وَهُوَ يَنْسَخُ جَبِينَهُ وَيَقُولُ أَبْشِرِي يَا عَائِشَةُ
فَقَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ بَرَاءَتَكَ قَالَتْ وَكُنْتُ أَشَدَّ مَا كُنْتُ
غَضَبًا فَقَالَ لِي أَبَوَايَ قُومِي إِلَيْهِ فَقُلْتُ لَا وَاللَّهِ لَا أَقُومُ
إِلَيْهِ وَلَا أَحْمَدُهُ وَلَا أَحْمَدُكُمْ وَلَكِنْ أَحْمَدُ اللَّهَ الَّذِي
أَنْزَلَ بَرَاءَتِي لَقَدْ سَيِّئْتُوهُ قَبْلَ أَنْ تَكُنْتُوهُ وَلَا غَيْرُتُوهُ
وَكَانَتْ عَائِشَةُ تَقُولُ أَمَّا زَيْنَبُ ابْنَةُ جَحْشٍ فَعَصَبَهَا
اللَّهُ بِدِينِهَا فَلَمْ تَقُلْ إِلَّا خَيْرًا وَأَمَّا أُخْتُهَا حَنْئَةُ
فَهَلَكَتْ فِيمَنْ هَلَكَ وَكَانَ الَّذِي يَتَّكِمُ فِيهِ مُسْطَحٌ
وَحَسَانُ بْنُ ثَابِتٍ وَالْمُنَافِقُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أُبَيٍّ وَهُوَ
الَّذِي كَانَ يَسْتَوْشِيهِ وَيَجْمَعُهُ وَهُوَ الَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ
مِنْهُمْ هُوَ وَحَنْئَةُ قَالَتْ فَخَلَفَ أَبُو بَكْرٍ أَنْ لَا يَنْفَعَهُ
مُسْطَحًا بِنَافِعَةٍ أَبَدًا فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا يَأْتِلِ
أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ
وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَى وَالْمَسَاكِينَ يَعْنِي
مُسْطَحًا إِلَى قَوْلِهِ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ
غَفُورٌ رَحِيمٌ حَتَّى قَالَ أَبُو بَكْرٍ بَلَى وَاللَّهِ يَا رَبَّنَا إِنَّا
لَنُحِبُّ أَنْ تَغْفِرَ لَنَا وَعَادَلَهُ بِمَا كَانَ يَصْنَعُ-

(صحیح مسلم: ۲۷۷۰، سنن ترمذی: ۳۱۸۰، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۳)

میری آنکھیں بھر آئیں اور میں آواز سے رونے لگیں تو حضرت
ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میری آواز سن لی، وہ گھر کے بالا خانے میں
طلاوت کر رہے تھے، پس وہ نیچے اترے اور انہوں نے میری
والدہ سے کہا: یہ کیوں رو رہی ہیں؟ انہوں نے کہا: اس کو وہ خبر پہنچ
گئی ہے جو اس کے معاملہ میں گردش کر رہی ہے۔ یہ سن کر حضرت
ابوبکر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور انہوں نے (مجھ سے) فرمایا: اے میری
بیٹی! میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں کہ تم اپنے گھر لوٹ جاؤ، پس میں
لوٹ آئی اور رسول اللہ ﷺ بھی میرے گھر میں تشریف لائے اور
آپ نے میری خادمہ (حضرت بریرہ) سے میرے متعلق پوچھا تو
خادمہ نے کہا: اللہ کی قسم! ایسی کوئی بات نہیں ہے (اور) ان کے
متعلق کسی قسم کا کوئی عیب میرے علم میں نہیں ہے، سوائے اس کے
کہ (آٹا گوندھتے ہوئے) انہیں اونگھ آ جاتی ہے حتیٰ کہ بکری آ کر
ان کا آٹا کھا جاتی ہے۔ صحابہ میں سے کسی نے خادمہ کو ٹوکا اور کہا
کہ رسول اللہ ﷺ سے سچ بیان کرو اور لوگوں نے خادمہ کو
مختلف باتیں کہہ کر وضاحت چاہی، تو خادمہ نے کہا: اللہ عزوجل
پاک ہے، اللہ کی قسم! میں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق وہی
بات جانتی ہوں جو سونے کے خالص ٹکڑے کے متعلق ایک سار
جانتا ہے (یعنی عیب سے پاک اور صاف ہونا) اور واقعہ کی یہ خبر
اس شخص تک (بھی) پہنچی جس کے ساتھ تہمت لگائی تھی (یعنی
حضرت صفوان رضی اللہ عنہ)، انہوں نے یہ خبر سن کر کہا: اللہ عزوجل
پاک ہے! اللہ کی قسم میں نے کبھی کسی عورت کا کپڑا نہیں کھولا۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: انہوں نے اللہ عزوجل کی راہ میں
شہادت کی موت پائی۔ فرماتی ہیں: (اگلے دن) صبح کو میرے
والدین میرے پاس میری دائیں اور بائیں جانب سے میرا
احاطہ کیے ہوئے تھے، پس رسول اللہ ﷺ نے اللہ عزوجل کی
حمد و ثنا کی، پھر فرمایا: حمد و ثناء کے بعد اے عائشہ! اگر تم نے کسی
برائی کا ارتکاب کیا ہے یا ظلم کیا ہے تو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں توبہ
کر لو، کیونکہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اس دوران انصار کی ایک عورت آ کر

ص ۱۵۰، مسند احمد ج ۶ ص ۵۹، ج ۴۰، ص ۳۶۸، مؤسسۃ
الرسالۃ، بیروت)

دروازے پر بیٹھی ہوئی تھی (اور نبی ﷺ کی گفتگو سن رہی تھی)،
میں نے عرض کی: آپ اس عورت کی وجہ سے توقف نہیں فرمائیں
گے کہ کہیں یہ (باہر جا کر) کچھ کا کچھ بیان کر دے، پس رسول اللہ
ﷺ نے نصیحت جاری رکھی، پھر میں اپنے والد کی طرف متوجہ
ہوئی اور میں نے ان سے کہا: آپ نبی ﷺ کی بات کا جواب
دیں۔ انہوں نے کہا: میں کیا کہوں؟ پھر میں اپنی والدہ کی طرف
متوجہ ہوئی اور میں نے ان سے کہا: آپ نبی ﷺ کی بات کا
جواب دیں، تو انہوں نے (بھی) یہی کہا کہ میں کیا کہوں؟ پس
جب ان دونوں نے نبی ﷺ کی بات کا جواب نہیں دیا تو پھر
میں نے تشہد پڑھا، یعنی اللہ عزوجل کی حمد و ثناء بیان کی ایسے الفاظ
کے ساتھ جن کا اللہ عزوجل ہی اہل ہے، پھر میں نے کہا: حمد و ثناء
کے بعد اللہ کی قسم! اگر میں آپ لوگوں سے یہ کہوں کہ میں نے کوئی
(غلط کام) نہیں کیا اور اللہ عزوجل گواہ ہے کہ میں ضرور سچی ہوں تو
میرا یہ دعویٰ آپ لوگوں کے نزدیک میرے حق میں (بالکل) مفید
نہیں ہوگا، (کیونکہ) آپ لوگوں نے اس واقعہ پر آپس میں
(بہت) کلام کیا ہے اور یہ واقعہ آپ لوگوں کے دلوں میں رچ بس
گیا ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ میں نے ایسا کیا ہے، حالانکہ اللہ
عزوجل جانتا ہے کہ میں نے ایسا نہیں کیا تو ضرور آپ لوگ کہیں
گے کہ اس نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا ہے اور بلاشبہ اللہ کی قسم! میں
اپنے لیے اور آپ لوگوں کے لیے صرف حضرت یوسف کے والد
(علیہ السلام) کی مثال پاتی ہوں جب انہوں نے فرمایا تھا کہ: ”صبر
کرنا ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم لوگ بیان کر رہے ہو اس پر اللہ ہی
سے مدد مطلوب ہے“ O (یوسف: ۱۸) میں (یہ مثال بیان کرنے
کے لیے) حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام سوچتی رہی مگر (شدت غم کی
وجہ سے) میں اس نام کو ذہن میں لانے پر قادر نہ ہو سکی اور اسی
وقت رسول اللہ ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا، پس ہم
خاموش ہو گئے، پھر جب آپ سے وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو میں
نمایاں طور پر آپ کے چہرہ انور میں خوشی دیکھ رہی تھی اور آپ اپنی
پیشانی سے (پسینہ) پونچھ رہے تھے اور فرما رہے تھے: اے

عائشہ! تمہیں خوش خبری ہو، اللہ عزوجل نے تمہاری پاکیزگی (کا بیان) نازل فرما دیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اس وقت میں بہت زیادہ غصہ میں تھی، پس مجھ سے میرے والدین نے کہا: تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف (تعظیماً) کھڑی ہو جاؤ، تو میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں ان کی طرف قیام نہیں کروں گی اور نہ میں ان کی حمد کروں گی اور نہ آپ دونوں کی حمد کروں گی، بلکہ میں اللہ عزوجل کی حمد کروں گی جس نے میری پاکیزگی (کا بیان) نازل فرمایا، آپ لوگوں نے (جب) یہ تہمت کی بات سنی تو نہ تو اس کا انکار کیا اور نہ اس کو ختم کیا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ: حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو تو اللہ عزوجل نے ان کے دین کے سبب (غلط بات کرنے سے) محفوظ رکھا اور انہوں نے صرف خیر کی بات کی، جب کہ ان کی بہن (حضرت) حمہ (رضی اللہ عنہا) ہلاک ہونے والوں میں شامل ہو کر ہلاک ہو گئیں، اور وہ لوگ جو اس تہمت کی بات میں شریک ہوئے وہ حضرت مسطح، حضرت حسان بن ثابت (رضی اللہ عنہما) اور (سب سے بڑھ کر) منافق شخص عبد اللہ بن ابی تھا، یہی وہ شخص تھا جو کرید کرید کر باتیں جمع کر رہا تھا (تاکہ کہانی بن سکے) اور تہمت لگانے والوں میں یہ اور حمہ (رضی اللہ عنہما) دو افراد ہیں جنہوں نے اس میں بڑا حصہ لیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھالی کہ وہ آئندہ کبھی بھی مسطح رضی اللہ عنہ کو کوئی نفع نہیں پہنچائیں گے، پس اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: اور قسم نہ کھائیں تم میں سے اصحاب فضل اور ارباب وسعت۔ اس سے مراد حضرت ابوبکر صدق رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ قسم کہ وہ رشتہ داروں اور مسکینوں کو کچھ نہیں دیں گے، اس سے مراد حضرت مسطح رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ آیت یہاں تک ہے کہ: کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کر دے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے (النور: ۲۲) حتیٰ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں، اللہ کی قسم! اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم ضرور چاہتے ہیں کہ تو ہماری مغفرت فرما دے۔ اور (یہ کہہ کر) انہوں نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کا وہ خرچہ بحال فرما دیا جو

(پہلے) انہیں آپ دیا کرتے تھے۔

اس حدیث کی شرح، صحیح البخاری: ۴۷۵۰ کے تحت بہت تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے، تاہم یہاں دو اہم امور ذکر کیے جا رہے ہیں:

حدیث افک کو امام بخاری کا سند معلق کے ساتھ روایت کرنا اور افک کے واقعہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے غضب

فرمانے کی توجیہ

(۱) ایک یہ کہ اس حدیث کو یہاں امام بخاری نے سند معلق کے ساتھ روایت کیا ہے، کیونکہ انہوں نے سند کے آغاز میں فرمایا: ابو اسامہ نے کہا: جب کہ امام مسلم نے اس حدیث کو سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے، اور ان کی سند کے الفاظ یہ ہیں کہ: ہمیں ابو بکر بن ابی شیبہ اور محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، ان دونوں نے کہا، ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود (حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ) از سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا۔ (صحیح مسلم: ۴۷۵۰، کتاب التوبہ، رقم: ۵۸)

(۲) دوسرا یہ کہ اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں بہت زیادہ غصہ میں تھی (الی قولہا): اللہ کی قسم! میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قیام نہیں کروں گی اور نہ میں ان کی حمد کروں گی اور نہ آپ دونوں کی حمد کروں گی۔ اس جملہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے والدین سمیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی غصہ تھا، تو آیا ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر غصہ ہونا ان کے ایمان کے منافی تھا یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی شخص کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی رسالت اور نبوت کی حیثیت سے غصہ ہونا، یہ تو ایمان کے منافی ہے، لیکن تمام حیثیات کا حکم یکساں نہیں ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں، اگر بالفرض انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر غصہ فرمایا ہے تو آپ کے رسول اور نبی ہونے کی حیثیت سے نہیں، بلکہ آپ کے ساتھ ازدواجی رشتہ کے لحاظ سے، اور اس پر شرعاً کوئی حکم لاگو نہیں ہوتا۔ اگر ان کا یہ جملہ ان کے ایمان کے منافی ہوتا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر یہ بات ظاہر فرمادیتے اور ان کا ایمان ضائع ہونے سے بچاتے، مگر یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی، اور ازدواجی رشتہ کے لحاظ سے غصہ ہونا ایسی چیز ہے جس کی نسبت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف فرمائی ہے، جیسا کہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں خوب جانتا ہوں جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو۔ (الی آخر الحدیث) (صحیح بخاری: ۵۲۲۸، صحیح مسلم: ۴۴۳۹)

یہ تمام گفتگو اس صورت میں ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس موقع پر اپنے والدین سمیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی غصہ میں تھیں، ورنہ اس سے قبل (صحیح البخاری: ۴۷۵۰ کے تحت) علامہ ابن ابی جمرہ متوفی ۶۹۹ھ کے حوالہ سے ہم لکھ چکے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب ان کے والدین نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھڑی ہو جاؤ، تو آپ نے قیام کرنے سے اس لیے منع کر دیا تھا کہ آپ کو آپ کے والدین سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرما چکے تھے کہ اللہ عزوجل کی حمد کرو۔ (جیسا کہ صحیح البخاری: ۲۶۶۱ میں اس کی تصریح ہے) سو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مناسب نہ سمجھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر والدین کے حکم کو ترجیح دی جائے، اس لیے آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیام نہیں کیا۔

اللہ عزوجل کے ارشاد: اور عورتیں اپنے دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈال لے رکھیں۔ (النور: ۳۱) کی تفسیر

۱۳۔ بَابُ: وَلْيَضْحَكُنَّ يَخْمُرْنَ عَلَى
جُيُوبِهِنَّ۔ (النور: ۳۱)
اس آیت مبارکہ کا آغاز اس طرح ہے:

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَعْضَضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ
فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا
وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ۔ (النور: ۳۱)

۴۷۵۸۔ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ
يُونُسَ قَالَ ابْنُ شَهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ
اللهُ عَنْهَا قَالَتْ يَرْحَمُ اللهُ نِسَاءَ الْمُهَاجِرَاتِ الْأُولَى
لَنَا أَنْزَلَ اللهُ ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ﴾
(النور: ۳۱) شَقَّقْنَ مَرُوطَهُنَّ فَاخْتَمَرْنَ بِهَا۔

(سنن ابوداؤد: ۴۱۰۲، سنن بیہقی ج ۲ ص ۲۳۳، المستدرک ج ۲)

ص ۳۹۷ شرح النور: ۳۰۸۲)

دو پٹے بنا لیے۔

النور: ۳۱ کی تفسیر میں امام بخاری کا سند معلق کے ساتھ حدیث روایت کرنا اور اس حدیث کی مختصر شرح

یہ حدیث بھی امام بخاری نے سند معلق کے ساتھ ذکر کی ہے حالانکہ احمد بن حنبل آپ کے مشائخ میں سے ہیں۔ اس اعتبار سے اگر آپ یوں فرماتے کہ ”ہمیں حدیث بیان کی احمد بن حنبل نے“ تو زیادہ بہتر ہوتا، لیکن ہو سکتا ہے آپ نے ان سے یہ حدیث نہ سنی ہو اس لیے آپ نے حدیث کا لفظ ترک فرمادیا۔

پہلے ہجرت کرنے سے مراد یہ ہے کہ جن عورتوں نے ہجرت کرنے میں سبقت کی، اور دو پٹے بنانے سے مراد یہ ہے کہ ان عورتوں نے اپنی چادریں پھاڑ کر اپنا سر، سینہ اور چہرہ سب کچھ چھپا دیا۔ زمانہ جاہلیت میں عورتیں اپنا دوپٹہ پیچھے کی طرف لٹکا دیتی تھیں اور اگلا حصہ کھلا چھوڑ دیتی تھیں، اس لیے النور: ۳۱ نازل فرما کر اللہ عزوجل نے عورتوں کو خصوصیت کے ساتھ اپنے گریبان ڈھانپنے رکھنے کا حکم فرمایا۔ ہمارے دور میں خواتین کی ایک بڑی تعداد نے دوپٹہ استعمال کرنا ہی ترک کر دیا ہے، وہ اپنے سر کے بال اور سینے کو نمایاں کر کے جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں اور ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو دوپٹے کو برائے نام اپنے گلے میں لٹکا رکھتی ہے اور یہ دونوں ہی طرز عمل قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہیں۔

۴۷۵۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو نَعِيمٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَافِعٍ
عَنْ الْحَسَنِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ أَنَّ
عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا كَانَتْ تَقُولُ لَنَا نَزَلَتْ هَذِهِ
الآيَةُ ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ﴾ (النور: ۳۱)
أَخَذْنَ أَزْوَاجَهُنَّ فَشَقَّقْنَهَا مِنْ قِبَلِ الْحَوَاشِي
فَاخْتَمَرْنَ بِهَا۔

چادروں کے دوپٹے بنانے کے متعلق دو مختلف روایتوں میں تطبیق

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن نافع نے حدیث بیان کی، حسن بن مسلم از صفیہ بنت شیبہ کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں جب یہ آیت نازل ہوئی: ”اور عورتیں اپنے دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں“ (النور: ۳۱)۔ تو عورتوں نے اپنے گریبانوں سے پھاڑ کر ان کے دوپٹے بنا لیے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جن عورتوں نے اپنی چادروں کے دوپٹے بنائے وہ مہاجرات (ہجرت کرنے والی) خواتین ہیں، جب کہ آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ انصار کی عورتوں نے اپنی چادروں کے دوپٹے بنائے۔ اس کو امام ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: ان دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ انصار کی عورتوں نے اس حکم پر عمل کرنے میں سبقت کر لی اور پھر مہاجرات نے بھی اس پر عمل کیا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۰)

سورة النور کا اختتام

الحمد لله آج بروز جمعرات ۱۵ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۹ مئی ۲۰۱۱ء کو سورة النور کی احادیث کی شرح مکمل ہو گئی، اب ان شاء الله سورة الفرقان کی احادیث کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۲۵۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ الْفُرْقَانِ

سورة الفرقان کی تفسیر

سورة الفرقان کا مختصر تعارف

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

الفرقان کا لفظ فرق سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے: دو چیزوں کے درمیان فاصلہ اور امتیاز کرنا۔ قرآن مجید کا ایک نام الفرقان ہے، کیونکہ قرآن مجید حق اور باطل کے درمیان فرق کرتا ہے اور بعض نے یہ وجہ بیان کی کہ قرآن مجید ایک مرتبہ میں نازل نہیں ہوا، بلکہ جدا جدا طور پر نازل ہوا ہے، اس لیے اس کو الفرقان کہا جاتا ہے اور اس بات کی تائید سورۃ بنی اسرائیل کی آیت: ۱۰۶ میں موجود ہے۔

سورة الفرقان مکی ہے، البتہ اس کی آیت: ۷۰ کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سورت کی آیت: ۶۸ اور آیت: ۷۰ دونوں کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ دونوں آیات مدنی ہیں اور بعض کے نزدیک مکی ہیں، جب کہ سعید بن جبیر کے نزدیک ان میں سے پہلی آیت مکی ہے اور دوسری آیت مدنی ہے۔ اس سورت میں ۷۷ آیتیں ہیں، ۸۹۲

کلمات ہیں اور ۸۰۷۳ حروف ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۱)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هَبَاءٌ مَّنْشُورٌ مَا تَسْفِي بِهِ الرِّيحُ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: هَبَاءٌ مَّنْشُورٌ کا معنی ہے: ایسی چیز جو ہوا اڑا کر لائے۔

اس تعلق سے امام بخاری کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

وَقَدْ مَنَّآ إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنْشُورًا ۝ (الفرقان: ۲۳)

اور انہوں نے (اپنے زعم میں) جس قدر (نیک) کام کیے تھے ہم ان کی طرف قصد کریں گے اور ان کو فضا میں بکھرے ہوئے

(غبار کے) باریک ذرے بنادیں گے ○

مفسرین کے ایک قول کے مطابق یہ آیت کفار سے متعلق ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کفار نے اپنے گمان میں جو نیک اعمال کیے تھے وہ آخرت میں ریزہ ریزہ کر کے ضائع کر دیئے جائیں گے اور وہ فضا میں بکھرے ہوئے سورج کی شعاعوں کے باریک ذرات کی طرح ہو جائیں گے، کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی صالح عمل مقبول نہیں ہوتا۔ (انوار بیان القرآن ص ۷۷)

اس آیت میں هَبَاءٌ کا جو لفظ ہے اس کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں: مجاہد، عکرمہ اور حسن بصری کے نزدیک اس

سے مراد غبار کی مانند ذرات ہیں جو سورج کی روشنی میں روشن دان سے نظر آتے ہیں اور سائے میں نظر نہیں آتے اور ہاتھوں سے

ان کو چھوا بھی نہیں جاتا۔ ابن زید کا قول ہے کہ اس سے مراد غبار ہے اور مقاتل کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ ذرات ہیں جو جانوروں

کے کھروں سے اڑتے ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۱) اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی جو تفسیر فرمائی وہ امام بخاری

نے ذکر کر دی کہ اس سے مراد وہ چیز یعنی وہ ذرات ہیں جو ہوا اپنے ساتھ اڑا کر لائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کفار کے اعمال انہی ذرات

اس کے قریب قریب قول فرمایا ہے اور اسی کی مثل حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ان سے کہا: اے امیر المؤمنین! میں رات کو نماز نہیں پاسکا۔ آپ نے فرمایا: رات کا جو عمل رہ جائے اسے دن میں ادا کر لو اور دن کا جو عمل رہ جائے اسے رات میں ادا کر لو، پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی کہ: (اللہ) وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا۔

(۲: طائت اہل السنۃ ۸ ص ۲۸)

خلفۃ کی تفسیر میں علماء مفسرین کے اور بھی اقوال ہیں، جن کی تفصیل کتب تفسیر میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ فِي طَاعَةِ اللَّهِ وَمَا شِئْنِي أَقَرَّ لِعَيْنِ الْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْ يَرَى حَبِيبَهُ فِي طَاعَةِ اللَّهِ۔
اور حسن (بصری) نے کہا: هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا سے مراد ہے: اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں، اور مومن کی آنکھ کے لیے سب سے زیادہ جو چیز ٹھنڈک کا باعث ہے وہ یہ ہے کہ مومن شخص اپنے پیارے کو اللہ کی اطاعت میں دیکھے۔

اس تعلیق سے امام بخاری کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ۔ (الفرقان: ۷۴)
اور وہ لوگ (رحمن کے بندے) یہ دعا کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔

اس تعلیق میں امام بخاری نے حسن بصری کا جو قول پیش کیا ہے وہ درحقیقت ”قُرَّةَ أَعْيُنٍ“ کی تفسیر ہے، جس کا لفظی معنی ہے: آنکھوں کی ٹھنڈک، اور حسن بصری کی مراد یہ ہے کہ ازواج کی طرف سے ان کے شوہروں کے لیے اور اولاد کی طرف سے ان کے والدین کے لیے جو چیز آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہو سکتی ہے وہ ازواج اور اولاد کا نیک، فرمانبردار مومن ہونا ہے، اور جس شخص نے ایمان کی حلاوت پالی ہو اس کی آنکھوں کے لیے اس سے زیادہ کوئی چیز آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے گھر والوں کو اللہ عزوجل کا اطاعت گزار اور متبع شریعت دیکھے۔ ہمارے زمانے میں چونکہ لوگوں کی اکثریت ایمان کی حلاوت سے محروم ہے اس لیے بد قسمتی سے آنکھوں کی ٹھنڈک کا معیار بھی بدل چکا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ شُبُورٌ أَوْ يَلٌ۔
اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: شُبُورٌ کا معنی وِیل ہے (یعنی بربادی)۔

اس سے امام بخاری کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا۔ (الفرقان: ۱۳)
اور جب ان کو زنجیروں سے جکڑ کر (دوزخ کی) تنگ جگہ میں جھونکا جائے گا تو وہاں وہ موت کا پکاریں گے ○

موت کو پکارنے سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ موت کو طلب کریں گے، تاکہ عذاب سے چھٹکارا ملے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لفظ شُبُور کی جو تفسیر فرمائی کہ اس کا معنی وِیل ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ دوزخی لوگ عذاب کی شدت سے تگ آ کر شُبُور کا لفظ پکاریں گے اور مراد یہ ہوگی کہ ہم برباد ہو گئے ہم تباہ ہو گئے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ السَّعِيرُ مَذْكُورٌ وَالشَّعْطُ وَالْأَضْطَرَامُ الشُّوقُ الشَّدِيدُ۔
اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر نے کہا ہے: السَّعِيرُ مذکور ہے اور شَّعْطُ اور اَضْطَرَامُ کا معنی ہے: آگ کا بہت شدت۔

کے ساتھ روشن ہونا۔

اس تعلق سے امام بخاری کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ ۖ وَأَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ
سَعِيرًا ۝ (الفرقان: ۱۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر نے کہا: اس سے مراد حضرت ابو عبیدہ بنی شہید ہیں۔ انہوں نے لفظ سعیر کو مذکر کہا ہے، کیونکہ لفظی طور پر اس میں کوئی تائید نہیں ہے، البتہ جب اس کے لیے فعل کا صیغہ مونث لایا جائے تو وہ اس بناء پر ہے کہ اس لفظ کا استعمال آگ کے لیے ہوتا ہے یا اس بناء پر ہے کہ یہ لفظ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور یہ دونوں وجہیں ایسی ہیں کہ ان سے ہر حال خود لفظ سعیر کا مونث ہونا لازم نہیں آتا۔

اس تعلق کے آخر میں امام بخاری نے جو فرمایا کہ: تسعرا اور اضطرار کا معنی ہے: آگ کا بہت شدت سے روشن ہونا، اس سے مقصود سعیر کا معنی واضح کرنا ہے۔

تُثَلَّىٰ عَلَيْهِ تُثْقَرُ عَلَيْهِ مِنْ أَمَلَيْتُ وَأَمَلَنْتُ۔
تُثَلَّىٰ عَلَيْهِ کا معنی ہے: وہ (کہانیاں) اس رسول پر پڑھی جاتی ہیں۔ یہ أَمَلَيْتُ اور أَمَلَنْتُ سے مشتق ہے۔

اس سے امام بخاری کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

وَقَالُوا أَأَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُلْىٰ عَلَيْهِ
بُكْرَةً ۖ وَأَوِيلًا ۝ (الفرقان: ۱۱)

یعنی کفار کا مقصد یہ تھا کہ قرآن مجید گزشتہ زمانے کی کہانیوں کی طرح کہانی کی ایک کتاب ہے اور وہ کہانیاں نبی سننے پہنچنے سے کسی سے اپنے لیے لکھوالی ہیں اور پھر وہ کہانیاں صبح و شام آپ کے سامنے پڑھی جاتی ہیں۔ (نعود بآمنہ من صفوات الکافرین) تعلق کے آخر میں امام بخاری نے املیت اور املت سے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ آیت میں تُثَلَّىٰ کا لفظ املاء سے مشتق ہے اور املاء میں ایک لغت املال بھی ہے جو کہ البقرہ: ۲۸۲ میں مذکور ہے اور چونکہ یہ دونوں لغتیں قرآن مجید میں مذکور ہیں اس لیے یہ دونوں جید ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۳)

الرَّشَّ السَّعْدُونَ جَمْعُهُ رَسَائِسٌ مَا يَغْبَأُ۔
الرَّشَّ کا معنی ہے: المعدن (کان) اس کی جمع رساس آتی ہے۔

اس سے امام بخاری کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

وَعَادًا وَثَمُودًا وَأَصْحَابَ الرَّيِّسِ وَقُرُونًا بَيْنَ ذَلِكَ
كَثِيرًا ۝ (الفرقان: ۱۱)

ابو عبیدہ نے کہا: اصحاب الرس سے مراد اصحاب المعدن ہیں۔ خلیل نے کہا: الرس براس کنویں کو کہتے ہیں جو پتھروں سے نہ بنایا گیا ہو۔ مجاہد نے کہا: الرس سے مراد کنواں ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۵۰) قتادہ نے کہا: اصحاب الرس ایک اور اصحاب الرس دو امتیں ہیں جن کی طرف اللہ عز و جل نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا اور دونوں امتیں عذاب کا شکار ہوئیں۔ سدی نے کہا: رس ایک کنواں ہے جو انطاکیہ میں ہے۔ اس میں لوگوں نے حبیب نجار کو شہید کیا، اس لیے لوگوں کو اس کنوئیں کی طرف مغسوب کیا گیا، اور اصحاب الرس فرمایا گیا۔ (عمدة القاری ج ۱۰ ص ۱۳۳)

مَا يَغْبَأُ يُقَالُ مَا عَبَّاتُ بِهِ شَيْئًا لَا يُغْتَدُّ بِهِ۔

ما یعبأ: کہا جاتا ہے: ماعبات بہ شینا۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ یہ ایسی چیز کے بارے میں بولا جاتا ہے جو کسی گنتی میں نہ ہو۔

اس سے امام بخاری کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

قُلْ مَا يَعْبُوْا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ۔

آپ کہیے: میرے رب کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں اگر تم (اس کی) عبادت نہ کرو۔ (الفرقان: ۷۷)

عَرَامًا هَلَاكَ وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَعَتُّوا طَعْوًا۔

عَرَامًا کا معنی ہے: ہلاکت، اور مجاہد نے کہا: عَتُّوا کا معنی ہے: انہوں نے سرکشی کی۔

عَرَامًا کی تفسیر سے امام بخاری کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۚ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ (الفرقان: ۶۵)

اور (رحمن کے بندے وہ ہیں) جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم سے دوزخ کے عذاب کو پھیر دے، بے شک دوزخ کا عذاب چمٹنے والا ہے O

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حسن بصری نے کہا: غرام ایسی چیز کو کہتے ہیں جو کسی سے چمٹ جائے اور اس سے جدا نہ ہو، اور بعض نے کہا: اس کا معنی ہلاکت ہے۔ (۳ دیلات اہل السنہ ج ۸ ص ۴۱)

امام بخاری نے اس کے بعد مجاہد کے حوالہ سے عَتُّوا کی جو تفسیر ذکر کی اس سے آپ کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا فِيْ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًا كَبِيْرًا ۝ (الفرقان: ۲۱) کی O

کیونکہ انہوں نے بعث بعد الموت کو جھٹلایا اور اپنے آپ کو اس پر ایمان لانے سے بالآخر سمجھا اور سرکشی کا مظاہرہ کیا۔ سرکشی سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے یہ انکار کر کے خوب دیدہ دلیری اور جسارت کا مظاہرہ کیا اور حد سے آگے بڑھ گئے اور یہ سب کچھ اس بنا پر ہوا کہ ان کے دلوں میں تکبر تھا۔

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَاتِيَةٌ عَثَتْ عَنِ الْخَزَائِنِ۔ اور سفیان بن عیینہ نے کہا: عاتية سے مراد ایسی ہوا ہے جو خازن فرشتوں پر تجاوز کر گئی۔

امام بخاری نے یہ تعلق صرف لفظ عَتُّوا کا معنی واضح کرنے کے لیے ذکر کیا ہے، ورنہ ”عَاتِيَةٌ“ کا لفظ سورۃ الفرقان میں نہیں ہے، بلکہ سورۃ الحاقہ میں ہے۔ پوری آیت اس طرح ہے:

وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ (الحاقہ: ۶)

امام بخاری نے جو تعلق ذکر کیا اس میں خازن فرشتوں سے مراد وہ فرشتے ہیں جو ہواؤں پر مقرر ہیں اور اللہ عزوجل کے حکم سے وہ ایک معین مقدار میں ہوا چلاتے ہیں، مگر جس دن قوم عاد پر عذاب کی ہوا چلائی گئی تو اس دن وہ ہوا ان فرشتوں پر تجاوز کر گئی اور کسی قسم کی مقدار، پیمانے اور وزن کے بغیر چلتی رہی۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۳) اور ظاہر ہے کہ اس دن یہی حکم ربی تھا، ورنہ کوئی بھی چیز اذن الہی کے بغیر کیسے تصرف کر سکتی ہے!

۱۔ بَابُ: الَّذِينَ يُحْشَرُونَ عَلَى وُجُوهِهِمْ
إِلَى جَهَنَّمَ أُولَئِكَ شَرُّ مَكَانًا وَأَصْلُ
سَبِيلًا ۝ (الفرقان: ۳۴)

اللہ عزوجل کے ارشاد: جو لوگ اپنے چہروں کے بل
گھسیٹ کر جہنم کی طرف لائے جائیں گے ان کا بہت
برا ٹھکانا ہوگا اور وہ راستے سے سب سے زیادہ بھٹکنے
والے ہوں گے ۝ (الفرقان: ۳۴) کی تفسیر

علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں: کفار مکہ نے کہا کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) اور آپ کے اصحاب اللہ کی مخلوق میں
(معاذ اللہ) سب سے برے لوگ ہیں۔ ان کے جواب میں اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(زاد المسیر ص ۱۰۱۶، مطبوعہ دار ابن حزم، ۱۴۲۳ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث
بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس بن محمد البغدادی نے حدیث
بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از قنادہ،
انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث
بیان کی کہ ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! کیا کافر کو
قیامت کے دن اس کے چہرے کے بل چلایا جائے گا؟ تو نبی
ﷺ نے فرمایا: وہ ذات جس نے اس دنیا میں اسے دو ٹانگوں
کے ذریعہ چلایا کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ قیامت کے دن
اسے اس کے چہرے کے بل چلائے۔ قنادہ نے نے کہا: کیوں
نہیں، ہمارے پروردگار کی عزت کی قسم!

۶۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يُونُسُ
بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ
حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا قَالَ
يَا نَبِيَّ اللَّهِ يُحْشَرُ الْكَافِرُ عَلَى وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ
الْيَسَّ الَّذِي أَمْشَاهُ عَلَى الرَّجُلَيْنِ فِي الدُّنْيَا قَادِرًا
عَلَى أَنْ يُنْشِئَهُ عَلَى وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ قَتَادَةُ
بَنَى وَعِزَّةٌ رَبَّنَا۔

[طرف الحدیث: ۶۵۲۳]

کفار کا قیامت کے دن منہ کے بل گھسیٹا جانا اور عامۃ المسلمین کا اپنے قدموں سے چل کر آنا اور صالحین کا اپنی

سوار یوں پر بیٹھ کر آنا

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بزار نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لوگوں کا حشر تین اقسام میں ہوگا: ایک قسم ان
لوگوں کی ہوگی جو جانوروں پر سوار ہوں گے، ایک قسم ان لوگوں کی ہوگی جو اپنے پیروں پر کھڑے ہوں گے اور ایک قسم ان لوگوں کی
ہوگی جو اپنے چہروں کے بل چل رہے ہوں گے، پس سوال کیا گیا: لوگ اپنے چہروں کے بل کیسے چلیں گے؟ (آگے وہی جواب
مذکور ہے جو صحیح بخاری کی حدیث میں اوپر مذکور ہوا۔) اور احادیث کے مجموعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ عزوجل کے نیک اور
مقرب بندے اپنی سوار یوں پر حشر میں وارد ہوں گے، عام مسلمان اپنے قدموں سے چل کر آئیں گے اور کفار اپنے چہروں کے بل
جمع کیے جائیں گے۔

کتاب الرقاق میں حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے سائل کے جواب میں جو
جملہ ارشاد فرمایا اس سے واضح ہوتا ہے کہ کفار کا چہرے کے بل چلنا حقیقتاً ہوگا (لہذا اس میں بلا ضرورت تاویل کرنے کی ضرورت

نہیں ہے) اسی لیے صحابہ نے اس پر حیرت کا اظہار کیا اور نبی ﷺ سے اس کی کیفیت کے متعلق سوال کیا۔ بعض مفسرین نے یہ گمان کیا ہے کہ کافروں کا منہ کے بل چلنا ایک مثال ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ عزوجل نے فرمایا: أَقْمَنُ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَى وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّنْ يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ (الملک: ۲۲) ”جھلا جو شخص منہ کے بل اوندھا چلے کیا وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ جو صراطِ مستقیم پر سیدھا چلے“ O مجاہد نے کہا کہ اس آیت میں مومن اور کافر کی مثال بیان کی گئی ہے۔ (حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں: مجاہد نے اس آیت کی جو تفسیر فرمائی اس کو بنیاد بنا کر کسی دوسری آیات کی تفسیر نہیں کی جاسکتی، لہذا نبی ﷺ نے سائل کو جو جواب ارشاد فرمایا اس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ قیامت کے دن کفار کا منہ کے بل چلنا (کوئی مجاز نہیں ہے) بلکہ حقیقت پر مبنی ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۵۱، ج ۷ ص ۵۹۳، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

زیر بحث حدیث میں قتادہ نے جو جملہ کہا کہ: کیوں نہیں! ہمارے پروردگار کی عزت کی قسم! یہ انہوں نے نبی ﷺ کے جملے کی تصدیق میں کہا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث سن کر کہا۔

۲۔ بَابُ: وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا

آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ

إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ

ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۝

(الفرقان: ۶۸)

اللہ عزوجل کے ارشاد: اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ وہ کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے ناحق قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو ایسے کام

کرے گا وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا O

(الفرقان: ۶۸) کی تفسیر

اس آیت کا تعلق الفرقان: ۶۳ سے ہے، کیونکہ اس میں ”عِبَادُ الرَّحْمَنِ“ (رحمن عزوجل کے بندوں) کی صفات کا بیان فرمایا

گیا ہے اور زیر بحث آیت (الفرقان: ۶۸) میں ان ہی صفات کا تسلسل جاری ہے۔

۱۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از سفیان، انہوں نے کہا: مجھے منصور اور سلیمان نے حدیث بیان کی از ابو وائل از ابو میسرہ از عبد اللہ، (ح) انہوں نے کہا: اور مجھے واصل نے حدیث بیان کی از ابو وائل از حضرت عبد اللہ بنی شہزاد، انہوں نے کہا: میں نے پوچھا، یا پوچھا گیا: (یا) رسول اللہ ﷺ! کون سا گناہ اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: (سب سے بڑا گناہ) ہے کہ تم اللہ کے لیے شریک ٹھہرا لو حالانکہ اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ میں نے عرض کیا: پھر کون سا گناہ؟ فرمایا: یہ کہ تو اپنی اولاد کو قتل کرے اس خوف سے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔ میں نے عرض کیا: پھر کون سا گناہ؟ فرمایا: (پھر یہ گناہ) کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی

۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ وَسَلَمَانٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مَيْسَرَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ح قَالَ وَحَدَّثَنِي وَاصِلٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ أَوْسَيْلَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَيُّ الذَّنْبِ عِنْدَ اللَّهِ أَكْبَرُ قَالَ أَنْ تَجْعَلَ لِلنَّاسِ بَيْنَكَ وَهُمْ خَلْقَكَ قُلْتَ ثُمَّ أَيُّ قَالَ ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشِيتُ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ قُلْتَ ثُمَّ أَيُّ قَالَ أَنْ تُزَانِيَ بِخَلِيلَةٍ جَارِكَ قَالَ وَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ تَصْدِيقًا لِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ﴾ (الفرقان: ۶۸)

سے بدکاری کرو۔ راوی نے کہا: اور یہ آیت (الفرقان: ۶۸) رسول اللہ ﷺ کے قول کی تصدیق کے لیے نازل ہوئی (جس میں جنم عزوجل کے بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:) اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ وہ کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جن کے ناحق قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں۔ (الفرقان: ۶۸)

اس حدیث کی شرح، صحیح البخاری: ۷۷۷۳ کے تحت گزر چکی ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے خبر دی کہ ابن جریج نے انہیں خبر دی، انہوں نے کہا کہ مجھے القاسم بن ابی بزوہ نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: جس شخص نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کیا ہو، کیا اس کے لیے توبہ (کی گنجائش) ہے؟ (انہوں نے کہا: نہیں) پس میں نے اس شخص کے سامنے یہ آیت پڑھی: اور وہ لوگ کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کرتے جس کے ناحق قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے۔ (الفرقان: ۶۸) تو سعید بن جبیر نے (مجھ سے) کہا: یہ آیت میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے پڑھی تھی جس طرح تم نے میرے سامنے پڑھی ہے، تو انہوں نے فرمایا تھا: یہ کئی آیت ہے، اس کو ایک مدنی آیت نے منسوخ کر دیا ہے جو کہ سورۃ النساء میں ہے۔

۶۲۷۳۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوسَى اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ اَنْ ابْنَ جُرَيْجٍ اَخْبَرَهُمْ قَالَ اَخْبَرَنِي الْقَاسِمُ بْنُ اَبِي بَزُوَةَ اَنْهُ سَأَلَ سَعِيْدَ بْنَ جُبَيْرٍ هَلْ لِيَنَّ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَبِدًا مِنْ تَوْبَةٍ فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ هَذِهِ لَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (۶۸) فَقَالَ سَعِيْدٌ قَرَأْتُهَا عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ كَمَا قَرَأْتُهَا عَلَى فَقَالَ هَذِهِ مَكِيَّةٌ نَسَخَهَا آيَةُ مَدِيْنَةِ النَّبِيِّ فِي سُورَةِ النَّسَاءِ۔

الفرقان: ۶۸ اور النساء: ۹۳ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف اور جمہور امت کا ان سے اختلاف

اس حدیث کی شرح، صحیح البخاری: ۳۸۵۵ کے تحت گزر چکی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ القرآن: ۶۸: ۷۰۳ میں ان لوگوں کے لیے مغفرت کا اعلان فرمایا گیا ہے جنہوں نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کیا ہو اور اگر ارتکاب کر لیا ہو تو اس کے بعد توبہ کر لی ہو۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ توبہ کر لینے کے بعد بڑے سے بڑے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں، جب کہ سورۃ النساء کی آیت: ۹۳ میں مطلقاً فرمایا گیا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس میں توبہ کرنے والے اور نہ کرنے والے کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ اس سے یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاتل کے لیے قطعاً معافی نہیں ہے، اگرچہ وہ توبہ کر لے۔

دونوں آیتوں کے اس مفہوم میں ظاہراً جو اختلاف نظر آ رہا ہے اس کو دور کرنے کے لیے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ موقف اختیار فرمایا کہ الفرقان کی مذکورہ آیات کفار و مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہیں اور انہیں یہ ترغیب دی گئی ہے کہ اگر وہ اپنے کفر و شرک سے توبہ کر لیں تو زمانہ کفر میں کیے ہوئے ان کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، جب کہ النساء کی آیت: ۹۳ اہل

ایمان کے متعلق نازل ہوئی ہے، کہ اگر ان میں سے کسی نے قتل عمد کا ارتکاب کیا تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور اس کے لیے کسی قسم کی توبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کے برخلاف جمہور امت کا نظریہ یہ ہے کہ گناہ خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، توبہ کر لینے سے وہ معاف ہو جاتا ہے۔ النساء: ۹۳ میں توبہ کرنے والوں کا استثناء نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قاتل کے لیے توبہ کی گنجائش ہی نہ ہو، کیونکہ جب شرک جیسا گناہ توبہ کر لینے سے معاف ہو جاتا ہے تو قتل کا گناہ معاف کیوں نہیں ہو سکتا! النساء: ۹۳ کی ایک تاویل یہ بھی کی گئی ہے کہ اس میں قتل عمد پر ابدی عذاب کی جو وعید بیان کی گئی ہے وہ اس صورت میں ہے جب کوئی شخص قتل مومن کو حلال جان کر قتل کا ارتکاب کرے اور پھر اسی نظریہ پر قائم رہے، حتیٰ کہ اسے موت آجائے، تو ایسا شخص چونکہ قتل مومن کو حلال سمجھنے کی وجہ سے کافر ہو کر مرے گا، اس لیے اس کی سزا دائمی عذاب ہے۔

۶۳-۴۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ السَّيِّدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْكُوفَةِ فِي قَتْلِ الْمُؤْمِنِ فَرَحَلْتُ فِيهِ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ نَزَلَتْ فِي آخِرِ مَا نَزَلَ وَلَمْ يَنْسَخْهَا شَيْءٌ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از السید بن جبیر، انہوں نے کہا: قتل مومن کے معاملہ میں کوفہ والوں کے درمیان اختلاف ہوا، پس میں اس سلسلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا، تو آپ نے فرمایا: یہ آیت (النساء: ۹۳) ان آیتوں میں سے ہے جو آخر میں نازل ہوئی ہیں اور اس کو کسی آیت نے منسوخ نہیں کیا۔

۶۳-۴۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿فَجَزَاءُ مَا جَهَنَّمَ﴾ (النساء: ۹۲) قَالَ لَا تَوْبَةَ لَهُ وَعَنْ قَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ ﴿لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ﴾ (الفرقان: ۶۸) قَالَ كَانَتْ هَذِهِ مِنَ الْجَاهِلِيَّةِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں منصور نے حدیث بیان کی از سعید بن جبیر، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ عزوجل کے ارشاد: ﴿فَجَزَاءُ مَا جَهَنَّمَ﴾ (النساء: ۹۲) کے متعلق سوال کیا (کہ قاتل کے لیے توبہ کی گنجائش ہے یا نہیں؟) انہوں نے فرمایا: اس کے لیے کوئی توبہ نہیں ہے، اور میں نے اللہ عزوجل کے ارشاد: ﴿لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ﴾ (الفرقان: ۶۸) کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: اس کا حکم زمانہ جاہلیت والوں کے لیے ہے۔

ان دونوں احادیث کی شرح کے لیے صحیح البخاری: ۳۸۵۵ کی شرح ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ بَابُ: يُضَعَّفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَ

يَحْلَدُ فِيهِ مُهَانًا ⑤ (الفرقان: ۶۹)

اللہ عزوجل کے ارشاد: اس کے لیے قیامت کے دن عذاب کو دو گنا کر دیا جائے گا اور اس میں وہ ذلت کے ساتھ ہمیشہ رہے گا ⑤ (الفرقان: ۶۹) کی تفسیر

یعنی وہ شخص جو اللہ عزوجل کے ساتھ کسی کو شریک کرے یا قتل ناحق کا ارتکاب کرے یا بدکاری کرے اس کے لیے دو گنا عذاب ہے اور ذلت و رسوائی کے ساتھ اس کے لیے عذاب میں ہمیشگی بھی ہے۔

۶۵۔ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قَالَ ابْنُ أَبِي سَلَمَةَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَبِدًا قَدْ آوَىٰ جَهَنَّمَ خُلْدًا فِيهَا﴾ (النساء: ۹۳) وَقَوْلِهِ ﴿وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ (الفرقان: ۶۸) حَتَّىٰ بَدَلَهُ ﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ﴾ (الفرقان: ۷۰) فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ لَمَّا نَزَلَتْ قَالَ أَهْلُ مَكَّةَ فَقَدْ عَدَلْنَا بِاللَّهِ وَقَدْ قَتَلْنَا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَتَيْنَا الْفَوَاحِشَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ ﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا إِلَىٰ قَوْلِهِ عَفُوًّا رَاجِعًا﴾ (الفرقان: ۷۰)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعد بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از منصور از سعید بن جبیر، انہوں نے کہا کہ ابن ابی سلمہ نے (مجھ سے) کہا: آپ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے قول (کے متعلق) پوچھیں: (ایک یہ) کہ: ”جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے۔“ (النساء: ۹۳) اور (دوسرے) یہ: ”اور وہ لوگ ایسے شخص کو قتل نہیں کرتے جس کو ناحق قتل کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے۔“ اس آیت تک کہ: ”سوائے اس کے جو توبہ کر لے اور ایمان لے آئے۔“ (الفرقان: ۷۰-۶۸) پس میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جب (الفرقان کی آیت) نازل ہوئی تو اہل مکہ نے کہا: ہم نے اللہ کے ساتھ شرک بھی کیا ہے اور ایسے شخص کو قتل بھی کیا ہے جس کا ناحق قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہے اور ہم نے بے حیائی کے کاموں کا ارتکاب بھی کیا ہے۔ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: سوا اس کے جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور اس نے نیک عمل کیے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ نیکوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ (الفرقان: ۷۰)

اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری: ۳۸۵۵ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۴۔ بَابُ: إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ○ (الفرقان: ۷۰)

اللہ عزوجل کے ارشاد: سوا اس کے جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور اس نے نیک عمل کیے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ نیکوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

(الفرقان: ۷۰) کی تفسیر

گناہوں کا نیکوں سے بدلنا کس طرح ہوگا؟ اس بارے میں مفسرین کے اقوال

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

گناہوں کو نیکوں سے بدلنے کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ گناہ کرنے والے لوگ جب اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتے ہیں اور ان

گناہوں پر نادم ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو آئندہ کی زندگی میں یہ توفیق عطا فرماتا ہے کہ وہ ہرگز شہ گناہ کی جگہ ایک نیکی کر لیتے ہیں اور یوں (اس توفیق کے سبب) ان کا ہر گناہ نیکی میں تبدیل ہو جاتا ہے، اور دوسرا معنی یہ ہے کہ: دنیا میں لوگوں کو اگر اپنے گناہوں پر ندامت اور حسرت پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ آخرت میں ان گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرما دے گا۔

(تأویلات اہل السنۃ، ج ۸، ص ۳۵، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

یہ دوسرا معنی اللہ عزوجل کی رحمت پر زیادہ دلالت کرتا ہے اور اس کی تائید حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بے شک ضرور اہل جنت میں، میں اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا اور اہل جہنم کے اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا۔ آپ نے فرمایا: ایک ایسا شخص ہوگا جس کو قیامت کے دن اللہ عزوجل کے حضور میں پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا: اس شخص کے صغیرہ گناہ اس کے سامنے پیش کرو اور کبیرہ گناہ اس سے (ابھی) دُور رکھو، چنانچہ اس کے صغیرہ گناہ اس کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور اس نے کہا جائے گا: تو نے فلاں دن فلاں فلاں کام کیا تھا اور فلاں دن فلاں فلاں کام کیا تھا، تو وہ ”ہاں“ میں جواب دے گا اور اس میں انکار کرنے کی سکت نہیں ہوگی اور (اندر ہی اندر) اسے اپنے کبیرہ گناہوں سے ڈر لگ رہا ہوگا کہ کہیں وہ (گناہ) سامنے نہ لائے جائیں۔ (اسی اثناء میں) اس سے کہا جائے گا: تمہارے لیے ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی ہے، پس وہ بندہ (خوشی کے مارے) کہے گا: اے میرے رب! میں نے تو اور بھی گناہ کیے تھے جو مجھے یہاں نظر نہیں آ رہے۔ حضرت ابوذر کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ یہ فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں۔ (صحیح مسلم: ۱۹۰، سنن ترمذی: ۲۵۹۶)

۶۶۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مَثُورٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ أَمَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ عَنَابٍ عَنْ هَاتَيْنِ الْأَيْتَيْنِ ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا﴾ (النساء: ۹۳) فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ لَمْ يَنْسَخْهَا شَيْءٌ وَعَنْ ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ﴾ (الفرقان: ۱۸) قَالَ نَزَلَتْ فِي أَهْلِ الْبُيُوتِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خبر دی میرے والد نے از شعبہ از منصور از سعید بن جبیر، انہوں نے کہا: مجھے عبدالرحمن بن ابی ہریرہ نے حکم دیا کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان دو آیتوں کے متعلق سوال کروں: ایک یہ آیت کہ جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے۔ (النساء: ۹۳) پس میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: اس کو کسی آیت نے منسوخ نہیں کیا۔ اور دوسری یہ آیت کہ: وہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور خدا کی پوجا نہیں کرتے۔ (الفرقان: ۱۸) تو انہوں نے فرمایا: یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح بخاری: ۳۸۵۵ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۵۔ بَابُ: فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا (الفرقان: ۷۷) هَذِكَّة

اللہ عزوجل کے ارشاد: پس (اس کا عذاب تم پر) ہمیشہ لازم رہے گا O (القرآن: ۷۷) کی تفسیر

امام بخاری نے کہا:

(اس آیت میں) لِزَامًا کا معنی ہلاکت ہے۔

لزام کا معنی و مفہوم اور اس کی تفسیر میں مختلف اقوال

مکمل آیت اس طرح ہے:

قُلْ مَا يَعْبُؤُاٰ بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ
فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِرَاْمَاۗءٍ (الفرقان: ۷۷)

آپ کہیے کہ اگر تم میرے رب کی عبادت نہ کرو تو اس کو تمہاری کوئی پروا نہیں ہے، پھر بے شک تم نے اس کو جھٹلایا تو اس کا عذاب تم پر ہمیشہ لازم رہے گا O

علامہ ابن جریر طبری کہتے ہیں: لِرَاْمَاۗءٍ سے مراد یہ ہے کہ ایسا عذاب ہوگا جو ہمیشہ رہے گا اور ایسی بلا آت ہوگی جو تمہیں فنا کر دے گی۔ علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں: لِرَاْمَاۗءٍ کا معنی ہے: عذابنا لازم الیکم۔ یعنی ایسا عذاب ہوگا جو تم پر لازم رہے گا۔ اور اس کی تفسیر میں تین اقوال ہیں: (۱) ایک یہ کہ اس سے کفار کا غزوہ بدر میں قتل ہونا مراد ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما اور مجاہد کا قول ہے۔ (۲) دوسرا یہ کہ اس سے مراد موت ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف ہے۔ (۳) تیسرا یہ کہ اس سے قتل مراد ہے۔ (یعنی کفار کے خلاف جہاد کا ہونا) یہ ابن زید کا قول ہے۔ (زاد المسیر ص ۱۰۲۵، مطبوعہ دار ابن حزم، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

۳۷۶۷۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ حَفْصٍ بْنُ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا ابْنُ
حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ
قَالَ عَبْدُ اللَّهِ خَشِسْتُ قَدْ مَضَيْنَ الدُّخَانَ وَالْقَمَرُ
وَالزُّوْمُ وَالْبَطْشَةُ وَاللِّزَامُ ﴿فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِرَاْمَاۗءٍ﴾
(الفرقان: ۷۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی از مسروق، انہوں نے کہا: کہ حضرت عبداللہ (ابن مسعود) رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (قیامت کی) پانچ علامتیں ایسی ہیں جو پوری ہو چکی ہیں: دھواں (نکلا)، چاند (کاشق ہونا)، روم (کا مغلوب ہونا)، گرفت اور لزام (یعنی ہلاکت اور بربادی)، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: تو اس کا عذاب تم پر ہمیشہ لازم رہے گا O (الفرقان: ۷۷)

قیامت کی پانچ نشانیوں میں دھواں نکلنے سے متعلق علامہ عینی کی تحقیق

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۰۰۷ کے تحت گزر چکی ہے، تاہم چند امور مزید ذکر کیے جا رہے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دھویں کا جو ذکر فرمایا ہے اس سے مراد حقیقی دھواں نہیں ہے، بلکہ دھوئیں کی کیفیت کا محسوس ہونا مراد ہے، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے مطابق یہ کیفیت کفار قریش پر گزر چکی ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں: جب قریش (کی مخالفت) سے نبی ﷺ کو بہت دشواری ہونے لگی تو آپ نے ان کے لیے حضرت یوسفؑ کو بلانے کی باتیں سالِ قحط میں جتلا ہونے کی دعا فرمائی، سو قحط اور تنگی نے ان کو گھیر لیا، حتیٰ کہ ان میں سے کوئی شخص آسمان کی طرف دیکھتا تو اسے اپنی بے حالی کی وجہ سے اس پوری فضا میں دھوئیں کی مانند کوئی چیز نظر آتی اور لوگ اتنے بد حال ہو گئے کہ ہڈیاں کھانے لگے، پھر ایک شخص نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! قبیلہ مضر کے لیے اللہ عزوجل سے دعا، مغفرت فرما دیں، کیونکہ وہ لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: قبیلہ مضر کے لیے (دعا کروں)؟ بے شک تم بہت جرأت مند آدمی ہو، پھر آپ نے ان کے لیے اللہ عزوجل سے دعا فرمائی، تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ﴿٥﴾

اگر ہم کچھ وقت کے لیے عذاب دور کر دیں تو بے شک تم پھر (کفر) کی طرف (الذخاں: ۱۵) لوٹنے والے ہو۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر لوگوں پر بارش ہوئی اور جب خشک سالی دور ہو گئی، تو وہ لوگ دوبارہ کفر کی طرف لوٹ آئے۔ اس پر اللہ عز و جل نے یہ آیت نازل فرمائی۔

فَأَرْسَلْنَا يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ مُّبِينٍ ﴿٦﴾
يَغْشَى النَّاسَ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧﴾ (الذخاں: ۱۰-۱۱) لوگوں کو ڈھانپ لے گا، یہ ہے دردناک عذاب۔

خلاصہ یہ کہ دخان (دھواں) دو طرح کا ہے: ایک حقیقی جو کہ قرب قیامت میں ایک علامت کے طور پر ظاہر ہوگا اور دوسرا غیر حقیقی، جو کہ کفار کے لیے ظاہر ہو چکا اور زیر بحث حدیث میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہی مراد ہے۔ (عمدة القاری ملخصاً ج ۷ ص ۳۱)

بقیہ چار نشانیوں کی تائید میں قرآن مجید کی آیات

اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مزید جن چار چیزوں کا ذکر فرمایا ہے وہ بھی قرآن مجید کی مختلف آیات میں مذکور ہیں، چنانچہ چاند کے شوق ہونے سے درج ذیل آیت کی طرف اشارہ ہے:

إِقْرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿١﴾ (القرآن: ۱) قیامت قریب آگئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔

یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اقدس میں ہجرت سے پانچ سال پہلے پیش آیا اور یہ اہل مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا تھا کہ آپ انہیں کوئی معجزہ دکھائیں، تو اس کے جواب میں آپ نے انہیں چاند دو ٹکڑے کر کے دکھایا۔ (انوار تبیان القرآن ص ۸۴۳) روم کے مغلوب ہو جانے سے درج ذیل آیت کی طرف اشارہ ہے:

الَّذِينَ ظَلَمُوا هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٢﴾ فِي آذَانِ الْأَنْصَارِ ﴿٣﴾ (الروم: ۲۴-۲۵) الف لام میم۔ رومی (ایرانیوں سے) سے مغلوب ہو گئے۔ قریب کی سرزمین میں۔

قادر نے بیان کیا ہے کہ جب مسلمان حدیبیہ سے لوٹے (۶ ہجری میں) تو رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے تھے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۶۳۵)

گرفت سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اشارہ درج ذیل آیت کی طرف ہے۔

يَوْمَ يُطَّشُّ الْبَطْشَةُ الْكُبْرَىٰ ﴿١٦﴾ (الذخاں: ۱۶) جس دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے۔

اس سے غزوہ بدر میں کفار کا قتل ہونا مراد ہے اور پانچویں چیز (لزام) سے القرآن: ۷۷ کی طرف اشارہ ہے، جس کو خود حضرت ابن مسعود نے زیر بحث حدیث میں ذکر فرمادیا ہے اور اس کی تفسیر میں ہم مختلف اقوال ذکر کر چکے ہیں۔ مزید اقوال یہ ہیں کہ لزام سے قحط سالی مراد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مشرکین کو اکٹھا کر کے بدر کے کنوئیں میں ڈالنا مراد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے کفار کا قید ہونا مراد ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۸)

سورة الفرقان کا اختتام

الحمد لله آج بروز جمعۃ المبارک ۲۳ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۷ مئی ۲۰۱۱ء کو سورة الفرقان کی احادیث کی شرح مکمل ہو گئی۔ اب ان شاء اللہ سورة الشعراء کا آغاز کیا جائے گا۔

نعمۃ الباری کی تحریر کی تشکیل جدید

علامہ مفتی محمد اسماعیل نورانی زید علمہ وحبہ نے سورۃ النور سے سورۃ الفرقان تک کی تفسیر مکمل کی ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید اور اعانت سے سورۃ الشعراء سے ان شاء اللہ میں شروع کروں گا۔ ایک طویل بیماری کے بعد میں نے سید محسن اعجاز صاحب زید حبیبہ کے مشورہ سے یہ کام موقوف کر کے علامہ اسماعیل نورانی کے سپرد کر دیا تھا انہوں نے بہت محنت اور کاوش سے سورۃ النور اور سورۃ الفرقان خصوصاً سورۃ النور کی تفسیر بہت طویل اور بہت تفصیل اور تحقیق سے لکھی۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و فضل میں مزید نکھار پیدا فرمائے، پھر اٹھارہ مئی ۲۰۱۱ء کو مفتی پاکستان علامہ مفتی نیب الرحمن زید جہم و لطفہم کی اور دیگر احباب کی پر خلوص دعاؤں اور حضرت حافظ عبد المجید برشل کے تعاون سے میں نے امریکا سے دماغ کی دوائیں منگائیں اور الحمد للہ ان دواؤں کے استعمال سے میرے حافظہ اور دماغ کی کارکردگی بحال ہو گئی اور میں نے پھر نعمۃ الباری کا کام شروع کر دیا۔

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قُطِّعُوا وَيَنْشُرُ
مَحْصَتَهُ ۚ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۲۸﴾ (الشوری: ۲۸)

اور وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہونے کے بعد بارش نازل فرماتا ہے، اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور وہ مددگار ہے بہت حمد کیا ہوا ○
والحمد لله رب العالمین، والصلاة والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ وازواجه اجمعین۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۲۶۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الشُّعَرَاءِ

سورة الشعراء کی تفسیر

سورة الشعراء کا مختصر تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ تفسیر سورة الشعراء کی بعض آیات کی ہے، اور ایک آیت کے سوا یہ پوری سورت مکی ہے اور وہ آیت یہ ہے:

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا
وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا۔
سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور
انہوں نے اللہ کا بہت زیادہ ذکر کیا اور انہوں نے اپنے مظلوم
(الشعراء: ۲۲۷) ہونے کے بعد بدلہ لیا۔

یہ آیت حضرت کعب بن مالک، حضرت عبداللہ بن رواحہ، اور حضرت حسان بن علیؓ کے متعلق نازل ہوئی، جو شعراء انصار تھے۔

مقاتل نے کہا: اس سورت میں دو مدنی آیات ہیں، وہ یہ ہیں:

وَالشُّعْرَاءُ آغْيَیْثُهُمُ الْعَاوَنَ ۝ (الشعراء: ۲۲۳)
اور شاعروں کی پیروی گم راہ لوگ کرتے ہیں ۝

أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ أَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَآءِیلَ ۝ (الشعراء: ۱۹۷)
کیا ان کفار مکہ کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ اس قرآن کو علماء بنی
اسرائیل بھی جانتے ہیں ۝

علامہ سخاوی کے نزدیک یہ سورت، سورة الواقعة کے بعد اور سورة النمل سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ اس میں دو سو ستائیس

(۲۲۷) آیات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۸۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَعَبُّوْنَ تَبْنُوْنَ۔
اور مجاہد نے کہا: تَعَبُّوْنَ کا معنی ہے: تم تعمیر کرتے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَتَبْنُوْنَ بِحُلٍّ رِیْبِہٖ اَیَّۃٌ تَعَبُّوْنَ ۝ (الشعراء: ۲۲۳)
کیا تم ہر اونچی جگہ پر لبو و لعب کی ایک یادگار تعمیر کرتے رہے ہو ۝

اور اس آیت میں رِیْبِہٖ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: ٹیلا، یعنی بروہ اونچی جگہ جو دور سے نظر آئے۔

(المفردات ج ۲ ص ۲۷۴، دارالفکر، بیروت)

اور اس آیت میں تَعَبُّوْنَ کا لفظ ہے، یہ عبث سے بنا ہے، اس کا معنی ہے: کھیل کود اور بے کار کام میں مشغول ہونا، جس کام کی

کوئی غرض صحیح نہ ہو اس کو عبث کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۱۶، دارالفکر، بیروت)

اور اس میں اَیَّۃٌ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: علامت، نشانی اور یادگار، قوم عاد ہر اونچی جگہ پر جو یادگار تعمیر کرتی تھی اس کے

متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

اوپنی جگہ پر یادگار بنانے کے متعلق اقوال

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ ہر اونچی جگہ پر مکان بناتے تھے جس میں وہ رہائش کا ارادہ نہیں رکھتے تھے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعمیر کو عبث فرمایا۔

(۲) سعید بن جبیر اور مجاہد نے کہا: وہ عمارت بنا کر اس کے اوپر برج بناتے تھے اور اس برج میں کبوتر رکھتے تھے۔

(۳) ضحاک نے کہا: وہ بلند جگہ پر ایک عمارت بناتے اور اس پر کھڑے ہو کر اپنے جانے والوں کو دیکھتے اور ان کا مذاق اڑاتے۔
(زاد المسیر ج ۲ ص ۱۳۶-۱۳۵، مکتب اسلامی، بیروت)

جائز اور ناجائز کھیلوں کا بیان

کبوتر کے ساتھ کھیلنے کی ممانعت ہے اور اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کبوتر کا پیچھا کرتے ہوئے دیکھا جس سے وہ کھیل رہا تھا تو آپ نے فرمایا: شیطان، شیطان کا پیچھا کر رہا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۹۴۰، دار الفکر، بیروت)
تاہم جسمانی ورزش اور باہمی دل چسپی کے لیے جو کھیل کھیلے جاتے ہیں ان کے کھیلنے سے اگر کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب نہ ہوتا ہو اور کوئی عبادت ضائع نہ ہوتی ہو تو ان کا کھیلنا جائز ہے۔

قوم عاد کی مذمت کی وجوہ

قوم عاد کے ظاہر حال سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان مکانوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ان کی مذمت اس لیے فرمائی کہ ان کا یہ فعل اسراف تھا یا اس میں اظہار تکبر تھا، ان کی مذمت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی دلچسپیوں میں منہمک ہو کر اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور اس کی عبادت سے غافل ہو گئے تھے، وہ یہ بھول گئے تھے کہ یہ دنیا سرائے فانی ہے، یہاں سے آگے گزر جانا ہے، یہ دائمی قیام گاہ نہیں ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد نے تَعْبَثُونَ کا معنی کیا ہے: تَبَثْنُون یعنی وہ تعمیر کرتے تھے، اور ابن ابی نعیم نے اَتَبَثُون بِحُكْنٍ یٰ نِیع کی تفسیر میں کہا ہے: بِحُكْنٍ فَبَج یعنی وہ ہر کھلے راستے میں تعمیر کرتے تھے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: بِحُكْنٍ یٰ نِیع کا معنی ہے: بِحُكْنٍ شرف یعنی وہ ہر بلندی پر تعمیر کرتے تھے، اور عکرمہ سے روایت ہے کہ یٰ نِیع کا معنی وادی ہے یعنی وہ بروادی میں تعمیر کرتے تھے اور مقاتل نے بیان کیا ہے کہ وہ سفر کرتے تھے اور ستاروں سے ہدایت حاصل کرتے تھے تو انہوں نے راستوں پر بلند یادگاریں بنا دیں تاکہ ان یادگاروں کو دیکھ کر ہدایت حاصل کریں، اور علامہ کرمانی نے کہا کہ وہ کبوتروں کے لیے مکانوں کے اوپر بروج بناتے تھے اور ان سے کھیلتے تھے اور اَلْبَزَع کا معنی ہے: بلند زمین میں اور اس کی جمع ہے: رِیْعَةٌ۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۸، دار المکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

هَضِیْمٌ یَّتَفَقَّشْتُ اِذَا مَسَّ۔

هَضِیْمٌ اس کا معنی ہے: ایسا خوشہ جو چھونے سے ریزہ ریزہ ہو جائے یعنی اس کے سوکھنے کے بعد۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فِي جَنَّتٍ وَ عَيْوُنٍ ۚ وَ ذُرْمُوۡرٍ ۚ وَ تُحَلٰی طَلْعُهَا ۚ باغوں اور چشموں میں ۝ کھیتوں میں اور کھجور کے درختوں میں

جن کے خوشے نرم ہیں O

هَضِيمٌ (اشعراء: ۱۳۸-۱۳۷)

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

امام بخاری نے هَضِيمٌ کی تفسیر اپنے اس قول سے کی ہے کہ وہ کھجور کا ایسا خوشہ ہے جو چھوٹے سے جھڑ جاتا ہے اور یہ حضرت مجاہد کی تفسیر ہے۔

مُسَخَّرِينَ الْمُسَخُورِينَ۔ مُسَخَّرِينَ اس کا معنی ہے: مُسَخُورِينَ یعنی جن پر جادو کیا گیا ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَخَّرِينَ (اشعراء: ۱۸۵) انہوں نے کہا تم صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا گیا ہے O

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے مُسَخَّرِينَ کی تفسیر مُسَخُورِينَ کے ساتھ کی ہے یعنی جن پر بار بار جادو کیا گیا ہو، چونکہ تم کھاتے پیتے ہو اس لیے تم پر جادو کیا گیا ہے۔ الفراء نے کہا: بے شک تم طعام کھاتے ہو اور پانی پیتے ہو اور اس کے ساتھ تم پر جادو کیا گیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم فرشتے نہیں ہو تم تو صرف ہماری مثل بشر ہو تم کو ہم پر کسی چیز میں فضیلت نہیں ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۹، فتح الباری ج ۵ ص ۷۵۶)

لَيْكَةُ وَالْأَيْكَةُ جَنْمٌ أَيْكَةُ وَهِيَ جَنْمٌ شَجَرٍ۔ لَيْكَةُ اور الْأَيْكَةُ، اَيْكَةُ کی جمع ہے اور یہ شجر یعنی درخت کی جمع ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَذَّبَ أَصْحَابُ لَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ (اشعراء: ۱۷۶) اصحاب الایکہ (سرسبز جنگل والوں) نے رسولوں کی تکذیب کی O

عکرمہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے سوا کسی نبی کو دو مرتبہ نہیں بھیجا گیا۔ ان کو ایک مرتبہ مدین کی طرف بھیجا گیا، پھر اس قوم کی نافرمانی کی بنا پر اس قوم کو ایک زبردست گرج دار آواز سے ہلاک کر دیا گیا اور دوسری دفعہ ان کو اصحاب الایکہ (سرسبز جھاڑیوں والے علاقے کے رہنے والوں) کی طرف بھیجا جن کو سائبان والے عذاب نے پکڑ لیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدین اور اصحاب الایکہ دو امتیں ہیں جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۱۰ ص ۳۰۸-۳۰۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

علامہ عینی فرماتے ہیں: الجوہری نے کہا: الایکہ کا معنی ہے: سرسبز جنگل اور الایکہ ایک بستی کا نام ہے اور انہوں نے کہا الایکہ سرسبز اور گھنے درختوں کو کہتے ہیں اور اس کا واحد اَيْكَةُ ہے۔ امام بخاری نے کہا کہ یہ اَيْكَةُ کی جمع ہے، تمام نسخوں میں اسی طرح مذکور ہے اور یہ صحیح نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ کہا جائے کہ اَلْأَيْكَةُ اور اَلْأَيْكَةُ دونوں اَيْكَةُ کا مفرد ہیں اور ان کی جمع بھی اَيْكَةُ ہے۔

بعض شارحین پر تعجب ہے کہ انہوں نے یہاں پر کچھ ذکر نہیں کیا بلکہ کہا: پہلا کلام مجاہد کا قول ہے، الایکہ اَيْكَةُ کی جمع ہے، یہ الجوہری عبیدہ کا کلام ہے اور مجاہد اور ابو عبیدہ اس بات سے بری ہیں کہ وہ کہیں کہ الایکہ، اَيْكَةُ کی جمع ہے۔

امام بخاری نے کہا: یہ شجر کی جمع ہے، اکثر نسخوں میں اسی طرح مذکور ہے اور بعض نسخوں میں ہے کہ یہ درختوں کی جمع ہے اور ہر تقدیر پر نفس الامر میں اس طرح نہیں ہے۔ غیضہ جس کی تفسیر الایکہ سے کی جاتی ہے کیونکہ غیضہ درختوں کی جماعت ہے اور جب اَيْكَةُ کی تفسیر غیضہ سے نہیں کی جائے گی تو یہ کلام درست نہیں ہوگا، غور کریں، یہ غور کرنے کی جگہ ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

يَوْمَ الظُّلَّةِ کا معنی ہے: عذاب کا ان پر سایہ کرنا۔

يَوْمَ الظُّلَّةِ إِظْلَالُ الْعَذَابِ إِذَا هُمْ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ
يَوْمٍ عَظِيمٍ (الشعراء: ۱۸۹)

علماء نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بیس (۲۰) سال کی عمر میں مدین کی طرف مبعوث فرمایا، یہ قوم ناپ تول میں کمی کرتی تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو توحید کی دعوت دی اور ان کو ناپ تول میں کمی کرنے سے منع کیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو بہترین جواب دیتے تھے، اس لیے ان کو خطیب الانبیاء کہا جاتا تھا، جب اہل مدین کی سرکشی بہت بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت گرمی کا عذاب بھیجا، وہ گرمی سے گھبرا کر اپنے گھروں کو چھوڑ کر جنگل کی طرف چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک بادل بھیجا جس نے سورج سے ان کے اوپر سایہ کر لیا، اس سے ان کو ٹھنڈک اور لذت حاصل ہوئی، پھر انہوں نے دوسرے لوگوں کو بھی بلا لیا حتیٰ کہ سب اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کے اوپر ایک آگ بھیجی جس نے ان سب کو جلا ڈالا اور یہ بھی یوم الظلمہ ہے یعنی سائبان کے دن کا عذاب ہے۔ (المختصر ج ۱ ص ۲۱۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ عینی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ان پر عذاب کا سایہ کرنا یہ یوم الظلم کی تفسیر ہے اور الظلمہ سے مراد وہ بادل ہے جس نے ان پر سایہ کر لیا تھا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

مَوْذُونٌ مَّغْلُوبٌ۔ مَوْذُونٌ کا معنی ہے: معلوم۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ تعلیق اس جگہ سے متعلق نہیں ہے اور گویا کہ یہ لکھنے والے کی جہالت ہے کیونکہ مَوْذُونٌ کا لفظ اس آیت میں ہے۔

وَأَلْبَسْنَاهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مُّوْذُونٌ (الحجر: ۱۹)

اور ہم نے اس زمین میں ہر مناسب چیز اگائی ○
(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

كَالطُّودِ كَالْجَبَلِ۔ كالطود اس کا معنی ہے: پہاڑ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ اصْرُبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ فَأَنْفَلَقَ
فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطُّودِ الْعَظِيمِ

(الشعراء: ۶۳)

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام بخاری نے الطود کی تفسیر پہاڑ کے ساتھ کی ہے۔ ابوذر نے کہا ہے کہ یہ تفسیر حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہے اور دوسروں نے کہا ہے کہ یہ تفسیر مجاہد کی طرف منسوب ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۰، فتح الباری ج ۵ ص ۷۵۶)

وَقَالَ غَيْرُهُ لَشَرِّ ذِمَّةٍ الشِّرْكَ ذِمَّةٌ طَائِفَةٌ قَلِيلَةٌ۔ الشِّرْكَ ذِمَّةٌ اس کا معنی ہے: قلیل جماعت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ هَؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ (الشعراء: ۵۳)

کہ بے شک یہ جماعت (بنی اسرائیل) بہت کم تعداد میں ہے ○
علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الشِّرْكَ ذِمَّةٌ کی تفسیر قلیل جماعت کے ساتھ کی ہے۔ امام ثعلبی نے کہا ہے: فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے اپنے لشکر کو بھیجا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک کروڑ پانچ لاکھ بنی اسرائیل کے ساتھ نکلے اور فرعون بہت

بڑے تخت پر بیٹھ کر نکالگو یا کہ اس میں دس کروڑ گھوڑ سوار تھے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ فرعون نے دو ہزار گھوڑوں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چھ لاکھ بنی اسرائیل تھے تو فرعون نے کہا: یہ قلیل جماعت ہے، پس ان دونوں عبارتوں میں کس طرح تطبیق ہوگی؟ تو میں کہوں گا کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عباس کی مراد یہ ہو کہ فرعون کے ساتھ اس کے خواص ہوں جو دن رات فرعون کے ساتھ رہتے تھے اور انہوں نے دوسروں کا ذکر نہیں کیا۔ علاوہ ازیں امام ثعلبی کی تفسیر پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس سے یہ روایت ہے کہ فرعونیوں کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل اس دن چھ لاکھ تھے اور فرعون کے لشکر کی تعداد کا شمار نہیں تھا اور امام عبدالرزاق نے از معمر از قتادہ یہ روایت کی ہے کہ وہ بنی اسرائیل جن کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن سمندر کو پار کیا تھا وہ چھ لاکھ تھے اور امام ابن ابی حاتم نے از ابن اسحاق از ابونعیدہ از حضرت ابن مسعود یہ روایت ذکر کی ہے کہ وہ چھ لاکھ ستر ہزار تھے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۵۶، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

فی السَّاجِدِينَ الْمُصَلِّينَ۔ فی السَّاجِدِينَ اس کا معنی ہے: نماز پڑھنے والے۔

امام بخاری نے اس تطبیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

الَّذِينَ يَرُمُّونَ ثَوِيَّاتٍ ثَقُلَتْ فِي السَّاجِدِينَ ۝ (اشعرا: ۲۱۸-۲۱۹) جو آپ کو آپ کے قیام کے وقت دیکھتا ہے ۝ اور سجدہ کرنے والوں میں آپ کے پلٹنے کو ۝

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کی تحقیق

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کی روح ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہو رہی تھی، یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء و اجداد مسلمان تھے اور اس سے یہ ثابت ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کافر نہ تھے۔

(اسرار التنزیل و انوار التاویل ص ۲۶، للبیضاوی متوفی ۶۸۵ھ، مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع، مصر)

امام مسلم روایت کرتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میرا باپ کہاں ہے؟ جب وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا باپ اور تمہارا باپ دوزخ میں ہیں۔ (صحیح مسلم: ۲۰۳، سنن ابوداؤد: ۴۷۱۸)

یہ ظاہر یہ حدیث والدین کے ایمان کے معارض ہے لیکن اس حدیث میں میرے باپ سے مراد چچا ہے یعنی ابوطالب، پھر کوئی

اعتراض نہیں ہے اور ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق ایسی کوئی بات کہیں اور آپ کو ایذا پہنچائیں کیونکہ آپ نے فرمایا کہ مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذا نہ پہنچاؤ۔ وہ حدیث یہ ہے: عمرو بیان کرتے ہیں کہ جب عکرمہ بن

ابی جہل مدینہ میں آئے تو لوگ جمع ہو کر یہ کہنے لگے کہ یہ ابو جہل کا بیٹا ہے، یہ ابو جہل کا بیٹا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذا نہ پہنچاؤ۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ ص ۱۹۳، ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

جب حضرت عکرمہ کے والد کو کافر کہنا حضرت عکرمہ کے لیے باعث اذیت ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو کافر کہنا آپ کے

لیے کس قدر باعث اذیت ہوگا، قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَ

بے شک جو لوگ اللہ کو اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ

الْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ۝

تعالیٰ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے اور اس نے ان

(الاحزاب: ۵۷) کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے ۝

حافظ ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان المعروف بابن شاہین متوفی ۳۸۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ مقام جحون پر بہت غمزہ دگی اور افسردگی کی حالت میں اترے اور جب تک آپ کے رب عزوجل نے چاہا آپ وہیں ٹھہرے رہے، پھر آپ وہاں سے بہت خوش خوش واپس ہوئے، میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ مقام جحون پر بہت افسردگی کے عالم میں اترے تھے، پھر آپ بہت خوش خوش واپس ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری والدہ کو زندہ کر دیا، وہ مجھ پر ایمان لائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت کو لوٹا دیا۔ (یہ حدیث مسلم کی حدیث کے لیے ناخ ہے)۔ (الناجح والمنسوخ رقم الحدیث: ۶۳۰، مکتبہ دار الباز، مکہ المکرمہ، ۱۴۱۲ھ)

اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور قدرت اس سے عاجز نہیں ہے اور نبی ﷺ اس کے اہل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آپ کو جس چیز کے ساتھ چاہے خاص کر لے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے الشَّاجِدِین کی تفسیر نمازیوں کے ساتھ کی ہے۔ الکعبی نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو جماعت کے ارکان الصلوٰۃ میں کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور رکوع و سجود میں تصرف کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ الشَّعْبِی نے کہا: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ سلیم اللہ خان اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابو جعفر نحاس نے معانی القرآن میں اس کا ایک اور مطلب نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ وَتَقْلُبُكَ فِي الشَّجِدِینِ ۝ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ میں منتقل کیا۔ علامہ ماوردی نے بھی حضرت ابن عباس سے یہ ہی تفسیر نقل کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: اس آیت میں چھ تاویلات ہیں۔ ایک یہ کہ آپ ایک نبی سے دوسرے نبی کی طرف منتقل ہوتے رہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بنا کر نکالا اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ (الکت والعیون ج ۳ ص ۱۸۵)

اور حافظ جلال الدین سیوطی نے اسی پر اعتماد کرتے ہوئے مسالک الحنفیہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے والدین مومن تھے بلکہ ان کا تو خیال ہے کہ آپ سے عمود نسب میں جناب عبد اللہ سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک کوئی بھی کافر نہیں گزرا۔

(الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۱۶-۲۱۰)

حضور ﷺ کے والدین کے بارے میں رائج قول یہ ہی ہے کہ وہ مومن ہوئے ہیں۔ علامہ آلوسی نے اس آیت سے نبی ﷺ کے والدین کے ایمان پر استدلال کیا ہے جیسا کہ اکثر اجل اہلسنت کا مذہب ہے اور جو شخص ان کو کافر کہتا ہے مجھے اس کے کفر کا خدشہ ہے۔ (روح المعانی ج ۱۹ ص ۱۳۸)

امام مسلم رحمہ اللہ نے کتاب الایمان میں ایک روایت نقل کی ہے، اس سے آپ کے والد کا غیر ناجی ہونا معلوم ہوتا ہے اور امام مسلم ہی نے جناز میں ایک اور روایت نقل کی ہے، اس سے آپ کی والدہ کا غیر ناجی ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی، پس آپ خود بھی روئے اور اپنے ارد گرد والوں کو بھی رلایا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے اجازت طلب کی کہ میں اپنی والدہ کے لیے مغفرت کی دعا

کروں تو مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی اور میں نے اس سے اجازت طلب کی کہ میں ان کی قبر کی زیارت کروں تو مجھے اس کی اجازت دی گئی، سو تم بھی قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ تم کو موت کی یاد دلائے گی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۳، مطبوعہ کراچی)

لیکن ابن شاہین نے کتاب ”الناخ والمسنوخ“ میں اور خطیب بغدادی نے ”کتاب السابق واللاحق“ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ کو زندہ کیا اور وہ ایمان لے آئیں، اس کے بعد ان کی وفات ہو گئی۔

شیخ سلیم اللہ خان کا الفطرۃ لکھنا اور یہ لفظ غلط اور خلاف قرآن ہے۔

علامہ سیوطی کی رائے یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اصحاب الفطرۃ (میں کہتا ہوں کہ صحیح لفظ فطرۃ ہے، دیکھیے: المائدہ: ۱۹) اور اصحاب الفطرۃ (اصحاب الفترۃ) اگر مشکوک نہ ہوں تو ان کے حق میں نجات کا فیصلہ ہے۔ امام مسلم کی روایت پر علامہ سیوطی نے کلام کیا ہے۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۲۷-۲۲۶)

لیکن یہ مسئلہ بہر حال پیچیدہ ہے اور عقیدے سے اس کا اس طرح تعلق بھی نہیں ہے کہ انسان کی نجات کا دار و مدار اس پر ہے اس لیے اس مسئلہ پر سکوت اختیار کرنا زیادہ بہتر اور مناسب ہے۔

شیخ شبیر احمد عثمانی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

اور بعض سلف نے کہا ہے کہ ساجدین سے آپ کے آباء مراد ہیں یعنی آپ کے نور کا ایک نبی کی صلب سے دوسرے نبی کی صلب تک منتقل ہونا اور آخر میں نبی ہو کر تشریف لانا بلکہ بعض مفسرین نے اسی لفظ سے آپ کے والدین کے ایمان پر استدلال کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۵۰۱، سورۃ اشعراء: ۳۱۹-۳۱۸) (کشف الباری کتاب التفسیر ص ۳۹۰-۳۸۸، مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصلہ کالونی، کراچی)

ہم نے والدین کریمین کے ایمان پر اس سے کہیں زیادہ مفصل اور محقق بحث کی ہے۔ اسی آیت کی تفسیر میں دیکھیے۔

(تبیان القرآن ج ۸ ص ۵۱۱-۵۱۷)

اس اعتراض کا جواب کہ لَعَلَّ کا معنی ہے امید اور شاید اور اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہے وہ کسی چیز کی امید کرنے سے پاک ہے

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَعَلَّكُمْ تَتَخَذُونَ كَأَنَّكُمْ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، لعلکم تخذلون میں لعلکم

کانکم کے معنی میں ہے یعنی گویا کہ تم ان مکانوں میں ہمیشہ رہو گے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَتَتَخَذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَتَخَذُونَ ۝ (الشعراء: ۱۲۹) تم مضبوط مکان بنا رہے ہو (گویا کہ) تم ان میں ہمیشہ رہو گے ۝

یعنی ان کے ظاہر حال سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان مکانوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اس کی مذمت اس لیے فرمائی ہے کہ

۱۔ میں کہتا ہوں کہ فطرت کا معنی ہے: وہ صفت کہ ہر موجود اپنی ابتداء پیدائش میں اس کے ساتھ متصف ہو، طبی حالت۔ (المنہج رد دوم ص ۷۵۳) اور

فترت کا معنی ہے: دونیوں کے درمیان کازمانہ۔ (المنہج ص ۷۲۸)

قرآن مجید میں ہے:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ۔ (المائدہ: ۱۹)

اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا جو انقطاع رسل کی مدت کے بعد تمہارے لیے (احکام شریعہ) بیان کرتا ہے۔

شیخ سلیم اللہ خان اپنے حلقہ میں بہت بڑے عالم ہیں، ملحق تقی عثمانی اور مفتی رفیع عثمانی کے استاد ہیں، پھر حیرت ہے کہ ان پر فطرت اور فترت کا فرق مل گیا۔ (سعیدی غفرلہ)

ان کا یہ فعل اسراف تھا یا اس میں اظہار تکبر تھا۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ واحدی نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی لَعْلَ کا لفظ ہے وہ علت اور سبب بیان کرنے کے لیے ہے سو اس مقام کے، یہاں پر یہ لفظ تشبیہ کے لیے ہے، مگر اس حصر پر یہ اعتراض ہے کہ ایک اور جگہ بھی قرآن مجید میں لعل تشبیہ کے لیے ہے اور وہ یہ آیت ہے:

لَعْلَكَ بِاخْتِئُفِكَ الْاَلْيَكُونُ اُمُومِيْنٌ (الشعراء: ۳) (اے رسول مکرم!) گویا کہ آپ اس غم میں جان دے دیں گے کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں ○

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول اس اعتراض کا جواب ہو کہ لَعْلَ کا معنی ہے: توجہ یعنی امید ہے کہ ایسا ہو یا شاید اور یہ بات وہ کہے گا جس کو مستقبل کی خبر نہ ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ تو مستقبل کے تمام امور کا جاننے والا ہے، سو الشعراء: ۱۲۹، کا معنی ہوگا: تم یہ مضبوط مکان بنا رہے ہو کہ شاید تم ان مکانوں میں ہمیشہ رہو گے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہاں لعل تشبیہ کے لیے ہے یعنی گویا کہ تم ان مکانوں میں ہمیشہ رہو گے۔

الرِّیْعُ اور اَلْعَبَثُ کے معنی کی تحقیق

الرِّیْعُ الْاِیْفَاعُ مِنَ الْاَرْضِ وَجَنَعُهُ رِیْعَةٌ وَاَزْيَاعٌ الرِّیْعُ اس کا معنی ہے: بلند زمین اور اس کی جمع رِیْعَةٌ اور اَزْيَاعٌ آتی وَاَحَدُهَا رِیْعَةٌ۔ ہے اور اس کا واحد الرِّیْعَةُ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَتَّبِعُونَ بَیِّنَاتٍ یُّرِیْعُ اٰیۃً تَعْبَثُونَ (الشعراء: ۱۲۸)

اس آیت میں رِیْعُ کا لفظ ہے اور رِیْعُ کا معنی ہے: ٹیلا اور ہر وہ اونچی جگہ جو دور سے نظر آئے۔

(المفردات ج ۲ ص ۲۷۳ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ)

اور اس میں تعبثون کا لفظ ہے اور یہ عبث سے بنا ہے، اس کا معنی ہے: کھیل کود اور بے کار کام میں مشغول ہونا۔ جس کام کی کوئی غرض صحیح نہ ہو اسے عبث کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۱۶)

اور اس میں اٰیۃ کا لفظ ہے اور اس کا معنی ہے علامت، نشانی اور یادگار۔ قوم عاد ہر اونچی جگہ پر ایک یادگار تعمیر کرتے تھے۔ علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے فرمایا: الرِّیْعُ کا معنی ہے: الاِیْفَاعُ مِنَ الْاَرْضِ۔ اِیْفَاعُ کا لفظ اِیْفَاعُ کی جمع ہے اور یہ زمین کی بلند جگہ کو کہتے ہیں۔ اسی سے ماخوذ ہے: اِیْفَعُ الْغَلَامُ یعنی لڑکے کا قد بلند ہو گیا اور صحیح لفظ اِیْفَعُ مِنَ الْاَرْضِ ہے اور اس کا معنی زمین کی بلند جگہ ہے۔ عمارہ نے کہا ہے: اس کا معنی پہاڑ ہے اور رِیْعُ کا معنی راستہ بھی ہے ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: دو پہاڑوں کے درمیان کی گھاٹی۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۱-۱۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

مَصَانِعُ كُلُّ بِنَاءٍ فَهُوَ مَصْنَعَةٌ۔ مَصَانِعُ اس کا معنی ہے: ہر عمارت یہ مصنعة کی جمع ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿١٢٩﴾ (اشعرا: ۱۲۹) تم مضبوط مکان بنارہے ہو گویا کہ تم ان مکانوں میں ہمیشہ رہو گے ○ علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے فرمایا: بر عمارت کو مصنعہ کہتے ہیں: اسی طرح امام ابو نعیدہ نے کہا ہے اور مصنعہ مفرد ہے اور اس کی جمع مَصَانِعُ ہے۔ امام عبدالرزاق نے از معمر از قتادہ روایت کی ہے کہ المصانع محلات اور قلعوں کو کہتے ہیں۔ امام عبدالرزاق نے کہا: ہمارے نزدیک المصانع یمن کی لغت میں محلات کو کہتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مصانع کا معنی ہے: کبوتروں کے گنبد۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی مصانع کی شرح میں یہی لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۵۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ) فَرِحِينَ مَرِحِينَ فَارِهِينَ بِمَعْنَاهُ وَيُقَالُ فَارِهِينَ فَرِحِينَ کا معنی ہے: اترانے والے اور فخر کرنے والے، ان دونوں لفظوں کا ایک معنی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فاریہین کا معنی ہے: تجربہ کار اور ماہر۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے: وَتَنحِبُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَارِهِينَ ﴿١٣٠﴾ (اشعرا: ۱۳۰) اور تم خوشی سے اتراتے ہوئے پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو ○ علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے فَرِحِينَ کا معنی مَرِحِينَ یعنی اترانے والے کیا ہے، اسی طرح امام ابو نعیدہ نے اس کی تفسیر کی ہے اور مَرِحِينَ مَرُوحَہ کی جمع ہے اور یہ صفت مشبہ ہے اور الْمُرَاخُ کا معنی ہے: بہت زیادہ خوش ہونا۔ نکر مہ نے کہا: اس کا معنی ہے: نعمت سے حصہ لینے والے اور سدے نے کہا: اس کا معنی ہے متحیر، اور ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے: قوی۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تَعَثَّوْا هُوَ أَشَدُّ الْفَسَادِ۔ تَعَثَّوْا کا معنی ہے: جنہوں نے بہت زیادہ فساد کیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا تَعَثَّوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿١٣١﴾ (اشعرا: ۱۳۱) اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے حد سے تجاوز نہ کرو ○ علامہ عینی اس تعلق کی شرح میں لکھتے ہیں: امام بخاری نے تَعَثَّوْا کی تفسیر بہت شدید فساد کے ساتھ کی ہے کیونکہ عثاۃ الارض کا معنی ہے: زمین میں بہت فساد کیا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام ابن ابی حاتم نے از قتادہ روایت کی ہے کہ وَلَا تَعَثَّوْا کا معنی ہے: زمین میں فساد کرتے ہوئے سفر نہ کرو۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۵۷)

عَاثٌ يَعِثُ عَيْثًا۔

امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ عاث کا معنی عشی کی مثل ہے یعنی اس نے فاسد کر دیا اور ان کی مراد یہ نہیں ہے کہ تعثوا، عاث سے مشتق ہے کیونکہ تعثوا ناقص داوی ہے اور عاث اجوف داوی ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۲-۱۳۱)

الْجِبَّةُ الْخَلْقُ جُبِلَ خُبِقَ وَمِنْهُ جُبْلًا وَجِبْلًا وَجِبْلًا الْجِبَّةُ کا معنی ہے: پیدا کرنا۔ جبیل کا معنی ہے: پیدا کیا گیا اور اسی سے جُبِلَ، جبیل اور یہ جُبِلَ سے ماخوذ ہے یعنی مخلوق۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ إِلَّا وَلِيَّيْنِ ۝ (الشعراء: ۱۸۳)
اور بے شک اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اور تم سے پہلے کی جبلت (سرشت) کو پیدا کیا ہے O

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی فرماتے ہیں:

امام بخاری نے کہا: اور اسی باب سے ہے جبل اور وہ اس آیت میں ہے:

وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا ۖ (یس: ۶۲)
اور بے شک اسی نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو گم راہ کر دیا۔
اس آیت میں کئی قراءتیں ہیں: جُبَلًا، جُبَلًا وَغَيْرُہ۔

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، بعض شارحین نے کہا ہے کہ یہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ تمام کلام امام ابو عبیدہ کا ہے، میں کہتا ہوں کہ امام ابو عبیدہ کا کلام ہوتا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی نفی کو مستلزم نہیں ہے۔

(مدوّۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۲، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابٌ: وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ۝

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جس دن لوگ دوبارہ زندہ کیے

جائیں گے مجھے شرمندہ نہ کرنا O (الشعراء: ۸۷) کی تفسیر

امام بخاری روایت کرتے ہیں: اور ابراہیم بن طہمان نے کہا از ابن ابی ذؤب از سعید بن ابی سعید المقبری از والد خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی سنی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے (عرفی) باپ کو دیکھیں گے ان پر گرد و غبار اور سیاہی ہوگی، اور الغبرۃ کا معنی بھی سیاہی ہے۔

(الشعراء: ۸۷)

۴۷۶۸۔ وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ بَنُ صَفْهَانَ عَنْ ابْنِ اَبِي ذَوْبٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ اَبِي سَعِيدٍ النَّقْبَرِيِّ عَنْ اَبِيهِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَرَى اَبَاةَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ عَلَيْهِ الْغَبْرَةُ وَالْقَتَرَةُ الْغَبْرَةُ هِيَ الْقَتَرَةُ۔

اس حدیث کی مفصل شرح صحیح البخاری ۳۳۵۰ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث کی الشعراء: ۸۷ کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا تھا:

اور میرے (عرفی) باپ کو بخش دے بے شک وہ گم راہوں میں

وَاغْفِرْ لِيْ اِنَّهُ كَانَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (الشعراء: ۸۶)

سے تھا O

اور جب انہوں نے اس کو گرد و غبار اور سیاہی میں دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔

حدیث مذکور کے رجال

ابراہیم بن طہمان: البروی ہیں، ابو سعید مقبری نیشاپور میں رہے پھر مکہ میں رہے اور ایک سو ساٹھ ہجری میں فوت ہو گئے، یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے رجال میں سے ہیں، ابن ابی ذؤب: محمد بن عبد الرحمن بن ابی ذؤب اور ان کا نام ہشام ہے اور سعید اپنے والد ابی سعید سے روایت کرتے ہیں اور ان کا نام کیسان المدینی ہے، وہ ایک قبرستان کے پاس رہتے تھے تو ان کو قبرستان کی طرف منسوب کر کے مقبری کہتے ہیں۔ یہ حدیث معلق ہے، اس کو امام نسائی نے سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عرفی باپ کو قیامت کے دن اس طرح دکھایا جائے گا کہ ان کے چہرہ پر

الغبرة اور القترہ ہوگا، ان لفظوں کا معنی ہے: گرد و غبار اور سیاہی۔ قرآن مجید میں ہے:

وَوُجُوهُ يَوْمَ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۖ تَرْفَعُهَا قَتَرَةٌ ۖ (عبس: ۳۰-۳۱) گئی

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۳-۱۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

قترہ اور غبرہ کا معنوی فرق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام نسائی نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے (عرفی) باپ کو دیکھ کر کہا: میں نے تم کو شرک سے منع کیا تھا لیکن تم نے میری نافرمانی کی، ان کے (عرفی) باپ نے کہا: لیکن میں آج تمہاری نافرمانی نہیں کروں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ الغبرہ ہی القترہ یہ امام بخاری کا کلام ہے جس کو انہوں نے امام ابو عبیدہ کے کلام سے اخذ کیا ہے اور ان کا یہ کلام سورۃ یونس کی تفسیر میں ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ قترہ اس سیاہی کو کہتے ہیں جو غم اور افسوس کی وجہ سے چہرے کو ڈھانپ لیتی ہے اور غبرہ اس گرد و غبار کو کہتے ہیں جو چہرے پر پڑ جاتا ہے۔ غبرہ کا حسی امر ہے اور قترہ معنوی امر ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ قترہ اس گرد و غبار کو کہتے ہیں جو چہرے کو سیاہ کر دے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قترہ دھوئیں کی سیاہی کو کہتے ہیں۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۴۵۸-۴۵۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے بھائی نے حدیث بیان کی از ابن ابی ذؤب از سعید المقبری از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے (عرفی) باپ سے ملاقات کریں گے، پس عرض کریں گے: اے میرے رب! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تو مجھے اس دن شرمندہ نہیں کرے گا جس دن سب لوگوں کو اٹھایا جائے گا، تب اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: بے شک میں نے جنت کو کافروں کے اوپر حرام کر دیا ہے۔

۳۷۹۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا أَخِي عَنِ ابْنِ أَبِي ذُؤَيْبٍ عَنْ سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَلْقَىٰ إِبْرَاهِيمُ أَبَاهُ فَيَقُولُ يَا رَبِّ إِنَّكَ وَعَدْتَنِي أَن لَّا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ فَيَقُولُ اللَّهُ إِنِّي حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِينَ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۵۰ میں گزر چکی ہے۔

یہ اس حدیث کی دوسری سند ہے جس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سعید مقبری سے ان کے باپ کے واسطے کے بغیر سنا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے (عرفی) باپ آزر کو دوزخ میں ڈالنے پر اعتراض کے متعدد جوابات

علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں عرض کیا:

وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ۖ (اشعراء: ۸۷)

اور جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے مجھے رسوا نہ کرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رسوائی کا ذکر اس لیے کیا کہ قرآن مجید میں ہے:

رَهَبًا إِنَّكَ مِنَ الَّذِينَ تُدْخِلُ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْنَا ۖ (آل عمران: ۱۹۲) اے ہمارے رب! تو نے جس کو دوزخ میں داخل کر دیا، سو تو نے

اس کو ضرور رسوا کر دیا ہے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے (عرفی) باپ کو دوزخ میں ڈال دیا تو یہ امر ان کے لیے باعث شرمندگی تھا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ وہ ان کو اس دن شرمندہ نہیں کرے گا جس دن لوگوں کو اٹھایا جائے گا اور جب ان کے (عرفی) باپ کو دوزخ میں ڈال دیا تو یہ ان کے لیے باعث شرمندگی ہوا کیونکہ باپ کی رسوائی بیٹے کی رسوائی ہے اور اس سے الخلف فی الوعد لازم آیا اور یہ محال ہے، تو اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اگر ان کے عرفی باپ آزر کو دوزخ میں نہ ڈالا جاتا تو الخلف فی الوعد لازم آتا اور یہ بھی محال ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے اس سے یہی مراد ہے۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ آزر کو قبر کے بجو کی صورت میں مسخ کر کے دوزخ میں ڈالا جائے گا تو اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شرمندگی کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ شرمندگی کی وجہ تب ہوتی کہ جب آزر کو اس کی معروف صورت میں دوزخ میں ڈالا جاتا تو لوگ کہتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے (عرفی) باپ کو دوزخ میں ڈال دیا گیا، پس اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی پورا ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شرمندگی سے بچ گئے اور اللہ تعالیٰ کی وعید بھی پوری ہو گئی کیونکہ کافر کو دوزخ میں نہیں ڈالا گیا، اور اس اعتراض کا ایک اور جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہ وہ آزر کو بخش دے گا اس کے ایمان لانے کے ساتھ مشروط تھا اور جب وہ ایمان نہیں لایا تو اس کی مغفرت کی کوئی وجہ نہیں رہی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهٖمَ لَآبٖهِۦٓ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا اِيَّآہُ۬ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَہٗ اَنَّهُۥ عَدُوٌّ لِّلّٰہِ تَبَيَّرَ وَنٖہُ۬ۚ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ لَآ ذَاۃَ حِلِیْمٍ ۝

اور ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ کے لیے استغفار کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اس سے کیا تھا، اور جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے، بے

(التوبہ: ۱۱۳) شک ابراہیم بہت نرم دل اور بہت بردبار تھے ○

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

آزر کو بجو کی شکل میں مسخ کرنے کی حکمتیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آزر کے لیے استغفار کو ترک کرنے اور آخرت میں اس کے لیے استغفار کرنے کی دو روایتوں میں تطبیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایوب کی روایت میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمائے گا: اے میرے بندے! آپ جنت کے جس دروازے سے داخل ہونا چاہیں جنت میں داخل ہو جائیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے: اے میرے رب! تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ تو مجھے رسوا نہیں کرے گا اور اس سے بڑھ کر کیا رسوائی ہوگی کہ میرا (عرفی) باپ دوزخ میں داخل ہو۔ تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری کی حدیث میں ہے: پس ندا کی جائے گی کہ جنت میں کوئی کافر داخل نہیں ہوگا۔

ابراہیم بن طہمان کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اے ابراہیم! تمہارے باپ کہاں ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے: تو نے اس کو مجھ سے لے لیا تھا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نیچے دیکھو، پس وہ دیکھیں گے کہ ایک قبر کا بجو اپنی بدبو میں لوٹ پوٹ ہو رہا ہے، اور ایوب کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مسخ کر کے قبر کا بجو بنا دیں گا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے

میرے بندے! تمہارا باپ یہ ہے، سو حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے: نہیں! تیری عزت کی قسم! اور حضرت ابوسعید کی حدیث میں ہے: اس کو قبیح صورت اور بد بودار شکل میں قبر کے بجو کی صورت میں بنادیا جائے گا، ابوالمندر نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے: جب حضرت ابراہیم اس کو اس صورت میں دیکھیں گے تو فرمائیں گے: تو میرا (عرفی) باپ نہیں ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کو بجو کی شکل میں مسخ کرنے کی حکمت یہ ہے تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نفس اس سے متنفر ہو اور تاکہ ان کا (عرفی) باپ اپنی اس صورت میں دوزخ میں نہ ڈالا جائے جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے باعث رنج و ملال ہو۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آزر کو قبر کے بجو کی شکل میں مسخ کرنے کی حکمت یہ تھی کہ قبر کا بجو تمام جانوروں میں سب سے زیادہ احمق ہے اور کیونکہ یہ کتے اور خنزیر اور شیر کے درمیان متوسط ہے، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہت زیادہ تواضع کے ساتھ دین اسلام کی تبلیغ کی لیکن اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اور تکبر کیا اور اپنے کفر پر اصرار کیا، سو اس کے ساتھ قیامت کے دن ذلت آمیز سلوک کیا جائے گا اور اس لیے کہ قبر کا بجو بیڑھا ہے اور اس میں استقامت نہیں ہے اور آزر بھی سیدھا نہیں ہوا اور اپنی کجروی اور بیڑھ پر ڈٹا رہا۔ اسامعیلی نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، پھر کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور معلل ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی وعید کے خلاف نہیں کرتا، پھر انہوں نے کیوں کر آزر کے لیے دعا کی!

اور دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث بہ ظاہر اس آیت کے خلاف ہے:

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهٖمَ لِاٰتِیْہٖ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّ
عَدَہَا اٰتٰہَا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَہٗ اَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّآ مِنْہٗ
(التوبہ: ۱۱۳) ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کس وقت آزر سے بیزار ہوئے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ جب آزر حالت شرک میں مر گیا تو وہ دنیا میں ہی اس سے بیزار ہو گئے تھے۔ اس روایت کو امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ جب آزر مر گیا تو حضرت ابراہیم نے اس کے لیے استغفار نہیں کیا، ایک اور سند سے مروی ہے کہ جب تک وہ زندہ رہا حضرت ابراہیم اس کے لیے استغفار کرتے رہے اور جب وہ مر گیا تو آپ اس کے لیے استغفار کرنے سے رک گئے۔

امام ابن المندر کی روایت ہے کہ قیامت کے دن جب آزر کو بجو کی شکل میں مسخ کیا جائے گا تو حضرت ابراہیم اس سے بیزار ہو جائیں گے جیسا کہ میں نے اس طرف پہلے بھی اشارہ کیا ہے۔

ان دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ جب آزر شرک پر مر گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لیے استغفار کو ترک کر دیا، لیکن جب انہوں نے اس کو قیامت کے دن دیکھا تو ان پر پھر نرمی اور شفقت غالب آگئی، سو انہوں نے اس کے حق میں دعا کی، پس جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ آزر کو مسخ کر دیا گیا تو وہ اس کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے اور وہ اس سے ہمیشہ کے لیے بیزار ہو گئے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۵۵۹-۵۵۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۔ بَابُ: وَ اَلَّذِیْنَ عَشِیْرَتُکَ الْاَقْرَبِیْنَ
وَ اَخْفَضُ جَنَاحِکَ لِمَنْ اَتْبَعَكَ مِنْ
اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو
(عذاب سے) ڈرائیے O اور جن مسلمانوں نے آپ

المؤمنین ۵۰

(الشعراء: ۲۱۴-۲۱۵)

کی پیروی کی ہے ان کے لیے اپنی رحمت کے بازو کو
جھکا کر رکھیے ۵ (الشعراء: ۲۱۵-۲۱۴) کی تفسیر

امام بخاری نے کہا: اس کا معنی ہے آپ اپنی جانب کو نرم رکھیں۔

۴۷۷۰۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ بْنُ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ ۵ (الشعراء: ۲۱۴) صَعِدَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى الصَّفَا فَجَعَلَ يَنَادِي يَا بَنِي فِهْرٍ يَا بَنِي عَدِيٍّ لِبُطُونِ قُرَيْشٍ حَتَّى اجْتَمَعُوا فَجَعَلَ الرَّجُلُ إِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَخْرُجَ أَرْسَلَ رَسُولًا لِيَنْظُرَ مَا هُوَ فَجَاءَ أَبُو لَهَبٍ وَقُرَيْشٌ فَقَالَ أَرَأَيْتُكُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا بِالْوَادِي تُرِيدُ أَنْ تُغِيرَ عَلَيْكُمْ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقًا قَالُوا نَعَمْ مَا جَزَيْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا قَالَ فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيَّ عَذَابٍ شَدِيدٍ فَقَالَ أَبُو لَهَبٍ تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ إِلَهَذَا جَمَعْتَنَا فَنَزَلَتْ ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۝﴾ (المسد: ۱-۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الأعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمرو بن مروہ نے حدیث بیان کی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ ۵ (الشعراء: ۲۱۴) (اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب سے ڈرائیے ۵) تو نبی ﷺ صفا پہاڑ پر چڑھے، پھر آپ بلند آواز سے ندا فرما رہے تھے: اے بنی فہر! اے بنی عدی! قریش کے قبیلوں کو حتیٰ کہ وہ سب جمع ہو گئے، پھر جو مرد خود نکلنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا تو وہ کسی قاصد کو بھیجتا تا کہ دیکھے کیا معاملہ ہے، پھر ابولہب اور قریش آئے، تب آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ گھوڑ سواروں کا ایک لشکر تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرنے والے ہو؟ تو سب نے کہا: ہاں! ہم نے آپ کے متعلق صدق کے سوا کسی چیز کا تجربہ نہیں کیا، آپ نے فرمایا: پس میں تمہیں سخت عذاب سے ڈرانے والا ہوں جو تمہارے سامنے ہے۔ تو ابولہب نے کہا: تمہارے لیے سارے دن ہلاکت ہو، کیا تو نے اس لیے ہمیں جمع کیا تھا، تب یہ آیت نازل ہوئی: تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَ مَا كَسَبَ ۝ (المسد: ۱-۲) ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے ۵ اس کے مال اور اس کی کمائی نے اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچایا ۵

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۹۴ میں گزر چکی ہے۔

اس کی تحقیق کہ نبی ﷺ کا صفا پہاڑ پر کھڑے ہو کر کفار قریش کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا قصہ ایک بار کا ہے یا دو مرتبہ ایسا ہوا اور اس اعتراض کا جواب کہ نبی ﷺ کا حضرت سیدہ فاطمہ سے فرمانا: تم اپنے آپ کو دوزخ کے عذاب سے بچاؤ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا اور دیگر مباحث

حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث صحابہ کی مرسل روایات میں سے ہے، اسماعیلی نے اس کو وثوق سے کہا ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ تو مدینہ میں اسلام لائے تھے اور اس قصہ میں مکہ کا واقعہ ہے اور حضرت ابن عباسؓ اس وقت یا تو پیدا نہیں ہوئے تھے اور یا اس وقت بہت بچے تھے (حدیث: ۴۷۷۰، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور حدیث: ۴۷۷۱، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے) اور دوسرے احتمال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت فاطمہ کو یہ نداء کرنا: تم میرے مال سے جو چاہو سوال کرو لیکن میں تم سے اللہ تعالیٰ کے کسی امر کو دور نہیں کر سکتا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ اس وقت احکام کی مخاطب تھیں اور ہم اس سے پہلے اوائل سیرۃ النبیؐ میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ قصہ دو مرتبہ واقع ہوا ہو، لیکن اصل یہ ہے کہ نزول کا تکرار نہ ہوا ہو کیونکہ اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے یہ اس وقت فرمایا جب وَأَنْذَرْنَا عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ (الشعراء: ۲۱۳) نازل ہوئی تھی۔

ہاں امام طبرانی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ بیان کیا ہے کہ جب وَأَنْذَرْنَا عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ (الشعراء: ۲۱۳) نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے بنو ہاشم کو اور اپنی ازواج کو اور اپنے گھروالوں کو جمع کیا، پس فرمایا: اے بنو ہاشم! اپنے نفسوں کو دوزخ کے عذاب سے خرید لو اور اپنے غلاموں کو آزاد کرنے کی کوشش کرو اور اے عائشہ بنت ابی بکر! اور اے حفصہ بنت عمر! اور اے ام سلمہ! پھر انہوں نے ایک طویل حدیث روایت کی، پس اگر یہ روایت ثابت ہو تو یہ اس قصہ کے تعدد پر دلالت کرتی ہے۔ چونکہ پہلی حدیث (بخاری: ۴۷۷۰) کا واقعہ مکہ سے متعلق ہے اور اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ صفا پہاڑ پر چڑھے اور اس وقت حضرت عائشہ، حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہن آپ کے پاس نہیں تھیں، یہ ازواج مطہرات آپ کے پاس صرف مدینہ میں تھیں، پس ہو سکتا ہے کہ یہ قصہ پہلے قصہ سے متاخر ہوا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ بھی اس وقت آپ کے پاس حاضر ہوئے ہوں اور شاید پہلے یہ آیت نازل ہوئی ہو: وَأَنْذَرْنَا عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ تو آپ نے بالعموم قریش کے عام لوگوں کو اور خاص لوگوں کو جمع کیا اور دوسری مرتبہ یہ ارشاد نازل ہوا: وَرَفَعْنَا مِنْهُمُ الْمَخْلَصِيْنَ ۝ تو اس وقت آپ نے خصوصاً بنو ہاشم کو اور اپنی ازواج مطہرات کو جمع کیا اور اس سے علامہ نووی کی اس بات کا رد ہو جاتا ہے کہ وَرَفَعْنَا مِنْهُمُ الْمَخْلَصِيْنَ صحیح بخاری میں نہیں ہے اور وہ اس سے غافل ہو گئے کہ یہ جملہ صحیح بخاری میں سورۃ تبت کی تفسیر میں موجود ہے۔

اور جب یہ آیت نازل ہوئی: وَأَنْذَرْنَا عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ (الشعراء: ۲۱۳) تو امام بخاری نے سورۃ تبت کی تفسیر میں یہ اضافہ کیا ہے: اس سند کے ساتھ ابو اسامہ نے از عمش یہ روایت کی ہے، اور اس کے ساتھ یہ آیت نازل ہوئی: وَرَفَعْنَا مِنْهُمُ الْمَخْلَصِيْنَ (اور اپنے قبیلہ میں سے مخلص لوگوں کو ڈرائیے) اور اس اضافہ کی امام طبری نے ایک اور سند سے بھی روایت کی ہے: عمرو بن مرة نے کہا: آپ اسی طرح تلاوت فرماتے تھے، علامہ قرطبی نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ اضافہ قرآن ہو، پھر اس کی تلاوت منسوخ کر دی گئی ہو، پھر اس پر یہ اشکال قائم کیا ہے کہ عذاب سے ڈرانا تو کافروں کے لیے تھا اور مخلصین تو مومنین کی صفت ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے یہ خاص کا عطف عام پر ہو، وَأَنْذَرْنَا عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ کے لیے عام ہے خواہ وہ ایمان لائے ہوں یا نہ

لائے ہوں، پھر اس کی تائید کے لیے اس پر قبیلہ کے مخلصین کا عطف فرمایا۔ اس حدیث میں فرمایا ہے: ”اے فاطمہ بنت محمد! تم میرے مال سے جو چاہو سوال کرو میں تمہیں اللہ کی کسی چیز سے بے پرواہ نہیں کر سکتا۔“ بعض مالکیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ نیک اعمال میں کسی کی نیابت نہیں ہو سکتی، ورنہ رسول اللہ ﷺ اپنے نیک اعمال سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اللہ کے عذاب سے بچا لیتے، اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر مطلع نہیں فرمایا تھا کہ آپ جس کی شفاعت فرمائیں گے اللہ تعالیٰ اس کی شفاعت قبول فرمائے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ایک جماعت کو بغیر حساب کے جنت میں داخل فرما دے گا (اللہ تعالیٰ مصنف کو بھی اس جماعت میں شامل فرما دے۔ آمین) اور اللہ تعالیٰ ایک اور جماعت کے درجات بلند فرما دے گا اور ایک جماعت کو دوزخ سے نکال لے گا جو اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں داخل کیے گئے تھے یا آپ نے حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ اس لیے فرمایا تھا کہ یہ عذاب سے ڈرانے کا مقام تھا، یا آپ نے نیک اعمال پر براہیختہ کرنے کے لیے اس طرح فرمایا تھا یا آپ نے جو فرمایا تھا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، یہاں پر یہ جملہ مقدر ہے: سوا اس صورت کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے شفاعت کرنے کی اجازت عطا فرمائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اے قریش کی جماعت! یا اس طرح کا کوئی کلمہ کہا، البلازری نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: اے بنو فہر! پس وہ جمع ہو گئے، پھر آپ نے فرمایا: اے بنو غالب! تو فہر کے دو بیٹے محارب اور الحارث آ گئے، پس آپ نے فرمایا: اے بنی لوی! پھر آپ نے فرمایا: اے آل کعب! تو بنو عدی اور ایک جماعت آ گئی، پھر آپ نے فرمایا: اے آل کلاب! تو بنو مخزوم اور بنو تیم آ گئے، پھر فرمایا: اے آل قصی! تو بنو ہرہ آ گئے تو پھر فرمایا: اے آل عبد مناف! تو عبدالدار کے بیٹے اور عبدالعزی آ گئے، تب ابولہب نے آپ سے کہا: یہ بنو عبد مناف آپ کے پاس ہیں اور علامہ واقدی نے صرف بنو ہاشم اور بنو مطلب کے بلانے پر اقتصار کیا ہے اور وہ اس وقت پینتالیس (۳۵) مرد تھے، اور امام بیہقی نے دلائل النبوة میں لکھا ہے کہ وہ چالیس (۴۰) سے زیادہ تھے اور اس میں آپ کے چچاؤں کا ذکر ہے۔ ابوطالب، ابولہب اور حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما۔

حضرت علی کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: میں عرب کے کسی جوان کو نہیں جانتا کہ جس نے اپنی قوم کو اس سے افضل چیز کی دعوت دی ہو جس کی دعوت میں نے تمہیں دی ہے، میں نے تم کو دنیا اور آخرت کی خیر کی دعوت دی ہے۔

امام مسلم اور امام احمد کی حدیث میں ہے کہ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں اور میری مثال اور تمہاری مثال اس شخص کی طرح ہے جو دشمن کو دیکھ کر بلند آواز سے اپنی قوم کو ڈرائے۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے: تم اپنے نفسوں کو اللہ سے خرید لو یعنی اپنے نفسوں کو دوزخ کے عذاب سے چھڑا لو گویا کہ آپ نے فرمایا: تم اسلام قبول کر لو تو تم اللہ کے عذاب سے سلامت رہو گے اور یہ اللہ سے اپنے نفسوں کو خریدنے کی مثل ہے گویا کہ عبادت نجات کی قیمت ہے اور رہا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ (التوبہ: ۱۱۱)

بے شک اللہ نے ایمان والوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومن کو بیچنے والا قرار دیا ہے اور جنت کو قیمت قرار دیا ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ تمام نفوس اللہ تعالیٰ کے ملک ہیں اور بے شک جس نے اللہ تعالیٰ کی کماحقہ اطاعت کی اور اس کے تمام احکام پر عمل کیا اور اس کے تمام منع کردہ

کاموں سے رک رہا تو اس نے جنت کی پوری قیمت ادا کر دی۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶-۷۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۷۷۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حِينَ أَنْزَلَ اللَّهُ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ (الشعراء: ۲۱۳) قَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا يَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَيَا صَفِيَّةُ عَنَّةَ رَسُولِ اللَّهِ لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ سَلِّبِي مَا شِئْتَ مِنْ مَالٍ لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب اور ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے خبر دی کہ بے شک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ (الشعراء: ۲۱۳) (اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں) تو رسول اللہ ﷺ نے (صفا پہاڑ پر) کھڑے ہو کر فرمایا: اے قریش کی جماعت! یا اس کی مثل کوئی کلمہ فرمایا، تم اپنے نفسوں کو اللہ تعالیٰ سے خرید لو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے بالکل نہیں بچا سکتا، اے بنی عبد مناف! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے بالکل نہیں بچا سکتا۔ اے عباس بن عبد المطلب! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے بالکل نہیں بچا سکتا اور اے صفیہ! رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی، میں آپ کو اللہ کے عذاب سے بالکل نہیں بچا سکتا اور اے فاطمہ بنت محمد ﷺ! تم میرے مال سے جو چاہو سوال کرو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے بالکل نہیں بچا سکتا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۷۵۳ میں گزر چکی ہے۔

تَابِعَهُ أَصْبَغُ عَنْ ابْنِ وَهَبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ۔

امام بخاری نے کہا: اصبح نے ابو الیمان کی متابعت کی ہے از ابن وہب از یونس از ابن شہاب۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: اصبح بن الفرغ المصری امام بخاری کے مشائخ میں سے ایک ہیں۔

اور نبی ﷺ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو جو سب سے پہلے اللہ کے عذاب سے ڈرایا اس میں حکمت یہ تھی کہ جب آپ کے قریبی رشتہ داروں کے اوپر حجت قائم ہوگی تو دوسروں پر بھی یہ حجت قائم ہوگی اور دوسروں کے لیے آپ کی دعوت کو مسترد کرنے کی کوئی وجہ نہیں رہے گی۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس حدیث کی مفصل شرح حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی عبارت میں گزر چکی ہے۔

الحمد لله رب العالمین، سورۃ الشعراء کی تفسیر مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ النمل کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۲۷۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ النَّملِ

سورة النمل کی تفسیر

سورة النمل کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس سورۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
علامہ القرطبی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے، اور علامہ سخاوی نے لکھا ہے کہ یہ سورت سورۃ القصص سے پہلے نازل ہوئی ہے اور سورۃ القصص کے بعد سورۃ بنی اسرائیل نازل ہوئی ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۵)
میں کہتا ہوں کہ اس سورت کو قرآن بھی فرمایا اور کتاب بھی، قرآن کا لفظ قراءت سے بنا ہے جس کا معنی ہے: پڑھنا اور کتاب کا لفظ کُتِبَ سے بنا ہے جس کا معنی ہے: لکھنا۔ اس کو قرآن اس لیے فرمایا کہ اس کو سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے اور کتاب اس لیے فرمایا کہ اس کو سب سے زیادہ لکھا جاتا ہے اور قرآن کے لفظ کو کتاب کے لفظ پر اس لیے مقدم فرمایا کہ پہلے اس کو پڑھا جاتا تھا، پھر اس کو لکھا جاتا تھا۔

وَالْخَبِيُّ مَا خَبَأَتْ۔ الخب کا معنی ہے: جس چیز کو تم چھپاؤ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَلَا يَسْجُدُ لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ۔ (النمل: ۲۵) یہ لوگ اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو (آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ چیزوں کو) باہر لاتا ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے الخب کا معنی بیان کیا ہے: جس چیز کو تم پوشیدہ رکھو، الفراء نے کہا: اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش کو نکالتا ہے اور سبزہ کو زمین سے نکالتا ہے۔ ابوذر کی روایت میں والخب ہے اور دوسروں کی روایت میں الخب ہے اور اس واو کو واو افتتاح کہا جاتا ہے، میں نے اپنے بڑے اساتذہ سے اسی طرح سنا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۵)
حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش کو اور سبزہ کو زمین سے نکالتا ہے۔ اس آیت میں فی کا معنی زمین ہے۔

(فتح الباری ج ۵، دار المعرف، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

لَا قَبِيلَ لَا طَاقَةَ۔ لا قبیل اس کا معنی ہے: اس کی طاقت نہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّمَا جَعَلَ إِلَهُكُمُ فَلَنَاتِيَّتُهُمْ بِجُنُودٍ لَا قَبِيلَ لَهُمْ يَهَا ۖ وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا أَذَلَّةً وَهُمْ صَاغِرُونَ ۝ (النمل: ۳۷)
ان کے پاس واپس جاؤ (اور انہیں بتادو) کہ ہم ضرور ایسے لشکروں کے ساتھ ان پر حملہ کریں گے جن کے مقابلہ کی ان میں طاقت نہیں اور ہم ضرور ان کو ذلیل و رسوا کر کے وہاں سے نکال باہر کریں گے ○

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ ابو عبیدہ کا قول ہے اور امام طبری نے بھی اسماعیل بن ابی خالد سے اس کی مثل روایت کی ہے۔
الَصَّرْحُ كُلُّ مِلَاحٍ اتَّخَذَ مِنَ الْقَوَارِيرِ وَالصَّرْحُ الْقَصْرُ الصَّرْحُ: ہر وہ عمارت جو شیشے اور گارے کو ملا کر بنائی جائے اور
الصرح کا معنی محل ہے اور اس کی جمع صُرُوح ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَدَّدٌ مِّنْ قَوَارِيرَ۔ (النمل: ۴۴)

اس سے کہا گیا: اس محل میں داخل ہو جا، سو جب اس نے اس (شیشے کے فرش) کو دیکھا تو اس نے اس کو گہرا پانی گمان کیا اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اونچا کر لیا۔ سلیمان نے کہا: بے شک یہ شیشے سے بنا ہوا چکنا محل ہے۔

بلقیس جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل کے قریب پہنچی اس سے کہا گیا: اس محل میں داخل ہو جاؤ (الصرح کا معنی ہے: بلند عمارت اور خالص چیز)، بلقیس نے دیکھا کہ اس محل میں سورج چمک رہا ہے اور اس میں مچھلیاں تیر رہی ہیں تو اس نے سمجھا کہ محل کے صحن میں پانی بھرا ہوا ہے تو اس نے اپنے پانچے اپنی پنڈلیوں سے اوپر اٹھا لیے تاکہ اس کا لباس بھیگ نہ جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: بے شک یہ شیشے سے بنا ہوا چکنا محل ہے یعنی وہ جس کو پانی گمان کر رہی ہے وہ شیشے کا فرش ہے، اس کے نیچے پانی بھرا ہوا ہے جو شیشے میں سے پانی نظر آ رہا ہے، اس لیے تم کو اس سے بچنے کے لیے پانچے اوپر اٹھانے کی ضرورت نہیں۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: امام بخاری نے کہا ہے: ہر بلند عمارت جو شیشے سے بنائی گئی ہو اور اسی طرح امام ابو عبیدہ نے کہا ہے اور امام بخاری نے کہا: اس کی جمع صرُوح ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کی جمع صرُوح ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۶-۱۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: الملائط کا معنی ہے: وہ گارا جو تعمیر کے وقت اینٹوں کے درمیان رکھا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی بڑا پتھر ہے۔

امام طبری نے کہا ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کو حکم دیا تھا تو انہوں نے شیشے کا یہ محل بنایا، پھر اس کے نیچے پانی چھوڑ دیا اور اپنا تخت اس کے اوپر رکھا، پس وہ اس پر بیٹھ گئے اور پرندے، جنات اور انسان وہاں پر بیٹھ گئے تاکہ وہ بلقیس کو دکھائیں کہ ان کا ملک اس کے ملک سے زیادہ غالب ہے اور محمد بن کعب کی روایت میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمندری جانور، مچھلیاں اور مینڈک قید کر رکھے تھے تو جب بلقیس نے انہیں دیکھا تو یہ گمان کیا کہ یہ گہرا پانی ہے اور اس کی پنڈلیاں بہت حسین تھیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو پنڈلیاں چھپانے کا حکم دیا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۲-۷۶۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَلَهَا عَرْشٌ سَرِيمٌ كَرِيمٌ حُسْنٌ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بلقیس کا ایک عرش عظیم الصنعة و غلاء الثمن۔

اس کی قیمت بہت مہنگی ہو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ (النمل: ۲۳)

(ہم نے کہا:) میں نے دیکھا کہ ان پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے اور اس کو ہر چیز سے دیا گیا ہے اور اس کا بہت بڑا تخت ہے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: بلقیس کا ایک بہت عمدہ اور بیش قیمت تخت ہے، انہوں نے تخت کی صفت میں کہا: وہ کریم ہے، یہ مجازاً فرمایا جیسے حدیث میں ہے: کَرَامَةُ اَمْوَالِ النَّاسِ یعنی لوگوں کے نفیس مال۔ حسن الصنعہ کا معنی ہے: اس کی کاری گری بہت حسین ہے اور غالی الثمن کا معنی ہے: وہ بیش قیمت ہے۔ علامہ ثعلبی نے بیان کیا ہے: اس تخت کا اگلا حصہ سونے کا تھا اور اس میں سرخ یا قوت اور سبز زمرہ جڑے ہوئے تھے اور اس کا پیچھا حصہ چاندی کا تھا اور وہ بھی جواہر سے آراستہ تھا۔ اور اس کے چار پائے تھے اور ایک پایہ زرد یا قوت کا تھا اور دوسرا پایہ سبز زمرہ کا تھا اور تیسرا پایہ موتیوں کا تھا۔ علامہ ثعلبی نے چوتھے پایہ کا ذکر نہیں کیا، اس پایہ کے اوپر سات کمرے بنے ہوئے تھے اور ہر کمرے کا دروازہ بند تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: وہ تیس ہاتھ لمبا اور تیس ہاتھ چوڑا تھا اور مقاتل سے روایت ہے کہ وہ اسی ہاتھ لمبا اور اسی ہاتھ چوڑا تھا۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: بعض علماء نے بلقیس کی حکمرانی سے عورت کی حکمرانی کے جواز کا استدلال کیا ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ جس دور میں بلقیس حکمران تھی اس دور میں وہ کافرہ تھی اور کافروں پر اس کی حکومت تھی اور کافروں کا کوئی قول اور فعل حجت نہیں ہوتا۔ اسلام میں عورت کی حکمرانی جائز نہیں ہے، کیونکہ نبی سنی ﷺ نے فرمایا: وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے عورت کو اپنا امیر مقرر کر لیا۔ (صحیح البخاری: ۷۰۹۹) اس موضوع پر مفصل بحث کے لیے تبیان القرآن میں اسی آیت کا مطالعہ کریں۔

(تبیان القرآن ج ۸ ص ۶۶۹-۶۷۷)

يَا أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ طَائِعِينَ۔ وہ میرے پاس اس حال میں آئیں کہ مسلمان ہوں: اس کا معنی

ہے: وہ مطیع اور فرمانبردار ہوں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ يَخُفُّونَ بِعَرَّشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَهُمْ مِّنْ سُلَيْمَانَ ۖ (النمل: ۳۸)

امام بخاری نے طاعین کی تفسیر کی ہے: مطیع اور اطاعت گزار، حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ طاعین سے مراد ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت کرنے والے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: امام طبری نے علی بن ابی طلحہ کی حضرت ابن عباس سے اسی طرح روایت کی ہے اور جریج کی روایت سے لکھا ہے کہ وہ دین اسلام کے اقرار کرنے والے ہو جائیں، اور امام طبری نے پہلی روایت کو راجح قرار دیا ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

رَدِيفٌ اقْتَرَبَ۔

رَدِيفٌ کا معنی ہے: قریب آ پہنچا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ رَدِيفٌ لِّكُم مِّنْ بَعْضِ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ ۖ (النمل: ۷۳)

آپ کہیے کہ جس چیز کو تم جلد طلب کر رہے ہو، ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ لگ چکی ہو ○

علامہ بدرالدین عینی نے لکھا ہے: امام بخاری نے تَرْدِف کی تفسیر کی ہے: وہ قریب آپہنچا۔ اسی طرح امام طبری نے از علی بن ابی طلحہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت ذکر کی ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: کفار یہ کہتے تھے کہ تم نے جس عذاب کی وعید سنائی ہے وہ کب آئے گا؟ آپ کہیے: وہ عذاب تمہارے قریب آپہنچا ہے اور وہ عذاب تمہارے لیے بہ منزلہ ردیف ہے۔ ردیف اس شخص کو کہتے ہیں جو سواری پر سوار کے پیچھے بیٹھتا ہے یعنی جس طرح ردیف سوار کے قریب ہوتا ہے اسی طرح وہ عذاب تمہارے قریب آپہنچا ہے۔

جَامِدَةٌ قَائِمَةٌ۔ جَامِدَةٌ اس کا معنی ہے قائم ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدًا وَهِيَ تَمُورٌ مَّرَّ السَّحَابِ^۱ (اے مخاطب) تو اس دن پہاڑوں کو اپنی جگہ جما ہوا گمان کرے گا حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے۔ (النمل: ۸۸)

علامہ بدرالدین عینی نے لکھا ہے: امام بخاری نے جَامِدَةٌ کی تفسیر قَائِمَةٌ کی ہے۔ اسی طرح امام طبری نے از علی بن ابی طلحہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۲)

میں کہتا ہوں: اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے، اس دن پہاڑ اپنی جگہوں پر نہیں رہیں گے بلکہ اس دن پہاڑ بادلوں کی طرح چلیں گے اور اڑیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا لیکن وہ ان مضبوط چیزوں کو بھی روٹی کے گالوں کی طرح بنا کر اڑا دے گا۔

أَوْزِعْنِي اجْعَلْنِي۔ اَوْزِعْنِي اس کا معنی ہے: اجْعَلْنِي یعنی مجھے بنا دے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِي اَنْ اَسْأَلَكَ بِعَمَلِكِ الَّذِي اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ۝ (النمل: ۱۹)

اور سلیمان (علیہ السلام) نے دعا کی: اے میرے رب! تو نے مجھے اور میرے والدین کو جو نعمتیں عطا کی ہیں مجھے ان کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ اور مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ جن سے تو راضی ہو اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: امام بخاری نے اَوْزِعْنِي کی تفسیر اجْعَلْنِي کے ساتھ کی ہے، اسی طرح امام طبری نے از علی بن ابی طلحہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۷-۱۳۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: امام ابو عبیدہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا: مجھے شکر گزاری پر برقرار رکھ اور دوسری جگہ یہ لکھا: مجھ پر شکر گزاری کا الہام فرما۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۲)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ نَّكِرُوا وَاعْتَبُوا۔ اور مجاہد نے کہا: نَّكِرُوا یعنی اس کی صورت بدل دو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ نَكِرُوا لَهَا عَدُوَّهَا تَنْظُرُ اَلْتَهْتَبُوتِ اَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝ (النمل: ۴۱)

سلیمان نے حکم دیا کہ اس تخت میں کچھ تغیر کر دو تا کہ ہم آزمائیں کہ آیا وہ اس کو پہچاننے کی راہ پاتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو

نہیں پاتے ○

مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان نے حکم دیا کہ عرش کی صورت بدل دو، پس تبدیل کر کے جو سرخ تھا اسے سبز کر دیا اور جو سبز تھا اس کو زرد کر دیا اور ہر چیز کی حالت بدل دی۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: عکرمہ نے بیان کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ اس تخت میں کچھ اضافہ کرو اور کچھ کمی کر دو۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۲)

وَالْقَبَسُ اس کا معنی ہے: جس چیز کا آگ سے استفادہ کیا گیا ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَوَاتَيْنَاكُمْ بِشَهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ○ (النمل: ۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام ابو عبیدہ نے کہا ہے: اس سے مراد ہے: آگ کا شعلہ اور قبس کا معنی ہے: جو چیز آگ سے حاصل کی گئی ہو یعنی انگارہ۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۲، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ) علامہ عینی نے اپنی شرح میں اس تعلیق کا ذکر نہیں کیا۔

وَأَوْتَيْنَا الْعِلْمَ يَقُولُهُ سُلَيْمَانُ۔
و اوتینا العلم اور ہمیں علم عطا کیا ہے۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا جَاءَتْ قَيْلٌ أَهْلَكُوا عَرْشَكَ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ○
ہے؟ اس نے کہا: گویا کہ یہ وہی ہے اور ہمیں اس سے پہلے ہی علم

دیا گیا تھا اور ہم اطاعت گزار ہو چکے ہیں ○ (النمل: ۲۲)

علامہ بدرالدین عینی نے لکھا ہے: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے ”اور ہمیں پہلے ہی علم دیا گیا تھا“ یہ بلقیس کا قول ہے اور امام

الواحدی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۴۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے دوسرے قول کو معتمد لکھا ہے یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۲)

علامہ عینی حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آیت کا سیاق و سباق اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ بلقیس کا قول ہے، اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت کی تصدیق کرتے ہوئے یہ بات کہی۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۴۷)

الضَّرْحُ بِرَكَّةٍ مَاءٍ ضَرَبَ عَلَيْهَا سُلَيْمَانُ قَوَارِيرَ الْبَسَاسِ
الضَّرْحُ کا معنی ہے: پانی کا تالاب۔ حضرت سلیمان نے اس

تالاب کے اوپر شیشے بچھا دیئے تھے تاکہ وہ مشتبہ ہو کر ان شیشوں کو پانی سمجھے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَتَلَ لَهَا ادْخُلِ الضَّرْحَ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَ
كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا قَالَتْ إِنَّهُ ضَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ
قَوَارِيرَ ○ (النمل: ۲۳)

بلقیس سے کہا گیا: اس محل میں داخل ہو جا، سو جب اس نے اس (شیشے کے فرش) کو دیکھا تو اس نے اس کو گویا پانی گمان کیا اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اونچا کر لیا۔ سلیمان نے کہا: بے شک یہ شیشے سے بنا ہوا چکن محل ہے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: جب بلقیس نے اپنی پنڈلیوں کو کھولا تو ان پر بال تھے تو حضرت سلیمان نے اس کو حکم دیا کہ وہ ان بالوں کو صاف کرے، سو اس نے ایسا کیا۔ قواریز، قازورڈ کی جمع ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس محل کو بنانے کا حکم دیا اور اس کے نیچے پانی کو جاری کر دیا اور اس پانی میں مچھلیاں اور دوسرے سمندری جانور ڈال دیئے اور اس کے وسط میں اپنا تخت رکھوا دیا اور اس پر تشریف فرما ہو گئے، پس جب بلقیس آئی تو اس سے کہا گیا کہ محل میں داخل ہو جاؤ، جب بلقیس نے اس شیشے کو دیکھا تو گمان کیا کہ یہ بہت گہرا پانی ہے اور ابن جریج کی روایت ہے کہ اس نے اس کو سمندر گمان کیا اور اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اونچا کر لیا اور اس کا باقی قصہ مشہور ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر نے بھی اسی طرح لکھا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ بلقیس وہ پہلی خاتون تھی جس نے چوڑے کو بال صاف کرنے کے لیے استعمال کیا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الحمد لله رب العالمین سورۃ النمل کی تفسیر مکمل ہو گئی، اس کے بعد ان شاء اللہ سورۃ القصص کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۲۸۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْقَصَصِ

سورة القصص کی تفسیر

سورة القصص کا تعارف

سورة القصص میں احکام شرعیہ کو بیان کیا گیا ہے اور یہ سورت ان چیزوں کو بیان کرتی ہے جن میں بنی اسرائیل اختلاف کرتے تھے، اور اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کے وہ حقائق اور دقائق بیان کیے گئے ہیں جن کو ان کے ماہرین میں سے بھی بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ یہ سورت بیان کرتی ہے کہ فرعون اور اس کی قوم سے کس طرح انتقام لیا گیا اور قارون کو کس طرح سزا دی گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل پر کیا کیا انعام کیے گئے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ابوالعباس نے کہا: یہ سورت مکی ہے سوا ایک آیت کے جو الجحفہ میں نازل ہوئی اور وہ یہ ہے: **إِنَّ الَّذِي فَرَسَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَأْدُكَ إِلَى مَعَادٍ** (القصص: ۸۵) معاذ سے مراد مکہ مکرمہ ہے یعنی جس ذات نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے وہ آپ کو مکہ مکرمہ کی طرف لوٹانے والی ہے۔ حضرت ابن عباس سے ایک روایت یہ ہے کہ اس سے مراد موت ہے اور ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے اور ان سے تیسری روایت یہ ہے کہ اس سے مراد بیت المقدس ہے، اور حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ اس سے مراد جنت ہے، اس سورت میں انھاسی (۸۸) آیات ہیں۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۸-۱۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

کُلُّ شَيْءٍ قَالِكُ إِلَّا وَجْهَهُ إِلَّا مُنْكَه وَيُقَالُ إِلَّا مَا أَرِيدَ
کُلُّ شَيْءٍ قَالِكُ إِلَّا وَجْهَهُ یعنی اس کی ذات کے سوا ہر چیز بھلاک
ہونے والی ہے۔ وَجْهَهُ کی تفسیر میں کہا جاتا ہے: مُنْكَه یعنی اللہ

کی حکومت کے سوا ہر چیز بھلاک ہونے والی ہے اور کہا جاتا ہے:
سوا اس کام کے جس سے اللہ کی رضا کا ارادہ کیا گیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ كَلُّ شَيْءٍ
قَالِكُ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ

اور اللہ کے سوا کسی اور معبود کی عبادت نہ کریں۔ اللہ کے سوا کوئی
عبادت کا مستحق نہیں، اس کی ذات کے سوا ہر چیز بھلاک ہونے والی
ہے، اسی کا حکم ہے اور تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ (القصص: ۸۸)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الوجہ کی تفسیر ملک کے ساتھ کی ہے ماسی طرح امام طبری نے بعض اہل العربیہ سے نقل کیا
ہے، اور اسی طرح القراء نے ذکر کیا ہے، اور امام ابوسعید دے منقول ہے: سوا اس کے جلال کے اور امام بخاری نے کہا ہے کہ اس کے
معنی میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سوا ان کاموں کے جن سے اللہ کی رضا کا ارادہ کیا جاتا ہے، سفیان نے کہا: اس کا معنی ہے: سوا ان کاموں

کے جن سے اللہ کی رضا اور اس کے تقرب کا ارادہ کیا جاتا ہے نہ کہ ریکاری کا اور لوگوں کی خوشنودی کا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۸)
حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر بن عسقلانی شافعی متونی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام نے جو دو قول نقل کیے ہیں وہ اس اختلاف پر مفرع ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر شے کا اطلاق جائز ہے یا نہیں، جنہوں نے اس کو جائز کہا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ استثناء متصل ہے اور الوجه سے مراد ذات ہے اور اہل عرب شرف والی چیز کو ذات سے تعبیر کرتے ہیں، اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر شے کے اطلاق کو ناجائز کہا ہے انہوں نے کہا: یہ استثناء منقطع ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے یا یہ استثناء متصل ہے اور الوجه سے مراد وہ اعمال ہیں جو اللہ کی رضا کے لیے کیے گئے ہوں۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۶۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ فَعَيِّتُ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءَ الْحُجَجُ۔ مجاہد نے کہا: الْأَنْبَاءُ کا معنی ہے: الْحُجَجُ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَعَيِّتُ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءَ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿٦٦﴾ تو اس دن ان سے خبریں پوشیدہ ہو جائیں گی، پس وہ ایک دوسرے سے سوال تک نہ کر سکیں گے۔ (القصص: ۶۶)

میں کہتا ہوں: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کفار سے فرمائے گا: جب تمہارے پاس انبیاء بھیجے گئے تھے اور انہوں نے اللہ کے پیغام پہنچائے تھے تو تم نے ان کو کیا جواب دیا تھا؟ اس وقت ان سے خبریں پوشیدہ ہو جائیں گی، مجاہد نے کہا کہ وہ اس وقت کوئی عذر پیش نہیں کر سکیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کے پاس رسول بھیج کر ان پر اپنی حجت تمام کر دی اور وہ ایک دوسرے سے عذر کو پوچھ بھی نہیں سکیں گے، اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ قیامت کے دن ان پر ایسی دہشت طاری ہوگی کہ نہ خود ان کے دماغوں میں کوئی عذر آئے گا نہ وہ کسی سے عذر پوچھ سکیں گے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: کہ انباء کا معنی ہے: دلائل، اسی طرح امام طبری نے ذکر کیا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس بات پر کوئی اضافہ نہیں کیا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۳)

۱۔ بَابُ: إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ

اللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ

بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾ (القصص: ۵۶)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک آپ جس کو پسند کریں

اس کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے، لیکن اللہ جس کو چاہے

اس کو ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے، اور وہ ہدایت پانے

والوں کو خوب جانتا ہے۔ (القصص: ۵۶) کی تفسیر

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے خبر دی از والد خود، انہوں نے بیان کیا: جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو اس کے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، پس آپ نے اس کے پاس ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بن المغیرہ کو دیکھا، پس آپ نے فرمایا: اے

۳۷۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَنَا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ جَاءَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَوَجَدَ عِنْدَهُ أَبَا جَهْلٍ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ بْنِ الْبَغِيرَةِ فَقَالَ أَمَى قُلٌ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَلِمَةً أَحَابُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ

أَبِي أُمَيَّةَ أَتَرَعْبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَمْ يَزَلْ
رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَغْرِضُهَا عَلَيْهِ وَيُعِيدُ إِلَيْهِ بِتِلْكَ
الْمَقَالَةِ حَتَّى قَالَ أَبُو طَالِبٍ آخِرَ مَا كَلَّمَهُمْ عَلَى مِلَّةِ
عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَأَبَى أَنْ يَقُولَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالَ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَاللَّهِ لَا أَسْتَغْفِرُكَ لَكَ مَا لَمْ أَنُحِ
عَنْكَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ
يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾ (التوبة: ۱۱۳) وَأَنْزَلَ اللَّهُ فِي أَبِي
طَالِبٍ فَقَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي
مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ (القصص: ۵۶)

(۵۶)

میرے چچا! آپ یہ کلمہ پڑھیے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (اللہ کے سوا کوئی
عبادت کا مستحق نہیں ہے)، میں اس کلمہ کے سبب سے اللہ تعالیٰ
کے سامنے آپ کے حق میں جھگڑا کروں گا، پس ابو جہل اور عبد اللہ
بن امیہ نے کہا: کیا تم عبد المطلب کے دین سے (جو ان کے
نزدیک مشرک تھے) اعراض کر رہے ہو؟ پس رسول اللہ ﷺ
ابو طالب پر کلمہ توحید پیش کرتے رہے، اور وہ دونوں اپنی بات
دہراتے رہے، آخر کار ابو طالب نے ان سے کہا: وہ عبد المطلب
کے دین پر ہے اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھنے سے انکار کر دیا، تب
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ضرور تمہارے لیے مغفرت کی
دعا کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہیں کیا جائے گا، پھر
اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا
أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ (التوبة: ۱۱۳) (یعنی نبی کے لیے اور
ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے
مغفرت کی دعا کریں) اور اللہ تعالیٰ نے ابو طالب کے متعلق رسول
ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی: إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَ
لَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (القصص: ۵۶) (بے شک آپ جس کو
پسند کریں اس کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے لیکن اللہ جس کو چاہے اس
کو ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے)۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۶۰ میں گزر چکی ہے۔

ابو طالب کے ایمان کی تحقیق ہم نے اسی آیت کی تفسیر میں کی ہے (یعنی التوبة: ۱۱۳ کی تفسیر میں)۔ دیکھیے تبیان القرآن

ج ۵، ص ۲۷۱-۲۷۲۔

علامہ عینی اور علامہ عسقلانی کا مناقشہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

صاحب التلویح (علامہ مغلطائی حنفی متوفی ۷۶۲ھ) نے کہا اور علامہ ابن الملقن (متوفی ۸۰۳ھ) نے اس کی اتباع کی ہے،
انہوں نے کہا یہ حدیث صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مراسیل میں سے ہے کیونکہ حضرت مسیب مصعب کے قول کے مطابق فتح مکہ کے
سال اسلام لائے اور العسکری کے قول کے مطابق وہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی پس
صورت حال جو بھی ہو وہ ابو طالب کی وفات کے وقت حاضر نہیں تھے کیونکہ ابو طالب اور حضرت خدیجہ بنتی النخعہ قریب قریب ایام میں
ایک ہی سال میں فوت ہوئے تھے اور یہ تقریباً پچاس (۵۰) ہجری کی بات ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۹)

نوٹ: علامہ مغلطائی حنفی متوفی ۷۶۲ھ، علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ دونوں

کے استاد ہیں اور علامہ مغلطائی حنفی نے جو صحیح البخاری کی شرح التلویح کے نام سے لکھی ہے وہ ہنوز طبع نہیں ہوئی۔ سعیدی غفرلہ حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت مسیب کے اسلام کے متاخر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ابوطالب کی وفات کے وقت حاضر نہ ہوں کیونکہ جس طرح عبداللہ بن ابی امیہ، ابوطالب کی وفات کے وقت حاضر تھے اور وہ اس وقت کافر تھے، پھر اس کے بعد اسلام لائے، پھر اس قافل پر تعجب ہے کہ اس نے کس طرح العسکری کی طرف یہ نسبت کی ہے کہ حضرت المسیب ان صحابہ میں سے تھے جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی اور وہ اس بات سے قافل ہو گئے، حالانکہ یہ بات تو صحیح حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ میں نے اس کی کتاب المغازی میں شرح کی ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۳)

علامہ بدر الدین مینی حافظ ابن حجر پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: عبداللہ بن ابی امیہ کا ابوطالب کی وفات پر حاضر ہونا جس حال میں وہ کافر تھے حدیث صحیح سے ثابت ہے اور ابوطالب کی وفات کے دن مسیب کا حاضر ہونا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے خواہ وہ حدیث صحیح ہو یا غیر صحیح اور محض احتمال کی وجہ سے علامہ ابن الملقن کے کلام کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۹)

نبی سنیؐ کی خصوصیت کی وجہ سے ابوطالب کے عذاب میں تخفیف

جب ابوطالب پر وفات حاضر ہوئی: حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس سے مراد وفات کی علامات کا حاضر ہونا ہے ورنہ اگر ابوطالب نے وفات کے وقت علامات عذاب کو دیکھ لیا ہوتا تو اس کے بعد اگر وہ ایمان بھی لے آتا تو اس سے اسے کوئی فائدہ نہ پہنچتا۔

حافظ ابن حجر علامہ کرمانی سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابوطالب نے موت کے وقت عذاب کی علامات دیکھ لی ہوں لیکن نبی سنیؐ کو یہ امید ہو کہ جب وہ توحید کا اقرار کر لے گا خواہ وہ اسی حال میں ہو تو اس کا ایمان لانا نبی سنیؐ کی خصوصیت کی وجہ سے فائدہ دے گا اور اسی وجہ سے نبی سنیؐ کی شفاعت سے اس کو فائدہ ہوگا اور تب ہی آپ نے فرمایا: میں تمہارے حق میں اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کروں گا اور تمہارے حق میں شفاعت کروں گا اور عنقریب اس کا بیان آئے گا، اور خصوصیت کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس کے ایمان لانے سے انکار کرنے اور کفر پر مرنے کے باوجود نبی سنیؐ نے اس کی شفاعت کو ترک نہیں کیا بلکہ اس کے لیے آپ مسلسل شفاعت فرماتے رہے حتیٰ کہ دوسروں کی بہ نسبت اس کے عذاب میں تخفیف کر دی گئی اور یہ اس کے حق میں نبی سنیؐ کے خصائص میں سے ہے اور میں اس سلسلے میں نبی سنیؐ کی سیرت کے بیان میں روایت لکھ چکا ہوں۔

ابوطالب کا کلمہ توحید سے انکار کرنا اور حافظ ابن حجر کا ابن الممیر پر رد کرنا

ابوطالب کا آخری کلام یہ تھا کہ وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہے:

حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: مجاہد نے کہا کہ ابوطالب نے کہا: اے میرے بھتیجے! میں اپنے اشیاء کی ملت پر ہوں، اور امام مسلم، امام ترمذی اور امام طبری نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ ابوطالب نے کہا کہ اگر مجھے قریش کے عار دلانے کا خطرہ نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ کلمہ توحید کے اقرار پر موت کی گھبراہٹ نے برا بیچتے کیا، سو اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا تو میں کلمہ توحید پڑھ کر تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیتا اور ابوطالب نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھنے سے انکار کر دیا۔

یہ راوی کی طرف سے اس بات کی تائید ہے کہ ابوطالب اسلام نہیں لائے۔

اور اللہ کی قسم! میں تمہارے لیے ضرور اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کیا جائے:

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: الزین بن المنیر نے کہا ہے: اس سے مراد مغفرت عامہ کی طلب نہیں ہے اور شرک کے گناہ سے معافی کو طلب کرنا مراد نہیں ہے بلکہ یہاں مغفرت سے مراد عذاب میں تخفیف ہے جیسا کہ اس کا دوسری حدیث میں بیان ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: یہ ابن المنیر کی شدید غفلت ہے کیونکہ ابوطالب کے حق میں تخفیف عذاب کی شفاعت مسترد نہیں کی گئی اور اس کو طلب کرنے سے آپ کو منع نہیں کیا گیا بلکہ آپ کو مغفرت عامہ کی طلب سے منع کیا گیا ہے کہ اس کو بالکل عذاب نہ دیا جائے اور یہ نبی ﷺ کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع میں جائز ہے۔

امام بخاری نے کہا ہے کہ التوبہ: ۱۱۳ ابوطالب کی وفات کے وقت نازل ہوئی اور حافظ ابن حجر کی تحقیق یہ ہے کہ یہ آیت حضرت آمنہ اور مشرکین کی وفات کے وقت نازل ہوئی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ اس کے قرابت دار ہوں جب کہ ان پر یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ یہ مشرکین دوزخی ہیں۔ (التوبہ: ۱۱۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یعنی نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ مناسب نہیں ہے اور امام طبری کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے (عرفی) باپ آزر کے لیے استغفار کیا حالانکہ وہ مشرک تھا، سو میں بھی ابوطالب کے لیے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا حتیٰ کہ میرا رب مجھے اس سے منع فرمادے، پھر آپ کے اصحاب نے کہا: ہم بھی اپنے آباء و اجداد کے لیے استغفار کریں گے جس طرح ہمارے نبی ﷺ نے اپنے چچا کے لیے استغفار کیا، تب یہ آیت نازل ہوئی یعنی التوبہ: ۱۱۳۔ اور اس پر یہ اشکال ہے کہ یہ بات بالاتفاق ثابت ہے کہ ابوطالب کی وفات ہجرت سے پہلے مکہ میں ہوئی تھی اور یہ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے جب عمرہ کیا تو آپ اپنی والدہ کی قبر پر گئے اور اپنے رب سے ان کے لیے استغفار کرنے کی اجازت طلب کی، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، اور یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ آیت دومرتبہ نازل ہوئی ہو کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ نزول کا تکرار نہیں ہوتا۔ اور امام حاکم نے اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن باہر نکلے اور قبرستان کی طرف گئے، سو ہم نے بھی آپ کی پیروی کی، پس آپ آئے حتیٰ کہ ایک قبر کی طرف بیٹھ گئے اور بہت طویل دعا کی، پھر آپ روئے اور آپ کے رونے کی وجہ سے ہم بھی روئے، تب آپ نے فرمایا: یہ قبر جس کے پاس میں بیٹھا تھا یہ میری والدہ کی قبر ہے اور میں نے اپنے رب سے ان کے حق میں دعا کی اجازت طلب کی تو مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی، پھر یہ آیت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ۔ (التوبہ: ۱۱۳)

استغفار کریں خواہ وہ ان کے قرابت دار ہوں۔

اور امام احمد نے از ابن بریدہ از والد خود یہ روایت کی ہے کہ نبی ﷺ ہمارے ساتھ ٹھہرے اور ہم آپ کے ساتھ تھے تقریباً ایک ہزار سوار اور امام طبری نے اسی سند کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ نبی ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے تو ایک قبر کے پاس آئے اور فضیل بن مرزوق نے عطیہ سے روایت کی ہے کہ جب آپ مکہ میں آئے تو اپنی والدہ کی قبر پر ٹھہرے حتیٰ کہ آپ کے اوپر تیز دھوپ آگئی، آپ کو یہ توقع تھی کہ آپ کو ان کے لیے استغفار کی اجازت دی جائے گی، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور امام طبرانی نے بھی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی مثل روایت کی ہے، پس یہ متعدد اسانید ہیں جو ایک دوسرے کی تائید کرتی

ہیں اور ان میں یہ دلیل ہے کہ یہ آیت ابوطالب کی وفات کے بعد نازل ہوئی ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ غزوہ احد میں جب آپ کا سر زخمی ہو گیا تو آپ نے دعا کی: اے میرے رب! میری قوم کو معاف فرما کیونکہ وہ نہیں جانتے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کا یہ استغفار زندوں کے ساتھ خاص ہو اور اس میں بحث نہیں ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت کا نزول متاخر ہو ہر چند کہ اس کا سبب مقدم تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت کے نزول کے دو سبب ہوں، ایک مقدم ہو اور وہ ابوطالب کا معاملہ تھا، اور ایک سبب مؤخر ہو اور وہ آپ کی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ تھا، اور تاخیر نزول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ سورہ توبہ کی تفسیر میں یہ گزر چکا ہے کہ آپ نے پہلے منافقین کے لیے استغفار کیا، پھر بعد میں اس کی ممانعت نازل ہوئی، اس سے یہ واضح ہو گیا کہ بعض اوقات نزول آیت کا سبب مقدم ہوتا ہے اور آیت بعد میں نازل ہوتی ہے، اور اس کی طرف اس میں اشارہ ہے کہ: إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ، بے شک آپ جس کو پسند کریں اس کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے۔ (القصص: ۵۶) حدیث میں ہے: یہ آیت اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کے متعلق نازل فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ پہلی آیت ابوطالب اور دوسروں کے متعلق نازل ہوئی ہے (یعنی التوبہ: ۱۱۳) اور دوسری آیت (یعنی القصص: ۵۶) صرف ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور تعدد سبب کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی سے روایت کی ہے کہ ایک مرد اپنے والدین کے لیے مغفرت کی دعا کر رہا تھا اور وہ دونوں مشرک تھے، سو میں نے نبی ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ، اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں (التوبہ: ۱۱۳) اور امام طبری نے مجاہد سے روایت کی ہے: مومنوں نے پوچھا: کیا ہم اپنے باپ دادا کے لیے اس طرح استغفار نہ کریں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے (عرفی) باپ کے لیے استغفار کیا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی، اور حدیث میں ہے کہ جس شخص نے کوئی بھی نیک عمل نہ کیا سو جب اس کا خاتمہ توحید کی شہادت پر ہو تو اس کے اسلام کا حکم کیا جائے گا اور اس پر مسلمانوں کے احکام جاری کیے جائیں گے، پس اگر اس نے اس کے ساتھ زبان سے بھی اقرار کیا ہو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو اس سے نفع ہوگا، بہ شرطیکہ اس نے عذاب کے معاذتہ تک اللہ تعالیٰ سے اپنی امید منقطع نہ کی ہو اور اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ اللَّهَ -

(النساء: ۱۸) نے اب توبہ کی۔

واللہ اعلم۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۵-۶۳ دارالعرف، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أُولَى الْقُوَّةِ لَا يَرْفَعُهَا الْعُصْبَةُ مِنَ الرِّجَالِ لَتَنُوءَ لِثِقَلِ -

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: أُولَى الْقُوَّةِ کا معنی ہے: طاقت والے یعنی طاقت والے مردوں کی جماعت بھی ان (چابیوں) کو اٹھا نہیں سکتی تھی اور لتنوء کا معنی ہے تاکہ وہ بوجھل ہو جائیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءَ بِالْعُصْبَةِ أُولَى الْقُوَّةِ -

بے شک قارون موئی کی قوم سے تھا، پھر اس نے اس کے خلاف سر اٹھایا اور ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی چابیاں ایک طاقت ور جانور کو تھکا دیتی تھیں۔ (القصص: ۷۶)

الْعُصْبَةُ کی تفسیر میں متعدد اقوال

علامہ بدرالدین عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں: مجاہد نے کہا ہے کہ الْعُصْبَةُ دس سے پندرہ لوگوں کی جماعت کو کہتے ہیں اور قتادہ نے کہا کہ دس سے لے کر چالیس لوگوں کی جماعت کو الْعُصْبَةُ کہتے ہیں اور ابوطالح نے کہا: چالیس مردوں کو الْعُصْبَةُ کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تین سے لے کر دس تک کی جماعت کو الْعُصْبَةُ کہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ساٹھ مردوں کی جماعت کو الْعُصْبَةُ کہتے ہیں اور لَتَتَوَّء کا معنی ہے کہ وہ اس کے بوجھ سے جھک جاتے تھے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۴۹)

حافظ ابن حجر نے الْعُصْبَةُ کی تفسیر میں کوئی کلام نہیں کیا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۵)

فَارِغًا إِلَّا مِنْ ذِكْرِ مُوسَى۔ یعنی موسیٰ کی یاد کے سوا ان کا دل ہر

چیز سے خالی ہو چکا تھا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا (القصص: ۷۶) اور موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہو گیا تھا۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یاد کے سوا ان کا دل ہر چیز سے غافل ہو چکا تھا، اور امام ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ ان کا دل غم سے فارغ ہو چکا تھا کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام غرق نہیں کیے گئے تھے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۴۹)

حافظ ابن حجر نے اس تعلیق کی بھی کوئی قابل ذکر شرح نہیں کی۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۵)

الْفَرَجَيْنِ الْمَرْحُومَيْنِ۔ الْفَرَجَيْنِ اس کا معنی ہے: اترانے والے اور تکبر کرنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرَجَيْنِ (القصص: ۷۶) جب قارون سے اس کی قوم نے کہا: تم اتر او مت بے شک اللہ

اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا ○

الْفَرَجَيْنِ ○ (القصص: ۷۶)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الْفَرَجَيْنِ کی تفسیر الْفَرَجَيْنِ کی ہے یعنی اترانے والے، اسی طرح امام ابن ابی حاتم نے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۴۹)

قُصِيهِ أَتْبَعِي أَتْرَا وَقَدْ يَكُونُ أَنْ يَقْضَى الْكَلَامَ نَحْنُ قُصِيهِ اس کا معنی ہے اس کے پیچھے پیچھے اس کے نقش قدم پر چلی جا اور کبھی اس کا معنی ہوتا ہے: کلام اور قصے کو بیان کرنا، جیسے قرآن

نَقُصُّ عَلَيْكَ۔

مجید میں ہے: نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ (یوسف: ۲) ہم آپ کے

سامنے حضرت یوسف کا قصہ بیان کریں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ قَصَصْتُ بِهِ عَنْ جُثْثٍ وَهُمْ لَا

اس کو دور دور سے دیکھتی رہی اور فرعون یوں کو اس کا شعور نہیں ہوا ○

يَشْعُرُونَ ○ (القصص: ۱۱)

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے جو قُصِيهِ کا معنی بیان کیا ہے یہ اہل عرب کے اس قول سے ماخوذ ہے: قَصَصْتُ اِثَارَ الْقَوْمِ یعنی میں نے قوم کے نقوش کی پیروی کی، پھر لکھا ہے: اور کبھی یہ قصہ بیان کرنے کے معنی میں ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید

میں ہے نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ (یوسف: ۳) ہم آپ کے سامنے حضرت یوسف کا قصہ بیان کریں گے۔ قَصُّ الْقِصَاصِ کا معنی ہے: خواب کی خبر دینا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۳۹)

عَنْ جُنُبٍ عَنْ بُعْدٍ عَنْ جَنَابَةٍ وَاحِدَةٍ وَعَنْ اجْتِنَابٍ عَنْ جُنُبٍ کا معنی ہے دور سے، جنابت اور اجتناب کا بھی یہی معنی آیت میں ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ فَبَصَّرَتْ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (القصص: ۱۱) اور موسیٰ کی ماں نے ان کی بہن سے کہا: تم اس کے پیچھے پیچھے جاؤ تو وہ اس کو دور دور سے دیکھتی رہی اور فرعونیوں کو اس کا شعور نہیں ہوا

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن ان کو دور سے دیکھتی رہی اور فرعونیوں کو یہ پتا نہیں چلا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن ہے یعنی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دور سے دیکھتی رہیں حالانکہ فرعونیوں کو یہ پتا نہیں چلا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا: الْجُنُبُ کا معنی یہ ہے کہ انسان کسی دور کی چیز کو دیکھے حالانکہ وہ چیز اس کے پہلو میں ہو اور اسے اس کا پتا نہ ہو۔ قتادہ نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن ان کی طرف اس طرح دیکھتی تھی گویا کہ وہ ان کا ارادہ کر رہی تھی، امام بخاری نے کہا: جَنَابَتُ اور اجتناب کا بھی یہی معنی ہے یعنی بُعْدٌ، اور جُنُبٌ کو جنبی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ تلاوت قرآن سے بعید ہوتا ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۰-۱۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر نے اس تعلق کی کوئی قابل ذکر شرح نہیں کی۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۵)

يَنْطِشُ وَيَنْطِشُ۔ يَنْطِشُ کا معنی ہے يَنْطِشُ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَنْطِشَ بِالْأَيْمِ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا۔ پھر جب موسیٰ نے اس شخص کو پکڑنا چاہا جو ان دونوں کا دشمن تھا۔

(القصص: ۱۹)

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ بتایا ہے کہ يَنْطِشُ اور يَنْطِشُ دو لغات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۰) میں کہتا ہوں: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے مشترک دشمن کو پکڑنا چاہا تو اسرائیلی نے غلط فہمی سے یہ سمجھا کہ حضرت موسیٰ اس کو پکڑ رہے ہیں اس لیے اس نے کہا: آپ تو شہر میں جتنا رہنا چاہتے ہیں، جبار کا معنی ہے: زور اور زبردستی کرنے والا، جس کو بارے عرف میں دادا گیر کہتے ہیں اور وہ اسرائیلی دراصل کافر تھا۔

يَأْتِسِرُونَ يَتَشَاوَرُونَ۔ يَأْتِسِرُونَ اس کا معنی ہے: يَتَشَاوَرُونَ یعنی وہ مشورہ کر رہے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَقْصَا الْمَدْيَنَةِ يُسْئِلُ قَالَ يُمُوتُ اور ایک مرد شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا:

إِنَّ الْمَلَائِكَةَ يَأْتِسِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النّٰصِحِينَ (النص: ۲۰) اے موسیٰ! بے شک فرعون کے سردار آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں، سو آپ یہاں سے نکل جائیں بے شک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں

خواہوں میں سے ہوں

علامہ عینی نے لکھا ہے: امام بخاری نے یأتسرون کی تفسیر يَتَشَاوَرُونَ کی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: وہ ایک

دوسرے کو حکم دے رہے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مشورہ دینے والے شخص کا نام حزقیل تھا اور وہ آل فرعون میں سے مومن تھا اور فرعون کے چچا کا بیٹا تھا اور اَلْمَدَّ کا معنی ہے: جماعت۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۰)

اَلْعُدُوَانُ وَالْعَدَائِي وَالشَّعْدِي وَاحِدٌ۔ اَلْعُدُوَانُ اور اَلْعَدَاءُ اور اَلشَّعْدِي ان تینوں لفظوں کا معنی واحد ہے یعنی کسی پر زیادتی کرنا اور حد سے تجاوز کرنا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ اَيُّمَا اَلَا جَلَدَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدُوَانَ عَلَيَّ (القصص: ۲۸) موسیٰ نے کہا: یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہے، میں نے ان دونوں میں سے جس مدت کو بھی پورا کر دیا تو مجھ سے کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔

امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ ان تینوں لفظوں کا معنی ایک ہے اور اَلشَّعْدِي کا معنی ہے: حد سے تجاوز کرنا۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۰)

اَنَسَ اَبْصَرَ۔ اَنَسَ: اس کا معنی ہے: اس نے دیکھ لیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَىٰ اِلَآ جَلَّ وَسَارَ بِاَهْلِيهِ اَنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا (القصص: ۲۹) پھر جب موسیٰ نے (اجارہ کی مدت) پوری کر دی اور اپنی اہلیہ کے ساتھ روانہ ہوئے تو انہوں نے (پہاڑ) طور کی جانب ایک آگ دیکھی۔

امام بخاری نے اَنَسَ کی تفسیر اَبْصَرَ کے ساتھ کی ہے یعنی انہوں نے دیکھ لیا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۰)

اَلْجَذْوَةُ قِطْعَةٌ غَلِيظَةٌ مِنَ الْخَشَبِ لَيْسَ فِيْهَا لَهَبٌ وَالشَّهَابُ فِيْهِ لَهَبٌ۔ اَلْجَذْوَةُ اس کا معنی ہے: جلی ہوئی لکڑی کا موٹا ٹکڑا جس میں شعلہ نہ ہو یعنی انگارہ اور شہاب وہ ہوتا ہے جس میں شعلہ ہوتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ لَا فَلَهِ اَمْكُمُوْا اِنِّيْ اَنْتُمْ نَارًا تَلْعَقْنَ اَنْتُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ (القصص: ۲۹) موسیٰ نے اپنی اہلیہ سے کہا: تم لوگ یہاں ٹھہرو، میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں اس کی کوئی خبر لاؤں یا آگ کا کوئی انگارہ لاؤں جس سے تم ہاتھ تاپو۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ اس آیت میں اَلْجَذْوَةُ کا معنی آگ کا انگارہ ہے، اور مَقْتَل اور قِتَادہ نے کہا ہے کہ اَلْجَذْوَةُ اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کا ایک سرا جل گیا ہو اور تصطلون کا معنی ہے: تم اس سے حرارت حاصل کرو اور لکھا ہے کہ شہاب وہ لکڑی ہے جس کا ایک سرا جل گیا ہو۔ اس سے درج ذیل آیت کی طرف اشارہ ہے:

اِذْ قَالَ مُوسٰى لَآ اَهْلِيْةَ اِنِّيْ اَنْتُمْ نَارًا سَاَتِيْكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اَتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ (الزلزلہ: ۷) جب موسیٰ نے اپنی اہلیہ سے کہا: بے شک میں نے آگ دیکھی ہے، میں تمہارے پاس کوئی خبر لاتا ہوں یا کوئی سنگت ہوا انگارہ تاکہ تم حرارت حاصل کرو۔

امام بخاری نے شہاب کی یہ تفسیر کی ہے کہ اس میں شعلہ ہوتا ہے، الجوبہری نے کہا: شہاب بھڑکتی ہوئی آگ کا ایک شعلہ ہے اور

انہوں نے کہا کہ ابولہب کی کنیت اس کے جمال کی وجہ سے تھی۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۱-۱۵۰)

كَانَها جَاءَ وَهِيَ فِي آيَةٍ أُخْرَى كَانَهَا حَيَّةٌ تَسْعَى
وَالْحَيَّاتُ أَجْنَاسُ الْجَبَانِ وَالْأَفَاعِ وَالْأَسَاوِدُ۔

کانہا جان اور دوسری آیت میں اس کے متعلق فرمایا: کانہا حیۃ تسعی
تسعی گویا کہ وہ دوڑتا ہوا سانپ ہے اور الحیات کی متعدد
اقسام ہیں، الجان اور الافاعی اور الاساود۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ۔ (القصص: ۳۱)

اور یہ (بھی آواز آئی) کہ آپ اپنا عصا ڈال دیں، پھر جب موسیٰ
نے اس کو سانپ کی طرح لہراتے ہوئے دیکھا تو پیٹھ پھیر کر چل
دیئے اور واپس مڑ کر نہ دیکھا۔

علامہ یعنی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا: اور دوسری آیت میں مذکور ہے، وہ آیت یہ ہے:

فَالْقَهْقَرَاءُ ذَاهِي حَيَّةٌ تَسْعَى ۝ (طہ: ۲۰)

اور سورۃ الشعراء میں مذکور ہے:

فَالْقَهْقَرَاءُ ذَاهِي ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ۝ (الشعراء: ۳۲)

پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ یکا یک کھلم کھلا اڑ دھا بن گیا۔
اور امام بخاری نے اس آیت کا ذکر نہیں کیا حالانکہ یہ بھی اس سے متعلق ہے اور حیات یعنی سانپوں کی مختلف قسمیں ہیں، قرآن
مجید میں الحیہ، الجان اور الثعبان کا ذکر ہے اور الحیہ اسم جنس ہے، اس کا مذکر و مونث اور صغیر اور کبیر سب پر اطلاق ہوتا ہے اور
الحیہ کا لفظ الجان اور الثعبان کو شامل ہے اور اللہ تعالیٰ کے خطاب کی رات میں وہ عصا سانپ بن گیا اور جب حضرت موسیٰ نے
اس لاشعی کو فرعون کے سامنے ڈالا تو وہ لہراتا ہوا سانپ بن گیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: وہ زرد رنگ کا سانپ
تھا، پھر وہ پھول کر ثعبان یعنی اڑ دھا بن گیا اور یہ تمام سانپوں میں سب سے بڑے سائز کا ہے۔ اسی لیے دوسری آیت میں فرمایا:
كَانَهَا جَانٌّ اور یہ سب سے چھوٹا سانپ ہے اور دوسری آیت میں ثعبان فرمایا اور یہ سب سے بڑا سانپ ہے تو اس لاشعی کی ابتدائی
حالت الجان تھی یعنی چھوٹا سانپ اور اس کی انتہائی حالت ثعبان تھی یعنی سب سے بڑا سانپ اور الجان بہت تیزی سے دوڑتا
ہے اس لیے فرمایا:

فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ۔ (القصص: ۳۱)

پھر جب موسیٰ نے اس کو سانپ کی طرح لہراتے ہوئے دیکھا۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ الحیات یعنی سانپوں کی چالیس (۴۰) قسمیں ہیں اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اَلْثُعْبَانُ

ثعبان کی صورت میں تبدیل ہو گیا یعنی چھوٹا سانپ بہت بڑا سانپ بن گیا اور یہ سانپ مذکر تھا اور بڑے بڑے پتھروں کو نگل جاتا

تھا، امام بخاری نے لکھا ہے: الْأَفَاعِیَہ کی جمع ہے اور الافاعی مذکر سانپ ہے اور امام بخاری نے لکھا ہے الاساود یہ اسود کی

جمع ہے اور یہ سیاہ رنگ کا سانپ ہوتا ہے۔ الجوبہری نے کہا ہے کہ یہ اسم جنس ہے اور یہ ہر سال اپنی کینچلی بدل لیتا ہے یعنی اپنی کھال

تبدیل کر لیتا ہے اور اس کی مونث اَسْوَدٌ ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر نے اس تعلق کی کوئی شرح نہیں کی۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۵)

رَدُّعَا اس کا معنی ہے مُعِیْن یعنی مددگار۔

رَدُّنَا مُعِیْنًا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اٰخِرُ هٰرُونَ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَاَرْسَلَهُ مَعِيَ بِرَدَا
يُصَدِّقُنِي اِنِّيْ اَخَافُ اَنْ يُكَلِّمُنِي ۝
(القصص: ۳۴) میری تصدیق کریں گے، کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میری
تکذیب کریں گے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے رِذَا کی تفسیر مُعِين کے ساتھ کی ہے کیونکہ جب کوئی شخص کسی کی مدد کرے اور اس کی پشت
مضبوط کرے تو کہا جاتا ہے: فَلَان رِذَا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۱)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِّكُنْ يُصَدِّقُنِي وَقَالَ غَيْرُهُ سَنَشُدُّ
سَنُعِينُكَ كُلَّمَا عَزَزْتَ شَيْئًا فَقَدْ جَعَلْتَ لَهُ عَضُدًا۔
حضرت ابن عباس نے فرمایا: لَكُنْ يُصَدِّقُنِي یعنی تاکہ وہ میری
تصدیق کرے اور دوسروں نے کہا سَنَشُدُّ کا معنی ہے: سَنُعِينُكَ
یعنی ہم عنقریب تمہاری مدد کریں گے۔ جب بھی تم کسی چیز کو غلبہ دو
تو تم اس کے لیے بازو بن گئے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا
يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا بِأَلِيَّتِنَا أَنْتُمْ وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُونَ ۝
(القصص: ۳۵) فرمایا: ہم عنقریب آپ کے بازو کو آپ کے بھائی کے ساتھ مضبوط
کریں گے اور ہم آپ دونوں کو غلبہ عطا فرمائیں گے، سو وہ آپ
دونوں تک نہیں پہنچ سکیں گے، ہماری نشانوں کے سبب سے آپ
دونوں اور آپ کے قبیعین غالب رہیں گے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا ہے: ان کو میرا مددگار بنادے تاکہ وہ میری تصدیق کریں، کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ
تصدیق سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ حضرت موسیٰ سے کہیں کہ آپ نے سچ کہا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول
کی تشریح کریں، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حمایت میں کفار سے بحث کریں اور حضرت ابن عباس کے علاوہ دوسروں نے کہا:
سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ کا معنی ہے: ہم عنقریب آپ کی مدد کریں گے اور آپ کو حضرت ہارون کی وجہ سے قوت دیں گے، اور
بازو کو مضبوط کرنا تقویت دینے سے کنایہ ہوتا ہے اور کُلُّمَا عَزَزْتَ کا معنی بھی قوت دینا ہے، عَزَزْتُ أَخَاهُ فَلَان نے اپنے
بھائی کو قوت دی اور اسی سے ماخوذ ہے: فَعَزَّزْتُ أَبَايَا لَيْثٍ (نہس: ۱۳) یعنی ہم نے تیسرے رسول سے ان کو قوت دی۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۲-۱۵۱)

مَقْبُوحِينَ مُهْلِكِينَ۔ مقبوحین کا معنی ہے: مُهْلِكِينَ یعنی ہلاک ہونے والے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَتَّبَعُهُمْ فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةُ ۝ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِنَ
الْمَقْبُوحِينَ ۝ (القصص: ۳۲) اور ہم نے اس دنیا میں (بھی) ان کے پیچھے (اپنی) لعنت لگا دی
ہے، اور قیامت کے دن وہ بد حال لوگوں میں سے ہوں گے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے المقبوحین کی تفسیر المہلکین کے ساتھ کی ہے، اسی طرح امام ابو عبیدہ نے اس کی تفسیر کی
ہے اور دوسروں نے اس کی تفسیر کی ہے: اَلْمَلْعُونِينَ یعنی وہ اللہ کی رحمت سے دور کیے جائیں گے، اور ابن زید نے کہا: قَبَّحَ اللّٰهُ
فَلَانًا قَبِيحًا اس کا معنی ہے: اللہ نے اس کو ہر خیر سے دور کر دیا اور اللہ کی لعنت ہے: اس کا معنی ہے: ان کا منہ کالا کر دیا اور اس طرح

یہ الْمَقْبَحِينَ کا معنی ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۲)

وَصَلَّائِنا بَيْنَنا وَآسِنَنا۔

وَصَلَّائِنا: اس کا معنی ہے بَيْنَنا وَآسِنَنا یعنی ہم نے اس کے کلام کا بیان کیا اور اس کو مکمل کیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ وَصَلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۵۱﴾
(القصص: ۵۱) حاصل کریں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے وَصَلْنَا کی تفسیر بَيْنَنا وَآسِنَنا کے ساتھ کی ہے اور سدی سے بھی اسی طرح منقول ہے اور القراء سے منقول ہے کہ ہم نے بعض کلام کو بعض دوسرے کلام کے ساتھ متصل بھیجا، اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے کفار مکہ کے لیے قرآن مجید میں گزشتہ امتوں کی خبریں بیان کیں کہ جب انہوں نے ہم کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو کیسا عذاب دیا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۲)
يُجِبِي يُجَلِّبُ۔
يُجِبِي اس کا معنی ہے: يُجَلِّبُ یعنی کھینچ کر لائے جاتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَوْ لَمْ تُنْكِرْ لَهُمْ حَرَمًا أَوْثَمًا يُجِبِي إِلَيْهِ شَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ تَرَاهُ قَائِمًا لَدُنَّا وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۲﴾
(القصص: ۵۲) کے اکثر (لوگ) نہیں جانتے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے يُجِبِي کی تفسیر يُجَلِّبُ کے ساتھ کی ہے اور إِلَيْهِ کی ضمیر حرم کی طرف لوثی ہے، اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمام ممالک سے ہر قسم کے پھل بہ طور رزق کے حرم کی طرف کھینچ کر لائے جاتے ہیں اور وہ ہماری طرف سے لائے جاتے ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۲)

بَطَرَاتُ أَشْرَثُ۔
بَطَرَاتُ کا معنی ہے: أَشْرَثُ یعنی اترانا، نازاں ہونا اور تکبر ہونا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطَرَتْ مَعِيشَتَهَا فَبِئْسَ مَسْكَنُكُمْ لَمْ تُسْكُنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ﴿۵۸﴾
(القصص: ۵۸) کے بعد بہت کم سکونت کی گئی، اور (انجام کار) ہم ہی وارث ہیں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے بطرات کی تفسیر اشرات کے ساتھ کی ہے یعنی انہوں نے سرکشی اور بغاوت کی، ابن قاری نے کہا: اَنْبَطَرُ کا معنی ہے: حد سے تجاوز کرنا، اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: نعمت کی ناشکری کرنا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۲)

ہم نے لکھا ہے: اس آیت میں کفار کے اس شبہ کا جواب دیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں یہ خوف تھا کہ ہم ایمان لائیں تو ہم سے یہ نعمتیں زائل ہو جائیں گی، اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ ایمان لانے سے یہ نعمتیں زائل نہیں ہوتیں بلکہ ایمان نہ لانے سے نعمتیں زائل ہوتی ہیں۔ پچھلی امتوں کے جو لوگ ہماری دی ہوئی خوشحالی پر اتراتے تھے اور ایمان نہیں لاتے تھے ان بستیوں میں سکونت نہ ہونے کی درج ذیل وجوہات ہیں:

- (۱) خالی مکانوں میں صرف مسافر یا راستے سے گزرنے والے ایک یا دو دن رہتے تھے۔
 (۲) ان مکانوں میں رہنے والوں کے گناہوں کی نحوست ان مکانوں میں سرایت کر گئی تھی اس لیے ان مکانوں میں کوئی نہیں رہتا تھا۔
 (۳) ہر چند کہ قریش مکہ بھی کفر اور شرک کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ یہ عنقریب ایمان لے آئیں گے اور اگر یہ خود ایمان نہ لائے تو ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ایمان لے آئیں گے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۶۲۶)
 فِيْ اُمَمًا رَّسُوْلًا اُمُّ الْقُرَى مَكَّةُ وَمَا حَوْلَهَا
 فِيْ اُمَمًا رَّسُوْلًا: امہا سے مراد اُمُّ الْقُرَى یعنی مکہ مکرمہ اور اس کے ارد گرد کی بستیاں ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
 وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَى حَتَّى يَبْعَثَ فِيْ اُمَمًا رَّسُوْلًا يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰیٰتِنَا (القصص: ۵۹)
 اور آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ ان کے مرکز میں کسی رسول کو نہ بھیج دے جو ان پر ہماری آیتوں کو تلاوت کرتا ہو۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ ذکر کیا ہے کہ ام القریٰ سے مراد مکہ اور اس کے ارد گرد کی بستیاں ہیں، اس کو ام القریٰ اس لیے فرمایا ہے کہ زمین مکہ کے نیچے سے پھیلا دی گئی تھی۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۲)
 تُكِنُّ تَخْلِلُ اَكْنُتُ الشَّيْءَ اَخْفَيْتُهُ وَكُنْتُ اَخْفَيْتُهُ
 تُكِنُّ اس کا معنی ہے: تُخْفِنُ یعنی وہ چھپاتے ہیں: اَكْنُتُ الشَّيْءَ کا معنی ہے: میں نے اس چیز کو چھپایا اور كُنْتُ اَخْفَيْتُهُ کا معنی ہے: میں نے اس کو چھپایا اور اس کو ظاہر کیا، یہ لغت اضداد میں سے ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
 وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ (القصص: ۶۹)
 اور آپ کا رب ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو وہ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں اور جن چیزوں کو وہ ظاہر کرتے ہیں ○
 علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تُكِنُّ کی تفسیر تُخْفِنُ کے ساتھ کی ہے، جب کوئی شخص کسی چیز کو چھپالے تو وہ کہتا ہے: اَكْنُتُ الشَّيْءَ اور كُنْتُ اَخْفَيْتُهُ جو ثلاثی مجرد سے ہے، یہ لغت اضداد سے ہے، اس کا معنی ہے: میں نے چھپایا اور میں نے ظاہر کر دیا، سو یہ لغت اضداد سے ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۳-۱۵۲)

وَيَكُنَّ اللّٰهُ مِثْلُ اَوْ لَمْ يَدْرَا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ (الروم: ۳۷) يُوَسِّعُ عَلَيْهِ وَيُضَيِّقُ عَلَيْهِ۔
 ویکان اللہ یہ اس آیت کی مثل ہے: کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے (رزق) تنگ کر دیتا ہے۔

یعنی جس کے لیے اللہ چاہتا ہے رزق میں وسعت کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے رزق میں کمی کر دیتا ہے۔

ویکان کی لفظی تحقیق

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَصْحَابُ الْاٰیٰتِ يَتْلُوْنَ بِاَلَامٍ مِّنْ يَّقُوْلُوْنَ اور کل تک جو لوگ اس کے مقام تک پہنچنے کی تمنا کر رہے تھے وہ کہنے

وَيَكُنَّ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَ يَقْدِرُ ۚ (القصص: ۸۲)

لگے: افسوس ہم بھول گئے تھے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے (رزق) تنگ کر دیتا ہے۔

امام بخاری نے وی کان اللہ کی تفسیر الم تر الایہ کی مثل کی ہے، اسی طرح امام ابو عبیدہ نے اس کی تفسیر کی ہے۔ الزمخشری نے کہا ہے کہ لفظ وی، کان سے منفصل ہے اور یہ خطا پر تنبیہ کرنے کا کلمہ ہے اور یہی خلیل اور سیبویہ کا مذہب ہے اور کوفیوں کے نزدیک ویک، ویک کے معنی میں ہے اور اس کا معنی یہ ہے: کیا آپ نہیں جانتے کہ کافر قلاح نہیں پائیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کاف خطاب کا ہو اور وی کے ساتھ ملا ہوا ہو اور یہ لائن (اس لیے کہ) کے معنی میں ہو یعنی اس وجہ سے یہ بات کہی گئی ہے کہ کافر قلاح نہیں پائیں گے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس تعلیق کی کوئی خاص شرح نہیں کی۔ (فتح الباری، ج ۵، ص ۷۶۶)

۲۔ بَابُ: إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ - (القصص: ۸۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک جس نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے۔ (القصص: ۸۵) کی تفسیر

علامہ عینی نے لکھا ہے، پوری آیت اس طرح سے ہے:

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَأٰكَ إِلَىٰ مَعَادٍ - (القصص: ۸۵)

بے شک جس نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے وہ آپ کو لوٹنے کی جگہ (مکہ مکرمہ) ضرور واپس لائے گا۔

علامہ ثعلبی نے اس کی تفسیر میں کہا ہے: جس ذات نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے اور عطاء بن ابی رباح نے اس کی تفسیر میں کہا ہے جس نے آپ پر قرآن کے عمل کو فرض کیا ہے۔

۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا يَعْلَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الْعَصْفَرِيُّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ لَرَأٰكَ إِلَىٰ مَعَادٍ - (القصص: ۸۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعلیٰ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان العصفری نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے لراؤک الی معاد (آپ کو لوٹنے کی جگہ ضرور واپس لائے گا) کی تفسیر میں فرمایا: اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

مجاہد سے بھی حضرت ابن عباس سے روایت ہے اور القعنسی نے کہا ہے کہ کسی مرد کا معاد اس کا شہر ہے کیونکہ وہ وہاں جا کر وہیں لوٹ کر آتا ہے اور حضرت ابوسعید خدری نے کہا کہ اس سے مراد موت ہے اور الزہری نے کہا: اس سے مراد قیامت کا دن ہے اور ابو صالح نے کہا: اس سے مراد جنت ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۳)

الحمد لله علی احسانہ، سورۃ القصص کی جو تفسیر امام بخاری نے کی ہے وہ مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ العنکبوت کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۲۹۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْعَنْكَبُوتِ

سورة العنكبوت کی تفسیر

سورة العنكبوت کا تعارف

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: یہ سورة العنكبوت کی بعض آیات کی تفسیر ہے۔ یہ سورت مکی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس میں سترہ (۱۷) آیات میں اختلاف ہے، پھر انہوں نے ان آیات کا ذکر کیا، اور مقاتل نے کہا: اَلَمْ تَرَ اَحْسِبَ النَّاسَ (العنكبوت: ۱۷) یہ آیت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت مجع بن عبد اللہ کے متعلق نازل ہوئی جو مسلمانوں کی جانب سے غزوہ بدر میں سب سے پہلے قتل کیے گئے تھے۔ ابن الحضری نے ان پر ایک تیر مار کر ان کو قتل کر دیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے شہداء میں سے ان کو سب سے پہلے جنت کی طرف بلایا جائے گا، اور علامہ سخاوی نے کہا کہ یہ سورت اَلَمْ تَرَ اَحْسِبَ النَّاسَ (الروم: ۱۷) کے بعد نازل ہوئی اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سورت المطففین سے پہلے نازل ہوئی ہے اور اس میں اہتر (۶۹) آیات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۳-۱۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

قَالَ مُجَاهِدٌ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ضَلَّةً۔ مجاہد نے کہا: وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ: اس سے مراد ہے: وہ گمراہ لوگ تھے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَعَادًا وَثُبُودًا وَقَدْ ثَبَّكُن لَكُمْ مِنْ مَّسْكِنِهِمْ ۖ وَذَرَيْنَ
لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ۝ (العنكبوت: ۲۸)

اور قوم عاد اور قوم ثمود کو ہلاک کیا اور (اے مکہ والو!) تم پر (سفر میں) ان کی بستیاں ظاہر ہو چکی ہیں اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو خوبصورت بنا دیا تھا، سو اس نے ان کو صراط مستقیم پر چلنے سے

روک دیا حالانکہ وہ سمجھ دار لوگ تھے ○

علامہ عینی نے لکھا ہے: حضرت مجاہد نے کہا: ضَلَّةً یہ ضال کی جمع ہے یعنی گمراہ لوگ اور اس پر اعتراض ہے اور صحیح لفظ ضَلَّةً ہے، کتب تفسیر میں اس کا معنی یہ کیا گیا ہے: وہ لوگ گمراہی کو سمجھنے والے تھے اور قتادہ سے منقول ہے کہ وہ اپنی گمراہی پر بصیرت رکھتے تھے اور اس سے خوش ہوتے تھے، اور الفراء سے منقول ہے کہ وہ عقلاء اور اصحاب بصیرت تھے اور ضحاک، کلبی اور مقاتل سے منقول ہے کہ انہوں نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ حق اور ہدایت پر ہیں اور مسلمان باطل پر ہیں اور گمراہی میں ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۴)

اور ہم نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے: عاد قوم کی بستی حضر موت (یمین) کے قریب ہے اور ثمود کی بستی حجر ہے اور اس کو آج کل مدائن صالح کہتے ہیں، یہ علاقہ حجاز کے شمال میں ہے، عربوں کے لیے ان کی بستیاں انجان نہیں تھیں اور اے اہل مکہ! تم نے اپنے سفر کے دوران قوم عاد کے گھروں کے کھنڈرات اور قوم ثمود کے ویران مکانوں کے آثار دیکھے ہوں گے، شیطان نے ان کے کفر اور دیگر ناجائز کاموں کو ان کی آنکھوں میں خوبصورت اور خوش نما بنا دیا تھا اور ان کو سیدھے راستے سے ہٹا دیا تھا جس پر چلنا ان پر واجب تھا اور یہ وہ

صراط مستقیم ہے جس کی انبیاء علیہم السلام دعوت دیتے ہیں کہ وہ اللہ کو ایک مانیں اور صرف اس کی اطاعت اور عبادت کریں حالانکہ وہ لوگ سمجھ دار تھے، ان میں عقل تھی، غور و فکر کرنے اور نظر اور استدلال کرنے کی صلاحیت تھی، لیکن شیطان کی پیروی کرنے کی وجہ سے انہوں نے اپنی بصیرت اور دیگر صلاحیتوں سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ (انوار تبیان القرآن ص ۶۳۹، فرید بک اسٹال لاہور، ۱۴۳۱ھ)

وَقَالَ غَيْرُكَ الْحَيَوَانُ وَالْحَيُّ وَاحِدٌ
اور مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا: الْحَيَوَانُ اور الْحَيُّ دونوں کا
معنی ایک ہے یعنی زندگی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا هَذِهِ الْحَيَوَانُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُوَ وَ لَعِبٌ ۖ وَإِنَّ الدَّارَ
الْآخِرَةَ لَهِی الْحَيَوَانُ ۖ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۶۳﴾ (العنکبوت: ۶۳)
اور دنیا کی یہ زندگی صرف کھیل اور تماشہ ہے اور بے شک آخرت کا گھر
ہی اصل زندگی ہے اگر وہ جانتے ہوتے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ الحيوان اور الْحَيُّ دونوں ایک ہیں یعنی دار آخرت ہی حیات ہے اور وہی زندہ لوگوں کی جگہ ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ لَهِی الْحَيَوَانُ کا معنی ہے: جو گھر باقی ہے اور جس کو زوال نہیں ہے اور جس میں موت نہیں ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس گھر میں صرف ایک زندگی ہے جو ہمیشہ ہمیشہ رہے گی اور اس میں موت نہیں آئے گی گو یا وہ اپنی ذات میں نفس زندگی ہے اور الحيوان کا لفظ حَی کا مصدر ہے اور لفظ الحيوان کو حیات پر اس لیے اختیار کیا ہے کہ اس میں حروف زیادہ ہیں اور حروف کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے اور الحیات کا معنی حرکت ہے جیسا کہ موت کا معنی سکون ہے، اسی لیے لفظ حیوان کو اختیار کیا ہے جو مبالغہ کا مقتضی ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۴)

ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: دنیا کی زندگی کو کھیل اور تماشہ کے ساتھ دو وجہ سے تشبیہ دی گئی ہے، ایک وجہ یہ ہے کہ کھیل اور تماشہ جلد ختم ہو جاتا ہے اور دائمی نہیں ہوتا، اسی طرح دنیا کی زیب و زینت اور اس کی باطل خواہشیں بھی جلد ختم ہو جاتی ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ کھیل اور تماشہ میں مشغول ہونا بچوں اور کم عقلوں کا کام ہے نہ کہ عقل والوں کا، اسی وجہ سے عقل والے دنیا کی رنگینیوں اور دلچسپیوں سے دور رہتے ہیں۔ (انوار تبیان القرآن ص ۶۳۴، فرید بک اسٹال لاہور، ۱۴۳۱ھ)

اللہ تعالیٰ کے علم پر حادث ہونے کے اشکال کا جواب

فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ عِلْمَ اللَّهِ ذَلِكَ إِنَّمَا هِيَ بَسْمَلَةٌ فَلْيَبَيِّنْ
اللَّهُ كَقَوْلِهِ لِيَبَيِّنَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ
وَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ (سو اللہ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کر دے گا) اللہ کو
اس کا علم ہے اور یہ اس مرتبہ میں ہے جیسے اللہ ان کو ضرور ممتاز کر
دے گا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد لِيَبَيِّنَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ
(الانفال: ۳) یعنی تاکہ اللہ خبیث کو طیب سے الگ کر دے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلْيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ﴿۶۴﴾
اور اللہ ایمان والوں کو ضرور ظاہر فرما دے گا اور منافقوں کو بھی
(العنکبوت: ۶۴) ضرور ظاہر فرما دے گا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: فریقین کا حال اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظاہر ہے جو جزا اور سزا کا مالک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا:

فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلْيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ﴿۶۵﴾
سو اللہ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کر دے گا جو سچے ہیں اور ان لوگوں کو
بھی ضرور ظاہر کر دے گا جو جھوٹے ہیں۔ (العنکبوت: ۶۵)

فلیمیز اللہ کا معنی ہے: اللہ کو پہلے سے اس کا علم ہے کیونکہ اس نے دونوں جماعتوں کے درمیان تفریق کر دی جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

لَيَمِيزُ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ - (الانفال: ۳۷) تاکہ اللہ خبیث کو طیب سے الگ کر دے۔

یعنی کافر کو مومن سے الگ کر دے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۵-۱۳۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اور ابو عبیدہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ضرور ممتاز کر دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اس کا پہلے سے علم ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۷۶۷)

اور ہم نے لکھا ہے: اس آیت کا لفظی ترجمہ ہے: سو اللہ ان لوگوں کو ضرور جان لے گا جو سچے ہیں اور ان لوگوں کو (بھی) ضرور جان لے گا جو جھوٹے ہیں۔ (العنکبوت: ۳) اس آیت سے یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مستقبل میں ہونے والے کسی کام کا پہلے علم نہیں ہوتا بلکہ اس کام کے واقع ہو جانے کے بعد اس کا علم ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کا امتحان لینے سے پہلے ان کا علم ہوتا ہے، اس کا علم قدیم اور مکمل ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کر دے گا حتیٰ کہ اس کا معلوم ہونا موجود اور متحقق ہو جائے، الانفصاح نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ممتاز اور میسر کر دے گا۔ (الکشف والبیان ج ۷ ص ۲۷۰)

(انوار تبیان القرآن ص ۶۳۳ فرید بک اسٹال لاہور ۱۳۳۱ھ)

نیز اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۖ (الطلاق: ۱۳) بے شک اللہ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے ○

تمام چیزیں اول سے آخر تک خواہ وہ حقیر ہوں یا عظیم ہوں، قلیل ہوں یا کثیر ہوں سب اللہ کے سامنے حاضر ہیں، اس کو ان سب کا علم ایک ساتھ ہے اور اس کے علم میں تقدم اور تاخر ہرگز نہیں ہے مگر وہ معلومات ایک دوسرے کی بہ نسبت مقدم و مؤخر اعتبار کی جاتی ہیں، سو اللہ تعالیٰ کے علم کے لحاظ سے تو تمام چیزیں شے واحد کے مرتبہ میں موجود ہیں، اس لیے وہاں ماضی، حال اور مستقبل کو نکالنا بالکل غلط ہوگا بلکہ باہمی تقدم و تاخر کی وجہ سے یہ تینوں زمانے یقیناً الگ الگ نکلیں گے، سو اللہ تعالیٰ حسب موقع و حسب حکمت اپنے معلوم ہونے کے لحاظ سے کلام فرماتا ہے اور کبھی ان چیزوں کے تقدم و تاخر کا لحاظ ہوتا ہے، اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ الثَّانِي أَنِ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا - (الاعراف: ۴۳) اور اہل جنت نے دوزخیوں سے پکار کر کہا کہ بے شک ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا اس کو ہم نے سچا پایا۔

حالانکہ یہ واقعہ بھی نہیں ہوا بلکہ قیامت کے بعد واقع ہوگا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَأَعْرَضْنَا آلَ فِرْعَوْنَ (البقرہ: ۵۰) اور ہم نے آل فرعون (فرعون اور اس کے قبیعین) کو غرق کر دیا۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم تو ازل سے ہی اور ازل میں نہ تو فرعون تھا اور نہ ہی اس کے غرق کرنے کا واقعہ ہوا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تمام چیزیں حاضر اور پیش نظر ہیں اور وہاں ماضی اور مستقبل کا کوئی لحاظ نہیں ہے، البتہ ان کی تعبیرات اپنے اپنے زمانے کے لحاظ سے کی جائیں گی۔

أَتَعْلَمُونَ أَنَّهُمْ أُورِثُوا مَعَهُمْ أَوْثَارَهُمْ - (التعالیٰ) اس کا معنی ہے: اُوْرِثُوا مَعَهُمْ أَوْثَارَهُمْ یعنی ان کے

گناہوں کے بوجھ کے ساتھ دوسرے کفار کے گناہوں کا بوجھ ہوگا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَكَذِبُونَ ۝ وَيَحْمِلُونَ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ ۚ
(العنکبوت: ۱۳) کئی بوجھ اٹھائیں گے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اثقال کی تفسیر ”اوزار“ کی ہے، اسی طرح امام ابو عبیدہ نے تفسیر کی ہے: یعنی اس سبب سے کہ انہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا، پس ان کے اوپر قیامت کے دن ان کے مکمل گناہ لاد دیئے جائیں گے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: جس نے کسی قوم کو گمراہی کی دعوت دی تو اس کے اوپر اس کے گناہوں کے بوجھ کے مثل ڈالی جائے گی۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۷)

یعنی اس کے اوپر اس کے گناہوں کا بوجھ بھی ڈالا جائے گا اور جن کو اس نے گمراہ کیا ان کے گناہوں کا بوجھ بھی اس پر ڈالا جائے گا کیونکہ وہ ان کی گمراہی کا سبب بنا، اور اس کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

حدیث میں ہے: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا تو آدم کے پہلے بیٹے (قائیل) کے اوپر اس کے گناہ کا ایک حصہ ڈالا جائے گا (کیونکہ قائیل نے بعد کے لوگوں کو گناہ کا طریقہ بتایا)

(صحیح البخاری: ۶۸۶۷، صحیح مسلم: ۱۶۷۷، سنن ترمذی: ۲۶۷۳، سنن نسائی: ۳۹۸۵، سنن ابن ماجہ: ۲۶۱۶)

اللہ تعالیٰ کے فضل سے سورۃ العنکبوت کی تفسیر مکمل ہو گئی، اب اس کے بعد ان شاء اللہ سورۃ الروم کی تفسیر شروع کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

٣٠- تَفْسِيرُ سُورَةِ الرُّومِ

سورة الروم کی تفسیر

سورة الروم كاتعارف

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ سورۃ الروم کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور اس کی دو آیتوں میں اختلاف ہے: ایک یہ ہے: وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ - (لقمان: ۲۷) السدی نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی اور دوسری آیت یہ ہے: إِنَّ اللَّهَ عِنْدَ عِلْمِ السَّاعَةِ (لقمان: ۳۴) اور علامہ سخاوی نے کہا: یہ سورت إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ (الانشقاق: ۱) کے بعد اور العنکبوت سے پہلے نازل ہوئی۔

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب غزوہ بدر کا دن تھا تو رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے، سو اس سے مومنین بہت خوش ہوئے تو پھر یہ آیت نازل ہوئی: اَلَيْمٌ ۙ غُلِبَتِ الرُّومُ ﴿١﴾ (الروم: ۱-۲) پس مومنین ایرانیوں پر روم کے غلبہ سے خوش ہوئے کیونکہ رومی عیسائی اور اہل کتاب تھے جو اللہ کو اور نبی کو اور کتاب کو مانتے تھے اور ایرانی ان میں سے کسی چیز کو نہیں مانتے تھے، اس سورت میں ساٹھ (۶۰) آیات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۵)

میں کہتا ہوں: یہ پوری آیت اس طرح ہے:

الف، لام، میم ○ رومی (ایرانیوں سے) مغلوب ہو گئے ○
 قریب کی سرزمین میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب
 دوبارہ غالب ہوں گے ○ چند سالوں میں، پہلے (بھی) اور بعد
 (بھی) حکم اللہ ہی کو زیبا ہے اور اس دن مومنین خوش ہوں گے ○

⑤ (بھی) حکم اللہ ہی کو زیبا ہے اور اس دن مومنین خوش ہوں گے ○
(الروم: ۵) اللہ کی مدد سے، وہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے، اور وہ بہت

غالب ہے بے حد رحم فرمانے والا ○

ہم نے لکھا ہے: حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

التمَّ ۝ غُلِبَتِ الرُّومُ ۝ (الروم: ۱-۲) الف، لام، میم ۝ روم (ایرانیوں سے) مغلوب ہو گئے ۝

تو مشرکین نے حضرت ابوبکر سے کہا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے نبی نے کیا کہا ہے، وہ کہتے ہیں کہ رومی ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے۔ حضرت ابوبکر نے کہا: میرے نبی نے سچ فرمایا ہے، مشرکین نے کہا: کیا تم اس پر شرط لگاؤ گے، پھر حضرت ابوبکر نے ایک شرط مقرر کی اور رومیوں کے غلبہ سے وہ مدت پورنی ہو گئی، نبی ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپ رنجیدہ ہوئے اور حضرت ابوبکر سے پوچھا: تمہیں اس شرط پر کس نے برا بیختہ کیا؟ انہوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق نے، آپ نے فرمایا: ان سے پھر بات کرو اور شرط اور مدت دونوں میں اضافہ کرو، حضرت ابوبکر نے مشرکین سے بات کی اور دوبارہ شرط لگائی، ابھی وہ مدت

پوری نہیں ہوئی تھی کہ رومی ایرانیوں پر غالب آگئے اور انہوں نے مدائن میں اپنے گھوڑے باندھے، حضرت ابو بکر اپنی جیت کی اونٹنیاں لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، آپ نے فرمایا: ان اونٹنیوں کو صدقہ کر دو یہ حرام ہیں، تو حضرت ابو بکر نے ان کو صدقہ کر دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۱۷۴۵۸)

قنادہ نے بیان کیا ہے کہ جب مسلمان حدیبیہ سے چھ (۶) ہجری میں لوٹے تو رومی ایرانیوں پر غالب آچکے تھے۔

(انوار تبیان القرآن ص ۶۲۵ فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۳۳۱ھ)

۱۔ بَابٌ: فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ اللَّهِ۔

(الروم: ۳۹)

(الروم: ۳۹) کی تفسیر

مَنْ أُعْطِيَ عَطِيَّةً يَنْتَغِي أَفْضَلَ مِنْهُ فَلَا أَجْرَ لَهُ فِيهَا قَالَ مُجَاهِدٌ يُحْبَرُونَ يُنْعَمُونَ۔

جس نے کسی کو کچھ عطا کیا تا کہ وہ اس کے بدلے میں اس سے زیادہ طلب کرے تو اس کو اس عطا میں کوئی اجر نہیں ملے گا۔ مجاہد نے کہا: يُحْبَرُونَ کا معنی ہے: يُنْعَمُونَ یعنی وہ نعمتوں میں ہوں گے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ (الروم: ۱۵)

آیات کی تکذیب کی، تو ان سب کو عذاب میں پیش کیا جائے گا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے يُحْبَرُونَ کی تفسیر بنعمون کی ہے یعنی وہ نعمتوں میں ہوں گے اور اس تعلق کی حنظلی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے یعنی ان کی تکریم کی جائے گی، اور ایک قول ہے کہ وہ جنت میں سماع کریں گے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۵)

ہم نے لکھا ہے: الروضہ کا معنی جنت ہے یعنی باغ اور اس کی جمع ریاض ہے یعنی جنان، بعض علماء نے کہا: جو باغ اوپچی جگہ میں ہو اس کو الروضہ کہتے ہیں اور بعض علماء نے کہا: جو باغ پست زمین پر بنا ہو اس کو الروضہ کہتے ہیں۔ ضحاک نے کہا: يُحْبَرُونَ کا معنی ہے: ان کی تعظیم اور تکریم کی جائے گی۔ (انوار تبیان القرآن ص ۶۳۷ فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۳۳۱ھ)

فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ اللَّهِ مَنْ أُعْطِيَ عَطِيَّةً يَنْتَغِي أَفْضَلَ مِنْهُ فَلَا أَجْرَ لَهُ فِيهَا۔

فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ اللَّهِ: اس کا معنی ہے: جس نے کسی شخص کو کوئی عطیہ دیا تا کہ اس دیئے ہوئے سے کچھ زیادہ طلب کرے تو اس کو اس دیئے ہوئے عطیہ سے کوئی اجر نہیں ملے گا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا أَنْتُمْ مِنْ رَبِّهَا لَبِزُونَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ اللَّهِ۔ (الروم: ۳۹)

اور تم جو مال سود لینے کے لیے دیتے ہو تا کہ وہ لوگوں کے مال میں شامل ہو کر بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے، پس سعید بن جبیر اور مجاہد اور طاؤس اور قنادہ اور ضحاک نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جو کسی شخص کو عطیہ اور ہدیہ دے تا کہ وہ اس دیئے ہوئے سے زیادہ لے تو یہ ربا (سود) ہے جو حرام ہے اور عام لوگوں کا حکم ہے اور نبی ﷺ کے لیے یہ حرام ہے کہ آپ کسی کو کوئی ہدیہ زیادہ لینے کے لیے دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (المدثر: ۶)

اور زیادہ لینے کے لیے کسی پر احسان نہ کیجئے ○

الشیعی نے کہا ہے: اس سے مراد وہ شخص ہے جو کسی کے ساتھ دوستی گاتھتا ہے اور اس کا سامان اٹھاتا ہے اور اس کے ساتھ سفر کرتا ہے، پس اس کو اس کے مال کا نفع دیا جاتا ہے تاکہ وہ اس کا بدلہ دے اور وہ اس کو صرف اس سے مدد طلب کرنے کے لیے لیتا ہے اور اس سے اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کرتا، اور ابراہیم نخعی نے کہا: یہ زمانہ جاہلیت میں تھا، ایک مرد اپنے قرابت دار کو مال دیتا تاکہ اس سے زیادہ مال لے۔ امام بخاری نے کہا: اس عطیہ سے اس کو نہ کوئی اجر ملے گا اور نہ کوئی گناہ ہوگا یعنی یہ مباح ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۶-۱۵۵)

اور ہم نے لکھا ہے: اس آیت میں سود سے مراد وہ ہدیہ ہے جس میں ہدیہ دینے والا اس سے افضل چیز کا طالب ہو، یہ حقیقتاً سود نہیں ہے لیکن صورتاً سود کے مشابہ ہے، اس لیے اس کو سود فرمایا ہے اور یہ جائز ہے، اس میں ثواب ہے نہ گناہ اور اس کو ہمارے عرف میں نیوتا کہتے ہیں۔ (انوار تبیان القرآن ص ۶۵۲-۶۵۱، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

يَتَهَدُّونَ يُسَوُّونَ التَّضَاجِعَ۔ اس کا معنی ہے: يُسَوُّونَ التَّضَاجِعَ یعنی وہ اپنا بستر ہم دار اور برابر کرتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا نَفْعَ لَهُ يَتَهَدُّونَ (الروم: ۴۴)

اور جس نے کفر کیا اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا اور جن لوگوں نے نیک کام کیے تو وہ اپنے ہی لیے (جنت کو) تیار کر رہے ہیں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے يَتَهَدُّونَ کی تفسیر کی ہے: وہ اپنے بستروں کو برابر کرتے ہیں، مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا ہے: وہ اپنی قبروں میں ٹھہرنے کی جگہوں کو یا جنت میں اپنے ٹھہرنے کی جگہوں کو تیار کر رہے ہیں۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

ہم نے لکھا ہے: مہد کا معنی ہے بستر، مسکن اور قرار کی جگہ، مَهْدُ النَّبِيِّ بچے کے پالنے کو کہتے ہیں، تسہید الامور کا معنی ہے: چیزوں کو ہم وار کرنا اور ان کی اصلاح کرنا اور تَسْهَدُ کا معنی ہے: جگہ حاصل کرنا۔ (انوار تبیان القرآن ص ۶۵۲، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

الْوَدْقِيُّ الْمَطَرُ۔ الوَدْقِيُّ: کا معنی ہے: السطر یعنی بارش۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيُمْسِكُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُ السَّحَابَ مَوَدِّقًا يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ ۖ (الروم: ۴۸)

اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے جو بادل کو اٹھاتی ہیں تو وہ اس بادل کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے، اور وہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان سے پانی نکلتا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الْوَدْقِيُّ کی تفسیر السطر کے ساتھ کی ہے، اسی طرح مجاہد نے اس کی تفسیر کی ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: القرطابی نے اس تعلیق کی ازابی صحیح روایت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۶۸)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هَلْ لَكُمْ مِنْ مَلَكٍ أَيْمَانُكُمْ فِي الْأَكَلِهِ وَفِيهِ تَخَافُونَهُمْ أَنْ يَرْتَوْكُمْ كَمَا يَرْتَوْ بَعْضُكُمْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت کریمہ هَلْ لَكُمْ مِنْ مَلَكٍ أَيْمَانُكُمْ فِي الْأَكَلِهِ وَفِيهِ تَخَافُونَهُمْ أَنْ يَرْتَوْكُمْ كَمَا يَرْتَوْ بَعْضُكُمْ کے

مَا مَلَكْتُ أَيْمَانُكُمْ (الروم: ۲۸) یہ کفار کے باطل معبودوں کے

بَعْضًا۔

لیے مثال بیان فرمائی، اور اس آیت میں ہے کہ تمہیں ان سے یہ خوف ہوتا ہے کہ وہ تمہارے وارث ہوں گے جیسے تم ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

صَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ أَنْفُسِكُمْ ۖ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاءَ فِي مَا رَزَقْتُمْ فَأَنْتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾

اللہ نے تمہارے لیے تم میں سے ہی ایک مثال بیان فرمائی، کیا تمہارے غلاموں میں سے کوئی تمہارا اس رزق میں شریک ہے جو ہم نے تم کو دیا ہے، کہ تم اور وہ (غلام) اس (رزق) میں برابر ہوں، تم کو ان سے اس طرح خوف ہو جس طرح تم کو اپنے ہم مشلوں سے خوف ہے، ہم عقل والوں کے لیے اسی طرح تفصیل

سے آیات بیان فرماتے ہیں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس نے فرمایا: فِي الْآيَةِ یہ آیت (باطل) معبودوں کے متعلق ہوئی ہے اور فرمایا: وفيہ یعنی اللہ کے حق میں اور یہ بہ طور مثال ہے یعنی کیا تم اپنے لیے اس پر راضی ہو کہ تمہارے بعض غلام تمہارے اس رزق میں شریک ہو جائیں جو ہم نے تم کو دیا ہے اور تم اور وہ اس رزق میں برابر ہوں اور تمہارے درمیان اور تمہارے غلاموں کے درمیان کوئی فرق نہ ہو اور تمہیں یہ خوف ہو کہ ان میں سے بعض تمہارے بعضوں کے وارث ہو جائیں یا وہ تمہارے بغیر خود مستقل تصرف کریں جیسا کہ بعض آزاد دوسروں سے خوف کرتے ہیں، پس جب تم اس بات کو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو تو تم اللہ کے لیے اس بات پر کیسے راضی ہو کہ تم اللہ کے بعض بندوں کو اس کا شریک قرار دو۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: یہ مثال اللہ عز وجل اور بتوں کے لیے بیان کی گئی ہے، پس اللہ مالک ہے اور بت مملوک ہیں اور مملوک مالک کے برابر نہیں ہوتا، اور ابو مجبلو نے بیان کیا ہے کہ تمہارا مملوک تمہارے مال کو تقسیم نہیں کر سکتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور امام ابن ابی حاتم نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ اللہ نے اس مثال کو اس شخص کے لیے بیان کیا ہے جو اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو اس کے برابر قرار دے، فرماتا ہے: کیا تم میں سے کسی شخص کا مملوک اس کے بستریا اس کی بیوی میں شریک ہوتا ہے اور اسی طرح سے اللہ اس سے راضی نہیں ہوتا کہ اس کی مخلوق میں سے کوئی اس کے برابر ہو۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۸)

ہم نے لکھا ہے: اس مثال کا معنی یہ ہے: کیا تم میں سے کوئی شخص اس کو پسند کرتا ہے کہ جو شخص اس کا نوکر اور غلام ہو وہ اس کے مال اور کاروبار میں اس کا شریک بن جائے تو تم اس کو ناپسند کرتے ہو کہ تمہارے نوکروں اور غلاموں کو تمہارے اموال میں شریک کیا جائے، تو تم اللہ کے مملوک اور اس کی مخلوق کو اللہ کا شریک کیوں کہتے ہو اور جو چیز تمہیں اپنے لیے ناپسند ہے اس کو اللہ کے لیے کیوں پسند کرتے ہو، پھر فرمایا: تم کو ان سے اس طرح خوف ہو جس طرح تم کو اپنے ہم مشلوں سے خوف ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ کیا تم اپنے غلاموں اور نوکروں سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح تم آزاد لوگ ایک دوسرے سے ڈرتے ہو یعنی جس طرح تم مشترکہ کاروبار یا مشترکہ املاک میں تصرف کرتے ہوئے ڈرتے ہو کہ دوسرے شرکا تم سے باز پرس کریں گے کہ تم نے ان کو بتائے بغیر کیوں تصرف کیا، کیا تم اپنے نوکروں اور غلاموں سے بھی اسی طرح ڈرتے ہو یعنی نہیں ڈرتے کیونکہ جب تم نے اپنے نوکروں اور غلاموں کو اپنے کاروبار میں اور املاک میں شریک بنایا ہی نہیں تو پھر ان سے ڈرنے کا کیا سبب ہے؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلکہ

حکاموں نے بغیر علم کے اپنی خواہشات کی پیروی کی یعنی کفار جو بت پرستی کرتے ہیں اور بتوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں یہ کسی دلیل کی بنا پر نہیں ہے بلکہ کفار اپنی خواہش سے ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور بتوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں اور اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید میں ان کی پرستش کرتے ہیں۔ (انوار تبیان القرآن ص ۶۵۰، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

يَصَّدَّعُونَ يَتَفَرَّقُونَ فَاصْذَعْ
کا معنی ہے: پس ان سے الگ ہو جائیں گے اور فَاصْذَعْ کا معنی ہے: وہ متفرق ہو جائیں گے اور فَاصْذَعْ

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَدِيمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يُصْذَعُونَ ۝ (الروم: ۲۳)

دن آئے جو اللہ کی طرف سے ٹالا نہیں جائے گا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے يَصَّدَّعُونَ کی تفسیریتفارقون کے ساتھ کی ہے یعنی سب لوگ متفرق ہو جائیں گے، اسی طرح امام ابو عبیدہ نے تفسیر کی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت درج ذیل آیت کے معنی میں ہے:

يَوْمَئِذٍ يُصْذَعُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِيُرَوَّا أَعْمَالَهُمْ ۝ (الزلزال: ۶)

اس دن لوگ مختلف احوال میں لوٹیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھائیں جائیں ○

تیسرا قول یہ ہے کہ یہ ان کے درجات کا فرق ہے، کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ وہ مختلف فرقوں میں بٹ جائیں گے۔ ایک فریق جنت میں چلا جائے گا اور ایک فریق دوزخ میں چلا جائے گا اور يَصَّدَّعُونَ کا لفظ يَتَفَرَّقُونَ تھا، تاکہ صداد سے بدل کر صاد کا صاد میں ادغام کر دیا گیا تو يَصَّدَّعُونَ ہو گیا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۶)

نیز امام بخاری نے کہا: فَاصْذَعْ، اس میں اللہ عز وجل کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے:

فَاصْذَعْ بِنَاتٍ مَرُوءًا عَرِضٌ عَنِ النَّاسِ كَيْفَ ۝ (الحجر: ۹۳)

آپ اس کا برملا اعلان کر دیں جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور مشرکین سے اعراض کیجئے ○

یعنی آپ مشرکین سے الگ ہو جائیں اور اپنے طریقہ پر چلتے رہیں، یہ ابو عبیدہ کی تفسیر ہے اور الْقَصْدُ کا اصل معنی ہے: کسی چیز کو شق کرنا اور پھاڑنا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: الْقَصْدُ کا لفظ کسی سخت چیز کے توڑنے کے معنی میں ہے مثلاً لوہا یعنی تم کہو کہ میں نے کسی چیز کو توڑا تو وہ ٹوٹ گئی اور صداع الراس بھی اسی سے ماخوذ ہے یعنی جب سر میں شدید درد ہو تو آدمی کو یہ وہم ہوتا ہے کہ اس کا سر پھٹ جائے گا اور فَاصْذَعْ بِنَاتٍ مَرُوءًا کا معنی یہ ہے کہ آپ اللہ عز وجل کی توحید کی طرف دعوت دے کر لوگوں سے متفرق ہو جائیں۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۷۸)

وَقَالَ غَيْرُهُ ضَعُفٌ وَضَعُفٌ لُغَتَانِ۔ اور دوسروں نے کہا: ضَعُفٌ اور ضَعُفٌ دو لغتیں ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ ۝ (الروم: ۵۴)

اللہ ہی ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا، پھر اس کمزوری کے بعد قوت پیدا کی، پھر اس قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا طاری کیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور وہ بہت علم والا

ہے اور بے حد قدرت والا ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دوسروں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ پہلا لفظ ضَعْف ہے اور دوسرا لفظ ضَعْف ہے اور جمہور نے دونوں لفظوں کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور عام اور حمزہ نے دونوں لفظوں کو زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور تحلیل نے کہا ضَعْف کا معنی ہے: جسمانی کمزوری اور ضَعْف کا معنی ہے عقل کی کمزوری۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس شرح پر کچھ اضافہ نہیں کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۸)

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کمزوری کی حالت میں پیدا کیا، اس سے انسان کی پیدائش کی حالت اور اس کے بچپن کی حالت مراد ہے کیونکہ اس وقت اس کا جسم اور بدن کمزور ہوتا ہے اور کمزوری کے بعد قوت دی، اس سے اس کی جوانی کی حالت مراد ہے، پھر بہ تدریج اس میں ضعف پیدا کیا، پھر وہ بڑھا پے میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ قوت کے بعد کمزوری کی حالت ہے۔

(انوار تبیان القرآن ص ۶۵۳، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

مصنف کی جوانی کے بعد بڑھا یا اور اس سے نعمۃ الباری کا کام متاثر ہونا اور پھر اللہ کے فضل سے دوبارہ شروع ہونا

اب میری عمر چاند کے حساب سے چھبتر (۷۶) سال ہو چکی ہے اور انگریزی حساب سے دو ہزار گیارہ (۲۰۱۱ء) میں چوہتر (۷۴) سال ہو چکی ہے اور میرے بالوں میں کافی سفیدی آچکی ہے اور جسم نحیف اور لاغر ہو چکا ہے، گزشتہ دنوں میں میرے دماغ پر اثر ہو گیا تھا اور حافظہ کمزور ہو گیا تھا حتیٰ کہ چھبیس (۲۶) فروری دو ہزار گیارہ (۲۰۱۱ء) کو میں نے اپنے آپ کو نعمۃ الباری کے کام سے عاجز پایا، سو میں نے نعمۃ الباری کا کام اپنے عزیز فاضل علامہ مفتی محمد اسماعیل نورانی زید علمہ وجہ کے سپرد کر دیا اور انہوں نے نہایت عمدگی اور بہت تفصیل اور تحقیق کے ساتھ سورۃ النور اور سورۃ الفرقان کی تفسیر لکھی، پھر میں نے امریکا سے دماغ کی تقویت کی دوائیں منگوائیں جن کے استعمال سے میں نے اپنے دماغ میں اتنی قوت محسوس کی کہ اب میں دوبارہ یہ کام کر سکتا ہوں، سواٹھارہ مئی (۱۸) دو ہزار گیارہ کو میں نے یہ کام دوبارہ شروع کر دیا اور یوں نعمۃ الباری کی دوبارہ نشاۃ ثانیہ ہو گئی اور اب تک یعنی چھ جون (۶) تک الحمد للہ رب العالمین میں سورۃ الشعراء، سورۃ النمل، سورۃ القصص اور سورۃ العنکبوت کی امام بخاری کی کی ہوئی تفسیر کی شرح لکھ چکا ہوں اور اب سورۃ الروم قریب الاختتام ہے۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ دعا کریں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے میرے دماغ کو طاقت دی ہے اسی طرح میرے جسم کو بھی طاقت اور توانائی عطا فرمائے اور مجھے شوگر کے موذی مرض سے نجات عطا فرمائے اور میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے نعمۃ الباری کی تکمیل کر لوں۔ آمین یا رب العالمین۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ الشَّوْأَى الْإِسَاءَةُ جَزَاءُ النَّسِيبِ۔ اور مجاہد نے کہا: الشَّوْأَى: اس کا معنی ہے: برائی، جو برے کام کرنے والوں کی سزا ہوگی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَمْ يَكُنْ عَاقِبَةُ الَّذِينَ اسَاءُوا الشَّوْأَى أَنْ كَلَبُوا
بِأَيْتِ اللَّهِ وَكَالُوا بِهَا يَسْتَهْزِئُونَ ① (الروم: ۱۰)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الشَّوْأَى کی تفسیر اساءۃ کی ہے اور علامہ نسفی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ الشَّوْأَى الشَّوْأَى کی تائید ہے اور اس کا معنی ہے: زیادہ برا کام جیسا کہ الْحَسَنُ، الْأَخْسَنُ کی تائید ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یعنی کافروں کی سزا عذاب ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۷۸)

اور ہم نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے مراد قرآن مجید ہے یا سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کے دلائل اور آپ کے معجزات ہیں یا خود آپ کی ذات مقدسہ مراد ہے، کفار مکہ آپ کا مذاق اڑاتے تھے، آپ کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور شرک کرتے تھے اور یہ سب سے برے کام ہیں، اسی وجہ سے وہ سب سے برے عذاب کے مستحق ہو گئے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۶۳۷، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

۳۷۷۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ وَالْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي الصُّحَيْ عَنْ بَشْرٍ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يُحَدِّثُ فِي كِنْدَةَ فَقَالَ يُحْيَى دُخَانُ يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَيَأْخُذُ بِأَسْنَانِ الْمُنَافِقِينَ وَأَبْصَارِهِمْ يَأْخُذُ الْمُؤْمِنِينَ كَهَيْئَةِ الزُّكَّامِ فَفَزَعْنَا فَأَتَيْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ وَكَانَ مُتَكِنًا فَغَضِبَ فَجَلَسَ فَقَالَ مَنْ عَلِمَ قَلْبِي قُلْتُ وَمَنْ لَمْ يَعْلَمْ فَلْيَقُلْ اللَّهُ أَعْلَمُ فَإِنَّ مِنَ الْعِلْمِ أَنْ يَقُولَ لِمَا لَا يَعْلَمُ لَا أَعْلَمُ فَإِنَّ اللَّهَ قَالَ لِنَبِيِّهِ ﷺ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ① (ص: ۸۶) فَإِنَّ قُرَيْشًا أَهْلَتُوا عَنِ الْإِسْلَامِ فَدَعَا عَلَيْهِمُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبِعَ يُوسُفُ لَمَّا أَخَذْتَهُمْ سَنَةً حَتَّى هَلَكَوا فِيهَا وَآكَلُوا السَّيِّئَةَ مِنَ الْعِطَامِ وَيَرَى الرَّجُلُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ فَجَاءَهُ أَبُو سُفْيَانَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ خَشِيتُ تَأْمُرُنَا بِصَلَةِ الرَّحِمِ وَإِنَّ قَوْمَكَ قَدْ هَلَكَوا فَأَدْعُ اللَّهَ فَقَرَأَ ﴿فَأَنْتُمْ تَقُوبُ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ ②﴾ (الدخان: ۱۰) إِلَى قَوْلِهِ عَائِدُونَ أَفَيُكْشَفُ عَنْهُمْ عَذَابُ الْآخِرَةِ إِذَا جَاءَ ثُمَّ عَادُوا إِلَى كُفْرِهِمْ كَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَى يَوْمَ نَذِيرٍ وَلِذَا مَا يَوْمَ يَذِرُ الْمَ غَلَبَتِ الرُّومُ إِلَى سَيِّغْلِبُونَ وَالرُّومُ قَدْ مَضَى۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی: وہ کہتے ہیں: ہمیں منصور اور الاعمش نے حدیث بیان کی از ابی الصحیٰ از مسروق، وہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت ایک مرد کندہ میں حدیث بیان کر رہا تھا تو اس نے کہا: قیامت کے دن دھواں آئے گا تو وہ منافقین کی سماعت اور بصارت کو سلب کر لے گا اور مومنوں کی کیفیت زکام کی طرح ہوگی، پس ہم ڈر گئے، پس میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور وہ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، پس وہ غضب ناک ہو گئے تو انہوں نے کہا: جس کو علم ہو وہ کوئی بات کرے اور جس کو علم نہ ہو وہ کہے: اللہ ہی زیادہ جانتا ہے کیونکہ یہ بھی علم میں سے ہے کہ جس بات کا تمہیں علم نہ ہو تم کہو: میں نہیں جانتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ① (ص: ۸۶) آپ کہیے کہ میں تم سے اس پیغام کو پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں ۵ بے شک قریش نے اسلام قبول کرنے میں تاخیر کر دی تو نبی ﷺ نے ان کے خلاف دعا کی، پس کہا: اے اللہ! میری مدد فرما اور ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کے قحط کی طرح قحط مسلط کر دے، پس ان کو ایک سال تک قحط نے پکڑ لیا حتیٰ کہ وہ اس میں ہلاک ہو گئے اور انہوں نے مردار اور ہڈیاں کھائیں، اور ایک مرد آسمان اور زمین کے درمیان دھوئیں کی طرح ایک چیز دیکھتا تھا، سو نبی ﷺ کے پاس ابوسفیان آیا، پس کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمیں لوگوں کو رشتہ داروں سے ملانے کا حکم دینے کے لیے آئے ہیں اور آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے، سو آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے تو آپ نے یہ آیت پڑھی: فَأَنْتُمْ تَقُوبُ يَوْمَ تَأْتِي

السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ (الدخان: ۱۰) سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان واضح دھواں لائے گا ۝ یہ آیت: عَا بِدُؤْنَ نَمَكٍ پڑھئے، کیا پس ان سے آخرت کا عذاب کھول دیا جائے گا جب آجائے، پھر وہ اپنے کفر کی طرف لوٹ جائیں گے، پس یہ اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا مصداق ہے: يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ ۚ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ۝ (الدخان: ۱۶) جس دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے، بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں ۝ (بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑنے سے مراد) بدر کا دن ہے اور لِيَاْمَا کی قید سے بھی مراد بدر کا ہی دن ہے۔ الف، لام، میم ۝ رومی (ایرانیوں سے) مغلوب ہو گئے (یہ آیت یہاں تک ہے) وہ عنقریب دوبارہ غالب ہوں گے ۝ اور سورۃ الروم کی پیش گوئی گزر چکی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۰۰۷ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی مزید شرح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: یہ حدیث بعینہ اسی سند کے ساتھ کتاب الاستقواء میں اس باب کے تحت گزر چکی ہے: ”جب مشرکین قحط کے وقت مسلمانوں سے شفاعت طلب کریں“ لیکن اس کے الفاظ میں کچھ زیادتی اور کمی ہے اور اس حدیث کی سند میں جو سفیان کا ذکر ہے اس سے مراد سفیان ثوری ہے اور منصور سے مراد منصور بن المعتمر ہے اور الاعمش سے مراد سلیمان ہے، ابوالفضل مسلم بن صبیح الکوفی العطاری ہے اور مسروق ابن الاعداء ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

بکنده: علامہ کرمانی نے کہا کہ یہ کوفہ کی ایک جگہ ہے، علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں جس مرد کا ذکر ہے اس کا تعلق کندہ قبیلہ سے ہو۔

پس میں حضرت ابن مسعود کے پاس آیا: یہاں کچھ عبارت محذوف ہے یعنی حضرت ابن مسعود کے پاس گیا اور ان کو اس مرد کی خبر دی وہ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، یہ سن کر غصہ میں آ گئے اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، کیونکہ یہ بھی علم میں سے ہے کہ انسان جس چیز کو نہ جانتا ہو اس کے متعلق کہے کہ میں نہیں جانتا: علامہ کرمانی نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ”میں نہیں جانتا“ کہنا علم ہو۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: معلوم کو مجہول سے ممتاز کرنا بھی علم کی قسم ہے اور یہ اس قول کے مناسب ہے کہ میں نہیں جانتا کہنا بھی نصف علم ہے اور آیت کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ آدمی کو جس چیز کا علم نہ ہو اس کے متعلق بات کرنا بھی ایک قسم کا تکلف ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۸-۱۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابُ: لَا تَبْدِيلَ يَخْلُقُ اللَّهُ۔ (روم: ۳۰) لِدِينِ اللَّهِ۔

خُلِقَ الْإِنْسَانُ ۖ وَلَئِنْ ۖ (الشعراء: ۱۳۷) دِينُ الْإِنْسَانِ وَالْفِطْرَةُ الْإِسْلَامُ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اللہ تعالیٰ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے، (روم: ۳۰) یعنی اللہ تعالیٰ کے دین میں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: یہ صرف پہلے لوگوں کا طریقہ ہے O (الشعراء: ۱۳۷) یعنی اولین کا دین، فطرت سے مراد اسلام ہے۔

باب مذکور کے عنوان کی شرح

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے، امام بخاری نے کہا: اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کے دین میں، کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ اس عبارت کا ظاہر نفی ہے اور اس سے مراد ممانعت ہے یعنی اللہ کے دین میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے اور یہی اکثر علماء کا قول ہے، اور عکرمہ اور مجاہد نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی تغیر نہ کیا جائے، یعنی جانوروں کو خسی نہ کیا جائے۔ امام بخاری نے کہا: یہ صرف پہلے لوگوں کا طریقہ ہے یعنی یہ صرف پہلے لوگوں کا دین ہے، امام بخاری نے کہا: فطرت سے مراد اسلام ہے، امام بخاری نے اس عبارت سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَطَرَتِ اللَّهُ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ يَخْلُقُ اللَّهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ (الروم: ۳۰)

(اے لوگو!) اپنے آپ کو اللہ کی بنائی ہوئی اس خلقت پر قائم رکھو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے وہی صحیح دین ہے۔

امام بخاری نے فطرت کی تفسیر اسلام کے ساتھ کی ہے اور یہ عکرمہ کا قول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں فطرت سے مراد فقر اور فاقہ ہے اور فطرۃ اللہ پر جو نصب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مفعول مطلق ہے، اصل عبارت ہے: فَطَرَ فِطْرَةً ۖ وَالْإِنْسَانُ الْقَيِّمُ ۖ کا معنی ہے: دین مستقیم۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۸)

۳۷۷۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يمجسانِهِ كَمَا تُتَّبَعُ النَّبِيَّةُ بِهَيْئَةٍ جَمْعَاءَ هَلْ تُحْسِنُونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ يَقُولُ ﴿فَطَرَتِ اللَّهُ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ يَخْلُقُ اللَّهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ﴾ (الروم: ۳۰)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی انہوں نے ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے خبر دی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر بچہ الفطرۃ پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسے بکری کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے، کیا تم اس کی ناک یا کان کٹا ہوا دیکھتے ہو؟ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿فَطَرَتِ اللَّهُ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ يَخْلُقُ اللَّهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ﴾ (الروم: ۳۰) (اے لوگو!) اپنے آپ کو اللہ کی بنائی ہوئی اس خلقت پر قائم رکھو جس پر

اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے: اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے وہی صحیح دین ہے۔

یہ حدیث صحیح بخاری ۱۳۵۸ میں اسی سند اور اسی متن کے ساتھ گزر چکی ہے۔

عبدان: سے مراد ہے: عبد اللہ بن عثمان المروزی، یہ ان کا نام ہے اور عبدان ان کا لقب ہے اور عبد اللہ سے مراد ہے: عبد اللہ بن المبارک المروزی اور یونس سے مراد ہے: یونس بن یزید اور الزہری سے مراد ہے: محمد بن مسلم بن شہاب اور ابو سلمہ وہ حضرت

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الحمد لله رب العالمین سورۃ الروم کی جو تفسیر امام بخاری نے کی تھی وہ مکمل ہو گئی، اب اس کے بعد ان شاء اللہ سورۃ لقمان کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۳۱۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْقَمَانِ

سورة لقمان کی تفسیر

سورة لقمان کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة لقمان کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت مکی ہے اور اس کی دو آیتوں کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے، ایک یہ ہے: وَلَوْ أَنَّ صَافِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ۔ (لقمان: ۲۷) السدی نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی اور دوسری آیت یہ ہے: إِنَّ اللَّهَ عِنْدَ عَلَمٍ السَّاعَةِ۔ (لقمان: ۳۴) یہ آیت محارب کے ایک مرد کے متعلق مدینہ میں نازل ہوئی ہے اور الحسن البصری سے منقول ہے کہ صرف ایک آیت میں اختلاف ہے اور وہ یہ آیت ہے: الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ (لقمان: ۴) کیونکہ زکوٰۃ کے احکام مدینہ میں نازل ہوئے، اس سورت میں چونتیس (۳۴) آیات ہیں۔

لقمان کا تعارف

ان کا پورا نام ہے: لقمان بن باعور بن ناخر اور وہ آذر ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے (عرفی) باپ تھے، یا السہلی نے کہا ہے: لقمان بن عتقا بن سرون، یہ ایک ہزار سال زندہ رہے تھے اور انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا اور ان سے علم حاصل کیا اور یہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے فتویٰ دیتے تھے، پھر جب حضرت داؤد علیہ السلام مبعوث ہو گئے تو ان کے فتاویٰ رک گئے، ایک قول یہ ہے کہ یہ ایک ہزار نبیوں کے شاگرد تھے، اور امام ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کی ہے: یہ سیاہ فام غلام تھے اور ان کے ہونٹ بڑے بڑے تھے اور ان کے دونوں پیر کٹے ہوئے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ حبشی غلام تھے اور بڑھئی تھے اور سعید بن المسیب نے کہا کہ یہ مصر کے سیاہ فام لوگوں میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت عطا کی اور ان سے نبوت کو روک لیا اور حضرت جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ یہ کوتاہ قد تھے اور امام ابن قتیبہ نے کہا: اکثر اقوال کے مطابق یہ نبی نہیں تھے اور نیک مرد تھے اور ابن المسیب سے دوسری روایت یہ ہے کہ یہ درزی تھے اور زجاج سے روایت ہے کہ یہ نجار تھے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ چمدا ہے تھے۔ الواقدی نے کہا ہے: یہ بنی اسرائیل میں مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے اور احکام نافذ کرتے تھے، اور ان کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تھا، اور عمرہ سے روایت ہے کہ یہ نبی تھے اور وہ اس قول میں منفرد ہیں، وہب بن منبہ نے کہا کہ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کے بھانجے تھے اور مقاتل نے کہا کہ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کی خالہ کے بیٹے تھے، ان کے بیٹے کا نام انعم تھا، وہ پہلے کافر تھا، پھر مسلمان ہو گیا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام مشکم تھا اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام ثار ان تھا۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۱۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابُ: لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ

عَظِيمٌ ۝ (لقمان: ۱۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اللہ کے ساتھ شرک نہ

کرنا بے شک شرک کرنا ضرور سب سے بڑا

ظلم ہے ۝ (لقمان: ۱۳) کی تفسیر

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کے شروع کا حصہ نہیں لکھا اور وہ یہ ہے:

وَإِذْ قَالَ لُقْمَنُ لِبَنِيهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَبْنِي لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ

میرے پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا بے شک شرک

کرنا ضرور سب سے بڑا گناہ ہے ۝

ظلم کا معنی ہے: کسی چیز کو اس کی جگہ کے غیر میں رکھنا اور شرک کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو اس کے غیر کی طرف

منسوب کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی رزاق ہے اور زندہ کرنے والا ہے اور مارنے والا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵۹)

میں بہتا ہوں: اصطلاحی شرک کی یہ تعریف نہیں ہے، بلکہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو عبادت کا مستحق قرار دیا

جائے یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو واجب الوجوب اور قدیم مانا جائے۔ ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

حکیم لقمان کا بیٹا اور اس کی بیوی دونوں کافر تھے، حکیم لقمان ان دونوں کو مسلسل نصیحت کرتے رہے حتیٰ کہ وہ دونوں مسلمان ہو

گئے۔ (روح البیان ج ۷ ص ۹۴)

اس میں اختلاف ہے کہ یہ قول اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یا حکیم لقمان کا قول ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے، شرک کو سب

سے بڑا ظلم اس وجہ سے فرمایا ہے کہ ظلم کا معنی ہے، کسی کا حق دوسرے کو دے دینا جو اس حق کا مستحق نہ ہو اور مستحق عبادت ہونا اللہ کا

حق ہے، اسی طرح اللہ ہی کا یہ حق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے، پس اگر مخلوق میں سے کسی کا حق دوسرے غیر مستحق کو دے دیا

جائے تو یہ بھی ظلم ہے لیکن سب سے بڑا ظلم تو یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے وہ کسی غیر مستحق کو دے دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی

اور کو عبادت کا مستحق مانا جائے اور اس کی عبادت کی جائے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۶۵، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۳۳۱ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش

از ابراہیم از حضرت عبداللہ بن مسعود وہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ

آیت نازل ہوئی: الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ

اولئك لهم الامن وهم مهتدون ۝ (الانعام: ۸۶) جو لوگ

ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم (شرک) کو

نہیں ملا یا ان ہی کے لیے بے خوفی ہے اور وہی ہدایت یافتہ

ہیں ۝ تو یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے اصحاب پر بہت دشوار

گزری اور انہوں نے کہا: ہم میں سے کون ہے جو اپنے ایمان کو ظلم

کے ساتھ نہیں ملاتا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہاں ظلم سے یہ

۶۷۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ

الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ

اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لَنَا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ

يَلْبِسُوا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ (الانعام: ۸۶)

شَيْءٌ ذَلِكَ عَلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَقَالُوا

أَيْنَا لَمْ يَلْبِسْ اِيْمَانَهُ بِظُلْمٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

إِنَّهُ لَيْسَ بِذَلِكَ إِلَّا تَسْمَعُ إِلَى قَوْلِ لُقْمَانَ ﴿إِنَّ

الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمان: ۱۳)

مراد نہیں ہے، کیا تم نے نہیں سنا کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا: إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝ (لقمان: ۱۳) (بے شک شرک کرنا ضرور سب سے بڑا ظلم ہے) O

یہ حدیث صحیح البخاری: ۳۲ میں گزر چکی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: جریر کا پورا نام جریر بن عبد اللہ ہے اور یہ سلیمان الاعمش سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابراہیم النخعی از علقمہ بن قیس النخعی از حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں اور یہ حدیث کتاب الایمان میں گزر چکی ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۶۰-۱۵۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں کچھ نہیں لکھا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۹)

۲۔ بَابُ: إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ۔
اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ (لقمان: ۳۴) کی تفسیر

علامہ بدرالدین عینی اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ آیت الوارث بن عمر کے متعلق نازل ہوئی ہے جو جنگوں میں اور دیہاتوں میں رہنے والے تھے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے سوال کیا کہ قیامت کس وقت قائم ہوگی؟ اور کہا: ہماری زمین قحط زدہ ہے، پس بارش کب نازل ہوگی؟ اور میں نے اپنی بیوی کو حاملہ چھوڑا ہے تو اس کے یہاں ولادت کب ہوگی؟ اور میں زمین میں کس جگہ مردوں گا؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۶۰)

۴۷۷۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ عَنْ جَرِيرٍ عَنْ أَبِي حَيَّانَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَوْمًا بَارِئًا لِلنَّاسِ إِذْ أَتَاهُ رَجُلٌ يَسْأَلُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الْإِيمَانُ قَالَ الْإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَلِقَائِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ الْأَخِيرِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الْإِسْلَامُ قَالَ الْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ تُفْرِضُهَا وَتَصُومَ رَمَضَانَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الْإِحْسَانُ قَالَ الْإِحْسَانُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَكَأَنَّهُ يَرَاكَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ مَا أَسْأَلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلَكِنْ سَأَخْبِرُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا إِذَا وَلَدَتْ النِّزَاةُ رَبَّتْهَا فَذَاكَ مِنْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی از جریر از ابی حیان از ابی زرعہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک مرد آپ کے پاس چلتا ہوا آیا، پس کہنے لگا: یا رسول اللہ! ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اس کے تمام فرشتوں پر، اس کی تمام کتابوں پر اور اس کے تمام رسولوں پر اور اس سے ملاقات پر ایمان لاؤ اور تم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان لاؤ، اس نے پوچھا: یا رسول اللہ! اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور تم نماز کو قائم کرو اور فرض زکوٰۃ کو ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو، اس نے پوچھا: یا رسول اللہ! احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو، پس

أَشْرَاطُهَا وَإِذَا كَانَ الْحُفَاةُ الْعُرَاةُ رُؤُوسِ النَّاسِ فَذَٰكَ
مِنْ أَشْرَاطِهَا فِي خَنَسٍ لَا يَغْلِبُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ﴿٣٣﴾ إِنَّ اللَّهَ
عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي
الْأَرْحَامِ ﴿٣٤﴾ (لقمان: ۳۳) ثُمَّ انْصَرَفَ الرَّجُلُ فَقَالَ
رُدُّوا عَلَيَّ فَأَخَذُوا لِيَزِدُّوا فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا فَقَالَ هَذَا
جِبْرِيلُ جَاءَ لِيُعَلِّمَ النَّاسَ دِينَهُمْ۔

اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو بے شک وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ اس نے
پوچھا: یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا: جس
سے سوال کیا گیا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ جاننے والا
نہیں ہے لیکن میں عنقریب تم کو قیامت کی علامات بتاؤں گا (اور وہ
یہ ہیں:) آپ نے فرمایا: جب کوئی عورت اپنے آقا کو پیدا کرے تو
یہ قیامت کی علامات میں سے ہے اور جب ننگے پیر اور ننگے بدن
آدمی لوگوں کے سردار بن جائیں تو یہ قیامت کی علامات میں سے
ہے، (یہ) ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی
نہیں جانتا: بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی
بارش نازل فرماتا ہے اور وہی (از خود) جانتا ہے کہ (ماؤں) کے
رحموں میں کیا ہے اور کوئی (از خود) نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا
اور کوئی شخص (از خود) نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا
(لقمان: ۳۳) پھر وہ مرد واپس چلا گیا، آپ نے فرمایا: اس کو میرے
پاس واپس لاؤ، پس صحابہ اس کو واپس لانے کے لیے گئے تو انہوں
نے کسی چیز کو نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا: یہ جبریل تھے جو لوگوں کو
ان کے دین کی تعلیم دینے کے لیے آئے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۰ میں گزر چکی ہے۔

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں:

اسحاق کا نام اسحاق بن ابراہیم ہے اور یہ ابن راہویہ کے نام سے معروف ہیں اوز جریر کا نام ہے: جریر بن عبد الحمید اور ابو
حیان کا نام ہے: یحییٰ ابن سعید الکوفی اور ابو زرعبہ کا نام ہے: حرم بن عمرو بن جریر الجبلی۔ یہ حدیث کتاب الایمان میں گزر چکی ہے
اور ہم نے وہاں اس کی مفصل شرح کی ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۶۰)
علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں صرف اتنا ہی لکھا ہے۔

علوم خمسہ کے متعلق متعدد احادیث اور قرآن مجید میں علم غیب کی نفی اور اس بات کا محمل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مقادیر الغیب پانچ ہیں، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ (لقمان: ۳۳) اور ابو
عاصم کی روایت میں ہے کہ مقادیر الغیب پانچ ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے
اور وہی بارش نازل فرماتا ہے یعنی پوری آیت۔ اور اس سے پہلے سورۃ الزمر کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ اور کتاب الاستقواء میں
حضرت عبد اللہ بن دینار کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مقادیر الغیب پانچ ہیں، ان کو اللہ کے سوا (از خود) کوئی نہیں
جانتا، اللہ کے سوا کوئی (از خود) نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا (الحمدیث)، یہ سیاق ان پانچ چیزوں کے بیان میں ہے اور تفسیر الانعام میں

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ہے کہ مفتح الغیب پانچ ہیں: بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، آخر سورت تک، اور امام ابو داؤد الطیالسی نے اپنی مسند میں زہری سے یہ روایت کی ہے کہ تمہارے نبی کو ان پانچ چیزوں کے سوا غیب کی مفتح دی گئی ہیں، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی، اور میرا گمان یہ ہے کہ ایک متن دوسرے متن میں داخل ہو گیا ہے کیونکہ ان الفاظ کے ساتھ امام ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کی ہے۔ امام احمد اور امام البزار نے تصحیح سند کے ساتھ اور امام ابن حبان اور امام حاکم نے حضرت بریدہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانچ چیزیں ایسی ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا: بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے الآیہ، اور کتاب الایمان میں ہم پہلے ان پانچ چیزوں کی وجہ حصر بیان کر چکے ہیں اور یہ ممکن ہے کہ اس کا اس آیت سے استفادہ کیا جائے:

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ۔ آپ کہیے کہ آسمانوں میں اور زمینوں میں اللہ کے سوا کوئی (از انہل: ۶۵) خود) غیب نہیں جانتا۔

پس اس آیت میں جس غیب کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد وہ غیب ہے جس کا سورہ لقمان میں ذکر ہے اور رہی یہ آیت: عَلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے سوا اپنے ہر غیب پر کسی کو مکمل مطلع نہیں فرماتا۔ (الن: ۲۶-۲۷)۔ (سب) رسول ہیں۔

پس ممکن ہے اس آیت کی تفسیر امام الطیالسی کی روایت کردہ حدیث کے مطابق کی جائے اور وہ جو صریح قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ لوگوں کو خبر دیتے ہیں کہ وہ کیا کھا کر آئے ہیں اور کیا گھر میں ذخیرہ کیا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدیوں کے خواب کی تعبیر بیان کی اور اس قسم کے دوسرے واقعات، یہ معجزات اور کرامات کی قبیل سے ہیں، پس ان میں سے ہر چیز کا سورہ الن: ۲۶-۲۷ سے استفادہ کرنا ممکن ہے کیونکہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ رسولوں کو بعض غیب پر اطلاع دی جاتی ہے اور ولی رسول کے تابع ہے، وہ رسول سے غیب کا علم حاصل کرتا ہے اور اس کی تکریم کی جاتی ہے اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ رسول کو وحی کی تمام اقسام سے اطلاع دی جاتی ہے اور ولی صرف خواب یا الہام کے ذریعے غیب پر مطلع ہوتا ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۷۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

لقمان: ۳۳ کی تفسیر میں مصنف کی تحقیق

ہم نے سورہ لقمان: ۳۳ کی تفسیر میں لکھا ہے: یعنی قیامت کا علم کلی، ذاتی اور محیط اللہ ہی کے پاس ہے، علم کلی اور محیط کی قید اس لیے ہے کہ نبی ﷺ نے قیامت کی علامات بتائیں کہ قرب قیامت میں مہدی کا ظہور ہوگا (سنن ابو داؤد: ۴۲۹۰) اور فرمایا: قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ کا نزول ہوگا، یا جوج و ماجوج کا ظہور ہوگا (صحیح مسلم: ۲۹۰۱) اور آپ نے فرمایا: محرم کی دس (۱۰) تاریخ کو قیامت واقع ہوگی (فضائل الاوقات للبیہقی ص ۳۴۱) اور یہ بھی فرمایا کہ جمعہ کے دن قیامت آئے گی (صحیح مسلم: ۸۵۴) اور یہ بھی بتا دیا کہ جمعہ کے دن عصر اور مغرب کے دن قیامت آئے گی (الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۸۳) آپ نے وقوع قیامت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا صرف سن نہیں بتایا کیونکہ اگر آپ سن بھی بتا دیتے تو ہمیں آج معلوم ہوتا کہ قیامت آنے میں اتنے سال رہ گئے ہیں اور قیامت کا آنا چانک نہ رہتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَأْتِيَكُمْ إِلَّا بَغْتَةً۔ (الاعراف: ۱۸۷) قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی۔

اگر نبی مصلیٰ علیہ السلام قیامت کا سن بھی بتا دیتے تو قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا اور قرآن جھوٹا ہو جاتا اور نبی مصلیٰ علیہ السلام قرآن کے مصدق بن کر آئے تھے اس کے مکتب بن کر نہیں آئے تھے، سو آپ نے قرآن کی تصدیق کے لیے قیامت کا سن نہیں بتایا اور اپنے علم کے اظہار کے لیے وقوع قیامت کی تمام نشانیاں مہینہ، تاریخ، دن اور ان کا مخصوص وقت سب کچھ بتا دیا۔

اور اس آیت میں بارش نازل ہونے کے علم کی بھی نفی ہے، اس کا بھی یہی معنی ہے کہ بارش کا کل علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے ورنہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی بارش نازل ہونے کی خبر دی ہے، فرمایا:

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ - اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں لوگوں پر خوب بارش نازل کی جائے گی۔ (یوسف: ۴۹)

اور ہمارے نبی سیدنا محمد مصلیٰ علیہ السلام نے بھی بارش کے نزول کی خبر دی ہے:

امام شافعی نے کتاب الام میں المطلب بن حطاب سے روایت کی ہے کہ نبی مصلیٰ علیہ السلام نے فرمایا: رات اور دن کی ہر ساعت میں بارش نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے اس بارش کو لے جاتا ہے۔ (مسند شافعی، ج ۸۲، الدر المنثور، ص ۷۹)

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کوئی سال دوسرے سال سے زیادہ بارش والا نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اس بارش کو جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے اور بارش کے ساتھ فلاں فلاں فرشتے نازل ہوتے ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ کہاں بارش ہو رہی ہے اور کس کو رزق مل رہا ہے اور اس کے قطروں سے کیا پیدا ہو رہا ہے۔ (المسند، ج ۲ ص ۳۰۳)

اور اس آیت میں ماؤں کے رحم میں کیا ہے، اس کے علم کی بھی نفی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا علم بھی مخلوق کو عطا فرمایا ہے، قرآن مجید میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی، فرمایا:

قَالُوا لَا تَخَفْ ۚ وَبَشِّرُوكَ بِعَلِيمٍ ۝ (الذاریات: ۲۸) بشارت دی

اور فرشتوں کو بتادیا جاتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور فرشتے ماں کے پیٹ میں لکھ دیتے ہیں۔ (صحیح البخاری: ۳۱۸) اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد مصلیٰ علیہ السلام نے خبر دی کہ سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حسن پیدا ہوں گے۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۹۲۳) اس آیت میں آئندہ کل کے علم کی بھی نفی کی گئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے:

اللہ تعالیٰ نے کل اور آئندہ ہونے والے واقعات سے بھی انبیاء اور بالخصوص سیدنا محمد مصلیٰ علیہ السلام کو آگاہ فرمایا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے آئندہ پیش آنے والے واقعات کے سلسلے میں بتایا:

قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأْبًا فَمَا حَصَدْتُمْ ۖ فَذُرَّوْهُ فِي سُبُلٍ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَاكُلُونَ ۝ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَنَةٌ شَدِيدٌ دَأْبًا تَكُلْنَ مِمَّا قَدَّمْتُمْ لَكُمْ إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَمِمَّا تَخْصُمُونَ ۝ (یوسف: ۴۷-۴۸)

(حضرت) یوسف نے کہا: تم لگاتار سات سال تک معمول کے مطابق کاشتکاری کرنا اور فصل کاٹ کر اس کو خوشوں میں رہنے دینا سو اپنے کھانے کی تھوڑی چیزوں کے ۵ اس کے بعد سات سخت قحط کے سال آئیں گے وہ تمہارے ذخیرہ کیے ہوئے غلے کو کھا جائیں گے سو اس تھوڑے سے غلے کے جس کی تم حفاظت کرو گے ۵

حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ کے دیئے ہوئے علم سے صرف کل کی نہیں چودہ سال پہلے کی خبر دی اور ہمارے نبی مصلیٰ علیہ السلام نے کل کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: لَاُعْطِيَنَّ الرَّاْيَةَ هَذَا يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَيَّ يَدِي ۖ (صحیح البخاری: ۳۷۰۱) کل میں جبکہ اس کو عطا کروں گا جس

کے ہاتھ پر اللہ خیر کو فتح کرے گا۔

اس آیت میں مرنے کی جگہ کے علم کی بھی نفی کی گئی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی قید کے ایک ساتھی سے یہ فرمایا تھا: تمہیں سولی دی جائے گی (یوسف: ۴۱) اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت یوسف نے اس کو بتا دیا کہ تمہیں پھانسی کے تختے پر موت آئے گی اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے مرنے کی جگہ کا علم تھا اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر کے متعلق فرمایا: هَذَا مَضْرَعُ فُلَانٍ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ غَدًا (صحیح مسلم: ۲۸۷۳) ان شاء اللہ کل فلاں کافر اس جگہ قتل ہوگا، خلاصہ یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کا بالذات، بلا واسطہ اور از خود علم تو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور ان پانچ چیزوں کا کلی علم بھی اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور اس کے بتانے سے ان کی جزئیات کا علم فرشتوں کو بھی ہے اور نبیوں اور رسولوں کو بھی ہے اور جس کا مرتبہ جتنا زیادہ ہے اس کو اتنا زیادہ علم ہے اور ان جزئیات کا سب سے زیادہ علم ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔

(انوار تبیان القرآن ص ۶۶۲-۶۶۱، فرید بک اسٹل، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

۴۷۷۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ مُعْتَدٍ بْنُ زَيْدٍ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ ثُمَّ ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ (لقمان: ۳۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں، ہمیں یحییٰ بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمر بن محمد بن زید بن عبد اللہ بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے بتایا کہ ان کے والد نے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مفاتح الغیب پانچ ہیں، پھر یہ آیت پڑھی: إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ (لقمان: ۳۴) بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔

یہ حدیث صحیح البخاری: ۱۰۳۹ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث کی شرح وہی ہے جو اس سے پہلے فتح الباری اور انوار تبیان القرآن کے حوالہ سے گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورہ لقمان کی امام بخاری کی کی ہوئی تفسیر مکمل ہو گئی اور اس کے بعد ان شاء اللہ سورۃ السجدۃ کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۳۲۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ السَّجْدَةِ

سورة السجدة کی تفسیر

سورة السجدة کا تعارف

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: یہ سورة السجدة کی بعض آیات کی تفسیر ہے، مقاتل نے کہا سورة السجدة مکی ہے اور اس میں ایک مدنی آیت ہے اور وہ یہ ہے: **تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (السجدة: ۱۶)** کیونکہ یہ انصار کے متعلق نازل ہوئی اور علامہ سخاوی نے کہا اس کے بعد سورة المؤمنون نازل ہوئی ہے اور اس سورت میں تیس (۳۰) آیات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۶۱)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَّهِينٌ ضَعِيفٌ نُّطْفَةُ الرَّجُلِ۔ اور مجاہد نے کہا: مہین کا معنی ہے: ضعیف اور اس سے مراد ہے: مرد کا نطفہ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَمْ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۝ (السجدة: ۸) پھر ایک حقیر پانی کے ٹھوڑے سے اس کی نسل بڑھائی ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا ہے کہ مجاہد نے مہین کا معنی ضعیف کیا ہے، پھر کہا: حقیر پانی سے مراد مرد کا نطفہ ہے، اس حدیث کی امام ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۶۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس تعلق کی شرح میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۷)

ضَلَلْنَا هَلَكْنَا۔ ضَلَلْنَا کا معنی ہے: هَلَكْنَا یعنی جب ہم ہلاک ہو جائیں گے اور مرجائیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالُوا إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۚ بَلْ هُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ كَفُورُونَ ۝ (السجدة: ۱۰) اور (کافروں نے) کہا: جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو کیا پھر ہماری ازسرنو پیدائش ہوگی؟ بلکہ وہ اپنے رب سے ملاقات کے منکر ہیں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مجاہد کے حوالے سے ضَلَلْنَا کی تفسیر کی ہے: جب ہم ہلاک ہو جائیں گے اور دوسروں نے کہا کہ جب ہم مٹی میں مل جائیں گے کیونکہ جب میت کو دفن کر دیا جائے تو کہا جاتا ہے: **أَضَلَّ النَّبْتُ**، اور جب تم اس کو دفن کر دو تو کہتے ہو: **أَضَلَّ نَسْلَهُ**۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۶۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس شرح پر کوئی اضافہ نہیں کیا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۷)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْجُرُزُ الَّتِي لَا تُسَطَّرُ إِلَّا مَطَرًا لَا يُغْنِي عَنْهَا شَيْئًا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: الْجُرُزُ اس زمین کو کہتے ہیں جہاں بہت کم بارش ہوتی ہے جس سے زمین کو بہت کم فائدہ ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا۔ (السجدة: ۲۷)

کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو بنجر زمین کی طرف بہا کر لے جاتے ہیں، پھر ہم اس سے فصل اگاتے ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس نے الْجُرُزِ کی تفسیر اس زمین کے ساتھ کی ہے جہاں بارش نہیں ہوتی، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ زمین ہے جو بہت سخت ہو، خشک ہو، جہاں کوئی پیداوار نہ ہوتی ہو۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۶۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: مجاہد نے کہا: یہ آبِین کی زمین ہے، الحرابی نے کہا: ابین یمن کا ایک مشہور شہر ہے اور غالباً مجاہد نے یہ اس وقت کہا تھا جب آبِین کی زمین کوئی چیز پیدا نہیں کرتی تھی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ یہ یمن کی زمین ہے، اور امام ابو عبیدہ نے کہا: یہ وہ سخت زمین ہے جو خشک ہو اور اس پر بارش نہ ہوتی ہو۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۱)

یہی: اس کا معنی ہے: بیان کرنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْقُرُونِ يَيسُّونَ فِي مَسْكِنِهِمْ۔ (السجدة: ۲۶)

کیا انہوں نے اس سے ہدایت حاصل نہیں کی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا ہے جو اپنے گھروں میں چلتے پھرتے تھے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہی کی تفسیر یسُّونَ کے ساتھ کی ہے، اور امام طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ کیا ہم نے ان کے لیے بیان نہیں کر دیا؟ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۶۲-۱۶۱)

۱۔ بَابُ: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ۔ (السجدة: ۱۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سو کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کن نعمتوں کو چھپا کر رکھا گیا ہے۔ (السجدة: ۱۷) کی تفسیر

۳۷۷۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ هَنَّ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَعَدُّتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِينَ مَا لَا أَعْيُنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ اقْرَأْ إِنَّ شِئْنَكُمْ ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾ (السجدة: ۱۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے بیان کیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بیان فرماتا ہے: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا: اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾ (السجدة: ۱۷) سو کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کن نعمتوں کو چھپا کر رکھا گیا ہے۔

یہ حدیث صحیح البخاری: ۳۲۳۴ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے: اور نہ ان کو کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے اور نہ

مرسل۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۶۲)

و حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حَزْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ
عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ اللَّهُ مِثْلَهُ قِيلَ
لِسُفْيَانَ رِوَايَةٌ قَالَ فَأَيُّ شَيْءٍ؟ وَقَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ
عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ قَرَأَ أَبُو هُرَيْرَةَ قُرْآنًا

اور ہم کو علی نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہم کو سفیان نے ہم
حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم کو ابو الزناد نے حدیث بیان
کی از اعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا، یہ حدیث بھی سفیان کی روایت کے مثل ہے اور
سفیان سے پوچھا گیا: کیا یہ روایت ہے؟ انہوں نے کہا: پھر اور کیا
چیز ہے؟ اور ابو معاویہ نے کہا الاعمش از ابو صالح کہ حضرت
ابو ہریرہ نے پڑھا: قُرْآنًا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

سفیان سے پوچھا: کیا کیا یہ روایت ہے؟ یعنی کیا یہ الفاظ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر رہے ہو یا تم اپنے اجتہاد سے کہہ رہے ہو
تو انہوں نے کہا: اگر یہ روایت نہیں ہے تو پھر اور کیا چیز ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۶۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے:

اس حدیث کا سبب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا کہ اہل جنت میں سے سب سے بڑا مرتبہ کس کا
ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے ان کی تکریم کا پودا اپنے ہاتھ سے اگایا ہے اور میں نے اس پر مہر لگا دی ہے اور جس کو نہ کسی آنکھ
نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال آیا ہے۔ اس حدیث کی امام مسلم نے روایت کی ہے اور
امام ترمذی نے اس حدیث کی بہت طویل روایت کی ہے جو حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۷۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن نصر نے حدیث
بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از
الاعمش، انہوں نے کہا: ہمیں ابو صالح نے حدیث بیان کی از
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ فرماتے تھے: اللہ
تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ان
نعمتوں کو تیار کر رکھا ہے جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی
کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے، میں
نے ان کا ذخیرہ تیار کر رکھا ہے اس کو چھوڑو جس کی تم کو اطلاع دی
گئی ہے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ
لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۵﴾ (اسجدہ: ۱۷)

۳۷۸۰۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرِ حَدَّثَنَا أَبُو
أَسَامَةَ عَنْ الْأَعْمَشِ حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ النَّبِيِّ ﷺ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى
أَعَدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ
سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ ذُخْرًا بَلَدَةً مَا
أُطْلِعْتُمْ عَلَيْهِ ثُمَّ قَرَأَ ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ
مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

(اسجدہ: ۱۷)

سو کوئی نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے اس کے اعمال کی جزاء میں کس نعمت کو چھپا کر رکھا گیا ہے O

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۴۴ میں گزر چکی ہے۔

بَلَدَ کے معنی کی تحقیق

علامہ بدرالدین عینی نے اس حدیث کی شرح میں بَلَدَ کے متعلق لکھا ہے:

اس کا معنی ہے: اس کو چھوڑ جس پر تم مطلع ہو چکے ہو، ایک قول ہے: ان کے سوا جن کا ذکر قرآن میں آچکا ہے جن پر تم مطلع ہو چکے ہو۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: گویا کہ آپ کی مراد یہ تھی کہ اس کو چھوڑ جس پر تم مطلع ہو چکے ہو، اور میں نے ان کے لیے جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں وہ اس کے متعلق بہت تھوڑی ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: آجَل یعنی ہاں یا کیوں نہیں۔

اور لیث نے حکایت کی ہے کہ یہ فضل یعنی زائد کے معنی میں ہے گویا کہ یوں فرمایا: یہ وہ نعمتیں ہیں جن کو میں نے تم سے غائب رکھا تھا، اور یہ ان سے زائد ہیں جن پر تم مطلع ہو چکے ہو۔

ابن مالک نے کہا کہ معروف یہ ہے کہ بَلَدَ اسم فعل ہے اور اس کا معنی ہے: چھوڑ اور یہ اپنے بعد والے لفظ کو بہ طور مفعول نصب دیتا ہے۔

اور الانخفش نے کہا: کہ بَلَدَ یہاں پر مصدر ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۶۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہی لکھا ہے اور کچھ عبارت اس پر زائد ہے اور وہ یہ ہے:

علامہ ابن ہشام نے المعنی میں لکھا ہے: بَلَدَ کو تم معرب استعمال کرو اور یہ لفظ مِن سے مجرور ہے اور اس کا معنی ہے: غیر اور انہوں نے اس کے سوا ذکر نہیں کیا اور اس پر اعتراض ہے کیونکہ علامہ ابن التین نے حکایت کی ہے کہ بَلَدَ میں ہاء پر زبر ہے حالانکہ اس سے پہلے مِن موجود ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ جہنی ہے معرب نہیں ہے اور ما مصدر یہ ہے اور یہ اور اس کا صلہ بہ طور مبتداء کے مرفوع ہے اور اس کی خبر جار اور مجرور ہے جو مقدم ہے اور بَلَدَ سے مراد یہ ہے کہ کیسے اس کے مستبعد ہونے کا قصد کیا جائے گا اور اس کا معنی یہ ہے کہ تمہیں اس مقدار پر کیسے اطلاع ہوگی جس کا احاطہ کرنے سے بشر کی عقلیں عاجز ہیں اور اس طور پر بَلَدَ کے اوپر مِن کو داخل کرنا صحیح ہے جیسا کہ سید میر شریف نے کافیہ ابن حاسب کی شرح میں تحریر کیا ہے، میں کہتا ہوں: ان تمام توجیہات میں سب سے بہتر یہ ہے کہ یہ غِنَی کے معنی میں ہے یعنی ان نعمتوں کا خیال کسی بشر کے دل میں نہیں آیا یا سوا ان نعمتوں کے جن پر تم مطلع ہو چکے ہو۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۷۷۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ السجدۃ کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث درج کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ الاحزاب کی تفسیر شروع کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۳۳۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ الْاَحْزَابِ

سورة الاحزاب کی تفسیر

سورة الاحزاب کا تعارف

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

یہ سورة الاحزاب کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور یہ پوری سورت مدنی ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، علامہ سخاوی نے کہا: یہ سورت آل عمران کے بعد اور سورة الممتحنة سے پہلے نازل ہوئی ہے، اس سورت میں بہتر (۷۳) آیات ہیں۔
وَقَالَ مُجَاهِدٌ صَيَّا صِيْهِمْ قُصُوْرِهِمْ۔ مجاہد نے کہا: صَيَّا صِيْهِمْ: اس کا معنی ہے: ان کے محل یا ان کے قلعے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَنزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَّا صِيْهِمْ وَقَالَ فِي قُلُوْبِهِمُ الرَّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَأْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ (الاحزاب: ۲۶)
اور جن اہل کتاب نے ان حملہ آور مشرکوں کی مدد کی تھی اللہ نے ان کو ان قلعوں سے اتار لیا اور ان کے دلوں میں رعب طاری کر دیا کہ تم ان کے ایک گروہ کو قتل کر رہے ہو اور ایک گروہ کو قید کر رہے ہو ۝

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ صیاصیہم، صیصہ کی جمع ہے اور یہ وہ عمارت ہے جسے لوگوں کو محفوظ کرنے کے لیے بنایا جائے، اس آیت میں فرمایا: جن اہل کتاب نے ان حملہ آوروں کی مدد کی تھی یعنی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور مومنین کے خلاف قریش اور غطفان کی مدد کی تھی اور وہ بنو قریظہ ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۶۳-۱۶۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس تعلق کی شرح میں کچھ نہیں لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۷۳)

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: اس سے مراد بنو قریظہ کو قلعوں سے اتارنا ہے کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ نے پچیس (۲۵) روز تک ان کا محاصرہ کیا تو انہوں نے کہا: ہم اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حکم پر قلعہ سے نکل آئیں گے کیونکہ جاہلیت میں قبیلہ اوس یہودیوں کا حلیف تھا اور ان کا یہ گمان تھا کہ حضرت سعد ان کے ساتھ اسی طرح مصلحت اندیشی سے پیش آئیں گے جس طرح عبد اللہ بن ابی سلول بنو قینقاع کے ساتھ پیش آیا تھا، اور ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بازو کی ایک رگ میں ان کی طرف سے ایک تیرہ پوست ہو چکا تھا (اس وجہ سے وہ اس موقع پر مدینہ منورہ میں نہیں تھے)، رسول اللہ ﷺ نے ان کو مدینہ سے بلایا تا کہ وہ بنو قریظہ کے متعلق فیصلہ کریں، جب حضرت سعد دراز گوش پر سوار ہو کر آئے تو قبیلہ اوس نے ان سے بنو قریظہ کے متعلق سفارش کی کہ ان سے نرم فیصلہ کریں، جب انہوں نے بہت اصرار کیا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب اس بات کا وقت آ گیا ہے کہ سعد اس بات کا ثبوت دے کہ اسے اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی فکر نہیں ہے، حضرت سعد نے بنو قریظہ کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ بنو قریظہ میں جس قدر جنگ جو ہیں ان کو قتل کر دیا جائے، ان

کی اولاد کو قید کر لیا جائے اور ان کے اموال پر قبضہ کر لیا جائے، نبی ﷺ نے فرمایا: اے سعد! تم نے ان کے متعلق وہی فیصلہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتویں آسمان کے اوپر حکم تھا، پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ان کو باندھا گیا اور ان کی گردنیں اڑادی گئیں، یہ سات سو (۷۰۰) یا آٹھ سو (۸۰۰) افراد تھے، ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا گیا اور ان کے اموال کو ضبط کر لیا گیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۲۴) (انوار تبیان القرآن ص ۶۷۲، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۳۳۱ھ)

معروف فانی الکتاب: معروف کے معنی ہیں نیکی اور فی الکتاب سے مراد ہے کہ یہ حکم اللہ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ مَعْرُوفًا كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ۝ (الاحزاب: ۲۶)

اللہ کی کتاب میں رشتہ دار دوسرے مومنوں اور مہاجرین کی بہ نسبت ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں، مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ کوئی نیکی کرو، یہ اللہ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تعلیق میں الکتاب کا ذکر ہے اور اس سے مراد قرآن ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد لوح محفوظ ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تورات ہے۔ (عمدة القاری ۱۹ ص ۱۶۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ ابن جریج نے بیان کیا کہ میں نے عطاء سے اس آیت کے متعلق پوچھا کہ پہلے مسلمان اس کافر کو عطا کرتا تھا جس کے ساتھ اس کی رشتہ داری ہوتی تھی۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۷۳)

ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: نبی ﷺ نے ہجرت کی وجہ سے بعض مہاجرین کو بعض انصار کا بھائی بنادیا تھا، وہ ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے، اسی طرح بعض مسلمان دین میں ایک دوسرے کی حمایت کرنے کی وجہ سے دوستی کی بنا پر ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد وارث ہونے کی یہ تمام صورتیں منسوخ ہو گئیں اور صرف رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہونے کی صورت باقی رہ گئی۔ (انوار تبیان القرآن، ص ۶۶۸، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۳۳۱ھ)

۱۔ بَابُ: النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ

أَنْفُسِهِمْ۔ (الاحزاب: ۶)

علامہ عینی نے اس آیت کا یہ معنی لکھا ہے کہ نبی مومنوں سے ہر چیز میں خواہ اس کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے ہو زیادہ حق دار ہے۔

ہے، کیونکہ یہ آیت مطلق ہے اور اس میں کوئی قید نہیں ہے۔

۸۱۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَمْرٍاءَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا مِنْ مُؤْمِنٍ إِلَّا وَأَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ أَفْرَدًا إِنْ شِئْتُمْ ﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ (الاحزاب: ۶) فَالْيَا مُؤْمِنُونَ تَرَكْ مَا لَا فَلَئِنَّهُ عَصَبَتْهُ مَنْ كَانُوا فَإِنْ تَرَكَ فَيُنَا أَوْ صَيَاغًا فَلْيَا تَنِي فَأَنَا مَوْلَاهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن فلیح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از ہلال بن علی از عبدالرحمن بن ابی عمرہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جو بھی مومن ہے میں دنیا اور آخرت میں اس کا لوگوں سے زیادہ حق دار ہوں اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ (الاحزاب: ۶) نبی ایمان والوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے مالک ہیں، پس جس

مومن نے ترکہ میں مال چھوڑا تو اس کے وارث اس کے قریبی
رشتہ دار ہوں گے اور اگر اس نے قرض چھوڑا یا اولاد چھوڑی تو وہ
میرے پاس آئے میں اس کا کفیل ہوں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۲۹۸ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: ضیاع کا معنی ہے: مرنے والے کی اولاد کیونکہ جب ان کے پاس کوئی مال نہیں ہوگا اور نہ کوئی ان کا کفیل ہو
گا تو وہ ضائع ہو جائیں گے، اور موٹی کے معنی ہیں: مددگار۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۶۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: اس حدیث کی شرح ان شاء اللہ کتاب الفرائض میں آئے گی۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۷۳)
۲۔ بَابُ: اَدْعُوهُمْ لِاَبَائِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ
اللّٰهِ۔ (الاحزاب: ۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی
باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو یہ اللہ کے نزدیک
زیادہ انصاف کی بات ہے (الاحزاب: ۵) کی تفسیر

علامہ عینی نے لکھا ہے: کہ اقسط کا معنی ہے: یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عدل کی بات ہے۔

۸۲۷۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ
بْنُ الْمُخْتَارِ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ قَالَ حَدَّثَنِي
سَالِمٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ زَيْدَ
بْنَ حَارِثَةَ مَوْلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَا كُنَّا نَدْعُوهُ
إِلَّا زَيْدَ بْنَ مَحَبٍّ حَتَّى نَزَلَ الْقُرْآنُ اَدْعُوهُمْ لِاَبَائِهِمْ
هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں معلیٰ بن اسد نے حدیث بیان
کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن المختار نے حدیث بیان کی،
انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن عقبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے
کہا: مجھے سالم نے حدیث بیان کی از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما
کہ حضرت زید بن حارثہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے،
ہم ان کو صرف زید بن محمد کہہ کر بلا تے تھے حتیٰ کہ قرآن کی یہ آیت
نازل ہوئی: اَدْعُوهُمْ لِاَبَائِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ (الاحزاب: ۵)
منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو،
یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۳۲۵، سنن ترمذی: ۳۸۴۰-۳۲۲۰، مسند احمد: ۵۳۸۰)

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ: عنقریب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث آئے گی، اس میں ہے کہ جو شخص زمانہ جاہلیت میں کسی کو اپنا بیٹا بنا
لیتا تو لوگ اس کو اسی کی طرف منسوب کر کے پکارتے تھے اور وہ اس کی میراث کا وارث ہوتا تھا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہو گئی۔
(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۶۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس شرح پر کوئی خاص اضافہ نہیں کیا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۷۳)

۳۔ بَابُ: فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ
يَنْتَظَرُ ۚ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۝
(الاحزاب: ۲۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سو ان میں سے بعض نے (شہید
ہو کر) اپنی نذر پوری کر دی اور ان میں سے بعض منتظر
ہیں اور انہوں نے (اپنے وعدہ میں) کوئی تبدیلی نہیں
کی ○ (الاحزاب: ۲۳) کی تفسیر

نَحْبَهُ عَهْدًا۔

نَحْبَهُ کا معنی ہے: اس کا عہد۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَبَيْنَهُمْ مَن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَن يَنْتَظِرُ ۚ وَمَا بَدَلُوا
تَبَدُّلًا ۝ (الاحزاب: ۲۳)

سوان میں سے بعض نے (شہید ہو کر) اپنی نذر پوری کر دی اور
ان میں سے بعض منتظر ہیں، اور انہوں نے (اپنے وعدہ میں) کوئی

تبدیلی نہیں کی ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: النَّحْبُ کا معنی ہے: نذر اور النَّحْبُ کا معنی ہے: الموت، مقاتل سے روایت ہے کہ اس کا معنی ہے: اس کی مدت حیات پوری ہو گئی، پس وہ نذر پوری ہونے کے بعد شہید ہو گیا یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے اپنا عہد پورا کرنے کے لیے اپنی پوری کوشش صرف کی۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۶۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام ابو عبیدہ نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس نے اپنی نذر پوری کی اور النحب کا معنی النفس بھی ہے اور النحب کا معنی بہت بڑا کام بھی ہے اور دوسروں نے کہا: نَحْبُ کا معنی نذر ہے، پھر اس کو ہر چیز کے آخر میں استعمال کیا گیا، اور امام عبدالرزاق نے اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ اس نے عہد پورا کرنے میں اپنی مدت حیات پوری کر دی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا: اے طلحہ! تم ان لوگوں میں سے ہو جنہوں نے اپنے عہد کو پورا کر لیا۔ اس حدیث کی امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے بھی روایت کی ہے اور ان میں اس طرح تطبیق دی جاسکتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو مجاز پر محمول کیا جائے اور قحطی بہ معنی یقحطی ہے یعنی اے طلحہ! تم ان لوگوں میں سے ہو جو اپنی نذر کو پورا کریں گے، اور امام ابن ابی حاتم کی تفسیر میں مذکور ہے کہ ان میں سے حضرت عمار بن یاسر بھی ہیں اور حضرت حمزہ اور ان کے اصحاب بھی ہیں رضی اللہ عنہم اور حضرت انس بن مالک نے کہا: ان میں سے حضرت انس بن النضر بھی ہیں اور امام حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان میں سے حضرت مصعب بن عمیر بھی ہیں۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۷۴)

أَقْطَارُهَا جَوَانِبُهَا الْفِتْنَةُ لَا تَوَهَا لَا عَظُمَا۔
أَقْطَارُهَا: اس کا معنی ہے: اس کی جوانب اور اطراف۔ الْفِتْنَةُ
لَا تَوَهَا یعنی وہ فتنے میں ضرور داخل ہو جاتے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَوْ دَخَلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُيِّلُوا الْفِتْنَةَ
لَا تَوَهَا وَمَا تَلَبَّسُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ۝ (الاحزاب: ۱۴)

اور اگر مدینہ کے چاروں اطراف سے ان پر لشکر حملہ آور ہوتے، پھر
ان سے شرک کو طلب کیا جاتا تو وہ ضرور شرک کر لیتے اور وہ اس میں

ذرا دیر نہ کرتے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کا معنی ہے: اگر کفار کی جماعتیں مدینہ میں داخل ہوتیں اور وہ ان منافقین کو شرک کرنے کا حکم دیتیں تو وہ ان کی بات ماننے میں بالکل دیر نہ کرتے اور اسلام سے (ظاہرًا بھی) مرتد ہو جاتے اور کفر کرتے اور اس آیت میں فتنہ سے مراد شرک ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۶۵)

۸۴۷۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ
بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ ثُمَامَةَ
عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ نَرَىٰ هَذِهِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان
کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن عبد اللہ الانصاری نے حدیث
بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از

الْآیَةُ نَزَلَتْ لِیْ أَنْسِ بْنِ النَّضْرِ (مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ) رَجُلًا صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهُ عَلَیْهِ (الاحزاب: ۲۳)

شمارہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا، ہم یہ گمان کرتے تھے کہ یہ آیت حضرت انس بن النضر کے متعلق نازل ہوئی ہے: مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رَجُلًا صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهُ عَلَیْهِ (الاحزاب: ۲۳) مومنوں میں کچھ ایسے (ہمت والے) مرد ہیں جنہوں نے اس عہد کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۸۰۵ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں، حضرت انس بن النضر الانصاری رضی اللہ عنہ حضرت انس بن مالک انصاری کے چچا ہیں۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۶۶)

ہم نے لکھا ہے کہ ان مومنوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ دین اسلام کی سر بلندی کے لیے آئندہ کفار کے خلاف جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہیں گے اور وہ مسلسل قتال کرتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ شہید ہو جائیں گے، یہ مومنین حضرت عثمان بن عفان، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت سعید بن زید، حضرت حمزہ، حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت انس بن نضر وغیرہم رضی اللہ عنہم تھے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۶۷۱، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۳۳۱ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری انہوں نے کہا: مجھے خارجہ بن زید بن ثابت نے خبر دی کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: جب ہم قرآن مجید کو مصاحف میں لکھ رہے تھے تو میں نے سورۃ الاحزاب کی ایک آیت کو گم پایا جس کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی بار پڑھتے ہوئے سنا تھا، وہ آیت مجھے حضرت خزیمہ الانصاری رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی کے پاس نہیں ملی جن کی شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شہادتوں کے برابر قرار دیا تھا، وہ آیت یہ تھی: مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رَجُلًا صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهُ عَلَیْهِ (الاحزاب: ۲۳) مومنوں میں سے کچھ ایسے (ہمت والے) مرد ہیں جنہوں نے اس عہد کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا۔

۸۳۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنَا خَارِجَةُ بْنُ زَيْدٍ بَنٍ ثَابِتٍ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ لَنَا نَسَخْنَا الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ فَقَدْتُ آيَةً مِنْ سُورَةِ الْأَحْزَابِ كُنْتُ كَثِيرًا أَسْمَعُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقْرَأُهَا لَمْ أَجِدْهَا مَعَ أَحَدٍ إِلَّا مَعَ خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ الَّذِي جَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ شَهَادَتَهُ شَهَادَةً رَّجُلَيْنِ (مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رَجُلًا صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهُ عَلَیْهِ) (الاحزاب: ۲۳)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۸۰۷ میں گزر چکی ہے۔

حضرت خزیمہ بن ثابت کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دینے کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت زید بن ثابت قرآن کو جمع کرنے میں اپنے علم پر اعتماد نہیں کرتے تھے اور نہ اپنے حفظ کے اد پر انحصار کرتے تھے لیکن اس حدیث میں یہ اشکال ہے کہ انہوں نے صرف حضرت خزیمہ سے اس آیت کو سننے پر اکتفا کیا۔

کر لیا حالانکہ قرآن مجید تو اتر سے ثابت ہے اور مجھ پر جو اس کا جواب منکشف ہوا وہ یہ ہے کہ: حضرت زید نے جو کہا کہ میں نے اس آیت کو گم پایا اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ انہوں نے اس کا جو بالکل نہیں پایا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اس آیت کو لکھا ہوا نہیں پایا کیونکہ یہ آیت ان کو بھی حفظ تھی اور دوسروں کو بھی حفظ تھی، اور یہ اس کی دلیل ہے کہ جمع القرآن کی حدیث میں ہے کہ میں قرآن مجید کو کاغذ کے ٹکڑوں اور ہڈیوں پر لکھا ہوا تلاش کرتا تھا جیسا کہ عنقریب فضائل قرآن میں تفصیل سے آئے گا۔

حضرت زید نے کہا کہ حضرت خزیمہ انصاری کی شہادت کو رسول اللہ ﷺ نے دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دیا تھا، اس میں اس قصہ کی طرف اشارہ ہے جس کو امام ابو داؤد اور امام نسائی نے حضرت خزیمہ کے چچا سے روایت کیا ہے اور وہ بھی صحابی ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک اعرابی سے گھوڑا، خریدا پھر نبی ﷺ اس گھوڑے کی قیمت لینے گھر گئے، نبی ﷺ جلدی جلدی جا رہے تھے اور اعرابی آہستہ آہستہ چل رہا تھا، پھر دوسرے لوگوں نے اس اعرابی سے گھوڑے کی قیمت پوچھی حتیٰ کہ اس کی قیمت میں اضافہ کیا، پھر جب نبی ﷺ اس کی قیمت لے کر آئے تو اس اعرابی نے کہا: آپ اس پر گواہ لائیں کہ میں نے اس گھوڑے کی آپ کے ساتھ بیچ کی ہے، پھر مسلمانوں میں سے کسی شخص نے کہا: تجھ پر افسوس ہے، کیا تجھے نہیں معلوم کہ نبی ﷺ حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتے حتیٰ کہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ اس موقع پر آئے اور انہوں نے یہ بحث سنی تو انہوں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے اس گھوڑے کی رسول اللہ ﷺ سے بیچ کر دی تھی، ان سے نبی ﷺ نے پوچھا کہ تم کس بناء پر گواہی دے رہے ہو؟ انہوں نے کہا: آپ کی نبوت کی تصدیق کی بنا پر تو نبی ﷺ نے حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دے دیا، اور امام طبرانی کی روایت میں ہے کہ اس اعرابی کا نام سواد بن الحارث تھا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۷۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ جس آیت کو حضرت خزیمہ نے گم پایا تھا اس کی تعیین میں تعارض ہے

علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ جس آیت کو حضرت زید بن ثابت نے گم پایا تھا وہ یہ تھی: **مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ (الاحزاب: ۲۳)** اور یہ بھی کہا گیا ہے: جو آیت حضرت خزیمہ نے گم پائی تھی وہ سورہ توبہ کی آخری آیت تھی جو صرف خزیمہ کے پاس سے ملی تھی۔ اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہاں حصر کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ صرف ایک آیت حضرت زید کو نہیں ملی تھی جو صرف حضرت خزیمہ کے پاس تھی اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ یہ دونوں آیتیں صرف حضرت خزیمہ کے پاس لکھی ہوئی ہوں اور دوسروں کے پاس لکھی ہوئی نہ ہوں، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ پہلا واقعہ اس وقت کا ہے جب صحابہ اس آیت کو ہڈیوں وغیرہ سے تلاش کر کے مصحف میں نقل کر رہے تھے اور دوسرا واقعہ اس وقت کا ہے جب صحابہ آیتوں کو ایک مصحف سے دوسرے مصحف میں نقل کر رہے تھے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نبی ﷺ کے اختیار اور وسعت علم کی دلیل

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں ایک تو نبی ﷺ کے اختیار اور آپ کے شارع ہونے پر دلیل ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَأَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا اور تم اپنے مردوں میں سے دو گواہ بناؤ، تو پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں۔ (البقرہ: ۲۸۲)

اور نبی ﷺ نے بہ ظاہر اس آیت کے خلاف صرف حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دے دیا۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کو اس کا علم تھا کہ اس آیت میں جو دو مردوں کی شہادت کا قاعدہ بیان فرمایا ہے اس سے حضرت

خزیمہ مستثنیٰ ہیں، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ علم نبوت میں یہ بات تھی کہ ایک وقت آئے گا کہ سورۃ احزاب کی اور سورۃ توبہ کی ایک آیت حضرت خزیمہ کے سوا اور کسی کے پاس سے نہیں ملے گی تو اگر آپ حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار نہ دیتے تو یہ آیتیں قرآن مجید میں درج ہونے سے رہ جاتیں، سو جس طرح یہ حدیث آپ کے اختیار کی دلیل ہے اسی طرح آپ کے علم کی وسعت کی بھی دلیل ہے۔ اس نکتہ کو بیان کرنے میں اللہ کے فضل و کرم سے یہ ناکارہ مفرد ہے۔

۴۔ بَابُ: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَّا زَوْجَكَ إِنِ

كُنْتُمْ تُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ

أُمْتِعْكُمْ وَأَسْرِ حُكْنَ سَرَاحًا

جَبِيلًا ⑤ (الاحزاب: ۲۸) رخصت کر دوں ⑥ (الاحزاب: ۲۸) کی تفسیر

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: مفسرین نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات آپ سے دنیا کا ساز و سامان اور خرچ میں اضافہ کو طلب کرتی تھیں اور آپ کو اس سے تکلیف پہنچتی تھی اور آپ نے ایک مہینے تک ان کے قریب نہ آنے کی قسم کھالی اور آپ اپنے اصحاب کی طرف بھی نہیں گئے، تب یہ آیت نازل ہوئی، جس میں مذکور ہے کہ اگر دنیا کی زندگی اور زینت یعنی دنیا میں کشدگی اور مال کی کثرت چاہتی ہو تو آؤ یعنی تم اپنے اختیار اور ارادے سے آؤ میں تم کو طلاق دے کر رخصت کر دوں۔

ازواج مطہرات کو اختیار دینے کا معنی اور ان کو اختیار دینے کا سبب

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ آپ نے جو ازواج مطہرات کو اختیار دیا تھا اس کا کیا معنی ہے؟ حسن بصری اور قتادہ نے کہا: آپ نے ان کو دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار دیا تھا، پس اگر وہ دنیا کو اختیار کرتیں تو آپ ان سے الگ ہو جاتے اور اگر وہ آخرت کو اختیار کرتیں تو آپ ان کو اپنے پاس رکھتے اور آپ نے ان کو طلاق میں اختیار نہیں دیا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور مجاہد، شعبی اور مقاتل نے کہا ہے: بلکہ آپ نے ان کو طلاق کے درمیان اور آپ کے ساتھ رہنے کے درمیان اختیار دیا تھا اور اس وقت آپ کے نکاح میں نو (۹) ازواج مطہرات تھیں، پانچ (۵) قریش میں سے تھیں: (۱) حضرت عائشہ بنت ابی بکر (۲) حضرت حفصہ بنت عمر (۳) حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان (۴) حضرت سودہ بنت زمعہ (۵) حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ، اور باقی چار یہ ہیں: (۶) حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب الخیر یہ (۷) حضرت میمونہ بنت الحارث الہلالیہ (۸) حضرت زینب بنت جحش الاسدیہ (۹) حضرت جویریہ بنت الحارث المصطلقیہ۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ ازواج مطہرات کو اختیار دینے کا کیا سبب تھا؟ پس ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اختیار دیا تھا کہ آپ دنیا کا ملک رکھیں یا آخرت کی نعمتیں رکھیں تو آپ نے بھی اپنی ازواج مطہرات کو یہ اختیار دیا تھا تا کہ ان کا حال بھی آپ کے حال کی طرح ہو جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ آپ کے اوپر غیرت کرتی تھیں تو آپ ایک مہینے کے لیے ان سے الگ ہو گئے، تیسرا قول یہ ہے کہ ایک دن ازواج مطہرات جمع ہوئیں، پس انہوں نے کہا: ہم بھی دوسری عورتوں کی طرح زیورات چاہتی ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض نے کہا: اگر ہم نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور کے پاس ہوتیں تو ہمارے پاس بہت عمدہ کپڑے ہوتے، بہت نفیس زیورات ہوتے۔ (مصنف اس قول سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہے)، چوتھا قول یہ ہے کہ ازواج مطہرات میں سے ہر ایک نے کچھ نہ کچھ طلب کیا جس کی بظاہر آپ کے پاس استطاعت نہ تھی، پس حضرت ام سلمہ نے ایک منقش لباس کو طلب کیا اور

حضرت میمونہ نے حلہ یمانہ کو طلب کیا اور حضرت زینب نے دھاری دار کپڑوں کو طلب کیا جو کہ بمعنی چادریں ہیں اور حضرت ام حبیبہ نے سوتی کپڑے کو طلب کیا اور حضرت حفصہ نے مصری کپڑوں کو طلب کیا اور حضرت جویریہ نے سر پر باندھنے کے کپڑوں کو طلب کیا اور حضرت سودہ نے خیبر کی چادر طلب کی سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے، انہوں نے کوئی چیز طلب نہیں کی۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۶۷-۱۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مَعْمَرُ الشَّبُكُجُ أَنْ تُخْرِجَ مَخَاسِنَهَا۔
معمر نے کہا: الشَّبُكُجُ کا معنی یہ ہے کہ عورت اپنے حسن اور اپنی
زیبائش کو ظاہر کرے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى۔ (الاحزاب: ۳۳)
اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور قدیم جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ
سنگھار کی نمائش نہ کرو۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد اور قتادہ نے کہا کہ تَبَرُّجُجُ کا معنی ہے: تَبَهَّجْتُ یعنی ناز سے چلنا اور نخرے دکھانا۔
سُنَّةُ اللَّهِ اس سے مراد وہ معمول اور وہ طریقہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ
نے مقرر کیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
سُنَّةُ اللَّهِ فِي الْبَيْنِ خَلَّوْا مِنْ قَبْلُ۔ (الاحزاب: ۳۳)
جو لوگ اس سے پہلے گزر چکے ہیں ان میں بھی اللہ کا یہی دستور تھا۔
علامہ عینی لکھتے ہیں: کتب تفسیر میں مذکور ہے: مثل ”اللہ کی سنت کے“ یعنی اس کے دستور کی مثل، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا
معنی یہ ہے کہ تم اللہ کے دستور کی پیروی کرو، نیز فرمایا: جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں، اس سے مراد ہے: گزشتہ انبیاء علیہم السلام کا جو طریقہ
اور دستور رہا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس میں نکاح کی سنت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۶۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الیمان نے حدیث بیان
کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے
کہا: مجھے ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا،
زوجہ نبی ﷺ نے ان کو خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ ان کے
پاس تشریف لائے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا کہ اپنی
ازواج کو یہ اختیار دیں تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے سے ابتداء
کی، آپ نے فرمایا: بے شک میں تمہارے سامنے ایک بات کا
ذکر کرتا ہوں، پس تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم عجلت (نہ) کرو حتیٰ کہ تم
اپنے والدین سے مشورہ کر لو حالانکہ آپ کو خوب علم تھا کہ میرے
والدین مجھے آپ سے الگ ہونے کا مشورہ نہیں دیں گے، حضرت
عائشہ نے بیان کیا: پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

۴۷۸۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ
الرُّمَيْثِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ
عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا زَوَّجَ النَّبِيَّ ﷺ أَخْبَرْتُهُ
أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ جَاءَهَا حِينَ أَمَرَهُ اللَّهُ أَنْ يُخَيَّرَ
أَزْوَاجَهُ فَبَدَأَ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ إِنِّي ذَاكِرٌ
لَكَ أَمْرًا فَلَا عَلَيْكَ أَنْ لَا تَسْتَعْجِلِي حَتَّى تَسْتَأْمِرِي
أَبِيكَ وَقَدْ عَلِمَ أَنَّ أَبَوَيْ لَمْ يَكُونَا يَأْمُرَانِي بِفِرَاقِهِ
قَالَتْ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللَّهَ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ
إِنِّي تَسَامَرُ الْآيَتَيْنِ فَقُلْتُ لَهُ فَعِنِّي أَيْ هَذَا أَسْتَأْمِرُ أَبَوَيْ
قِيَانِي أَرِيدُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالْذَّارَ الْآخِرَةَ۔

ہے: اے نبی! آپ اپنی ازواج سے کہیے: (پوری دو آیتیں) میں نے عرض کیا: پس میں کس چیز کا اپنے والدین سے مشورہ کروں، پس بے شک میں اللہ کا اور اس کے رسول کا اور دار آخرت کا ارادہ کرتی ہوں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۸۶۷۳ میں آ رہی ہے۔

۵۔ بَابُ: وَإِنْ كُنْتُمْ تُرْذَنَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُمْ أَجْرًا عَظِيمًا (الاحزاب: ۲۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اگر تم اللہ کا ارادہ کرتی ہو اور اس کے رسول کا اور آخرت کے گھر کا تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے (الاحزاب: ۲۹) کی تفسیر

وَقَالَ تَتَادَعُ وَادْكُرْنَ مَا يُشَلِّي بِيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ الْقُرْآنِ وَالْحِكْمَةُ السُّنَّةُ۔

قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کی تلاوت کی جاتی ہے ان کو یاد کرتی رہو۔ (الاحزاب: ۳۳) یعنی قرآن اور سنت کو یاد کرتی رہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ: امام ابی حاتم نے اس تعلیق کو از معمر از قتادہ سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام عبد الرزاق کی روایت بھی اسی طرح ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۷۶)

۸۶۷۳۔ وَقَالَ الثَّيْثُ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنْ ابْنِ شَهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ لَمَّا أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِتَخْيِيرِ أَرْوَاجِهِ بَدَأَ بِي فَقَالَ إِنِّي ذَاكِرٌ لَكَ أَمْرًا فَلَا عَلَيْكَ أَنْ لَا تَعْجَلِي حَتَّى تَسْتَأْمِرِي أَبَوَيْكَ قَالَتْ وَقَدْ عَيْمَ أَنَّ أَبَوَيْي لَمْ يَكُونَا يَأْمُرَانِ بِفِرَاقِهِ قَالَتْ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللَّهَ جَلَّ شَأْؤُهُ قَالَ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأَرْوَاجُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تُرْذَنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا إِلَى أَجْرٍ عَظِيمًا﴾ (الاحزاب: ۲۸-۲۹) قَالَتْ فَقُلْتُ فَبِئْسَ أَتَى هَذَا أَسْتَأْمِرُ أَبَوَيْي لَمَّا أَرِيدُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ قَالَتْ ثُمَّ فَعَلَ أَرْوَاجُ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَ مَا فَعَلْتُ تَابَعَهُ مُوسَى بْنُ أَعْيَنَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الْأُضْرَبِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ وَقَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَأَبُو سَفْيَانَ السَّعْمَرِيُّ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الْأُضْرَبِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ

اور لیث نے کہا: مجھے یونس نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبد الرحمن نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، نبی ﷺ کی زوجہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنی ازواج کو اختیار دیں تو آپ نے مجھ سے ابتداء کی، پس آپ نے فرمایا: میں تم سے ایک بات کا ذکر کرتا ہوں، سو اگر تم جلدی نہ کرو تو کوئی حرج نہیں ہے حتیٰ کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کرلو، حضرت عائشہ نے کہا: حالانکہ آپ کو خوب علم تھا کہ میرے والدین مجھے آپ سے الگ ہونے کا مشورہ نہیں دیں گے، پھر آپ نے فرمایا کہ بے شک اللہ جل شأؤہ نے فرمایا: اے نبی! اپنی بیویوں سے کہیے: کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ (یہ آیت اجزا عظیمات پر تھیں)، حضرت عائشہ نے بیان کیا: میں نے کہا: پس میں کس چیز میں اپنے والدین سے مشورہ کروں، پس بے شک میں اللہ کا ارادہ کرتی ہوں اور رسول کا ارادہ کرتی ہوں اور آخرت کے گھر کا ارادہ کرتی ہوں۔

عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا۔

حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ پھر نبی ﷺ کی دیگر ازواج نے بھی اسی کی مثل کیا۔ موسیٰ بن امین نے لیث کی متابعت کی ہے از معمر از زہری، انہوں نے کہا: مجھے ابو سلمہ نے خبر دی اور عبدالرزاق، ابوسفیان المعمری نے از معمر روایت کی ہے از زہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

ازواج مطہرات کو اختیار دینے کے متعدد اسباب اور ان کے درمیان تطبیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ازواج کو اختیار دینے کا سبب یہ تھا جیسا کہ امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اجازت لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم دیکھ رہے ہو میرے گرد یہ ازواج بیٹھی ہوئی ہیں اور مجھ سے خرچ کا سوال کر رہی ہیں اور اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ آپ اپنی ازواج سے ایک مہینہ الگ رہے، پھر آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: اے نبی! آپ اپنی ازواج سے کہیے اور یہ آیت اجر عظیم تک ہے (الاحزاب: ۲۹-۲۸) پھر آپ نے عائشہ سے ابتداء کی جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے، اور کتاب النکاح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ایک طویل حدیث آئے گی جس میں ان دو ازواج کا قصہ ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے موافقت نہیں کی تھی، جب حضرت حفصہ نے نبی ﷺ کا راز حضرت عائشہ کو بتا دیا تھا اور آپ نے ان پر شدید غم و غصہ کی وجہ سے فرمایا تھا کہ میں ازواج کے پاس ایک ماہ تک نہیں جاؤں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر عتاب فرمایا، پھر جب اکتیس (۲۹) دن گزر گئے تو آپ حضرت عائشہ کے پاس گئے اور ان سے ابتداء کی، انہوں نے عرض کیا کہ آپ نے تو فرمایا تھا کہ آپ ایک ماہ تک ہمارے پاس نہیں آئیں گے تو نبی ﷺ نے فرمایا: مہینہ اکتیس (۲۹) دن کا بھی ہوتا ہے اور وہ مہینہ اکتیس دن کا تھا، حضرت عائشہ نے بیان کیا: پھر آپ پر اختیار دینے کی آیت نازل ہو گئی تو پھر آپ نے اپنی ازواج میں سے سب سے پہلے مجھ سے ابتداء کی، آپ نے فرمایا: میں تم سے ایک بات کا ذکر کرتا ہوں اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم کوئی جلدی نہ کرو، اس سیاق سے یہ ظاہر ہے کہ یہ پوری روایت حضرت ابن عباس از حضرت عمر مروی ہے، اور جو روایت حضرت عائشہ سے مروی ہے وہ بھی حضرت ابن عباس سے مروی ہے اور اس کی تصریح تفسیر ابن ابی حاتم میں مذکور ہے لیکن امام مسلم کی روایت میں زیادہ بہتر تفصیل ہے، اس طویل حدیث میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عمر نے ان دو ازواج کا قصہ بیان کیا جنہوں نے آپ سے موافقت نہیں کی تھی، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر عتاب فرمایا، عروہ نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ جب اکتیس (۲۹) دن گزر گئے، پھر اس میں ذکر ہے کہ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! میں تم سے ایک بات کا ذکر کرتا ہوں اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم کوئی جلدی نہ کرو حتیٰ کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کر لو، الحدیث۔ پس یہ دونوں حدیثیں اس پر متفق ہیں کہ اختیار دینے کی آیت اس وقت نازل ہوئی جب ان سے الگ ہونے کے بعد ایک مہینہ گزر گیا اور یہ دونوں حدیثیں ازواج سے الگ ہونے کے سبب میں مختلف ہیں۔ ایک حدیث میں یہ بیان ہے کہ اس کا سبب یہ تھا کہ ازواج نے خرچ میں اضافہ کا سوال کیا تھا اور دوسری حدیث میں یہ ہے کہ ازواج سے الگ ہونے کا سبب یہ ہے کہ دو ازواج نے آپ کے ساتھ موافقت نہیں کی تھی، جب حضرت حفصہ نے آپ کا راز حضرت عائشہ کو بتا دیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت کتاب النکاح اور کتاب المظالم میں ہے اور ان میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں باتیں ازواج سے الگ ہونے کا سبب ہوں۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۷۶، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

آپ نے جوازِ وِاج کو اختیار دیا تھا آیا یہ اختیار دنیا اور آخرت کے درمیان تھا یا ان کو طلاق دینے اور نکاح کو برقرار رکھنے کے درمیان تھا؟

اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے جوازِ وِاج کو اختیار دیا تھا یا دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار تھا یا طلاق دینے اور آپ کے پاس رہنے کے درمیان اختیار تھا، علامہ الماوردی نے کہا ہے: اس میں علماء کے دو قول ہیں اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ طلاق دینے اور آپ کے پاس رہنے کے درمیان اختیار تھا، اسی طرح امام شافعی اور علامہ قرطبی نے کہا ہے۔ اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق ہے کہ ایک امر دوسرے امر کو لازم ہے گویا کہ آپ نے ان کو یہ اختیار دیا کہ آپ ان کو طلاق دے دیں اور یہ گویا ان کو دنیا کا اختیار دیا، اور آپ نے ان کو آخرت کا اختیار دیا کہ آپ ان کو اپنے نکاح میں رکھیں، پھر مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ ان دونوں قولوں کا محمل یہ ہے کہ آیا آپ نے ان کو طلاق تفویض کر دی تھی یا نہیں؟ اسی وجہ سے امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ازواج کو صرف دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار دیا تھا۔

حضرت ام رومان کے نو (۹) ہجری تک زندہ رہنے پر دلیل

امام احمد اور طبری کی روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کر لو یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت ام رومان سے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس وقت حضرت ام رومان حیات تھیں، اور یہ اختیار دینے کا واقعہ نو (۹) ہجری کا ہے، اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت ام رومان چھ (۶) ہجری میں فوت ہو گئی تھیں۔

اختیار دینے کے واقعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو اختیار دینے کی ابتداء کی تھی اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کی دلیل ہے اور حضرت عائشہ نے فرمایا: آپ کو معلوم تھا کہ میرے ماں باپ مجھے آپ سے الگ ہونے کا مشورہ نہیں دیں گے، اس میں ان کی ذہانت کی دلیل ہے اور ان کی عقل کے کمال اور ان کی رائے کی صحت کی دلیل ہے اس کے باوجود کہ وہ بہت کم عمر تھیں اور غیرت کامل عقل والی کو بھی نامناسب بات کہہ دینے پر برا بیخود کرتی ہے، اس لیے حضرت عائشہ نے کہا: آپ دوسری ازواج کو یہ نہ بتائیں کہ میں نے کیا جواب دیا، لیکن چونکہ نبی ﷺ کو یہ علم تھا کہ عورتوں میں جو طبعاً غیرت ہوتی ہے اور وہ سو کنوں کا بھلا نہیں چاہتیں، اس وجہ سے حضرت عائشہ نے یہ کہا ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کے کہنے پر عمل نہیں کیا۔

آیا اپنی ازواج کو اختیار دینا طلاق ہے یا نہیں

بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ اپنی ازواج کو طلاق یا اپنے نکاح میں رکھنے کا اختیار دینا یہ نبی ﷺ کے خصائص میں سے ہے لیکن اس حدیث میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جو اس اختیار کو نبی ﷺ کے ساتھ اختصاص پر دلالت کرے، ہاں! بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ نبی ﷺ کے حق میں یہ اختیار طلاق اور نکاح میں برقرار رکھنے کے درمیان نہیں تھا اور امت کے حق میں اختیار دینا طلاق اور نکاح میں برقرار رکھنے کے درمیان ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپا رہے تھے جس کو اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ کو

۶۔ بَابُ: وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ

مُبْدِيهِ وَتُخْفِي النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ

أَنْ تَخْشَهُ۔ (الاحزاب: ۳۷)

لوگوں کے طعنوں کا اندیشہ تھا اور اللہ آپ کے خوف کا زیادہ مستحق ہے۔ (الاحزاب: ۳۷) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کے شروع کا حصہ یہ ہے:

وَ إِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَهُ۔

(الاحزاب: ۳۷)

اور اے رسول مکرم! یاد کیجئے جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا ہے اور آپ نے بھی اس پر انعام کیا ہے کہ تم اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رہنے دو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپا رہے تھے جس کو اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ کو لوگوں کے طعنوں کا اندیشہ تھا اور اللہ آپ کے خوف کا زیادہ مستحق ہے۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کے قصہ کے متعلق علامہ عینی کی عبارت

یہ آیت حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے متعلق نازل ہوئی ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا اور اس کا قصہ کتب تفسیر میں مذکور ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کے گھر کسی کام سے گئے تو آپ نے ان کی بیوی حضرت زینب بنت جحش کو دیکھا جو اپنی قمیص پہنے اور اپنا دود پٹا اوڑھے کھڑی تھیں تو وہ آپ کو اچھی لگیں تو گویا کہ وہ آپ کے دل میں اتر گئیں تو آپ نے فرمایا: سبحان اللہ دلوں کو پلٹنے والے، اور آپ واپس چلے گئے تو حضرت زینب نے حضرت زید سے یہ واقعہ ذکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت زید کے دل میں ان کی کراہت ڈال دی تو انہوں نے حضرت زینب کو طلاق دینے کا ارادہ کیا، پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، سو کہا: میں اپنی بیوی سے الگ ہونے کا ارادہ کر رہا ہوں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا: اور یاد کرو جب آپ اس شخص سے کہتے تھے جس پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی اس کو اسلام کی توفیق دی ہے اور وہ شخص حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے اور آپ نے بھی اس پر انعام فرمایا یعنی آپ نے ان کو آزاد کر دیا اور فرمایا: آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپاتے تھے یعنی اگر حضرت زید بن حارثہ نے حضرت زینب کو طلاق دے دی اور آپ نے ان سے نکاح کر لیا، اور حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے کہ آپ اپنے دل میں حضرت زینب کی محبت کو چھپاتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر فرمانے والا ہے اور آپ کو لوگوں کے طعنوں کا اندیشہ تھا یعنی آپ لوگوں سے حیاء فرماتے تھے، حضرت ابن عباس اور حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ آپ کو یہ خوف تھا کہ لوگ یہ کہیں گے کہ آپ نے اس مرد کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے، پھر جب اس نے طلاق دے دی تو آپ نے ان سے نکاح کر لیا، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ کے اوپر اس سے زیادہ سخت آیت نازل نہیں ہوئی کہ اللہ آپ کے خوف کا زیادہ مستحق ہے، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے اور اللہ سے نہیں ڈرتے تھے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ آپ صرف اس سے ڈریں اور اللہ کے سوا اور کسی سے نہ ڈریں، اور آپ اللہ ہی سے ڈرتے تھے لیکن آپ کو لوگوں کے طعنوں کا بھی اندیشہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ اپنا خوف صرف اللہ کے لیے رکھیں، اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حال پر کوئی طعن نہیں ہے کیونکہ بندے کے دل میں جو خیالات آئیں اس پر اسے کوئی ملامت نہیں کی جاتی جب تک کہ وہ اس میں کسی گناہ کا ارادہ نہ

کرے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۷۸۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ حَدَّثَنَا
مُعَیُّ بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ
عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ هَذِهِ الْآيَةَ
﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ﴾ (الاحزاب: ۳۷)
نَزَلَتْ فِي شَأْنِ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَزَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ۔
(صحیح البخاری: ۷۴۲۰، سنن ترمذی: ۳۲۱۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبد الرحیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معلیٰ بن منصور نے حدیث بیان کی از حماد بن زید، انہوں نے کہا: ہمیں ثابت نے حدیث بیان کی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہ بے شک یہ آیت: ﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ﴾ (الاحزاب: ۳۷) اور آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپاتے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر فرمانے والا تھا۔ حضرت زینب بنت جحش اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کے قصہ کے متعلق حافظ ابن حجر کی عبارت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب التوحید میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت زینب کی شکایت کرتے ہوئے آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرما رہے تھے: تم اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو، حضرت انس نے کہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کو چھپانے والے ہوتے تو اس آیت کو چھپا لیتے۔ حضرت انس نے بیان کیا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی دوسری ازواج مطہرات کے اوپر فخر کیا کرتیں تھیں (الحديث) اور امام ابن ابی حاتم نے اس قصہ کو سنی کی سند سے زیادہ عمدہ اور وضاحت سے بیان کیا ہے اور اس کی عبارت یہ ہے: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ آیت حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے متعلق نازل ہوئی ہے اور ان کی والدہ عمیرہ بنت عبد المطلب تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ کیا کہ وہ حضرت زینب کا نکاح حضرت زید بن حارثہ سے کر دیں جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے، پہلے انہوں نے اس رشتہ کو ناپسند کیا، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز پر راضی ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کا نکاح حضرت زید سے کر دیا، پھر اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ زید بن حارثہ سے حضرت زینب کے نکاح کے بعد حضرت زینب آپ کے نکاح میں داخل ہو جائیں گی تو آپ اس سے حیا فرماتے تھے کہ آپ حضرت زید بن حارثہ کو یہ حکم دیں کہ وہ حضرت زینب کو طلاق دیں اور حضرت زید بن حارثہ اور حضرت زینب کے درمیان مسلسل لڑائی جھگڑتے رہتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رکھیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں، اور آپ کو یہ خدشہ تھا کہ لوگ آپ کو یہ طعنہ دیں گے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کی بیوی سے خود نکاح کر لیا کیونکہ آپ حضرت زید کو اپنا بیٹا بنا چکے تھے اور امام ابن ابی حاتم نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ بے شک حضرت زینب آپ کی ازواج میں داخل ہو جائیں گی، پس جب آپ کے پاس حضرت زید حضرت زینب کی شکایت کرنے کے لیے آئے تو آپ نے ان سے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رکھو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تمہیں خبر دے چکا ہوں کہ بے شک میں تمہارا نکاح ان سے کر دوں گا اور آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپاتے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا۔ اور حکیم ترمذی نے اس روایت کو ثابت کرنے کے لیے بہت طویل بحث کی ہے اور کہا ہے کہ یہ پوشیدہ علم کے جواہر میں سے ہے

رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید سے فرمایا: تم حضرت زینب کے پاس جا کر میرا ذکر کرو، انہوں نے کہا: پس میں گیا اور میں نے کہا: اے زینب! تمہیں مبارک اور خوش خبری ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا ہے اور وہ تمہارا ذکر فرما رہے تھے، انہوں نے کہا: میں اس وقت تک کچھ نہیں کروں گی حتیٰ کہ اپنے رب سے مشورہ کر لوں، پس حضرت زینب کھڑی ہو کر اپنے نماز پڑھنے کی جگہ گئیں اور قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہو گئی:

فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا۔ (الاحزاب: ۳۷) پھر جب زید نے اس کو طلاق دے کر اپنی غرض پوری کر لی تو ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا اس سے نکاح کر دیا۔

اور رسول اللہ ﷺ ان کے پاس بغیر اجازت کے داخل ہو گئے اور یہ اس واقعہ کا سب سے پہلے قصہ ہے، اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ عورت کے لیے استخارہ کرنا مستحب ہے، اور وہ منگنی کو قبول کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور یہ کہ جو اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس چیز کو آسان کر دیتا ہے جس کا اس کے لیے اس کی دنیا اور آخرت کے لیے زیادہ نفع ہو۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۷۹-۷۸۰، دارالعرف، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۔ بَابُ: تُزَوِّجُ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُمْ وَتُثَوِّقُ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمِنْ ابْتِغَاءِ مَثَنٍ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ۔ (الاحزاب: ۳۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ان ازواج میں سے جن کو چاہیں خود سے دور رکھیں اور جن کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں اور جس بیوی سے آپ الگ ہو چکے ہیں اگر آپ اس کو (پھر) طلب کر لیں تو آپ پر کوئی تنگی نہیں ہے (الاحزاب: ۵۱) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں، مفسرین میں سے الواحدی نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت ازواج کو اختیار دینے کی آیت کے بعد نازل ہوئی ہے کیونکہ بعض ازواج مطہرات اس سے ڈریں کہ آپ ان کو طلاق دے دیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ازواج کی باریوں کی تقسیم کو آپ کے سپرد کر دیا اور فرمایا: تُزَوِّجُ مَنْ تَشَاءُ یعنی آپ جس کو چاہیں موخر کر دیں وَتُثَوِّقُ یعنی آپ جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں، ازواج کے معاملہ کو آپ کے سپرد کر دیا یعنی آپ جس کو چاہیں اس کی باری موخر کر دیں اور جس کو چاہیں اس کی باری سے پہلے اپنے پاس بلا لیں آپ پر اس میں کوئی تنگی نہیں ہے، اس آیت میں آپ کو تمام مردوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۷۰)

قال ابن عباس تزوجی تزوجی از جنہ أخرہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تزوجی کا معنی ہے: آپ موخر کر دیں، از جنہ کا معنی ہے: تم اس کو موخر کر دو۔

حضرت ابن عباس نے جو تزوجی کا معنی بیان کیا ہے اس کو امام ابن حاتم نے سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس حکم کے ساتھ سیدنا رسول اللہ ﷺ کو خاص کر دیا گیا ہے اور امام بخاری نے جو یہ کہا ہے کہ از جنہ کا معنی ہے کہ تم اس کو موخر کر دو تو از جنہ کا لفظ سورة الاعراف اور سورة الشعراء میں ہے اور امام بخاری نے اس کو یہاں تبعاً ذکر کر دیا ہے۔

۸۸۔ حَدَّثَنَا زَكْرِيَاءُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ سَأَلْتُ حَدَّثَنَا عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ أَغَارُ عَلَى النَّبِيِّ وَهَبَنَ أَنْفُسَهُنَّ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے زکریاء بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی: ہشام نے کہا: انہوں نے ہمیں اپنے والد سے حدیث بیان کی از حضرت

لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَقُولُ أَتَهَبُ الْمَرْأَةَ نَفْسَهَا
فَلَمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿تُرْجَىٰ مِنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوَىٰ
إِلَيْكَ مِنْ تَشَاءُ ۖ وَمِنْ ابْتِغَايَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْكَ﴾ (الاحزاب: ۵۱) قُلْتُ مَا أَرَىٰ رَبَّكَ إِلَّا
يُسَارِعُ فِي هَوَاكَ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۱۳، صحیح مسلم: ۱۳۶۳، سنن نسائی: ۳۱۹۰)

عائشہ رضی اللہ عنہا، انہوں نے کہا: مجھے ان عورتوں پر غیرت آتی تھی جو
اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے لیے ہبہ کرتی تھیں اور میں کہتی
تھی: کیا کوئی عورت اپنا نفس ہبہ کر سکتی ہے، پس جب اللہ تعالیٰ
نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿تُرْجَىٰ مِنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوَىٰ إِلَيْكَ
مِنْ تَشَاءُ ۖ وَمِنْ ابْتِغَايَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ﴾
(الاحزاب: ۵۱) ان ازواج میں سے آپ جن کو چاہیں خود سے دور
رکھیں اور جن کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں اور جس بیوی سے
آپ الگ ہو چکے ہیں اگر آپ اس کو (پھر) طلب فرمائیں تو آپ
پر کوئی تنگی نہیں ہے۔ تو میں نے کہا کہ میں دیکھتی ہوں کہ آپ کا
رب آپ کی خواہش پوری کرنے میں بہت جلدی کرتا ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی اور اپنا نفس ہبہ کرنے والی عورتوں کا بیان

میں ان پر غیرت کرتی تھی: اس کا معنی ہے: میں ان پر عیب لگاتی تھی۔

اور جو اس حدیث میں ہے کہ جو عورتیں اپنا نفس ہبہ کرتی تھیں: اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہبہ کرنے والی عورتیں ایک سے زیادہ
تھیں۔ امام ابن ابی حاتم کی روایت ہے کہ ان عورتوں میں سے خولہ بنت حکیم تھیں اور الشعی کی روایت ہے کہ ان عورتوں میں سے ام
شریک تھیں اور ابو عبیدہ کی روایت ہے کہ ان عورتوں میں سے فاطمہ بنت شریح تھیں اور بعض کی روایت ہے کہ ان عورتوں میں سے
لیلیٰ بنت الحطیم تھیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ان عورتوں میں سے میمونہ بنت الحارث تھیں۔

حضرت عائشہ نے کہا: میں دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش پوری کرنے میں جلدی کرتا ہے: یعنی اللہ تعالیٰ بغیر کسی
تاخیر کے وہ کام کر دیتا ہے جس کو آپ پسند کرتے ہیں اور جس سے آپ راضی ہوتے ہیں۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۷۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

جن عورتوں نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کیا تھا ان کے متعلق احادیث

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عنقریب کتاب النکاح میں یہ حدیث آئے گی کہ ایک عورت نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا
(الحدیث) اور اس حدیث میں اس مرد کا قصہ ہے جس نے ان کو طلب کیا تھا تو آپ نے فرمایا: جا کر اس کا مہر تلاش کرو خواہ وہ لوہے
کی ایک انگوٹھی ہو اور حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور آپ سے عرض کیا: میری ایک بیٹی
ہے، پھر اس نے اس کا حسن و جمال ذکر کیا اور کہا: میں نے اس کو آپ کے لیے پسند کر لیا تو آپ نے فرمایا: میں اس کو قبول نہیں کرتا،
پھر وہ اس کا ذکر کرتی رہی حتیٰ کہ کہا: اس کے سر میں کبھی درد نہیں ہوا، آپ نے فرمایا: مجھے تمہاری بیٹی کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس
حدیث کی امام احمد نے بھی روایت کی ہے اور یقیناً یہ کوئی اور عورت ہے، اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت عائشہ کی اس روایت میں
کہا ہے: جس عورت نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کیا تھا وہ خولہ بنت حکیم تھی اور عنقریب کتاب النکاح میں اس پر بحث آئے گی، کیونکہ امام
بخاری نے اس کی طرف اپنی تعلیق میں اشارہ کیا ہے، اور امام نسائی نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ اپنا نفس ہبہ کرنے والیوں میں ام

شریک تھیں اور امام ابو عبیدہ سے معمر نے روایت کی ہے کہ اپنا نفس ہبہ کرنے والوں میں فاطمہ بنت شریح تھیں اور ایک قول ہے کہ لیلیٰ بنت الحطیم بھی ان عورتوں میں سے تھیں جنہوں نے اپنا نفس ہبہ کیا تھا اور شعبی سے روایت ہے کہ ان عورتوں میں سے زینب بنت خزیمہ بھی تھیں اور یہ ثابت نہیں ہے، اور قتادہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ان عورتوں میں سے میمونہ بنت الحارث تھیں مگر اس حدیث کی سند منقطع ہے، مگر یہ ایک اور ضعیف سند سے مروی ہے اور اس کے معارض یہ ہے کہ عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں ایسی کوئی عورت نہیں تھی جس نے آپ کو اپنا نفس ہبہ کیا ہو، اس حدیث کی امام طبری نے روایت کی ہے اور اس کی سند حسن ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے کسی ایسی عورت کے ساتھ دخول نہیں کیا جس نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کیا ہو، ہر چند کہ یہ آپ کے لیے مباح تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَأَمْرًا لِّمُؤْمِنَةٍ إِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ۔ (الاحزاب: ۵۰)

اور وہ مؤمنہ عورت بھی آپ کے لیے حلال ہے جس نے اپنا نفس آپ کے لیے ہبہ کر دیا اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لینا چاہیں، یہ حکم صرف آپ کے لیے مخصوص ہے عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۸۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حبان بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم الاحول نے خبر دی از معاذہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ہم میں سے کسی زوجہ کی باری کے متعلق اجازت طلب کرتے تھے، وہ آیت یہ ہے: تَزَوَّجْ مِنْ نِسَاءِ مَنْ هُنَّ وَتُزَوَّجَ إِلَيْكَ مِنْ نِسَاءٍ وَ مِمَّنْ ابْتِغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ (الاحزاب: ۵۱) ان ازواج میں آپ جن کو چاہیں خود سے دور رکھیں اور جن کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں اور جس بیوی سے آپ الگ ہو چکے ہیں اگر آپ اس کو (پھر) طلب کر لیں تو آپ پر کوئی تنگی نہیں ہے۔ معاذہ نے کہا: میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا آپ کیا فرماتی ہیں؟ انہوں نے کہا: میں آپ سے یہ کہتی تھی کہ اگر یہ معاملہ میرے سپرد ہو یا رسول اللہ! تو میں آپ کے اوپر کسی کو ترجیح دینے کا ارادہ نہیں کروں گی۔ عبد اللہ بن عباد نے عباد بن عباد کی متابعت کی ہے جنہوں نے عاصم سے سنا ہے۔

۸۹۔ حَدَّثَنَا حَبَّانُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ أَخْبَرَنَا عَاصِمُ الْأَحْوَلُ عَنْ مُعَاذَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَسْتَأْذِنُ فِي يَوْمِ الزَّوْجَةِ مِمَّا بَعْدَ أَنْ أُنْزِلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ (تَزَوَّجْ مِنْ نِسَاءِ مَنْ هُنَّ وَتُزَوَّجَ إِلَيْكَ مِنْ نِسَاءٍ وَ مِمَّنْ ابْتِغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ) (الاحزاب: ۵۱) فَقُلْتُ لَهَا مَا كُنْتَ تَقُولِينَ قَالَتْ كُنْتُ أَقُولُ لَهُ إِنْ كَانَ ذَلِكَ إِلَيَّ فَلَيْتَ لَا أُرِيدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْ أُوْثِرَ عَلَيْكَ أَخَذَ تَابِعَهُ عَبَادُ بْنُ عَبَادٍ سَبْعَ عَاصِمَا۔

(صحیح مسلم: ۱۳۷۶، سنن ابوداؤد: ۲۱۳۶)

الاحزاب: ۵۱ کی تفسیر میں تین اقوال

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

تُرْجَى مَنْ تَشَاءُ مِنْهُمْ وَتُؤْتَى إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ ۚ
ان ازواج میں آپ جن کو چاہیں خود سے دور رکھیں اور جن کو
(الاحزاب: ۵۱) چاہیں اپنے پاس جگہ دیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی بعض ازواج کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے کہا: آپ ہمیں طلاق نہ دیں اور ہمارے لیے جس طرح چاہیں باری مقرر فرمادیں تو آپ ان میں سے بعض کے لیے برابر برابر باری مقرر فرماتے اور یہ وہ ازواج تھیں جن کو آپ نے اپنے پاس رکھا تھا اور باقی ازواج کے لیے آپ جس طرح چاہتے باری مقرر فرماتے اور یہ وہ ازواج تھیں جن کو آپ نے خود سے دور رکھا تھا، خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) آپ جس کو چاہیں طلاق دے دیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں۔

(۲) آپ جس زوجہ کو چاہیں بغیر طلاق کے اپنے پاس سے الگ کر دیں اور دوسری ازواج کے لیے باریاں مقرر کر دیں۔

(۳) جو عورتیں اپنا نفس آپ کو ہبہ کرتی ہیں آپ ان میں سے جس کو چاہیں قبول فرمائیں اور جس کو چاہیں مسترد کر دیں۔

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے جیسا کہ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ آپ ان ازواج میں سے کسی سے الگ نہیں ہوئے، زہری نے کہا ہے کہ مجھے علم نہیں کہ آپ اپنی ازواج سے کسی سے الگ ہوئے ہوں، قتادہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجازت دی ہے کہ آپ جس طرح چاہیں ازواج کی باریاں مقرر فرمائیں مگر آپ نے صرف برابر برابر باریاں مقرر کیں۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۸۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۸۔ بَابُ: يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا
بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرِ
نُظْرَيْنِ إِنَّهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا
طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ
إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ ۚ
وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ
مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَلِكُمْ
أَظْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ
تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكِحُوا زَوَاجَهُ مِنْ
بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ۖ

(الاحزاب: ۵۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے ایمان والو! نبی کے گھروں
میں داخل نہ ہو، سوا اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے
بلا یا جائے کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو، بلکہ جب
تمہیں بلا یا جائے اس وقت جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو
فوراً چلے جاؤ اور (وہاں) باتوں میں دل نہ لگاؤ، بے
شک تمہارے اس عمل سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے، سو وہ
تم سے حیا کرتے ہیں، اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں
رکتا اور جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو
پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ تمہارے دلوں اور ان
کے دلوں کے لیے نہایت پاکیزگی کا باعث ہے اور
تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو
ایذا پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ نبی کے بعد کبھی بھی ان
کی بیویوں سے نکاح کرو، بے شک اللہ کے نزدیک یہ

يُقَالُ إِنَّهُ إِذَا رَأَى أَنَّهُ أَنَا.

بہت سنگین بات ہے O (الاحزاب: ۵۳) کی تفسیر
کہا جاتا ہے: اِنَّا اِس کا معنی ہے: اِذَا رَأَى اَنَّهُ یعنی اس کا پکنا اور تیار
ہونا اِنی یا اِنَّا اِس کا معنی ہے: وقت کا آنا اور پکنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو۔

غَيْرَ يُظَرِّفُ مِنْ اِنَّهُ۔ (الاحزاب: ۵۳)

لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ۝ اِس کا معنی ہے: اور اے مخاطب
تجھے کیا پتا کہ شاید قیامت عنقریب واقع ہو (الاحزاب: ۶۳) یہاں یہ
ظاہر یہ اشکال ہے کہ الساعة مونث ہے تو قریبہ کا لفظ ہونا چاہیے
تھا کیونکہ جب تم مونث کی صفت لاؤ تو قریبہ لاتے ہو اور جب تم
اس کو ظرف اور بدل لاؤ تو تم مونث کی تاء کو حذف کر دیتے ہو اور
اس میں واحد، تثنیہ اور جمع اور مذکر اور مونث سب برابر ہوتے ہیں۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی از
یحییٰ از حمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر
رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کے
پاس نیک اور بد ہر قسم کے لوگ آتے ہیں، پس آپ امہات
المؤمنین کو حجاب میں رہنے کا حکم دیں تو اللہ تعالیٰ نے حجاب کی آیت
نازل فرمادی۔

لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا إِذَا وَصَفَتْ صِفَةَ الْمَوْتِ
قُلْتُ قَرِيبَةً وَإِذَا جَعَلَتْهُ ظَرْفًا وَبَدَلًا وَلَمْ تُرِدْ الصِّفَةَ
تَرَعَّتْ الْهَاءُ مِنَ الْمَوْتِ وَكَذَلِكَ لَفْظُهَا فِي الْوَاحِدِ
وَالْثَنَيْنِ وَالْجَمْعِ يَلْدُ كَرِ وَالْأُنْثَى۔

۴۷۹۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ حُسَيْنٍ عَنْ
أَنَسٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ
يَدْخُلُ عَلَيْكَ الْبُكَ وَالْفَاجِرُ فَلَوْ أَمَرْتُ أُمَّهَاتِ
الْمُؤْمِنِينَ بِالْحِجَابِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ آيَةَ الْحِجَابِ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۰۲ میں گزر چکی ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبد اللہ الرقاشی نے
حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر بن سلیمان نے
حدیث بیان کی انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد کو یہ حدیث
بیان کرتے ہوئے سنا ہے، وہ کہتے تھے: ہمیں ابو جہل نے حدیث
بیان کی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں: جب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح
کیا تو آپ نے لوگوں کو بلایا، پس انہوں نے کھانا کھایا، پھر بیٹھ کر
باتیں کرنے لگے اور اس وقت آپ گویا انھیں کے لیے تیار ہوئے،
پس لوگ نہیں اٹھے، جب آپ نے یہ دیکھا تو آپ کھڑے ہو
گئے، پھر جب آپ کھڑے ہو گئے تو جنہوں نے کھڑے ہونا تھا وہ

۴۷۹۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الرَّقَاشِيُّ حَدَّثَنَا
مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ حَدَّثَنَا أَبُو
مَجْلَزٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لَنَا
تَزْوِجُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ دَعَا
الْقَوْمَ فَطَعِمُوا ثُمَّ جَلَسُوا يَتَحَدَّثُونَ وَإِذَا هُوَ كَأَنَّهُ
يَتَهَيَّأُ لِلْقِيَامِ فَلَمْ يَقُومُوا فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ قَامَ فَلَمَّا
قَامَ قَامَ مَنْ قَامَ وَقَعَدَ ثَلَاثَةٌ نَفَرًا فَجَاءَ النَّبِيُّ
ﷺ لِيَدْخُلَ فَإِذَا الْقَوْمُ جُلُوسٌ ثُمَّ إِنَّهُمْ قَامُوا
فَانْطَلَقَتْ فَبِغْتُ فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَنَّهُمْ قَدْ
انْطَلَقُوا فَجَاءَ حَتَّى دَخَلَ فَذَمَّتْ أَدْخُلَ فَالْتَمَسَتْ

الْحِجَابَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ﴾ (الاحزاب: ۵۳)
(صحیح مسلم: ۱۴۲۸، سنن نسائی: ۳۲۴۸)

کھڑے ہو گئے اور تین شخص بیٹھے رہے، پھر نبی ﷺ اندر داخل ہونے کے لیے آئے تو اس وقت (بھی) وہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، پھر وہ لوگ کھڑے ہو گئے، پھر میں بھی چلا گیا، پس میں آیا تو میں نے نبی ﷺ کو خبر دی وہ لوگ چلے گئے ہیں، پس آپ آئے حتیٰ کہ اندر داخل ہو گئے تو میں داخل ہونے لگا تو آپ نے میرے اور اپنے درمیان حجاب ڈال دیا، پھر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ (الاحزاب: ۵۳) اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ایوب از ابی قلابہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمام لوگوں سے زیادہ اس آیت کو جانتا ہوں جو آیت حجاب ہے، جب حضرت زینب جحش رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کی طرف پیش کیا گیا وہ آپ کے ساتھ گھر میں تھیں، آپ نے کھانا تیار کیا اور لوگوں کو بلایا، پس وہ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے، سو نبی ﷺ باہر نکلتے، پھر لوٹ آتے اودہ اسی طرح بیٹھے باتیں کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو سو اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے کھانا پکینے کا انتظار نہ کرتے رہو (الاحزاب: ۵۳) یہ آیت یہاں تک ہے مِنْ ذَمَّ آءِ حِجَابٍ یعنی پردے کے پیچھے سے۔ پس پردہ گرا دیا گیا اور لوگ اٹھ گئے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: ابو عبیدہ نے کہا: حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ نکاح تین (۳) بھری میں ہوا، اور قتادہ نے کہا: پانچ (۵) بھری میں ہوا تھا، اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

وہ لوگ کھانا کھانے کے بعد گھر سے نہیں نکلے اور رسول اللہ ﷺ بار بار گھر سے نکل کر باہر جاتے اور لوٹ آتے اور رسول اللہ ﷺ اس سے حیا فرماتے تھے کہ آپ ان سے فرمائیں کہ تم اٹھ کر چلے جاؤ۔

حضرت زینب بنت جحش کو رسول اللہ ﷺ کی طرف پیش کیا گیا: یعنی کسی عورت نے ان کا بناؤ سنگھار کر کے دلہن بنایا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف پیش کیا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۷۴)

۳۷۹۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے

عنه قَالَ بَنِي عَلَى النَّبِيِّ ﷺ بِزَيْنَبِ بِنْتِ جَحْشٍ بِخُبْرٍ وَلَخِيمٍ فَأَرْسَلَتْ عَلَى الطَّعَامِ دَاعِيًا فَيَجِيئُ قَوْمٌ فَيَاكُلُونَ وَيَخْرُجُونَ ثُمَّ يَجِيئُ قَوْمٌ فَيَاكُلُونَ وَيَخْرُجُونَ فَدَعَوْتُ حَتَّى مَا أَجِدُ أَحَدًا أَدْعُو فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ مَا أَجِدُ أَحَدًا أَدْعُوهُ قَالَ ارْقَعُوا طَعَامَكُمْ وَبَقِيَ ثَلَاثَةٌ رَفِطَ يَتَحَدَّثُونَ فِي الْبَيْتِ فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَانْطَلَقَ إِلَى حُجْرَةِ عَائِشَةَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللَّهِ فَقَالَتْ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ كَيْفَ وَجَدْتَ أَهْلَكَ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فَتَقَرَّرَى حَجَرَ نِسَائِهِ كُلِّهِنَّ يَقُولُ لَهْنٌ كَمَا يَقُولُ لِعَائِشَةَ وَيَقُلْنَ لَهُ كَمَا قَالَتْ عَائِشَةُ ثُمَّ رَجَعَ النَّبِيُّ ﷺ فَإِذَا ثَلَاثَةٌ مِنْ رَفِطٍ فِي الْبَيْتِ يَتَحَدَّثُونَ وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ شَدِيدَ الْحَيَاءِ فَخَرَجَ مُنْطَلِقًا نَحْوَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ لَمَّا أَدْرَى أَخْبَرَتْهُ أَوْ أَخْبَرَ أَنَّ الْقَوْمَ خَرَجُوا فَزَجَعَ حَتَّى إِذَا وَضَعَ رِجْلَهُ فِي أَسْكُفَةِ الْبَابِ دَاخِلَةً وَأُخْرَى خَارِجَةً أَزْعَى الْبَسْرُ بَنِي وَبَيْنَهُ وَأُنْزِلَتْ آيَةُ الْحِجَابِ۔

کہا: ہمیں عبدالعزیز بن صہیب نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیش کیا گیا تو آپ نے روٹیاں اور گوشت تیار کرایا، پھر میں نے لوگوں کو کھانے کی دعوت دی، پس لوگ آتے کھانا کھاتے اور چلے جاتے، پھر دوسرے لوگ آتے وہ کھانا کھاتے اور چلے جاتے، پس میں لوگوں کو دعوت دیتا رہا حتیٰ کہ کوئی ایک شخص باقی نہیں رہا کہ جس کو میں دعوت دوں تو میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! میں کسی ایک شخص کو بھی نہیں پاتا کہ جس کو میں دعوت دوں، آپ نے فرمایا: تم اپنا کھانا اٹھا لو اور تین آدمی باقی رہ گئے جو گھر میں باتیں کر رہے تھے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی طرف باہر نکلے تو آپ نے فرمایا: اے اہل بیت! السلام علیکم ورحمۃ اللہ، حضرت عائشہ نے جواب دیا: وعلیک السلام ورحمۃ اللہ، آپ نے اپنی بیوی کو کیسا پایا، اللہ تعالیٰ آپ کو برکت دے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج مطہرات کے حجروں میں گئے اور ان سے اسی طرح بات کی جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بات کی تھی اور انہوں نے بھی اسی طرح جواب دیا جس طرح حضرت عائشہ نے جواب دیا تھا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر واپس آئے تو وہ تین شخص اسی طرح باتیں کر رہے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ حیا فرماتے تھے، آپ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی طرف چل پڑے، مجھے پتا نہیں کہ میں نے آپ کو خبر دی یا کسی اور نے خبر دی کہ لوگ گھر سے نکل گئے ہیں، پس آپ واپس آئے حتیٰ کہ آپ نے اپنا ایک پیر دروازے کی چوکھٹ پر داخل ہونے کے لیے رکھا اور دوسرا پیر باہر تھا، پھر آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اور حجاب کی آیت نازل ہو گئی۔

اس حدیث کی وہی شرح ہے جو صحیح البخاری: ۹۱۷۷ میں ہے۔

علامہ عینی نے بعض مشکل الفاظ کے معانی لکھے ہیں:

بُنِي: اس کا معنی ہے: بیوی کے پاس داخل ہونا اور اس کی اصل یہ ہے کہ مرد جب کسی عورت سے نکاح کرے تو ان کے لیے خیمہ یا کمرہ بنا دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ دخول کرے۔

فَتَقَرَّرَى: یعنی آپ ایک ایک کر کے ہر حجرے میں گئے۔ (مدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۷۹۴۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ بَكْرِ السَّهْمِيُّ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَوْلَمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حِينَ بَنَى بَيْتَهُ بَنَاتٍ جَحِشَ فَأَشْبَعَهُ النَّاسُ خُبْرًا وَلَحْمًا ثُمَّ خَرَجَ إِلَى حُجْرٍ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ كَمَا كَانَ يَصْنَعُ صَبِيحَةَ بِنَاتِهِ فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِنَّ وَيُسَلِّمْنَ عَلَيْهِ وَيَدْعُو لَهُنَّ وَيَدْعُونَ لَهُ فَلَمَّا رَجَعَ إِلَى بَيْتِهِ رَأَى رَجُلَيْنِ جَوَسِي بِهِمَا الْحَدِيثُ فَلَمَّا رَأَاهُمَا رَجَعَ عَنْ بَيْتِهِ فَلَمَّا رَأَى الرَّجُلَانِ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ رَجَعَ عَنْ بَيْتِهِ وَثَبَا مُسْتَرْعَيْنَ فَمَا أَدْرَى أَنَا أَخْبَرْتُهُ بِخُرُوجِهِمَا أَمْ أَخْبَرَ فَرَجَعَ حَتَّى دَخَلَ الْبَيْتَ وَأَرَضَى الْبَنَاتِ بَيْنِي وَبَيْنَهُ وَأُنْزِلَتْ آيَةُ الْحِجَابِ وَقَالَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ سَمِعَ أَنَسَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ -

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن بکر السہمی نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں حمید نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت زینب بنت جحش کو پیش کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ولیمہ کیا، پس تمام لوگ روٹیوں اور گوشت سے سیر ہو گئے، پھر آپ امہات المؤمنین کے حجروں کی طرف نکلے جیسا کہ آپ شب باشی کی صبح کو کرتے تھے، پس آپ نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا اور آپ نے ان کو دعادی اور انہوں نے آپ کو دعادی، پھر جب آپ اپنے گھر کی طرف واپس گئے تو آپ نے دیکھا کہ دو مردوں کے درمیان باتیں جاری ہیں، پس جب آپ نے ان دونوں کو دیکھا تو اپنے گھر واپس گئے، پس جب ان دو مردوں نے نبی اللہ ﷺ کو دیکھا تو وہ بہت تیزی سے آپ کے گھر سے لوٹ گئے، پس مجھے معلوم نہیں کہ میں نے ان کے نکلنے کی خبر دی تھی یا آپ کو وحی کے ذریعے خبر دی گئی تھی، پس آپ واپس آئے حتیٰ کہ گھر میں داخل ہو گئے اور آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ لٹکا دیا اور آیت حجاب نازل ہوئی، ابن ابی مریم نے کہا: ہمیں یحییٰ نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے حدیث بیان کی حمید نے، انہوں نے حضرت انس سے سنا، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔

اس حدیث کی شرح وہی ہے جو صحیح البخاری: ۳۷۹۱ کی شرح ہے۔

علامہ عینی نے بعض مشکل الفاظ کے معانی بیان کیے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

صَبِيحَةُ بِنَاتِهِ: یعنی شب زفاف کے بعد کی صبح۔

آپ نے دو مردوں کو دیکھا: اس سے پہلی حدیث میں تین مردوں کا ذکر تھا اور مفہوم عدد کا اعتبار نہیں ہوتا اور دوسرا جواب یہ ہے کہ باتیں دو آدمی کر رہے تھے اور تیسرا خاموش تھا اور تیسرا جواب یہ ہے کہ پہلے تین آدمی تھے، پھر ان میں سے ایک اٹھ کر چلا گیا تو باقی دو رہ گئے تھے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ صفحہ ۱۷۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے زکریا بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں:

۳۷۹۵۔ حَدَّثَنِي زَكْرِيَاءُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا أَبُو أَسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ خَرَجْتُ سَوْدَةً بَعْدَ مَا ضَرَبَ الْحِجَابُ

لِحَاجَتِهَا وَكَانَتْ امْرَأَةً جَسِيمَةً لَا تَخْفَى عَلَى مَنْ يَعْرِفُهَا فَرَأَاهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ يَا سَوْدَةُ أَمَا وَاللَّهِ مَا تَخْفَيْنَ عَلَيْنَا فَإِنَّا نَنْظُرُ كَيْفَ تَخْرُجِينَ قَالَتْ فَإِن كَفَأْتُ رَاجِعَةً وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي بَيْتِي وَإِنَّهُ لَيَتَعَشَّى فِي يَدِي عَرَقٌ قَدْ خَلَتْ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي خَرَجْتُ لِبَعْضِ حَاجَتِي فَقَالَ لِي عُمَرُ كَذَا وَكَذَا قَالَتْ فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ ثُمَّ رَفِعَ عَنْهُ وَإِنَّ الْعَرَقَ فِي يَدِي مَا وَضَعَهُ فَقَالَ إِنَّهُ قَدْ أُذِنَ لَكُنَّ أَنْ تَخْرُجِي لِحَاجَتِكُنَّ۔

پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اپنے کسی کام کے سبب گھر سے باہر نکلیں اور یہ بھاری جسم والی عورت تھی، جو شخص ان کو پہچانتا ہو وہ اس پر مخفی نہیں رہتی تھیں، پس ان کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو انہوں نے کہا: اے سودہ! سنئے! اللہ کی قسم! آپ ہم پر مخفی نہیں ہیں آپ غور کیجئے آپ کیسے نکل رہی ہیں، حضرت عائشہ نے بتایا کہ حضرت سودہ مڑ کر واپس گئیں اور رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں کھانا تناول فرما رہے تھے اور آپ کے ہاتھ میں گوشت والی ہڈی تھی، وہ اندر آئیں اور انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں اپنے کسی کام سے نکلی تھی، پس مجھ سے حضرت عمر نے اس طرح اور اس طرح کہا۔ حضرت عائشہ نے بتایا: پس اللہ نے آپ کی طرف وحی کی، پھر آپ سے وحی منقطع ہوئی اور گوشت والی ہڈی آپ کے ہاتھ میں تھی جس کو آپ نے ابھی رکھا نہیں تھا، پس آپ نے فرمایا: تم ازواج کے لیے اجازت دی گئی ہے کہ تم اپنی ضروریات کے لیے گھر سے باہر نکلا کرو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۴۶ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی نے اس حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی لکھے ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں:

حضرت سودہ نکلیں: یہ حضرت سودہ بنت زمعہ ام المومنین ہیں۔

پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد: کتاب الطہارت میں یہ گزر چکا ہے کہ یہ حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، علامہ کرمانی نے لکھا ہے: شاید یہ واقعہ درجہ مرتبہ ہوا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ تھا کہ نبی ﷺ کی ازواج پر اجنبی مردوں کی نظریں نہ پڑیں حتیٰ کہ انہوں نے اس کی تصریح کی اور کہا: آپ اپنی ازواج کو حجاب میں رکھیں حتیٰ کہ پردہ کے احکام نازل ہو گئے، پھر ان کا ارادہ یہ تھا کہ ازواج مطہرات کا بدن بالکل ظاہر نہ ہو خواہ وہ مستور ہوں تو انہوں نے اس میں مبالغہ کیا اور حضرت عمر کو اس سے منع کیا گیا اور ازواج مطہرات کو اپنی ضرورت کے کاموں میں نکلنے کی اجازت دی گئی تاکہ ان کو مشقت اور حرج نہ ہو۔

اس باب میں جو احادیث ذکر کی گئی ہیں وہ سب حجاب سے متعلق ہیں۔

حجاب کے احکام کی تفصیل

قاضی عیاض نے کہا ہے: نبی ﷺ کی ازواج کے اوپر حجاب فرض کیا گیا ہے اور یہ ان پر بالاتفاق فرض ہے اور ان کے لیے چہرے اور ہتھیلیوں کو بھی کھولنا جائز نہیں ہے نہ شہادت کے موقع پر اور نہ کسی اور موقع پر اور ان کے لیے اپنے جسم کو ظاہر کرنا جائز نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ قضائے حاجت کے لیے گھر سے باہر جائیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ازواج مطہرات کے سوا دوسری عورتوں کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے کاموں میں گھر سے باہر جاسکتی ہیں لیکن ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے تمام اعضاء کو مستور رکھیں اور اپنی کسی زینت کو ظاہر نہ کریں اور نہ اپنی آواز بلند کریں۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۱۷۷-۱۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۹۔ بَابُ: اِنْ تُبْدُوْا شَيْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ
 كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْنَ فِى
 اَبَائِهِمْ وَلَا اَبْنَاؤِهِمْ وَلَا اِخْوَانِهِمْ وَلَا
 اَبْنَاۤءِ اِخْوَانِهِمْ وَلَا اَبْنَاۤءِ اَخَوَاتِهِمْ وَلَا
 نِسَاءِ لَهُمْ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ؕ وَالتَّقِيْنَ
 اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿۵۵﴾
 (الاحزاب: ۵۴-۵۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اگر تم کسی بات کو چھپاؤ یا اس کو ظاہر
 کرو تو بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O
 ان خواتین پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ دادا اور
 اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور اپنے بھتیجیوں اور اپنے
 بھانجیوں اور اپنی ہم دین خواتین اور اپنی باندیوں سے
 پردہ نہ کریں اور تم اللہ سے ڈرتی رہو، بے شک اللہ ہر
 چیز کا نگہبان ہے O (الاحزاب: ۵۴-۵۵) کی تفسیر

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے نکاح کے حرام ہونے کی سخت حرمت اور جن رشتہ داروں سے پردہ لازم ہے ان کی
 تفصیل

علامہ عینی ان آیتوں کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اگر تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے نکاح کے متعلق کوئی بات اپنی زبانوں پر لاؤ یا تم اس قسم کی بات کو اپنے سینوں میں چھپاؤ
 تو بے شک اللہ اس کو جانتا ہے، وہ تم کو سخت عذاب دے گا اور چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کا کسی سے نکاح کرنا حرام ہو
 چکا ہے اس لیے بیت المال سے ان کا خرچ ادا کرنا لازم ہے اور اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان
 پر عدت واجب ہے یا نہیں؟ پس ایک قول یہ ہے کہ ان پر عدت واجب نہیں ہے کیونکہ عدت میں دوسرے نکاح کا انتظار ہوتا ہے۔
 دوسرا قول یہ ہے کہ ان پر عدت واجب ہے کیونکہ عدت گزارنا عبادت ہے خواہ اس کے بعد کسی دوسرے نکاح کا انتظار ہو یا نہ ہو۔
 مفسرین نے کہا کہ جب آیت حجاب نازل ہوئی تو عورتوں کے باپوں اور بیٹوں نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! کیا ہم بھی ان سے
 پردہ کے پیچھے سے بات کیا کریں؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: کہ ان رشتہ داروں کے حق میں پردہ کرنا لازم نہیں ہے، اس
 آیت میں چچا کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ باپ کی مثل ہے اور نہ ماموں کا ذکر کیا کیونکہ وہ بھائی کی مثل ہے اور فرمایا: اور تم اللہ سے ڈرتی
 رہو یعنی ان رشتہ داروں کے علاوہ کوئی اور تم کو دیکھے تو تم اللہ سے ڈرتی رہنا کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کسی کا کوئی عمل مخفی نہیں ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ صفحہ ۱۷۸-۱۷۷)

۹۶۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ
 حَدَّثَنِى عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا
 قَالَتْ اسْتَأْذَنَ عَلِىٌّ أَقْدَحُ أَخُو أَبِي الْقُعَيْسِ بَعْدَ مَا
 أُنْزِلَ الْحِجَابُ فَقُلْتُ لَا أَدْنُ لَهُ حَتَّى اسْتَأْذِنَ فِيهِ
 النَّبِيُّ ﷺ فَإِنَّ أَخَاهُ أَبَا الْقُعَيْسِ لَيْسَ هُوَ
 أَرْضَعَنِى وَلَكِنْ أَرْضَعْتَنِى امْرَأَةٌ أَبِي الْقُعَيْسِ
 قَدْ دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقُلْتُ لَهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الیمان نے حدیث بیان
 کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے حدیث بیان کی از الزہری،
 انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن زبیر نے حدیث بیان کی کہ حضرت
 عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حجاب کے احکام نازل ہونے کے بعد
 ابو القعیس کے بھائی اقدح نے میرے پاس آنے کی اجازت طلب
 کی تو میں نے کہا: میں اس کو اجازت نہیں دوں گی حتیٰ کہ میں اس
 کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لوں کیونکہ ابو القعیس کے

إِنَّ أَقْدَحَ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ اسْتَأْذَنَ فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ حَتَّى اسْتَأْذَنَكَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَمَا مَنَعَكَ أَنْ تَأْذِنَ عَنكَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الرَّجُلَ لَيْسَ هُوَ أَرْضَعَنِي وَلَكِنْ أَرْضَعَتْنِي امْرَأَةٌ أَبِي الْقُعَيْسِ فَقَالَ ائْذِنْ لَهُ فَإِنَّهُ عَمَلُكَ تَرَبَّيْتُ بَيْنَكَ قَالَ عُرْوَةُ فَلَيْذَلِكَ كَأَنْتَ عَائِشَةُ تَقُولُ حَرِّمُوا مِنَ الرِّضَاعَةِ مَا تُحَرِّمُونَ مِنَ النَّسَبِ-

بھائی نے مجھے دودھ نہیں پلایا لیکن ابوالقعیس کی بیوی نے مجھ کو دودھ پلایا ہے، پھر نبی ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے آپ سے پوچھا: یا رسول اللہ! بے شک ارجح جو ابوالقعیس کا بھائی ہے اس نے میرے پاس آنے کی اجازت طلب کی تھی تو میں نے اس کو اجازت دینے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ میں آپ سے اجازت طلب کر لوں، پس نبی ﷺ نے فرمایا: اور تمہیں اپنے چچا کو اجازت دینے سے کس چیز نے روکا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس مرد نے مجھے دودھ نہیں پلایا لیکن ابوالقعیس کی بیوی نے مجھ کو دودھ پلایا تھا، تب نبی ﷺ نے فرمایا: تم اس کو اجازت دو تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں وہ تمہارا رضاعی چچا ہے، عروہ نے کہا: اسی وجہ سے حضرت عائشہ یہ فرماتی تھیں: جن رشتہ داروں کو تم نسب سے حرام قرار دیتے ہو ان کو رضاعت سے بھی حرام قرار دو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۶۴۳ میں گزر چکی ہے

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اور ابوالقعیس کے نام اور کنیت کی تحقیق

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ اس میں کوئی تفسیر نہیں ہے تو اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ حدیث باب کے عنوان کے ساتھ اس حیثیت سے مطابق ہے کہ اس میں یہ ذکر ہے کہ رضاعی باپوں اور رضاعی چچاؤں کا امہات المؤمنین کے گھر داخل ہونا جائز ہے کیونکہ آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا: ان کو اجازت دو وہ تمہارے چچا ہیں۔

اس حدیث میں ارجح ابوالقعیس کا ذکر ہے اور ابو عمر نے کہا ہے یہ اسم ارجح بن ابی القعیس ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کے نام میں دو قول ہیں اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ ان کا نام ابوالقعیس ہے کیونکہ حضرت عائشہ نے فرمایا: ابوالقعیس کے بھائی ارجح آئے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ ابوالقعیس کا نام الجعد ہے اور کہا جاتا ہے کہ ارجح کی کنیت ابوالجعد ہے اور ایک قول ہے: ان کا نام وائل بن ارجح ہے۔

اس حدیث میں ذکر ہے: تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں: یہ وہ بات ہے جس کو عرب کہتے ہیں اور وہ ان الفاظ کی حقیقت اور ان کے وقوع کا ارادہ نہیں کرتے تھے اور ان الفاظ کا معنی یہ ہے کہ تم فقیر اور محتاج ہو جاؤ کیونکہ جو شخص فقیر اور محتاج ہو وہ خاک سے مل جاتا ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ مرد سے بھی دودھ کا رشتہ ثابت ہوتا ہے اور دودھ پلانے والی کا شوہر والد کے حکم میں ہے اور اس کا بھائی چچا کے حکم میں ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۷۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود پڑھتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود پڑھو اور بہ کثرت سلام پڑھو (الاحزاب: ۵۶) کی تفسیر

۱۰۔ بَابُ: إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الاحزاب: ۵۶)

قَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الْمَلَائِكَةِ
وَصَلَاةُ الْمَلَائِكَةِ الدُّعَاءُ۔
ابو العالیہ نے کہا: اللہ کی صلوٰۃ کا معنی ہے: اللہ عزوجل کا فرشتوں
کے سامنے اپنی حمد و ثنا کرنا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: ابو العالیہ کا نام رفیع بن مہران الرباحی البصری ہے، انہوں نے زمانہ جاہلیت کو پایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی
وفات کے دو سال بعد اسلام لائے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے
احادیث روایت کیں اور نوے (۹۰) ہجری میں وفات پائی۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُصَلُّونَ يُبْرِكُونَ۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: يُصَلُّونَ کا معنی ہے: وہ برکت
کی دعا کرتے ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تعلیق کی امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔
لَتُغْرِيَنَّكَ لَتُسَلِّطَنَّكَ۔
لَتُغْرِيَنَّكَ اس کا معنی ہے: لَتُسَلِّطَنَّكَ یعنی ہم آپ کو ان پر ضرور
غالب کر دیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهُ الْمُشْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ
وَالْمُزِجُّونَ فِي الْمَدِينَةِ لَتُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا
يُجَاوِرُوكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ۝ (الاحزاب: ۶۰)
اگر منافق باز نہ آئے اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (فسق کی)
بیماری ہے اور مدینہ میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے تو ہم آپ کو
ضرور ان پر مسلط فرمادیں گے تو پھر وہ آپ کے پاس مدینہ میں
زیادہ عرصہ نہیں ٹھہر سکیں گے ○

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی اگر منافقین مسلمانوں کو ایذا پہنچانے سے باز نہیں آئے اور مدینہ میں جھوٹی افواہیں پھیلانے سے
بہیں رکے تو ہم آپ کو ان کے اوپر جنگ کرنے کے لیے مسلط کر دیں گے اور مدینہ سے ان کو نکالنے کے لیے آپ کو غالب کر دیں
گے، پھر وہ آپ کے ساتھ بہت کم تعداد میں رہ جائیں گے یا بہت تھوڑے زمانہ تک رہیں گے حتیٰ کہ ہلاک ہو جائیں گے یا وہاں
سے کوچ کر جائیں گے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۷۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: یہاں پر اسی طرح ہے اور اس تعلیق کا آیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے ہر چند کہ یہ بھی اسی
سورت سے ہے، پس شاید کہ یہ بخاری کے نسخہ کو نقل کرنے والے کی غلطی ہے۔ (فتح الباری ج ۵ صفحہ ۷۸۶)

علامہ عینی حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: امام بخاری نے اپنی عادت کے مطابق اس تعلیق کو لکھا ہے تاکہ اس کے معنی
کی تفسیر کی جائے، اگر یہ آیت کسی اور سورت کی ہوتی تو حافظ ابن حجر کے اعتراض کی کوئی وجہ ہوتی اور بخاری کے نسخہ کو نقل کرنے
والوں کی طرف اس غلطی کی نسبت کرنا بہت بعید ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۷۹)

۳۷۹۷۔ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا
أَبِي حَدَّثَنَا مُسْعَرٌ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ
كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَمَّا
الْإِسْلَامُ عَلَيْكَ فَقَدْ عَرَفْنَا فَكَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكَ
امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے سعید بن یحییٰ بن سعید نے
حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث
بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسعر نے حدیث بیان کی از الحکم از
ابن ابی لیلیٰ از حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ عرض کیا گیا: یا رسول

قَالَ قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَبِيدٌ مَجِيدٌ اللَّهُمَّ
بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى
آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَبِيدٌ مَجِيدٌ۔

اللہ! آپ پر سلام پڑھنے کا طریقہ تو ہم نے جان لیا ہے تو ہم آپ
پر صلاۃ کیسے پڑھیں تو آپ نے فرمایا: تم کہو: اللہم صل علی
محمد و علی آل محمد کما صلیت علی آل ابراہیم انک حبید
مجید اللہم بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت
علی آل ابراہیم انک حبید مجید۔

اس حدیث کی شرح صحیح بخاری: ۷۰۳۳ میں گزر چکی ہے۔

درود ابراہیمی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر افضلیت کے اعتراض کا جواب

علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رہا آپ پر سلام پڑھنا تو اس کا طریقہ ہمیں معلوم ہے: صحابہ کی مراد یہ تھی کہ آپ نے ان کو سلام پڑھنے کا جو طریقہ نماز کے تشہد
میں سکھایا ہے یعنی السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ نے فرمایا: جس طرح آپ نے حضرت ابراہیم پر صلاۃ پڑھی ہے: یعنی جس طرح آپ پہلے حضرت ابراہیم پر اور آل
ابراہیم پر صلاۃ نازل فرما چکے ہیں، پس ہم آپ سے سیدنا محمد پر صلاۃ نازل کرنے کا سوال کرتے ہیں، پھر اگر یہ اعتراض کیا
جائے کہ تشبیہ کا قاعدہ یہ ہے کہ مشبہ بہ، مشبہ سے اقوی ہوتا ہے اور یہاں اس کے برعکس ہے کیونکہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت
ابراہیم سے افضل ہیں، اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا تھا جب آپ کو یہ علم نہیں تھا کہ آپ حضرت
ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں تشبیہ اس لیے نہیں ہے کہ ناقص کو کامل کے ساتھ ملایا جائے بلکہ اس لیے
ہے کہ غیر معروف کو معروف کے ساتھ ملایا جائے یعنی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ معروف ہیں۔ تیسرا جواب
یہ ہے کہ یہاں پر مجموع کو مجموع کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آل ابراہیم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل سے
افضل ہیں کیونکہ آل ابراہیم میں انبیاء علیہم السلام داخل ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل میں کوئی نبی نہیں ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے
حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الیث نے حدیث بیان کی،
انہوں نے کہا: مجھے ابن الہاد نے حدیث بیان کی از عبد اللہ بن
خباب از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے
عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ سلام پڑھنا ہے تو ہم آپ پر صلاۃ کیسے
پڑھیں، آپ نے فرمایا: تم کہو: اللہم صل علی محمد عبدک
و در رسولک کما صلیت علی آل ابراہیم و بارک علی محمد و
عل آل محمد کما بارکت علی ابراہیم۔ ابوصالح نے لیث سے
روایت کرتے ہوئے کہا: علی محمد و علی آل محمد کما
بارکت علی آل ابراہیم۔ ہمیں ابراہیم بن حمزہ نے حدیث بیان

۹۸۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ
قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ الْهَادِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ خَتَّابٍ عَنْ
أَبِي سَعِيدٍ الْخَدْرِيِّ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا
التَّشْلِيمُ فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ قَالَ قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ
عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ
إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا
بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَبُو صَالِحٍ عَنْ اللَّيْثِ عَنْ
مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ
حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَنْزَلَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ
وَالدَّرَاوَزِيُّ عَنْ يَزِيدَ وَقَالَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى

عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ

کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی حازم اور الدر اور دی نے حدیث بیان کی از یرید اور کہا: کما صلیت علی ابراہیم و باریک علی محمد و آل محمد کما باریک علی ابراہیم و آل ابراہیم۔

ابراہیم بن حمزہ اور ابن ابی حازم کا تعارف

علامہ عینی لکھتے ہیں: ابراہیم بن حمزہ کا نام ابواسحاق الزبیری المدینی ہے اور ابن ابی حازم وہ عبدالعزیز بن ابی حازم ہیں اور ان کا نام سلمہ ہے اور الدر اور دی وہ عبدالعزیز بن محمد ہیں جو منسوب ہیں در اور دی کی طرف اور یرید سے مراد ابن الہادی ہیں اور امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ ابن ابی حازم اور الدر اور دی دونوں نے اس حدیث کی لیٹ کی سند سے روایت کی ہے، پس آل ابراہیم کا ذکر کیا جیسا کہ اس کا ذکر ابوصالح نے لیٹ کی روایت سے کیا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۸۱-۱۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

غیر نبی پر استقلالاً صلاۃ پڑھنے کی تحقیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ارشاد ہے: اللہم صل علی محمد و علی آل محمد اور آل محمد میں تو نبی نہیں ہیں، سو اس سے معلوم ہوا کہ غیر نبی پر بھی صلاۃ پڑھنا جائز ہے حالانکہ جمہور علماء کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے، اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ جواز اس صورت میں ہے جب نبی پر صلاۃ کی دعا کرنے کے بعد تبعاً غیر نبی پر صلاۃ کی دعا کی جائے اور ممانعت اس صورت میں ہے جب غیر نبی پر استقلالاً صلاۃ کی دعا کی جائے اور ممانعت کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ پڑھنا شعار ہو گیا ہے، اسی لیے اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوگا، اس لیے یہ کہنا جائز نہیں کہ ”ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم“ ہر چند کہ اس کا معنی صحیح ہے اور یوں کہنا جائز ہے کہ صلی اللہ علی النبی و علی صدیقہ یا د علی خلیفہ اور اسی کے قریب یہ ہے کہ ”محمد عزوجل“ کہنا جائز نہیں ہے اگرچہ اس کا معنی صحیح ہے کیونکہ یہ ”شاء“ اللہ سبحانہ کا شعار ہے، اس لیے کسی دوسرے کو اس میں شریک کرنا جائز نہیں ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (توبہ: ۱۰۳)

آپ ان کے مالوں سے زکوٰۃ لیجئے جس کے ذریعے آپ انہیں پاک کریں گے اور ان کے باطن کو صاف کریں گے اور آپ ان پر صلاۃ بھیجئے، بے شک آپ کی صلاۃ ان کے لیے باعث طمانیت ہے اور اللہ بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے ○

اور اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی: اللہم صل علی آل ابی ادنیٰ (اے اللہ! ابوادنیٰ کی آل پر صلاۃ نازل فرما) اور حضرت جابر کی بیوی نے کہا: صل علی د علی زوجی (مجھ پر صلاۃ نازل فرما اور میرے خاوند پر) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اللہم صل علیہما (اے اللہ! ان دونوں پر صلاۃ نازل فرما)، یہ تمام دعائیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہیں اور صاحب حق کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے حق میں سے جس کو چاہے عطا فرما دے اور دوسروں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس کے حق میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسروں کے لیے یہ اجازت ثابت نہیں ہے اور ممانعت کی قوی دلیل یہ ہے کہ غیر نبی پر استقلالاً صلاۃ پڑھنا روافض اور اہل بدعت کا شعار ہے کیونکہ یہ لوگ اہل بیت میں سے جس کی تعظیم کرتے ہیں اس پر استقلالاً صلاۃ پڑھتے ہیں اور یہ ممانعت آیا حرام ہے یا مکروہ ہے یا خلاف اولیٰ ہے؟

علامہ نووی نے کتاب الاذکار میں یہ تینوں قول نقل کیے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے اور اسماعیل بن اسحاق نے کتاب احکام

القرآن میں سند حسن کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے یہ روایت نقل کی ہے، انہوں نے لکھا کہ کچھ لوگ آخرت کے عمل کے بدلہ میں دنیا کا عمل تلاش کرتے ہیں اور کچھ قصہ گو و اعظمین نے نبی ﷺ پر صلاۃ کے ساتھ اپنے خلفاء اور امراء پر صلاۃ پڑھنے کی بدعت ایجاد کر لی ہے، پس تمہارے پاس جب میرا یہ مکتوب آئے تو تم ان کو یہ حکم دو کہ نبیوں پر صلاۃ پڑھیں اور مسلمانوں کے لیے دعا کریں اور اس کے سوا جو چیز ہے اس کو ترک کر دیں، پھر انہوں نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ کے سوا اور کسی پر صلاۃ پڑھنا جائز نہیں ہے، لیکن مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لیے استغفار ہے اور ابوذر نے ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ پر صلاۃ پڑھنے کا معمول دوسری صدی ہجری میں رائج ہوا ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۷۸۷-۷۸۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۳۶ھ)

۱۱۔ بَابُ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا

كَالَّذِينَ أَدَّوْا مُوسَىٰ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے ایمان والو! ان لوگوں کی

طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی تھی۔

(الاحزاب: ۶۹) کی تفسیر

(الاحزاب: ۶۹)

علامہ عینی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یعنی تم سیدنا محمد ﷺ کو اس طرح ایذا نہ دو جس طرح بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دی تھی اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ ایذا پہنچائی تھی کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا کہ ان کے خصیتیں بہت بڑے بڑے ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو قتل کیا ہے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جادو کر اور مجنون ہونے کی تہمت لگائی تھی۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۸۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق ابن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح بن عبادہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عوف نے حدیث بیان کی از الحسن اور محمد اور خلاص از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت حیاء والے مرد تھے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ أَدَّوْا مُوسَىٰ قَبْرًا ۖ أَهَآءُ اللَّهِ وَمَا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا ۝ (الاحزاب: ۶۹) اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی تھی، تو اللہ نے موسیٰ کو ان کی تہمت سے بری کر دیا اور وہ اللہ کے نزدیک معزز تھے ۝

۳۷۹۹۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا زَوْجُ بَنِي عَبَادَةَ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنِ الْحَسَنِ وَمُحَمَّدٍ وَخَلَّاسٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ مُوسَىٰ كَانَ رَجُلًا حَيِيًّا وَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ أَدَّوْا مُوسَىٰ قَبْرًا ۖ أَهَآءُ اللَّهِ وَمَا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا ۝﴾

(الاحزاب: ۶۹)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۷۸ میں گزر چکی ہے۔

حبیب اور وجیہا کے معنی

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت حیاء دار تھے کیونکہ وہ صرف خلوت میں غسل کرتے تھے تو بنی اسرائیل نے ان پر تہمت لگائی کہ وہ صرف اس لیے چھپ کر غسل کرتے ہیں کہ ان کے خصیتیں بہت بڑے بڑے ہیں تو

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی اس تہمت سے بری کر دیا کہ پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگ گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پتھر کے پیچھے بھاگتے ہوئے بنی اسرائیل کی جماعت کے پاس سے گزرے اور اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام برہنہ جا رہے تھے تو بنی اسرائیل نے ان کو دیکھ لیا کہ ان میں تو کوئی عیب نہیں ہے۔ صلوات اللہ وسلامہ۔

اور اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وجہ فرمایا ہے، وجہ کا معنی ہے: کریم، مقبول اور عزت والا۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۸۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت پہنچانے کا ایک اور محمل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کی شرح تفصیل کے ساتھ کتاب الانبیاء میں گزر چکی ہے۔ احمد بن منیع نے اپنی مسند میں اور امام طبری اور امام ابن ابی حاتم نے سند قوی کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں پہاڑ پر چڑھے، پس حضرت ہارون علیہ السلام فوت ہو گئے تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ نے ان کو قتل کر دیا ہے اور وہ آپ سے زیادہ نرم مزاج اور آپ سے زیادہ حیاء دار تھے، سو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے اس قول سے اذیت پہنچائی، تب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کا جسد لے کر بنی اسرائیل کی مجالس کے پاس سے گزریں تو ان کو حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات کا علم ہوا، امام طبری نے کہا ہے کہ اس آیت میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت پہنچانے کا حکم ہے ہو سکتا ہے اس سے یہی اذیت مراد ہو۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: وہ جو صحیح حدیث میں ہے وہ اس سے زیادہ صحیح ہے (یعنی بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خصیتین کے متعلق جو بری بات کہی تھی) لیکن ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کے دو سبب ہوں جیسا کہ اس سے پہلے کئی بار گزر چکا ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۸۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الاحزاب کی جو تفسیر ذکر کی تھی اس کی شرح مکمل ہو گئی، اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ سبا کی امام بخاری کی بیان کردہ تفسیر کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۳۴۔ تفسیرِ سُورَةِ سَبَا

سورۃ سبا کی تفسیر

سورۃ سبا کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورہ سبا کی بعض آیات کی تفسیر ہے، مقاتل نے کہا: ایک آیت کے سوا یہ پوری سورت مکی ہے اور وہ آیت یہ ہے: وَيَوْمَ
الَّذِينَ أَوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أُنْزِلَ - (سبا: ۶) اس سورت میں چون (۵۴) آیات ہیں۔
سبا کے متعلق علامہ عینی کی تحقیق

امام ترمذی نے فروہ بن مسیک المرادی سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، پھر پوری حدیث ذکر کی تو ایک مرد نے پوچھا سب کیا ہے زمین ہے یا کوئی عورت ہے تو آپ نے فرمایا: نہ وہ زمین ہے اور نہ وہ عورت ہے لیکن وہ ایک مرد ہے، اس کے عربوں سے دس بیٹے پیدا ہوئے، ان میں سے چھ (۵) تو یمن میں چلے گئے اور چار (۴) شام میں چلے گئے۔ رہے وہ جو ملک شام میں گئے تھے وہ نخم، جذام، غسان اور عاملہ ہیں اور رہے وہ جو یمن میں گئے تھے پس وہ ازد ہیں، اشعرین ہیں اور حمیر ہیں اور کندہ ہیں اور مزنج ہیں اور انمار ہیں۔ اس مرد نے پوچھا: انمار کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن سے خشم اور جیلہ ہیں۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

اور امام ابن اسحاق نے کہا: سب ایک شخص کا نام ہے جو عبد شمس بن - شغب بن عرب بن قحطان بن یقطان بن عامر ہے اور وہ ہود بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام ہے اور وہ پہلا شخص ہے جن کو عربوں میں سے قید کیا گیا، یعنی اسی پس اس کو یہ لقب دیا گیا۔
ادب الخواص میں مذکور ہے کہ یہ اشتقاق صحیح نہیں ہے اس لیے کہ سبامہوز ہے اور اسی غیر مہوز ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ اسم سبب النار الجلد سے ماخوذ ہے یعنی اس نے کھال کو جلا دیا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۸۲-۱۸۱ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

سبا کے متعلق حافظ ابن حجر کی تحقیق

امام ترمذی اور امام ابن اسحاق کی عبارات نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم نے فردہ کی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! سب ایسی قوم ہے جس کی زمانہ جاہلیت میں عزت تھی اور مجھے یہ خوف ہے کہ وہ مرتد ہو گئے تھے، کیا پس میں ان سے قتال کروں تو آپ نے فرمایا: مجھے ان کے متعلق کوئی حکم نہیں دیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

لَقَدْ كَانَ لِسِرِّاٰنِ فِى مَسْجِدِهِمْ اٰيَةٌ جٰئِئْنِ عَنْ يَمِيْنِ وَ
شَتَالِ - (سہ: ۱۵)

بے شک اہل سبا کے لیے ان کی بستیوں میں ہی نشانی تھی، دو باغ
دائیں اور بائیں جانب تھے۔

پس ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! سہا کیا ہے تو پھر آپ نے اس کا ذکر کیا اور امام ابن عبد البر نے کتاب الانساب میں اس کا

تیم داری سے ایک شاہد ذکر کیا ہے جس کا امام ابن اسحاق نے سیرت النبی کی ابتداء میں بہت طویل قصہ ذکر کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۸۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

يُقَالُ مُعَاجِزِينَ مُسَابِقِينَ۔
مُعَاجِزِينَ کا معنی ہے: مُسَابِقِينَ یعنی آگے بڑھنے والے اور
مقابل کو عاجز کرنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ
تَرَجُّحُ الْيَمِّ ۝ (سبا: ۵)

علامہ یعنی لکھتے ہیں: امام بخاری نے معاجزین کی تفسیر مسابقین کی ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ اس کا معنی ہے: جو لوگ
یہ گمان کرتے تھے کہ وہ لوگ ہم پر غالب آجائیں گے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ مُعَاجِزِينَ کا معنی ہے: مُعَانِدِينَ اور مُغَالِبِينَ۔
بِمُعْجِزِينَ بِغَائِثِينَ۔
بِمُعْجِزِينَ کا معنی ہے: عاجز کرنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَمَا لَكُمْ
مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ (العنکبوت: ۲۲)

یہ آیت سورہ عنکبوت کی ہے اور امام بخاری نے اس کو لفظ عجز کی مناسبت سے یہاں ذکر کر دیا ہے۔
مُعَاجِزِينَ: اس کا معنی ہے: مُغَالِبِينَ یعنی ان میں سے ہر ایک یہ
مُعَاجِزِينَ مُغَالِبِينَ۔

ارادہ کرتا ہے کہ وہ اپنے مقابل کے اوپر غالب آجائے گا۔

یہ لفظ صرف ابو ذر کی روایت میں مکرر واقع ہوا ہے اور دوسرے ناخنین کی روایت میں نہیں ہے۔

سَبَقُوا فَاتُوا۔
سَبَقُوا اس کا معنی ہے: فَاتُوا یعنی نکل گئے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا يَحْصِبُ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا إِنَّهُمْ لَا
يُعْجِزُونَ ۝ (الانفال: ۵۹)

اور کافر اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ وہ نکل گئے بے شک وہ (اللہ کو)
عاجز نہیں کر سکتے ○
لَا يُعْجِزُونَ اس کا معنی ہے: لَا يَفْوتُونَ یعنی وہ اللہ کو عاجز نہیں کر
سکتے۔

اس میں بھی سورہ انفال کی اسی آیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

يَسْبِقُونَا يُعْجِزُونَا۔
يَسْبِقُونَا اس کا معنی ہے: يُعْجِزُونَا یعنی وہ ہم سے بچ کر نکل
جائیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَنْ يَسْبِقُونَا سَاءَ
مَا يَحْكُمُونَ ۝ (العنکبوت: ۴)

جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ
ہم سے بچ کر نکل جائیں گے، کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں ○

وَقَوْلُهُ بِمُعْجِزِينَ بِفَائِتِينَ۔ اور بِمُعْجِزِينَ کا معنی ہے: ہفائتین یعنی عاجز کرنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلق کو مکرر ذکر کیا ہے۔

وَمَعْنَى مُعْجِزِينَ مُغَالِبِينَ يُرِيدُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا اور مُعْجِزِينَ کا معنی ہے: مُغَالِبِينَ یعنی ان میں سے ہر ایک یہ ارادہ کرتا ہو کہ وہ اپنے صاحب کو عاجز کر دے گا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے یہ اشارہ کیا ہے کہ معجزین باب مفاعلہ سے ہے جو فاعل میں مشارکت کا تقاضا کرتا ہے۔
مُعْشَارٌ عُشْرٌ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَمَا بَلَّغُوا مُعْشَارَ مَا اتَيْنَاهُمْ فَكَذَّبُوا أَرْسُلًا ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝ اور ان سے پہلے لوگوں نے (بھی رسولوں کو) جھٹلایا تھا اور جو (نعمتیں) ہم نے ان کو دی تھیں یہ (کفار مکہ) اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے تو ان پر میرا کیسا عذاب آیا تھا O

(سہ: ۴۵)

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کا معنی ہے: ہم جن لوگوں کو اس سے پہلے ہلاک کر چکے ہیں یہ کفار مکہ جسمانی قوت میں اور اولاد کی کثرت میں ان کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے۔

يُقَالُ الْأَكْلُ الشَّرُّ۔ اُکُلِ اس کا معنی ہے: الشر یعنی پھل۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَعْرِضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعُورِ ۚ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتِ الْأَكْطِ حَسَطٍ ۚ وَشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ۝ پھر انہوں نے اعراض کیا تو ہم نے ان پر تند و تیز سیلاب بھیج دیا، پھر ہم نے ان کے دو باغوں کو ایسے دو باغوں سے تبدیل کر دیا جن میں بد ذائقہ پھل اور جھاؤ کے درخت اور بیری کے بہت کم

سیدھا قلیل ۝ (سہ: ۱۶)

درخت تھے O

کتب تفسیر میں مذکور ہے: الْأَكْلُ کا معنی ہے: پھل اور الْحَسَطُ کا معنی ہے: جھاؤ کے درخت یعنی پیلو کے درخت اور اکثر مفسرین نے کہا ہے اس سے مراد کانٹے دار درخت ہیں۔

بَاعِدٌ وَبَعْدٌ وَاحِدٌ۔ لبعذ اور بَعْدٌ دونوں کا معنی ایک ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَقَالُوا إِنَّا بَعْدُ بَيْنَ أَصْفَارٍ ۚ پھر انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہماری منازل کو دور دور کر دے۔

دے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: بَاعِدٌ اور بَعْدٌ دونوں کا معنی ایک ہے اور بَاعِدٌ اکثرین کی قراءت ہے اور بَعْدٌ ابو عمرو اور ابن کثیر کی قراءت ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَا يَغْرُبُ لَا يَغِيبُ۔ مجاہد نے کہا: لَا يَغْرُبُ یعنی غائب نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ ۚ قُلْ بَلَىٰ وَرَأَيْتُ

لَتَأْتِيَنَّكُمْ عِلْمُ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي
السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَلِكَ وَلَا
أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ①

نہیں! مجھے اپنے رب کی قسم جو عالم الغیب ہے وہ تم پر ضرور آئے
گی، اس سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے نہ آسمانوں
میں اور نہ زمینوں میں اور ہر چیز روشن کتاب میں ہے خواہ وہ ایک
(سبا: ۳) ذرہ سے چھوٹی ہو یا بڑی ②

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تعلق کی ابو محمد الحنظلی نے ابوسعید سے روایت کی ہے، حضرت ابن عباس سے مروی ہے: لَا يَعْزُبُ کا
معنی ہے: آپ کے رب سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

سَيَلَّ الْعَرِمُ السُّدَّ مَاءً أَحْمَرَ أَرْسَلَهُ اللَّهُ فِي السُّدِّ
فَشَقَّهُ وَهَدَمَهُ وَحَفَرَ الْوَادِي فَارْتَفَعَتْ عَنِ
الْجَنَبَيْنِ وَغَابَ عَنْهُمَا الْمَاءُ فَيَبَسَتْ وَلَمْ يَكُنِ الْمَاءُ
الْأَحْمَرُ مِنَ السُّدِّ وَلَكِنْ كَانَ عَذَابًا أَرْسَلَهُ اللَّهُ
عَلَيْهِمْ مِنْ حَيْثُ شَاءَ وَقَالَ عَمْرُو بْنُ شَمْحَبِيلٍ
الْعَرِمُ الْمُسْتَأْثَرُ بِلَحْنِ أَهْلِ الْيَمَنِ وَقَالَ غَيْرُهُ الْعَرِمُ
الْوَادِي۔

الْعَرِمُ اس کا معنی ہے: السُّدُّ یعنی بند، یہ سرخ پانی ہے جس کو اللہ
تعالیٰ نے بند میں بھیجا، پس اس نے اسے پھاڑ دیا اور منہدم کر دیا
اور اس نے ایک وادی کو کھود ڈالا پس دو باغ پانی سے بلند ہو گئے
اور پانی ان سے غائب ہو گیا تو وہ دو باغ خشک ہو گئے اور یہ سرخ
پانی اس بند سے نہ تھا لیکن یہ عذاب تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر بھیجا
جہاں سے چاہا اور عمر بن شرحبیل نے کہا: الْعَرِمُ کا اہل یمن کی
لغت میں معنی ہے: بند، جو سیلاب کو روکنے کے لیے بنایا جاتا ہے
اور دوسروں نے کہا: العرم ایک وادی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: ابن شریب نے کہا کہ ایاس بن رجم بن سلیمان بن داؤد طیلانی کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے ایک مرد کو قبیلہ
ازد سے بھیجا جس کا نام عمرو بن الحجر تھا اور ایک دوسرے شخص کو بھیجا جس کو حنظلہ بن صفوان کہا جاتا تھا اور ان کے زمانے میں یہ بند
ویران ہو چکا تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسولوں نے وہاں کے رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تو انہوں نے کہا: ہم اللہ
تعالیٰ کی اپنے اوپر کسی نعمت کو نہیں پہچانتے، اگر تم سچے ہو تو ہمارے خلاف اور ہمارے بند کے خلاف دعا کرو، سو انہوں نے ان کے
خلاف دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر سرخ رنگ کی موسلا دھار بارش نازل فرمائی گویا کہ اس میں آگ تھی اور ان کے آگے گھوڑا
تھا، پس جب وہ گھوڑا اس بند سے ٹکرایا تو بند ٹوٹ گیا اور ان کے گھر ریت میں دفن ہو گئے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے حتیٰ کہ
عرب کے نزدیک ان کی مثال بن گئی، پس انہوں نے کہا: سبا کے ہاتھوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

السَّابِغَاتُ الدُّرُوعُ۔
السَّابِغَاتُ اس کا معنی ہے: الدُّرُوعُ یعنی زرہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالْكَالَةُ الْخَوِيدَ ③ أَنْ أَعْمَلَ سَبِغَةً وَقَدْ تَرَى السُّرُودَ۔ اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا ④ کہ آپ مکمل زرہیں
(سبا: ۱۰-۱۱) بنائیں اور مناسب انداز سے ان کی کڑیاں جوڑیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے زُرُوعُ یعنی زرہوں کے ساتھ تفسیر کی ہے، اسی طرح امام ابو عبیدہ نے بھی تفسیر کی ہے اور یہ
اضافہ کیا ہے کہ وہ بہت وسیع اور طویل زرہیں تھیں اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ وہ کامل اور وسیع زرہیں تھیں اور بے شک حضرت داؤد
علیہ السلام وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے زرہیں بنائیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ يُجَازِي يُعَاقِبُ۔ اور مجاہد نے کہا: یُجَازِي کا معنی ہے: وہ سزا دیتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ذٰلِكَ جَزَآئُهُمْ بِمَا كَفَرُوا ۗ وَهَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا الْكُفْرَ مَا ۝ (سبا: ۱۷) (ایسی) سزا دیتے ہیں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے بُجَازِی کی تفسیر یُعَاقِبُ کے ساتھ کی ہے یعنی وہ سزا دیتا ہے اور اسی طرح امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

اَعْظَمُكُمْ بِوَاحِدَةٍ بِطَاعَةِ اللَّهِ مَشْنٰی وَفَرَادٰی وَاحِدٌ اَعْظَمُكُمْ بِوَاحِدَةٍ یعنی میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی، مَشْنٰی وَفَرَادٰی یعنی دونوں مل کر یا ایک ایک۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ اِنَّمَا اَعْظَمُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَشْنٰی وَفَرَادٰی لَمْ تَتَّفَكِرُوْا۔ (سبا: ۴۶)

علامہ عینی لکھتے ہیں: کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ میں تم کو حکم دیتا ہوں اور ایک بات کی وصیت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے دودھل کر یا تنہا تنہا قیام کرو درآں حالیہ تم تفکر کر رہے ہو اور تفکر کا معنی ہے: دل سے کسی چیز کو طلب کرنا، دوسرا قول ہے کہ تم دوسروں کے ساتھ مل کر تفکر کرو یا اپنے دل میں تفکر کرو۔

التَّشَاوُشُ اس کا معنی ہے: آخرت سے لوٹ کر دنیا کی طرف آنا اور اس کا اصل معنی ہے: ہاتھ بڑھا کر کسی چیز کو اٹھانا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالُوا اَمَّا بَہٗ ۖ وَآلٰی لَهُمُ التَّشَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ یَّعْبُدُوْنَ ۝ (سبا: ۵۲) اور وہ (اس وقت) کہیں گے: ہم اس (قرآن) پر ایمان لے آئے، اور اتنی دور کی جگہ سے ان کے لیے کیسے (اس کا) حصول ہو سکتا ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے التَّشَاوُشُ کی تفسیر کی ہے: دنیا سے آخرت کی طرف لوٹنا، حضرت ابن عباس بیان فرماتے ہیں کہ وہ لوٹنے کی تمنا کریں گے اور وہ لوٹنے کا وقت نہیں ہے۔

وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ مِنْ مَّالٍ اَوْ وَلَدٍ اَوْ زَهْرَةٍ ۚ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ یعنی ان کے مال یا اولاد یا دنیا کی تروتازگی جو ان کے سامان کی مثل ہو، کی خواہش کے درمیان۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجَهْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُجِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِمَّنْ قَبْلُ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مِّنْہَا ۝ (سبا: ۵۴) اور ان کے اور ان کی خواہشوں کے درمیان ایک حجاب ڈال دیا گیا جیسے پہلے بھی ان جیسے لوگوں کے ساتھ کیا گیا تھا، بے شک وہ بھی بہت بڑے شک میں مبتلا تھے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے بِأَشْيَاعِهِمْ کی تفسیر بِأَشْيَاعِهِمْ کے ساتھ کی ہے یعنی جو لوگ ان کے دین پر تھے اور گزشتہ امتوں میں سے ان کے موافق تھے جس وقت ان سے توبہ کو اور ایمان کو قبول نہیں کیا گیا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَالْجَوَابِ كَالْجَوْبَةِ مِنَ الْأَرْضِ۔ حضرت ابن عباس نے کہا: کالجواب اس کا معنی ہے: کالجوبۃ مِنَ الْأَرْضِ یعنی زمین میں حوض کی مثل۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِبٍ وَتَمَائِيلٍ وَجَفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقَدْ ذُورِثَا سِلْمٍ۔ (سبا: ۵۴)

سلیمان جو کچھ چاہتے تھے وہ (جنات) ان کے لیے بنا دیتے تھے قلعے اور مجسمے اور حوضوں کے برابر ٹب اور چولہوں پر جمی ہوئی دیگیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام ابن ابی حاتم نے اس تعلق کی حضرت ابن عباس کی طرف نسبت کی ہے اور مجاہد نے کہا: الجواب کا معنی ہے: اونٹوں کے حوض اور لغت میں اس کی اصل الْجَابِيَّةُ ہے اور یہ وہ حوض ہے جس میں کوئی چیز جمع کی جاتی ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک ٹب کو ایک ہزار آدمی مل کر اٹھاتے تھے اور الجفان جَفْنَه کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: ٹب اور الجواب جابیہ کی جمع ہے۔

الْخَطُّ الْأَرَاكُ وَالْأَكْلُ الطَّرْقَاءُ۔ الخط کا معنی ہے: الْأَرَاكُ یعنی پیلو کے درخت اور الْأَكْلُ کا معنی ہے: الطَّرْقَاءُ یعنی جھاؤ کے درخت۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَهَذَا لَهُمْ بِجَنَّتِهِمْ جَنَّاتٍ ذَوَاتِ الْأُكُلِ خَطِطًا وَأَثَلٍ۔ پھر ہم نے ان کے دو باغوں کو ایسے دو باغوں سے تبدیل کر دیا جن میں بدذاائقہ پھل اور جھاؤ کے درخت تھے۔ (سبا: ۱۶)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الْخَطُّ کی تفسیر پیلو کے درخت کے ساتھ کی ہے۔ یہ وہ درخت ہے جس کی جڑ سے مسواک بنائی جاتی ہے، یہ مجاہد اور ضحاک کا قول ہے اور امام ابو عبیدہ نے کہا کہ الخط ہر کانٹے دار درخت ہے جس کا پھل بدذاائقہ ہو اور ابن فارس نے کہا: جس درخت میں کانٹے نہ ہوں۔

الْعَرِيرُ الشَّدِيدُ۔ العَرِيرُ اس کا معنی ہے: الشَّدِيدُ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَعْرَضُوا فَأَنرَسَلْنَا عَلَيْهِمُ السَّيْلَ الْعَرِيرَ۔ (سبا: ۱۶)

[ان تمام تعلیقات کی شرح عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۸۶-۱۸۲ سے لی گئی ہیں]

۱۔ بَابُ: حَتَّىٰ إِذَا فُزِعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقُّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝ (سبا: ۲۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: حتیٰ کہ جب ان شفاعت کرنے والوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جائے گی، تو (طالبین شفاعت ان سے) پوچھیں گے کہ آپ کے رب نے کیا فرمایا تھا؟ وہ کہیں گے: حق فرمایا تھا اور وہ نہایت بلند اور بہت بڑا ہے ۝ (سبا: ۲۳) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے شروع کا حصہ یہ ہے:

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ۔ (سبا: ۲۳) اور اس کے پاس صرف اسی کی شفاعت نفع آور ہوگی جس کو وہ

شفاعت کرنے کی اجازت دے گا۔

یعنی اس دن کسی فرشتے اور نہ کسی نبی کی شفاعت نفع دے گی حتیٰ کہ اس کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور اس آیت میں کفار کے اس عقیدہ کا رد ہے کہ ان کے معبودان کی شفاعت کریں گے: نیز فرمایا: حتیٰ کہ ان شفاعت کرنے والوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جائے گی۔ اس میں اختلاف ہے کہ ان کے دلوں سے کون گھبراہٹ کو نکالے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سننے سے ان کے دلوں میں جو خوف اور گھبراہٹ پیدا ہوگی تو فرشتے ان کے دلوں سے اس گھبراہٹ کو نکال دیں گے، پھر وہ ایک دوسرے سے پوچھیں گے: تمہارے رب نے کیا فرمایا تھا؟ تو وہ کہیں گے: حق فرمایا تھا اور وہ بلند اور نہایت بڑا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ مشرکین کی موت کے وقت ان کے دلوں میں گھبراہٹ ہوگی تو جب وہ گھبراہٹ دور ہو جائے گی تو ان سے فرشتے پوچھیں گے: تمہارے رب نے کیا فرمایا تھا؟ پس وہ کہیں گے: حق فرمایا تھا، پس وہ موت کے وقت اقرار کر لیں گے، لیکن اب ان کا یہ اقرار ان کو نفع نہیں دے گا۔ یہ حسن بصری کا قول ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۸۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے عمرہ سے سنا، وہ کہتے تھے: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی چیز کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے عجز کے ساتھ اپنے پروں کو مارتے ہیں اس کے ارشاد کی بیعت کی وجہ سے گویا کہ وہ ایک زنجیر ہے جو پتھر پر ماری گئی، ہو پس جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا تھا؟ (باب ۲۳) تو وہ اس سے کہتے ہیں جس سے فرمایا تھا اس نے حق فرمایا اور وہ بہت بلند اور نہایت بڑا ہے، پس اس بات کو چوری چھپے سننے والے شیطان سن کر بھاگتے ہیں، شیطان آسمان کے نیچے یوں اوپر نیچے ہوتے ہیں، سفیان نے اس موقع پر تھیلی کو موڑ کر انگلیاں الگ الگ کر کے شیاطین کے جمع ہونے کی کیفیت بتائی کہ اس طرح شیاطین ایک کے اوپر ایک ہوتے ہیں، پھر وہ شیاطین کوئی ایک بات سن لیتے ہیں اور اپنے نیچے والے کو بتاتے ہیں، پھر وہ اپنے سے نیچے والے کو بتاتے ہیں، اس طرح وہ بات سا حریا کا بن تک پہنچتی ہے، کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کہ وہ یہ بات اسنے سے نیچے والے کو بتائیں آگ کا اک شعلہ انہیں دبوچ لیتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ بتاتے ہیں

۲۸۰۰۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ مَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ إِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِذَا قَضَى اللَّهُ الْأَمْرَ فِي الشَّيْءِ ضَرَبَتْ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ كَأَنَّهُ سِلْسِلَةٌ عَلَى صَفْوَانٍ فَإِذَا فُزِعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الَّذِي قَالَ الْحَقُّ وَهُوَ الْعِلْمُ الْكَبِيرُ فَيَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُ السَّمْعِ وَمُسْتَرِقُ السَّمْعِ هَكَذَا بَعْضُهُ فَوْقَ بَعْضٍ وَوَصَفَ سُفْيَانُ بِكَفِّهِ فَحَرَفَهَا وَبَدَّدَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ فَيَسْمَعُ الْكَلِمَةَ فَيُلْقِيهَا إِلَى مَنْ تَحْتَهُ ثُمَّ يُلْقِيهَا الْآخِرُ إِلَى مَنْ تَحْتَهُ حَتَّى يُلْقِيَهَا عَلَى لِسَانِ السَّاحِرِ أَوْ الْكَاهِنِ فَرُبَّمَا أَدْرَكَ الشَّهَابُ قَبْلَ أَنْ يُلْقِيَهَا وَرُبَّمَا أَلْقَاهَا قَبْلَ أَنْ يُذْرِكَ فَيَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةٌ كَذِبَةٍ فَيَقَالُ أَلَيْسَ قَدْ قَالَ لَنَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا كَذَا وَكَذَا فَيَصْدُقُ بِتِلْكَ الْكَلِمَةِ الْبَقِيَّةُ مِنَ السَّمَاءِ

تو آگ کا انگارہ ان پر پڑتا ہے، اس کے بعد کاہن اس میں سو جھوٹ ملا کر لوگوں سے بیان کرتا ہے، (جب اس کاہن کی ایک بات صحیح ہو جاتی ہے تو ان کے ماننے والوں کی طرف سے) کہا جاتا ہے کہ کیا اس، اس طرح ہم سے فلاں دن کاہن نے نہیں کہا تھا، اسی ایک بات کی وجہ سے جو آسمان پر شیاطین نے سنی تھی کاہنوں اور ساحروں کی بات کو لوگ سچا جاننے لگتے ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۷۰۱ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے بعض مشکل جملوں کی شرح علامہ عینی سے

علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کے بعض مشکل جملوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب اللہ کسی چیز کا فیصلہ فرماتا ہے: امام طبرانی نے النواس بن سمان سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ وحی سے کلام فرماتا ہے تو آسمان اللہ تعالیٰ کے خوف سے بہت زیادہ لرزنے لگتا ہے، پھر جب اس کلام کو فرشتے سنتے ہیں تو بے ہوش ہو جاتے ہیں اور سجدہ میں گر جاتے ہیں، پھر ان میں سے سب سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنا سراٹھاتے ہیں، پھر اللہ جو چاہتا ہے اپنی وحی سے ان سے کلام فرماتا ہے، پھر حضرت جبرائیل فرشتوں کے پاس پہنچتے ہیں، پھر جب بھی وہ کسی آسمان سے گزرتے ہیں وہ آسمان والے ان سے سوال کرتے ہیں: ہمارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ وہ کہتے ہیں: ہمارے رب نے حق فرمایا۔

خُضْعَانًا: اس کا معنی ہے: عاجزی سے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۸۶ ادار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے بعض مشکل جملوں کی شرح حافظ ابن حجر سے

حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کے بعض مشکل جملوں کی شرح میں لکھتے ہیں: گویا کہ وہ قول ایک زنجیر ہے جو پتھر پر ماری گئی ہو: اس کی مثل بدء الوحی میں ہے: اس کی آواز گھنٹی کی آواز کی طرح ہے، یہ دراصل فرشتے کی وحی کی آواز ہے، اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ وحی سے کلام کرتا ہے تو اس کو تمام آسمانوں والے اس طرح سنتے ہیں جیسے کسی زنجیر کو پتھر پر مارا جائے تو آواز آتی ہے، پس وہ سب خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ قیامت آگئی اور اس حدیث کی اصل سنن ابوداؤد میں موقوفہ روایت ہے جس کا ذکر ان شاء اللہ کتاب التوحید میں آئے گا۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: الصلصلہ لوہے کے ہلانے کی آواز ہے، یہ بدء الوحی کے اعتبار سے ہے اور جو یہاں ذکر ہے وہ یہ ہے کہ لوہے کی زنجیر کو کسی چکنے پتھر پر مارا جائے تو اس سے جو آواز آتی ہے۔

چکنے پتھر پر: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ جب بھی اللہ کا کلام آسمان والوں پر نازل ہوتا ہے تو وہ خوف سے بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ اور امام مسلم اور امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ چند انصاری نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو ایک ستارہ مارا گیا، پھر وہ چھپ گیا، آپ نے پوچھا: جب زمانہ جاہلیت میں یہ ستارہ مارا جاتا تھا تو تم اس کے متعلق کیا کہتے تھے؟ انہوں نے کہا: تو ہم کہتے تھے کہ بہت بڑا آدمی فوت ہو گیا ہے یا کسی بڑے آدمی کا بیٹا فوت ہو گیا ہے، آپ نے فرمایا: یہ ستارہ نہ کسی کی موت کی وجہ سے مارا جاتا ہے اور نہ کسی کی حیات کی وجہ سے، لیکن جب ہمارا رب کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو حاملین عرش اس کی تسبیح کرتے ہیں، پھر حاملین عرش کے نزدیک جو آسمان کے فرشتے ہیں وہ اس کی تسبیح کرتے ہیں حتیٰ کہ یہ تسبیح

آسمان دنیا تک پہنچتی ہے، پھر وہ حاملین عرش یہ کہتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا۔ الحدیث، اور کتاب التوحید میں اس حدیث کی مزید شرح آئے گی۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۹۱-۷۹۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۔ بَابُ: اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ

عَذَابٍ شَدِيدٍ ۝ (سبا: ۴۶)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وہ تو صرف تم کو سخت عذاب کے

آنے سے پہلے ڈرانے والے ہیں ۝ (سبا: ۴۶) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ تو صرف تم کو قیامت کے دن کے سخت عذاب سے ڈرانے

والے ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۸۷)

۳۸۰۱۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ

حَازِمٍ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ سَعِيدِ

بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ صَبَّاحَاةُ

النَّبِيِّ ﷺ الصَّفَا ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ يَا صَبَّاحَاةُ

فَاجْتَنَعْتُ إِلَيْهِ قُرَيْشٌ قَالُوا مَا لَكَ قَالَ أَرَأَيْتُمْ لَوْ

أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ الْعَدُوَّ يُصَبِّحُكُمْ أَوْ يُسَبِّحُكُمْ أَمَا كُنْتُمْ

تُصَدِّقُونِ قَالُوا بَلَى قَالَ فَإِنِّي نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ

عَذَابٍ شَدِيدٍ فَقَالَ أَبُو لَهَبٍ تَبَالَكَ إِلَهَذَا جَمَعْتَنَا

فَأَنْزَلَ اللَّهُ ﴿تَبَّتْ يُدَا آبَى لَهَبٍ﴾ (الب: ۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن حازم نے حدیث بیان کی،

انہوں نے کہا: ہمیں الأعش نے حدیث بیان کی از عمرو بن مرہ از

سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ

ایک دن نبی ﷺ صفا پہاڑ پر چڑھے اور آپ نے بلند آواز سے

فرمایا: یا صباحا (لوگو دوڑو)، پس تمام قریش آپ کی طرف جمع ہو

گئے، انہوں نے کہا: کیا ہوا، کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا: تم مجھے

یہ بتاؤ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ دشمن صبح کو یا شام کو تم پر حملہ کرنے

والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا: کیوں

نہیں۔ آپ نے فرمایا: تو پھر میں تم کو سخت عذاب سے ڈرانے والا

ہوں جو تم پر آنے والا ہے تو ابولہب نے کہا: تمہارے لیے ہلاکت

ہو کیا تم نے ہم کو صرف اس لیے جمع کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت

نازل فرمائی: تَبَّتْ يُدَا آبَى لَهَبٍ (الب: ۱) ابولہب کے دونوں

ہاتھ ٹوٹ جائیں۔

يَا صَبَّاحَاةُ: یہ وہ کلمہ ہے جس کو عرب لوٹ مار کے خطرے سے آگاہ کرنے کے لیے بولتے ہیں اور زیادہ تر یہ خطرہ صبح کے وقت

پیش آتا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۸۷)

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ امام بخاری نے سورہ سبا کی جو تفسیر کی تھی اس کی شرح مکمل ہو گئی، اب ان شاء اللہ سورہ فاطر کی تفسیر

کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۳۵۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ الْمَلٰئِكَةِ

سورة الملائكة (فاطر) کی تفسیر

سورة الملائكة (فاطر) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ فاطر کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور یہ سورت مکی ہے، یہ سورۃ مریم سے پہلے اور سورۃ الفرقان کے بعد نازل ہوئی ہے اور

اس میں پینتالیس (۳۵) آیات ہیں۔

الْقَاطِبِينَ اس کا معنی ہے: کھجور کی گنھلی کے اوپر بار یک سا چھلکا یا جھلی۔

قَالَ مُجَاهِدٌ الْقَاطِبِيُّ لِفَافَةِ الثَّوَابِ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ۝ اور جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو، وہ کھجور کی گنھلی کے چھلکے (فاطر: ۱۳) کے (بھی) مالک نہیں ہیں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے القطیر کا یہ معنی کیا ہے: کھجور کی گنھلی کے اوپر بار یک سا چھلکا، مجاہد نے بھی اسی طرح کہا

ہے، اور عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ القطیر کھجور کی گنھلی کے اوپر والے چھلکے کو کہتے ہیں۔

مُثْقَلَةٌ مُثْقَلَةٌ اس کا معنی ہے: بوجھ اٹھانے والا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ جِلْهَا لَا يَحْمِلُ مِنْهُ شَيْءٌ ۖ اور اگر کوئی بوجھ والا اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے کسی دوسرے کو بلائے گا تو اس کے بوجھ میں سے کچھ بھی نہ اٹھایا جائے گا۔ (فاطر: ۱۶)

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: کوئی گناہوں کا بوجھ اٹھانے والا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۸۸)

وَقَالَ غَيْرُهُ الْخُرُورُ بِالنَّهَارِ مَعَ الشَّمْسِ۔ اور دوسروں نے کہا ہے: الْخُرُورُ: دن کے وقت کی دھوپ کو کہا جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ وَلَا الظُّلُمُتُ وَلَا النُّورُ ۚ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ۚ (فاطر: ۱۹-۲۰-۲۱) اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہے ۝ اور نہ اندھیرے اور روشنی برابر ہے ۝ اور نہ سایا اور دھوپ برابر ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا کہ الحرور سے مراد دھوپ ہے اور کتب تفسیر میں ہے کہ وَمَا يَسْتَوِي

الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ (فاطر: ۱۹) کا معنی ہے کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہیں اور نہ کفر اور ایمان برابر ہے اور وَلَا الظِّلُّ وَلَا

الْحَوْوُ ۝ کا معنی ہے: جنت اور دوزخ برابر نہیں ہے اور الحور کا معنی ہے: دھوپ، اور ایک قول ہے: حرور کا معنی ہے: رات کو چلنے والی گرم ہوا اور سَنُوم کا معنی ہے: دن کو چلنے والی گرم ہوا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْخَرُورُ بِاللَّيْلِ وَالشُّومُ
بِالنَّهَارِ۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ حرمہ کی تفسیر کی ہے اور جو انہوں نے ذکر کیا ہے وہ ابوذر کے نسخہ میں نہیں ہے۔

وَعَرَّابِيبُ أَشَدُّ سَوَادٍ الْغَرِيبُ الشَّدِيدُ السَّوَادِ
وَعَرَّابِيبُ سَوَادِ اس کا معنی ہے: بہت زیادہ سیاہ، الْغَرِيبُ کا معنی
ہے بہت شدید سیاہی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهِ
 شَجَرًا مَّخْضِلًا اَلْوَانُهَا ۚ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيَضٌ وَّ
 حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَاَعْرَابٌ يَّهْبُ سُوْدٌ ﴿٢٤﴾ (فاطر: ۲۴)

کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا، پھر
 ہم نے اس سے مختلف رنگوں کے پھل پیدا کیے اور پہاڑوں کے حصے
 ہیں سفید اور سرخ ان کے رنگ مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ O

علامہ یعنی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ عَوَاہِیْتُ غریب کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: بہت سخت سیاہ اور وہ کوئے کے رنگ کے مشابہ ہے۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۸۸-۱۸۷ سے لی گئی ہے]

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ امام بخاری نے سورۃ فاطر کی شرح میں جو تعلیقات درج کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ یاسین کی امام بخاری کی کی ہوئی تفسیر کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۳۶۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ یٰس

سورہ یس کی تفسیر

سورہ یسین کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورہ یسین کی بعض آیات کی تفسیر ہے، ابو العباس نے لکھا ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مکی ہے، یہ سورہ فرقان سے پہلے اور سورہ جن کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس میں تراوی (۸۳) آیات ہیں۔

سورہ یس کے بعض فضائل

ہم نے لکھا ہے: بعض ظنی روایات کے مطابق یس اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ (جامع البیان: ۲۲۲۲)

اور بعض روایات کے مطابق یس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں سے ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۱۶)

سورہ یس کو پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز کا قلب ہوتا ہے اور قرآن کا قلب یس ہے اور جس نے سورہ یس کو پڑھا اللہ تعالیٰ اس کو سورہ یس پڑھنے کی وجہ سے دس بار قرآن پڑھنے کا اجر عطا فرمائے گا۔ (سنن ترمذی: ۲۸۸۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جس شخص نے کسی رات میں سورہ یس کو پڑھا اس رات میں اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔ (سنن داری: ۳۴۱۸) (انوار تبیان القرآن ص ۷۰۲، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ فَعَزَّزْنَا شِدَّةً دَنَا۔ اور مجاہد نے کہا: فَعَزَّزْنَا اس کے معنی ہے: ہم نے قوت دی یا تائید کی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْنَا مَرْسَلُونَ ۝

(یس: ۱۳) نے کہا: ہم تمہاری طرف پیغام دے کر بھیجے گئے ہیں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی ہم نے ان کی تائید کی، امام عبد بن حمید نے اس کی تفسیر میں کہا ہے: ہم نے تیسرے رسول سے ان دو رسولوں کی تائید کی اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رسول تھے جن کو انہوں نے انطاکیہ کی طرف بھیجا تھا، ان کے نام صادق، صدوق اور شلوم ہیں اور کہا گیا ہے کہ تیسرے کا نام شمعون تھا۔

يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ كَانَ حَسْرَةً عَلَيْهِمْ اَسْتَهْزَاؤُهُمْ بِالرُّسُلِ۔ کیونکہ انہوں نے رسولوں کا مذاق اڑایا تھا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يُحْزَرُ عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ (یس: ۳۰)

(کہا گیا:) ہائے افسوس! ان بندوں پر جب بھی ان کے پاس کوئی رسول آیا وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے ○

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے حسرت کی تفسیر کی ہے: ان کا رسولوں کا مذاق اڑانا یعنی دنیا میں، ابو العالیہ نے کہا: جب ان کو عذاب دیا جائے گا تو وہ کہیں گے: ہائے بندوں پر افسوس ہے! یعنی وہ ان تین رسولوں پر ایمان نہیں لائے اور قیامت کے دن ان پر ایمان لائے جب ان کا ایمان انہیں نفع نہیں دے گا۔

أَنْ تَذَرِكَ الْقَمَرَ لَا يَسْتَرْضَوْنَ أَحَدَهُمَا ضَوْءَ الْآخِرِ
وَلَا يَنْبَغِي لَهُمَا ذَلِكَ سَابِقُ النَّهَارِ يَتَطَالَبَانِ
حَشِيشَيْنِ۔

اَنْ تَذَرِكَ الْقَمَرَ اس کا معنی ہے کہ سورج اور چاند میں سے کوئی دوسرے کی روشنی کو نہیں چھپاتا اور نہ یہ ان کے لیے مناسب ہے اور نہ رات دن پر سبقت کر سکتی ہے اور سورج اور چاند میں سے ہر ایک اپنے صاحب کو طلب کرتا ہے اس حال میں کہ وہ دونوں طلب میں کوشاں ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ
النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (یس: ۳۰)

نہ سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے اور ہر ایک (سیارہ) اپنے مدار میں تیر رہا ہے ○

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اَنْ تَذَرِكَ الْقَمَرَ کی یہ تفسیر کی ہے کہ چاند اور سورج میں سے کوئی دوسرے کی روشنی نہیں چھپا سکتا اور نہ یہ ان کے لیے چھپانا مناسب ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی ایک حد ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتا اور نہ اس حد سے کم کر سکتا ہے، پس جب وہ جمع ہو جائیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے صاحب کو پکڑ لے تو قیامت آجائے گی اور فرمایا: اور نہ رات دن پر سبقت کر سکتی ہے یعنی سورج اور چاند ان میں سے ہر ایک اپنے صاحب کو طلب کرتا ہے اور اس میں کوشاں ہے، پس یہ صرف اس وقت میں جمع ہوں گے جس وقت کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے معین کر دیا ہے اور وہ قیامت کا دن ہے۔

نَسْلَخُ مِنْهُمُ الْيَوْمَ الْآخِرَ وَيَجْعَلُ كُلُّ وَأَحَدٍ
مِنْهُمْ نَسْلَخُ اس کا معنی ہے: ہم رات اور دن میں ایک کو دوسرے سے کھینچ لیتے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک دوسرے پر وارد ہوتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَيُّ الْيَوْمِ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُم مَّقْلَبُونَ (یس: ۳۷)

اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے، ہم اس سے دن کو کھینچ لیتے ہیں تو یکایک وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں ○

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے نَسْلَخُ کی تفسیر کی ہے کہ ہم رات اور دن میں سے ایک کو دوسرے سے نکال لیتے ہیں، اور کتب تفسیر میں مذکور ہے: ہم رات کو کھینچ لیتے ہیں اور اس سے دن کو نکالتے ہیں۔

اصل میں نَسْلَخُ کا معنی ہے: بکری کی کھال کو کھینچ لینا، اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ ہم دن کی روشنی کو کھینچ لیتے ہیں اور اس کے اوپر رات کے اندھیرے کو طاری کر دیتے ہیں۔

من مثله من الأنعام۔

من مثله اس سے مراد ہے: ہم نے کشتی کی مثل مویشی پیدا کیے ہیں جیسے اونٹ، گھوڑے، گدھے اور خچر وغیرہ جن پر لوگ سوار

ہوتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ۝

اور ہم نے ان کے لیے اس کشتی کی مثل اور چیزیں پیدا کیں جن پر

(یس: ۴۲) وہ سوار ہوتے ہیں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا: کشتی کی مثل وہ مویشی ہیں جن پر لوگ سوار ہوتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اونٹ خشکی کی کشتی ہے، اور ابو مالک سے مروی ہے یہ مویشی چھوٹی چھوٹی کشتیاں ہیں۔

فَكَهْؤُنَ مُعْجَبُونَ۔ فَكَهْؤُنَ کا معنی ہے: مُعْجَبُونَ یعنی خوش ہوں گے یا خوش ہونے والے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ فَاكُهُونَ ۝

بے شک اہل جنت آج دل چسپ مشغلوں میں خوش و خرم ہوں

(یس: ۵۵) گے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام کسائی نے کہا: الفاکہ کا معنی ہے: ذوالفاکہ یعنی پھلوں والا جیسے تاجر اور لابن یعنی کھجور والا اور دودھ والا اور السدی سے روایت ہے: وہ نعمتوں میں ہوں گے اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ وہ خوش ہوں گے۔

جُنْدٌ مُخَضَّرُونَ عِنْدَ الْحِسَابِ۔ جند محضرون: اس سے مراد ہے: یہ بت حساب کے وقت حاضر کیے جائیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُنْضَرُونَ ۝

حالانکہ وہ (بت) کسی کی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے (بلکہ) وہ

(یس: ۷۵) (مشرکین) خود (ان کی مدافعت کے لیے) کمر بستہ ہیں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی کفار، اور لشکر مراد ہے: ان کا گروہ اور ان کے مددگار سب حساب کے وقت حاضر کیے جائیں گے اور وہ ایک دوسرے کی مدافعت نہیں کر سکیں گے۔

وَيَذْكُرُهُنَّ عَنْ عِكْرِمَةَ الْمُشْحُونِ الْمُوقَرِّ۔ اور عکرمہ سے ذکر کیا جاتا ہے کہ الْمُشْحُونِ کا معنی ہے: بوجھل، بھری ہوئی، لدی ہوئی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَيُّهُمْ أَتَّحَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلِ الْمَشْحُونِ ۝

اور ان کے لیے اس بھری ہوئی کشتی میں نشانی ہے جس میں ہم نے

(یس: ۴۱) ان کی اولاد کو سوار کر دیا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام عکرمہ سے منقول ہے کہ المشحون کا معنی ہے: بھری ہوئی کشتی اور یہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی تھی، انہوں نے لوگوں کے آباء و اجداد کو اور ان کو جوان کی پشتوں میں تھے ان کو سوار کیا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طَائِرُكُمْ مَصَائِبُكُمْ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: طائرُكُمْ کا معنی ہے: تمہاری مصیبتیں یا تمہاری نحوستیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالُوا طَآئِرُكُمْ مَعَكُمْ ؕ اٰیِنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿١٩﴾ (یس: ۱۹)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے طَآئِرُكُمْ کی تفسیر تمہارے مصائب کی ہے اور قتادہ سے منقول ہے: تمہارے اعمال۔
یَنْسِلُونَ یَخْرُجُونَ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

و تُفْعَلُ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْآجِدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ یَسْأَلُونَ ﴿٥١﴾ (یس: ۵۱)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یَسْأَلُونَ کی تفسیر کی ہے: وہ تیزی سے نکلیں گے اور اسی سے نَسِیل کا لفظ ماخوذ ہے جو اس بچے کے لیے کہا جاتا ہے جو اپنی ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے۔

مَرْقِدِنَا مَحْرَجِنَا۔
مَرْقِدِنَا اس کا معنی ہے: مخرجنا یعنی ہمارے نکلنے کی جگہ اور اس سے مراد قبر ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالُوا يٰوَيْلَنَا مِنْ بَعَثْنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۚ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٢﴾ (یس: ۵۲)

رسولوں نے سچ کہا تھا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مرقد کی تفسیر نکلنے کی جگہ کے ساتھ کی ہے، اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کس نے ہم کو ہماری نیندوں سے اٹھا دیا، حضرت ابن عباس اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما اور قتادہ سے منقول ہے: یہ وہ صرف اس وقت کہیں گے، کیونکہ دو صورت پھونکنے کے وقتوں میں اللہ ان سے عذاب کو اٹھالے گا تو وہ سو جائیں گے اور دوسرا قول یہ ہے کہ کفار جب جہنم اور اس کے عذاب کی انواع و اقسام کا مشاہدہ کریں گے تو ان کو قبروں میں جو عذاب دیا گیا تھا وہ ان کے پہلو میں خواب کی طرح ہوگا تو وہ کہیں گے: ہائے ہماری مصیبت! کس نے ہم کو خواب سے اٹھا دیا۔

أَحْصَيْنَاۤهُ حِفْظَنَاۤهُ۔
أَحْصَيْنَاۤهُ اس کا معنی ہے: حَفْظْنَاۤہ یعنی ہم نے اس کو محفوظ کر لیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ ۚ وَكُلُّ شَيْءٍۭٓ أَحْصَيْنَاهُ ۚ لِيَاۤمُرُوا مَوْلٰیہُمْ ﴿١٢﴾ (یس: ۱۲)

بے شک ہم ہی مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور ہم ان کے وہ عمل لکھ رہے ہیں جو انہوں نے پہلے بھیج دیے اور وہ عمل (بھی) جو انہوں نے پیچھے چھوڑ دیے اور ہم نے ہر چیز کا احاطہ کر کے لوح محفوظ میں منضبط کر دیا ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ تم کو معلوم ہے اور ہم نے اس کا شمار کر لیا ہے اور ہم نے اس کو امام حسین یعنی لوح محفوظ میں محفوظ کر لیا ہے۔

مَكَانَتُهُمْ وَمَكَانَهُمْ وَاحِدٌ۔ مَكَانَتُهُمْ اور مَكَانَهُمْ دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَمَكَّنَّاكَ عَلَى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ ﴿٦٤﴾ (یس: ۶۴)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا ہے: المکانۃ اور المکان دونوں کا ایک معنی ہے اور امام طبری نے العونی سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ہم ان کو ان کے گھروں میں ہلاک کر دیتے۔

[تمام تعلیقات کی یہ شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۹۰-۱۸۸ میں ذکر کی ہے]

۱۔ بَابُ: وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۳۸﴾ (یس: ۳۸)

علامہ عینی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سورج اپنے مستقر میں اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک اپنی منزلوں کو طے نہیں کر لیتا، دوسرا قول یہ ہے: اس سلسلے کی انتہاء اس وقت ہوگی جب دنیا ختم ہو جائے گی اور یہ دن اور رات اور سورج کا جو معاملہ ذکر کیا گیا ہے یہ اللہ عزوجل جو بہت غالب ہے اور بہت علم والا ہے اس کا اپنے ملک میں بنایا ہوا نظام ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۹۱-۱۹۰)

۳۸۰۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو نَعِيمٍ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ عِنْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ أَتَذَرِي أَيْنَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّهَا تَذْهَبُ حَتَّى تَسْجُدَ تَحْتَ الْعَرْشِ فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا﴾ ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۳۸﴾ (یس: ۳۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از ابراہیم تیمی از والد خود از حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ سورج کے غروب ہونے کے وقت مسجد میں تھا، آپ نے فرمایا: اے ابوذر! کیا تم جانتے ہو سورج کہاں غروب ہوتا ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو ہی زیادہ علم ہے، آپ نے فرمایا: پس بے شک سورج چلتا رہتا ہے حتیٰ کہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق ہے: وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ﴿۳۸﴾ (یس: ۳۸) اور سورج اپنی مقرر شدہ منزل تک چلتا رہتا ہے۔ یہ بہت غالب بے حد علم والا ہے بنایا ہوا نظام ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۱۹۹ میں گزر چکی ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے

۳۸۰۳۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ

سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا﴾ (یس: ۳۸) قَالَ مُسْتَقَرُّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ

کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از ابراہیم التیمی از والد خود از حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق سوال کیا: وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا (یس: ۳۸) اور سورج اپنی مقرر شدہ منزل تک چلتا رہتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کی منزل عرش کے نیچے ہے۔

اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری، ۳۱۹۹ میں گزر چکی ہے۔

عرش کے نیچے سورج کے سجدہ کرنے کے متعلق علامہ عینی کی تقریر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پہلی حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے خود حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ سورج کہاں غروب ہوتا ہے؟ اور دوسری حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوذر نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ سورج کہاں غروب ہوتا ہے اور پہلی حدیث میں مذکور ہے کہ سورج عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور اس کا انکار اس لیے نہیں کیا جائے گا کہ سورج اپنے چلنے اور اپنی رفتار میں عرش کے بالمقابل ہوتا ہے اور قرآن مجید میں مذکور ہے کہ سورج اور چاند اور ستارے سب اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں، اگر تم یہ اعتراض کرو کہ دوسری جگہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجْدًا فَاتَّغَيَّبَ فِي غُيُبٍ خِثْلَةٍ - (الہف: ۸۶)

حتیٰ کہ جب وہ (ذوالقرنین) غروب آفتاب کی جگہ پہنچے تو انہوں نے اسے سیاہ دلدل کے چشمے میں غروب ہوتے ہوئے پایا۔

ان حدیثوں میں مذکور ہے کہ سورج غروب کے وقت عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور اس آیت میں مذکور ہے کہ سورج سیاہ دلدل کے چشمے میں غروب ہوا تھا اور ان میں تعارض ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں تعارض نہیں ہے اس لیے کہ اس آیت میں سورج کے غروب کے وقت بصر کے ادراک کی انتہاء کا بیان ہے اور حدیث میں جو ذکر ہے کہ وہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے وہ غروب کے بعد کا واقعہ ہے اور سیاہ دلدل کے چشمے میں غروب کا یہ معنی نہیں ہے کہ سورج اس چشمے میں گر جاتا ہے بلکہ اس آیت میں ذوالقرنین کے سفر کی انتہاء کو بیان کیا گیا ہے حتیٰ کہ انہیں اس کے بعد کوئی بڑا راستہ نہیں ملا جیسے کوئی شخص ساحل سمندر پر کھڑا ہو تو وہ غروب آفتاب کے وقت یہ دیکھے کہ سورج سمندر میں غروب ہو رہا ہے اور درحقیقت وہ اس سمندر کے نیچے غروب ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کو حقیقت حال کا علم ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

عرش کے نیچے سورج کے سجدہ کرنے کے متعلق حافظ ابن حجر کی تقریر

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام نسائی نے اس حدیث کو از اسحاق بن ابراہیم از ابو نعیم شیخ بخاری روایت کیا ہے اور اس کی یہ عبارت ہے کہ سورج عرش کے نیچے اپنے رب کے پاس چلتا رہتا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرتا ہے تو اس کو طلوع کی اجازت دی جاتی ہے اور قریب ہے سورج اجازت طلب کرے گا تو اسے اجازت نہیں دی جائے گی، اس وقت اس سے کہا جائے گا: تم اس جگہ سے طلوع ہو جاؤ۔ (یہ اس وقت ہوگا جب قیامت آئے گی)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ سورج چلتا رہتا ہے حتیٰ کہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور عنقریب کتاب التوحید میں آئے گا کہ سورج چلتا رہے گا، پھر وہ سجدہ کی اجازت طلب کرتا ہے تو اس کو اجازت دی جاتی ہے گویا کہ اس سے کہا جائے گا، تو جہاں سے آیا ہے وہیں طلوع ہو، اور امام عبدالرزاق کی روایت ہے کہ جب سورج غروب ہوگا تو وہ سلام کرے گا، سجدہ کرے گا اور اجازت طلب کرے گا تو اس کو اجازت نہیں دی جائے گی، پس جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا سورج ٹھہرا رہے گا، پھر اس سے کہا جائے گا: جہاں سے تو غروب ہوا ہے وہیں سے طلوع ہو جا، پس اس وقت سے لے کر قیامت تک جو شخص اس وقت ایمان نہیں لایا ہے اسے ایمان لانے کا فائدہ نہیں ہوگا، اور جو حدیث میں ہے کہ سورج عرش کے نیچے سجدہ کرے گا تو کہا گیا ہے کہ سورج عرش کی محاذات میں سجدہ کرے گا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۹۳-۷۹۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

سورج کے مستقر کے متعلق مصنف کی تقریر

ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیت میں مستقر کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) اس مستقر سے مراد ظرف زمان ہے اور وہ قیامت تک کا وقت ہے یعنی قیامت آنے تک سورج مسلسل چلتا رہے گا اور قیامت آنے کے بعد سورج کی حرکت منقطع ہو جائے گی۔

(۲) کسی ایک خطہ زمین میں رات آنے تک سورج چلتا رہتا ہے اور جب رات آ جاتی ہے تو وہ اس خطہ زمین میں غروب ہو چکا ہوتا ہے اور کسی دوسرے خطہ زمین میں اس کی حرکت شروع ہو جاتی ہے اور یہ صرف ظاہری اعتبار سے ہے ورنہ حقیقت میں سورج کی حرکت قیامت تک منقطع نہیں ہوگی۔

(۳) سورج ایک سال تک اپنے مستقر تک سفر کرتا رہتا ہے اور دوسرے سال اس کا پھر نیا سفر شروع ہو جاتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۷۶ ملخصاً) (انوار تبیان القرآن ص ۷۶، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ امام بخاری نے سورہ یس کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں وہ مکمل ہو گئیں اور اب ان شاء اللہ سورۃ الصافات کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۷۳۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ الصّٰفّٰتِ

سورة الصافات کی تفسیر

سورة الصافات کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متونی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الصافات کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اور یہ سورت بالاتفاق کی ہے، ہاں ایک آیت کے متعلق عبدالرحمن بن زید کی روایت ہے کہ وہ مدنی ہے اور وہ آیت یہ ہے: قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ⑤ (الصافات: ۵۱)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَيُقَذَّفُونَ بِالنَّغِيبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ وَيُقَذَّفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ يُزْمَنُونَ۔ غیب سے ہر طرف سے ٹوٹے ہوئے ستارے مارے جاتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا يَسْمَعُونَ إِلَى الْمَلَأِ الْأَعْلَى وَيُقَذَّفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ⑥ دُخُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ⑦

(الصافات: ۸-۹) بھگانے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے ⑦

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یقذفون کی تفسیر یزمنون کی ہے یعنی ان پر مارے جاتے ہیں اور کتب تفسیر میں مذکور ہے: ان پر ستارے مارے جاتے ہیں اور ان کو ہر جانب سے بھگایا جاتا ہے یعنی وہ جس جانب سے بھی آسمان پر چڑھنا چاہیں ان کو اس جانب سے بھگایا جاتا ہے۔ دُخُورًا کا معنی ہے: ان کو دھتکارنے کے لیے۔ وَاَصْبٌ دَائِمٌ۔ واصل کا معنی ہے: دائمی یعنی ہمیشہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ⑧ (الصافات: ۹) اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے ⑧

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے وَاَصْبٌ کی تفسیر دَائِمٌ کے ساتھ کی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر منقول ہے: شدید یعنی ان کے لیے عذاب شدید ہے۔

لَا زَبْ لَا زِمٌ۔ لازپ کا معنی ہے: لازم۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَّازِبٍ ⑨ (الصافات: ۱۱) ہم نے ان کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے ⑨

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے لازب کی تفسیر لازم کے ساتھ کی ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ ایسی مٹی جو چپکٹی ہو اور بہت عمدہ ہو، اور السدی سے منقول ہے کہ لازب کا معنی ہے: خالص۔

تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ يَغْنَى الْحَقُّ الْكُفَّارُ تَقُولُهُ
لِلشَّيْطَانِ۔
طرف سے آتے تھے یعنی جو جن کفار ہیں وہ یہ بات شیطان
سے کہیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
قَالُوا إِنْ كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ⑤
(الصافات: ۲۸) ہمارے پاس دائیں جانب سے آتے تھے ○
علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ جو کفار جن ہیں وہ شیطان سے کہیں گے کہ تم ہمارے پاس
دائیں جانب سے آتے تھے، اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ یہ لفظ جن نہیں ہے بلکہ حَقُّ ہے یعنی تم ہمارے پاس حق کی جہت
سے آتے تھے اور تم ہم پر حق کو مشتبہ کرتے تھے۔
عَوَّلَ وَجْهَهُ بَطْنِ۔
عَوَّلَ اس کا معنی ہے: پیٹ میں درد۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
لَا فِيهَا عَوَّلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ ⑥ (الصافات: ۴۷)
علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے عَوَّلَ کی تفسیر پیٹ کے درد کے ساتھ کی ہے اور یہ قنادہ کا قول ہے اور الکعبی سے منقول
ہے: نہ اس میں کوئی گناہ ہوگا، اس کی نظیر یہ آیت ہے:
لَا تَعْوِفُ فِيهَا وَلَا تَأْثِمُ ⑦ (الطور: ۲۳)
اور حسن بصری سے منقول ہے کہ عَوَّلَ کا معنی سر کا درد ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی عقل زائل نہیں ہوں گی اور تیسرا قول یہ
ہے کہ اس میں کوئی ناپسندیدہ چیز نہیں ہوگی۔

يُنْزَفُونَ لَا تَذْهَبُ عَقُولُهُمْ۔
يُنْزَفُونَ اس کا معنی ہے: ان کی عقلیں نہیں جائیں گی۔
امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
لَا فِيهَا عَوَّلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ ⑥ (الصافات: ۴۷)
علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے بنزفون کی تفسیر کی ہے کہ ان کی عقلیں نہیں جائیں گی اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ ان کی
عقلوں پر شراب کا غلبہ نہیں ہوگا اور نہ اس سے نشہ آئے گا، جب کسی کونشہ ہو اور اس کی عقل چلی جائے تو عرب کہتے ہیں: نَزَفَ الرَّجُلُ۔
قَرِينِ شَيْطَانٍ۔
قرین اس سے شیطان مراد ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ⑧
(الصافات: ۵۱) ساتھ ہی ہے ○
ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا: بے شک دنیا میں میرا ایک

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے قرین کی تفسیر شیطان کی ہے یعنی دنیا میں ایک شیطان اس کا ساتھی تھا۔
يُفَرِّعُونَ كَهَيْئَةِ الْهَرَوَلَةِ۔
يُفَرِّعُونَ اس کا معنی ہے: وہ دوڑنے کی طرح تیز چلتے ہیں۔
امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

سو وہ ان ہی کے نقش قدم پر بھگائے جاتے ہیں ○

فَهُمْ عَلَىٰ أَثَرِهِمْ يُهْمَرُونَ ○ (الصافات: ۷۰)

علامہ عینی لکھتے ہیں: الھمز وہ کا معنی ہے: تیز تیز چلنا۔ امام بخاری نے کہا ہے: وہ دوڑنے کی طرح تیز تیز چلتے ہیں۔

یزفون اس کا معنی ہے: وہ تیز تیز چلتے ہیں۔

يَزْفُونَ التَّسْلَانَ فِي النَّشِي -

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

پھر وہ لوگ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آئے ○

فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزْفُونَ ○ (الصافات: ۹۴)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے يَزْفُونَ کی تفسیر تیز تیز چلنے کے ساتھ کی ہے، التَّسْلَانُ کا معنی ہے: قریب قریب قدم رکھنا

اور دوڑے بغیر تیز تیز چلنا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ زفیف النعام سے ماخوذ ہے یعنی شتر مرغ کی اڑنے اور چلنے کے درمیان رفتار۔

وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نَسَبًا قَالَ كَفَّارٌ قُرَيْشٍ الْمَلَائِكَةُ بَنَاتُ

اللَّهِ وَأُمَّهَاتُهُمْ بَنَاتُ سُرَوَاتِ الْجَنَّةِ وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى

﴿وَلَقَدْ عَلِمْتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ﴾ ○ (الصافات: ۱۵۸)

لَمُحْضَرُونَ ○ (الصافات: ۱۵۸) جنات کو خوب معلوم ہے کہ وہ

ساب کے لیے پیش کیے جائیں گے ○

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ

إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ○ (الصافات: ۱۵۸)

جائیں گے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: مشرکین مکہ نے اللہ تعالیٰ اور جنات کے درمیان قرابت داری بنائی، جنات سے مراد فرشتے ہیں اور انہوں

نے فرشتوں کو جنات اس لیے کہا کہ فرشتے ان کی آنکھوں سے چھپے ہوئے ہیں، انہوں نے کہا: فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اور

فرشتوں کی مائیں جنات کے سردار یعنی ان کے خواص کی بیٹیاں ہیں۔ السروات کا لفظ سراۃ کی جمع ہے اور وہ عزیز کے معنی میں ہے

اور اس بات کے کہنے والے خوب جانتے ہیں کہ جنات دوزخ پر پیش کیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے گا اور اگر جنات

اللہ تعالیٰ کے رشتہ دار یا شریک ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیتا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَنَحْنُ الضَّاقُونَ الْمَلَائِكَةُ -

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لَنَحْنُ الضَّاقُونَ اس کا

معنی ہے: بے شک ہم صف باندھے ہوئے ہیں اور اس سے مراد

فرشتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اور بے شک ہم ضرور صف بستہ ہیں ○

وَإِنَّا لَنَحْنُ الضَّاقُونَ ○ (الصافات: ۱۶۵)

امام عینی نے لکھا ہے: صف باندھنے والے فرشتے ہیں، اسی طرح ابن جریر کی حضرت ابن عباس سے روایت ہے اور اس

میں یہ اضافہ ہے کہ ہم اللہ کی تسبیح کرنے والے ہیں، اور علامہ ثعلبی نے کہا: ہم نماز میں صف باندھنے والے ہیں۔

صراط الجحیم، سواہ الجحیم، وسط الجحیم تینوں کا ایک

صراط الجحیم سواہ الجحیم ووسط الجحیم۔

ہے یعنی دوزخ کا راستہ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ ۝ (الصافات: ۲۳)

پھر ان سب کو دوزخ کے راستے پر لے جاؤ ○ علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ ان تینوں لفظوں کا ایک معنی ہے، اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ صراط الجحیم: دوزخ کا راستہ ہے اور صراط کا معنی ہے: راستہ۔

لَشَوْبًا يَخْلَطُ طَعَامُهُمْ وَيُسَاطُ بِالْحَمِيمِ۔
لَشَوْبًا اس کا معنی ہے: ملانا یعنی ان کے کھانے کو گرم کھولتے ہوئے پانی کے ساتھ ملایا جائے گا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ ۝ (الصافات: ۲۳)

پھر بے شک ان کے لیے (پیپ) ملا ہوا گرم پانی ہوگا ○ علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے شوبہ کی تفسیر کی ہے: يَخْلَطُ یعنی اس کو ملایا جائے گا گرم کھولتے ہوئے پانی کے ساتھ اور ان کا کھانا حنظل کے درخت سے بنا ہوگا جو بہت کڑوا ہوتا ہے۔

مَذْخُورًا مَّطْرُودًا۔
مَذْخُورًا اس کا معنی ہے: دھتکارا ہوا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ اخْرِجْ مِنْهَا مَذْعُورًا مَّطْرُودًا۔ (الاعراف: ۱۸)

فرمایا: یہاں سے ذلیل اور دھتکارا ہوا ہو کر نکل جا۔
علامہ عینی لکھتے ہیں: لیکن یہ سورۃ اعراف کی آیت ہے اور یہاں اس کا محل نہیں ہے، سورۃ الصافات میں یہ آیت ہے:
وَيُقَذَّفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُخُورًا۔
اور ان پر ہر جانب سے ضرب لگائی جاتی ہے ○ ان کو بھگانے کے لیے (الصافات: ۲۳)

امام بخاری نے مدحور کی تفسیر مطرودہ کی ہے یعنی دھتکارا ہوا کیونکہ الذَّخْرُ کا معنی ہے: بھگانا اور دور کرنا۔
بَيْضٌ مَّكْنُونٌ اللَّؤْلُؤُ الْمَكْنُونُ۔
بَيْضٌ مَّكْنُونٌ اس کا معنی ہے: پوشیدہ موتی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ ۝ (الاعراف: ۴۹)

گویا کہ وہ پوشیدہ انڈے ہیں ○
علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے بَيْضٌ مَّكْنُونٌ کی تفسیر کی ہے: پوشیدہ موتی یعنی صنائی میں اور ”بَيْضٌ“ بیضہ کی جمع ہے یعنی انڈے، اور کتب تفسیر میں مذکور ہے: مَّكْنُونٌ کا معنی ہے: مستور اور ایک قول ہے: محفوظ، قرآن مجید میں مَّكْنُونٌ مذکر کا صیغہ ہے حالانکہ یہ بَيْضٌ کی صفت ہے اور وہ مونث ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لفظ کے اعتبار سے ہے۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ یعنی ہم نے ان کے بعد آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ ان پر سلام ہو، اس سے مراد یہ ہے کہ ان کا ذکر خیر ہوتا رہے گا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ (الصافات: ۷۸)

اور ہم نے ان کا ذکر بعد والوں میں باقی رکھا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: ذکر خیر سے مراد یہ ہے کہ ہر امت میں قیامت تک حضرت نوح علیہ السلام کی حمد و ثناء ہوتی رہے گی۔
وَيَقَالُ يَسْتَخِرُونَ اس کا معنی ہے: يَسْتَخِرُونَ یعنی وہ مذاق اڑاتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ (الصافات: ۱۳)
اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں O
علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے يستسخرون کی تفسیر يستسخرون کی ہے یعنی وہ مذاق اڑاتے ہیں۔
بَعْلًا رَبًّا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْعَالَمِينَ (الصافات: ۱۳) دیتے ہو O
کیا تم بعل کی عبادت کرتے ہو اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے بعل کی تفسیر رب کی ہے اور بعل ایک بت کا نام ہے جس کی وہ عبادت کرتے تھے اور اسی سے بعلبک ماخوذ ہے، یہ ان کے بت کا نام ہے۔ [یہ تمام تعلیقات اور ان کی شرح علامہ عینی نے عمدة القاری ج ۱ ص ۱۹۵-۱۹۲ میں کی ہیں]
۱۔ بَابُ: وَإِنْ يُؤْتَسَّرَ لِمَنْ الْمُرْسَلِينَ (الصافات: ۱۳۹)
میں سے ہیں O (الصافات: ۱۳۹) کی تفسیر

۳۸۰۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ الْأَعْشَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا يَنْهَى لِأَخِي أَنْ يَكُونَ خَيْرًا مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الامش از ابو وائل از حضرت عبد اللہ بن مسعود وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی شخص کے لیے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ وہ متی کے بیٹے حضرت یونس سے افضل ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۴۱۲ میں گزر چکی ہے۔

۳۸۰۵۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ يُونُسَ بْنِ عَامِرٍ عَنْ لُؤْيٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى فَقَدْ كَذَبَ
امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن فلح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از ہلال بن علی جو عامر بن لوی کے بیٹوں میں سے ہیں از عطاء بن یسار از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جس نے کہا: میں یونس بن متی سے افضل ہوں اس نے جھوٹ بولا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۴۱۵ میں گزر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کیا حضور ﷺ کو یہ علم نہیں تھا کہ آپ حضرت یونس علیہ السلام سے افضل ہیں؟ اس کا

ایک جواب یہ ہے کہ یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا جب آپ کو اپنے افضل الانبیاء ہونے کا علم نہیں تھا اور دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے یہ کلام تو اضماً فرمایا ہے۔

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الصافات کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ سورہ ص کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۳۸۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ ص

سورہ ص کی تفسیر

سورہ ص کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورہ ص کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس پر اتفاق ہے کہ سورہ ص کی ہے، یہ سورہ انشقاق کے بعد اور سورہ اعراف سے پہلے نازل ہوئی ہے اور اس میں اٹھاسی (۸۸) آیات ہیں۔

لفظ ص کے متعلق متعدد اقوال

ص کے معنی میں اختلاف ہے، پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہ ایک سمندر ہے جس کے اوپر الرحمن کا عرش ہے، وہاں نہ کوئی رات ہے اور نہ دن ہے اور حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے: یہ ایک سمندر ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ دو صورتوں کے درمیان مردوں کو زندہ کرے گا، اور ضحاک سے روایت ہے کہ ص سے مراد ہے: صدق اللہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ نے سچا فرمایا) اور مجاہد سے مروی ہے: ص کا معنی ہے: سورت کی ابتداء، اور قتادہ سے مروی ہے کہ ص قرآن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور السدی سے مروی ہے کہ ص اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور محمد القرظی سے مروی ہے: یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کی چابی ہے، وہ صمد ہے اور تمام مصنوعات کو بنانے والا ہے اور صادق الوعد ہے اور ابن سلیمان دمشقی سے مروی ہے کہ ص ایک سانپ کا نام ہے جس کا سر عرش کے نیچے ہے اور اس کی دم سب سے آخری زمین کے نیچے ہے، انہوں نے کہا: میرا گمان ہے کہ یہ عکرمہ سے مروی ہے اور ایک قول ہے: اس کا معنی ہے: ص تمہارے عمل کے ساتھ قرآن ہے یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ تمہارا عمل کہاں ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۹۶-۱۹۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب

۱۔ بَابُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از العوام انہوں نے کہا: میں نے مجاہد سے سورہ ص کے سجدہ کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا: حضرت ابن عباس سے یہ سوال کیا گیا تو انہوں نے یہ آیت پڑھی: اُولَٰئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰی اللّٰهُ فَبِهٰذِهِمُ امْتَدَّتْ (الانعام: ۹۰) یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے، سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں۔ اور حضرت ابن عباس اس آیت پر سجدہ کرتے تھے۔

۴۸۰۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ الْعَوَّامِ قَالَ سَأَلْتُ مُجَاهِدًا عَنْ التَّسْجُدِ فِي ص قَالَ سَبَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ ﴿اُولَٰئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰی اللّٰهُ فَبِهٰذِهِمُ امْتَدَّتْ﴾ (الانعام: ۹۰) وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَسْجُدُ فِيْهَا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۴۲۱ میں گزر چکی ہے۔

۴۸۰۷۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الطَّنَافِيسِيُّ عَنِ الْعَوَّامِ قَالَ سَأَلْتُ مُجَاهِدًا عَنْ سَجْدَةِ فِي ص فَقَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ مِنْ أَهْلِ سَجْدَةٍ فَقَالَ أَوْ مَا تَقْرَأُ هُوَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَ سُلَيْمَانَ ﴿(الانعام: ۸۴)﴾ (أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهِهِمْ أَقْتَبَدُوا) ﴿(الانعام: ۹۰)﴾ فَكَانَ دَاوُدُ مِنْ أَمْرِ نَبِيِّكُمْ مُحَمَّدٍ أَنْ يَقْتَدِيَ بِهِ فَسَجَدَهَا دَاوُدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسَجَدَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن عبید الطنافسی نے حدیث بیان کی از العوام، انہوں نے کہا: میں نے مجاہد سے سورہ ص کے سجدہ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس سے سوال کیا تھا: آپ نے کہاں سے سجدہ کیا؟ تو انہوں نے کہا: کیا تم یہ آیت نہیں پڑھتے: وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَ سُلَيْمَانَ ﴿(الانعام: ۸۴)﴾ اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان ہیں۔ اُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهِهِمْ أَقْتَبَدُوا ﴿(الانعام: ۹۰)﴾ یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے، سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں۔ پس حضرت داؤد علیہ السلام وہ ہیں کہ جن کی اقتداء کا تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے سجدہ کیا، اس پر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سجدہ کیا۔

اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری: ۳۴۲۱ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی اس حدیث کے بعض مشکل جملوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

آپ نے کہاں سے سجدہ کیا؟ یعنی آپ نے کس دلیل سے اس سورت میں سجدہ کیا ہے؟

پس حضرت داؤد علیہ السلام نے اس پر سجدہ کیا: یعنی حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سورت میں سجدہ کیا ہے اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے اور ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ حدیث امام شافعی پر حجت ہے کیونکہ کہتے ہیں سورہ ص میں سجدہ کرنا عزیمت نہیں ہے۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۱۹۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان دونوں حدیثوں کی شرح میں کچھ نہیں لکھا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۱۹۶-۱۹۵)

الانعام: ۹۰ میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم منقبت

میں کہتا ہوں: ہم نے ﴿(الانعام: ۹۰)﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے: اس آیت کا معنی ہے: اے رسول مکرم! ان نبیوں اور رسولوں نے جو عمل کیا ہے آپ اس کے مطابق عمل کریں اور جس منہاج پر یہ چلتے رہے ہیں اس منہاج پر آپ بھی چلیں اور ہماری دی ہوئی ہدایت اور توفیق کے مطابق جس طرح انہوں نے زندگی گزاری ہے آپ اس طرح زندگی گزاریں اور ان تمام نبیوں اور رسولوں کے جس قدر محاسن اور خوبیاں ہیں آپ وہ سب اپنے اندر جمع کر لیں۔ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم منقبت ہے کہ تمام نبیوں اور رسولوں میں جو خوبیاں اور کمالات الگ الگ اور متفرق طور پر پائے جاتے تھے وہ سب کمالات آپ کی ذات میں جمع ہو گئے یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کی گزاری ہوئی زندگیاں متن متین ہیں اور آپ کی زندگی ان کی شرح جمیل ہے:

حسن یوسف دم عینی ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(تبیان القرآن ص ۲۱۹ فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

عُجَابٌ عَجِيبٌ۔

عُجَاب: اس کا معنی ہے: عجیب۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ هَذَا الشَّيْءَ عَجَابٌ ⑤ (ص: ۵)

بے شک یہ بہت عجیب بات ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ ذکر کیا ہے کہ عُجَاب کا معنی عجیب ہے اور اس لفظ کو جیم کی تشدید کے ساتھ عُجَاب بھی پڑھا گیا ہے، مقاتل نے کہا: یہ از دشنوءہ کی لغت ہے جیسے کریم اور کثر امار اور کبیر اور کبار اور طویل اور طَوَّال اور عَرِيف اور عَرِاض۔
الْقِطُّ الصَّحِيفَةُ هُوَ مَا فَتْنَا صَحِيفَةَ الْحِسَابِ۔
الْقِطُّ کا معنی ہے: صحیفہ اور یہاں اس سے مراد نیکیوں کا صحیفہ ہے یا اعمال نامہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالُوا إِنَّا بِنَاءٌ عَجَلٌ لَّنَا قِطْنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ⑥ اور انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمارا حصہ تو ہمیں روز

(ص: ۱۶) حساب سے پہلے ہی جلد دے دے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے بتایا کہ الْقِطُّ کا معنی ہے: الصَّحِيفَةُ مطلقاً لیکن یہاں اس سے مراد نیکیوں کا صحیفہ ہے اور کشمبہ کی روایت میں ہے: حساب کا صحیفہ اور اسی طرح النسفی کی روایت ہے، اور الکشی نے کہا کہ جب سورۃ الحاقہ میں یہ آیت نازل ہوئی:

فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۖ فَيَقُولُ هَآؤُنَا ائْتَدُوا ۖ كِتَابِيَّةٌ ⑦ (الحاقہ: ۱۹)
کہے گا: آؤ میرا نامہ اعمال پڑھو O

تو کفار نے یہ طور استہزاء کہا: ہمارا حصہ ہمیں جلدی دے دے، ان کی مراد یہ تھی کہ ہمارا اعمال نامہ ہمیں دنیا میں ہی جلد دے دے، اور قتادہ، مجاہد اور سدی سے روایت ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ ہمارا عذاب جو ہمارے لیے مقرر کیا گیا ہے وہ ہمیں دنیا میں ہی جلد دے دے۔ یہ النضر بن الحارث نے کہا تھا اور امام ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ الْقِطُّ کا معنی ہے: کتاب اور اس کی اصل قِطُّ الشَّيْءِ ہے جب کسی چیز کو کاٹ کر ٹکڑے کر دو اور اس کا صحیفہ پر اس لیے اطلاق ہوتا ہے کہ وہ بھی کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے اور اسی طرح اس کا صَکُّ پر بھی اطلاق ہوتا ہے یعنی چیک پر۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: اس آیت میں قِطْنَا کا لفظ ہے اور الْقِطُّ کا معنی ہے: کسی چیز کو کاٹنے کے بعد اس کا حاصل شدہ ٹکڑا اور اس سے مراد ان کا حصہ اور مقسوم ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ہم کو جس عذاب سے ڈرا رہے ہیں اس عذاب میں سے جو حصہ ہمارے لیے مقرر ہے وہ حصہ ہمیں دنیا میں دلوادیں اور اس کو روز حساب تک موخر نہ کریں۔ (النوار تبیان القرآن ص ۲۴، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۳۳۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لِّي عِزَّةٌ مُّعَارِزِينَ۔ اور مجاہد نے کہا: لِّي عِزَّةٌ کا معنی ہے: غلبہ چاہنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا لِي عِزَّةٌ وَشِقَاقِي ⑧ (ص: ۲)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے ارادہ کیا کہ لِي عِزَّةٌ کا لفظ خبر کے محل میں ہے اور معزین کا معنی ہے: معالین یعنی غلبہ چاہنے والے، دوسرا قول ہے: اس کا معنی ہے: تکبر اور جاہلیت اور شقاق کا معنی ہے: مخالفت اور تفرقہ۔

الْمِلَّةُ الْآخِرَةُ مِلَّةُ قُرَيْشٍ الْاِخْتِلَاقُ الْكَذِبُ۔
 المِلَّةُ الْآخِرَةُ اس کا معنی ہے: قریش کا دین اور الاختلاق کا معنی
 ہے: جھوٹ اور من گھڑت بات۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
 مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ ۚ اِنْ هَذَا اِلَّا بِنَايَ بَوْنَى (جھوٹی) بات ہے ۝ (ص: ۷)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے المِلَّةُ الْآخِرَةُ کی تفسیر قریش کے دین کے ساتھ کی ہے اور اختلاق کی تفسیر جھوٹ کے
 ساتھ کی ہے، مجاہد اور قتادہ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے، اور حضرت ابن عباس اور قرطبی اور الکلبی اور مقاتل نے کہا ہے: ان کی مراد
 نصرانیت تھی کیونکہ نصاریٰ بھی اللہ کے ساتھ اور خدا کو شریک کرتے تھے۔

الْاَسْبَابُ طُرُقُ السَّمَاءِ فِي اَبْوَابِهَا۔
 الاسباب اس سے مراد ہے، آسمان کے دروازوں میں آسمانوں
 کے راستے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
 اَمْ لَهُمْ مَلِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۚ ۝ (ص: ۱۰)
 ہے تو ان کو چاہیے کہ رسیاں باندھ کر آسمان پر چڑھ جائیں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اسباب کی تفسیر آسمان کے دروازوں میں آسمان کے راستوں کے ساتھ کی ہے، اسی طرح
 اس کی تفسیر مجاہد اور قتادہ سے منقول ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ فَلْيُزِزْ تَقْوَا کا معنی ہے کہ انہیں چاہیے کہ پہاڑوں پر چڑھ کر
 آسمان تک پہنچیں، پھر وہاں سے ان کے پاس وحی لے کر آئیں یہ ان کو ڈانٹنے، جھڑکنے اور عاجز کرنے کا حکم ہے۔

قَوْلُهُ جُنْدٌ مَا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ يَعْنِي قُرَيْشًا۔
 جُنْدٌ مَا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ اس سے مراد ہے: یہ اس جگہ کفار قریش
 کا شکست خوردہ لشکر ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔
 جُنْدٌ مَا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِنَ الْاَحْزَابِ ۝ (ص: ۱۱)
 یہ اس جگہ کفار کا شکست خوردہ حقیر لشکر ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی جو تفسیر کی ہے اسی طرح مجاہد نے تفسیر کی ہے یعنی اس جگہ لشکر کفار کو شکست دی
 جائے گی اور یہ غیب کی خبر دینا ہے کیونکہ اس کے بعد یعنی مکہ میں کفار کو شکست دی گئی اور قتادہ نے اس کی تفسیر کی ہے کہ اللہ عزوجل
 نے مکہ میں یہ وعدہ کیا ہے کہ ان کو شکست دی جائے گی اور اس کی تعبیر غزوہ بدر میں پوری ہوئی۔

اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ الْقُرُونُ النَّاصِيَةُ۔
 اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ اس کا معنی ہے: گزشتہ گروہ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔
 وَشُودُوْا قَوْمَ لُوطٍ وَّاَصْحٰبُ لَيْلٰۃٍ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ۝ (ص: ۱۲)
 اور شمود اور لوط کی قوم اور اصحاب ایک (جنگل والے)، یہ کفار کے
 گروہ ہیں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ کی تفسیر گزری ہوئی جماعتوں کے ساتھ کی ہے اور دوسرے مفسرین
 نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ان لوگوں پر قہر کیا گیا اور ان کو عذاب دیا گیا۔

قَوَاقِبُ رُجُوعٍ - قَوَاقِبُ کا معنی ہے: رجوع یعنی واپسی کی مہلت۔

قَوَاقِبُ رُجُوعٍ -

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَمَا يَنْظُرُهُمْ إِلَّا صِغَرَةٌ وَاحِدَةٌ مِّمَّا لَهُمُ مِنْ قَوَاقِبٍ ⑤ اور یہ (کفار) صرف ایک سخت چنگھاڑ کا انتظار کر رہے ہیں جس کے درمیان کوئی مہلت نہیں ہوگی ○ (ص: ۱۵)

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ بتایا ہے کہ ان کے لیے دنیا کی طرف لوٹنے اور واپسی کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ امام ابو حبیہ نے کہا ہے: یہ لفظ قَوَاقِبُ ہے اور اس کا معنی ہے: ان کے لیے کوئی راحت نہیں ہوگی اور جنہوں نے کہا کہ یہ لفظ قَوَاقِبُ ہے (فاء پر پیش) انہوں نے کہا: اس کا معنی ہے: مہلت یعنی اونٹنی کا دودھ دو بنے کے درمیان وقفہ۔

قَطَنًا اس کا معنی ہے: ہمارے حصہ کا عذاب۔

قَطَنًا عَذَابًا -

علامہ مینی لکھتے ہیں: یہ تعلق مکرر ہے مگر پہلے امام بخاری نے قَطَنًا کی تفسیر کی تھی: صحیفہ اور یہاں اس کی تفسیر عذاب کی ہے اور صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں یہ تعلق نہیں ہے۔

أَتَّخَذْتُمْ مِثْلَ مَا آتَاكُمْ مِنْ قَبْلِهِمْ ⑥ اَتَّخَذْتُمْ مِثْلَ مَا آتَاكُمْ مِنْ قَبْلِهِمْ کا معنی ہے: جن لوگوں کا ہم مذاق اڑاتے ہوئے ان کو گھیر لیا کرتے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَى رِجَالًا كُنَّا نَعْتَدُهُمْ مِنَ الْأَشْرَافِ ⑦ اَتَّخَذْتُمْ مِثْلَ مَا آتَاكُمْ مِنْ قَبْلِهِمْ ⑥ کا معنی ہے: ہم لوگ (دنیا میں) برے لوگ شمار کرتے تھے ○ کیا ہم نے ان کا مذاق اڑایا تھا یا ہماری نگاہیں ان سے ہٹ گئی ہیں ○ (ص: ۶۲-۶۳)

علامہ مینی لکھتے ہیں: یعنی کفار قریش نے کہا اور وہ اس وقت دوزخ میں ہوں گے کہ کیا وجہ ہے کہ ہم ان مردوں کو نہیں دیکھ رہے جن کو ہم بہت برا اور ذلیل قرار دیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ان میں کوئی خیر نہیں ہے یعنی ہم ان کو دوزخ میں نہیں دیکھ رہے گویا کہ وہ دوزخ میں نہیں ہیں بلکہ ہماری نظریں ان سے پھیر دی گئی ہیں اور وہ دوزخ ہی میں ہیں۔

ہم نے لکھا ہے: یعنی کفار جب جہنم کی تمام اطراف اور جوانب میں نظر ڈالیں گے تو ان کو وہ فقراء مسلمین نظر نہیں آئیں گے جن کا دنیا میں مذاق اڑاتے تھے، وہ ان کو اشرار اور بڑوں میں شمار اس لیے کرتے تھے کہ وہ ان کے دین کے خلاف تھے اور ایسے دین کی پیروی کر رہے تھے جس سے ان کو کوئی دنیاوی منفعت حاصل نہیں ہو رہی تھی۔ (انوار تبیان القرآن ص ۲۹، فرید بک سنال، لاہور، ۱۳۳۱ھ)

أَشْرَابُ اس کا معنی ہے: ان کی ہم مثل۔

أَشْرَابُ أَمْثَالٍ -

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَعِنْدَهُمْ قُصَصُ الْقُصَصِ ⑧ اور ان کے پاس نیچی نظر والی حوریں ہوں گی ○ (ص: ۵۲)

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے أَشْرَابُ کی تفسیر امثال کی ہے اور اشراب، بتوب کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: لذت اس سے مراد یہ ہے کہ ان حوروں کی عمر ایک ہوگی اور وہ سب تین تیس (۳۳) سال کی ہوں گی۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْإِيْدُ الْقُوَّةُ فِي الْعِبَادَةِ الْأَنْبَصَارُ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الاید کا معنی ہے: عباد میں قوت اور الانبصار کا معنی ہے: اللہ کے احکام میں بصیرت۔

الْبَصَرُ فِي أَمْرِ اللَّهِ -

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَذْكُرُ عَبْدًا نَّابِرَهُمْ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولَى الْأَيْدِي
وَالْأَبْصَارِ ⑤ (ص: ۴۵)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الاید کی تفسیر عبادت میں قوت کے ساتھ کی ہے اور الابصار کی تفسیر اللہ کے احکام میں بصیرت کے ساتھ کی ہے۔ امام طبری نے اس کو اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں ہیں، ایک مشہور تفسیر اور دوسری محقق تفسیر

حُبُّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي، مِنْ ذِكْرِ رَبِّي اس میں یہ بتایا ہے کہ
عن ذکر ربی میں عن، مِنْ کے معنی میں ہے یعنی خیر کی محبت نے
مجھے میرے رب کی عبادت سے غافل کر دیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي حَتَّى
تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ⑥ (ص: ۳۲)

سے او جھل ہو گئے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا: میں نے خیر کی محبت میں، اس سے ان کی مراد گھوڑے تھے اور وہ گھوڑے تھے جو ان کے سامنے پیش کیے گئے تھے، عَنْ ذِكْرِ رَبِّي یعنی نماز سے غافل کر دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ امام بخاری نے مِنْ ذِكْرِ رَبِّي لکھ کر یہ اشارہ کیا ہے: اس آیت میں عَنْ ذِكْرِ رَبِّي میں عَنْ مَنْ کے معنی میں ہے۔ میں کہتا ہوں: ان آیات کی تفصیل میں نحاس نے ذکر کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے تو ان کے پاس غنیمت سے حاصل شدہ گھوڑے لائے گئے تھے تاکہ وہ ان کا معائنہ کریں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس وقت نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے اشارہ کیا کہ ان گھوڑوں کو ان کے اصطلیل میں پہنچا دیا جائے حتیٰ کہ وہ گھوڑے ان کی نظر سے او جھل ہو گئے اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا: ان گھوڑوں کو دوبارہ میرے پاس لاؤ، پھر آپ ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے اور آپ ان کی گردنوں پر ہاتھ پھیرنا ان گھوڑوں کی تکریم کے لیے تھا تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اگر کوئی بڑا اور باوقار آدمی گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرے تو یہ کام اس کے مقام اور وقار کے خلاف نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۵ ص ۱۷۵، تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۹۰) (انوار ایمان القرآن ص ۲۶، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۳۳۱ھ)

اس آیت کی مشہور تفسیر یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کے معائنوں میں ایسے مشغول ہوئے کہ اس وقت کی نماز یا وظیفہ نہ پڑھا، جب بعد میں آپ اس پر متنب ہوئے تو آپ نے ان گھوڑوں کو واپس لانے کا حکم دیا اور تلوار سے ان کی گردنیں اور پنڈلیاں کاٹ کر شروع کیں جن کی وجہ سے اللہ کی عبادت میں خلل ہوا تھا۔

ہم نے جو لکھا ہے وہ اس آیت کی دوسری تفسیر ہے کہ یہ گھوڑے جہاد کے لیے تھے اور ان کا معائنہ کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا جہاد بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ علامہ عینی نے جو تفسیر کی ہے وہ مشہور تفسیر کے مطابق ہے۔

طَهَقَ مَسْحَا اس کا معنی ہے: وہ گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر

ہاتھ پھیرنے لگے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

رُدُّوْهَا عَلٰی - فَطَفُوْا مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْاَعْنَاقِ ۝ (س: ۳۳)

تو انہوں نے حکم دیا کہ ان (گھوڑوں) کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ، پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے ۝

الْاَصْفَادِ الْوُثَاقِ - (س: ۳۳)

الاصفاد اس کا معنی ہے: زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝ (س: ۳۸)

اور دوسرے جنات کو بھی (ان کے تابع کر دیا) جو زنجیروں میں

جکڑے ہوئے تھے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الاصفاد کی تفسیر الوثاق کی ہے یعنی زنجیریں اور بیڑیاں اور مقرنین کا معنی ہے: وہ

زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۹۹-۱۹۶ میں کی ہے]

۲۔ بَابُ: وَهَبُ لِيْ مُلْكًا لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ

بَعْدِي اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ (س: ۳۵)

میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو بے شک تو ہی بہت

دینے والا ہے ۝ (س: ۳۵) کی تفسیر

(س: ۳۵)

ص: ۳۵ کی علامہ عینی سے تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی، پھر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ

وہ ان کو ایسی سلطنت عطا فرمائے جو ان کے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو اور مقاتل بن حیان نے روایت کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام

کو سلطنت حاصل تھی لیکن انہوں نے ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے ہواؤں کو اور پرندوں کو بھی مسخر کر دے اور الْوَهَّابُ کا معنی

ہے: جو بہت زیادہ دینے والا ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۹۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح اور محمد بن جعفر نے

حدیث بیان کی از شعبہ از محمد بن زیاد از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما

نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: ایک خبیث جن گزشتہ رات مجھ پر

حملہ آور ہوا یا کوئی اور اس کی مثل کلمہ فرمایا تاکہ وہ مجھ پر میری نماز

منقطع کر دے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قادر کر دیا اور میں نے

ارادہ کیا کہ میں اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ایک ستون

کے ساتھ باندھ دوں حتیٰ کہ جب تم صبح اٹھو تو تم سب اس کی طرف

دیکھو، پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آئی: رَبِّ الْعِزِّ

۳۸۰۸۔ حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنَا زَوْجٌ

وَمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ

أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ عِفْرِيشًا مِنَ

الْجِنِّ تَفَلَّتْ عَنِ الْبَارِحَةِ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا لِيَقْطَعَ عَلَى

الصَّلَاةِ فَأَمَكَّنَنِي اللَّهُ مِنْهُ وَأَرَدْتُ أَنْ أَرْبِطَهُ إِلَى

سَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ حَتَّى تُصْبِحُوا وَتَنْظُرُوا

إِلَيْهِ كُلُّكُمْ فَمَا كَثُرَ قَوْلُ أَحَدٍ سَلَامًا رَبِّ الْعِزِّ

وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي ۝ (س: ۳۵)

رَبِّ هَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي قَالَ

رَوْحَ فَرْدَةٍ خَاسِنًا۔

وَهَبْ لِي مَلَكًا لَا يُبَيِّنُ لِي أَحَدًا مِّنْ بَعْدِي (ص: ۳۵) (۱) اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو، روح نے کہا: پھر آپ نے اس کو نامراد کرتے ہوئے دھتکار دیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۰۶۱ میں گزر چکی ہے۔

۳۔ بَابُ: وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴿۸۶﴾
(ص: ۸۶)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں ﴿۸۶﴾ کی تفسیر

ص: ۸۶ کی تفسیر علامہ عینی سے

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ پوری آیت اس طرح ہے:

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴿۸۶﴾
(ص: ۸۶) آپ کہیے کہ میں تم سے اس پیغام کو پہنچانے پر کوئی معاوضہ صوب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں ﴿۸۶﴾

یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ کہیے: میں تم لوگوں سے اس وحی کے پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ الحسن بن فضل نے کہا: یہ آیت درج ذیل آیت کے لیے ناخ ہے:

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ۔
(الشوری: ۲۳) آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا سوا قربت داروں کی محبت کے۔

اور مَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ کا معنی ہے کہ میں از خود اپنی طرف سے قرآن کو نہیں بناتا، اور علامہ نسفی نے کہا ہے کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کسی کام کو خود نہ کرتے ہوں اور یہ چاہتے ہوں کہ ان کی ان کاموں پر تعریف کی جائے اور میں اس چیز کا دعویٰ کرنے والا نہیں ہوں جو میرے پاس نہ ہوتی کہ میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کروں اور قرآن کو اپنے پاس سے بنا کر لاؤں۔

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۴﴾ (یوسف: ۱۰۴) یہ قرآن تو صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے ﴿۱۰۴﴾

اور میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ میں اس کی تبلیغ کروں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۰۰)

۳۸۰۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الطُّحَيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ عَلِمَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ بِهِ وَمَنْ لَمْ يَعْلَمْ فَلْيَقُلْ اللَّهُ أَعْلَمُ فَإِنَّ مِنَ الْعِلْمِ أَنْ يَقُولَ لِمَا لَا يَعْلَمُ اللَّهُ أَعْلَمُ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لِنَبِيِّهِ ﷺ ﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾ (ص: ۸۶) وَسَأَحْذِرُكُمْ عَنِ الدُّخَانِ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ دَعَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الأعمش از ابی الطحی از مسروق انہوں نے بیان کیا: ہم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے، انہوں نے فرمایا: اے لوگو! جس کو کسی بات کا علم ہو وہ اس کو کہے اور جس کو علم نہیں ہو تو اس کو چاہیے وہ کہے: اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کیونکہ یہ بھی علم میں سے ہے کہ انسان کو جس چیز کا علم نہ ہو وہ کہے: اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا: قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ

قُرِيشًا إِلَى الْإِسْلَامِ فَأَبْطَلُوا عَلَيْهِ فَقَالَ اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعِ كَسْبِعِ يُوسُفَ فَأَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ فَحَصَّتْ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى أَكَلُوا النِّيْتَةَ وَالْجُلُودَ حَتَّى جَعَلَ الرَّجُلُ يَرَى بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ دُخَانًا مِنَ الْجُوعِ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿فَأَنزَلْنَا يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ ۝ يَغْشَى النَّاسَ ۚ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝﴾ (الدخان: ۱۰-۱۱) قَالَ قَدَعُوا ﴿رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ۝ أَتَى لَهُمُ الْوَيْلُ وَكَانُوا يُجَادُّهُمْ رُسُولٌ مُبِينٌ ۝ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلِّمٌ مِّثْنُونَ ۝ إِنَّا كَاثِفُوا الْعَذَابَ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَاثِدُونَ ۝﴾ (الدخان: ۱۰-۱۵) أَفِيُكْشَفُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ فَكُشِفَ ثُمَّ عَادُوا فِي كُفْرِهِمْ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ يَوْمَ بَدْرٍ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَى ۚ إِنَّا مُنْتَقِمُونَ ۝﴾ (الدخان: ۱۶)

عَلَيْهِمْ مِنْ آخِرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ۝ (ص: ۸۶) آپ کہیے: میں تم سے اس پیغام کو پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں ۝ اور میں تمہیں عنقریب دھان (دھواں) کے متعلق حدیث بیان کروں گا کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے قریش کو دعوت اسلام دی، انہوں نے اس کو قبول کرنے میں تاخیر کر دی تو نبی ﷺ نے ان کے خلاف دعا کی: اے اللہ! ان کے خلاف میری مدد فرما اور حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کے قحط کے سات (۷) سالوں کی طرح ان پر قحط کے سات سال مسلط فرما دے، پس ان کو قحط نے پکڑ لیا اور ہر چیز ختم ہو گئی حتیٰ کہ انہوں نے مردار کھائے اور کھالیں کھائیں حتیٰ کہ ایک مرد اپنے اور آسمان کے درمیان بھوک کی وجہ سے دھوئیں کو دیکھتا تھا، اللہ عزوجل نے فرمایا: فَأَنزَلْنَا يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ ۝ يَغْشَى النَّاسَ ۚ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (الدخان: ۱۰-۱۱) سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان واضح دھواں لائے گا ۝ جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا، یہ ہے دردناک عذاب ۝ حضرت عبداللہ بن مسعود نے بیان کیا پس انہوں نے دعا کی: رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ۝ أَتَى لَهُمُ الْوَيْلُ وَكَانُوا يُجَادُّهُمْ رُسُولٌ مُبِينٌ ۝ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلِّمٌ مِّثْنُونَ ۝ إِنَّا كَاثِفُوا الْعَذَابَ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَاثِدُونَ ۝ (الدخان: ۱۰-۱۵) (اس دن وہ کہیں گے:) اے ہمارے رب! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے، بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں ۝ اب ان کے نصیحت قبول کرنے کا وقت کہاں ہے، حالانکہ ان کے پاس واضح ہدایت دینے والے رسول آچکے تھے ۝ پھر انہوں نے اس رسول سے اعراض کیا اور کہا: یہ سکھائے ہوئے دیوانے ہیں ۝ (اگر) ہم کچھ وقت کے لیے عذاب دور کر دیں تو بے شک تم پھر (کفر کی طرف) لوٹنے والے ہو ۝ کیا پس قیامت کے دن عذاب دور کیا جائے گا، حضرت ابن مسعود نے فرمایا: پس عذاب دور کیا گیا۔ پھر وہ اپنے کفر میں لوٹ گئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن ان کو پکڑ لیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ

الْكَذِبَىٰ إِنَّهُم مُّشْتَقُونَ ۝ (الدخان: ۱۶) جس دن ہم بہت گرفت
کے ساتھ پکڑیں گے، بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں ۝

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۷۰۰ میں گزر چکی ہے۔

الحمد لله رب العالمین سورہ ص کی امام بخاری نے جو تفسیر تعلیقات اور احادیث کے ساتھ کی تھی اس کی شرح مکمل ہو گئی اور اب
ان شاء اللہ امام بخاری نے سورہ الزمر کی جو تفسیر کی ہے اس کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۳۹۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ الزُّمَرِ

سورة الزمر کی تفسیر

سورة الزمر کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الزمر کی بعض آیات کی تفسیر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ پوری سورت مکی ہے۔ صرف دو آیتیں مدنی ہیں، ان میں سے ایک یہ آیت ہے: قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا۔ (الزمر: ۵۳) یہ آیت حضرت وحشی کے متعلق نازل ہوئی تھی اور دوسری آیت یہ ہے: وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ۔ (الزمر: ۶۷)

علامہ سخاوی نے کہا ہے: سورة الزمر، سورة سبا کے بعد نازل ہوئی ہے اور سورة المؤمن سے پہلے یعنی سورة غافر سے پہلے سورة الزمر میں کل پچتر (۷۵) آیات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۰۱)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ أَفْسَنْ يَثْقِي بِوَجْهِهِ يُجْزَى عَلَى وَجْهِهِ فِي الثَّارِ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿أَفْسَنْ يُلْقَى فِي الثَّامِيَا خَيْرٌ أَمَ قَنْ يَأْتِيَ آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ (حم السجدة: ۴۰)

اور مجاہد نے کہا ہے: أَفْسَنْ يَثْقِي بِوَجْهِهِ یعنی کیا جو شخص اپنے چہرے کو (عذاب سے) بچاتا ہے جو منہ کے بل دوزخ میں گھسیٹا جائے گا یہ اس آیت کا مصداق ہے:

آیا جو شخص دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو اطمینان سے قیامت کے دن آئے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

أَفْسَنْ يَثْقِي بِوَجْهِهِ سُوءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔
(الزمر: ۲۳) کرتا ہے (اس شخص کی طرح ہو سکتا جو خوشی سے جنت میں داخل ہو؟)

علامہ عینی لکھتے ہیں: کہا جاتا ہے: کسی شخص نے سامنے سے آنے والے عذاب کو اپنی ڈھال سے دور کیا اور اپنے ہاتھوں سے دور کیا لیکن دوزخی شخص جس کو اندھے منہ گھسیٹا جائے گا وہ اس عذاب کو اپنے چہرے سے دور کرے گا کیونکہ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہوں گے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص بدترین عذاب کو اپنے چہرے سے دور کرے گا کیا وہ اس کی مثل ہو سکتا ہے جو عذاب سے بے خوف ہو؟

غیر ذی عوجہ نہیں یعنی جس میں کجی اور اشتباہ نہ ہو۔

غیر ذی عوجہ نہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قُلْ إِنَّا عَرَضْنَا غَيْرَ ذِي عُوجٍ لَّعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ ﴿۲۸﴾ ہم نے انہیں عربی زبان میں قرآن عطا فرمایا جس میں کوئی کجی

(الزمر: ۲۸) نہیں ہے تاکہ وہ اللہ سے ڈریں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اَلْعَوَجِہ کی تفسیر لبس کے ساتھ کی ہے جس کا معنی ہے: اشتباہ یعنی قرآن میں کوئی اشتباہ نہیں ہے اور نہ کوئی کجی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یعنی قرآن مجید مخلوق نہیں ہے۔

وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ مِّثْلُ لَإِلٰهَتِهِمُ الْبَاطِلِ وَالْإِلَٰهَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ اور ایک مرد صرف ایک مرد کا غلام ہو۔ یہ کفار کے معبودان باطلہ اور معبود برحق کی مثال ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

صَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا ثَرْجُلًا فِيهِ شُرَكَاءٌ مُتَشَكِّكُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا۔

(الزمر: ۲۹) ایک شخص جی مالک ہے، کیا ان دونوں غلاموں کی مثال برابر ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ دونوں غلام ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ پہلا غلام اپنے مختلف آقاؤں کی وجہ سے ہمیشہ تذبذب اور مشکل میں رہے گا کہ کس کا حکم مانے اور کس کو راضی رکھے اور جب کہ دوسرا شخص صرف ایک آقا کا غلام ہے اور اس کا معاملہ صرف ایک شخص سے متعلق ہے، وہ تذبذب اور مشکل میں مبتلا نہیں رہے گا کیونکہ اس کا معاملہ صرف ایک ہی شخص کے ساتھ متعلق ہے، بالکل یہی مثال اس شخص کی ہے جو متعدد معبودوں کی عبادت کرتا ہے، وہ بھی اسی طرح تذبذب اور مشکل میں مبتلا ہوگا اور جو شخص صرف ایک آقا کا غلام ہوگا اس کو یہ تذبذب اور پریشانی نہیں ہوگی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا ہے: یہ ان کے باطل معبودوں اور برحق معبود کی مثال ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کیا ان دونوں غلاموں کی صفات برابر ہیں؟ علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اس کافر کی مثال بیان فرمائی ہے جو متعدد معبودوں کی عبادت کرتا ہے اور مومن کی مثال بیان فرمائی ہے جو صرف ایک اللہ عزوجل کی عبادت کرتا ہے، اس آیت میں متشاکسون کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: جو مختلف ہوں اور متنازع ہوں اور جھگڑالو اور بد اخلاق ہوں۔

وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ بِالْأَوْثَانِ۔

دوسرے (معبودوں) سے ڈراتے ہیں (الزمر: ۳۶) اس سے مراد ان کے بت ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدًا ۚ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ۔ (الزمر: ۳۶)

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی مشرکین آپ کو بتوں کے ضرر پہنچانے سے ڈراتے ہیں۔ کفار نے کہا: آپ ہمارے معبودوں کی خدمت کرتے ہیں اور ان کا برائی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، آپ ان کے ذکر سے باز آ جائیں ورنہ ہم آپ کے ساتھ برا سلوک کریں گے۔ اس میں الاوثان کا ذکر ہے اور بالادوثان کی بھی روایت ہے اور یہ روایت زیادہ بہتر ہے۔

خَوَّلْنَا أُعْطَيْنَا۔

خوّلنا اس کا معنی ہے: أعطينا یعنی ہم نے عطا کیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا نَحْمُ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا۔

پس جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو پکارتا ہے، پھر

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيَتْهُ عَلَىٰ عِلْمٍ - (الزمر: ۳۹)

جب ہم اس کو اپنے پاس سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ نعمت تو مجھے صرف ایک علم کی بنا پر دی گئی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے حَوَّلْنَا کی تفسیر اعطینا کے ساتھ کی ہے اور امام ابو عبیدہ نے کہا: جب تم کسی کو کوئی مال عطا کرو تو کہتے ہو: حَوَّلْتُهُ۔

وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ الْقُرْآنُ وَصَدَّقَ بِهِ الْمُؤْمِنُ
يَجِيئُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُولُ هَذَا الَّذِي أُعْطِيتَنِي عَمِلْتُ
بِتَافِيهِ۔
وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ (الزمر: ۳۳) (اور جو سچے دین کو لے کر
آئے) یعنی القرآن وَصَدَّقَ بِهِ (اور جنہوں نے اس کی تصدیق
کی) یعنی مومن قیامت کے دن آکر کہے گا: یہ وہ ہے جو تو نے مجھے
عطا کیا تھا، میں نے جو کچھ اس میں لکھا ہے اس پر عمل کیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ
الشَّقَوْنَ (الزمر: ۳۳)
اور جو سچے دین کو لے کر آئے اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی
وہی لوگ متقی ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ کی تفسیر "القرآن" کے ساتھ کی ہے اور انس بن مالک نے کہا: وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ کا مصداق حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جو قرآن لے کر آئے اور صدق بہ کا مصداق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے حامل ہیں اور صدق بہ کا بھی مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے اس پیغام کو مخلوق تک پہنچایا، اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ابو العالیہ اور الکلبی سے روایت ہے کہ وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور صدق بہ کا مصداق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، اور قتادہ اور مقاتل سے روایت ہے کہ وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور صدق بہ کا مصداق المؤمنون ہیں اور عطاء سے روایت ہے: وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ کا مصداق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور صدق بہ کا مصداق ان کے پیروکار ہیں، اور اس صورت میں وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ میں الذی بہ معنی الذین ہے جیسے حُضُنْكُمْ كَالَّذِي خَاصُّوا (التوبة: ۶۹) میں الذی بہ معنی الذین ہے اور یہ پوری تفسیر صرف علامہ نسفی نے ذکر کی ہے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ مُتَشَاكِسُونَ الرَّجُلُ الشَّكْسُ الْعَيْسُ لَا
يَرْضَىٰ بِإِلْهَانِصَافٍ۔
مُتَشَاكِسُونَ اس کا معنی ہے: الرَّجُلُ الشَّكْسُ یعنی وہ مرد جو تنگ
دل اور جھگڑالو ہو اور انصاف کی بات پر راضی نہ ہوتا ہو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

صَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا ثَلَاثًا ۖ فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ۔
اللہ ایک مثال بیان فرما رہا ہے ایک ایسے غلام کی جس میں کئی متضاد
خیالات کے (جھگڑالو) لوگ شریک ہیں۔ (الزمر: ۲۹)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الشکس لکھ کر یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ مُتَشَاكِسُونَ کا مادہ ہے، البتہ قرآن مجید میں اس کا ذکر باب تفاعل سے ہے جو فاعل میں مشارکت کے لیے آتا ہے اور الشکس کا لفظ مفرد ہے اور صفت مشبہ ہے، رجل شکس اس شخص کو کہتے ہیں جس کے اخلاق میڑھے ہوں اور قوم شکس اس کا معنی ہے: سچا مرد اور سچی قوم اور الشکس کا معنی ہے: بہت براہ۔ امام بخاری نے الشکس کی تفسیر اس شخص کے ساتھ کی ہے جو جھگڑالو ہو اور انصاف کی بات پر راضی نہ ہوتا ہو۔

وَرَجُلًا سَلَمًا وَيُقَالُ سَالِمًا صَالِحًا۔
 رَجُلًا سَلَمًا اور اس کے معنی میں کہا جاتا ہے جو سالم اور صالح ہو۔
 علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تعلق صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں نہیں ہے کیونکہ یہ مکرر ہے، چار تعلیقات پہلے اس کا ذکر آچکا ہے، لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلی تعلیق میں امام بخاری نے وَرَجُلًا سَلَمًا کہا تھا اور اس تعلق میں رَجُلًا سَلَمًا کہا ہے، اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ سَلَمًا کے سین پر زیر بھی ہے اور زبر بھی اور الزجاج نے کہا سَلَمًا اور سَلَمًا دونوں مصدر ہیں اور اس سے مراد وہ مرد ہے جو نیک سیرت اور صالح ہو۔

اشْتَاذٌ نَفَرَتْ۔
 اشْتَاذٌ کا معنی ہے: متنفر ہوئے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
 وَإِذَا دُكِمَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآخِرَةِ۔ (الزمر: ۲۵)
 اور جب صرف اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان لوگوں کے دل متنفر ہوتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اشْتَاذٌ کی تفسیر تنفر کے ساتھ کی ہے، اسی طرح اس کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے، مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے: وہ منقبض ہوتے ہیں اور قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: ان کے دل کفر کرتے ہیں۔
 بِسْفَاذَتِهِمْ مِنَ الْفَوْزِ۔
 بِسْفَاذَتِهِمْ یہ الفوز سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: کامیابی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
 وَيُنَزِّلُ اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا بِسْفَاذَتِهِمْ۔ (الزمر: ۶۱)
 اور اللہ متقین کو ان کی کامیابی کے سبب سے عذاب سے نجات دے گا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ مَفَاذٌ، فَوْزٌ سے ماخوذ ہے یعنی مصدر مسمی ہے۔
 حَافِينَ أَطَافُوا بِهِ مُطِيفِينَ بِحَافِيهِ بِجَوَانِبِهِ۔
 حافین اس کا معنی ہے: وہ حاطہ کرنے والے ہیں بِحَافِيهِ یعنی عرش کی تمام جانبوں سے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
 وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ۔ (الزمر: ۸۵)
 بنائے ہوئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے حافین کی تفسیر مطیفین کے ساتھ کی ہے جو أَطَافُوا سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کے گرد طواف کرنا بِحَافِيهِ یہ حفاف کا تثنیہ ہے اور اس کا معنی جانب ہے اور حفافیہ کا معنی ہے: اس کی دونوں جانبوں سے۔
 اور دوسری روایت میں ہے: بجوانبہ یعنی اس کی تمام جانبوں سے۔

مُتَشَابِهًا لَيْسَ مِنَ الْأَشْتِبَاءِ وَلَكِنْ يُشَبِّهُ بَعْضُهُ مُتَشَابِهًا يَشْتَبَاهُ مَاخُذٌ نَحْنُ بَلْكَ اس کا معنی ہے کہ بعض بَعْضَاتِي التَّصْدِيقِ۔
 آیات دوسری بعض آیات کے تصدیق میں مشابہ ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
 اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا۔ (الزمر: ۲۳)
 اللہ نے بہترین کلام کو نازل کیا جس کے مضامین ایک جیسے ہیں۔
 علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ متشابہا، اشتباہ سے ماخوذ نہیں ہے جس کا معنی اختلاط اور التباس

ہے لیکن اس کا معنی ہے: قرآن مجید کی بعض آیات تصدیق میں دوسری بعض آیات کے مشابہ ہیں کیونکہ قرآن مجید کی بعض آیات دوسری بعض آیات کی تصدیق کرتی ہیں، اور دوسرا قول یہ ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی تصدیق میں دوسری بعض آیات کے مشابہ ہیں اور یہ آپ کے معجزہ کے سبب سے ہیں۔

۱۔ بَابُ: قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ (الزمر: ۵۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے میرے وہ بندو! جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا بے شک وہی بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝ (الزمر: ۵۳) کی تفسیر

آیت مذکورہ کا شان نزول

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس باب میں الزمر: ۵۳ کی تفسیر ہے: اس آیت کے سبب نزول میں اختلاف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت اہل مکہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا: (سیدنا) محمد (ﷺ) کا یہ زعم ہے کہ جس شخص نے اس کو قتل کیا جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور اس نے بتوں کی عبادت کی تو اس کی بخشش نہیں ہوگی، پس انہوں نے کہا: ہم کیسے ہجرت کریں اور اسلام قبول کریں حالانکہ ہم نے اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی عبادت کی ہے اور ہم اس شخص کو قتل کر چکے ہیں جس کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت یہ ہے کہ یہ آیت وحشی کے متعلق نازل ہوئی ہے، جو سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا اور قتادہ سے روایت ہے کہ بعض لوگوں نے زمانہ جاہلیت میں بہت بڑے بڑے گناہ کیے تھے، پس جب اسلام کا ظہور ہوا تو انہیں اس بات کا خوف ہوا کہ ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی، تب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ سے ان کو اسلام کی دعوت دی، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت عیاش بن ابی ربیعہ اور ولید بن الولید اور مسلمانوں کی ایک جماعت کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اسلام لا چکے تھے، پھر ان کو فتنہ میں ڈالا گیا اور عذاب دیا گیا، پس وہ فتنہ میں مبتلا ہوئے تو ہم یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان سے کبھی بھی نہ فرض قبول کر لے گا اور نہ نفل یہ لوگ اسلام لائے، پھر انہوں نے اپنے دین کو اس عذاب کی وجہ سے ترک کر دیا جو عذاب انہیں دیا گیا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے خبر دی کہ ابن جریج نے ان کو خبر دی، یحییٰ نے کہا کہ بے شک سعید بن جبیر نے ان کو خبر دی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، کہ مشرکین میں سے بعض لوگوں نے بہت زیادہ قتل کیا اور بہت زیادہ زنا کیا، پھر وہ سیدنا محمد (ﷺ) کے پاس آئے کہ آپ جو بیان کرتے ہیں اور جس دین کی

۳۸۱۰۔ حَدَّثَنِي اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوسَى اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ اَنْ ابْنَ جُرَيْجٍ اَخْبَرَهُمْ قَالَ يَحْيٰى اِنْ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ اَخْبَرَهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا اَنَّ نَاسًا مِنْ اَهْلِ الْبَنِي كَانُوا قَدْ قَتَلُوا وَكَثَرُوا وَزَنَوْا وَكَثَرُوا فَاتُّوا مُحْتَدًا مِنْهُمْ فَقَالُوا اِنَّ الَّذِي تَقُولُ وَتَدْعُو اِلَيْهِ لَحَسَنٌ لَوْ تَخْبِرُنَا اَنْ لَنَا عَيْلَتُنَا

كَفَّارَةٌ فَنَزَلَ ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَ لَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُونَ﴾ (الفرقان: ۱۸) وَنَزَلَتْ ﴿قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا﴾ (الزمر: ۵۳)

(صحیح بخاری: ۴۵۱۹، صحیح مسلم: ۱۲۲، سنن ابی داؤد: ۴۲۷۴، سنن نسائی: ۴۱۰۵)

طرف دعوت دیتے ہیں وہ بہت اچھا ہے اگر آپ ہم کو یہ خبر دیں کہ بے شک ہم نے جو گناہ کیے تھے ان کا کوئی کفارہ ہے تو یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَ لَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُونَ﴾ (الفرقان: ۱۸) اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ وہ کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے ناحق قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں۔ اور یہ آیت نازل ہوئی: ﴿قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا﴾ (الزمر: ۵۳) آپ کہیے: اے میرے وہ بندوں جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبرانی کی روایت میں ہے: لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم سے بھی وہ گناہ ہو چکے ہیں جو وحشی نے کیے ہیں تب آپ نے فرمایا: یہ آیت تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے۔

امام احمد نے اور امام طبرانی نے اوسط میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے آپ فرما رہے تھے کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ مجھے اس آیت کے بدلہ میں دنیا اور مافیہا مل جائے یعنی لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ (الزمر: ۵۳) کے بدلہ میں، ایک شخص نے پوچھا: اور جس نے شرک کیا ہو تو؟ آپ پہلے کچھ دیر خاموش رہے، پھر تین بار فرمایا: اور جس نے شرک کیا ہو۔

آیا اس آیت میں حقوق اللہ اور حقوق العباد سب حقوق کی مغفرت کی نوید ہے یا صرف حقوق اللہ کی مغفرت کی نوید ہے؟

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: اس آیت کے عموم سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اس شخص کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے خواہ کبار ہوں یا صغائر اور ان کا تعلق حقوق العباد کے ساتھ ہو یا نہ ہو اور اہل سنت کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ تمام گناہ توبہ سے معاف کر دیئے جاتے ہیں اور جس کے لیے اللہ چاہے گا اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے خواہ وہ بغیر توبہ کے مر گیا ہو، اور رہے حقوق العباد تو جب اس نے یہ توبہ کی ہو کہ وہ آئندہ ایسا گناہ نہیں کرے گا تو اس کو اس توبہ سے نفع ہوگا اور اگر اس نے کسی بندہ کا حق ضائع کیا ہے تو ضروری ہے کہ وہ اس بندہ سے اس حق کو معاف کرائے ورنہ پھر اس کو اس کے حق کے بدلہ میں اپنی نیکیاں دینی ہوں گی ہاں! اللہ تعالیٰ کے فضل میں یہ وسعت ہے کہ وہ حق دار کو اس کے حق کے بدلہ میں اپنی طرف سے اس کا معاوضہ عطا فرمائے اور گناہ گار کو عذاب نہ دے اور اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ۔ (النسا: ۱۱۶)

بے شک اللہ اس کو نہیں معاف کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو گناہ اس سے کم ہوگا اس کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۸۰۱، دار المعرف، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۔ بَابُ: وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ۔

(الزمر: ۶۷)

۸۱۱۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عُبَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَرْثَدَةَ قَالَ جَاءَ خَبَرٌ مِنَ الْأَخْبَارِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنْ نَجِدُ أَنَّ اللَّهَ يَجْعَلُ السَّمَوَاتِ عَلَى إَصْبَعٍ وَالْأَرْضِينَ عَلَى إَصْبَعٍ وَالشَّجَرَ عَلَى إَصْبَعٍ وَالنَّارَ وَالْمَرَى عَلَى إَصْبَعٍ وَسَائِرَ الْخَلَائِقِ عَلَى إَصْبَعٍ فَيَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى بَدَتْ تَوَاجِدُهُ تَصَدِيقًا لِقَوْلِ الْخَبَرِ ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ (الزمر: ۶۷)

(صحیح البخاری: ۷۴۱۳، صحیح مسلم: ۳۳۶۸، سنن ترمذی: ۳۲۳۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہ کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا۔ (الزمر: ۶۷) کی تفسیر امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم از عبیدہ از حضرت عبد اللہ بنی شیبان انہوں نے بیان کیا کہ علماء یہود میں سے ایک عالم رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، پس اس نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) ہم یہ لکھ لکھوا پاتے ہیں: بے شک اللہ تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر رکھے گا اور تمام زمینوں کو ایک انگلی پر اور تمام درختوں کو ایک انگلی پر اور تمام پانی اور کچھڑ کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر، پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں تو نبی ﷺ ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں، اس یہودی عالم کی تصدیق کی وجہ سے، پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ (الزمر: ۶۷) اور انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہ کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا۔

حدیث مذکورہ میں انگلی کی شرح میں علماء کے اقوال اور ہنسی کے وقت نبی ﷺ کی ڈاڑھوں کے ظہور کی تحقیق

علامہ بدر الدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کے بعض مشکل جملوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک انگلی پر: اس سے مراد قدرت ہے، ابن فورک نے کہا: اس سے مراد کسی مخلوق کی انگلی ہے اور یہ بھی ممنوع نہیں ہے، اور محمد بن شجاع النخعی نے کہا: ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد کوئی مخلوق ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہو اور اس کا نام انگلی کے موافق ہو اور وہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ "رحمن کی انگلیوں میں سے ایک انگلی" اس کی تاویل قدرت یا سلطنت کے ساتھ ہے اور الخطابی نے کہا ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ انگلی یا اس کی مثل جو چیز ہو اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں کیا جائے گا سوا اس کے کہ اس کا ذکر کتاب میں ہو یا کسی ایسی حدیث میں ہو جس کی صحت قطعی ہو اور اگر اس طرح نہ ہو تو پھر اس کا اللہ پر اطلاق کرنے سے توقف کرنا لازم ہے اور انگلیوں کا ذکر نہ کتاب میں ہے اور نہ سنت قطعیہ میں ہے اور انگلی ہاتھ کے معنی میں نہیں ہے حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ ہاتھ کے ثبوت سے انگلی کا ثبوت ہو جائے گا اور اس حدیث کی روایت حضرت عبد اللہ کے بہ کثرت اصحاب نے کی ہے اور عبیدہ کے سوا اور کسی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس یہودی عالم کی تصدیق کی اور یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل کتاب تمہارے

سامنے جو حدیث بیان کریں تو نہ تم ان کی تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے کوئی ایسا لفظ نہیں فرمایا جس سے اس یہودی عالم کی تصدیق یا تکذیب ہوتی ہو اور آپ سے صرف ہنسی کا ظہور ہوا جس سے یہ خیال کیا گیا کہ آپ اس کی بات پر راضی ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی ہنسی اس کی بات پر تعجب کے لیے ہو اور انکار کے لیے ہو اور جس نے یہ کہا کہ آپ سے ہنسی کا ظہور اس یہودی عالم کی تصدیق کے لیے ہوا یہ محض اس کا گمان ہے اور اس سے ایسے عظیم امر کی مثل پر استدلال کرنا جائز نہیں ہے اور اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس میں کوئی تاویل کرنا ضروری ہے کہ یہ کسی قسم کا مجاز ہے اور کبھی کوئی قوی انسان کسی دشوار کام کے لیے کہتا ہے کہ وہ اس کام کو تو ایک انگلی سے کر سکتا ہے اور وہ اس سے اس کام پر اپنی قدرت کو ظاہر کرتا ہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ یہ اس یہودی عالم کی تحریف تھی کیونکہ نبی ﷺ کا اس کی بات پر ہنسنا تعجب کے طور پر تھا۔

اور علامہ تمیمی نے کہا ہے کہ علامہ خطابی نے اس شرح میں تکلف کیا ہے اور ایسی بات کہی ہے جو قدیم علماء نے نہیں کہی، اور صحابہ کرام جنہوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہے وہ ان سے زیادہ عالم ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ آپ کا ہنسنا اس یہودی عالم کی تصدیق کے لیے تھا اور سنت صحیحہ میں یہ وارد ہے کہ ہر دل رحمن کی انگلیوں میں دو انگلیوں کے درمیان ہے اور علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ ایسی حدیث کی مثل میں امت کے دو گروہ ہیں، ایک گروہ اس قسم کی حدیث کی تاویل کرتا ہے اور ایک گروہ اس پر توقف کرتا ہے جیسا کہ آیات تشابہات کے بارے میں بعض علماء ان کی تاویل کرتے ہیں اور بعض علماء ان پر توقف کرتے ہیں اور ان کا علم اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیتے ہیں۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس حدیث کا سیاق و سباق اس پر دلیل ہے کہ نبی ﷺ کا اس یہودی عالم کی بات پر ہنسنا اس کی تصدیق کے لیے تھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے بننے کے بعد قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی: وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ (الزمر: ۶۷) (اور انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا)۔

النواجذ: الاصمعی نے کہا: یہ تمام ڈاڑھیں ہیں نہ کہ آخری دانت، اور علامہ ابن کثیر نے بہترین بات کہی ہے کہ انسان کے نواجذ اس کے ضواحک ہیں اور یہ وہ دانت ہیں جو ہنسی کے وقت ظاہر ہوتے ہیں اور زیادہ مشہور یہ ہے کہ یہ آخری دانت ہیں اور یہاں مراد پہلا معنی ہے کیونکہ نبی ﷺ اس قدر نہیں ہنستے تھے کہ آپ کی آخری ڈاڑھیں ظاہر ہوں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ آپ کے بننے کی یہ تفصیل کی گئی ہے کہ آپ کا ہنسنا تبسم فرمانا تھا اور اگر یہ کہا جائے کہ اس سے مراد دانتوں کا آخری حصہ ہے تو یہ کہا جائے گا

کہ اس سے بننے میں مبالغہ مراد ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۰۶-۱۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر نے یہ لکھا ہے کہ انگلی کی شرح میں توقف کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۸۰۲)

۳۔ بَابُ: وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ (الزمر: ۶۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور قیامت کے دن سب زمینیں اس کی مٹھی میں ہوں گی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے، وہ ان چیزوں سے پاک اور برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں ○

(الزمر: ۶۷) کی تفسیر

۴۸۱۲۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي النَّثِيثُ امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث

بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے لیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبدالرحمن بن خالد بن مسافر نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از ابی سلمہ کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام زمینوں کو ایک مٹھی میں پکڑ لے گا اور تمام آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا، پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں زمینوں کے بادشاہ کہاں ہیں؟

قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدِ بْنِ مُسَافِرٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ يَقْبِضُ اللَّهُ الْأَرْضَ وَيَطْوِي السَّمَوَاتِ بِيَمِينِهِ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ مُلْكُ الْأَرْضِ (صحیح البخاری: ۶۵۱۹، صحیح مسلم: ۲۷۸۷)

تمام زمینوں کو اپنی مٹھی میں پکڑنے سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت ہے اور آسمانوں کو دائیں ہاتھ میں لپیٹنے سے مراد اللہ کی قدرت اور قوت ہے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد مینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کے بعض مشکل الفاظ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اور تمام زمینوں کو ایک مٹھی میں پکڑ لے گا: اس سے یہ مراد نہیں کہ تمام زمینیں اس کی بقیلی میں ہوں گی بلکہ یہ مراد ہے کہ تمام زمینیں اللہ تعالیٰ کی سلطنت میں ہیں کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ کی عظمت کو بیان کرنا مقصود ہے۔ اور تمام آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا: یہاں طی کا لفظ ہے اور طی کے کئی معانی ہیں اور اس کا ایک معنی لپیٹنا ہے جیسے کاغذ کو لپیٹا جاتا ہے اور اس کا دوسرا معنی ہے کہ میں نے فلاں چیز کو لوگوں کی نظروں سے لپیٹ دیا یعنی اس کو چھپا لیا اور اس کا ایک معنی اعراض کرنا ہے۔ طویٹ عَنْ فُلَانٍ اس کا معنی ہے: میں نے اس سے اعراض کیا۔

دائیں ہاتھ: دائیں ہاتھ کا ذکر قدرت میں مبالغہ کے لیے ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے قوت کا بیان کرنا مقصود ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۰۷-۲۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی شرح تفصیل سے کتاب التوحید میں آئے گی۔ ان شاء اللہ

(فتح الباری ج ۵ ص ۸۰۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور صور میں پھونکا جائے گا تو آسمان والے اور زمینوں والے سب ہلاک ہو جائیں گے، ماسوا ان کے جس کو اللہ چاہے، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو یکا یک وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے (الزمر: ۶۸)

(۶۸) کی تفسیر

۴۔ بَابُ: وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي

السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ

ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ

يَنْظُرُونَ (الزمر: ۶۸)

آیت مذکور کے مشکل الفاظ کی شرح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد مینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کے مشکل الفاظ کی شرح میں لکھتے ہیں:

الصور: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے: صور سینک کی شکل کی ایک چیز ہے جس میں پھونک

ماری جائے گی۔

فَصَبَقَ: آسمانوں اور زمینوں والے سب مرجائیں گے۔

الا من شاء الله: اس میں اختلاف ہے کہ کن لوگوں کو موت سے مستثنیٰ فرمایا ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ شہداء ہیں جو عرش کے گرد اپنی تلواریں لٹکائے ہوئے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل ہیں، اس کی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور کعب الاحبار سے منقول ہے کہ وہ بارہ (۱۲) ہیں، آٹھ (۸) توحہ ملین عرش ہیں اور چار (۴) یہ ہیں: حضرت جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت، اور ضحاک سے منقول ہے کہ وہ جنت کے محافظ رضوان ہیں اور بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں اور دوزخ کے محافظ مالک ہیں اور وہ انیس (۱۹) فرشتے ہیں، اور حسن بصری سے منقول ہے کہ وہ صرف اللہ عزوجل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ دوزخ کے بچھو اور سانپ ہیں۔

پس یکا یک وہ کھڑے ہوں گے: وہ اپنی قبروں سے نکل کر کھڑے ہو جائیں گے۔

وہ دیکھ رہے ہوں گے: کہ وہ کب دوبارہ زندہ کیے جائیں گے، دوسرا قول ہے: وہ اپنے متعلق اللہ کے حکم کا انتظار کر رہے ہوں

گے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۰۷)

۳۸۱۳۔ حَدَّثَنِي الْحَسَنُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ خَلِيلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ عَنْ زَكْرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ عَامِرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنِّي أَوَّلُ مَنْ يَرْفَعُ رَأْسَهُ بَعْدَ الثُّغَّةِ الْآخِرَةِ فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى مُتَعَلِّقٍ بِالْعَرْشِ فَلَا أَذْرَى أَكْذَلِكَ كَانَ أَمْرُ بَعْدَ الثُّغَّةِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے الحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن خلیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحیم نے خبر دی از زکریا بن ابی زائدة از عامر از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: دوسری بار صور پھونکنے کے بعد سب سے پہلے میں سر بلند کر کے دیکھوں گا، اس وقت حضرت موسیٰ عرش کے ساتھ معلق ہوں گے، پس میں از خود نہیں جانتا کہ وہ شروع سے اسی طرح ہیں یا صور میں پھونکنے کے بعد اسی طرح ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۱۱ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے بعض مشکل الفاظ کی شرح

دوسری بار صور میں پھونکنے کے بعد: اس صور میں پھونکنے کے بعد لوگوں کو زندہ کیا جائے گا اور پہلی بار صور میں پھونکنے کے بعد لوگوں کو مار دیا جائے گا۔

پس میں از خود نہیں جانتا: ایاہ شروع سے اسی طرح ہیں: یعنی وہ پہلی بار صور میں پھونکنے سے فوت نہیں ہوئے اور پہاڑ طور پر جو بے ہوش ہوئے تھے اسی پر اکتفاء کر لی گئی یا دوسری بار صور میں پھونکنے کے بعد ان کو زندہ کیا گیا، پس وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے اور عرش سے معلق ہو گئے۔ اس طرح اس کی علامہ کرمانی نے تفسیر کی ہے۔

اور اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ بے ہوش ہو جائیں گے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے ہوش میں آئیں گے، جب آپ ہوش میں آ کر دیکھیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام عرش سے معلق ہیں اور آپ کو از خود یہ پتا نہیں تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی لوگوں کے ساتھ بے ہوش ہو گئے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوش میں آ گئے یا

حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے والوں سے مستثنیٰ فرمایا اور جس کا میں نے ذکر کیا ہے یہ اس حدیث کا مضمون ہے جس کو امام بخاری نے اشخاص میں اور احادیث الانبیاء علیہم السلام میں ذکر کیا ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابو صالح سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: دو مرتبہ صور میں پھونکنے کے درمیان چالیس (۴۰) کا عرصہ ہے، لوگوں نے کہا: اے ابو ہریرہ! چالیس دن کا عرصہ ہے؟ انہوں نے کہا میں انکار کرتا ہوں، انہوں نے کہا: چالیس (۴۰) سال کا؟ انہوں نے کہا: میں انکار کرتا ہوں انہوں نے کہا: چالیس (۴۰) مہینوں کا؟ انہوں نے کہا: میں انکار کرتا ہوں اور کہا: انسان کی ریڑھ کی ہڈی کے سوا اس کی ہر چیز بوسیدہ ہو جائے گی اور اسی ہے اس کی دوبارہ پیدائش کی جائے گی۔

۳۸۱۴۔ حَدَّثَنَا عُثْرِبْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ بَيْنَ التَّفَحُّتَيْنِ أَرْبَعُونَ قَالُوا يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَرْبَعُونَ يَوْمًا قَالَ أَيْتُ قَالَ أَرْبَعُونَ سَنَةً قَالَ أَيْتُ قَالَ أَرْبَعُونَ شَهْرًا قَالَ أَيْتُ وَيَبْنَى كُلُّ شَيْءٍ مِنَ الْإِنْسَانِ إِلَّا عَجَبَ ذَنْبِهِ فِيهِ يُرْكَبُ الْخَلْقُ۔

(صحیح البخاری: ۴۹۳۵، صحیح مسلم: ۹۵۵)

حدیث مذکورہ کے مشکل الفاظ کی شرح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ حدیث مذکور کے بعض مشکل الفاظ کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: دو مرتبہ صور پھونکنے کے درمیان: اس سے مراد پہلی مرتبہ اور دوسری مرتبہ صور میں پھونکنا ہے۔

لوگوں نے کہا: اس سے مراد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب ہیں۔

میں انکار کرتا ہوں: یعنی میں دنوں، سالوں اور مہینوں کی تعیین سے انکار کرتا ہوں کیونکہ حضرت ابو ہریرہ کو اس کی تعیین کا علم نہیں تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: بعض شارحین نے کہا ہے کہ صحیح مسلم میں چالیس (۴۰) سال کی تصریح ہے اور اس کا وجود نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ: اگر بعض شارحین سے ان کی مراد صاحب التوضیح ہیں (علامہ ابن السلقن جو حافظ ابن حجر کے استاد ہیں) تو انہوں نے اس طرح نہیں کہا، انہوں نے یہ کہا ہے کہ صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتب میں چالیس (۴۰) سال کی تصریح کی ہے، اس سے انہوں نے اسی سند کے ساتھ امام ابن مردودہ کی روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں چالیس سال کا ذکر کیا ہے اور یہ شاذ ہے اور ایک سند ضعیف سے حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ دو صورتوں کے پھونکنے کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہے۔

میں کہتا ہوں: علامہ ابن السلقن کی عبارت اس طرح ہے: اس حدیث کی امام مسلم اور امام نسائی نے روایت کی ہے اور میں انکار کرتا ہوں کا معنی یہ ہے: مجھے کسی مدت پر وثوق نہیں ہے، مجھے صرف چالیس کے عدد پر وثوق ہے اور امام مسلم کے علاوہ دوسری

کتب حدیث میں چالیس سال کی تصریح ہے۔ علامہ ابن التین نے کہا ہے: یا تو حضرت ابو ہریرہ کو اس روایت کا علم نہیں تھا یا وہ اس لیے خاموش رہے کہ ان کو کسی اور وقت میں بتادیں گے، پھر وہ بھول گئے یا پھر کسی اور کام میں مشغول ہو گئے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۳ ص ۱۸۳)

عجب الذنب کے متعلق علماء اور شارحین کی عبارات

انسان کی ریڑھ کی ہڈی کے سوا اس کی ہر چیز بوسیدہ ہو جائے گی: حدیث میں عجب ذنبہ کے الفاظ ہیں اور یہ ریڑھ کی ہڈی کی جز ہے جو اس کی پشت کی جز میں ایک نرم ہڈی ہے۔ امام ابن ابی الدنیا نے کتاب البعث میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! العجب کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ رائی کے دانہ کی مثل ہے۔ علامہ عینی لکھتے ہیں: اس کو عجم بھی کہا جاتا ہے اور اس کی آدمی میں سب سے پہلے تخلیق کی جاتی ہے اور یہ وہی ہے جس کو باقی رکھا جاتا ہے تاکہ اس سے اس کی تخلیق کی جائے، اس مخصوص ہڈی کو باقی رکھنے کا فائدہ یہ ہے جیسا کہ علامہ ابن عقیل نے کہا ہے: اس کی حقیقت کا تو اللہ ہی کو علم ہے کیونکہ جو عدم سے وجود کو ظاہر فرماتا ہے وہ اس کا محتاج نہیں ہے کہ اس کے فعل کے لیے کوئی چیز ہو جس پر بناء کی جائے۔ اگر اللہ عزوجل کے اس فعل کی اور تخصیص کی کوئی حکمت بیان کی جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نرم ہڈی کو اس لیے باقی رکھا گیا کہ یہ فرشتوں کے لیے اس بات کی علامت ہو کہ ہر انسان کو بعینہ اس کے جوہر سے زندہ کیا جائے گا اور فرشتوں کو اس کا علم صرف اس صورت میں ہوگا جب ہر شخص کی نرم ہڈی کو باقی رکھا جائے تاکہ فرشتوں کو معلوم ہو کہ انسان کے بعینہ اسی جز میں روح ڈالی جائے گی۔ (اسی کو متکلمین انسان کا جزء اصلی کہتے ہیں)، جب حضرت عزیر علیہ السلام فوت ہو گئے اور ان کا گدھا بھی فوت ہو گیا اور گدھے کی ہڈیوں کو باقی رکھا گیا، پھر ان پر گوشت پہنایا گیا تاکہ معلوم ہو جائے یہ اسی گدھے کا جسم ہے کسی اور کا نہیں اور اگر انسان کے کسی جزء کو باقی نہ رکھا جاتا تو ہو سکتا تھا فرشتوں کے نزدیک یہ جائز ہوتا کہ ارواح کا اعادہ ان جسموں کی امثال میں ہے نہ کہ بعینہ ان ہی اجسام میں۔ اگر تم یہ اعتراض کرو کہ صحیح حدیث میں ہے کہ انسان کی ہر چیز بوسیدہ ہو جاتی ہے اور اس حدیث میں ہے کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی کا عجب (جو رائی کے دانہ کے برابر ہے) وہ بوسیدہ نہیں ہوتا تو میں کہتا ہوں کہ یہ عام مخصوص عند البعض نہیں ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں سے انبیاء علیہم السلام مخصوص ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر ان کے اجسام کے کھانے کو حرام کر دیا ہے۔ اور علامہ ابن عبد البر نے شہداء کو بھی ان کے ساتھ لاحق کیا ہے اور علامہ قرطبی نے بلا معاوضہ اذان دینے والے کو بھی ان کے ساتھ لاحق کیا ہے۔

اگر تم یہ پوچھو کہ ریڑھ کی ہڈی کے اس رائی کے دانہ کے برابر حصہ کو بوسیدہ ہونے سے مستثنیٰ رکھنے کی کیا حکمت ہے تو میں کہوں گا کہ انسان کی اصل خلقت اسی جز سے ہوتی ہے اور اسی سے اس کو بنایا جاتا ہے اور یہی وہ بنیاد ہے جس کے اوپر انسان کو دوبارہ بنایا جائے گا، سو وہ انسان کے تمام اجزاء کے مقابلہ میں اصل بنیاد ہے جیسے دیوار کی بنیاد کسی خاص چیز پر ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمام کی سند سے یہ روایت کی ہے کہ انسان کی ایک ہڈی ہے جس کو زمین کبھی بھی نہیں کھا سکتی اور اس ہڈی سے انسان قیامت کے دن دوبارہ بنایا جائے گا۔ لوگوں نے پوچھا: وہ کون سی ہڈی ہے تو حضرت ابو ہریرہ نے کہا: وہ ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اس حدیث کی امام مسلم نے روایت کی ہے۔

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سلیمان کی حدیث میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے سر کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں ہے اور ریڑھ کی ہڈی کی حدیث ان کی اولاد کے متعلق ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ سلیمان کے قول سے مراد یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے سر میں سب سے پہلے روح پھونکی جائے گی۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان

کے جسم کو جب بنایا جائے گا تو سب سے پہلے سر کو بنایا جائے گا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۰۹-۲۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

عجب الذنب کے متعلق علامہ ابن الملقن کی عبارت

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الشافعی المعروف بابن الملقن متوفی ۸۰۳ھ لکھتے ہیں:

عجب الذنب: ایک لطیف ہڈی ہے جو پشت کی جڑ میں ہوتی ہے اور جانوروں میں یہ دم کی ہڈی ہوتی ہے اور یہ پہلا جز ہے جس سے آدمی کی تخلیق کی جاتی ہے اور یہی وہ جز ہے جس کو باقی رکھا جاتا ہے تاکہ اس کے اوپر انسان کی دوبارہ تخلیق کی جائے اور حدیث میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ عجب الذنب سے مخلوق کو (دوبارہ) بنایا جائے گا، اور امام ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! العجب کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ رائی کے دانہ کی مثل ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس مخصوص ہڈی کو باقی رکھنے کا کیا فائدہ ہے تو میں کہوں گا: اس میں ایک راز ہے جس کو ہم نہیں جانتے کیونکہ جو ذات وجود کو عدم سے ظاہر کرتی ہے وہ اس کی محتاج نہیں ہے کہ اس کے فعل کے لیے کوئی ایسی چیز ہو جس پر بنیاد رکھی جائے، پس اگر اس کی حکمت بیان کی جائے تو کہا جائے گا کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فرشتوں کے لیے اس بات کی علامت بنا دیا ہو کہ ہر انسان کو اس کے بعینہ جو ہر سے زندہ کیا جائے گا اور فرشتوں کو اس کا علم صرف جانداروں کی اس ہڈی کے باقی رکھنے سے حاصل ہوگا تاکہ فرشتے یہ جان لیں کہ ارواح کو ان ہی اجسام میں لوٹایا گیا ہے جن کا جز یہ ان کی ہڈی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے جب حضرت عزیرؑ پر اور ان کے گدھے پر موت طاری کی تو گدھے کی ہڈیوں کو باقی رکھا اور ان پر گوشت پہنا دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اسی گدھے کو زندہ کیا گیا ہے نہ کہ کسی اور کو اور اگر انسان کے کسی جز کو باقی نہ رکھا جاتا تو ہو سکتا تھا فرشتے یہ سمجھتے کہ ان اجسام کی امثال میں ارواح کو لوٹایا گیا ہے نہ کہ بعینہ ان ہی اجسام میں۔ اس پر علامہ ابن عقیل حنبلی نے تنبیہ کی ہے۔

اور وہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ انسان کے جسم کی ہر چیز بوسیدہ ہو جائے گی، اس سے مراد ریزہ کی ہڈی کے اس جز کے ماسوا ہے اور اس سے انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ ان کے اجسام کو فنا کر دے اور اسی طرح جو شہداء ہیں اور یا جوان کے حکم میں ہے جیسے وہ مؤذن جو بلا معاوضہ اذان دیتا ہو اور ان کے مشابہ دوسرے لوگ۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۳ ص ۱۸۳-۱۸۴، وزارة الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی علامہ ابن الملقن کی عبارت کو ان کا نام لیے بغیر نقل کر دیا ہے جس طرح علامہ عینی نے بھی علامہ ابن الملقن کی عبارت کو ان کا نام لیے بغیر نقل کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۸۰۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الشیبی الزہری متوفی ۱۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

عجب ذنبہ: یہ رائی کے دانہ کی مثل نرم ہڈی ہے جو پشت کی جڑ میں ہوتی ہے دم کی ہڈی کے سر کے پاس، یہ ہڈی بوسیدہ نہیں ہوتی جیسے انبیاء علیہم السلام اور جو مقدس لوگ ان کے حکم میں ہیں وہ بوسیدہ نہیں ہوتے۔ (انفجر الساطع ج ۱ ص ۱۱۱، مکتبۃ الرشید، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الزمر کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ المؤمن کی تفسیر شروع کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۴۰۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْمُؤْمِنِينَ

سورة المؤمن کی تفسیر

سورة المؤمن یعنی سورة غافر کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة المؤمن کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت بالاتفاق مکی ہے، یہ سورت سورة الزمر کے بعد اور سورة حم السجدہ سے پہلے نازل ہوئی ہے، اور سورة حم السجدہ کے بعد سورة الثوری ہے، پھر سورة الزخرف ہے، پھر سورة الدخان ہے، پھر سورة الجاثیہ ہے، پھر سورة الاحقاف ہے اور اس سورت میں پچاسی (۸۵) آیات ہیں۔

قَالَ مُجَاهِدٌ حَمٌ مَّجَازٌ فَامَجَازٌ أَوَائِلُ السُّورِ
مجاہد نے کہا: حم اس کا مجاز وہ ہے جو سورتوں کی ابتداء کا مجاز ہے
یعنی حم کا وہی حکم ہے جو سورتوں کی ابتداء میں حروف مقطعات کا
حکم ہے یعنی حم بھی حروف مقطعه ہے۔

حَم کے معنی میں بعض اقوال

علامہ عینی لکھتے ہیں: عکرمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حم اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور یہ تمہارے رب جل جلالہ کے خزانوں کی چابی ہے اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔ اور ان سے دوسری روایت ہے کہ یہ قسم ہے جس کے ساتھ اللہ نے قسم کھائی ہے اور قتادہ سے روایت ہے کہ یہ قرآن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور الشیبی سے روایت ہے: یہ اس سورت کا شعار ہے اور عطاء الخراسانی سے روایت ہے کہ حم کی جاء جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ان اسماء کا شروع ہے: حلیم، حمید، حی، حنان، حکیم، حفیظ اور حبیب، اور میم اللہ تعالیٰ کے ان اسماء کا شروع ہے: ملک، مجید اور منان۔ اور ضحاک اور کسائی سے منقول ہے کہ اس کا معنی ہے کہ جو کام ہونے والے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا فیصلہ کر دیا ہے۔

وَيُقَالُ بَلْ هُوَ اسْمٌ يَقُولُ شَرِيحُ بْنُ أَبِي أُوْفَى الْعَبْسِيُّ
اور کہا جاتا ہے: بلکہ یہ اسم ہے یعنی حرف نہیں ہے اور اس پر شرح
بن ابی اوفی العبسی کے شعر سے استدلال ہے:

يَذْكُرُنِي حَامِيْمٌ وَالزُّمَامُ شَايِزٌ
فَهَلَّا تَلَا حَامِيْمٌ قَبْلَ الثَّقَدِمْ
وہ مجھے حامیم کی یاد دلاتا ہے حالانکہ نیزہ چلنے والا ہے، پس اس نے
حملہ سے پہلے حامیم کی تلاوت کیوں نہ کی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: جو لوگ کہتے ہیں کہ حم اسم ہے انہوں نے شاعر مذکور کے اس شعر سے استدلال کیا ہے جس کے دونوں مصرعوں میں لفظ حامیم منصوب پہ طور مفعول ہے اور منصوب پہ طور اسم ہوتا ہے نہ کہ حرف۔

شرح ابن ابی اوفی: جنگ جمل میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب
کا شعار حم تھا، پس جب شرح نے محمد بن طلحہ بن عبید اللہ پر نیزہ سے حملہ کیا اور ان پر نیزہ مارا تو محمد بن طلحہ نے کہا: حم یعنی وہ حضرت علی

کے اصحاب میں سے ہے تو شرع نے کہا: یہ اب مجھے حم یا دولا رہا ہے، اسے چاہیے تھا کہ یہ نیزہ مارنے سے پہلے مجھے حم یا دولا تا۔
الطَّوْلُ الشَّفْطُ -

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ الثَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ - (المومن: ۳)
دینے والا صاحب فضل ہے۔ گناہوں کو بخشتے والا اور توبہ قبول فرمانے والا بہت سخت عذاب

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے طَوْل کی تفسیر فضل اور احسان کرنے کے ساتھ کی ہے، اسی طرح اس کی امام ابو عبیدہ نے تفسیر کی ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ عرب اس شخص کو ذو طول کہتے ہیں جو اپنی قوم پر فضل اور احسان کرتا ہے اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ ذی الطوال کا معنی ہے: وسعت والا اور غنی اور عکرمہ سے یہ روایت کی ہے کہ ذی الطوال وہ شخص ہے جو احسانات کرتا ہو اور قنادر سے روایت کی ہے کہ ذی الطوال کا معنی ہے: نعمتیں دینے والا۔
ذَاخِرَيْنِ خَاضِعَيْنِ - ذَاخِرَيْنِ اس کا معنی ہے: ذلیل اور رسوا ہوتے ہوئے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۝ (المومن: ۶۰)
بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے ذَاخِرَيْنِ کی تفسیر خاضعین کے ساتھ کی ہے، اسی طرح امام ابو عبیدہ نے اس کی تفسیر کی ہے اور السدی نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: صاغریں یعنی ذلیل ہوتے ہوئے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ إِلَى النَّجَاةِ الْإِيمَانُ - مجاہد نے کہا: إِلَى النَّجَاةِ اس کا معنی ہے: ایمان کی طرف۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلْيَقْضُوا مَالَهُمْ آدَعُوهُمْ إِلَى النَّجْوَةِ وَتَدْعُوْنِي إِلَى الْكَاثِرِ ۝ (المومن: ۳۱)
اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو ○ اے میری قوم! مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں نجات کی دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے إِلَى النَّجَاةِ کی تفسیر إِلَى الْإِيمَانِ کے ساتھ کی ہے۔

لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ يَغْنِي النَّوْثَنَ - لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ یعنی بت کسی کی دعا قبول نہیں کر سکتا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا جَرَمَ أَتَيْنَاكَ نَدْعُوْنِي إِلَيْهِ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ - (المومن: ۲۳)
جو نہ دنیا میں عبادت کا مستحق ہے اور نہ آخرت میں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم مجھے اس کی طرف دعوت دے رہے ہو

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا کہ بت کسی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور یہ اس مرد کے کلام کا تہمہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا تھا اور یہ وہی ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے:

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ لِقَوْمِهِ أَتُعْتَوْنَ أَهْدِيكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ۝ (المومن: ۳۸)
اور اس مرد موسیٰ نے کہا: اے میری قوم! میری پیروی کرو میں نیکی کے راستہ پر تمہاری رہنمائی کروں گا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ شخص آل فرعون میں سے تھا اور اپنا ایمان فرعون سے اور اس کی قوم سے چھپاتا تھا اور سدی اور مقاتل

سے منقول ہے کہ یہ فرعون کے چچا کا بیٹا تھا، اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اس کا نام خزّیل تھا اور وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ اس کا نام خزّیال تھا اور اسحاق سے روایت ہے کہ اس کا نام خزّیل تھا اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام حبیب تھا۔
يُسْجَرُونَ تَوْقَدُ بِهِمُ النَّارُ۔
يُسْجَرُونَ اس کا معنی ہے: ان کو آگ میں ڈالا جائے گا یا ان پر آگ جلائی جائے گی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
إِذَا غُلِلَتْ أَعْنَاقُهُمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْجَرُونَ ۖ فِي الْحَيِّمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ۖ (المومن: ۷۱-۷۲) آگ میں جھونک دیا جائے گا ○
جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور ان کو زنجیروں کے ساتھ گھسیٹا جائے گا ○ سخت گرم پانی میں، پھر ان کو دوزخ کی

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یُسْجَرُونَ کی تفسیر کی ہے کہ انہیں آگ میں جلایا جائے گا۔ اور مجاہد سے منقول ہے کہ وہ آگ کا ایندھن بنائے جائیں گے۔
تَسْرَحُونَ تَبْطَرُونَ۔
تَسْرَحُونَ اس کا معنی ہے: تم اتراتے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
لَكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَسْرَحُونَ ۖ (المومن: ۷۵)
(اے کافرو!) تمہارا یہ عذاب اس وجہ سے ہے کہ تم زمین میں اپنی عارضی کامیابی پر ناحق اتراتے تھے اور بے جا کڑتے پھرتے تھے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تَسْرَحُونَ کی تفسیر اترانے کے ساتھ کی ہے۔
امام بخاری لوگوں کو عذاب سے ڈرانے کے فوائد کے متعلق لکھتے ہیں:

وَكَانَ الْعَلَاءُ بْنُ زِيَادٍ يُذَكِّرُ النَّارَ فَقَالَ رَجُلٌ لِمَ تَقْنِطُ النَّاسَ قَالَ وَأَنَا أَقْدِرُ أَنْ أَقْنِطَ النَّاسَ وَاللَّهِ عَزَّوَجَلَّ يَقُولُ ﴿قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنِطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ﴾ (الزمر: ۵۳) وَيَقُولُ ﴿وَ أَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ﴾ (المومن: ۴۳) وَلَكِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ أَنْ تَتَّبِعُوا بِالنَّجَّةِ عَلَى مَسَاوِي أَعْيَالِكُمْ وَإِنَّمَا بَعَثَ اللَّهُ مُحَمَّدًا ﷺ مُبَشِّرًا بِالنَّجَّةِ لِمَنْ أَطَاعَهُ وَمُنْذِرًا بِالنَّارِ لِمَنْ عَصَاهُ۔
اور علاء بن زیاد (مشہور عبادت گزار تابعی) لوگوں کو دوزخ کی یاد دلاتے تھے تو ایک شخص نے ان سے کہا: آپ لوگوں کو اس قدر مایوس کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: کیوں لوگوں کو مایوس کرنے پر قادر ہوں؟ حالانکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: اے میرے وہ بندو جو گناہ کر کے اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو (الزمر: ۵۳) اور فرماتا ہے: اور بے شک حد سے تجاوز کرنے والے ہی دوزخی ہیں ○ (المومن: ۴۳) لیکن تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ تم کو تمہارے برے کاموں کے باوجود جنت کی بشارت دی جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو اس شخص کو اس شخص کو دوزخ سے ڈرانے کے لیے بھیجا ہے جو اللہ کی اطاعت کرتا ہو، اور اس شخص کو دوزخ سے ڈرانے کے لیے بھیجا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔

علامہ یحییٰ لکھتے ہیں: العللاء بنی زیاد العدوی المہصری التابعی زاہد ہیں، ان کو احادیث کا علم کم تھا، ان کا صحیح بخاری میں اس جگہ ذکر ہے اور یہ چورانوے (۹۴) بحری میں فوت ہو گئے تھے۔ (ان تمام تعلیقات کی شرح عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۱۲-۲۱۰ سے اخذ کی گئی ہے)

۴۸۱۵۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ التَّمِيمِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ قَالَ قُلْتُ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ أَخْبِرْنِي بِأَشَدِّ مَا صَنَعَ الْمُشْرِكُونَ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ بَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُضَيِّ بِغَنَاءِ الْكَعْبَةِ إِذْ أَقْبَلَ عُقْبَةُ بْنُ أَبِي مُعَيْطٍ فَأَخَذَ بِسَنَكِبِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَلَوَى ثَوْبَهُ فِي عُقْبِهِ فَخَنَقَهُ بِهِ خَنْقًا شَدِيدًا فَأَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ فَأَخَذَ بِسَنَكِبِهِ وَدَفَعَهُ عَنِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَقَالَ هَلْ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ (المومن: ۲۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الولید بن مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اوزاعی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یحییٰ بن ابوکثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے محمد بن ابراہیم تیمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص بنی زہرہ سے کہا: مجھے بتائیے کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ برا سلوک کب کیا تھا؟ انہوں نے کہا: جس وقت رسول اللہ ﷺ کعبہ کے محن میں نماز پڑھ رہے تھے تو اچانک عقبہ بن ابی معیط آیا، اس نے رسول اللہ ﷺ کو سنیٹ پیچ کا کندھا پکڑا اور اپنا کپڑا رسول اللہ ﷺ کی گردن میں لپیٹا اور پھر بڑی سختی سے آپ کا گلا گھونٹنے لگا، پس حضرت ابو بکر بنی سنیٹ آ گئے، پس انہوں نے عقبہ بن ابی معیط کو کندھے سے پکڑا اور رسول اللہ ﷺ سے دور دھکا دیا اور کہا: أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ (المومن: ۲۸) کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ اس نے کہا: میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں لا چکا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۷۸ میں گزر چکی ہے۔

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ المومن کی تفسیر میں جو تعلیقات لکھی تھیں اور جو حدیث روایت کی تھی ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ حم اسجد کی تفسیر شروع کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۴۱۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ حَمِ السَّجْدَةِ

سورہ حم السجدة کی تفسیر

سورہ حم السجدة کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورہ حم السجدة کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت بالاتفاق مکی ہے، یہ سورہ المومن کے بعد اور سورہ الشوری سے پہلے نازل ہوئی ہے، اس سورت میں چون (۵۴) آیات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ) اس کو سورہ فصلت بھی کہتے ہیں۔

وَقَالَ طَاوُوسٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِثْنِيْثَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا
اَعْطِيْنَا قَالَتَا اَتَيْنَا طَائِعِيْنَ اَعْطَيْنَا۔
طاووس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: اِثْنِيْثَا
طَوْعًا اَوْ كَرْهًا اس کا معنی ہے: تم خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو، ان
دونوں (آسمان اور زمین) نے کہا: ہم خوشی سے حاضر ہوتے
ہیں۔

اِثْنِيْثَا کا معنی اعطیا کرنے کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام طبری اور امام ابن ابی حاتم نے امام بخاری کی شرط کے مطابق سند موصول کے ساتھ اس تعلیق کی روایت کی ہے اور امام طبری نے کہا ہے: اعطیا یعنی لاؤ تو زمین اور آسمان نے کہا: اَعْطَيْنَا یعنی ہم لاتے ہیں۔ قاضی عیاض نے کہا: یہاں پراق، اعطی کے معنی میں نہیں ہے، وہ صرف اتیان سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی حاضر ہونا ہے، جیسا کہ خود اس آیت میں دلیل ہے اور اسی کے ساتھ مفسرین نے اس کی تفسیر کی ہے، کہ اس کا معنی ہے: تم ان چیزوں کے ساتھ حاضر ہو جو میں نے تم دونوں میں پیدا کی ہیں اور ان کو ظاہر کرو، زمین اور آسمان نے کہا: ہم ایسا کرتے ہیں اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور سعید بن جبیر سے بھی اسی طرح روایت ہے جس طرح اس کو امام بخاری نے ذکر کیا ہے لیکن معنی کو قریب کرنے کے لیے اس کی اس طرح روایت کی گئی ہے کہ جب ان دونوں کو یہ حکم دیا گیا کہ ان میں جو سورج، چاند، دریا اور سبزہ وغیرہ ہیں وہ ان کو ظاہر کریں اور انہوں نے اس کا مثبت جواب دیا تو یہ اعطاء یعنی لانے کی مثل ہے، پس آنے کو لانے کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: جب یہ توجیہ موجود ہے اور اس کے ساتھ روایت بھی ثابت ہے تو حضرت ابن عباس کی اس تفسیر کا انکار کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اور امام طبری نے مجاہد کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ اللہ عزوجل نے آسمانوں سے فرمایا کہ سورج، چاند اور ستاروں کو طلوع کرو اور زمین سے فرمایا: اپنے دریاؤں کو پھاڑ کر نکالو اور اپنے پھلوں کو نکالو تو ان دونوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہیں۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ جائز ہے کہ اتینا کا معنی موافقت ہو اور اسی کو زخشری نے وثوق کے ساتھ کہا ہے، اس بناء پر

ایک مفعول محذوف ہوگا اور اصل عبارت یوں ہوگی: تاکہ تم میں سے ہر ایک دوسرے کے موافق ہو تو ان دونوں نے کہا: ہم نے موافقت کر لی اور پہلی صورت میں دو مفعول محذوف ہوں گے اور اصل عبارت یوں ہوگی: تم دونوں کو جو حکم دیا گیا ہے تم اس کی طرف سے اپنی اطاعت لاؤ تو ان دونوں نے کہا: ہم اس اطاعت کو لاتے ہیں اور یہ زیادہ رائج ہے کیونکہ اس کا ترجمان القرآن یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صراحتاً ثبوت ہے، زمین و آسمان نے کہا: اَتَيْنَا طَائِعِينَ یعنی ہم خوشی سے لاتے ہیں یا آتے ہیں۔ اس جگہ زمین و آسمان کے لیے جمع کا صیغہ لائے ہیں نہ کہ تنبیہ کا کیونکہ آسمان اور زمینیں متعدد ہیں اور اسی کو ذوی العقول کی جمع مذکر سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ ان کے ساتھ ذوی العقول کا معاملہ کیا گیا تھا اور اس کی نظیر یہ ہے کہ قرآن مجید میں سورج، چاند اور ستاروں کے لیے فرمایا: رَأَيْتُمْ لِي سَجْدَتَيْنِ (یوسف: ۴) (میں نے دیکھا وہ مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں) اور سجدین بھی ذوی العقول کی جمع ہے۔

قرآن مجید کی چار آیتوں میں تعارض کا جواب

اور منہال نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: میں قرآن مجید کی چند آیتوں میں تعارض اور اضطراب پاتا ہوں، حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ آیتیں بیان کرو، اس نے کہا: ایک آیت میں اس طرح ہے: قَدْ أَفْلَحَ فِي الصُّورِ قَلِيلًا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ (المومنون: ۱۰۱) پھر جب صور پھونک دیا جائے گا تو اس دن ان کے درمیان رشتے قائم نہیں رہیں گے اور نہ وہ ایک دوسرے سے سوال کر سکیں گے۔

اور دوسری آیت میں اس طرح ہے:

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ (الصافات: ۲۷-۵۰، الطور: ۲۵)

(اس طرح ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے) اور تعارض کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایک آیت میں اس طرح ہے:

وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا (النساء: ۴۲) اور (کفار) اللہ سے کسی بات کو چھپانہ سکیں گے۔

اور دوسری آیت میں اس طرح ہے: کہ قیامت کے دن کفار کہیں گے:

وَاللّٰهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ (الانعام: ۲۳)

سو اس آیت میں بتایا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنے شرک کو چھپایا اور یہ ان دو آیتوں میں واضح تعارض ہے، اور تعارض

کی تیسری صورت یہ ہے: کہ ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عَآلَمَتْكُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ السَّمَاءُ بَنَاهَا رَفَعَهَا سَنَكَهَا فَسَوَّاهَا وَأَعْطَشَ لِبَنَاهَا وَأَخْرَجَ صُحُفَهَا وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا (النازعات: ۳۰-۳۷)

کیا تم کو پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کو؟ جس کو اللہ نے بنا دیا ہے اللہ نے اس کی چھت بلند کی، پھر اس کو ہموار بنایا اس کی رات تاریک کر دی اور اس کا دن روشن کر دیا اور اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا۔

ان آیتوں میں یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کرنے سے پہلے آسمان کو بنایا، پھر دوسری آیت میں فرمایا:

قُلْ أَهْلَكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ (ال قولہ تعالیٰ) لَمْ اسْتَوِ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا

آپ کہیے: کیا تم واقعی اس ذات کا کفر کر رہے ہو جس نے دونوں میں زمین کو پیدا کیا (یہ آیت یہاں تک ہے) پھر اس نے آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ اس وقت دھواں تھا، پھر اس نے آسمان

اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو، ان دونوں نے کہا: ہم دونوں بہ خوشی حاضر ہیں ○

اتَّبَيْنَا طَائِفَيْنِ ○

(حم السجدة: ۱۱۳۹)

اس آیت میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ زمین کو آسمان سے پہلے پیدا فرمایا ہے اور سورۃ النازعات میں فرمایا تھا کہ زمین کو آسمان کے بعد پیدا فرمایا ہے اور یہ سورۃ النازعات اور سورۃ حم السجدة میں واضح تعارض ہے۔ اور تعارض کی چوتھی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اور اللہ بہت بخشنے والا ہے حد رحم فرمانے والا تھا ○

وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا رَحِيمًا ○ (النساء: ۹۶)

بے شک اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا تھا ○

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ○ (النساء: ۵۶)

بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا تھا ○

إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ○ (النساء: ۵۸)

گویا کہ اللہ تعالیٰ زمانہ ماضی میں ان صفات کے ساتھ متصف تھا اب نہیں ہے حالانکہ اب بھی اللہ تعالیٰ ان صفات کے ساتھ متصف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے جواب میں فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: ان کے درمیان رشتے باقی نہیں رہیں گے (المومنون: ۱۰۱) یہ اس وقت کی بات ہے جب پہلے صور میں پھونکا جائے گا اور پہلی بار صور میں پھونکنے کے بعد فرمایا: پھر دوسری بار صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں میں اور زمینوں میں جتنے بھی ہیں سب ہلاک ہو جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا، پس اس وقت ان کے درمیان کوئی رشتے نہیں ہوں گے اور نہ وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے، پھر دوسری بار صور میں پھونکا جائے گا، تب وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال کریں گے۔ رہا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: کہ کفار کہیں گے: ہم شرک کرنے والے نہ تھے اور دوسری آیت میں فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ سے کسی بات کو چھپانہ سکیں گے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحبان اخلاص کے گناہوں کو معاف فرمادے گا اور مشرکین یہ کہیں گے: آؤ ہم کہتے ہیں کہ ہم شرک کرنے والے نہ تھے، پس اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا، پس اس وقت ان کے ہاتھ بولیں گے، پھر اس وقت یہ معلوم ہو جائے گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ سے وہ کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

يَوْمَ يَدْعُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا الرَّسُولَ لَا تَنْفَعُهُمْ - (النساء: ۴۲)
 - يَوْمَ يَدْعُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا الرَّسُولَ لَا تَنْفَعُهُمْ ○ جن لوگوں نے کفر کیا ہے اور رسول کی نافرمانی کی ہے وہ اس دن یہ تمنا کریں گے: (اس آیت تک) اور وہ اللہ سے کسی بات کو چھپانہ سکیں گے ○

اور تیسرے تعارض کے جواب میں فرمایا: اور یہ جو فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو دونوں میں پیدا کیا ہے، پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا، پھر ان کو دوسرے دونوں میں برابر کر دیا، پھر زمین کو پھیلا دیا اور زمین کو پھیلانے کا معنی یہ ہے کہ زمین سے پانی اور چراگا ہوں کو نکالا اور پہاڑوں کو پیدا کیا اور اونٹوں کو اور ٹیلوں کو اور زمین اور آسمان کے درمیان جو کچھ ہے اس کو دوسرے دونوں میں پیدا کیا، یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا معنی ہے کہ زمین کو پھیلا یا (النازعات: ۳۰) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زمین کو دونوں میں پیدا کیا (حم السجدة: ۹) پس زمین کو اور جو کچھ زمین میں ہے اس کو چار دونوں میں پیدا کیا اور آسمانوں کو دونوں میں پیدا کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ زمین کو دونوں میں پیدا کرنے کا معنی یہ ہے کہ زمین کا مادہ دونوں میں پیدا کیا، اس کو ابھی پھیلا یا نہیں، پھر آسمان کو پیدا کیا اور دونوں میں اس کو برابر کیا یعنی اس کے طبقات مرتب کیے، اس کے بعد زمین کو پھیلا یا اور زمین کو پھیلا نا یہ ہے کہ اس میں سے پانی

نکالا اور گھاس وغیرہ کو پیدا کیا یعنی زمین دو دنوں میں پیدا ہوئی جیسے فرمایا: خلق الارض فی یومین اور زمین اپنی تمام چیزوں سمیت چار دنوں میں بنی اور آسمان دو دنوں میں بنے، اس طرح یہ تعارض دور ہوا۔

چوتھے تعارض کے جواب میں فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا تھا۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ماضی میں ایسا تھا اور اب نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اس طرح تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اس چیز کو اپنے ارادہ کے موافق حاصل کر لیتا ہے، پس تم پر قرآن مجید کی آیات متعارض نہ ہوں کیونکہ تمام آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں (خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت سماعت قدیم ہے اور اس کے متعلقات یعنی مسوعات حادث ہیں)۔

امام بخاری فرماتے ہیں: مجھے یہ حدیث یوسف بن عدی نے بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن عمر نے حدیث بیان کی از زید بن ابیہ از المنہال، اسی طرح۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَسْنُونٍ مَخْسُوبٍ۔ اور مجاہد نے کہا: أَجْرٌ غَيْرُ مَسْنُونٍ (م اسجدہ: ۸) اس کا معنی ہے: اس اجر کا کبھی شمار نہیں ہوگا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَسْنُونٍ (م اسجدہ: ۸)
لے ایسا اجر ہے جو ختم نہیں ہوگا ○

علامہ مینی لکھتے ہیں: ایک روایت میں ہے: غیر مَخْسُوب یعنی اس کا شمار نہیں کیا جائے گا اور امام طبری نے اس کی تفسیر کی ہے: غیر منقوص یعنی وہ اجر کبھی کم نہیں ہوگا۔

أَقْوَاتُهَا أَرْزَاقُهَا۔ اقْوَاتُهَا اس کا معنی ہے: ان کے رزق۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَبَرَكَ فِيهَا وَقَدْ رَفِئَتْ أَقْوَاتُهَا۔ (م اسجدہ: ۸)
اور اس میں برکت رکھی اور زمین میں رہنے والوں کی غذا بھی مقدر کی۔

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اقوات کی تفسیر ان کے رزق کے ساتھ کی ہے، یہ بھی مجاہد کی تفسیر ہے اور امام ابو عبیدہ نے کہا اقوات کا واحد قوت ہے اور وہی رزق ہے۔

فِي كُلِّ سَّمَاءٍ أَمْرٌ فَاسْمَرْهَا اس کا معنی ہے جن چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأُولَٰئِكَ فِي كُلِّ سَّمَاءٍ أَمْرٌ فَاسْمَرْهَا۔ (م اسجدہ: ۱۲)
اور ہر آسمان میں اس کے متعلق احکام بھیجے۔

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کی تفسیر اس سے کی ہے کہ ہر آسمان میں اسی کے متعلق وحی فرمائی۔ یہ تفسیر بھی مجاہد سے منقول ہے اور اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ آسمانوں میں جو ستارے پیدا کیے اور شہاب ثاقب پیدا کیے۔ اور قنادہ اور سدی سے منقول ہے کہ آسمانوں میں سورج، چاند اور ستارے پیدا کیے اور ہر آسمان میں فرشتے پیدا کیے اور اس میں سمندر اور برف کے پہاڑ پیدا کیے جن کو کوئی نہیں جانتا۔

نَحْسَاتٍ مَّشَائِمٍ۔

نَحْسَاتٍ اس کا معنی ہے: منحوس اور نامبارک، مَشَائِمٍ، مَشُومَةٌ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: منحوس۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِيْ اَيَّامٍ نَّحْسَاتٍ۔ سو ہم نے (ان کے) منحوس دنوں میں ان پر خوف ناک آواز والی (حم السجده: ۱۶) آندھی بھیجی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے نحسات کی تفسیر مَشَائِمٍ کی ہے جو مَشُومَةٌ کی جمع ہے اور مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے اور امام ابو عبیدہ نے کہا ہے: خوف ناک آواز والی آندھی کو الصرصر کہتے ہیں اور نحسات کا معنی ہے نحوست والی۔

وَقَيِّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ قَرَنَاهُمْ بِهِمْ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمْ وَقَيِّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ۔ (فصلت: ۲۵) اس کا معنی ہے: قُرَنَاءَ بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ الْمَوْتِ۔ یعنی ہم نے ان کے ساتھ (ان کے شیطانوں کو) ملا دیا، موت کے

وقت ان کے اوپر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ (فصلت: ۳۰)

علامہ عینی لکھتے ہیں: تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ (فصلت: ۳۰) وَقَيِّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ (فصلت: ۲۵) کی تفسیر نہیں ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے: قَيِّضْنَا کا معنی ہے: ہم نے ان پر مسلط کر دیا یعنی ان جیسے شیاطین کو ان پر مسلط کر دیا۔ اور مجاہد سے مروی ہے کہ قُرَنَاءَ کا معنی شیاطین ہے اور (فصلت: ۳۰) کی پوری آیت اس طرح ہے:

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ اَلَا تَخَافُوْنَ اَلَا تَحْزَنُوْنَ۔ ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) نازل ہوتے ہیں کہ تم نہ خوف کرو (فصلت: ۳۰) اور نہ غم کرو۔

موت کے وقت فرشتے مومنوں پر یہ کہتے ہوئے نازل ہوتے ہیں۔ اور فصلت: ۲۵، اور فصلت: ۳۰، الگ الگ آیتیں ہیں۔ اِهْتَزَّتْ بِالرِّبَّاتِ وَرَبَّتْ اَزْتَفَعَتْ مِنْ اَكْثَامِهَا جِئْنَ اِهْتَزَّتْ یعنی وہ زمین بزرہ کے ساتھ لہلہاتی ہے، وَرَبَّتْ یعنی وہ تَطْلُعُ۔ زمین بلند ہوتی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهِ اَنَّكَ تَرٰى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَا اُنْزِلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اِهْتَزَّتْ وَرَبَّتْ۔ خشک اور غیر آباد دیکھتا ہے، پھر جب ہم اس پر پانی نازل کرتے

(فصلت: ۳۹) ہیں تو وہ تروتازہ ہو کر لہلہاتی ہے اور ابھرتی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اِهْتَزَّتْ کی تفسیر کی ہے: یعنی جب وہ بزرہ سے لہلہاتی ہے اور ربت کی تفسیر کی ہے: جب وہ نشوونما پا کر بلند ہوتی ہے۔

اور مجاہد کے سوا دوسروں نے کہا: مِنْ اَكْثَامِهَا یعنی اپنے شگوفوں سے جب پھل نکلتے ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد کے علاوہ دوسروں نے بیان کیا کہ ربت اور اَزْتَفَعَتْ کا معنی یہ ہے کہ جب پھول اپنے شگوفوں سے نکلتے ہیں۔

لَيَقُولَنَّ هٰذَا لِىْ اَنِىْ بِعَمَلِىْ اَنَا مَحْقُوْقٌ بِهٰذَا۔ لَيَقُولَنَّ هٰذَا لِىْ اَنِىْ بِهٰذَا لِىْ عَمَلِىْ اَنَا مَحْقُوْقٌ بِهٰذَا۔ لیقولن ہذا لی انی میرے عمل کے سبب سے ہے اور میں اس کا مستحق ہوں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَيْنَ أَذَقْنَهُ رَاحَةً وَتَآْمِنُ بَعْدَ صَوْءٍ مَسَّهٖ لِيَقُولَنَّ هَٰذَا لِي - (حم السجده: ۵۰)

اور اگر ہم اس کو تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کا ذائقہ چکھائیں تو وہ یہ ضرور کہے گا کہ میں بہر صورت اس کا حق دار تھا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے ان کی تفسیر کی ہے: بِعَيْنٍ اور أَنَا مَحْقُوقٌ کا معنی ہے: یعنی میں اس کا مستحق ہوں، اور علامہ نسفی نے کہا ہے کہ وہ ضرور یہ کہے گا کہ یہ میرا حق ہے جو مجھ تک پہنچا ہے کیونکہ میں اس کا مستحق ہوں ان کاموں کی وجہ سے جو میرے نزدیک عمدہ اور افضل ہیں اور نیکی کے کام ہیں۔

اور دوسروں نے کہا: سَوَاءٌ لِّلَّآءِ لِيْلَيْنِ یعنی تمام مانگنے والوں کے لیے برابر ہے اور انہوں نے سَوَاءٌ کو مقدر کیا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اور مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَجَعَلَ فِيهَا رِوَادٍ مِّنْ قَوْقَبًا وَّبُرْكَ فِيهَا وَقَدْ رَفِيفًا ۝
أَقْوَاتُهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ ۖ سَوَاءٌ لِّلَّآءِ لِيْلَيْنِ ۝
(حم السجده: ۵۰) مقدر کی جو طلب کرنے والوں کے لیے برابر ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی زمین میں رہنے والوں کے لیے ان کی خوراک اور ان کے معاش اور ان کی اصلاح کی چیزیں مقدر کیں یعنی اس نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا تو اس پر پیر کے دن اور چار دنوں میں ان کی خوراک اور رزق کو پیدا کیا، دوسرا قول یہ ہے کہ لِّلَّآءِ لِيْلَيْنِ کا معنی ہے: یعنی جو اللہ سے اپنی ضروریات کا سوال کرتے ہیں، اور ابن زید سے مروی ہے: اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کے اعتبار سے یہ رزق مقرر کیا، اور تیسرا قول یہ ہے کہ سائلین اور غیر سائلین کے لیے یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین میں جو رزق رکھا ہے وہ سوال کرنے والوں کو بھی عطا فرماتا ہے اور جو سوال نہ کریں ان کو بھی عطا فرماتا ہے۔

فَهَدَيْنَاهُمْ ذَلِيلًا هُمْ عَلَى الْخَيْرِ وَالشَّرِّ كَقَوْلِهِ
وَهَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ وَكَقَوْلِهِ هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ
وَالْهُدَى الَّذِي هُوَ الْإِشَادُ بِتَنْزِيلِ أَصْعَدْنَاهُ وَمِنْ
ذَلِكَ قَوْلُهُ ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدْهُمْ
اِقْتِبَاهُ﴾ (الانعام: ۹۰)

فَهَدَيْنَاهُمْ اس کا معنی ہے: ہم نے انہیں خیر اور شر کی رہنمائی کر دی، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ ۝ (البلد: ۱)

(یعنی ہم نے ان کو گمراہی اور ہدایت کے دونوں راستے دکھا دیئے) اسی طرح اس آیت میں ہے: هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ (الہر: ۳) (ہم نے اس کو سیدھا راستہ دکھا دیا) اور ہدایت کا دوسرا معنی ہے نازشاد اور اسعاد یعنی کسی کو مومن اور نیک بخت بنادینا جیسا کہ اس آیت میں ہے: أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدْهُمْ اِقْتِبَاهُ (الانعام: ۹۰) (یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے نیک بخت بنا دیا سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں)۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَمَّا تَوَذُّعُهُمْ فَلَهُمْ فَاسْتَجِبُوا الْعَنَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ -
اور رہے خود تو ہم نے ان کو ہدایت دی تھی لیکن انہوں نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی تھی۔ (حم السجده: ۱۷)

علامہ عینی لکھتے ہیں: ہدایت کے دو معنی ہیں: ایک راستہ دکھانا اور دوسرا مومن بنانا اور نیک بخت بنادینا۔ (حم السجدہ: ۱۷) (الہد: ۱۰) اور (الہد: ۳) ان تینوں آیتوں میں ہدایت کا معنی ہے: ارادة الطريق یعنی راستہ دکھانا اور دوسرا معنی یعنی مومن بنانا اور نیک بخت بنادینا ہدایت کا یہ معنی اس آیت میں ہے: **أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ فَبِهِدْسُهُمْ اقْتَنَىٰ** (الانعام: ۹۰) (یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے نیک بخت بنادیا، سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں)، امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ بعض آیات میں ہدایت کا معنی ارادة الطريق ہے یعنی راستہ دکھانا اور بعض آیات میں ہدایت کا معنی ایصال الی المقصود ہے یعنی مومن بنادینا اور نیک بخت بنادینا، رہا یہ کہ یہ ہدایت ان دونوں معنوں میں مشترک ہے یا ایک میں حقیقت ہے اور دوسرے میں مجاز، سو اس میں علماء اور مفسرین کا اختلاف ہے۔

يُؤْذِعُونَ يُكْفُونَ۔ یؤذعون اس کا معنی ہے: ان کو اکٹھا کیا جائے گا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُؤْذِعُونَ ۝ اور جس دن اللہ کے دشمنوں کو آگ کی طرف لایا جائے گا، پھر ان کو جمع کیا جائے گا (حم السجدہ: ۱۹) جمع کیا جائے گا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ یؤذعون کا معنی ہے: جمع کیا جائے گا، اور امام ابو عبیدہ سے منقول ہے کہ اس کا معنی ہے: ان کو دھکیلا جائے گا، جب تم کسی کو روکو تو کہا جاتا ہے: **وَذَعْتُ** اور دوسروں نے کہا، اس کا معنی ہے: ان کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

مِنْ أَكْثَمِهَا قَسَمًا الْكُفْرَىٰ هِيَ الْكُفْرَىٰ۔ من اکماہا اس کا معنی ہے: خوشہ کا چھلکا اور اس کو کٹہ کہتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا تَشْرُونَ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِنْ أَكْثَمِهَا۔ (حم السجدہ: ۱۷) اور جو پھل اپنے شگوفوں سے نکلتے ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اکماہ کی تفسیر خوشہ کے چھلکے کے ساتھ کی ہے۔

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: جب یہ لفظ کٹہ ہو (کُ پر پیش ہو) تو اس کا معنی ہے: قمیص کی آستین۔ اور امام ابو عبیدہ کی عبارت بھی اس پر دلالت کرتی ہے اور اسی پر امام راغب اصفہانی نے اعتماد کیا ہے اور تفسیر کشاف میں لکھا ہے: کاف کی زیر کے ساتھ یعنی کٹہ۔ اگر یہ ثابت ہو تو یہ بھی اس میں ایک لغت ہے نہ کہ قمیص کی آستین (فتح الباری ج ۵ ص ۸۱۰) علامہ عینی لکھتے ہیں: اس باب میں زنجشری کے قول کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ کٹہ (کاف پر پیش) کا معنی ہے: قمیص کی آستین اور کٹہ (کاف پر زیر) کا معنی ہے: شگوفہ یا پھل کا چھلکا، اسی طرح ان دونوں کے درمیان الجوہری وغیرہ نے فرق کیا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۱۹)

وَقَالَ غَيْرُهُ وَيُقَالُ لِلْعَنْبِ إِذَا خَرَجَ أَيْضًا كَافُورٌ وَكُفْرَى۔ اور دوسروں نے کہا: انگور جب نکلتا ہے تو اس کو بھی کافور اور کفری کہا جاتا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تعلق صرف صحیح بخاری کے المستملی کے نسخہ میں ہے اور اس کے علاوہ کسی اور نسخہ میں نہیں ہے۔ اور الاصمعی وغیرہ نے کہا ہے کہ ہر چیز کے غلاف کو کافور کہتے ہیں۔

وَلِيَّ حَبِيبٍ الْقَرِيبُ۔ وَلِيَّ حَبِيبٍ اس کا معنی ہے: قریبی دوست۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿٣٧﴾ پس اس وقت جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو

(حم السجدہ: ۳۷) جائے گا جیسے وہ آپ کا خیر خواہ دوست ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے حمیم کی تفسیر قریبی دوست کے ساتھ کی ہے، اسی طرح اکثرین نے کہا ہے۔

مِنْ مَحِيصٍ حَاصٌّ عَنْهُ أُنَى حَادٍ۔ محیص یہ حاص بہ معنی حاد سے ماخوذ ہے، حاد کا معنی ہے: بہت

جانا، الگ ہونا، اعراض کرنا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَصَلِّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَدْعُونَ مِنْ قَبْلُ وَكُنْتُمْ أَصْحَابُ الْمَقَامِ ﴿٣٨﴾ اور ان سے وہ سب گم ہو جائیں گے جن کی اس سے پہلے وہ دنیا

میں پرستش کرتے تھے اور وہ یہ سمجھ لیں گے کہ اب ان کے لیے

نجات کا کوئی راستہ نہیں ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ محیص کا لفظ حاص یعنی محیص سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: حاد یعنی

اعراض کنا، حاصل معنی یہ ہے کہ ان کے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں۔

مُزَيَّةٌ وَ مَزِيَّةٌ وَاحِدٌ أُنَى امْتِرَاءٍ مَزِيَّةٌ اور مَزِيَّةٌ دونوں ایک ہیں اور ان کا معنی ہے: شک کرنا اور

جھگڑنا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَلَا إِنَّهُمْ فِي مَزِيَّةٍ مِنْ لِقَاءِ رَبِّهِمْ أَلَا إِنَّهُمْ بِشُكِّكَ سَاقِطُونَ ﴿٥٣﴾ سنو! بے شک ان کو اپنے رب سے ملاقات کے متعلق شک ہے،

مُحِيطٌ ﴿٥٣﴾ (حم السجدہ: ۵۳) سنو! وہ ہر چیز پر محیط ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: کہ مَزِيَّةٌ اور مَزِيَّةٌ دونوں کا معنی واحد ہے اور جمہور کی قراءت مَزِيَّةٌ ہے یعنی زیر کے ساتھ اور حسن بصری

نے کہا: یہ مَزِيَّةٌ ہے یعنی پیش کے ساتھ۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ اْعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ مِنْ دَعْوَةٍ۔ اور مجاہد نے کہا: اْعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ یعنی تمہارا جو دل چاہے وہ کرو،

اس کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ یہ وعید ہے اور جھڑکنے اور

دھمکانے کے طور پر فرمایا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اْعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ اِنَّهُمْ يَفْعَلُونَ بِكَ مَا شِئْتَ مِنْ دَعْوَةٍ ﴿٢٠﴾ تم جو چاہو کرو بے شک وہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا

(حم السجدہ: ۲۰) ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ اس آیت میں امر کا صیغہ اپنی حقیقت پر محمول نہیں ہے بلکہ یہ دھمکانے اور

جھڑکنے کا امر ہے اور وعید ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِذَا غَمَّ بِأَلَيْسَ مِنْ أَحْسَنِ الصُّبُورِ عِنْدَ الْغَضَبِ وَالْعَفْوِ عِنْدَ الْإِسَاءَةِ فَإِذَا فَعَلُوا عَصَاهُمْ اللَّهُ وَغَضَبَ لَهُمْ عَذَابُهُمْ كَأَنَّهُمْ فِي جَحِيمٍ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اِذَا غَمَّ بِأَلَيْسَ مِنْ أَحْسَنِ

(حم السجدہ: ۲۳) (آپ برائی کو اچھے طریقہ سے دور کریں) یعنی

غصہ اور غضب کے وقت صبر کریں اور برے سلوک کو معاف کر

و غَضَبَ لَهُمْ عَذَابُهُمْ كَأَنَّهُمْ فِي جَحِيمٍ۔

دیں، پس جب لوگ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو (ضرر سے) بچائے گا اور ان کا دشمن ان کے لیے متواضع ہو جائے گا گویا کہ وہ ان کا قریبی دوست ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِذْ قُمْ بِالَّذِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿٣٢﴾ (حم السجدہ: ۳۲)

سو آپ برائی کو اچھے طریقہ سے دور کریں، پس اس وقت جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ آپ کا خیر خواہ دوست ہے۔

خواہ دوست ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اچھے طریقہ کی یہ تفسیر کی ہے کہ غضب کے وقت صبر کیا جائے اور برے سلوک کو معاف کر دیا جائے۔ امام بخاری نے اس تعلیق کو سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور مجاہد سے اچھے طریقہ کے متعلق منقول ہے کہ اس سے مراد اسلام کی تعلیمات اور اس کے احکام پر عمل کرنا ہے۔ (ان تمام تعلیقات کی شرح عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۲۰-۲۱۰ سے اخذ کی گئی ہے)

۱۔ بَابُ: وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٣٢﴾ (حم السجدہ: ۲۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور تم اس وجہ سے اپنے گناہ نہیں چھپاتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان، تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی، لیکن تمہارا یہ گمان تھا کہ تم جو کچھ کام کر رہے ہو ان کو اللہ نہیں جانتا۔

جانتا۔ (حم السجدہ: ۲۲) کی تفسیر

آیت مذکورہ کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: علامہ نسفی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ تم بے حیائی کے کام کرتے وقت اپنے آپ کو دیواروں اور پردوں کے پیچھے چھپاتے ہو اور تمہارا اپنے آپ کو چھپانا اس وجہ سے نہیں ہے کہ تمہیں یہ خوف ہے کہ تمہارے خلاف تمہارے اعضاء گواہی دیں گے کیونکہ تم کو یہ علم نہیں ہے کہ تمہارے اعضاء تمہارے خلاف گواہی دیں گے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا اور بد اعمالیوں پر سزا کا بالکل انکار کرتے ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۲۰)

۴۸۱۶۔ حَدَّثَنَا الشُّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ رَوْحِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أَبِي مَعْبَرٍ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ الْآيَةَ قَالَ كَانَ رَجُلَانِ مِنْ قُرَيْشٍ وَخَتَنَ لَهُمَا مِنْ ثَقِيفٍ أَوْ رَجُلَانِ مِنْ ثَقِيفٍ وَخَتَنَ لَهُمَا مِنْ قُرَيْشٍ فِي بَيْتٍ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ أَتَرُونَ أَنَّ اللَّهَ يَسْمَعُ حَدِيثَنَا قَالَ بَعْضُهُمْ يَسْمَعُ بَعْضُهُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَيْسَ كَانَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الصلت بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی از روح بن القاسم از منصور از مجاہد از ابو معمر از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں: وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ (پوری آیت تک) (اور تم اس وجہ سے اپنے گناہ نہیں چھپاتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں گواہی دیں گے)، اس حدیث کا شان نزول یہ ہے کہ قریش کے دو مرد اور ان دونوں کا بیوی کی طرف سے کوئی رشتہ دار

يَسْمَعُ بَعْضُهُ لَقَدْ يَسْمَعُ كُلُّهُ فَأَنْزِلْتُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ
الآيَةُ۔

(صحیح البخاری: ۷۵۲۱، ۴۸۱۷، سنن ترمذی: ۳۲۳۸)

قبیلہ ثقیف سے تھا یا دوسرے قبیلہ ثقیف سے تھے اور بیوی کی طرف سے ان کا کوئی رشتہ دار (برادر نسبتی) قریش سے تھا، وہ دونوں کسی ایک گھر میں تھے، پس انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: تمہارا کیا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری باتیں سن رہا ہے؟ ان میں سے کسی نے کہا: بعض باتیں سن رہا ہے تو دوسرے نے کہا: اگر وہ بعض باتیں سن رہا ہے تو وہ سب باتیں سن رہا ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی: وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ (حم السجدہ: ۲۲) اور تم اس وجہ سے اپنے گناہ نہیں چھپاتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں گواہی دیں گی۔

حدیث مذکور کے الفاظ کی شرح

علامہ بدرالدین محمود بن عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی کے بیان میں لکھتے ہیں: قریش کے دوسرے تھے اور ایک ان کا خن تھا: بیوی کی طرف سے ہر رشتہ دار کو خن کہتے ہیں مثلاً برادر نسبتی یا سر۔ یا قبیلہ ثقیف کے دوسرے: یہ شک حدیث کے راوی ابو معمر کو ہے، اور امام عبدالرزاق نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ ایک مرد ثقفی تھا اور بیوی کی طرف سے دور رشتہ دار قریشی تھے اور اس میں کوئی شک نہیں تھا۔ ابن بشکوال نے کتاب السہمات میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ قرشی کا نام الاسود بن عبد یغوث تھا اور جو دو ثقفی تھے ان میں سے ایک کا نام اخنس بن شریق تھا اور انہوں نے دوسرے کا نام نہیں بتایا، علامہ تعلبی نے ذکر کیا ہے اور علامہ بغوی نے اس کی پیروی کی ہے کہ ثقفی کا نام عبد یلیل بن عمرو بن عمیر تھا اور دو قرشی، صفوان اور ربیعہ تھے جو امیہ بن خلف کے بیٹے تھے اور اسماعیل بن محمد تیس نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ قرشی کا نام صفوان بن امیہ تھا اور جو دو ثقفی تھے وہ ربیعہ اور حبیب تھے جو عمرو کے بیٹے تھے۔

اگر وہ بعض باتیں سنتا ہے تو پھر ضرور وہ کل باتیں سنتا ہے: اس تلامذہ کی دلیل یہ ہے کہ تمام مسوعات کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت واحد ہے اور تخصیص کرنا کہ وہ بعض باتیں سنتا ہے محض اپنی رائے سے حکم لگانا ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابُ: وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ

أَنزَلَكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

(حم السجدہ: ۲۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور تمہارا اپنے رب کے ساتھ یہی گمان ہے جس نے تمہیں ہلاک کر دیا، پس تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے ۝ (حم السجدہ: ۲۳) کی

تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: ذلکم کا اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف ہے:

وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٢﴾

(حم السجدہ: ۲۲)

جاننا

لیکن تمہارا یہ گمان تھا کہ تم جو کچھ کام کر رہے ہو ان کو اللہ نہیں

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں منصور نے حدیث بیان کی از مجاہد از ابی معمر از حضرت عبد اللہ بنی شہید، انہوں نے کہا کہ بیت اللہ کے پاس دو قریشی اور ایک ثقفی جمع ہوئے یا دو ثقفی یا اور ایک قریشی جمع ہوئے، ان کے بیٹوں کی چربی تو بہت زیادہ تھی اور ان کے دلوں کی سمجھ بہت کم تھی، پس ان میں سے کسی ایک نے کہا: کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ جو کچھ ہم باتیں کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو سن رہا ہے، دوسرے نے کہا: اگر ہم زور سے بولیں تو وہ سنتا ہے اور اگر ہم آہستہ بولیں تو وہ نہیں سنتا اور اس دوسرے نے کہا: اگر وہ ہمارے زور سے بولنے کو سنتا ہے تو وہ ہمارے آہستہ سے بولنے کو بھی سنتا ہے۔ شب اللہ عز وجل نے یہ آیت نازل فرمائی: وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَوُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ ﴿٢٢﴾ اور تم اس وجہ سے اپنے گناہ نہیں چھپاتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان، تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی۔ اور سفیان ہمیں یہ حدیث بیان کرتے تھے، پس وہ کہتے تھے: ہمیں منصور نے حدیث بیان کی یا ابن ابی نجیح نے حدیث بیان کی یا حمید نے حدیث بیان کی، ان میں سے ایک نے یا ان میں سے دو نے، پھر وہ منصور ہی کا ذکر کرتے تھے اور دوسروں کا ذکر ایک بار سے زیادہ نہیں کیا۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حدیث بیان کی عمرو بن علی نے، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی سفیان ثوری نے، انہوں نے کہا: مجھے حدیث بیان کی منصور نے از مجاہد از ابی معمر از حضرت عبد اللہ اسی کی مثل۔

۳۸۱۷۔ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ اجْتَمَعَ عِنْدَ الْبَيْتِ قُرَشِيَّانِ وَثَقَفِيٌّ أَوْ ثَقَفِيَّانِ وَقُرَشِيٌّ كَثِيرَةٌ شَحْمٌ بَطُونُهُمْ قَدِيلَةٌ فَقَهُ قُلُوبُهُمْ فَقَالَ أَحَدُهُمْ أَتَرَوْنَ أَنَّ اللَّهَ يَسْمَعُ مَا نَقُولُ قَالَ الْآخَرُ يَسْمَعُ إِنْ جَهَرْنَا وَلَا يَسْمَعُ إِنْ أَخْفَيْنَا وَقَالَ الْآخَرُ إِنْ كَانَ يَسْمَعُ إِذَا جَهَرْنَا فَإِنَّهُ يَسْمَعُ إِذَا أَخْفَيْنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَوُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ﴾ (حم السجدہ: ۲۲) الْآيَةُ وَكَانَ سُفْيَانُ يُحَدِّثُنَا بِهَذَا فَيَقُولُ حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ أَوْ ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ أَوْ حُسَيْنٌ أَحَدُهُمْ أَوْ اثْنَانِ مِنْهُمْ ثُمَّ ثَبَتَ عَلَى مَنْصُورٍ وَتَرَكَ ذَلِكَ مِرَارًا غَيْرَ مَرَّةٍ وَاحِدَةٍ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ خُوَيْبٍ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۱۷ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کی شرح حافظ ابن حجر سے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کے بعض مشکل جملوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان کے پیٹوں کی چربی بہت زیادہ تھی اور ان کے دلوں کی سمجھ بہت کم تھی: اس میں یہ اشارہ ہے کہ موٹے آدمی میں ذہانت بہت کم ہوتی ہے، امام شافعی نے کہا: میں نے امام محمد بن الحسن کے علاوہ کسی موٹے آدمی کو عقل مند نہیں دیکھا۔

اگر وہ بعض باتیں سنتا ہے تو پھر ضرور کل باتیں سنتا ہے: کیونکہ تمام مسوعات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف واحد ہے اور بعض کی تخصیص کرنا محض اپنی رائے سے حکم لگانا ہے۔ اس میں یہ خبر ہے کہ اس قول کا قائل اپنے اصحاب میں زیادہ ذہین تھا اور یقیناً وہ الاضیٰ بن شریق تھا کیونکہ وہ اس کے بعد مسلمان ہو گیا تھا، اسی طرح صفوان بن امیہ تھا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۸۱۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

شیخ ابن تیمیہ وغیرہ کا اللہ کے نیک بندوں کے وسیلہ سے دعا کرنے والوں کو مشرکین کے برابر قرار دینا باطل ہے

حم السجدة: ۲۳، اور صحیح بخاری: ۳۸۱۷-۳۸۱۸ سے یہ معلوم ہوا کہ بعض مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو بعض باتوں کا علم نہیں ہوتا تھا اور اس سے ان لوگوں کا رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ مشرکین بھی اللہ تعالیٰ کو واحد، عالم اور قادر مانتے تھے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کو عبادت کا مستحق نہیں قرار دیتے تھے بلکہ وہ کہتے تھے: ہم جن کی اس لیے عبادت کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں، سو جو لوگ اللہ کے نیک بندوں کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں اور ان سے مدد مانگتے ہیں وہ بھی ان مشرکین کی طرح ہیں۔ ہم کہتے ہیں: یہ بات محض غلط اور باطل ہے، مشرکین اللہ تعالیٰ کو اس طرح نہیں مانتے تھے جس طرح اسے ماننے کا حق ہے بلکہ حم السجدة: ۲۳، سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو عالم بھی نہیں مانتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس عقیدہ اور قول کو باطل قرار دیا ہے لہذا شیخ ابن تیمیہ وغیرہ کا اللہ کے نیک بندوں کے وسیلہ سے دعا کرنے والوں کو مشرکین کے برابر قرار دینا قطعاً باطل اور مردود ہے۔

۳۔ بَابُ: فَإِنْ يَضِيْرُ وَاَقَالَتَا مَشْوَى لَّهُمْ۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اب اگر یہ صبر کریں تب بھی ان کا

ٹھکانا دوزخ ہی ہے۔ (حم السجدة: ۲۳) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ پوری آیت اس طرح سے ہے:

فَإِنْ يَضِيْرُ وَاَقَالَتَا مَشْوَى لَّهُمْ وَإِنْ يَسْتَعِيْبُوا فَمَا لَهُمْ
وَقِنَ الْمُعْتَصِمِينَ ۝ (حم السجدة: ۲۳)

اب اگر یہ صبر کریں تب بھی ان کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے اور اگر وہ اللہ کی ناراضگی دور کرنے کو طلب کریں تب بھی وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے جن سے ناراضگی دور کی جائے گی ۝

یعنی اگر وہ کفار اہل دوزخ کے اعمال کے اوپر صبر کریں تب بھی ان کی اقامت کی جگہ دوزخ ہی ہے اور اگر وہ اللہ کی رضا کو طلب کریں اور اس کی ناراضگی دور کرنے کو طلب کریں تب بھی وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے جو اللہ کو راضی کرنے والے ہیں۔

صحیح البخاری: ۳۸۱۷ کی سند کی تحقیق

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہم کو عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم کو یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم کو سفیان ثوری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے منصور نے حدیث بیان کی از مجاہد از معمر، از عبد اللہ، اسی حدیث کی مثل۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: عمرو بن علی بن جراح و خلص البصری البصری ہیں اور وہ امام مسلم کے بھی فیخ ہیں اور یحییٰ ابن سعید القطان

ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۲۲)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: اس حدیث کی ایک اور سند ہے جس کی امام مسلم نے روایت کی ہے از ابو بکر بن خلاد از یحیی القطان از سفیان ثوری از سلیمان اور وہ الأعمش ہیں از عمارہ بن عمیر از وہب بن ربیعہ از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور گویا کہ امام بخاری نے الأعمش کی سند کو ترک کر دیا کیونکہ ان میں اختلاف تھا، ایک قول تو اس طرح ہے اور دوسرا قول اس طرح ہے: از عمارہ بن عمیر از عبد الرحمن بن یزید از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، امام ترمذی نے اس حدیث کی دونوں سندوں سے روایت کی ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۸۱۲)

میں کہتا ہوں: یہ اسی سند کی تحقیق ہے جو صحیح البخاری: ۴۸۱۷ اور صحیح البخاری: ۴۸۱۶ میں مذکور ہے۔ (سعیدی غفرلہ)
الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورہ حم السجدۃ کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان سب کی شرح مکمل ہو گئی، اب اس کے بعد ان شاء اللہ سورہ حم عمق کی تفسیر شروع کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۴۲۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ حَمِّ عَسَقٍ

سورۂ حم عسق (یعنی سورۃ الشوری) کی تفسیر

سورۂ حم عسق (یعنی سورۃ الشوری) کا تعارف

علامہ بدر الدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الشوری کی بعض آیات کی تفسیر ہے، مفسرین نے حم عسق کے بھی بہت معانی ذکر کیے ہیں جن کے ذکر کرنے کا یہ مقام نہیں ہے اور یہ سورت مکی ہے اور مقاتل نے کہا: اس میں مدنی آیات بھی ہیں اور وہ یہ ہیں: ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهَ عِبَادَہُ (الشوری: ۲۳) اور یہ آیت بھی: وَالَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْھُمْ الْمَغْیُ هُمْ یَنْتَوُوْنَ ۝۱۰۰ یہ آیت یہاں تک ہے: فَاُولٰٓئِكَ مَاعَلٰیھُمْ مِنْ سَبِیْلِ ۝۱۰۱ (الشوری: ۳۹-۴۱) اور سورۃ الشوری میں تریچن (۵۳) آیات ہیں۔

وَيُذْکَرُ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَقِیْمًا اَلَّتِیْ لَا تَلِدُ۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا جاتا ہے کہ عَقِیْمًا معنی وہ عورت ہے جس کی اولاد نہ ہوتی ہو، یعنی وہ عورت بانجھ ہو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَوْ یُزَوِّجُھُمْ ذُکْرًا اَوْ اُنْثٰکَا وَیَجْعَلُ مِنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ۚ اِنَّہٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ۝۱۰۰ (الشوری: ۵۰)

علامہ یعنی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا ہے کہ عقیم وہ عورت ہے جس کی اولاد نہ ہو، اسی طرح ضحاک نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے مگر یہ سند ضعیف اور منقطع ہے، اس وجہ سے امام بخاری نے اس کو وثوق سے نہیں کہا اور کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا جاتا ہے۔

رُوحًا مِّنْ اَمْرِ نَا الْقُرْآنُ۔ رُوحًا مِّنْ اَمْرِ نَا اس سے مراد قرآن ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَکَذٰلِکَ اَوْحٰیْنَا اِلَیْکَ رُوحًا مِّنْ اَمْرِ نَا۔ اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح (قرآن) کی وحی کی ہے۔ (الشوری: ۵۲)

علامہ یعنی لکھتے ہیں: امام بخاری نے روح کی تفسیر قرآن کے ساتھ کی ہے، اسی طرح امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور اسدی سے منقول ہے کہ روح کا معنی ہے: وحی اور حسن بصری سے منقول ہے: اس کا معنی ہے: رحمت۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ یُّذْکَرُ کُمْ فِیْہِ نَسْلٌ بَعْدَ نَسْلِ۔ اور مجاہد نے کہا: یُذْکَرُ کُمْ فِیْہِ کا معنی ہے: وہ ایک نسل کے بعد دوسری نسل پیدا کرتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاطِرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذُرُكُمْ فِيهِ لِيُبَيِّنَ
لَكُمْ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ⑩

وہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے، اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے بنائے اور مویشیوں سے جوڑے بنائے، وہ تمہیں اس میں پھیلاتا ہے اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے،

(الشوری: ۱۱) وہ ہر بات کو سننے والا ہر چیز کو دیکھنے والا ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: يَذُرُكُمْ كَمَا مَعْنَى هِيَ: وہ انسانوں اور مویشیوں میں سے ایک نسل کے بعد دوسری نسل پیدا کرتا ہے، اس طرح السدی نے اس کی تفسیر کی ہے گویا کہ یہ لفظ ذَرِيَّتُہ کو پیدا کرنے کے ساتھ خاص ہے، اس کے برخلاف بَرَأَ ہے کیونکہ وہ عام ہے۔ يَذُرُكُمْ فِيهِ كَمَا مَعْنَى الْقَتْبِيِّ نَبَّأَ بِمَا بَيَّنَّ كَمَا مَعْنَى هِيَ: کہ وہ تمہیں روح میں پیدا کرتا ہے اور جس نے کہا: رحم میں پیدا کرتا ہے اس نے خطا کی کیونکہ رحم مومنٹ ہے مذکر نہیں ہے۔

لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ لَا خُصُومَةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ۔
ہے حُجَّتْ کا معنی ہے: خصومت یعنی جھگڑا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۖ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۚ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ⑪ (الشوری: ۱۵)

اللہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے، ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی ذاتی جھگڑا نہیں، اللہ ہم سب کو جمع فرمائے گا اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹنا ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے حُجَّتْ کی تفسیر خُصُومَت یعنی جھگڑے کے ساتھ کی ہے اور بعض نسخوں میں مذکور ہے: ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی خصومت نہیں۔

مِنْ طَرَفٍ خَفِيٍّ ذَلِيل۔
مِنْ طَرَفٍ خَفِيٍّ: اس کا معنی ہے ذلیل اور کمزور نظر سے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا خَشِيعَتٍ مِنَ الدَّلَالِ يَنْظُرُونَ
مِنْ طَرَفٍ خَفِيٍّ۔ (الشوری: ۴۵)

اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ ان کو دوزخ پر اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ وہ ذلت سے سر جھکائے ہوئے ہوں گے کن آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے خَفِيٍّ کی تفسیر ذلیل اور کمزور کے ساتھ کی ہے، اسی طرح اس کی مجاہد نے تفسیر کی ہے، اور السدی سے منقول ہے کہ وہ چور نظروں سے دیکھ رہے ہوں گے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ فَيُظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلَى ظَهْرِهِ يَتَخَرَّكْنَ وَلَا يَجِيرِينَ فِي الْبَحْرِ۔
اور مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا: فَيُظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلَى ظَهْرِهِ کا معنی ہے: وہ جہاز سمندر میں حرکت کرتے رہے یعنی ہلتے جلتے رہے اور سمندر میں چل نہ سکے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝ إِنَّ يَسَاءَ مَا يَحْكُمُونَ بِآيَاتِهِ الْفُجُورَ ۝ يُسَكِّنُ الرِّيحَ فَيَظْلِلْنَ رَوَاكِدَ عَلَى ظَهْرِهِ ۝ (الشوری: ۲۲-۲۳)

اور اس کی نشانیوں میں سے سمندر میں رواں دواں پہاڑوں کی مانند جہاز ہیں O اور اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک لے اور یہ جہاز سطح سمندر پر ٹھہرے کے ٹھہرے رہ جائیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا ہے اور مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا ہے کہ الشوری ۲۲-۲۳ میں فرمایا ہے: اگر اللہ چاہے تو ہوا کو روک لے اور وہ جہاز سمندر میں موجوں کے پیچھے کھاتے رہیں اور ہوا کے رک جانے کی وجہ سے چل نہ سکیں، اور اس آیت میں فرمایا: وَمِنْ آيَاتِهِ یعنی اللہ کی وہ بعض علامتیں جو اس کی عظمت اور توحید پر دلالت کرتی ہیں وہ پہاڑوں کی طرح جہاز ہیں جو سمندر میں چلتے ہیں، نیز ارشاد ہے: كَالْأَعْلَامِ یہ علم کی جمع ہے اور خلیل سے منقول ہے: ہر بلند چیز عرب کے نزدیک عَلَمٌ ہے اور ارشاد ہے: رَوَاكِدَ یعنی وہ جہاز ٹھہرے کے ٹھہرے رہ جائیں، نیز ارشاد ہے: عَلَى ظَهْرِهِ یعنی سمندر کی پشت پر ہوں اور چل نہ سکیں۔ اگر تم یہ اعتراض کرو کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ جہاز ٹھہرے رہیں اور یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ حرکت کریں اور سکون اور حرکت کرنے میں منافات ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حرکت کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی جگہ پر ملتے جلتے رہیں اور سمندر میں چل نہ سکیں اور ان میں کوئی منافات نہیں ہے۔ ہاں! اگر اس آیت کا تعلق زمین سے ہوتا تو حرکت کرنے اور ٹھہرنے میں منافات ہوتی۔

شَرَعُوا ابْتِدَعُوا۔ شَرَعُوا کا معنی ہے: انہوں نے دین میں نیا معنی نکالا ہے اور بدعت کی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَمَرْتَهُمْ لِيُشْرِكُوا شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنَ بِهِ اللَّهُ۔ (الشوری: ۲۱)

کیا ان کے لیے کچھ ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کا ایسا راستہ مقرر کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے شَرَعُوا کی تفسیر ابْتَدَعُوا کے ساتھ کی ہے یعنی انہوں نے دین میں ایک نیا طریقہ نکالا ہے اور یہ مقام بدعت کی تفصیل ذکر کرنے کا نہیں ہے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی کی مودۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۲۳-۲۲۴ سے اخذ کی گئی ہے]

۱۔ بَابُ: إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ۔

(الشوری: ۲۳) کی تفسیر

(الشوری: ۲۳)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے پوری آیت ذکر نہیں کی پوری آیت اس طرح ہے:

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ۔ آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا سوا قربت کی محبت کے۔ (الشوری: ۲۳)

قربت اور قربت داروں کی تفسیر

کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو آپ کو بعض حوادث اور حقوق پیش آئے اور آپ کے ہاتھ میں گنجائش نہیں تھی تو انصار نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کے ذریعہ ہدایت دی ہے اور آپ کو ضروریات

اور حقوق درپیش ہیں اور آپ کے ہاتھ میں گنجائش نہیں ہے تو ہم آپ کے لیے اپنے اموال کو جمع کرتے ہیں تو آپ ان سے اپنی مہمات میں مدد طلب کریں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس کا معنی یہ ہے: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم!) آپ کہیے کہ میں نے جو تمہیں دلائل اور ہدایات پیش کی ہیں میں تم سے ان پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا ماسوا قرابت کی محبت کے یعنی تم اللہ عزوجل سے محبت کرو اور عبادت کر کے اس کا قرب حاصل کرو، یہ حسن بھری رحمہ اللہ کی تفسیر ہے، انہوں نے کہا: قرابت سے مراد اللہ کا قرب ہے اور عکرمہ، مجاہد، السدی، ضحاک اور قتادہ سے منقول ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم میرے قرابت داروں اور میری عمرت اور آل سے محبت رکھو اور تم میری ان میں حفاظت کرو اور رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں کے مصداق میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور ان کے صاحبزادے ہیں رضی اللہ عنہم جو عبدالمطلب کی اولاد ہیں، دوسرا قول یہ ہے جن پر صدقہ حرام کر دیا گیا ہے اور جن پر خمس کو تقسیم کیا جاتا ہے اور وہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب ہیں۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبدالمطلب بن میسرہ، انہوں نے کہا: میں نے طاؤس سے سنا از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ ان سے سوال کیا گیا: **إِلَّا السَّوَدَةُ فِي الْقُرْبَى** یعنی قرابت داروں کی کیا تفسیر ہے؟ تو سعید بن جبیر نے کہا کہ قرابت داروں سے مراد سیدنا محمد ﷺ کی آل ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم نے غلط کی ہے، نبی ﷺ کی قریش سے ہر قبیلہ میں قرابت ہے، پس فرمایا: اس آیت کا معنی ہے: مگر یہ کہ تم میرے درمیان اور اپنے درمیان قرابت کو ملاؤ۔

۳۸۱۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَيْسَرَةَ قَالَ سَمِعْتُ طَاوُسًا عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ قَوْلِهِ **إِلَّا السَّوَدَةُ فِي الْقُرْبَى** فَقَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قُرْبَى آلِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَجَلْتُ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَكُنْ بَطْنًا مِنْ قُرَيْشٍ إِلَّا كَانَ لَهُ فِيهِمْ قَرَابَةٌ فَقَالَ إِلَّا أَنْ تَصِلُوا مَا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ مِنَ الْقَرَابَةِ

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۴۹۷ میں گزر چکی ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی امام ترمذی نے کتاب التفسیر میں روایت کی ہے اور امام نسائی نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام قریش نبی ﷺ کے قرابت دار ہیں اور اس آیت سے بنو ہاشم وغیرہ مراد نہیں ہیں جس طرح سعید بن جبیر کے قول کی طرف ذہن متبادر ہوتا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ صفحہ ۲۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس بات کی تحقیق کہ الشوری: ۲۳ کی تفسیر میں صحیح بخاری کی روایت ہی معتمد ہے اور اس کے علاوہ جو دیگر

روایات ہیں وہ موضوع ہیں یا ضعیف ہیں

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب میں طاؤس کی حدیث روایت کی ہے اور اس میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی گئی تو سعید بن جبیر نے کہا: قرنی سے مراد سیدنا محمد ﷺ کی آل ہیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم نے اس کی

تفسیر کرنے میں عجلت کی ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں: سعید بن جبیر نے جو تفسیر کی ہے اس کی امام طبری نے اپنی سند کے ساتھ از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! وہ آپ کے کون سے قرابت دار ہیں جن سے محبت کرنا ہم پر واجب ہے۔ الحدیث، اور اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور یہ ساقط ہے کیونکہ یہ صحیح بخاری کی اس صحیح روایت کے خلاف ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم میری قرابت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو اور میری حفاظت کرو اور اس میں خصوصاً قریش سے خطاب ہے اور قربیٰ سے مراد آپ کے عصبات اور رحم کی قرابت ہے گویا کہ آپ نے فرمایا: قرابت کی وجہ سے میری حفاظت کرو اگر تم نبوت کی وجہ سے میری پیروی نہیں کرتے۔ اور علامہ زنجیزی نے اس آیت کی تفسیر میں کئی احادیث ذکر کی ہیں جن کا ظاہر یہ ہے کہ وہ احادیث موضوع ہیں اور الزجاج نے اس کو رد کر دیا ہے کیونکہ طاؤس کی جو روایت اس باب کی حدیث میں حضرت ابن عباس سے ہے وہ صحیح ہے اور وہی معتمد ہے اور انہوں نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔

اس آیت کے سبب نزول میں ایک اور قول ہے جس کی واحدی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے اور آپ کو کئی ضروریات پیش آئیں اور آپ کے ہاتھ میں کوئی مال نہیں تھا تو انصار نے مال جمع کیے، پس کہا: یا رسول اللہ! آپ ہمارے بھانجے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے سبب سے ہمیں ہدایت دی ہے اور آپ کی ضروریات اور حقوق ہیں اور آپ کے پاس وسعت اور گنجائش نہیں ہے تو ہم نے آپ کے لیے یہ اموال جمع کیے ہیں تاکہ ان سے آپ کام چلائیں، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور یہ کلمی اور اس کے مماثل کی روایت ہے جو ضعفاء میں سے ہیں اور واحدی نے مقسم کی سند سے حضرت ابن عباس سے بھی یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب انصار کی یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: کیا تم گمراہ نہیں تھے تو اللہ تعالیٰ نے تم کو میرے سبب سے ہدایت دی۔ الحدیث، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ انصار گھٹنوں کے بل گر گئے اور کہنے لگے: ہماری جانیں اور ہمارے اموال آپ کے لیے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی اور یہ حدیث بھی ضعیف ہے اور یہ اس وجہ سے بھی باطل ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور انصار مدینہ میں تھے اور اس آیت کے نزول کے سبب میں قوی روایت یہ ہے جو قتادہ سے مروی ہے کہ مشرکین نے کہا کہ شاید محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی تبلیغ پر اجر کو طلب کریں گے اور بعض علماء کا یہ زعم ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور ثعلبی نے اس کو رد کر دیا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ کی اطاعت کر کے اور اس کے نبی کی پیروی کر کے یا صلہ رحم کر کے اللہ کا قرب حاصل کرو اور ان تمام امور کا حکم دائمی ہے منسوخ نہیں ہے۔

اور خلاصہ یہ ہے کہ سعید بن جبیر اور جوان کے موافقین ہیں مثلاً علی بن حسین اور سدی اور عمرو بن شعیب وغیرہ انہوں نے اس آیت کو اس پر محمول کیا ہے کہ مخاطبین کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں سے محبت رکھیں اور حضرت ابن عباس نے اس آیت کو اس پر محمول کیا ہے کہ مخاطبین نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سبب سے محبت رکھیں کہ ان کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان قرابت ہے۔ پہلی صورت میں یہ خطاب تمام مکلفین کے لیے عام ہے اور دوسری صورت میں یہ خطاب قریش کے ساتھ خاص ہے، اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ یہ سورت مکی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت درج ذیل آیت سے منسوخ ہے:

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ - (س: ۸۶)

آپ کہیے کہ میں تم سے اس پیغام کو پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔

اور ہو سکتا ہے کہ یہ حکم عام ہو اور اس باب کی آیت کے مدلول سے اس میں تخصیص کی گئی ہو اور اس کا معنی یہ ہے کہ قریش اپنے رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتے تھے اور جب آپ مبعوث کیے گئے تو انہوں نے آپ سے رشتہ منقطع کر لیا تو آپ نے فرمایا: تم

میرے ساتھ بھی اسی طرح رشتہ کو ملاؤ جس طرح تم میرے علاوہ اپنے دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ رشتہ کو ملاتے ہو۔ اور امام سعید بن منصور نے شعبی کی سند سے روایت کی ہے کہ اس آیت میں لوگوں نے بہت بحث کی تو میں نے حضرت ابن عباس کی طرف مکتوب لکھ کر ان سے اس آیت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں نسب کا واسطہ تھے۔ اور قریش کے ہر قبیلہ میں آپ کا نسب تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا سوا قربت کی محبت کے۔ (الشوری: ۲۳) یعنی میری جو تمہارے ساتھ قربت ہے تم اس قربت کی وجہ سے مجھ سے محبت رکھو اور میری حفاظت کرو۔

یہاں پر ایک تیسرا قول بھی ہے، اس کی امام احمد نے از مجاہد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے پاس جو دلائل اور ہدایت لایا ہوں میں تم سے اس پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا مگر یہ کہ تم اللہ کی عبادت کر کے اس کا قرب حاصل کرو۔ اور اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اس پر اجرت کا اطلاق مجاز ہے اور قربی زلفی اور بشری کی طرح مصدر ہے اور اس کا معنی قربت ہے اور اس سے مراد اہل قربت ہیں، یہ اس بناء پر ہے کہ یہ استثناء متصل ہو اور اگر یہ استثناء منقطع ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ میں تم سے بالکل اجرت طلب نہیں کرتا لیکن میں تم سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تم مجھ سے اس وجہ سے محبت رکھو کہ میری تمہارے ساتھ رشتہ داری ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۸۱۳-۸۱۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الشوریٰ کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور ایک حدیث روایت کی تھی ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ الزخرف کی تفسیر شروع کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۴۴۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَةِ حَمِّ الزُّخْرِفِ

سورہ حم (الزخرف) کی تفسیر

سورہ حم (الزخرف) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورہ حم الزخرف کی بعض آیات کی تفسیر ہے، صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں سورہ الزخرف مذکور ہے اور بعض نسخوں میں سورہ حم الزخرف مذکور ہے، مقاتل نے کہا: ایک آیت کے سوا یہ سورت مکی ہے اور وہ آیت یہ ہے: وَنُثِّلْ مَنْ أَمَّا سَلْنَا (الزخرف: ۴۵) اور ابو العباس نے کہا: یہ سورت مکی ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں، علامہ ابن سیدہ نے کہا: الزخرف کا معنی ہے: سونا، یہ اس کا اصل معنی ہے، پھر ہرمزین چیز کو زخرف کہا گیا اور ہر وہ چیز جس کو مزین کہا گیا وہ زخرف ہے۔ اس سورت میں نو اسی (۸۹) آیات ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ عَلَى أُمَّةٍ عَلَى إِمَامٍ اور مجاہد نے کہا: علی اُمتہ کا معنی ہے: علی امام پر۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى الْكُرْهُمِ
فَهْتَدُونَ ۝ (الزخرف: ۲۳)

نہیں بلکہ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان ہی کے قدموں کے نشانات پر چل کر ہدایت پانے والے ہیں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اُمتہ کی تفسیر امام کے ساتھ کی ہے، اسی طرح امام ابو عبیدہ نے اس کی تفسیر کی ہے۔ مجاہد نے اس کی تفسیر ملت کی ہے اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے اس کی تفسیر دین کے ساتھ کی ہے۔

وَقِيلَ يَا رَبِّ تَفْسِيرُهُ أَيْخَسِبُونَ أَنَّا لَا نَسْتَعْمِيهِمْ
وَنَجْوَهِمْ وَلَا نَسْتَعْمِيهِمْ ۝ (الزخرف: ۸۰)

میرے رب! اس آیت کا ربط اس کا معنی ہے: اور ان کے اس قول کی قسم! اے
کایہ گمان ہے کہ ہم ان کی خفیہ باتوں اور سرگوشیوں کو نہیں سنتے۔

(الزخرف: ۸۰)

اور ہم ان کی گفتگو کو نہیں سنتے۔

وَلَا نَسْتَعْمِيهِمْ۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: بعض مفسرین نے اس تفسیر کا انکار کیا ہے، انہوں نے کہا: یہ تفسیر اس وقت صحیح ہوتی اگر الزخرف: ۸۸ میں

وَقِيلَ يَا رَبِّ تَفْسِيرُهُ أَيْخَسِبُونَ أَنَّا لَا نَسْتَعْمِيهِمْ
وَنَجْوَهِمْ وَلَا نَسْتَعْمِيهِمْ ۝ (الزخرف: ۸۰)

اس قول کی: اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے (الزخرف: ۸۸) سو آپ ان سے درگزر کیجئے اور کہیے: پس ہمارا سلام، پس یہ عنقریب جان لیں گے (الزخرف: ۸۹) اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے کہ اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم

ہے اور آپ کے قول کا علم ہے، اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا: آپ کے قول کی قسم! یہ آپ کے مرتبہ کو بلند کرنے کے لیے فرمایا۔
وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَلَوْلَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَوْلَا أَنْ جَعَلَ النَّاسَ كُلَّهُمْ كُفَّارًا لَجَعَلْتُ لِبُيُوتِ الْكُفَّارِ سَقْفًا مِنْ فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ مِنْ فِضَّةٍ وَهِيَ دَرَجٌ وَسُورَ فِضَّةٍ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگوں کو میں ہی کافر بناؤں گا تو میں ضرور کفار کے گھروں کی چھت چاندی کی بنا دیتا اور ان کی سیڑھیاں چاندی کی بنا دیتا اور ان کے تخت چاندی کے بنا دیتا (معارج کے معانی سیڑھیاں اور زینہ ہیں۔)

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَلَوْلَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالْإِخْوَانِ لِبُيُوتِهِمْ سَقْفًا مِنْ فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ﴿۲۳﴾ (الزخرف: ۲۳)

اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ تمام لوگ کافروں کا گردہ بن جاتے تو ہم رحمٰن کا کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھت چاندی کی بنا دیتے اور ان کی وہ سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں ○ علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی وہ تفسیر کی ہے جو حضرت ابن عباس نے بیان کی اور اس کی امام ابن جریر نے مجاہد سے روایت کی ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ کفر پر جمع ہو جاتے، پس تمام لوگ کافر ہو جاتے، یہ اکثر مفسرین کا قول ہے اور ابن زید کی روایت ہے: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ دنیا کی طلب میں اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے میں امت واحدہ ہو جاتے تو ہم رحمٰن کا کفر کرنے والوں کے گھروں کو چاندی کا بنا دیتے اور ان کی ان سیڑھیوں کو چاندی کا بنا دیتے جن پر وہ چڑھتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: ان آیات کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات ناپسندیدہ نہ ہوتی کہ جب لوگ کافروں کے گھروں میں انواع و اقسام کی نعمتیں اور عیش و عشرت کا سامان دیکھ کر کفر کی رغبت کریں گے اور یہ وہم کریں گے کہ فضیلت کفر میں ہے اور پھر سب لوگ کفر کو اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور کافروں کے گھر اور ان کا ساز و سامان چاندی اور سونے کا بنا دیتا، اس جگہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: اگر اللہ تعالیٰ کافروں پر تمام نعمتوں کے دروازے کھول دیتا تو یہ تمام لوگوں کے کفر پر مجتمع ہونے کا سبب بن جاتا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام نعمتوں کے دروازے مسلمانوں پر کیوں نہیں کھولے تاکہ یہ تمام لوگوں کے اسلام پر مجتمع ہونے کا سبب بن جاتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں لوگ دنیا کو طلب کرنے کے لیے اسلام کو قبول کرتے اور یہ منافقین کا ایمان ہے، اس لیے حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمانوں کے اوپر دنیا تنگ کر دی جائے حتیٰ کہ جو شخص بھی اسلام کو قبول کرے وہ اسلام کی حقانیت کی وجہ سے اسلام کو قبول کرے اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے، اور اب اس کو عظیم ثواب ملے گا کیونکہ اب اس کا اسلام اخلاص پر مبنی ہوگا۔ (انوار تبیان القرآن ص ۸۵، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۳۳۱ھ) مَقْرُونِينَ مُطِيقِينَ۔ مَقْرُونِينَ اس کا معنی ہے: طاقت رکھنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
سُبْحَنَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿۲۴﴾ (الزخرف: ۲۴) وہ ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہے جس نے سواری کو ہماری قدرت میں کر دیا اور ہم از خود اس پر قادر ہونے والے نہیں تھے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مُقَرَّبَاتِیْن کی تفسیر کی ہے: مُطِیْقَتَیْن یعنی ہم اس پر طاقت رکھنے والے اور اس سواری پر قہر کرنے والے نہیں تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مقربین قرآن سے ماخوذ ہے یعنی ہم قوت میں اس کا ہم پلہ نہیں تھے۔
آسَفُونَا اَسْخَطُونَا۔ آسَفُونَا کا معنی ہے: اَسْخَطُونَا انہوں نے ہم کو غضب ناک کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
فَلَمَّا آسَفُونَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۝
پھر جب انہوں نے ہمیں ناراض کیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا،
(الزخرف: ۵۵) پھر ہم نے ان سب کو غرق کر دیا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے آسَفُونَا کی تفسیر کی ہے: اَسْخَطُونَا یعنی انہوں نے ہم کو ناراض کر دیا، اسی طرح حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر کی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے: انہوں نے ہم کو غضب ناک کر دیا، تیسرا قول یہ ہے: انہوں نے ہماری مخالفت کی، اور یہ تمام معانی متقارب ہیں۔
یَغْشُ یَغْشٰی۔ یَغْشُ اس کا معنی ہے: یَغْشٰی یعنی اندھا بن جائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَمَنْ يَغْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقْضَ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ
اور جو شخص رحمن کی یاد سے (غافل ہو کر) اندھا ہو جاتا ہے ہم اس کے لیے ایک شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں سو وہی اس کا ساتھی
قَرِیْنٌ ۝ (الزخرف: ۳۶)

ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یَغْشُ کی تفسیر یَغْشٰی کے ساتھ کی ہے، اس کا معنی ہے: جس کی نظر کمزور ہو، حضرت ابن عباس نے اس کو زبر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی یَغْشُ اس کا معنی ہے: جو ظلم کرتا ہے اور اس کی مینائی کمزور ہو جاتی ہے، القرطبی سے منقول ہے: جو اپنی پیٹھ پھیرتا ہے اور ذکر رحمن سے مراد قرآن ہے اور نقیض لہ کا معنی ہے: ہم اس کے ساتھ ملا دیتے ہیں اور اس پر مسلط کر دیتے ہیں۔ لہو قرین کا معنی ہے: وہ اس کا ایسا ساتھی ہے جو اس سے جدا نہیں ہوتا۔
وَقَالَ مُجَاهِدٌ أَفْضَرِبْ عَنْكُمُ الذِّكْرَ أَوْ تَكْذِبُونَ اور مجاہد نے کہا: أَفْضَرِبْ عَنْكُمُ الذِّكْرَ (الزخرف: ۵) یعنی تم بالقرآن شتم لا تُعَاقِبُونَ عَلَيْهِ۔
قرآن کی تکذیب کرتے ہو، پھر تم کو اس پر سزا نہیں دی جاتی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
أَفْضَرِبْ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا أَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا
تو کیا ہم اس وجہ سے تم کو نصیحت کرنے سے اعراض کریں گے کہ تم
مُتَرَفِّعِينَ ۝ (الزخرف: ۳۶)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ تم قرآن کی تکذیب کرتے ہو، پھر تم کو سزا نہیں دی جاتی؟
یعنی کیا ہم قرآن کی تکذیب کرنے والوں سے اعراض کر لیں اور ان کو سزا نہ دیں؟ دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے: کیا ہم تم سے عذاب کو دور کر دیں اور تم سے اعراض کر لیں اور تم کو چھوڑ دیں اور تم کو تمہارے کفر پر سزا نہ دیں، یہ تفسیر بھی حضرت ابن عباس اور سدی سے منقول ہے اور الکسائی سے منقول ہے: کیا ہم تم سے نصیحت کو لپیٹ لیں، پس نہ تم کو دعوت دی جائے اور نہ نصیحت کی جائے۔
وَمَضَى مَثَلُ الْأَوَّلِينَ سُلَّةُ الْأَوَّلِينَ۔
وَمَضَى مَثَلُ الْأَوَّلِينَ اس کا معنی ہے: اور پہلے لوگوں کا طریقہ
گزر چکا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَهْلَكْنَا أَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَ مِثْلُ الْأَوَّلِينَ ۝ (الزخرف: ۸)

سو ہم نے ان میں سے ان کو ہلاک کر دیا جن کی گرفت بہت سخت تھی اور پہلے لوگوں کی مثال گزر چکی ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مثل الاولین کی تفسیر کی ہے: سنة الاولین اور دوسرا قول ہے: ان کا طریقہ اور ان کی سزا۔ وَمَا كُنَّا لَهُ مُقَرَّنِينَ يَعْنِي الْإِبِلَ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَمَا كُنَّا لَهُ مُقَرَّنِينَ یعنی اونٹ، گھوڑے، خچر اور گدھے۔ وَالْحَيِيزَ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لِيَسْتَوُوا عَلَى ظُهُورِهِمْ ثُمَّ تَذَكَّرُوا نِعْمَةً رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَ تَقُولُوا سُبْحَنَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقَرَّنِينَ ۝ (الزخرف: ۱۳)

تا کہ تم ان (موشیوں) کی پیٹھوں پر جم کر سوار ہو سکو، پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب تم ان پر سیدھے بیٹھ جاؤ اور تم یہ کہو: وہ ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہے جس نے اس سواری کو ہماری قدرت میں کر دیا اور ہم از خود اس پر قادر ہونے والے نہیں تھے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت میں لاء کی ضمیر انعام یعنی موشیوں کی طرف لوثی ہے اور مذکر کی ضمیر اس لیے لائے ہیں کہ انعام معنی جمع ہے جیسے الجن، الجيش اور الرهط وغیرہ جو اسماء جنس ہیں۔

يُنشَأُ فِي الْحِلْيَةِ الْجَوَارِي جَعَلْتُهُمْ لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا يَنْشَأُ فِي الْحِلْيَةِ اس کا معنی ہے: جو زیورات میں پلتی ہو۔ اس سے مراد وہ لڑکیاں ہیں جن کو تم نے رحمٰن کی اولاد قرار دیا ہے، پس تم یہ کیسا حکم لگاتے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَوْ مَنْ يُنْشَأُ فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ۝ (الزخرف: ۱۸)

کیا وہ جو زیورات میں پلتی ہو اور دوران بحث اپنا موقف واضح نہ کر سکے ۝ (وہ لڑکی اللہ کی اولاد ہو سکتی ہے؟)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا: جو لڑکی زیورات میں پل کر بڑی ہوئی ہو، اور اس کی تفسیر لڑکیوں کے ساتھ کی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ تم نے عورتوں کو اللہ کی اولاد قرار دیا کیونکہ مشرکین نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، پس تم اللہ کے لیے یہ حکم کیسے لگاتے ہو جب کہ تم اپنے لیے بیٹیوں کو پسند نہیں کرتے۔

لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ يَعْشَوْنَ الْأَوْثَانَ يَقُولُ لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ الْأَوْثَانُ إِلَّا خُصُوعٌ لَا يَعْلَمُونَ۔

لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ یعنی اگر رحمٰن چاہتا تو ہم بتوں کی عبادت نہ کرتے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بات کا علم نہیں دیا کہ وہ بتوں کی عبادت نہ کرتے، انہوں نے کہا: اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے، انہیں اس کا کچھ علم نہیں، وہ محض انکل پچو سے باتیں کرتے ہیں ۝

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ ۚ مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ (الزخرف: ۲۰)

اور انہوں نے کہا: اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے، انہیں اس کا کچھ علم نہیں، وہ محض انکل پچو سے باتیں کرتے ہیں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا ہے کہ وہ بتوں کا ارادہ کرتے ہیں اور قنادہ نے کہا: وہ فرشتوں کا ارادہ کرتے ہیں اور عام

أَمْرٌ أَبَرُّ مَوَاقِفًا مُبَرِّمُونَ ﴿٥٠﴾

کیا انہوں نے کسی کام کو پکا کر لیا ہے بے شک ہم بھی پکا کام کرنے

(الزخرف: ۷۹) والے ہیں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مبرمون کی تفسیر مُبَرِّمُونَ کی ہے، دوسرا قول ہے کہ اس کی تفسیر مُخَيِّمُونَ ہے، یعنی کیا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف کسی سازش کو پکا کر لیا ہے تو ہم بھی ان کے خلاف پکا کام کرنے والے ہیں۔
میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: مقاتل نے کہا: یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب کفار مکہ نے دار الندوہ میں نبی ﷺ کے خلاف خفیہ سازش کی تھی کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک فرد مل کر اچانک سیدنا محمد ﷺ پر حملہ کر کے آپ کو قتل کر دے تاکہ تمام قبائل آپ کو قتل کرنے میں مشترک ہوں اور کسی ایک قبیلہ پر الزام نہ آئے اور آپ کی دیت اور خون بہا کا مطالبہ کمزور ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم بھی پکا کام کرنے والے ہیں یعنی ان کی سازش کا توڑ کرنے والے ہیں۔

(انوار تبیان القرآن ص ۷۹۰، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۳۳۱ھ)

أَوَّلُ الْعَابِدِينَ أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ۔

أَوَّلُ الْعَابِدِينَ اس کا معنی ہے: أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ ﴿٥١﴾

آپ کہیے: اگر رحمٰن کا بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے (اس کی)

(الزخرف: ۸۱) عبادت کرنے والا ہوتا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے العابدین کی تفسیر المؤمنین کے ساتھ کی ہے اور مجاہد نے اس کی تفسیر کی ہے: میں سب سے پہلے اللہ پر ایمان لانے والا ہوں، تم جو چاہو کہو، اور کتب تفسیر میں مذکور ہے: اگر تمہارے زعم اور تمہارے قول کے مطابق اللہ کا بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اللہ کو واحد ماننے والا ہوں اور اللہ پر ایمان لانے والا ہوں اور تمہاری تکذیب کرنے والا ہوں اور تم جو کہتے ہو کہ اللہ کا بیٹا ہے تو میں سب سے پہلے اس کا انکار کرنے والا ہوں، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رحمٰن کا کوئی بیٹا نہیں ہے اور میں سب سے پہلے اس کی شہادت دینے والا ہوں۔

وَقَالَ غَيْرُكَ إِنِّي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ الْعَرَبُ تَقُولُ نَحْنُ مِنْكَ الْبَرَاءُ وَالْخَلَاءُ وَالْوَاحِدُ وَالْإِثْنَانِ وَالْجَمِيعُ مِنَ الْمَذْكُورِ وَالْمُؤَنَّثُ يُقَالُ فِيهِ بَرَاءٌ لِأَنَّهُ مَصْدَرٌ وَلَوْ قَالَ بَرِيءٌ لَقِيلَ فِي الْإِثْنَيْنِ بَرِيئَانِ وَفِي الْجَمِيعِ بَرِيئُونَ وَقَدْ أَعْبَدُ اللَّهَ إِنِّي بَرِيءٌ بِالْيَأْ

اور مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا: إِنِّي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ﴿٥١﴾ (الزخرف: ۲۶) (ابراہیم نے اپنی قوم سے کہا: بے شک میں ان سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو ○) اور عرب کہتے ہیں: نحن منك البراء والخلاء ہم تم سے بیزار ہیں اور الگ ہیں اور اس میں واحد، تشبیہ، جمع مذکر اور جمع مؤنث سب برابر ہیں۔ اس میں کہا جاتا ہے: بَرَاءٌ کیونکہ یہ مصدر ہے اور اگر اس نے کہا: بَرِيءٌ تو پھر تشبیہ میں بَرِيئَانِ کہا جائے گا اور جمع میں بَرِيئُونَ کہا جائے گا اور حضرت عبد اللہ کی قراءت ہے: إِنِّي بَرِيءٌ يَاء کے ساتھ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ﴿٥٢﴾ (الزخرف: ۲۶)

اور یاد کیجئے جب ابراہیم نے اپنے (عربی) باپ اور اپنی قوم سے کہا: بے شک میں ان سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا اس میں برّاء کہا جائے گا کیونکہ یہ مصدر ہے یعنی اس کو صفت کا قائم مقام کیا گیا ہے، کہا جاتا ہے: میں نے تم کو دُیون یعنی قرضوں سے اور عیوب سے بری کر دیا۔ امام بخاری نے کہا: اور جمع میں برینون کہا جائے گا اور اس میں برّاء بھی کہا جاتا ہے جیسے فقیہ اور فقہاء اور اس میں برّاء یعنی باء کی زیر کے ساتھ بھی کہا جاتا ہے جیسے کریم اور کرام اور اَبْرَاء بھی کہا جاتا ہے جیسے شریف اور اَشْرَاف اور اَبْرِیَاء بھی کہا جاتا ہے جیسے نَصِیب اور اَنْصِبَاء اور مونث میں کہا جاتا ہے: اِمْرَعَةٌ بَرِیْنَةٌ وَ هُنَا بَرِیْنَتَانِ وَ هُنَّ بَرِیْنَاتٌ وَ بَرَّأَیَا اور یہ اہل نجد کی لغت ہے اور پہلی لغت اہل حجاز کی ہے۔ امام بخاری نے کہا: اور حضرت عبداللہ کی قرأت ہے: اس سے مراد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

وَالزُّخْرُفُ الذَّهَبُ مَلَائِكَةٌ يَخْلُقُونَ يَخْلُفُ بَعْضُهُمْ
اس کا معنی ہے: فرشتے ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلَائِكَةً فِي الْاَرْضِ
یَخْلُقُونَ ○ (الزخرف: ۶۰)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یَخْلُقُونَ کی تفسیر کی ہے: وہ ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں۔ امام عبدالرزاق نے از معمر از قتادہ اسی طرح روایت کی ہے اور اس کے آخر میں ہے: ابن آدم کی جگہ یعنی تمہارے ہاں ابن آدم کی جگہ فرشتے پیدا ہوتے اور وہ زمین پر رہتے اور ایک دوسرے کے بعد آتے۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۲۹-۲۳۵ میں کی ہے]

۱۔ بَابُ - وَ نَادُوا إِلَيْكَ لِيَقْضَ عَلَيْنَا

رَبُّكَ ۖ قَالَ إِنَّكُمْ مُكْشَوْنَ ○

(الزخرف: ۷۷)

رہنے والے ہو ○ (الزخرف: ۷۷) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی کفار دوزخ میں دوزخ کے محافظ مالک سے پکار کر کہیں گے: چاہیے کہ تمہارا رب ہمارا خاتمہ کر دے یعنی ہم کو مار ڈالے تاکہ ہم اس عذاب سے نجات پالیں تو ایک ہزار سال بعد مالک ان کو جواب دے گا: تم اس عذاب میں ہمیشہ رہو گے اور امام ابن جوزی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ وہ چالیس (۴۰) سال تک مالک سے پکار کر کہتے رہیں گے، پھر اس کے بعد وہ ان کو جواب دے گا کہ تم اس دوزخ میں ہمیشہ رہو گے، پھر وہ پکاریں گے: اے رب العزت! ہم کو اس دوزخ سے نکال دے، اللہ تعالیٰ ان کو کوئی جواب نہیں دے گا حتیٰ کہ اتنا عرصہ گزر جائے گا جتنی دنیا کی عمر ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم دوزخ میں دفع ہو جاؤ اور مجھ سے بات نہ کرو۔

۳۸۱۹۔ حَدَّثَنَا حَجَّابُ بْنُ مَسْقَالٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ

عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو عَنْ عَطَاءٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَحْيَى عَنْ

أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ عَلَى النَّبِيِّ

وَنَادُوا يَا مَالِكُ لِيَقْضَ عَلَيْنَا رَبُّكَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان بن عیینہ نے حدیث بیان کی از عمرو از عطاء از صفوان بن یحییٰ از والد خود وہ بیان کرتے ہیں کہ میں سننا نبی ﷺ منبر پر پڑھ رہے تھے: وَ نَادُوا يَا مَالِكُ

لِيَقْنُصَ عَلَيْنَا رَبُّكَ (الزخرف: ۷۷) (اور وہ دوزخ کے نگران فرشتے سے) پکار کر کہیں گے: اے مالک! چاہیے کہ تمہارا رب ہمیں ختم کر دے۔

وَقَالَ قَتَادَةُ مَثَلًا لِلْآخِرِينَ عِظَةٌ لِّمَنۢ بَعْدَهُمْ۔ اور قتادہ نے کہا: مَثَلًا لِلْآخِرِينَ اس کا معنی ہے: بعد والوں کے لیے نصیحت۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
فَجَعَلْنَاهُمْ سَفَافًا مَّثَلًا لِلْآخِرِينَ ۝ (الزخرف: ۵۶)
پھر ہم نے ان کو قصہ پارینہ بنا دیا اور بعد کے لوگوں کے لیے ضرب المثل بنا دیا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی ان کو بعد والوں کے لیے نصیحت بنا دیا۔ امام بخاری نے عِظَةٌ کا لفظ لکھا ہے، یہ اصل میں مَوْعِظَةٌ ہے، واو کو اس سے حذف کر دیا گیا چونکہ اس کے فعل میں بھی واو کو حذف کیا گیا ہے اور اس کی گردان اس طرح ہے: دَعَضَ يَعْظُ، يَعْظُ اصل میں يَوْعِظُ تھا، اس سے واو کو حذف کر دیا گیا۔

وَقَالَ غَيْرُهُ مُقَرَّبِينَ ضَابِطِينَ يُقَالُ فُلَانٌ مُّقَرَّبٌ
یعنی قابو میں لانے والے، کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں کا مُقَرَّبٌ ہے یعنی وہ اس کو قابو میں لانے والے ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
سُبْحَنَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقَرَّبِينَ ۝ (الزخرف: ۱۳)
وہ ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہے جس نے سواری کو ہمارے قابو میں کر دیا اور ہم از خود اس کو قابو میں لانے والے نہیں تھے O
علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تعلق کی تفصیل اور تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔

وَالْأَكْوَابُ الْأَبَارِيقُ الَّتِي لَا خَرَّاطِيمَ لَهَا۔
الْأَكْوَابُ اس سے مراد وہ لوٹے ہیں جن کی ٹوٹی نہ ہو، خَرَّاطِيمُ خُرَّاطُوم کی جمع ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصَفَافٍ مِّنۢ دَهَبٍ وَآكُوفٍ۔
ان کے گرد سونے کی پلیٹوں اور گلاسوں کو گردش میں لایا جائے گا۔
(الزخرف: ۷۱)

علامہ عینی کہتے ہیں: الاكواب الْكُؤْبَةُ کی جمع ہے اور علامہ زنجشیری نے کہا ہے: الْكُؤُبُ اور الْكُؤُزُ اس لوٹے کو کہتے ہیں جس کا دستہ اور ٹوٹی نہ ہو۔

وَقَالَ قَتَادَةُ فِي أَمْرِ الْكِتَابِ جُنَّةَ الْكِتَابِ أَصْلُ الْكِتَابِ۔ اور قتادہ نے کہا: فِي أَمْرِ الْكِتَابِ (الزخرف: ۴) اس کا معنی ہے: جملۃ الكتاب، اصل الكتاب۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَرِثَهُ فِي أَمْرِ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلَّ حَكِيمٌ ۝ (الزخرف: ۴)
بے شک یہ لوح محفوظ میں ہمارے نزدیک بہت بلند مرتبہ، بہت

حکمت والی ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: قتادہ نے ام الکتاب کی تفسیر جملۃ الکتاب اور اصل الکتاب کی ہے اور مفسرین نے کہا ہے کہ ام الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

أَوَّلُ الْعَابِدِينَ أَمَى مَا كَانَ فَأَنَا أَوَّلُ الْآتِينَ وَهُمَا
لُغَتَانِ رَجُلٌ عَابِدٌ وَعَبِيدٌ وَقَرَأَ عَبْدُ اللَّهِ وَقَالَ
الرَّسُولُ يَا رَبِّ وَيُقَالُ أَوَّلُ الْعَابِدِينَ الْجَاهِدِينَ
مِنْ عَبْدٍ يَغْبُدُ

أَوَّلُ الْعَابِدِينَ ⑤ (الزخرف: ۸۱) اس کا معنی ہے: میں سب سے پہلے انکار کرنے والا ہوں اور یہ دونوں لغتیں ہیں رَجُلٌ عَابِدٌ یعنی عبادت کرنے والا مرد و عَبِيدٌ یعنی انکار کرنے والا۔ اور حضرت عبداللہ (بن مسعود) نے قرأت کی: وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ: یعنی رسول نے کہا: اے میرے رب! اور کہا جاتا ہے کہ اول العابدین کا معنی ہے میں سب سے پہلے انکار کرنے والا ہوں، یہ دوسری لغت ہے جس کی گردان عِبْدٌ يَغْبُدُ سے ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: عنقریب اول العابدین کی یہ تفسیر گزر چکی ہے کہ اگر بالفرض رحمٰن کا بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوتا۔ امام بخاری نے عابدین کا دوسرا معنی بنانے کے لیے یہاں اس کو دوبارہ ذکر کیا ہے اور دوسرا معنی ہے: فَأَنَا أَوَّلُ الْآتِينَ یعنی میں سب سے پہلے اس کا انکار کرنے والا ہوں کیونکہ عابدین یہاں پر عِبْدٌ يَغْبُدُ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: انکار کرنے والا، اور الجوہری نے کہا ہے: عَبْدٌ کا معنی ہے: غضب اور عہد کا معنی ہے: انکار۔ امام بخاری نے کہا: عِبْدٌ يَغْبُدُ سے عِبْدٌ کا معنی ہے انکار کیا اور علامہ ابن العین نے کہا کہ اہل لغت نے اس کا ذکر نہیں کیا کہ عِبْدٌ کا معنی ہے: انکار کیا اور اس کا محمد بن عزیز السجستانی نے رد کیا ہے اور کہا ہے کہ عابدین کا معنی ہے: انکار کرنے والے اور اس بناء پر تفسیر کی ہے کہ اگر رحمٰن کا ولد ہو تو میں سب سے پہلے انکار کرنے والا ہوں اور سدی نے کہا ہے: اس کا معنی اس طرح ہے کہ اگر رحمٰن کا ولد ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا تھا لیکن رحمٰن کا کوئی ولد نہیں ہے اور ابو عبیدہ نے کہا: اس کا معنی اس طرح ہے کہ رحمٰن کا ولد نہیں ہے اور میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوں۔ امام بخاری نے کہا: اور عبداللہ نے پڑھا یعنی حضرت ابن مسعود نے وَقِيلَ لَهُ يٰرَبِّ (الزخرف: ۸۸) میں یا رب کی جگہ قال الرسول یا رب پڑھا۔ علامہ عینی اعتراض کرتے ہیں: امام بخاری کو چاہیے تھا کہ اس بات کو (الزخرف: ۸۸) کی تفسیر میں ذکر کرتے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۳۱-۲۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

۲۔ بَابُ: أَقْضَرُ بَعْثِكُمُ إِلَيَّ كَرَصْفَحًا أَنْ

كُنْتُمْ قَوْمًا مُّشْرِفِينَ ⑤ (الزخرف: ۵)

مُشْرِفِينَ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تو کیا ہم اس وجہ سے تم کو نصیحت کرنے سے اعراض کریں کہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو ○ (الزخرف: ۵) کی تفسیر

مشرکین کا معنی ہے: مشرکین اور اللہ کی قسم! اگر اس قرآن کو اس وقت اٹھالیا جاتا جب اس امت کے پہلے لوگوں نے اس کو مسترد کر دیا تھا تو سب ہلاک ہو جاتے۔

وَاللّٰهُ لَوِ اَنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ رُفِعَ حَيْثُ رَدَّةٌ اَوْ اِثْلُ هٰذَا
الْاُمَّةِ لَهَلَكُوا فَاهْلَكْنَا اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَمَنْعَى
مَثَلِ الْاَوَّلِينَ مَقُوبَةً الْاَوَّلِينَ۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: مشرکین کا معنی ہے: مشرکین یعنی جو حد سے تجاوز کرنے والے ہیں اور اللہ کے حکم سے تجاوز کرنے والے

ہیں، لیکن اللہ عزوجل نے اپنے بندوں پر رحمت کے ساتھ رجوع کیا اور بیس (۲۰) سال تک یا جب تک اللہ نے چاہا ان کو اس قرآن کی طرف دعوت دیتا رہا۔

فَاَهْلَكْنَا أَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَمَنْ مِثْلُ الْأَوَّلِينَ ۝ (الزخرف: ۸) (سوہم نے ان میں سے ان کو ہلاک کر دیا جن کی گرفت بہت سخت تھی اور پہلے لوگوں کی مثال گزر چکی ہے) یعنی پہلے لوگوں کی سزا گزر چکی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اسی طرح قتادہ سے روایت ہے اور امام عبدالرزاق نے معمر سے روایت کی ہے اور مِثْلُ الْأَوَّلِينَ کی تفسیر کی ہے: عِقَابُ الْأَوَّلِينَ یعنی پہلے لوگوں کی سزا۔

جُزْءًا عِذْلًا۔ جزؤ اس کا معنی ہے: عِذْلًا یعنی حصہ اور بعض۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا ۚ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ۝ (الزخرف: ۱۵) شکر انسان ضرور کھلا ہوا ناشکرا ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے جزء کی تفسیر عِذْلًا کی ہے یعنی بعض اور کتب تفسیر میں مذکور ہے یعنی حصہ اور بعض۔ کیونکہ مشرکین کہتے تھے: فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے اس قول سے بہت بلند ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الزخرف کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ حم الدخان کی تفسیر شروع ہو گئی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۴۴۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ حَمِّ الدُّخَانِ

سورة (حم) الدخان کی تفسیر

سورة (حم) الدخان کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الدخان کی بعض آیات کی تفسیر ہے۔ صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں حم الدخان لکھا ہے اور بعض نسخوں میں صرف الدخان لکھا ہے۔ مقاتل نے کہا: یہ پوری سورت مکی ہے، اور ابو العباس نے کہا کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس سورت میں انسٹھ (۶۹) آیات ہیں۔

امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: جس شخص نے رات کو سورة حم الدخان کی تلاوت کی تو اس کے لیے صبح کو ستر ہزار فرشتے استغفار کرتے ہیں، اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث غریب ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص نے جمعہ کی رات میں سورة حم الدخان پڑھی اس کی مغفرت کر دی جائے گی:

وَقَالَ مُجَاهِدٌ رَّهَوْا طَرِيقًا يَابِسًا وَيُقَالُ رَّهَوْا اور مجاہد نے کہا: رَّهَوْا کا معنی ہے: خشک راستہ اور کہا جاتا ہے کہ رَّهَوْا کا معنی ہے: ساکن۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاشْرُكُوا بِالْبَعَثِ رَّهَوْا ۖ إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُونَ ﴿۲۳﴾

آپ سمندر کو یوں ہی ساکن چھوڑ کر چلے جائیں، بے شک ان کا لشکر غرق کر دیا جائے گا O (الدخان: ۲۳)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے رَّهَوْا کی تفسیر خشک راستہ سے کی ہے اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ سمندر جس طرح ہے اس کو اسی طرح چھوڑ کر چلے جائیں، اور ابو عبیدہ نے تفسیر کی ہے: خشک راستہ۔

عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَىٰ الْعَالَمِينَ عَلَىٰ مَنْ بَيَّنَّ ظَهْرَهُ

عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَىٰ الْعَالَمِينَ اس کا معنی ہے: عدل من بین ظہریہ یعنی ان لوگوں پر جو ان کے درمیان ہیں ان پر ان کو برتری دی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ اخْتَرْتُمُوهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَىٰ الْعَالَمِينَ ﴿۲۲﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دانستہ اس وقت تمام جہانوں پر فضیلت عطا کی تھی O (الدخان: ۲۲)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے علی من بین ظہریہ کی تفسیر بنی اسرائیل کے معاصرین کے ساتھ کی ہے اور یہ مجاہد کا بھی قول ہے اور اس آیت کا معنی ہے: ہم نے موسیٰ اور بنی اسرائیل کو ان کے زمانہ کے تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔

فَاعْتَلَوْا اِذْ قَعَوْا۔

فَاعْتَلَوْا اس کا معنی ہے: اذ قَعَوْا، یعنی اس کو جھونک دو۔

امام بخاری اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَى سَوَاءِ الْجَحِيمِ ①

(الدخان: ۳۷) کی طرف لے جاؤ ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے فاعتلوه کی تفسیر دھکیل دو اور جھونک دو کے ساتھ کی ہے، کتب تفسیر میں مذکور ہے: اس کا معنی ہے: اس کو گھسیٹتے ہوئے دوزخ کی طرف لے جاؤ۔

وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ أَنْكَحْنَاهُمْ حُورًا عِينًا يَخَازُ فِيهَا الطَّرَفُ۔
وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ یعنی ہم نے ان کا نکاح بڑی آنکھوں والی حوروں سے کر دیا جن کو دیکھ کر آنکھیں حیرت میں رہ جاتی ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَذَلِكَ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ②

(الدخان: ۵۳) بنائیں گے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے: کپڑوں کے پار سے ان کی پنڈلیوں کا گودا دکھائی دے گا اور دیکھنے والا ان کے چہرے کی طرف دیکھے گا، ان کی کھال باریک ہوگی جیسے آئینہ ہو اور موتی کی طرح صاف ہوگی اور حوراء کی جمع ہے اور عین عیناء کی جمع ہے اور یہ وہ عورت ہے جس کی آنکھیں بڑی بڑی ہوں۔

میں (سعیدی غفرلہ) کہتا ہوں: عبد اللہ بن عیسیٰ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ جس شخص نے ایمان اور تصدیق کے ساتھ جمعہ کی شب حم الدخان پڑھی وہ صبح کو بخشا ہوا اٹھے گا، ابورافع کی روایت میں ہے: ان کی بڑی آنکھوں والی حور سے شادی کر دی جائے گی۔ (سنن داری: ۳۴۲۲-۳۴۲۱، دارالمعرف، بیروت)

تَرْجُمُونِ الْقَتْلُ۔
تَرْجُمُونِ یعنی تمہارے قتل کرنے سے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا أُغْلِثُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُمُونِ ③

(الدخان: ۲۰) تمہارے رب کی پناہ میں آچکا ہوں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس طرح قتادہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، تَرْجُمُونِ کا معنی ہے: تم مجھے برا کہتے ہو اور جادوگر کہتے ہو، اور یہ بھی کہا جاتا ہے: اس کا معنی ہے: تمہارے قتل کرنے سے۔
وَرَهْوًا سَاكِنًا۔
یہ تعلیق مکرر ہے، عنقریب اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَالْمُهْلِ أَسْوَدُ كَالْمُهْلِ الزَّيْتِ۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کَالْمُهْلِ یعنی زیتون کے تیل کے تل چھٹ کی طرح سیاہ ہوگا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقْوِيمِ طَعَامٌ الْآثِيمِ ④

کَالْمُهْلِ يُغْلَى فِي الْبَطْنِ ⑤ (الدخان: ۴۳، ۴۵) تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارے گا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: النُّهْلُ کا معنی ہے: پگھلا ہوا سیر یا پھل یا چاندی، ان دھاتوں میں سے جس کو بھی پگھلا لیا جائے تو وہ مہل ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ دوزخیوں کی کھالوں سے جو پیپ بہتی ہے اس کو النُّهْلُ کہتے ہیں۔ الیث نے کہا: النُّهْلُ ایک قسم کا تیل ہے جس کے ساتھ سردیوں میں اونٹوں کی مالش کی جاتی ہے اور الاصمعی سے منقول ہے کہ اگر یہ لفظ النُّهْلُ ہو یعنی میم پر زبر ہو تو اس کا معنی پیپ ہے اور جو چیز میت سے بہتی ہے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ زیتون کے تیل کا تل چھٹ ہے اور چوتھا قول یہ ہے کہ انگاروں کے نکلنے کے بعد جو راکھ باقی رہ جاتی ہے اس کو النُّهْلُ کہتے ہیں، النُّهْلُ میں مذکور ہے کہ النُّهْلُ جواہر کا رنگ ہے یعنی سونا، چاندی، سیر اور لوہے کا رنگ۔

وَقَالَ غَيْرُكَ تُبْعِمْ مُلُوكَ الْيَمَنِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ يُسَبِّحُ
تُبْعَالِئُكَ يَتْبَعُ صَاحِبَهُ وَالْظِّلُّ يُسَبِّحُ تَبْعَالِئُكَ يَتْبَعُ
السُّنْسَنُ۔ اور حضرت ابن عباس کے علاوہ دوسروں نے کہا: التَّبْعُ یمن کے بادشاہ کو کہتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کا نام تَبْعُ ہے کیونکہ وہ اپنے صاحب کی اتباع کرتا ہے اور سایا کو بھی تَبْعُ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ سورج کی اتباع کرتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبْعِمْ۔ (الدخان: ۳۷) کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا قوم تبج کے لوگ۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے التبج کی تفسیر کی ہے: یمن کے بادشاہ اور جو بھی یمن کا بادشاہ تھا اس کو تبج کہا جاتا تھا جیسے جو بھی فارس کا بادشاہ تھا اس کو کسریٰ کہا جاتا تھا اور اسی طرح جو بھی روم کا بادشاہ تھا اس کو قیصر کہا جاتا تھا اور جو بھی حبشہ کا بادشاہ تھا اس کو نباشی کہا جاتا تھا اور جو بھی ترک کا بادشاہ تھا اس کو خاقان کہا جاتا تھا۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۳۳-۲۳۴ میں کی ہے]

۱۔ بَابُ: فَإِنَّ تَقَبَّ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ
بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ⑩ (الدخان: ۱۰) آسمان واضح دھواں لائے گا ⑩ (الدخان: ۱۰) کی تفسیر

قنادہ نے کہا: فارتقب کا معنی ہے: پس آپ انتظار کیجئے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: قنادہ نے اللہ عزوجل کے ارشاد: فارتقب کی تفسیر میں کہا ہے: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ انتظار کیجئے اور یہ کسی ناپسندیدہ بات کے متعلق کہا جاتا ہے، اور اس کا معنی ہے: اس کے عذاب کا انتظار کیجئے، یہاں پر مفعول عذاب کو حذف کر دیا کیونکہ بعد کا مضمون اس کے حذف پر دلالت کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑪ (الدخان: ۱۱) دوسرا قول ہے: وہ مفعول ہے یَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ کا۔

۳۸۲۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ
عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُودٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ مَضَى
خَنَسُ الدُّخَانِ وَالزُّوْمُ وَالْقَمَرُ وَالْبَطْشَةُ وَالْيَزَامُ۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی از ابی حمزہ از الاعمش از مسلم از مسروق از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ انہوں نے کہا: پانچ چیزیں چلی گئیں: دُخَانُ، رُومُ، قَمَرُ، الْبَطْشَةُ اور الْيَزَامُ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۰۰۷ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کا بیان

علامہ بدر الدین عینی حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی کے بیان میں لکھتے ہیں:

الدخان: قیامت کے وقوع سے پہلے کفار اور منافقین کے کانوں میں دھواں داخل ہو جائے گا حتیٰ کہ ان کا سر بھنی ہوئی سری کی طرح ہو جائے گا اور تمام روئے زمین اس گھر کی طرح ہو جائے گی جس میں آگ جلائی گئی ہو اور ابھی تک جلی نہ ہو، اور مومن صرف زکام کی سی کیفیت میں مبتلا ہوگا۔

الردم: قرآن مجید میں ہے: اَلَمْ يَغْلِبْتَ الرُّومَ ① (الروم: ۱-۲) الف، لام، میم ② رومی پسپا ہو گئے ③

القمر: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَاشْشَقَّ الْقَمْرُ ④ (القمر: ۱) اور چاند شق ہو گیا ⑤

البطشہ: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَى (الدخان: ۱۶) جس دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے۔ یعنی بدر کے دن جو کفار کو قتل کیا گیا تھا۔

اللزائم: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ⑥ (الفرقان: ۷۷) تو اس کا عذاب تم پر ہمیشہ لازم رہے گا ⑦ اس سے مراد ہے: غزوہ بدر میں کفار کو جو گرفتار کیا گیا تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد بھی ان کو قتل کرنا ہے۔

۲۔ بَابُ: يَغْشَى النَّاسُ هَذَا عَذَابٌ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا، یہ ہے

دردناک عذاب ⑧ (الدخان: ۱۱) کی تفسیر

اَلَيْمٌ ⑨ (الدخان: ۱۱)

علامہ عینی لکھتے ہیں: يَغْشَى النَّاسُ یعنی وہ دھواں مشرق اور مغرب کے تمام لوگوں کا احاطہ کر کے ان کو بھرے گا اور چالس دن اور رات تک رہے گا، رہا مومن تو وہ اس سے صرف زکام میں مبتلا ہوگا اور رہا کافر تو وہ اس طرح ہوگا جیسے نشہ میں ہو اور اس کے نتھنوں اور اس کے کانوں اور اس کے مقعد سے دھواں نکلے گا، نیز اس آیت میں مذکور ہے: یہ دردناک عذاب ہے یعنی اللہ تعالیٰ یہ فرمائے گا، دوسرا قول یہ ہے کہ لوگ کہیں گے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۳۴)

۳۸۲۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعَشِي عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ إِنَّهَا كَانَتْ هَذَا لِأَنَّ قُرَيْشًا لَنَا اسْتَعَصَوْا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ دَعَا عَلَيْهِمْ بِسِنِينَ كَسَيْنِي يُوسُفَ فَأَصَابَهُمْ قَحْطٌ وَجَهْدٌ حَتَّى أَكَلُوا الْعِظَامَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَنْظُرُ إِلَى السَّمَاءِ فَيَرَى مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ مِنَ الْجَهْدِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿فَأَنزَلْنَا يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ⑩﴾ (الدخان: ۱۰) يَغْشَى النَّاسَ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَقِيلٌ لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اسْتَسْقِ اللَّهَ لِيُمْضَ قَائِمًا قَدْ هَلَكَتْ قَالَ لِيُمْضَ إِنَّكَ لَجَبْرِيٌّ فَاسْتَسْقَى لَهُمْ فَسُقُوا فَتَزَكَّتْ إِنَّكُمْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ابو معاویہ نے حدیث بیان کی از الاعش از مسلم از مسروق، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قریش نے نبی ﷺ کی نافرمانی کی تو آپ نے ان کے خلاف کئی سالوں کے قحط کی دعا کی جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قحط کے سال آئے تھے، سو ان پر قحط آ گیا اور وہ شدید مصیبت میں مبتلا ہوئے حتیٰ کہ انہوں نے ہڈیاں کھائیں، پس کوئی مرد آسمان کی طرف دیکھتا تو اس کو شدید مشقت کی وجہ سے دھوئیں کی طرح کوئی چیز دکھائی دیتی، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: فَأَنزَلْنَا يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ⑩ (الدخان: ۱۰) (سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب

عَائِدُونَ فَلَمَّا أَصَابَتْهُمْ الرَّقَابَةُ عَادُوا إِلَىٰ حَالِهِمْ
حِينَ أَصَابَتْهُمْ الرَّقَابَةُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَذْرًا جَلًّا ﴿يَوْمَ
نُطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ﴾ (الدخان: ۱۶)
(۱۶) قَالَ يَعْنِي يَوْمَ بَدْرٍ -

آسمان واضح دھواں لائے گا جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا یہ دردناک
عذاب ہے (۵) پس رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا: یا رسول
اللہ! مضر کے لیے اللہ تعالیٰ سے پانی طلب کیجئے کیونکہ وہ ہلاک ہو
رہے ہیں، آپ نے فرمایا: مضر کے لیے وہ تو بڑے سرکش ہیں،
پھر آپ نے ان کے لیے (اللہ تعالیٰ سے) بارش کو طلب کیا، پس
بارش ہوئی۔ پس یہ آیت یہاں تک نازل ہوئی: بے شک تم ملنے
والے ہو۔ پھر جب ان کے اوپر خوش حالی آگئی تو پھر اپنے اس
حال کی طرف لوٹ گئے جب ان پر خوش حالی آئی تھی تو اللہ
عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: يَوْمَ نُنْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ
إِنَّا مُنتَقِمُونَ (الدخان: ۱۶) (جس دن ہم بہت سخت گرفت
کے ساتھ پکڑیں گے، بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں) (۵)
حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا: یعنی بدر کے دن۔

اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری: ۱۰۰۷ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے بعض مشکل الفاظ میں بعض مشکل جملوں کا بیان

علامہ مینی حدیث مذکور کے بعض مشکل جملوں کے بیان میں لکھتے ہیں:

اس کی وجہ یہ ہے: یعنی قریش پر جو شدید قحط آیا اور شدید مصیبت آئی حتیٰ کہ انہوں نے اپنے اور آسمان کے درمیان دھوئیں کی
مثل کوئی چیز دیکھی۔

جب قریش نے نافرمانی کی: یعنی انہوں نے شرک کو ترک نہیں کیا۔

الزقابیہ: اس کا معنی ہے: وسعت اور راحت۔

۳۔ بَابُ: مَرَّيْنَا كُثُفًا عَنَّا الْعَذَابَ

إِنَّا مُؤْمِنُونَ (الدخان: ۱۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اس دن وہ کہیں گے:) اے ہمارے

رب! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے بے شک ہم ایمان
لانے والے ہیں (۵) (الدخان: ۱۲) کی تفسیر
علامہ مینی لکھتے ہیں: جب مشرکین پر قحط آیا اور وہ شدید مشقت اور مصیبت میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے یہ دعا کی: اے
ہمارے رب! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے اور عذاب سے مراد وہ قحط ہے جس میں انہوں نے مردار اور کھالوں کو کھالیا، انہوں
نے کہا: بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا:

إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ﴿۱۵﴾

(۱۵) (الدخان: ۱۵) کی طرف) لوٹنے والے ہو

پھر وہ کفر کی طرف لوٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن ان سے انتقام لیا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۳۵)

۳۸۲۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الصُّحَيْ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ فَقَالَ إِنَّ مِنَ الْعِلْمِ أَنْ تَقُولَ لِمَا لَا تَعْلَمُ اللَّهُ أَعْلَمُ إِنَّ اللَّهَ قَالَ لِنَبِيِّهِ ﷺ ﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾ (ص: ۸۶) إِنَّ قُرَيْشًا لَنَالَتَا غَلْبَوا النَّبِيَّ ﷺ وَاسْتَعْصَمُوا عَلَيْهِ قَالَ اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبِعَ يُوسُفَ فَأَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ أَكَلُوا فِيهَا الْعِظَامَ وَالْمَيْتَةَ مِنَ الْجَهْدِ حَتَّى جَعَلَ أَحَدُهُمْ يَرَى مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ مِنَ الْجُوعِ قَالُوا ﴿رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ﴾ (الدخان: ۱۲) فَقِيلَ لَهُ إِنَّ كُشِفْنَا عَنْهُمْ عَادُوا قَدْ عَا رَبَّهُ فَكَشَفَ عَنْهُمْ فَعَادُوا فَاسْتَقَمَ اللَّهُ مِنْهُمْ يَوْمَ بَدْرٍ فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿فَأَنزَلْنَا يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ ۝ إِلَى قَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ إِنَّا مُنْتَقِمُونَ﴾ (الدخان: ۱۰-۱۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابی الصحی از مسروق، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوا، انہوں نے کہا کہ بے شک یہ بھی علم میں سے ہے کہ تمہیں جس چیز کا علم نہ ہو تو تم کہو: اس کو اللہ ہی جانتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا: قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ (ص: ۸۶) آپ کہیے کہ میں تم سے اس پیغام کو پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں (○) بے شک قریش نے جب نبی ﷺ کو بہت زیادہ مصیبت میں مبتلا کیا اور نبی ﷺ کی بافرمانی کی تو نبی ﷺ نے یہ دعا کی: اے اللہ! ان کے خلاف میری ایسے سات سالوں کے ساتھ مدد فرما جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانے میں سات سال تھے، پس ان کو قحط نے پکڑ لیا، اور انہوں نے اس مصیبت کی وجہ سے ہڈیاں کھائیں اور مردار کو کھایا حتیٰ کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے اوپر آسمان کے درمیان بھوک کی وجہ سے دھوئیں کی مثل کوئی چیز دیکھتا تھا تو انہوں نے یہ دعا کی: رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ (الدخان: ۱۲) (اس دن وہ کہیں گے! اے ہمارے رب! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں ○) پس آپ سے فرمایا گیا: بے شک اگر ہم ان سے عذاب کو دور کر دیں تو پھر یہ کفر کی طرف لوٹنے والے ہوں گے، آپ نے اپنے رب سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو دور کر دیا، پس وہ پھر کفر کی طرف لوٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن ان سے انتقام لیا، اس کے موافق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ (الدخان: ۱۰) یہ آیت یہاں تک ہے: إِنَّا مُنْتَقِمُونَ (الدخان: ۱۶) (اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان واضح دھواں لائے۔ بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں)۔

اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری: ۱۰۰۷ میں گزر چکی ہے۔

٢- بَابُ: أَلْفِي لَهُمُ الَّذِي كَرِي وَقَدْ

جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُبِينٌ ﴿٥٠﴾

(الدرخان: ۱۳)

٣٨٢٣ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ
حَازِمٍ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الصُّحَيْ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ
دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ
لَنَا دَعَا قَرِيشًا كَذِبُوا وَاسْتَفْضُوا عَلَيْهِ فَقَالَ اللَّهُمَّ
أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبِعِ يُوسُفَ فَأَصَابَتْهُمْ سَنَةٌ
حَصَّتْ يَغْنَى كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى كَانُوا يَأْكُلُونَ السَّيْتَةَ فَكَانَ
يَقُومُ أَحَدُهُمْ فَكَانَ يَرَى بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ مِثْلَ
الدُّخَانِ مِنَ الْجَهْدِ وَالْجُوعِ ثُمَّ قَرَأَ ﴿فَأَنزَلْنَاكَ يَوْمَ
تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ ۝ يَغشى النَّاسُ ۚ هَذَا
عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝﴾ حَتَّى بَلَغَ إِنَّا كَاثِفُوا الْعَذَابَ كُلًّا
إِنْكُم عَايِدُونَ ۝﴾ (الدخان: ١٥، ١٠) قَالَ عَبْدُ اللَّهِ
أَفِيكَشَفُ عَنْهُمْ الْعَذَابَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ وَالْبَطْشَةُ
الْكُبْرَى يَوْمَ بَذَرِ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اب ان کے نصیحت قبول کرنے کا وقت کہاں ہے حالانکہ ان کے پاس واضح ہدایت دینے والے رسول آچکے تھے ○ (الدخان: ۱۳) کی تفسیر

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر بن حازم نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابی الاضحیٰ از مسروق، وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بنی شمر کے پاس داخل ہوا، پھر انہوں نے بیان کیا: پھر بے شک جب رسول اللہ ﷺ نے قریش کو اسلام کی دعوت دی اور انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کی نافرمانی کی تو آپ نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! حضرت یوسف کے زمانہ کے سات سالوں کی طرح ان پر سات سال مسلط کر کے ان کے خلاف میری مدد فرما تو ان پر قحط آگیا جس نے ہر چیز کو تباہ کر دیا حتیٰ کہ یہ مردار کو کھاتے تھے، پھر ان میں سے کوئی شخص کھڑا ہوتا تو اپنے اور آسمان کے درمیان مصیبت اور بھوک کی وجہ سے دھوئیں کی مثل کوئی چیز دیکھتا، پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی: فَالْمُتَّقُونَ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ مُّبِينٍ ۝ یہ آیت یہاں تک تلاوت کی اِنَّكُمْ عَايِدُونَ ۝ (الدخان: ۱۰-۱۵) (سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جس میں آسمان واضح دھواں لائے گا وہ لوگوں کو ڈھانپ لے گا یہ دردناک عذاب ہے تم پھر کفر کی طرف لوٹنے والے ہو) حضرت عبداللہ نے کہا: کیا ان سے قیامت کے دن عذاب دور کیا جائے گا اور المہبطۃ الکبریٰ یعنی زبردست گرفت بدر کے دن تھی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۰۰۷۱ میں گزر چکی ہے۔

٥- باب: كَمْ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلِّمٌ

مُجْتَبُونَ ﴿١٣﴾ (الدخان: ١٣)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پھر انہوں نے اس رسول سے
اعراض کیا اور کہا: یہ سکھائے ہوئے دیوانے ہیں O
(الدخان: ۱۳) کی تفسیر

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں بشر بن خالد نے حدیث بیان کی: انہوں نے کہا: ہمیں محمد نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں

۴۸۲۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَمِيْرِ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ وَمَنْصُورٍ عَنْ أَبِي الطَّحَا

عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا ﷺ وَقَالَ ﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾ (ص: ۸۶) فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمَّا رَأَى قُرَيْشًا اسْتَعْصَمُوا عَلَيْهِ فَقَالَ اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبِعِ يُوسُفَ فَأَخَذَتْهُمْ السَّنَةُ حَتَّى حَقَّتْ كُلُّ شَيْءٍ حَتَّى أَكَلُوا الْعِظَامَ وَالْجُلُودَ فَقَالَ أَحَدُهُمْ حَتَّى أَكَلُوا الْجُلُودَ وَالْمَيْتَةَ وَجَعَلَ يَخْرُجُ مِنَ الْأَرْضِ كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ فَأَتَاهُ أَبُو سُفْيَانَ فَقَالَ أَيْ مُحَمَّدُ إِنَّ قَوْمَكَ قَدْ هَلَكُوا فَأَدْعُ اللَّهَ أَنْ يَكْشِفَ عَنْهُمْ قَدَعًا ثُمَّ قَالَ تَعُودُونَ بَعْدَ هَذَا فِي حَدِيثٍ مَنْصُورٍ ثُمَّ قَرَأَ ﴿فَأَنْتَقِبُ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ ۖ إِلَى عَاكِدُونَ ۖ﴾ (الدخان: ۱۵-۱۰) أَنْكَشِفُ عَنْهُمْ عَذَابَ الْآخِرَةِ فَقَدْ مَضَى الدُّخَانُ وَالْبَطْشَةُ وَاللِّزَامُ وَقَالَ أَحَدُهُم الْقَمَرُ وَقَالَ الْآخِرُ وَالرُّومُ۔

حدیث بیان کی از سلیمان اور منصور از ابی الضحیٰ از مسروق، وہ بیان شعبہ کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے (سیدنا) محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ارشاد فرمایا: قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ (ص: ۸۶) (آپ کہیے کہ میں تم سے اس پیغام کو پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں) پس بے شک رسول اللہ ﷺ نے جب یہ دیکھا کہ قریش نے آپ کی بہت نافرمانی کی ہے تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! ان کے خلاف حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے سات سالوں کی مثل سات سالوں سے میری مدد فرما تو ان کو قحط نے پکڑ لیا حتیٰ کہ اس نے ہر چیز کو تباہ کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے ہڈیوں کو کھایا اور کھالوں کو کھایا۔ پس ان میں سے کسی نے کہا حتیٰ کہ انہوں نے کھالوں کو اور مردار کو کھایا اور زمین سے دھوئیں کی مثل کوئی چیز نکلنے لگی تو ابوسفیان آپ کے پاس آیا، پس کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) بے شک آپ کی قوم ہلاک ہو گئی آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ ان سے یہ مصیبت دور کر دے، پس آپ نے دعا کی، پھر: فرمایا تم اس کے بعد (کفر کی طرف) پھر لوٹ جاؤ گے اور منصور کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی: فَأَنْتَقِبُ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ ۖ عَاكِدُونَ ۖ (سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان دھواں لائے گا۔۔۔۔۔ بے شک تم کفر کی طرف لوٹنے والے ہو۔ تک، کیا ہم ان سے آخرت کا عذاب دور کر دیں گے، پس بے شک الدخان، البطشة اور اللزام (یہ نشانیاں گزر چکی ہیں) اور ان میں سے کسی ایک نے کہا: القمر اور دوسرے نے کہا: الروم۔

اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری: ۱۰۰۷ میں گزر چکی ہے۔

۶۔ بَابُ: يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ

إِنَّا مُنْتَقِبُونَ ۖ (الدخان: ۱۶)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جس دن ہم بہت سخت گرفت کے

ساتھ پکڑیں گے، بے شک ہم انتقام لینے والے

ہیں ○ (الدخان: ۱۶) کی تفسیر

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی،

۴۸۲۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ حَدَّثَنَا وَكَيْعٌ عَنِ الْأَعَشِشِ

عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ خَمْسٌ قَدْ مَضَيْنَ الْبِزَامُ وَالزُّومُ وَالْبَطْشَةُ وَالْقَمَرُ وَالِدُّخَانُ
 انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از الاعمش از مسلم از مسروق از حضرت عبداللہ بنی شہزادہ، انہوں نے بیان کیا: یہ پانچ نشانیاں گزر چکی ہیں: البزام، الزوم، البطشہ، القمر اور الدخان۔

اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری، ۱۰۰۷ میں گزر چکی ہے۔

البزام: سے مراد ہے: جنگ بدر کے دن جو کفار کو گرفتار کیا گیا تھا۔

الزوم: سے مراد ہے کہ سورہ روم میں یہ فرمایا تھا کہ رومی مغلوب ہو گئے۔

البطشہ: سے مراد ہے: جب غزوہ بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے کفار پر سخت گرفت کی اور ان کو قتل کیا گیا۔

القمر: سے مراد ہے کہ قرآن مجید میں ہے کہ چاند شق ہو گیا۔ وَأُشِقِّ الْقَمَرُ ○ (القمر: ۱)

الدخان: سے مراد ہے کہ قیامت کے وقوع سے پہلے کفار اور منافقین کے کانوں میں دھواں داخل ہوگا جس سے ان کے سر بھنی

ہوئی سری کی طرح ہو جائیں گے اور مومنین پر زکام کی سی کیفیت ہوگی۔

الحمد للہ رب العالمین، امام بخاری نے سورۃ الدخان کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی

اور اب ان شاء اللہ سورۃ الجاثیہ کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۴۵۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ حَمِ الْجَاشِیَةِ

سورۃ حم الجاشیہ کی تفسیر

سورۃ حم الجاشیہ کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ جاشیہ کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور یہ سورت مکی ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور اس میں سینتیس (۳۷) آیات ہیں۔

مُسْتَوْفِزِیْنَ عَلٰی الرُّكْبِ۔ جاشیہ یعنی وہ گھنٹوں کے بل بیٹھے ہوئے ہوں اور لگتا ہو کہ انہیں

اٹھنے کی بہت بے تابی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَتَرَى كُلَّ أُمَّةٍ جَاشِيَةً۔ (الجاشیہ: ۲۸)
اور آپ دیکھیں گے کہ ہر جماعت (اس دن) گھنٹوں کے بل گری ہوئی ہوگی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے جاشیہ کی تفسیر کی ہے: مُسْتَوْفِزِیْنَ عَلٰی الرُّكْبِ، اِسْتَوْفَزَ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص غیر مطمئن حالت میں بیٹھا ہو۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ نَسْتَسِيْخُ نَكْتُبُ۔ اور مجاہد نے کہا: نَسْتَسِيْخُ کا معنی ہے: ہم لکھتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

هٰذَا كِتٰبُنَا يُنٰطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَسِيْخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (الجاشیہ: ۲۹)
یہ ہمارا لکھا ہوا ہے جو تمہارے متعلق حق بیان کر رہا ہے، تم جو کچھ بھی کرتے تھے ہم (اس کو) لکھتے رہتے تھے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: کتب تفسیر میں مذکور ہے: اس آیت کا معنی ہے: ہم لکھنے کا حکم دیتے تھے، حسن بصری سے منقول ہے: ہم تمہارے اعمال کی حفاظت کرتے تھے اور ضحاک سے منقول ہے کہ ہم تمہارے اعمال کو ثابت رکھتے تھے۔
نَسَاكُم نَسْرُكُكُمْ۔ نَسَسْكُمْ یعنی ہم تم کو چھوڑ دیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَقِيلَ الْيَوْمَ نَسَسْكُمْ كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا۔ اور (ان سے) کہا جائے گا: آج ہم تمہیں اس طرح فراموش کر دیں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔ (الجاشیہ: ۳۳)

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کا معنی ہے: ہم تمہیں اس طرح چھوڑ دیں گے جس طرح تم نے چھوڑ دیا تھا اور ان کو چھوڑنا صرف دوزخ میں ہوگا، یہاں ملزوم کا ذکر کر کے لازم کا ارادہ کیا ہے کیونکہ بھولنے کو چھوڑ دینا لازم ہے اور اس کے برعکس نہیں ہے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۳۷ میں بیان کی ہے]

۱۔ بَابٌ: وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ۔

(الجاهلیہ: ۲۴)

۱۔ باب: اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ہم (اس دنیا میں)

مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف دہر (زمانہ) ہلاک

کرتا ہے۔ (الجاهلیہ: ۲۴) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کا معنی ہے: ہمیں صرف زمانہ کا گزرنا اور دہر کا طول فنا کرتا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۳۸)

۴۸۲۶۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان

کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی انہوں نے

کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی از سعید بن المسیب از

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: مجھے ابن آدم اذیت پہنچاتا

ہے، وہ دہر کو برا کہتا ہے اور میں ہی دہر ہوں اور میرے ہی ہاتھ

میں معاملات ہیں، میں رات اور دن کو ادلتا بدلتا رہتا ہوں۔

الرُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيْبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ

اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ اللَّهُ عَزَّ

وَجَلَّ يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ

بِيَدِي الْأُمُورُ أَقْلِبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ۔

(صحیح البخاری: ۶۱۷۱، صحیح مسلم: ۲۴۴۶، سنن ابوداؤد: ۵۲۷۴)

انا الدهر کی توجیہ اور ابوبکر بن داؤد کے قول کا بطلان

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری المعروف بابن السلقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: میں ہی دہر ہوں: ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: میں صاحب دہر ہوں اور ان معاملات کی

تدبیر کرتا ہوں جو دہر کی طرف منسوب ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ تم دہر کو برا کہتے ہو کیونکہ تم پر زمانہ میں مصائب نازل ہوتے ہیں اور

فعل تو صرف اللہ کے لیے ہے اور جس نے دہر کو برا کہا تو وہ بھی اس حدیث کے مصداق میں داخل ہوگا اور عرب کی عادت یہ تھی کہ

ان پر جب کوئی مصیبت آتی تو وہ دہر کو برا کہتے تھے اور جب وہ اپنے مردوں کو یاد کرتے تو کہتے تھے: ان کو دہر نے فنا کر دیا، وہ ان

کی فنا کو دہر کی طرف منسوب کرتے تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کاموں کا فاعل دہر ہے اور ان کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ یہ کام اللہ

تعالیٰ کی قضاء اور قدر سے ہے، اور اللہ تعالیٰ ازلی ہے اور اس سے پہلے کوئی چیز نہیں ہے، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو بتایا کہ دہر حادث

ہے، اللہ رات اور دن کو گردش میں لاتا ہے۔ ابوبکر بن داؤد الاصبہانی نے کہا: یہ لفظ اَنَا الدَّهْرُ نہیں ہے بلکہ اَنَا الدَّهْرُ ہے اور یہ

بر بنائے ظرفیت منسوب ہے یعنی اس پر زبر ہے اور اس کا معنی ہے: میں دہر میں موجود ہوں، انہوں نے کہا: اگر راء پر پیش ہوتی تو یہ۔

اللہ تعالیٰ کا اسم ہوتا۔ قاضی عیاض نے کہا: اس پر زبر بہ طور تخصیص ہے اور بہ طور ظرفیت زیادہ صحیح ہے اور ابو جعفر النحاس نے کہا: اس

پر زبر پڑھنا جائز ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہمیشہ باقی ہے اور اس کو زوال نہیں ہے۔

علامہ ابن جوزی نے کہا: ان کا یہ قول کئی وجوہ سے باطل ہے:

(۱) اَنَا الدَّهْرُ (راء پر زبر) پڑھنا اہل نقل کے خلاف ہے اور محدثین نے اس کی صرف پیش (اَنَا الدَّهْرُ) کے ساتھ

روایت کی ہے اور ابوبکر بن داؤد الاصبہانی حفاظ اور علماء نقل میں سے نہیں ہیں۔

(۲) یہ لفظ احادیث صحیحہ میں اسی طرح وارد ہے اور زبر کے ساتھ اس کی تاویل باطل ہے۔ حدیث میں ہے کہ یہ نہ کہو: ہائے! دہر کی

ناکامی کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہی دہر ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۱۸۴، صحیح مسلم: ۲۴۴۶)

(۳) اَنَا الذَّهْرُ کی تاویل کا یہ تقاضا ہے کہ ممانعت کی علت کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ جب یہ فرمایا کہ دہر کو برا نہ کہو کیونکہ میں دہر ہوں، رات اور دن کو گردش میں لاتا ہوں تو گویا کہ فرمایا: دہر کو برا نہ کہو کیوں کہ میں دہر کو گردش میں لاتا ہوں اور یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر خیر اور شر کو گردش میں لاتا ہے اور اس کا چیزوں کو گردش میں لانا اس کی مذمت سے مانع نہیں ہے (اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابن آدم مجھے اذیت پہنچاتا ہے۔)

علامہ القرطبی نے کہا: ابن آدم مجھے ایسی بات کہتا ہے جس سے اس کو اذیت ہوتی ہے یا جس کو اذیت ہو سکتی ہو۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اذیت ہوتی ہے کیونکہ اذیت کا معنی ہے: نقصان اور درد کی تکلیف اور اللہ تبارک و تعالیٰ نقصان اور درد کی تکلیف سے منزہ ہے اور یہ مجازات ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ سے یہ معاملہ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی سزا اور اس کی گرفت کے درپے ہوگا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف اذیت پہنچنے کی نسبت کی وہ کافر ہو جائے گا اور جس نے حقیقتاً دہر کی مدح یا مذمت کی وہ بھی کافر ہو جائے گا اور جس کی زبان پر یہ الفاظ اتنا قیہ جاری ہو گئے اور اس نے ان الفاظ کی صحت کا عقیدہ نہیں رکھا تو وہ کافر نہیں ہوگا لیکن وہ اہل کفر کے مشابہ ہوگا اور اس کام کا ارتکاب کرے گا جس سے شارح حلیتاً نے منع فرمایا ہے، سو اس کو توبہ اور استغفار کرنا چاہیے۔ (المفہم ج ۵ ص ۵۳۸-۵۳۷)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۳ ص ۲۳۰-۲۲۸، وزارة الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ قرطبی، علامہ نووی اور علامہ راغب کی اس مسئلہ میں عبارات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: ابن آدم مجھے اذیت پہنچاتا ہے: امام بخاری نے اس حدیث کی اختصار کے ساتھ روایت کی ہے اور امام طبری نے اسی سند کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح روایت کی ہے کہ اہل جاہلیت اس طرح کہتے تھے: ہمیں رات اور دن فنا کرتے ہیں اور وہی ہم کو مارتے ہیں اور زندہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا:

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا۔ (الجماعیہ: ۲۴)

اور انہوں نے کہا: ہماری تو صرف یہی دنیا کی زندگی ہے ہم (اسی دنیا میں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف دہر (زمانہ) ہلاک کرتا ہے۔

پس وہ دہر کو برا کہتے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ابن آدم مجھے اذیت پہنچاتا ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا: اس کا معنی یہ ہے: وہ ایسی بات کہتا ہے کہ اس سے اس کو اذیت ہوگی جس کو اذیت ہو سکتی ہے یا جس کے لیے اذیت ممکن ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے کہ اس کی طرف اذیت پہنچے اور یہ کلام صرف مجاز پر محمول ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جس سے یہ کلام صادر ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے درپے ہوگا۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: حدیث میں مذکور ہے کہ میں دہر ہوں، اس کا معنی یہ ہے کہ میں دہر کا مالک ہوں اور ان امور کی تدبیر کرتا ہوں جن کو لوگ دہر کی طرف منسوب کرتے ہیں، پس جس نے دہر کو اس وجہ سے برا کہا کہ دہر ان کاموں کا فاعل ہے تو اس کا یہ سب و شتم درحقیقت دہر کے رب کی طرف راجع ہوگا جو ان کاموں کا فاعل ہے، دہر تو صرف زمانہ ہے جس کو ان کاموں کے وقوع کا ظرف قرار دیا ہے، اور عرب کی یہ عادت تھی کہ جب ان کوئی مصیبت پہنچتی تو وہ اس کی اضافت دہر کی طرف کرتے اور کہتے کہ دہر کے لیے تباہی اور ہلاکت ہے۔ علامہ نووی نے کہا: یہ لفظ انا الذہر ہے (پیش کے ساتھ)۔ اسی طرح اکثرین اور محققین نے اس کو

منضبط کیا ہے اور اس کو زبر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی انا اللہ ہر اور یہ زبر بر بنائے ظرفیت ہے یعنی میں دہر میں ہمیشہ باقی رہنے والا ہوں۔ اور یہ اس حدیث کے موافق ہے کہ بے شک اللہ ہی دہر ہے اور یہ مجاز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب مصائب کے نزول کے وقت دہر کو برا کہتے تھے تو آپ نے فرمایا: دہر کو برا نہ کہو کیونکہ مصائب کے نزول کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے گویا کہ آپ نے فرمایا کہ دہر کو برا نہ کہو کیونکہ جب تم اس کو برا کہو گے تو تم اللہ عزوجل کو برا کہو گے یا دہر یہاں پر دہر کے معنی میں ہے، اور امام راغب نے یہ نقل کیا ہے کہ حدیث میں جو مذکور ہے: بے شک اللہ ہی دہر ہے یہ یَسْبُ الدَّهْرُ کے علاوہ ہے کیونکہ پہلی عبارت میں دہر کا معنی زمانہ ہے اور دوسری عبارت میں دہر کا معنی ہے: تدبیر کرنے والا اور حوادث میں تصرف کرنے والا، پھر انہوں نے اس قول کو اس لیے ضعیف قرار دیا کہ اس کے اوپر کوئی دلیل نہیں ہے پھر کہا: اگر اس طرح ہوتا تو دہر کو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے شمار کیا جاتا، علامہ راغب کی عبارت ختم ہوئی۔ اور اسی طرح محمد بن داؤد نے کہا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ راء کی زبر کے ساتھ انا اللہ بھی پڑھا گیا ہے، وہ یہ کہتے تھے: اگر انا اللہ ہوتا تو دہر اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہوتا اور اس کا رد کیا گیا ہے کیونکہ یہ لازم نہیں ہے خصوصاً اس لیے کہ اس کی روایت دہر کے پیش کے ساتھ ہے۔ علامہ ابن الجوزی نے کہا: ان اللہ هو اللہ (راء کے پیش کے ساتھ) کئی وجوہ سے درست ہے۔ اولاً اس لیے کہ محدثین کے نزدیک راء کی پیش ہی منضبط ہے، ثانیاً اس لیے کہ اگر یہ لفظ انا اللہ ہوتا تو اصل عبارت یوں ہوتی کہ میں دہر ہوں کیونکہ میں دہر کو ادلتا بدلتا ہوں، پھر دہر کو برا کہنے کی علت مذکور نہ ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ خیر اور شر کو لوٹا تارہتا ہے، پس یہ مذمت کی ممانعت کو مستلزم نہیں ہے، ثالثاً جس روایت میں ہے کہ پس بے شک اللہ ہی دہر ہے اور یہ روایت پیش کو معین نہیں کرتی کیونکہ مخالف یہ کہہ سکتا ہے کہ اصل عبارت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی دہر ہے جو خیر اور شر کو لوٹا تارہتا ہے، اسی طرح ممانعت کی علت کے ذکر کو ترک کرنا بھی پیش کو متعین نہیں کرتا کیونکہ سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دہر کا کوئی گناہ نہیں ہے، سو تم اس کو برا نہ کہو۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۶-۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: محمد بن داؤد کی عبارت کو رد کرنے میں حافظ ابن حجر عسقلانی کے استاد علامہ ابن الملقن کی عبارت بہت زیادہ واضح ہے۔

انا اللہ ہر کہنے کی ممانعت کی علت کے بیان میں علامہ عینی کا تفرد

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی اس بحث میں حصہ لیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ محمد بن داؤد کا یہ قول کئی وجوہ سے باطل ہے:

(۱) یہ قول نقل کے خلاف ہے کیونکہ محققین محدثین نے اس لفظ کو پیش کے ساتھ ہی منضبط کیا ہے اور محمد بن داؤد حفاظ میں سے

ہیں اور نہ ہی علماء نقل میں سے ہیں۔

(۲) یہ لفظ احادیث صحیحہ میں متعدد الفاظ کے ساتھ وارد ہے جس سے محمد بن داؤد کی تاویل باطل ہو جاتی ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں:

یہ نہ کہو: ہائے! دہر کی ناکامی کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دہر ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے، اور صحیح مسلم میں ہے کہ دہر کو برا نہ

کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دہر ہے۔

(۳) محمد بن داؤد کی تاویل کا یہ تقاضا ہے کہ ممانعت کی علت مذکور نہ ہو کیونکہ جب فرمایا: دہر کو برا نہ کہو کیونکہ میں دہر ہوں،

رات اور دن کو لوٹا تارہتا ہوں تو گویا کہ فرمایا: دہر کو برا نہ کہو کیونکہ میں دہر کو لوٹا تارہتا ہوں کیونکہ یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ خیر اور شر کو

لوٹا تارہتا ہے اور اس کا اشیاء کو لوٹانا ان کی مذمت سے مانع نہیں ہے۔

حدیث میں ہے: مجھے ابن آدم ایذا پہنچاتا ہے، یہ قول عرب کے قول کے موافق ہے کیونکہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ دہر کو برا کہتے ہیں، وہ اپنے مردوں کو یاد کرتے وقت کہتے ہیں: ان کو دہر نے ہلاک کر دیا، وہ یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ ان اشیاء کا فاعل دہر ہے اور وہ یہ اعتقاد نہیں رکھتے کہ یہ کام اللہ کی قضاء اور قدر سے ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: حدیث میں مذکور ہے: میں رات اور دن کو لوٹا تارہتا ہوں اور یہ اس پر قوی قرینہ ہے کہ انا الدہر میں مضاف محذوف ہے اور اصل عبارت یہ ہے کہ میں دہر کا خالق ہوں اور جب معنی اس طرح ہوگا تو اللہ تعالیٰ پر یہ اطلاق کیا جائے گا کہ وہ رات اور دن کو لوٹانے والا ہے اور دہر لوٹا یا ہوا ہے، پس یہ نہیں کہا جائے گا کہ اللہ ہی مطلقاً دہر ہے کیونکہ لوٹانے والا اس کا غیر ہے جو لوٹا یا گیا ہو، اس کو بہ غور سمجھ لو کیونکہ الفتوحات الربانیہ کی وجہ سے میں اس توجیہ میں منفرد ہوں، اس وجہ سے جن افعال میں دہر کی مدح کی گئی ہے یا مذمت کی گئی ہے ان کی حقیقتاً دہر کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں ہے اور جس نے یہ عقیدہ رکھا اس کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے اور جس شخص کی زبان پر یہ الفاظ اتفاقاً جاری ہوتے ہیں اور وہ ان کی صحت کا عقیدہ نہیں رکھتا، سو وہ کافر نہیں لیکن وہ کفار کے مشابہ ہے اور جس کام سے منع کیا گیا ہے اس کا ارتکاب کر رہا ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے علامہ ابن الملقن کی عبارت پر صرف یہ اضافہ کیا ہے کہ جب دہر سے مراد مطلقاً زمانہ ہو تو اس وقت اللہ تعالیٰ پر دہر کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ رات اور دن کو لوٹانے والا ہے اور دہر لوٹا یا ہوا ہے، کیونکہ جو لوٹا یا ہوا ہو وہ لوٹانے والے کا غیر ہے۔ دہر لوٹا یا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ لوٹانے والا ہے اور اس نکتہ کو علامہ عینی نے بہت ظمطراق کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یاد رہے کہ ابو بکر بن داؤد اصفہانی نے یہ کہا تھا کہ انا الدہر میں راء پر زبر ہے کیونکہ اگر راء پر پیش ہوتا اور یہ لفظ اس طرح ہوتا انا الدہر تو پھر دہر اللہ تعالیٰ کی صفت ہوتی اور دہر اللہ تعالیٰ کا اسم ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ علامہ عینی نے یہ بتایا ہے کہ دہر لوٹا یا ہوا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کو مطلقاً دہر کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ جو لوٹا یا ہوا ہو وہ لوٹانے والے کا غیر ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الجاثیہ کی تفسیر میں جو تعلیقات اور جو حدیث ذکر کی تھی ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ امام بخاری نے سورۃ الاحقاف کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں، ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۴۶۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ حَمِ الْاَحْقَافِ

سورة (حم) الاحقاف کی تفسیر

سورة (حم) الاحقاف کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الاحقاف کی بعض آیات کی تفسیر ہے۔ صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں سورة حم الاحقاف مذکور ہے اور بعض نسخوں میں سورة الاحقاف مذکور ہے۔ ابو العباس نے کہا: یہ سورت مکی ہے اور اس میں دو آیتیں مدنی ہیں، ایک یہ ہے: قُلْ اَمَرْتُكُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهِ (الاحقاف: ۱۰) اور دوسری آیت یہ ہے: وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَوْ كَانَ خِیْرًا مَّا سَبَقُونَا اِلَیْهِ (الاحقاف: ۱۱) سورة الاحقاف میں پینتیس (۳۵) آیات ہیں۔

الکسائی نے کہا ہے کہ احقاف کا معنی ہے: ریت کے بلند ٹیلے، اس کا واحد حقف اور حفاف ہے، جیسے لبس اور لباس۔ دوسرا قول یہ ہے کہ الحفاف، الحقف کی جمع ہے اور الاحقاف جمع الجمع ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، الاحقاف عمان اور مہرہ کے درمیان ایک وادی ہے اور مقاتل سے منقول ہے کہ عاد کے چند گھریمن میں تھے حضرموت کی کسی جگہ میں جس کو مہرہ کہا جاتا تھا، اس کی طرف مہری اونٹ منسوب تھے۔ یہ لوگ قبیلہ ارم سے تھے اور ضحاک سے منقول ہے کہ الاحقاف شام کا پہاڑ ہے اور الخلیل سے منقول ہے کہ یہ بڑے بڑے ٹیلے ہیں۔

اور مجاہد نے کہا: تُفِیْضُوْنَ کا معنی ہے: تم کہتے ہو۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ تُفِیْضُوْنَ تَقُولُوْنَ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

تم اس (قرآن) کے متعلق جو کچھ کہہ رہے ہو اللہ اس کو خوب

هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ۔ (الاحقاف: ۸)

جاننے والا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تُفِیْضُوْنَ کی یہ تفسیر کی ہے: تم جو کچھ کہہ رہے ہو۔ امام طبری نے اپنی سند کے ساتھ بھی

مجاہد سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔

اور بعض نے کہا: اَثَرٌ وَاَثَرٌ وَاَثَرٌ کا معنی ہے: کسی چیز کا باقی علم۔

وَقَالَ بَعْضُهُمْ اَثَرٌ وَاَثَرٌ وَاَثَرٌ بِعِیْنِهِ مِنْ عِلْمٍ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِیْتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَا اَوْ اَثَرٌ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ

میرے پاس اس سے پہلی کوئی کتاب لاؤ یا (پہلے) علم کا کچھ بقیہ

حصہ اگر تم سچے ہو

كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ (الاحقاف: ۴)

علامہ عینی لکھتے ہیں: بعض علماء نے ان تین لفظوں کی تفسیر بقیہ کے ساتھ کی ہے، پس پہلا لفظ دوزبروں کے ساتھ ہے یعنی اَثَرٌ

اور دوسرا لفظ پیش اور جزم کے ساتھ ہے یعنی اَثَرٌ اور تیسرا لفظ اَثَرٌ ہے زبر کے ساتھ، اور امام ابو عبیدہ نے اَوْ اَثَرٌ مِّنْ عِلْمٍ کی

تفسیر بقیہ علم کے ساتھ کی ہے۔ امام طبری نے کہا ہے: جمہور کی قراءت اَشَارَۃ ہے (الف کے ساتھ) اور کلبی سے منقول ہے: اس کا معنی ہے: علم کا بقیہ جو تم پر اولین کے علوم سے واقف ہو، عرب کہتے ہیں: اس اونٹنی کے لیے اَشَارَۃ مِّن سِن ہے یعنی عمر کا بقیہ حصہ ہے اور عمر مرہ اور مقاتل نے کہا: اس کا معنی ہے: انبیاء علیہم السلام سے روایت اور اس کا مادہ اَشَر ہے جس کا معنی روایت ہے اور اس وجہ سے خبر کو اثر کہا جاتا ہے اور مجاہد سے منقول ہے: اس کا معنی ہے: وہ روایت جس کو وہ اپنے پہلوں سے نقل کرتے ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِذَعَا مِنَ الرُّسُلِ لَسْتُ بِأَوَّلِ حضرت ابن عباس نے کہا کہ بِذَعَا مِنَ الرُّسُلِ کا معنی ہے: میں پہلا رسول تو نہیں ہوں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ مَا كُنْتُ بِذَعَا مِنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرَايَ مَا يُفْعَلُ بِي ۚ آپ کہیے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں اور نہ میں از خود جانتا ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور (نہ میں از خود یہ جانتا ہوں کہ) تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس نے بِذَعَا مِنَ الرُّسُلِ کی تفسیر کی ہے کہ میں پہلا رسول نہیں ہوں، امام ابن المنذر نے بھی اس کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ أَرَأَيْتُمْ هَذِهِ الْأَلْفُ إِشَاهٍ تَوَعَّدُ بِهَا صَخْرٌ مَا تَدْعُونَ لَا يَسْتَحِقُّ أَنْ يُعْبَدَ وَلَيْسَ قَوْلُهُ أَرَأَيْتُمْ بِرُؤْيَا الْعَيْنِ إِشَاهٌ هُوَ أَتَعْلَمُونَ أَبْلَغَكُمْ أَنَّ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ خَلَقُوا شَيْئًا۔ اور حضرت ابن عباس کے علاوہ دوسروں نے کہا: أَرَأَيْتُمْ میں جو الف ہے یہ صرف وعید کے لیے ہے یعنی اگر بالفرض تمہارے شرک کا دعویٰ صحیح بھی ہو تب بھی وہ اس بات کا مستحق نہیں ہے کہ ان بتوں کی عبادت کی جائے اور أَرَأَيْتُمْ کا معنی آنکھ سے دیکھنا نہیں ہے، اس کا صرف یہ معنی ہے: کیا تم جانتے ہو، تمہیں یہ خبر پہنچی ہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو انہوں نے کسی چیز کو پیدا کیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنَ عِبَادِ اللَّهِ ذَا ظُلْمٍ بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدًا مِّنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَىٰ مِثْلِهِ فَأَمَّا وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ آپ کہیے کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کا کفر کر چکے ہو (تو پھر تمہارا کیا انجام ہو گا) اور بنی اسرائیل کا ایک شخص اس جیسی کتاب کی گواہی دے چکا ہو اور اس پر ایمان بھی لا چکا ہو اور تم نے تکبر کیا ہو (تو تمہاری عاقبت کیسی ہو گی)، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: مفسرین نے کہا کہ أَرَأَيْتُمْ کا معنی ہے: مجھے خبر دو، اور تفسیر نسفی میں مذکور ہے: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ ان کفار سے کہیے کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگر سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کی طرف سے مبعوث ہوں اور تم نے ان کا کفر کیا ہو اور بنی اسرائیل کا ایک شخص بھی ان کے برحق ہونے کی گواہی دے چکا ہو اور اس شرط کا جواب محذوف ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا تم ظالم نہیں ہو گے اور اس جواب کے محذوف ہونے کی یہ دلیل ہے کہ اس کے بعد مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

بنی اسرائیل کے ایک شخص کی تفسیر میں قتادہ اور ضحاک نے کہا ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے نبی مہدیؑ کی نبوت کی شہادت دی اور آپ پر ایمان لائے۔ مسروق نے کہا کہ اللہ کی قسم! یہ آیت عبداللہ بن سلام کے متعلق نازل نہیں ہوئی اس لیے کہ سورۃ احقاف مکہ میں نازل ہوئی ہے اور حضرت عبداللہ بن سلام مدینہ میں اسلام لائے تھے اور کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے اس شاہد سے مراد حضرت موسیٰ بن عمران علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

امام بخاری نے کہا کہ آیت ایشم کا الف وعید کے لیے ہے۔ علامہ یعنی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ آیت ایشم کے شروع میں جو الف ہے وہ کفار مکہ کی وعید کے لیے ہے کیونکہ انہوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں ان کی عبادت کرنا صحیح ہے تو اگر بالفرض ان کا یہ دعویٰ صحیح بھی ہو تو یہ بت اس کے مستحق نہیں کہ ان کی عبادت کی جائے کیونکہ وہ بت مخلوق ہیں، سو اللہ ہی عبادت کا مستحق ہے جو ہر چیز کا خالق ہے اور امام بخاری نے فرمایا آیت ایشم میں آنکھ سے دیکھنا مراد نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا تم جانتے ہو یا تم کو یہ خبر پہنچی ہے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۴۱-۲۴۰ میں کی ہے]

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا: تم پر اف ہے، تم مجھے اسی سے ڈراتے رہے ہو کہ میں قبر سے نکالا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے بہت صدیاں گزر چکی ہیں، اور وہ دونوں (ماں باپ) اللہ سے فریاد کرتے ہیں تیرے لیے ہلاکت ہو ایمان لے آ، بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے تو وہ کہتا ہے: یہ تو صرف پہلے لوگوں کے بنائے ہوئے افسانے ہیں O (الاحقاف: ۱۷) کی تفسیر

۱۔ بَابُ: وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ اف تَكْمَا
اَتَعِدَانِيْ اَنْ اُخْرِجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُونُ مِنْ
قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْبَانِ اللّٰهَ وَيَمْلِكُ امِيْنٌ ۚ اِنْ
وَعَدَ اللّٰهُ حَقًّا ۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَا اِلَّا اَسَاطِيْرُ
الْاَوَّلِيْنَ ۝ (الاحقاف: ۱۷)

آیت مذکورہ کا شان نزول اور اف اور اساطیر کی تحقیق

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر الصديق رضی اللہ عنہ کے متعلق ان کے اسلام لانے سے پہلے نازل ہوئی ہے، ان کے ماں باپ ان کو موت سے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے سے ڈراتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اس کا انکار کرتی ہیں کہ یہ آیت حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور زجاج نے کہا: جس نے یہ کہا: یہ آیت حضرت عبدالرحمن کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اس کا قول باطل ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت اس کافر کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اپنے ماں باپ کا نافرمان تھا، اس کا الواحدی اور ابن الجوزی نے ذکر کیا ہے۔

اف: یہ وہ کلمہ ہے جس کو ناراضگی کے اظہار کے قصد سے بولا جاتا ہے، جمہور نے اف کی فاء پر کسرہ اور تھوین پڑھی ہے اور

عاصم کی قراءت میں فاء پر بغیر تنوین کے زبر ہے۔

اس نے کہا: تم مجھے اس سے ڈراتے ہو کہ میں اپنے بوسیدہ ہونے اور فنا ہونے کے بعد قبر سے دوبارہ نکالا جاؤں گا اور مجھ سے پہلے اتنی صدیاں گزر چکی ہیں اور اس دوران مرنے والوں میں سے کسی ایک کو بھی دوبارہ زندہ نہیں کیا گیا اور اس کے ماں باپ اللہ سے فریاد کرتے تھے اور اس کے خلاف مدد طلب کرتے تھے اور وہ کہتے تھے: ہم تیرے خلاف اللہ سے مدد چاہتے ہیں اور تیری بات سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ اس کے ماں باپ نے کہا: تیرے لیے ہلاکت ہو تو ایمان لے آ اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کی تصدیق کر اور وہ جواب میں کہتا تھا: یہ تو صرف پہلے لوگوں کے افسانے ہیں، اس آیت میں اساطیر کا لفظ ہے، یہ اسطاز کی جمع ہے اور اسطار، سطر کی جمع ہے اور سطر کا معنی خط اور کتابت ہے۔ الجواہری نے کہا ہے: اساطیر کا معنی ہے: آباطیل اور یہ اسطور کا اور اسطارہ کی جمع ہے۔

۴۸۲۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بَشِيرٍ عَنْ يُونُسَ بْنِ مَاهُكَ قَالَ كَانَ مَرْوَانُ عَلَى الْحِجَازِ اسْتَعْمَلَهُ مُعَاوِيَةَ فَخَطَبَ فَجَعَلَ يَذْكُرُ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ لَكِنْ يُبَايِعُ لَهُ بَعْدَ أَبِيهِ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرِ شَيْئًا فَقَالَ خُذُوهُ فَدَخَلَ بَيْتَ عَائِشَةَ فَلَمْ يَقْدِرُوا فَقَالَ مَرْوَانُ إِنَّ هَذَا الَّذِي أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ وَالَّذِي ظَنَّا أَنَّهُ قَالَ لِيُؤَدِّيَهُ أَوْ لَكُمْ أَتَعِدُنِي؟ (الاحقاف: ۱۷) فَقَالَتْ عَائِشَةُ مِنْ وَرَاءِ الْحِجَابِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِينَا شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ عُذْرِي

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر از یوسف بن ماکہ وہ بیان کرتے ہیں کہ مروان حجاز کا گورنر تھا، اس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے گورنر بنایا تھا، اس نے خطبہ دیا، پس وہ یزید بن معاویہ کا ذکر کرنے لگا تا کہ اس کے والد کے بعد اس کی بیعت کی جائے، پس حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر نے اس کے متعلق کوئی سخت بات کی تو مروان نے کہا: اس کو پکڑ لو، پھر حضرت عبدالرحمن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہو گئے، پس مروان کے کارندے ان پر قادر نہ ہو سکے تو مروان نے کہا: یہ ہی وہ شخص ہے جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے: وَالَّذِي ظَنَّا أَنَّهُ قَالَ لِيُؤَدِّيَهُ أَوْ لَكُمْ أَتَعِدُنِي؟ (الاحقاف: ۱۷) اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا: تم پر اف ہے تم مجھے اسی سے ڈراتے رہے ہو) تو حضرت عائشہ نے پردہ کے پیچھے سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمارے متعلق قرآن میں کوئی چیز نازل نہیں کی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں میری براءت نازل فرمائی۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی اور مجمل الفاظ کا بیان

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پس مروان یزید بن معاویہ کا ذکر کرنے لگا: اسماعیلی نے درج ذیل عبارت کے ساتھ اس کی وضاحت کی ہے، وہ لکھتے ہیں: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ارادہ تھا کہ یزید کو خلیفہ بنائیں تو انہوں نے مروان کی طرف خط لکھا اور وہ اس وقت مدینہ کا گورنر تھا، پس اس نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور کہا: بے شک امیر المؤمنین کی یزید کے متعلق بہت عمدہ رائے ہے اور انہوں نے یزید کی بیعت کرنے کے لیے لوگوں کو دعوت دی تو حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تو صرف عیسائی بادشاہ ہرقل کا طریقہ ہے، اللہ کی قسم!

حضرت ابو بکر نے اپنی اولاد میں سے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا اور نہ اپنے شہر کے لوگوں میں سے کسی کو اپنا خلیفہ بنایا اور نہ اپنے گھر والوں میں سے کسی کو خلیفہ بنایا تو مروان نے کہا: کیا تم وہی نہیں ہو جس کے متعلق اللہ نے قرآن میں فرمایا: اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا ہے: "أُقْتُلُكُمْ"۔ اسماعیلی نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کو سن لیا تو انہوں نے فرمایا: اے مروان! تم عبد الرحمن کے متعلق اس طرح اور اس طرح کہہ رہے ہو اللہ کی قسم! یہ آیت تو صرف فلاں بن فلاں کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اگر میں اس کا نام لینا چاہوں تو لے سکتی ہوں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مروان کے باپ پر اس وقت لعنت کی تھی جب مروان اپنے باپ کی پشت میں تھا، پس مروان اللہ عز وجل کی لعنت کا ایک ٹکڑا ہے تو مروان جلدی سے منبر سے اتر اُتی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر آیا، پھر وہ حضرت عائشہ سے بات کرنے لگا اور حضرت عائشہ جواب دیتی رہیں، اور اسماعیلی کی دوسری عبارت میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس نے جھوٹ بولا، اللہ کی قسم! یہ آیت عبد الرحمن کے متعلق نازل نہیں ہوئی۔

پس عبد الرحمن بن ابو بکر نے کوئی سخت بات کی: امام بخاری نے یہ نہیں بیان کیا کہ حضرت عبد الرحمن نے مروان سے کیا کہا تھا اور اسماعیلی نے اس کی اپنی روایت میں وضاحت کی ہے کہ حضرت عبد الرحمن نے کہا: یہ تو صرف عیسائی بادشاہوں کا طریقہ ہے اور محمد بن زیاد کی روایت ہے کہ مروان نے کہا کہ یہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کا طریقہ ہے، پس حضرت عبد الرحمن نے کہا: نہیں یہ ہر قل اور قیصر کا طریقہ ہے۔

مروان نے کہا: اس کو پکڑ لو: یعنی مروان نے اپنے سپاہیوں سے کہا: اس کو پکڑ لو۔

پس حضرت عبد الرحمن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہو گئے: یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پناہ میں چلے گئے، پس وہ حضرت عبد الرحمن پر قادر نہ ہوئے: وہ حضرت عبد الرحمن کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے نکالنے پر قادر نہ ہوئے، اس کی وجہ حضرت عائشہ کی تعظیم تھی، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہونے سے باز رہے۔

مروان نے کہا: یہ وہی ہے جس کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا: تم پر اف ہے تم مجھے اسی سے ڈراتے رہے ہو" (الاحقاف: ۱۷) پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے ہمارے متعلق کوئی چیز نازل نہیں فرمائی، ہاں! میری براءت میں اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کی دس آیتیں نازل فرمائیں اور حضرت ابو بکر کے متعلق ثانی اثنتین الایۃ (انہ: ۲۰) نازل فرمائیں اور متعدد آیات نازل فرمائیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ صف ۲۴۳-۲۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو بادل کی طرح اپنی وادیوں میں آتے دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے، (نہیں) بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کو تم نے جلد طلب کیا تھا یہ زبردست آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے (الاحقاف: ۲۴) کی تفسیر

۲۔ بَابُ: فَلَمَّا رَأَوْا غَايَ صَافٍ مُّسْتَقْبِلٍ
أَوْدِيَّتِهِمْ قَالُوا هَذَا غَايَ صَافٍ مُّسَطَّرٌ نَّابِلٌ هُوَ
مَا اسْتَعَجَلْتُمْ بِهِ ۖ رَاحَتٌ فِيهَا عَذَابٌ
الْيَوْمِ ۝ (الاحقاف: ۲۴)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو بادل کی طرح اپنی وادیوں میں آتے دیکھا: کفار حضرت ہود علیہ السلام سے کہتے تھے: آپ

ہمیں جس عذاب سے ڈراتے ہیں تو ہمارے پاس وہ عذاب لے آئیں اگر آپ سچے ہیں اور یہ کہنے والے حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کے لوگ تھے، پھر جب کفار نے دیکھا کہ بادل ان کی بستیوں کی طرف بڑھ رہا ہے تو وہ خوش ہو کر کہنے لگا: یہ ہم پر بارش برسانے والا بادل ہے تو اللہ عزوجل نے فرمایا: ”(نہیں) بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کو تم نے جلد طلب کیا تھا یہ زبردست آندھی ہے۔“ یہ وہی آندھی ہے جس کو دبور بھی فرمایا ہے، اس آندھی نے خیموں کو اکھاڑ کر پھینک دیا اور راستہ میں چلنے والی عورت کو نڈی کی طرح اڑا کر بلندی پر لے گئی اور جو ان کے مویشی اور ان کے گھرتھے ان کو زمین اور آسمان کے درمیان پردوں کی طرح اڑایا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ لوگ اپنے گھروں میں داخل ہو گئے اور انہوں نے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لیے پھر آندھی نے ان کے گھروں کے دروازوں کو اکھاڑ کر پھینک دیا اور ان لوگوں کو اوندھے منہ گرا دیا اور اللہ تعالیٰ نے آندھی کو حکم دیا تو اس نے ان کے اوپر ریت کو الٹ دیا، پھر وہ سات راتیں اور آٹھ دن تک ریت میں دفن رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے آندھی کو حکم دیا تو اس نے ان کے اوپر سے ریت کو ہٹا دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ریت کو حکم دیا تو اس نے ان کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا اور یہی اس آیت کا معنی ہے:

تَدْمِرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَكِنُهُمْ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ۝

یہ آندھی اپنے رب کے حکم سے ہر چیز برباد کر دے گی، پھر وہ اس طرح ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا،

(الاحقاف: ۲۵) ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ○

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَارِضُ السَّحَابِ۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: عَارِضُ سے مراد ہے: بادل۔

علامہ یعنی فرماتے ہیں: ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے اس عذاب کو بادل کیوں کہا تھا۔

(عمدة القاری: ج ۱۹ ص ۲۴۳-۲۴۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن حنبل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو نے خبر دی کہ ابو النضر نے ان کو حدیث بیان کی از سلیمان بن یسار از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا حتیٰ کہ میں آپ کے حلق کے اوپر کا گوشت دیکھوں آپ صرف مسکراتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب آپ بادل یا آندھی کو دیکھتے تو آپ کے چہرے پر خوف کے آثار دکھائی دیتے، حضرت عائشہ کہتی ہیں: یا رسول اللہ! بے شک جب لوگ بادل کو دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں کہ اس میں بارش ہوگی اور میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ جب آپ بادل کو دیکھتے ہیں تو آپ کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! مجھے کون اس چیز سے بے خوف کرے گا کہ اس بادل میں عذاب (نہیں)

۳۸۲۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنَا عَنْ أَبِي النَّظْرِ حَدَّثَهُ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ضَاحِكًا حَتَّى أَرَى مِنْهُ لَهَوَاتِهِ إِثْمًا كَانَ يَتَّبِعُهُ۔

(صحیح البخاری: ۶۰۹۳، صحیح مسلم: ۸۹۹، سنن ابوداؤد: ۵۰۹۸)

۳۸۲۹۔ قَالَتْ وَكَانَ إِذَا رَأَى غَيْمًا أَوْ رِيحًا عَرَفَ فِي وَجْهِهِ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوْا الْغَيْمَ فَرَحُوا رَجَاءً أَنْ يَكُونَ فِيهِ الْبَطْرُ وَأَرَانِ إِذَا رَأَيْتُهُ عَرَفَ فِي وَجْهِكَ الْكَرَاهِيَةَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ مَا يُؤْمِنِي أَنْ يَكُونَ فِيهِ عَذَابٌ عَذِيبٌ قَوْمٌ بِالْبَرِّحِ وَقَدْ رَأَى قَوْمٌ الْعَذَابَ فَقَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُنْطَرِفٌ۔

ہوگا قوم عاد کو آندھی کا عذاب دیا گیا تھا اور ایک قوم بنی عذاب کو دیکھ کر کہا تھا: یہ ہم پر بارش لانے والا بادل ہے۔

اس حدیث کا شرح صحیح البخاری: ۳۲۰۶ میں گزر چکی ہے۔

لہوات کا معنی اور یہ اس حدیث کے خلاف نہیں ہے جس میں مذکور ہے کہ آپ ہنستے تو آپ کی ڈاڑھیں دکھائی دیتیں

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں: حتیٰ کہ میں آپ کے لہوات کو دیکھوں: یہ لفظ لہاۃ کی جمع ہے، یہ وہ گوشت ہے جو حلق کے اوپر کے حصہ میں ہوتا ہے۔ آپ صرف مسکراتے تھے: یہ اس حدیث کے خلاف نہیں ہے جس میں مذکور ہے کہ ”آپ ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں“۔ ڈاڑھیں ان دانتوں کو کہتے ہیں جو منہ کے شروع میں ہوتے ہیں یا کچلیوں کو کہتے ہیں اور یہ اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اس سے حلق کے اوپر کا گوشت دکھائی دے۔

آندھی کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی دعا کا بیان

آپ کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار دکھائی دیتے ہیں: عطاء نے حضرت عائشہ سے اس حدیث کے شروع کے حصہ کی روایت کی ہے، جب آندھی آتی تو رسول اللہ ﷺ یہ دعا کرتے: اے اللہ! میں تجھ سے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور جو کچھ اس میں ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور جو چیز اس کے ساتھ بھیجی گئی ہے میں اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور میں اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور جو اس میں ہے اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور جس چیز کے ساتھ اس کو بھیجا گیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور جب آسمان پر بادل چھا جاتے تو آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا، آپ گھر سے نکلتے اور داخل ہوتے اور آگے بڑھتے اور پیچھے آتے، پھر جب بارش ہو جاتی تو آپ کے چہرے سے خوف اور گھبراہٹ کے آثار دور ہو جاتے۔ اس حدیث کی امام مسلم نے کافی طویل عبارت کے ساتھ روایت کی ہے، یہ حدیث بدائع الخلق میں گزر چکی ہے اور کتاب الاستسقاء کے اخیر میں حضرت انس کی روایت سے گزر چکی ہے۔

اس اشکال کا جواب کے سورۃ احقاف کی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قوم کو آندھی کے ساتھ عذاب دیا گیا

تھا وہ اس کی غیر ہے جس نے کہا تھا کہ یہ بارش لانے والا بادل ہے

ایک قوم کو آندھی کے ساتھ عذاب دیا گیا اور ایک قوم نے عذاب کو دیکھا تو کہا: یہ بارش لانے والا بادل ہے: اس حدیث کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو آندھی سے عذاب دیا گیا تھا وہ ان کے غیر ہیں جنہوں نے کہا تھا: یہ بارش لانے والا بادل ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب نکرہ مکرر ہو تو ثانی اول کا غیر ہوتا ہے، لیکن اس باب کی آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو آندھی سے عذاب دیا گیا تھا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے آندھی کو دیکھ کر یہ کہا تھا کہ یہ بارش لانے والا بادل ہے۔ قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں:

وَإِذْ كُنَّا خَاِعًا ۖ إِذْ أَنْزَلْنَا قَوْمَهُ بِآلَا خَقَافٍ۔ اور (اے رسول مکرّم!) عاد کے ہم قبیلہ (ہود) کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنی قوم کو احقاف (ریگستانی ہستی) میں اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔

سے ڈرایا۔

فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُّطَرٌّ نَّاءٌ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ رَٰهِيْجٌ فِيْهَا عَذَابٌ أَلِيْمٌ ۝ (الاحقاف: ۲۴)

پھر جب انہوں نے اس عذاب کو بادل کی طرح اپنی وادیوں میں آتے دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے (نہیں) بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کو تم نے جلد طلب کیا تھا، یہ

زبردست آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے ○

علامہ کرمانی نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے: یہ قاعدہ مذکورہ (نکرہ جب مکررہ ہو تو ثانی غیر اولیٰ ہوتا ہے) اس وقت جاری ہوتا ہے جب عبارت میں ایسا قرینہ نہ ہو جو اس پر دلالت کرے کہ ثانی اول کا عین ہے، اگر وہاں پر قرینہ ہو تو پھر ثانی سے مراد اول کا عین ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ ۚ (الاحقاف: ۸۴) مستحق ہے۔

اور وہی آسمان میں عبادت کا مستحق ہے اور وہی زمین میں عبادت کا مستحق ہے۔

اور یہ معلوم ہے کہ جو زمین اور آسمان میں عبادت کا مستحق ہے وہ ایک ہے۔ اللہ وحدہ لا شریک لہ۔ پھر علامہ کرمانی نے لکھا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عاد کی دو قومیں ہوں، ایک وہ قوم جو احقاف (ریگستانی) بستی میں تھی اور یہ وہی ہیں جنہوں نے آندھی کو دیکھ کر کہا: یہ بارش لانے والا بادل ہے۔

یہ جواب ہر چند کہ بعید ہے لیکن اس کا احتمال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النجم میں فرمایا:

وَإِنَّا أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ۝ (النجم: ۵۰)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی قوم عاد کے علاوہ کوئی دوسری قوم عاد بھی ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الاحقاف کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ محمد کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں، ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۴۔ تفسیر سورۃ محمد

سورۃ محمد کی تفسیر

سورۃ محمد (سُورَةُ مُحَمَّدٍ) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ محمد (سُورَةُ مُحَمَّدٍ) کی بعض آیات کی تفسیر ہے، ابوالعباس نے سدی کی روایت سے کہا ہے کہ یہ سورت مکی ہے، پھر کہا: ہم کو جو عام خبریں پہنچی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور اس سورت میں اڑتیس (۳۸) آیات ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی بعض آیات سے پتا چلتا ہے کہ یہ سورۃ مدنی ہے جیسا کہ (محمد: ۳-۲۱-۲۹-۳۰)۔ (سعیدی غفرلہ) اَوْذَارَهَا أَشَامَهَا حَتَّى لَا يَنْتَقِيَ إِلَّا مُسْلِمٌ۔ اَوْذَارَهَا اس کا معنی ہے: اس قوم کے گناہ حتیٰ کہ مسلمان کے سوا کوئی باقی نہ رہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّى إِذَا
أَخْتَضُّوهُمُ قُلُودًا أَوْ مَتَابِعُودًا فَاصْلَوْهُمْ
حَتَّى تَصْعَدَ الْخَرْبُ أَوْذَارَهَا۔ (محمد: ۳)

سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مار دو حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا چکو تو ان کو مضبوطی سے گرفتار کر لو (پھر تم کو اختیار ہے) خواہ تم ان پر احسان کر کے ان کو (بلا معاوضہ) چھوڑ دو، یا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو حتیٰ کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اَوْذَارَهَا کی تفسیر أَشَامَهَا یعنی اس کے گناہوں کے ساتھ کی ہے، پس امام بخاری کی تفسیر کے طور پر اَوْذَارُ، وُزْرُہ کی جمع ہے اور أَشَامُ، اِشْم کی جمع ہے، علامہ ابن التین نے کہا ہے: یہ تفسیر امام بخاری کے سوا اور کسی نے نہیں کی اور معروف تفسیر یہ ہے کہ اَوْذَارَهَا سے مراد اسلحہ اور ہتھیار ہیں، علامہ عینی فرماتے ہیں: پس اس صورت میں اَوْذَارُ، وُزْرُہ کی جمع ہے جس کا معنی ہتھیار ہیں، اور لغت کی کتاب مغرب میں مذکور ہے کہ وُزْرُہ کا معنی وزنی بوجھ ہے اور اس کے موافق قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وُزْرَ ثَانِيَةٍ أَوْ نَزِلُوا فِي الْأَخْزَاسِ۔ (الانعام: ۱۶۳)

یعنی کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، عرب کہتے ہیں: وَضَعْتَ الْخَرْبَ اَوْذَارَهَا یعنی جنگ ختم ہو گئی اور فریقین نے اپنے اپنے ہتھیار رکھ دیئے، اس وجہ سے ہتھیاروں کو وُزْرُہ یعنی بوجھ کہتے ہیں۔

اس تفصیل سے علامہ ابن التین کا کلام قوی ہوتا ہے اور امام بخاری کا کلام علامہ ثعلبی کی تفسیر سے قوی ہوتا ہے، انہوں نے کہا ہے: أَشَامَهَا سے مراد ہے: فریقین کے جرائم کیونکہ جنگ میں کسی ایک فریق کا جرم اور گناہ ہوتا ہے، پھر جب جنگ ختم ہو جاتی ہے تو ان کے جرائم بھی ختم ہو جاتے ہیں، پھر علامہ ثعلبی نے کہا: حتیٰ کہ جنگ اپنے ہتھیاروں کو رکھ دے اور جنگ کو چھوڑ دے اور حرب سے

مراد لڑنے والی قوم ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: حتیٰ کہ لڑنے والی قوم اپنے ہتھیاروں اور اپنے گناہوں کو چھوڑ دے، بایں طور کہ وہ کفر سے توبہ کر لیں اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئیں۔ علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تفصیل سے تم کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ امام بخاری کے کلام اور علامہ ابن التیم کے کلام دونوں کی توجیہ ہو سکتی ہے۔

عَزَّ فَهَآ بَيِّنَهَا۔ عَزَّ فَهَآ اس کا معنی ہے: بَيِّنَهَا یعنی ان کو اس کی پہچان کرا دے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَيُذْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَفَهَا لَهُمْ ① (محمد: ۶)

اور ان کو جنت میں داخل کر دے گا جس کی ان کو پہچان کرا دی ہے ○ علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے عَزَّ فَهَآ کی تفسیر کی ہے کہ وہ اس کا بیان کر دے گا۔ علامہ ثعلبی نے اس کی تفسیر میں کہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اہل جنت کے لیے ان کے گھروں کا بیان کر دے گا حتیٰ کہ ان کو اپنے گھر اور اپنے درجات کی پہچان ہو جائے گی اور انہیں کوئی اور ان کے گھروں کی رہنمائی نہیں کرے گا حتیٰ کہ یوں معلوم ہوگا کہ وہ جب سے پیدا ہوئے ہیں ان گھروں میں رہنے والے ہیں۔ وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَلِيَّهُمْ۔ اور مجاہد نے کہا: مومنین کے مولیٰ کا معنی ہے: ان کا ولی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكُفْرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ ② (محمد: ۱۱)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہے ○ علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مولیٰ کی تفسیر ولی کے ساتھ کی ہے اور امام طبری نے بھی اپنی سند سے اس کی روایت کی ہے۔ قِيَادًا عَزَمَ الْأَمْرَ أَيْ جَدَّ الْأَمْرَ۔ عَزَمَ الْأَمْرَ کا معنی ہے معاملہ پختہ ہو گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ ③ قِيَادًا عَزَمَ الْأَمْرَ ④ فَلَوْ صَدَقُوا ⑤

اللَّهُ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ⑥ (محمد: ۲۱)

اللہ کی اطاعت کرنا اور نیک بات کہنا (زیادہ بہتر ہے)، پس جب جہاد کا قطعی حکم آگیا تو اگر وہ اللہ کے ساتھ سچے رہتے تو ان کے حق میں زیادہ بہتر تھا ○ علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے عَزَمَ الْأَمْرَ کی تفسیر کی ہے: جَدَّ الْأَمْرَ یعنی جب جہاد کا قطعی حکم آجائے۔ ابونجیح نے بھی اس کی مثل مجاہد سے روایت کی ہے۔

فَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا۔ فَلَا تَهِنُوا اس کا معنی ہے: تم کمزور نہ پڑنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَا تَهِنُوا وَتَبَذُّوا إِلَى السَّلَامِ ⑦ وَأَنْتُمْ لَا عَلَوْنَ ⑧

سو (اے مسلمانو!) تم بہت نہ ہارو اور ان کو صلح کی دعوت نہ دو اور تم ہی غالب رہو گے (محمد: ۳۵)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے فَلَا تَهِنُوا کی تفسیر کی ہے: لَا تَضَعُوا یعنی تم کمزور نہ پڑھنا، مجاہد نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے۔ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَضْعَانَهُمْ حَسَدَهُمْ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: أَضْعَانَهُمْ کا معنی ہے: ان کا حسد۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَمَرَ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ أَصْغَانَهُمْ ① (محمد: ۲۹)

گمان کر رکھا ہے کہ اللہ ان کے دلوں کے کینہ کو ظاہر نہیں فرمائے گا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے أَصْغَانِ کی تفسیر حسد کے ساتھ کی ہے اور أَصْغَانِ، ضِغْنِ کی جمع ہے جس کا معنی کینہ اور حسد ہے اور فِي قُلُوبِهِمْ کی ضمیر منافقین کی طرف راجع ہے۔

آسِنٌ مُتَغَيِّرٌ۔ آسِنٌ کا معنی ہے: متغیر۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ - فَيُفَاءُ آلَتُهُمْ مِنْ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ② (محمد: ۱۵)

جس جنت کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس میں ایسے دریا ہیں جن کا پانی متغیر نہیں ہوتا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی جنت کے دریاؤں کا پانی متغیر نہیں ہوتا۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۴۶-۲۴۵ میں کی ہے]

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور رشتہ توڑ ڈالو گے۔

۱۔ بَابُ: وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ

(محمد: ۲۲) کی تفسیر

(محمد: ۲۲)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے پوری آیت ذکر نہیں کی پوری آیت اس طرح ہے:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ ③ (محمد: ۲۲)

تم سے یہ بعید نہیں ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور رشتے توڑ ڈالو گے O

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں خالد بن مخلد نے حدیث بیان کی: انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے معاویہ بن ابی مزرد نے حدیث بیان کی از سعید بن یسار از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا، جب وہ اس سے فارغ ہو گیا تو رحم کھڑا ہو گیا اور اس نے رحم کے ازار باندھنے کی جگہ کو پکڑ لیا، اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا: ٹھہرو تو رحم نے کہا: یہ رشتہ توڑنے سے تیری پناہ میں آنے والے کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تو اس سے راضی نہیں ہے کہ جو تجھ کو جوڑے میں اس کو جوڑوں اور جو تجھ کو توڑے میں اس کو توڑ دوں۔ رحم نے عرض کی: ہاں! اے میرے رب! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر ایسا ہی ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: فَهَلْ

۴۸۳۰۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي مُزَرَّدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ خَلَقَ اللَّهُ الْخَلْقَ فَلَمَّا فَرَّغَ مِنْهُ قَامَتِ الرَّحِمُ فَأَخَذَتْ بِحَقْوِ الرَّحْمَنِ فَقَالَ لَهُ مَهْ قَالَتْ هَذَا مَقَامُ الْغَائِبِ بِكَ مِنَ الْقَطِيعَةِ قَالَ أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكَ وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكَ قَالَتْ بَنَى يَا رَبِّ قَالَ فَبَنَى

[صحیح البخاری: ۴۸۳۱-۴۸۳۲-۵۹۸۷-۷۵۰۲]

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ الرَّحْمَةُ إِنْ شِئْتُمْ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ

تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾ (محمد: ۲۲) تم سے یہ بعید نہیں ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور رشتہ توڑ ڈالو گے (۲۰)

رحم کا معنی، اور اس کے کھڑے ہونے اور بات کرنے کی توجیہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رحم کھڑا ہو گیا: رحم کا معنی ہے: قربت اور یہ لفظ رحمت سے سے ماخوذ ہے، وہ ایک عرض ہے جس کو جسم میں رکھ دیا گیا ہے، اس وجہ سے اس نے کھڑے ہو کر کلام کیا۔

قاضی عیاض نے کہا: ہو سکتا ہے رحم کے کھڑے ہونے سے کسی فرشتہ کا کھڑا ہونا مراد ہو، رحم عرش کے ساتھ معلق ہو گیا اور اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ سے کلام کرے اور علامہ قرطبی نے کہا: رحم کو جوڑا جاتا ہے اور توڑا جاتا ہے۔ یہ معانی میں سے ایک معنی ہے، اس کا نہ قیام ہو سکتا ہے اور نہ اس کا کلام ہو سکتا ہے، پس اس حدیث سے مراد اس کی تعظیم اور فضیلت ہے اور یہ بیان کرنا ہے کہ رحم کو توڑنا بہت بڑا گناہ ہے۔

پس رحم رحم کے ازار باندھنے کی جگہ کو پکڑ لے گا: اور طبری کی روایت میں ہے: رحم کے ازار باندھنے کی دو جگہوں کو پکڑ لے گا یعنی یہ روایت تشبیہ کے ساتھ ہے۔ علامہ طبری نے کہا: اس میں تشبیہ تاکید کے لیے ہے کیونکہ پناہ لینے کے لیے دو ہاتھوں کو پکڑنا ایک ہاتھ کے پکڑنے سے زیادہ مؤکد ہے۔

الحقو کا معنی اور اس میں استعارہ تخیلیہ اور ترشیحیہ

الحقو: کا معنی ہے: ازار باندھنے کی جگہ، قاضی عیاض نے کہا ہے: الحقو ازار باندھنے کی جگہ ہے اور یہ وہ جگہ ہے جہاں سے پناہ طلب کی جاتی ہے اور علامہ طبری نے کہا ہے: یہ قول استعارہ تخیلیہ پر مبنی ہے، رحم کے لیے مجاز بالاستعارہ کیا گیا جب وہ اللہ سے رشتہ توڑنے کے سبب پناہ طلب کرتا ہے، پس گویا کہ رحم جو جوڑنے کا محتاج ہوتا ہے اس کی اس حالت کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو ازار باندھنے کی جگہ کو پکڑ کر پناہ طلب کرتا ہے اور اس میں استعارہ تخیلیہ ہے یعنی مشبہ بہ کے لوازم کو مشبہ کے لیے ثابت کرنا اور یہ اس پر قرینہ ہے کہ یہاں پر حقیقی معنی مراد نہیں ہے اور اس میں ازار باندھنے کی جگہ کا ذکر ہے اور رحم کے پکڑنے کا اور اس کے بات کرنے کا اور یہ استعارہ ترشیحیہ ہے۔

مہ: یعنی رحم سے کہے گا: مہ یعنی رک جاؤ، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رحم کو حکم دے گا: تم اپنی حاجت کا اظہار کرو اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کو طلب کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر راز کی اور چھپی ہوئی بات کو جاننے والا ہے۔

کن رشتوں کو جوڑنا واجب ہے اور کن رشتوں کو جوڑنا مستحب ہے

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں اس سے تعلق جوڑوں جو تم کو جوڑتا ہو اور اس سے تعلق توڑ دوں جو تم کو توڑتا ہو: جوڑنے کا معنی ہے: شفقت اور مہربانی اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر فضل ہے اور ان پر رحمت اور مہربانی ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ رشتوں کو جوڑنا واجب ہے اور رشتوں کو توڑنا گناہ کبیرہ ہے اور اس باب میں احادیث ہیں جو اس پر شاہد ہیں لیکن رشتوں کے جوڑنے کے درجات ہیں اور ان میں سے بعض بعض پر بلند ہیں اور رشتہ جوڑنے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ بندہ قطع تعلق

کو ترک کرے اور بات چیت جاری رکھے خواہ سلام ہی کرے اور اس کا حکم قدرت اور ضرورت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض واجب ہیں اور بعض مستحب ہیں، اگر اس نے اس پر اقتصار کیا جس پر وہ قادر ہے تو اس کو جوڑنے والا کہنا چاہیے۔ اس میں اختلاف ہے کہ وہ کون سے رشتے ہیں جن کو جوڑنا واجب ہے؟ پس ایک قول یہ ہے کہ بردہ رشتہ جو محرم ہو یعنی ان میں سے ایک مذکر ہو اور دوسرا مونث ہو اور ان کے درمیان نکاح حرام ہو جیسے سگے بھائی بہن اس بناء پر چچا کی اولاد میں اور ماموں کی اولاد میں رشتوں کو جوڑنا واجب نہیں ہے کیونکہ اس میں عورت اور اس کی بہن کو اور پھوپھی اور اس کی بہن کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ تمام رشتوں کو جوڑنا واجب ہے خواہ وہ عصبات ہوں یا ذوی الارحام ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی: تم سے یہ بعید نہیں ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور رشتے توڑ ڈالو گے۔ اس کے بعد فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی تو ان کو بہرہ بنادیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ (محمد: ۲۳-۲۴)

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور لوگوں پر ظلم کرو گے، یہ آیت بنو امیہ اور بنو ہاشم کے متعلق نازل ہوئی۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۲۳۸)

آیت مذکورہ سے یزید پر لعنت کے جواز پر استدلال اور اس پر جمہور کا موقف

میں کہتا ہوں کہ علامہ آلوسی نے اس آیت سے یزید کے کفر پر استدلال کیا ہے کہ جب اس کو حکومت مل گئی تو اس نے رشتوں کو توڑ ڈالا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر ظلم کیا اور اس کے کارندوں نے امام حسین اور ان کے رفقاء کو شہید کیا اور اس آیت میں ایسا کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے، سو اس آیت سے یزید کے اوپر لعنت کرنے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے، ہر چند کے جمہور مسلمین نے کسی پر شخصی لعنت کرنے سے منع کیا ہے اور یزید کے مسئلہ میں توقف کیا ہے۔

لعن یزید کے سلسلہ میں علامہ آلوسی کی مفصل تحقیق

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے کہا ہے: کسی معین عاصی پر لعنت کرنا جائز ہے اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے، پس جمہور کا موقف یہ ہے کہ کسی معین شخص کے اوپر لعنت کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ فاسق ہو یا ذمی ہو، زندہ ہو یا مردہ ہو اور اس کی کفر پر موت کا یقین نہ ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کا خاتمہ اسلام پر ہو، اس کے برخلاف وہ شخص ہے جس کی کفر پر موت کا یقین ہو جیسے ابو جہل۔

شیخ الاسلام السراج البلقینی کا مذہب یہ ہے کہ عاصی معین پر لعنت کرنا جائز ہے کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے، پھر وہ آنے سے انکار کر دے اور وہ مرد غصہ میں رات گزارے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں، مگر اس استدلال پر یہ اعتراض ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ فرشتے اس پر خصوصیت سے لعنت نہ کرتے ہوں بلکہ بالعصوم لعنت کرتے ہوں کہ اس عورت پر اللہ لعنت فرمائے جو رات کو اپنے شوہر کو بستر پر چھوڑے رکھے۔

اور الزواج میں مذکور ہے کہ صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے گدھے کے پاس سے گزرے جس کے چہرے پر داغ لگا یا کیا تھا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جس نے ایسا کیا تھا تو اس حدیث سے شخص معین پر لعنت کرنے کا جواز زیادہ ظاہر ہے۔

اس بناء پر یزید پر لعنت کرنے میں کوئی توقف نہیں ہے کیونکہ اس کے اوصاف خبیث بہت زیادہ ہیں اور اس کے ایام حکومت

میں کبار کا ارتکاب بھی بہت زیادہ ہے اور اس پر لعنت کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ اس نے اپنے غلبہ کے ایام میں اہل مدینہ اور اہل مکہ کے ساتھ ظلم کیا۔ امام طبرانی نے سند حسن کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے یہ دعا کی: اے اللہ! جو اہل مدینہ پر ظلم کرے اور ان کو دھمکائے تو تو اس کو دھمکا اور اس پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی، اس کا نہ فرض قبول کیا جائے اور نہ نفل، اور یزید نے اہل بیت پر جو ظلم کیا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی ہوا اور اس پر خوش ہوا اور اس نے اہل بیت کی اہانت کی جو معنایاً متواتر ہے ہر چند ان کی تفصیل اخبار احاد سے ہیں اور حدیث میں ہے: چھ مردوں پر میں نے لعنت کی ہے اور اللہ نے ان پر لعنت کی ہے اور ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے:

(۱) اللہ کی کتاب میں تحریف کرنے والا (۲) اللہ کی تقدیر کی تکذیب کرنے والا (۳) اور طاقت سے حکومت کرنے والا تاکہ اس کو عزت دے جس کو اللہ نے ذلیل کیا اور اس کو ذلیل کرے جس کو اللہ نے عزت دی (۴) اللہ کی حرمت کو حلال کرنے والا (۵) اور میری آل پر ظلم کو حلال کرنے والا (۶) اور میری سنت کو ترک کرنے والا۔

علماء کی ایک جماعت نے وثوق کے ساتھ یزید کی تکفیر کی ہے اور اس پر لعنت کی تصریح کی ہے، ان میں سے ناصر السنہ ابن الجوزی ہیں اور قاضی ابویعلیٰ ہیں اور علامہ تفتازانی نے کہا کہ ہم یزید کے معاملہ میں کوئی توقف نہیں کرتے بلکہ اس کے ایمان میں بھی کوئی توقف نہیں کرتے، اس پر اور اس کے اعموان و انصار پر اللہ کی لعنت ہو اور جنہوں نے اس پر لعنت کی تصریح کی ہے ان میں سے علامہ جلال الدین سیوطی ہیں اور وہ تاریخی روایات میں ہے کہ جب عراق سے قیدیوں کو یزید کے پاس لایا گیا تو وہ باہر نکلا اور حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد سے اس حال میں ملا کہ ان کے سرہائے مبارک نیزوں کے اطراف پر تھے، جب اس نے ان کو دیکھا تو کوا کائیں کاغیس کرنے لگا تو اس نے ایک شعر پڑھا:

جب یہ لوگ ظاہر ہوئے اور ان کے سروں کو نیزوں پر بلند کیا گیا تو کوا کائیں کاغیس کرنے لگا۔

میں نے کہا: کوا کچھ بولے یا نہ بولے میں نے تو رسول سے اپنے پرانے قرضوں کو وصول کر لیا۔

یعنی یزید نے آپ کی آل کو قتل کر کے ان کا بدلہ لے لیا جن کو رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر میں قتل کیا تھا جیسے اس کا ماننا سبہ اور اس کا ماموں عتبہ کا بیٹا وغیرہ، پس جب اس شعر کی نقل صحیح ہو تو یہ اس کا صریح کفر ہے۔

اور امام غزالی عفا اللہ عنہ نے فتویٰ دیا کہ یزید پر لعنت کرنا حرام ہے اور سفارینی حنبلی نے ان پر تعاقب کیا اور امام احمد اور ان کے اصحاب نے کہا: اس پر خصوصیت سے لعنت کرنا جائز نہیں ہے اور اس میں ابوالحسین اور ابن الجوزی وغیرہ کا اختلاف ہے۔

جو شخص قیل اور قال سے ڈرتا ہو اور اس پر صریح لعنت کرنے سے احتیاط کرتا ہو اس کو یوں کہنا چاہیے کہ اللہ اس شخص پر لعنت کرے جو حضرت حسین کے قتل پر راضی ہو اور جس نے نبی ﷺ کی عترت کو ناحق اذیت پہنچائی اور جس نے ان کا حق غصب کیا اور ان الفاظ کے ساتھ یزید پر لعنت کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے سوا ابن عربی اور ان کے موافقین کے کیونکہ ان سے یہ منقول ہے کہ وہ اس پر اس طرح بھی لعنت کرنے کو جائز نہیں کہتے اور مجھے میری عمر کی قسم! یہ صریح گمراہی ہے اور یزید کی گمراہی سے زیادہ

ہے۔ (روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۱۱-۱۰۸، ملخصاً دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

۳۸۳۱۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمَزَةَ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ عَنْ

مُعَاوِيَةَ قَالَ حَدَّثَنِي عَنِّي أَبُو الْحُبَابِ سَعِيدُ بْنُ

كَيْسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ بِهَذَا شَأْنٍ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن حمزہ نے حدیث

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حاتم نے حدیث بیان کی از معاویہ،

انہوں نے کہا: مجھے میرے چچا ابوالحباب سعید بن یسار نے حدیث

اقْرَؤْ اِنْ شِئْتُمْ فَهَلْ عَسَيْتُمْ۔

بیان کی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان الفاظ کے ساتھ، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: فَهَلْ عَسَيْتُمْ۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی دوسری سند ہے اور ان الفاظ کے ساتھ کا مطلب ہے: اس حدیث کے ساتھ جس کا اس سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

۳۸۳۲۔ حَدَّثَنَا بَشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ أَخْبَرَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي الْمَزَرْدِ بِهَذَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَاقْرَؤْ اِنْ شِئْتُمْ فَهَلْ عَسَيْتُمْ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں بشر بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معاویہ بن ابی المزرد نے خبر دی اس حدیث کے ساتھ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو تو پڑھو: فَهَلْ عَسَيْتُمْ۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے۔

الحمد لله رب العالمین سورۃ محمد (ص) کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ امام بخاری نے سورۃ الفتح کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۲۸۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْفَتْحِ

سورة الفتح کی تفسیر

سورة الفتح کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الفتح کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت مدنی ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ سورت المدینہ اور المدینہ کے درمیان نازل ہوئی ہے جب آپ المدینہ سے واپس جا رہے تھے یا کراغ التمیم میں نازل ہوئی ہے اور فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ فتح سے مراد فتح مکہ ہے، سورة الفتح میں اسی (۲۹) آیات ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ بَوْرًا هَالِكِينَ اور مجاہد نے کہا: بُورًا کا معنی ہے: ہلاک ہونے والے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ كُنتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝ (الفتح: ۱۲) اور تم نے بہت برا گمان کیا تھا اور تم ہلاک ہونے والے لوگ تھے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے بُورًا کی تفسیر ہالکین کے ساتھ کی ہے یعنی فساد کرنے والے جو کسی چیز کی اصلاح نہ کریں یہ بار سے ماخوذ ہے اور یہ لفظاً اور معناً ہالک کی مثل ہے، یہ واحد، جمع اور مذکر اور مونث کی صفت آتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بائو کی جمع ہو، علامہ نسفی نے کہا ہے کہ تم ایسی قوم تھے جو اپنی جانوں میں اور اپنے دلوں میں اور اپنی نیتوں میں فساد کرنے والے تھے تم میں کوئی خیر نہیں تھی اور تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہلاک ہونے والے تھے، اس کی ناراضگی اور اس کے عذاب کے مستحق تھے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ سَيِّئًا هُمْ فِي دُجُوهِهِمْ السَّحْنَةُ وَقَالَ مَنصُورٌ عَنْ مُجَاهِدٍ الشَّوْاضِعُ۔ اور مجاہد نے کہا: سَيِّئًا هُمْ فِي دُجُوهِهِمْ میں سیئہ کا معنی السحنہ ہے یعنی کھال کی نرمی اور تازگی۔ اور منصور نے کہا از مجاہد: اس کا

معنی ہے: التواضع یعنی انکسار اور عجز۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

سَيِّئًا هُمْ فِي دُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ۔ (الفتح: ۲۹) سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر ان کی نشانی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے سیئہ کی تفسیر السحنہ کے ساتھ کی ہے، علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ السحنہ چہرے کی کھال اور اس کی کیفیت اور حال کو کہتے ہیں، السحنہ میں س پر زبر بھی پڑھا گیا ہے اور زیر بھی اور مد کے ساتھ السحناء بھی پڑھا گیا ہے، قاضی عیاض نے کہا ہے: اہل لغت کے نزدیک یہی صحیح ہے، اس تعلق کی اسماعیلی نے اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کی ہے۔

اور منصور نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ سَيِّئًا کا معنی تواضع ہے۔

یعنی منصور بن المعتمر نے مجاہد سے یہ تفسیر نقل کی ہے کہ ان کی علامت تواضع ہے، یہ تفسیر امام ابن ابی حاتم نے نقل کی ہے کہ

سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں میں خشوع اور تواضع ہے۔

شَطَاةٌ فَرَاحَةٌ۔ شَطَاةٌ کا معنی ہے: پودے کی ابتدائی کوئیل۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَزَّرْنَا أَخْوَاجَ شَطَاةٍ۔ (الفتح: ۲۹)

علامہ عینی لکھتے ہیں: الانفخش نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے جب کھیتی اپنی کوئیل نکالے تو کہا جاتا ہے: أَشْطَا الزَّرْعُ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شَطَاةٌ کا معنی ہے: اس کی نبات، اور سدی سے منقول ہے کہ اس کے ساتھ ایک اور بار یک پودا نکل آئے۔ فَاسْتَغْلَظَ غُلَظً۔ فَاسْتَغْلَظَ کا معنی ہے: قوی ہو گیا اور طاقت ور ہو گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَزْرَأَ فَاسْتَغْلَظَ۔ (الفتح: ۲۹)

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس کا معنی ہے: غُلَظَ یعنی وہ پودا موٹا ہو گیا اور قوی ہو گیا۔

سُوقِهِ اسْتَأَقَّ حَامِلَةَ الشَّجَرَةِ۔ سُوقِهِ السَّاقِ کا معنی ہے درخت کو اٹھانے والا یعنی تانا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ۔ (الفتح: ۲۹)

علامہ عینی لکھتے ہیں: سوق ساق کی جمع ہے، امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے: درخت کو اٹھانے والا تانا۔

وَيُقَالُ ذَائِرَةُ الشَّوْءِ كَقَوْلِكَ رَجُلٌ الشَّوْءِ وَذَائِرَةُ الشَّوْءِ جِيسَ تَهْبَارُ اقُولُ هُ: رَجُلٌ الشَّوْءِ یعنی برا آدمی اور ذَائِرَةُ الشَّوْءِ کا معنی ہے: بری گردش یعنی عذاب۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَيُعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتُ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتُ ظُلُمَ الشَّوْءِ عَلَيْهِمْ ذَائِرَةُ الشَّوْءِ۔ (الفتح: ۶)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے ذَائِرَةُ الشَّوْءِ کی تفسیر عذاب کے ساتھ کی ہے، اسی طرح امام ابو عبیدہ نے اس کی تفسیر کی ہے، دوسرا قول ہے کہ دائرہ کا معنی ہے: ہلاکت، جمہور نے السوء کی قرأت س کے زبر کے ساتھ کی ہے اور ابو عمرو اور ابن کثیر نے اس کی قرأت پیش کے ساتھ کی ہے یعنی الشَّوْء۔

تَعَزُّوْهُ تَنْصُرُوْهُ۔ تَعَزُّوْهُ کا معنی ہے: تَنْصُرُوْهُ یعنی تم ان کی مدد کرو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَكُمْ مِّنْهُ مَالٌ وَنَسُوْلُهُ وَتَعَزُّوْهُ وَكُلُوْا مِنْهُ۔ (الفتح: ۹)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تَعَزُّوْهُ کی تفسیر تنصردہ کے ساتھ کی ہے یعنی تم ان کی مدد کرو، اسی طرح امام عبدالرزاق نے از معمر از قتادہ روایت کی ہے اور مکرّم سے روایت ہے کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تلواریں سے قتال کرو اور الشعلبی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم ان کی مدد کرو اور ان کی تعظیم اور توقیر کرو اور اس پر

وقف تام ہے۔

شَطَاةٌ شَطَوُ السُّبُلِ تَنْبُتُ الْحَبَّةُ عَشْرًا وَ مِائِيًا وَ سَبْعًا فَيَقْوَى بَعْضُهُ بِبَعْضٍ فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى فَأَزْرَاهُ قَوَاهُ وَلَوْ كَانَتْ وَاحِدَةً لَمْ تَقُمْ عَلَى سَاقٍ وَهُوَ مِثْلُ ضَرْبِهِ اللَّهُ لِلنَّبِيِّ ﷺ إِذْ خَرَجَ وَحْدَهُ ثُمَّ قَوَاهُ بِأَصْحَابِهِ كَمَا قَوَّى الْحَبَّةُ بِمَائِيَّتِهَا مِنْهَا۔

شَطَاةٌ خوشہ کی کوئیل جو دس یا آٹھ یا سات خوشے اگاتی ہے، پس بعض خوشے دوسرے بعض خوشوں سے قوی ہو جاتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق ہے: فَأَزْرَاهُ (الفتح: ۲۹) پس اس کو قوت دی اور اگر وہ ایک خوشہ ہوتا تو وہ اپنی شاخ پر کھڑا نہ ہوتا، اللہ تعالیٰ نے یہ مثال نبی ﷺ کے لیے بیان کی ہے کہ آپ (دین کی تبلیغ کے لیے) تنہا نکلے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے اصحاب کے ساتھ قوت دی جس طرح ایک دانہ کو دوسرے دانوں کے ساتھ قوت دیتا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں یہ تعلیق مذکور نہیں ہے اور نہ شارحین اس تعلیق کی شرح کے درپے ہوئے ہیں۔ امام بخاری نے کہا: وہ دس یا آٹھ یا سات دانے اگاتا ہے یعنی ایک دانہ دس خوشے اگاتا ہے اور کبھی سات خوشے اگاتا ہے، جیسے دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے:

كَمْ مِثْلِ حَبَّةِ آتَبَتْ سَبْعًا سَائِلًا۔ (البقرہ: ۲۶۱)

امام بخاری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے یہ مثال نبی ﷺ کے لیے بیان کی ہے۔

اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب کے لیے یہ مثال بیان کی ہے کہ وہ ابتداء میں تھوڑے تھے، پھر وہ زیادہ اور کثیر ہو گئے اور قوی ہو گئے اور قہادہ سے منقول ہے کہ یہ سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب کی مثال ہے جو انجیل میں لکھی ہوئی ہے کہ عنقریب ایک قوم نکلے گی، وہ ایک کھیت کو اگائیں گے، وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں گے اور برے کاموں سے منع کریں گے۔

امام بخاری نے کہا: آپ (دین کی تبلیغ کے لیے) تنہا نکلے۔ جب آپ تنہا کفار مکہ کو اللہ کی توحید کی دعوت دے رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت دی اور مکہ میں چند لوگ اسلام لے آئے اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب کفار قریش نے آپ کو اذیت پہنچانے کے لیے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو آپ تنہا نکلے، پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کے رفیق ہو گئے، پھر جب آپ مدینہ میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انصار کے ساتھ آپ کو قوت دی۔

وَيُقَالُ دَائِرَةُ السُّوءِ كَقَوْلِكَ رَجُلٌ السُّوءُ وَدَائِرَةُ السُّوءِ الْعَذَابُ۔

کہا جاتا ہے: دائرۃ السوء جیسے تمہارا قول ہے: رجل السوء یعنی برا آدمی اور دائرۃ السوء کا معنی ہے: بری گردش یعنی عذاب۔

تَعَزُّوَةٌ يَنْحُورُوَةٌ۔

یہ دونوں تعلیقیں مکرر ہیں ایک تعلیق پہلے یہ گزر چکی ہیں۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۵۱-۲۵۹ میں کی ہے]

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اے رسول مکرم!) ہم نے آپ

کے لیے کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی ○ (الفتح: ۱) کی تفسیر

۱۔ بَابُ: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ①

(الفتح: ۱)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت میں فتح سے مراد فتح مکہ ہے اور مجاہد اور العوفی سے روایت ہے کہ اس سے مراد فتح خیبر ہے اور بعض سے منقول ہے کہ اس سے مراد روم کی فتح ہے اور ایک قول ہے کہ اس سے مراد اسلام کی فتح ہے اور حضرت جابر سے روایت ہے کہ ہم صرف حدیبیہ کے دن فتح مکہ کا شمار کرتے تھے اور بشر بن البراء سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: جب ہم غزوہ حدیبیہ سے لوٹے اور ہمارے اور ہماری قربانیوں کے درمیان غم اور افسوس حائل ہو چکا تھا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

(اے رسول مکرم!) ہم نے آپ کے لیے کھلی فتح عطا فرمائی۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ (الایہ) (الفتح: ۱)

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۵۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از مالک از زید بن اسلم از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے کسی سفر میں رات کو جا رہے تھے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ رات میں سفر کر رہے تھے، پس آپ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا انہوں نے آپ سے پھر سوال کیا تو پھر آپ نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا، انہوں نے آپ سے پھر سوال کیا آپ نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا، تو حضرت عمر بن خطاب نے (اپنے دل میں) کہا: عمر کی ماں اس پر روئے! تم نے رسول اللہ ﷺ سے تین مرتبہ سوال میں اصرار کیا اور رسول اللہ ﷺ نے ہر بار تم کو جواب نہیں دیا، حضرت عمر نے کہا: پھر میں نے اپنے اونٹ کو حرکت دی، پھر میں لوگوں سے آگے بڑھ گیا اور مجھے یہ خوف ہوا کہ میرے متعلق قرآن میں کوئی آیت نازل ہوگی، پھر تھوڑی دیر میں میں نے سنا کہ کوئی چلانے والا میرا نام لے کر چلا رہا تھا، پس میں نے کہا، مجھے تو (پہلے ہی) یہ خوف تھا کہ میرے متعلق قرآن کی کوئی آیت نازل ہوگی، پس میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا، سو میں نے آپ کو سلام کیا، آپ نے فرمایا: آج رات مجھ پر ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے، پھر آپ نے پڑھا: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (الفتح: ۱) ہم نے آپ کے لیے کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی۔

۳۸۳۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَسِيرُ بَعْضَ أَشْقَارِهِ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَسِيرُ مَعَهُ لَيْلًا فَسَأَلَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَنْ شَيْءٍ فَلَمْ يُجِبْهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ سَأَلَهُ فَلَمْ يُجِبْهُ ثُمَّ سَأَلَهُ فَلَمْ يُجِبْهُ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ثَكِلَتْ أُمُّ عُمَرَ نَزَلَتْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ كُلُّ ذَلِكَ لَا يُجِيبُكَ قَالَ عُمَرُ فَخَرْتُكَ بِعِيرِي ثُمَّ تَقَدَّمْتُ أَمَامَ النَّاسِ وَخَشِيتُ أَنْ يُنْزَلَ فِي قُرْآنٍ فَمَا نَشِيتُ أَنْ سَبَغْتُ صَارِخًا يَضْرُغُ فَنَقَلْتُ لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ يَكُونَ نَزْلٌ فِي قُرْآنٍ فَجِئْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ لَقَدْ أَنْزَلْتُ عَلَى الْبَيْتِ سُورَةً لَهَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهَا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ ثُمَّ قَرَأَ ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ (الفتح: ۱)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۱۷۷ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور کی وضاحت کی جا رہی ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ یہ سفر رات میں اس وقت تھا جب آپ حدیبیہ سے واپس جا رہے تھے اور میرے علم میں اہل علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ثُمَّ لَمْ يَكُنْ لَكَ (تجھ پر تیری ماں روئے) کی تحقیق

تجھ پر عمر کی ماں روئے: حدیث میں ہے: ثُمَّ لَمْ يَكُنْ لَكَ اور یہ شُكْل سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب عورت کا بچہ گم ہو جاتا ہے گویا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود اپنے خلاف دعا کی کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار سوال کیا تھا، علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: گویا کہ حضرت عمر نے اپنے لیے موت کی دعا کی اور موت ہر شخص کو آتی ہے، پس گویا کہ یہ دعا نہ تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ثُمَّ لَمْ يَكُنْ لَكَ الفاظ میں سے ہو جو عربوں کی زبان پر بے ساختہ جاری ہوتے ہیں اور وہ اس کے معنی کا قصد نہیں کرتے جیسے وہ کہتے ہیں تَرَكْتُ يَدَكَ (تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں) اور کہتے ہیں: قَاتَلَكُ اللَّهُ (اللہ تمہیں مار ڈالے)۔

حضرت عمر کے بار بار سوال کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوراً جواب نہ دینے کی توجیہ

فَنَزَلَتْ رِسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: یعنی تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار سوال کیا اور سوال میں مبالغہ کیا۔ الداؤدی نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ تم نے آپ سے ایسی چیز کا سوال کیا ہے جس کا آپ کو جواب دینا پسند نہیں تھا۔ ہر بات کا جواب لازم نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات سکوت کرنا بھی کسی بات کا جواب ہوتا ہے، حضرت عمر نے بار بار سوال اس لیے کیا تھا کہ ان کا گمان یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سوال نہیں سنایا جس چیز کے متعلق حضرت عمر کا سوال کر رہے تھے، وہ ان کے نزدیک بہت اہم تھی اور ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں ان کو جواب دیا ہو اور فوراً اس کا جواب اس لیے نہیں دیا تھا کہ اس وقت آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا اس آیت کے زیادہ محبوب ہونے کی توجیہ

یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب تھی کیونکہ اس آیت میں یہ بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے ان تمام کاموں کی مغفرت فرمادی جو بہ ظاہر خلاف ادنیٰ تھے اور اس آیت میں آپ کے لیے فتح اور آپ کے لیے نصرت کا ذکر ہے اور آپ پر پوری نعمت نازل کرنے کا ذکر ہے اور اس صورت میں اصحاب الشجرہ سے اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کا ذکر ہے، اس حدیث میں ذکر ہے کہ یہ سورت آپ کو ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔ علامہ ابن بطلال نے کہا کہ آپ کے اس ارشاد کا معنی یہ ہے کہ یہ سورت آپ کو ہر چیز سے زیادہ محبوب ہے کیونکہ دنیا اور آخرت کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے، یا یہ عام لوگوں کے اعتبار سے ارشاد ہے کیونکہ عام لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ دنیا کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور یہی مقصود ہے تو آپ نے یہ بتایا کہ آپ کے نزدیک یہ سورت ان تمام چیزوں سے افضل ہے جن کے متعلق تمہارا یہ گمان ہے کہ ان سے افضل کوئی چیز نہیں ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۳۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ
حَدَّثَنَا شُعْبَةُ سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا قَالَ الْحَدِيثُ
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے قتادہ سے سنا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہ: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ۝

(الفتح: ۱) (ہم نے آپ کے لیے کھلی فتح عطا فرمائی) انہوں نے کہا: اس سے مراد حدیبیہ ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۱۷۲ میں گزر چکی ہے۔

۴۸۳۵۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ أَبِرَاهِيمَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ قُرَّةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغْفَلٍ قَالَ قَرَأَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ سُورَةَ الْفَتْحِ فَرَجَعَ فِيهَا قَالَ مُعَاوِيَةُ لَوْ شِئْتُ أَنْ أَحْكِيَ لَكُمْ قِرَاءَةَ النَّبِيِّ ﷺ لَفَعَلْتُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معاویہ بن قرۃ نے حدیث بیان کی از حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن سورۃ فتح پڑھی اور اس کو خوش الحانی کے ساتھ ہرایا، معاویہ نے کہا: اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے نبی ﷺ کی قراءت نقل کروں تو میں ایسا کروں گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۲۸۱ میں گزر چکی ہے۔

نبی ﷺ کی ترجیع کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے نبی ﷺ نے سورۃ الفتح کی قراءت کی فَجَعَلَ فَبَيْنَهَا۔

علامہ یحییٰ لکھتے ہیں: ترجیع کا معنی ہے: حلق میں آواز کو دہرائی جیسے خوش الحان قراءت کرتے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے: آواز میں حرکات کو ایک دوسرے کے قریب کرنا، اور بعض شارحین نے کہا ہے کہ یہ آپ سے اس لیے صادر ہوا کہ آپ اونٹنی پر سوار تھے، پس اونٹنی آپ کو ہلاتی تھی جس سے ترجیع حاصل ہوئی اور یہ اس پر محمول ہے کہ آپ مدات کو کھینچ کر پڑھتے تھے اور نبی ﷺ کی آواز بہت حسین تھی، جب آپ قراءت کرتے تو مدات کو کھینچتے، اور قاضی عیاض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو حسین آواز کے ساتھ بھیجا اور اس پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کی قراءت بہت حسین تھی اور آپ ترتیل کے ساتھ قراءت کرتے تھے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابُ: لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ (الفتح: ۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام، اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کو صراط مستقیم پر برقرار رکھے ۝ (الفتح: ۲) کی تفسیر

الفتح: ۲ کی تفسیر میں مختلف اقوال

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متونی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام ابن جریر نے کہا ہے کہ یہ آیت إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝ (النصر: ۱) (جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے) کی طرف راجع ہے۔ تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام (الفتح: ۲) اور یہ محمول ہے رسالت سے پہلے سے لے کر اس سورت کے نزول تک، اور عطاء الخرزانی سے منقول ہے کہ مَا تَقَدَّمَ سے مراد ہے: آپ سے

پہلے آپ کے باپ اور ماں حضرت آدم اور حضرت حوا کے گناہ اور مَاتَا آخِر سے مراد ہے کہ آپ کی امت کے گناہ، اور ایک قول یہ ہے کہ جو ہو چکے اور جو ہوں گے ان سب کی مغفرت کر دی گئی، دوسرا قول یہ ہے کہ مغفرت فتح کا سبب ہے یعنی کیونکہ ہم نے آپ کی مغفرت کر دی ہے اس لیے ہم نے آپ کو فتح عطا فرمائی، نیز فرمایا: اور تا کہ آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے یعنی آپ کو نبوت اور حکمت عطا فرمائے اور فرمایا اور تا کہ آپ کو ہدایت دے یعنی آپ کو ہدایت پر ثابت اور برقرار رکھے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۵۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں صدقہ بن الفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا، ہمیں ابن عیینہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں زیاد بن علاقہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا (زیادہ) قیام کیا حتیٰ کہ آپ کے دونوں پیروں پیر سو ج گئے، پس آپ سے کہا گیا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام معاف فرمادئے ہیں (پھر آپ اتنا قیام کیوں کرتے ہیں؟) آپ نے فرمایا: کیا میں اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر ادا کرنے والا بندہ نہ ہوں۔

۳۸۳۶۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عَلِيٍّ أَنَّهُ سَمِعَ السُّغَيْرَةَ يَقُولُ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيلَ لَهُ غَفَرَ اللَّهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروں کو جو پیر سو جانے کی توجیہ اور الفتح: ۲ کی تفسیر میں مزید اقوال

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادت میں شدت کو اختیار کرنا جائز ہے خواہ اس سے بدن کو نقصان پہنچے اور یہ آپ کے لیے حلال ہے اگرچہ آپ کے لیے رخصت پر عمل کرنا بھی جائز تھا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ آپ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر کرنے والا بندہ نہ ہوں، اس نکتہ پر علامہ المہلب مالکی نے متنبہ کیا ہے اور اس آیت میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں:

(۱) اس سے مراد آپ کی امت کے گناہ ہیں یا مراد یہ ہے کہ اگر بالفرض آپ سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس کی بھی مغفرت کر دی جائے گی۔

(۲) مجاہد کا قول ہے کہ رسالت سے پہلے اور رسالت کے بعد جو امور واقع ہوئے ان کی مغفرت کر دی گئی۔

(۳) امام طبری نے کہا ہے کہ آپ نے جنگ بدر کے دن کہا تھا: اے اللہ! اگر یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین پر کبھی بھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔ (صحیح مسلم: ۱۷۶۳) تو آپ کی طوف یہ وحی کی گئی کہ آپ کو یہ کہاں سے معلوم ہوا یہ آپ کا وہ پہلا کام ہے جس کی مغفرت کر دی گئی اور پچھلا کام یہ ہے کہ غزوہ حنین میں آپ نے کنکریاں ماریں اور آپ نے کہا: اگر میں ان کافروں کو کنکریاں نہ مارتا تو ان کو شکست نہ ہوتی، پس یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَا تَرْمِيَتْ إِذْ تَرْمِيَتْ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى۔ (الانفال: ۱۷) اور (اے رسول معظم!) آپ نے وہ خاک نہیں پھینکی جس وقت آپ نے وہ خاک پھینکی تھی لیکن وہ خاک اللہ نے پھینکی تھی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۳ ص ۲۵۵-۲۵۴، وزارة الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۳۸۳۷۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ حَدَّثَنَا عَبْدُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن عبد العزیز نے

اللّٰهُ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا حَيُّوَّةُ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ سَعِيدٍ عَنْ رُوَّةٍ
عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ كَانَ
يَقُومُ مِنَ اللَّيْلِ حَتَّى تَتَفَطَّرَ قَدَمَاهُ فَقَالَتْ عَائِشَةُ
لِمَ تَصْنَعُ هَذَا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَقَدْ غَفَرَ اللَّهُ لَكَ مَا
تَقْدَمُ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأْخُرُ قَالَ أَفَلَا أُحِبُّ أَنْ أَكُونَ
عَبْدًا شَكُورًا فَلَمَّا كَثُرَتْ لَحْمُهُ صَلَّى جَالِسًا فَإِذَا أَرَادَ
أَنْ يَزْكُمَ قَامَ فَقَرَأَ أَشْمُ زَكَمَ۔

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن یحییٰ نے حدیث
بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حیوۃ نے خبر دی از ابو الاسود، انہوں
نے عروہ سے سنا از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم رات کو قیام کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کے دونوں پیر پھٹ
گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ یا رسول اللہ! اس طرح
کیوں کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے
بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت کر دی ہے، آپ نے فرمایا: کیا
میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر کرنے والا بندہ
بنوں، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر گوشت زیادہ ہو گیا تو
پھر آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے، پس جب آپ رکوع کرنے کا ارادہ
کرتے تو کھڑے ہو کر قراءت کرتے، پھر رکوع کرتے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۱۱۸ میں گزر چکی ہے۔

آپ کے بدن پر گوشت زیادہ ہونے کی تحقیق

علامہ یعنی لکھتے ہیں: اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب آپ کے بدن پر گوشت زیادہ ہو گیا، علامہ داؤدی نے اس لفظ کا انکار کیا
ہے اور کہا ہے کہ حدیث میں ہے: فَلَمَّا بَدَنَ یعنی جب آپ بوڑھے ہو گئے، پس گویا کہ راوی نے اس کی تاویل گوشت کے زیادہ
ہونے سے کی اور علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے: کسی نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت نہیں بیان کی کہ آپ مرنے ہو گئے تھے حالانکہ
جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ ایک دن میں دو مرتبہ بھی خمیری روٹیاں سیر ہو کر نہیں کھاتے تھے اور امام ابو عبیدہ نے کہا، حدیث
میں جو بدن کا لفظ ہے اس سے راوی نے یہ گمان کیا کہ آپ کا گوشت زیادہ ہو گیا حالانکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ کی عمر زیادہ ہو
گئی۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۲۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الف: ۲، میں ذنب کا حقیقی معنی مراد ہونے اور اس کے مجاز پر محمول ہونے پر عبارات علماء سے استدلال

الف: ۲، کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے: تاکہ اللہ آپ کے لیے آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف فرمادے، لیکن اس پر یہ اشکال
ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں اور معصوم سے گناہ کا صدور نہیں ہوتا اس لیے ہم نے یہ کہا کہ ہر آیت مجاز پر محمول ہے اور گناہ سے مراد یہ
ظاہر خلاف اولیٰ کام ہیں اور معاف کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپ کے درجات کو بلند کیا جائے۔ متقدمین میں سے معتد علماء نے اس
آیت میں ذنب کے لفظ سے گناہ کا معنی مراد نہیں لیا۔

حافظ اسماعیل بن کثیر شافعی دمشقی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خصائص میں سے ہے جن میں کوئی اور آپ کا شریک نہیں ہے، آپ کے علاوہ اور کسی شخص کے لیے
کسی حدیث صحیح میں یہ نہیں ہے کہ اس کی اگلی اور پچھلی (ظاہری) خطاؤں کی مغفرت کر دی گئی ہو اور اس میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی
نہایت تعظیم اور تکریم ہے اور اطاعت، نیکی اور پارسائی میں اولین اور آخرین میں سے کسی نے آپ کو مقام کو نہیں پایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم
دنیا اور آخرت میں علی الاطلاق اکمل البشر اور سید البشر ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۰۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح میں رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور توقیر کا جو بیان فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو آپ کا مرتبہ اور مقام ہے اس کا جو ذکر فرمایا ہے اس کی ابتداء اللہ تعالیٰ نے دشمنوں پر آپ کے غلبہ اور آپ کی شریعت کی سر بلندی کی خبر دینے سے کی ہے اور یہ بیان فرمایا ہے کہ آپ کی مغفرت کر دی گئی ہے اور ماضی اور مستقبل کے کسی کام پر آپ سے مواخذہ نہیں ہوگا۔ بعض علماء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ آپ سے کوئی کام ہوا ہے یا نہیں، بہر حال آپ کا جو بھی کام ہو اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی ہے۔ (الشفاء ج ۱ ص ۴۱، عبد التواب اکیڈمی، ملتان)

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

علامہ تجانی نے کہا کہ یہ آیت نبی ﷺ کی تعظیم اور توقیر بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے، جیسے کوئی شخص کسی سے اظہار محبت کے لیے کہے: اگر تمہارا کوئی پہلایا پچھلا گناہ ہو بھی تو ہم نے اس کو معاف کر دیا۔ اس کلام سے اس شخص کا یہ ارادہ نہیں ہوتا کہ اس نے فی الواقع کوئی گناہ کیا ہے اور وہ اس کو معاف کر رہا ہے، اور میں کہتا ہوں: کہ ذنب کا معنی ستر ہے جو نہ دکھائی دینے کا تقاضا کرتا ہے اور اس کو لازم ہے عدم ذنب، یعنی جب گناہ ہے ہی نہیں تو کیسے دکھائی دے گا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگلے اور پچھلے دونوں کا ذکر کیا ہے حالانکہ پچھلے کا وجود ہی نہیں اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کا کوئی گناہ پہلے ہے اور نہ بعد میں، لہذا آپ سے مطلقاً گناہ سرزد نہیں ہوا۔ (نیم الریاض ج ۱ ص ۲۷۳، دار الفکر، بیروت)

ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ ہر چند کہ بندہ اپنے مقصود کے مطابق اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جائے، پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے مستغنی نہیں ہوتا کیونکہ بندہ اپنے بشری عوارض کی بنا پر تقاضائے ربوبیت کے مطابق عبادت کا حق ادا کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مباح امور میں مشغول ہونے کی وجہ سے یا امت کے اہم کاموں میں منہمک اور مستغرق ہونے کی وجہ سے جو حضرت الوہیت میں غفلت واقع ہوتی ہے حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے بلند مقام کے اعتبار سے اس کو بھی سیدہ اور گناہ خیال کرتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ ہوتی ہیں۔

(شرح الشفا علی ہامش نیم الریاض ج ۱ ص ۲۷۳، دار الفکر، بیروت)

ذنب کا معنی خلاف اولیٰ کرنے پر دلائل

ہم نے ذنب کا معنی خلاف اولیٰ کیا ہے اور بظاہر کی قید اس لیے لگائی ہے کہ حقیقت میں آپ کا کوئی بھی کام خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی نہیں ہے، بعض اوقات آپ نے کسی کام سے منع فرمایا، پھر خود اس کام کو کیا تا کہ امت کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کا اس کام سے منع کرنا تحریم کے لیے نہیں تھا بلکہ تنزیہ کے لیے تھا۔

مثلاً آپ نے فصد لگانے (رگ کاٹنے کے لیے خون چوس کر نکالنا) کی اجرت دینے سے منع فرمایا اور حضرت ابو طیبہ نے آپ کو فصد لگائی تو آپ نے ان کو دو صاع (آٹھ کلو گرام) طعام دینے کا حکم فرمایا۔ (جامع ترمذی، ج ۲ ص ۲۰۳، مطبوعہ کراچی) اگر آپ ابو طیبہ کو فصد لگانے کی اجرت نہ دیتے تو ہم کو یہ کیسے معلوم ہوتا کہ فصد کی اجرت دینا جائز ہے اور آپ کا منع فرمانا تنزیہ کے لیے ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ فصد کی اجرت دینا ہمارے لیے مکروہ تنزیہی ہے نبی ﷺ کے حق میں فصد کی اجرت دینا مکروہ تنزیہی نہیں ہے اور اس سے وہ آپ کو اجر و ثواب ملے گا جو فرض کی ادائیگی پر ملتا ہے، اس طرح بعض اوقات آپ نے کسی کام کا افضل اور اولیٰ طریقہ

بتایا، پھر اس کے خلاف کیا، یہ بھی اس طرح بہ ظاہر خلاف اولیٰ ہے حقیقت میں خلاف اولیٰ نہیں ہے مثلاً آپ نے فرمایا سفیدی پہینے کے بعد فجر کی نماز پڑھنے میں زیادہ اجر ہوتا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۹، مطبوعہ کراچی)

اور آپ نے خود منہ اندھیرے بھی فجر کی نماز پڑھی ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۷۸)

اگر آپ کسی کام سے منع فرما کر یہ بتا دیتے کہ اس کے خلاف کرنا بھی جائز ہے اور خود اس کام کو نہ کرتے تب بھی مسئلہ تو معلوم ہو جاتا لیکن اس کام میں آپ کی اقتداء کا شرف حاصل نہ ہوتا، بہر حال قرآن مجید اور احادیث میں جہاں آپ کی طرف مغفرت و ذنب کی نسبت کی گئی ہے وہاں ذنب سے مراد بہ ظاہر خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی کام مراد ہیں اور مغفرت سے مراد آپ کے درجات کی بلندی اور قرب خاص سے نوازا ہوا ہے۔

اعلیٰ حضرت کی عبارت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خلاف اولیٰ کا ثبوت

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

مکروہ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا وہ صرف خلاف اولیٰ ہے، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے ایسا کیا اور نبی قصداً گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے اور گناہ میں مبتلا کرنے والی چیز کا ارتکاب جائز نہیں ہوتا تو بیان جواز کے کیا معنی؟

(فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۳۵۰-۳۴۹، رضافاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۳ء)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک ہم نے آپ کو گواہی

۳۔ بَابُ: اِنَّا اٰمَرْنَا سَلْمَانَ شَاهِدًا وَ مُبَشِّرًا وَ

دینے والا، ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے

نَذِيرًا ۝ (الف: ۸)

ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۝ (الف: ۸) کی تفسیر

شاہد، مبشر اور نذیر کے معانی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ء اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

شاهد کا معنی ہے، مُبَيِّنٌ اِیْوَاضًا آپ حکم کو بیان کرتے ہیں تو آپ کا نام شاہد رکھا گیا کیونکہ آپ حال کا اور حقیقت کا مشاہدہ فرماتے ہیں، پس گویا کہ آپ جس کی شہادت دیتے ہیں اس کو دیکھنے والے ہیں اور ان کے اعمال میں جو اطاعت اور معصیت ہے آپ اس کی بھی شہادت دیتے ہیں اور جس چیز کے ساتھ آپ کو ان کی طرف بھیجا گیا ہے اس کی بھی شہادت دیتے ہیں، شاہد کا اصل معنی ہے: جس چیز کا مشاہدہ کیا ہے اس کی خبر دینے والا، اور قتادہ سے منقول ہے کہ آپ اپنی امت کی گواہی دینے والے ہیں اور انبیاء و رسل کی گواہی دینے والے ہیں۔

اور مُبَشِّرٌ کا معنی ہے: آپ اطاعت کرنے والوں کو جنت کی بشارت دینے والے ہیں اور نَذِيرٌ کا معنی ہے: آپ نافرمانوں

اور بے عملوں اور بد عملوں کو دوزخ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۵۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۸۳۸۔ حَدَّثَنَا عَنْهُدُ اللَّهِ بْنِ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا عَنْهُدُ

الْعَزِيزِيُّ ابْنُ سَلَمَةَ عَنْ هِلَالِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ عَطَاءِ

بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَنْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ النَّعَاصِ رَضِيَ

اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ هَذِهِ الْآيَةُ الَّتِي فِي الْقُرْآنِ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ﴾

العامس بنی ہاشمہ وہ بیان کرتے ہیں بے شک یہ آیت جو قرآن میں

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٣٥﴾ قَالَ فِي التَّوْرَةِ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا لِلْمُؤْمِنِينَ أَنْتَ عَبْدِي وَرَسُولِي سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ لَيْسَ بِفَقْظٍ وَلَا غَلِيظٍ وَلَا سَخَابٍ بِأَلْسُنِ سَوَاقٍ وَلَا يَذْفَعُ السَّيِّئَةَ بِالسَّيِّئَةِ وَلَكِنْ يَغْفُو وَيُصْفَحُ وَلَنْ يَقْبِضَهُ اللَّهُ حَتَّى يُقِيمَ بِهِ الْبَلَّةَ الْعَوْجَاءُ بِأَنْ يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَيَفْتَحَ بِهَا أَعْيُنَنَا عُمَيَّا وَآذَانَا صُمًّا وَقُلُوبَنَا غُلْفًا

ہے: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٣٥﴾ (الاحزاب: ۳۵) (اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے) انہوں نے کہا کہ تورات میں مذکور ہے: اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا اور ان پڑھ لوگوں کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں، میں نے آپ کا نام المتوکل رکھا ہے، آپ نہ بد خصلت ہیں اور نہ سخت دل ہیں آپ بازاروں میں شور کرنے والے نہیں ہیں، آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے لیکن معاف کرتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کی روح کو اس وقت تک ہرگز قبض نہیں فرمائے گا حتیٰ کہ آپ کے سبب سے نیزمی قوم کو سیدھا کر دے یاں طور پر کہ وہ کہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، پس اس کلمہ توحید کے ذریعے وہ اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دیں گے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۱۲۵ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکون نازل فرمایا۔ (الفتح: ۴) کی تفسیر

۴۔ بَابُ: هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ۔ (الفتح: ۴)

علامہ یعنی لکھتے ہیں: السکینہ کا معنی ہے: رحمت اور طمانیت۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از اسرائیل از ابی اسحاق از حضرت البراء رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں جس وقت نبی ﷺ کے اصحاب میں سے ایک مرد قرآن پڑھ رہا تھا اور اس کا گھوڑا گھر میں بندھا ہوا تھا، پس وہ گھوڑا بدکنے لگا، پھر وہ مرد باہر نکلا، پس اس نے (ادھر ادھر) دیکھا تو اسے کوئی چیز دکھائی نہیں دی، پھر جب صبح ہوئی تو اس نے نبی ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ چیز (جس سے گھوڑا بدکا تھا) سکینہ ہے جو قرآن کے سبب سے نازل ہوئی تھی۔

۴۸۳۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ يَقْرَأُ وَفَرَسٌ لَهُ مَرْبُوطٌ فِي الدَّارِ فَجَعَلَ يَنْفِرُ فَخَرَجَ الرَّجُلُ فَنَظَرَ فَلَمْ يَرَ شَيْئًا وَجَعَلَ يَنْفِرُ فَلَمَّا أَصْبَحَ ذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ السَّكِينَةُ تَنْزَلُ بِالْقُرْآنِ

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۱۴ میں گزر چکی ہے۔

حضرت اسید بن حضیر کی قراءت اور اس پر سکینہ نازل ہونے کے متعلق دو روایتیں

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دوسری حدیث میں بیان ہے: وہ مرد جو قرآن پڑھ رہے تھے ان کا نام اسید بن حضیر تھا اور وہ اس رات سورۃ کہف پڑھ رہے تھے، پس چراغوں کی مثل فرشتے ان پر نازل ہوئے، اور امام نسائی نے روایت کی ہے کہ حضرت اسید جس وقت رات کو سورۃ بقرہ پڑھ رہے تھے تو ان کا گھوڑا بدکنے لگا، پھر وہ خاموش ہو گئے تو گھوڑا بھی پرسکون ہو گیا اس طرح تین مرتبہ ہوا، پھر انہوں نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو اس میں چراغوں کی مثل کوئی چیز تھی، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تم نہیں جانتے وہ کیا چیزیں تھیں؟ وہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز سن کر قریب آ گئے تھے، اگر تم اسی طرح صبح تک قرآن پڑھتے رہتے تو سب لوگ ان کی طرف دیکھتے۔

بعض علماء نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ دو واقعے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت اسید بن حضیر نے ان دونوں راتوں میں قرآن پڑھا ہو، علامہ عینی فرماتے ہیں: اس تطبیق کی اس وقت ضرورت ہوگی کہ جب دونوں روایتیں مساوی ہوں حالانکہ پہلی روایت صحیح بخاری کی ہے اور دوسری روایت سنن نسائی کی ہے اور یہ دونوں روایتیں مساوی نہیں ہیں، پس ان میں تطبیق کی ضرورت نہیں ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۵۶-۲۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۔ بَابُ: اِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جب وہ درخت کے نیچے آپ سے

بیعت کر رہے تھے۔ (الفتح: ۱۸) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ پوری آیت اس طرح ہے:

لَقَدْ رَافَعِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ اِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ (الفتح: ۱۸)

وہ درخت بھول کا تھا، دوسرا قول ہے کہ وہ درخت بیری کا تھا اور روایت ہے کہ اگلے سال وہ درخت ان سے گم ہو گیا، پس وہ نہیں جان سکے کہ وہ درخت کہاں گیا ہے؟ اور کہا گیا ہے کہ وہ درخت مکہ کے راستے میں تھا اور نافع نے کہا: پھر بعد میں لوگ اس درخت کے نیچے آتے تھے اور اس درخت کے نیچے نمازیں پڑھتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے اس درخت کو کاٹنے کا حکم دیا (حضرت عمر کو یہ خوف تھا کہ کہیں لوگ اس درخت کی پرستش نہ کرنے لگیں)، آپ سے بیعت کرنے والے صحابہ کی تعداد ایک ہزار پانچ سو پچیس (۱۵۲۵) تھی اور دوسرا قول ہے کہ ان کی تعداد ایک ہزار چار سو (۱۴۰۰) تھی اور تیسرا قول ہے کہ ان کی تعداد ایک ہزار تین سو (۱۳۰۰) تھی۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۵۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی نے لکھا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو کٹوانے کا حکم دیا تھا لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت عمر کا یہ مزاج نہیں تھا، انہوں نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ نہ بنالیں، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر انبیاء اور صلحاء کی یادگاروں کو قائم رکھنا چاہتے تھے حالانکہ اس جگہ بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ بعد کے لوگ مقام ابراہیم کی پرستش نہ کرنا نہ شروع کر دیں۔ (سعیدی غفرلہ)

۴۸۴۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث

عَنْ عَمْرِو عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَلْفًا وَأَرْبَعًا مِائَةً۔
 بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو از جابر، انہوں نے بیان کیا کہ ہم حدیبیہ کے دن ایک ہزار اور چار سو (۱۴۰۰) تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۵۳۶ میں گزر چکی ہے۔

۳۸۴۱۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ عُقْبَةَ بْنَ صُهَيْبَانَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغْفَلٍ الْمُزَنِيِّ أَنِّي مِمَّنْ شَهِدَ الشَّجَرَةَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْخَذْفِ (صحیح البخاری: ۵۴۷۹، صحیح مسلم، ۱۹۵۴، سنن ابوداؤد: ۵۲۷۰، سنن ابن ماجہ: ۳۲۲۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شبابہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا: میں نے عقبہ بن صہبان سے سنا از حضرت عبداللہ بن مغفل المزنی رضی اللہ عنہ کہ بے شک میں ان صحابہ سے تھا جو درخت پر حاضر ہوئے تھے نبی ﷺ نے کسی کو کنکری مارنے سے منع فرمایا تھا۔

۳۸۴۲۔ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ صُهَيْبَانَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مُغْفَلٍ الْمُزَنِيَّ فِي الْبَوْلِ فِي الْمَغْتَسِلِ (صحیح البخاری: ۵۴۷۹، سنن ابوداؤد: ۵۲۷۰، سنن ابن ماجہ: ۳۲۲۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: اور عقبہ بن صہبان سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مغفل المزنی رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ غسل خانہ میں پیشاب کرنے کے متعلق حدیث بیان کرتے تھے۔

کنکر اور پتھر مارنے کی ممانعت کی حکمت اور اگر اس سے کسی کو ضرر نہ ہو تو پھر اس کی اجازت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان دو حدیثوں میں دو مسئلوں کا بیان ہے، پہلی حدیث میں کسی کو کنکر یا پتھر مارنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ کنکر یا پتھر مارنے سے نہ دشمن ہلاک ہوتا ہے اور نہ شکار مارا جاتا ہے لیکن اس سے آنکھ پھوٹ جاتی ہے اور دانٹ ٹوٹ جاتا ہے، اور اس لیے کہ اس میں کوئی مصلحت نہیں ہے اور اس میں فساد کا خطرہ ہے اور ہر وہ کام جو اس کے مشابہ ہو اس کا بھی یہی حکم ہے، اور اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کنکر یا پتھر مارنے میں کوئی مصلحت ہو یا دشمن سے قتال میں اس کی ضرورت ہو یا شکار حاصل کرنے میں اس کی ضرورت ہو تو یہ جائز ہے اور پرندوں کو غلیل سے مارنا بھی اسی حکم میں ہے کیونکہ غلیل سے اگر کسی بڑے پرندے کو مارا جائے تو وہ غالباً اس کو ہلاک نہیں کرتا اور اس پرندے کو زندہ پکڑ لیا جاتا ہے تو یہ عمل جائز ہے، علامہ نووی نے شرح صحیح مسلم میں اسی طرح لکھا ہے۔

غسل خانہ میں پیشاب کرنے کی ممانعت کی توجیہ اور اگر غسل خانہ میں پانی گزرنے کے لیے نالی بنی ہوئی ہو تو

پھر اس میں پیشاب کرنے کی رخصت

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے آپ نے منع فرمایا ہے، کیونکہ اس سے دوسرے پیدا ہوتا ہے، علامہ خطابی نے لکھا ہے کہ یہ ممانعت اس وقت ہے کہ جب غسل خانہ میں پانی گزرنے کی کوئی نالی نہ ہو لیکن جب غسل خانہ میں پانی گزرنے کے لیے کوئی نالی ہو تو پھر غسل خانہ میں نالی کے پاس بیٹھ کر پیشاب کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور جب پیشاب کرنے کے بعد اس پر پانی بہا دیا جائے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

غسل خانہ میں پیشاب کرنے کی ممانعت کے متعلق متعدد احادیث ہیں:

(۱) حضرت ابو بکر بنی سیدنا بیان کرتے ہیں: تم میں سے کوئی شخص اپنے غسل خانہ میں ہرگز پیشاب نہ کرے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن یزید الانصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: تم اپنے غسل خانہ میں پیشاب نہ کرو۔

(۳) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا: جس نے اپنے غسل خانہ میں پیشاب کیا وہ پاک نہیں ہوا۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ اس شخص کو پاک نہیں کرتا جو اپنے غسل خانہ میں پیشاب کرتا ہے۔

اور ابن سیرین اور دوسروں نے غسل خانہ میں پیشاب کرنے کی اجازت دی ہے اور یہ اجازت اسی پر محمول ہے جب غسل خانہ میں پانی کے گزرنے کے لیے تالی بنی ہوئی ہو۔ (ممدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۸۴۳۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خَالِدٍ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از خالد از ابی قلابہ از حضرت ثابت بن الضحاک رضی اللہ عنہ اور دواصحاب الشجرہ میں سے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۶۳ میں گزر چکی ہے۔

۴۸۴۴۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ السُّلَمِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ سَيَّاحٍ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ قَالَ أَتَيْتُ أَبَا وَائِلٍ أَسْأَلُهُ فَقَالَ كُنَّا بِصَفِينٍ فَقَالَ رَجُلٌ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ فَقَالَ عِبْرٌ نَعَمْ فَقَالَ سَهْلُ بْنُ حَنْظَلٍ أَتَهُمْ أَنْفُسُكُمْ فَلَقَدْ رَأَيْتُنَا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَّةِ يَغْنِي الضُّحَى الَّذِي كَانَ بَيْنَ النَّبِيِّ ﷺ وَالنَّشْرِكِينَ وَلَوْ نَرَى قِتَالًا لَقَاتَلْنَا فَبَاءَ عُمْرُ فَقَالَ أَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَهُمْ عَلَى الْبَاطِلِ أَلَيْسَ قَتَلْنَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتَلَاهُمْ فِي النَّارِ قَالَ بَرٍّ قَالَ فَفِيمَ نَغْطِي الدِّينَةَ فِي دِينِنَا وَنَرْجِعُ وَلَسْنَا يَحْكُمُ اللَّهُ بَيْنَنَا فَقَالَ يَا ابْنَ الْخَطَابِ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ وَلَنْ يُضَيِّعَنِي اللَّهُ أَبَدًا فَرَجَعُ مُتَفَتِّظًا فَلَمْ يَضْبِرْ حَتَّى جَاءَ أَبَا بَكْرٍ فَقَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ أَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَهُمْ عَلَى الْبَاطِلِ قَالَ يَا ابْنَ الْخَطَابِ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ وَلَنْ يُضَيِّعَهُ اللَّهُ أَبَدًا فَتَرَكْتُ سُورَةَ الْقَتَبِ۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن اسحاق السلمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن سیاح نے حدیث بیان کی از حبیب بن ابی ثابت کہنا کہ میں نے ابی وائل سے سنا کہ ہمیں حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ کے پاس (خوارج کے متعلق) ایک مسئلہ معلوم کرنے کے لیے گیا تو انہوں نے بتایا کہ ہم مقام صفین میں تھے تو ایک مرد نے کہا: کیا آپ ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو اللہ کی کتاب کی طرف دعوت دی جاتی ہے؟ تو حضرت علی نے فرمایا: ہاں! تو حضرت سہل بن حنظل نے (خوارج سے) فرمایا: تم لوگ اپنی رائے کے اوپر غلطی کی بہت لگاؤ، پس ہم نے اپنے آپ کو حدیبیہ کے دن دیکھا یعنی اس صلح کے دوران جو نبی ﷺ اور مشرکین کے درمیان ہوئی تھی اور اگر ہم جنگ کو درست سمجھتے تو ضرور جنگ کرتے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے کہا: کیا یہ بات نہیں ہے کہ ہم حق پر ہیں اور مشرکین باطل پر ہیں؟ کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور مشرکین کے مقتولین دوزخ میں نہیں ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں! حضرت عمر نے کہا: پھر ہم کس وجہ سے اپنے دین میں ہستی کو اختیار کریں اور لوٹ جائیں

اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان کوئی فیصلہ نہیں فرمایا: تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابن الخطاب! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ حضرت عمر غصہ میں واپس چلے گئے اور ان کو صبر نہیں آیا تھا حتیٰ کہ وہ حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا: اے ابوبکر! کیا یہ بات نہیں ہے کہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابن الخطاب! بے شک وہ رسول اللہ ﷺ ہیں اور اللہ ان کو کبھی بھی ضائع نہیں کرے گا، پھر سورۃ الفتح نازل ہو گئی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۱۸۱ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی شرح علامہ عینی سے

علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کے بعض مشکل الفاظ اور بعض مشکل جملوں کی شرح میں لکھتے ہیں: صفین: یہ دریائے فرات کے قریب ایک جگہ ہے جہاں حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان مشہور جنگ ہوئی تھی اور یہ لفظ غیر منصرف ہے۔

ایک مرد نے کہا: یہ مرد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھا، اس نے الحجرات: ۹ کے ایک حصہ کی تلاوت کی اور اس کا قصد اس آیت کی تلاوت نہیں تھا، اس کا قصد یہ تھا کہ جو لوگ جنگ نہیں کر رہے ان کے خلاف جنگ کے لیے کیوں بلایا جا رہا ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: اور اگر مومنوں کے دو گروہ باہم جنگ کریں تو ان میں صلح کرادو، پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے گروہ سے جنگ کر دیتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع کرے، پس اگر وہ رجوع کرے تو ان میں عدل کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف سے کام لو۔ (الحجرات: ۹) حضرت علی نے فرمایا: ہاں، مسند احمد اور سنن نسائی میں اس پر یہ اضافہ ہے کہ میں اس کے زیادہ لائق ہوں یعنی میں کتاب اللہ پر عمل کرنے کے زیادہ لائق ہوں اور مجھے یہ اعتماد ہے کہ میں حق پر ہوں۔

حضرت سہل بن حنیف نے کہا: تم لوگ اپنی رائے کے اوپر غلطی کی تہمت لگاؤ: کیونکہ کبھی انسان اپنی رائے سے ایک بات کہتا ہے اور صحیح اور درست بات اس کے خلاف ہوتی ہے یعنی تم لوگ اپنی آراء پر عمل نہ کرو، ان کی مراد یہ تھی کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان صلح کا وقت گزر چکا ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے ان کے نزدیک حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو حکم بنانا ناپسندیدہ تھا۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ حضرت سہل قتال میں کوتاہی کو غلط سمجھتے تھے تو انہوں نے کہا: تم اپنی رائے پر غلطی کی تہمت لگاؤ: کیونکہ میں جنگ میں کوتاہی نہیں کرتا اور میں ضرورت کے وقت جنگ میں کوتاہی کرنے والا نہیں ہوں جیسا کہ حدیبیہ کے دن میں تھا کیونکہ اس دن میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں اس طرح تھا کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت پر قادر نہ ہوتا تو میں مشرکین کے خلاف زبردست قتال کرتا لیکن آج ہم جنگ میں مصلحت کو نہیں دیکھتے بلکہ مسلمانوں کی مصلحت کے لیے اس جنگ میں توقف کرنا زیادہ بہتر ہے اور رہا حکم بنانے پر انکار تو حکم بنانے کا حکم کتاب اللہ میں نہیں ہے، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! یہ بات

درست ہے لیکن انکار کرنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی کتاب سے انحراف کیا کیونکہ مجتہد کی جب یہ رائے ہو اور جب یہ ظن ہو کہ فریقین کے درمیان حکم بنانا جائز ہے تو وہ اللہ کا حکم ہے، حضرت سہل نے کہا: تم اپنی رائے پر غلطی کی تہمت لگاؤ کیونکہ ہم بھی حدیبیہ کے دن قتال ترک کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح پر مجبور کیا۔

تو ہم دین میں پستی کو کیوں اختیار کریں: یعنی ہم ایسی شرائط پر کیوں صلح کریں جو ہمارے عجز اور ضعف پر دلالت کرتی ہوں۔
(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۵۹-۲۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

مصنف کے نزدیک حدیث مذکور کا خلاصہ

میں کہتا ہوں کہ حضرت سہل بن حنیف نے جو کہا کہ تم اپنی رائے پر غلطی کی تہمت لگاؤ تو ان کی اس سے مراد خوراج تھے جو فریقین کے درمیان حکم بنانے کو غلط کہتے تھے، حضرت سہل بن حنیف نے کہا: تمہاری رائے غلط ہے۔ مصلحت کی وجہ سے فریقین کے درمیان حکم بنانا جائز ہے، جیسا کہ حدیبیہ کے دن مشرکین کے خلاف جنگ موقوف کرنا درست تھا اگرچہ ہم لوگ مشرکین سے جنگ نہ کرنے کے خلاف تھے لیکن بعد میں یہ ظاہر ہوا کہ مسلمانوں کی خیر اور مصلحت اسی میں تھی۔

حدیث مذکور کی شرح حافظ ابن حجر عسقلانی سے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا علم دیا گیا، انہیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ (کتاب) ان کے باہمی اختلاف میں فیصلہ کرے۔ (آل عمران: ۲۳)

امام احمد نے یہ پوری آیت ذکر کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ مرد عبد اللہ بن الکواء تھا، امام طبری نے ذکر کیا ہے کہ اس کا سبب یہ تھا کہ اہل شام (حضرت معاویہ کا گروہ) نے جب یہ دیکھا کہ اہل عراق (حضرت علی کا گروہ) ان پر غالب آ رہا ہے تو انہوں نے حضرت عمرو بن العاص کو اشارہ کیا کہ وہ قرآن مجید اٹھالیں اور قرآن مجید میں جو حکم مذکور ہے اس پر عمل کرنے کی دعوت دیں اور ان کی مراد یہ تھی کہ معاملہ طول پکڑ جائے اور ان کو اس مصیبت سے نجات مل جائے جس میں وہ واقع ہو چکے تھے، پس ایسا ہی ہوا جیسے ان کا گمان تھا، پھر جب انہوں نے قرآن مجید کو اٹھالیا اور کہا: ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب فیصلہ کرنے والی ہے اور اس بات کو حضرت علی کے لشکر نے سن لیا اور ان میں اکثریت دین دار تھی، پس حضرت علی نے فریقین کے درمیان حکم بنانے کو قبول کر لیا اور ان کی موافقت کی کیونکہ ان کو اعتماد تھا کہ حق ان کے ساتھ ہے اور امام نسائی نے بھی اس حدیث کو احمد بن سلیمان سے روایت کیا ہے۔
امام بخاری کی روایت پر مسند احمد میں یہ اضافہ ہے کہ جب ہم صفین میں تھے اور اہل شام کے ساتھ جنگ گرم ہو گئی تھی تو حضرت عمرو بن العاص نے حضرت معاویہ سے کہا: آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف مصحف (قرآن مجید) کو بھیجیں اور انہیں کتاب اللہ پر عمل کی دعوت دیں تو وہ اس پر انکار نہیں کریں گے، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرد آیا اور کہا: ہمارے اور آپ کے درمیان اللہ کی یہ کتاب حکم ہے یعنی منصف ہے تو حضرت علی نے فرمایا: میں اس کے زیادہ لائق ہوں کہ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب حکم ہو۔ پھر حضرت علی کے پاس خوراج آئے اور ہم اس زمانہ میں ان کو القراء کہتے تھے اور ان کی کمواریں ان کے کندھوں پر تھیں، انہوں نے کہا: اے امیر المومنین! ہم اس قوم کا انتظار نہیں کرتے، ہم اپنی کمواریں سے ان کے اوپر حملہ کیوں نہیں کرتے، تب حضرت سہل بن حنیف کھڑے ہوئے۔

حضرت علی نے فرمایا: ہاں! امام احمد اور امام نسائی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ہاں! میں اس کے زیادہ لائق ہوں۔ یعنی جب کتاب اللہ پر

عمل کرنے کی دعوت دی جائے تو میں اس دعوت کو قبول کرنے کے زیادہ لائق ہوں کیونکہ مجھے اس پر اعتماد ہے کہ حق میرے ساتھ ہے۔ حضرت ہبل بن حنیف نے کہا: تم اپنی رائے پر غلطی کی تہمت لگاؤ: یعنی اس رائے میں (کہ فریقین کے درمیان حکم نہیں بنانا چاہیے) کیونکہ اکثر خوارج نے فریقین کے حکم بنانے کا انکار کیا تھا اور کہا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی حکم نہیں ہے۔

حضرت علی نے فرمایا: یہ کلمہ حق ہے جس سے باطل کا ارادہ کیا گیا ہے اور اکابر صحابہ نے حضرت علی کی اطاعت کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ کہ ان کی مخالفت نہ کی جائے کیونکہ وہ مصلحت کو زیادہ جاننے والے ہیں اور حضرت ہبل بن حنیف نے خوارج سے ذکر کیا کہ ان کے ساتھ حدیبیہ میں جو معاملہ پیش تھا اس وقت مسلمانوں کی رائے یہ تھی کہ مشرکین کے خلاف جنگ جاری رکھی جائے اور انہوں نے حدیبیہ میں صلح کی مخالفت کی، پھر بعد میں یہ ظاہر ہوا کہ مسلمانوں کی زیادہ مصلحت صلح میں ہی تھی جس کو نبی سنی خیرؐ نے فرمایا تھا اور اس کی پوری تفصیل ان شاء اللہ کتاب استنبات المرتدین میں آئے گی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الفتح کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ امام بخاری نے سورۃ الحجرات میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۴۹۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْحُجَرَاتِ

سورة الحجرات کی تفسیر

سورة الحجرات کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الحجرات کی بعض آیات کی تفسیر ہے، علامہ ابو العباس نے کہا ہے: یہ پوری سورت مدنی ہے، ہمیں اس میں کوئی اختلاف نہیں پہنچا۔ علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ یہ سورت سورة المجادلہ کے بعد نازل ہوئی اور سورة تحریم سے پہلے، اور اس سورت میں اٹھارہ (۱۸) آیات ہیں، حجرات حجرہ کی جمع ہے اور اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج مطہرات کے گھر ہیں۔

وَقَالَ مُبَاهِدٌ لَا تُقَدِّمُوا لَا تَفْتَتُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ اور مجاہد نے کہا: لَا تُقَدِّمُوا کا معنی ہے: لَا تَفْتَتُوا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سبقت نہ کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کوئی فیصلہ فرمائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدُمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر سبقت نہ کرو۔
رَسُولِهِ۔ (الحجرات: ۱)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے لَا تُقَدِّمُوا کی تفسیر لَا تَفْتَتُوا کی ہے، یہ لفظ الفتیاء سے بنا ہے اور اس کا مادہ فوت ہے اور اس کا معنی ہے: کسی چیز کی طرف سبقت کرنا، مفسرین کا اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ تم کتاب اور سنت کے خلاف کوئی بات نہ کہو اور ان سے دوسری روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے دوران کلام نہ کرو اور حضرت جابر اور حسن بصری سے روایت ہے کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذبح کرنے سے پہلے ذبح نہ کرو اور جن لوگوں نے آپ سے پہلے قربانی کر لی تھی ان کو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: تم اپنے نبی کے روزہ رکھنے سے پہلے روزہ نہ رکھو اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بنو تمیم کا وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ القتیاق بن محمد بن زرارہ کو امیر بنائیں اور حضرت عمر نے کہا: الاقرع بن حابس کو امیر بنائیں، حضرت ابو بکر نے کہا: تم صرف میری مخالفت کا ارادہ رکھتے ہو، حضرت عمر نے کہا: میں نے آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا، پھر ان دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں تو اللہ مدد دے یہ آیت نازل فرمائی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدُمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر سبقت نہ کرو۔
رَسُولِهِ۔ (الحجرات: ۱)

اور شحاک سے منقول ہے: قتال میں اور دین کے احکام میں یعنی اللہ اور اس کے رسول کے بغیر کسی کام کا فیصلہ نہ کرو، اور الکلبی

سے منقول ہے: تم رسول اللہ ﷺ پر کسی قول اور فعل سے پہلے سبقت نہ کرو حتیٰ کہ وہ خود تمہیں کسی کام کا حکم دیں، اور ابن زید سے منقول ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے بغیر کسی کام کا فیصلہ نہ کرو اور نبی ﷺ سے آگے نہ چلو۔
امْتَحَنَ أَخْلَصَ۔ امتحن کا معنی ہے: خاص کر لیا اور چن لیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَعْضُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ
الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِيَتَّقُوا لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرٌ
عَظِيمٌ (الحجرات: ۳)

بے شک جو لوگ رسول اللہ (ﷺ) کے سامنے اپنی آوازوں کو
پست رکھتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے
لیے پرکھ لیا ہے، ان ہی کے لیے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے امتحن کی تفسیر اخلاص کے ساتھ کی ہے اور امام عبدالرزاق نے قتادہ سے روایت کی ہے
کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اپنے پسندیدہ کاموں کے لیے چن لیا ہے۔

وَلَا تَتَّبِعُوا اِيْدَعٰى بِالْكَفْرِ بَعْدَ الْاِسْلَامِ۔
تَتَابَزُوا کا معنی ہے: اسلام کے بعد کسی کو کفر کے ساتھ پکارا
جائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا تَكْفُرُوا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ
الْاَسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ۔ (الحجرات: ۱۱)

اور تم ایک دوسرے کو طعن نہ دیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے
القاب سے بلاؤ، ایمان کے بعد فسق کہنا ناکثر ہر کام ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: تنابز کا معنی ہے: کسی مرد کو اسلام کے بعد کفر کے نام سے پکارا جائے۔ اس کا حاصل وہ ہے جو بھڑنے بہا
کہ کسی مسلمان مرد کو کافر کہہ کر نہ پکارو اور عکرمہ سے منقول ہے کہ تنابز کا معنی ہے: ایک مرد دوسرے مرد کو کافر، منافق یا فسق کہے
اور اس کے نزول کا سبب یہ ہے جو ضحاک نے روایت کی ہے: یہ آیت ہم میں یعنی بنو سلمہ میں نازل ہوئی ہے۔ نبی ﷺ جب
مدینہ میں آئے تو ہم میں سے ہر شخص کے دو دو یا تین تین نام تھے، پس جب ایک دوسرے مرد کو بلا تا تو ہم کہتے: یا رسول اللہ! یہ شخص
اس نام سے غضب ناک ہوتا ہے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا تَتَّبِعُوا بِالْاَلْقَابِ۔ (الحجرات: ۱۳)

يَلْتَكُمُ يَنْقُصُكُمْ اَلْتَنَانَقُصْنَا۔
يَلْتَكُمُ کا معنی ہے: ینقصکم یعنی تم میں کمی کرے گا، لتنا کا معنی
ہے: نَقُصْنَا یعنی ہم نے کمی کی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا
اِنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ رَحِيمٌ (الحجرات: ۱۴)

اور اگر تم اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی تو اللہ تمہارے
نیک اعمال سے کوئی کمی نہیں کرے گا، بے شک اللہ بہت بخشنے

والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یلتکم کی تفسیر ینقصکم کی ہے اور یہ لفظ لاقی یلیت لیتا سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: وہ
اس سے کوئی کمی نہیں کرے گا اور التنا کا معنی ہے: نقصنا اور یہ لفظ سورۃ الطور میں ہے، امام بخاری نے اس لفظ کو یہاں پر باستیع

ذکر کر دیا ہے۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۶۰-۲۵۹ میں کی ہے]

۱۔ بَابُ: لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ

النَّبِيِّ۔ (الحجرات: ۲)

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ پوری آیت اس طرح ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ
النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن
تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ① (الحجرات: ۲)

چتا بھی نہیں چلے گا ①

تَشْعُرُونَ کا معنی ہے: تعلمون یعنی تم جانتے ہو اور اسی سے الشاعر ماخوذ ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تَشْعُرُونَ کی تفسیر تعلمون کی ہے اور اسی طرح دوسرے مفسرین نے اس کی تفسیر کی ہے، امام بخاری نے کہا: اسی سے الشاعر ماخوذ ہے، کہا جاتا ہے: شعرت بالشیخ میں نے اس چیز کو ذہانت سے جان لیا اور اسی سے شاعر ماخوذ ہے کیونکہ وہ بھی ذہین ہوتا ہے۔ (عمدة القلیدی ج ۱۹ ص ۲۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۳۵۔ حَدَّثَنَا يَسْرَةُ بْنُ صَفْوَانَ بْنِ جَبِيلٍ
اللُّخْمِيُّ حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ
كَادَ الْخَيَرَانِ أَنْ يَهْلِكََا أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا
رَفَعَا أَصْوَاتَهُمَا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ قَدِمَ عَلَيْهِ
رَكْبُ بَنِي تَيْمٍ فَأَشَارَ أَحَدُهُمَا بِالْأَقْرِعِ بْنِ حَابِسٍ
أَبْنِ بَنِي مُجَاشِيمٍ وَأَشَارَ الْآخَرُ بِرَجُلٍ آخَرَ قَالَ
نَافِعٌ لَا أَحْفَظُ اسْمَهُ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ لِعُمَرَ مَا أَرَدْتُ إِلَّا
خِلَافِي قَالَ مَا أَرَدْتُ خِلَافَكَ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا فِي
ذَلِكَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا
أَصْوَاتَكُمْ﴾ الْآيَةَ قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ فَمَا كَانَ عُمَرُ يُسَبِّحُ
رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعْدَ هَذِهِ الْآيَةِ حَتَّى يَسْتَفْهِمَهُ
وَلَمْ يَذْكُرْ ذَلِكَ عَنْ أَبِيهِ يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یسرہ بن صفوان بن جبیل اللخمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں نافع بن عمر نے حدیث بیان کی از ابن ابی ملیکہ، انہوں نے بیان کیا: قریب تھا کہ سب سے بہتر دو مرد ہلاک ہو جاتے یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما، ان دونوں نے نبی ﷺ کے سامنے اپنی آوازیں بلند کیں جب آپ کے پاس بنو تمیم کے سوار آئے تھے تو ان میں سے ایک نے اقرع بن حابس کو امیر بنانے کا اشارہ کیا جو بنی مجاشع کا بھائی تھا اور دوسرے نے دوسرے مرد کو امیر بنانے کا اشارہ کیا، نافع نے کہا: مجھے اس کا نام یاد نہیں، پس حضرت ابو بکر نے حضرت عمر سے کہا: تم نے صرف میری مخالفت کا ارادہ کیا ہے، حضرت عمر نے کہا: میں نے آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا: پس اس معاملہ میں دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ ① (اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو) حضرت ابن الزبیر نے کہا: اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت عمر بہت پست آواز سے رسول اللہ ﷺ کو کوئی بات سناتے تھے حتیٰ کہ آپ ان سے اس بات کو پوچھتے تھے اور حضرت

ابن الزبیر نے اس کے متعلق اپنے باپ (اپنے نانا) یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق کوئی بات نہیں کی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۳۴ میں گزر چکی ہے تاہم بعض مشکل اور مجمل الفاظ کی شرح کی جارہی ہے:

بنو تمیم کے سواروں کے آنے کی تاریخ اور آپ کے سامنے بعض خواتین کے بلند آواز سے باتیں کرنے کی توجیہ علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب آپ کے پاس بنو تمیم کے سوار آئے: یہ سوار آپ کے پاس نو (۹) بھری میں اونٹوں پر سفر کر کے آئے تھے۔ ان میں سے ایک نے اقرع بن حابس کو امیر بنانے کو کہا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں حضرت اقرع کی وفات ہو گئی تھی۔ اور دوسرے نے دوسرے آدمی لیے کہا: وہ دوسرا مرد القعقاع بن معبد بن زرارہ تھا۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت عمر بہت پست آواز سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بات سناتے تھے: کیونکہ اس آیت کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے بات کرنا حرام ہو گیا تھا، اس پر یہ اشکال ہے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت عمر اجازت لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس وقت آپ کے پاس قریش کی خواتین تھیں جو آپ سے بلند آواز میں باتیں کر رہی تھیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کا بلند آواز سے باتیں کرنا ممانعت سے پہلے ہو یا سب عورتوں کی آواز مل کر بلند ہو گئی ہو اور ہر ایک کی آواز بلند نہ ہو۔

اور اس کے متعلق حضرت ابن الزبیر نے اپنے باپ سے یعنی اپنے نانا سے کوئی بات نہیں سنی: علامہ کرمانی نے کہا کہ نانا کے اوپر باپ کا اطلاق مجاز ہے کیونکہ حضرت ابوبکر حضرت عبداللہ بن زبیر کی ماں کے باپ تھے اور ان کی ماں حضرت اسماء بنت ابی بکر تھیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۶۲-۲۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۴۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا أَزْهَرُ بْنُ سَعْدٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْنٍ قَالَ أُنْبِئْنِي مُوسَى بْنُ أَنَسٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ افْتَقَدَ ثَابِتَ بْنَ قَيْسٍ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا أَعْلَمُ لَكَ عِلْمُهُ فَأَتَاَهُ فَوَجَدَهُ جَالِسًا فِي بَيْتِهِ مُنْكَسًا رَأْسَهُ فَقَالَ لَهُ مَا شَأْنُكَ فَقَالَ شَرٌّ كَانَ يَزِقُّمُ صَوْتَهُ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَلَمَّا رَجُلُ النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَالَ كَذًا وَكَذَا فَقَالَ مُوسَى فَرَجَعْنَا إِلَيْهِ السَّرَّةَ الْآخِرَةَ بِبَشَارَةِ عَظِيمَةٍ فَقَالَ أَذْهَبَ إِلَيْهِ فَقُلْ لَهُ إِنَّكَ لَسْتَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَلَكِنَّكَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ازہر بن سعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عون نے خبر دی انہوں نے کہا: مجھے موسیٰ بن انس نے خبر دی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو گم پایا تو ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! میں آپ کو ان کا پتا بتاتا ہوں، پس وہ حضرت ثابت بن قیس کے پاس گئے تو دیکھا وہ اپنے گھر میں سر جھکائے ہوئے بیٹھے تھے تو انہوں نے ان سے پوچھا: تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا، بہت برا حال ہے، (انہوں نے بتایا: وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کرتے تھے تو (انہوں نے گمان کیا ہے) ان کا عمل ضائع ہو گیا اور وہ اہل دوزخ سے ہو گئے ہیں، پس وہ مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے آپ کو اس بات کی خبر دی اور بتایا کہ اس نے اس طرح اور اس طرح کہا ہے،

موسیٰ (بن انس) نے کہا: پھر وہ مرد دوسری بار حضرت ثابت بن قیس کے پاس عظیم بشارت لے کر گیا، آپ نے فرمایا: تم اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ تم اہل دوزخ سے نہیں ہو لیکن تم اہل جنت سے ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۱۳ میں گزر چکی ہے۔

حضرت ثابت بن قیس کو جنت کی بشارت دی گئی تو یہ عشرہ مبشرہ پر زائد ہو گئے؟ اس اعتراض کا جواب

مامہ مینی لکھتے ہیں: حضرت ثابت بن قیس کے جنتی ہونے کی اس حدیث میں تصریح ہے اور یہ اس حدیث کے منافی نہیں ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ جنتی صحابہ دس (۱۰) ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ عشرہ مبشرہ کو ایک مجلس میں جنت کی بشارت دی گئی تھی، ان کے علاوہ جن کو جنت کی بشارت دی گئی ہے وہ الگ الگ مواقع پر دی گئی ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ عدد کے مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہوتا اس لیے دس (۱۰) سے زیادہ کی بشارت کی نفی نہیں ہوگی۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ عشرہ مبشرہ وہ ہیں جن کو لفظ بشارت کے ساتھ جنت کی بشارت دی گئی اور یہ تاویل اس لیے ضروری ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کی ازواج اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسنین کریمین بھی اہل جنت سے ہیں۔ (مدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۶۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابُ: إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ

الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اے رسول مکرم!) بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں ۝ (الحجرات: ۴)

الحجرات: ۴، کا شان نزول

مامہ مینی لکھتے ہیں: منسیرین نے کہا ہے کہ قبیلہ تمیم کے اعراب نے یعنی دیہاتیوں نے ندا کی: اے محمد! ہماری طرف باہر آئیں اور قنادہ نے کہا کہ زید بن ارقم سے روایت ہے کہ چند دیہاتی لوگ نبی ﷺ کی طرف آئے اور انہوں نے ایک دوسرے سے کہا ہم اس مرد کی طرف جاتے ہیں، اگر یہ واقعی نبی ہیں تو ہم لوگوں میں سے سب سے زیادہ کامیاب ہوں گے اور اگر وہ بادشاہ ہیں تو ہم ان کے سامنے میں زندگی گزاریں گے، پس وہ نبی ﷺ کے حجرے کی طرف آئے اور آپ کو ندا کرنے لگے: یا محمد! یا محمد! تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ الْاِیَہ (بے شک جو لوگ آپ کو ندا کرتے ہیں)۔ (مدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۶۳)

۳۸۴۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا حُجَّابٌ عَنْ ابْنِ جُرَیجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُمْ أَنَّهُ قَدِمَ رَكْبٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ أَبُو هَنْكٍ أَمَرَ الْقَعْقَاعَ بْنَ مَعْبُدٍ وَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْاَقْرَعِ بْنُ حَابِسٍ فَقَالَ أَبُو هَنْكٍ مَا أَرَدْتُ إِلَّا جَلَالِي فَقَالَ عُمَرُ مَا أَرَدْتُ خِلَافَكَ فَتَنَازَيَا حَتَّى ارْتَفَعَتْ أَمْوَاتُهُمَا فَتَنَزَّلَ بِي

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حجاج نے حدیث بیان کی از ابن جریج، انہوں نے کہا: مجھے ابن ابی ملیکہ نے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی کہ نبی ﷺ کے پاس بنو تمیم کے سوار آئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ان کے اوپر القعقاع بن معبد کو امیر بنائیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بلکہ ان کے اوپر الاقرع بن حابس کو امیر بنائیں، پس حضرت ابوبکر نے

ذَلِكْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ
وَرَسُولِهِ حَتَّى انْقَضَتْ الْآيَةُ۔

کہا: تم نے میری طرف کیا ارادہ کیا ہے یا کہا: تم نے صرف میری مخالفت کا ارادہ کیا ہے۔ حضرت عمر نے کہا: میں نے آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا: پھر وہ دونوں بحث کرنے لگے حتیٰ کہ ان کی آوازیں بلند ہونے لگیں تو اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (الحجرات: ۱) (اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر سبقت نہ کرو) حتیٰ کہ یہ آیت پوری ہو گئی۔

اس حدیث کی شرح صحیح بخاری: ۴۳۶۷ میں گزر چکی ہے۔

۳۔ بَابُ: وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ
لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ۔ (الحجرات: ۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اگر یہ لوگ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ خود باہر آ جاتے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا۔ (الحجرات: ۵) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: صحیح بخاری کے تمام نسخوں میں اسی طرح مذکور ہے، باب کا عنوان تو قائم کیا ہے لیکن اس کے بعد اس کے متعلق کوئی حدیث ذکر نہیں کی، پس یا تو امام بخاری کو اس باب کے مناسب اپنی شرط کے مطابق کوئی حدیث ملی نہیں یا ان پر اس سے پہلے موت آ گئی، کہ وہ اس باب کے مناسب کوئی حدیث درج کر دیتے۔

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الحجرات کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اب ان شاء اللہ سورۃ ق کی تفسیر میں انہوں نے جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۵۰۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ ق

سورہ ق کی تفسیر

سورہ ق کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورہ ق کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت میں پینتالیس (۳۵) آیات ہیں، یہ سورہ مکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ق اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے اور قنادر سے روایت ہے کہ یہ قرآن مجید کے اسماء میں سے ایک اسم ہے، علامہ قرطبی سے منقول ہے کہ ق سے مراد اللہ تعالیٰ کے یہ اسماء ہیں: قدیر، قادر، قاهر، قریب، قاضی اور قابض، اور الشبی سے منقول ہے کہ ق سے سورت کا افتتاح کیا ہے۔

رَجَعٌ بَعِيدٌ اس کا معنی ہے: دنیا کی طرف دوبارہ لوٹا یا جانا بہت

بعید ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِذَا مَثَلْنَا كُنَّا شُرَآئِبًا ذَلِكُمْ رَجَعٌ بَعِيدٌ (ق: ۳)

گئے، بے شک یہ لوٹنا (عقل سے) بعید ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے رَجَعٌ بَعِيدٌ کی یہ تفسیر کی ہے کہ دوبارہ زندگی کی طرف لوٹا یا جانا بعید ہے کیونکہ مشرکین مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا اعتراف نہیں کرتے تھے۔

فُرُوجٌ فَتُوقَى وَاجِدُهَا فَرْجٌ۔

فرج ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بُنِيَتْهَا وَذُرِّيَّاتُهَا وَ مَا

اور کس طرح اس کو (ستاروں سے) مزین کیا اور اس میں کوئی

لَهَا مِنْ فُرُوجٍ (ق: ۶)

شکاف نہیں ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: الفروج، فرج کی جمع ہے اور ابن زید سے منقول ہے: الفروج اس چیز کو کہتے ہیں جس کے اجزاء ایک

دوسرے سے متفرق ہوں اور الکسائی سے منقول ہے کہ آسمانوں میں کوئی تفاوت اور اختلاف نہیں ہے۔

مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ وَبِيدَا فِي خَلْقِهِ وَالْعَمَلُ حَبْلٌ

مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ یعنی طلق میں دو رگیں ہیں، العمل گردن کی

ری ہے۔

الغائبی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَنَحْنُ أَقْدَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝ (ق: ۶) اور ہم (انسان کی) شرگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں ○ علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی ہم اس پر اس کی شرگ سے زیادہ قادر ہیں چونکہ یہ شرگ رسی کے مشابہ ہوتی ہے اس لیے اس کو الحبل فرمایا، اس رگ کے کٹنے سے انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ امام طبری نے اس تفسیر کو اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْ عِظَامِهِمْ۔ اور مجاہد نے کہا: ما تنقص الأرض منهم زمین ان کی ہڈیوں سے جو کم کرتی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے: قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ۔ (ق: ۴) بے شک ہم جانتے ہیں کہ زمین ان سے کتنا کم کرتی ہے۔ علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے اجسام میں سے جو کم کرتی ہے۔ تَبْصِرَةٌ بَصِيرَةٌ۔ تبصرة اس کا معنی ہے: بَصِيرَةٌ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے: تَبْصِرَةٌ وَفِي كُلِّ عَصَا مُنِيبٌ ۝ (ق: ۸) جو بصیرت اور نصیحت ہیں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے ○ علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تبصرة کی تفسیر بصیرت کے ساتھ کی ہے یعنی ہم نے اس کو بصیرت بنا دیا اور منیب کا معنی ہے: مخلص۔

حَبِّ الْحَصِيدِ الْحِنَظَةِ۔ حَبِّ الْحَصِيدِ یعنی کاٹی ہوئی فصل کے دانے، اس سے مراد گندم ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے: وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَبْتًا وَحَبِّ الْحَصِيدِ ۝ (ق: ۹) اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا، پھر ہم نے اس سے باغات اور کھیتوں میں کاٹی جانے والی فصل کے دانے اگائے ○ علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے ان دانوں کی تفسیر گندم کے ساتھ کی ہے اسی طرح جو اور باقی دانے بھی ہیں۔ بَاسِقَاتِ الْيَتَاوَالِ۔ بسقت اس کا معنی ہے: اونچے اونچے اور لمبے لمبے درخت۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے: وَالنَّخْلَ بَسِطَتْ لَهَا ظِلًّا تَضِيئًا ۝ (ق: ۱۰) اور کھجور کے لیے درخت اگائے جن پر تہ بہ تہ پھل لدے ہوئے ہیں ○ علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے بسیت کی تفسیر لمبے درختوں کے ساتھ کی ہے، جب کوئی چیز لمبی اور طویل ہو تو اس کو کہا جاتا ہے: بسق الشیخ اور روایت ہے کہ نبی ﷺ بسیت کو ص کے ساتھ پڑھتے تھے۔

أَفَعَيَّنَا أَفَاعَيْنَا عَلَيْنَا حِينَ أَنْشَأَكُمْ وَأَنْشَأَ خَلْقَكُمْ۔ أَفَعَيْنَا اس کا معنی ہے: کیا ہم پر بوجھ بن گیا ہے یا ہم کو تھکا دیا ہے جب ہم نے تم کو پیدا کیا اور ہم نے تمہاری صورتیں بنائیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے: أَفَعَيْنَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِنْ خَلْقٍ تو کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں؟ (نہیں) بلکہ وہ اپنے

جَدِيدٌ (ق: ۱۵)

از سر نو پیدا ہونے کے متعلق شک میں مبتلا ہیں O

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اَفْعَيْنَا کی تفسیر کی ہے اَفْعَايَا عَلَيْنَا یعنی کیا ہم دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز ہو گئے ہیں یا ہم پر یہ مشعل ہو گیا ہے۔ عیبی عن کذا کا معنی ہے: اس سے عاجز ہو گئے، بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ اس کا معنی ہے: شیطان نے ان کو شک میں ڈال دیا، ياقن حَقِّ جَدِيدٍ یعنی دوبارہ پیدا کرنے سے۔

وَقَالَ قَرِينُهُ الشَّيْطَانُ الَّذِي قَبِضَ لَهُ
وَقَالَ قَرِينُهُ اس سے مراد وہ شیطان ہے جو اس کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالَ قَرِينُهُ هَذَا أَصَلَدُ مَيِّ عَتِيدٌ (ق: ۲۳)
اور اس (کی زندگی) کا ساتھی (فرشتہ) کہے گا: یہ اس کا اعمال عام

ہے جو میرے پاس تیار ہے O

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے قرین کی تفسیر شیطان کے ساتھ کی ہے جو اس کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور قنادر سے منقول ہے: اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جو اس کے ساتھ مقرر کیا گیا ہے، اسی طرح تفسیر ثعلبی میں ہے۔

فَنَقَّبُوا فُجُورًا
فَنَقَّبُوا کا معنی ہے: زمین میں سفر کیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ فَلَ مِنْ فَجِيئَةٍ (ق: ۳۶)
انہوں نے بہت سے شہروں کو کھنگال ڈالا کہ کہیں چھکارے کی

جگہ ہو O

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے نَقَّبُوا کی تفسیر کی ہے: زمین میں سفر کرنے کے ساتھ، اسی طرح مجاہد سے منقول ہے اور ان سے منقول ہے کہ وہ زمین میں گھومے پھرے اور افراد سے منقول ہے: انہوں نے زمین کو کھنگال ڈالا، فَنَقَّبُوا میں قاف پر زید بھی پڑھا ہے اور یہ امر کا صیغہ ہے جو تہدید اور وعید کے لیے ہے یعنی تم تمام شہروں میں اور تمام روئے زمین میں گھوم پھر کر دیکھو۔ میں موت سے نجات ہے تہدید اور وعید کا معنی ہے: ڈانٹ ڈپٹ۔

أَوَ أَلْقَى السَّمْعَ لَا يَحْدُثُ نَفْسُهُ بَغْيًا
أَوَ أَلْقَى السَّمْعَ اس کا معنی ہے: وہ اپنے دل میں اس کے علاوہ اور کوئی بات نہ سوچیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَوَ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ (ق: ۳۷)
یا جو کان لگا کر سنے اور اس کا ذہن حاضر ہو O

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے أَوَ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ کی تفسیر کی ہے کہ وہ اپنے دل میں اس کے علاوہ اور کوئی بات نہ سوچیں یعنی وہ آواز کی طرف کان لگائیں اور ان کا ذہن حاضر ہو۔

وَحِينَ انشأكم وانشأكم یعنی وہ تمہاری خلقت بنائی۔

علامہ مینی لکھتے ہیں: اس تعلیق کا تعلق اَفْعَيْنَا (ق: ۱۵) سے ہے یعنی تو کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے چھک گئے ہیں؟ یہ ظاہر اس تعلیق سے ہے کہ تہدید ہونا یا یہ تعالین یہ ہو کہ اس کی وجہ سے یہاں لکھی گئی۔

رَقِيبٌ عَتِيدٌ اس کا معنی ہے: رصد یعنی جو کسی کی گھات میں ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ①

(ق: ۱۸) (فرشتہ) منتظر ہوتا ہے ②

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے رَقِيبٌ عَتِيدٌ کی تفسیر رصد کے ساتھ کی ہے یعنی جو انتظار کرتا ہے اور نگاہات میں ہوتا ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ رقیب کا معنی حافظ ہے اور عتید کا معنی حاضر ہے۔

سَائِقٌ وَشَهِيدٌ الْمَلَكَانِ كَاتِبٌ وَشَهِيدٌ ③

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ④

(ق: ۲۱) اور ایک گواہ ہوگا ⑤

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ ایک لکھنے والا ہے اور دوسرا گواہ ہے اور حسن بصری سے منقول ہے کہ ایک اس کو چلانے والا ہوگا اور دوسرا گواہ ہوگا۔

شَهِيدٌ شَاهِدٌ بِالْغَيْبِ ⑥

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ ⑦

وَهُوَ شَهِيدٌ ⑧ (ق: ۳۷)

علامہ عینی لکھتے ہیں: الکشمہینی کی روایت بالقلب ہے اور دوسروں کی روایت بالغیب ہے اور اسی طرح مجاہد سے روایت ہے۔

مِنْ لُغُوبٍ النَّصَبِ ⑨

لُغُوبٌ اس کا معنی ہے: النصب یعنی تھکاوٹ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ ⑩

أَيَّامٍ ⑪ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ ⑫ (ق: ۳۸)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے لغوب کی تفسیر نصب کے ساتھ کی ہے جس کا معنی ہے: مشقت اور تھکاوٹ، امام عبدالرزاق

نے از معمر از قتادہ یہ روایت کی ہے کہ یہود نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور تخلیق سے جمعہ کے دن فارغ ہو گیا

اور ہفتہ کے دن اس نے آرام کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کی اور فرمایا: وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ ⑬ اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی ⑭

وَقَالَ غَيْرُهُ نَصِيدُ الْكُفْرَى مَا دَامَ فِي أَكْثَامِهِ ⑮

مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا: نصید یعنی خوشہ اس وقت تک

ہوتا ہے جب تک وہ اپنے غلاف میں ہو اور اس کا معنی ہے: بعض

بعض کے اوپر تہ بہ تہ ہیں: پس جب وہ اپنے غلاف سے نکل

جائے تو وہ نصید نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالنَّخْلُ لِيُثْقِلَ لَهَا كَلِمَةُ نُضِيدٌ ۝ (ق: ۱۰)

اور کھجور کے لیے لیے اور اونچے درخت اگائے جن پر تہ بہ تہ
شکوے لہے ہوئے ہیں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے نضید کی تفسیر کُفَّيْثُ کے ساتھ کی ہے (کاف پر پیش اور فاء پر زبر اور جاء پر تشدید) یہ اس
شکوے کو کہتے ہیں جب تک وہ اپنے غلاف میں ہو، اس کی تفسیر عنقریب گزر چکی ہے۔ مسروق نے کہا کہ جنت کے کھجور کے درخت
اپنی جڑ سے لے کر پتوں تک نضید ہیں اور ان کے پھل منکوں اور ڈولوں کے برابر تہ بہ تہ ہیں، جب ان میں ایک پھل توڑا جاتا ہے تو
اس کی جگہ فوراً دوسرا لگ جاتا ہے۔

وَإِذَا بَارَأَ النُّجُومَ ۝ (الطور: ۴۹) إِذَا بَارَأَ النُّجُومَ ۝ (ق: ۴۰)
میں عاصم ق کی آیت میں ادبار کے ہمزہ پر زبر پڑھتے ہیں اور طور
کی آیت میں ہمزہ پر زبر پڑھتے ہیں اور بعض دونوں لفظوں پر زبر
پڑھتے ہیں اور بعض دونوں لفظوں پر زبر پڑھتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبَّحَهُ وَأَذْبَارَ النُّجُومِ ۝ (ق: ۴۰)
اور رات کے کچھ حصہ میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور نمازوں کے بعد
(بھی) ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: ابو عمرو اور الکسائی نے ہمزہ پر زبر پڑھنے میں عاصم کی موافقت کی ہے اور نافع، ابن کثیر اور حمزہ نے عاصم
کی مخالفت کی ہے اور ہمزہ پر زبر پڑھی ہے، علامہ داؤدی نے کہا ہے: جس نے زیر کے ساتھ اذبار النجوم پڑھا وہ ستاروں کے
ماکل اور جھٹکنے کا ارادہ کرتا ہے اور جس نے ہمزہ پر زبر پڑھی ہے وہ اس آیت کی موافقت کرتا ہے:

وَسَبَّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ
الْعُرُوبِ ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبَّحَهُ وَأَذْبَارَ النُّجُومِ ۝
آفتاب سے پہلے ۝ اور رات کے کچھ حصہ میں بھی اس کی تسبیح
کیجئے اور نمازوں کے بعد (بھی) ۝ (ق: ۴۰، ۴۱)

اس کا معنی ہے: حقیقتاً تسبیح کیجئے اور ایک قول ہے: فرض نمازوں کے بعد اس کی تسبیح کیجئے، دوسرا قول ہے: فرض نمازوں کے
بعد نوافل پڑھیے، طلوع الشمس سے پہلے کا معنی ہے: صبح کے وقت اور غروب سے پہلے کا معنی ہے: عصر کے وقت اور رات کے
کچھ حصہ میں اس کی تسبیح کیجئے، اس سے مراد ہے: عشاء کی نماز میں اور ایک قول ہے: تہجد کی نماز میں، اور اذبار النجوم کا معنی ہے:
مغرب کے بعد دو رکعت اور ادبار النجوم کا معنی ہے: فجر سے پہلے دو رکعت اور ادبار کا لفظ دُہْر کی جمع ہے۔ امام بخاری نے کہا: اور
بعض دونوں میں زیر پڑھتے تھے یعنی سورہ طور اور سورہ ق میں دونوں میں ادبار کے ہمزہ پر زبر پڑھتے ہیں اور بعض دونوں میں
ادبار کے ہمزہ پر زبر پڑھتے ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَوْمَ الْخُرُوجِ يَوْمَ يَخْرُجُونَ إِلَى
النَّهْثِ مِنَ الْقُبُورِ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یوم الخروج کا معنی ہے:
جس دن وہ قبروں سے نکالے جائیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَوْمَ يَسْتَعْفِفُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمٌ
جس دن لوگ حق کی آواز برحق سنیں گے، یہ قبروں سے نکلنے کا دن

الْخُرُوجُ ⑤ (ق: ۳۲)

ہے

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام ابن ابی حاتم نے اس تعلیق کی سند موصول کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۶۷-۲۶۸ میں کی ہے]

۱۔ بَابُ: وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ ⑤

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اور دوزخ کہے گی: کیا کچھ اور

زیادہ (لوگ) ہیں) ⑤ (ق: ۳۰) کی تفسیر

(ق: ۳۰)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ پوری آیت اس طرح ہے:

يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلْ امْتَلأتِ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ ⑤ (ق: ۳۰)

گئی؟ اور وہ کہے گی: کیا کچھ اور زیادہ (لوگ) ہیں ⑤

علامہ ثعلبی لکھتے ہیں: اس آیت میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قُلُوبُ کے معنی میں ہو یعنی اب اضافہ کی گنجائش نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے

کہ قُلُوبُ استفہام کے معنی میں ہو یعنی کیا اور بھی کچھ لوگ ہیں؟ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۶۷)

۳۸۴۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا
حَرَمِيُّ بْنُ عَمَارَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يُنْقَلَى فِي النَّارِ
وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ حَتَّى يَضَعَ قَدَمَهُ فَيَقُولُ قَطْ
قَطْ۔

(صحیح البخاری: ۲۶۶۱-۲۶۸۳)، (ترمذی: ۳۲۷۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن ابی الاسود نے
حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حرمی بن عمارہ نے حدیث
بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از
حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: دوزخ میں اہل
دوزخ کو ڈالا جائے گا اور دوزخ کہے گی: کیا کچھ اور بھی زیادہ لوگ
ہیں حتیٰ کہ رب العزت اس میں اپنا قدم رکھ دے گا تو دوزخ کہے
گی: مجھے یہ لوگ کافی ہیں۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن موسیٰ القطان نے حدیث
بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوسفیان الحمیری سعید بن یحییٰ بن
مہدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عوف نے حدیث
بیان کی از محمد از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ اس حدیث کو مرفوع
بیان کرتے ہیں اور ابوسفیان اس کو اکثر موقوف بیان کرتے ہیں،
جہنم سے کہا جائے گا: کیا تو پر ہو گئی، وہ کہے گی: کیا کچھ اور لوگ بھی
ہیں؟ پس رب تبارک و تعالیٰ اس پر اپنا قدم رکھ دے گا تو جہنم کہے
گی: مجھے یہ لوگ کافی ہیں، مجھے یہ لوگ کافی ہیں۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث
بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی،

۳۸۴۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى الْقَطَّانُ حَدَّثَنَا
أَبُو سُفْيَانَ الْحَنْبَرِيُّ سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ مَهْدِيٍّ
حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ وَكَثُرَ مَا
كَانَ يُوقِفُهُ أَبُو سُفْيَانَ يُقَالُ لِجَهَنَّمَ هَلْ امْتَلأتِ
وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ فَيَضَعُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى
قَدَمَهُ عَلَيْهَا فَتَقُولُ قَطْ قَطْ

۳۸۵۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ
الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ

عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ تَعَاَجَتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَقَالَتْ النَّارُ أُوْثِرْتُ بِالسَّكَتَيْنِ وَالْمَسْجُوتَيْنِ وَقَالَتْ الْجَنَّةُ مَا لِي لَا يَدْخُلْنِي إِلَّا ضُعَفَاءُ النَّاسِ وَسَقَطُهُمْ قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَلْجَنَّةِ أَنْتِ رَحِمَتِي أَرْحَمُ بِكَ مَنْ أَسَاءَ مِنْ عِبَادِي وَقَالَ لِلنَّارِ إِنَّمَا أَنْتِ عَذَابِي أُعَذِّبُ بِكَ مَنْ أَسَاءَ مِنْ عِبَادِي وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا مَلَكًا فَأَمَّا النَّارُ فَلَا تَسْتَلِي حَتَّى يَضَعَ رِجْلَهُ فَيَقُولُ قَطْ قَطْ فَهَذَا لَكَ تَسْتَلِي وَيُزَوَّى بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ وَلَا يَطْلِيهِ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ خَلْقِهِ أَحَدًا وَأَمَّا الْجَنَّةُ فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَنْشِئُ لَهَا خَلْقًا

انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی ازہام از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت اور دوزخ نے مباحثہ کیا، پس دوزخ نے کہا: مجھے متکبرین اور جابر لوگوں کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اور جنت نے کہا: مجھے متکبرین اور جابر لوگوں کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اور جنت نے کہا: مجھے کیا ہوا کہ میرے اندر صرف کمزور اور کم حیثیت لوگ داخل ہوں گے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے جنت سے فرمایا: تو میری رحمت ہے میں تیرے سبب سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں گا رحم فرماؤں گا اور دوزخ سے فرمائے گا: تو صرف میرا عذاب ہے میں تیرے سبب سے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہوں گا عذاب دوں گا، جنت اور دوزخ میں سے ہر ایک کے لیے بھرنا ہوگا، رہی دوزخ تو وہ اس وقت تک نہیں بھرے گی حتیٰ کہ رب العزت (اپنی شان کے مطابق) اس میں اپنا پیر رکھ دے گا تو وہ کہے گی: مجھے یہ لوگ کافی ہیں، مجھے یہ لوگ کافی ہیں، پس اس وقت دوزخ بھر جائے گی اور دوزخ کے حصے ایک دوسرے پر چڑھ جائیں گے اور اللہ عزوجل اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور رہی جنت تو اللہ عزوجل اس کے لیے ایک مخلوق کو پیدا کرے گا۔

جنت اور دوزخ کے مباحثہ کی کیفیت، جنت میں زیادہ تر پسماندہ لوگ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت پر دلیل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جنت اور دوزخ نے مباحثہ کیا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے زبان حال سے مباحثہ کیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے زبان حال سے مباحثہ کیا ہو۔

دوزخ نے کہا: مجھے متکبرین اور جابر لوگوں کے ساتھ خاص کیا گیا ہے: لغوی طور پر ان دونوں لفظوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور دوسرا لفظ پہلے کی تاکید ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ متکبر وہ ہوتا ہے جو ان اوصاف کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہو جو اس میں نہ ہوں اور جابر وہ ہے جو اس کے برخلاف ہو (یعنی وہ ان اوصاف کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھے جو اس میں ہوں)۔

اور جنت کہے گی: میرے اندر صرف کمزور اور کم حیثیت لوگ ہیں: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے ضعف کی وجہ سے اکثر لوگ ان کی طرف توجہ نہیں کرتے اور ان کو اپنے دروازوں سے دھتکار دیتے ہیں، لوگوں کے نزدیک وہ حقیر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ عظیم ہوتے ہیں کیونکہ یہ لوگ بہت زیادہ تواضع کرنے والے ہوتے ہیں اور یہ حصر المطلب اور اکثر کے اعتبار سے ہے کیونکہ اکثر جنتی لوگ فقراء اور مساکین ہوں گے اور جنت میں مال دار لوگ بہت کم ہوں گے۔

اور اللہ جنت کے لیے ایک مخلوق کو پیدا کرے گا: امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جنت میں اتنی جگہ باقی ہوگی جتنی اللہ تعالیٰ چاہے گا، پھر اس کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو پیدا فرمائے گا جس کو وہ چاہے گا اور دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں اپنے فضل سے ایک مخلوق کو پیدا کرے گا، علامہ نووی نے لکھا ہے: اس حدیث میں اہل سنت کی یہ دلیل ہے کہ ثواب عطا فرمانا اعمال پر موقوف نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں کو اس وقت پیدا کیا جائے گا، ان کو جنت عطا کی جائے گی اور ان کو جنت اور اس کا ثواب بغیر عمل کے عطا کیا جائے گا اور اسی کی مثل وہ نابالغ بچے اور دیوانے ہیں جنہوں نے کوئی نیک عمل نہیں کیا اور وہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل سے جنت میں ہوں گے اور اس حدیث میں جنت کی وسعت پر بھی دلیل ہے کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک جنتی شخص کو دنیا کی دس گنا نعمتیں دی جائیں گی، اور علامہ ابن الملقن نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت سے فرمائے گا: تم وسیع ہو جاؤ تو وہ اتنی تیزی سے وسیع ہوگی جس طرح تیرکمان سے نکلتا ہے۔

دوزخ میں اللہ تعالیٰ کے قدم رکھنے اور پیر رکھنے کے متعلق دو مذہب اور قدم رکھنے اور پیر رکھنے کی مختلف تاویلات
جن احادیث میں دوزخ میں اللہ عزوجل کے قدم رکھنے کا ذکر ہے، یہ مشہور احادیث الصفات ہیں اور ان میں علماء کے دو مذہب ہیں:

(۱) مذہب المغوضہ: اللہ تعالیٰ نے قدم رکھنے سے جس معنی کا ارادہ کیا ہے وہ برحق ہے اور اس کا ایسا معنی ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور اس کا ظاہر معنی مراد نہیں ہے، جمہور سلف اور متکلمین کی جماعت کا یہی مذہب ہے۔

(۲) مذہب السؤلہ: اور یہ جمہور متکلمین کا مذہب ہے اور ان میں قدم اور پیر رکھنے کی تاویل میں اختلاف ہے۔

قدم کی حسب ذیل تاویلات ہیں:

(الف) قدم سے مراد مُتَقَدِّم ہے اور اس کا معنی یہ ہے: جن لوگوں کو پہلے عذاب دیا جائے گا ان کو دوزخ میں رکھ دے گا۔

(ب) اس سے مراد بعض مخلوق کا قدم ہے اور قدمہ کی ضمیر اس مخلوق کی طرف راجع ہے جو اللہ کو معلوم ہے۔

(ج) یا کوئی مخلوق ہے جس کا نام قدم ہے، اللہ اس مخلوق کو دوزخ میں رکھ دے گا۔

(د) قدم سے مراد جگہ ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان لوگوں کو اور ان جگہوں کو دوزخ میں ڈال دے گا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی یا جن جگہوں پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی اور دوزخ یہ کہتی رہے گی کہ مجھ میں اور لوگ اور جگہیں ڈال حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس میں اتنی جگہیں ڈال دے گا اور اتنے کافر لوگ ڈال دے گا جن سے دوزخ بھر جائے گی۔

(ه) قدم رکھنے سے مراد زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ ہے جیسے کوئی شخص کہے: یہ تمام چیزیں تو میرے قدم کے نیچے ہیں، پس اللہ تعالیٰ دوزخ کو زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کرے گا جس کے بعد وہ مزید لوگوں کے ڈالنے کا مطالبہ نہیں کرے گی۔

(و) علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ قدم سے مراد آخر ہے کیونکہ قدم آخر اعضاء ہے اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ میں اہل دوزخ کے آخر کو رکھ دے گا۔

بعض روایات میں قدم رکھنے کی بجائے پیر رکھنے کا ذکر ہے، امام ابو بکر بن فورک نے کہا ہے کہ پیر کا لفظ اہل نقل کے نزدیک ثابت نہیں ہے، لیکن ان کے اس قول کو رد کیا گیا ہے کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں پیر کا لفظ ہے۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ جن روایات میں پیر کا لفظ ہے وہ بعض راویوں کی تحریف ہے کیونکہ انہوں نے یہ گمان کیا کہ قدم سے مراد عضو ہے اور اس کو انہوں نے پیر سے تعبیر کیا۔

اور مؤولین نے پیر کی تعریف میں بھی اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ لفظ زجر و توبیخ کے لیے ہے جیسے تم کہو کہ میں نے فلاں

چیز کو اپنے پاؤں کے نیچے رکھ دیا، اور اس کا بیان ہم قدم کی تاویل میں کر چکے ہیں۔ دوسری تاویل یہ ہے کہ اس سے مراد بعض مخلوق کا پیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس مخلوق کے پیر کو دوزخ میں رکھ دے گا، تیسری تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے کسی مخلوق کا نام پیر ہے، اللہ تعالیٰ اس مخلوق کو دوزخ میں رکھ دے گا۔

اور بعض علماء نے ان تمام احادیث کا انکار کیا اور ان کی تکذیب کی ہے اور یہ ثقہ راویوں پر طعن ہے اور احادیث صحیحہ کے رد کرنے میں افراط ہے اور بعض علماء نے ان احادیث کی ایسی تاویل کی ہے جو مشہدہ کے قول کے قریب ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۷۰-۲۶۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے ۵
(ق: ۳۹) کی تفسیر

۲۔ بَابُ: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ
الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۝ (ق: ۳۹)

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کا مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: باب فصبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبها اسی طرح ابو ذر نے اس کے عنوان میں لکھا ہے اور حدیث کے سیاق میں دونوں جگہوں پر دسبحواد کے ساتھ ہے اور یہی تلاوت کے موافق ہے اور یہی صحیح ہے اور ان کے نزدیک قبل الغروب کا لفظ ہے اور اس سورت کی آیت کے موافق ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی، حافظ ابن حجر عسقلانی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایسی مبہم اور بے جا بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہمارے نسخہ میں جو عنوان ہے وہ اس سورت کی آیت کے موافق ہے (یعنی فصبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل الغروب ۝، ق: ۳۹) پھر قرآن مجید میں تحریف کرنے کی کیا ضرورت ہے اور اس کو ابو ذر یا کسی اور کی طرف منسوب کرنے کی کیا حاجت ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۷۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۸۵۱۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ جَبْرِ عَنْ
إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ جَبْرِ بْنِ عَبْدِ
اللَّهِ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا لَيْلَةً مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَتَنَظَّرَ
إِلَى الْقَبْرِ لَيْلَةً أَرْبَعَ عَشْرَةَ فَقَالَ إِنَّكُمْ سَتَمُوتُونَ رَبُّكُمْ
كُنَّا تَرَوْنَ هَذَا لَا تُضَامُونَ فِي رُؤُوسِهِ فَإِنْ اسْتَظَفْتُمْ
أَنْ لَا تُغْلَبُوا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ
غُرُوبِهَا فَأَفْعَلُوا ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ
طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۝﴾ (ق: ۳۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی از جریر از اسماعیل از قیس بن ابی حازم از جریر بن عبد اللہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک رات میں نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے چودہویں رات کو چاند کی طرف دیکھا، پس فرمایا: تم عنقریب اپنے رب کو دیکھو گے جیسا کہ اس (چاند) کو دیکھ رہے ہو، تم اس کو دیکھنے میں تنگ نہیں ہو گے، پس اگر تم یہ کر سکتے ہو تو تم طلوع شمس سے پہلے اور غروب شمس سے پہلے نماز پڑھنے پر مغلوب نہ ہو، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۝﴾ (ق: ۳۹) اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے ۵

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۵۴ میں گزر چکی ہے، تاہم علامہ عینی نے بعض مشکل الفاظ کے معانی لکھے ہیں:
لا تضامون: یعنی تم اس کو دیکھنے میں ایک دوسرے کے مزامن نہ ہو۔

اس حدیث میں فجر اور عصر کی نماز پڑھنے پر براہِ یحییٰ فرمایا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۷۱)

۴۸۵۲۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا وَزَقَّاءُ عَنْ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَمْرَةٌ أَنْ يُسَبِّحَ فِي أَذْبَارِ الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا يَغْنِي قَوْلُهُ وَإِذْبَارَ السُّجُودِ۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وزقاء نے حدیث بیان از ابن ابی نَجِیح عن مُجَاهِدٍ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَمْرَةٌ أَنْ يُسَبِّحَ فِي أَذْبَارِ الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا يَغْنِي قَوْلُهُ وَإِذْبَارَ السُّجُودِ۔
کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ تمام نمازوں کے بعد اللہ کی تسبیح کریں یعنی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں وَ أَذْبَارَ السُّجُودِ ﴿۱۰﴾ (نمازوں کے بعد)۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: اس حدیث میں سجدہ کا اطلاق نماز پر کیا گیا ہے جیسے جز کا اطلاق کل پر ہوتا ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۷۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ ق کی تفسیر میں جو تعلیقات و احادیث ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ الذاریت کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی تفسیر کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

٥١- تَفْسِيرُ سُورَةِ الذَّارِيَّاتِ

سورۃ والذاریات کی تفسیر

سورة الذاریات کا تعارف

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الذاریات کی بعض آیات کی تفسیر ہے، مقابل وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ پوری سورت مکی ہے اور علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ یہ سورت سورۃ احقاف کے بعد اور سورۃ الغاشیہ سے پہلے نازل ہوئی ہے، اس سورت میں ساٹھ (۶۰) آیات ہیں اور الذاریات قسم ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب ذکر کریں گے۔

قَالَ عِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ الذَّارِيَاتُ الرِّيَاحُ۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: الذاریت کا معنی ہے: ہوا میں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ فَأُولَٰئِكَ لَانفَعُونَ ۚ
يُسْرًا ۖ فَاَلْقَيْتُ اَمْرًا ۖ اِلَّا مَتَّوْعِدُوْنَ لَصَادِقٍ ۝
(الذاریات: ۵۱)

گردد غبار اڑانے والی ہواؤں کی قسم ۝ پھر بادلوں کی صورت
میں پانی کا بوجھ اٹھانے والی ہواؤں کی قسم ۝ پھر آسانی سے
چلنے والی کشتیوں کی قسم ۝ پھر رزق کو تقسیم کرنے والے فرشتوں
کی قسم ۝ بے خشک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور سچا

علامہ یعنی لکھتے ہیں: امام ابن عیینہ نے اپنی تفسیر میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ ابن الکواہ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا کہ اللّٰہ ما یلت ذنوّا ۝ (الذاریات: ۱) کا کیا معنی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ہوا میں، پھر انہوں نے سوال کیا: فَاَلْجَوِیْتُ الْمُلُکَ ۝ (الذاریات: ۲) کا کیا معنی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: بادل، پھر انہوں نے پوچھا: فَاَلْجَوِیْتُ یُسْرًا ۝ (الذاریات: ۳) کا کیا معنی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: کشتیاں، پھر انہوں نے پوچھا: فَاَلْمَدَّ یَدَیْ اَصْرًا ۝ (الانعام: ۵) کا کیا معنی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یہ فرشتے ہیں۔ اس حدیث کو حاکم نے ایک اور سند کے ساتھ ابوالطفیل سے روایت کیا ہے اور امام عبدالرزاق نے ایک اور سند کے ساتھ ابوالطفیل سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا: میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر تھا اور آپ خطبہ دے رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے، مجھ سے سوال کرو، پس اللہ کی قسم اتم قیامت تک کی کسی چیز کا مجھ سے سوال نہیں کروں گے مگر میں تم سے اس کا بیان کروں گا اور آپ نے فرمایا: مجھ سے اللہ کی کتاب کے متعلق سوال کرو، پس اللہ کی قسم! مجھے ہر آیت کے متعلق علم ہے کہ وہ رات میں نازل ہوئی ہے یا دن میں نازل ہوئی ہے، وہ کسی میدان میں نازل ہوئی ہے یا پہاڑ میں نازل ہوئی ہے اور حضرت علی نے فرمایا: تم پر افسوس ہے تم دین سمجھنے کے لیے سوال کرو اور تکبر کی وجہ سے سوال نہ کرو۔ (مجموعۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۷۳)

تنبیہ: امام بخاری نے حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ **رحمہ اللہ** لکھا ہے، اسی طرح وہ حضرت فاطمہ کے نام کے ساتھ **علیہا السلام** لکھتے

ہیں اور حضرت حسن اور حسین کے نام کے ساتھ علیہ السلام لکھتے ہیں اور یہ ان کی اہل بیت کے ساتھ محبت کی وجہ سے ہے اور باقی صحابہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں۔

شیخ سلیم اللہ خان کا امام بخاری پر یہ اعتراض کہ ان کا اہل بیت کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام لکھنا درست نہیں شیخ سلیم اللہ خان لکھتے ہیں:

جمہور علماء کا یہی مسلک ہے کہ غیر نبی کے لیے علیہ السلام کہنا درست نہیں ہے، اس کے بعد حافظ ابن کثیر کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نبی کے علاوہ اور کسی کے لیے سلام کہنا کراہت سے خالی نہیں ہے۔

(کشف الباری، کتاب التفسیر ۴۲۴-۴۲۳، مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن کثیر نے علیہ السلام کو انبیاء کے خصائص میں سے نہیں لکھا بلکہ انہوں نے علیہ الصلوٰۃ کو انبیاء کے خصائص سے لکھا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۶۹ دار الفکر، بیروت، إِنَّ اللَّهَ ذَمُّهُ يُكُونُ عَلَى النَّبِيِّ کی تفسیر میں) جب کہ علیہ السلام کا لفظ عرف اور شرح میں زندہ لوگوں اور وفات یافتہ لوگوں دونوں کے لیے بولا جاتا ہے، زندہ لوگوں کے لیے کہا جاتا ہے: السلام علیکم اور وفات یافتہ لوگوں کے لیے کہا جاتا ہے: السلام علیکم یا اہل القبور! پس حضرات اہل بیت کے لیے علیہ السلام کا لفظ استعمال کرنا ہرگز ممنوع نہیں ہے اور یہ امام بخاری کی اہل بیت کے ساتھ محبت ہے کہ وہ ان کے اسماء کے ساتھ علیہ السلام لکھتے ہیں، تاہم ہمارے نزدیک ان کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ عنہم لکھنے میں ان کی زیادہ تکریم ہے کیونکہ رضی اللہ عنہ کا لفظ عرف اور شرع میں صحابہ کرام کے ساتھ مخصوص ہے اور علیہ السلام کا لفظ تو عام مومنین کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، لہذا شیخ سلیم اللہ خان کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے:

بیروت اور مصر وغیرہ میں جو کتابیں چھپتی ہیں ان میں حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے ناموں کے ساتھ ترضی کی یہ جائے علیہ السلام ہوتا ہے، معلوم یہ ہوتا ہے کہ طاعت کے اداروں پر شیعوں کا تسلط ہے اور وہ منصوبہ بندی کے تحت یہ کام کرتے ہیں۔

(کشف الباری، کتاب التفسیر ص ۶۲۳ مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

اور حضرت علی کے علاوہ دوسروں نے کہا: ہوائیں اس کو بکھیرتی ہیں
وَقَالَ غَيْرُهُ تَذُرُوهَا تَغْفِرُوهَا۔
اور اس کو منتشر کرتی ہیں

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَحْتَلَطَ بِهَا نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ ۚ
وَالْوَلِيُّ ۖ (الکہف: ۴۵)
تو اس پانی سے زمین کا ملا جلا سبز نکلا پھر وہ سوکھ کر چور چورا ہو گیا
جس کو ہوائیں اڑا دیتی ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس لفظ کو ذرا بیت کی مناسبت کے ساتھ ذکر کیا ہے، الجوہری نے ذکر کیا ہے کہ ہوائی کو اڑا دیتی ہے۔

وَلِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ تَأْكُلُ وَتَشْرَبُ فِي مَدْخَلٍ
وَأَحَدٍ وَيَخْرُجُ مِنْ مَوْضِعَيْنِ۔
وہی انفسکم افلا تبصرون: یعنی قیامت کے وقوع پر تمہارے
نفسوں پر بھی نشانیاں ہیں کہ تم ایک جگہ میں کھاتے اور پیتے ہو اور
وہ کھانا اور پینا تمہارے جسم کی دو جگہوں سے نکلتا ہے یعنی آگے اور
پچھے سے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: یہ بہت بڑی نشانی ہے کہ انسان ایک جگہ سے کھاتا پیتا ہے اور وہ دو جگہوں سے نکلتا ہے یعنی پیشاب

کے راستے سے اور پاخانہ کے راستے سے۔

فَرَاغٌ فَرَجَمٌ۔ فَرَاغٌ: کا معنی ہے: پس وہ لوٹا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَرَاغٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعَبْلٍ سَمِينٍ ۖ (الذاریات: ۲۶) پھر وہ چپکے سے اپنے گھر گئے، پس بھنا ہوا فرجہ بچھڑالے آئے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے فراغ کی تفسیر کی ہے: پس وہ لوٹ آئے اور اسی طرح القراء نے کہا ہے اور تفسیر میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دوسری طرف سے مڑ کر گئے اور القراء نے کہا ہے کہ فراغ کا لفظ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص چپکے سے آئے اور جائے۔

فَصَكَّتْ فَجَبَعَتْ أَصَابِعَهَا فَمَرَبَتْ بِهِ جِبْهَتَهَا۔ فَصَكَّتْ: یعنی حضرت سارہ نے اپنی انگلیوں کو اکٹھا کر کے اپنی پیشانی پر مارا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَقْبَلَتْ امْرَأَتُهُ فِي صَرَقٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ۖ (الذاریات: ۲۹) کہا: میں تو بڑھیا اور بانجھ ہوں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے فَصَكَّتْ کی تفسیر کی ہے: انہوں نے اپنی انگلیوں کو اکٹھا کیا اور مجاہد نے کہا کہ انہوں نے اپنا ہاتھ پیشانی پر مارا اور کہا: ہائے ہائے فی صَرَقٍ کا معنی ہے: اپنی چیخ میں۔

وَالرَّمِيمُ نَبَاتٌ الْأَرْضِ إِذَا يَبَسَ وَدَبَسَ۔ وَالرَّمِيمُ: اس کا معنی ہے: زمین کا سبزہ جب وہ سوکھ جائے اور اس کو روندنا جائے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

صَاعِدُ الْمُلُوكِ شِمَىٰ ۖ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ۚ (الذاریات: ۴۲) وہ آندھی کسی چیز کو نہیں چھوڑتی تھی وہ جس پر سے بھی گزرتی تھی اس کو ریزہ ریزہ کر دیتی تھی O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے رمیم کی تفسیر اس سبزہ اور گھاس کے ساتھ کی ہے جب وہ سوکھ جائے اور دَبَسَ کا معنی ہے جس چیز کو پیروں سے روندنا جائے حتیٰ کہ وہ چیز ٹوٹ پھوٹ جائے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے رمیم کی تفسیر منقول ہے: جو جج ہلاک ہو گئی ہو اور ابوالعالیہ سے منقول ہے: وہ مٹی جو ریزہ ریزہ ہو گئی ہو اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: بوسیدہ ہڈی۔ لَمُوسِعُونَ أَمْ لِنُذِرْ مَقْعَةً وَكَذَلِكَ عَلَى النَّوَسِ قَدْرُهُ لَمُوسِعُونَ اسی طرح علی السوسع قدرہ کا معنی ہے: یعنی جو قوت والا ہے وہ اپنی طاقت کے مطابق چیزیں دے۔ یَغْنِي الْقَوِيُّ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا يَمِينًا ۖ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ۖ (الذاریات: ۴۷) وسیع بنانے پر قدرت رکھتے ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے لَمُوسِعُونَ کی تفسیر کی ہے: ہم ضرور اپنی تخلیق کے لیے وسعت والے ہیں اور ضرور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر منقول ہے: ہم ضرور قدرت والے ہیں اور ان سے اس کی تفسیر یہ بھی منقول ہے کہ وہ ضرور وسیع

مخلوق کو وسعت سے رزق دینے والے ہیں اور حسن بھری سے منقول ہے کہ ہم طاقت رکھنے والے ہیں۔

اسی طرح اس آیت کا معنی ہے:

وَمَتَّعُوْهُنَّ عَلَى الْمَوْسِعِ قَدْرًا (البقرہ: ۲۳۶)

اور تم (مطلقہ عورتوں کو) استعمال کی کوئی چیز دو، خوشحال پر اس کی طاقت کے مطابق دینا ہے۔

• خلاصہ یہ ہے کہ لموسعون کا معنی ہے: وسعت والے اور قدرت والے۔

زَوْجَيْنِ الذَّكَرِ وَالْأُنْثَى۔
الزوجین: یعنی مذکر اور مونث۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ (الذاریت: ۳۹)

اور ہم نے ہر چیز سے جوڑے جوڑے بنائے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ○

• علامہ عینی لکھتے ہیں: الزوجین سے مراد ہے: تمام حیوانات سے مذکر اور مونث جوڑے بنائے، اور کتب تفسیر میں مذکور ہے زوجین سے مراد ہے: دو مختلف قسمیں، جیسے آسمان اور زمین، سورج اور چاند، رات اور دن، صحراء اور سمندر، سردی اور گرمی، انسان اور جن، کفر اور ایمان، بد بختی اور نیک بختی، حق اور باطل، مذکر اور مونث اور دنیا اور آخرت۔

وَاخْتِلَافِ الْأَلْوَانِ خُلُوٌّ وَحَامِضٌ فَهَذَا زَوْجَانِ
اور رنگوں کا اختلاف میٹھا اور کھٹا، سو یہ بھی زوجین ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (الروم: ۲۱)

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم کو ان سے سکون حاصل ہو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی۔ بے شک اس

میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○

• علامہ عینی لکھتے ہیں: اور اس کی من جملہ نشانیوں میں سے بنو آدم کے رنگوں کا اختلاف ہے اس لیے کہ اگر وہ سب ایک نوع اور ایک شکل کے ہوتے تو ان میں تجاہل اور التباس ہوتا اور ان کی الگ الگ شناخت نہ ہوتی اور بہت سی مصلحتیں معطل ہو جاتیں، اور اسی طرح ہر چیز میں رنگوں کا اختلاف ہے اور اسی طرح کھانے کی چیزوں کے ذائقوں اور پھلوں کے رنگوں کا اختلاف ہے یعنی بعض میٹھے ہیں اور بعض کھٹے ہیں اور ان پر زوجین کا اطلاق کیا کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنی ضد کے اعتبار سے دوسرے کا مقابل ہے جیسے مذکر اور مونث ہیں کیونکہ مذکر ذکورت میں مونث کے مقابل ہے اور وہ تائید کی ضد ہے اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی شارح نے اس مقام کو اتنی وضاحت سے لکھا ہو، ہر چند کہ یہ آیت سورہ روم کی ہے لیکن امام بخاری نے زوجین کی مناسبت سے اس کو یہاں پر ذکر کر دیا ہے۔

فَقَرُّوا إِلَى اللَّهِ مَغْنَاهُ مِنَ اللَّهِ إِلَيْهِ۔
فَقَرُّوا إِلَى اللَّهِ: اس کا معنی ہے: اللہ کے غضب اور عذاب سے بچنے کے لیے اللہ ہی کی طرف بھاگو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَقَرُّوا إِلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ نَذِيرًا مُّبِينًا ۝ (الذاریت: ۵۰)

پس تم اللہ کی طرف بھاگو، میں تمہارے لیے اس کی طرف سے کھلا

کھلا (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے: اللہ سے اسی کی طرف یعنی معصیت سے اس کی اطاعت کی طرف اور اس کے عذاب سے اس کی رحمت کی طرف، اور کتب تفسیر میں مذکور ہے: اللہ کے عذاب سے ایمان کے ساتھ اس کے ثواب کی طرف بھاگو اور ابو بکر الوراق سے منقول ہے: شیطان کی اطاعت سے رحمت کی اطاعت کی طرف۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ مَا خَلَقْتُ أَهْلَ السَّعَادَةِ مِنْ أَهْلِ الْغَيْرِ يَقِينٍ إِلَّا لِيُؤْخَذُوا وَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ لِيَفْعَلُوا فَقَالَ بَعْضٌ وَتَرَكَ بَعْضٌ وَلَيْسَ فِيهِ حُجَّةٌ لِأَهْلِ الْقَدَرِ۔
 ○ لا ليعبدون: یعنی میں نے دو فریقوں میں سے اہل سعادت کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری واحدانیت کو مانیں اور بعض علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے سب کو توحید کے لیے پیدا کیا ہے۔ پس بعض نے اللہ کو واحد مانا اور بعض نے اس کو ترک کر دیا اور اس آیت میں قدریہ کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ○
 اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ (الذاریت: ۵۶) میری عبادت کریں ○

الذاریت: ۵۶ پر اشکال کے امام بخاری کی طرف سے دو جوابوں کی وضاحت

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ میں نے ان دو فریقوں یعنی جن اور انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھے واحد مانیں لیکن امام بخاری نے یہ تفسیر کی ہے کہ میں نے ان دو فریقوں میں سے اہل سعادت کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھے واحد مانیں اور ان دو فریقوں میں سے اہل سعادت کو اس لیے مخصوص کیا ہے تاکہ علت اور معلول کے درمیان ملازمہ ظاہر ہو، پس اگر اس آیت کو ظاہر پر محمول کیا جاتا تو علت اور معلول کے درمیان منافات ہوتی اور اسی وجہ سے المحاک اور سفیان نے کہا ہے کہ یہ آیت اہل عبادت اور اطاعت کے ساتھ خاص ہے اور اس کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قراءت ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ○ یعنی میں نے مؤمنین میں سے جن اور انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے۔۔۔۔۔

اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس کا معنی ہے کہ میں نے ان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ میں ان کو اپنی عبادت کا حکم دوں اور ان کو اپنی عبادت کی طرف دعوت دوں اور الزجاج نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے اور اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ۔ اور ان کو صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کریں۔ (البینہ: ۵)

آخر تم یہ اعتراض کرو کہ پھر جن اور انس نے کفر کیسے کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی ربوبیت کے اقرار اور اپنے حکم اور اپنی مشیت کے سامنے ذلت کے ساتھ جھکنے کے لیے پیدا کیا ہے تو میں کہوں گا: وہ اللہ کی اس قضا کے سامنے ذلت کے ساتھ جھک گئے جو اس نے ان کے خلاف قضا کی تھی کیونکہ اللہ کی قضا ان پر جاری ہے اور جب اس کی قضا ان پر نازل ہو تو وہ ان سے انحراف کی طاقت نہیں رکھتے اور جنہوں نے کفر کیا انہوں نے عمل میں اس کے حکم کی مخالفت کی اور اس کی قضا سے مدلل کرنا مستحکم نہیں ہے۔

امام بخاری نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے سب کو توحید کے اعتراف اور اقرار کے لیے پیدا کیا ہے، پس بعض نے توحید کا اقرار کیا

اور بعض نے ترک کر دیا، یہ الفراء کا قول ہے، پس اگر تم سوال کرو، ان دو تاویلوں میں کیا فرق ہے تو میں کہوں گا: پہلی تاویل میں لفظ عام سے خصوص کا ارادہ کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جن اور انس میں سے اہل سعادت مراد ہیں اور دوسری تاویل میں یہ لفظ اپنے عموم پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جن اور انس کو پیدا کیا تاکہ وہ اس کو واحد مانیں لیکن ان میں سے بعض نے اس حکم کی اطاعت کی اور ان میں سے بعض نے نافرمانی کی اور خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی جبلت اور فطرت میں عبادت کی تخلیق نہیں کی بلکہ ان کو اختیار دے کر عبادت کا مکلف کیا ہے، پس جس کو اس نے توفیق دی اس نے عبادت کو قائم کیا جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا تھا اور جس کو اس نے ناکام اور نامراد کیا اور دھتکار دیا اس کو اس نے عبادت سے محروم کر دیا اور اس نے وہ عمل کیا جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے جیسے نبی ﷺ کا ارشاد ہے: تم عمل کرو ہر ایک لیے وہی عمل آسان کیا گیا ہے جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے، اور نفس الامر میں یہ ایک راز ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مطلع نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا يَسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ ۝

اللہ سے ان کاموں کا سوال نہیں کیا جائے گا جو وہ کرتا ہے اور ان

(الانبیاء: ۲۳) سب سے باز پرس کی جائے گی ○

امام بخاری نے کہا: اور اس آیت میں قدر یہ کی کوئی دلیل نہیں ہے، قدر یہ سے مراد المعتزلہ ہیں، انہوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ صرف خیر کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور رہا شر تو اس کی تخلیق کے ساتھ اللہ کا ارادہ نہیں ہوتا اور اہل سنت نے اس کا یہ جواب دیا ہے: کوئی چیز دوسری چیز کے لیے علت ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ علت مراد بھی ہو اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا غیر مراد ہو۔ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کے افعال کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی کوئی علت ہو، تو اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ کسی چیز کی علت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر جگہ علت کا ہونا واجب ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی کام کی علت کا ہونا جائز ہے، معتزلہ نے کہا: بندوں کے افعال ان کے پیدا کیے ہوئے ہیں کیونکہ بندوں کے افعال کی نسبت ان کی طرف کی گئی ہے، اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ معتزلہ کی اس میں کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ بندوں کے افعال کی ان کی طرف نسبت بہ طور کسب ہے بہ طور تخلیق نہیں ہے اور اس وجہ سے کہ بندہ ان افعال کا محل ہے۔

امام بخاری کے جوابوں کا خلاصہ اور معتزلہ کے رد کی وضاحت

میں کہتا ہوں: کہ خلاصہ یہ ہے کہ الذاریت: ۵۶ پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب انسانوں اور جنات کو عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ بہت سے جن اور انسان عبادت نہیں کرتے۔ امام بخاری نے الفراء سے اس کے دو جواب نقل کیے ہیں، پہلا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ہر چند کہ لفظ عام ہے لیکن اس سے مراد خاص اہل سعادت ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہیں اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنات اور انسانوں کو پیدا کیا تو ان میں عبادت کی استعداد اور صلاحیت رکھی لیکن کوئی اس صلاحیت کو استعمال کرنے کے لیے اللہ کی عبادت کرتا ہے اور کوئی ایسی صلاحیت سے انکار اور انحراف کر کے عبادت کو ترک کر دیتا ہے۔

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ صرف خیر سے متعلق ہوتا ہے اور شر سے اس کا ارادہ متعلق نہیں ہوتا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں خیر کے ساتھ اللہ کے ارادہ کا تعلق ہے اور شر کے ساتھ اس کے ارادے کا ذکر نہیں ہے، نیز معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل یا لاغراض ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ انسانوں اور جنات کو پیدا کرنے کی حکمت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، یہ اس کی غرض نہیں ہے، غرض وہ ہوتی ہے جس سے

فَاعِلِ اِنِّیْ فَعْلِ کِی تَکْمِیْلِ کَا تَقَاضَا کَرِتا ہِے۔

اور معتزلہ یہ بھی کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے کیونکہ افعال کی نسبت انسان کی طرف کی جاتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز کا اللہ تعالیٰ خالق ہے اور انسان کے افعال کی جو اس کی طرف نسبت ہے وہ بہ طور کسب ہے بہ طور خلق نہیں ہے، علامہ عینی نے ایک جامع جواب یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی فعل پر جواب دہ نہیں ہے اور انسان سے اس کے ہر فعل سے متعلق سوال کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق اور مالک ہے اور انسان مخلوق اور مملوک ہے۔

وَالذَّنُوبُ الذَّلُو الْعَظِيمُ وَقَالَ مُجَاهِدٌ ذَنْبًا
سَبِيلًا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُنُوبًا مِثْلَ ذُنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥٩﴾ (الذاریات: ۵۹)

پس بے شک ظالموں کے لیے (عذاب کا ایسا) حصہ ہے جیسے (عذاب کا) حصہ ان کے اصحاب کا ہے، سو وہ (عذاب کی) جلدی

ذکر ہے

علامہ عینی لکھتے ہیں: ذنوب کی تفسیر بہت بڑا ذول اور سبیل کی تفسیر پانی سے بھرا ہوا ذول، یہ تفسیر لغت کے اعتبار سے ہے، اور انحنی سے منقول ہے کہ اس کا معنی ہے: حصہ، اور قنادہ اور عطاء سے منقول ہے: اس کا معنی ہے: عذاب اور الکسائی سے منقول ہے: اس کا معنی ہے خطا، اور الانحش سے منقول ہے کہ اس کا معنی ہے: نصیب یعنی حصہ۔
صَرَقًا صَنِيعَةً۔ صَرَقًا: کا معنی ہے: چُج۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَاقَتٍ فَصَكَتْ وَجْهَهَا۔
(الذاریت: ۵۹)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے صَدَقَ کا معنی جمع کیا ہے، مجاہد سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

علامہ میں لکھے ہیں: امام بخاری کے صہو کا نام ہے۔ عاقیم: اس کا معنی ہے: عورت جس کی اولاد نہ ہو اور اس سے کچھ
العَقِيمُ الَّتِي لَا تَلِدُ وَلَا تُنْقِمْ شَيْئًا۔
بھی پیدا نہ ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اس نے کہا: (میں تو) بڑھیا (اور) بانجھ ہوں O

وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ﴿٢٩﴾ (الذاریات: ٢٩)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الحَبِک کی تفسیر آسمانوں کے برابر ہونے اور ان کے حسن کے ساتھ کی ہے، اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ اور ربیع سے روایت کی ہے، اس کا معنی ہے: جس کے اخلاق اچھے اور برابر ہوں اور عکرمہ نے کہا: کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب کوئی کپڑا بننے والا عمدہ طریقہ سے کپڑا بنے تو کہا جاتا ہے: مَا أَحْسَنَ حُبُّکَ یعنی اس کی بنائی کتنی حسین ہے اور حسن بصری سے منقول ہے: حبکت بالنجوم یعنی آسمان ستاروں سے حسین ہے، اور سعید بن جبیر سے منقول ہے: آسمان زینت والے ہیں اور صحاک سے منقول ہے: آسمانوں میں راستے ہیں لیکن وہ مخلوق کی رسائی سے دور ہیں، سو وہ ان کو نہیں دیکھتے۔

فِي غَمَرَةٍ فِي ضَلَالَتِهِمْ يَتَنَادَوْنَ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَتَلَ الْحَرُصُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي غَمَرَةٍ سَاهُونَ ۝

(الذاریت: ۱۱، ۱۰) غفلت میں بھولے ہوئے ہیں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے غَمَرَةٍ کا معنی گمراہی کیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ غمرۃ کا معنی شبہ اور غفلت ہے اور سَاهُونَ کا معنی ہے: بھولنے والے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ تَوَاصَوْا تَوَاطُّوْا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اتَوَاصَوْا بِهِ ۖ بَلَّ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ۝

(الذاریت: ۵۳) بلکہ وہ سرکش لوگ تھے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تَوَاصَوْا کی تفسیر کی ہے: وہ ان کی موافقت کرنے لگے اور وہ ایک دوسرے کے موافق بات کہنے لگے، علامہ الشعلبی نے کہا ہے: انہوں نے ایک دوسرے کی تکذیب کی وصیت کی ہے یعنی اللہ اور رسول کو جھٹلانے کی اور اتواصوا میں استفہام زجر و تنبیہ اور جھڑکنے کے لیے ہے۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دوسروں نے کی ہے۔

وَقَالَ مُسَوِّمَةٌ مُعَلِّمَةٌ مِنَ السَّيِّئَاتِ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا تُرْسِلْ عَلَيْهِمْ جَنَّاتٍ مِّنْ دُونِ ۚ مُسَوِّمَةٌ ۚ

مَرَاتِكَ لِمُتَسَرِّفِينَ ۝ (الذاریت: ۳۳، ۳۴)

علامہ عینی لکھتے ہیں: مُسَوِّمَةٌ کا لفظ سَيِّئَاتِ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی علامت ہے۔

قَتَلَ الْإِنْسَانَ لَعِنَ

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَتَلَ الْإِنْسَانَ مَا أَكْفَرَهُ ۝ (میس: ۱۷)

(کافر) انسان ہلاک ہو جائے وہ کیسا ناشکرا ہے ○

میں کہتا ہوں کہ یہ آیت سورۃ الذاریت میں نہیں ہے بلکہ سورۃ عبس میں ہے۔ امام بخاری نے اس آیت کو یہاں قتل

الخصاصون کی مناسبت سے ذکر کر دیا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: الخصاصون سے مراد ہے: شک کرنے والے اور مجاہد سے منقول ہے: یہ کاہن ہیں۔

امام بخاری نے اس سورت میں کوئی حدیث مرفوع ذکر نہیں کی اور ظاہر یہ ہے کہ ان کو اپنی شرط کے موافق کوئی حدیث نہیں ملی۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۷۶-۲۷۷ میں کی ہے]

الحمد لله رب العالمین سورۃ الذاریت کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء

الله سورۃ والطور میں امام بخاری کی ذکر کردہ تعلیقات اور احادیث کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۵۲۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الطُّورِ

سورۃ الطور کی تفسیر

سورۃ الطور کا تعارف

علامہ بدر الدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ء لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الطور کی بعض آیات کی تفسیر ہے، صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں سورۃ الطور مذکور ہے اور ابو العباس نے کہا: یہ پوری سورت مکی ہے، اور الکلبی نے ذکر کیا ہے کہ اس میں ایک آیت مدنی ہے اور وہ یہ ہے: وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (الطور: ۴۷) ان کا زعم ہے کہ یہ آیت ان مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو بدر میں قتل کیے گئے تھے اس سورت میں انچاس (۴۹) آیات ہیں۔

علامہ الثعلبی نے کہا ہے: ہر پہاڑ طور ہے لیکن اللہ عز وجل نے یہاں پر طور سے اس پہاڑ کا ارادہ فرمایا ہے جس پہاڑ پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا، یہ پہاڑ ارض مقدسہ میں ہے اور وہ مدین میں ہے اور اس کا نام زبیر ہے۔ مقاتل بن حیان نے کہا ہے: یہ دو طور ہیں، ان میں سے ایک کو طور زیتا کہا جاتا ہے اور دوسرے کو طور تینا کہا جاتا ہے کیونکہ ان دونوں پہاڑوں پر زیتون اور تین یعنی انجیر کی پیدائش ہوتی ہے اور جب کفار مکہ نے نبی سنی علیہ السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے طور کی قسم کھائی، مبطیوں کی لغت میں طور کا معنی وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے ارض مقدسہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ علامہ ابن الجوزی نے کہا: یہ طور سیناء ہے اور علامہ ابو عبد اللہ الحموی نے اپنی کتاب المشرک میں لکھا ہے کہ طور زیتا اسم مقصور ہے اور یہ رأس عین میں ایک پہاڑ کا نام ہے اور طور زیتا بھی بیت المقدس میں ایک پہاڑ ہے اور آثار میں مذکور ہے کہ طور زیتا میں ستر (۷۰) ہزار نبی فوت ہوئے جن کی بھوک سے وفات ہوئی تھی اور یہ دادی سلوان کی مشرقی جانب میں ہے اور طور بھی ایک معین پہاڑ کا نام ہے جو اردن کے شہر طبرہ میں ہے، اور طور بھی ایک پہاڑ ہے جو سرزمین مصر کی چند بستیوں میں ہے، جو کہ مصر اور فاران کے پہاڑ کے درمیان میں ہے اور طور سیناء کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ ایلہ کے قریب ایک پہاڑ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ شام میں ہے اور طور ہارون علیہ السلام ایک پہاڑ کا نام ہے جو بیت المقدس سے پہلے ہے اور اس میں حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۷۷-۲۷۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ قَتَادَةُ مَسْطُورٌ مَكْتُوبٌ۔

اور قتادہ نے کہا: مَسْطُورٌ: کا معنی ہے: مکتوب۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَكُتِبَ مَسْطُورًا (الطور: ۲) اور اس کتاب کی قسم جو لکھی ہوئی ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کو کتاب خلق الافعال میں از قتادہ روایت کیا ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ الطُّورُ الْجَبَلُ بِالشَّرِّيَانِثَةِ۔ اور مجاہد نے کہا: الطور سریانی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تعلق کو ابن ابی نجیح نے مجاہد سے کتاب الحکم میں روایت کیا ہے کہ طور پہاڑ ہے اور اس کا غالب اطلاق طور سیناء پر ہے جو شام میں نہیں ہے اور یہ سریانی زبان میں طور ہے اور اس کی طرف نسبت طوری اور طورانی ہے۔
رَاقٍ مَّنْشُورٍ صَحِيفَةً۔
رَاقٍ مَّنْشُورٍ: اس کا معنی ہے: صحیفہ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فِي رَاقٍ مَّنْشُورٍ ① (الطور: ۲)
جو بار یک کھال کے کھلے ہوئے ورق میں ہے ②

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے کہا ہے: الرق کا معنی ہے: جلد، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے لوح محفوظ مراد ہے اور کبھی سے منقول ہے کہ یہ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے لکھا تھا، اس میں تورات ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام قلم کی آواز سنتے تھے اور جب بھی قلم ایک جانب سے گزرتا تو وہ اس کو دوسری جانب موز دیتے، ان کے پاس ایک کتاب تھی جس کے دو رخ تھے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں کرانا کا تبین کے دو صحیفے تھے جن میں بنو آدم کے اعمال لکھے ہوئے ہیں، ایک اور قول یہ ہے کہ یہ وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے قلوب میں ایمان کو لکھ دیا ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ ۖ
اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی۔
قَوْلُهُ - (النہار: ۲۲)

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ سَمَاءً۔
والسقف المرفوع: اور بلند کی ہوئی چھت یعنی آسمان۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کتاب بدء الخلق میں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو چھت فرمایا کیونکہ آسمان زمین کے لیے اس طرح ہے جس طرح گھر کے لیے چھت ہوتی ہے، اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا - (النہار: ۳۲)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ ① (الطور: ۶)

الْمَسْجُورِ الْمَوْقُودِ۔
المسجور کا معنی ہے: بھڑکایا ہوا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ ① (الطور: ۶)
اور بھڑکائے ہوئے سمندر کی قسم ②

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام طبری نے ابن ابی نجیح کی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کی ہے کہ مسجور کا معنی ہے: الموقد یعنی بھڑکایا ہوا، اور امام طبری نے قتادہ کی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ مسجور کا معنی ہے: بھرا ہوا، اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے والبحر المسجور کی تفسیر کی ہے کہ وہ عرش کے نیچے ایک کھارے پانی کا سمندر ہے جو سات آسمانوں سے لے کر سات زمینوں تک بڑا ہے، اس کو بحر المیوان کہا جاتا ہے، پہلی بار صور میں پھونکنے کے بعد اس سے چالیس (۴۰) روز تک بندوں پر بارش ہوتی تو وہ اپنی قبروں میں اگنے لگیں گے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ تَسْجَرُ حَتَّى يَذْهَبَ مَاؤُهَا فَلَا يَبْقَى
اور حسن بصری نے کہا کہ سمندر کو اتنا بھڑکایا جائے گا حتیٰ کہ اس کا
تمام پانی ختم ہو جائے گا، پس اس میں قطرہ بھی باقی نہیں رہے گا۔
فِيهَا قَطْرَةٌ۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تعلق کی امام طبری نے قتادہ سے روایت کی ہے درج ذیل آیت کی تفسیر میں:

وَإِذَا الْبَحَارُ سُجُوتٌ ۝ (الکوثر: ۶)
 اور جب سمندر بھڑک اڑے جائیں گے ۝
 وَقَالَ مُجَاهِدٌ أَلْتَنَّهُمْ تَقْصَانًا۔
 اور مجاہد نے کہا: أَلْتَنَّهُمْ کا معنی ہے: ہم نے ان میں کوئی کمی نہیں
 کی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
 وَمَا أَلْتَنَّهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ۝ (الطور: ۲۱)
 اور ہم ایمان والوں کے عمل سے کوئی کمی نہیں کریں گے۔
 علامہ عینی لکھتے ہیں: وَمَا أَلْتَنَّهُمْ کا معنی ہے: ہم نے ان میں کوئی کمی نہیں کی ہے، یہ لفظ أَلْتَنَّا سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی نقصان اور کمی ہے، علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ مومن کے بچوں کو اس کے درجوں میں بلند فرمائے گا اگرچہ وہ بچے عمل میں اس مومن سے کم ہوں گے تاکہ ان بچوں کی وجہ سے اس مومن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:
 وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ۝ (الطور: ۲۱)
 اور ایمان والوں کو اور ان کی اس اولاد کو جس نے ایمان لانے میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اس اولاد کو بھی اس کے ساتھ ملا دیں گے۔
 وَقَالَ غَيْرُهُ تَمُورٌ تَدُورُ۔
 اور مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا: تَمُورٌ کا معنی ہے: گھوٹے گا، گردش کرے گا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
 يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا ۝ (الطور: ۹)
 جس دن آسمان بہت کانپ رہا ہوگا ۝
 علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کا معنی ہے کہ آسمان اس طرح گھوٹے گا جس طرح چکی گھومتی ہے اور مور کا لغوی معنی ہے مضطرب ہونا۔
 أَخْلَاهُمُ الْعُقُولُ۔
 أَخْلَاهُمُ: کا معنی ہے: غفلت۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
 أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَخْلَاهُمُ بِهَذَا أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاعُونَ ۝ (الطور: ۳۲)
 آیا ان کی عقلیں یہ حکم دے رہی ہیں یا وہ سرکش لوگ ہیں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: اسی طرح امام طبری نے اس آیت کی تفسیر کی ہے اخلاہم، حلم کی جمع ہے اور اس کا معنی عقل ہے۔
 وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْبُذْءُ اللَّطِيفُ۔
 اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الْبُذْءُ کا معنی ہے: لطیف اور مہربان۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
 إِنَّهُ هُوَ الْبُذْءُ الرَّحِيمُ ۝ (الطور: ۲۸)
 بے شک وہ بہت احسان فرمانے والا ہے حد رحم فرمانے والا ہے ۝
 علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الْبُذْءُ کی تفسیر لطیف اور مہربان کی ہے، ابو ذر کی روایت میں یہ تعلق نہیں ہے۔
 كَسَفًا قَطْعًا۔
 كَسَفًا: کا معنی ہے: ٹکڑا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ إِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ (الطور: ۴۴) تے بادل ہیں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کسفا کی تفسیر قطعاً کے ساتھ کی ہے، یہ قطعہ کی جمع ہے جس کا معنی ٹکڑا ہے، امام ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ کِسْفٌ، کِسْفَةٌ کی جمع ہے جیسے سدر، سِدْرَةٌ کی جمع ہے، رہا یہ سوال کہ جمع مکرر کی صفت تو مونث لائی جاتی ہے اور اس آیت میں اس کی صفت ساقط ہے جو مذکر کا صیغہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مذکر کا صیغہ لفظی اعتبار سے لایا گیا ہے کیونکہ لفظی اعتبار سے کِسْفًا واحد مذکر ہے۔

النُّونُ النُّونُ۔ النون: کا معنی ہے: الموت۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمُنُونِ ○ (الطور: ۳۰) (یعنی موت) کا انتظار کر رہے ہیں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے النون کی تفسیر موت کی ہے، اسی طرح امام طبری نے اس کی تفسیر کی ہے۔

وَقَالَ غَيْرُكَ يَتَنَازَّعُونَ يَتَعَاطَوْنَ۔ اور حضرت ابن عباس کے علاوہ دوسروں نے کہا: يَتَنَازَّعُونَ: کا معنی ہے: وہ ایک دوسرے سے (مذاق میں) چھینیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَتَنَازَّعُونَ فِيهَا كَأَنَّا لَنُغْوِيْنَهَا وَلَا نَمُوتُ ○ (الطور: ۲۳) وہ جنت میں شراب کے جام کے لیے ایک دوسرے پر جھپٹ رہے ہوں گے، جس میں نہ کوئی بے ہودگی ہوگی اور نہ گناہ ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے يَتَنَازَّعُونَ کی تفسیر ایک دوسرے پر جھپٹ کر لینے کے ساتھ کی ہے، اسی طرح امام ابو عبیدہ نے اس کی تفسیر کی ہے، کَأَنَّا کا معنی ہے: وہ برتن جس میں شراب ہو، لَا نَغْوِيْنَهَا کا معنی ہے: اس میں کوئی باطل اور فضول بات نہیں ہوگی اور ابن زید سے منقول ہے کہ اس میں کوئی کالی گلوچ اور جھگڑا نہیں ہوگا اور عطاء سے منقول ہے کہ اس میں کوئی لغو بات نہیں ہوگی، وہ جنت عدن کی مجلس میں ہوں گے اور فرشتے ان کو شراب طہور پلا رہے ہوں گے اور وہ اللہ کا ذکر کر کے پیئیں گے اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے ممدۃ القاری ج ۱ ص ۲۷۹-۲۷۷ میں کی ہے]

باب

۱۔ بَابُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک نے خبر دی از محمد بن عبد الرحمن بن نوفل از مروہ از زینب بنت ابی سلمہ از حضرت ام سلمہ بنتی حبشہ، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میں بیمار ہوں، آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کے پیچھے سے طواف کرو اس حال میں کہ تم سوار ہو، پس میں نے طواف کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے پہلو میں نماز پڑھ رہے تھے اور آپ قرأت کر رہے

۳۸۵۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ مُخْتَبِرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ نَوْفَلٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ زَيْنَبِ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ شَكَوْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنِّي أَشْتَكِي فَقَالَ طَوِّفِي مِنْ وَرَائِي النَّاسَ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ فَطَفْتُ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي إِلَى حَنْبِ الْبَيْتِ يَقْرَأُ بِالطَّوْرِ وَكِتَابُ مَنْطُورٍ۔

تھے: وَالطُّورِ ۝ وَكِتَابٍ مَّسْطُورٍ ۝

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۴ میں گزر چکی ہے۔

۳۸۵۴۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ

حَدَّثَنِي عَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرٍ

بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ

ﷺ يَقْرَأُ فِي التَّغْرِيبِ بِالطُّورِ فَلَمَّا بَدَأَ هَذِهِ الْآيَةَ

﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخُلُقُونَ﴾ ۝ أَمْ

خَلَقُوا السَّابُوتَ وَالْأَرْضَ ۚ بَلْ لَا يُؤْقِنُونَ ۝ أَمْ

عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُضَيِّطُونَ ۝﴾

(الطور: ۳۵-۳۷) قَالَ كَادَ قَلْبِي أَنْ يَطِيرَ قَالَ سُفْيَانُ

فَأَمَّا أَنَا فَإِنَّمَا سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ يُحَدِّثُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ

جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ

فِي التَّغْرِيبِ بِالطُّورِ وَلَمْ أَسْمَعْ زَادَ الَّذِي قَالُوا لِي۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی

انہوں نے کہا ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا مجھے

انہوں نے حدیث بیان کی از الزہری از محمد بن جبیر بن مطعم از

والد خود بنی الزہری، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا نبی ﷺ

مغرب کی نماز میں سورہ الطور کی قراءت کر رہے تھے، جب آپ

اس آیت پر پہنچے: أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ

الْخُلُقُونَ ۝ أَمْ خَلَقُوا السَّابُوتَ وَالْأَرْضَ ۚ بَلْ لَا

يُؤْقِنُونَ ۝ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ

الْمُضَيِّطُونَ ۝ (الطور: ۳۵-۳۷) (کیا وہ بغیر کسی سبب کے پیدا

ہو گئے یا وہ خود خالق ہیں) کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کو

پیدا کیا ہے، بلکہ وہ یقین نہیں کرتے کیا ان کے پاس آپ کے

رب کے خزانے ہیں یا وہی (ان پر) حاکم ہیں) تو میرا دل

اڑنے لگا۔ سفیان نے کہا: لیکن میں نے زہری سے سنا ہے، وہ محمد

بن جبیر بن مطعم سے روایت کرتے ہیں از والد خود، انہوں نے

کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا آپ مغرب میں سورہ طور کی

قراءت کر رہے تھے، (سفیان نے کہا: میرے اصحاب نے اس

کے بعد جو اضافہ کیا ہے وہ میں نے زہری سے نہیں سنا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۷۶۵ میں گزر چکی ہے۔

الطور: ۳۵، ۳۷ کی تفسیر

علامہ عینی نے الطور ۳۵-۳۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس سورت میں أَمْ کا لفظ پندرہ (۱۵) جگہ مسلسل اور ایک دوسرے کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ (الطور: ۳۵) اس کا معنی ہے: یا ان کو بغیر مٹی کے پیدا کیا گیا ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر

ہے، دوسرا قول ہے: یا ان کو بغیر باپ اور ماں کے پیدا کیا گیا ہے اور وہ جمادات کی مثل ہیں، انہیں کوئی عقل نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ

ان کے خلاف کوئی حجت قائم نہیں کرے گا، کیا وہ نطفہ سے پیدا نہیں کیے گئے ہیں، پھر جسے ہوئے خون سے، پھر گوشت کی بوئی

سے؟ یہ عطاء کا قول ہے اور ابن کیسان نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: کیا ان کو عبث اور بے مقصد پیدا کیا گیا ہے اور ان کو یوں ہی

چھوڑ دیا گیا ہے، انہیں کسی کام کا حکم دیا جائے گا اور نہ کسی کام سے منع کیا جائے گا یا وہ خود اپنے خالق ہیں؟ پس جب یہ دونوں

صورتیں باطل ہو گئیں تو ان کے خلاف حجت قائم ہوگی کہ ان کا خالق ہے۔

أَمْرٌ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ (الطور: ۳۶) اس کی تفسیر یہ ہے کہ اگر بالفرض ان کا یہ دعویٰ درست ہو کہ انہوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا ہے تو پھر ان کو یہ دعویٰ بھی کرنا چاہیے کہ انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور ان کا یہ دعویٰ تو ممکن نہیں ہے تو ان کے خلاف حجت قائم ہوگئی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے اعراض کر کے فرمایا: بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۷﴾ (بلکہ وہ یقین نہیں کرتے) اس میں یہ اشارہ ہے کہ ان کے ایمان نہ لانے کا سبب یہ ہے کہ ان کو یقین نہیں ہے اور یقین محض اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس کے فضل سے حاصل ہوتا ہے اور اس کی توفیق کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

أَمْرٌ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَتِكَ (الطور: ۳۷) (یا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں؟) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: خزانوں سے مراد بارش اور رزق ہے اور مکرّم سے منقول ہے کہ اس سے مراد نبوت ہے اور ایک قول ہے کہ اس سے مراد مستقبل کا علم ہے۔

أَمْرٌ لَهُمُ الْمُضَيِّطُونَ ﴿۳۸﴾ یعنی کیا وہ جبر کرنے والے ہیں اور مسلط ہونے والے ہیں، یہ اکثر مفسرین کا قول ہے اور عطاء سے منقول ہے: کیا وہ تہر کرنے والے رب ہیں۔

حضرت جبیر بن مطعم نے کہا: قریب تھا کہ میرا دل اڑنے لگے، علامہ خطابی نے کہا: اس آیت کے سننے اور اس کے معنی کی معرفت کے حسن سے جس میں بہت بلیغ حجت ہے۔

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ والطور کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ والنجم کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۵۳۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ النَّجْمِ

سورۃ النجم کی تفسیر

سورۃ النجم کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ النجم کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت مکی ہے، مقاتل نے کہا: سوا اس آیت کے جو نہبان نامی کھجور فروش کے متعلق نازل ہوئی اور وہ یہ آیت ہے: الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْإِثْمِ (النجم: ۲۳)، مقاتل نے اس سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کا رد کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور علامہ سخاوی نے کہا: یہ سورت سورۃ اخلاص کے بعد اور سورۃ عبس سے پہلے نازل ہوئی ہے اور اس سورت میں باسٹھ (۶۲) آیات ہیں۔

والنجم میں واؤ قسم کے لیے ہے، اور النجم سے مراد ہے: ثریا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، اور عرب ثریا کو النجم کہتے ہیں، اور ستارے کو بھی النجم کہتے ہیں کیونکہ وہ طلوع ہوتا ہے اور ہر طلوع ہونے والا نجم ہے، فرمایا: إِذَا هَوَىٰ: یعنی جب وہ غائب ہو جائے اور ساقط ہو جائے: مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ: یہ قسم کا جواب ہے اور صاحب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۸۱-۲۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: ہم نے اس سورت کی تفسیر میں لکھا ہے: اصل میں طلوع ہونے والے ستارے کو نجم کہتے ہیں، اس کی جمع نجوم ہے اور عرب ثریا کو بھی نجم کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۱۲۵) النجم سے ثریا کو مراد لینا اس لیے مناسب ہے کہ یہ آسمان کے ستاروں میں سب سے زیادہ روشن اور سب سے زیادہ واضح ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی کثرت معجزات اور دلائل کے اعتبار سے نبیوں میں سب سے زیادہ روشن اور واضح ہیں، نیز خریف کے اواخر میں جب عشاء کے وقت ثریا کا ظہور ہوتا ہے تو زمین سے پھلوں کی آفت دور ہو جاتی ہے اور پھل پک جاتے ہیں، اسی طرح جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو دلوں کی بیماریاں دور ہو گئیں اور ایمان اور عرفان کے پھل پک کر تیار ہو گئے، اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے النجم کی قسم کھائی جس کا معنی ثریا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا: مَا ضَلَّ یعنی آپ نے کبھی راہ راست کو ترک نہیں کیا پھر فرمایا: "وَمَا غَوَىٰ" یعنی آپ کبھی راہ راست کے خلاف نہیں چلے، خلوت میں نہ ہی جلوت میں، ایام طفولیت میں اور نہ ہی ایام شباب میں۔

(انوار تبیان القرآن ص ۸۳۹، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ ذُو مِرَّةٍ ذُو قُوَّةٍ۔ اور مجاہد نے کہا: ذُو مِرَّةٍ، کا معنی ہے: ذُو قُوَّةٍ یعنی طاقت والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ذُو مِرَّةٍ قَالَتْ سَوَّيْ ۖ (النجم: ۶) بہت زبردست نے، پھر اللہ نے استواء فرمایا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے اس کی تفسیر کی ہے: زبردست قوت والے نے اور وہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا: عمدہ اخلاق والے نے، امام ابو عبیدہ نے اس کی تفسیر میں کہا: بہت طاقت والے نے، اور کلبی سے منقول ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طاقت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کو سیاہ پانی سے اکھاڑا اور ان بستیوں کو اپنے ایک پر کے اوپر رکھ لیا، پھر وہ ان بستیوں کو بلند کر کے آسمان کی طرف لے گئے، پھر وہاں سے ان کو اٹھا کر زمین پر پلٹ دیا، مِرَّةٌ كَالْفَرْسِ مِنَ الْحَبْلِ سے ماخوذ ہے، یہ اس وقت کہتے ہیں جب اس کی بنائی مضبوط ہو جائے۔ فاستوی کا معنی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معراج کی شب میں افق اعلیٰ پر پہنچے اور یہ دنیا کا آخری حصہ ہے جب سورج آسمان پر طلوع ہوتا ہے۔

قَابٌ قَوْسَيْنِ: یعنی جس طرح قوس کا وتر ہوتا ہے۔

قَابٌ قَوْسَيْنِ حَيْثُ الْوَتَرِ مِنَ الْقَوْسِ۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام ابو عبیدہ سے منقول ہے: جتنی دو کمانوں کی مقدار ہوتی ہے یا اس سے بھی کم یعنی آپ اللہ کے اتنے قریب ہوئے جتنی دو کمانوں کی مقدار ہوتی ہے یا اس سے بھی کم، اور ضحاک سے منقول ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل کے قریب ہوئے، پھر سجدے میں گر گئے تو آپ کا اس سے اتنا فاصلہ تھا ”جتنا دو کمانوں میں ہوتا ہے یا اس سے بھی کم“، دوسرا قول یہ ہے کہ ”اَوْ اَدْنٰی“ کا معنی ہے: آپ اس سے بھی زیادہ قریب ہو گئے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم عرش کی ساق سے قریب ہوئے ”قَدَّالٰی“ ختی کہ پردوں کے پار چلے گئے، وہاں کوئی مکان نہیں تھا لیکن آپ اللہ عزوجل کے اذن سے قائم تھے اور یہ اس طرح ہے، جیسے کوئی شخص کسی چیز کے ساتھ لٹکا ہوا ہو اور اس کے قدم مکان پر نہ ہوں اور قاب، قاد اور قید کا معنی ہے: کسی چیز کی مقدار اور مکان کے پکڑنے کی جگہ کو قاب کہتے ہیں، الواحدی نے کہا: یہ جمہور مفسرین کا قول ہے کہ قوس سے مراد کمان ہے جس سے تیر پھینکے جاتے ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ذراع (ایک ہاتھ کی مقدار) ہے کیونکہ اس سے کسی چیز کو قیاس کیا جاتا ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کی امام ابن مردودہ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: آپ نے فرمایا کہ القاب مقدار ہے اور قوسین دو ذراع ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قَابٌ قَوْسَيْنِ میں قلب ہے یعنی اتنی اضافت ہے: یہ اصل میں قَابِ قَوْسَیْنِ ہے یعنی ایک کمان کی دو قاییں، کمان کے نصف دائرہ کے دوسرے یعنی جس طرح کمان کی دو قاییں ایک دوسرے کے قریب ہوتی ہیں اس طرح اللہ اور رسول ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔

ضَبِیْذٌ: اس کا معنی ہے: نیزگی۔

ضَبِیْذٌ عَوْجَاءٌ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

پھر تو یہ بڑی ظالمانہ تقسیم ہے ○

تِلْكَ اِذَا قُسِمَةُ ضَبِیْذٌ (النجم: ۲۲)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے ضَبِیْذٌ کی تفسیر عوجاء کی ہے یعنی نیزگی، یہ تفسیر مقاتل سے مروی ہے اور حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا کہ تم نے اپنے رب کے لیے مونٹ کو ثابت کیا ہے جس کو تم اپنے لیے ناپسند کرتے ہو، سو یہ بہت ظالمانہ تقسیم ہے اور ابن سیرین سے منقول ہے کہ یہ ناہموار تقسیم ہے کہ تمہارے لیے تو بیٹے ہیں اور اللہ کے لیے بنیاں ہوں، اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ بلند ہے۔

وَ اَكْذٰی: کا معنی ہے: اس نے اپنی عطا کو منقطع کر دیا یعنی دینا بند

وَ اَكْذٰی قَطْعَ عَطَاۡتِهٖ۔

کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّى ۖ وَأَعْطَى قَلِيلًا وَأَكْدَى ۖ ﴿٣٣﴾ کیا پھر آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے پیٹھ پھیری ○ اور تھوڑا سا مال دیا اور روک دیا ○ (انجم: ۳۲-۳۳)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اکدی کی تفسیر کی ہے: اس نے اپنی عطاء کو منقطع کر دیا، یہ آیت الولید بن المغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، مقاتل نے کہا: یعنی ولید نے تھوڑا سا کلمہ خیر کہا، پھر اس کو منقطع کر دیا اور پورا نہیں کیا، اکدی الکدیہ سے ماخوذ ہے جب کوئی شخص بخل کرے تو کہا جاتا ہے: کدیت اصابعہ۔

رَبُّ الشَّعْرَى هُوَ مَوْزَمُ الْجُوزَاءِ۔ رَبُّ الشَّعْرَى: اور وہ موزم الجوزاء ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشَّعْرَى ۖ ﴿٣٩﴾ (انجم: ۳۹) اور یہ کہ شعرئ (ستارے) کا وہی رب ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا کہ شعرئ کا معنی موزم الجوزاء ہے اور یہ وہ ستارہ ہے جو الجوزاء ستارے کے بعد طلوع ہوتا ہے اور یہ دونوں ستارے شعرئ ہیں، پہلا ستارہ برج اسد میں ہے اور دوسرا ستارہ برج جوزاء میں ہے، ان دو ستاروں کو الغیصاء اور العبور بھی کہا جاتا ہے اور قبیلہ خزاعہ شعرئ اور العبور کی پرستش کرتے تھے۔

الَّذِي وُفِّي مَا فِیْ رَاحِلَتِهِ۔ الَّذِي وُفِّي: اس کا معنی ہے: جو ان پر فرض تھا اس کو پورا کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى ۖ ﴿٣٩﴾ (انجم: ۳۹) اور جو ابراہیم کے صحائف میں ہے اس کو انہوں نے پورا کر دیا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الَّذِي وَفَّى کی تفسیر کی ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو حکم فرض کیا گیا تھا اس کو انہوں نے پورا کر دیا تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو العالیہ سے منقول ہے کہ اولیٰ کا معنی ہے: ادا کر دیا، زجاج سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو امتحان لیا گیا تھا اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں اس امتحان میں وہ کامیاب ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کیا۔

أَزِفَتْ الْأَزْفَةُ أَفْتَرَبْتُ السَّاعَةَ۔ أَزِفَتْ الْأَزْفَةُ: اس کا معنی ہے: قیامت قریب آگئی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَزِفَتْ الْأَزْفَةُ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ۖ ﴿٥٨﴾ قریب آنے والی ساعت قریب آچکی ہے ○ اللہ کے سوا (وقت) (انجم: ۵۷-۵۸) معین پر) اسے کوئی دکھانے والا نہیں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے ازفت الازفة کی تفسیر کی ہے: قیامت قریب آچکی ہے، مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے، کاشفة کا معنی ہے مظہر، مقیمۃ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قیامت کو ظاہر کرنے والا یا قائم کرنے والا نہیں ہے۔

سَامِدُونَ الْبَرْطَةُ وَقَالَ عِكْرِمَةُ يَتَغَتُّونَ سَامِدُونَ: اس کا معنی ہے: البرطہ یعنی اعراض کرنے والے اور بالحنیریۃ۔ عکرمہ نے کہا: جمیری زبان میں اس کا معنی ہے: وہ گانا گاتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَتَصْحَكُونَ وَلَا تَتَّبِعُونَ ۖ وَأَنْتُمْ سَامِدُونَ ۖ ﴿٦٠﴾ اور تم ہنستے ہو اور روٹتے نہیں ہو ○ اور تم کھیل کود میں پڑے ہو ○

(انجم: ۶۱-۶۰)

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے سِدُون کا معنی البرطہ بیان کیا ہے اور اس کا معنی اعراض ہے، ابن عیینہ نے کہا: جب کوئی شخص اپنی ٹھوڑی اپنے سینہ پر رکھ لے تو البرطہ کہتے ہیں، مجاہد سے منقول ہے: سِدُون کا معنی ہے: متبرطمون، ان سے پوچھا گیا: البرطہ کیا ہے تو انہوں نے کہا: اعراض کرنا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مبرطم کا معنی ہے: متکبر اور کتب تفسیر میں مذکور ہے: سِدُون کا معنی ہے: لہو و لعب میں مشغول اور غافل اور یہ لغو میں مشغول ہونے والوں کے لیے اہل یمن کی لغت ہے، اور عکرمہ نے کہا جو حضرت ابن عباس کے آڑ اور دو غلام ہیں: الحیدر کی لغت میں سامدون کا معنی ہے: جو گانا گاتے ہیں۔

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ أَفْتَسَارُونَ أَفْتَسَارُونَ وَمَنْ قَرَأَ
کرتے ہو اور جس نے أَفْتَسَارُونَ پڑھا اس کا معنی ہے: کیا تم اس کا
انکار کرتے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَفْتَسَارُونَ عَلَى مَا يَرَى ۝ (النجم: ۱۲)

کیا تم ان سے اس پر جھگڑ رہے ہو جو انہوں نے دیکھا

علامہ مینی لکھتے ہیں: ابراہیم نخعی نے أَفْتَسَارُونَ کی تفسیر أَفْتَسَارُونَ کی ہے یعنی کیا تم ان سے جھگڑا کرتے ہو، یہ لفظ المراء سے ماخوذ ہے جس کا معنی محاذ اور جھگڑا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ مریت الناقة سے ماخوذ ہے، جب اونٹنی کے تھنوں پر دودھ نکلنے کے لیے ہاتھ پھیرا جائے، حمزہ اور الکسائی نے اس لفظ کو أَفْتَسَارُونَ پڑھا ہے، اس کا معنی ہے: کیا تم ان کا انکار کرتے ہو، اور امام ابو حبیہ کا یہ ہی مختار ہے، انہوں نے کہا: مشرکین قریش نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑ رہے تھے بلکہ آپ کا انکار کر رہے تھے اور جب کوئی شخص کسی کے حق کا انکار کرے تو عرب کہتے ہیں: مَرِثَ الزُّجْلَ حَقًّا میں نے مرد کے حق کا انکار کیا۔

وَقَالَ مَا زَاغَ الْبَصَرُ بِصَرٍّ مُحْتَدٍ بِمَا بَيْنَهُ وَمَا طَغَى
ہوئی اور مَا طَغَى کا معنی ہے: آپ نے جو محمد دیکھا اس سے متجاوز
نہیں ہوئی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ۝ (النجم: ۱۷)

آپ کی نظر نہ نیزمی ہوئی اور نہ حد سے بڑھی

علامہ مینی لکھتے ہیں: یہ تعلق بالکل ظاہر ہے، اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ آپ کو جتنا دیکھنے کا حکم دیا گیا تھا آپ کی نظر نے اس سے تجاوز نہیں کیا اور نہ آپ کی نظر اس سے کسی دوسری طرف ہوئی، کہا جاتا ہے کہ آپ کی نظر نہ دائیں طرف منحرف ہوئی اور نہ بائیں طرف منحرف ہوئی اور نہ اس نے حد سے تجاوز کیا اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کی صفت ہے۔

فَتَسَارَوْا كَذِبًا ۝

فَتَسَارَوْا کا معنی ہے: انہوں نے جھٹلایا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَاهُمْ بَيِّنَاتٍ مِّنَّا فَتَسَارَوْا بِاللَّذَّةِ ۝

اور بے شک لوٹنے انہیں ہماری گرفت سے ڈرایا تھا تو انہوں

(الفرق: ۳۶) نے ان کے ڈرانے کو جھٹلایا

علامہ مینی لکھتے ہیں: یہ آیت سورۃ النجم میں نہیں ہے بلکہ اس کے بعد کی سورت القمر میں ہے اور شاید کہ یہ لکھنے والے کا سہو ہے۔

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: علامہ کرمانی نے بعض نسخوں سے یہاں نقل کیا ہے کہ تتباری کا معنی ہے: وہ جھٹلاتے ہیں اور میں اس نسخہ پر واقف نہیں ہو سکا، پھر اس کے بعد مجھ پر یہ مشکف ہوا کہ علامہ کرمانی نے الفقراء کے کلام کا اختصار کیا ہے کیونکہ انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ﴾ (النجم: ۵۵) پس (اے مخاطب!) تو اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاتا رہے گا O

یعنی یہ کہتا رہے گا کہ یہ نعمتیں اس کے رب کی طرف سے نہیں ہیں، اسی طرح یہ آیت ہے: ﴿فَتَتَّبِعُوا ذُؤَابَالَئِدُ﴾ (النجم: ۳۶) (پس انہوں نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا O) (فتح الباری ج ۶ ص ۳۲)

علامہ عینی، حافظ ابن حجر پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

انہیں علامہ کرمانی کے کلام پر واقف ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ آیت اسی سورت میں ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ﴾ (النجم: ۵۵) پس (اے مخاطب!) تو اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاتا رہے گا O

اس آیت میں مطلقاً انسان سے خطاب ہے اور تفسیر نسفی میں مذکور ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے لیکن مجھے یہ تفسیر پسند نہیں ہے۔ واللہ اعلم (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۶۵-۲۶۴، مکتبۃ الرشید، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

مصنف کی طرف سے ان دونوں میں محاکمہ

میں کہتا ہوں: کہ حافظ ابن حجر نے کوئی غلط بات نہیں کہی جس کے رد کی ضرورت ہو، امام بخاری نے یہاں پر تعلق میں سورۃ النجم: ۳۶ کی آیت لکھی جس کے متعلق علامہ عینی نے کہا کہ یہ لکھنے والے کا سہو ہے اور حافظ ابن حجر نے اس کی توجیہ کی کہ چونکہ اس سورت میں مذکور ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ﴾ (النجم: ۵۵) (پس) (اے مخاطب!) تو اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاتا رہے گا) تو امام بخاری نے اس آیت کی مناسبت سے یہاں پر سورۃ النجم: ۳۶ کو بھی لکھ دیا اور ایسا ہوتا رہتا ہے کہ امام بخاری ایک سورت کی آیت کی مناسبت سے وہاں کسی اور سورت کی آیت کو ذکر کر دیتے ہیں۔

وَقَالَ الْحَسَنُ إِذَا هَوَىٰ غَاب۔ اور حسن نے إِذَا هَوَىٰ کی تفسیر میں کہا: جب وہ ستارہ غائب ہو گیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ O (النجم: ۱) روشن ستارے کی قسم! جب وہ غروب ہو گیا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے: جب وہ ستارہ غائب ہو گیا، اسی طرح امام عبدالرزاق نے از حسن بصری روایت کی ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ إِذَا هَوَىٰ کا معنی ہے: جب وہ ستارہ اتر ا اور گر گیا، اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر میں منقول ہے: یعنی جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج آسمان سے اترے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ فَأَرْضَىٰ۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ کی تفسیر میں کہا

کہ انہوں نے اتنا دیا کہ لینے والے کو راضی کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ ۖ (القر: ۳۸)

اور یہ کہ اس نے غنی کیا اور خوش کر دیا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی اس طرح تفسیر کی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہے اور ابو صالح سے منقول ہے کہ اللہ نے لوگوں کو مال دیا اور لوگوں کو اموال کے اصول عطا کئے، اور ضحاک سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سونا، چاندی اور اموال کی مختلف قسمیں عطا کیں اور اقنی کا معنی ہے: اس نے لوگوں کو اونٹ، گائے اور بکریاں عطا کیں اور ابن زید سے منقول ہے کہ اغنی کا معنی ہے: اس نے بہت مال دیا اور اقنی کا معنی ہے: اس نے بہت کم مال دیا اور انخفش سے منقول ہے کہ اقنی کا معنی ہے: اس نے لوگوں کو فقیر بنا دیا۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۸۳-۲۸۰ میں کی ہے]

۱۔ باب

باب

۳۸۵۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ عَامِرٍ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا يَا أُمَّتَاةَ هَلْ رَأَىٰ مُحَمَّدٌ رَّبَّهُ فَقَالَتْ لَقَدْ قَفَّ شَعْرِي مِمَّا قُلْتُ أَيْنَ أَنْتَ مِنْ ثَلَاثٍ مَنْ حَدَّثَكَ هُنَّ فَقَدْ كَذَبَ مَنْ حَدَّثَ أَنْ مُحَمَّدًا ~~رَأَىٰ رَبَّهُ فَقَدْ كَذَبَ ثُمَّ~~ لَرَأَتْ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ (الانعام: ۱۰۳) ﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكَلِمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ﴾ (الشورى: ۵۱) وَمَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ فَقَدْ كَذَبَ ثُمَّ لَرَأَتْ ﴿وَمَا تُدْرِكُهُ الْفُتُوحُ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ (الزمر: ۳۳) وَمَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ كَتَمَ فَقَدْ كَذَبَ ثُمَّ لَرَأَتْ ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ (المائدة: ۶۷) وَلِكِنَّهُ رَأَىٰ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي صُورَتِهِ مَرَّتَيْنِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از اسماعیل بن ابی خالد از عامر از مسروق، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: اے امی جان! کیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو حضرت عائشہ نے فرمایا: تم نے جو بات کہی ہے اس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تم ان تین آیات میں سے کہاں ہو، جس نے تم کو بتایا اس نے جھوٹ بولا، جس نے تم کو یہ بتایا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے جھوٹ بولا ہے، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت پڑھی: لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿۱۰۳﴾ (الانعام: ۱۰۳) (آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور وہ نہایت باریک بین بہت باخبر ہے) ﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكَلِمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ﴾ (الشورى: ۵۱) (اور کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے ماسوا وحی کے یا پردے کے اوٹ سے۔ اور جس نے تم کو بتایا کہ آپ آئندہ کل کی بات جانتے ہیں تو اس نے جھوٹ بولا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَمَا تُدْرِكُهُ الْفُتُوحُ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ (الزمر: ۳۳) (اور کوئی (از خود) نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا) اور جس نے تم کو یہ بتایا کہ آپ نے (کوئی آیت) چھپا لی تو بے شک اس نے جھوٹ بولا ہے، پھر حضرت عائشہ نے یہ آیت پڑھی: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ (المائدة: ۶۷)

(المائدہ: ۶۷) (اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے) لیکن آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں دوسرے دیکھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۳۴ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

یا امتاہ کی لفظی تحقیق اور حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کا مناقشہ

یا امتاہ: حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ اس کی اصل یا ام ہے اور باء اس میں وقف کے لیے ہے، پھر اس کی طرف استغاثہ کے الف کی طرف اضافت کی گئی اور اس کو تاء سے بدل دیا گیا اور اس پر باء کا الف کے سکتہ کے بعد اضافہ کیا گیا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۳۳)

علامہ عینی، حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ جن سے شرح نقل کی جاتی ہے ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اس میں الف استغاثہ کے لیے ہے اور یہاں استغاثہ کہاں ہے؟ علامہ خطابی نے کہا ہے: جب عرب باپ یا ماں کو ندا کرتے ہیں تو وقف کی صورت میں یا ابہ یا امہ کہتے ہیں، پس جب وصل کرتے تو یا ابت اور یا امت کہتے ہیں اور جب اس پر زبر پڑھتے ہیں متعدی کرنے کے لیے تو کہتے ہیں: یا ابتاہ اور یا امتاہ اور باء اس میں وقف کے لیے ہے، علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس میں الف ندبہ کے لیے نہیں ہے کیونکہ یہاں کسی پر رویا نہیں گیا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۸۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے علامہ بدر الدین عینی حنفی کے اس اعتراض کا ”انتقاض الاعتراض“ میں ذکر تک نہیں کیا۔ سعیدی غفرلہ لَا تُدْرِي لَهُ إِلَّا بَصَارًا سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نفی رویت باری پر استدلال اور علامہ عینی کے جوابات

میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے: یعنی اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور اس کے جلال سے میرے دل میں خوف پیدا ہوا اور خوف اور گھبراہٹ کے وقت کھال سکڑ جاتی ہے اور اس پر جو بال ہیں وہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔

تم ان تین آیات میں سے کہاں ہو: یعنی کیا ان تین آیتوں کو ذہن میں حاضر کرنے سے تمہاری فہم غائب ہو گئی؟ پس تمہیں چاہیے کہ ان تین آیتوں کو اپنے ذہن میں حاضر کر دو تا کہ تمہارا علم ان کو محیط ہو اور جو شخص ان کے خلاف بات کہتا ہے اس کی تم تکذیب کرو۔ جس نے تم کو بتایا اس نے جھوٹ بولا: یعنی جس نے تم کو ان تین چیزوں کے متعلق بتایا اس نے جھوٹ بولا یعنی جس نے یہ خبر دی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے اپنی خبر میں جھوٹ بولا ہے، پھر حضرت عائشہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ دیکھنے پر دو آیتوں سے استدلال کیا ہے، پہلی آیت یہ ہے:

لَا تُدْرِي لَهُ إِلَّا بَصَارًا وَهُوَ يُدْرِيكَ إِلَّا بَصَارًا۔ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا احاطہ کیے

(الانعام: ۱۰۳) ہوئے ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کے ادراک کرنے کی نفی کی ہے اور آنکھوں کے ادراک کی نفی دیکھنے کی نفی ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد سے دیکھنے کی نفی نہیں کی اور ان کے پاس کوئی ایسی حدیث ہوتی تو وہ اس کا ذکر کرتیں لیکن انہوں نے اس آیت کے ظاہر سے استنباط کیا ہے اور دوسرے صحابہ نے حضرت عائشہ

بنی ثنبا کے اس قول کی مخالفت کی ہے اور جب ایک صحابی کوئی بات کہے اور دوسرا صحابی اس کے خلاف بات کہے تو اس پر اتفاق ہے کہ اس صحابی کا قول حجت نہیں ہوتا، اور حضرت عائشہ کے اس قول کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مخالفت کی ہے، کیونکہ امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے، عکرمہ نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ اس وقت ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے اس نور کے ساتھ تجلی فرمائے جو اس کا نور ہے اور بے شک آپ نے اپنے رب کو دوسرے دیکھا ہے، اور امام ابن خزیمہ نے سند قوی کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور حضرت ابن عباس کے تمام اصحاب کا اور کعب احبار کا اور زہری کا اور صاحب معمر کا اور دوسروں کا یہی قول ہے اور امام عبدالرزاق نے معمر سے روایت کی ہے کہ حسن بصری نے حلف اٹھا کر کہا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے، اور امام ابن خزیمہ نے عروہ بن زبیر سے دیکھنے کی روایت کی ہے اور جب کوئی ان کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار کا ذکر کرتا تو وہ اس کا بہت سختی سے رد کرتے، اور امام اشعری اور ان کے اکثر متبعین کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس سے استدلال فرمانا کہ اللہ تعالیٰ سے کلام کی حالت میں کوئی اس کو دیکھ نہیں سکتا اور علامہ عینی کا جواب

ومان کان لبشہ الا یہ: یہ دوسری آیت ہے جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نفی روایت باری پر استدلال کیا ہے اور ان کے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی سے کلام کرنے کا حصر تین صورتوں میں کیا ہے: (۱) وحی، بایں طور کہ اللہ تعالیٰ نبی کے دل میں جو چاہے القا فرمادے (۲) اللہ تعالیٰ پردے کی اوٹ سے بغیر واسطہ کے نبی سے کلام فرمائے (۳) نبی کی طرف اپنا کوئی فرشتہ بھیج دے جو اللہ کا کلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائے، ان تین صورتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس حالت میں اللہ کلام فرماتا ہے، اس حالت میں اسے کوئی دیکھ نہیں سکتا، علماء کرام نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس سے مطلقاً روایت باری کی نفی نہیں ہوتی، اس کا زیادہ سے زیادہ تقاضا یہ ہے کہ ان تین صورتوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ کلام نہیں فرماتا، پس ہو سکتا ہے کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہو اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام نہ فرمایا ہو۔

یہ جائز نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی کسی آیت یا اس کے کسی حکم کو چھپالیں

جس نے تم کو یہ بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی آیت کو چھپایا تو اس نے جھوٹ بولا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جن تین باتوں کا انکار فرمایا تھا یہ ان میں سے تیسری بات ہے، یعنی جس نے یہ بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی وحی میں سے کوئی بات چھپائی تو اس نے جھوٹ بولا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے، پس آپ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ آپ اس میں سے کسی چیز کو چھپالیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر اس سے استدلال فرمایا کہ المائدہ: ۶۷ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے۔ مصنف کہتا ہے: اس سے یہ معلوم ہوا کہ شیعہ اور روافض کا یہ کہنا باطل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت علی کے خلیفہ بلا فصل ہونے کے متعلق آیت نازل کی گئی تھی لیکن آپ نے اس کو چھپا لیا، اسی طرح حضرت علی کے فضائل میں کئی آیات نازل کی گئی تھیں لیکن آپ نے ان آیات کو چھپا لیا۔

علامہ ثعلبی اور اکثر علماء کے نزدیک رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں

دو بار دیکھا

لیکن آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا تھا: جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی نفی کر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا تو پھر حضرت مسروق کے سوال کے جواب میں بتایا: لیکن رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دو مرتبہ دیکھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ کیا:

وَلَقَدْ رَأَا نَزْلَةَ أُخْرَىٰ ۖ (النجم: ۱۳)

علامہ ثعلبی نے کہا ہے: یعنی دوسری بار دیکھا، کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی اصلی صورت میں جس پر وہ پیدا کیے گئے ہیں دو مرتبہ دیکھا، ایک مرتبہ زمین پر الاق اعلیٰ میں اور دوسری مرتبہ آسمان میں سدرۃ المنتہی کے پاس، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور اکثر علماء کا قول ہے اور یہ ہی مختار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رویت کو مکان کے ساتھ ملایا ہے، پس فرمایا: سدرۃ المنتہی کے پاس اور کیونکہ فرمایا: نَزْلَةَ أُخْرَىٰ یعنی اترتے وقت اور اللہ تعالیٰ کا مکان میں ہونا اور اترنا جو کہ انتقال کو مستلزم ہے محال ہے۔

پس اگر تم یہ اعتراض کرو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رویت باری کا انکار کرتی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رویت باری کو ثابت کرتے ہیں تو ان دونوں کے اقوال میں کس طرح موافقت ہوگی؟

میں کہتا ہوں: حضرت عائشہ نے جو رویت باری کی نفی کی ہے وہ آنکھ سے دیکھنے پر محمول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو رویت باری کو ثابت کیا ہے وہ دل سے دیکھنے پر محمول ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۖ (النجم: ۱۱)

(آپ کے) قلب نے اس کی تکذیب نہ کی جو آپ کی آنکھوں نے

دیکھا

وَلَقَدْ رَأَا نَزْلَةَ أُخْرَىٰ ۖ (النجم: ۱۳)

حضرت ابن عباس کے نزدیک رسول اللہ ﷺ نے دل سے دیکھا ہے آنکھ سے نہیں دیکھا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا، اور عطاء نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا اور اس سے بھی زیادہ صریح روایت وہ ہے جس کی امام ابن مردویہ نے از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا، آپ نے اس کو اپنے دل سے دیکھا ہے۔

علامہ قرطبی نے اس مسئلہ میں توقف کرنے کے قول کو راجح قرار دیا ہے اور اس قول کو محققین کی ایک جماعت کی طرف منسوب کیا ہے، کیونکہ اس باب میں کوئی دلیل قطعی نہیں ہے اور دونوں فریقوں نے جو زیادہ سے زیادہ استدلال کیا ہے وہ ظاہر آیات ہیں جو متعارض ہیں اور تاویل کی گنجائش رکھتی ہیں، انہوں نے کہا: یہ مسئلہ عملیات سے متعلق نہیں ہے کہ اس میں دلائل ظنیہ پر اکتفاء کر لیا جائے، اس مسئلہ کا تعلق صرف عقائد سے ہے اور اس میں صرف دلیل قطعی سے استدلال ہو سکتا ہے، اور امام ابن خزیمہ نے کتاب التوحید میں کافی طویل دلائل کے ساتھ رویت باری کو ثابت کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ حضرت ابن عباس سے جو منقول ہے کہ رویت دو

مرتبہ ہوئی وہ اس پر محمول ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے آنکھ سے دیکھا اور دوسری مرتبہ دل سے دیکھا۔

اپنے رب کو دوبارہ دیکھنے کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں: ہم نے لکھا ہے کہ الباقی رحمہ اللہ نے کہا: نبی ﷺ نے شب معراج اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا اور یہ دوسری بار دیکھنے کا ماجرا ہے کیونکہ جب آپ نے پہلی بار اپنے رب کو دیکھا تو وہاں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کچھ نہ تھا اس لیے وہاں یہ نہیں فرمایا: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ (النجم: ۱۷) آپ کی بصر ادھر ادھر متوجہ ہوئی اور نہ اللہ کی ذات کو دیکھنے سے

متجاوز ہوئی ○

بلکہ اس کی ذات کو دیکھنے میں محو اور مستغرق رہی، اور جب آپ نے دوسری بار وہاں ہی کے بعد اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو آپ کے سامنے جنت، دوزخ اور دیگر عجیب و غریب نشانیاں بھی تھیں لیکن آپ کسی اور طرف متوجہ نہیں ہوئے بلکہ صرف اس کی ذات کو نگاہی باندھ کر لگا تار دیکھتے رہے۔ (روح البیان ج ۳ ص ۲۶۹) (انوار جہان القرآن ص ۸۴۰ فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ نبی ﷺ نے اپنے رب کو دل کی آنکھ سے دیکھا ہے، النجم: ۱۱ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے پر استدلال اور امام اشعری کا یہ قول کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے، اور لاتدرکہ الابصار کے متعدد جوابات اور دیگر مباحث میں علامہ ابن الملقن کی تحقیق

حافظ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن متوفی ۵۸۰ھ نے شب معراج رؤیت باری کے مسئلہ پر طویل بحث کی ہے وہ اس میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے شب معراج رؤیت باری کا انکار کیا ہے، لیکن انہوں نے اپنے موقف کے ثبوت میں کوئی حدیث ذکر نہیں کی، اگر ان کے پاس کوئی حدیث ہوتی تو وہ اس کا ذکر کرتیں، انہوں نے صرف چند آیات سے اس مسئلہ کا استنباط کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی مشہور قول یہی ہے اور محدثین، فقہاء اور متکلمین کی ایک جماعت کا بھی یہی موقف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے رب کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔

امام ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں ضحاک اور عکرمہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے، اس میں مذکور ہے: پس جب میرے رب نے اپنی رؤیت (دیدار) کے ساتھ میری نکریم کی بایں طور کہ میرے قلب میں میری آنکھ کو ثابت کر دیا تو میری آنکھ میں نور عرش کو دیکھنے کی صلاحیت آگئی، الحدیث۔ اور اللہ لاکائی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے یہ روایت کی ہے کہ میں نے اپنے رب عز وجل کو دیکھا۔ (شرح اصول الاعتقاد ج ۳ ص ۵۶۷) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے اپنے رب عز وجل کو دیکھا۔ (شرح اصول الاعتقاد ج ۳ ص ۵۷۵)

اور عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا (صحیح مسلم: ۱۷۹) اور اسی طرح امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ عکرمہ سے روایت کی ہے۔ (سنن ترمذی: ۳۲۸۱)

اور امام ترمذی نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا، الحدیث۔ (سنن ترمذی: ۳۲۷۹) اور امام مسلم نے ابو العالیہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا (صحیح مسلم: ۱۷۹) امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عمر نے حضرت ابن عباس کی طرف کسی کو بھیج کر یہ سوال کیا کہ کیا رسول اللہ

ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو انہوں نے فرمایا: ہاں۔

اس حدیث کی عبد اللہ بن احمد نے کتاب السنن ج ۱ ص ۱۷۵ میں روایت کی ہے۔

اور مشہور یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے رب کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے، اور متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ بے شک اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام کے ساتھ خاص کر لیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنانے کے ساتھ خاص کیا اور سیدنا محمد ﷺ کو روایت (دیدار) کے ساتھ خاص کیا۔ اس حدیث کی امام ابن ابی عاصم نے کتاب السنن: ۳۵۱، امام نسائی نے السنن الکبیر: ۴۷۲ میں، اور امام ابن خزیمہ نے التوحید: ۲۷۲ اور امام حاکم نے المستدرک ج ۱ ص ۶۵ میں روایت کی ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا سَأَى ۖ (النجم: ۱۱)
(آپ کے) قلب نے اس کی تکذیب نہ کی جو آپ کی آنکھوں
نے دیکھا ○

الماء وروی نے کہا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام اور اپنی روایت کو سیدنا محمد ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا ہے، پس سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو مرتبہ کلام فرمایا۔
ابو الفتح الرازی اور ابواللیث السمرقندی نے اس حکایت کو کعب احبار سے نقل کیا۔ (تفسیر السمرقندی ج ۳ ص ۲۸۹)

عبد اللہ بن الحارث نے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کعب احبار اکٹھے ہوئے تو حضرت ابن عباس نے فرمایا: ہم بنو ہاشم یہ کہتے ہیں کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے تو کعب نے بہت بلند آواز سے کہا: اللہ اکبر حتیٰ کہ پہاڑ گونج اٹھے اور حضرت ابن عباس نے فرمایا: بے شک اللہ نے اپنی روایت اور اپنے کلام کو سیدنا محمد ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا ہے، پس حضرت موسیٰ نے اللہ سے کلام فرمایا اور سیدنا محمد ﷺ نے دل سے اپنے رب کو دیکھا (سنن ترمذی: ۳۲۷۸) اور شریک نے حضرت ابوذر سے النجم: ۱۱ کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔

اور علامہ السمرقندی نے محمد بن کعب القرظی سے اور الریح بن انس سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا: میں نے اپنے دل سے دیکھا ہے اور میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا۔

(تفسیر السمرقندی ج ۳ ص ۲۸۹)

اور مالک بن یخامر نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے رب کو دیکھا۔ (سنن ترمذی: ۳۲۳۵)۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور امام بخاری نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

امام عبدالرزاق نے روایت کی ہے کہ حسن بصری اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے (تفسیر عبدالرزاق، ۳۰۳۳) اسی طرح مقاتل نے ذکر کیا ہے، اور امام عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں النجم: ۱۱ کی تفسیر میں کہا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا اور محمد بن کعب سے روایت کی ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دل سے دو مرتبہ دیکھا، اور ابراہیم تیمی سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا، پھر انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا ہے اور اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا۔

اور تفسیر ابن عباس میں حضرت انس سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب میں حجاب تک پہنچا تو میری دونوں آنکھیں سو گئیں اور میں نے اپنے دل سے دیکھا اور میرا دل بیدار تھا اور اس وقت سے اب تک

نہیں سویا اور زجانی نے امام احمد سے روایت کی ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا، اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کے ساتھ آپ کو خاص کیا گیا ہے، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنانے کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اس قول کی امام ابو عمر ابن عبدالبر نے روایت کی ہے، لیکن نقاش نے یہ روایت کی ہے کہ امام احمد نے کہا: میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے، امام احمد بار بار یہ کہتے رہے حتیٰ کہ ان کا سانس ٹوٹ گیا۔

اور الاما لکانی نے ام الطفیل زوجہ ابی بن کعب سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے یعنی دل کے ساتھ اور بعض متکلمین نے اس موقف کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، اور امام ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: کیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔

اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ نہ میں یہ کہتا ہوں کہ آپ نے دیکھا ہے اور نہ یہ کہتا ہوں کہ آپ نے نہیں دیکھا اور انجم: ۱۱ کی تاویل میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس اور عکرمہ اور حسن بصری اور حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا ہے اور حسن بصری اور ابن مسعود سے دوسری روایت ہے کہ آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا ہے۔ (تفسیر طبری، ج ۱۱ ص ۵۱۱-۵۱۰)

امام اشعری اور ان کے اصحاب کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنی بصر سے اور اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے اور یہ کہا ہے کہ ہر وہ عجزہ جو انبیاء سابقین میں سے کسی نبی کو دیا گیا تھا تو اس کی مثل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دی گئی ہے اور ان میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روایت کی فضیلت کے ساتھ خاص کر لیا گیا ہے۔

اور بعض مشائخ نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ اس موقف پر کوئی واضح دلیل نہیں ہے لیکن جیسا کہ قاضی حیاض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دنیا میں دیکھنا عقلاً جائز ہے اور عقل کے نزدیک یہ محال نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس کی روایت کا سوال کیا ہے اور یہ محال ہے کہ اللہ کے نبی کو یہ معلوم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جائز نہیں ہے بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اسی چیز کا سوال کیا جو جائز تھی اور محال نہیں تھی، لیکن اس کا وقوع اور غیب سے اس کا مشاہدہ کرنا اس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں ہے اور شریعت میں اس کے وقوع کے محال ہونے پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے، پس اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جائز ہے محال نہیں ہے۔ (اکمال المعلم ج ۱ ص ۵۲)

قرآن مجید میں ہے: لَا تَدْرِي لَئِنْ لَمْ يَنْصَرُوا لَكَ الْاَنْصَارُ (الانعام: ۱۰۳) یعنی آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی روایت کے محال ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے اور اس آیت کی متعدد تاویلات ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ کفار کی آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں، دوسرا قول یہ ہے کہ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے اور یہ تاویلات اللہ تعالیٰ کی روایت کے ممنوع اور محال ہونے کا تقاضا نہیں کرتیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: لَنْ تَرٰنِي (الاعراف: ۱۴۳) یعنی آپ مجھ کو نہیں دیکھ سکتے، اس آیت میں مومن نہیں ہے اور اس کی تاویل یہ ہے کہ آپ مجھے دنیا میں نہیں دیکھ سکتے، سو اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کی روایت کے محال ہونے کوئی دلیل نہیں ہے۔

اور قاضی ابوبکر الباقلائی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے، اسی لیے وہ بے ہوش ہو گئے تھے۔ اور پہاڑ نے بھی اپنے رب عزوجل کو دیکھا، اسی لیے وہ ریزہ ریزہ ہو گیا، انہوں نے اس کا استنباط اس آیت سے کیا ہے:

وَلَكِنْ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنَّ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرِنُنِي فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكَاةً وَكَانَ خَرْمُ مُوسَىٰ صَعِقًا۔ (الاعراف: ۱۴۳)

فرمایا: تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر (میری تجلی کے باوجود) یہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو عنقریب تم بھی مجھے دیکھ سکو گے، پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

اس قول کے مطابق اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی حتیٰ کہ پہاڑ نے اپنے رب کو دیکھ لیا۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ چونکہ پہاڑ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، اسی سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے رب کو دیکھا ہے کیونکہ یہ رب کو دیکھنے کے جواز اور امکان پر دلیل ہے اور جواز اور امکان میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ آیات میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۹ ص ۱۱۰-۱۰۳، وزارة الادب والفن، قطر، ۱۴۲۹ھ)

روایت باری کے مسئلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق کا خلاصہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

مقدمین کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کو دیکھا ہے یا نہیں، حضرت عائشہ اور حضرت ابن مسعود کا موقف یہ ہے کہ آپ نے اپنے رب کو نہیں دیکھا اور حضرت ابوذر سے روایات مختلف ہیں اور ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، امام عبدالرزاق نے حسن بصری سے روایت کی ہے کہ وہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور امام ابن خزیمہ نے عروہ بن الزبیر سے دیکھنے کی روایت کی ہے اور جب کوئی ان سے یہ کہتا کہ حضرت عائشہ نے دیکھنے کا انکار کیا ہے تو وہ اس پر بہت سختی کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس کے تمام اصحاب اسی کے قائل تھے، کعب احبار، زہری، معمر اور دوسروں نے اسی پر وثوق کیا ہے اور یہی امام اشعری اور ان کے اکثر متبعین کا قول ہے، پھر ان کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا یا دل سے دیکھا، اور امام احمد کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس کے اس مسئلہ میں مطلق اقوال بھی ہیں اور مقید بھی یعنی یہ قول بھی ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور یہ قول بھی ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دل سے دیکھا ہے، اس لیے مطلق اقوال کو مقید پر محمول کرنا ضروری ہے بلکہ ان سے زیادہ صراحت ان کے ساتھ امام ابن مردودہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا بلکہ اپنے دل سے دیکھا ہے اور اس طریقہ پر حضرت ابن عباس کی جو اثبات روایت کی روایت ہے اور حضرت عائشہ کی نفی روایت کی جو روایت ہے ان میں تطبیق دینا ممکن ہے بایں طور کہ حضرت عائشہ کی نفی روایت کی روایت کو روایت بصر پر محمول کیا جائے اور حضرت ابن عباس کی اثبات روایت کی روایت کو روایت قلب پر محمول کیا جائے اور روایت قلب کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں اللہ تعالیٰ نے ایسی چیز پیدا کر دی تھی جس سے آپ اپنے قلب سے اس طرح دیکھتے تھے جس طرح دوسرے لوگ آنکھوں سے دیکھتے تھے اور ہر چند کہ عادتاً انسان اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے لیکن عقل کے نزدیک روایت آنکھوں کے ساتھ خاص نہیں ہے، امام ابن خزیمہ نے امام احمد سے روایت کیا ہے کہ آپ نے اپنے رب کو قلب سے دیکھا اور آنکھ سے نہیں دیکھا۔

علامہ قرطبی نے انہیں میں توقف کے قول کو راجح قرار دیا ہے اور اس کو محققین کی ایک جماعت کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ کہا ہے

کہ اس مسئلہ میں کوئی دلیل قطعی نہیں ہے اور دونوں فریق ظواہر نصوص سے استدلال کرتے ہیں جو باہم متعارض ہیں اور تاویل کی گنجائش رکھتی ہیں اور یہ مسئلہ عملیات سے نہیں ہے اس لیے اس میں دلائل ظنیہ کافی ہیں، دلائل قطعیہ کی ضرورت صرف معتقدات میں ہوتی ہے اور امام ابن خزیمہ نے کتاب التوحید میں اثبات روایت کو ترجیح دی ہے اور جن علماء نے ہمارے نبی ﷺ کے لیے روایت کو ثابت کیا ہے ان میں امام احمد ہیں، المروزی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے پوچھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی نفی کرتی تھیں، آپ ان کے قول کو کس دلیل سے رد کریں گے تو انہوں نے جواب دیا کہ نبی ﷺ کے اس ارشاد سے کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور نبی ﷺ کا ارشاد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول پر راجح اور فائق ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس سلسلے میں واضح حدیث امام مسلم نے حضرت ابو زرر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ (خالق) نور ہے اور میں نے اس کو جہاں سے بھی دیکھا وہ نور ہی نور ہے۔ (صحیح مسلم: ۳۳۲، سنن الترمذی: ۳۲۹۳)

۲۔ بَابُ: فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَوْلىٰ (النجم: ۹)
اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تو وہ (نبی، اللہ سے) دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے یا اس سے بھی زیادہ ۵ (النجم: ۹) کی تفسیر

یعنی (اللہ اور رسول میں) اتنا فاصلہ رہ گیا تھا جتنا کمان اور اس کے وتر (اس کی تانت) میں ہوتا ہے۔

۳۸۵۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الثَّغَمَانِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ قَالَ سَمِعْتُ زَيْدًا عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَوْلىٰ﴾ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْلىٰ ﴿﴾ (النجم: ۹-۱۰) قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ مَسْعُودٍ أَنَّهُ رَأَىٰ جَبْرِئِيلَ لَهُ سِتٌّ مِائَةً جَنَاحٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الشیبانی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے زر سے سنا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے متعلق کہا: فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَوْلىٰ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْلىٰ ﴿﴾ (النجم: ۹-۱۰) (تو وہ (نبی، اللہ سے) دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے یا اس سے بھی زیادہ ۵) پھر اللہ نے اپنے مقدس بندے کی طرف وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی ۵ زر نے کہا: ہمیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا، ان کے چھ سو (۶۰۰) پر تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۳۲ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ امام نسائی کی روایت میں ہے، ان کے پروں سے مختلف رنگوں کے موتی اور یا قوت جھڑ ہے تھے۔

۳۔ بَابُ: فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْلىٰ ﴿﴾ (النجم: ۱۰)
اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پھر اللہ نے اپنے بندے کی طرف وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی ۵ (النجم: ۱۰) کی تفسیر

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متولی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے سیدنا محمد ﷺ کی طرف وحی فرمائی اور حسن بصری، ربیع اور ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے: پس حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا محمد ﷺ کی طرف وہ وحی فرمائی جو ان کی طرف ان کے رب نے وحی فرمائی تھی، اور سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی فرمائی:

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَى ۝ (النحی: ۶)

اور یہ آیت:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ (الم نشر: ۴)

دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف یہ وحی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام پر جنت میں دخول کو حرام فرمادیا ہے حتیٰ کہ آپ جنت میں داخل ہو جائیں اور امتوں پر جنت میں دخول کو حرام کر دیا ہے حتیٰ کہ آپ کی امت جنت میں داخل ہو جائے۔

۴۸۵۔ حَدَّثَنَا طَلْحُ بْنُ عَثَامٍ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ الشَّيْبَانِيِّ قَالَ سَأَلْتُ زُرْعًا عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ﴾ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝ (النجم: ۹-۱۰) قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ أَنَّهُ مُحَمَّدٌ ۝ رَأَىٰ جِبْرِيلَ لَهُ سِتٌّ مِائَةً جَنَاحَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں طلق بن غنام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زائدہ نے حدیث بیان کی از الشیبانی، انہوں نے کہا: میں نے زر سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق سوال کیا: فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝ (النجم: ۹-۱۰) پھر وہ (اللہ، نبی سے) دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے یا اس سے بھی زیادہ ۝ پھر اللہ نے اپنے مقدس بندے کی طرف وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی ۝ انہوں نے کہا کہ ہمیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ سیدنا محمد ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا جن کے چھ سو (۶۰۰) پر تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۳۲ میں گزر چکی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کے مذہب کے مطابق سورۃ النجم: ۱۰-۸ کے معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب تھا کہ معراج کی شب نبی ﷺ نے جس کو دیکھا تھا وہ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذہب ہے اور حضرت ابن مسعود کی رائے کے موافق اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے مقدس بندہ کی طرف وحی کی یعنی اللہ کی وحی پہنچائی کیونکہ وہی آپ کے زیادہ قریب ہوئے، پھر اور زیادہ قریب ہوئے حتیٰ کہ دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے، پھر انہوں نے اللہ کے مقدس بندہ کی طرف وحی پہنچائی جو پہنچائی۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک (اس نبی نے) اپنے

رب کی نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشانی کو ضرور

۴۔ بَابُ: لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ

النجم: ۱۸)

دیکھا O (النجم: ۱۸) کی تفسیر

اپنے رب کی سب سے بڑی نشانی کا مصداق

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی سیدنا محمد ﷺ نے جنت کے سبز قالین کو دیکھا جس نے آسمان کے کناروں کو بھر لیا تھا، ضحاک نے کہا: اس سے مراد سدرۃ المنتہی ہے اور مقاتل سے منقول ہے کہ آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اس صورت میں دیکھا جس صورت میں وہ آسمانوں میں ہیں، ایک قول ہے کہ اس سے مراد معراج ہے اور آپ نے اس رات کے سفر کی ابتداء اور انتہاء اور واپس آنے کے درمیان جو کچھ دیکھا ہے۔ (مدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۸۷)

۴۸۵۸۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ
الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ
اللَّهُ عَنْهُ (لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى O)
(النجم: ۱۸) قَالَ رَأَى رُفْرَفًا أَخْضَرَ قَدْ سَدَّ الْأَفْقَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیسہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از اعش از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبداللہ بن مسعود انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى O (النجم: ۱۸) بے شک (اس نبی نے) اپنے رب کی نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشان کو ضرور دیکھا O حضرت ابن مسعود نے کہا: اس سے مراد جنت کا سبز قالین ہے جس نے آسمان کے کناروں کو بھر لیا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۳۲ میں گزر چکی ہے۔

رُفْرَف کی تعریف میں متعدد اقوال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی ۸۵۵ھ رُفْرَف کے متعلق لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے رُفْرَف کو دیکھا اور اس سے پہلی حدیث میں یہ مذکور تھا کہ آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا جن کے چہ سو پر تھے۔ یہ ظاہر یہ دونوں حدیثیں متعارض ہیں لیکن امام نسائی کی روایت سے مراد واضح ہو جاتی ہے، انہوں نے از عبدالرحمن بن عبداللہ از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما یہ روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو رُفْرَف پر دکھایا جس نے آسمان اور زمین سب چیزوں کو بھر لیا تھا ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام موصوف ہیں اور ان کی صفت یہ ہے کہ وہ رُفْرَف پر تھے اور رُفْرَف سے مراد حلہ ہے یعنی حضرت جبریل علیہ السلام حلہ پہنے ہوئے تھے اور امام ترمذی نے از عبدالرحمن بن یزید از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما یہ روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو رُفْرَف کا حلہ پہنے ہوئے دیکھا، انہوں نے آسمان اور زمین کے درمیان سب چیزوں کو بھر لیا تھا اور انہوں نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مُعْجِزَاتِنَا عَلَى سَافِرَاتٍ خُضْرٍ (الرحمن: ۷۶) متعین سبز قالینوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے۔ رُفْرَف اصل میں باریک ریشم ہے جس کی خوبصورت بناوٹ ہو، پھر پردہ پر اس کا استعمال مشہور ہو گیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رُفْرَف وہ پرندہ ہے جو اپنے پروں کو پھیلا لے، علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ رُفْرَف چادر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ فرش ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت جبریل علیہ السلام کا لباس تھا، میں کہتا ہوں: دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام

والسلام کو رفر ف کے دو حلوں میں دیکھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے متکثین علی رفر ف کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ جنت کے باغات ہیں اور یہ لفظ رفر ف کی جمع ہے اور الر فار ف جمع الجمع ہے اور ان سے دوسری تفسیر یہ ہے کہ رفر ف سے مراد بیٹھنے کی جگہیں اور بستر ہیں اور قنادہ اور ضحاک سے منقول ہے کہ رفر ف عرش کے اوپر سبز بیٹھنے کی خوب صورت جگہیں (یعنی سبز قالین) ہیں، اور علامہ قرطبی نے کہا کہ رفر ف سے مراد بستر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ عرب ہر لمبے، چوڑے کپڑے کو رفر ف کہتے ہیں۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۸۸-۲۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۔ بَابُ: أَفَرَعَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ⑤ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: کیا تم نے لات اور عزیٰ کو (بہ غور) دیکھا ⑥ (النجم: ۱۹) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ اللات کا لفظ لفظ اللہ سے ماخوذ ہے، پھر اس کے ساتھ تانیث کی تاملادی گئی ہے تو یہ مونث کا صیغہ ہو گیا جیسے کسی مرد کو عنود کہا جائے، پھر مونث کے لیے عمرہ کہا جائے، دوسرا قول یہ ہے کہ کفار نے یہ ارادہ کیا کہ اپنے باطل الہ کا نام اللہ کے نام کے ساتھ رکھیں تو اللہ تعالیٰ نے لفظ اللہ کو محفوظ رکھنے اور اس کی حرمت کی حفاظت کرنے کے لیے اس لفظ کو اللات کی طرف منحرف کر دیا اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ اللات طائف میں پتھر کی ایک چٹان کا نام ہے اور ابن زید سے منقول ہے اللات ایک گھر میں کھجور کا ایک درخت تھا جس کی قریش عبادت کرتے تھے اور العزیٰ ایک دوسرا درخت تھا جس کی قبیلہ غطفان عبادت کرتا تھا یہ مجاہد کا قول ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ ہی وہ درخت ہے جس کو کائنات کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا تھا اور انہوں نے اس درخت کو کاٹ دیا تھا، الضحاک سے منقول ہے کہ اللات غطفان کا بت تھا جس کو ان کے لیے سعد بن ظالم الغطفانی نے رکھا تھا اور ابن زید سے منقول ہے کہ یہ طائف میں ایک گھر تھا جس کی ثقیف عبادت کرتے تھے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۸۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۸۵۹۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ أَبِرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَشْهَبِ حَدَّثَنَا أَبُو الْجَوْدِ الْأَيْبِيُّ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا لِي قَوْلِهِ اللَّاتُ وَالْعُزَّىٰ كَانَ اللَّاتُ رَجُلًا يَلْتُ سَوِيْقَ الْحَاجَةِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالاشہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالجوزاء نے حدیث بیان کی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما انہوں نے اللات اور العزیٰ کی تفسیر میں کہا: اللات ایک مرد تھا جو حجاج کے لیے ستو گھولتا تھا۔

اللات کے ماخذ اشتقاق میں متعدد اقوال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے أَفَرَعَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ⑤ (النجم: ۱۹) کیا تم نے لات اور عزیٰ کو (بہ غور) دیکھا ⑥ اس کی تفسیر میں فرمایا کہ لات ایک مرد تھا جو حجاج کے لیے ستو گھولتا تھا۔ یہ حدیث حضرت ابن عباس پر موقوف ہے۔ الزجاج نے کہا ہے: ان کا زعم یہ ہے کہ ایک مرد ستو گھولتا تھا اور اس کو ایک بت کے پاس بیٹھا تھا تو اس بت کا نام اللات رکھ دیا گیا۔

غیر البیان میں مذکور ہے کہ اللات لوی کا فعل ہے لانہم کانوا یلدون علیہا یعنی وہ اس بت کے گرد طواف کرتے تھے۔ علامہ

سہلی نے حضرت ابن عباس کے قول کی تفسیر میں کہا ہے کہ ایک مرد حجاج کے آنے پر ستو گھولتا تھا اور عرب اس مرد کی تعظیم کرتے تھے کیونکہ وہ ہرج کے موقع پر لوگوں کو ستو کھلاتا تھا، کہا جاتا ہے کہ اس کا نام عمرو بن لُحی تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام ربیعہ بن حارثہ تھا۔ اور وہ خزاعہ کا والد تھا اور اس نے بہت طویل عمر پائی، جب وہ مر گیا تو جس جگہ وہ ستو گھولتا تھا وہاں ایک عبادت گاہ بنائی، پھر ان پر یہ منکشف ہوا کہ جس چٹان پر وہ بیٹھتا تھا وہاں ایک بت بنا کر رکھ دیا جائے اور اس کا نام اللات رکھ دیا جائے اور یہ لفظ اللات سے ماخوذ ہے یعنی لت السویق سے جس کا معنی ستو گھولنا ہے اور وہ بت طائف میں تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ طائف کے راستہ میں تھا ایک اور قول یہ ہے کہ وہ مکہ میں تھا، قتادہ نے کہا کہ وہ ایک کھجور کے درخت کے پاس تھا۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۸۹-۲۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از حمید بن عبد الرحمن از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے حلف اٹھایا اور اپنے حلف میں کہا: اللات اور العزیٰ کی قسم! اسے چاہیے کہ وہ کہے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور جس شخص نے اپنے ساتھی سے کہا: آؤ میں تمہارے ساتھ جوا کھیتا ہوں تو اسے چاہیے کہ وہ صدقہ کرے۔

۳۸۶۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُسُفٍ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِي حَلْفِهِ وَاللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ فَلْيُعْلَلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ تَعَالَ أَقَامِرَكَ فَلْيَتَصَدَّقْ

(صحیح البخاری: ۶۱۰۷، ۶۳۰۱، ۶۶۵۰، صحیح مسلم: ۱۶۳۷، سنن ابو

داؤد: ۳۲۳۷، سنن ترمذی: ۷۸۳۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۹۶)

اللّات کی قسم کھانے سے تکفیر کی توجیہ، بت کی قسم کھانے سے قسم کے منعقد ہونے یا نہ ہونے میں مذاہب فقہاء

علامہ بدر الدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے: قسم اس معبود کی کھائی جاتی ہے جس کی تعظیم کی جاتی ہو، پس جب کسی شخص نے اللات اور العزیٰ کی قسم کھائی تو گویا اس نے ان بتوں کو ایسا معبود قرار دیا جن کی تعظیم کی جاتی ہو، سو وہ اللات اور العزیٰ کی قسم کھانے سے اس عمل میں کفار کے مشابہ ہو گیا تو آپ نے اس کے تدارک اور تلافی کے لیے فرمایا کہ کلمہ توحید پڑھے اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہے۔

جس شخص نے اپنے ساتھی سے کہا: آؤ میں تمہارے ساتھ جوا کھیتا ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے متعلق فرمایا: اس کو صدقہ کرنا چاہیے، یعنی جس مال سے وہ جوا کھیلنا چاہتا تھا اس مال کو وہ اللہ کی راہ میں صدقہ کرے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو چاہیے کہ وہ اپنے مال سے صدقہ کرے تاکہ وہ صدقہ جوئے کی دعوت دینے والے قول کا کفار ہو جائے۔

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے: جب کوئی شخص اللات یا کسی اور بت کی قسم کھائے یا اس نے کہا: اگر میں نے فلاں کام کیا تو میں اس کے بعد یہودی ہوں گا یا نصرانی ہوں گا یا اسلام سے بری ہوں گا یا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہوں گا یا اس طرح کی کوئی اور بات کہے تو اس کی قسم منعقد نہیں ہوگی اور اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور کہے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور اس کے سوا اس کے پاس اور کوئی کفارہ نہیں ہے، یہ امام شافعی، امام مالک اور جمہور علماء کا مذہب ہے، اور امام ابو حنیفہ نے یہ کہا ہے: ان میں سے ہر صورت میں اس پر کفارہ لازم ہے سوا اس کے کہ اس نے یوں کہا ہو کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو میں بدعتی ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہوں یا یہودی ہوں، علامہ نووی کی عبارت قسم ہوئی۔

اور فتاویٰ الظہیر یہ میں مذکور ہے: اگر اس نے کہا کہ اگر اس نے فلاں کام کیا تو وہ یہودی ہو گا یا اسلام سے بری ہو گا تو ہمارے نزدیک اس کا یہ قول قسم ہے، پھر جب اس نے وہ کام کر لیا تو آیا وہ کافر ہو جائے گا؟ تو اس کی دو صورتیں ہیں: اگر اس نے ان الفاظ کے ساتھ قسم کھائی اور اس قسم کو فعل ماضی کے ساتھ معلق کیا اور قسم کھاتے وقت اس کو معلوم تھا کہ وہ جھوٹا ہے تو اس میں اختلاف ہے، بعض علماء نے کہا: وہ کافر نہیں ہو گا اور نہ اس پر کفارہ لازم ہے اور شیخ الاسلام خواہر زادہ کا اسی طرف میلان ہے اور اگر اس نے ان الفاظ کے ساتھ مستقبل کے کسی کام پر قسم کھائی تو بعض علماء نے کہا: وہ کافر نہیں ہو گا لیکن اس پر قسم کا کفارہ لازم ہے اور صحیح وہ ہے جس کو علامہ السرخسی نے کہا ہے، انہوں نے کہا کہ اگر قسم کھانے والے کا اعتقاد یہ ہو کہ اگر اس نے ماضی کے کسی کام پر قسم کھائی تو وہ کافر ہو گا، پس وہ اسی وقت کافر ہو جائے گا اور اگر اس کے اعتقاد میں یہ نہ ہو تو وہ کافر نہیں ہو گا خواہ اس کی قسم مستقبل کے کسی کام پر ہو یا ماضی کے کسی کام پر۔

اقامہ مکہ یہ لفظ باب مفاعلہ سے ہے یعنی قاصمہ یقاصمہ قمازا جب ان میں سے ہر ایک کی طلب یہ ہو کہ وہ اپنے صاحب پر قول یا عمل میں غالب آکر اس کا تمام مال لے لے گا اور یہ بالا جماع حرام ہے۔

فلیتصدق: یعنی اس کو صدقہ کرنا چاہیے، اور امام مسلم کی روایت میں ہے: اسے کوئی چیز صدقہ کرنی چاہیے، علماء نے کہا ہے: ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اس کے کلام میں جو معصیت تھی وہ صدقہ اس کی خطا کا کفارہ ہو جائے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: اگر وہ ایک دینار کے ساتھ جو اکھٹے کا ارادہ رکھتا تھا تو اس دینار کو صدقہ کر دے اور یہی امام اوزاعی کا قول ہے اور علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس کو جتنی رقم آسانی سے میسر ہو اس کو صدقہ کر دے اور "التلویح" میں بعض احناف سے منقول ہے کہ فلیتصدق سے مراد ہے: وہ قسم کا کفارہ ادا کرے، بعض علماء نے کہا ہے کہ اس کلام سے اس کی قسم منعقد ہو جائے گی اور جب قسم منعقد ہوئی تو اس پر اس کا کفارہ واجب ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۹۰-۲۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۔ بَابُ: وَمَنْ لَوْ أَنَّ النَّاسَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ مَعَالِمٌ إِلَّا الْآخِرَى ⑥

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اس تیسری ایک اور دیوی منات

کو (النجم: ۲۰) کی تفسیر

(النجم: ۲۰)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے عروہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا:۔۔۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ جو شخص لوگ مشلل میں گمراہ منات (بت) کا احرام باندھتے تھے (یعنی زمانہ جاہلیت میں تو وہ اسلام لانے کے بعد) صفا اور مردہ میں طواف یعنی سعی نہیں کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ (البقرہ: ۱۵۸) (بے شک صفا اور مردہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں)، پس بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانوں نے صفا اور مردہ میں طواف کیا یعنی سعی کی، سفیان نے

۳۸۶۱۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ سَمِعْتُ عُرْوَةَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ إِنَّمَا كَانَ مِنْ أَهْلِ بَنِي النَّظَافَةِ الَّتِي بِالْمَشَلِّ لَا يَطُوفُونَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ (البقرہ: ۱۵۸) فَقَاطَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَالْمُسْلِمُونَ قَالَ سُفْيَانُ مَنَاةٌ بِالْمَشَلِّ مِنْ قَدِيدٍ وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ نَزَلَتْ لِي الْأَنْصَارُ كَانُوا هُمْ وَغَشَّانُ قَبْلَ أَنْ يَسْلُمُوا يُهْلُونَ لِبَنَاتِ مِثْلَهُ وَقَالَ مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ كَانَتْ رِجَالٌ مِنَ الْأَنْصَارِ مِثْنِ

كَانَ يُهْلُ لِنِسَاءٍ وَمَنَاةَ صَنَمَ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ قَالُوا
يَا نَبِيَّ اللَّهِ كُنَّا لَا نَطُوفُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ تَعْظِيمًا
لِنِسَاءٍ نَحْوَهُ۔

کہا: منات مشلل میں قدید کے مقام پر ہے اور عبدالرحمن بن خالد
نے کہا از ابن شہاب، انہوں نے بیان کیا کہ عروہ نے کہا: حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ آیت انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ
اور عسسان اسلام لانے سے پہلے منات کے نام کا احرام باندھتے تھے
اور معمر نے کہا از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ انصار کے
بعض مرد منات کے لیے احرام باندھتے تھے اور منات مکہ اور مدینہ
کے درمیان ایک بت تھا: انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی (صلی اللہ
علیک وسلم!) ہم منات کی تعظیم کی وجہ سے صفا اور مروہ کے درمیان
طواف نہیں کرتے، یہ سفیان کی حدیث کی مثل ہے (کیونکہ وہ اسلام
سے پہلے منات کی تعظیم کے لیے صفا اور مروہ میں سعی کرتے تھے۔)

عروہ کے اشکال کا حضرت عائشہ کی طرف سے جواب اور منات کی وجہ تسمیہ اور محل وقوع میں متعدد اقوال
علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زہری نے کہا: میں نے عروہ سے سنا، انہوں نے بتایا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا، اس جگہ کچھ عبارت محذوف ہے،
اصل عبارت اس طرح ہے کہ عروہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا اور میں اس
وقت کم عمر تھا: یہ بتائیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ
أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا
بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، سو جس نے
بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر ان دونوں کا طواف (سعی) کرنے
(البقرہ: ۱۵۸) میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

پس میں نہیں سمجھتا کہ اس شخص پر کوئی گناہ ہوگا جو صفا اور مروہ کی سعی نہ کرے، پس حضرت عائشہ نے کہا: یہ آیت اس شخص کے
متعلق ہے جس نے منات کی تعظیم کی وجہ سے احرام باندھا، حضرت عائشہ نے منات الطاغیہ فرمایا، یعنی جن سرکش لوگوں نے منات
کی تعظیم کے لیے احرام باندھا، اس منات کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ مشلل میں ہے اور یہ قدید کی ایک جگہ ہے۔
یعنی جو لوگ پہلے اس بت کے لیے حج کرتے تھے وہ صفا اور مروہ کے درمیان حج اور عمرہ میں سعی نہیں کرتے تھے کیونکہ سعی کی
جگہ میں اساف اور ناکلہ کے دو بت تھے، تب اللہ تعالیٰ نے ان کے رد کے لیے یہ آیت نازل فرمائی:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ
أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا
بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، سو جس نے
بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر ان دونوں کا طواف (سعی) کرنے
(البقرہ: ۱۵۸) میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا اور مروہ میں سعی کی اور مسلمانوں نے آپ کے ساتھ ان کے درمیان سعی کی۔

سفیان نے کہا: اس سے مراد سفیان بن عیینہ ہے جس کا اس حدیث میں ذکر ہے۔

اور عبدالرحمن بن خالد بن مسافر الہمدانی نے کہا: یہ ہشام کی طرف سے ایک سوتائیس ہجری (۱۲۷) میں مصر کے امیر تھے،

انصار اور قبیلہ غسان کے لوگ اسلام لانے سے پہلے منات کی تعظیم کے لیے احرام باندھتے تھے، یہ سفیان بن عیینہ کی حدیث کی مثل ہے، منات مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بت تھی یعنی منات اس بت کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان تھا، یہ بت خزاعہ اور ہزیل کا تھا، اس کا نام منات اس لیے رکھا گیا کہ جانوروں کا خون اس بت پر بہایا جاتا تھا اور عربی میں بہائے جانے کے لیے یمنی کا لفظ ہے اور اسی کی مناسبت سے منات کا نام ہے۔

اور تفسیر ابن عباس میں مذکور ہے کہ منات ساحل سمندر پر ایک بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی اور تفسیر عبدالرزاق میں قتادہ سے روایت ہے کہ اہل طائف کے بت کا نام اللات تھا اور قریش کے بت کا نام عزیٰ تھا اور انصار کے بت کا نام منات تھا اور ابن زید سے منقول ہے کہ مثل میں منات کا ایک گھر تھا جس کی بنو کعب عبادت کرتے تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پتھر کے بتوں کا نام منات تھا جو کعبہ کے اندر رکھے ہوئے تھے اور قریش ان کی پرستش کرتے تھے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور اور علامہ عینی کی شرح کی وضاحت از مصنف

میں کہتا ہوں: اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ عروہ کو یہ شبہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ جو صفا اور مردہ کے درمیان طواف نہ کرے اسے کوئی گناہ نہیں ہوگا حالانکہ صفا اور مردہ کے درمیان سعی کرنا حج میں واجب ہے، حضرت عائشہ نے ان کو سمجھایا اگر بات اس طرح ہوتی جس طرح تم کہہ رہے ہو تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا: جو صفا اور مردہ کے درمیان سعی نہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے: جو صفا اور مردہ کے درمیان سعی کرے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انصار اور غسان کے قبیلے اسلام لانے سے پہلے منات کی تعظیم کے لیے احرام باندھتے تھے اور صفا اور مردہ میں ان کی تعظیم کے لیے سعی کرتے تھے، پھر اسلام لانے کے بعد انہوں نے صفا اور مردہ کے درمیان سعی کو مکروہ سمجھا کیونکہ یہ سعی تو وہ قبل از اسلام منات کی تعظیم کے لیے کرتے تھے، حضرت عائشہ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صفا اور مردہ تو اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، سو جو بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے اس کے لیے صفا اور مردہ کے درمیان طواف یا سعی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بھی صفا اور مردہ کے درمیان سعی کی ہے اور مسلمانوں نے بھی ان کے درمیان سعی کی ہے۔

۷۔ باب: فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ⑤ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سو اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی

عبادت کرو ⑤ (النجم: ۶۲) کی تفسیر

(النجم: ۶۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو سعمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے سورۃ النجم کا سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمین، مشرکین، جن اور انس نے سجدہ کیا، عبدالوارث کی ابراہیم بن طہمان نے متابعت کی ہے از ایوب اور ابن علیہ نے حضرت ابن عباس کا ذکر نہیں کیا۔

۴۸۶۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ سَجَدَ النَّبِيُّ ﷺ بِالنَّجْمِ وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ تَابِعَهُ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ أَيُّوبَ وَلَمْ يَذْكُرِ ابْنَ عَلِيٍّ . ابْنِ عَبَّاسٍ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۰۷۱ میں گزر چکی ہے۔

مسلمانوں کے ساتھ مشرکین کے سجدہ کرنے کی توجیہ

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ مشرکین نے اس لیے سجدہ کیا کیونکہ یہ پہلی آیت سجدہ تھی جو نازل ہوئی تھی تو انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے معبود کے لیے سجدہ کر کے مسلمانوں سے معارضہ کریں یا انہوں نے بلا قصد یہ سجدہ کر لیا تھا یا وہ اس مجلس میں مسلمانوں کی مخالفت کرنے سے ڈرے، اس سلسلہ میں ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قراءت کے دوران شیطان نے یہ دو جملے القا کر دیئے تھے:

تلك الغرائق العلى منها الشفاعة توتجى

یہ اونچی اڑان والے پرندے ان کی شفاعت کی امید کی گئی ہے

سو یہ قول عقلاً صحیح ہے نہ نقلاً۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۹۲)

اس کی پوری تفصیل اور تحقیق سورۃ الحج کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

۴۸۶۳۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَوَّلُ سُورَةٍ أُنْزِلَتْ فِيهَا سَجْدَةٌ وَالتَّحْمِيمُ قَالَ فَسَجَدَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَخَلْفَتُهُ مِنْ خَلْفِهِ إِلَّا رَجُلًا رَأَيْتُهُ أَخَذَ كَفًّا مِنْ تَرَابٍ فَسَجَدَ عَلَيْهِ فَرَأَيْتُهُ بَعْدَ ذَلِكَ قُتِلَ كَافِرًا وَهُوَ أَمِيَّةُ بْنُ خَلَفٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں نصر بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابواحمد نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق از الاسود بن یزید از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ جس پہلی سورت میں آیت سجدہ نازل ہوئی وہ التحمیم ہے، پس رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا اور آپ کے پیچھے ایک شخص کے سوا سب نے سجدہ کیا، میں نے اس شخص کو دیکھا اس نے اپنی ہتھیلی میں مٹی اٹھائی اور اس پر سجدہ کیا، پس میں نے بعد میں دیکھا وہ شخص حالت کفر میں قتل کیا گیا اور وہ شخص امیہ بن خلف تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۰۶۷ میں گزر چکی ہے۔

حافظ ابن حجر کا علامہ کرمانی سے مناقشہ اور اس پر علامہ عینی کے اعتراضات

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ مشرکین نے مسلمانوں کے ساتھ اس لیے سجدہ کیا کہ یہ پہلی آیت سجدہ تھی تو انہوں نے اپنے معبود کے لیے سجدہ کر کے مسلمانوں سے معارضہ کیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ علامہ کرمانی نے اس کو قاضی عیاض سے نقل کیا ہے، علامہ عینی نے لکھا: حافظ ابن حجر نے اس پر اعتراض کی وجہ بیان نہیں کی، علامہ کرمانی نے لکھا یا انہوں نے بلا قصد سجدہ کیا، حافظ ابن حجر نے کہا: یہ حضرت ابن مسعود کی اس روایت کے خلاف ہے کہ اس نے اپنی ہتھیلی میں مٹی اٹھا کر اس پر سجدہ کر لیا، علامہ عینی اس کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس اعتراض سے یہ احتمال دور نہیں ہوتا کہ انہوں نے بلا قصد سجدہ کیا تھا، علامہ کرمانی نے تیسری وجہ یہ بیان کی ہے: مشرکین نے اس لیے سجدہ کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کی مخالفت سے ڈرتے تھے، حافظ ابن حجر نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ احتمال بہت بعید ہے اس لیے کہ اس وقت مسلمان مشرکین سے ڈرتے تھے نہ کہ مشرکین مسلمانوں سے ڈرتے تھے کیونکہ وہ دین کے دشمن تھے اور مسلمانوں کو ہلاک کرنے کا قصد کرتے تھے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۹، عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۹۲)

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ النجم کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کیں تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب

ان شاء اللہ سورۃ اقتربت الساعة یعنی سورۃ القمر کی تفسیر شروع کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۵۴۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ

سُورَةُ اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ (سورة القمر) کی تفسیر

سُورَةُ اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ (سورة القمر) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورت اقتربت الساعة کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور اس سورت کا نام سورة القمر بھی ہے، مقاتل نے کہا: یہ پوری سورت مکی ہے سوائے تین آیتوں کے: (۱) اَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَبِيْمٌ مُّتَّبِعٌ (القمر: ۴۳) (۲) وَالسَّاعَةُ اَدْهٰی وَاَمْرٌ (القمر: ۴۶) (۳) سَيُزْلَقُ الْجَبْمُ (القمر: ۴۵)، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب بدر کے دن ابو جہل بن ہشام کو قتل کر دیا تھا، اس سورت میں پچیس (۵۵) آیات ہیں۔

اقتربت الساعة کا معنی ہے: قیامت قریب آ پہنچی ہے۔

قَالَ مُجَاهِدٌ مُّسْتَبْرَءٌ ذَاهِبٌ۔ اور مجاہد نے کہا: مُسْتَبْرَءٌ کا معنی ہے: جانے والا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعَرِّضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَبْرَءٌ (۱)

اور (کافر) اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو پیٹھ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ تو وہ جادو ہے جو پیچھے سے چلا آ رہا ہے (۲)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مستبر کی تفسیر کی ہے: ذاهب یعنی جانے والا، اسی طرح امام عبدالرزاق کی حضرت انس

سے روایت ہے۔ کتب تفسیر میں مذکور ہے: جو عنقریب چلا جائے اور باطل ہو جائے، اور ضحاک سے مروی ہے: اس کا معنی ہے: محکم

اور بہت قوی ہے، اور قتادہ سے منقول ہے: اس کا معنی ہے: غالب اور ربیع سے منقول ہے: اس کا معنی ہے، نافذ اور امام ابو عبیدہ سے

منقول ہے: اس کا معنی ہے، باطل۔

مُزْدَجَرٌ مُّتَّبَعٌ۔ مُزْدَجَرٌ کا معنی ہے: متناہی یعنی انتہائی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ (۱)

اور بے شک ان کے پاس ایسی خبریں آچکی ہیں جن میں (شرک

(القمر: ۴) پر) سرزنش ہے

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مزدجر کی تفسیر کی ہے: انتہائی یعنی ڈانٹ ڈپٹ جس پر اور اضافہ نہیں ہو سکتا، اسی طرح

قتادہ نے اس کی تفسیر کی ہے یعنی تمہارے پاس گزشتہ امتوں کے عذاب کی انتہائی خبریں آچکی ہیں اور مزدجر کا لفظ اصل میں مُزْتَجَرٌ

تھا، تاہم کو دال سے تبدیل کر دیا گیا۔

وَإِذْ دُجِرَ فَاسْتَطِيرَ جُنُونًا۔

وَإِذْ دُجِرَ اس کا معنی ہے: وہ جنون کی وجہ سے ڈرایا گیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ۖ (النمر: ۹)

بندے (نوح) کی تکذیب کی اور کہا: یہ دیوانہ ہے اور ان کو جھڑکا گیا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے وَازْدُجِرَ کا معنی کیا ہے: ان کو جنون کی وجہ سے ڈرایا گیا ہے، اور ابن زید نے کہا ہے کہ انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام پر تہمت لگائی اور ان کو جھڑکا اور ان کو ڈرایا کہ اگر تم باز نہ آئے تو تم ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جن کو سزا دیا گیا ہے اور الثعلبی نے کہا: اس کا معنی ہے کہ کافروں نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی دعوت اور تبلیغ پر جھڑکا۔

دُسرا أضلأ السفينة۔ دُستِ اس کا معنی ہے: کشتی کی اطراف یعنی کشتی کے تختے اور کیلیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَحَمَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ ۖ (النمر: ۱۳)

اور ہم نے نوح کو تختوں اور کیلوں والی کشتی پر سوار کر دیا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے دُسُر کی تفسیر کشتی کے اطراف کے ساتھ کی ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ دُستِ کا معنی ہے: کیلیں، دسرت السفینہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کشتی کو کیلیں ٹھونک کر مضبوط کر دیا جائے، یہ قنادہ اور ابن زید کا قول ہے، اور حسن بصری سے منقول ہے کہ اس سے مراد کشتی کا اگلا حصہ ہے کیونکہ وہ حصہ پانی کو دھکیلتا ہے اور دسرا کا لغوی معنی پھینکنا اور دھکیلنا ہے، العنبر کے متعلق حدیث میں ہے: انساہوشینی دسرة البحر یہ وہ چیز ہے جس کو سمندر نے پھینک دیا۔

لَيَنْ كَأَنْ يَقُولُ كُفْرًا لَهُ جَزَاءٌ مِنْ اللَّهِ
لَيَنْ كَأَنْ كُفِّرَ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ اللہ کی طرف سے اس کی سزا ہے جو نوح کی ناشکری کی گئی تھی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا جَزَاءُ لِمَنْ كَانَ كُفِرَ ۖ (النمر: ۱۳)

جو کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی اس کے صلہ میں جس کے ساتھ کفر کیا گیا تھا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے: یہ اللہ کی طرف سے اس کی سزا ہے جو نوح علیہ السلام کی ناشکری کی گئی تھی اور لہ کی ضمیر حضرت نوح علیہ السلام کی طرف راجع ہے یعنی ہم نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کافروں کے ساتھ جو معاملہ کیا کہ آسمان نے بارش برسائی اور زمین نے چشموں سے پانی اگل دیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی سزا تھی جو کافروں نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب کے ساتھ سلوک کیا تھا، علامہ نسفی نے کہا ہے کہ یہ ان کے کفر کی سزا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو ان کے کفر کی سزا دی ہے یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا اور قنادہ نے کہا ہے: جنہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی ناشکری کی اس کی وجہ سے ان کافروں کو سزا دی۔

مُخْتَصَرٌ يَخْضَرُونَ النَّاءَ۔
مُخْتَصَرٌ یعنی وہ پانی پر حاضر ہوں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَنَبِّئُهُمْ أَنَّ النَّاءَ قَسَمَهُ لَيْنَهُمْ كُلٌّ وَلِثَرْبٍ مُخْتَصَرٍ ۖ (النمر: ۲۸)

اور آپ انہیں بتادیتے ہیں کہ ان کے درمیان پانی تقسیم کیا گیا ہے، ہر ایک اپنے پانی کی باری پر حاضر ہوگا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پانی پر اس وقت حاضر ہوگی جب اونٹنی غائب ہوگی، اسی طرح عباد سے

روایت ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے: یعنی ہر ایک اپنی باری کے لیے حاضر ہوگا یعنی جب اونٹنی کی باری ہوگی تو وہ پانی پر حاضر ہوگی اور جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کی باری ہوگی تو وہ پانی پر حاضر ہوں گے۔

وَقَالَ ابْنُ جُبَيْرٍ مُّهْطِعِينَ النَّسْلَانُ الْخَبَبُ السَّمَاعُ۔ اور ابن جبیر نے کہا: مُّهْطِعِينَ کا معنی ہے: النسلان یعنی تیز تیز چلنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مُّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكُفْرُؤْنَ هَذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝ (القمر: ۸) گے: یہ بہت سخت دن ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: سعید بن جبیر نے کہا: مُّهْطِعِينَ کا معنی ہے: دوڑنے والا، اس کا مصدر اعطاع ہے، امام بخاری نے کہا: ہے النسلان یہ مُّهْطِعِينَ کی تفسیر ہے یعنی جو تیز تیز چلتے ہیں، پھر امام بخاری نے اس کی تفسیر الخبب کے ساتھ کی ہے، یہ بھی دوڑنے کی ایک قسم ہے: پھر امام بخاری نے اس کی تائید السماع کے ساتھ کی ہے جس کا مصدر المسارعة ہے، حضرت ابن عباس نے مُّهْطِعِينَ کی تفسیر ناظرین کے ساتھ کی ہے، یعنی دیکھنے والے اور قتادہ سے منقول ہے: وہ دوڑ کر بلانے والے کی طرف جا رہے ہوں گے اور احمد بن یحییٰ نے کہا: مهطع کا معنی ہے: جو ذلت کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے دیکھتا ہے اور داعی یعنی بلانے والے حضرت اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

وَقَالَ غَيْرُهُ فَتَعَاظَى فَعَاظَهَا بِبَيْدَةٍ فَعَقَرَهَا۔ اور دوسروں نے کہا: فَتَعَاظَى کا معنی ہے: فعاظها بیدہ یعنی اس اونٹنی کو ہاتھ سے پکڑا اور اس کی کوچیں کاٹ دیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَكَادُوا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاظَى فَعَقَرَهُ ۝ (القمر: ۲۹) سوانہوں نے اپنے صاحب کو پکارا تو (اس نے اونٹنی کو پکڑ کر) اس کی کوچیں کاٹ دیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: سعید بن جبیر کے علاوہ دوسروں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ فَتَعَاظَى کا معنی ہے کہ اس نے اپنے ہاتھ سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو پکڑ کر اس کی کوچیں کاٹ دیں، علامہ ابن العین نے کہا ہے: امام بخاری نے جو لکھا ہے: فَعَاظَهَا اس کا کوئی معنی نہیں ہے، ہاں! یہ سکتا ہے کہ یہ مقلوب ہو اور اس کے عین کلمہ کو لام کلمہ سے بدل دیا گیا ہو اور اس کا مادہ عوط کے بہ جائے عَطَوُ ہو تو اس کا معنی ہاتھ سے پکڑنا ہے اور رہا عوط تو اس کا کلام عرب میں کوئی معنی نہیں ہے اور اگر یہ اجوف یائی ہو یعنی عیت سے بنا ہو تو اس کا معنی یہاں موافق نہیں ہے، ابن فارس نے کہا: تعاطی کا معنی ہے: جزا اور بدلہ۔

الْمُخْتَطِرُ كِخْطَارٍ مِنَ الشَّجَرِ مُخْتَرِقٍ۔ اس کا معنی ہے: وہ درخت کی جلی ہوئی لکڑیوں کی باڑھ کی طرح ہو گئے۔ باڑھ سے مراد ہے: جو چیز آگ کے اور دوسروں کے درمیان رکاوٹ ہو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمٍ ۝ (القمر: ۳۱) بے شک ہم نے ان پر ایک ہولناک آواز بھیجی تو وہ باڑھ بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس کی طرح چوراچورا ہو گئے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے محتضر کی تفسیر حضار کے ساتھ کی ہے یعنی درخت کی ٹوٹی ہوئی اور جلی ہوئی لکڑی، حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر کی ہے: یعنی جو عذاب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر اونٹنی کی کوچیں کاٹنے کی وجہ سے بھیجا گیا تھا اور حضرت ابن عباس نے فرمایا: محتضر کا معنی ہے کہ مرد جو اپنی بکریوں کے لیے درخت کی لکڑیوں سے اور کانٹوں سے باڑھ بناتا ہے، پس جو چیز اس باڑھ سے گر جائے یا جس کو بکریاں روند ڈالیں وہ الہشیم ہے، قتادہ نے کہا: یعنی گلی ہوئی اور جلی ہوئی ہڈیوں کی طرح اور حضرت ابن عباس سے یہ بھی ایک روایت ہے اور ان سے دوسری روایت ہے کہ اس سوکھی ہوئی گھاس کی طرح جس کو بکری کھاتی ہے۔
 اَزْدُجَرٍ اَفْتَعِلَ مِنْ زَجْرَتٍ۔ یہ زجرت سے اَفْتَعِلَ کے وزن پر ہے یعنی اَزْدُجَرٍ تاء کو دال سے بدل دیا گیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَقَدْ بَوَّأْنَا وَابْنًا وَقَالُوا مَجْجُونٌ وَاَزْدُجَرٍ ①
 سو انہوں نے ہمارے بندے (نوح) کی تکذیب کی اور کہا: یہ
 (القم: ۹) دیوانہ ہے اور ان کو جھڑکا گیا ②

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تعلیق ابھی ابھی گزر چکی ہے، امام بخاری نے اس کا اعادہ یہ بتانے کے لیے کیا ہے کہ اَزْدُجَرٍ ابھی اشتغال سے ہے اور اس کی تاء دال سے بدلی ہوئی ہے، امام بخاری نے جو کہا ہے: یہ زجرت سے ماخوذ ہے یہ صحیح نہیں کہا کیونکہ فعل فعل سے مشتق نہیں ہوتا بلکہ مصدر سے مشتق ہوتا ہے۔

كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِ وَبِهِمْ مَا فَعَلْنَا جَزَاءَ لِبَنَاتٍ مِمَّنْ يَتَّبِعُ
 کفر: اس سے مراد ہے ہم نے نوح اور ان کی قوم کے ساتھ جو معاملہ کیا یہ اس کی سزا تھی جو کافروں نے نوح اور ان کے اصحاب کے ساتھ معاملہ کیا تھا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تعلیق بھی القم: ۱۴ کی تفسیر میں گزر چکی ہے اور اگر امام بخاری اس تعلیق کو یہاں ذکر نہ کرتے تو زیادہ بہتر تھا اور کفر سے مراد کفرانِ نعمت ہے یعنی ہم نے نوح کو بھیج کر ان کو جو ہدایت کی نعمت دی تھی ان کافروں نے اس کی ناشکری کی، اس وجہ سے ان کو پانی کے سیلاب کا عذاب دیا گیا۔
 مُسْتَقَرٌّ عَذَابٌ خَلْقٌ۔ مستقر: اس کا معنی ہے، برحق عذاب۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُسْتَقَرٌّ ③ (القم: ۳۸) اور بے شک ان کو طے شدہ عذاب نے علی الصبح تباہ کر دیا ④

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مستقر کی تفسیر عذاب حق کے ساتھ کی ہے اور اسی طرح الفراء نے کہا ہے، عبد بن حمید نے قتادہ سے روایت کی ہے: ان کافروں کا ٹھکانہ دوزخ کا عذاب ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے: عَذَابٌ مُسْتَقَرٌّ کا معنی ہے: دائمی اور ہمیشہ کا عذاب۔

يُقَالُ الْاَشْرُ الْمَرْمُ وَالشَّجَرُ۔ الاشرا: کا معنی ہے: اترانے والا اور تکبر کرنے والا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

سَيَعْلَمُونَ عَذَابَ الْاَشْرِ ⑤ (القم: ۲۶) عنقریب کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا تکبر ہے ⑥

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الاشرا کی تفسیر اترانے والے اور جھوٹے کے ساتھ کی ہے، اسی طرح امام ابو عبیدہ نے اور

دوسروں نے اس کی تفسیر کی ہے۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۹۷-۲۹۸ میں کی ہے]

۱۔ بَابُ: وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَانْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَبِرٌّ ۝ (القمر: ۱-۲)
 اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا ۝ اور (کافر) اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو پیٹھ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ تو وہ جادو ہے جو پیچھے سے چلا آ رہا ہے ۝ (القمر: ۱-۲) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

پوری آیت اس طرح ہے:

اِثْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ (القمر: ۱)
 قیامت قریب آگئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا ۝

القمر: ۲، میں آیت کا معنی معجزہ ہے یعنی کفار جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو پیٹھ پھیر لیتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۹۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۸۶۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ وَسُقْيَانَ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي مَعْبَرٍ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَرَقَتَيْنِ فَرَقَةٌ فَوْقَ الْجَبَلِ وَفَرَقَةٌ دُونَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اشْهَدُوا۔
 امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از شعبہ وسقیان از الاعمش از ابراہیم از ابی معمر از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر تھا اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کے پیچھے تھا تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گواہ ہو جاؤ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۳۶ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور کی وضاحت کی جا رہی ہے:

چاند کے شق ہونے کی جگہ میں متعدد روایات اور اقوال

جس جگہ چاند کے دو ٹکڑے ہوئے اس کی تعیین میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے، ایک ٹکڑا سویدا، پر تھا اور دوسرا ٹکڑا خندمہ پر تھا۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ان کو کوئی معجزہ دکھائیں، پس آپ نے ان کو دکھایا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے حتیٰ کہ انہوں نے حرا پہاڑ کو ان دو ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔

تفسیر ابو عبد اللہ میں مذکور ہے کہ مشرکین نے نبی ﷺ سے کہا: اگر آپ سچے ہیں تو ہمیں چاند کو شق کر کے دکھائیں؟ آپ نے پوچھا: اگر میں نے ایسا کر دیا تو تم ایمان لے آؤ گے؟ اور وہ جمعہ کی رات تھی۔ پس آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، نصف ٹکڑا صفا پہاڑ پر تھا اور نصف ٹکڑا حقیقہاں پر تھا۔ الحدیث

امام بخاری نے از ابو معمر از حضرت عبد اللہ روایت کی ہے: انہوں نے کہا: میں نے دیکھا کہ چاند شق ہو کر دو ٹکڑے ہو گیا، ایک ٹکڑا مکہ میں ابو قبیص پہاڑ پر تھا اور دوسرا ٹکڑا سویدا پر تھا۔

حضرت عبد الرحمن بن زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے چاند کا نصف ٹکڑا حقیقہاں پر دیکھا۔

امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک ٹکڑا پہاڑ کے سامنے تھا اور ایک ٹکڑا پہاڑ کے پیچھے تھا۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۲۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۸۶۵۔ حَدَّثَنَا عِيُوْنُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ وَنَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَصَارَ فَرَقَتَيْنِ فَقَالَ لَنَا اَشْهَدُوا اَشْهَدُوا۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی نجیح نے خبر دی از مجاہد از ابی معمر از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ چاند شق ہو گیا اور ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے پس چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے تو آپ نے ہم سے فرمایا: گواہ ہو جاؤ گواہ ہو جاؤ۔

اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری: ۳۶۳۶ میں گزر چکی ہے۔

۳۸۶۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي بَكْرٌ عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ عِزَّانِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثْمَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ لِي زَمَانِ النَّبِيِّ ﷺ۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے بکر نے حدیث بیان کی از جعفر از عزان بن مالک از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عثمان بن مسعود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں چاند شق ہو گیا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۳۸ میں گزر چکی ہے۔

۳۸۶۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلَ أَهْلُ مَكَّةَ أَنْ يُرِيَهُمْ آيَةً فَأَرَاهُمُ انْشِقَاقَ الْقَمَرِ۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: اہل مکہ نے سوال کیا کہ انہیں کوئی معجزہ دکھائیں تو آپ نے ان کو چاند کا شق ہونا دکھایا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۱۷ میں گزر چکی ہے۔

۳۸۶۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ فَرَقَتَيْنِ۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ چاند شق ہو کر دو ٹکڑے ہو گیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۳۷ میں گزر چکی ہے۔

سورة القمر میں شق القمر سے مراد قرب قیامت میں اس کا شق ہونا ہے نہ کہ وہ شق القمر جو رسول اللہ ﷺ کا

بخزہ ہے

علامہ مینی لکھتے ہیں: علامہ اعلیٰ نے اپنی منہاج میں لکھا ہے کہ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (القمر) کا معنی ہے کہ چاند شق ہو گا جیسے آئی

أَمْرُ اللَّهِ (نحل: ۱) کا معنی ہے: اللہ کا حکم آپہنچے گا، انہوں نے کہا: جب اس طرح ہے تو معلوم ہوا کہ سورۃ القمر میں جو چاند کے شق ہونے کا ذکر ہے اس سے مراد قیامت میں چاند کا شق ہونا ہے، اس سے چاند کا وہ شق ہونا مراد نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ پر حجت بنایا تھا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابُ: تَجْرِئِي بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِمَنْ كَانَ كُفْرًا ۝ وَلَقَدْ ثَرَّ كُنْهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مَّذْكُورٍ ۝ (القمر: ۱۴-۱۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جو (کشتی) ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی ان کے صلہ میں جن کے ساتھ کفر کیا گیا تھا ۝ اور بے شک ہم نے اس کو نشانی بنا کر چھوڑا، تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا ۝ (القمر: ۱۴-۱۵) کی تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام کا کشتی کو بنانا اور اس کو سیلاب میں چلانا کفار کو سزا دینے کے لیے تھا علامہ عینی ان آیتوں کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کو ایسی کشتی پر سوار کیا جس پر تختے جڑے ہوئے تھے اور کیلیں ٹھکی ہوئی تھیں اور وہ کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی، مقاتل بن حیان نے کہا: وہ ہماری حفاظت میں چل رہی تھی اور مقاتل بن سیمان نے کہا: وہ کشتی ہماری وحی کے موافق چل رہی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جَزَاءً لِمَنْ كَانَ كُفْرًا ۝ یعنی ہم نے آسمانوں کے دروازے کھول کر بارش برسائی اور زمین نے اپنا پانی اگلا، ہمارا یہ فعل ان لوگوں کی سزا کے لیے تھا جنہوں نے نوح علیہ السلام کی ناشکری کی کیونکہ اللہ کا نبی اس کی نعمت اور اس کی رحمت ہے، پس حضرت نوح علیہ السلام ایسی نعمت تھے جن کی ان کی قوم کے کافروں نے ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ناشکری کی ان کو یہ سزا دی کہ ان کو سیلاب میں غرق کر دیا۔

امام بخاری نے کہا: ہم نے اس (کشتی) کو نشانی بنا کر چھوڑا۔ (القمر: ۱۵) یعنی ہم نے اس کشتی کو عبرت اور نصیحت بنا کر چھوڑا حتیٰ کہ اس امت کے پہلے لوگوں نے اس کی طرف دیکھا اور اس کے بعد کتنی ہی کشتیاں راکھ بن گئیں، اور قتادہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کشتی کو جزیرہ کی زمین پر ٹھہرا دیا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کشتی کو لمبے عرصہ تک الجودی پہاڑ پر ٹھہرا دیا، اس کے بعد ارشاد ہے: تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا (القمر: ۱۵)۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس کا معنی ہے: ہے کوئی اس سے عبرت پکڑنے والا اور نصیحت حاصل کرنے والا اور ڈرنے والا کہ ان پر ایسی مصیبت نہ آجائے یا ایسا عذاب نہ آجائے جیسے نوح علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا تھا حتیٰ کہ جو لوگ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے وہ ڈر کر ایمان لے آئیں۔

قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کو باقی رکھا حتیٰ کہ اس امت کے پہلے لوگوں نے اس کشتی کو پایا۔ علامہ عینی لکھتے ہیں: قتادہ سے روایت ہے کہ اللہ عز وجل نے اس کشتی کو ایک جزیرہ کی زمین پر باقی رکھا تا کہ بعد کے لوگ اس سے عبرت پکڑیں اور اس کو نشانی بنا دیا حتیٰ کہ اس امت کے پہلے لوگوں نے اس کو دیکھا اور اس کے بعد کتنی ہی کشتیاں ہیں جو راکھ بن گئیں، اور امام عبد بن حمید کی روایت میں ہے: اس امت کے پہلے لوگوں نے اس کشتی کو جودی پہاڑ پر دیکھا۔

۳۸۶۹۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فَهَلْ مِنْ مُذَكِّرٍ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق از الاسود از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ قراءت کرتے تھے: فَهَلْ مِنْ مُذَكِّرٍ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۴۱ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: آپ اس لفظ کو ذال کے ساتھ پڑھتے تھے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۹۹)

۳۔ بَابٌ: وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُذَكِّرٍ ۝ (القم: ۱۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بے شک ہم نے نصیحت کے حصول کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا ۝ (القم: ۱۷) کی تفسیر

مجاہد نے کہا: يَسِّرْنَا کا معنی ہے: ہم نے اس کے پڑھنے کو آسان کر دیا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام عبد بن حمید نے ابن ابی نجیح سے اسی طرح روایت کی ہے اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ہم نے اس کو حفظ کے لیے آسان کر دیا ہے اور قرآن مجید کے سوا اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس کو پورا زبانی پڑھا جاتا ہے اور لید کر کا معنی ہے: تاکہ اس کو یاد کیا جائے اور اس سے عبرت حاصل کی جائے اور اس میں غور و فکر کیا جائے۔

۳۸۷۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ فَهَلْ مِنْ مُذَكِّرٍ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی از یحییٰ از شعبہ از ابی اسحاق از الاسود از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ پڑھتے تھے: فَهَلْ مِنْ مُذَكِّرٍ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۴۱ میں گزر چکی ہے۔

یعنی آپ ذال کے ساتھ پڑھتے تھے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۰۰)

۴۔ بَابٌ: تَنْزِيلُ النَّاسِ كَانَهُمْ أَعْجَازُ نَحْلِ مُنْقَعٍ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي ۝ (القم: ۲۰-۲۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جیسے وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیں ۝ پس کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈر ۝ (القم: ۲۰-۲۱) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ پوری آیت اس طرح ہے:

تَنْزِيلُ النَّاسِ كَانَهُمْ أَعْجَازُ نَحْلِ مُنْقَعٍ ۝ (القم: ۲۰)

(وہ آندھی) جو ان کو اٹھا کر زمین پر اس طرح مارتی تھی جیسے وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیں ۝

یہ آیت اور اس سے پہلی آیتیں قوم عاد کے متعلق ہیں یعنی وہ آندھی قوم عاد کے لوگوں کو زمین سے اٹھا کر اوپر سے ان کو سر کے بل اس طرح پھینکتی تھی کہ ان کی گردنیں نوٹ جاتی تھیں اور محمد بن قریظ بن کعب نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا کہ وہ آندھی لوگوں کو قبروں سے نکال کر اس طرح پھینکے گی جیسے وہ جڑے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیں۔ منقعر کا معنی ہے: اپنی جگہ سے منقطع ہو کر زمین پر گرا ہوا ہو، اور اعجاز عجز کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کا پچھلا حصہ۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۰۰) ۳۸۷۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا سَأَلَ الْأَسْوَدَ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ أَوْ مُذَكِّرٍ فَقَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ يَقْرَأُهَا فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ قَالَ وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُهَا فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ وَلَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق، انہوں نے ایک مرد سے سنا جو الاسود سے سوال کر رہا تھا کہ یہ لفظ فہل من مدکر ہے یا مذکر ہے، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بنی سنان سے سنا ہے وہ اس لفظ کو دال کے ساتھ فہل من مدکر پڑھتے تھے، انہوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو اسے دال کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا ہے: فہل من مدکر۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۴۱ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی مدتکمر میں تا کو دال سے بدل کر دال میں ادغام کیا گیا ہے اور اس کو ذال سے بدل کر ذال میں ادغام نہیں کیا گیا ہے۔

۵۔ بَابُ: فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُخَضَّبِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ۝ (القم: ۳۱-۳۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تو وہ بازو بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس کی طرح چورا چورا ہو گیا ۝ اور بے شک ہم نے حصول نصیحت کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ۝ (القم: ۳۱-۳۲)

کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ اور اس سے پہلی آیت حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے قصہ سے متعلق ہے، یعنی حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک چیخ ماری تھی جس کی وجہ سے وہ لوگ چورا چورا ہو گئے، قرآن مجید میں ہے:

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُخَضَّبِ ۝ (القم: ۳۱)

بے شک ہم نے ان پر ایک ہولناک آواز بھیجی تو وہ بازو بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس کی طرح چورا چورا ہو گئے ۝

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے خبر دی از شعبہ از ابی اسحاق از الاسود از حضرت عبداللہ بنی سنان از نبی ﷺ وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فہل بن مذکر پڑھا ہے (ذال کے ساتھ)۔

۳۸۷۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَفْهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ الْآيَةَ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۴۱ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ حضرت ابن مسعود کی اس روایت کی ایک اور سند ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۰۱)

۶۔ باب: وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بِكُفْرَاتٍ عَذَابٌ

مُسْتَقَرٌّ ۝ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِي ۝

(القمر: ۳۸-۳۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بے شک ان کو طے شدہ

عذاب نے علی الصبح تباہ کر دیا ۵ پس تم میرے

عذاب اور میرے ڈرانے کا مزا چکھو ۵

(القمر: ۳۸-۳۹) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متونی ۸۵۵ھ ان آیتوں کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَلَقَدْ صَبَّحَهُم الایہ، یہ آیت حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے قصہ میں ہے، ان کے اوپر صبح کے ابتدائی وقت میں عذاب آیا جس

نے ان کو تباہ کر دیا۔

عَذَابٌ مُسْتَقَرٌّ الایہ، یعنی دائمی عذاب جو ان پر جاری رہا حتیٰ کہ اس نے ان کو عذاب آخرت کی طرف پہنچا دیا۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۱۰)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی،

انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا:

ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق از الاسود از حضرت

عبداللہ بنی شیبہ از نبی سنی پیغمبر وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے قراءت

کی: فہل من مدکر (دال کے ساتھ)۔

۳۸۷۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ

عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَرَأَ فَهَلْ مِنْ مُذَكِّرٍ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۴۱ میں گزر چکی ہے۔

۷۔ بَابٌ: وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ

فَهَلْ مِنْ مُذَكِّرٍ ۝ (القمر: ۵۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بے شک ہم تم جیسی بہت سی

جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں، پس ہے کوئی نصیحت قبول

کرنے والا ۵ (القمر: ۵۱) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متونی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت مجرموں کے قصہ کے بیان میں ہے۔

أَشْيَاعَكُمْ: اس کا معنی ہے: گزشتہ امتوں کے جو لوگ کفر میں تمہارے مشابہ تھے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۰۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی،

انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از اسرائیل از ابی

اسحاق از الاسود بن یزید از حضرت عبداللہ بنی شیبہ وہ بیان کرتے ہیں

کہ میں نے نبی سنی پیغمبر کے سامنے قراءت کی: فہل من مدکر

(دال کے ساتھ) تو نبی سنی پیغمبر نے فرمایا فہل من مدکر

(دال کے ساتھ)۔

۳۸۷۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ إِسْرَائِيلَ

عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ

قَرَأْتُ عَلَى النَّبِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَهَلْ مِنْ مُذَكِّرٍ فَقَالَ

النَّبِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَهَلْ مِنْ مُذَكِّرٍ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۴۱ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس حدیث کی چھ (۶) سندوں کے ساتھ روایت کی ہے اور ان کو چھ مختلف ابواب میں ذکر کیا ہے اور ہر باب کا الگ الگ عنوان قائم کیا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۳۰۱)

۸۔ بَابُ: سَيَهْزُمُ الْجَمْعُ وَيُولُونُ

الدُّبُرُ ⑤ (القمر: ۴۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: عنقریب ان کی جماعت شکست

کھائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے ○

(القمر: ۴۵) کی تفسیر

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت اور اس سے پہلی آیات اہل مکہ کو ڈرانے کے لیے نازل ہوئی ہیں کیونکہ وہ کہتے تھے کہ ہماری جماعت غالب رہے گی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کو سچا کیا اور ان کو بدر کے دن شکست دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

سَيَهْزُمُ الْجَمْعُ وَيُولُونُ الدُّبُرُ ⑤ (القمر: ۴۵)

عنقریب ان کی جماعت شکست کھائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کر

بھاگیں گے ○

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے پتا نہیں تھا کہ کون سی جماعت شکست کھائے گی، پس جب غزوہ بدر کا دن آیا تو میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ اپنی زرہ پہنے ہوئے تھے اور یہ آیت پڑھ رہے تھے، یعنی کفار مکہ کو شکست ہوگی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، اس آیت میں دُبُرُ کا لفظ ہے جو واحد کا صیغہ ہے اور مراد کفار کی جماعت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ القمر کی تمام آیتوں کے آخری الفاظ اسی وزن پر ہیں، اگر دُبُرُ کی جگہ ادبار کا لفظ لایا جاتا تو آخری الفاظ کی یکسانیت کی رعایت نہ رہتی۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۳۰۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبد اللہ بن حوشب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (ح) اور مجھے محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عثمان بن مسلم نے خبر دی از وہیب، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور اس وقت آپ غزوہ بدر کے دن خیمہ میں تھے اور آپ یہ دعا کر رہے تھے: اے اللہ! میں تجھے تیرا عہد اور تیرا وعدہ یاد دلاتا ہوں، اے اللہ! اگر تو (مومنین کی ہلاکت) چاہتا ہے تو آج کے بعد تیری عبادت نہیں کی جائے گی، پس حضرت ابو بکر نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: یا رسول اللہ! بس کریں آپ نے اپنے رب سے بہت اصرار کے ساتھ دعا کی ہے، اس وقت آپ زرہ پہنے ہوئے تیزی سے چل رہے تھے

۴۸۷۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَوْشَبٍ حَدَّثَنَا الْوَهَّابُ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ ۳ وَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ وَهْبٍ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ وَهُوَ فِي قُبَّةٍ يَوْمَ بَدْرٍ اللَّهُمَّ إِنِّي أُنْشِدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ اللَّهُمَّ إِنِّي تَسْأَلُ لَا تُعْبِدُ بَعْدَ الْيَوْمِ فَأَخَذَ أَبُو بَكْرٍ بِيَدِهِ فَقَالَ حَسْبُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلْحَقْتَ عَلَى رَبِّكَ وَهُوَ يَشُبُّ فِي الذَّرْعِ فَخَرَجَ وَهُوَ يَقُولُ ﴿سَيَهْزُمُ الْجَمْعُ وَيُولُونُ الدُّبُرُ ⑤﴾ (القمر: ۴۵)

پھر آپ یہ کہتے ہوئے باہر نکلے: عنقریب ان کی جماعت شکست کھائے گی اور یہ پیشہ پھیر کر بھاگیں گے ○ (القمر: ۴۵)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۹۱۵ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی دو سندوں کی وضاحت اور اللہ تعالیٰ کے عہد اور وعدہ کا بیان

علامہ بدرالدین محمود بن احمد مینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث دو سندوں سے مروی ہے، پہلی سند محمد بن عبد اللہ بن حوشب سے شروع ہوتی ہے اور دوسری سند محمد سے شروع ہوتی ہے، الفسائی نے کہا ہے کہ شاید یہ محمد بن یحییٰ الذہلی ہیں۔

میں کہتا ہوں: امام بخاری ان کا نام صرف محمد لکھتے ہیں اور پورا نام محمد بن یحییٰ الذہلی نہیں لکھتے کیونکہ وہ امام بخاری پر خرج اور تنقید کرتے تھے، وہ بھی امام بخاری کے استاذ ہیں لیکن اللہ کے کلام کے مخلوق ہونے یا نہ ہونے میں ان کا باہم اختلاف ہوا تھا۔

علامہ مینی لکھتے ہیں: یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور وہ غزوہ بدر میں حاضر نہیں تھے تو انہوں نے یہ حدیث اس صحابی سے سنی ہوگی جو غزوہ بدر میں حاضر تھے، اس لیے یہ حدیث مرسل ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: اے اللہ! میں تجھے تیرا عہد یاد دلاتا ہوں، وہ عہد حسب ذیل آیت میں ہے:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْيَوْمَ سَلِيلِينَ ۝ اِنَّهُمْ لَكَاۤفِرُوۡنَ ﴿۱﴾
اور بے شک ہم نے پہلے ہی اپنے بندوں سے بات کر چکے ہیں جو رسول ہیں ○ کہ بے شک ان ہی کی مدد کی جائے گی ○
(الفط: ۱۷۲-۱۷۱)

اور اللہ کے وعدہ کے متعلق یہ آیت ہے:

وَ اِذْ يَبْعِدُ لَّكُمُ اللّٰهُ اِحْدٰى الطّٰوۡفَتَيْنِ اَنۡهَآ لَكُمْ
اور یاد کرو جب اللہ نے دو گروہوں میں سے ایک (پر غلبہ) کا تم سے وعدہ فرمایا تھا کہ یہ تمہارے لیے ہے۔
(الانفال: ۷)

اس آیت میں ہے اے اللہ! اگر تو چاہتا ہے۔۔۔ اس کے بعد مفعول محذوف ہے یعنی اگر تو مومنین کی ہلاکت چاہتا ہے تو پھر آج کے بعد تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: الحعت اس کا معنی ہے: آپ نے دعا میں بہت مبالغہ کیا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۰۲)

۹۔ باب: بَلِّ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ
اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بلکہ ان کی وعید قیامت ہے اور قیامت بڑی مصیبت اور بہت تلخ ہے ○ (القمر: ۴۶)
اَذْهٰی وَاَمْرٌ ۝ (القمر: ۴۶)

کی تفسیر

امر کا لفظ مراد سے ماخوذ ہے جس کا معنی تلخی اور کڑواہٹ ہے۔

علامہ مینی لکھتے ہیں: غزوہ بدر میں جو کفار کو قتل کیا گیا تھا اور گرفتار کیا گیا تھا اس سے بڑی مصیبت اور تلخ چیز قیامت ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۰۳)

۳۸۷۶۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوسٰى حَدَّثَنَا هِشَامُ
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے حدیث بیان کی۔

بْنِ مَالِكٍ قَالَ إِنِّي عِنْدَ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ
نَزَلَ نَزْلٌ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ بِسَكَّةٍ وَإِنِّي لَجَارِيَةٌ
الْعَبُ ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَذْهَى وَ
أَمْرٌ﴾ (القر: ۳۶)، (صحیح البخاری: ۳۸۷۶)

کی کہ ابن جریج نے ان کو خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے یوسف بن
مالک نے خبر دی، انہوں نے بتایا کہ میں ام المؤمنین حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا تو انہوں نے بتایا کہ جس وقت یہ آیت
(سیدنا) محمد ﷺ پر مکہ میں نازل ہوئی: ﴿بَلِ السَّاعَةُ
مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَذْهَى وَ أَمْرٌ﴾ (القر: ۳۶) بلکہ ان کی
وعید قیامت ہے اور قیامت بڑی مصیبت اور بہت تلخ ہے ○ اس
وقت میں کم عمر لڑکی تھی اور کھیل کر تھی۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کی یہاں پر اختصار سے روایت کی ہے اور کتاب فضائل القرآن کے باب تالیف القرآن میں اس
حدیث کی بہت طویل روایت کی ہے اور اس کی شرح ہم ان شاء اللہ وہیں پر کریں گے۔ (مدد القاری ج ۱۹ ص ۳۰۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی
انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از خالد از عمرہ از
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے
اپنے خیمہ میں بدر کے دن یہ دعا کی: اے اللہ! میں تجھے تیرا عہد
اور وعدہ یاد دلاتا ہوں، اے اللہ! اگر تو (مؤمنین کی ہلاکت) چاہتا
ہے تو آج کے بعد تیری عبادت نہیں کی جائے گی، پس حضرت
ابوبکر نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور کہا: بس کریں یا رسول اللہ! آپ نے
اپنے رب سے بہت مبالغہ سے دعا کی ہے، پھر آپ زرہ پہنچے
ہوئے باہر نکلے اور آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے: ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ
وَيُوَلُّونَ الذُّبُرَ﴾ ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَذْهَى
وَ أَمْرٌ﴾ (القر: ۳۶-۳۵) عنقریب ان کی جماعت شکست
کھائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے ○ بلکہ ان کی وعید
قیامت ہے اور قیامت بڑی مصیبت اور بہت تلخ ہے ○

۳۸۷۷۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ خَالِدٍ
عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ
وَهُوَ قُبَّةٌ لَهُ يَوْمَ بَدْرٍ أَنشُدَكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ
اللَّهُمَّ إِنِّي شِئْتُ لَمْ تُعْبِدْ بَعْدَ الْيَوْمِ أَبَدًا فَأَخَذَ أَبُو
بَكْرٍ بِيَدِهِ وَقَالَ حَسْبُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَدْ أَلْحَقْتَ
عَلَى رَبِّكَ وَهُوَ فِي الدَّرَجِ فَخَرَجَ وَهُوَ يَقُولُ ﴿سَيُهْزَمُ
الْجَمْعُ وَ يُوَلُّونَ الذُّبُرَ﴾ ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ
وَالسَّاعَةُ أَذْهَى وَ أَمْرٌ﴾ (القر: ۳۵-۳۶)

(صحیح البخاری: ۸۹، ۲۳۶۸، ۳۹۱۳، ۳۹۱۴، ۳۹۱۵، ۵۱۱۹،
۵۲۱۸، ۵۸۳۳، ۷۲۵۶، ۷۲۶۳، صحیح مسلم: ۳۶۹۵، مسند احمد:
۲۲۲)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ القمر کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان تمام کی شرح مکمل ہو گئی اور
اب ان شاء اللہ امام بخاری نے سورہ رخص کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۵۵۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الرَّحْمَنِ

سورة الرحمن کی تفسیر

سورة الرحمن کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الرحمن کی بعض آیات کی تفسیر ہے، علامہ ابوالعباس نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ یہ سورت مکی ہے مگر ہام نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ یہ سورت مدنی ہے، ابوالعباس نے کہا: یہ سورت کیسے مدنی ہو سکتی ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کو عکاظ کے بازار میں پڑھا تھا اور یہ بازار مکہ میں ہے اور قریش نے جس قرآن کو بلند آواز سے سنا وہ سورة الرحمن ہے، حضرت ابن مسعود نے الحجر کے پاس سورة الرحمن کو پڑھا تو کفار نے آپ کو زد و کوب کیا حتیٰ کہ آپ کے چہرے پر نیل پڑ گیا اور سعید نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ یہ سورت مکی ہے، علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ سورة الرحمن سورة الدھر سے پہلے نازل ہوئی ہے اور سورة الرعد کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس سورت میں اٹھتر (۷۸) آیات ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ بِحُسْبَانٍ كَحُسْبَانِ الرَّحْمَى۔ اور مجاہد نے کہا: بحسبان: کا معنی ہے: وہ چکی کی مثل گھوم رہے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

النَّفْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴿۵﴾ (الرحمن: ۵)

سورج اور چاند ایک حساب سے چل رہے ہیں O

علامہ مہنی لکھتے ہیں: مجاہد نے کہا ہے کہ سورج اور چاند اس طرح گھوم رہے ہیں جس طرح چکی اپنے قطب (چکی کی لونہ) کی کیل جس پر چکی گھومتی ہے (پر گھومتی ہے اور حسابان کا لفظ مصدر ہے جیسے غفران اور کفران مصدر ہیں اور کبھی یہ حساب کی جمع ہوتا ہے جیسے رکبان اور رہبان راکب اور راہب کی جمع ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ سورج اور چاند ایک حساب سے چلتے ہیں اور مجاہد کی تعلیق کی امام عبد بن حمید نے ابن ابی شیبہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا ہے: یہ دونوں اس طرح گھومتے ہیں جس طرح چکی اپنے قطب پر گھومتی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ حساب اور منازل سے چلتے ہیں اس سے تجاوز نہیں کر سکتے اور ابن زید اور ابن کیسان سے روایت ہے کہ اوقات، عمروں اور مدتوں کا حساب سورج اور چاند کی گردش سے کیا جاتا ہے اور سدی سے منقول ہے: جس طرح لوگوں کی اجل یعنی مدت حیات ہے اسی طرح ان کی بھی اجل ہے، پس جب ان کی اجل آئے گی تو یہ دونوں فنا ہو جائیں گے۔

وَقَالَ غَزِيْرَةُ وَأَقْبِسُوا الْوَزْنَ يُرِيدُ لِسَانَ الْبَيْزَانِ۔ اور دوسروں نے کہا: اقبسوا الوزن: سے مراد ہے: ترازو کی لسان

یعنی ترازو کے دونوں پلڑوں کے درمیان ایک لکڑی جس سے

دونوں پلڑوں کو برابر کیا جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَقِيمُوا الزُّنَ بِالْقَيْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْيَزْنَ ۝ (الرحمن: ۹)

اور انصاف کے ساتھ صحیح وزن کرو اور تول میں کمی نہ کرو ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی مجاہد کے علاوہ دوسروں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: ترازو کے دونوں پلڑوں کی ڈنڈی کو انصاف سے برابر رکھو، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے اور ابن عیینہ سے منقول ہے کہ ہاتھ سے اس ڈنڈی کو سیدھا رکھو اور دل سے انصاف کرو اور وَلَا تُخْسِرُوا الْيَزْنَ کا معنی ہے: ناپ اور تول میں کمی نہ کرو۔

وَالْعَصْفُ بَقْلُ الزَّرْعِ إِذَا قُطِعَ مِنْهُ شَيْءٌ قَبْلَ أَنْ يُذْرِكَ فَذَلِكَ الْعَصْفُ وَالرِّيحَانُ رِثْقُهُ وَالْحَبُّ الَّذِي يُؤْكَلُ مِنْهُ وَالرِّيحَانُ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ الرِّزْقُ وَالرِّيحَانُ رِثْقُهُ وَالْحَبُّ الَّذِي يُؤْكَلُ مِنْهُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ وَالْعَصْفُ يُرِيدُ الْمَأْكُولَ مِنَ الْحَبِّ وَالرِّيحَانُ النَّصِيبُ الَّذِي لَمْ يُؤْكَلْ وَقَالَ غَيْرُهُ الْعَصْفُ وَرَقِي الْحِنْطَةُ وَقَالَ الصَّحَّاحُ الْعَصْفُ التَّبْنُ وَقَالَ أَبُو مَالِكٍ الْعَصْفُ أَوَّلُ مَا يَنْبُتُ تُسَبِّحُهُ الثَّبْتُ هَبُورًا وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْعَصْفُ وَرَقِي الْحِنْطَةُ وَالرِّيحَانُ الرِّزْقُ۔

کھیت کا وہ پودا جس کے پکنے سے پہلے اس کا کچھ حصہ کاٹ دیا جائے تو اس کو عصف کہتے ہیں اور ریحان اس کے پتے کو کہتے ہیں اور الحب سے مراد وہ دانے ہیں جن کو کھایا جاتا ہے اور ریحان کا معنی کلام عرب میں رزق اور روزی ہے اور بعض علماء نے کہا ہے: جن دانوں کو کھایا جاتا ہے ان کو العصف کہتے ہیں اور ریحان ان پکے ہوئے دانوں کو کہتے ہیں جن کو (کچا) نہیں کھایا جاتا اور دوسروں نے کہا: گندم کے پتوں کو العصف کہتے ہیں اور ضحاک نے کہا: العصف کا معنی بھوسا ہے، ابو مالک نے کہا: کھیت کا جو پودا سب سے پہلے اگتا ہے اس کو العصف کہتے ہیں اور کسان اس کو هَبُورَا کہتے ہیں، اور مجاہد نے کہا: گندم کے پتوں کو العصف کہتے ہیں اور رزق اور روزی کو الریحان کہتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرِّيحَانُ ۝ (الرحمن: ۱۲)

اور بھوسے والا غلہ ہے اور خوشبودار پھول ہیں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا ہے کہ کھیت کے پودے کے جس حصہ کو پکنے سے پہلے کاٹ لیا جائے اس پودے کو العصف کہتے ہیں، اسی طرح الفراء سے منقول ہے اور ابن کیسان نے کہا: ہر اس چیز کے پتے کو العصف کہتے ہیں جس سے ابتداء میں دانے نکلیں، پھر وہ شاخ بن جائیں، پھر اللہ تعالیٰ اس میں غلاف پیدا کر دے، پھر اس غلاف میں دانے پیدا کر دے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کھیت کے ہر پتوں کے سروں کو کاٹ لیا جائے اور وہ سوکھ جائیں تو وہ العصف ہیں یعنی بھوسا۔

امام بخاری نے کہا: اور ریحان اس کے پتے ہیں یعنی دانہ کے پتے ہیں اور بعض نسخوں میں لکھا ہے کہ وہ اس کا رزق ہیں اور علامہ ثعلبی نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ریحان کا معنی رزق اور روزی ہے اور ضحاک سے منقول ہے کہ اس کا معنی طعام ہے یعنی گندم، پس العصف کا معنی ہے: بھوسا اور ریحان کا معنی ہے: اس کا پھل اور حسن اور ابن زید سے مروی ہے کہ ریحان کا معنی وہ پھول ہے جس کو تم سوگتھتے ہو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ کھیت کا سبز پودا ہے۔

امام بخاری نے کہا: الحب سے مراد وہ دانے ہیں جن کو کھایا جاتا ہے اور ریحان کا معنی کلام عرب میں رزق اور روزی ہے کیونکہ عرب کہتے ہیں: ہم اللہ کے ریحان کو طلب کرنے کے لیے نکلے یعنی اس کے رزق کو طلب کرنے کے لیے نکلے۔

امام بخاری نے کہا کہ بعض علماء نے کہا ہے: جن دانوں کو کھایا جاتا ہے اس کو العصف کہتے ہیں: بعض علماء سے امام بخاری کی مراد

الفراء ہیں کیونکہ انہوں نے کہا کہ جن دانوں کو کھایا جاتا ہے وہ العصف ہیں اور جن پکے ہوئے دانوں کو کھایا نہیں جاتا وہ ریحان ہیں۔
امام بخاری نے لکھا ہے: ضحاک نے کہا: العصف کا معنی ہے: بھوسا: اس طرح ان کی تفسیر میں جوہر کی روایت سے منقول ہے۔
امام بخاری نے لکھا: اور ابو مالک نے کہا: ان کا نام معروف نہیں ہے، یہ ابو زرعہ کا قول ہے اور دوسروں نے کہا: ان کا نام غزدان ہے اور صحیح بخاری میں ان کے علاوہ اور کسی کا ذکر نہیں ہے اور یہ کوئی تابعی اور ثقہ شخص ہیں۔
امام بخاری نے کہا: النبط: اس سے مراد عجمی کسان ہیں۔

امام بخاری نے کہا: هبور: اس سے مراد ہے: کھیت کے خشک پودوں کو کوٹنے کے بعد جو بھوسا نکلتا ہے۔
کعصف ماکول: اس کا معنی ہے: کھائے ہوئے بھوسے کی طرح۔

وَالنَّارُجُ اللَّهَبُ الْأَصْفَرُ وَالْأَخْضَرُ الَّذِي يَغْلُو النَّارَ الْعَارِجُ: کا معنی ہے: زرد اور بزرنگ کا شعلہ جو آگ کے بھڑکنے
اِذَا أُوقِدَتْ۔ کے بعد اوپر کواٹھتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۝ (الرحمن: ۱۵) اور جن کو خالص آگ کے شعلہ سے پیدا کیا O

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مارج کی تفسیر زرد یا سرخ شعلہ کے ساتھ کی ہے، اسی طرح امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کی ہے اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے، یہ آگ کی زبان ہے جس کی طرف میں بھڑکتا ہوا شعلہ ہوتا ہے، دوسرا قول ہے: مارج کا معنی ہے: صاف اور خالص شعلہ جس میں دھواں نہ ہو اور جان سے مراد جنات کا باپ ہے، اور ضحاک سے مروی ہے: وہ اطمین ہے اور ابو عبیدہ سے روایت ہے کہ الجان، الجن کا واحد ہے۔

وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنِ مُجَاهِدٍ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ لِلْمَشْرِقِ فِي الْبُشَاءِ مَشْرِقٌ وَمَشْرِقٌ فِي الضَّيْفِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ مَغْرِبُهُمَا فِي الْبُشَاءِ وَالضَّيْفِ۔ اور بعض علماء نے بیان کیا کہ مجاہد نے رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ کی تفسیر میں کہا کہ سورج کا سردیوں میں ایک مشرق ہے (یعنی طلوع ہونے کی جگہ) اور گرمیوں میں دوسرا مشرق ہے اور رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ کی تفسیر میں کہا: سورج کا سردیوں میں ایک مغرب ہے اور گرمیوں میں دوسرا مغرب ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝ (الرحمن: ۱۷) وہی مشرقین کا رب ہے اور وہی مغربین کا رب ہے O

علامہ مینی لکھتے ہیں: مجاہد سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے لکھا ہے: مشرق سورج کے طلوع ہونے کی جگہ ہے اور مغرب سورج کے غروب ہونے کی جگہ ہے، ہر روز ایک نیا مشرق اور نیا مغرب ہوتا ہے، گرمیوں میں سورج ہر روز ایک درجہ پہلے طلوع ہوتا ہے اور سردیوں میں، سورج ہر روز ایک درجہ بعد میں طلوع ہوتا ہے، ویسے تو ہر روز الگ الگ مشرق اور مغرب ہیں لیکن گرمیوں اور سردیوں کے دو مشرقوں اور دو مغربوں میں نمایاں فرق ہوتا ہے اس لیے ان کو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۸۴۸، فرید اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

لَا يَتَغَيَّانِ لَا يَتَغَيَّانِ: اس کا معنی ہے: وہ سمندر ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ملتے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۚ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ ۝ (الرحمن: ۱۹-۲۰) اس نے (کھاری اور شیریں) دو سمندر جاری کیے جو (ایک دوسرے سے) مل جاتے ہیں ۝ ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی وہ دو سمندر نہ ایک دوسرے کے ساتھ ملتے ہیں اور نہ متغیر ہوتے ہیں اور نہ ان میں سے ایک دوسرے کی حد سے تجاوز کرتا ہے اور قنادہ سے منقول ہے: وہ لوگوں کو غرق کر کے سرکشی نہیں کرتے اور ان دو سمندروں سے مراد بحر روم اور بحر ہند ہے، اسی طرح حسن بھری سے مروی ہے اور قنادہ سے منقول ہے: وہ دو سمندر بحر فارس اور بحر روم ہیں اور ان کے درمیان جو آڑ ہیں وہ مختلف جزائر ہیں اور مجاہد اور ضحاک سے مروی ہے: یعنی آسمان کا سمندر اور زمین کا سمندر جو ہر سال ملتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان دو سمندروں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ ایک سمندر دوسرے سمندر کی حد سے تجاوز نہیں کرتا اور اس کی تائید ان کے قول سے ہوتی ہے جنہوں نے کہا: بحرین سے مراد بحر فارس اور بحر روم ہے اور ان دونوں کے درمیان بہت طویل مسافت ہے۔

الْمُشَاتَّ مَا رُفِعَ قَلْعُهُ مِنَ الشُّنِّ فَأَمَّا مَا لَمْ يَرْفَعْ قَلْعُهُ فَلَيْسَ بِمُشَاتَّ ۝ (الرحمن: ۲۳) المنشآت: اس سے مراد وہ کشتیاں ہیں جن کا بادبان اوپر اٹھایا ہوا ہو اور جن کا بادبان اوپر نہ اٹھایا ہوا ہو وہ منشآت نہیں ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَاقِ ۝ (الرحمن: ۲۳) اور سمندر میں پہاڑوں کی مانند اونچی چمنے والی کشتیاں اسی کی ملکیت ہیں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الْمُنشَآتُ کی جو تفسیر کی ہے وہی مجاہد کا قول بھی ہے اور الجوار، الْجَارِيَةُ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: بڑی بڑی کشتیاں اور الْمُنشَآتُ کا معنی ہے: اونچے بادبانوں والی کشتیاں، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ مخلوقات ہیں جو بلند اور مسخر ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ كَالْفَخَّارِ كَمَا يُصْنَعُ الْفَخَّارُ ۝ اور مجاہد نے کہا: کالفخار: جس طرح ٹھیکرے بنائے جاتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ (الرحمن: ۱۴) اس نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح بجتی ہوئی سوکھی مٹی سے بنایا ۝ علامہ عینی لکھتے ہیں: فخار کا معنی ہے: جس سوکھی ہوئی مٹی کو آگ میں تپا لیا جائے تو وہ بجتا ہوا ٹھیکرا بن جاتا ہے۔ الشواظ: لہب من نار۔ الشواظ: اس کا معنی ہے: آگ کا شعلہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شَوَاظُ مِّنْ نَّارٍ (الرحمن: ۳۵) (اے مکذبو!) تم پر (روز قیامت) آگ کا خالص شعلہ چھوڑا جائے گا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ بھی مجاہد کا قول ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ شواظ اس آگ کو کہتے ہیں جس میں دھواں نہ ہو اور ضحاک سے منقول ہے کہ شواظ اس دھوئیں کو کہتے ہیں جو شعلہ سے نکلتا ہے اور یہ وہ دھواں نہیں ہے جو جلی ہوئی لکڑیوں سے نکلتا ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَنَحَّاسُ النَّحَّاسِ الضُّفْرُ يُصَبُّ عَلَى اور مجاہد نے کہا: نحاس: کا معنی ہے: پیتل یا تانبا (جو پگھلا ہوا ہو) جس

رُؤْسِهِمْ فَيُعَذِّبُونَ بِهِ۔ کو ان کے سروں پر ڈال کر اس کے ساتھ ان کو عذاب دیا جائے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شَوْاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَمْتَصِفَانِ ۖ (الرحمن: ۳۵) (اے مکذبو!) تم پر (روز قیامت) آگ کا خالص شعلہ چھوڑا جائے گا، پھر تم اس کو دور نہ کر سکو گے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے نحاس کی تفسیر پگھلا ہوا تانبا کی ہے، اور اسی طرح مجاہد نے اس کی تفسیر کی ہے۔

میں کہتا ہوں: نحاس کا دوسرا معنی دھواں ہے جس طرح ہم نے اس آیت کا ترجمہ ہے۔

خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ يَهُمُّ بِالتَّغْصِيَةِ فَيَذْكُرُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ: اس کا معنی ہے: ایک شخص گناہ کا ارادہ کرتا ہے پھر وہ اللہ عزوجل کو یاد کرتا ہے، پھر اس گناہ کو ترک کر دیتا ہے۔

فَيَتَرُكُهَا۔

میں کہتا ہوں: صحیح بخاری کے دار الفکر کے مطبوعہ نسخہ میں اس تعلیق کے بعد لہب من نار چھپا ہوا ہے سو یہ غلط ہے یہ دراصل

شواظ کا معنی ہے جو کمپوزنگ کی غلطی سے یہاں کمپوز ہو گیا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَمَن خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ ۖ (الرحمن: ۴۶) اور جو شخص اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے سے ڈرتا ہو اس کے

لیے دو جنتیں ہیں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ ایک مرد یہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ کوئی گناہ کرے گا، پھر وہ اللہ تعالیٰ کو اور اس کی عظمت کو یاد کرتا ہے، پھر وہ یہ یاد کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ کے ارتکاب پر سزا دیتا ہے اور گناہ کو ترک کرنے پر ثواب عطا فرماتا ہے تو وہ اس گناہ کو ترک کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ان لوگوں میں داخل کر دیتا ہے جن کے لیے دو جنتیں ہیں۔

مُذَخَّاتٍ: اس کا معنی ہے: وہ دونوں باغ سیرابی کی وجہ سے

مُذَخَّاتٍ سَوْدَاءُ وَابٍ مِنَ الرَّبِّيِّ۔

سیاہ رنگ کے دکھائی دیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مُذَخَّاتٍ ۖ (الرحمن: ۶۳) وہ دونوں جنتیں سیاہی مائل بزرنگ کی ہیں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی وہ شدید بزرنگ کی وجہ سے سیاہ معلوم ہوں گی کیونکہ جب بزرنگ گاڑھا ہو تو وہ سیاہ دکھائی دیتا ہے۔

صَلْصَالٌ طَيِّبٌ خُلِيطَ بَزْمَلٍ فَصَلْصَلٌ كَمَا يُصَلْصَلُ الصَّخْرُ وَيُقَالُ مُنْتَنٌ يُرِيدُونَ بِهِ صَلٌّ يُقَالُ

صَلْصَالٌ كَمَا يُقَالُ صَرَّ النَّبَابُ عِنْدَ الْإِغْلَاقِ وَصَرَّ صَرٌّ

مِثْلُ كَبْكَبْتُهُ يَعْنِي كَبَبْتُهُ۔

جانتا ہے جیسے کَبْكَبْتُهُ کا معنی ہے: کَبَبْتُهُ یعنی میں نے اس کو

اوندھا کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۖ (الرحمن: ۱۴) اس نے انسان کو خاکیرے کی طرح بھٹی ہوئی سوکھی مٹی سے بنایا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: خَلَقَ الْإِنْسَانَ سے مراد ہے: حضرت آدم کو بنایا، مِنْ صَلَٰلٍ کا معنی ہے: اس سوکھی ہوئی مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح کھٹکھٹاتی اور بجتی تھی، امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے کہ جب کیچڑ میں ریت ملا دی جائے اور کیچڑ سوکھ جائے تو وہ بہت مضبوط ہو جاتی ہے اور جب اسے کسی چیز پر مارا جائے تو اس سے کھٹکھٹانے اور بچنے کی آواز آتی ہے۔

امام بخاری نے کہا: یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صَلَّ بَدْوِارِ مِثْلٍ کُوکُو کہتے ہیں: جیسے لَحْمٌ مُنْتَنٌ کہتے ہیں یعنی بدبودار گوشت اس کو صَلَّ کہتے ہیں خواہ وہ پکا ہو یا کچا۔

امام بخاری نے لکھا، صَلَّال کہا جاتا ہے جیسے صر الباب کہا جاتا ہے: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ صَلَّال، صَلَّ کا مضاعف ہے جیسے دروازہ بند کرتے وقت جو آواز آتی ہے اس کو صر الباب کہا جاتا ہے اور اس کا مضاعف صرصر ہے جیسے گت کا مضاعف گتگت ہے جیسے قرآن مجید میں ہے:

فَلْيَكُونُوا فِيْهَا۔ (الشعراء: ۹۳) تمام گمراہ لوگ دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیئے جائیں گے۔

امام بخاری اور امام ابو حنیفہ کا اس بات میں مناقشہ کہ آیا کھجور اور انار پھلوں میں داخل ہیں یا نہیں، امام ابو حنیفہ کے نزدیک کھجور اور انار پھلوں میں داخل نہیں بلکہ وہ غذا اور دواء ہیں اور امام بخاری کے نزدیک وہ پھلوں میں داخل ہیں

فَاَكِهَةٌ وَتَخُلُّ وَرُمَانٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَيْسَ الرُّمَانُ وَالتَّخْلُ بِالتَّفَاكِهَةِ وَأَمَّا الْعَرَبُ فَإِنَّهَا تَعُدُّهَا فَاَكِهَةٌ۔
فاکہۃ و نخل و رمان: یعنی پھل، کھجور اور انار اور بعض ائمہ (امام ابو حنیفہ) نے کہا: انار اور کھجور پھل نہیں ہیں لیکن عرب ان کو پھلوں میں شمار کرتے ہیں۔

جیسے اللہ عز و جل کا ارشاد ہے:

حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى۔ (البقرہ: ۲۳۸) تمام نمازوں کی حفاظت کرو اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی۔
پس اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تمام نمازوں کا حکم دیا، پھر اس کی تاکید کے لیے عصر کی نماز کا بہ طور تاکید دوبارہ ذکر کیا، اسی طرح پہلے فاکہۃ میں تمام پھلوں کا ذکر کیا، پھر دوبارہ النخل و رمان یعنی کھجور اور انار کا بہ طور تاکید ان پر عطف کیا (تو یہ تخصیص بعد التعمیم ہے)، اسی طرح یہ آیت ہے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ۔ (الحج: ۱۸) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے لیے ہی سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ۔
اور بہت انسان، اور بہت سے وہ بھی ہیں جن پر عذاب مقدر ہو (الحج: ۱۸) چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے شروع میں جب فرمایا: اللہ کے لیے ہی سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں، تو اس میں بہت انسان اور بہت وہ جن پر عذاب مقدر ہو چکا ہے داخل تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا دوبارہ خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا (یہ تخصیص بعد التعمیم ہے)، اسی طرح کھجور اور انار بھی پھلوں میں داخل تھے، پھر ان کا خصوصیت سے الگ ذکر کرنا بھی

تخصیص بعد التعمیم ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ۝ (الرحمن: ۶۸) ان جنتوں میں پھل، کھجوریں اور انار ہیں ۝

علامہ مینی لکھتے ہیں: ان دو جنتوں میں جن کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَيْنِ ۝ (الرحمن: ۶۲) اور ان دو جنتوں کے علاوہ اور دو جنتیں ہیں ۝

پس جنتیں چار ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں کیا ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَيْنِ ۝ (الرحمن: ۴۶) اور جو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے سے ڈرتا ہو اس کے لیے

دو جنتیں ہیں ۝

پھر فرمایا

وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَيْنِ ۝ (الرحمن: ۶۲) اور ان دو جنتوں کے علاوہ اور دو جنتیں ہیں ۝

یعنی ان دو پہلی جنتوں کے علاوہ جن کا اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے وعدہ فرمایا تھا اور دو جنتیں ہیں۔

امام بخاری نے لکھا ہے اور بعض ائمہ نے کہا: علامہ ابن السلقن نے بتایا کہ بعض ائمہ سے مراد امام ابو حنیفہ ہیں۔

علامہ مینی لکھتے ہیں: اس قول کی صرف امام ابو حنیفہ کی طرف نسبت درست نہیں ہے کیونکہ مفسرین کی ایک جماعت کا بھی یہی

مقار ہے، انفراد نے کہا: انار اور کھجور پھل نہیں ہیں، اسی وجہ سے فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ پھل نہیں کھائے

گا، پھر اس نے انار یا تازہ کھجور کھالی تو اس کی قسم نہیں نوٹے گی اور اس پر کفارہ نہیں ہوگا۔

امام بخاری نے لکھا ہے: اور عرب کھجور اور انار کو پھل شمار کرتے ہیں: علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس عبارت سے امام

ابو حنیفہ کی دلیل کا جواب دیا ہے، علامہ مینی لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم کھجور اور انار پر پھلوں کے اطلاق کا انکار نہیں

کرتے لیکن وہ محض پھل نہیں ہیں۔

امام بخاری نے کہا: جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ (البقرہ: ۲۳۸) یعنی تمام نمازوں کی

حفاظت کرو اور درمیانی نماز کی حفاظت کرو حالانکہ درمیانی نماز بھی تمام نمازوں میں داخل ہے۔ اسی طرح کھجور اور انار بھی پھلوں میں

داخل ہیں، پھر ان کا پھلوں پر عطف کیا گیا ہے تو یہ بھی اسی طرح تخصیص بعد التعمیم ہے، علامہ مینی لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہ یہ کہہ سکتے

ہیں کہ ہم نہیں مانتے کہ فَاكِهَةٌ عام ہے کیونکہ نکرہ جب اثبات میں ہو تو وہ مفید عموم نہیں ہوتا، ہاں نکرہ جب نفی کے بعد ہو تو وہ مفید

عموم ہوتا ہے لہذا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ میں فَاكِهَةٌ کیونکہ اثبات میں ہے اس لیے وہ عام نہیں ہے۔

امام بخاری نے کہا: اسی طرح الحج: ۱۸ میں تمام آسمانوں اور زمینوں میں جنہوں نے سجدہ کیا ان میں بہت سے انسان اور بہت

سے لوگ جن پر عذاب مقدر ہو چکا ہے داخل ہیں اور ان کا بعد میں عطف کرنا تخصیص بعد التعمیم ہے، علامہ مینی لکھتے ہیں کہ حَفِظُوا

عَلَى الصَّلَوَاتِ میں صلوات کا لفظ اتفاقاً عام ہے اور مِنَ السَّمَوَاتِ بھی اتفاقاً عام ہے لیکن اس پر فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ کو قیاس

نہ کرنا درست نہیں کیونکہ اس آیت میں فَاكِهَةٌ نکرہ ہے اور کلام اثبات میں ہے یعنی نفی کے تحت نہیں ہے اس لیے وہ عام نہیں ہے،

کیونکہ نکرہ جب نفی کے تحت ہو تو مفید عموم ہوتا ہے۔

مناقشہ مذکورہ میں مصنف کی رائے

میری رائے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے دور میں تو کھجوریں بہ طور غذا کے ہی کھائی جاتیں تھیں اور امام ابوحنیفہ کا قول اسی زمانے کے اعتبار سے ہے لیکن بعد میں جب گندم، چنے اور بیسن کی کثرت ہو گئی اور ان کی روٹیاں بہ طور غذا کھائی جانے لگیں تو کھجوروں کو صرف پھلوں کے طور پر کھایا جانے لگا، اسی طرح جب دیگر جڑی بوٹیوں سے علاج دریافت نہیں ہوا تھا تو انار کو بہ طور دواء ہی استعمال کیا جاتا تھا لیکن جب دیگر دوائیں دریافت ہو گئیں تو انار کو پھر صرف پھل کے طور پر استعمال کیا جانے لگا، سو امام ابوحنیفہ کا قول رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے زمانہ کے اعتبار سے ہے اور امام بخاری کا قول بعد کے زمانے کے اعتبار سے ہے اور اب پوری دنیا میں کھجوروں اور اناروں کو بہ طور پھل ہی استعمال کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے ہو سکتا ہے میری رائے غلط ہو۔ ان بزرگ ائمہ کے سامنے اس ناکارہ اور کم علم کی حیثیت بھی کیا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

وَقَالَ غَيْرُهُ أَفْنَانٍ أَغْصَانٍ۔ اور دوسروں نے کہا: افنان کا معنی ہے: شاخیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ذَوَاتَا أَفْنَانٍ ۝ (الرحمن: ۴۸) جو سرسبز شاخوں والی دو جنتیں ہیں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس سے پہلے صراحۃً مجاہد کا ذکر نہیں کیا لیکن یہاں یہی مراد ہے کہ مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا، افنان، فنان کی جمع ہے اور اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ مختلف رنگوں کی جنتیں اور عکرمہ سے مروی ہے: اس کا معنی ہے دیواروں پر ٹہنیاں اور سخاک سے منقول ہے: مختلف رنگوں کے پھل۔

وَجَنَّاتُ الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ مَّا يُجْتَنَىٰ قَرِيبٌ ۝ وَجَنَّاتُ الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ: اس کا معنی ہے: ان دو باغوں کے پھل بہت قریب ہوں گے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجَنَّاتُ الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ۝ (الرحمن: ۵۴) اور دونوں جنتوں کے پھل جھکے ہوئے ہوں گے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے: مایجتنی یعنی دونوں جنتوں کے درخت قریب ہوں گے اور کوئی شخص خواہ کھڑا ہو یا بیٹھا ہو یا لیٹا ہو وہ اس کے پھل توڑ سکے گا۔

وَقَالَ الْحَسَنُ قَبَائِي آلَاءُ نَعِيمِهِ وَقَالَ قَتَادَةُ رَبِّكُمَا تُكْذِبَانِ يَعْنِي الْجَنَّةَ وَالْإِنْسَ۔ اور حسن بصری نے کہا: قَبَائِي آلَاءُ کا معنی ہے: اس کی کون کون سی نعمتیں اور قتادہ نے کہا: رَبِّكُمَا تُكْذِبَانِ: سے مراد ہے: جن اور انس۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَبَائِي آلَاءُ رَبِّكُمَا تُكْذِبَانِ ۝ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○

(الرحمن: ۱۳، ۱۸، ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۸، ۳۰، ۳۲، ۳۳، ۳۶، ۳۸، ۴۰، ۴۲، ۴۳، ۴۵، ۴۷، ۵۱، ۵۳، ۵۵، ۵۷، ۵۹، ۶۱، ۶۳، ۶۵، ۶۹، ۷۱، ۷۳، ۷۵، ۷۷، ۷۹، ۸۱، ۸۳، ۸۵، ۸۷، ۸۹، ۹۱، ۹۳، ۹۵، ۹۷، ۹۹، ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۴۷، ۱۴۹، ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۶۷، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۷۳، ۱۷۵، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۱، ۱۸۳، ۱۸۵، ۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۱، ۱۹۳، ۱۹۵، ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۰۱، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۷، ۲۰۹، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۵، ۲۱۷، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۲۷، ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۳۷، ۲۳۹، ۲۴۱، ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۵۱، ۲۵۳، ۲۵۵، ۲۵۷، ۲۵۹، ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۶۵، ۲۶۷، ۲۶۹، ۲۷۱، ۲۷۳، ۲۷۵، ۲۷۷، ۲۷۹، ۲۸۱، ۲۸۳، ۲۸۵، ۲۸۷، ۲۸۹، ۲۹۱، ۲۹۳، ۲۹۵، ۲۹۷، ۲۹۹، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۵، ۳۰۷، ۳۰۹، ۳۱۱، ۳۱۳، ۳۱۵، ۳۱۷، ۳۱۹، ۳۲۱، ۳۲۳، ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۲۹، ۳۳۱، ۳۳۳، ۳۳۵، ۳۳۷، ۳۳۹، ۳۴۱، ۳۴۳، ۳۴۵، ۳۴۷، ۳۴۹، ۳۵۱، ۳۵۳، ۳۵۵، ۳۵۷، ۳۵۹، ۳۶۱، ۳۶۳، ۳۶۵، ۳۶۷، ۳۶۹، ۳۷۱، ۳۷۳، ۳۷۵، ۳۷۷، ۳۷۹، ۳۸۱، ۳۸۳، ۳۸۵، ۳۸۷، ۳۸۹، ۳۹۱، ۳۹۳، ۳۹۵، ۳۹۷، ۳۹۹، ۴۰۱، ۴۰۳، ۴۰۵، ۴۰۷، ۴۰۹، ۴۱۱، ۴۱۳، ۴۱۵، ۴۱۷، ۴۱۹، ۴۲۱، ۴۲۳، ۴۲۵، ۴۲۷، ۴۲۹، ۴۳۱، ۴۳۳، ۴۳۵، ۴۳۷، ۴۳۹، ۴۴۱، ۴۴۳، ۴۴۵، ۴۴۷، ۴۴۹، ۴۵۱، ۴۵۳، ۴۵۵، ۴۵۷، ۴۵۹، ۴۶۱، ۴۶۳، ۴۶۵، ۴۶۷، ۴۶۹، ۴۷۱، ۴۷۳، ۴۷۵، ۴۷۷، ۴۷۹، ۴۸۱، ۴۸۳، ۴۸۵، ۴۸۷، ۴۸۹، ۴۹۱، ۴۹۳، ۴۹۵، ۴۹۷، ۴۹۹، ۵۰۱، ۵۰۳، ۵۰۵، ۵۰۷، ۵۰۹، ۵۱۱، ۵۱۳، ۵۱۵، ۵۱۷، ۵۱۹، ۵۲۱، ۵۲۳، ۵۲۵، ۵۲۷، ۵۲۹، ۵۳۱، ۵۳۳، ۵۳۵، ۵۳۷، ۵۳۹، ۵۴۱، ۵۴۳، ۵۴۵، ۵۴۷، ۵۴۹، ۵۵۱، ۵۵۳، ۵۵۵، ۵۵۷، ۵۵۹، ۵۶۱، ۵۶۳، ۵۶۵، ۵۶۷، ۵۶۹، ۵۷۱، ۵۷۳، ۵۷۵، ۵۷۷، ۵۷۹، ۵۸۱، ۵۸۳، ۵۸۵، ۵۸۷، ۵۸۹، ۵۹۱، ۵۹۳، ۵۹۵، ۵۹۷، ۵۹۹، ۶۰۱، ۶۰۳، ۶۰۵، ۶۰۷، ۶۰۹، ۶۱۱، ۶۱۳، ۶۱۵، ۶۱۷، ۶۱۹، ۶۲۱، ۶۲۳، ۶۲۵، ۶۲۷، ۶۲۹، ۶۳۱، ۶۳۳، ۶۳۵، ۶۳۷، ۶۳۹، ۶۴۱، ۶۴۳، ۶۴۵، ۶۴۷، ۶۴۹، ۶۵۱، ۶۵۳، ۶۵۵، ۶۵۷، ۶۵۹، ۶۶۱، ۶۶۳، ۶۶۵، ۶۶۷، ۶۶۹، ۶۷۱، ۶۷۳، ۶۷۵، ۶۷۷، ۶۷۹، ۶۸۱، ۶۸۳، ۶۸۵، ۶۸۷، ۶۸۹، ۶۹۱، ۶۹۳، ۶۹۵، ۶۹۷، ۶۹۹، ۷۰۱، ۷۰۳، ۷۰۵، ۷۰۷، ۷۰۹، ۷۱۱، ۷۱۳، ۷۱۵، ۷۱۷، ۷۱۹، ۷۲۱، ۷۲۳، ۷۲۵، ۷۲۷، ۷۲۹، ۷۳۱، ۷۳۳، ۷۳۵، ۷۳۷، ۷۳۹، ۷۴۱، ۷۴۳، ۷۴۵، ۷۴۷، ۷۴۹، ۷۵۱، ۷۵۳، ۷۵۵، ۷۵۷، ۷۵۹، ۷۶۱، ۷۶۳، ۷۶۵، ۷۶۷، ۷۶۹، ۷۷۱، ۷۷۳، ۷۷۵، ۷۷۷، ۷۷۹، ۷۸۱، ۷۸۳، ۷۸۵، ۷۸۷، ۷۸۹، ۷۹۱، ۷۹۳، ۷۹۵، ۷۹۷، ۷۹۹، ۸۰۱، ۸۰۳، ۸۰۵، ۸۰۷، ۸۰۹، ۸۱۱، ۸۱۳، ۸۱۵، ۸۱۷، ۸۱۹، ۸۲۱، ۸۲۳، ۸۲۵، ۸۲۷، ۸۲۹، ۸۳۱، ۸۳۳، ۸۳۵، ۸۳۷، ۸۳۹، ۸۴۱، ۸۴۳، ۸۴۵، ۸۴۷، ۸۴۹، ۸۵۱، ۸۵۳، ۸۵۵، ۸۵۷، ۸۵۹، ۸۶۱، ۸۶۳، ۸۶۵، ۸۶۷، ۸۶۹، ۸۷۱، ۸۷۳، ۸۷۵، ۸۷۷، ۸۷۹، ۸۸۱، ۸۸۳، ۸۸۵، ۸۸۷، ۸۸۹، ۸۹۱، ۸۹۳، ۸۹۵، ۸۹۷، ۸۹۹، ۹۰۱، ۹۰۳، ۹۰۵، ۹۰۷، ۹۰۹، ۹۱۱، ۹۱۳، ۹۱۵، ۹۱۷، ۹۱۹، ۹۲۱، ۹۲۳، ۹۲۵، ۹۲۷، ۹۲۹، ۹۳۱، ۹۳۳، ۹۳۵، ۹۳۷، ۹۳۹، ۹۴۱، ۹۴۳، ۹۴۵، ۹۴۷، ۹۴۹، ۹۵۱، ۹۵۳، ۹۵۵، ۹۵۷، ۹۵۹، ۹۶۱، ۹۶۳، ۹۶۵، ۹۶۷، ۹۶۹، ۹۷۱، ۹۷۳، ۹۷۵، ۹۷۷، ۹۷۹، ۹۸۱، ۹۸۳، ۹۸۵، ۹۸۷، ۹۸۹، ۹۹۱، ۹۹۳، ۹۹۵، ۹۹۷، ۹۹۹، ۱۰۰۱، ۱۰۰۳، ۱۰۰۵، ۱۰۰۷، ۱۰۰۹، ۱۰۱۱، ۱۰۱۳، ۱۰۱۵، ۱۰۱۷، ۱۰۱۹، ۱۰۲۱، ۱۰۲۳، ۱۰۲۵، ۱۰۲۷، ۱۰۲۹، ۱۰۳۱، ۱۰۳۳، ۱۰۳۵، ۱۰۳۷، ۱۰۳۹، ۱۰۴۱، ۱۰۴۳، ۱۰۴۵، ۱۰۴۷، ۱۰۴۹، ۱۰۵۱، ۱۰۵۳، ۱۰۵۵، ۱۰۵۷، ۱۰۵۹، ۱۰۶۱، ۱۰۶۳، ۱۰۶۵، ۱۰۶۷، ۱۰۶۹، ۱۰۷۱، ۱۰۷۳، ۱۰۷۵، ۱۰۷۷، ۱۰۷۹، ۱۰۸۱، ۱۰۸۳، ۱۰۸۵، ۱۰۸۷، ۱۰۸۹، ۱۰۹۱، ۱۰۹۳، ۱۰۹۵، ۱۰۹۷، ۱۰۹۹، ۱۱۰۱، ۱۱۰۳، ۱۱۰۵، ۱۱۰۷، ۱۱۰۹، ۱۱۱۱، ۱۱۱۳، ۱۱۱۵، ۱۱۱۷، ۱۱۱۹، ۱۱۲۱، ۱۱۲۳، ۱۱۲۵، ۱۱۲۷، ۱۱۲۹، ۱۱۳۱، ۱۱۳۳، ۱۱۳۵، ۱۱۳۷، ۱۱۳۹، ۱۱۴۱، ۱۱۴۳، ۱۱۴۵، ۱۱۴۷، ۱۱۴۹، ۱۱۵۱، ۱۱۵۳، ۱۱۵۵، ۱۱۵۷، ۱۱۵۹، ۱۱۶۱، ۱۱۶۳، ۱۱۶۵، ۱۱۶۷، ۱۱۶۹، ۱۱۷۱، ۱۱۷۳، ۱۱۷۵، ۱۱۷۷، ۱۱۷۹، ۱۱۸۱، ۱۱۸۳، ۱۱۸۵، ۱۱۸۷، ۱۱۸۹، ۱۱۹۱، ۱۱۹۳، ۱۱۹۵، ۱۱۹۷، ۱۱۹۹، ۱۲۰۱، ۱۲۰۳، ۱۲۰۵، ۱۲۰۷، ۱۲۰۹، ۱۲۱۱، ۱۲۱۳، ۱۲۱۵، ۱۲۱۷، ۱۲۱۹، ۱۲۲۱، ۱۲۲۳، ۱۲۲۵، ۱۲۲۷، ۱۲۲۹، ۱۲۳۱، ۱۲۳۳، ۱۲۳۵، ۱۲۳۷، ۱۲۳۹، ۱۲۴۱، ۱۲۴۳، ۱۲۴۵، ۱۲۴۷، ۱۲۴۹، ۱۲۵۱، ۱۲۵۳، ۱۲۵۵، ۱۲۵۷، ۱۲۵۹، ۱۲۶۱، ۱۲۶۳، ۱۲۶۵، ۱۲۶۷، ۱۲۶۹، ۱۲۷۱، ۱۲۷۳، ۱۲۷۵، ۱۲۷۷، ۱۲۷۹، ۱۲۸۱، ۱۲۸۳، ۱۲۸۵، ۱۲۸۷، ۱۲۸۹، ۱۲۹۱، ۱۲۹۳، ۱۲۹۵، ۱۲۹۷، ۱۲۹۹، ۱۳۰۱، ۱۳۰۳، ۱۳۰۵، ۱۳۰۷، ۱۳۰۹، ۱۳۱۱، ۱۳۱۳، ۱۳۱۵، ۱۳۱۷، ۱۳۱۹، ۱۳۲۱، ۱۳۲۳، ۱۳۲۵، ۱۳۲۷، ۱۳۲۹، ۱۳۳۱، ۱۳۳۳، ۱۳۳۵، ۱۳۳۷، ۱۳۳۹، ۱۳۴۱، ۱۳۴۳، ۱۳۴۵، ۱۳۴۷، ۱۳۴۹، ۱۳۵۱، ۱۳۵۳، ۱۳۵۵، ۱۳۵۷، ۱۳۵۹، ۱۳۶۱، ۱۳۶۳، ۱۳۶۵، ۱۳۶۷، ۱۳۶۹، ۱۳۷۱، ۱۳۷۳، ۱۳۷۵، ۱۳۷۷، ۱۳۷۹، ۱۳۸۱، ۱۳۸۳، ۱۳۸۵، ۱۳۸۷، ۱۳۸۹، ۱۳۹۱، ۱۳۹۳، ۱۳۹۵، ۱۳۹۷، ۱۳۹۹، ۱۴۰۱، ۱۴۰۳، ۱۴۰۵، ۱۴۰۷، ۱۴۰۹، ۱۴۱۱، ۱۴۱۳، ۱۴۱۵، ۱۴۱۷، ۱۴۱۹، ۱۴۲۱، ۱۴۲۳، ۱۴۲۵، ۱۴۲۷، ۱۴۲۹، ۱۴۳۱، ۱۴۳۳، ۱۴۳۵، ۱۴۳۷، ۱۴۳۹، ۱۴۴۱، ۱۴۴۳، ۱۴۴۵، ۱۴۴۷، ۱۴۴۹، ۱۴۵۱، ۱۴۵۳، ۱۴۵۵، ۱۴۵۷، ۱۴۵۹، ۱۴۶۱، ۱۴۶۳، ۱۴۶۵، ۱۴۶۷، ۱۴۶۹، ۱۴۷۱، ۱۴۷۳، ۱۴۷۵، ۱۴۷۷، ۱۴۷۹، ۱۴۸۱، ۱۴۸۳، ۱۴۸۵، ۱۴۸۷، ۱۴۸۹، ۱۴۹۱، ۱۴۹۳، ۱۴۹۵، ۱۴۹۷، ۱۴۹۹، ۱۵۰۱، ۱۵۰۳، ۱۵۰۵، ۱۵۰۷، ۱۵۰۹، ۱۵۱۱، ۱۵۱۳، ۱۵۱۵، ۱۵۱۷، ۱۵۱۹، ۱۵۲۱، ۱۵۲۳، ۱۵۲۵، ۱۵۲۷، ۱۵۲۹، ۱۵۳۱، ۱۵۳۳، ۱۵۳۵، ۱۵۳۷، ۱۵۳۹، ۱۵۴۱، ۱۵۴۳، ۱۵۴۵، ۱۵۴۷، ۱۵۴۹، ۱۵۵۱، ۱۵۵۳، ۱۵۵۵، ۱۵۵۷، ۱۵۵۹، ۱۵۶۱، ۱۵۶۳، ۱۵۶۵، ۱۵۶۷، ۱۵۶۹، ۱۵۷۱، ۱۵۷۳، ۱۵۷۵، ۱۵۷۷، ۱۵۷۹، ۱۵۸۱، ۱۵۸۳، ۱۵۸۵، ۱۵۸۷، ۱۵۸۹، ۱۵۹۱، ۱۵۹۳، ۱۵۹۵، ۱۵۹۷، ۱۵۹۹، ۱۶۰۱، ۱۶۰۳، ۱۶۰۵، ۱۶۰۷، ۱۶۰۹، ۱۶۱۱، ۱۶۱۳، ۱۶۱۵، ۱۶۱۷، ۱۶۱۹، ۱۶۲۱، ۱۶۲۳، ۱۶۲۵، ۱۶۲۷، ۱۶۲۹، ۱۶۳۱، ۱۶۳۳، ۱۶۳۵، ۱۶۳۷، ۱۶۳۹، ۱۶۴۱، ۱۶۴۳، ۱۶۴۵، ۱۶۴۷، ۱۶۴۹، ۱۶۵۱، ۱۶۵۳، ۱۶۵۵، ۱۶۵۷، ۱۶۵۹، ۱۶۶۱، ۱۶۶۳، ۱۶۶۵، ۱۶۶۷، ۱۶۶۹، ۱۶۷۱، ۱۶۷۳، ۱۶۷۵، ۱۶۷۷، ۱۶۷۹، ۱۶۸۱، ۱۶۸۳، ۱۶۸۵، ۱۶۸۷، ۱۶۸۹، ۱۶۹۱، ۱۶۹۳، ۱۶۹۵، ۱۶۹۷، ۱۶۹۹، ۱۷۰۱، ۱۷۰۳، ۱۷۰۵، ۱۷۰۷، ۱۷۰۹، ۱۷۱۱، ۱۷۱۳، ۱۷۱۵، ۱۷۱۷، ۱۷۱۹، ۱۷۲۱، ۱۷۲۳، ۱۷۲۵، ۱۷۲۷، ۱۷۲۹، ۱۷۳۱، ۱۷۳۳، ۱۷۳۵، ۱۷۳۷، ۱۷۳۹، ۱۷۴۱، ۱۷۴۳، ۱۷۴۵، ۱۷۴۷، ۱۷۴۹، ۱۷۵۱، ۱۷۵۳، ۱۷۵۵، ۱۷۵۷، ۱۷۵۹، ۱۷۶۱، ۱۷۶۳، ۱۷۶۵، ۱۷۶۷، ۱۷۶۹، ۱۷۷۱، ۱۷۷۳، ۱۷۷۵، ۱۷۷۷، ۱۷۷۹، ۱۷۸۱، ۱۷۸۳، ۱۷۸۵، ۱۷۸۷، ۱۷۸۹، ۱۷۹۱، ۱۷۹۳، ۱۷۹۵، ۱۷۹۷، ۱۷۹۹، ۱۸۰۱، ۱۸۰۳، ۱۸۰۵، ۱۸۰۷، ۱۸۰۹، ۱۸۱۱، ۱۸۱۳، ۱۸۱۵، ۱۸۱۷، ۱۸۱۹، ۱۸۲۱، ۱۸۲۳، ۱۸۲۵، ۱۸۲۷، ۱۸۲۹، ۱۸۳۱، ۱۸۳۳، ۱۸۳۵، ۱۸۳۷، ۱۸۳۹، ۱۸۴۱، ۱۸۴۳، ۱۸۴۵، ۱۸۴۷، ۱۸۴۹، ۱۸۵۱، ۱۸۵۳، ۱۸۵۵، ۱۸۵۷، ۱۸۵۹، ۱۸۶۱، ۱۸۶۳، ۱۸۶۵، ۱۸۶۷، ۱۸۶۹، ۱۸۷۱، ۱۸۷۳، ۱۸۷۵، ۱۸۷۷، ۱۸۷۹، ۱۸۸۱، ۱۸۸۳، ۱۸۸۵، ۱۸۸۷، ۱۸۸۹، ۱۸۹۱، ۱۸۹۳، ۱۸۹۵، ۱۸۹۷، ۱۸۹۹، ۱۹۰۱، ۱۹۰۳، ۱۹۰۵، ۱۹۰۷، ۱۹۰۹، ۱۹۱۱، ۱۹۱۳، ۱۹۱۵، ۱۹۱۷، ۱۹۱۹، ۱۹۲۱، ۱۹۲۳، ۱۹۲۵، ۱۹۲۷، ۱۹۲۹، ۱۹۳۱، ۱۹۳۳، ۱۹۳۵، ۱۹۳۷، ۱۹۳۹، ۱۹۴۱، ۱۹۴۳، ۱۹۴۵، ۱۹۴۷، ۱۹۴۹، ۱۹۵۱، ۱۹۵۳، ۱۹۵۵، ۱۹۵۷، ۱۹۵۹، ۱۹۶۱، ۱۹۶۳، ۱۹۶۵، ۱۹۶۷، ۱۹۶۹، ۱۹۷۱، ۱۹۷۳، ۱۹۷۵، ۱۹۷۷، ۱۹۷۹، ۱۹۸۱، ۱۹۸۳، ۱۹۸۵، ۱۹۸۷، ۱۹۸۹، ۱۹۹۱، ۱۹۹۳، ۱۹۹۵، ۱۹۹۷، ۱۹۹۹، ۲۰۰۱، ۲۰۰۳، ۲۰۰۵، ۲۰۰۷، ۲۰۰۹، ۲۰۱۱، ۲۰۱۳، ۲۰۱۵، ۲۰۱۷، ۲۰۱۹، ۲۰۲۱، ۲۰۲۳، ۲۰۲۵، ۲۰۲۷، ۲۰۲۹، ۲۰۳۱، ۲۰۳۳، ۲۰۳۵، ۲۰۳۷، ۲۰۳۹، ۲۰۴۱، ۲۰۴۳، ۲۰۴۵، ۲۰۴۷، ۲۰۴۹، ۲۰۵۱، ۲۰۵۳، ۲۰۵۵، ۲۰۵۷، ۲۰۵۹، ۲۰۶۱، ۲۰۶۳، ۲۰۶۵، ۲۰۶۷، ۲۰۶۹، ۲۰۷۱، ۲۰۷۳، ۲۰۷۵، ۲۰۷۷، ۲۰۷۹، ۲۰۸۱، ۲۰۸۳، ۲۰۸۵، ۲۰۸۷، ۲۰۸۹، ۲۰۹۱، ۲۰۹۳، ۲۰۹۵، ۲۰۹۷، ۲۰۹۹، ۲۱۰۱، ۲۱۰۳، ۲۱۰۵، ۲۱۰۷، ۲۱۰۹، ۲۱۱۱، ۲۱۱۳، ۲۱۱۵، ۲۱۱۷، ۲۱۱۹، ۲۱۲۱، ۲۱۲۳، ۲۱۲۵، ۲۱۲۷، ۲۱۲۹، ۲۱۳۱، ۲۱۳۳، ۲۱۳۵، ۲۱۳۷، ۲۱۳۹، ۲۱۴۱، ۲۱۴۳، ۲۱۴۵، ۲۱۴۷، ۲۱۴۹، ۲۱۵۱، ۲۱۵۳، ۲۱۵۵، ۲۱۵۷، ۲۱۵۹، ۲۱۶۱، ۲۱۶۳، ۲۱۶۵، ۲۱۶۷، ۲۱۶۹، ۲۱۷۱، ۲۱۷۳، ۲۱۷۵، ۲۱۷۷، ۲۱۷۹، ۲۱۸۱، ۲۱۸۳، ۲۱۸۵، ۲۱۸۷، ۲۱۸۹، ۲۱۹۱، ۲۱۹۳، ۲۱۹۵، ۲۱۹۷، ۲۱۹۹، ۲۲۰۱، ۲۲۰۳، ۲۲۰۵، ۲۲۰۷، ۲۲۰۹، ۲۲۱۱، ۲۲۱۳، ۲۲۱۵، ۲۲۱۷، ۲۲۱۹، ۲۲۲۱، ۲۲۲۳، ۲۲۲۵، ۲۲۲۷، ۲۲۲۹، ۲۲۳۱، ۲۲۳۳، ۲۲۳۵، ۲۲۳۷، ۲۲۳۹، ۲۲۴۱، ۲۲۴۳، ۲۲۴۵، ۲۲۴۷، ۲۲۴۹، ۲۲۵۱، ۲۲۵۳، ۲۲۵۵، ۲۲۵۷، ۲۲۵۹، ۲۲۶۱، ۲۲۶۳، ۲۲۶۵، ۲۲۶۷، ۲۲۶۹، ۲۲۷۱، ۲۲۷۳، ۲۲۷۵، ۲۲۷۷، ۲۲۷۹، ۲۲۸۱، ۲۲۸۳، ۲۲۸۵، ۲۲۸۷، ۲۲۸۹، ۲۲۹۱، ۲۲۹۳، ۲۲۹۵، ۲۲۹۷، ۲۲۹۹، ۲۳۰۱، ۲۳۰۳، ۲۳۰۵، ۲۳۰۷، ۲۳۰۹، ۲۳۱۱، ۲۳۱۳، ۲۳۱۵، ۲۳۱۷، ۲۳۱۹، ۲۳۲۱، ۲۳۲۳، ۲۳۲۵، ۲۳۲۷، ۲۳۲۹، ۲۳۳۱، ۲۳۳۳، ۲۳۳۵، ۲۳۳۷، ۲۳۳۹، ۲۳۴۱، ۲۳۴۳، ۲۳۴۵، ۲۳۴۷، ۲۳۴۹، ۲۳۵۱، ۲۳۵۳، ۲۳۵۵، ۲۳۵۷، ۲۳۵۹، ۲۳۶۱، ۲۳۶۳، ۲۳۶۵، ۲۳۶۷، ۲۳۶۹، ۲۳۷۱، ۲۳۷۳، ۲۳۷۵، ۲۳۷۷، ۲۳۷۹، ۲۳۸۱، ۲۳۸۳، ۲۳۸۵، ۲۳۸۷، ۲۳۸۹، ۲۳۹۱، ۲۳۹

تکرار کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا، پھر ہر دو نعمتوں کے درمیان اس آیت کو فاصلہ بنایا تاکہ لوگوں کو ان نعمتوں پر متنبہ فرمائے۔

وَقَالَ أَبُو الذَّرْدَاءِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ يَغْفِرُ ذُنُوبًا وَيَكْشِفُ كَرْبًا وَيَرْفَعُ قَوْمًا وَيَضَعُ آخَرِينَ۔
حضرت ابو الذر داء بنی شہ نے کُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (الرحمن: ۲۹) کی تفسیر میں کہا: وہ گناہ معاف فرماتا ہے اور تکلیف دور کر دیتا ہے اور کسی قوم کا درجہ بلند فرما دیتا ہے اور کسی کا پست کر دیتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (الرحمن: ۲۹) O وہ دن ہر آن نئی شان میں ہے O

علامہ مینی لکھتے ہیں: یعنی حضرت ابو الذر داء عویمر بن مالک نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا جس کو امام ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ سیدنا محمد بن حنفیہؓ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ گناہ معاف فرماتا ہے اور مصیبت کو دور کرتا ہے اور ایک قوم کو بند کرتا ہے اور دوسری قوم کو پست کر دیتا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَوْمٌ خَرَجَ۔
اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: يَوْمٌ خَرَجَ کا معنی ہے: آڑ اور رکاوٹ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ (الرحمن: ۲۰-۱۹) O بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ O اس نے (کھاری اور شیریں) دو سمندر جاری کیے جو (ایک دوسرے سے) مل جاتے ہیں O ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے O

علامہ مینی لکھتے ہیں: یعنی ان کے درمیان ایک آڑ ہے، دوسرا قول ہے: ایک حائل ہے، ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے تجاوز نہیں کرتا، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت بالغہ کی وجہ سے ہے۔
الانام الخلق O الانام: اس کا معنی ہے خلق یعنی مخلوق۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالْأَرْضُ رَاضٍ وَمَا بَلَغَا أَذُنَ (الرحمن: ۱۰) O اور اس نے لوگوں کے لیے زمین کو نیچے بنایا O
علامہ مینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس سے اور شعبی سے روایت ہے: الانام کا معنی ہے: ہر ذی روح اور دوسرا قول ہے کہ اس کا معنی ہے: جن اور انس۔

نَضَّاحَتَانِ فَيَنَاضَتَانِ۔
نَضَّاحَتَانِ: اس کا معنی ہے: فیض پہچانے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فِيهِمَا عَيْنَانِ نَضَّاحَتَانِ (الرحمن: ۱۶) O ان جنتوں میں چھلکتے ہوئے دو چشمے ہیں O
علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے نَضَّاحَتَانِ کی تفسیر کی ہے: فیض دینے والے، دوسرا قول ہے، پانی سے بھرے ہوئے، تیسرا قول ہے: پانی سے جوش مارتے ہوئے، حسن بصری نے کہا: وہ چشمے پھونکتے ہیں، پھر جاری ہوتے ہیں، سعید بن جبیر نے کہا: وہ پانی سے چھلکتے ہوئے ہیں اور رنگ برنگ پھلوں سے بھرے ہوئے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اہل جنت پر خیر

اور برکت برسانے والے ہیں۔

ذُو الْجَلَالِ ذُو الْعَظَمَةِ۔

ذو الجلال: اس کا معنی ہے: عظمت والا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

تَبَرَّكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝

(الرحمن: ۷۸) بہت عزت والا ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی وہ عظمت والا ہے اور کبریائی والا ہے، والا کر اس کا معنی ہے: وہ کرم کرنے والا ہے یعنی جو بغیر سوال اور بغیر وسیلہ کے عطا فرمائے، دوسرا قول ہے: اس کا معنی ہے: جو عتاب نہیں کرتا اور درگزر کرتا ہے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ مَارِجٌ خَالِصٌ مِنَ النَّارِ يُقَالُ مَرَجٌ الْأَمِيرُ رَعِيَّتُهُ إِذَا خَلَّاهُمْ يَعْذُو بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ وَيُقَالُ مَرَجٌ أَمْرُ النَّاسِ مَرِيجٌ مُلْتَبِسٌ مَرَجٌ الْبَحْرَيْنِ اخْتَلَطَ الْبَحْرَانِ مِنْ مَرَجَتْ دَابَّتَكَ تَرَكْتَهَا۔

اور دوسروں نے کہا: مَارِجٌ کا معنی ہے: خالص آگ، جب امیر اپنی رعایا کو آزاد چھوڑ دے کہ ان میں سے بعض بعض پر ظلم کریں تو کہا جاتا ہے: مَرَجٌ الْأَمِيرُ رَعِيَّتُهُ اور مَرَجٌ أَمْرُ النَّاسِ یعنی لوگوں کے معاملات فاسد ہو گئے اور مَرِيجٌ کا معنی ہے، دو سمندر مل گئے، یہ مَرَجَتْ دَابَّتَكَ سے ماخوذ ہے یعنی جب تم اپنی سواری کو چرنے کے لیے چھوڑ دو (خلاصہ یہ ہے کہ مَارِجٌ کے متعدد معانی ہیں)۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝ (الرحمن: ۱۵)

اور جن کو خالص آگ کے شعلہ سے پیدا کیا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تعلق مکرر ہے کیونکہ اس کا عنقریب پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

یعنی حضرت ابن عباس کے علاوہ دوسروں نے کہا کہ مَرَجٌ کا لفظ کنی معانی میں مستعمل ہے، ایک معنی یہ ہے کہ جب امیر اپنی رعایا کو آزاد چھوڑ دے اور وہ ایک دوسرے پر ظلم کریں تو کہا جاتا ہے: مَرِجٌ الْأَمِيرُ رَعِيَّتُهُ اور جب لوگ مختلط اور مضطرب ہوں تو کہا جاتا ہے مَرِجٌ أَمْرُ النَّاسِ اور اس معنی کے اعتبار سے ہے:

فِي أَمْرِ قَرِيبٍ ۝ (ق: ۵)

سو وہ الجھن میں ہیں ۝

یعنی ان پر معاملہ ملتبس ہو گیا اور مشتبه ہو گیا ہے، اور مَرِجٌ الْبَحْرَيْنِ کا معنی ہے: دو سمندروں کو ملا دیا۔

امام بخاری نے کہا: یہ مَرَجَتْ دَابَّتَكَ سے ماخوذ ہے یعنی تو نے اپنی سواری کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا، علامہ عینی اعتراض کرتے ہیں کہ امام بخاری کو چاہیے تھا کہ وہ اس کو مَرِجٌ الْأَمِيرِ کے بعد ذکر کرتے۔

سَنَفَرُكُمْ لَكُمْ سَخَا سَبُكُمْ لَا يَشْغَلُهُ شَيْءٌ عَنْ شَيْءٍ وَهُوَ مَعْرُوفٌ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ يُقَالُ لَا تَفَرَّغَنَّ لَكَ وَمَا بِهِ شُغْلٌ يَقُولُ لَا خُذْكَ عَلَى عَرَّتِكَ۔

سَنَفَرُكُمْ لَكُمْ: یعنی اب ہم تمہارے لیے فارغ ہوں گے۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے کسی کام میں مشغول تھا اور اب جنت اور انسانوں کا حساب لینے کے لیے فارغ ہو گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی کام دوسرے کام سے مشغول نہیں کرتا اور یہ کلام عرب میں معروف اور محاورہ ہے، کہا جاتا ہے: میں ابھی تمہارے لیے فارغ ہوتا ہوں حالانکہ اسے کوئی مشغولیت نہیں ہوتی، اس کا معنی یہ ہے کہ

میں ابھی تمہارے لیے فارغ ہوتا ہوں حالانکہ اسے کوئی مشغولیت نہیں ہوتی، اس کا معنی یہ ہے کہ

وہ فرماتا ہے کہ ابھی تمہیں پکڑ کر تمہاری غفلت پر سزا دوں گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

سَنَفِّرُ عَنْكُمْ آيَةَ الثَّقَلَيْنِ ۝ (الرحمن: ۳۱)

ہوں گے ۝

علامہ حنفی لکھتے ہیں: فارغ ہونے سے مجازی معنی مراد ہے یعنی ہم عنقریب تمہارا حساب لیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی کام دوسرے کام سے مشغول نہیں کرتا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر وعید ہے اور اللہ تعالیٰ کو کوئی مشغولیت نہیں ہے، اس کا معنی ہے: ہم عنقریب تم سے مواخذہ کریں گے۔

امام بخاری نے کہا: یہ مجاز کلام عرب میں معروف ہے، انسان کو کوئی مشغولیت نہیں ہوتی، پھر بھی وہ کہتا ہے کہ میں عنقریب تمہارے لیے فارغ ہوں گا اور عنقریب تمہاری غفلت پر مواخذہ کروں گا، علامہ ثعلبی نے کہا: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعید اور تہدید ہے جیسے کوئی کہے: میں عنقریب تمہارے لیے فارغ ہوں گا حالانکہ اس کو کوئی مشغولیت نہیں ہوتی اور یہ ابن اسحاق اور

ضحاک کا قول ہے۔ [علامہ حنفی نے ان تمام تعلیقات کی شرح عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۱۰-۳۰۴ میں بیان کی ہے]

۱۔ بَابُ: وَمِنْ دُونِهَا جَنَّتَيْنِ ۝

(الرحمن: ۶۲)

جنتیں ہیں ۝ (الرحمن: ۶۲) کی تفسیر

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن ابوالاسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن عبدالصمد الحمیری نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ابو عمران الجونی نے حدیث بیان کی از ابو بکر بن عبد اللہ بن قیس از والد خود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو جنتیں چاندی کی ہیں، ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے (وہ چاندی کا ہے) اور دو جنتیں سونے کی ہیں، ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے (وہ سونے کا ہے) اور لوگوں کے درمیان اور اس کے درمیان کہ وہ اپنے رب کو دیکھیں صرف اللہ کی کبریائی کی چادر ہے جو اللہ کے چہرے پر ہے جنت عدن میں۔

۸۷۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ الْعَمِّيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَمْرٍو الْجَوْنِيُّ عَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ جَنَّاتٍ مِنْ فِضَّةٍ آيَتْهُنَّ مَا فِيهِنَّ وَمَا فِيهِنَّ وَجَنَّاتٍ مِنْ ذَهَبٍ آيَتْهُنَّ مَا فِيهِنَّ وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلَى رَبِّهِمْ إِلَّا رِذَائِي الْيَكْبَرُ عَنِّي وَجَهَةٌ فِي جَنَّةٍ عَذْنٍ۔

(صحیح مسلم: ۱۸۰، سنن ترمذی: ۲۵۳، سنن ابن ماجہ: ۱۸۶)

اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی چادر اور اس کے چہرے کی تحقیق

علامہ بدرالدین محمود بن احمد مینی مفتی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث مشابہات میں سے ہے کیونکہ چہرے کا اور چادر کا جو لغوی معنی ہے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے، اللہ تعالیٰ کا نہ ہماری طرح چہرہ ہے اور نہ اس کی ہماری طرح چادر ہے، المفوضۃ یہ کہتے ہیں کہ اس کی تاویل کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور المؤولہ یہ کہتے ہیں کہ چہرے سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور چادر اس کی عظمت سے کنایہ ہے۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ عظمت اور کبریائی کی چادر محسوس کمزوروں کی جنس سے نہیں ہے، یہ صرف مجازات ہیں اور مناسبت یہ ہے کہ جس طرح چادر ارتہبند کسی انسان کو

لازم ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں اور اس میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہوتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی کبریائی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور اس میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ دوسری حدیث میں ہے: جس نے ان کو مجھ سے چھیننے کی کوشش کی میں اس سے جھگڑا کروں گا۔

جنت عدن کا معنی یہ ہے کہ اس وقت اہل جنت جنت عدن یعنی ہمیشگی کی جنت میں ہوں گے اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت عدن میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا زمان اور مکان میں ہونا محال ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۱۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

الرحمن: ۶۲، میں مذکور دو جنتوں کی تفصیل

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے کہ الرحمن: ۶۲، میں جن دو جنتوں کا ذکر ہے یہ دو جنتیں چاندی اور سونے کی ہیں اور ان کے درجات میں اتنا فرق ہے جتنا چاندی اور سونے میں فرق ہوتا ہے۔ سونے کی جنت مقررین کے لیے ہوگی اور چاندی کی جنت اصحاب الیمین کے لیے ہوگی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۷، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۲۔ بَابُ: حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ⑤ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آنکھوں والی حوریں ہیں جو خیموں میں باپردہ ہیں (الرحمن: ۷۲) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لفظ حور حوراء کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: وہ عورت جو بہت زیادہ سفید ہو اور اس کی آنکھیں بہت زیادہ سیاہ ہوں اور مقصورات کا معنی ہے: مستورات اور الخیام خیمہ کی جمع ہے، الشعلی نے کہا ہے: ان کے خیموں میں ہونے کا معنی ہے: وہ باپردہ ہیں اور صحابہ سے منقول ہے کہ وہ صرف اپنے شوہروں پر مقصور ہیں یعنی ان ہی کے لیے منحصر ہیں، نہ وہ کسی دوسرے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھیں گی اور نہ وہ کسی کو اپنے اوپر تصرف کرنے دیں گی۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْخُورُ الشُّوْذُ الْحَدَقِي وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَّقْصُورَاتٌ مَخْبُورَاتٌ قَصَرَ طَرَفُهُنَّ وَأَنْفُسُهُنَّ عَلَى أَرْوَاجِهِنَّ قَاصِرَاتٌ لَا يَبْغِينَ غَيْرَ أَرْوَاجِهِنَّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حور کا معنی ہے: جس عورت کی آنکھ کا ڈھیلا خوب سیاہ ہو اور مجاہد نے کہا کہ مقصورات کا معنی ہے: محبوبسات یعنی ان عورتوں نے اپنی نگاہوں کو اور اپنے آپ کو اپنے شوہروں میں منحصر کر رکھا ہے، وہ اپنے شوہروں کے سوا کسی اور کی طرف نہ دیکھتیں ہیں نہ کسی کو اپنے اوپر ہاتھ لگانے دیتی ہیں۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۱۲-۳۱۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن الحنفی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن عبدالصمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عمران الجونی نے حدیث بیان کی از ابو بکر بن عبداللہ بن قیس از والد خود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں کھوکھلے موتی کا ایک خیمہ ہے جس کا عرض ساٹھ (۶۰) میل ہے اور اس کے ہر کونے پر (مسلمان کی) بیوی ہوگی، اس کو دوسرے

۳۸۷۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا أَبُو عَمْرٍو الْجَوْنِيُّ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ خِيَمَةً مِنْ لَوْلُؤَةٍ مَجَوَّفَةٍ عَرْضُهَا سِتُونَ مِيلًا فِي كُلِّ زَاوِيَةٍ مِنْهَا أَهْلٌ مَا يَرَوْنَ الْآخِرِينَ يَطُوفُ عَلَيْهِمُ الْمُؤْمِنُونَ۔

نہیں دیکھ سکیں گے اور ان پر مومنین گھومتے رہیں گے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۴۳ میں گزر چکی ہے۔

کھوکھلے موتی کے خیمہ کی شرح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یحییٰ حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کھوکھلے موتی کا معنی یہ ہے کہ اس موتی کا پیٹ بہت وسیع اور کشادہ ہوگا اور فرمایا: اس کا عرض ساٹھ میل کا ہوگا، ایک میل تین فرسخ کا ہے اور ایک فرسخ چار ہزار (۴۰۰۰) قدم کا ہے اور فرمایا: اس کے ہر کونے میں ایک اہل ہے، صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ مسلمان کی بیوی ہے اور فرمایا: اس پر مومنین طواف کریں گے، علامہ الدمیاطی نے کہا ہے کہ صحیح واحد کا صیغہ ہے یعنی وہ مومن اس خیمہ میں گھومے گا جس کی وہ حور ہوگی اور جمع کے صیغہ کی توجیہ یہ ہے کہ یہ جمع جمع کے مقابلہ میں ہے یعنی ان خیموں میں مومنین گھومیں گے، اس کا معنی ہے: ہر مومن اپنے خیمہ میں گھومے گا۔ (مدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۱۲ فتح الباری ج ۶ ص ۴۸)

۴۸۸۰۔ وَجَنَّاتٍ مِنْ فِضَّةٍ آيَتْهُنَّ مَا فِيهِنَّ وَجَنَّاتٍ مِنْ كُنْزٍ آيَتْهُنَّ مَا فِيهِنَّ وَمَا بَيْنَ الْقُومِ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلَى رَبِّهِمْ إِلَّا رِذَاءُ الْكِبَرِ عَنِ وَجْهِهِ فِي جَنَّةٍ عَذَبَ۔ اور دو جنتیں چاندی کی ہوں گی، اس کے برتن اور جو چھ اس میں ہے وہ چاندی کا ہوگا، اسی طرح دو جنتیں فلاں چیز کی ہوں گی (یعنی سونے کی) ان کے برتن اور جو چھ اس میں ہے (سونے کا ہو گا) اور لوگوں کے درمیان اور اس کے درمیان کہ وہ اپنے رب کی طرف دیکھیں صرف جنت عدن میں کبریائی کی چادر ہے جو اللہ تعالیٰ کے (اس کی شان کے موافق اس کے) چہرے پر ہوگی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۸۷۸ میں گزر چکی ہے۔

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الرحمن کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ امام بخاری نے سورۃ الواقعة کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۵۶۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْوَاقِعَةِ

سورة الواقعة کی تفسیر

سورة الواقعة کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الواقعة کی بعض آیات کی تفسیر ہے، علامہ ابوالعباس نے کہا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور ان آیتوں میں اختلاف ہے: وَ أَصْحَابُ الْيَمِينِ (الواقعة: ۲۷) اور أَفَبِهَذَا الْحَيَاثِ أَنْتُمْ مُذْهِبُونَ ① (الواقعة: ۸۱) پہلی آیت اہل طائف کے متعلق نازل ہوئی ہے اور وہ فتح مکہ اور حنین کے بعد اسلام لائے تھے، اور دوسری آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ نے بارش کے لیے دعا کی تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب مشرکین نے کہا تھا کہ ہم پر فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ہوئی ہے تب یہ آیت نازل ہوئی وَ تَجْعَلُونَ ② (الواقعة: ۸۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی یوں قرأت کرتے تھے: وَ تَجْعَلُونَ شُكْرَكُمْ سورة الواقعة میں چھیانوے (۹۶) آیات ہیں اور الواقعة سے مراد القیامت ہے۔ (مدقا القاری ج ۱ ص ۳۱۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ رُجَّتْ رُزْزِلَتْ۔ اور مجاہد نے کہا: رُجَّتْ کا معنی ہے: جب زمین کو متزلزل کیا جائے

یعنی جب اس کو ہلایا جائے گا اور اس کو متحرک کیا جائے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِذَا مَرَجَّتِ الْأَرْضُ رَجًا ③ (الواقعة: ۴) جب زمین بڑے زور سے ہلادی جائے گی ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے رُجَّتْ کی تفسیر کی ہے: رُزْزِلَتْ یہ تفسیر مجاہد کی ہے اور علامہ ثعلبی نے کہا ہے: جب زمین متحرک اور مضطرب ہوگی اور لغت میں رُجَّتْ کا معنی حرکت دینا ہے۔

بُسَّتِ الْفُجَّاتُ فُجَّاتٌ كَمَا يُبْسُ الْفُجَّاتُ۔ بُسَّتِ: اس کا معنی ہے: اس کو چور چور کر دیا جائے گا اور لت پت کر دیا جائے گا، جس طرح ستو کو پانی میں گھول کر لت پت کر دیا جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ⑤ (الواقعة: ۵) اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: پہاڑ چور چور کر دیئے جائیں گے اور لت پت کر دیئے جائیں گے اور یہ بھی مجاہد کی تفسیر ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بُسَّتْ اور بُسَّتْ کا ایک ہی معنی ہے یعنی وہ اس طرح ہو جائیں گے جس طرح پسا ہوا گیلانا ہوا، اور عرب آئے اور ستو کو بَسِيسَةً کہتے ہیں اور ابن المسیب سے روایت ہے کہ پہاڑوں میں توڑ پھوڑ کر دی جائے گی اور عطیہ نے تفسیر کی ہے کہ وہ پہاڑ ریت اور مٹی کی طرح ہو جائیں گے۔

الْمَخْضُودُ الْمَوْقَرُ حَنْلًا وَيُقَالُ أَيْضًا لَا شَوْكَ لَهُ۔ الْمَخْضُودُ: اس کا معنی ہے: بچلوں کے بوجھ سے لدے ہوئے اور

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جس درخت میں کوئی کانٹا نہ ہو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ۝ (الواقعة: ۲۸)

علامہ عینی لکھتے ہیں: الخضد کا لغوی معنی ہے: قطع یعنی کانٹا، گویا کہ اس بیری کے درخت کے کانٹے کاٹے ہوئے ہیں، حسن بصری سے منقول ہے: اس سے ہاتھ زخمی نہیں ہوتے اور ضحاک سے منقول ہے کہ مسلمان طائف کی ایک سرسبز وادی میں گئے تو ان کو وہاں بیری کے درخت بہت اچھے لگے تو انہوں نے کہا: کاش! ہمارے لیے بھی بیری کے درخت ہوں تو اللہ عز و جل نے یہ آیت نازل فرمائی۔
مَنْضُودٌ الْمَوْزُ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَذُلْفِجٍ مَّضُودٍ ۝ (الواقعة: ۲۹)

علامہ عینی لکھتے ہیں: طدم، طلحة کی جمع ہے یہ اکثر مفسرین کا قول ہے اور حسن بصری نے کہا ہے: وہ کیلے کا درخت نہیں ہے لیکن وہ ایسا درخت ہے جس کا سایہ ٹھنڈا اور خوش گوار ہے اور الفراء اور امام ابو عبیدہ سے منقول ہے کہ عرب کے نزدیک طدم بہت بڑے درخت کو کہتے ہیں جس پر کانٹے ہوں اور السنود کا معنی ہے کہ پھل ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے ہوں اور لغت کی کتاب المغرب میں مذکور ہے کہ السنود کا معنی ہے کہ بعض سامان کو بعض کے اوپر رکھ دینا۔
وَالْعُرْبُ الْمُحْبَبَاتُ إِلَى أَزْوَاجِهِنَّ۔

الْعُرْبُ: اس کا معنی ہے: وہ بیویاں جو اپنے شوہروں کے نزدیک محبوب ہوں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ۝ (الواقعة: ۳۶-۳۷)

علامہ عینی لکھتے ہیں: الْمُحْبَبَاتُ الْمُحْبَبَاتُ کی جمع ہے اور یہ الْعُرْبُ کا اسم مفعول ہے، مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا: جو بیوی اپنے خاوند کے نزدیک محبوب ہو، اور علامہ الثعلبی نے کہا: عُرْبُنَا کا معنی ہے: جو بیویاں اپنے شوہروں سے محبت کرنے والی ہوں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ عُرْبُ، عُرْبَةُ کی جمع ہے اور اہل مکہ اس کو عرب کہتے ہیں (راء پر زیر) اور اہل مدینہ اس کو غَنَجَة اور اہل عراق اس کو شَجَكَة کہتے ہیں اور اشراف کے معنی ہیں جو عمر میں مساوی ہوں، یہ لفظ توب کی جمع ہے۔
ثُلَّةٌ أُمَّةٌ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ (الواقعة: ۳۹)

علامہ عینی لکھتے ہیں: ثُلَّةٌ کا معنی ہے: امت یعنی گروہ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی فرقہ ہے۔
يَخْمُومٌ دُخَانٌ أَسْوَدٌ۔

يَخْمُومٌ: اس کا معنی ہے: کالا دھواں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَذُلْفِجٍ مِّنْ يَخْمُومٍ ۝ (الواقعة: ۴۳)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے يَخْمُومٌ کی تفسیر کی ہے: کالا دھواں کیونکہ عرب کالی چیز کو يَخْمُومٌ کہتے ہیں۔

يُصْرُؤْنَ يُدَيُّوْنَ
یُصْرُؤْنَ: اس کا معنی ہے وہ اس پر اصرار کرتے تھے یعنی اس پر ہمیشہ ڈٹے رہتے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَكَانُوا يُصْرُؤْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيمِ ۝ (الواقعة: ۳۶) اور وہ بہت بڑے گناہ پر اصرار کرتے تھے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: الحنث العظیم کا معنی ہے: بہت بڑا گناہ، ابو بکر الاصم سے منقول ہے: کفار قسم کھا کر کہتے تھے کہ وہ دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے اور یہ کہ بت اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں، اللہ تعالیٰ اس قول سے بہت بلند ہے اور یُصْرُؤْنَ کا معنی ہے: وہ اس پر ڈٹے رہتے تھے۔

الْهِيمُ الْإِبِلُ الْقِطَاءُ۔
الھیم: اس کا معنی ہے: پیاسے اونٹ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَقُتِرُ بَنُو شُرَبِّ الْهِيمِ ۝ (الواقعة: ۵۵) پس تم سخت پیاسے اونٹ کی طرح پینے والے ہو گے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: الھیم، الھیماء کی جمع ہے، پیاسے اونٹوں کو کہتے ہیں: جَمَلٌ أَفِيمٌ و ناقۃٌ ھیماء، قتادہ سے منقول ہے: یہ اونٹوں کی ایک بیماری ہے جس میں وہ ہمیشہ پانی پیتا رہتا ہے حتیٰ کہ ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کو پیاس کی بیماری کہا جاتا ہے اور القباء، الظبان کی جمع ہے اور الظبا کا معنی پیاس ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ۔ (التوبہ: ۱۲۰) ان کو کبھی بھی پیاس نہیں لگے گی۔

اور الظبان کا معنی ہے: پیاسا۔

لَسْعَرُمُونَ لَسْعَرُمُونَ۔
لسعرمون: کا معنی ہے: (ہم پر تاوان) لازم کیا گیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّا لَسْعَرُمُونَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝ کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا ۝ بلکہ ہم تو محروم ہوئے ۝

(الواقعة: ۶۷-۶۸)

علامہ عینی لکھتے ہیں: لَسْعَرُمُونَ، الزام سے بنا ہے اور لام تاکید کے لیے ہے یعنی ہم پر ضرور تاوان لازم کیا گیا ہے اور حضرت ابن عباس اور قتادہ سے منقول ہے کہ لَسْعَرُمُونَ کا معنی ہے: لَسْعَرُمُونَ یعنی ہم کو ضرور عذاب دیا گیا ہے اور یہ غرامت سے ماخوذ ہے جس کا معنی عذاب ہے اور مجاہد سے منقول ہے: ہم کو شر سے ملایا گیا ہے اور مقاتل سے منقول ہے: ہم کو ہلاک کیا گیا اور مزہ الہمدانی سے منقول ہے: ہمارا محاسبہ کیا گیا ہے۔

مَدِينِينَ مُخَاصِبِينَ۔
مدینین: اس کا معنی ہے: جن کا حساب کیا جائے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ۝ (الواقعة: ۸۶) پس اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں ہو ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کا معنی کیا ہے: اگر تم کسی کو حساب دینے والے نہیں ہو، از مخشری نے کہا ہے: یعنی اگر تم کسی حاکم کے زیر سلطنت نہیں ہو اور اس کا جواب محذوف ہے یعنی جب کسی مرنے والے کی روح اس کی حلقوم تک پہنچ جاتی ہے تو تم اس کو واپس کیوں نہیں لاتے اگر تم سچے ہو۔

رَوْحُ جَنَّةٍ وَرَخَاءٌ وَرِيحَانٌ الرَّيْحَانُ الرَّزْقُ۔
 رَوْحٌ: اس کا معنی جنت اور وسعت ہے اور ریحان اس کا معنی رزق ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۖ فَرَوْحٌ وَرِيحَانٌ ۖ وَهُوَ فِي رَوْحٍ عَالِيٍّ ۚ
 جَنَّاتُ نَعِيمٍ ۝ (الواقعة: ۸۸-۸۹)

علامہ مینی لکھتے ہیں: ابن زید سے منقول ہے کہ راحت موت کے وقت ہوگی اور ریحان یعنی رزق آخرت میں لے گا اور حسن بصری سے منقول ہے کہ اس کی روح راحت سے نکلے گی اور حضرت ابن عباس اور مجاہد سے منقول ہے کہ رَوْحُ کا معنی ہے: راحت اور ریحان کا معنی ہے: راحت والا اور مجاہد اور سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ ریحان کا معنی ہے: رزق۔

وَنُشِشَكُمْ فِيهَا لَا تَعْلَمُونَ فِي أَيِّ حَلِيقٍ نَّشَاءُ۔
 و نشتاشکم: یعنی ہم جس صورت میں چاہیں گے تم کو بنادیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَنُشِشَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ (الواقعة: ۶۱)
 اور ہم تمہیں از سر نو اس طرح پیدا کر دیں جس کو تم بالکل نہیں جانتے۔
 علامہ مینی لکھتے ہیں: یعنی ہم تم کو جس صورت میں چاہیں پیدا کر دیں ان صورتوں میں سے جن کو تم بالکل نہیں جانتے۔
 وَقَالَ غَيْرُكَ تَفْكُهُونَ تَعْجِبُونَ۔
 اور دوسروں نے کہا: تَفْكُهُونَ کا معنی ہے: تم تعجب کرتے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطًا مَّا فَطَلْنَاهُ تَفْكُهُونَ ۝
 اگر ہم چاہیں تو اس کو بالکل چوراچورا کر دیں پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ۔ (الواقعة: ۶۵)

علامہ مینی لکھتے ہیں: یعنی مجاہد کے علاوہ دوسروں نے تَفْكُهُونَ کی تفسیر کی ہے: تم تعجب کرتے رہ جاؤ، اسی طرح قتادہ نے اس کی تفسیر کی ہے اور عکرمہ سے منقول ہے: تم ملامت کرتے رہو، اور حسن بصری سے منقول ہے: تم نادم ہوتے رہو اور ابن کیسان سے منقول ہے: تم افسوس کرتے رہو اور انہوں نے کہا: یہ لغت اضداد سے ہے، عرب اس کا معنی کرتے ہیں: تم نعمت میں ہو اور یہ بھی کرتے ہیں کہ تم غم میں ہو، دوسرا قول ہے: تَفْكُهُونَ کا معنی ہے: فضول باتیں کرنا، اسی وجہ سے مزاح کرنے والے کو فَاكِهَةٌ کہتے ہیں۔
 عُرْبًا مُشَقَّةً وَاجْدًا عَزُوبٌ مِثْلُ صَبُورٍ وَصَبِيرٍ
 عُرْبًا: یہ ثقیل ہے (یعنی اس پر پیش ہے) اور اس کا واحد عَزُوبٌ
 ہے جیسے صبور اور صبر، اہل مکہ ایسی عورت کو العوبہ کہتے ہیں اور اہل مدینہ ایسی عورت کو الغنجه کہتے ہیں اور اہل عراق ایسی عورت کو الشكهہ کہتے ہیں۔

علامہ مینی لکھتے ہیں: یہ تعلق ابو ذر کے نسخہ میں نہیں ہے اور یہ تعلق مکرر ہے جس کا صفت جنت میں ذکر ہو چکا ہے۔
 وَقَالَ لِي خَافُضَةٌ يَقُومُ إِلَى النَّارِ وَرَافِعَةٌ إِلَى الْجَنَّةِ۔
 (اور مجاہد نے) خافضة کے متعلق کہا: قیامت بعض لوگوں کو دوزخ کی طرف پستی میں لے جانے والی ہے اور بعض لوگوں کو جنت کی طرف بلند کرنے والی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

خَافِضَةٌ تَرَا فِعَةً ۝ (الواقعة: ۳)

علامہ عینی لکھتے ہیں: قیامت کے دن قیامت بعض لوگوں کو دوزخ کی پستی میں ڈال دے گی اور بعض لوگوں کو جنت کی طرف بلند کر دے گی، عطاء نے کہا: عدل کے ساتھ پستی میں ڈالے گی اور فضل کے ساتھ بلند کرے گی۔

مَوْضُونَةٌ مَّنْسُوجَةٌ وَمِنْهُ وَضِیْنُ النَّاقَةِ۔

مَوْضُونَةٌ: اس کا معنی ہے: بنی ہوئی اور اسی سے وضین الناقہ بن ہے یعنی اونٹنی کی وہ رسی جس سے کجاوہ کو باندھتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

عَلَى سُرٍّ بِمَوْضُونَةٍ ۝ (الواقعة: ۱۵)

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تعلق صرف ابو ذر کے نسخہ میں ہے۔ یعنی وہ ایسے تختوں پر ہوں گے جو سونے اور جواہر سے بنے ہوئے ہوں گے جس طرح زرہ کے حلقہ بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ امام بخاری نے کہا: اور اسی باب سے وضین الناقہ ہے یعنی وہ بنی ہوئی رسی جس سے اونٹ کے اوپر پالان کو باندھا جاتا ہے۔

وَالْكُوبُ لَا أَذَانٌ لَهُ وَلَا عُرْوَةٌ وَالْأَبَارِيقُ ذَوَاتُ الْأَذَانِ وَالْعُرَى۔
الکوب: یہ وہ برتن ہے جس میں نوٹنی ہو اور نہ پکڑنے کا دستہ ہو جیسے پیالہ اور گلاس وغیرہ اور الاباریق یہ وہ برتن ہے جن کی نوٹنیاں بھی ہوں اور پکڑنے کے دستے بھی ہوں (جیسے لوٹے)۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقٍ۔ (الواقعة: ۱۸)

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کی تفسیر ظاہر ہے۔ الاکواب، کوب کی جمع ہے اور اباریق، ابریق کی جمع ہے، اس کے روشن رنگ کی وجہ سے اس کو ابریق کہا جاتا ہے۔

مَسْكُوبٌ جَارٍ۔

مسکوب: کا معنی ہے: جاری یعنی بہنے والا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَاءٌ مَّنْكَوَبٌ ۝ (الواقعة: ۳۱)

علامہ عینی لکھتے ہیں: کتب تفسیر میں مذکور ہے، اس سے مراد وہ پانی ہے جو ہمیشہ بہتا رہتا ہو۔

وَفُرُشٌ مَّرْفُوعَةٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ۔

وفرش مرفوعہ: اس سے مراد ہے اوپر تلے بستر۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَفُورُشٌ مَّرْفُوعَةٌ ۝ (الواقعة: ۳۴)

اور اونچے بستروں میں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ان کے بستر تختوں پر بلند ہوں گے اور حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اگر اوپر سے بستر نیچے کی طرف پھینکا جائے گا تو وہ ستر (۷۰) سال کے بعد زمین پر پہنچے گا۔
مُتَرَفِّفِينَ مُتَشَبِّعِينَ۔
مترفین: عیش و آرام سے زندگی گزارنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُتَرَفِّفِينَ ۝ (الواقعة: ۳۵)

بے شک وہ اس سے پہلے بہت نعمتوں میں تھے۔

نے اسی طرح قراءت کی ہے اور اس کی دوسری تفسیر ہے: ستاروں کے گرنے اور ان کے غروب ہونے کی جگہ، امام بخاری نے جو کہا: ہے مواقع اور موقع واحد ہیں، اس کا مطلب ہے: لفظی اعتبار سے واحد ہیں نہ کہ معنوی اعتبار سے کیونکہ صحیح مذہب یہ ہے: جمع مضاف اور مفرد مضاف دونوں عام ہوتے ہیں۔

مَذْهَبُونَ مُكَذِّبُونَ مِثْلُ ﴿لَوْ تَذَكَّرْتُمْ لَتَذَكَّرْتُمْ﴾ مَذْهَبُونَ: اس کا معنی ہے: مکذہبون جیسے یہ آیت: لَوْ تَذَكَّرْتُمْ ﴿الْقلم: ۹﴾ فَيَذْكُرُونَ ﴿الْقلم: ۹﴾ یعنی اگر آپ دین میں نرمی کریں تو وہ بھی نرم ہو جائیں گے ○

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَفِيْهِذَا الْحَدِيْثِ أَنْتُمْ مَذْهَبُونَ ﴿الواقعة: ۸۱﴾ کیا تم اس قرآن کو معمولی سمجھ رہے ہو ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مَذْهَبُونَ کی تفسیر مکذہبون کی ہے، اسی طرح الفراء نے اس کی تفسیر کی ہے اور کہا ہے کہ اگر آپ تبلیغ میں نرم پڑیں تو یہ بھی نرم پڑ جائیں، یہ سورۃ القلم کی تفسیر ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے (الواقعة: ۸۱) کی تفسیر میں فرمایا: کیا یہ اس قرآن کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں اور ابن کیسان سے منقول ہے کہ مدھن وہ شخص ہے جو اس کام کو نہ کرے جو اس پر فرض اور واجب ہو اور مال لے کر اس کام کو چھوڑ دے، اور المؤمن رخ سے منقول ہے کہ المدھن وہ منافق ہے جو اپنے کفر کو چھپانے کے لیے اپنی جانب نرم رکھتا ہے۔

فَسَلِّمْ لَكَ أَمِيْ مُسَلِّمْ لَكَ إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِيْنِ وَالْغِيْثِ إِنَّ وَهُوَ مَعْنَاهَا كَمَا تَقُوْلُ أَنْتَ مُصَدِّقٌ مُّسَافِرٌ عَنْ قَلِيْلٍ إِذَا كَانَ قَدْ قَالَ إِنِّي مُسَافِرٌ عَنْ قَلِيْلٍ وَقَدْ يَكُوْنُ كَالِدُعَاءِ لَهُ كَقَوْلِكَ فَسَقِيْنَا مِنَ الرِّجَالِ إِن رَفَعْتَ السَّلَامَ فَهُوَ مِنَ الدُّعَاءِ۔

فَسَلِّمْ لَكَ: یعنی آپ کے لیے یہ تسلیم کر لیا گیا کہ آپ دائیں طرف والے اصحاب میں سے ہیں اور حرف اِنْ کو حذف کر دیا گیا اور اس کا معنی مراد ہے جیسا کہ تم کہو کہ تمہاری تصدیق کی گئی ہے کہ تم تھوڑی دیر میں سفر کرنے والے ہو جب کہ اس شخص نے یہ کہا ہو کہ میں تھوڑی دیر میں یہ سفر کرنے والا ہوں اور کبھی سلام کا لفظ دعا کے معنی میں ہوتا ہے جب کہ وہ مرفوع ہو اور اس کا معنی ہے: اللہ تمہیں سلامت رکھے جیسے فسقیا جب منصوب ہو تو یہ دعا کے لیے ہوتا ہے یعنی اللہ تمہیں سیراب کرے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِيْنِ ﴿۱﴾ فَسَلِّمْ لَكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِيْنِ ﴿الواقعة: ۹۱-۹۰﴾ اور اگر وہ (مرنے والا) دائیں طرف والوں میں سے ہے ○ (اے دائیں طرف والے!) تجھ پر سلام ہو کیونکہ تو دائیں طرف

والوں میں سے ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس تعلق میں یہ اشارہ کیا ہے کہ اُن کا حرف محذوف ہے اور اصل عبارت اس طرح ہے: اِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِيْنِ، ہر چند کہ یہ لفظ مذکور نہیں ہے لیکن اس کا معنی مراد ہے جیسا کہ تم کہو: تمہاری یہ تصدیق کی گئی ہے کہ تم تھوڑی دیر میں سفر کرنے والے ہو جب کوئی شخص یہ کہے: میں تھوڑی دیر میں یہ سفر کرنے والا ہوں، یہاں بھی اصل عبارت یہ ہے: اِنَّكَ مُصَدِّقٌ اِنَّكَ مُسَافِرٌ عَنْ قَلِيْلٍ، اس عبارت میں بھی لفظا حرف اِنْ کو حذف کیا گیا ہے اور معنا مراد ہے، امام بخاری نے کہا:

اور کبھی لفظ سلام و ما کے لیے ہوتا ہے جب اس کو مرفوع پڑھا جائے یعنی سَلَامٌ جیسے تم کہو: فَيَقَالُ لَكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ تَمَّ دَائِمُكَ
طرف والوں میں سے ہو تو اللہ تمہیں سیراب کرے۔

تَوَدُّونَ تَنْشَخِرُ جُودٌ أَوْ زَيْتٌ أَوْ قَذْتُ۔
تَوَدُّونَ: اس کا معنی ہے: جس آگ کو تم نکالتے ہو یعنی اس کو
سگاتے ہو۔ اور زیت کا معنی ہے: میں نے آگ جلائی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُتَوَدَّدُونَ ۖ (الواقعة: ۷۱) جلا بتاؤ کہ جس آگ کو تم سگاتے ہو ○

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تَوَدَّدُونَ کی تفسیر کی ہے: تم آگ نکالتے ہو اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ تم چھماق
(آگ جلانے کا قدیم آلہ) سے آگ جلاتے ہو، اور درخت کی وہ لکڑیاں جن میں آگ سگاتے ہو، تَوَدَّدُونَ اصل میں تَوَدَّدُونَ تھا،
یا، پر ضمہ ثقیل تھا، اسے ما قبل کی طرف نقل کر دیا گیا، پھر یا، اور واؤ میں التقاء ساکنین ہوا تو یا، کو حذف کر دیا گیا۔
لَعُوًّا: اس کا معنی ہے: باطل اور تَائِيْمًا: اس کا معنی ہے: مجھوٹ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لُعَوًّا وَلَا نَائِيْمًا ۖ (الواقعة: ۲۵) وہ اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ گناہ کی بات ○

علامہ مینی لکھتے ہیں: یعنی دائمی جنتوں میں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح منقول ہے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ مینی نے عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۱۸-۳۱۳ میں بیان کی ہے]

۱۔ بَابُ: وَظَلَى مَمْدُودٌ ○ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور پھیلے ہوئے لمبے سایوں میں ○

(الواقعة: ۳۰) کی تفسیر

(الواقعة: ۳۰)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد مینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ظَل ممدود کا معنی ہے: دائمی سایہ جس کو سورج منانہ سکے اور الربیع سے منقول ہے: یعنی عرش کا سایہ اور عمرو بن ميمون بیان

کرتے ہیں کہ اس سائے کی مسافت ستر ہزار سال ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۱۸)

۴۸۸۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ
أَبِي الزِّنَادِ عَنْ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
يَبْلُغُ بِهِ الْبَيْتُ مِائَةً قَالَ ابْنُ أَبِي الْجَبَّةِ شَجَرَةٌ يَسِيرُ
الزَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا يَنْقُطُهَا وَاقْرَؤْ إِنَّ
شَنْتُمْ فَوَضَلَى مَمْدُودٌ ○ (الواقعة: ۳۰)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث
بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابی
الزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ اس حدیث کو نبی
میں پہنچا رہے ہیں، آپ نے فرمایا: جنت میں ایک ایسا
درخت ہے کہ کوئی سوار اس کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے،

پھر بھی وہ سایہ ختم نہیں ہوگا اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: وَظَلَى

مَمْدُودٌ ○ (الواقعة: ۳۰) اور پھیلے ہوئے لمبے سایوں میں ○

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۵۲ میں گزر چکی ہے۔

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الواقعة کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور جو حدیث روایت کی تھی ان سب کی

شرح ملے ہوئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ اللہ یٰد کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۷۵۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْحَدِيدِ

سورة الحديد کی تفسیر

سورة الحديد کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متونی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الحديد کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور اس کے بعد سورة المجادل آئے گی اور سورة الحديد مکی ہے، اس میں السدی کا اختلاف ہے، اور الکلبی نے کہا ہے: اس میں مکی آیات بھی ہیں اور مدنی آیات بھی ہیں اور اس سورت میں منافقین کا ذکر ہے اور منافقین صرف مدینہ میں تھے اور اس سورت میں یہ آیت ہے: لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ (الحديد: ۱۰) اور یہ آیت صرف فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس سے پہلے آیت مکی ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو اپنے اسلام لانے سے پہلے اپنی بہن کے گھر پڑھا تھا، اس سورت میں ایتیس (۲۹) آیات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ مُعْتَرِينَ فِيهِ۔ اور مجاہد نے کہا: جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ: یعنی تم کو اس نے آباد کیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَنْفَقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ^۱
اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں پہلوں کا جانشین بنادیا ہے۔ (الحديد: ۷)

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی تمہیں اس زمین میں آباد کر دیا ہے اور انفرادی سے منقول ہے: تم کو ان کا جانشین بنادیا ہے۔

مِنْ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ مِنَ الضَّلَالَةِ إِلَى الْهُدَى۔ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ: یعنی گمراہی سے ہدایت کی طرف۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدٍ آيَاتٍ يَبَيِّنُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ^۲ (الحديد: ۹)
وہی ہے جو اپنے (مکرم) بندے پر واضح آیات نازل فرماتا ہے تاکہ تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لائے۔

علامہ عینی نے اس تعلق کی کوئی شرح نہیں کی۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے بھی اس تعلق کی کوئی شرح نہیں کی گویا کہ دونوں شارحین کے نزدیک یہ تعلق بالکل واضح ہے اور اس کی شرح کی حاجت نہیں۔

فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنْفَعَةٌ لِّلنَّاسِ جُنتٌ وَسِلَاحٌ۔ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنْفَعَةٌ لِّلنَّاسِ: (الحديد: ۲۵) اس سے مراد

ہے: ڈھال اور ہتھیار۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ - اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں سخت قوت ہے اور لوگوں کے لیے (الحديد: ۲۵) دیگر فوائد ہیں۔

علامہ مینی لکھتے ہیں: یعنی لوہے سے بنی ہوئی چیزوں کو اپنی ضروریات اور مصلحتوں میں استعمال کرتے ہیں کیونکہ لوہا ہر صنعت کا آلہ ہے۔ امام بخاری نے بَأْسٌ شَدِيدٌ اور مَنَافِعُ لِلنَّاسِ کی تفسیر و حال اور ہتھیاروں کے ساتھ کی ہے، اور یہ تمام جنگ کے آلات کو شامل ہے۔

مَوْلَاكُمْ أُولَىٰ بِكُمْ - مَوْلَاكُمْ: کا معنی ہے: وہ تمہارے زیادہ لائق ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَّاؤْلَكُمْ النَّارُ هِيَ مَوْلَاكُمْ - (الحديد: ۱۵) تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے، وہی تمہارا رقیب ہے۔

علامہ مینی لکھتے ہیں: الفراء اور امام ابو عبیدہ نے بھی یہی تفسیر کی ہے، امام ابو عبیدہ نے لکھا ہے کہ اس میں مذکر کی ضمیر لائی ہے کیونکہ نار سے مراد مکان اور جگہ ہے۔

لَيْسَ يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ - لَيْسَ يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ: اس کا معنی ہے: تاکہ اہل کتاب جان لیں اور اس میں لا کالفاظ زائد ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَيْسَ يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ إِلَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللَّهِ - تاکہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل پر بالکل قدرت نہیں رکھتے۔ (الحديد: ۲۹)

علامہ مینی لکھتے ہیں: اس آیت میں لا اس طرح زائد ہے جس طرح درج ذیل آیت میں زائد ہے:

قَالَ مَا مَنَعَكَ إِلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ - فرمایا: تجھ کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ (الاعراف: ۱۲)

يَقَالُ الظَّاهِرُ عَنْ كُلِّ شَيْءٍ عَلْنَا وَالْبَاطِنُ عَنْ كُلِّ شَيْءٍ عَلْنَا - الظاهر: یعنی وہ اپنے علم کے اعتبار سے ہر چیز پر ظاہر ہے۔ والباطن: یعنی وہ اپنے علم کے اعتبار سے ہر چیز سے باطن ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ - (الحديد: ۳) وہی اول اور آخر ہے اور ظاہر اور باطن ہے۔

علامہ مینی اور حافظ ابن حجر نے اس تعلیق کی کوئی شرح نہیں کی، تاہم اس آیت کے متعلق یہ حدیث ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! تو اول ہے تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں اور تو آخر ہے تیرے بعد کوئی چیز نہیں اور تو ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں اور تو باطن ہے تیرے سوا کوئی چیز نہیں، پس تو ہمارا قرض ادا کر دے اور ہم کو فقر سے بے پروا کر دے۔ (صحیح مسلم: ۲۷۱۳)

انظرونا: اس کا معنی ہے: ہمارا انتظار کرو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا - جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے:

اَنْظُرُوْا نَارَ النَّفْتِسِ مِنْ تُوْرٍ كُمْ۔ (الحمدید: ۱۳)

تم ہمارا انتظار کرو ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کریں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کا معنی کیا ہے: تم ہمارا انتظار کرو، اور القراء، الأعمش اور حمزہ نے اس کا معنی کیا ہے: تم ہماری طرف دیکھو۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۲۱-۳۲۰ میں کی ہے]

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الحمدید کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ امام بخاری نے سورۃ المجادلہ کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۵۸۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ الْمَجَادَلَةِ

سورة المجادلہ کی تفسیر

سورة المجادلہ کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد مینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة المجادلہ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، علامہ ابو العباس نے کہا ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ یہ سورت الحجرات سے پہلے اور المنافقین کے بعد نازل ہوئی ہے، اور اس سورت میں بائیس (۲۲) آیات ہیں۔

مجادلہ کا معنی ہے: لڑنے اور جھگڑنے والی عورت، تفسیر عبد بن حمید میں مذکور ہے کہ محمد بن سیرین نے کہا ہے کہ اس لڑنے والی عورت کا نام خویلدہ تھا، اس کے خاوند نے اس سے ظہار کر لیا تھا اور یہ اسلام میں پہلا ظہار تھا اور امام ابو العالیہ نے کہا ہے کہ اس کا نام خویلدہ بنت الصامت تھا، اور ابو عمر نے کہا: اس کا نام خولہ بنت ثعلبہ تھا اور اس کے خاوند کا نام اوس بن الصامت تھا، مجاہد نے کہا: اس کا نام جمیلہ تھا، ابن مندہ نے کہا: اس کا نام خولہ بنت الصامت تھا، اور ابو عمر نے کہا: اس کا نام خولہ بنت ثعلبہ بن اصرم تھا اور عروہ، محمد بن کعب اور عکرمہ نے کہا: اس کا نام خولہ بنت ثعلبہ تھا، یہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے بھائی اوس بن الصامت کے نکاح میں تھیں، انہوں نے اس سے ظہار کیا تھا اور اسی عورت کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي اِلٰى اللّٰهِ۔ (المجادلہ: ۱)

آپ سے بحث اور تکرار کر رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مُجَادِلٌ يُخَادُّونَ يُشَاقُّونَ اللّٰهُ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُخَادُّونَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کُفُّواْ کَمَا کُفَّتِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ (المجادلہ: ۵)

اِی طرح رسوا کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ رسوا کیے گئے تھے۔

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام عبد بن حمید نے روایت کی ہے: جو لوگ اللہ سے جھگڑا کرتے ہیں اور اس سے عداوت رکھتے ہیں، مجاہد

سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔

کُفُّواْ: اس کا معنی ہے: وہ رسوا کیے جائیں گے۔

کُفُّواْ أَخْذُوا مِنَ الْعُزْبِ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

کُفُّواْ کَمَا کُفَّتِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ (المجادلہ: ۵)

وہ اسی طرح رسوا کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ رسوا

کیے گئے تھے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کُتُبُوا کی تفسیر کی ہے: اخذوا یعنی وہ رسوا کیے گئے۔ تفسیر نسفی میں بھی اسی طرح ہے۔
اِسْتَحْوَذَ غَلَبَ۔ استحوذ: اس کا معنی ہے: غالب آگیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ۔ (المجادلہ: ۱۹) شیطان ان پر غالب آگیا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام ابو عبیدہ نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے، امام بخاری نے اس سورت میں کوئی حدیث مرفوعہ لکھی ہے نہ اس سے پہلی سورت میں۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۲۱ میں کی ہے]

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ المجادلہ کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ اس کے بعد سورۃ الحشر کی تفسیر میں جو تعلیق ذکر کی ہے اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۵۹۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْحَشْرِ

سورة الحشر کی تفسیر

سورة الحشر کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الحشر کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت مدنی ہے اور اس سورت میں چوبیس (۲۴) آیات ہیں۔

اس سورت کا نام حشر اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کی درج ذیل آیت میں الحشر کا ذکر ہے:

هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ (الحشر: ۲)

ان کفار اہل کتاب سے مراد بنو نضیر ہیں جو مدینہ میں رہتے تھے اور امام ابن اسحاق سے روایت ہے کہ بنو نضیر کو مدینہ سے اس وقت جلا وطن کیا گیا تھا جب نبی ﷺ غزوہ احد سے واپس آئے تھے اور بنو قریظہ پر اس وقت فتح حاصل کی تھی جب آپ غزوہ احزاب سے واپس آئے تھے۔

اس آیت میں اول الحشر اس لیے فرمایا ہے کہ بنو نضیر وہ پہلے اہل کتاب تھے جن کا حشر کیا گیا یعنی ان کو جمع کیا گیا اور ان کو حجاز سے نکالا گیا اور ان کو شام کی طرف جمع کیا گیا، مزہ البہدانی نے لکھا ہے: یہ ان کا اول حشر مدینہ سے تھا اور ان کا حشر ثانی خیبر اور تمام جزیرہ عرب سے تھا اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کو شام کے علاقہ اریحا میں دھکیل دیا گیا، قتادہ نے کہا: یہ اول حشر تھا اور حشر ثانی جب ہوگا جب ان کو ایک آگ مشرق سے دھکیل کر مغرب کی طرف لے جائے گی اور جہاں وہ رات کو رہیں گے وہیں وہ آگ رات کو رہے گی اور جہاں وہ دوپہر کو رہیں گے وہیں وہ آگ دوپہر کو رہے گی۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

الْجَلَاءُ: اس کا معنی ہے: ایک سرزمین سے دوسری سرزمین کی طرف نکالنا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَوْلَا أَنْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ لَعَذَّبُهُمْ فِي الدُّنْيَا (الحشر: ۳)

ضرورت دنیا میں عذاب دیتا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: الْجَلَاءُ کا لفظ الاخراج سے خاص ہے کیونکہ جب کسی کو گھروالوں اور مال و متاع کے ساتھ نکال دیا

جائے تو اس کو الجلاء کہتے ہیں، اور الاخراج اس سے عام ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۲۲)

باب

۱۔ باب

۳۸۸۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ حَدَّثَنَا
سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا أَبُو بَشِيرٍ عَنْ
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبدالرحیم نے حدیث
بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن سلیمان نے حدیث بیان

سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ سُورَةُ التَّوْبَةِ
قَالَ التَّوْبَةُ هِيَ الْفَاضِحَةُ مَا رَأَيْتُ تَنْزِيلَ وَمِنْهُمْ
وَمِنْهُمْ حَتَّى ظَلَمُوا أَنَّهَا لَنْ تُبْقَى أَحَدًا مِنْهُمْ إِلَّا ذُكِرَ
فِيهَا قَالَ قُلْتُ سُورَةُ الْأَنْفَالِ قَالَ نَزَلَتْ فِي بَدْرِ
قَالَ قُلْتُ سُورَةُ الْحَشْرِ قَالَ نَزَلَتْ فِي بَنِي النَّضِيرِ۔

کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشتم نے حدیث بیان کی، انہوں نے
کہا: ہمیں ابو بشر نے خبر دی از سعید بن جبیر، انہوں نے کہا: میں
نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۃ توبہ کے متعلق پوچھا،
انہوں نے کہا: سورۃ توبہ ہی الفاضحہ ہے، وہ ہمیشہ نازل ہوتی رہی و
منہم و منہم حتی کہ لوگوں نے گمان کیا کہ کوئی شخص باقی نہیں بچا
لیکن اس کا ذکر اس سورت میں آگیا، سعید بن جبیر نے کہا: میں
نے پوچھا: وہ سورۃ انفال ہے؟ انہوں نے کہا: وہ توبہ میں نازل
ہوئی تھی، میں نے کہا: وہ سورۃ الحشر ہے؟ تو انہوں نے کہا: وہ بنو
النضیر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۰۲۹ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور کی وضاحت کی جا رہی ہے:

جن آیات میں منہم اور منہم کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ پانچ آیات ہیں

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ہی الفاضحة: یعنی وہ رسوا کرنے والی ہے، وہ لوگوں کو رسوا کرتی ہے، کیونکہ ان کے عیوب بیان کرتی ہے۔

و منہم و منہم اس میں ان آیتوں کی طرف اشارہ ہے:

وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ۔ (التوبہ: ۶۱)

وَمِنْهُمْ مَن يَلْعَنُكَ فِي الصَّدَاقَاتِ (التوبہ: ۵۸)

وَمِنْهُمْ مَن يَقُولُ ائْتِنَا لِي (التوبہ: ۴۹)

وَمِنْهُمْ مَن عٰهَدَ اللّٰهَ۔ (التوبہ: ۷۵)

اور بعض منافقین میں سے وہ ہیں جو نبی کو ایذا پہنچاتے ہیں۔

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو صدقات کی تقسیم میں آپ پر

اعتراض کرتے ہیں۔

اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ مجھے جہاد سے رخصت کی

اجازت دیجئے۔

اور ان میں سے بعض وہ (منافقین) ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد

کیا تھا۔

بنو النضیر: یہود کا ایک قبیلہ ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن مدرک نے حدیث

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن حماد نے حدیث بیان کی،

انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے خبر دی از ابی بشر از سعید، انہوں

نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۃ الحشر کے

متعلق پوچھا، انہوں نے کہا: سورۃ النضیر کہو۔

۴۸۸۳۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُذْرِكٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى

بْنُ حَمَادٍ أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بَشِيرٍ عَنْ سَعِيدٍ

قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا سُورَةُ الْحَشْرِ

قَالَ قُلْتُ سُورَةُ النَّضِيرِ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۰۲۹ میں گزر چکی ہے۔

سورة الحشر کو سورت بنو النضر کہنے کی وجہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

سورة النضر کہو: حضرت ابن عباس نے اس سورت کا نام سورة الحشر نام پند کیا تاکہ یہ نہ گمان کیا جائے کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے کیونکہ اس سورت سے مراد بنو النضر کو جلا وطن کرنا ہے۔

۲۔ بَابُ: مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْنَةٍ۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ دیئے۔ (الحشر: ۵) کی تفسیر

(الحشر: ۵)

لینہ: اس سے مراد وہ کھجوریں ہیں جو عجمہ یا برنی نہ ہوں۔

لینہ کی تفسیر میں متعدد اقوال

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا ہے کہ لینہ سے مراد ان کھجوروں کے درخت ہیں جو عجمہ یا برنی نہ ہوں۔ علامہ ثعلبی نے کہا ہے: لینہ کی تفسیر میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ ان کھجوروں کے درخت ہیں جو عجمہ نہ ہوں اور العجمہ کے سوا تمام کھجوروں کے درخت لینہ ہیں اور یہ ہی عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے اور زہری سے منقول ہے کہ العجمہ یا البرنی کے سوا تمام قسم کی کھجوروں کے درخت لینہ ہیں اور عطیہ اور ابن زید سے منقول ہے کہ لینہ سے مراد تمام قسم کی کھجوروں کے درخت ہیں اور اس میں کوئی استثناء نہیں ہے اور حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ لینہ کھجوروں کی ایک قسم ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۲۳)

۳۸۸۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ خَزَقَ نَخْلَ بَنِي النُّضَيْرِ وَقَطَعَ وَهِيَ الْبُؤْرَةُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْنَةٍ أَوْ تَرَكْتُمْوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ﴾ ① (الحشر: ۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مقام البویرہ میں بنو نضر کے درخت جلا دیئے اور کاٹ ڈالے تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْنَةٍ أَوْ تَرَكْتُمْوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ ① (الحشر: ۵) تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ دیئے یا جن کو ان کی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا، سو وہ اللہ کے اذن سے ہوا اور تاکہ وہ فاسقوں کو ذلیل کرے ○

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۳۲۶ میں گزر چکی ہے۔

۳۔ بَابُ: وَمَا آفَأَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اللہ نے جو اموال اپنے رسول پر لوٹا دیئے۔ (الحشر: ۶) کی تفسیر

(الحشر: ۶)

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی بنو نضر کے جو اموال رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹا دیئے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۲۳)

۳۸۸۵۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ غَزِيْرٌ عَنْ عَمْرِو بْنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسٍ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے کئی مرتبہ از عمرو حدیث

بیان کی از الزہری از مالک بن انس بن الحدثان از حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں: اموال بنو نضیر اس قسم میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر لوٹا دیا جن کے حصول کے لیے مسلمانوں نے اپنے گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ اور یہ رسول اللہ ﷺ کے لیے مخصوص تھے، رسول اللہ ﷺ ان اموال میں سے اپنے گھروالوں کے لیے ایک سال کا خرچ دیتے تھے، پھر جو ان اموال سے باقی بچتا اس کے ہتھیار اور گھوڑے خرید کر اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے تیار کر کے رکھتے تھے۔

بْنِ الْحَدَّثَانِ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ ﷺ مِمَّا لَمْ يُوجِفِ الْمُسْلِمُونَ عَلَيْهِ بِخَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ فَكَانَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ خَاصَّةً يُنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ مِنْهَا نَفَقَةً سَنَّتِهِ ثُمَّ يَجْعَلُ مَا بَقِيَ فِي السِّلَاحِ وَالْكَرَاعِ عُدَّةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۹۰۴ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں: السلاح اور الکراع کے معانی اور الفئ کی تقسیم میں مذاہب اور خوراک کے ذخیرہ کرنے کی تفصیل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

السلاح: اس سے مراد لوہے کے وہ تمام ہتھیار ہیں جن سے دشمن کے خلاف لڑا جاتا ہے اور صرف تلوار کو السلاح نہیں کہا جاتا۔ الکراع: علامہ ابن درید نے کہا ہے: اس سے مراد صرف کھروالے جانور ہیں، پھر اس کا زیادہ استعمال گھوڑوں میں ہونے لگا اور البحر میں مذکور ہے کہ الکراع تمام قسم کے گھوڑوں کا نام ہے جب ہتھیاروں اور گھوڑوں میں کمی ہو۔ علامہ انقرطبی نے کہا ہے: اس حدیث میں امام مالک کی یہ دلیل ہے کہ الفئ کو تقسیم نہیں کیا جاتا، وہ صرف سربراہ ملک کے اجتہاد پر موقوف ہے، ان کے نزدیک اسی طرح الخمس کا حکم ہے اور امام ابو حنیفہ الفئ کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور امام شافعی اس کو پانچ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: ہمارے علم میں نہیں ہے کہ امام شافعی سے پہلے کسی نے الفئ کو پانچ حصوں میں تقسیم کرنے کے لیے کہا ہو۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ایک سال کی خوراک کا ذخیرہ کرنا جائز ہے جب کہ وہ خوراک ان اموال میں موجود ہو، علامہ ابو العباس نے کہا ہے کہ اگر اس خوراک کو بازار سے خریدیں تو بعض ائمہ نے اس کو ذخیرہ کرنے کی اجازت دی ہے اور دوسروں نے کہا ہے جب اس سے لوگوں کو خرچ ہو تو پھر یہ جائز نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ خوراک کا ذخیرہ کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۲۳-۳۲۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۔ بَابُ: وَمَا أَلْتَكُمْ الرَّسُولُ فَاخْذُوهُ۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور رسول جو تم کو دیں اس کو لے

لو۔ (الحشر: ۷) کی تفسیر

(الحشر: ۷)

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی رسول اللہ ﷺ تم کو جو حکم دیں اس پر عمل کرو۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۲۳)

۳۸۸۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور

لَعْنُ اللَّهِ الْوَاشِشَاتِ وَالْمُوتِشِمَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْخُسَنِ الْبَغِيَّاتِ خَلَقَ اللَّهُ فَبَدَعَ
ذَلِكَ امْرَأَةً مِنْ بَنِي آسَدٍ يُقَالُ لَهَا أُمُّ يَعْقُوبَ
فَجَاءَتْ فَقَالَتْ إِنَّهُ بَلَغَنِي عَنْكَ أَنَّكَ لَعَنْتَ كَيْتَ
وَكَيْتَ فَقَالَ وَمَا لِي أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ
سُبْحَانَهُ وَمَنْ هُوَ كِتَابُ اللَّهِ فَقَالَتْ لَقَدْ قَرَأْتُ مَا
بَيْنَ النُّوحَيْنِ فَمَا وَجَدْتُ فِيهِ مَا تَقُولُ قَالَ لَيْسَ
كُنْتُ قَرَأْتِيهِ لَقَدْ وَجَدْتِيهِ أَمَا قَرَأْتَ ﴿وَمَا أَتَاكُمُ
الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (الحشر: ٤)
قَالَتْ بَنِي قَالَ فَإِنَّهُ قَدْ نَهَى عَنْهُ قَالَتْ فَإِنِّي أَرَى
أَفْئِكَ يَفْعَلُونَهُ قَالَ فَأَذْهَبِي فَأَنْظِرِي فَذَهَبَتْ
فَنَظَرَتْ فَلَمْ تَرَ مِنْ حَاجَتِهَا شَيْئًا فَقَالَتْ لَوْ كَانَتْ
كَذَلِكَ مَا جَآءَتْهَا.

(صحیح البخاری: ۳۸۸۷، صحیح مسلم: ۲۱۲۵، سنن ترمذی: ۲۷۸۲، سنن نسائی: ۵۱۱۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۸۹)

از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ انہوں نے کہا: گودنے والیوں پر اور گودوانے والیوں پر اور بال نوچنے والیوں پر اور حسن کے لیے دانتوں میں جھری (کشادگی) کرنے والیوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے جو عورتیں اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تغیر کرنے والیاں ہیں، یہ قول بنو اسد کی ایک عورت تک پہنچا جس کو ام یعقوب کہا جاتا ہے، پس وہ (ان کے پاس) آئی اور اس نے کہا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے اس طرح کی عورتوں پر لعنت کی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ کی کتاب میں لعنت ہے اس عورت نے کہا: میں نے دو لوحوں (رحل) کے درمیان پورا قرآن پڑھا ہے مجھے تو اس میں وہ لعنت نہیں ملی جو آپ فرماتے ہیں، حضرت ابن مسعود نے فرمایا: اگر تم نے پورا قرآن پڑھا ہوتا تو تم اس لعنت کے ذکر کو پالیتیں، کیا تم نے قرآن مجید میں یہ آیت نہیں پڑھی؟ ﴿وَمَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (الحشر: ۴) اور رسول جو تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے تم کو روکیں اس سے رک جاؤ۔ اس عورت نے کہا: کیوں نہیں! حضرت ابن مسعود نے فرمایا: پس بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اس عورت نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کی بیوی بھی اس طرح کرتی ہے، حضرت ابن مسعود نے فرمایا: پس تم جاؤ اور دیکھو تو وہ عورت گئی اور اس نے دیکھا پس اس کو اپنی مطلوبہ کوئی چیز نہیں ملی حضرت ابن مسعود نے فرمایا: اگر میری بیوی اس طرح کرتی تو وہ میرے ساتھ ہرگز نہیں رہ سکتی تھی۔

واشہ اور موتشمہ کا معنی اور ان کا شرعی حکم

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الواششات: یہ الواشمہ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: جو عورت کسی دوسری عورت کی پٹیلی پر یا پشت پر یا کلائی پر یا بدن کی کسی اور جگہ پر سوئی چھو کر خون نکالے، پھر اس خون کو پونچھ دے اور سوئی سے کیے ہوئے ان بار یک سوراخوں میں سرمہ یا چونا بھر دے اور اس سے کوئی عہارت نکھس جائے یا کوئی تصویر بنائی جائے تو ایسی عورت کو اردو میں گودنے والی اور عربی میں واششمہ کہتے ہیں اور

جس عورت کے بدن کے کسی حصہ پر یہ عمل کیا جائے اس عورت کو عربی میں مستوشمہ کہتے ہیں، اگر کوئی عورت اس عمل کو طلب کرے تو اس کو مستوشمہ کہتے ہیں: یہ عمل کرنا حرام ہے اور یہ عمل کروانا بھی حرام ہے، اگر کسی کم سن بچی نے اس عمل کو طلب کیا تو اس کا گناہ گودنے والی پر ہوگا بچی پر نہیں ہوگا کیونکہ وہ کم سن اور نابالغہ ہونے کی وجہ سے مکلفہ نہیں ہے۔

واشمہ اور مستوشمہ کے حکم میں امام شافعی کا مذہب

علامہ نووی لکھتے ہیں: بدن کے جس حصہ کو سوئی سے گودا جائے اور اس کے سوراخ میں چونایا سرمہ بھر کر پتھ بنایا جائے تو جسم کا وہ حصہ نجس ہو جائے گا، اگر علاج کے ذریعہ اس بنائی ہوئی چیز کو زائل کرنا ممکن ہو تو اس کو زائل کرنا واجب ہے اور اگر زخم کیے بغیر اس کو زائل کرنا ممکن نہ ہو تو اگر بدن کے اس حصہ کے تلف ہونے یا عضو کے فوت ہونے یا عضو کی منفعت کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو یا عضو میں کسی اور بڑی خرابی کا خطرہ ہو تو پھر اس بنائی ہوئی چیز کو زائل کرنا واجب نہیں ہے اور جب گودوانے والی عورت یا گودوانے والا مرد اس فعل پر توبہ کر لے تو پھر اس کا گناہ باقی نہیں رہے گا اور اگر اس بنائی ہوئی چیز کے زائل کرنے سے کسی نقصان کا خطرہ نہ ہو تو پھر اس کا زائل کرنا واجب ہے اور اگر اس نے اس کے زائل کرنے میں تاخیر کی تو وہ گناہ گار ہوگا خواہ گودوانے والا مرد ہو یا عورت ہو۔

عورت کی بھوؤں اور اس کے رخسار پر اگے ہوئے بالوں اور اس کی ڈاڑھی مونچھوں کے کاٹنے کے متعلق شرعی حکم

المنتصات: یہ المنتصات جمع ہے، اس کا معنی ہے: چہرے کے بالوں کو نوچ کر اکھاڑنا، جو عورت اس عمل کی طالب ہو اس کو المنتصہ کہا جاتا ہے اور جو عورت یہ عمل کرے اس کو النامصہ کہا جاتا ہے یعنی چہرے کے بالوں کو اکھاڑ کر زائل کرنے والی۔

علامہ النووی نے کہا ہے: یہ عمل حرام ہے سو اس صورت کے جب عورت کے چہرے پر ڈاڑھی اگ جائے یا اس کے چہرے پر مونچھیں اگ جائیں تو اس صورت میں ڈاڑھی یا مونچھوں کو اکھاڑنا حرام نہیں ہے بلکہ ہمارے نزدیک مستحب ہے اور ممانعت صرف بھوؤں میں ہے یا چہرے کے اطراف یعنی گالوں اور رخساروں پر اگے ہوئے بالوں پر ہے۔ علامہ ابن حزم نے کہا ہے: عورت کی ڈاڑھی کو مونڈنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کی بچی ڈاڑھی کو مونڈنا جائز ہے اور نہ اس کی مونچھوں کو مونڈنا جائز ہے اور نہ اس کی تخلیق کی کسی چیز میں کمی یا زیادتی کے ساتھ تغیر کرنا جائز ہے۔

دانتوں میں کشادگی کرنے اور کردانے کا شرعی حکم

المتفلجات: یہ المتفلجہ کی جمع ہے اور اس کا مصدر التفلج ہے اور اس کا معنی ہے: سامنے کے چار دانتوں میں کشادگی کرنا۔ للحسن: یعنی حسن اور زیبائش کے لیے دانتوں میں کشادگی کرنا، یہ قید اس لیے لگائی ہے کہ اس سے مراد حسن اور زیبائش کے لیے دانتوں میں کشادگی کرنا ہے لیکن اگر علاج کی غرض سے دانتوں میں کشادگی کرائی جائے یا دانتوں میں کوئی عیب ہو جس کی وجہ سے دانتوں میں کشادگی کرائی جائے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے: یہ فعل بوزھی اور ادھیز عمر کی عورتیں کرتی ہیں تاکہ ان کی عمر کم معلوم ہو اور دانت خوبصورت لگیں، یہ فعل دانتوں میں کشادگی کرانے والی اور کشادگی کرنے والی دونوں کے لیے حرام ہے۔

المغیرات لخلق الله: یعنی اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور بناوٹ میں تغیر کرنے والیاں خواہ یہ تغیر کھال گودنے کی وجہ سے ہو یا چہرے کے بالوں کو نوچنے کی وجہ سے ہو یا دانتوں میں کشادگی اور جھری کرانے کی وجہ سے ہو، ان سب صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تغیر ہے اور لوگوں کو اشتباہ اور دھوکہ میں ڈالنا ہے اس لیے ان میں سے کوئی صورت بھی جائز نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں کسی مسلمان پر لعنت کرنے کا جواز اور اس پر بحث

مجھے کیا ہوا کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں لعنت کرنے کے جواز کی دلیل ہے خواہ کسی شخص معین پر لعنت کی جائے یا غیر معین پر لعنت کی جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اس پر لعنت فرماتے تھے جو آپ کے نزدیک لعنت کا مستحق ہوتا تھا، اگر تم یہ سوال کرو کہ اس کے معارض یہ حدیث ہے: میں نے جس مسلمان کو برا کہا یا اس پر لعنت کی اور وہ اس کا اہل نہیں تھا تو اے اللہ! تو اس لعنت کو اس کے لیے کفارہ بنا دے اور اس کے گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ بنا دے، تو میں کہوں گا: یہ حدیث زیر بحث حدیث کے معارض نہیں ہے کیونکہ آپ کے نزدیک ایسی عورتیں لعنت کی مستحق تھیں، رہا یہ کہ اللہ عزوجل کے نزدیک بھی لعنت کی مستحق ہیں یا نہیں تو یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف منوط ہے، جو اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا: وہ لعنت کا مستحق نہ ہو یعنی اے اللہ! دو تیرے علم میں لعنت کا مستحق نہ ہونے کہ میرے علم میں یہ تو اس شخص نے اس برائی سے توبہ کر لی ہو یا اس برائی کو ترک کر دیا ہو جس کی وجہ سے آپ نے اس پر لعنت فرمائی۔

سوئی سے گودنے اور بال نوچنے وغیرہ پر قرآن مجید میں بالواسطہ لعنت ہے

حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ایسی عورتوں پر قرآن مجید میں لعنت ہے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں ان پر لعنت کہاں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے: اس حدیث کا منشاء یہ ہے کہ جس کام سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہو اس کام سے رکنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس کام سے تم کو رسول روکیں اس سے رک جاؤ (الحشر: ۷) اور رسول اللہ ﷺ نے ان کاموں سے یعنی سوئی سے گودنے اور بال نوچنے وغیرہ سے منع فرمایا ہے تو ان کاموں کا کرنے والا ظالم ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سنو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو ○

أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ○ (ہود: ۱۸)

تو اس اعتبار سے ان ممنوعہ کاموں کے کرنے والیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور اس کا بالواسطہ قرآن مجید میں ذکر ہے۔

دولوحوں کا معنی اور اس حدیث کی دیگر مبہم یا مجمل عبارتوں کی وضاحت اور بیان

اس عورت نے کہا: میں نے دولوحوں کے درمیان پورا قرآن پڑھا ہے: اس حدیث میں دولوحوں سے مراد رطل کی دو طرفیں ہیں، رطل کنڑی سے بنے ہوئے اس اسٹینڈ کو کہتے ہیں جس پر قرآن مجید کو رکھ کر اس کی تلاوت کی جاتی ہے، سو یہ قرآن مجید سے کٹا ہوا ہے اور اسامیل قاضی نے کہا ہے کہ وہ عورت قرآن کی قاری تھی۔

اس عورت نے کہا: آپ کی بیوی ایسا کرتی ہے: بیوی سے اس عورت کی مراد زینب بنت عبد اللہ الشافعیہ تھیں۔

پس اس کو اپنی مظلومہ چیز نہیں ملی: یعنی ام یعقوب نے یہ نہیں دیکھا کہ حضرت ابن مسعود کی بیوی ان ممنوعہ کاموں کو کرتی ہے۔

اکرمیہ کی بیوی ایسا کرتی تو میرے ساتھ برگز نہیں رہ سکتی تھی: یعنی اکرمیری بیوی ان ممنوعہ کاموں کو کرتی تو میں اس کو طلاق دے

کر اس سے علیحدہ ہو جاتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مسلمان کی بیوی کوئی خلاف شرع کام کرے اور منع کرنے سے باز نہ آئے تو مسلمان کو

چاہیے کہ وہ اس عورت کو طلاق دے کر اس سے الگ ہو جائے۔ (مدونہ القاری ج ۱۹ ص ۳۲۶-۳۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

عورت کے رخساروں اور بھوؤں سے بال نوچنے کے متعلق علامہ ابن عابدین شامی حنفی کی تحقیق

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ علاؤ الدین الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ نے لکھا ہے: عورت کا اپنے رخساروں سے بالوں کو نوچنا حرام ہے۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۹ ص ۳۵۵-۳۵۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

شاید یہ عبارت اس صورت پر محمول ہے جب عورت اپنی زینت اجنبی مردوں کو دکھانے کے لیے ایسا کرے ورنہ اگر عورت کے رخساروں پر بال ہوں اور اس کا شوہر اس وجہ سے اس سے نفرت کرتا ہو تو پھر ان بالوں کے ازالہ کو حرام قرار دینا بعید ہے کیونکہ عورتوں کے لیے اپنے حسن کی خاطر زینت کو اختیار کرنا مطلوب ہے، ہاں اس عبارت کا یہ محمل ہو سکتا ہے کہ بلا ضرورت موچنے یا چمٹی سے بالوں کو نوچنا حرام ہے، کیونکہ اس سے ایذا اور تکلیف ہوتی ہے (بلکہ بعض اوقات اس سے زخم ہو جاتا ہے) اور "تبیین الحارم" میں لکھا ہے کہ چہرے سے بالوں کو زائل کرنا حرام ہے سوا اس کے کہ عورت کے چہرے پر ڈاڑھی اور مونچھیں ہوں تو ان کو زائل کرنا حرام نہیں ہے بلکہ مستحب ہے اور تاتار خانیہ میں المصنوعات سے منقول ہے کہ بھوؤں کو تراشنے اور رخسار کے بالوں کو کاٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ اس سے محنت (بہجڑے) کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۹ ص ۳۵۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

۳۸۸۷۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ ذَكَرْتُ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَابِسٍ حَدِيثَ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لَعَنَ اللَّهُ الْوَاصِلَةَ فَقَالَ سَمِعْتُهُ مِنْ أَمْرَأَةٍ يُقَالُ لَهَا أُمُّ يَعْقُوبَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ وَشَلَّ حَدِيثَ مَنْصُورٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمن نے حدیث بیان کی از سفیان، انہوں نے کہا: میں نے عبدالرحمن بن عابس کے لیے منصور کی حدیث ذکر کی از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبداللہ بنی شہزادہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الواصلہ پر لعنت کی ہے، علقمہ نے کہا: میں نے اس بات کو ایک عورت سے سنا جس کو ام یعقوب کہا جاتا تھا از حضرت عبداللہ بنی شہزادہ یہ حدیث منصور کی حدیث کی مثل ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۸۶ میں گزر چکی ہے۔

بالوں کے دوسرے بالوں کے ساتھ وصل کرنے میں علامہ قرطبی مالکی اور علامہ نووی شافعی کا مفصل قول اور

پرائندوں کے ساتھ وصل کرنے کا جواز

علامہ بدر الدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الواصلہ: یہ وہ عورت ہے جو اپنے بالوں کو زیادہ کرنے کے لیے اپنے بالوں کے ساتھ کسی اور عورت کے بال ملا لے، اور المستوصلہ: وہ عورت ہے جو اس فعل کو طلب کرے۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے: اس حدیث میں اس فعل کے حرام ہونے کی تصریح ہے اور یہی امام مالک اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے، انہوں نے کہا ہے کہ بالوں کو اون یا دھجیوں یا دھاگوں کے ساتھ ملایا جائے (جس کو چنلا یا پرائندہ کہتے ہیں) یا کسی اور چیز کے ساتھ ملایا جائے تو یہ سب صورتیں بالوں کے ساتھ وصل کے معنی میں ہیں اور اس ممانعت کے عموم کی وجہ سے اور سد الذریعہ کی وجہ سے یعنی دیگر ممنوع کاموں کو روکنے کی وجہ سے یہ تمام صورتیں حرام ہیں اور اللیث بن سعد کا یہ قول شاذ ہے کہ انہوں نے بالوں کے اون کے ساتھ وصل کو جائز کہا ہے اور ان چیزوں کے ساتھ وصل کو جائز کہا ہے جو بال نہ ہوں اور دوسرے علماء نے بالوں کے سر پر رکھنے کو مباح کہا ہے: انہوں نے کہا: ممانعت صرف وصل کے ساتھ ہے اور یہ قول صرف ظاہری ہے اور اس میں معنی سے اعراض

ہے اور دوسری قوم کا یہ قول بھی شاذ ہے کہ انہوں نے بالوں کے ساتھ وصل کو مطلقاً جائز کہا ہے اور حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ جب بالوں کے علاوہ کسی اور چیز کے ساتھ وصل کیا جائے اور یہ قول باطل ہے اور اس سلسلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت کی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

اور اس ممانعت میں رنگین دھماگوں کے چٹلوں اور پراندوں کے ساتھ بالوں کو وصل کرنے کی ممانعت داخل نہیں ہے کیونکہ چٹلے اور پراندے بالوں کے مشابہ نہیں ہیں اس لیے وہ ممنوع نہیں ہیں اور وہ وصل نہیں ہے بلکہ خوبصورتی اور زینت کے لیے چٹلوں اور پراندوں کو استعمال کیا جاتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ ہمارے اسباب نے اس مسئلہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے کہ اگر عورت نے آدمی کے بالوں کے ساتھ بالوں کا وصل کیا تو یہ بالاتفاق حرام ہے خواہ مرد کے بالوں کے ساتھ وصل کیا ہو یا عورت کے بالوں کے ساتھ کیونکہ حدیث میں ممانعت عام ہے اور اس لیے بھی کہ آدمی کے بالوں کے ساتھ اور آدمی کے تمام اجزاء کے ساتھ نفی حاصل کرنا آدمی کی کرامت کی وجہ سے حرام ہے بلکہ اس کے بالوں اور اس کے ناخنوں کو اور اس کے تمام اجزاء کو دفن کر دیا جائے گا، اور اگر کسی عورت نے غیر آدمی کے بالوں کے ساتھ وصل کیا تو اگر وہ بال کسی مرد کے ہوں جو نجس ہوں یا اس جانور کے بال ہوں جس کا گوشت کھایا نہیں جاتا تو اگر اس کی زندگی میں وہ بال الگ کر لیے ہوں تب بھی وہ حرام ہیں اور اس لیے کہ وہ عورت اپنی نمازوں وغیرہ میں نجاست کو عمار اٹھائے ہوئے ہوگی اور ان دونوں صورتوں میں یہی حکم ہے خواہ وہ عورت شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اور اگر اس نے اپنے بالوں کا پاک بالوں کے ساتھ وصل کیا ہو تو اگر وہ غیر شادی شدہ ہے تب بھی یہ فعل حرام ہے اور اگر وہ عورت شادی شدہ ہے تو اس کی تین صورتیں ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ ظاہر حدیث کی وجہ سے یہ وصل حرام ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ اگر اس عورت نے اپنے خاوند کی اجازت سے اپنے بالوں کا پاک بالوں کے ساتھ وصل کیا تو پھر یہ جائز ہے ورنہ یہ حرام ہے۔

(عمدة القاري ج ١٩ ص ٣٢٦، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤٢١هـ)

بالوں کے دوسرے بالوں کے ساتھ وصل کرنے میں علامہ شامی حنفی اور دیگر فقہاء احناف کا مفصل قول

علامہ علاء الدین الحنفی الترمذی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے الواصلہ اور المستوصلہ پر لعنت فرمائی ہے۔

(صحیح مسلم: ۴۱۲۳، سنن ابوداؤد: ۴۱۶۸، سنن ترمذی: ۴۷۸۳) (الدر المختار علی ما مشی رد المحتار ج ۹ ص ۵۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی التوفی ۱۲۵۲ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

الواصلہ: وہ عورت ہے جو اپنے بالوں کے ساتھ بالوں میں اضافہ کے لیے کسی دوسری عورت کے بال ملائے، اس پر لعنت اس لیے فرمائی ہے کہ اس میں لوگوں کو دھوکہ دینا ہے اور آدمی کے جز سے نفع حاصل کرتا۔ (تاتارخانیہ) اور جب کوئی عورت اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بالوں کو ملائے یعنی اس کے بالوں کو اپنے بالوں کے ساتھ جوڑے اور پہنند کرے تو یہ مکروہ ہے، اور بنو آدم نے بالوں کے سوا عورت کسی اور چیز کو اپنی مینڈھیوں میں ملائے جیسے (چٹل یا پراندہ) تو اس کی رخصت ہے، یہ امام ابو یوسف سے مروی ہے اور فتاویٰ قاضی خان میں مذکور ہے: اگر کوئی عورت اپنی مینڈھیوں میں ریشم کی کوئی چیز ملائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام اہل تصوف نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الواصلہ پر لعنت کی ہے جو اپنے بالوں کے ساتھ کسی دوسرے

نئے بالوں کو ملائے اور ان کے ساتھ جوزے یا پیوند کرے اور المستوی صلیب وہ عورت ہے جو اس کام کو طلب کرے۔

اگر کوئی عورت اپنے بالوں کے ساتھ کالے اون کے چٹے یا پراندے جوڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۹ ص ۵۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

۵۔ بَابُ: وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور (یہ اموال) ان لوگوں کے

مِنْ قَبْلِهِمْ۔ (الحشر: ۹)

لیے ہیں جو دار ہجرت میں اور ایمان میں ان سے پہلے

جگہ بنا چکے ہیں۔ (الحشر: ۹) کی تفسیر

مہاجرین کے آنے سے پہلے انصار کے مدینہ میں دار ہجرت اور دار ایمان بنانے کی فضیلت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یعنی جن لوگوں نے مدینہ میں ایمان اور ہجرت کا گھر بنالیا اور یہ لوگ وہ انصار ہیں جو اپنے گھروں میں اسلام لا چکے تھے اور انہوں نے مسلمانوں کے وہاں آنے سے دو سال پہلے مسجدیں بنالی تھیں یعنی انہوں نے مہاجرین کے آنے سے پہلے وہاں مسجدیں بنالی تھیں اور وہ ایمان لا چکے تھے اور وہ مہاجرین سے محبت کرتے تھے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۲۷)

۸۸۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ يَغْنِي ابْنُ عِيَّاشٍ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَوْصِيَ الْخَلِيفَةُ بِالْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ أَنْ يَعْرِفَ لَهُمْ حَقَّهُمْ وَأَوْصِيَ الْخَلِيفَةُ بِالْأَنْصَارِ الَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُهَاجِرَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَقْبَلَ مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَيَغْفُو عَنْ مُسِيئِهِمْ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبکر نے یعنی ابن عیاش نے حدیث بیان کی از حصین از عمرو بن ميمون، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں (بعد کے) خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ مہاجرین اولین کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور ان کے حق کو پہچانے اور میں خلیفہ کو انصار کے ساتھ اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں جنہوں نے نبی ﷺ کے ہجرت کرنے سے پہلے ایمان اور ہجرت کا گھر بنالیا اور اس کو میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ انصار میں سے نیکیوں کی نیکیوں کو قبول کرے اور ان میں سے برے لوگوں کی برائی کو معاف کر دے۔

مہاجرین اولین کے مصداق میں متعدد اقوال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مہاجرین اولین: یہ وہ مہاجرین ہیں جنہوں نے کعبہ اور بیت المقدس دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی، یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ابن المسیب کا قول ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بیعت الرضوان کو پالیا تھا، یہ شعبی اور ابن سیرین کا قول ہے، سو پہلے قول کی بنا پر مہاجرین اولین وہ ہیں جنہوں نے تحویل قبلہ سے دو سال پہلے ہجرت کی اور دوسرے قول کی بنا پر مہاجرین اولین وہ ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ سے پہلے ہجرت کی اور تیسرا قول یہ ہے کہ مہاجرین اولین وہ ہیں جو غزوہ بدر میں

حاضر ہوئے تھے۔ (عمدة القاری، ج ۱۹ ص ۳۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۔ بَابُ: وَيُؤْتُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح

دیتے ہیں۔ (الحشر: ۹) کی تفسیر

(الحشر: ۹)

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ آیت انصار کی مدح میں ہے جنہوں نے اپنے گھروں اور اپنے مالوں کو مہاجرین کے لیے تقسیم کر دیا تھا۔

(عمدة القاری ج ۱ ص ۱۹۷ ص ۳۲۷)

الخصاصہ: اس سے مراد قاتل ہے۔

الْخَصَاصَةُ الْفَائِتَةُ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے اور

وہ اپنے دلوں میں اس چیز کی کوئی طلب نہیں پاتے جو ان مہاجرین

کی دی گئی ہے اور وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں خواہ

انہیں خود شدید ضرورت ہو۔

يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ

حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْتُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ

خَصَاصَةٌ (الحشر: ۹)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے خصاصہ کی تفسیر قاتل کے ساتھ کی ہے، اس کا معنی فتنہ اور احتیاج ہے اور یہ مقابل بن

حیان کا قول ہے۔

الْمُفْلِحُونَ: اس کا معنی ہے: جن کو دائمی کامیابی حاصل ہو اور فلاح

الْمُفْلِحُونَ الْفَائِزُونَ بِالْخُلُودِ وَالْفَلَاحُ الْبَقَاءُ۔

کا معنی ہے: بقاء و دوام۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اور جن کو ان کے نفسوں کے بخل سے بچایا گیا، سو وہی لوگ فلاح

وَمَنْ يُؤْتِ شَيْءًا نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ①

(الحشر: ۹) پانے والے ہیں ①

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الْمُفْلِحُونَ کی تفسیر کی ہے: جن لوگوں کو دائمی کامیابی حاصل ہو الفراء نے بھی اسی کے ساتھ

تفسیر کی ہے اور امام بخاری نے فلاح کا معنی لکھا ہے: بقاء و دوام، اور لغت کی کتاب المغرب میں لکھا ہے کہ فلاح کا معنی ہے:

مطلوب کے ساتھ کامیاب ہونا۔

مَنْ عَنِ الْفَلَاحِ عَجَلٌ۔

مَنْ عَنِ الْفَلَاحِ عَجَلٌ۔

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس کا معنی ہے: مطلوب کے ساتھ کامیابی کو جلدی حاصل کرو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس کا معنی ہے: فلاح کی طرف جلدی کرو، علامہ ابن الحسین نے لکھا ہے: اہل لغت میں سے

کسی نے بھی حن کا یہ معنی نہیں لکھا، انہوں نے کہا کہ اس کا صرف یہ معنی ہے کہ آؤ اور آگے بڑھو۔ میں کہتا ہوں: یہ اس طرح ہے لیکن

اس میں غلات سے طلب کرنے کی خبر ہے اور اس کا معنی ہے: جلدی سے آؤ۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۵۵)

علامہ عینی لکھتے ہیں: حافظ ابن حجر کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے جیسے امام بخاری حن کا معنی بیان کرنے کے درپے ہوں

حالانکہ امام بخاری فلاح کے معنی بیان کرنے کے درپے ہیں اور حن کا معنی بالتبع ذکر کیا ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ حَاجَةٌ حَسَدًا۔

اور حسن بصری نے کہا ہے: حَاجَةٌ: کا معنی ہے: حسدًا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا۔

اور وہ اپنے دلوں میں اس چیز کی کوئی طلب نہیں پاتے جو ان (الحشر: ۹) مہاجرین کو دی گئی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے حاجت کی تفسیر حسد کے ساتھ کی ہے، اسی طرح امام عبدالرزاق نے حسن بصری سے یہ تفسیر نقل کی ہے۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۲۸-۳۲۷ میں ذکر کی ہے]

۴۸۸۹۔ حَدَّثَنِي يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ كَثِيرٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا فَضِيلُ بْنُ غَزْوَانَ حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ الْأَشْجَعِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَتَى رَجُلٌ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَصَابَنِي الْجَهْدُ فَأَرْسَلْ إِلَى نِسَائِهِ فَلَمْ يَجِدْ عِنْدَهُنَّ شَيْئًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَلَا رَجُلٌ يُضَيِّفُهُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ يَرْحُمُهُ اللَّهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَذَهَبَ إِلَى أَهْلِهِ فَقَالَ لَا مَرَأَتِهِ ضَيْفُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَا تَذْخِرِيهِ شَيْئًا قَالَتْ وَاللَّهِ مَا عِنْدِي إِلَّا قُوتُ الصَّبِيَّةِ قَالَ فَإِذَا أَرَادَ الصَّبِيَّةُ الْعِشَاءَ فَتَوَمِّمِيهِمْ وَتَعَالَى فَأُطْفِئِي السِّرَاجَ وَنَطْوِي بُطُونَنَا اللَّيْلَةَ فَفَعَلْتُ ثُمَّ غَدَا الرَّجُلُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ لَقَدْ عَجِبَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ أَوْ ضَحِكَ مِنْ فُلَانٍ وَفُلَانَةٍ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَ يُؤْتِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: ۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے یعقوب بن ابراہیم بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فضیل بن غزوان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو حازم الاشجعی نے حدیث بیان کی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں فاقہ سے ہوں، آپ نے اپنی ازدواج کی طرف کسی کو بھیجا کہ وہ کھانے کی کوئی چیز لائے، پس اس نے آپ کی ازدواج کے پاس کوئی چیز نہیں پائی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنو! کوئی مرد ہے جو اس رات اس کی مہمانی کرے تو اللہ اس پر رحم فرمائے گا، پس انصار میں سے ایک مرد اٹھا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس کی مہمانی کروں گا، پس اس انصاری نے اپنے گھر جا کر اپنی بیوی سے کہا: رسول اللہ ﷺ کا ایک مہمان ہے، تم اس سے کس چیز کو ذخیرہ نہ کرنا، اس کی بیوی نے کہا: اللہ کی قسم! میرے پاس تو صرف اس بچی کی خوراک ہے، اس انصاری نے کہا: جب وہ بچی رات کو کھانے کا ارادہ کرے تو اس کو سلا دینا اور آؤ اس چراغ کو بجھا دو اور ہم یہ رات بھوکے گزاریں گے، اس کی بیوی نے ایسا کیا، پھر صبح کو وہ مرد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل خوش ہوایا فرمایا: وہ فلاں مرد اور فلاں عورت کی کارگزاری سے ہنسا، پس اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: وَيُؤْتِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: ۹) اور وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں شدید ضرورت ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۸۸۹ میں گزر چکی ہے، ہم بعض ضروری امور کی وضاحت کی جا رہی ہے:

جو مرد بھوکا تھا اور اس نے کھانا طلب کیا تھا اس کا مصداق

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
 ایک مرد آیا: الواحدی نے ذکر کیا ہے کہ وہ مرد اہل صفہ میں سے تھا اور امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں لکھا ہے کہ وہ مرد خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۲۹)

جس انصاری نے اس بھوکے کی مہمانی کی تھی اس کا مصداق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

من قب انصار میں اس حدیث کی شرح گزر چکی ہے کہ وہ انصاری حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ تھے اور انھیں کو اس میں تردد ہے کہ آیا وہ انصاری حضرت زید بن اہل تھے یا کوئی اور انصار تھے جن کی کنیت ابو طلحہ تھی اور یہ قول بھی گزر چکا ہے کہ وہ انصاری حضرت ثابت بن قیس تھے۔ اور امام ابن المنذر نے ابوالتوکل سے روایت کی ہے کہ ایک مسلمان مرد کو تین دن تک کوئی چیز روزہ افطار کرنے کے لیے نہیں ملی حتیٰ کہ انصار کے ایک مرد کو اس کا پتا چل گیا اور ان کا نام ثابت بن قیس تھا اور ہمارے شیخ ابن السلقن نے کہا ہے کہ یہ وہم ہے اس لیے کہ ابوالتوکل اجماعاً تابعی ہیں، پس گویا کہ ابن المنذر نے ان کو صحابی کہا جن کی کنیت ابوالتوکل تھی اور اس طرح نہیں ہے۔

(صبح البخاری ج ۶ ص ۵۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں: وہ انصاری مرد حضرت ابو طلحہ انصاری تھے اور ابن بشکوال نے کہا ہے کہ وہ حضرت زید بن اہل تھے اور الخاس نے کہا ہے کہ یہ آیت ابوالتوکل کے متعلق نازل ہوئی ہے اور مہمان حضرت ثابت بن قیس تھے اور یہ کہنا کہ یہ آیت التوکل کے متعلق نازل ہوئی ہے وہم فاحش ہے کیونکہ ابوالتوکل تو اجماعاً تابعی ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۲۹)

بچی کورات میں بھوکا سلانے کی توجیہ

تم بچی کو سلا دینا: یہ اس پر محمول ہے کہ اس بچی کو کھانے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اگر اس کو کھانے کی ضرورت ہوتی اور کھانا نہ کھانے سے اس کو نقصان ہوتا تو ان پر واجب تھا کہ وہ مہمان کی بجائے اس بچی کو کھانا کھلاتے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ شاید وہ کھانا ان کی ضرورت سے زائد تھا۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: اس پر اعتراض ہے کہ اس انصاری کی بیوی نے صراحتاً کہا تھا کہ ہمارے پاس تو صرف بچی کی خوراک ہے اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس انصاری کی بیوی کو یہ معلوم تھا کہ وہ بچی رات کو کھانا نہ کھانے پر مجبور کر سکتی ہے کیونکہ انسان کچھ دیر کھانا نہ کھانے پر صبر کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے تعجب اور ہنسنے کا معنی

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ عزوجل نے تعجب کیا حالانکہ تعجب کا معنی ہے: کسی مانوس اور خلاف عادت بات کا ادراک کرنا اور اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہنسا حالانکہ ہنسنے کا معنی ہے: دانتوں کا ظاہر ہونا اور یہ دونوں امور اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہیں۔ علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر تعجب کا اطلاق جائز نہیں ہے، اس کا معنی صرف اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا ہے، یا اس کا ثواب عطا فرمانا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ المشرکہ کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ الممتحنہ کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۶۰۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَةِ الْمُنْتَحِنَةِ

سورة الممتحنة کی تفسیر

سورة الممتحنة کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الممتحنة کی بعض آیات کی تفسیر ہے، علامہ سیبلی نے کہا کہ الممتحنة میں حاء کے نیچے زیر ہے یعنی یہ سورت عورتوں کا امتحان لینے والی ہے اور اس سورت کی طرف امتحان لینے کی نسبت مجاز ہے، جیسے سورة توبہ کا نام الفاضلہ مجاز ہے یعنی وہ سورت رسوا کرنے والی ہے اور یہ بھی مجاز ہے کیونکہ اس سورت میں منافقین کے عیوب بیان کیے گئے ہیں اور جنہوں نے کہا کہ یہ لفظ الْمُنْتَحِنَةُ ہے یعنی جن عورتوں کا امتحان لیا گیا ہے کیونکہ یہ سورت ایک عورت کے متعلق نازل ہوئی ہے جو کہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط تھیں اور یہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں اور مقاتل نے کہا ہے کہ جس عورت کا امتحان لیا گیا تھا ان کا نام سہیدہ ہے اور کہا جاتا ہے: ان کا نام سعیدہ بنت الحارث اسلمیہ ہے اور وہ سیفی بن راہب کے نکاح میں تھی اور امام ابن عساکر نے کہا ہے کہ وہ عورت ام کلثوم تھیں جو حضرت عمرو بن العاص کے نکاح میں تھیں۔

علامہ ابوالعباس نے کہا ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ یہ سورت سورة الاحزاب کے بعد نازل ہوئی ہے اور سورة النساء سے پہلے اور اس میں تیرہ (۱۳) آیات ہیں۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: سب کے نزدیک اس سورت میں بِسْمِ اللّٰهِ نہیں ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۳۰-۳۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ یہ علامہ عینی کا تسامح ہے کیونکہ سورة الممتحنة میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھی جاتی ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لَا تُعَذِّبُنَا بِأَيِّدِيهِمْ فَيَقُولُوا لَوْ كَانَ هَؤُلَاءِ عَلَى الْحَقِّ مَا أَصَابَهُمْ هَذَا۔ اور مجاہد نے کہا: لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً: اس کا معنی ہے: ان کے ہاتھوں سے ہمیں عذاب نہ دے تو وہ کہیں گے کہ اگر یہ مسلمان حق پر ہوتے تو آج ان کو یہ مصیبت نہ پہنچتی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا۔ (الممتحنة: ۵)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کی ہے: ہمیں ان کے ہاتھوں سے عذاب نہ دے اور تفسیر نسفی میں مذکور ہے: ان کافروں کو ہم پر مسلط نہ فرما، پھر وہ ہم کو ایسا عذاب دیں گے جس کی ہم میں طاقت نہیں ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کو ہم پر غلبہ نہ عطا فرما، پس وہ یہ گمان کریں گے کہ وہ حق پر ہیں اور ہم باطل پر ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۳۰)

بِعَصْمِ الْكَوَافِرِ أَمْرَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ بِفِرَاقِ نِسَائِهِمْ كُنْ كَوَافِرَ بَنَاتٍ۔
بعصم الکوافر: اس کا معنی ہے: نبی ﷺ کے اصحاب کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنی ان بیویوں سے الگ ہو جائیں جو مکہ میں کفر پر قائم تھیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا تُنْكِحُوا بِعِصْمِ الْكَوَافِرِ۔ (الممتحنہ: ۱۰)

مکہ میں جن کافرہ عورتوں کے ساتھ نکاح کو فسخ کر دیا گیا ان کی تفضیل

علامہ سبکی لکھتے ہیں: العصم، البعصۃ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: جو عقد نکاح یا نسب کے رشتہ کی وجہ سے محفوظ ہو اور الکوافر کافرہ کی جمع ہے اور اس آیت کا معنی ہے: اور تم نکاح شدہ کافر عورتوں کو مت رو کے رکھو اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے منع کر دیا کہ وہ کافرہ کے ساتھ نکاح پر قائم رہیں، اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان مشرکہ بیویوں سے الگ ہو جاؤ۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس آیت کا معنی ہے کہ تم کافر عورتوں کے ساتھ عقد پر قائم نہ رہو، پس جس مرد کی بیوی مکہ میں کافرہ تھی وہ اس کے ساتھ نکاح پر قائم نہ رہے، اس کی عصمت ختم ہو گئی اور وہ اس کی بیوی نہیں ہے۔ اور اگر تمہارے پاس اہل مکہ میں سے کوئی مسلمان عورت آئے اور اس کا وہاں کافر خاوند ہو تو وہ اس کی عدت نہیں گزارے گی، پس بے شک اس کی عصمت منقطع ہو چکی ہے اور الزہری نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ان دو مشرکہ بیویوں کو طلاق دے دی جو مکہ میں تھیں، ان میں سے ایک کا نام قریبہ بنت امیہ تھا، ان کے بعد معاویہ نے ان سے نکاح کر لیا اور وہ دونوں اس وقت اپنے شرک پر تھے اور دوسری کا نام ام کلثوم الخزاعیہ تھا اور یہ حضرت عبداللہ کی ماں تھی، پھر ان سے ابو جہم نے نکاح کر لیا اور وہ دونوں اپنے شرک پر قائم تھیں اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے نکاح میں آرونی بنت ربیعہ تھیں، اسلام نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابُ: لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدَاؤَكُمْ أَوْلِيَاءَ
اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے ایمان والو! میرے دشمنوں کو
اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ (الممتحنہ: ۱) کی تفسیر

۳۸۹۰۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا
عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ حَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ
عَبْنِ أَنَسٍ سَمِعْتُ عُبَيْدَ اللَّهِ بْنَ أَبِي رَافِعٍ كَاتِبَ عَلِيٍّ يَقُولُ
سَمِعْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ
ﷺ أَنَا وَالزُبَيْرُ وَالْبُقْدَادُ فَقَالَ انْطَلِقُوا حَتَّى
تَأْتُوا رَوْضَةَ خَافِرٍ فَإِنَّ بِهَا طَلْعِيْنَةً مَعَهَا كِتَابٌ
فَخُذُوهُ مِنْهَا فَذَهَبْنَا تَعَادَى بَنَّا حَتْلُنَا حَتَّى أَتَيْنَا
الرَّوْضَةَ فَإِذَا نَحْنُ بِالطَّلْعِيْنَةِ فَقُلْنَا أَخْرِجِي الْكِتَابَ
فَقَالَتْ مَا مَعِيَ مِنْ كِتَابٍ فَقُلْنَا لَشَرِّ جَنٍّ الْكِتَابُ
أَوْ لِنُفْقَيْنِ الْبَيِّنَاتِ فَأَخْرَجَتْهُ مِنْ بَقَائِهَا فَاتَيْنَاهَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن دینار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے الحسن بن محمد بن علی نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے حضرت عبید اللہ بن ابی رافع سے سنا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کاتب تھے، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو بھیجا، پس فرمایا: تم لوگ جاؤ اور جب مقام خافہ کے باغ میں پہنچ جاؤ تو وہاں تمہیں ایک مسافرہ عورت ملے گی، اس کے پاس ایک خط ہو گا، تم اس سے وہ خط لے لینا، پس ہم لوگ

النَّبِيِّ ﷺ فَإِذَا فِيهِ مِنْ حَاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَى
 أَنْاسٍ مِنَ الشُّرَكِيِّينَ مِثْنُ بَيْكَةٍ يُخْبِرُهُمْ بِبَعْضِ أَمْرِ
 النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَإِذَا فِيهِ مَا
 هَذَا يَا حَاطِبُ قَالَ لَا تَعْجَلْ عَلَيَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي
 كُنْتُ أَمْرًا مِنْ قُرَيْشٍ وَلَمْ أَكُنْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَكَانَ
 مَنْ مَعَكَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ لَهُمْ قَرَابَاتٌ يَحْمُونَ بِهَا
 أَهْلِيهِمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِبَيْكَةٍ فَأَخْبَيْتُ إِذْ قَاتَنِي مِنَ
 النَّسَبِ فِيهِمْ أَنْ أَصْطَنِمَ إِلَيْهِمْ يَدًا يَحْمُونَ قَرَابَتِي
 وَمَا فَعَلْتُ ذَلِكَ كُفْرًا وَلَا ارْتِدَادًا عَنْ دِينِي فَقَالَ
 النَّبِيُّ ﷺ إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكُمْ فَقَالَ عُمَرُ دَعْنِي يَا
 رَسُولَ اللَّهِ فَأَضْرِبْ عَنْقَهُ فَقَالَ إِنَّهُ شَهِدَ بَدْرًا وَمَا
 يُذَرِّيكَ لَعَلَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ أَطْلَعَ عَلَى أَهْلِي بَدْرٍ فَقَالَ
 اْعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ قَالَ عُمَرُ وَنَزَلَتْ
 فِيهِ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَ
 عَدُوَّكُمْ﴾ (الممتحنة: ١) قَالَ لَا أَدْرِي الْآيَةَ فِي الْحَدِيثِ أَوْ
 قَوْلُ عُمَرُو -

گئے، ہم اپنے گھوڑوں کو دوڑا رہے تھے حتیٰ کہ ہم اس باغ میں
 پہنچے تو وہاں پر وہ مسافرہ عورت تھی، ہم نے اس سے کہا: تم خط
 نکالو، اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں ہے، ہم نے اس سے
 کہا: تم ضرور خط نکالو گیور نہ ہم تمہارے کپڑے اتار دیں گے تو
 اس نے اپنے سر کے بالوں کے گچھے کے نیچے سے خط نکالا، ہم نبی
 ﷺ کے پاس وہ خط لے کر آئے، پس وہ خط حضرت حاطب
 بن ابی بلتعہ کی جانب سے مشرکین کے مردوں کے نام تھا، اس میں
 انہوں نے نبی ﷺ کے بعض معاملات کی خبر دی تھی، پس نبی
 ﷺ نے فرمایا: اے حاطب! یہ کیا ہے؟ حضرت حاطب نے
 کہا: یا رسول اللہ! میرے متعلق عجلت میں فیصلہ نہ کریں بے شک
 میں قریش میں سے ایک مرد تھا اور میں ان میں سے نہیں تھا اور
 آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں ان کی قریش کے ساتھ رشتہ
 داریاں ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے گھروالوں اور اپنے مالوں کی
 مکہ میں حفاظت کریں گے، پس میں نے یہ پسند کیا کہ جب ان
 میں میرا نسب اور رشتہ داری نہیں ہے تو میں ان کی طرف کوئی
 احسان کر دوں جس کی وجہ سے وہ میرے رشتہ داروں کی حفاظت
 کریں اور یہ میں نے کسی کفر کی وجہ سے نہیں کیا اور نہ اپنے دین
 سے ارتداد کی وجہ سے کیا ہے، تو نبی ﷺ نے فرمایا: اس نے تم
 سے سچ بولا ہے، پس حضرت عمر نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت
 دیجئے کہ میں اس کی گردن مار دوں، آپ نے فرمایا: یہ غزوہ بدر
 میں حاضر ہو چکا ہے اور تمہیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ عزوجل
 اہل بدر کی طرف متوجہ ہوا، پس فرمایا: تم جو چاہو عمل کرو میں نے
 تمہاری مغفرت کر دی، عمرو بن دینار نے کہا: اس موقع پر یہ آیت
 نازل ہوئی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَ
 عَدُوَّكُمْ (الممتحنة: ١) اے ایمان والو! میرے دشمنوں کو اور اپنے
 دشمنوں کو (دوست) نہ بناؤ۔ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ میں نہیں
 جانتا کہ حدیث میں اس سے مراد یہ آیت ہے یا عمرو بن دینار کا
 قول ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۰۰۷ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور کی وضاحت کی جاتی ہے:

رسول اللہ ﷺ نے عورت سے خط لینے کے لیے جن کو بھیجا ان کے ناموں کی تفصیل اور اس عورت کا نام و دیگر امور

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آپ نے مجھے اور حضرت زبیر کو اور حضرت مقداد کو بھیجا: اور اعلیٰ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو اور حضرت عمار کو اور حضرت عمر کو اور حضرت زبیر کو اور حضرت طلحہ کو اور حضرت المقداد بن اسود کو اور حضرت ابو مرشد رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور یہ سب گھوڑوں پر سوار تھے۔

تو وہاں تمہیں ایک مسافرہ عورت ملے گی: یہ عورت حودج میں تھی اور اس کا نام سارہ تھا۔

میں قریش میں سے ایک مرد تھا: یعنی میں نے ان سے دوستی اور محبت کا حلف اٹھایا ہوا تھا، میرا ان سے کوئی نسبی رشتہ نہیں تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب کی تصدیق کر دی تھی تو پھر حضرت عمر نے ان کو قتل کرنے کی

اجازت کیوں طلب کی

مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن مار دوں: اگر تم یہ اعتراض کرو کہ حضرت عمر نے یہ کیسے کہا جب کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی تصدیق کر چکے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا سبب ان کی دینی قوت اور حق میں صلابت تھی اور ان کو حضرت حاطب کے کفر پر دثوق نہیں تھا، اسی لیے انہوں نے کہا: مجھے اجازت دیں، بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے کہا: یہ منافق ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ منافق سے ان کی مراد نفاق اعتقادی نہیں تھا بلکہ نفاق عملی تھا کیونکہ انہوں نے ایسا اقدام کیا جو ان کے دعویٰ ایمان کے خلاف تھا۔

پس بے شک میں نے ان کی مغفرت کر دی ہے: یعنی امور اخرویہ کی، اور اگر دنیا میں ان پر حد واجب ہو تو حد نافذ کی جائے گی

یا کسی مرد کا ان پر کوئی حق ہو تو ان سے وہ حق لیا جائے گا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۳۲-۳۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ سفیان سے پوچھا گیا کہ اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے: لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّيْ-الایہ (الممتحنہ: ۱) سفیان نے کہا: یہ بات لوگوں کی زبانوں پر ہے، میں نے اس حدیث کو عمرو بن دینار سے محفوظ رکھا ہے اور میں نے اس حدیث میں سے ایک حرف کو بھی نہیں چھوڑا اور میں نہیں سمجھتا کہ میرے علاوہ کسی اور کو یہ حدیث محفوظ ہے۔ یعنی حفظ ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۰۰۷ میں گزر چکی ہے۔

جس روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت حاطب کے قصہ میں الممتحنہ: ۱، نازل ہوئی وہ روایت مدرج ہے

علامہ بدر محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں علی سے مراد علی بن الدین ہے، اور سفیان سے مراد سفیان بن عیینہ ہیں۔

کیا اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: یعنی کیا حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے قصہ میں الممتحنہ: ۱، نازل ہوئی ہے۔ سفیان بن

عینہ نے کہا: یہ بات لوگوں کی زبانوں اور ان کی روایات پر ہے: لیکن میں نے عمرو بن دینار سے جو حدیث حفظ کی ہے اور جس کو میں نے اس آیت کے نزول کے بغیر روایت کیا ہے اس میں اس آیت کے نزول کا ذکر نہیں ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ کسی اور نے عمرو بن دینار کی اس حدیث کو میرے علاوہ یاد رکھا ہوگا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: جس حدیث میں حضرت حاطب کے قصہ کے بعد اس آیت کے نزول کا ذکر ہے وہ حدیث مدرج ہے یعنی اس حدیث میں راوی نے اپنی طرف سے یہ بات ملا دی ہے اور سفیان کو اس اضافہ پر یقین اور وثوق نہیں تھا، تاہم علامہ ثعلبی نے اس حدیث کی بہت طول کے ساتھ روایت کی ہے اور اس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت حاطب اور ان کے خط بھیجنے کے قصہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ۔ (الممتحنہ: ۱۰)

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ باب: إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَتُ مُهْجِرَاتٍ۔
اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں۔ (الممتحنہ: ۱۰) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یعنی جس حال میں ایمان والی عورتیں دار الکفر سے ہجرت کر کے دار السلام کی طرف آئیں تو ان کو آزمایا کرو۔ اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس کا سبب صلح نامہ کی یہ شرط ہے کہ قریش سے جو شخص مسلمانوں کی طرف آئے اس کو قریش کی طرف واپس کیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس شرط سے ان مسلمان عورتوں کو مستثنیٰ کر لیا جو ہجرت کر کے آئیں بہ شرطیکہ ان کو آزمایا جائے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۳۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب کے بھتیجے نے حدیث بیان کی ازعم خود، انہوں نے کہا: مجھے عروہ نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ اس آیت کی وجہ سے ان مسلمان عورتوں کا امتحان لیا کرتے تھے جو آپ کی طرف ہجرت کر کے آتی تھیں، وہ آیت یہ ہے: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَتُ... عَفْوًا... رَاجِعًا... اے نبی! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں وہ آپ سے اس پر بیعت کریں۔۔۔۔۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے رحم فرمانے والا ہے (تک)، عروہ نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پس ایمان والی عورتوں میں سے جس نے اس شرط کا اقرار کیا تو رسول اللہ ﷺ اس عورت

۴۸۹۱۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي شَهَابٍ عَنْ عْتِهِ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَنْتَحِبُ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ بِهَذِهِ الْآيَةِ يَقُولُ اللَّهُ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَتُ إِلَى قَوْلِهِ عَفْوًا رَاجِعًا﴾ قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَمَنْ أَقَرَّ بِهَذَا الشَّرْطِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ قَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَدْ بَايَعْتُكَ كَلَامًا وَلَا وَاللَّهِ مَا مَسَّتْ يَدُهَا يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ لِي الْمُبَايَعَةِ مَا يَبَايِعُهُنَّ إِلَّا بِقَوْلِهِ قَدْ بَايَعْتُكَ عَلَى ذَلِكَ تَابِعَهُ يُونُسُ وَمَعْمَرُ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ إِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ إِسْحَاقُ بْنُ رَاشِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ وَعَمْرَةَ۔

سے فرماتے کہ میں نے تم کو بیعت کر لیا، آپ کلام کے ذریعہ بیعت کرتے اور اللہ کی قسم! عورتوں کو بیعت کرتے وقت آپ کے ہاتھ نے کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا، آپ ان عورتوں کو یہ فرما کر صرف اپنے کلام سے بیعت کرتے کہ میں نے تم کو بیعت کر لیا ہے۔ ابن شہاب کے بھتیجے کی متابعت یونس اور معمر اور عبدالرحمن بن اسحاق نے کی ہے از زہری اور اسحاق بن راشد نے کہا از زہری از عروہ و عمرہ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۷۲ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض امور کی وضاحت کی جا رہی ہے:

عورتوں کا امتحان لینے کی کیفیت، نبی ﷺ نے عورتوں کو بیعت کرتے وقت کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا،

اس پر ایک اشکال کا جواب

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بے شک رسول اللہ ﷺ ان عورتوں کا امتحان لیتے تھے: کہ وہ عورتیں حلف اٹھا کر یہ بیان کریں کہ وہ عورتیں اپنے شوہر سے بغض کی وجہ سے ہجرت نہیں کر رہیں اور نہ دنیا کو طلب کرنے کے لیے ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف جا رہی ہیں بلکہ وہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی بناء پر دار کفر سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کر رہی ہیں۔

اس آیت کی وجہ سے: پوری آیت حسب ذیل ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ
أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بَهْشَانٍ يَقْتُلْنَ بَنِينَ أَيْدِيَهُنَّ
وَأَنْزُلُهُنَّ وَلَا يَعْصِيَنَّ فِي مَعْرَافٍ قُبَاهٍ وَاسْتَغْفِرُوا
لَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (الممتحنہ: ۱۲)

اے نبی! (مکرم) جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں تو وہ آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کیں گی اور نہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے کوئی بہتان گھڑیں گی اور نہ دستور کے مطابق کسی کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیا کریں، اور آپ ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے

حدیث فرمانے والا ہے ○

مفسرین نے کہا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مردوں کو بیعت کرنے سے فارغ ہو گئے تو آپ نے عورتوں کو بیعت کرنا شروع کیا، اس وقت آپ صفا پہاڑ پر تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پہاڑ کے نیچے تھے اور وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے حکم سے عورتوں کو بیعت کر رہے تھے اور ان عورتوں کو اس آیت کی تبلیغ کر رہے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے تم سے اس کلام کے ذریعہ بیعت کی ہے: یعنی آپ کلام سے بیعت کرتے تھے اور ہاتھ سے بیعت نہیں کرتے تھے جس طرح مردوں سے مصافحہ کر کے ان سے دونوں ہاتھوں سے بیعت کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کی قسم! آپ نے کسی عورت کا ہاتھ نہیں چھوا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول میں اس روایت کا رد ہے جس کی امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، امام البزار، امام طبرانی اور امام ابن مردویہ نے اپنی سندوں کے ساتھ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے بیعت کرنے کے قصہ میں حدیث بیان کی ہے، وہ یہ ہے:

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ نے گھر کے باہر سے اپنا ہاتھ بڑھایا اور ہم نے گھر کے اندر سے اپنے ہاتھوں کو بڑھایا، پھر آپ نے فرمایا: اے اللہ! تو گواہ ہو جا، اسی طرح اس حدیث میں ہے جو اس کے بعد آئے گی، اس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: پس ہم میں سے ایک عورت نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اس حدیث میں یہ خبر ہے کہ ان عورتوں نے آپ سے اپنے ہاتھوں کے ساتھ بیعت کی تھی۔ اگر تم یہ سوال کرو کہ ان حدیثوں کو مسترد کرنے کی کیا وجہ ہے جب کہ یہ تمام احادیث صحیح ہیں، اس کا جواب یہ ہے: جن حدیثوں میں ہے کہ آپ نے اپنا ہاتھ گھر کے باہر سے بڑھایا ان میں یہ اشارہ ہے کہ بیعت واقع ہو گئی اور صحیح بخاری کی دوسری حدیث میں جو مذکور ہے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے ہاتھ کھینچ لیا اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے بیعت کو قبول کرنے میں تاخیر کی یا یہ بیعت پردے کی اوٹ سے تھی۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۔ بَابُ: إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَةُ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جب آپ کے پاس ایمان والی

يُبَايِعُكَ۔ (الممتحنہ: ۱۲)

عورتیں بیعت کے لیے حاضر ہوں۔ (الممتحنہ: ۱۲) کی تفسیر

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از حفصہ بنت سیرین از حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو آپ نے ہم پر یہ آیت پڑھی کہ وہ عورتیں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی اور ہم کو نوحہ کرنے سے منع فرمایا تو ایک عورت نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، پس اس نے کہا کہ فلاں عورت نے نوحہ کرنے میں میری موافقت کی تھی اب میں اس کا بدلہ اتارنا چاہتی ہوں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا، پس وہ عورت چلی گئی اور واپس آئی تو آپ نے اس کو بیعت کر لیا۔

۳۸۹۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ بَايَعْنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَرَأَ عَلَيْنَا أَنْ لَا يُشْرِكَنَّ بِاللَّهِ شَيْئًا وَنَهَانَا عَنْ الْبَيْحَةِ فَتَقَبَّضْتُ امْرَأَةً يَدَهَا فَقَالَتْ أَسْعَدْتَنِي فَلَانَّةُ أُرِيدُ أَنْ أَجْزِيَهَا فَمَا قَالَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ شَيْئًا فَانْطَلَقْتُ وَرَجَعْتُ فَبَايَعَهَا

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۰۴ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور کی وضاحت کی جا رہی ہے:

نوحہ کرنے کا معنی اور جس عورت نے اپنا ہاتھ کھینچا تھا اس سے مراد خود حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کا اختیار

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آپ نے ہم کو نوحہ کرنے سے منع فرمایا: نوحہ کا معنی ہے کہ میت پر رویا جائے اور اس کے محاسن کو اور اچھے کاموں کو بیان کیا جائے، دوسری تعریف یہ ہے کہ آواز کے ساتھ رونے کو نوحہ کہتے ہیں۔

پس ایک عورت نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا: اس عورت سے مراد خود حضرت ام عطیہ بنتی ہنہا ہیں، اس پر دلیل یہ ہے کہ امام نسائی کی روایت میں مذکور ہے کہ حضرت ام عطیہ نے کہا: یا رسول اللہ! ایک عورت نے نوحہ کرنے میں میری موافقت کی تھی، سو میرے لیے ضروری ہے کہ میں بھی اس کے ساتھ نوحہ کرنے میں اس کی موافقت کروں۔

تو نبی ﷺ نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا: اور امام نسائی کی روایت میں ہے: آپ فرمایا: جاؤ اس کے ساتھ نوحہ میں موافقت کرو، پس وہ گئیں اور اس عورت کے ساتھ موافقت کی، پھر آکر آپ سے بیعت کی اور یہی حدیث کے ان الفاظ کا معنی ہے: پس وہ عورت چلی گئی اور واپس آئی تو آپ نے اس کو بیعت کر لیا۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے حضرت ام عطیہ بنتی ہنہا کو اس عورت کے ساتھ نوحہ کرنے کی اجازت دی۔

ملازمہ نووی نے کہا ہے: یہ اجازت صرف حضرت ام عطیہ بنتی ہنہا کے لیے مخصوص تھی اور شارع ﷺ کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ جس کو چاہیں عام حکم سے خاص اور مستثنیٰ کر لیں۔

جن احادیث میں مذکور ہے کہ آپ نے دوسری عورتوں کو بھی نوحہ کرنے کی اجازت دی ان احادیث کا محمل

اس پر یہ اعتراض ہے کہ امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس بنی ہنہا سے یہ روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان عورتوں سے شرک نہ کرنے اور نوحہ نہ کرنے پر بیعت کی تو حضرت خولہ بنت حکیم نے کہا: یا رسول اللہ! میرا باپ اور میرا بھائی زمانہ جاہلیت میں مر گئے تھے اور فلاں عورت نے ان پر نوحہ کرنے میں میری موافقت کی تھی اور اب اس عورت کا بھائی مر گیا ہے۔ اور امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ از حضرت ام سلمہ انصاریہ بنتی ہنہا از اسماء بنت یزید یہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ! بنو فلاں نے میرے چچا پر نوحہ کرنے میں میری موافقت کی تھی لہذا میرے لیے ان کا بدلہ اتارنا ضروری ہے تو آپ نے انکار فرمایا، انہوں نے کہا: پس میں نے آپ سے بار بار یہ بات کہی تو آپ نے مجھے اجازت دے دی، پھر اس کے بعد میں نے کسی پر نوحہ نہیں کیا۔

امام احمد اور امام طبرانی نے مصعب بن نوح سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: مجھے ایک بوڑھی عورت ملی جو ان عورتوں میں سے تھی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی، کہتی ہیں: آپ نے ہم سے اس پر بیعت کی کہ تم نوحہ نہیں کرو گی، اس بوڑھی عورت نے کہا: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! کچھ لوگوں نے ہم پر جو مصائب آئے ان پر نوحہ کرنے میں ہماری موافقت کی اب ان پر بھی مصائب آئے ہیں تو میں ان کی موافقت کرنا چاہتی ہوں تو آپ نے فرمایا: تم جاؤ، پس ان کی موافقت کرو، اس بوڑھی عورت نے کہا: پس میں گئی اور میں نے ان لوگوں کے مصائب میں نوحہ کر کے ان کا بدلہ اتارا، پھر میں آئی اور میں نے آپ سے بیعت کر لی۔

ملازمہ مینی فرماتے ہیں: پس ان احادیث سے بعض فقہاء مالکیہ نے نوحہ کرنے کے جواز پر استدلال کیا ہے اور انہوں نے کہا: وہ نوحہ حرام ہے جس میں افعال جاہلیت میں سے کوئی کام ہو مثلاً گریبان پھاڑنا اور چہرے پر تھپڑ مارنا وغیرہ۔

ملازمہ مینی فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ نوحہ کرنا مطلقاً حرام ہے اور یہی تمام علماء کا مذہب ہے اور ان احادیث کا بہترین جواب یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ پہلے ممانعت تنزیہ کے لیے تھی یعنی مکروہ تنزیہی تھی، پھر جب عورتوں کی بیعت مکمل ہو گئی تو پھر نوحہ کی تحریم آ گئی، سو جن احادیث میں آپ نے نوحہ کرنے کی اجازت دی ہے وہ اس پر محمول ہیں کہ تب نوحہ کرنا مکروہ تنزیہی تھا، پھر بعد میں نوحہ کی تحریم آ گئی اور نوحہ کی ممانعت پر پہلے کثرت احادیث میں وعید شدید آ گئی۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس باب کی حدیث میں ہے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے خلاف ہے کہ آپ نے عورتوں سے صرف کلام سے بیعت کی تھی اور آپ نے کسی عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اس سے پہلے حضرت عائشہ کی حدیث میں یہ بتا چکے ہیں کہ حضرت ام عطیہ کے ہاتھ کھینچنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اس بیعت کو قبول کرنے میں تاخیر کی۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۳۵-۲۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۹۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحْتَدٍ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ سَمِعْتُ الزُّبَيْرَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرَوفٍ﴾ (الممتحنہ: ۱۲) قَالَ إِنَّمَا هُوَ شَرْطٌ مَرَّطُهُ اللَّهُ لِلنِّسَاءِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہب بن جریر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں الزبیر سے سنا از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں کہا: وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرَوفٍ (الممتحنہ: ۱۲) اور نہ دستور کے مطابق کسی کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ وہ شرط ہے جو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے لگائی ہے۔

معروف کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال، اور شرط مذکورہ کا مردوں کے لیے بھی معتبر ہونا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے: اس سے مراد نوح کرنا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ کوئی عورت اپنے محرم کے علاوہ کسی اجنبی مرد کے ساتھ خلوت میں نہیں رہے گی، تیسرا قول ہے کہ کوئی عورت اپنے چہرے پر تھپڑ نہیں مارے گی اور اپنا گریبان نہیں پھاڑے گی اور نہ ہائے ہائے اور دواویلا کرے گی اور نہ کوئی غیر شرعی شعر پڑھے گی، چوتھا قول ہے کہ معروف سے مراد ہے: اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور پانچواں قول ہے: اس سے مراد ہر وہ کام ہے جس میں عورتوں کے لیے ہدایت ہو، چھٹا قول یہ ہے کہ معروف سے مراد اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنا ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے یہ شرط عورتوں کے لیے لگائی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ شرط مردوں کے لیے بھی ہے کہ وہ بھی کسی معروف کام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں اور مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۲۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۹۳۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ الزُّهْرِيُّ حَدَّثَنَا قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو ذَرِيْسٍ سَمِعَ عَمَّادَةَ بْنَ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ أَتَبَايَعُونَ عَلِيَّ أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَشْرَبُوا وَقَرَأَ آيَةَ النِّسَاءِ وَأَكْثَرَ لَفْظِ سُفْيَانَ قَرَأَ الْآيَةَ فَمَنْ وَلَّى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فَهُوَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، الزہری نے کہا: انہوں نے ہمیں حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابو اور یس نے حدیث بیان کی، انہوں نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا: کیا تم مجھ سے اس پر بیعت کرو گے کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے اور نہ تم زنا کرو گے اور نہ تم

كَفَّارَةً لَهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْهَا شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَسَتْرَةً
 اللَّهُ فَهُوَ إِلَى اللَّهِ إِنْ شَاءَ عَذِّبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ تَابِعَهُ
 عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ فِي الْآيَةِ

چوری کرو گے اور آپ نے عورتوں کے متعلق آیت مذکورہ پڑھی، اور
 سفیان کے اکثر الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے وہ آیت پڑھی پس تم میں
 سے جس نے اس بیعت کو پورا کر لیا تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر
 ہے اور جس نے (ان ممنوعہ کاموں میں سے) کسی کام کو کر لیا، پس
 اسے سزا دی گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جس نے ان میں
 سے کسی کام کو کیا، پس اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ رکھا تو وہ اللہ تعالیٰ
 کی مشیت پر موقوف ہے اگر وہ چاہے گا تو اس کو عذاب دے گا اور
 اگر وہ چاہے گا تو اس کو معاف فرما دے گا۔ سفیان کی متابعت
 عبدالرزاق نے کی ہے از معمر اس آیت کی تلاوت میں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۸ میں گزر چکی ہے۔

۳۸۹۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ حَدَّثَنَا
 هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهَبٍ قَالَ
 وَأَخْبَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ أَنَّ الْحَسَنَ بْنَ مُسْلِمٍ أَخْبَرَهُ عَنْ
 طَاوُسٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ شَهِدْتُ
 الصَّلَاةَ يَوْمَ الْفِطْرِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ
 وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ فَكُلُّهُمْ يُصَلِّيهِمَا قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ
 يَخْطُبُ بَعْدُ فَنَزَلَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ فَكَانِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ
 حِينَ يُجْلِسُ الرِّجَالَ بِيَدِهِ ثُمَّ أَقْبَلَ يَشْفُقُهُمْ حَتَّى أَتَى
 النِّسَاءَ مَعَ بِلَالٍ فَقَالَ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ
 الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعُكَ عَلَى أَنْ لَا يَشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئًا وَلَا
 يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَكُونَنَّ
 بَيْنَهُنَّ يَفْقَرِيَةٌ بَيْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَأَنْفُسِهِنَّ﴾
 (المستدرک: ۱۲) حَتَّى فَرَعَ مِنَ الْآيَةِ كُلِّهَا ثُمَّ قَالَ حِينَ فَرَعَ
 أَتَيْنَ عَلَى ذَلِكَ فَقَالَتْ امْرَأَةٌ وَاحِدَةً لَمْ يُجِبْهُ عَذَابُهَا
 نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَا يَذَرِي الْحَسَنَ مَنْ هِيَ قَالَ
 فَتَصَدَّقْنَ وَبَسَطَ بِلَالٌ ثَوْبَهُ فَجَعَلْنَ يُنْقِصْنَ الْفَتَمَ
 وَالْعَوَاتِيمَ فِي ثَوْبِ بِلَالٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبدالرحیم نے حدیث
 بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہارون بن معروف نے حدیث بیان
 کی انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن وہب نے حدیث بیان کی،
 انہوں نے کہا: اور مجھے ابن جریج نے خبر دی کہ ان کو الحسن بن مسلم
 نے خبر دی از طاووس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان
 کیا کہ میں عید الفطر کے دن رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر اور
 حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ حاضر تھا، پس یہ سب
 عید الفطر کی نماز خطبہ دینے سے پہلے پڑھتے تھے، پھر اس کے بعد
 خطبہ دیتے تھے، پس اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ منبر سے اترے،
 پس گویا کہ میں دیکھ رہا تھا جب آپ اپنے ہاتھ سے مردوں کو بٹھا
 رہے تھے، پھر آپ ان کی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے حتیٰ
 کہ آپ حضرت بلال کے ساتھ عورتوں کے پاس آئے، پس آپ
 نے یہ آیت پڑھی: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعُكَ
 عَلَى أَنْ لَا يَشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا
 يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَكُونَنَّ بَيْنَهُنَّ يَفْقَرِيَةٌ بَيْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَأَنْفُسِهِنَّ﴾
 (المستدرک: ۱۲) اے نبی! (کرم) جب آپ کے پاس
 ایمان والی عورتیں حاضر ہوں تو وہ آپ سے اس پر بیعت کریں کہ
 وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی اور نہ چوری کریں گی نہ
 زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھوں اور

پیروں کے سامنے کوئی بہتان گھڑیں گی اور نہ دستور کے مطابق کسی کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیا کریں، اور آپ ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ حتیٰ کہ آپ پوری آیت پڑھ کر فارغ ہو گئے، پھر جب آپ فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا: تم اس (بیعت) پر قائم رہو گی اور ایک عورت کے سوا کسی نے آپ کو جواب نہیں دیا، اس نے کہا: جی ہاں یا رسول اللہ! الحسن نہیں جانتے تھے کہ وہ عورت کون ہے، آپ نے فرمایا: پس تم صدقہ کیا کرو اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنا کپڑا پھیلا لیا تو عورتیں اپنے چھلے اور انگوٹھیاں حضرت بلال کے کپڑے میں ڈالنے لگیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۹۸ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں خصوصیت کے ساتھ عورتوں کو وعظ کرنے اور جھولی پھیلا کر چندہ کرنے کا ثبوت ہے۔

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الممتحنہ کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور احادیث روایت کی تھیں ان سب کی تفسیر مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ الصف کی تفسیر کی میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور احادیث روایت کی ہیں ان کی تفسیر کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۶۱۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الصَّفِّ

سورة الصف کی تفسیر

سورة الصف کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الصف کی بعض آیات کی تفسیر ہے۔ اس سورت کا نام الصف اس لیے ہے کہ اس کی ایک آیت میں صف کا ذکر ہے اور وہ آیت یہ ہے: يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا (الف: ۴) اس سورت کا نام سورة الحواریین بھی ہے، علامہ ابوالعباس نے کہا: یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے اور ابن النقیب نے ابن بشار سے نقل کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے، اور علامہ سخاوی نے کہا: یہ سورت تبیین کے بعد اور سورة الفتح سے پہلے نازل ہوئی ہے اور اس سورت میں چودہ (۱۴) آیات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ) وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ مَنْ يَتَّبِعُنِي إِلَى اور مجاہد نے کہا: مَنْ الْأَصَابِيحِ إِلَى اللَّهِ اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف میری کون پیروی کرے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِنَحْوَارِيَّ مَنْ الْأَصَابِيحِ إِلَى اللَّهِ (الف: ۱۴) جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا: اللہ کی طرف میرے مددگار کون ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف میری کون پیروی کرے گا، اس تعلیق کی اگنظلی نے اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کی ہے، ایک قول یہ ہے کہ لفظ الی مع کے معنی میں ہے اور اس کا معنی ہے: کون اپنی نصرت کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کرے گا، داؤدی نے کہا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کون اللہ کی رضا کے لیے یا اللہ کی محبت میں میری پیروی کرے گا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَرْضُوضٌ مَنْصَقٌ بِنَفْسِهِ بِنَفْضٍ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مَرْضُوضٌ کا معنی ہے: اس کا بعض بعض سے ملا ہوا ہے یا جڑا ہوا ہے اور دوسروں نے کہا کہ وہ سیر سے جڑا ہوا ہے یا سیر سے پلایا ہوا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْضُوضٌ (الف: ۴) جیسے وہ سیر پلائی ہوئی دیوار ہیں یا عمارت ہیں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بعض بعض کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور ابو ذر کی روایت میں ہے کہ بعض بعض کی طرف ملے ہوئے ہیں اور دوسروں نے کہا کہ وہ سیر کے ساتھ ملے ہوئے ہیں، لفظ رصاص کے متعلق علامہ کرمانی نے کہا: اس پر زبر ہے اور امام لوگوں نے کہا: اس پر زبر ہے، علامہ عینی لکھتے ہیں: دستور اللفظ میں اس پر صرف زبر کو ذکر کیا ہے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۳۷ میں کی ہے]

۱۔ بَابُ: يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ۱۔

(الف: ۶) احمد ہے۔ (الف: ۶) کی تفسیر

آپ کے نام احمد کا معنی اور اہل انجیل کے نزدیک آپ کا نام

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ پوری آیت اس طرح ہے:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَبْنِي إِسْرَءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ۱ (الف: ۴)

اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اس (عظیم) رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے آئے گا اس کا نام احمد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام احمد رکھا جو اس کے نام سے مشتق ہے یا فاعل میں مبالغہ ہے اور اس کا معنی ہے: جس نے میری حمد کی تو آپ اس سے احمد ہیں یعنی زیادہ حمد کرنے والے اور اہل انجیل کے نزدیک آپ کا نام الفارقلیط ہے جو فاران کے پہاڑوں سے آئیں گے یعنی وہ حق کی پسندیدہ روح ہیں اور اپنی طرف سے کلام نہیں کرتے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۳۷، دارالکتب العمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۸۹۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرٍ بْنُ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّ لِي أَسْمَاءً أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا النَّاسِحُ الَّذِي يَنْحُو اللَّهُ فِي الْكُفْرِ وَأَنَا الْحَاشِئُ الَّذِي يُخَشِّمُ النَّاسَ عَلَى قَدَمِي وَأَنَا الْعَاقِبُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے محمد بن جبیر بن مطعم نے خبر دی از والد خود نبی ﷺ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرے لیے کئی اسماء ہیں: میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں الماحی (مٹانے والا) ہوں، اللہ تعالیٰ میرے سبب سے کفر کو مٹا دے گا اور میں الحاشئ (جمع کرنے والا) ہوں، میرے قدموں پر لوگوں کو جمع کیا جائے گا اور میں العاقب ہوں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۵۳۲ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

الحاشئ اور العاقب کی وضاحت اور اس سوال کا جواب کہ اس حدیث میں جتنے اسماء ذکر کیے گئے آپ کے اسماء

تو اس سے بہت زیادہ ہیں

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

میرے قدموں پر لوگوں کو جمع کیا جائے گا: یعنی میرے زمانہ میں، جب حشر کی علامات کے ظہور کے وقت میں اپنے قدم پر کھڑا ہوں گا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ میرا سب سے پہلے حشر کیا جائے گا۔ اور العاقب وہ ہے جو اپنے سے پہلوں کے بعد آئے۔

محمد، احمد اور الماحی کے معنی

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی نے لفظ محمد، احمد اور الماحی کے معانی نہیں لکھے، سلف محمد کا معنی ہے: جس کی بہت زیادہ حمد کی گئی ہو اور جس کی بار بار حمد کی گئی ہو، اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو محمد فرمایا ہے اور قرآن مجید میں چار جگہ آپ کے نام محمد کا ذکر ہے اور محمد کا معنی ہے: جس کی بہت زیادہ حمد کی گئی ہو اور حمد صفت کمال پر ہوتی ہے اور آپ علی الاطلاق محمد ہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ آپ میں کمال علی الاطلاق ہے اور آپ میں کسی وجہ سے بھی نقص اور عیب ہوتا تو آپ علی الاطلاق محمد نہ ہوتے، یہی وجہ ہے کہ کفار جب آپ کی مذمت کرتے تھے تو آپ کو محمد کی بہ جائے مذم کہتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس پر تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے سب و شتم کو مجھ سے کس طرح دور کر دیا، وہ مذم کو سب و شتم کرتے ہیں اور لعنت کرتے ہیں اور میں تو محمد ہوں (صحیح البخاری: ۳۵۳۳) اور احمد کا معنی ہے: میں حامدوں سے زیادہ اللہ کی حمد کرنے والا ہوں اور آپ نے تمام مخلوق سے زیادہ اللہ کی حمد کی ہے اور الماحی کا معنی ہے: مٹانے والا اور جتنا آپ نے کفر کو مٹایا ہے کسی اور نبی اور رسول نے اتنا کفر کو نہیں مٹایا۔

لاکھ ستارے ہر طرف ظلمت شب جہاں جہاں ایک طلوع آفتاب دشت و جبل سحر سحر

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس حدیث میں جو اسماء ذکر کیے گئے ہیں آپ کے اسماء و صفات تو اس سے بہت زیادہ ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں آپ کے ان اسماء کا ذکر کیا گیا ہے جو کتب قدیمہ میں موجود تھے اور گزشتہ امتوں کو جن کا علم تھا۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الصف کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور جو حدیث روایت کی تھی ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ الجمعہ کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح بیان کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۶۲۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْجُمُعَةِ

سورة الجمعة کی تفسیر

سورة الجمعة کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الجمعة کی بعض آیات کی تفسیر ہے، امام عبدالرزاق نے ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آنے سے پہلے لوگ مدینہ میں جمع ہوئے اور ان ہی لوگوں نے اس دن کا نام جمعہ رکھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ انصار نے کہا: یہودی ہر ہفتہ کے دن جمع ہوتے ہیں اور نصاریٰ اتوار کے دن جمع ہوتے ہیں تو کیوں نہ ہم بھی ایک دن جمع ہوں اور اس دن اللہ کا ذکر کریں اور نماز پڑھیں اور اس کا شکر ادا کریں، پس انہوں نے یوم عروبہ کا نام جمعہ رکھ دیا، پھر وہ حضرت اسعد کے پاس جمع ہوئے اور انہوں نے انہیں دو رکعت نماز پڑھائی اور نصیحت کی، پس انہوں نے اس دن کا نام جمعہ رکھا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۵۸۵۱)

اور علامہ ابوالعباس نے کہا کہ اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ سورة الجمعة سورة التحريم کے بعد اور سورة التغابن سے پہلے نازل ہوئی ہے اور اس سورت میں گیارہ (۱۱) آیات ہیں۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ان میں سے دوسروں

کو بھی (تعلیم دیتے ہیں) جو ان پہلوں سے

(ابھی) نہیں ملے۔ (الجمعة: ۳) کی تفسیر

۱۔ بَابُ: وَآخِرِينَ مِنْهُمْ لَنَأَيِّلَحَقُّوَابِهِمْ۔

(الجمعة: ۳)

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس سے پہلی آیت یہ ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ (الجمعة: ۲)

وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے (عظیم) رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کے باطن کو صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک وہ اس سے پہلی کھلی گمراہی میں تھے ۝

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے: فامضوا الی ذکر اللہ۔

وَقَرَأَ عُمَرُ فَاْمَضُوا اِلَى ذِكْرِ اللَّهِ۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: سالم بن عبد اللہ بن عمر نے کہا ہے کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب سے اس طرح سنا، اور مشہور اور متواتر قراءت فاسعوا الی ذکر اللہ ہے۔

۳۸۹۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے عبدالعزیز بن عبد اللہ نے

حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ ثَوْرٍ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَأَنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْجُثَّةِ ﴿وَأَخْرَجْنَا مِنْهُمْ لَنَائِلِحَقُّوا بِهِمْ﴾ (البقرة: ۳) قَالَ قُلْتُ مَنْ هُم يَا رَسُولَ اللَّهِ فَلَمْ يُرَاجِعْهُ حَتَّى سَأَلْتُ ثَلَاثًا وَفِينَا سَلَمَةُ الْفَارِسِيُّ وَضَعَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدَهُ عَلَى سَلَمَةَ ثُمَّ قَالَ لَوْ كَانَ الْإِنْسَانُ عِنْدَ الْخُرْيَا لَنَالَهُ بِرَجَالٍ أَوْ رَجُلٍ مِنْ هَؤُلَاءِ۔

(صحیح مسلم: ۲۵۳۶، سنن ترمذی: ۳۳۱۰-۳۹۳۳)

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان بن بلال نے حدیث بیان کی از ثور از ابو الغیث از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو آپ پر سورۃ الجثہ کی یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَأَخْرَجْنَا مِنْهُمْ لَنَائِلِحَقُّوا بِهِمْ﴾ (البقرة: ۳) اور ان میں سے دوسروں کو بھی (تعلیم دیتے ہیں) جو ان پہلوں سے نہیں ملے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون ہے؟ آپ نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ انہوں نے تین مرتبہ سوال کیا اور ہم میں اس وقت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسی پر رکھ کر فرمایا: اگر ایمان ثریا (ستارے) کے پاس بھی ہوتا تو ان کے مرد یا ان میں سے ایک مرد ایمان کے پاس پہنچ جاتا۔

دوسرے لوگوں کا مصداق اور فارس کی تاریخ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آپ پر سورۃ الجثہ نازل ہوئی: حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: گویا کہ حضرت ابو ہریرہ کی مراد یہ ہے کہ آپ پر سورۃ الجثہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۶۳)

علامہ یعنی حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شک کے ساتھ تفسیر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں اور اس کا معنی صحیح مسلم کی روایت کے مطابق ہے کہ آپ پر سورۃ الجثہ نازل ہوئی۔

اور دوسروں کو بھی جو ابھی ان پہلوں سے نہیں ملے: حضرت ابو ہریرہ نے کہا: میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون ہیں؟ اور سنن ترمذی میں ہے: ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! وہ کون ہیں جو ابھی ہم سے نہیں ملے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو جواب دیا حتیٰ کہ انہوں نے تین مرتبہ سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوتا تو ان لوگوں کے مرد اس کو حاصل کر لیں گے یعنی فارس کے لوگ اس قرینہ سے کہ حضرت سلمان فارس کے رہنے والے تھے۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ وہ دوسرے کون لوگ ہیں: ایک قول یہ ہے کہ وہ تابعین ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ مجھی ہیں، تیسرا قول یہ ہے کہ وہ تابعین کے بیٹے ہیں، چوتھا قول یہ ہے کہ یہ ہر وہ لوگ ہیں جو صحابہ کے بعد ہیں اور ابوروق نے کہا ہے: اس سے مراد قیامت تک کے تمام مسلمان ہیں۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ دوسروں سے مراد فارس کے باشندے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے: اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوتا تو ان کے مرد اس کے پاس پہنچ جاتے، اور یہ مشاہدہ ہے کہ فارس کے لوگوں نے دین کو کامیابی سے حاصل کیا اور ان میں بہت زیادہ علماء ہیں اور ان کا وجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے صدق کی دلیل ہے۔

اور کتاب الطبقات میں مذکور ہے کہ فارس کے لوگ ابتدا میں توحید کو ماننے لگے اور حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین پر

تھے یہاں تک کہ طہمورس کا زمانہ آیا جو فارس کے بادشاہوں میں سے تیسرا تھا اور یہ لوگ الصابین تھے (یعنی ستارہ پرست) یہاں تک کہ یہ بارہ سو (۱۲۰۰) سال تک اسی دین پر رہے، پھر جب زرداشت کا ظہور ہوا تو یہ سب مجوسی ہو گئے، زرداشت نے ان کو دین مجوسیت کی دعوت دی، یہ آگ کی اور ستاروں کی پرستش کرتے تھے، فارس کے تمام لوگوں نے اس کی اطاعت کی اور صابین کے دین کو ترک کر دیا اور ان کا اعتقاد تھا کہ زرداشت نبی ہے جو ان کی طرف بھیجا گیا ہے، وہ تقریباً تیرہ سو سال (۱۳۰۰) تک اس کے دین پر رہے حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فارس کو فتح کیا گیا اور وہاں پر اسلام پہنچ گیا۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۴۱-۳۴۰، ملخصاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۸۹۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا
عَبْدُ الْعَزِيزِ أَخْبَرَنَا ثَوْرٌ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ
عَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَنَالَهُ رِجَالٌ مِنْ هَؤُلَاءِ۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن عبد الوہاب نے
حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز نے حدیث بیان
کی، انہوں نے کہا: مجھے ثور نے خبر دی از ابو الغیث از حضرت ابو
ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: ان لوگوں کے مرد
ضرور دین کو حاصل کر لیتے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۹۷ میں گزر چکی ہے۔

۲۔ بَابُ: وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً۔
(المجموعہ: ۱۱)
اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جب انہوں نے کوئی تجارتی
قافلہ دیکھا۔ (المجموعہ: ۱۱) کی تفسیر

تجارت کے بعد لہو کے ذکر کا سبب

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں: یہ پوری آیت اس طرح ہے:

وَ إِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَ تَرَكُوكَ
قَائِلِينَ (المجموعہ: ۱۱)
اور جب انہوں نے کوئی تجارتی قافلہ دیکھا یا طبل کی آواز سنی تو اس
کی طرف بھاگ گئے اور آپ کو (خطبہ میں) کھڑا چھوڑ دیا۔

تجارت کے بعد لہو کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ تجارت لہو کا سبب ہے کیونکہ لہو کا معنی ہے: کسی فضول کام میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ
کی عبادت سے غافل ہو جانا اور جب انسان تجارت میں بہت زیادہ مشغول ہوتا ہے تو وہ دنیا داری میں منہمک ہو جاتا ہے اور اللہ
تعالیٰ کی عبادت سے غافل ہو جاتا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۴۰)

۳۸۹۹۔ حَدَّثَنِي حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ
اللَّهِ حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ وَعَنْ أَبِي
سُفْيَانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ
أَقْبَلْتُ عِیدَ یَوْمِ الْجُعَةِ وَنَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ
فَشَارَ النَّاسُ إِلَّا اثْنَيْنِ عَشَرَ رَجُلًا فَأَنْزَلَ اللَّهُ ﴿وَ إِذَا
رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا﴾ (المجموعہ: ۱۱)
امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے حفص بن عمر نے حدیث بیان
کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی،
انہوں نے کہا: ہمیں حصین نے حدیث بیان کی از سالم ابن ابی
الجعد از ابو سفیان از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، خواہ بیان
کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن ایک تجارتی قافلہ آیا اور ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ تھے تو بارہ (۱۲) مردوں کے سوا سب لوگ بھاگ گئے
تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَ إِذَا رَأَوْا تِجَارَةً

أُولَئِكَ أَتَّفَضُوا إِلَيْهَا (المجموع: ۱۱) اور جب انہوں نے کوئی تجارتی قافلہ دیکھا یا طبل کی آواز سنی تو اس کی طرف بھاگ گئے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۹۳۴ میں گزر چکی ہے۔

تجارت کے بعد اُولَئِكَ لَهَا فرمانے کی توجیہات اور لہو کا ترجمہ تماشہ کرنا، نامناسب ہے اور جو صحابہ خطبہ چھوڑ کر چلے گئے تھے ان کی توجیہ

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: اس آیت میں دو چیزوں کا ذکر ہے، تجارت اور لہو تو بہ ظاہر ان کی طرف تہنیک کی ضمیر لوٹانی چاہیے تھی یعنی اِنْفَضُوا إِلَيْهَا فرمایا جاتا لیکن آیت میں اِنْفَضُوا إِلَيْهَا واحد کی ضمیر کا ذکر فرمایا ہے جو تجارت کی طرف لوٹ رہی ہے اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ جب مکلف اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی یاد سے غافل ہو تو اس کو لہو شمار کیا جاتا ہے اور اگر تجارت اس کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کرے تو یہ اس پر اللہ کا فضل ہے، یہاں پر چونکہ بارہ صحابہ کے سوا سب تجارتی قافلہ کی طرف بھاگ گئے تھے اور عبادت سے غافل ہو گئے تھے اس لیے تجارت کے بعد لہو کا ذکر فرمایا اور اس آیت میں اُولَئِكَ کا لفظ واؤ کے معنی میں ہے اور یہ عطف تفسیری ہے یعنی تجارت کی تفسیر لہو سے فرمائی ہے۔ (روح المعانی ج ۵ ص ۱۵۵، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

دوسری وجہ یہ ہے کہ تجارتی قافلہ کے آنے کے وقت طبل اور نقارہ بجایا جاتا تھا تاکہ لوگوں کو پتا چل جائے کہ تجارتی قافلہ آگیا ہے اور وہ اپنی ضرورت کی چیزیں خرید لیں، سو اس طبل اور نقارہ کی آواز کو لہو سے تعبیر فرمایا۔

رہا یہ سوال کہ صحابہ کرام سے یہ بعید ہے کہ وہ خطبہ سننے کو چھوڑ کر تجارتی قافلہ کی طرف چلے جائیں، اس کا جواب یہ ہے کہ بارہ صحابہ جن میں خلفاء راشدین بھی تھے وہ خطبہ چھوڑ کر نہیں گئے تھے اور ابتدا میں خطبہ جمعہ کی نماز کے بعد ہوتا تھا اور اس کا سننا واجب نہیں تھا۔ (مراسل ابو داؤد: ص ۷) اور چونکہ اس زمانہ میں غلہ کی شدید قلت تھی اور اضطراب کی حالت تھی اس لیے ان کا یہ فعل قابل اعتراض نہیں ہے، تاہم اللہ تعالیٰ کو یہ فعل پسند نہیں آیا کہ وہ نبی ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے چھوڑ کر تجارتی قافلہ کی طرف چلے جائیں۔ تقریباً تمام مترجمین نے اس آیت میں لفظ لہو کا ترجمہ تماشہ کیا ہے لیکن ہم نے یہاں پر اس ترجمہ سے اعراض کیا ہے کیونکہ صحابہ کے حال سے یہ بعید ہے کہ وہ خطبہ کو چھوڑ کر تماشہ دیکھنے چلے جائیں۔

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ المجموعہ کی تفسیر میں جو تعلیق ذکر کی تھی اور جو احادیث روایت کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ المنافقین کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۶۳۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْمُنَافِقِينَ

سورة المنافقون کی تفسیر

سورة المنافقون کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة المنافقون کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور یہ سورت مدنی ہے اور اس میں گیارہ (۱۱) آیات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۹ ص ۳۴۱)

۱۔ بَابُ: إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا لَشَهِدْ
إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ
وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ
لَكَاذِبُونَ ۝ (المنافقون: ۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اے رسول مکرم!) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں یہ آیت یہاں تک ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں ۝

(المنافقون: ۱) کی تفسیر

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن رجا، نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق از زید بن ارقم، انہوں نے کہا کہ میں کسی غزوہ میں تھا، پس میں نے عبد اللہ بن ابی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو حتیٰ کہ وہ لوگ ان کے پاس سے منتشر ہو جائیں اور اگر اب ہم ان کے پاس واپس گئے تو ضرور مدینہ سے عزت والے ذلت والوں کو نکال دیں گے تو میں نے اس واقعہ کا ذکر اپنے چچا سے یا حضرت عمر سے کیا، پس انہوں نے اس بات کا نبی ﷺ سے ذکر کیا، پس آپ نے مجھے بلایا تو میں نے آپ کو یہ واقعہ سنایا تو رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن ابی اور اس کے اصحاب کو بلایا تو انہوں نے قسمیں کھالیں کہ انہوں نے یہ بات نہیں کہی، سو رسول اللہ ﷺ نے (ظاہر کے اعتبار سے) مجھے جھوٹا قرار دیا اور اس کی تصدیق کر دی، پس مجھے اس سے بہت غم ہوا ایسا غم مجھے کبھی نہیں ہوا تھا، پس میں گھر جا کر بیٹھ گیا

۴۹۰۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ قَالَ كُنْتُ فِي غَزَاةٍ فَسَبَّحْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ أَبِي يَقُولُ لَا تُنْفِقُوا عَلَى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّى يَنْفَقُوا مِنْ حَوْلِهِ وَلَيْسَ رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِهِ لِيُخْرِجَنِي الْأَعْرُ مِنْهَا الْأَذَلُّ قَدْ كَرِهْتُ ذَلِكَ لِعَنَى أَوْ لِعَمَرَ قَدْ كَرِهْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ قَدْ عَانِي فَقَدَّسَتْهُ فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي وَأَصْحَابِهِ فَخَلَفُوا مَا قَالُوا فَكَذَّبَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَصَدَّقَهُ فَأَصَابَنِي هَمٌّ لَمْ يُصِبنِي مِثْلُهُ قَطُّ فَجَلَسْتُ فِي الْبَيْتِ فَقَالَ لِي عَنَى مَا أَرَدْتُ إِلَى أَنْ كَذَّبَكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَمَقَّتَكَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ﴾ (المنافقون: ۱) فَبَعَثَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَرَأَ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ قَدْ صَدَّقَكَ يَا زَيْدُ (صحیح مسلم: ۹۳۱۰، سنن ترمذی: ۳۳۱۲)

تو مجھ سے میرے چچا نے کہا: میرا یہ ارادہ نہیں تھا کہ تمہیں رسول اللہ ﷺ جھوٹا قرار دیں اور تم پر ناراض ہوں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ (النفاق: ۱) (جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں)، تب نبی ﷺ نے میری طرف کسی کو بھیجا، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی، پس فرمایا: اے زید! بے شک اللہ نے تمہیں سچا قرار دیا ہے۔

حدیث میں مذکور غزوہ کی تعیین، عبد اللہ بن ابی کا پورا نام، حضرت زید نے صرف اپنے چچا سے اس واقعہ کا ذکر کیا تھا نہ کہ حضرت عمر سے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متونی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

میں لسی غزوہ میں تھا: سنن نسائی کی روایت میں ہے کہ یہ غزوہ تبوک تھا، اور اہل مغازی کی تصریح ہے کہ یہ غزوہ بنو المصطلق تھا اور علامہ ابو الفرج نے ذکر کیا ہے کہ یہ غزوہ الریسع تھا جو پانچ ہجری میں ہوا تھا، دوسرا قول ہے کہ یہ غزوہ چھ ہجری میں ہوا تھا اور موسیٰ بن عقبہ نے کہا ہے کہ یہ غزوہ چار ہجری میں ہوا تھا۔

عبد اللہ بن ابی: یعنی ابن سلول جو منافقین کا سردار تھا اس کے نام میں دوسرا ابن عبد اللہ کی صفت ہے اور سلول غیر منصرف ہے اور یہ عبد اللہ کی ماں کا نام تھا۔

عبد اللہ بن ابی نے کہا: لَا تَنْفِقُوا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ: یہ عبد اللہ بن ابی کا کلام تھا اور راوی نے اس سے آیت کی تلاوت کا قصد نہیں کیا۔

میں نے اس بات کا اپنے چچا سے یا حضرت عمر سے ذکر کیا: یہ راوی کو شک ہے لیکن باقی تمام روایات میں صرف چچا کا ذکر ہے حضرت عمر کا ذکر نہیں ہے اور امام طبرانی اور امام ابن مردویہ نے لکھا ہے کہ چچا سے ان کی مراد حضرت سعد بن عبادہ ہیں اور وہ ان کے حقیقی چچا نہیں ہیں، وہ ان کی قوم الخزرج کے سردار تھے اور حضرت زید بن ارقم کے حقیقی چچا حضرت ثابت بن قیس ہیں جو صحابی ہیں اور ان کے چچا ان کی ماں کے خاوند حضرت عبد اللہ بن رواحہ خزرجی بھی ہیں اور علامہ کرمانی کی عبارت میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ ان کے مجازی چچا ہیں۔

حضرت زید بن ارقم کو جھوٹا قرار دینے سے ان کو جو غم ہوا اس کی کیفیت اور رسول اللہ ﷺ کا انہیں راضی کرنا پس مجھے رسول اللہ ﷺ نے جھوٹا قرار دیا اور عبد اللہ بن ابی کو سچا قرار دیا: پس مجھے اتنا غم ہوا کہ اس سے پہلے مجھے کسی بات کا اتنا غم نہیں ہوا تھا، سنن ترمذی میں یہ اضافہ ہے کہ پس میں غزوہ ہو کر لیٹ گیا اور ابن ابی لیلیٰ کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حتیٰ کہ میں گھر جا کر بیٹھ گیا اس خوف سے کہ مسلمان مجھے دیکھ کر کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو، اور نسائی میں یہ اضافہ ہے کہ میری قوم نے مجھے ملامت کی۔

پس اللہ نے یہ آیت نازل کی: محمد بن کعب کی روایت میں ہے: پس رسول اللہ ﷺ پر وحی آئی اور ابو الاسود نے عروہ سے روایت کی ہے کہ جس وقت دو رات کو جا رہے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے تو یہ آیت نازل

ہوئی، اور ابوسعید کی روایت میں ہے کہ حضرت زید بن ارقم نے کہا کہ جس وقت میں رات کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا اور غم سے میرا سر جھکا ہوا تھا تو رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے، آپ نے میرا کان کھینچا، پھر آپ میرے چہرے کے سامنے ہنسے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے آکر ملے اور مجھ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا اور آدم بن ابی ایاس نے یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو۔ اس آیت تک کہ عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۲۲-۳۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور پر ایک اشکال کا مصنف کی طرف سے جواب اور حضرت زید بن ارقم کی فضیلت

میں کہتا ہوں: اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سچے نبی ہیں اور آپ پر امور غیبیہ منکشف ہوتے ہیں تو پھر آپ کو پہلے ہی معلوم ہونا چاہیے تھا کہ حضرت زید بن ارقم اپنی خبر میں سچے ہیں اور عبد اللہ بن ابی نے جھوٹی قسمیں کھائی ہیں، پھر آپ نے کیوں حضرت زید کو جھوٹا اور عبد اللہ بن ابی کو سچا قرار دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ ظاہر فرمایا کہ شریعت کا مدار ظاہر پر ہے اور چونکہ عبد اللہ بن ابی نے قسمیں کھالی تھیں اس لیے آپ نے ظاہر شرع کے اعتبار سے حضرت زید کے ساتھ جھوٹوں کا معاملہ کیا اگرچہ آپ کے نزدیک وہ واقع میں جھوٹے نہیں تھے اور جب حضرت زید کی تائید میں سورۃ المنافقون کی آیات نازل ہو گئیں تو اس سے حضرت زید کے غم کی تلافی ہو گئی اور ان کا مرتبہ مسلمانوں کے نزدیک اور زیادہ ہو گیا۔ حضرت زید کی تائید اور تصدیق میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

ہم الذین یقولون لا تنفقوا علی من عندنا رسول اللہ
حاشی یفقدوا ۱؎ واللہ عزّ آہن السّوات والارض ولکن
السّوفیین لا یفقدون ۲؎ یقولون لئن رجعنا إلی
السّبیۃ لیخرجنّ الّا عزّ منها الّا ذلّ ۳؎ واللہ العزّۃ
ویرسولہ وللسّوءمنین ولکنّ السّوفیین لا یعلمون ۴؎
(المجموع: ۸-۷)

یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے تھے: ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ
(ﷺ) کے ساتھ ہیں حتیٰ کہ یہ لوگ منتشر ہو جائیں اور
آسمانوں اور زمینوں کے تمام خزانے اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں،
لیکن منافقین نہیں سمجھتے ۱؎ وہ کہتے ہیں کہ اگر (اب) ہم مدینہ
واپس گئے تو ضرور عزت والا ذلت والے کو وہاں سے نکال دے
گا، حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے
لیے ہے اور ایمان والوں کے لیے ہے لیکن منافقین نہیں جانتے ۲؎

اس حدیث سے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی یہ فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ ان کی تصدیق کے لیے سورۃ المنافقون کی آٹھ آیتیں
نازل ہوئیں اور ان کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ ان کو یقین تھا کہ وہ سچے ہیں اور ابی بن کعب اور اس کے حامیوں نے جو قسمیں
کھائیں وہ جھوٹی ہیں، اس کے باوجود جب رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن ابی کی قسموں کی بنا پر ان کے ساتھ جھوٹوں کا معاملہ کیا یا
ان کو جھوٹا قرار دیا تو ان کے دل و دماغ میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور نبوت کے خلاف کوئی شک اور کوئی خطرہ پیدا نہیں ہوا،
وہ بے پناہ غم کے بوجھ تلے دبے رہے لیکن نبی ﷺ کی نبوت کی تصدیق پر قائم رہے اور ان کو ایک آن کے لیے بھی یہ خیال نہیں
آیا کہ اگر یہ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو ان پر حقیقت حال کیوں نہیں منکشف ہوئی اور تیسری فضیلت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
ان کا غم دور کرنے کے لیے اور ان کو راضی کرنے کی خاطر ان کا کان کھینچا اور ان کو دیکھ کر ہنسے اور ان پر سورۃ المنافقون کی آٹھ آیتیں
تلاوت فرمائیں۔

۲۔ بَابُ: اِتَّخَذُوا اٰیٰمَانَهُمْ جُنَّةً۔

(المنافقون: ۲)

لِیَا۔ (المنافقون: ۲) کی تفسیر

یَجْتَنُّونَ بِهَا: اس کا معنی ہے: دو منافقین اپنی قسموں سے اپنا ستر کرتے تھے اور ان کو اپنے لیے ڈھال بناتے تھے۔

۳۹۰۱۔ حَدَّثَنَا اَدَمُ بْنُ اَبِيْ اِيَّاسٍ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ مَعَ عَمِّيْ فَسَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ اُمِّ اَبِيْ اَبِيْنٍ سَلُوْنَ يَقُوْلُ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ حَتّٰی يَنْقُضُوْا وَقَالَ اَيْضًا لِّبْنِ رَجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لِيُخْرِجَنَّ الْاَعْرُ مِنْهَا الْاَذْلَ فَاذْكُرْتُ ذَلِكَ لِعَمِّيْ فَاذْكُرْتُهُ لِرَسُوْلِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَاَرْسَلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ اُمِّ اَبِيْنٍ وَاصْحَابِهِ فَخَلَفُوْا مَا قَالُوْا فَصَدَّقَهُمْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَكَذَّبَنِيْ فَاَصَابَنِيْ هَمٌّ لَّمْ يُعْبِنِيْ مِثْلُهُ قَطُّ فَجَلَسْتُ فِيْ بَيْتِيْ فَاَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ اِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ (۱) اِلَى قَوْلِهِ هُمْ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ (۲) اِلَى قَوْلِهِ لِيُخْرِجَنَّ الْاَعْرُ مِنْهَا الْاَذْلَ (۳) اِلَى قَوْلِهِ فَاَرْسَلَ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَقَرَأَهَا عَلٰی ثَمَّ قَالَ اِنَّ اللهَ قَدْ صَدَّقَكَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق از حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ میں اپنے چچا کے ساتھ تھا تو میں نے سنا عبد اللہ بن ابی امیہ سلول یہ کہہ رہا تھا: جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو حتیٰ کہ دو لوگ منتشر ہو جائیں اور اس نے یہ بھی کہا کہ اگر ہم مدینہ کی طرف واپس گئے تو ضرور عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا، سو میں نے اس بات کا اپنے چچا سے ذکر کیا، میرے چچا نے اس بات کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو رسول اللہ ﷺ نے منہ پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے اس کے اصحاب کو بلایا تو انہوں نے قسمیں کھالیں کہ انہوں نے یہ بات نہیں کہی، پس رسول اللہ ﷺ نے (ظاہر شرع کے اعتبار سے) ان کی تصدیق کر دی اور مجھے جھوٹا قرار دیا، پس مجھے اتنا غم ہوا کہ ایسا غم مجھے کبھی نہیں ہوا تھا، پس میں اپنے گھر میں جا کر بیٹھ گیا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: اِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ (۱) یہ آیت یہاں تک نازل فرمائی: هُمْ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ (۲) یہ آیت یہاں تک ہے: لِيُخْرِجَنَّ الْاَعْرُ مِنْهَا الْاَذْلَ (۳) تب رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلوایا اور میرے سامنے یہ آیات پڑھیں، پھر فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری تصدیق کر دی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۹۰۰ میں گزر چکی ہے۔

حضرت زید بن ارقم کی تصدیق کے لیے رسول اللہ ﷺ نے جو آٹھ (۸) آیات تلاوت فرمائیں ان کا ترجمہ

(۱) اے رسول مکرم! جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول

اِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا اَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللهِ وَ اللهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهُ وَ اللهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ اِتَّخَذُوْا اٰیٰمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ

سَبِيلِ اللَّهِ ۖ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ۝ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۖ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ ۖ كَانَتْهُمْ حُشْبٌ مِّنْ سَدَّةٍ ۖ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۖ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۖ قَاتِلْهُمْ اللَّهُ ۖ أَلَيْ يُوَفِّكُونَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّذُوا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ۖ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۖ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝ هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنْفَضُوا ۖ وَبِئْسَ خَزَائِنُ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَقُولُونَ لَنْ رَّجِعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لِيُخْرِجَنَا ۖ إِلَّا عَرْمَ مِنْهَا الْآدِلُ ۖ وَبِئْسَ الْعِدَّةُ ۖ لِرَسُولِهِمْ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (البقرة: ۸-۱۰)

ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں ○ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا، پس اللہ کے راستہ سے (لوگوں کو) روکا، بے شک یہ بہت برا کام کر رہے ہیں ○ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ (زبان سے) ایمان لائے، پھر انہوں نے (دل کا) کفر ظاہر کر دیا، سو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی تو وہ سمجھتے نہیں ہیں ○ اور (اے مخاطب!) جب تم انہیں دیکھو گے تو ان کے جسم تمہیں اچھے لگیں گے اور اگر وہ بات کریں گے تو تم ان کی بات سنو گے، گویا وہ دیوار کے سہارے کھڑے ہوئے شہتیر ہیں، وہ ہر بلند آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں، یہی (حقیقی) دشمن ہیں، سو تم ان سے خبردار رہو، اللہ انہیں ہلاک کرے، یہ کہاں اوندھے جا رہے ہیں ○ اور جب ان سے کہا جاتا ہے: آؤ رسول اللہ تمہارے لیے مغفرت طلب کریں تو یہ اپنے سر منکاتے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ یہ تکبر سے اپنے آپ کو روکتے ہیں ○ ان کے حق میں برابر ہے خواہ آپ کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، اللہ ان کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا، اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ○ یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے تھے: ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہیں حتیٰ کہ یہ لوگ منتشر ہو جائیں اور آسمانوں اور زمینوں کے تمام خزانے اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں لیکن منافقین نہیں سمجھتے ○ وہ کہتے ہیں کہ اگر (اب) ہم مدینہ واپس گئے تو ضرور عزت والا ذلت والے کو وہاں سے نکال دے گا حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے ہے اور ایمان والوں کے لیے ہے لیکن منافقین نہیں جانتے ○

۳۔ باب: ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ۝ (المنافقون: ۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ (زبان سے) ایمان لائے، پھر انہوں نے (دل کا) کفر ظاہر کر دیا، سو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے، سو وہ سمجھتے نہیں ہیں ○ (المنافقون: ۳) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت میں منافقین کے نفاق اور ان کے دعویٰ ایمان کے جھوٹ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ زبان سے کلمہ شہادت پڑھتے ہیں، پھر اپنے کفر کو ظاہر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی، سو اب ان کے دلوں میں ایمان

داخل نہیں ہوگا اور یہ ان کے نفاق کی سزا ہے، سو وہ ایمان کی صحت اور قرآن مجید کے اعزاز کو اس طرح نہیں سمجھتے جس طرح اس کو مومنین سمجھتے ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۴۳)

۳۹۰۲۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ الْحَكَمِ قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ كَعْبٍ الْقُرَظِيَّ قَالَ سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي لَا تُنْفِقُوا عَنِّي مِنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ وَقَالَ أَيُّضًا لَيْنَ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ أَخْبَرْتُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ فَلَا مَنِي الْأَنْصَارُ وَخَلَفَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أَنِّي مَا قَالَ ذَلِكَ فَرَجَعْتُ إِلَى التَّنْزِيلِ فَنِمْتُ فَدَعَانِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَتَيْتُهُ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ قَدْ صَدَّقَكَ وَنَزَلَ ﴿هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا﴾ (المنافقون: ۷) الْآيَةَ وَقَالَ ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ عَمْرِو عَنْ ابْنِ أَبِي لَيْسَى عَنْ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ -

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الحکم، انہوں نے کہا: میں نے محمد بن کعب القرظی سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بتایا کہ جب عبد اللہ بن ابی نے یہ کہا کہ جو رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو اور یہ بھی کہا کہ اگر اب ہم مدینہ کی طرف واپس گئے اٹح تو میں نے اس بات کی نبی ﷺ کو خبر دی، سوانصار نے مجھے ملامت کی تو عبد اللہ بن ابی نے یہ قسم کھالی کہ میں نے یہ نہیں کہا ہے، سو میں گھر کی طرف گیا اور جا کر سو گیا، پس مجھے رسول اللہ ﷺ نے بلایا، پس میں آپ کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری تصدیق کر دی ہے اور یہ آیت نازل ہوئی: ﴿هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا﴾ (المنافقون: ۷) (یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے تھے: ان لوگوں پر خرچ نہ کرو) اور ابن ابی زائدہ نے کہا از الامش از عمرو از ابن ابی لیس از حضرت زید از نبی ﷺ۔

حدیث مذکور کے تعارض کو دور کرنے میں حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کا مناقشہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

میں نے اس بات کی نبی ﷺ کو خبر دی: اس سے پہلی حدیثوں میں تھا کہ حضرت زید نے اس بات کی اپنے چچا کو خبر دی اور انہوں نے اس بات کی نبی ﷺ کو خبر دی اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت زید نے کہا: میں نے اس بات کی نبی ﷺ کو خبر دی اور یہ ان حدیثوں میں تعارض ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ میں نے اپنے چچا کی زبان سے نبی ﷺ کو اس بات کی خبر دی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۶۷)

علامہ عینی حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس تاویل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی نے قسم کھا کر اس بات کے کہنے کا انکار کیا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی خبر دی۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور (اے مخاطب!) جب تم انہیں دیکھو گے تو ان کے جسم تمہیں اچھے لگیں گے اور اگر وہ بات کریں تو تم ان کی بات سنو گے، گویا وہ دیوار

۴۔ بَابُ: وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَانُهُمْ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ كَأَنْهُمْ خُشْبٌ مَسَدَةٌ يَخْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ

هُمْ الْعَدُوُّ وَفَاحَذَرْنَاهُمْ فَنَقَّوْنَهُمْ اللَّهُ أَلَّا

يُؤْفَكُونَ ۝ (المنافقون: ۴)

کے سہارے کھڑے ہوئے شہتیر ہیں، وہ ہر بلند آواز کو

اپنے خلاف سمجھتے ہیں، یہی (حقیقی) دشمن ہیں، سو تم

ان سے خبردار رہو، اللہ انہیں ہلاک کرے یہ کہاں

اوندھے جا رہے ہیں ۝ (المنافقون: ۴) کی تفسیر

عبداللہ بن ابی اور اس کے حامیوں کی جسمانی خوبصورتی اور ان کا ایمان سے خالی ہونا اور شہتیروں سے ان کی

مشابہت کی وجہ سے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یعنی دیکھنے والوں کو ان منافقین کے جسم اچھے لگیں گے یعنی ان کی ہم وار خلقت، حسین صورت اور طویل قامت کی وجہ سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی گورے رنگ کا جسم آدمی تھا اور جب زبان تھا اور دیگر منافقین بھی اسی کی طرح تھے اور یہ لوگ مدینہ کے سردار تھے، یہ لوگ نبی ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے اور یہ دیکھنے میں بھلے لگتے تھے اور ان کی زبانیں فصیح تھیں، نبی ﷺ اور حاضرین انہیں دیکھ کر خوش ہوتے تھے، جب یہ کوئی بات کرتے تو نبی ﷺ ان کی بات سنتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ دیوار کے سہارے کھڑے ہوئے شہتیر کی طرح ہیں یعنی جس طرح شہتیر ایمان اور خیر سے خالی ہوتا ہے اسی طرح یہ ایمان اور خیر سے خالی ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ دیوار کے سہارے کھڑے ہوئے شہتیروں سے ان کی مشابہت کی وجہ سے ہو کہ ان کی صورتیں تو اچھی ہیں لیکن ان سے نفع کوئی نہیں ہوتا

وہ ہر بلند آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں: اس کی وجہ ان کا خبث اور ان کی بدگمانی ہے اور ان کے یقین کی کمی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ ہر بلند آواز ان کو نقصان دینے والی ہے، مقاتل نے کہا ہے کہ اگر لشکر میں کوئی منادی ندا کرے یا کسی کی سواری لڑکھڑا کر گر جائے یا کسی گم شدہ چیز کا اعلان کیا جائے تو ان کے دلوں میں جو رعب ہے اس کی وجہ سے یہ گمان کرتے ہیں کہ شاید ان کے خلاف کوئی بات کہی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہی تمہارے (حقیقی) دشمن ہیں یعنی دشمنی میں کامل ہیں، سو تم ان پر اعتماد نہ کرو اور ان کے ظاہر سے دھوکہ نہ کھاؤ۔

اللہ انہیں ہلاک کرے، اس کی شرح میں علامہ عینی کا تسامح اور مصنف کا اس پر تبصرہ

اللہ انہیں ہلاک کرے: یہ ان پر لعنت ہے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: یہ اللہ نے ان کے خلاف لعنت اور رسوائی کی دعا کی ہے۔

مصنف کہتا ہے: اللہ تعالیٰ دعا کرنے سے بلند اور برتر ہے، اس نے ان کی ہلاکت کی دعا نہیں کی بلکہ ان کی ہلاکت اور رسوائی کا

اعلان فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ علامہ عینی کو معاف فرمائے، ان سے یہ سہو ہو گیا۔

یہ کہاں اوندھے جا رہے ہیں: یعنی یہ کس طرح حق سے پلٹ رہے ہیں، اس میں ان کی جہالت اور گمراہی پر تعجب کا اظہار ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن خالد نے حدیث

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر بن معاویہ نے حدیث بیان

۴۹۰۳۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ

مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ

کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا میں نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں گئے جس میں لوگوں پر بہت تنگ وقت آیا تھا تو عبد اللہ بن ابی نے اپنے اصحاب سے کہا: جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں تم ان پر خرچ نہ کرو حتیٰ کہ وہ ان کے پاس سے منتشر ہو جائیں اور کہا کہ اب اگر ہم مدینہ واپس گئے تو اس میں سے عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا، حضرت زید نے کہا: پس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور میں نے آپ کو اس بات کی خبر دی، آپ نے عبد اللہ بن ابی کو بلوایا اور اس سے پوچھا تو اس نے بہت کچھ قسم کھا کر کہا کہ اس نے ایسا نہیں کہا۔ لوگوں نے کہا حضرت زید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ بولا ہے تو ان کی اس بات سے میرے دل میں اس کا بہت زیادہ رنج ہوا حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے میری تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی: إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ (المنافقون: ۱) (جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں)، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا تاکہ ان کے لیے مغفرت طلب کریں تو انہوں نے اپنے سروں کو منکایا اور اللہ عزوجل کا ارشاد: خُشِبَ مُنَافِقٌ (المنافقون: ۴) (وہ دیوار کے سہارے لگے ہوئے شہتیر ہیں)، حضرت زید نے کہا: وہ منافقین سب سے زیادہ خوبصورت تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۹۰۰ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی کا علامہ کرمانی سے مناقشہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد مینی خفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس سفر میں لوگوں پر بہت تنگ وقت آیا تھا: کیونکہ لوگوں کے پاس خوراک بہت کم تھی۔

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اس کی خبر دی: اس پر یہ اشکال ہے کہ پہلی حدیثوں میں یہ گزرا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر

حضرت زید بن ارقم کے چچا نے دی تھی۔ علامہ کرمانی نے کہا: اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت زید نے جو کہا کہ میں نے خبر دی اس کا

معنی ہے: میں نے اپنے چچا کے واسطے سے آپ کو خبر دی۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: اس تاویل کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ حضرت زید

نے یہ خبر اس وقت دی تھی جب آپ نے عبد اللہ بن ابی کو بلایا تھا۔ (مدونة القاری ج ۱ ص ۳۴۵، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۔ بَابُ: وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ
رَسُولُ اللَّهِ لَوْؤَاغِرُؤُسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ
وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ⑤

(المنافقون: ۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جب ان سے کہا جاتا ہے: آؤ
رسول تمہارے لیے مغفرت طلب کریں تو یہ اپنے سر
مٹکاتے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ یہ تکبر سے اپنے
آپ کو روکتے ہیں ⑤ (المنافقون: ۵) کی تفسیر

لَوْؤَاغِرُؤُسَهُمْ کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

لَوْؤَاغِرُؤُسَهُمْ: یعنی اپنے سروں کو ہلاتے ہیں اور کراہیت ظاہر کرنے کے لیے اپنے چہروں سے اعراض کرتے ہیں۔

يَصُدُّونَ: یعنی ان کو اسلام کی جو دعوت دی جاتی ہے یہ اس سے اعراض کرتے ہیں۔

وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ: یعنی وہ مغفرت طلب نہیں کرتے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۳۵)

حَرَّ كُؤَا: یعنی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے کے لیے اپنے سروں کو مٹکاتے تھے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ لَوْؤَاغِرُؤُسَهُمْ کی تفسیر ہے یعنی وہ استہزاء کرتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں اور اسلام کو قبول کرنے سے

اعراض کرتے ہیں۔

لَوْؤَا کو بغیر تشدید کے بھی پڑھا گیا ہے اور یہ لَوِيت سے ماخوذ ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ نافع کی قراءت ہے اور لَوِيت رَایسی کا معنی ہے: میں نے اپنے سر کو ادھر ادھر ہلایا۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث
بیان کی از اسرائیل از ابی اسحاق از حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ، وہ
بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے چچا کے ساتھ تھا تو میں نے سنا،
عبداللہ بن ابی ابن سلول یہ کہہ رہا تھا: جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ ہیں ان پر خرچ نہ کرو حتیٰ کہ وہ منتشر ہو جائیں اور اگر ہم
مدینہ کی طرف واپس گئے تو عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا،
میں نے اس بات کا اپنے چچا سے ذکر کیا، پھر میرے چچا نے اس
بات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا اور آپ نے ان کی تصدیق کی، سو
آپ نے مجھے بلایا تو میں نے آپ کو اس بات کی خبر دی، پھر آپ
نے عبداللہ بن ابی اور اس کے اصحاب کو بلایا تو انہوں نے قسمیں
کھالیں کہ انہوں نے یہ بات نہیں کہی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (ظاہر
شرع کے اعتبار سے) مجھے جھوٹا قرار دیا تو مجھے بہت غم ہوا اتنا غم
مجھے کبھی نہیں ہوا تھا، پس میں اپنے گھر جا کر بیٹھ گیا، میرے چچا نے

۳۹۰۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ
عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ كُنْتُ مَعَ عَنِي
فَسَبَّغْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ أَبِي بَرْزَةَ يَقُولُ لَا تُنْفِقُوا
عَلَى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّى يَنْفَقُوا وَلَئِنْ رَجَعْنَا
إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ فَذَكَرْتُ
ذَلِكَ لِعَنِي فَذَكَرَ عَنِي لِثَنِي عَنْ أَبِي بَرْزَةَ فَذَعَانِي
فَحَدَّثَنِي فَأَرْسَلَ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَرْزَةَ وَأَصْحَابِهِ
فَحَلَفُوا مَا قَالُوا وَكَذَّبَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَدَّقَهُمْ
فَأَصَابَنِي غَمٌّ لَمْ يُصِيبْنِي مِثْلُهُ قَطُّ فَجَلَسْتُ فِي بَيْتِي
وَقَالَ عَنِي مَا أَرَدْتُ إِلَى أَنْ كَذَّبَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَمَقَّتَكَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ
قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ﴾ (المنافقون: ۱) وَأَرْسَلَ
إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَهَا وَقَالَ إِنَّ اللَّهَ قَدْ صَدَّقَكَ۔

کہا: میں نے یہ ارادہ نہیں کیا تھا کہ نبی ﷺ تمہیں جھوٹا قرار دیں اور تم پر ناراض ہوں، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: **إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ** (المنافقون: ۱) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں۔ اور نبی ﷺ نے مجھے بلایا، پس یہ آیت پڑھی اور فرمایا: بے شک اللہ نے تمہاری تصدیق کر دی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۹۰۰ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ان کے حق میں برابر ہے خواہ آپ کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں اللہ ان کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا، بے شک اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O (المنافقون: ۶) کی تفسیر

۶۔ بَابُ: سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۚ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ①
(المنافقون: ۶)

منافقین کی مغفرت نہ کرنے کی وجہ

علامہ یعنی لکھتے ہیں: یعنی ان کے حق میں بخشش طلب کرنا اور بخشش طلب نہ کرنا دونوں برابر ہیں کیونکہ وہ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور نہ اس کو قابل شمار سمجھتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نہیں کرے گا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۴۶)

۴۹۰۵۔ حَدَّثَنَا عِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنَّا فِي غَزَاةٍ قَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً فِي جَيْشٍ فَكَسَمَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ يَا لَلْأَنْصَارِ وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ يَا لَلْمُهَاجِرِينَ فَسَبَّ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَسَمَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ دَعُوهَا فَلَمَّا هِيَ مُنْتَبِئَةٌ فَسَبَّ بِذَلِكَ عَبْدُ اللَّهِ ﷺ أَنْ فَقَالَ فَعَلَوْهَا أَمَا وَاللَّهِ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلَهُمْ اللَّيْلُ فَفَعَلُوا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ دَعْنِي أَهْرَبُ عُنْتُ هَذَا الْمُنَافِقِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ دَعْنِي لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَفْ مَعْتَدًا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی کہ عمرو نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں: ہم ایک غزوہ میں تھے، سفیان نے دوسری بار کہا: ہم ایک لشکر میں تھے، پس مہاجرین میں سے ایک مرد نے انصار میں سے ایک مرد کی مقعد پر لات ماری تو انصاری نے کہا: اے انصار! مدد کے لیے آؤ اور مہاجر نے کہا: اے مہاجرین! مدد کے لیے آؤ، رسول اللہ ﷺ نے یہ آوازیں سنیں تو آپ نے فرمایا: یہ کیسی زمانہ جاہلیت کی طرح (کی) چیخ و پکار ہے، لوگوں نے بتایا: یا رسول اللہ! مہاجرین میں سے ایک مرد نے انصار کے ایک مرد کی مقعد پر لات ماری تھی تو آپ نے فرمایا: اس بات کو چھوڑو، یہ بدبودار بات ہے، عبد اللہ بن ابی نے یہ بات سن لی تو اس نے کہا: کیا انہوں نے ایسا کیا ہے، سنو اللہ کی قسم اگر اب ہم مدینہ واپس

يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ وَكَانَتْ الْأَنْصَارُ أَكْثَرَ مِنَ
الْمُهَاجِرِينَ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ ثُمَّ إِنَّ الْمُهَاجِرِينَ
كَثُرُوا بَعْدُ قَالَ سُفْيَانُ فَحَفِظْتُهُ مِنْ عَمْرِو قَالَ عَنْتُو
سَبَعْتُ جَابِرًا كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ -

گئے تو اس میں سے عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا، پس نبی
صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچ گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا:
یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں اس منافق کی گردن مار دوں تو
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو رہنے دو، لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کو قتل کر رہے ہیں اور انصار مہاجرین سے
زیادہ تعداد میں تھے جب مہاجرین مدینہ آئے تھے، پھر اس کے
بعد مہاجرین زیادہ تعداد میں ہو گئے، سفیان نے کہا: میں نے اس
حدیث کو عمرو سے یاد رکھا ہے اور عمرو نے کہا: میں نے حضرت جابر
سے سنا ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۵۱۸ میں گزر چکی ہے۔

حدیث میں مذکور غزوہ کی تعیین، جس مہاجر نے انصاری کو لات ماری تھی اس مہاجر اور انصاری کا نام

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہم ایک غزوہ میں تھے: امام ابن اسحاق نے کہا ہے کہ یہ غزوہ بنو المصطلق تھا۔

لَكَسَمَ: الكَسَمُ كَالْمَعْنَى: کسی انسان کی مقعد پر گھونسا یا لات مارنا۔

جس مہاجر نے لات ماری تھی اس کا نام جبلاء بن قیس تھا اور دوسرا قول ہے کہ اس کا نام ابن سعید الغفاری تھا، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ
کے ساتھ تھا اور ان کے گھوڑے کو چلا رہا تھا اور جس انصاری کی مقعد پر لات ماری ان کا نام سنان بن وبرة الجبلی تھا اور وہ انصار کا
حلیف تھا۔

۷۔ بَابُ: هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَىٰ

مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنْفَضُّوا وَلِلَّهِ

خَزَائِنُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ

لَا يَفْقَهُونَ ۝ (المنافقون: ۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں: ان

لوگوں پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ

ہیں حتیٰ کہ یہ لوگ منتشر ہو جائیں (یعنی متفرق ہو

جائیں) اور آسمانوں اور زمینوں کے تمام خزانے اللہ کی

ملکیت میں ہیں، لیکن منافقین نہیں سمجھتے ۝

(المنافقون: ۷) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: یتفرق کاللفظ قرآن مجید میں نہیں ہے بلکہ وہ ینفضوا کی تفسیر ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۴۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبد اللہ نے

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ

نے حدیث بیان کی از موسیٰ بن عقبہ، وہ بیان کرتے ہیں: مجھے

۳۹۰۶۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي

إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَقْبَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ عَقْبَةَ

قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْقُضَيْلِ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ

عبداللہ بن الفضل نے حدیث بیان کی وہ بیان کرتے ہیں انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو صحابہ واقعہ الحرة میں شہید ہوئے تھے مجھے ان پر بہت رنج ہوا، پس حضرت زید بن ارقم نے میری طرف خط لکھا اور ان کو میرے شہید غم کی خبر پہنچی، اس میں انہوں نے ذکر کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ یہ دعا کر رہے تھے، اے اللہ! انصار کی مغفرت فرما اور انصار کے بیٹوں کی مغفرت فرما، ابن الفضل کو شک ہے کہ آپ نے انصار کے بیٹوں کے لیے بھی دعا کی تھی، پس جو لوگ حضرت انس کے پاس تھے ان میں سے کسی نے حضرت انس سے پوچھا تو انہوں نے کہا: حضرت زید بن ارقم ہی وہ صحابی ہیں جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: یہ وہی ہے جس کے کان کی (یعنی جس کے سننے کی) اللہ تعالیٰ نے تصدیق کی تھی۔ (اور اس کے کان کو اللہ تعالیٰ نے پورا کر دیا)۔

مَا لِي يَقُولُ حَزِنْتُ عَلَى مَنْ أَصِيبَ بِالْحَرَّةِ فَكَتَبَ إِلَى زَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ وَبَلَغَهُ شِدَّةُ حُزْنِي يَذْكُرُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَابْنَاءِ الْأَنْصَارِ وَشَلَى ابْنِ الْفَضْلِ فِي أَبْنَاءِ أَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ فَسَأَلَ أَنْسَابُ بَعْضٍ مَنْ كَانَ عِنْدَهُ فَقَالَ هُوَ الَّذِي يَقُولُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هَذَا الَّذِي أَوْفَى اللَّهُ لَهُ بِأُذُنِهِ۔ (صحیح مسلم: ۲۵۰۶)

واقعہ حرة کا بیان اور حضرت زید بن ارقم کی حضرت انس سے شہداء انصار پر تعزیت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الْحَرَّةُ: یہ مدینہ کے شروع میں کالے پتھروں والی زمین ہے، یہاں پر سن تریسٹھ (۶۳ھ) ہجری میں مشہور حادثہ ہوا تھا اور اس کا سبب یہ تھا کہ جب اہل مدینہ کو یزید بن معاویہ کے برے اور غلط کاموں کی خبر پہنچی تو انہوں نے اس کی بیعت کو توڑ دیا، پس انصار نے عبداللہ بن حنظلہ بن ابی عامر کو اپنا امیر بنادیا اور مہاجرین نے عبداللہ بن مطیع العدوی کو اپنا امیر بنادیا اور یزید بن معاویہ نے مسلم بن عقبہ کو بہت بڑے لشکر کے ساتھ اہل مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا، اس نے اہل مدینہ کو شکست دی اور مدینہ میں خونریزی کو مباح کر دیا اور انصار میں سے بہت بڑی تعداد کو شہید کر دیا گیا، اس وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ بصرہ میں تھے، ان کو انصار کے شہید کیے جانے کی خبر پہنچی تو ان کو بہت غم ہوا، پس ان کی طرف حضرت زید بن ارقم نے خط لکھا اور ان سے انصار کی شہادت پر تعزیت کی اور ان کو رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا لکھ کر بھیجی: اے اللہ! انصار کی مغفرت فرما اور ان کی اولاد کی مغفرت فرما۔

هذا الذي اوفى الله له بأذنيه: اس جملہ میں اوفی کا معنی ہے: صدق یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے کان کی تصدیق کر دی یعنی

انہوں نے جو عبداللہ بن ابی سے سنا تھا وہ سچ تھا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۳۹-۳۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وہ کہتے ہیں کہ اگر (اب) ہم مدینہ واپس گئے تو ضرور عزت والا ذلت والے کو وہاں سے نکال دے گا حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے ہے اور

۸۔ بَابُ: يَقُولُونَ لِمَنْ شَرَحْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لِيُخْرِجَنَا أَلَا هَذَا مِنْهَا أَلَا ذَلٌّ وَبِلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ (النفاقون: ۸)

ایمان والوں کے لیے لیکن منافقین نہیں جانتے ○
(المنافقون: ۸) کی تفسیر

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم نے اس حدیث کو عمرو بن دینار سے یاد رکھا ہے، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ ہم ایک غزوہ میں تھے، پس مہاجرین میں سے ایک مرد نے انصار کے ایک مرد کی مقعد پر لات ماری تو انصاری نے کہا: اے انصار! آؤ اور مہاجر نے کہا: اے مہاجر! آؤ! پس اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ چیز سنادی تو آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے، تو کہنے لگے: مہاجرین میں سے ایک مرد نے انصار کے ایک مرد کی مقعد پر لات ماری ہے تو انصاری نے کہا اے انصار! مدد کے لیے آؤ اور مہاجر نے کہا: اے مہاجرین! مدد کے لیے آؤ، تو نبی ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا اس چیخ و پکار کو چھوڑو یہ بد بودار ہے، حضرت جابر نے بتایا کہ جب نبی ﷺ مدینہ میں آئے تو انصار کی تعداد زیادہ تھی، پھر بعد میں مہاجروں کی تعداد زیادہ ہو گئی، پس عبد اللہ بن ابی نے کہا: کیا واقعی انہوں نے ایسا کیا ہے اور اللہ کی قسم! اب اگر ہم مدینہ واپس گئے تو ان میں سے عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا، پس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن مار دوں، نبی ﷺ نے فرمایا: اس کو چھوڑو لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد (ﷺ) اپنے اصحاب کو قتل کر رہے ہیں۔

۳۹۰۷۔ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَفِظْنَاهُ مِنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَقُولُ كُنَّا فِي غَزَاةٍ فَكَسَمَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ يَا لِلْأَنْصَارِ وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ يَا لِلْمُهَاجِرِينَ فَسَمِعَهَا اللَّهُ رَسُولُهُ ﷺ قَالَ مَا هَذَا فَقَالُوا كَسَمَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ يَا لِلْأَنْصَارِ وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ يَا لِلْمُهَاجِرِينَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتَهَةٌ قَالَ جَابِرٌ وَكَانَتْ الْأَنْصَارُ حِينَ قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ أَكْثَرُ ثُمَّ كَثُرَ الْمُهَاجِرُونَ بَعْدُ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أُبَيٍّ أَوْقَدْ فَعَلُوا وَاللَّهِ لَيْسَ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لِيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ دَعْنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ أَضْرِبَ عَنْقَ هَذَا الْمُنَافِقِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ دَعُهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۸ میں گزر چکی ہے۔

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورہ المنافقون کی تفسیر میں جو آٹھ احادیث روایت کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ التغابن میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۶۴۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ التَّغَابِیْنِ

سورة التغابن کی تفسیر

سورة التغابن کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متونی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة التغابن کی بعض آیات کی تفسیر ہے، علامہ ابوالعباس نے کہا کہ یہ سورت بالافتاق مدنی ہے، اور مقاتل نے کہا: یہ سورت مدنی ہے اور اس میں ایک آیت مکی ہے (علامہ یعنی نے اس آیت کا ذکر نہیں کیا) اور حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ سورت مکی ہے اور اس کی آخر کی چند آیات مدینہ میں نازل ہوئی ہیں اور الکافی نے کہا: یہ سورت مکی اور مدنی ہے۔

التغابن قیامت کے اسماء میں سے ایک اسم ہے، تغابن غبن سے ماخوذ ہے، قیامت کا نام تغابن اس لیے رکھا گیا کہ اس دن مظلوم ظالم سے غبن کرے گا یعنی اپنے اوپر زیادتی کا بدلہ لے گا، دوسرا قول یہ ہے کہ اس دن کفار کو ان کی تہارتوں میں غبن ہوگا جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ انہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو خرید لیا، اس سورت میں اٹھارہ (۱۸) آیات ہیں۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۴۹)

اور علقمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے درج ذیل آیت کی تفسیر میں روایت کی: وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَجْعَلْهُ (التغابن: ۱۱) اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھے اللہ اس کے دل کو ہدایت دے گا۔

حضرت عبداللہ نے فرمایا: یہ وہ شخص ہے کہ اس پر جب کوئی مصیبت آئے تو وہ اس پر راضی رہے اور یہ سمجھے کہ یہ مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔

وَقَالَ عَلَقْمَةُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ (وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَجْعَلْهُ قَلْبُهُ) (التغابن: ۱۱) هُوَ الَّذِي إِذَا أَصَابَتْهُ مُصِيبَةٌ رَضِيَ وَاعْتَرَفَ أَنَّهَا مِنَ اللَّهِ۔

علامہ یعنی لکھتے ہیں، علقمہ کا پورا نام علقمہ بن قیس ہے وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور انہوں نے ان سے التغابن: ۱۱ کی تفسیر میں یہ روایت کی ہے کہ کسی شخص پر جب کوئی مصیبت آئے تو وہ اس پر راضی رہے اور اس کو تسلیم کرے اور یہ سمجھے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ الشَّافِعِيُّ غَبْنُ أَهْلِ الْجَنَّةِ أَهْلَ النَّارِ۔ اور مجاہد نے کہا: اہل جنت اہل نار کے ساتھ غبن کریں گے یعنی ان کو نقصان پہنچائیں گے۔

علامہ یعنی لکھتے ہیں: یوم التغابن وہ دن ہے جب اہل جنت اہل نار کے ساتھ غبن کریں گے کیونکہ اہل جنت نے اسلام پر بیعت کی اور نفع میں جنت کو حاصل کیا اور اہل نار نے اسلام لانے سے انکار کیا، پس انہوں نے نقصان اٹھایا تو ان دونوں کو اس سے تشبیہ دی گئی جس طرح دو خرید و فروخت کرنے والے ہوں اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے ساتھ غبن کرے، یعنی اس کو

نقصان پہنچائے۔ [یہ دونوں تعلیقیں علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۵۰ میں ذکر کی ہیں]

اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے جنت میں گھر بنائے تھے، اگر کفار ایمان لے آتے تو ان کو وہ گھر مل جاتے لیکن جب وہ ایمان نہیں لائے تو ان کے لیے جو گھر بنائے گئے تھے وہ مومنوں کو یعنی اہل جنت کو مل جائیں گے تو اس طرح اہل جنت، اہل دوزخ کے ساتھ غبن کریں گے یعنی ان کو نقصان پہنچائیں گے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۵۱۲)

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ التغابن میں جو دو تعلیقیں ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ الطلاق کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۶۵۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ الطَّلَاقِ

سورة الطلاق کی تفسیر

سورة الطلاق کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الطلاق کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے، اور مقاتل نے کہا ہے: یہ سورت النساء الصغریٰ ہے اور یہ سورة الدھر کے بعد نازل ہوئی ہے، اس سورت میں بارہ (۱۲) آیات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۵۰)

باب

۱۔ بَابُ

اور مجاہد نے کہا: وَبَالَ أَمْرٍ مَا: اس کا معنی ہے: انہوں نے اپنی بد اعمالیوں کی سزا پائی۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَبَالَ أَمْرٍ مَا جَزَاءُ أَمْرٍ مَا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرٍ مَا كَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ۝

(الطلاق: ۹) ہوا

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے وَبَالَ کی تفسیر سزا کے ساتھ کی ہے، ابن ابی شیبہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور فذّاقَتْ

کی ضمیر درج ذیل آیت میں مذکور بستیوں کی طرف لوٹ رہی ہے:

وَكَايْنٍ مِّنْ قَرْيَتَيْنِ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِنَّ وَرُسُلِهِنَّ فَأَسْهَبْنَهَا جَنَابًا شَدِيدًا وَعَدَّ لَهُنَّ عَذَابًا لَّكْرًا ۝

وَكَايْنٍ مِّنْ قَرْيَتَيْنِ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِنَّ وَرُسُلِهِنَّ فَأَسْهَبْنَهَا جَنَابًا شَدِيدًا وَعَدَّ لَهُنَّ عَذَابًا لَّكْرًا ۝

(الطلاق: ۸)

عذاب دیا ۝

إِنْ أَرَبْتُمْ أَنْ تَعْلَمُوا أَتَحِیْضُ أَمْ لَا تَحِیْضُ قَالَ لَیْسَ قَعْدَتٌ عَنِ السَّحِیْضِ وَاللَّیْلَی لَمْ یَحِیْضَنَّ بَعْدُ فَعَدَّتْهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ۔

إِنْ أَرَبْتُمْ أَنْ تَعْلَمُوا أَتَحِیْضُ أَمْ لَا تَحِیْضُ قَالَ لَیْسَ قَعْدَتٌ عَنِ السَّحِیْضِ وَاللَّیْلَی لَمْ یَحِیْضَنَّ بَعْدُ فَعَدَّتْهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُونَ مِنَ الْمَحْیِضِ مِنْ لِّسَانِکُمْ إِنْ أَرَبْتُمْ فَعَدَّتْهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَحِیْضَنَّ (الطلاق: ۴)

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُونَ مِنَ الْمَحْیِضِ مِنْ لِّسَانِکُمْ إِنْ أَرَبْتُمْ فَعَدَّتْهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَحِیْضَنَّ (الطلاق: ۴)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور وہ عورتیں جن کا حیض ابھی نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدت ہے)۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم کو عورتوں کے حیض کا علم نہ ہو تو جو عورتیں یوزھی ہونے کی وجہ سے حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اور جن کو کم سنی کی وجہ سے ابھی تک حیض نہیں آیا تو ان کی عدت تین ماہ ہے یعنی اگر تمہیں ان کے حکم میں شک ہو اور تم کو یہ معلوم نہ ہو کہ ان کی عدت کا کیا حکم ہے تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔

[یہ دونوں تعلیقیں علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۵۰ میں ذکر کی ہیں]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے سالم نے خبر دی کہ ان کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور وہ اس وقت حائضہ تھیں، پس حضرت عمر نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر غضب ناک ہوئے، پھر فرمایا کہ اس کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرے، پھر اس کو روک کر رکھے حتیٰ کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے، پھر اس کو حیض آئے، پھر وہ اس حیض سے پاک ہو جائے، پس اگر اس کو یہ ظاہر ہو کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے تو وہ اس کو طہر کی حالت میں طلاق دے دے اس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے، پس یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔

۴۹۰۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عَقِيلٌ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمٌ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَذَكَرَهُ عُمَرُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَتَغَيَّظَ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ لِيُرَاجِعْهَا ثُمَّ يُنْسِكُهَا حَتَّى تَطْهَرَ ثُمَّ تَحِيضَ فَتَطْهَرَ فَإِنْ بَدَأَ لَهُ أَنْ يَطْلُقَهَا فَلْيُطْلِقْهَا طَاهِرًا قَبْلَ أَنْ يَنْسِكَهَا قِتْلَكَ الْعِدَّةُ كَمَا أَمَرَ اللَّهُ۔

(صحیح البخاری: ۵۲۵۱، ۵۲۵۲، ۵۲۵۳، ۵۲۶۳، ۵۳۳۲)

(۷۱۶۰، ۵۳۳۳)

عورت کو حالت حیض میں طلاق دینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب کا سبب ہے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے: آپ اس لیے غضب ناک ہوئے کہ حیض میں طلاق دینا بدعت ہے۔ فلیطلقها طاهراً: اس حدیث میں طاهر اذکر کا صیغہ ہے جالانکہ یہ عورت کا حکم بیان کیا جا رہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حیض سے پاک ہونا عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے، اس لیے طاهر اذکر کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔

طلاق حسن، طلاق احسن اور طلاق بدعت کے متعلق امام ابو حنیفہ اور دیگر فقہاء کا مذہب

اس حدیث سے درج ذیل احکام مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) سنت کے مطابق طلاق یہ ہے کہ طہر میں طلاق دی جائے اور اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ سنت کے مطابق طلاق یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو اس طہر میں طلاق دے جس میں اس کے ساتھ جماع نہ کیا ہو تو یہ ایک طلاق ہے، پھر اس کو چھوڑ دے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے جب وہ تیسرے حیض کے خون کا پہلا قطرہ دیکھ لے اور یہی لیث اور اوزاعی کا قول ہے۔

اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ طلاق احسن ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ جب وہ اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینا چاہے تو اس کو ہر ایسے طہر میں طلاق دے جس میں اس کے ساتھ جماع نہ کیا ہو اور یہی ثوری اور اشعوب کا قول ہے۔

علامہ المرغینانی نے کہا ہے کہ اصحاب ابو حنیفہ کے نزدیک طلاق کی تین قسمیں ہیں: حسن، احسن اور بدی، پس حسن وہ طلاق سنت ہے اور وہ یہ ہے کہ جس عورت سے دخول کر چکا ہو اس کو تین طہروں میں تین طلاقیں دے اور احسن یہ ہے کہ اس کو اس طہر میں ایک طلاق دے جس میں اس کے ساتھ جماع نہ کیا ہو، پھر اس کو چھوڑ دے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے اور طلاق بدی یہ ہے کہ اس کو ایک جملہ کے ساتھ تین طلاقیں دے دے یا اس کو ایک طہر میں تین طلاقیں دے دے، پس جب وہ ایسا کرے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ گناہ گار ہوگا۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ طلاق سنت میں علماء کا اختلاف ہے: امام مالک اور ان کے تمام اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو اس طہر میں طلاق دے جس میں اس کے ساتھ جماع نہ کیا ہو، پھر اس کو چھوڑے رکھے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے اور یہی لیث اور اوزاعی کا قول ہے اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ یہ طلاق احسن ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ اگر وہ چاہے تو اس کو تین طلاقیں دے اور ہر طہر میں ایک طلاق ہو اور یہ دونوں صورتیں فقہاء کوفہ کے نزدیک طلاق سنت ہیں اور یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے، اور امام شافعی، امام احمد اور ابو ثور نے یہ کہا ہے: تین طلاقوں کے عدد کے اعتبار سے نہ کوئی طلاق سنت ہے اور نہ بدعت ہے، طلاق سنت اور بدعت ہونا وقت کے اعتبار سے ہے۔

حالت حیض میں طلاق سے ممانعت کے متعلق دیگر مسائل

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ حیض میں دی گئی طلاق سے رجوع کرے، اس میں یہ دلیل ہے کہ جو طلاق غیر بائن ہو اس میں عورت کی رضا کی ضرورت نہیں ہے۔ (کسی طلاق میں بھی عورت کی رضا کی ضرورت نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ)

(۳) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ قول کے ساتھ طلاق سے رجوع کرنا صحیح ہے، قاضی عیاض نے کہا ہے: فعل کے ساتھ طلاق کے رجوع میں فقہاء کا اختلاف ہے، قاضی عیاض نے کہا: ہمارے نزدیک فعل کے ساتھ رجوع کرنا بھی صحیح ہے مثلاً وہ اس عورت سے مباشرت کر لے یا اس کو بوسادے یا اس کو ہاتھ لگائے اور اس کا ارادہ طلاق سے رجوع کرنا ہو۔ امام شافعی نے فعل کے ساتھ طلاق کے رجوع کا مطلقاً انکار کیا ہے اور امام ابو حنیفہ نے اس کو ثابت کیا ہے خواہ اس کا یہ فعل رجوع کے قصد سے بغیر ہو۔

(۴) امام ابو حنیفہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو وہ گناہ گار ہوگا اور اس پر لازم ہے کہ اس طلاق سے رجوع کرے، اگر اس نے رجوع نہیں کیا اور عورت کی عدت گزر گئی تو عورت اس سے ایک طلاق کے ساتھ بائن ہو جائے گی۔

(۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی اس کو اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ امام مالک کے نزدیک یہ واجب ہے اور جس مرد نے اپنی بیوی کو حالت حیض یا حالت نفاس میں طلاق دی اس کو اس طلاق سے رجوع کرنے پر مجبور کیا جائے گا، انہوں نے نفاس کے خون کو حیض کے خون کے مساوی قرار دیا ہے اور امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور دیگر فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اس مرد کو اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا جائے گا اور اس پر اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا اور انہوں نے کہا ہے: اس حدیث میں جو اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم ہے یہ حکم استحباً پر محمول ہے تاکہ اس کی طلاق سنت کے مطابق ہو جائے اور اس پر اجماع ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی کو ایسے طہر میں طلاق دی جس میں وہ اس سے جماع کر چکا تھا تو اس کو

اس طلاق سے رجوع کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا جائے گا اگرچہ اس نے یہ طلاق سنت کے مطابق نہیں دی۔

(۶) حیض میں طلاق دینا حرام ہے لیکن اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو وہ واقع ہو جائے گی، ایک شاذ قول یہ ہے کہ ایسی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اگر تم یہ سوال کرو کہ حالت حیض میں طلاق سے منع کرنے کی کیا حکمت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسی عبادت ہے جس کی کوئی عقلی توجیہ نہیں ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی حکمت یہ ہے کہ اس کی عدت طویل ہو۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۵۲-۳۵۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حالت حیض میں طلاق سے ممانعت کی مصنف کے نزدیک حکمت

مصنف کہتا ہے: ہو سکتا ہے کہ اس کی حکمت یہ ہو کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی کو کسی بات پر غصہ کی وجہ سے حالت حیض میں طلاق دینے کا ارادہ کرے گا، پھر وہ اس وجہ سے اپنے ارادے سے رک جائے گا کہ حالت حیض میں طلاق دینا منع ہے اور وہ حیض ختم ہونے کا انتظار کرے گا تو اس وقفہ میں ہو سکتا ہے کہ اس کا غم ختم ہو جائے اور پھر وہ اس کو طلاق دینے کا ارادہ نہ کرے اور یوں ان کے درمیان جدائی نہیں ہوگی۔

۲۔ بَابُ: وَأُولَاتُ الْأَحْصَالِ أَجْلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَبْلَهُنَّ ۖ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۝ (الطلاق: ۴)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے کام میں آسانی کر دے گا ۝ (الطلاق: ۴) کی تفسیر

وَأُولَاتُ الْأَحْصَالِ: اس کا واحد ہے، ذات حمل یعنی حمل والی عورت۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ اولات ذات کی جمع ہے اور احمال، حمل کی جمع ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ایسی عورت کی عدت کا وقت مقرر ہے اور وہ وقت ان کا وضع حمل ہے اور یہ حکم مطلقہ عورتوں اور ان عورتوں کے لیے عام ہے جن کے خاوند فوت ہو گئے ہوں اور یہ حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو مسعود بدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور دیگر شہر کے فقہاء کا قول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو اس عورت کی عدت وہ ہے جس کی مدت زیادہ ہو یعنی اگر اس کے خاوند کی وفات کے ایک دن یا دو دن بعد اس کا وضع حمل ہو گیا تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی کیونکہ یہ زیادہ مدت ہے اور اگر پانچ یا چھ ماہ یا اس سے زیادہ دنوں کے بعد اس کا وضع حمل ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہوگی کیونکہ یہ مدت چار ماہ دس دن سے زیادہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو مدت زیادہ ہو وہی اس کی عدت ہوگی خواہ وہ مدت چار ماہ دس دن ہو یا وضع حمل ہو۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۵۳-۳۵۲، مع وضاح المصنف، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۹۰۹۔ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبُو هُرَيْرَةَ جَالِسَيْنِ عِنْدَهُ فَقَالَ أَفْتِنِي فِي امْرَأَةٍ وَلَدَتْ بَعْدَ زَوْجِهَا بِأَرْبَعِينَ لَيْلَةً فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعد بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از یحییٰ، انہوں نے کہا: مجھے ابو سلمہ نے خبر دی، انہوں نے بیان کیا کہ ایک مرد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور اس وقت حضرت

آخِرُ الْأَجْدِينَ قُلْتُ أَنَا ﴿وَأُولَاتُ الْأَحْصَالِ أَجْلُهُنَّ
أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق: ۴) قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَا
مَعَ ابْنِ أَخِي يَغْنَى أَبَا سَلَمَةَ فَأَرْسَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ
غُلَامَهُ كَرِيمًا إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ يَسْأَلُهَا فَقَالَتْ قَتِلَ زَوْجُ
سُبَيْعَةَ الْأَسْلَبِيَّةِ وَهِيَ حُبْلَى فَوَضَعَتْ بَعْدَ مَوْتِهِ
بِأَرْبَعِينَ لَيْلَةً فَخُطِبَتْ فَأَنْكَحَهَا رَسُولُ اللَّهِ
ﷺ وَكَانَ أَبُو السَّائِلِ فِيْمَنْ خُطِبَهَا

(صحیح البخاری: ۵۳۱۸، سنن ترمذی: ۱۱۹۴، مسند احمد، ج ۶، ص

(۳۱۴)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اس مرد نے
(حضرت ابن عباس سے) پوچھا: مجھے اس عورت کے متعلق فتویٰ
دیجئے جس نے اپنے خاوند کی وفات کی چالیس (۴۰) راتوں کے
بعد بچہ جن دیا (یعنی اس سے بچہ کی ولادت ہوگئی) تو حضرت ابن
عباس نے فرمایا: اس کی عدت زیادہ مدت والی ہوگی (یعنی اس کی
عدت چار ماہ دس دن ہوگی)، ابو سلمہ نے بیان کیا کہ میں نے کہا
قرآن مجید میں تو اس طرح ہے: وَأُولَاتُ الْأَحْصَالِ أَجْلُهُنَّ أَنْ
يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق: ۴) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل
ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا: میری رائے بھی میرے بھتیجے یعنی
ابو سلمہ کے ساتھ ہے، تب حضرت ابن عباس نے اپنے غلام
کریم کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور ان سے اس مسئلہ
کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: حضرت سبیحہ اسلمیہ کے
خاوند اس وقت شہید کر دیے گئے جب وہ حاملہ تھیں اور ان کی
وفات کی چالیس راتوں کے بعد انہوں نے بچہ جن دیا یعنی ان کا
وضع حمل ہو گیا، پھر ان کو نکاح کا پیغام دیا گیا تو رسول اللہ ﷺ
نے ان کا نکاح کر دیا اور حضرت ابو السائل بھی ان مردوں میں
سے تھے جنہوں نے ان کو نکاح کا پیغام دیا تھا۔

حضرت سبیحہ اسلمیہ کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کی عدت زیادہ مدت والی ہوگی: یعنی اس عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ چار مہینہ دس دن
عدت پوری کرے اور اس کے لیے وضع حمل کی عدت گزارنا کافی نہیں ہے کیونکہ وہی زیادہ مدت ہے۔
سبیحہ الاسلمیہ: یہ الحارث اسلمی کی بیٹی ہیں، کہا گیا ہے کہ یہ پہلی عورت ہیں جو صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائی تھیں اور ان کے
خاوند حضرت سعد بن خولہ تھے، عروہ نے کہا کہ حضرت خولہ بنوعامر میں سے تھے اور انہوں نے حبشہ ہجرت کی تھی اور غزوہ بدر میں
حاضہ ہوئے تھے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کتاب البناؤں میں یہ گزرا ہے کہ حضرت سعد بن خولہ کی مکہ میں وفات ہوئی تھی اور اس
حدیث میں مذکور ہے کہ ان کو شہید کیا گیا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ مشہور یہی ہے کہ ان کی وفات ہوئی تھی اور وہ شہید نہیں کیے گئے
تھے، حضرت ام سلمہ نے جو فرمایا کہ وہ شہید کیے گئے تھے، ان کا یہ قول ان کے گمان کی بنا پر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی توجیہ

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو اور اس نے خاوند کی وفات کے بعد بچہ جن دیا تو حضرت ابن عباس
کے نزدیک اس عورت کی عدت وہ ہے جس کی مدت زیادہ ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن ابی لیلیٰ سے بھی یہی قول مروی ہے اور صحابہ

مالکی کا بھی یہی مختار ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت بھی ہے کہ انہوں نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا اور انہوں نے کہا کہ اس کی عدت وضع حمل ہے اور تمام شہروں کے فقہاء کا یہی مذہب ہے اور حضرت ابو ہریرہ، حضرت عمر، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور ابوسلمہ کا بھی یہی قول ہے اور اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ دو آیتوں میں تعارض ہے اور ان میں سے ہر ایک آیت ایک اعتبار سے عام ہے اور دوسرے اعتبار سے خاص ہے۔ وہ دو آیتیں حسب ذیل ہیں:

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَوْنَ
تَوَدُّهُ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن
روکے رکھیں۔

یہ آیت بیوہ عورت کے متعلق عام ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو، اور دوسری آیت یہ ہے:

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ
(الطلاق: ۴)

اس آیت میں حاملہ عورتیں اس سے عام ہیں خواہ ان کا خاوند فوت ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، پس یہ سبب ہے جس کی وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حاملہ بیوہ کی عدت زیادہ مدت والی ہو کیونکہ ایک آیت دوسری آیت پر راجح نہیں ہے اس لیے واجب ہے کہ بغیر یقین کے عدت کو نہ ختم کیا جائے اور یہ یقین اس صورت میں حاصل ہوگا جب زیادہ مدت کو عدت قرار دیا جائے، تاہم شہروں کے فقہاء نے اس باب کی حدیث پر اعتماد کیا ہے کیونکہ یہ حدیث البقرہ: ۲۳۴ کے عموم کے لیے مخصوص ہے اور حضرت سبیحہ کا قصہ بعد کا ہے کیونکہ یہ حجۃ الوداع کے بعد کا قصہ ہے۔ اور البقرہ: ۲۳۴ اس پر محمول ہے کہ اس میں اس بیوہ عورت کی عدت کا بیان ہے جو حاملہ نہ ہو اور حاملہ عورت کی عدت کا بیان الطلاق: ۴ میں ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہے اور حضرت سبیحہ کی حدیث سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۵۴، مع وضاحۃ المصنف، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۱۰۔ وَقَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَأَبُو الشَّعْمَانِ حَدَّثَنَا
حَتَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ كُنْتُ فِي
حَلَقَةٍ فِيهَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي لَيْلَى وَكَانَ أَصْحَابُهُ
يُعْظِمُونَهُ فَذَا كَرُّ دَالِهِ فَذَا كَرُّ آخِرِ الْأَجَلَيْنِ فَحَدَّثْتُ
بِحَدِيثِ سُبَيْعَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ
عُثْبَةَ قَالَ فَضْزَلِي بَعْضُ أَصْحَابِهِ قَالَ مُحَمَّدٌ
فَقَطِئْتُ لَهُ فَقُلْتُ إِنِّي إِذَا لَجَرِيءٍ إِنْ كَذَبْتُ عَلَى عَبْدِ
اللَّهِ بْنِ عُثْبَةَ وَهُوَ نَاحِيَةُ الْكُوفَةِ فَاسْتَحْيَا وَقَالَ
لَكِنْ عَنْهُ لَمْ يَقُلْ ذَاكَ فَلَقِيتُ أَبَا عَطِيَّةَ مَالِكِ بْنِ
عَامِرٍ فَسَأَلْتُهُ فَذَهَبَ يُحَدِّثُنِي حَدِيثَ سُبَيْعَةَ فَقُلْتُ
هَلْ سَمِعْتَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ فِيهَا شَيْئًا فَقَالَ كُنَّا عِنْدَ
عَبْدِ اللَّهِ فَقَالَ أَتَجْعَلُونَ عَلَيْهَا التَّغْلِيظَ وَلَا

اور سلیمان بن حرب اور ابو الشعمان نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے
حدیث بیان کی از ایوب از محمد، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک حلقہ
میں بیٹھا ہوا تھا اور اس میں عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ بھی تھے اور ان
کے اصحاب ان کی بہت تعظیم کرتے تھے، پس انہوں نے دو مدتوں
میں زیادہ مدت والی عدت کا ذکر کیا تو میں نے حضرت سبیحہ بنت
الحارث کی حدیث از عبد اللہ بن عتبہ بیان کی تو عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ
کے کسی صاحب نے مجھے خاموش کرایا، محمد (راوی) نے کہا: میں
اس کا مقصد سمجھ گیا، پس میں نے کہا کہ اگر میں نے عبد اللہ بن عتبہ
پر جھوٹ باندھا ہو جب کہ وہ کوفہ کی ایک جانب میں موجود ہیں پھر تو
میں بہت جرات والا ہوں گا تو ان صاحب کو حیا آئی اور انہوں نے
کہا: لیکن ان کے چچا نے یہ بات نہیں کی، پس میری ابو عطیہ مالک
بن عامر سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے اس مسئلہ کے متعلق

تَجْعَلُونَ عَلَيْهَا الرَّخْصَةَ لَتَزَكَّتْ سُوْرَةُ النِّسَاءِ
الْقُصْرَى بَعْدَ الطُّوْلِ وَأَوَّلَاتِ الْأَحْصَالِ أَجْلُهُنَّ أَنْ
يَقْضَيْنَ حَتْلَهُنَّ۔

(صحیح البخاری: ۳۵۳۲، صحیح مسلم: ۱۳۸۵)

دریافت کیا تو وہ مجھے حضرت سیدہ کی حدیث بیان کرنے لگے۔
پس میں نے پوچھا کیا: آپ نے حضرت عبداللہ (بن مسعود) سے
اس کے متعلق کچھ سنا ہے تو انہوں نے کہا: ہم حضرت عبداللہ کے
پاس تھے تو انہوں نے کہا: کیا تم اس عورت کے اوپر مغلطہ عدت
لازم کرتے ہو (یعنی زیادہ مدت والی) اور تم اس کے اوپر آسانی
نہیں کرتے اور سورۃ النساء الصغریٰ (یعنی سورۃ الطلاق) سورۃ
نساء الطولی کے بعد نازل ہوئی ہے یعنی اس کی یہ آیت وَأَوَّلَاتِ
الْأَحْصَالِ أَجْلُهُنَّ أَنْ يَقْضَيْنَ حَتْلَهُنَّ^۱ (طلاق: ۴) اور حاملہ
عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

فَضْلُنْ لِي غُلَطٌ ہے اور صحیح ضمنی ہے اور اس کا معنی ہے: چپ کرو، اور دیگر بعض الفاظ کے معانی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فَضْلُنْ لِي: صاحب الطلوع نے کہا ہے: ہمارے صحیح بخاری کے نسخوں میں اسی طرح ہے، قاضی عیاض نے کہا ہے: لیکن اس کا
کوئی محصل معنی نہیں ہے، اور مشابہ بالحق یہ ہے کہ یہ لفظ ضمنی ہے جس کا معنی ہے: اس نے مجھے خاموش کیا، علامہ ابن الجوزی نے کہا
ہے: اس کا معنی ہے: اس نے مجھے اشارے سے کہا ہے: چپ کرو، ضد الرجل اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص دونوں ہونٹوں
کو ملا کر چپ کرنے کا اشارہ کرے۔

پھر تو میں بہت جرات والا ہوں گا: یعنی میں جھوٹ بولنے پر حریص ہوں گا۔

لیکن ان کے چچا نے یہ نہیں کہا: یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس طرح نہیں کہا، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے اسی طرح
حضرت ابن مسعود سے نقل کیا ہے لیکن حضرت ابن مسعود کی مشہور روایت اس کے خلاف ہے، ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے
پہلے اسی طرح کہا ہو، پھر اس سے رجوع کر لیا ہو یا پھر عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کو اس نقل میں وہم ہوا ہو۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۵۵-۳۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الطلاق کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور
اب ان شاء اللہ سورۃ التحريم کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۶۶۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَةِ التَّحْرِیْمِ

سورة التحريم کی تفسیر

سورة التحريم کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ التحريم کی بعض آیات کی تفسیر ہے، صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں اس سورت کا نام سورۃ لَمْ تُحَرِّمُ ہے اور یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے، علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ یہ سورت سورۃ الحجرات کے بعد اور سورۃ الجمعہ سے پہلے نازل ہوئی ہے، اور کہا گیا ہے کہ یہ سورت حضرت مار یہ قبظیہ رضی اللہ عنہا کی تحریم کے متعلق نازل ہوئی ہے، اس کی امام نسائی نے روایت کی ہے اور حاکم نے اس کو امام مسلم کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے، اور علامہ خطابی نے اس کو اکثر مفسرین سے نقل کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ سورت شہد کی تحریم کے متعلق نازل ہوئی ہے، امام نسائی نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شہد کے سلسلہ میں حدیث بہت عمدہ ہے اور حضرت مار یہ اور ان کی تحریم کے متعلق جو حدیث ہے اس کی سند اتنی عمدہ نہیں ہے، اس سورت میں بارہ (۱۲) آیات ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۵۶-۳۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی رضا طلب کرتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا ہے حد رحم فرمانے والا ہے O (التحریم: ۱) کی تفسیر

۱۔ بَابُ: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبَيَّنَ مَرْضَاتُ أَرْوَاحِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ① (التحریم: ۱)

علامہ عینی لکھتے ہیں: ہم اس سورت کے سبب نزول میں اختلاف کو بیان کر چکے ہیں اور عنقریب اس پر مزید کلام آئے گا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن فضالہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از یحییٰ ابن حکیم جو یعلیٰ بن حکیم ثقفی ہیں از سعید بن جبیر کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کسی حلال چیز کو حرام کرنے پر کفارہ دیا جائے گا۔ اور حضرت ابن عباس نے یہ آیت پڑھی: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: ۲۱) بے شک رسول اللہ میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے۔

۳۹۱۱۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ حَدَّثَنَا هِشَامُ عَنْ يَحْيَىٰ عَنْ ابْنِ حَكِيمٍ هُوَ يَعْلى بْنُ حَكِيمٍ الثَّقَفِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ فِي الْحَرَامِ يُكْفَرُ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱)

(صحیح البخاری: ۵۲۶۶، صحیح مسلم: ۱۳۷۳، سنن ابن ماجہ: ۲۰۷۳)

جس شخص نے اپنے اوپر اپنی بیوی کو حرام قرار دیا اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعدد اقوال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متونی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے یا کہا: یہ چیز مجھ پر حرام ہے تو اس میں قسم کا کفارہ دیا جائے گا اور حضرت ابن عباس سے دوسری روایت یہ ہے کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر دیا اور کہا: تو مجھ پر حرام ہے تو اس پر طلاق نہیں ہوگی اور اس پر قسم کا کفارہ ہے اور ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کیا تو کچھ نہیں ہے، اور علامہ ابن بطل نے کہا ہے، اس پر کفارہ ظہار لازم آئے گا اور کہا ہے: یہ ابو قلابہ اور ابن جبیر کا قول ہے اور یہی امام احمد کا قول ہے اور امام شافعی سے منقول ہے کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے تو اگر اس نے طلاق کی نیت کی تو یہ طلاق ہے اور اگر ظہار کی نیت کی تو یہ ظہار ہے اور اگر اس نے بغیر طلاق اور بغیر ظہار کے اس مخصوص عورت کو اپنے اوپر حرام قرار دیا تو اس لفظ سے اس پر قسم کا کفارہ لازم آئے گا اور یہ قسم نہیں ہوگی اور اگر اس نے کچھ نیت نہیں کی تو اس کے متعلق دو قول ہیں، زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس پر قسم کا کفارہ لازم آئے گا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا یہ کلام لغو ہے، اس پر کچھ لازم نہیں آئے گا اور اس پر کوئی حکم مرتب ہوگا۔

صورت مذکورہ میں چودہ (۱۴) مذاہب

قاضی عیاض نے اس مسئلہ میں حسب ذیل چودہ (۱۴) مذاہب ذکر کیے ہیں:

- (۱) امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ جب کسی شخص نے اپنے اوپر اپنی بیوی کو حرام قرار دیا تو اس سے اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی خواہ اس کی بیوی مدخول بہا ہو یا نہ ہو، اگر اس کی بیوی غیر مدخول بہا ہو اور اس نے تین طلاقیں سے کم کی نیت کی ہو تو اس کا قول قبول کیا جائے گا، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، زید، حسن بصری اور حکم کا یہی مذہب ہے۔
- (۲) اس قول سے تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس کی نیت کو قبول نہیں کیا جائے گا نہ مدخول بہا میں اور نہ غیر مدخول بہا میں، یہ ابن ابی لیلیٰ اور عبد الملک بن المہاشون کا قول ہے۔
- (۳) اس صورت میں مدخول بہا پر تین طلاقیں واقع ہوں گی اور غیر مدخول بہا پر ایک طلاق واقع ہوگی، یہ ابو مصعب اور محمد بن حکم کا قول ہے۔
- (۴) اس صورت میں ایک طلاق بابت واقع ہوگی خواہ اس کی بیوی مدخول بہا ہو یا نہ ہو، یہ امام مالک سے ایک روایت ہے۔
- (۵) اس صورت میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، یہ عبد العزیز بن ابی سلمہ المالکی کا قول ہے۔
- (۶) اس صورت میں جو اس نے نیت کی ہے وہ واقع ہوگی اور ایک طلاق سے کم نہیں ہوگی، یہ زہری کا قول ہے۔
- (۷) اگر اس نے ایک طلاق کی نیت کی یا متعدد طلاقیں کی نیت کی یا قسم کی نیت کی تو اس کی نیت کا اعتبار ہوگا اور اگر کوئی نیت نہیں کی تو اس کا کلام لغو ہے، یہ ثوری کا قول ہے۔
- (۸) یہ بھی اسی کی مثل قول ہے مگر جب اس نے کوئی نیت نہیں کی تو اس پر قسم کا کفارہ لازم آئے گا، یہ الاوزاعی اور ابو ثور کا قول ہے۔
- (۹) اگر اس نے طلاق کی نیت کی تو جتنے عدد کی نیت کی اس کا اعتبار ہوگا اور اگر اس نے ایک طلاق کی نیت کی تو یہ ایک طلاق رجعی ہوگی، یہ امام شافعی کا قول ہے اور اسی کی مثل حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ اور تابعین سے مروی ہے۔
- (۱۰) اگر اس نے طلاق کی نیت کی تو طلاق بابت واقع ہوگی اور اگر اس نے تین طلاقیں کی نیت کی تو تین طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر اس نے دو طلاقیں کی نیت کی تو ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی تو یہ قسم ہے، یہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب

کا قول ہے۔

(۱۱) یہ بھی دسویں قول کی مثل ہے مگر اس میں یہ فرق ہے کہ اگر اس نے دو طلاقوں کی نیت کی تو دو طلاقیں واقع ہوں گی، یہ امام زفر کا قول ہے۔

(۱۲) اس صورت میں کفارہ ظہار واجب ہوگا، یہ اسحاق بن راہویہ کا قول ہے۔

(۱۳) یہ قسم ہے اور اس میں قسم کا کفارہ لازم آئے گا، یہ حضرت ابن عباس اور بعض تابعین کا قول ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے۔

(۱۴) یہ پانی اور طعام کو حرام کرنے کی مثل ہے، سو اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی اور نہ اس سے کوئی چیز واقع ہوگی بلکہ یہ کلام لغو ہے یہ مسروق، ابوسلمہ اور شعبی اور اصبح کا قول ہے۔

(اکمال المعلم بنو مسلم للفاضل عیاض ج ۵ ص ۲۷-۲۶، دارالوفاء) (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۵۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۹۱۲۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوسَى اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوْسُفَ عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَشْرَبُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَيَنْكُثُ عِنْدَهَا قَوَاطِيثُ اَنَا وَحَفْصَةُ عَلَى اَيْتِنَا دَخَلَ عَلَيْهَا فَلْتَقَلَ لَهُ اَكَلَتْ مَغَافِرِي اِنِّي اَجِدُ مِنْكَ رِيحَ مَغَافِرٍ قَالَ لَا وَلَكِنِّي كُنْتُ اَشْرَبُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَلَنْ اُعُوذَ لَهُ وَقَدْ حَلَفْتُ لَا تُخْبِرِي بِذَلِكَ اَحَدًا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی: انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے خبر دی از ابن جریج از عطاء از عبید بن عمیر از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت زینب بنت جحش کے پاس شہد پیتے تھے اور ان کے پاس ٹھہرتے تھے، پس میں نے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اتفاق سے یہ طے کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی رسول اللہ ﷺ آئیں تو وہ یہ کہے کہ کیا آپ نے مغایر کھایا ہے، مجھے آپ سے مغایر کی بو آتی ہے، آپ نے فرمایا: نہیں لیکن میں نے زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے، پس میں ہرگز اس کو دوبارہ نہیں پیوں گا اور میں نے اس کی قسم کھالی ہے، تم کسی کو اس کی خبر نہ دینا۔

(صحیح البخاری: ۵۲۱۶-۵۲۶۷-۵۲۶۸-۵۳۳۱-۵۵۹۹۔

۵۶۱-۵۶۸۲-۶۶۹۱-۶۹۷۲، صحیح مسلم: ۱۳۷۳، سنن ابوداؤد:

۳۷۱۳، سنن نسائی: ۳۴۲۱)

اس سوال کا جواب کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ کو ایذا پہنچانے کے لیے کیوں

جھوٹ پر اتفاق کیا؟

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے لیے یہ کیوں کر جائز ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے کے لیے باہم جھوٹ پر اتفاق کریں، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت کم سن تھیں تاہم ان کا قصد اس سے رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانا نہیں تھا بلکہ اس کا سبب وہ غیرت تھی جو عورتوں کی جبلت میں سوکنوں کے خلاف رکھ دی گئی ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۵۸)

مصنف کہتا ہے: اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مغایر نہیں کھایا تھا، پھر ازواج مطہرات نے کیسے

کہہ دیا کہ آپ نے مغفیر کھایا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ہے: ازواج نے کہا: شاید اس شہد کی کھویں نے عرط کے درخت کو چوسا ہوگا۔ (صحیح بخاری: ۶۹۷۲) ازواج کا مطلب یہ تھا: اس وجہ سے جو شہد آپ نے پیا اس سے مغفیر کی بو آ رہی ہے۔

آپ نے کس کے گھر شہد پیا تھا، اس کے متعلق متعدد مختلف روایات

اس میں بھی اختلاف ہے کہ نبی ﷺ نے کس کے گھر میں شہد پیا تھا، پس امام بخاری کی روایت میں یہ ہے کہ آپ نے حضرت زینب بنت جحش بنتی بنتیہ کے گھر شہد پیا تھا اور جنہوں نے یہ کہا کہ کیا آپ نے مغفیر کھایا ہے وہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ بنتی بنتیہ تھیں، اور دوسری روایت یہ ہے کہ آپ نے حضرت حفصہ بنتی بنتیہ کے گھر شہد پیا تھا اور جنہوں نے یہ کہا تھا کہ آپ نے مغفیر کھایا ہے وہ حضرت عائشہ، حضرت سودہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن تھیں۔

اور تفسیر عبد بن حمید میں مذکور ہے کہ آپ نے حضرت سودہ کے گھر شہد پیا تھا اور ان کے رشتہ داروں نے یمن سے لا کر ان کو شہد دیا یہ میں دیا تھا اور جنہوں نے یہ کہا کہ آپ نے مغفیر کھایا ہے وہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ بنتی بنتیہ تھیں اور جو چیز زیادہ ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے حضرت زینب بنت جحش بنتی بنتیہ کے گھر شہد پیا تھا جیسا کہ امام بخاری کی روایت میں ہے اور نبی ﷺ کی ازواج کے دو گروہ تھے، ایک گروہ میں حضرت عائشہ، حضرت سودہ، حضرت حفصہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہن تھیں اور حضرت زینب، حضرت ام سلمہ اور باقی ازواج دوسرے گروہ میں تھیں۔

مغفیر کا معنی اور نبی ﷺ کا آئندہ شہد نہ کھانے کی قسم کھانا اور حضرت حفصہ کو اس کی خبر دینے سے منع فرمانا

کیا آپ نے مغفیر کھایا ہے؟: مغفیر مغفور کی جمع ہے: یہ میٹھے ذائقہ کا گوند ہے جس کی ناگوار بو ہوتی ہے جو العرط نامی درخت (یا تیل) پر لگتا ہے، اس کے چوڑے پتے ہوتے ہیں جو زمین پر پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اور اس میں کانٹے ہوتے ہیں اور اس کا روئی کی طرح سفید رنگ کا پھل ہوتا ہے اور اس کی سخت بد بو ہوتی ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: نہیں: یعنی میں نے مغفیر نہیں کھایا لیکن میں نے زینب کے پاس شہد پیا ہے اور میں نے قسم کھالی ہے کہ میں دوبارہ شہد نہیں پیوں گا: پھر آپ نے حضرت حفصہ بنتی بنتیہ کو مخاطب کر کے فرمایا: تم اس کی خبر کسی کو نہ دینا کیونکہ انہوں نے ہی کہا تھا کیا آپ نے مغفیر کھایا ہے؟ یعنی تم کسی کو بھی اس کی خبر نہ دینا خواہ وہ عائشہ ہوں یا ان کے علاوہ کوئی اور ہوں اور نبی ﷺ اپنی ازواج کی رضا کو طلب کرتے تھے۔

بعض روایات میں مذکور ہے کہ آپ نے شہد کی بجائے حضرت ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کیا تھا

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اکثر روایات میں یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ماریہ قبطیہ بنتی بنتیہ کو حرام قرار دینے کے متعلق نازل ہوئی ہے جب آپ نے ان کو اپنے نفس پر حرام کر لیا تھا اور آپ نے حضرت حفصہ سے فرمایا تھا: اس کی خبر عائشہ کو نہ دینا، پس حضرت حفصہ نے آپ کے راز کو نہیں چھپایا اور حضرت عائشہ کو اس بات کی خبر دے دی اور ان ہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

وَإِذَا أَسْرَأْتِیَ إِلَى بَعْضِ أَرْوَاحِہِمْ خَدِیْکَ
اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے راز کی بات کہی، پس اس نے

(التحریم: ۳) اس راز کی خبر دے دی۔

(معجم البخاری ج ۱۹ ص ۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ان روایات کی تعیین جن میں مذکور ہے کہ آپ نے اپنے اوپر حضرت ماریہ قبطیہ کو حرام قرار دیا تھا حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کے گھر میں حضرت ماریہ سے مقاربت کی، پس اچانک اس دوران حضرت حفصہ آگئیں، انہوں نے آپ کو حضرت ماریہ کے ساتھ مشغول پایا تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ میرے گھر میں ایسا کر رہے ہیں، اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس سے دوسری روایت کی ہے کہ حضرت حفصہ اپنے گھر میں آئیں اور حضرت ماریہ کے ساتھ آپ کو مشغول پایا تو وہ آپ پر ناراض ہوئیں، یہ حدیث متعدد ایسی سندوں کے ساتھ مروی ہے جن سے اس حدیث کی تقویت ہوتی ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ سورہ تحریم کی یہ آیت شہد حرام قرار دینے سے بھی متعلق ہو اور حضرت ماریہ کو حرام قرار دینے سے بھی متعلق ہو، اور امام نسائی نے اس قصہ کو اختصار سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک باندی سے مقاربت کر رہے تھے، سو حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ کو ناگوار ہوا تو آپ نے اس باندی کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا، پس سورہ التحریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ
اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے (التحریم: ۱)

(فتح الباری ج ۶ ص ۷۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ اپنی بیویوں کی رضا طلب کرتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O (اے مسلمانو!) بے شک اللہ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے O (التحریم: ۲-۱) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی آپ اپنی بیویوں کی رضا طلب کرتے ہیں اور قسم کھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قسموں کے کھولنے کا طریقہ بیان فرما دیا ہے، یہ بیان سورہ المائدہ میں ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۵۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان بن بلال نے حدیث بیان کی از یحییٰ از عبید بن حنین وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ فرماتے تھے: میں ایک سال ٹھہرا رہا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ایک آیت کے متعلق سوال کروں، پس مجھے ان کی ہیبت کی وجہ سے اب تک ان سے سوال کرنے کی طاقت نہ تھی حتیٰ کہ وہ حج کرنے کے لیے روانہ ہوئے، پس میں بھی ان کے ساتھ نکلا، پس جب ہم حج سے واپس

۲۔ بَابُ: تَبَيَّنَ مَرْضَاتُ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ عَفُوٌّ رَّحِيمٌ ① قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحْلَةَ أَيْمَانِكُمْ ② (التحریم: ۱-۲)

۳۹۱۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ بْنِ حُنَيْنٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يُحَدِّثُ أَنَّهُ قَالَ مَكَثْتُ سَنَةً أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ عَنْ آيَةٍ قَمَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَسْأَلَهُ هَيْبَةً لَهُ حَتَّى خَرَجَ حَاجًّا فَخَرَجْتُ مَعَهُ فَلَمَّا رَجَعْنَا وَكُنَّا بِبَعْضِ الطَّرِيقِ حَدَلَ إِلَى الْأَرَاكِ لِحَاجَّةٍ لَهُ قَالَ فَوَقَفْتُ لَهُ حَتَّى فَرَغَ ثُمَّ مَرَّتْ مَعَهُ فَقُلْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مِنَ اللَّتَانِ

تَكَاهَرَتَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ مِنْ أَزْوَاجِهِ فَقَالَ تِلْكَ حَفْصَةُ وَعَائِشَةُ قَالَ فَقُلْتُ وَاللَّهِ إِنْ كُنْتُ لِأُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَكَ عَنْ هَذَا مِنْذُ سَنَةٍ فَمَا أَسْتَطِيعُ مَبِيتَةَ لَكَ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ مَا ظَنَنْتَ أَنَّ عَشْدِي مِنْ عِلْمٍ فَاسْأَلْنِي فَإِنْ كَانَ لِي عِلْمٌ خَبَرْتُكَ بِهِ قَالَ ثُمَّ قَالَ عُمَرُ وَاللَّهِ إِنْ كُنْتُ لِي الْجَاهِلِيَّةُ مَا نَعُدُّ لِلنِّسَاءِ أُمُورًا حَتَّى أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِمْ مَا أَنْزَلَ وَقَسَمَ لَهُنَّ مَا قَسَمَ قَالَ فَبَيَّنَّا أَنَا فِي أَمْرِ أَمْرَةٍ إِذْ قَالَتْ أُمُّرَاتِي لَوْ صَنَعْتَ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَقُلْتُ لَهَا مَا لَكَ وَلِيَا مَا هُنَا وَفِيمَ تَكَلِّفُكِ لِي أَمْرٌ أُرِيدُهُ فَقَالَتْ لِي عَجَبًا لَكَ يَا ابْنَ الْخَطَابِ مَا تُرِيدُ أَنْ تُرَاجِعَ أَنْتَ وَإِنْ ابْتَنَتْكَ لَتُرَاجِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حَتَّى يَنْظَلَ يَوْمَهُ غَضَبَانِ فَقَامَ عُمَرُ فَأَخَذَ بِرِدَائِهِ مَكَانَهُ حَتَّى دَخَلَ عَلَى حَفْصَةَ فَقَالَ لَهَا يَا بَنِيَّةُ إِنَّكَ لَتُرَاجِعِينَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حَتَّى يَنْظَلَ يَوْمَهُ غَضَبَانِ فَقَالَتْ حَفْصَةُ وَاللَّهِ إِنْ لَتُرَاجِعُهُ فَقُلْتُ تَعْلِيَيْنِ أَنْ أُحْدِرُكَ عُقُوبَةَ اللَّهِ وَغَضَبَ رَسُولِهِ ﷺ يَا بَنِيَّةُ لَا يَغْفِرُكَ هَذِهِ الَّتِي أَعْجَبَتْهَا حُسْنُهَا حُبُّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِمَا هَا يُرِيدُ عَائِشَةُ قَالَ ثُمَّ خَرَجْتُ حَتَّى دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ لِقَرَاتِي مِنْهَا فَكَلَّمْتُهَا فَقَالَتْ أُمِّ سَلَمَةَ عَجَبًا لَكَ يَا ابْنَ الْخَطَابِ دَخَلْتَ لِي كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى تَبْتَنِي أَنْ تَدْخُلَ بَيْنَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَزْوَاجِهِ فَأَخَذْتَنِي وَاللَّهِ أَخْذًا كَسَرْتَنِي عَنْ بَعْضِ مَا كُنْتُ أَجِدُ فُخْرًا حَتَّى مِنْ عِنْدِهَا وَكَانَ لِي صَاحِبٌ مِنَ الْأَنْصَارِ إِذَا يَغِيثُ أَتَانِي بِالْغَبَرِ فَإِذَا غَابَ كُنْتُ أَنَا آتِيَةٌ بِالْغَبَرِ وَنَحْنُ نَشْخُوفُ مَبِيتًا مِنْ مُلُوكِ عُثْمَانَ ذِكْرًا لَنَا أَنَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَسِيرَ إِلَيْنَا فَقَدْ امْتَلَأَتْ صُدُورُنَا مِنْهُ فَلَمَّا إِذَا صَاحِبِي الْأَنْصَارِي يَدْعُو الْبَابَ فَقَالَ الْمَتَمُّ الْمَتَمُّ فَقُلْتُ جَاءَ الْعُثْمَانُ فَقَالَ هَلْ أَشَدُّ مِنْ ذَلِكَ اغْتَرَلُ

آئے اور ہم کی راستہ میں تھے تو حضرت عمر قضاہ حاجت کے لیے بیلو کے درخت کی طرف مڑ گئے، حضرت ابن عباس نے فرمایا: پس میں ٹھہرا رہا تھی کہ وہ قضاہ حاجت سے فارغ ہو گئے، پھر میں ان کے ساتھ چلنے لگا، پس میں نے ان سے پوچھا: اے امیر المؤمنین! نبی ﷺ کی ازواج میں سے وہ کون سی دو عورتیں ہیں جنہوں نے نبی ﷺ کے حکم کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کی تھی، حضرت عمر نے فرمایا: وہ حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما تھیں، حضرت ابن عباس نے کہا: اللہ کی قسم! میں ایک سال سے یہ انتظار کر رہا تھا کہ میں آپ سے اس کے متعلق استفسار کروں لیکن آپ کے رعب اور ہیبت کی وجہ سے میں اس کی طاقت نہیں رکھتا تھا، حضرت عمر نے فرمایا: تم ایسا نہ کرو جس چیز کے متعلق تمہیں یہ گمان ہو کہ مجھے اس کا علم ہے تم مجھ سے اس چیز کے متعلق سوال کرو، پس اگر مجھے اس کا علم ہو گا تو میں تمہیں اس کی خبر دوں گا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا: اللہ کی قسم! ہم زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو بالکل شمار نہیں سمجھتے تھے حتیٰ کہ اللہ نے ان کے متعلق وہ احکام نازل فرمائے جو احکام نازل فرمائے اور ان کے لیے وہ تقسیم کی جو تقسیم کی، حضرت عمر نے فرمایا کہ جس وقت میں کسی معاملہ میں غور کر رہا تھا تو میری بیوی نے کہا: اگر آپ اس طرح اللہ اس طرح کر لیں، تو میں نے اس سے کہا: تمہیں کیا ہوا تم اس معاملہ میں کیوں دخل دے رہی ہو جس معاملہ میں میں غور کر رہا ہوں تم اس میں کیوں بولتی ہو تو اس نے مجھ سے کہا: اے ابن الخطاب! تم پر تعجب ہے تم نہیں چاہتے کہ میں تمہیں جواب دوں حالانکہ تمہاری بیوی تو رسول اللہ ﷺ کو جواب دیتی ہے حتیٰ کہ آپ پورا ایک دن ناراضگی میں گزارتے ہیں، پس حضرت عمر کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنی جگہ سے چادر اٹھائی حتیٰ کہ وہ حضرت حفصہ کے پاس گئے اور کہا اے میری بیوی! کیا تم رسول اللہ ﷺ کو جواب دیتی ہو حتیٰ کہ آپ پورا ایک دن غصہ کی حالت میں گزارتے ہیں تو (حضرت) حفصہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اس سے شک ہم ضرور رسول اللہ ﷺ کو جواب دیتی ہیں، پس میں

رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَزْوَاجَهُ فَقُلْتُ رَغِمَ أَنْفُ حَفْصَةَ وَعَائِشَةَ فَأَخَذْتُ ثَوْبِي فَأَخْرَجُ حَتَّى جِئْتُ فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي مَشْرَبَةٍ لَهُ يَرْتَقِي عَلَيْهَا بَعْجَلَةٌ وَغُلَامٌ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَسْوَدُ عَلَى رَأْسِ الدَّرَجَةِ فَقُلْتُ لَهُ قُلْ هَذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَأَذِنَ لِي قَالَ عُمَرُ فَقَصَصْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ هَذَا الْحَدِيثَ فَلَمَّا بَلَغْتُ حَدِيثَ أُمِّ سَلَمَةَ تَبَسَّمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَإِنَّهُ لَعَلَى حَصِيرٍ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ شَيْءٌ وَتَحْتَ رَأْسِهِ وَسَادَةٌ مِنْ أَدَمٍ حَشَوْهَا لَيْفٌ وَإِنْ عِنْدَ رِجْلَيْهِ قَرْنَانِ مَضْبُوبَانِ وَعِنْدَ رَأْسِهِ أَهْبٌ مُعَلَّقَةٌ فَرَأَيْتُ أَثَرَ الْحَصِيرِ فِي جَنْبِهِ فَبَكَيْتُ فَقَالَ مَا يُبْكِيكَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ كِسْرِي وَقَيْصَرَ فِيمَا هُنَا فِيهِ وَأَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْآخِرَةُ۔ (صحیح مسلم: ۱۳۸۹)۔

نے کہا: تم اچھی طرح سمجھ لو بے شک میں تم کو اللہ کے عذاب سے اور رسول اللہ ﷺ کے غضب سے ڈرا رہا ہوں، اے میری بیٹی! تم اس عورت سے دھوکا نہ کھاؤ جس کا حسن آپ کو پسند ہے جو رسول اللہ ﷺ کی محبوبہ ہیں، ان کی مراد حضرت عائشہ تھیں، پھر میں وہاں سے نکلا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا کیونکہ میری ان کے ساتھ رشتہ داری تھی، پس میں نے ان سے بھی یہی بات کہی تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے ابن الخطاب! تم پر تعجب ہے تم ہر چیز میں دخل دیتے ہو حتیٰ کہ تم چاہتے ہو کہ تم رسول اللہ ﷺ اور آپ کی ازواج کے درمیان میں بھی مداخلت کرو، پس انہوں نے میری ایسی گرفت کی کہ اللہ کی قسم! اس گرفت نے میرے غم اور غصہ کو کم کر دیا، پس میں ان کے پاس سے نکل آیا اور انصار میں سے میرا ایک ساتھی تھا، پس جس دن میں غائب ہوتا تھا وہ اس دن کی میرے پاس خبر لاتا تھا اور جب وہ کسی دن غائب ہوتا تو میں اس کے پاس اس دن کی خبر لاتا تھا اور ہم لوگ غسان کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ سے خوف زدہ رہتے تھے، ہمیں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ ہم پر حملہ کرنا چاہتا ہے، پس ہمارے دل اس کے خوف سے سہمے رہتے تھے، پس اچانک ایک دن میرا انصاری ساتھی دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا، پس اس نے کہا: (دروازہ) کھولو کھولو، میں نے کہا: کیا غسانی آگیا، اس نے کہا: بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت بات ہو گئی ہے، رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج سے الگ ہو گئے ہیں، میں نے دل میں کہا: (حضرت) حفصہ اور حضرت عائشہ کی ناک خاک آلود ہو، پس میں نے اپنے کپڑے لیے، پس میں نکلا حتیٰ کہ میں آیا تو رسول اللہ ﷺ اپنے بالا خانہ میں تھے جس پر میزھی سے چڑھا جاتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کا ایک سیاہ قام غلام میزھی کے ڈنڈے پر بیٹھا ہوا تھا، میں نے اس سے کہا: جا کر کہو یہ عمر بن الخطاب ہیں تو آپ نے میرے لیے اجازت دے دی، حضرت عمر نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بات سنائی، پس جب میں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بات سنائی تو رسول اللہ ﷺ مسکرائے، آپ ایک چٹائی پر لیٹے

ہوئے تھے اور آپ کے اور اس چٹائی کے درمیان کوئی اور چیز نہیں تھی اور آپ کے سر کے نیچے ایک چڑے کا تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، آپ کے پیروں کی جانب کیکر کے پتوں کا ڈھیر تھا اور آپ کے سرہانے ایک کچی کھال لٹکی ہوئی تھی، پس میں نے دیکھا کہ چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو میں نقش ہو چکے تھے، پس میں رو پڑا، آپ نے فرمایا: تمہیں کیا چیز رلاتی ہے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قیصر و کسریٰ تو اس عیش و آرام میں ہیں جس میں وہ ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں (اور آپ کا یہ حال ہے) آپ نے فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۸۹ میں گزر چکی ہے۔

عورتوں کے حقوق کے متعلق آیات

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے حق میں وہ احکام نازل فرمائے جو احکام نازل فرمائے: اس سے مراد درج ذیل آیات ہیں:

اور تم عورتوں کے ساتھ دستور کے مطابق نیک سلوک کرو۔
اور تم عورتوں کو ضرر پہنچانے کے لیے نہ رو کے رکھو تا کہ تم ان پر زیادتی کرو۔

وَعَاشِرُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ^{۱۹} (النساء: ۱۹)

وَلَا تُسَيِّئُوهُنَّ فَمِمَّا زَاغُوا فَتَنُوا^{۲۰} (البقرہ: ۲۳۱)

اور عورتوں کے لیے تقسیم فرمایا جو تقسیم فرمایا: اس کی مثال درج ذیل آیت ہے:

اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ دستور کے موافق ان (ماؤں) کا کھانا اور پہننا ہے۔

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ مِمَّا ذَلَّ لَهُنَّ وَكَمَ ثَوْبُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ^{۲۱}

(البقرہ: ۲۳۳)

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے راز کی بات کہی، پس اس نے اس راز کی خبر دے دی اور اللہ نے نبی پر اس کا اظہار فرمادیا تو نبی نے اس کو کچھ بتا دیا اور کچھ بتانے سے اعراض کیا پھر جب نبی نے اس کو اس (افشاء راز) کی خبر دی تو اس نے کہا: آپ کو کس نے اس کی خبر دی تو نبی کہا: مجھے علیم و

۳۔ بَابُ: وَإِذَا سَأَلَ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ

حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ

عَرَفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا

بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَذَا^{۲۲} قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ

الْخَبِيرُ^{۲۳} (التحریم: ۳)

خبیر نے خبر دی ہے ○ (التحریم: ۳) کی تفسیر

آیت مذکورہ کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

وَإِذَا سَأَلَ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ: جب نبی ﷺ نے اپنی کسی بیوی کو اپنا راز بتایا، وہ بیوی حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا تھیں اور راز یہ تھا کہ آپ نے اپنی باندی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اور فرمایا تھا: کسی کو یہ نہ بتانا کہ میں نے اس باندی کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے، اور کبھی کی روایت میں ہے: آپ نے یہ راز بتایا تھا کہ تمہارے والد اور عائشہ کے والد دونوں میرے بعد میری امت پر خلیفہ ہوں گے۔

فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ: جب اس بیوی نے رسول اللہ ﷺ کا یہ راز اپنی سہیلی کو بتا دیا یعنی حضرت حفصہ نے یہ راز حضرت عائشہ کو بتایا تھا۔

عَوَّكَ بَعْضُهُ: نبی ﷺ نے حضرت حفصہ کو بتا دیا کہ انہوں نے حضرت عائشہ کو کیا بتایا ہے اور پوری بات نہیں بتائی۔
قَالَتْ مَنْ أُنْبَأَكَ هَذَا: یعنی جب آپ نے حضرت حفصہ کو یہ بات بتائی تو انہوں نے پوچھا: آپ کو یہ بات کس نے بتائی تو آپ نے فرمایا: مجھے علیم و خبیر نے یہ بات بتائی ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)
فِيهِ عَائِشَةُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: اس باب میں حضرت عائشہ نے نبی ﷺ سے ایک حدیث روایت کی ہے۔

وہ حدیث درج ذیل ہے:

۴۹۱۳۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ حُنَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَقُولُ أَرَدْتُ أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقُلْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَنْ الْمَرْأَتَانِ اللَّتَانِ تَطَاهَرَتَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَمَا أَتَمَمْتُ كَلَامِي حَتَّى قَالَ عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے عبید بن حنین سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے کہا: اے امیر المؤمنین! وہ دو عورتیں کون ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کی تھی، ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ وہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما تھیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ اس طویل حدیث کا ایک حصہ ہے جو ابھی ابھی گزری ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۶۲)

قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ قَالَ مُجَاهِدٌ أَوْصُوا۔
قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ: مجاہد نے کہا اس کا معنی ہے تم اپنے آپ کو اور اپنے گھروالوں کو وصیت کرو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَامًا وَ قِيَامًا۔ اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھروالوں کو اس آگ سے

النَّاسِ وَالْجِبَارَةِ (التحریم: ۶)

بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کی ہے تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو وصیت کرو کہ وہ گناہوں کو ترک کریں اور عبادات کو انجام دیں یعنی ان کو نیک کاموں کا حکم دو اور برے کاموں سے روکو، اور ان کو تعلیم دو اور ان کو ادب سکھاؤ یہ معنی صحیح ہے جس کو مفسرین نے ذکر کیا ہے، علامہ زنجیزی نے کہا ہے اپنے نفسوں کو دوزخ کے عذاب سے بچاؤ گناہوں کے ترک کرنے کے سبب سے اور نیکیاں کرنے کے سبب سے اور اپنے گھر والوں کو بھی بچاؤ بایں طور کہ جن کاموں پر تم اپنا مواخذہ کرتے ہو ان کاموں پر ان کا مواخذہ بھی کرو۔ (مدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۶۳، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۔ بَابُ: اِنْ تَتُوبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَعَتْ

اَللّٰهُ تَعَالٰی کے ارشاد: اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو

اچھا ہے) کیونکہ تمہارے دل اعتدال سے کچھ ہٹ

چکے ہیں۔ (التحریم: ۴) کی تفسیر

علامہ مینی لکھتے ہیں: اس آیت میں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو خطاب ہے کہ تم دونوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کر کے آپ کو ایذا پہنچا رہی ہو اس سے تم دونوں توبہ کر لو تو یہ تمہارے حق میں اچھا ہے۔

(مدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۶۳)

صَفَوْتُ وَأَصْفَيْتُ مِنْتُ لِتَصْفِي بِتَبِيلٍ۔

صفوت اور اصفیت کا معنی ہے: میں مائل ہوا، اور لتصفی کا معنی ہے: تاکہ تم مائل ہو۔

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس تعلیق سے یہ اشارہ کیا ہے کہ آیت کریمہ قد صغت کا معنی ہے تمہارے دل مائل ہو گئے ہیں اور منحرف ہو گئے ہیں اور تم پر توبہ لازم ہے، امام بخاری نے صفوت اور اصفیت دو مثل لیں دی ہیں ایک ثلاثی مجرد سے ہے اور دوسری ثلاثی مزید فیہ سے ہے۔ امام بخاری نے دوسری تعلیق میں لکھا ہے لِتَصْفِي اس سے درج ذیل آیت کی طرف اشارہ ہے۔

وَلِتَصْفِي اِلَيْهِ الْاُفْدَاةُ الذِّينَ لَا يُوْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ۔

اور تاکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے دل (خوش نما

باتوں) کی طرف مائل ہوں۔

اور اگر نبی کے خلاف تم دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں تو بے شک اللہ نبی کا مددگار ہے اور جبرئیل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد سب فرشتے بھی (ان کے) مددگار ہیں ○

ظہیر کا معنی ہے: عون یعنی مددگار اور تظہرون کا معنی ہے: تم ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو۔

(انعام: ۱۱۳)

وَ اِنْ تَظْهَرَا عَلٰی اللّٰهِ هُوَ مَوْلٰهُ وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظٰهِرُوْنَ ○ (التحریم: ۴)

ظہیر غوث تظاہرون تعاوون۔

اپنے اور اپنے گھر والوں کو (اس آگ سے) بچاؤ۔ اس کا معنی ہے تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرو اور ان کو ادب سکھاؤ۔

وَقَالَ مُبَاهِدٌ قُلُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ (التحریم: ۶) بِتَقْوٰی اللّٰهِ وَاَذْهَبُوْهُمْ۔

اس تعلیق کی شرح علامہ مینی کی مہارت کے حوالہ سے اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

۴۹۱۵۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا
يَعْقَبُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ حُثَيْنٍ يَقُولُ
سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ كُنْتُ أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ
عَنِ الْمَرَاتَيْنِ اللَّتَيْنِ تَطَاهَرَتَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ
ﷺ فَكَشْتُ سَنَةً فَلَمْ أَجِدْ لَهُ مَوْضِعًا حَتَّى
خَرَجْتُ مَعَهُ حَاجًّا فَلَمَّا كُنَّا بِظَهْرَانَ ذَهَبَ عُمَرُ
لِحَاجَّتِهِ فَقَالَ أَذْرِكُنِي بِالْوُضُوءِ فَأَذْرَكْتُهُ بِالْإِدَاوَةِ
فَجَعَلْتُ أَسْكُبُ عَلَيْهِ السَّاءَ وَرَأَيْتُ مَوْضِعًا فَقُلْتُ يَا
أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مِنَ الْمَرَاتَيْنِ اللَّتَانِ تَطَاهَرَتَا قَالَ
ابْنُ عَبَّاسٍ فَمَا أَتَمَمْتُ كَلَامِي حَتَّى قَالَ عَائِشَةُ
وَحَفْصَةُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے عبید بن حنین سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ارادہ کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان دو عورتوں کے متعلق سوال کروں، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کی تھی، پس میں ایک سال ٹھہرا رہا، مجھ کو (سوال کرنے کا) موقع نہیں ملا حتیٰ کہ میں حضرت عمر کے ساتھ حج کرنے کے لیے نکلا، پس جب ہم مقام ظہران پر پہنچے تو حضرت عمر قضا حاجت کے لیے گئے، پس کہا: میرے وضوء کرنے کے لیے پانی لاؤ، میں ایک مشکیزہ میں پانی لے کر گیا، میں ان کے اوپر پانی ڈال رہا تھا، اس وقت مجھے (سوال کرنے کا) موقع ملا تو میں نے پوچھا: اے امیر المؤمنین! وہ دو عورتیں کون سی ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کی تھی؟ حضرت ابن عباس نے بتایا کہ ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ حضرت عمر نے کہا: وہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۸۹ میں گزر چکی ہے۔

۵۔ بَابُ: عَلَى رَأْبَةٍ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبَدِّلَهُ
أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُؤْمِنَاتٍ قَنِيتٍ
تُحِبُّنَّ عِبَادَتِي سَيِّئَاتٍ تَحِبُّنَّ وَأَبْكَارًا ۝
(التحریم: ۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اگر نبی نے تم کو طلاق دے دی تو عنقریب ان کا رب ان کو تمہارے بدلہ میں تم سے بہتر بیویاں دے دے گا جو فرماں بردار، ایمان دار، عبادت گزار، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ دار، شوہر دیدہ اور کنواریاں ہوں گی ○
(التحریم: ۵) کی تفسیر

ازواج مطہرات کے بدلہ میں آنے والی بہ فرض وقوع دیگر ازواج امہات المؤمنین سے کیسے بہتر ہو سکتی ہیں،

اس سوال کا جواب اور مسئلہ، مومنات وغیرہ اصقات کے معانی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی خبر دی ہے اور ازواج مطہرات کو ڈرایا ہے، یہ معنی نہیں ہے کہ واقع میں نبی ﷺ کی ازواج مطہرات سے بہتر آپ کی امت میں عورتیں موجود ہیں۔

علامہ زنجشیری نے کہا ہے: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کی ازواج کے بدلہ میں جن دیگر عورتوں سے نکاح کیا جائے وہ آپ کی ازواج سے بہتر ہوں حالانکہ روئے زمین پر آپ کی ازواج مطہرات اور امہات المومنین سے کوئی عورت بہتر نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج کی نافرمانی اور ان کی ایذا رسانی کی وجہ سے ان کو طلاق دے دیں گے تو وہ اپنی بہتری کی صفت پر قائم نہیں رہیں گی اور دیگر جن عورتوں سے بالفرض آپ کا عقد کیا جائے گا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور آپ کی رضا کے مطابق زندگی گزارنے کی وجہ سے ان سے بہتر ہوں گی۔

مسلمات مومنات: اس کا معنی ہے: جو اسلام کا اقرار کریں گی اور اخلاص پر قائم رہیں گی۔

قنیت: دعا کرنے والیاں اور نماز پڑھنے والیاں۔

ثیبت: گناہوں سے توبہ کرنے والیاں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرنے والیاں اور اپنے نفس کی خواہشوں کو ترک کرنے والیاں۔

عبادت: اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ عبادت کرنے والیاں اور رسول ﷺ کی اطاعت کر کے اپنے آپ کو جھکانے والیاں، اور عبد کا لفظ بھی عبادت سے ماخوذ ہے یعنی اللہ کے سامنے عاجزی کے ساتھ تذلل کرنے والا۔

سپخت: اس کا ایک معنی ہے روزہ رکھنے والیاں، اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: گناہوں سے ہجرت کرنے والیاں۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن عون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی از حیداز حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی ﷺ کی ازواج آپ پر غیرت کرنے میں جمع ہوئیں تو میں نے ان سے کہا: عسی رأتہ ان طلقن ان یتبدلن اذواجاخذن اقلن (القریم: ۵) اگر نبی نے تم کو طلاق دے دی تو عنقریب ان کا رب ان کو تمہارے بدلہ میں تم سے بہتر بیویاں دے دے گا۔ پس یہ آیت نازل ہو گئی۔

۳۹۱۶۔ حَدَّثَنَا عُمَرُو بْنُ عَوْنٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ اجْتَمَعَ نِسَاءُ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْغَدِيرَةِ عَلَيْهِ فَقُلْتُ لَهُنَّ عَسَى رَأَتْهُ إِنْ طَلَقْنِ أَنْ يَتَبَدَّلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ فَتَزَوَّجْنَ هَذِهِ الْأَيَّةُ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۰۲ میں گزر چکی ہے۔

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ التحریم کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور احادیث روایت کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ الملک کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۶۷۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَةِ تَبٰرَکَ الَّذِیْ

سورة تَبَرَّكَ الَّذِیْ کی تفسیر

سورة تَبَرَّكَ الَّذِیْ بِیْدِہِ الْمُلْکِ کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورت تَبَرَّكَ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اور صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں سورة الملک مذکور ہے، یہ پوری سورت مکی ہے، یہ مقاتل کا قول ہے اور علامہ سخاوی نے کہا ہے: یہ سورة الحاقة سے پہلے اور سورة الطور کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس میں تیس (۳۰) آیات ہیں۔ (عمدة القاری، ج ۱۰، ص ۳۶۵)

التَّفَاوُتُ الْاِخْتِلَافُ وَالتَّفَاوُتُ وَالتَّفْوُتُ وَاحِدٌ۔ التَّفَاوُتُ کا معنی ہے: الاختلاف، التفاوت اور التفوت دونوں کا معنی واحد ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَا تَدْرِي فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفْوُتٍ ۚ (الملک: ۳) (اے مخاطب!) تو رحمن کے نظم تخلیق میں کوئی خلل نہیں دیکھے گا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تفوت کی تفسیر اختلاف کی ہے اور یہ اشارہ کیا ہے کہ التفاوت اور التفوت دونوں کا معنی واحد ہے۔ جیسے التعهد اور التعاہد ہیں اور التطهر اور التطاھر ہیں، اور الکسائی اور حمزہ نے تفوت بغیر الف کے پڑھا ہے اور الفراء نے کہا ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود کی قراءت ہے اور دوسروں نے الف کے ساتھ پڑھا ہے۔

تَسْبِيْرٌ تَقَطُّعٌ۔ تَسْبِيْرٌ اس کا معنی ہے: وہ (غصہ کے سبب سے) پھٹ پڑے گی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

تَكَادُ تَمَيِّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۚ (الملک: ۸) گویا وہ ابھی شدت غضب سے پھٹ جائے گی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تَمَيِّزُ کی تفسیر کی ہے: وہ غصہ سے پھٹ جائے گی اور اس کی ضمیر دوزخ کی طرف راجع ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہے:

اِذَا الْاَلْقَا فِيْهَا سَبْعُ مِائَاتٍ يَنْفَقُوْنَ فِيْهَا نَارًا ۚ (الملک: ۷) جب ان کو دوزخ میں جھونکا جائے گا تو وہ دوزخ کی خوف ناک

چنگھاڑیں گے اور وہ جوش میں آ رہی ہوگی ۝

اس کی یہ چنگھاڑ گدھے کی آواز کے مشابہ ہوگی اور وہ اس طرح جوش میں آ رہی ہوگی جس طرح پتیلی میں رکھا ہوا پانی جوش میں آتا ہے جب وہ پتیلی آگ پر رکھی ہو۔

مَنَّاكِبُهَا جَوَانِبُهَا۔ مَنَّاكِبُهَا اس کا معنی ہے: زمین کی اطراف اور جوانب۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ ثَرْوِهَا ۖ وَإِلَيْهَا تُنْشَرُونَ ﴿١٥﴾
 سو تم اس زمین کے راستوں میں چلو اور اس کی دی ہوئی روزی میں
 سے کھاؤ، اور اسی کی طرف سب نے اٹھ کر جانا ہے ۝
 (الملک: ۱۵)

ملازمہ معنی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مَنَاكِبِهَا کی تفسیر زمین کی جانبوں کے ساتھ کی ہے، اسی طرح الفراء نے اس کی تفسیر کی
 ہے اور المنکب کا اصل میں معنی جانب ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے اس کی تفسیر زمین کے پہاڑوں کے ساتھ کی
 ہے، اور مجاہد نے اس کی تفسیر زمین کے راستوں کے ساتھ کی ہے۔
 تَذْعُونَ اور تَذْعُونَ، تَذْكُرُونَ اور تَذْكُرُونَ کی مثل ہیں یعنی ان
 دونوں کا معنی واحد ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَيْنَ هَذَا الِذِي كُنْتُمْ بِهِ تَذْعُونَ ﴿٢٤﴾ (الملک: ۲۴)
 اور کہا جائے گا: یہی ہے وہ جس کو تم بار بار طلب کرتے تھے ۝
 ملازمہ معنی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس تفسیر سے یہ اشارہ کیا ہے کہ ان دونوں لفظوں کا ایک معنی ہے اور قرآن مجید میں
 تَذْعُونَ کی قرأت نہیں ہے۔
 وَيَقْبِضْنَ: اس کا معنی ہے: وہ اپنے پروں کو مار کر سمیٹ لیتے
 ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَيَقْبِضْنَ مَا يُسْكُنْنَ إِلَّا الزَّحْنُ ۚ إِنَّهُ يُكَلِّفُ شَيْءًا
 رَحْمَنُكَ سَوَاءٌ كُنْتَ رَوَّاحًا أَمْ لَا ۚ إِنَّهُ يُكَلِّفُ شَيْءًا
 بَصِيرٌ ﴿١٩﴾ (الملک: ۱۹)
 والا ہے ۝

ملازمہ معنی لکھتے ہیں: امام بخاری نے يَقْبِضْنَ کی تفسیر کی ہے: وہ اپنے پروں کو مار کر سمیٹ لیتے ہیں، اس آیت کا معنی ہے کہ
 جس وقت پرندے فضاء میں پر پھیلاتے ہیں یا سمیٹتے ہیں ان کو اس حالت میں رحمن کے سوا کوئی کرنے سے روک نہیں سکتا۔
 وَقَالَ مُجَاهِدٌ صَافَاتٍ بَسْطُ أَجْنَحَتَيْهِمْ۔
 اور مجاہد نے کہا صَافَاتٍ کا معنی ہے: پرندوں کا اپنے پروں کو پھیلاتا۔
 امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
 أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الظَّيْرِ فَوَقَّهُمْ صُلْبًا ۚ (الملک: ۱۹)
 کیا انہوں نے اپنے اوپر (کبھی) پر پھیلائے ہوئے پرندوں کو
 نہیں دیکھا۔

ملازمہ معنی لکھتے ہیں: یعنی جب پرندے پر پھیلائے ہوئے فضاء میں اڑتے ہیں اور کبھی اڑتے ہوئے پر سمیٹ لیتے ہیں۔
 وَنَفُورًا كُفُورًا۔
 نفور اس کا معنی ہے: کفر اور سرکشی سے بھاگنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

بَلْ لَّجُوا إِلَى غَيٍّ وَنُفُورًا ﴿٢١﴾ (الملک: ۲۱)
 بلکہ کافر اپنی سرکشی میں اور نفرت میں راسخ ہو چکے ہیں ۝

ملازمہ معنی لکھتے ہیں: غيٌّ کا معنی ہے: کفر اسی میں بڑھتے جانا اور نفور کا معنی ہے: حق سے متنفر ہو کر بھاگنا۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح ملازمہ معنی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۶۶-۳۶۵ میں کی ہے]

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الملک کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی، سورۃ الملک کی تفسیر میں امام بخاری نے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔
اب ان شاء اللہ تعالیٰ سورۃ نون والقلم کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۶۸۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ النَّ

سورة ن والقلم کی تفسیر

سورة ن والقلم کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متونی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة ن والقلم کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اور مقاتل نے کہا: یہ پوری سورت مکی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: اس سورت کا اول حصہ سَنَسِبُهُ (القلم: ۱۶) تک مکی ہے اور اس کے بعد لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ (القلم: ۲۳) تک مدنی ہے، علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ یہ سورة المزمل کے بعد اور سورة المدثر سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ مفسرین کا نون کے معنی میں اختلاف ہے، مجاہد، مقاتل اور سدی اور دوسروں سے منقول ہے کہ اس کا معنی مچھلی ہے اور حضرت ابن عباس سے بھی یہ ایک روایت ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ النون ایک دواء ہے اور یہ بھی حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے اور عطاء سے روایت ہے کہ نون اللہ تعالیٰ کے ان اسماء کا پہلا حرف ہے: نور، ناصر اور نصیر اور جعفر سے روایت ہے کہ نون جنت میں ایک نمبر ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَتَخَفَتُونَ يَتَجَبَّوْنَ السَّمَاءَ
وَالْكَلَامَ الْخَفِيَّ۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: يَتَخَفَتُونَ کا معنی ہے: وہ
چپکے چپکے سرگوشی کر رہے تھے اور خفیہ باتیں کر رہے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاطْلِقُوا ذُھْمٌ يَتَخَفَتُونَ ۝ (القلم: ۲۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: یہ تعلق صرف ابوذر کے نسخہ میں ہے اور دوسروں نے اس کو کتاب التوحید میں ذکر کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۸۰)

وَقَالَ قَتَادَةُ خَزَوْ جَذَلِ أَنْفُسِهِمْ۔ اور قتادہ نے کہا: خَزَا کا معنی ہے: دل و جان سے کوشش کرنا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَعَذَا عَلَ خَزَوْ قَدِيمًا ۝ (القلم: ۲۵)

پھر وہ خود کو اپنے فیصلہ پر قادر سمجھتے ہوئے سویرے سویرے چل

دے

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے خَزَا کی تفسیر کی ہے: کسی کام میں بہت زیادہ مبالغہ سے کوشش کرنا، علامہ ابن الصمن نے کہا ہے کہ بعض اصول کے مطابق یہ لفظ خَزَا ہے جیسا کہ امام عبد الرزاق نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے، اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس باغ سے کسی سائل کو کچھ نہیں دیں گے اس لیے وہ صبح صبح اس ارادہ سے چلے جیسے وہ باغ کے سارے پھل توڑنے پر قادر ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَصَالُونَ أَضَلُّنَا مَكَانَ جَنَّتِنَا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: لصالون کا معنی ہے: ہم نے اپنے باغ کی جگہ کو گم کر دیا یا ہم اس کو بھول گئے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُونَ ﴿٢٦﴾ (القلم: ۲۶)
پھر جب انہوں نے اس کئے ہوئے باغ کو دیکھا تو کہا: ہم ضرور راستہ بھول گئے ہیں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ ہم اپنے باغ کی جگہ کو بھول گئے ہیں، امام ابن ابی حاتم نے بھی اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

فَلَمَّا رَأَوْهَا: میں ہاء ضمیر جنت یعنی باغ کی طرف لوٹ رہی ہے جو درج ذیل آیت میں مذکور ہے:
إِنَّا بَلَوْنَهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا
لَيَصْرُنَّهَا مُصْبِحُونَ ﴿١٤﴾ (القلم: ۱۴)
ہم نے ان کی اس طرح آزمائش کی جس طرح ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی جب انہوں نے قسم کھائی کہ وہ ضرور صبح کو اس کے پھل کاٹیں گے ○

یعنی ہم نے اہل مکہ کا امتحان لیا ہے اور ان کو قحط اور بھوک میں مبتلا کر کے ان کی اس طرح آزمائش کی ہے جس طرح ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ باغ یمن میں تھا، اس کو الضروان کہا جاتا تھا، یہ صنعاء سے دو فرسخ کے فاصلہ پر تھا، انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ اس باغ کی کھجوروں کو صبح ہونے سے پہلے اندھیرے میں کاٹ لیں گے تاکہ مسکین مانگنے کے لیے اس باغ کی طرف نہ آجائیں تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے آگ بھیجی جس نے اس باغ کو جلا دیا اور اس وقت وہ سوئے ہوئے تھے، پھر جب وہ صبح کو اٹھے اور اس باغ کی طرف دیکھا تو انہوں نے کہا: ہم ضرور راستہ بھول گئے ہیں، یہ ہمارا باغ نہیں ہے۔

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ بعض شارحین کا یہ گمان ہے کہ یہ لفظ اضللنا نہیں ہے بلکہ ضللنا ہے، یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب تم کوئی چیز رکھ کر بھول جاؤ کہ تم نے کہاں رکھی ہے اور وہ تمہیں نہ ملے اور اضللت الشیخ اس وقت کہا جاتا ہے جب تم کسی چیز کو ضائع کر دو۔ حافظ ابن حجر ان بعض شارحین کا رد کرتے ہیں کہ اس تعلق میں جو اضللنا کا لفظ ہے وہ بھی درست ہے اور اس کا معنی ہے: ہم نے اس شخص کی طرح کام کیا جو کسی کام کو ضائع کر دے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۸۰)

علامہ عینی لکھتے ہیں: حافظ ابن حجر کی بعض شارحین سے مراد حافظ الدمیاطی ہیں، جنہوں نے کہا کہ یہاں اضللنا کی بجائے ضللنا ہونا چاہیے تھا، ان کا قول لغت کے موافق ہے اور حافظ ابن حجر نے جو حافظ دمیاطی کا رد کیا ہے وہ بہت بعید ہے کیونکہ یہاں پر باغ والوں کا صرف یہ عمل تھا کہ وہ صبح سویرے باغ کی طرف چلے گئے تھے اور ان کا اس میں کوئی ایسا عمل نہیں تھا جو اس شخص کے عمل کی طرح ہو جس نے اپنے عمل سے کسی چیز کو ضائع کر دیا ہو۔

وَقَالَ غَيْرُهُ كَالضَّرِيمِ كَالضُّبْحِ انْصَرَمَ مِنَ اللَّيْلِ وَاللَّيْلِ انْصَرَمَ مِنَ النَّهَارِ وَهُوَ أَيْضًا كُلُّ رَمَلَةٍ انْصَرَمَتْ مِنَ مُعْظِمِ الرَّمْلِ وَالضَّرِيمُ أَيْضًا الْمَضْرُومُ مِثْلُ قَتِيلٍ وَمَقْتُولٍ۔ اور حضرت ابن عباس کے علاوہ دوسروں نے کہا: کالضريم کا معنی ہے کالصبح یعنی وہ باغ کئے ہوئے کھیت کی طرح ہو گیا جس طرح صبح رات سے منقطع ہوتی ہے اور رات دن سے منقطع ہوتی ہے، نیز ریت کا ہر وہ چھوٹا ٹیلا جو بڑے ٹیلے سے منقطع ہو اس کو بھی ضريم

کہا جاتا ہے اور نیز صریم، مصردہ کے معنی میں بھی ہے یعنی کٹا ہوا
جیسے قتل مقتول کے معنی میں ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأُصْبِحْتُ كَالضَّرِيمِ ① (انعام: ۲۰)

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی دو مذکور و باغ کئے ہوئے باغ یا کھیت کی طرح ہو گیا اور صریم کے مادہ میں کٹنے کا معنی ٹھوٹ ہے، امام
بخاری نے تین مثالیں دی ہیں جیسے صبح رات سے منقطع ہوتی ہے اور رات دن سے منقطع ہوتی ہے اور چھوٹا ٹیلا بڑے ٹیلے سے منقطع
ہوتا ہے۔

مَكْظُومٌ وَ كَظِيمٌ مَغْضُومٌ تُذْهِنُ فَيُذْهِنُونَ تَرْخُصُ
مَكْظُومٌ وَ كَظِيمٌ مَغْضُومٌ تُذْهِنُ فَيُذْهِنُونَ تَرْخُصُ
غصہ کو پی لیا ہو اور تدھن فیدھنون اس کا معنی ہے کہ آپ
رخصت پر عمل کریں تو وہ بھی رخصت پر عمل کریں گے یعنی آپ
مداہنت کریں تو وہ بھی مداہنت کریں گے۔

امام بخاری نے تعلیق کے دوسرے جز سے اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَذُؤَالُو تَذْهِنُ فَيُذْهِنُونَ ② (انعام: ۹)

انہوں نے یہ چاہا کہ اگر آپ (دین میں) نرمی کریں تو وہ بھی نرم
ہو جائیں گے ③

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری کی تفسیر کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطیہ اور ضحاک سے بھی یہ تفسیر مروی ہے۔ اور کلبی
سے یہ تفسیر منقول ہے کہ اگر آپ ان کے لیے نرم ہوں تو وہ بھی نرم ہو جائیں گے اور حسن بصری سے یہ منقول ہے کہ اگر آپ اپنے دین
میں کوئی تحریف کریں تو وہ بھی اپنے دین میں تحریف کریں گے۔ تعلیق کے پہلے جز میں درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْخُؤَبِ إِذْ نَادَى وَهُوَ مَكْظُومٌ ④ اور آپ مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں جنہوں نے اپنے رب کو
(انعام: ۴۸) حالت غم میں پکارا تھا ⑤

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مَكْظُومٌ اور كَظِيمٌ کی تفسیر کی ہے: مَغْضُومٌ اور اس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ ان دونوں لفظوں کا
ایک معنی ہے۔ ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۶۷-۳۶۸ میں کی ہے |

۱۔ بَابُ: عَتَلٌ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٌ ⑥
اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بہت بد خو، ان سب کے بعد نطفہ
حرام ہے ⑦ (انعام: ۱۳) کی تفسیر

(انعام: ۱۳)

عتل اور زنیم کے معانی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

العتل کا معنی ہے: سخت جھگڑا اور منافق۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور عبید بن عیسر سے منقول ہے: العتل وہ
مفصّل ہے جو بہت زیادہ کھاتا اور پیتا ہو: میزان میں اس کا وزن ایک جو کے برابر بھی نہیں ہوگا، فرشتہ اس کو جہنم میں دھکا دے گا تو وہ
بہار (فرخ یا ذراع، حدیث میں اس کا بیان نہیں ہے) کی گہرائی تک گر جائے گا اور زنیم وہ مفصّل ہے جس کی اصل نہ ہو، دوسرا

قول ہے: اس کا معنی ہے: کینہ پرور یعنی بغض رکھنے والا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۶۸)

۳۹۱۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَوْسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَثَلٌ بَعْدَ ذَلِكَ ذَنِيمٌ قَالَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ لَهُ زَنْتَةٌ مِثْلُ زَنْتَةِ الشَّاذِ۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمود نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از اسرائیل از ابی حصین از مجاہد عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے عَثَلٌ بَعْدَ ذَلِكَ ذَنِيمٌ کی تفسیر میں کہا: یہ قریش کا ایک مرد تھا جس کے کان پر گوشت کا ایک ٹکڑا لٹکا رہا ہوتا تھا جیسے بکری کے کان پر گوشت کا ٹکڑا لٹکا ہوا ہوتا ہے۔

زنیم کے مصداق کا بیان

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ اس صفت قبیحہ سے موسوم کون شخص تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ شخص الولید بن مغیرہ المخزومی تھا اور عطاء اور السدی نے کہا: یہ شخص الاخنس بن شریق تھا اور مجاہد نے کہا: یہ الاسود بن عبد یغوث تھا اور مجاہد سے مروی ہے کہ الولید کے ہر ہاتھ میں چھ انگلیاں تھیں، ایک انگلی زائد تھی۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۹۱۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو نَعِيمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَعْبُدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ سَبَعْتُ حَارِثَةَ بْنَ وَهَبٍ الْخَزَاعِيَّ قَالَ سَبَعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَعِّفٍ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَا يَبْرُهُ إِلَّا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ كُلُّ عَثَلٍ جَوَاطِ مُسْتَكْبِرٍ۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از معبد بن خالد، انہوں نے کہا: میں نے حارثہ بن وہب الخزاعی سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: کیا میں تم کو اہل جنت کی خبر نہ دوں، وہ بہت زیادہ کم زور شخص ہوتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ پر کسی کام کے کرنے کی قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ وہ کام کر کے اس کو ضرور اس کی قسم میں سچا کر دیتا ہے اور کیا میں تم کو اہل دوزخ کی خبر نہ دوں وہ ہر بد خصلت بھاری جسم والا اور متکبر ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۸۵۳، سنن ترمذی: ۲۶۵۰، سنن ابن ماجہ: ۴۱۱۶)

ضعیف سے مراد متواضع اور متذلل ہے اور عثل سے مراد بد خصلت اور متکبر ہے

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بہت کم زور شخص ہوتا ہے: یعنی دنیا میں اس کے ظاہری ضعف کی وجہ سے لوگ اس کو بہت کم زور اور حقیر سمجھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اتنا عالی مرتبہ ہوتا ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے کرم پر امید رکھتے ہوئے یہ قسم کھالے کہ اللہ تعالیٰ فلاں کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ وہ کام کر کے اس کو اس کی قسم میں سچا کر دیتا ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا ضرور قبول فرماتا ہے، اور ضعیف سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص متواضع اور منکسر المزاج ہو۔

عَثَلٌ: اس کا معنی ہے: جو سخت مزاج ہو اور دوسرا قول ہے: جو ہر چیز میں سختی کرتا ہو، اور تیسرا قول ہے: کافر۔ علامہ داؤدی نے کہا: یہ بہت موٹا شخص ہے جس کی گردن لمبی اور پیٹ بڑا ہو، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ بہت زیادہ کھانے پینے والا ہو۔

الجواظ: اس کا معنی ہے: جو برا کام کرنے کے لیے بہت زور کی آواز نکالے، اور کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے: جو تکبر کرنے والا

ہو اور تازہ خرے سے چلتا ہو، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس پر گوشت بہت زیادہ ہو۔

یہ مراد نہیں ہے کہ ہر جنتی اور ہر دوزخی ایسا ہوگا بلکہ مراد یہ ہے کہ اکثر اہل جنت اور اکثر اہل دوزخ اس صفت پر ہوں گے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابُ: یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جس دن پنڈلی کھول دی جائے

گی۔ (القلم: ۴۲) کی تفسیر

(القلم: ۴۲)

کشف ساق یعنی پنڈلی کھولنے کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یعنی قیامت کو اس کی پنڈلی سے کھول دیا جائے گا، دوسرا قول ہے: اس سے مراد بہت بھاری اور سخت امر ہے اور وہ دنیا سے جانا اور آخرت کی طرف متوجہ ہونا ہے، یہ عرب کے محاورہ کے مطابق ہے کہ جب کوئی بہت اہم اور سخت کام کرنا ہو تو عرب کہتے ہیں: اس نے اپنی پنڈلی سے پانچے اوپر کر لیے یعنی پنڈلی کھول دی، پس پنڈلی کا کھولنا کسی سخت اور دشوار کام سے استعارہ ہے ورنہ حقیقت میں وہاں پنڈلی کا کھولنا نہیں ہوتا اور عرب اس سال کو کہتے ہیں جس میں زیادہ لڑائیاں ہوں، اس سال نے اپنی پنڈلی کھول دی یعنی اس سال میں بہت سخت اور دشوار کام ہوئے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۶۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از خالد بن یزید از سعید بن ابی ہلال از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے: ہمارا رب اپنی پنڈلی سے (کپڑا) کھولے گا تو ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت سجدے میں گر جائیں گے اور وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو دنیا میں دکھانے اور سنانے یعنی ریاکاری کے لیے سجدہ کرتے تھے، وہ سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی پیٹھ اکڑ کر ایک تختہ کی طرح ہو جائے گی (وہ جھک نہیں سکیں گے)۔

۴۹۱۹۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ يَكْشِفُ رَبُّنَا عَنْ سَاقِهِ فَيَسْجُدُ لَهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ فَيَبْقَى كُلُّ مَنْ كَانَ يَسْجُدُ فِي الدُّنْيَا رِيَاءً وَسُنْعَةً فَيَذْهَبُ لِيَسْجُدَ فَيَعُوذُ ظَهْرُهُ طَبَقًا وَاحِدًا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۲ میں مزرعہ کی ہے۔

کشف ساق کے متعلق علماء کے دو مذہب اور متکلمین کی تاویلات، اور تکلیف مالا یطاق کا ناجائز ہونا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہمارا رب اپنی پنڈلی سے (کپڑا) کھولے گا: یہ حدیث تشابہات میں سے ہے۔ اہل علم کے اس میں دو مذہب ہیں، اکثر سلف یا تمام سلف کا مذہب یہ ہے کہ وہ اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کر دیتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس معنی کا اعتقاد رکھتے ہیں جو اللہ عزوجل کی شان کے لائق ہے، دوسرا مذہب بعض متکلمین کا ہے، وہ اس کی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق تاویل کرتے ہیں اور یہ تاویل کرنا صرف اس کے لیے جائز ہے جو اس کا اہل ہو اور زبان عرب کا جاننے والا ہو اور اصول و فروع کے قواعد کی معرفت رکھتا ہو، پس انہوں نے

کہا: ساق (پنڈلی) ہے مراد یہاں پر شدت ہے یعنی اللہ تعالیٰ شدت کو کھول دے گا اور جو چیز خوف میں مبتلا کر رہی ہو اس کو زائل کر دے گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی طرح تفسیر کی ہے اور قاضی عیاض نے کہا کہ ساق سے مراد عظیم نور ہے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: جس دن اللہ تعالیٰ پنڈلی کھولے گا، آپ نے فرمایا: یہ وہ عظیم نور ہے جس کے سامنے سب سجدہ کریں گے اور حضرت عبد اللہ نے فرمایا: یہ رب العزت کے پردے ہیں جن کو وہ قیامت کے دن مومن کے لیے کھولے گا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے رب کو قیامت کے دن کس طرح پہچانو گے، مسلمانوں نے کہا: ہمارے اور ہمارے رب کے درمیان ایک علامت ہے، جب ہم اس علامت کو دیکھیں گے تو اس کو پہچان لیں گے، آپ نے پوچھا: کون سی علامت ہے؟ تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی سے (کپڑا) کھولے گا تو تمام مومنین سجدہ میں گر جائیں گے، قاضی عیاض نے کہا: ساق (پنڈلی) کا وہی انکار کرے گا جو الید (ہاتھ) اور القدم اور الوجہ (چہرہ) کا انکار کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو معطل قرار دیتا ہے۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ کشف الساق کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین سے شدت اور سختیوں کو کھول دے گا، پس وہ سب شکر کا سجدہ کریں گے۔

اور حضرت ابو موسیٰ کی حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حجابات کو کھول دے گا، پس مومنین اللہ کو دیکھیں گے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو لوگ رب العالمین کے سامنے چالیس سال تک کھڑے رہیں گے، پس اس وقت اللہ تعالیٰ پنڈلی کھولے گا اور ان کے لیے تجلی فرمائے گا۔

اور بعض علماء نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض مخلوقین کی پنڈلی کو کھولے گا یعنی فرشتوں وغیرہم کی پنڈلیوں کو کھولے گا۔ ابو العباس نحوی نے کہا ہے کہ ساق سے مراد نفس اور ذات ہے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: میں ضرور خوارج سے قتال کروں گا خواہ میری پنڈلی ضائع ہو جائے، سو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کشف ساق سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کی مومنین کے لیے تجلی ہے اور پردوں کو کھولنا ہے حتیٰ کہ جب مومنین اس کو دیکھیں گے تو اس کو سجدہ کریں گے۔ اگر تم یہ سوال کرو کہ قیامت تو دارالجزاء ہے دارالعمل نہیں ہے، پھر وہاں سجدہ کس لیے ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سجدہ بہ طور تکلیف نہیں ہوگا بلکہ بہ طور تلذذ ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے تقرب کے لیے ہوگا۔ ان کی پیٹھا کڑکرا کر ایک تختہ کی طرح ہو جائے گی: یعنی وہ اپنی کمر کو جھکا نہیں سکیں گے اور موڑ نہیں سکیں گے، پس وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہیں کر سکیں گے، اور ایک طویل حدیث میں مذکور ہے، پس مومنین اپنے چہروں کے بل پر سجدہ میں گر پڑیں گے اور ہر منافق اپنی پیٹھ کے بل پر گرے گا اور منافق سجدہ نہیں کر سکیں گے اور ان کی پیٹھ سلاخ کی طرح ہو جائے گی۔ علامہ نووی نے کہا ہے: قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ يَكْشِفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعُونَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٣٢﴾ (القلم: ۳۲)

جائے گا تو وہ سجدہ نہ کر سکیں گے ○

علامہ نووی نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ بندہ جس کام کی طاقت نہ رکھتا ہو تو بندہ کو اس کام کا مکلف کرنا جائز ہے، علامہ یعنی فرماتے ہیں: یہ استدلال باطل ہے کیونکہ آخرت دار تکلیف نہیں ہے اور ان کو امتحان کے واسطے سجدہ کے لیے بلایا جائے گا اور ان کو اس کا مکلف نہیں کیا جائے گا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۷۹-۳۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ القلم کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور احادیث روایت کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ الحاقہ کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۶۹۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ الْحَاقَّةِ

سورة الحاقة کی تفسیر

سورة الحاقة کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد مینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الحاقة کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور تمام مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکی ہے، علامہ سخاوی نے کہا: یہ سورت سورة المعارج سے پہلے اور سورة الملک کے بعد نازل ہوئی ہے، اس سورت میں باون (۵۲) آیات ہیں۔ اس سورت کا نام الحاقة اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورت میں ثواب اور عقاب سے متعلق حقائق اعمال کو بیان کیا گیا ہے۔
حُصُومًا مَّتَّابِعَةٌ۔ حُصُومًا کا معنی ہے: لگاتار اور پے درپے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

سَخَّرَ مَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَلَاثِينَ آيَاتٍ حُصُومًا (اللہ نے) اس آندھی کو ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن (الحاقة: ۷) تک مسلط رکھا۔

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے حُصُومًا کی تفسیر متابع یعنی لگاتار کی ہے، اس کا معنی ہے: وہ کام جس کے درمیان انقطاع نہ ہو، یہ جسم الکی سے ماخوذ ہے یعنی کسی کو لگاتار داغ لگایا جائے، الکی نے کہا: اس کا معنی ہے: دائمہ اور الفحاک نے کہا: اس کا معنی ہے: کالمہ، وہ آندھی ان سے منقطع نہیں ہوئی حتیٰ کہ ان سب کو فنا کر دیا اور خلیل نے کہا: اس آندھی نے ان کی جزاکاٹ کر رکھ دی اور آیت میں حُصُومًا پر نصب ہے طور حال ہے۔

قَالَ ابْنُ جُبَيْرٍ عِشَّةٌ رَاضِيَةٌ يُرِيدُ فِيهَا الرِّضَا۔ اور ابن جبیر نے کہا: عِشَّةٌ رَاضِيَةٌ (الحاقة: ۲۱) اس کا معنی ہے جو اس زندگی میں رضا کا ارادہ کرے گا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ (الحاقة: ۲۱) پس وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا ○

علامہ مینی لکھتے ہیں: سعید بن جبیر نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ رضا سے مراد ہے: ذات رضا یعنی راضی ہونے والا جیسے تاجر سے مراد ہے: سمجھورا والا اور لابن سے مراد ہے: دودھ والا، اس زندگی کو راضیہ اس لیے فرمایا کہ وہ رضا کی طرف منسوب ہوگی، اصل تو راضی وہ شخص ہوگا جو اس زندگی میں ہوگا، پس زندگی کی طرف رضا کی نسبت اسناد مجاز عقلی ہے۔

آخرت میں جو اجر و ثواب ہوگا وہ اس لیے پسندیدہ ہوگا کہ اس کے ساتھ رنج کی آزمائش نہیں ہوگی اور وہ ثواب دائمی ہوگا۔
الْقَاضِيَةِ النُّوْثَةِ الْأُولَى الَّتِي مَثَّلَهَا نَمُ أَخَى بَعْدَهَا۔ القاضیہ: کا معنی ہے: وہ پہلی سورت جس میں میں مرجاتا، پھر اس کے بعد مجھے زندہ نہ کیا جاتا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَكُنَّهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۖ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَةَ ۖ اے کاش وہی (موت) میرا کام پورا کر دیتی ۝ میرا مال میرے
(الحاقہ: ۲۷-۲۸) کسی کام نہ آیا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ کاش پہلی موت ہی میرے معاملہ کو منقطع کرنے والی ہوتی اور میں اس کے بعد کبھی زندہ نہ کیا جاتا نہ اس کے بعد مرنے کے دوبارہ اٹھنا ہوتا اور نہ اعمال کا بدلہ ہوتا، قتادہ نے کہا: وہ اس وقت موت کی تمنا کرے گا حالانکہ زندگی میں اس کے نزدیک موت سے بڑھ کر کوئی چیز ناپسندیدہ نہیں تھی۔

مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ أَحَدٌ يَكُونُ لِلْجَنَّةِ وَلِلْوَحِيدِ۔ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ: یعنی احد کا لفظ جمع اور واحد دونوں کے لیے ہوتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۖ (الحاقہ: ۳۷) پھر تم میں سے کوئی بھی ان کو بچانے والا نہ ہوتا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ لفظ احد واحد اور جمع دونوں کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ اس آیت میں احد کا لفظ نفی کے بعد ہے، ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر محمد اللہ کے سچے رسول نہ ہوتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ منسوب کرتے تو ان پر العیاذ باللہ، اللہ کا ایسا عذاب آتا کہ تم سب مل کر بھی ان کو اس عذاب سے بچا نہ سکتے اور جب ایسا عذاب نہیں آیا تو معلوم ہو گیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور برحق نبی ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْوَتَيْنِ نِيَاطُ الْقَلْبِ۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: الوتین: کا معنی ہے: دل کی رگ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتَيْنِ ۖ (الحاقہ: ۳۶) پھر ہم ضرور ان کی شرگ کاٹ دیتے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: نياط القلب کا معنی ہے: شرگ، جب وہ کاٹ جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طَغَى كَثُرَ وَيُقَالُ بِالطَّائِفَةِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: طَغَى کا معنی ہے: بہت زیادہ ہو گیا اور الطائغیہ کا معنی ہے: ان کے طغیان اور سرکشی کی وجہ سے، اور کہا جاتا ہے: وہ ہوا الخزان ہے یعنی ہوا کے فرشتوں پر بڑھ گئی جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر پانی بڑھ گیا تھا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّا لَنَاطِقُا الْمَاءَ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ ۖ (الحاقہ: ۱۱) بے شک جب پانی میں طغیانی آگئی تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار

کر دیا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے طغی کی تفسیر کی ہے بگڑ یعنی جب پانی بہت زیادہ ہو گیا اور حد سے بڑھ گیا اور اس میں طغیانی آگئی، امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ طغی کا لفظ تین معانی کے لیے آتا ہے، ایک معنی ہے: زیادہ ہونا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں بیان کیا کہ جب پانی بہت زیادہ ہو گیا، اور اس کا دوسرا معنی ہے حد سے بڑھ جانا جیسے قوم ثمود اپنی نافرمانی میں حد سے بڑھ گئی تھی، اس کی طرف امام بخاری نے طغیان اور سرکشی سے اشارہ کیا ہے اور تیسرا معنی ہے: ہوا کا حد سے

بڑھ جانا، اس کی طرف امام بخاری نے اس عبارت سے اشارہ کیا ہے کہ ہوا خزان یعنی ہوا کے فرشتوں پر بڑھ گئی اور قرآن مجید میں ہے:
 وَأَمَّا عَادُ فَإِنَّهُمْ كَانُوا إِتْرَافًا يَّتْرَفُونَ (الحاقة: ۶)
 اور یہ عادتوں کو گرجتی ہوئی تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیا O
 علامہ یعنی لکھتے ہیں: الخزان، الخازن کی جمع ہے اور آندھیوں کے لیے فرشتے محافظ ہیں جو اس کو ایک مقدار سے روانہ کرتے ہیں
 لیکن جب قوم عاد نے حد سے زیادہ سرکشی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی آندھی بھیجی جو آندھی کے فرشتوں کے لیے حد سے زیادہ تھی۔
 وَغَسَلِينِ مَائِيسِيلٍ مِنْ صَدِيدٍ أَهْلِ النَّارِ۔
 غسلین کا معنی ہے: دوزخیوں کی جو پیپ بہتی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا طَعَامَ إِلَّا مِنْ غَسَلِينِ (الحاقة: ۳۶) اور نہ (دوزخیوں کی) پیپ کے سوا کوئی طعام ہے O

علامہ یعنی لکھتے ہیں: امام بخاری نے غسلین کی جو تفسیر کی ہے وہ الفراء کا قول ہے اور الثعلبی نے کہا ہے: گویا کہ وہ ان کے
 چھالوں اور زخموں سے نکلنے والا پانی ہے اور ضحاک اور ربیع سے منقول ہے: غسلین ایک درخت ہے جس سے دوزخی کھائیں گے
 اور یہ صرف علامہ نسفی کی تفسیر میں ہے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ مِنْ غَسَلِينِ كُلِّ شَيْءٍ غَسَلْتُهُ فَخَرَجَ مِنْهُ
 شَيْءٌ فَهُوَ غَسَلِينٌ فَعَلَيْنٌ مِنَ الْغَسْلِ مِنَ الْجَزْمِ
 اور دوسروں نے کہا: غسلین کا معنی ہے: ہر چیز جس کو تم دھوؤ، پھر
 اس میں سے کوئی چیز نکلے تو وہ غسلین ہے۔ یہ الغسل سے فعلین
 کا وزن ہے یعنی جو پانی زخم سے اور مقعد سے نکلتا ہے۔

علامہ یعنی لکھتے ہیں: یعنی الفراء کے علاوہ دوسروں نے کہا، اور یہ صحیح بخاری کے نسخہ لکھنے والے سے رہ گیا اور اگر اس کو قدرت مانا
 جائے تو کلام درست نہیں ہوگا۔

أَعْبَازُ نَخْلٍ اس کا معنی ہے: بھجور کے تنے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْفًا كَأَنَّهُمْ أَعْبَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٌ (الحاقة: ۷)
 پس (اے مخاطب!) تم دیکھتے کہ یہ لوگ زمین پر بھجور کے کھوکھلے
 تنوں کی طرح گر گئے O

علامہ یعنی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الاعجاز کی تفسیر کی ہے: بھجور کے درخت کے اصول یعنی اس کے تنے اور خاویہ کا معنی ہے
 ساقطہ یعنی گرے ہوئے، یہ بھی صرف علامہ نسفی کی تفسیر میں ہے۔

بَاقِيَةٌ اس کا معنی ہے: بقیہ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ (الحاقة: ۸)
 کیا اب تمہیں ان میں سے کوئی باقی نظر آ رہا ہے؟ O

علامہ یعنی لکھتے ہیں: امام بخاری نے باقیہ کی تفسیر بقیہ کی ہے اور یہ بھی صرف علامہ نسفی کی تفسیر میں ہے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ یعنی نے مدار القاری ج ۱۹ ص ۳۷۳-۳۷۴ میں کی ہے]

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الحاقہ کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی، امام بخاری
 نے اس سورت میں کوئی حدیث روایت نہیں کی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ المعارج کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر
 کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۷۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْمَعَارِجِ

سورة المعارج کی تفسیر

سورة المعارج کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة المعارج کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت کا نام سورة مَنَالِ سَائِلٍ بھی ہے، اس سورت میں چوالیس (۴۴)

آیات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۷۳)

الفَصِيلَةُ أَصْغَرُ آبَائِهِ الْقُرْبَىٰ إِلَيْهِ يَنْتَشِي مَنْ اتَّشَى۔

الفصيلة اس کا معنی ہے: اس کے قریبی آباء کے سب سے چھوٹے لوگ، يَنْتَشِي کا مصدر اتتنی ہے یعنی جس کی طرف وہ منسوب ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَبِيلُهُ الَّتِي تُشَوِّيهُ ۝ (المعارج: ۱۳)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الفصيلة کی تفسیر کی ہے: اس کا وہ قریبی قبیلہ یا رشتہ دار جن سے وہ منسلک ہوا ہے، اسی

طرح اس کی تفسیر القراء نے کی ہے اور دوسری تفسیر ہے: اس کے وہ رشتہ دار جو اس کے زیادہ قریب ہیں، اور مجاہد سے منقول ہے:

اس کا قبیلہ اور ينتس کا معنی ہے: جس کی طرف وہ منسوب ہو۔

لِلشَّوَى الْيَدَانِ وَالزَّجْلَانِ وَالْأَطْرَافُ وَجِلْدَةُ الرَّأْسِ

يُقَالُ لَهَا شَوَاةٌ وَمَا كَانَ غَيْرَ مَقْتَلٍ فَهُوَ شَوَى۔

لِلشَّوَى اس کا معنی ہے: دونوں ہاتھ، دونوں پیر، دیگر اعضاء اور سر کی کھال، ان کو شواة کہا جاتا ہے اور جسم کا وہ حصہ جس کے کٹنے سے انسان مرتا نہیں ہے اس کو شوی کہتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَلَّا إِنَّهَا لَأَنْظِلُ ۝ نَزَاعَةً لِّلشَّوَى ۝

برگز نہیں! بے شک وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے ۝ (سر سے پاؤں

(المعارج: ۱۵-۱۶) تک) کھال اتارنے والی ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تعلیق کا معنی ظاہر ہے، اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ نزاعة للشَّوَى کا معنی ہے: وہ سر کی کھال اتارنے

والی ہے، دوسرا قول ہے کہ وہ چہرے کے محاسن اتارنے والی ہے اور تیسرا قول ہے: اس سے مراد سر، دونوں ہاتھ اور دونوں پیر ہیں

اور چوتھا قول ہے: اس سے مراد ہڈی کے بغیر گوشت ہے، اس کا معنی ہے کہ دوزخ کی آگ گوشت اور کھال میں سرائیت کر کے اس کو

جلادے گی اور لکھی سے منقول ہے کہ دوزخ کی آگ سر کے گوشت اور دماغ کو کھالے گی، پھر دماغ اپنی اصل حالت پر آ جائے گا،

پھر دوزخ اس کو کھالے گی اور یوں ہی ہوتا رہے گا۔

عِزَّةٌ وَالْعِزُّونَ الْحِلَقُ وَالْجَمَاعَاتُ وَوَاحِدُهَا عِزَّةٌ۔

والعزون اس کا معنی ہے: جماعتیں اور اس کا واحد عِزَّةٌ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلَكَ مَهْطِعِينَ ۖ عَنِ الْيَوْمِ ۚ
عَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ ۖ (العارج: ۳۷-۳۶)

ہیں دائیں بائیں سے گروہ درگروہ

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے عزین کی تفسیر کی ہے: جماعتیں اور ابوذر کی روایت میں ہے، اس کا معنی ہے: حلقے، امام بخاری نے کہا ہے: اس کا واحد عِزٌّ ہے، اس کی نظیر ہے جیسے ثَبَّةٌ اور ثَبِین اور مہطعین کا معنی ہے: وہ بھاگ رہے ہیں اور گردن اٹھا کر اپنی طرف نظر جمائے ہوئے دوڑے چلے آ رہے ہیں۔

يُوفَضُّونَ الْإِيْفَاضُ الْإِسْرَاعُ۔
یوفضون ایفاض کا معنی ہے دوڑنا اور بھاگنا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ يَرَاءُ عَاكَاثَهُمْ إِلَىٰ نُصْبٍ
يُوفَضُّونَ ۚ (العارج: ۴۳)

جس دن یہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا کہ وہ بتوں کی طرف بھاگے جا رہے ہیں

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے ایفاض کی تفسیر کی ہے: بھاگنا اور دوڑنا، یہ یوفضون کا مصدر ہے جس کا معنی ہے: وہ دوڑتے ہیں اور بھاگتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے اس کی تفسیر کی ہے: یسعون اس کا معنی بھی ہے: وہ دوڑتے اور بھاگتے ہیں۔ ابو العالیہ نے اس کی تفسیر کی ہے، وہ ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں اور الفحاک نے اس کی تفسیر کی ہے: وہ چلتے ہیں، حسن بصری اور علامہ قرطبی نے بھی اس کی یہی تفسیر کی ہے، حضرت ابن عباس نے نصب کی تفسیر کی ہے: غایت یعنی ان کے دوڑنے کی انتہاء اور وہ اس وقت بھاگیں گے جب وہ آخری چیخ سنیں گے اور الکسائی سے منقول ہے: وہ اپنے ان بتوں کی طرف بھاگیں گے جن کی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے تھے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۷۳-۳۷۴ میں کی ہے]

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ العارج کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی، اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ نوح کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور ایک حدیث روایت کی ہے ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ نُوحٍ

سورۃ نوح کی تفسیر

سورۃ نوح (إِنَّا أَرْسَلْنَا) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ نوح کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں مذکور ہے: سورۃ إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا (نوح: ۱) اور یہ سورت مکی ہے، یہ سورت سورۃ النحل کے بعد اور سورۃ ابراہیم سے پہلے نازل ہوئی ہے، اس سورت میں اٹھائیس (۲۸) آیات ہیں۔
أَطْوَارًا طَوْرًا كَذَا وَطَوْرًا كَذَا يُقَالُ عَدَا طَوْرًا أَيْ
ہے: عدا طور کا وہ چیز اپنی مقدار سے تجاوز کر گئی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ أَطْوَارًا ۝ (نوح: ۱۳) حالانکہ اس نے تم کہ بہ تدریج پیدا کیا ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف اطوار میں پیدا کیا پہلے، وہ نطفہ تھا، پھر وہ جما ہوا خون بن گیا، پھر اس میں ہڈیاں بن گئیں، پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا، پھر اس کو اور خلقت میں بنایا اور مجاہد نے کہا ہے: پہلے وہ مٹی تھا، پھر وہ نطفہ ہوا، پھر وہ جما ہوا خون ہوا، اور طور ان تمام جگہوں میں کبھی کے معنی میں ہے اور کبھی یہ مقدار کے معنی میں بھی آتا ہے، کہا جاتا ہے: عدا طورہ یعنی فلاں چیز اپنی مقدار سے بڑھ گئی اور اس کی جمع اطوار آتی ہے۔

وَالْكُبَارُ أَشَدُّ مِنَ الْكِبَارِ وَكَذَلِكَ جُتَالٌ وَجَبِيلٌ
لِأَنَّهَا أَشَدُّ مُبَالَغَةً وَكُبَارُ الْكَبِيرِ وَكُبَارًا أَيْضًا
بِالشَّخْفِيفِ وَالْعَرَبُ تَقُولُ رَجُلٌ حُسَانٌ وَجُتَالٌ
وَحُسَانٌ مُخَفَّفٌ وَجُتَالٌ مُخَفَّفٌ
اور الْكُبَارُ، الْكُبَارُ کا زیادہ مبالغہ ہے، اس طرح جُتَالٌ اور جَبِيلٌ
ہے کیونکہ جُتَالٌ میں زیادہ مبالغہ ہے اور کُبَارُ کا معنی ہے: الْكَبِيرُ
اور یہ لفظ تخفیف کے ساتھ کُبَارُ بھی ہے اور عرب کہتے ہیں: رَجُلٌ
حُسَانٌ وَجُتَالٌ اور حُسَانٌ اور جُتَالٌ تخفیف کے ساتھ بھی کہتے
ہیں یعنی وہ مرد بہت حسین اور بہت جمیل ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَكْرُؤًا مَكْرًا كُبَارًا ۝ (نوح: ۲۲) اور انہوں نے بہت بڑی سازش کی ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا ہے کہ کُبَارُ (تشدید کے ساتھ) میں کُبَارُ سے زیادہ مبالغہ ہے یعنی اس سے جس میں تشدید نہ ہو اور کُبَارُ میں کبیر سے زیادہ مبالغہ ہے۔ امام بخاری نے کہا: اسی طرح جُتَالٌ اور جَبِيلٌ ہیں یعنی جُتَالٌ میں (یعنی تشدید کے ساتھ) جُتَالٌ سے زیادہ مبالغہ ہے اور جُتَالٌ میں جمیل سے زیادہ مبالغہ ہے، اسی طرح حُسَانٌ (تشدید کے ساتھ) میں حُسَانٌ سے زیادہ مبالغہ ہے۔

دَيَّارًا مِنْ دَوْرٍ وَلَيْكِنَّهُ فَيَعَالٍ مِنَ الدَّوْرَانِ كَمَا قَرَأَ دَيَّارًا مِنْ دَوْرٍ وَلَيْكِنَّهُ فَيَعَالٍ مِنَ الدَّوْرَانِ كَمَا قَرَأَ
عُمَرُ ابْنُ الْقَتَّامِ وَهِيَ مِنْ قُنْتُ وَقَالَ غَيْرُهُ دَيَّارًا
أَحَدًا
دَيَّارَ آيہ دور سے ماخوذ ہے لیکن یہ دوران سے فَيَعَالٍ کا وزن
ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھا اَلْعَمَى الْقَتَّامِ اور یہ قُنْتُ سے
ماخوذ ہے اور دوسروں نے کہا: یہ دَيَّارَ اَحَدًا ہے یعنی کسی کو بسنے
والا نہ چھوڑ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ
دَيَّارًا ۝ (نوح: ۲۶)
اور نوح نے دعا کی: اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے
کوئی بسنے والا نہ چھوڑ ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا: دَيَّارَ کا لفظ دور سے ماخوذ ہے اور اس کا وزن فعیعال ہے اور یہ لفظ اصل میں دَيَّارًا تھا،
پس واؤ کو یاء سے بدل دیا گیا اور یاء کا یاء میں ادغام کر دیا تو دَيَّار ہو گیا اور یہ نہ کہا جائے کہ اس کا وزن فعیعال ہے کیونکہ اگر یہ کہا گیا
تو اصل میں یہ دَوَّار ہوگا، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اَلْعَمَى الْقَتَّامِ فرمایا اور اس کی نظیر دَيَّار ہے کیونکہ قَتَّامِ کی اصل قَتَّام ہے،
پس یہ نہ کہا جائے کہ اس کا وزن فعیعال ہے بلکہ اس کا وزن فعیعال ہے، دوسروں نے کہا: اس کا تقاضا یہ ہے کہ اَحَدًا کا لفظ مقدم ہو جو
بعض تاقین سے ساقط ہو گیا ہے اور ان دوسروں کی طرف منسوب ہے کہ دَيَّار اَحَد کے معنی میں ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ تو
روئے زمین پر ایک کافر کو بھی نہ چھوڑ اور اٹھالی نے اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ انہوں نے کہا دَيَّارًا اَحَدًا یعنی وہ زمین
میں چکر لگاتا ہو، جاتا ہو اور آتا ہو، اسی طرح علامہ نسفی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

تَبَارَكَ اس کا معنی ہے: ہلاکت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا تَرْوِ الْظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارَكَ ۝ (نوح: ۲۸)
اور ظالموں میں صرف ہلاکت کو زیادہ فرمایا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تَبَارَ کی تفسیر ہلاکت کی ہے اور علامہ ثعلبی نے اس کی تفسیر دَمَار کی ہے اور اس کا معنی بھی
ہلاکت ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَذَرًا اَرَايْتُمْ بَعْضُهَا بَعْضًا۔
اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مَذَرًا کا معنی ہے: جو
چیزیں ایک دوسرے کے پیچھے آئیں یعنی لگا تار۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يُنْزِلُ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِثْرًا ۝ (نوح: ۱۱)
وہ تم پر موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے جو مَذَرًا کی تفسیر کی ہے اس کی امام ابن ابی حاتم نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔
وَقَارًا اَعْظَمَ۔
وقار کا معنی ہے: عظمت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ (نوح: ۱۳)
تم اللہ کی عظمت اور جلالت کو کیوں تسلیم نہیں کرتے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الوقار کی تفسیر العظمت کی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے
اس طرح نہیں ڈرتے تھے جس طرح اس کی عظمت سے ڈرنے کا حق ہے، مجاہد نے کہا: وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اعتقاد نہیں

کرتے تھے اور حسن بصری نے کہا: وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حق کا اعتراف نہیں کرتے تھے اور اس کی کسی نعمت کا شکر ادا نہیں کرتے تھے اور ابن جبیر سے منقول ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید نہیں رکھتے تھے اور نہ اس کے عذاب سے ڈرتے تھے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ مینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۷۶-۳۷۵ میں بیان کی ہے]

۱۔ بَابُ: وَذَاوَلَا سُوعًا وَلَا يَغُوثَ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ود اور سواع اور یغوث اور یعوق۔ (نوح: ۲۳)

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم جن بتوں کی عبادت کرتی تھی ان بتوں کے اسماء اور ان کی عبادت کی ابتداء کا سبب

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے پوری آیت ذکر نہیں کی پوری آیت اس طرح ہے:

وَقَالُوا لَا تَدْرِيْنَ اِلٰهَتَكُمْ وَلَا تَدْرِيْنَ وَذَاوَلَا سُوعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا (نوح: ۲۳)

اور یغوث اور یعوق اور نسر کو برگز نہ چھوڑنا

اور محمد بن کعب سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پانچ بیٹے تھے، ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر، پس ان میں سے ایک مرد فوت ہو گیا تو وہ اس پر بہت غمگین ہوئے تو شیطان نے کہا: میں تمہارے لیے اس کی مثل تصویر بنا دیتا ہوں، جب تم اس کی طرف دیکھو گے تو اس کو یاد کرو گے، انہوں نے کہا: بنا دو تو اس نے مسجد میں پیتل اور سیسہ کی تصویر بنا دی، پھر دوسرا بیٹا فوت ہوا تو اس کی تصویر بنا دی حتیٰ کہ وہ سب فوت ہو گئے حتیٰ کہ کچھ عرصہ کے بعد لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا چھوڑ دی تو شیطان نے لوگوں سے کہا: تمہیں کیا ہوا کہ تم اپنے معبودوں کی اور اپنے باپ دادا کے معبودوں کی عبادت نہیں کرتے، پس لوگوں نے ان تصویروں کی عبادت کرنا شروع کر دی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔

علامہ سیبلی نے کہا ہے کہ یغوث حضرت شیث علیہ السلام کا بیٹا ہے اور ان کی عبادت کی ابتداء مہلائیل بن قینان کے زمانہ سے ہے۔

کتاب العین میں مذکور ہے کہ ذَا (واو پر زبر) حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کا بت تھا اور دُ (واو پر پیش) قریش کا بت تھا، اس پر عمرو بن عبدود کا نام رکھا گیا ہے، المادودی نے کہا ہے: یہ پہلا بت تھا جس کا نام ان کی محبت کی وجہ سے ود رکھا گیا ہے اور یہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے بعد تھا اور یہ دومۃ الجندل میں تھا اور سواع ایک عورت کی صورت پر تھا اور یہ ہذیل بن مدر کہ بن الیاس بن مضر کا بت تھا اور یہ مکہ شرفہا اللہ پر ساحل سمندر کے قریب ایک جگہ میں تھا اور یغوث مراد کا بت تھا، پھر بنو غطفیف کا جوف میں بت تھا یمن کے علاقہ میں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی از ابن جریج اور عطاء نے کہا از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے جو بت تھے وہ ایک عرصہ کے بعد عربوں کے بت ہو گئے، رہا ود تو وہ دومۃ الجندل میں کلب کا بت تھا اور رہا سواع تو وہ ہذیل کا بت تھا اور رہا یغوث تو وہ مراد کا بت تھا، پھر وہ بنو غطفیف کا

۳۹۲۰۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوسٰى اَخْبَرَنَا هِشَامُ عَنْ اَبِيْنَ جُرَيْجٍ وَقَالَ عَطَاءٌ عَنْ اَبِيْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا صَارَتْ الْاَوْثَانُ الَّتِي كَانَتْ فِي قَوْمِ نُوحٍ فِي الْعَرَبِ بَعْدَ اَمَّا وَذَا كَانَتْ لِحُكْبٍ بِدَوْمَةِ الْجَنْدَلِ وَ اَمَّا سُوعٌ كَانَتْ لِهَذِيلٍ وَ اَمَّا يَغُوثٌ فَكَانَتْ لِمُرَادٍ ثُمَّ لِبَنِي غُطَفِيْفٍ بِالْجَوْفِ عِنْدَ سَبَا وَ اَمَّا يَعُوقُ

فَكَانَتْ لِهَمْدَانَ وَأَمَّا نَسْرٌ فَكَانَتْ لِحَنِيرَ لَآلِ ذِي
الْكَلَاعِ أَسَاءَ رِجَالٍ صَالِحِينَ مِنْ قَوْمِ نُوحٍ فَلَمَّا
هَلَكُوا أَوْحَى الشَّيْطَانُ إِلَى قَوْمِهِمْ أَنْ انْصِبُوا إِلَى
مَجَالِسِهِمُ الَّتِي كَانُوا يَجْلِسُونَ أَنْصَابًا وَسَكُونًا
بِأَسْمَائِهِمْ فَفَعَلُوا فَلَمْ تُغْبَذْ حَتَّى إِذَا هَلَكَ أُولَئِكَ
وَتَنَسَخَ الْعِلْمُ عُيُودًا

الجوف میں ہو گیا سبا کے پاس اور رہا یعوق تودہ ہمدان کا بیت تھا اور
رہا نسر تودہ حمیر کا بیت تھا جو آل ذی الکلاع کے لیے تھا، یہ حضرت
نوح علیہ السلام کی قوم کے صالح مردوں کے نام ہیں، پس جب وہ مرد
فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم کی طرف یہ دوسرا ڈالا کہ وہ
جن مجلسوں میں بیٹھتے ہیں وہاں پر ان کے بت رکھ دے اور ان
مردوں کے نام پر ان بتوں کے نام رکھیں، سو انہوں نے ایسا کیا،
اس وقت ان بتوں کی عبادت نہیں کی جاتی تھی حتیٰ کہ جب وہ مرد
فوت ہو گئے اور لوگوں میں علم نہ رہا تو ان کی عبادت کی جانے لگی۔

اس حدیث کی سند میں امام بخاری پر اعتراض کہ یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ عطاء خراسانی کا حضرت ابن عباس
سے سماع نہیں ہے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ء اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں ہشام کا ذکر ہے، یہ ہشام بن یوسف الصنعانی ہے اور ابن جریج عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج کا
ذکر ہے اور عطاء کا ذکر ہے، یہ عطاء خراسانی ہے اور یہ عطاء بن ابی رباح نہیں ہے اور نہ عطاء بن یسار ہے اور ابن جریج نے کہا کہ
اس نے اس حدیث کو عطاء خراسانی کی کتاب سے لیا تھا جو اس کے بیٹے کے پاس تھی جس نے اس سے سماع کیا تھا، اس لیے کہا گیا
ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ عطاء خراسانی نے حضرت ابن عباس سے سماع نہیں کیا، اور ابو مسعود نے کہا ہے کہ امام بخاری نے یہ
گمان کیا ہے کہ یہ عطاء، عطاء بن ابی رباح ہے اور ابن جریج نے یہ تفسیر عطاء خراسانی سے نہیں سنی، انہوں نے کتاب اس کے بیٹے
سے لی اور اس میں غور و فکر کیا، اور از صالح بن احمد از ابن المدینی روایت کی گئی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے یحییٰ بن سعید
سے ابن جریج کی احادیث از عطاء الخراسانی کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: وہ سب ضعیف ہیں، پس میں نے یحییٰ بن سعید
سے کہا: وہ کہتے ہیں: اخبونا (ہمیں خبر دی)، انہوں نے کہا: یہ لاشعوب ہے اور یہ پوری حدیث ضعیف ہے: یہ صرف وہ کتاب ہے جو
ابن جریج کو عطاء خراسانی کے بیٹے نے دی تھی، اس اعتراض کے جواب میں امام بخاری کی تائید میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ خصوصیت کے
ساتھ اس سند پر جو ابن جریج کی عطاء الخراسانی اور از عطاء بن ابی رباح دونوں کے متعلق ہے اور امام بخاری باوجود اس کے کہ وہ
اتصال کی شرط میں بہت تشدد ہیں ان پر یہ مخفی رہا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بخاری نے اس سند کے ساتھ بہ کثرت
روایت نہیں کی، انہوں نے اس سند کے ساتھ دو جگہ حدیث روایت کی ہے۔ ایک یہاں پر اور دوسری کتاب النکاح میں اور اگر ان پر
یہ بات مخفی ہوتی تو وہ اس سند کے ساتھ بہ کثرت روایت کرتے کیونکہ یہ ظاہر یہ سند ان کی شرط کے مطابق ہے (امام بخاری کی طرف
سے جواب دینے والے کی عبارت ختم ہوئی)، علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس پر یہ اعتراض ہے کہ امام بخاری کا اتصال کی
شرط میں تشدد اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ ان پر اس سند کا انقطاع مخفی نہ رہے، پس سبحان ہے وہ ذات جس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور
جواب دینے والے کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ ظاہر یہ سند ان کی شرط کے مطابق ہے کیونکہ خراسانی سے روایت کرنے میں صرف امام
مسلم منفرد ہیں۔ عطاء خراسانی امام بخاری کے رجال میں سے نہیں ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۷۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اوثنان کا معنی

علامہ عینی اس حدیث کی مشکل عبارات کی شرح میں لکھتے ہیں:

الاوثنان: یہ لفظ وثن کی جمع ہے، لغت کی کتاب المغرب میں لکھا ہے: الوثن اس کو کہتے ہیں کہ لکڑی یا پتھر یا چاندی یا کسی جوہر کو تراش کر اس کا ایک مجسمہ بنالیا جائے اور اس کی پرستش کی جائے۔

یہ اوثنان عربوں میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد ہوئے: امام عبدالرزاق نے از معمر از قتادہ یہ روایت کی ہے کہ ان بتوں کی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم عبادت کرتی تھی اور بعد میں عربوں نے ان کی عبادت کی، امام ابو عبیدہ سے روایت ہے: لوگوں کا یہ زعم ہے کہ یہ لوگ مجوسی تھے۔

حدیث مذکور کا خلاصہ

علامہ کرمانی نے لکھا ہے: یہ پانچ نام نیک مردوں کے تھے، جب یہ پانچ مرد فوت ہو گئے تو نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کے بتوں کی پرستش شروع کر دی اور ان بتوں کے نام ان صالح مردوں کے نام پر رکھ دیئے، خلاصہ یہ ہے کہ جب وہ پانچ نیک مرد فوت ہو گئے اور صورت حال بدل گئی اور لوگوں کے ذہنوں سے ان کی معرفت زائل ہو گئی تو ان بتوں کو مجالس میں رکھ کر ان کی پرستش کی جانے لگی۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۷۸-۳۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس حدیث کی بناء پر غیر مقلدین نے اہل سنت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ جس طرح قوم نوح بزرگوں اور نیک لوگوں کے مجسمے بنا کر ان کی پرستش کرتی تھی اسی طرح یہ لوگ بھی بزرگوں کی یادگاریں بنا کر ان کی پرستش کرتے ہیں، مشہور محقق حافظ عبد المجید مقیم برشل نے اس کے جواب میں ایک مفصل اور مبسوط مقالہ لکھا ہے جس کی تلخیص کو ہم پیش کر رہے ہیں:

حافظ عبد المجید مقیم برشل کے مبسوط مقالہ کی تلخیص

اللہ عزوجل نے فرمایا:

وَقَالُوا لَا تَنْدُرُنَ إِلَٰهَتَكُمْ وَلَا تَنْدُرُنَ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا
وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ (نوح: ۲۳)

ود، سواع، یغوث اور یعوق و نسر کو

اس آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی اس بات کا ذکر کیا ہے جو ان کے سرداروں نے انہیں کہی تھی جب آپ علیہ السلام نے ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔

اس آیہ کریمہ میں ان بتوں کا ذکر ہے جن کی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم عبادت کرتی تھی اور ان کے بڑے قوم کو ان کی عبادت کرنے کی تلقین کرتے ہوئے بولے تھے کہ ہرگز اپنے خداؤں کی عبادت کو ترک نہ کرنا، خاص کر ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کی عبادت ترک نہ کرنا۔

ان کی قوم کے سرداروں کی اس بات سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ ان کے ہاں ان پانچوں کو کوئی خاص امتیاز حاصل تھا۔

ان پانچوں بتوں کے بارے میں کئی قسم کی باتیں کتب احادیث و تفاسیر وغیرہ میں موجود ہیں۔ یہ بت کیا تھے؟ کہاں سے آئے؟ ان کی حقیقت کیا تھی؟ عربوں میں یہی بت آئے یا صرف ان کے نام؟ وغیرہ وغیرہ۔

ان کے بارے میں جو سب سے مشہور بات بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے:

یہ پانچوں حضرات آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیانی عرصہ کے نیک لوگوں کے مجسمے تھے، جب وہ دنیا سے چلے گئے تو شیطان کی تحریک پر اس دور کے ان کے مجسمین نے ان کی یادگار کے طور پر یہ مجسمے بنائے تھے۔ وہ ان کے مجسموں کی تعظیم کرتے اور آہستہ آہستہ بعد میں آنے والوں نے ان کی عبادت کرنی شروع کر دی جس سے بت پرستی کی ابتداء ہوئی اور ان بتوں کو معبود بنالیا گیا۔

سب سے پہلے ہم اس بات کو حقیقت کے آئینہ میں دیکھتے ہیں کہ کیا واقعی یہ نیک لوگوں کے مجسمے تھے کہ جن کی بعد میں عبادت کی جانے لگی، اس بارے میں بیان کی جانے والی روایات میں سب سے زیادہ اعتماد اس روایت پر کیا جاتا ہے، جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے۔

آئیے! اس روایت اور اس کے بارے میں ائمہ محدثین کی آراء ملاحظہ فرمائیں:

حدیث مذکور کی شرح میں علامہ ابن رجب لکھتے ہیں:

اسامیعی نے ذکر کیا ہے: یہ عطاء الخراسانی ہے اور عطاء الخراسانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کو نہیں سنا۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۳ ص ۱۹۷)

امام ابوی غسانی لکھتے ہیں:

یعنی ابوسعود دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث ثابت ہے (انہوں نے ابن جریج عن عطاء کی سند سے مروی صحیح بخاری میں دونوں روایتوں کا یہاں ذکر کیا ہے کتاب المطلق اور کتاب التفسیر والی، جب کہ کتاب التفسیر کی مذکورہ روایت کو پہلے ذکر فرمایا ہے اس لیے فرمایا کہ وہ جو اس سے پہلی ہے) ابن جریج عن عطاء خراسانی کی تفسیر سے، اور بے شک جو اس نے اس کے بیٹے سے کتاب لی تھی اس میں دیکھا ہے، یعنی ابن جریج نے ابن عطاء خراسانی سے وہ لی تھی۔ (التنبیہ علی الادھام الواقعہ فی الصحیح للبخاری ص ۱۸۹، مطبعہ المصباح)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ "مقدمہ فتح الباری" میں لکھتے ہیں:

اور یہ حدیث، ابوسعود دمشقی نے کہا کہ: "یہ حدیث ابن جریج کی تفسیر میں عطاء الخراسانی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ثابت ہے اور عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نہیں سنا، اور ابن جریج نے عطاء سے نہیں سنا، اور جو اس نے اس کے بیٹے سے کتاب لی تھی اس میں دیکھا ہے۔ (ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ص ۵۳۲)

امام عبد الرزاق بھی ابن جریج کے طریق سے اس روایت کو عطاء الخراسانی سے ہی بیان کر رہے ہیں:

نا عبد الرزاق عن ابن جریج، عن عطاء الخراسانی، عن ابن عباس مشدہ۔

(تفسیر عبد الرزاق ج ۳ ص ۳۵۰ (۳۳۴۲) تفسیر سورۃ النوح)

پس جب ابن جریج کی اپنی کتاب میں بھی وضاحت ہے اور ان سے روایت کرنے والے امام عبد الرزاق بھی واضح بیان کر رہے ہیں کہ یہاں عطاء خراسانی ہے تو زیادہ قرین قیاس یہی بات ہے کہ بعد میں روایت کرنے والا ثقہ راوی اگر بغیر نسبت کے اس روایت کو اسی سند سے ذکر کرتا ہے تو اس سے مراد عطاء خراسانی ہی ہو گا نہ کہ عطاء بن ابی رباح۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول "عن ابن عباس رضی اللہ عنہما" اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ منقطع ہے کیونکہ عطاء مذکور خراسانی

ہے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نہیں ملا، پس اس حدیث کو امام عبد الرزاق نے اپنی تفسیر میں ابن جریج سے بیان

کیا۔ انہوں نے کہا: مجھے عطاء خراسانی نے خبر دی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، اور ابو مسعود نے کہا: یہ حدیث ابن جریج کی تفسیر میں عطاء خراسانی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ثابت ہے اور ابن جریج نے عطاء خراسانی سے تفسیر نہیں سنی، اور جو اس نے اس کے بیٹے عثمان بن عطاء سے لیا تھا اس میں دیکھا ہوگا، اور امام صالح بن احمد بن حنبل نے "العلل" میں امام علی بن مدینی سے ذکر کیا، انہوں نے کہا: میں نے امام یحییٰ القطان سے سوال کیا، ابن جریج عن عطاء الخراسانی کی حدیث کے بارے میں، تو انہوں نے کہا: ضعیف ہے۔ میں نے کہا: بے شک وہ کہے: ہمیں خبر دی (اخبرنا)۔ فرمایا: کوئی چیز نہیں، کیونکہ وہ کتاب اسے دی گئی ہے انتہی۔ اور ابن جریج ملنے اور لکھنے میں خبرنا کے اطلاق کو جائز قرار دیتے تھے۔ اور امام اسماعیلی نے کہا ہے کہ مجھے امام علی بن مدینی سے خبر دی گئی کیونکہ انہوں نے اس کو ابن جریج کی تفسیر سے کلاماً ذکر کیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ وہ کہتے تھے کہ "عن عطاء الخراسانی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما" پس کاتب کے لیے یہ بات طول کا باعث تھی کہ ہر جگہ خراسانی ذکر کرتے اس لیے انہوں نے خراسانی کو چھوڑ دیا، پس اس کو جس نے بھی روایت کیا ہے اس نے اس سے مراد عطاء بن ابی رباح لیا انتہی۔ اور اس میں اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف جس کو صالح بن احمد نے علی بن مدینی سے ذکر کیا ہے اور اس پر ابوعلی جیانی نے "تقیید السہل" میں متنبہ کیا ہے۔ ابن مدینی نے کہا: میں نے ہشام بن یوسف سے سنا، وہ یہ کہتے تھے کہ ابن جریج نے مجھ سے کہا: میں نے عطاء سے سورۃ بقرہ اور آل عمران کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا، پھر انہوں نے کہا: مجھے اس سے معاف رکھو، انہوں نے کہا کہ ہشام نے کہا: پس یہ اس کے بعد تھا جب انہوں نے کہا کہ عطاء نے کہا: عن ابن عباس رضی اللہ عنہما یعنی عطاء الخراسانی نے کہا۔ ہشام نے کہا: پس ہم نے لکھا، پھر ہم اکتا گئے یعنی خراسانی لکھنے سے۔ ابن مدینی نے کہا کہ میں نے یہ اس لیے بیان کیا کہ محمد بن ثور ایسے کیا کرتے تھے یعنی ابن جریج سے اپنی بیان کردہ روایت میں عن عطاء عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، پس وہ یہ گمان کرتے تھے کہ اس سے مراد عطاء بن ابی رباح ہے، اور تحقیق فاکہی نے بھی اس مذکورہ حدیث کو "محمد بن ثور عن ابن جریج عن عطاء عن ابن عباس رضی اللہ عنہما" کے طریق سے بیان کیا ہے اور خراسانی نہیں کہا۔ اور عبدالرزاق نے بھی اس کو بیان کیا، پس کہا الخراسانی ہے جیسا کہ ذکر ہو چکا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہاں تک بیان کردہ عبارت میں یہ عیاں ہے کہ یہاں عطاء خراسانی ہی ہے اور ایسے ہی حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "تہذیب التہذیب" میں عطاء خراسانی کے ترجمہ میں ہی اس روایت کو ذکر کیا ہے اور زیادہ شواہد اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۹۰ فی ترجمہ)

اولاً: ابن مدینی کا بیان کرنا کہ کاتب نے اکتابت کے باعث عطاء کے ساتھ خراسانی لکھنا ترک کر دیا، طوالت کے خوف سے، تو بعد والوں نے غلط فہمی سے اس کو ابن ابی رباح سمجھ لیا۔

پس ان کا اس کو ابن ابی رباح سمجھنا وہم ہے، لہذا یہ بات بھی اسی پر دلالت کرتی ہے کہ امام بخاری پر اس کا خراسانی ہونا مخفی رہا، انہوں نے اس کو ابن ابی رباح خیال کر کے اس کو اپنی صحیح میں داخل کر دیا، انسان سے خطا، ہونا کوئی عجیب بات نہیں۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام بخاری کی طرف سے ایک کمزور توجیہ لکھی ہے، وہ لکھتے ہیں: امام بخاری پر یہ کیسے مخفی ہو سکتا ہے کہ وہ عطاء خراسانی کو عطاء بن ابی رباح سمجھ لیں، اگر ایسا ہوتا تو ان کی سند میں ایسی روایات بہ کثرت ہوتیں جب کہ اس سند کے ساتھ روایت صرف دو جگہ ہے، ایک اس باب میں اور دوسری کتاب النکاح میں، اس سے ظاہر

ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان کی شرط کے مطابق ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۸۶-۸۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی لکھتے ہیں:

اور عطاء نے کہا: (عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) لیکن عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع نہیں کیا اور ابن جریج نے عطاء خراسانی سے تفسیر کا سماع نہیں کیا کیونکہ وہ کتاب اس نے اس کے بیٹے عثمان سے لی تھی، اس میں دیکھا ہوگا، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بیان نہیں کیا کیونکہ یہ روایت عطاء بن ابی رباح سے ہے، کیونکہ خراسانی ان کی شرط کے مطابق نہیں اور اگر سوال کرنے والا یہ کہے کہ جو مذکور عطاء ہے وہ خراسانی نہیں، اس کا جواب یہ ہوگا کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ حدیث ابن جریج کے پاس خراسانی اور ابن ابی رباح سے اکٹھی ہے، مقدمہ میں کہا: اور یہ جواب تسلی بخش نہیں ہے اور میرے نزدیک (یعنی امام قسطلانی کے نزدیک) صحیح جواب کی بجائے مخفی مقامات میں سے ہے، لہذا کجی سے صواب کی طرف جانا ضروری ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۱۷۴)

اس سلسلہ میں ہم اس سے پہلے امام بخاری کی طرف سے حافظ ابن حجر کی ذکر کردہ توجیہ کا علامہ عینی کے حوالہ سے رد کر چکے ہیں۔ شیخ وحید الزمان جو غیر مقلدین کے مسلم اکابر سے ہیں وہ لکھتے ہیں:

عطاء خراسانی تو ضعیف ہے، دوسرے ابن جریج نے اس سے نہیں سنا بلکہ عطاء کے فرزند عثمان سے اس نے عطاء کی کتاب لی تھی، اس میں دیکھا ہوگا، شاید امام بخاری نے اس کو عطاء بن ابی رباح سمجھا، یہ ان سے غلطی ہوئی اور کیسا ہی بڑا عالم ہو کبھی نہ کبھی اس سے غلطی ہو جاتی ہے، تیراک ہی پانی میں ڈوبتا ہے اور چابک سوار ہی گھوڑے سے گرتا ہے، بعضوں نے کہا: شاید ابن جریج نے یہ حدیث عطاء خراسانی اور عطاء بن رباح (تیسیر میں یوں ہی ہے) دونوں سے روایت کی ہے۔ واللہ اعلم (تیسیر الباری ج ۳ ص ۷۲۵، حاشیہ نمبر ۴) حافظ ابن حجر کے استاذ حافظ ابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ کی بھی یہی تحقیق ہے کہ اس حدیث کی سند میں عطاء کو عطاء بن ابی رباح گمان کرنا غلط ہے وہ دراصل عطاء خراسانی ہے اور ابن جریج کی اس سے تمام روایات ضعیف ہیں۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۳ ص ۲۵۸-۲۵۷)

عطاء خراسانی کے ضعف کے متعلق محدثین کی تصریحات

امام ابوداؤد فرماتے ہیں: عطاء خراسانی نے حضرت ابن عباس کو نہیں پایا اور نہ ان کو دیکھا۔

(المراسل لابن داؤد ص ۴۰۸، کتاب الوصایا)

امام بیہقی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۷۰)

امام ابن حبان لکھتے ہیں: عطاء خراسانی نے حضرت ابن عباس سے کوئی چیز نہیں سنی۔ (کتاب المجرد ص ۲ ج ۲ ص ۲۵۰)

شیخ ابن حزم ظاہری لکھتے ہیں: عطاء خراسانی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے کوئی چیز نہیں سنی اور نہ حضرت انس کے ملاوہ کسی اور صحابی سے کوئی حدیث سنی۔ (المحلی بالاعجاز ج ۸ ص ۲۳۲)

مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہو گیا کہ عطاء خراسانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کچھ نہیں سنا، لہذا ثابت ہوا کہ یہ روایت منقطع ہے، نیز امام ابو مسعود کے قول کے مطابق ابن جریج نے عطاء خراسانی سے اس روایت کو نہیں سنا بلکہ اس کے بیٹے عثمان سے اس روایت کو لیا اور اس کو دیکھا ہے، لہذا یہ روایت منقطع اور ضعیف ہے اور امام بخاری پر یہ مخفی رہا اور انہوں نے اس روایت میں عطاء خراسانی کو عطاء بن ابی رباح سمجھتے ہوئے اپنی صحیح میں اس کی روایت کر دی۔

حدیث مذکور کے متن پر اعتراض

مذکورہ بالا بحث تو اس روایت کی سند کے حوالے سے تھی، اگر ہم اس روایت کو عقلی طور پر دیکھتے ہیں تو بھی یہ بات محال نظر آتی ہے۔ کیونکہ اگر بالفرض محال ہم تسلیم کر لیں کہ یہ پانچوں بت حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے نیک لوگوں کے تھے جن کی ان کی قوم

عبادت کرتی تھی تو عرض یہ ہے کہ قوم نوح علیہ السلام پر جو عذاب الہی نازل ہوا تھا یعنی طوفان نوح تو اس کے ساتھ سوائے ان لوگوں اور اشیاء وغیرہ کے جن کو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی کشتی میں بٹھایا یا رکھا تھا سب کچھ نیست و نابود ہو گیا تھا، پھر یہ پانچوں بت کیسے عربوں تک پہنچ گئے؟

امام فخر الدین الرازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”یہ پانچ بت سب سے بڑے بت تھے، پھر یہ بت حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے اہل عرب کی طرف منتقل ہوئے، پس وہ بنو کلب کا ہو گیا اور سواع ہمدان کا ہو گیا، یغوث مذحج کا ہو گیا، یعوق مراد کا ہو گیا اور نسر حمیر کا ہو گیا، اسی وجہ سے اہل عرب کو عہدود اور عہد یغوث کہا جاتا تھا، تاریخی کتب میں اسی طرح مذکور ہے اور اس پر یہ اشکال ہے کہ طوفان کے زمانہ میں تمام دنیا ملیا میٹ ہو چکی تھی تو یہ بت کیسے باقی بچ گئے اور عرب کی طرف منتقل ہوئے اور یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ان بتوں کو اپنے ساتھ کشتی میں لے آئے تھے، پھر انہوں نے ان بتوں کو حفاظت کے ساتھ رکھا یہاں تک کہ یہ امانت عربوں کے پاس پہنچ گئی، کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام بتوں کے محافظ نہیں تھے بت شکن تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۵۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

پس یہ کہنا صحیح نہیں کہ عرب میں جن بتوں کی پرستش ہوتی تھی، یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے صالحین کی صورتوں کے مجسمے ہیں اور یہ وہی بت ہیں جن کی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پرستش کرتی تھی۔

حضرت محقق مولانا عبد المجید (برٹل) کے تحقیقی مقالہ کی تلخیص ختم ہوئی، ان کا اصل مقالہ بہت فکر انگیز اور کافی ضخیم ہے جو قارئین ان کے اصل مقالہ سے استفادہ کرنا چاہئیں تو وہ ”پانچ بت“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

امام بخاری کی سند مذکور پر شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کا اعتراض

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے بھی یہ تصریح کی ہے کہ:

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو مغالطہ ہوا ہے اور انہوں نے سند میں مذکور عطاء کو عطاء بن ابی رباح سمجھ کر اس سے روایت لی جب کہ یہ عطاء خراسانی ہیں عطاء بن ابی رباح نہیں ہیں۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ ابن جریج نے یہ روایت عطاء خراسانی سے براہ راست روایت نہیں کی ہے بلکہ ابن جریج نے اس کتاب سے روایت لی ہے جو عطاء خراسانی کی تھی اور ان کے بیٹے عثمان کے پاس تھی۔

عطاء خراسانی کی روایت چونکہ بخاری کی شرط پر نہیں اترتی اس لیے امام بخاری کو اسے یہاں ذکر نہیں کرنا چاہیے لیکن امام کو اس کا احساس ہی نہیں ہو سکا۔

اس کے بعد اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں:

وراق ہر جگہ عطاء کے ساتھ خراسانی لکھنے سے اکتا گیا اور صرف عطاء لکھنے لگا جس کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ عطاء سے عطاء بن ابی رباح مراد ہیں، چنانچہ محمد بن ثور کو بھی یہ مغالطہ لگا ہے اور انہوں نے عطاء بن ابی رباح ہی مراد لیا ہے جب کہ یہ عطاء خراسانی ہیں۔

بہر حال محدثین کے نزدیک اتنی بات متعین ہے کہ مذکورہ عبارت میں عطاء سے عطاء خراسانی مراد ہیں، ان کی روایت ذکر کر کے یہ ظاہر امام بخاری کو بھی غلط نہیں ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔ (کشف الباری کتاب التفسیر ص ۷۰۰-۶۹۹، مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

صحیح بخاری کی مذکورہ روایت کی بناء پر غیر مقلدین کا اہل سنت پر بے بنیاد الزام
مشہور غیر مقلد عالم شیخ محمد داؤد دراز میواتی لکھتے ہیں:

بت پرستی کی ابتداء جملہ بت پرستوں کی اقوام میں اس طرح شروع ہوئی کہ انہوں نے اپنے نیک لوگوں کے ناموں پر بت بنا لیے، پہلے عبادت میں ان کو سامنے رکھنے لگے، شیطان نے یہ فریب اس طرح چلایا کہ ان بتوں کے دیکھنے سے بزرگوں کی یاد تازہ رہے گی اور عبادت میں دل لگے گا، تمام بت پرستوں کا آج تک یہی حال ہے۔ (الی ان قال)
کتنے نام نہاد مسلمانوں نے مزار اولیاء کے فوٹو لے کر ان کو گھروں میں رکھا ہوا ہے اور صبح و شام ان کو معطر کر کے ان پر پھول چڑھاتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں یہ جملہ حرکات بت سازی اور بت پرستی ہی کی شکلیں ہیں اللہ پاک مسلمانوں کو نیک سمجھ عطا کرے کہ وہ ایسی حرکتوں سے باز رہیں ورنہ میدان محشر میں سخت ترین رسوائی کے لیے تیار رہیں۔

(صحیح بخاری مع ترجمہ و تشریح ج ۶ ص ۳۶۲، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور)

شیخ داؤد دراز نے صحیح بخاری کی جس روایت کی بناء پر اہل سنت پر یہ طعن اور تشنیع کی ہے اس روای کی سند ضعیف ہے اور متن بھی درست نہیں، علاوہ ازیں اہل سنت مزارات اولیاء کی اس طرح تعظیم نہیں کرتے جس طرح شیخ داؤد دراز نے لکھا ہے، وہ صرف مزارات پر جا کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے وسیلہ سے ہماری نیک حاجات کو پورا فرمائے اور ان بزرگوں کے درجات کو بلند فرمائے اور اس میں کوئی چیز خلاف شرع نہیں ہے بلکہ شریعت کے عین مطابق ہے اور شریعت کا مطلوب ہے اور بعض جہلاء جو مزارت کو سجدہ کرتے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں اور ان کی نذر مانتے ہیں علماء اہل سنت اس سے ہمیشہ منع کرتے ہیں۔

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ نوح کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور جو اس کی تفسیر میں حدیث روایت کی ہے اس پر بھی مفصل بحث آگئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ الجن کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیق ذکر کی ہے اور حدیث روایت کی ہے اس کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۷۲۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ الْجِنِّ

سورة الجن کی تفسیر

سورة الجن (قُلْ اُذِیْ اِلَیَّ) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الجن کی بعض آیات کی تفسیر ہے، صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں اس کا نام سورة قُلْ اُذِیْ اِلَیَّ ہے، یہ سورت مکی ہے اور اس سورت میں اٹھائیس (۲۸) آیات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۷۸)

قال ابن عباس یبداً اعواناً۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یبداً کا معنی ہے: مدد کرنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اِنَّهٗ لَنَاقٍ اَمَّ عِنْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ کَاذُوْا یُکُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لَیْدًا ۝ (الجن: ۱۹)

وہ جتنا بن کر اس پر پل پڑے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تعلیق کی امام ابن ابی حاتم نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے یعنی وہ سب اکٹھے ہو کر بھیڑنی صورت میں آپ کے گرد جمع ہو جاتے اور رش کی وجہ سے گرنے کے قریب ہوتے کیونکہ وہ قرآن مجید کو سننے پر حریص تھے اور حسن بصری اور قتادہ اور ابن زید سے مروی ہے کہ جب اللہ کا بندہ ان کو تبلیغ کرنے کے لیے کھڑا ہوتا تو انسان اور جن جمع ہو کر ان سے خلاف ایک دوسرے کی مدد کے لیے کھڑے ہوتے تاکہ وہ اس حق کو باطل کریں جس کو وہ لے کر آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا دیں، پس اللہ تعالیٰ نے اس نور کو پورا کرنے کے سوا ہر چیز کا انکار کیا اور اس بندہ کی مدد کی۔

علامہ نسفی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے: لَیْدًا کا اصل معنی ہے: گروہ اور جماعتیں جو ایک دوسرے پر چڑھی ہوئی ہوں۔ اس لفظ کو لَیْدٌ بھی پڑھا گیا ہے اور یہ لَیْدٌ کی جمع ہے اور لَیْدٌ بھی پڑھا گیا ہے جو لَیْدٌ کی جمع ہے جیسے رَاکِبٌ کی جمع رُکَبٌ ہے۔

امام بخاری نے لَیْدٌ کی تفسیر اعوان کی ہے اور یہ عون کی جمع ہے جس کا معنی ہے: کسی کام پر مدد کرنے والے۔

بَخْسًا نَقْصًا۔ بخشا اس کا معنی ہے: نقص۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اَنَّا لَنَسِیْعُکَ الْهُدٰی اَمَّا بِہٖ فَمَنْ یُّؤْمِنُ بِرَبِّہٖ فَلَا یَخَافُ ہُمْ اَوْ لَا مَرٰہِقًا ۝ (الجن: ۱۳)

لے آئے، سو جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے گا وہ نہ کسی خیر میں کمی پائے گا نہ کسی شر میں اضافہ ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے بخشا کی تفسیر نقص کی ہے اور الرہق کا معنی کلام عرب میں گناہ ہے اور حرام کاموں کو

ڈھانپ لیا اور یہ صرف علامہ نسفی کی تفسیر ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۷۹-۳۷۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۲۱۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بَشِيرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ انْطَلَقَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي طَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ عَامِدِينَ إِلَى سُوقِ عُكَاظٍ وَقَدْ حِيلَ بَيْنَ الشَّيَاطِينِ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ وَأُرْسِلَتْ عَلَيْهِمُ الشُّهُبُ فَرَجَعَتْ الشَّيَاطِينُ فَقَالُوا مَا لَكُمْ فَقَالُوا حِيلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ وَأُرْسِلَتْ عَلَيْنَا الشُّهُبُ قَالَ مَا حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ إِلَّا مَا حَدَّثَ قَاضِرُ بَوَا مَشَارِقِ الْأَرْضِ وَمَغَارِبِهَا فَاَنْظُرُوا مَا هَذَا الْأَمْرُ الَّذِي حَدَّثَ فَاَنْظُرُوا فَمَرَبُوا مَشَارِقِ الْأَرْضِ وَمَغَارِبِهَا يَنْظُرُونَ مَا هَذَا الْأَمْرُ الَّذِي حَالَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ قَالَ فَاَنْطَلَقَ الَّذِينَ تَوَجَّهُوا نَحْوَ تِهَامَةَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِسُخْلَةٍ وَهُوَ عَامِدٌ إِلَى سُوقِ عُكَاظٍ وَهُوَ يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ صَلَاةَ الْفَجْرِ فَلَمَّا سَمِعُوا الْقُرْآنَ تَسْتَعْمِلُوا لَهُ فَقَالُوا هَذَا الَّذِي حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ فَهَذَا لِكُمْ رَجَعُوا إِلَى قَوْمِهِمْ فَقَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا أَنَّ آتَا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى نَبِيِّهِ ﷺ ﴿قُلْ أَوْحَى إِلَيَّ آلَهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِنَ الْجِنِّ﴾ (الجن: ۱) وَإِنَّا أَوْحَى إِلَيْهِ قَوْلُ الْجِنِّ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کی جماعت کے ساتھ عکاظ کے بازار کی طرف روانہ ہوئے، اس وقت شیاطین کے درمیان اور آسمان کی خبر (کی چوری) کے درمیان کوئی چیز حائل ہوگئی اور ان پر آگ کے گولے بھیجے جاتے تھے، پس جب وہ جنات واپس آئے (تو ان کی قوم نے) ان سے پوچھا: کیا بات ہوئی؟ تو انہوں نے کہا کہ آسمان کی خبروں اور ہمارے درمیان کوئی رکاوٹ حائل ہوگئی ہے اور ہم پر آگ کے گولے بھیجے جاتے ہیں (تو ان کی قوم نے) کہا کہ تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان کوئی نئی چیز حائل ہوئی ہے تو تم زمین کے مشارق اور مغارب میں جاؤ اور تفتیش کرو کہ کون سی نئی چیز تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہوئی ہے، پس وہ روانہ ہوئے اور انہوں نے زمین کے مشارق اور مغارب میں سفر کیا اور وہ یہ تفتیش کر رہے تھے کہ وہ کون سی چیز ہے جو ان کے اور آسمان کی خبروں (کی چوری) کے درمیان حائل ہوئی ہے، راوی نے بیان کیا کہ جو لوگ اس تفتیش کے لیے گئے تھے وہ وادی تہامہ کی طرف جائے جہاں رسول اللہ ﷺ عکاظ کے بازار کی طرف جاتے ہوئے ایک کھجور کے درخت کے پاس اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے، پس جب جنات نے قرآن مجید کو سنا تو انہوں نے کہا: یہی وہ چیز ہے جو تمہارے درمیان اور آسمان کی خبروں (کی چوری) کے درمیان حائل ہوئی ہے، پھر وہ اپنی قوم کی طرف واپس آئے، پس کہا: اے ہماری قوم! ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو نیکی کے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے، پس ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے رب کے ساتھ ہرگز کسی کو شریک نہیں کریں گے اور اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی: ﴿قُلْ أَوْحَى إِلَيَّ آلَهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِنَ الْجِنِّ﴾ (الجن: ۱) آپ

کہیے کہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا۔ اور آپ کی طرف صرف جنات کے قول کی وحی کی گئی تھی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۷۷۳ میں گزر چکی ہے۔

جنات کے قرآن مجید سننے کا واقعہ کب ہوا اور عکاظ اور تہامہ کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے: یہ واقعہ بعثت نبوی کے دس (۱۰) سال بعد ذوالقعدہ میں ہوا تھا۔

عکاظ: یہ مکہ کی ایک جانب عربوں کا بازار ہے، وہ زمانہ جاہلیت میں اس بازار میں کئی کئی دن قیام کرتے تھے۔

تہامہ: یہ حجاز کے شہروں سے نجد کی اترائی کی طرف ایک وادی ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۷۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

جنات کے سامنے قرآن پڑھنے اور نہ پڑھنے کے متعلق دو حدیثوں کا تعارض اور اس کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے سامنے قرآن مجید پڑھا اور نہ ان کو دیکھا،

اور حضرت ابن مسعود کی روایت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جنات کی طرف سے ایک دعوت دینے والا آیا تو میں

اس کے ساتھ گیا اور میں نے اس کے سامنے قرآن پڑھا، سو ان دو حدیثوں میں تعارض ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ متعدد واقعات

ہیں، پہلے آپ نے ان کے سامنے قرآن نہیں پڑھا تھا جیسا کہ حضرت ابن عباس کی روایت ہے اور پھر بعد میں آپ نے ان کے

سامنے قرآن پڑھا جیسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۸۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے اجتہاد سے جنات کے سماع کی نفی کی ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تو اس

سماع کے شاہد ہیں۔

بعثت نبوی سے پہلے اور بعثت نبوی کے بعد شیاطین پر آگ کے گولے پھینکنے کی کیفیت اور مختلف احادیث

میں تطبیق

اس وقت شیاطین کے درمیان اور آسمان کی خبر (کی چوری) کے درمیان کوئی چیز حائل ہو گئی تھی:

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند انصار کے لوگ بیٹھے ہوئے

تھے، اس وقت ایک آگ کا گولہ پھینکا گیا تو آسمان روشن ہو گیا تو آپ نے انصار سے پوچھا جب زمانہ جاہلیت میں یہ آگ کا گولا

پھینکا جاتا تھا تو تم اس کے متعلق کیا کہتے تھے؟ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعثت نبوی سے پہلے بھی آگ کے گولے پھینکے جاتے

تھے اور امام عبدالرزاق نے معمر سے روایت کی ہے کہ زہری سے سوال کیا گیا کہ کیا زمانہ جاہلیت میں بھی آگ کے گولے پھینکے

جاتے تھے تو انہوں نے کہا: ہاں لیکن جب اسلام کا ظہور ہوا تو آگ کے گولے پھینکنے میں زیادہ شدت ہو گئی۔

اور اس باب کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ کے گولے پھینکنے کی ابتداء بعثت نبوی کے بعد ہوئی ہے۔ علامہ قرطبی نے کہا:

ان احادیث میں تطبیق اس طرح ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے بھی آگ کے گولے پھینکے جاتے تھے تاکہ شیطان فرشتوں کی باتیں نہ سن سکے لیکن کبھی پھینکے جاتے تھے اور کبھی نہیں پھینکے جاتے تھے اور کسی ایک جانب سے پھینکے جاتے تھے اور ہر جانب سے نہیں پھینکے جاتے تھے اور بعد میں ان پر ہر جانب سے آگ کے گولے پھینکے جانے لگے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

إِنَّا زَيْنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ ۚ وَحِفَافِينَ
كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِجٍ ۚ لَا يَسْمَعُونَ إِلَى الْمَلَأِ الْأَعْلَى
وَيُقَذَّفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۚ دُحُورًا ۚ لَهُمْ عَذَابٌ
وَاصِبٌ ۚ إِلَّا مَنْ خِطَفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شَهَابٌ
ثَاقِبٌ ۚ (انسافات: ۱۰-۱۱)

ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین فرما دیا O اور
(اس کو) ہر سرکش شیطان سے محفوظ کر دیا O وہ عالم بالا کے
فرشتوں (کی باتوں) کو سننے کے لیے کان نہیں لگا سکتے اور ان پر
ہر جانب سے ضرب لگائی جاتی ہے O ان (کو بھگانے) کے لیے
اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے O مگر جو شیطان کوئی بات اچک
لے تو فوراً چمکتا ہوا انکار داس کا پیچھا کرتا ہے O

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: پھر میں نے وہب بن منبہ کی عبارت دیکھی جس سے یہ اشکال دور ہو جاتا ہے اور مختلف احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ پہلے ابلیس تمام آسمانوں کی طرف چڑھ جاتا تھا اور ان میں جس طرح چاہتا تھا گھومتا رہتا تھا، اس کو منع نہیں کیا جاتا ہے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا، پھر اس کو چار آسمانوں سے روک دیا گیا، پھر جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو ان کو باقی تین آسمانوں سے بھی روک دیا گیا، پھر ابلیس اور اس کا لشکر چوری سے آسمانوں کی خبروں کو سنتا تھا اور اس پر آگ کے گولے پھینکے جاتے تھے، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام طبری نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو زمانہ فترت تھا اس زمانہ میں آسمانوں کی حفاظت نہیں کی جاتی تھی، پھر جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آسمانوں کی بہت سخت حفاظت کی گئی اور شیاطین پر آگ کے گولے برسائے گئے اور سدی کی روایت ہے کہ پہلے آسمانوں کی حفاظت نہیں کی جاتی تھی اور شیاطین مختلف مورچوں میں گھات لگا کر بیٹھتے تھے تاکہ مستقبل کے متعلق فرشتوں کی باتیں سنیں، پھر جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو ان پر آگ کے گولے برسائے گئے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۸۹، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الجن کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور حدیث روایت کی تھیں ان کی شرح مکمل ہوئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ المزمل کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۷۳۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ الْمَزْمَلِ

سورة المزمل کی تفسیر

سورة المزمل کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة المزمل کی بعض آیات کی تفسیر ہے، مقاتل نے کہا کہ یہ سورت مکی ہے سو اس ایک آیت کے: **وَآخِرُونَ يُقَاتِلُون فِي سَبِيلِ اللّٰهِ** (المزمل: ۲۰) اور اس سورت میں بیس (۲۰) آیات ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَتَبَتَّلْ أَخْلِصْ۔ اور مجاہد نے کہا: **تَبَتَّلْ** کا معنی ہے: **أَخْلِصْ** یعنی اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کے ہو جاؤ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِلًا (المزمل: ۸) اور سب سے منقطع ہو کر اسی کے ہو رہیں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے **تَبَتَّلْ** کی تفسیر **أَخْلِصْ** کی ہے اور ابن جریج سے روایت ہے کہ آپ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں اور دعا کریں اور قنَادَہ نے کہا: آپ اخلاص کے ساتھ تبلیغ کریں اور عبادت کریں اور امام ابن ابی حاتم نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی کی روایت کی ہے اور عطاء سے منقول ہے کہ آپ سب سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جائیں اور یہی معنی اصل کے مطابق ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ أَنْكَالًا قُيُودًا۔ اور حسن بصری نے کہا: **انکالًا** کا معنی ہے: بیڑیاں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا (المزمل: ۱۲) بے شک ہمارے پاس ان کے لیے بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی ہوئی

آگ ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: **انکالًا** کا لفظ نکل کی جمع ہے۔

مُنْقَطِرٌ بِهِ مُتَقَلِّدٌ بِهِ۔ منقطع رہ اس کا معنی ہے: وہ اس کے خوف کے سبب سے بھاری ہو جائے گا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا (الأنعام: ۱۵۱) اگر تم نے اس کا انکار کیا تو تم اس دن کے عذاب سے کیسے بچو گے

شِيبًا السَّمَاءُ مُنْقَطِرَةٌ بِهِ (الأنعام: ۱۵۱) جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا ○ آسمان اس کی شدت سے پھٹ جائے گا اور اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا ○

(المزمل: ۱۸-۱۷)

علامہ یعنی لکھتے ہیں: امام بخاری نے منقظہ کی تفسیر کی ہے: مُثَقَّلَةٌ اور منقظہ کا صیغہ واحد مذکر ہے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ مُثَقَّلَةٌ تو واحد مونث ہے تو وہ منقظہ کی کیسے تفسیر ہوگی جب کہ وہ مذکر کا صیغہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ السماع کا لفظ سقف یعنی چھت کی تاویل میں ہے اور وہ مذکر ہے، اس لیے یہ تفسیر صحیح ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَثِيبًا مَّهِيلًا الرَّمْلُ السَّائِلُ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کثیبنا مہیلنا کا معنی ہے:

بہنے والی ریت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا

نیلابن جائیں گے ○

مہیلًا ○ (الزلزلہ: ۱۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس تعلیق کی امام ابن ابی حاتم نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے، اور حاکم نے ایک اور سند کے ساتھ اس کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، اس کی عبارت اس طرح ہے: مہیل کا معنی یہ ہے کہ جب اس میں سے کوئی چیز نکالتو اس کی باقی چیزیں بھی نکل آئیں اور کثیب کا معنی ہے: ریت۔ الفراء نے کہا ہے: کثیب کا معنی ریت ہے اور کثیب وہ چیز ہے کہ جب اس کا نچلا حصہ متحرک ہو تو تمہارے اوپر اس کا اوپر والا حصہ بھی گر جائے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۹۲) وِبَيْلًا شَدِيدًا۔ وِبَيْلًا کا معنی ہے: شدید۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا ○ پس فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو سخت

گرفت سے پکڑ لیا ○ (الزمر: ۱۶)

علامہ یعنی لکھتے ہیں: امام بخاری نے وِبِيلًا کی تفسیر شدیدہ کی ہے، اسی طرح امام طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، اور علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ وِبِيلًا کا معنی ہے: شدید اور سخت دشوار اور اسی سے وبال کا لفظ بنا ہے۔ [ایک تعلیق کے سوا باقی تمام تعلیقات کی شرح ممدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۸۰ سے اخذ کی گئی ہے]

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

تنبیہ: امام بخاری نے سورۃ الزلزلہ کی تفسیر میں کوئی حدیث مرفوعہ روایت نہیں کی اور امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قیام الیل یعنی تہجد کے متعلق ایک روایت کی ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پس تہجد کی نماز پہلے فرض تھی، پھر وہ نفل ہو گئی اور یہ بھی ممکن ہے کہ درج ذیل آیت:

وَمَا تَقْضُوا مَوَالًا لَّفِيكُمْ مِنْ خَيْرٍ تُجْزَوْنَ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ أَوْ أَكْثَرُ ○ اور تم اپنی بھلائی کے لیے جو آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے پاس اس سے بہتر اور زیادہ ثواب میں پاؤ گے۔

خَيْرًا أَوْ أَكْثَرَ ○ (الزمر: ۲۰)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول داخل کر دیا جائے: تم میں سے کوئی ایک اس کی طرف میلان کرتا ہے جو اس نے

آگے بھیجا ہے اور اس کا وارث اس کی طرف میلان کرتا ہے جو اس نے پیچھے چھوڑا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۹۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الزلزلہ کی تفسیر میں جو احادیث ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ المدثر کی تفسیر میں انہوں نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۷۴۔ تفسیر سورۃ المدثر

سورۃ المدثر کی تفسیر

سورۃ المدثر کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ المدثر کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت مکی ہے اور اس میں چھپن (۵۶) آیات ہیں۔

علامہ ثعلبی نے کہا ہے: يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (المدثر: ۱) اے چادر لپیٹنے والے! اور جمہور نے کہا ہے: اے کپڑا لپیٹنے والے!۔
 قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَسِیْرٌ شَدِیْدٌ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عسیر کا معنی ہے: شدید یعنی سخت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَذٰلِكَ يَوْمُنَا يَوْمُ عَسِیْرٍ ① (المدثر: ۹) تو وہ بہت مشکل والا دن ہوگا ①

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے عسیر کی تفسیر شدید کی ہے، امام ابن ابی حاتم نے اس تعلیق کو سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۳۸۱، فتح الباری ج ۶ ص ۹۲)

قَسُوْرَةٌ رَّكُّمًا ۙ لَّيْسَ بِهَا شَدِیْدٌ قَسُوْرَةٌ۔ قسورۃ اس کا معنی ہے: لوگوں کی آہٹیں اور آوازیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَانَ لَهُمْ حُصُوْرٌ مُّسْتَنْفِرًا ۙ ② فَرَأَتْ مِنْ قَسُوْرَةٍ ③ گویا وہ بد کے ہوئے وحشی گدھے ہیں ② جو شیر سے بھاگ رہے

(المدثر: ۵۰-۵۱) ہیں ③

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: قسورۃ کا معنی ہے: لوگوں کی آواز، اور ابوسفیان نے کہا: یعنی لوگوں کا احساس اور ان کی آوازیں۔

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ الْقَسُوْرَةُ الْقَسُوْرَةُ الْاَسَدُ الْبَرْكُ ۙ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کا معنی ہے: شیر اور ہر سخت القوٰت۔ چیز اور قسورۃ کا معنی ہے الزکنة یعنی آواز۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ حبشی زبان کا لفظ ہے، اور امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ عربی میں القسورۃ کا معنی شیر ہے اور اس کو فارسی میں شیر اور عربی میں قسورۃ کہتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۹۳)

مُسْتَنْفِرًا نَافِرًا مَّذْعُوْرًا۔ مُسْتَنْفِرًا اس کا معنی ہے: وحشت زدہ اور ڈری ہوئی۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ مستنفرۃ کے دو معنی ہیں: وحشت زدہ اور ڈری ہوئی۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۹۳)

۱۔ باب

۴۹۲۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ عَنِ
بْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ سَأَلْتُ أَبَا
سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَوَّلِ مَا نَزَلَ مِنَ
الْقُرْآنِ قَالَ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُلْتُ يَقُولُونَ اقْرَأْ
بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ فَقَالَ أَبُو سَلَمَةَ سَأَلْتُ
جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنْ ذَلِكَ
وَقُلْتُ لَهُ مِثْلَ الَّذِي قُلْتُ فَقَالَ جَابِرٌ لَا
أُحَدِّثُكَ إِلَّا مَا حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ
جَاوَزْتُ بِحِرَاءٍ فَلَمَّا قَضَيْتُ جَوَارِي مَبْطُتٌ
فَتَوَدَّيْتُ فَتَنَظَّرْتُ عَنْ يَسِينِي فَلَمْ أَرْ شَيْئًا
وَنَظَرْتُ عَنْ شِمَالِي فَلَمْ أَرْ شَيْئًا وَنَظَرْتُ أَمَامِي
فَلَمْ أَرْ شَيْئًا وَنَظَرْتُ خَلْفِي فَلَمْ أَرْ شَيْئًا
فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَرَأَيْتُ شَيْئًا فَاتَيْتُ خَدِيجَةَ
فَقُلْتُ دَبِّرُونِي وَصُبُّوا عَلَيَّ مَاءً بَارِدًا قَالَ
فَدَبِّرُونِي وَصُبُّوا عَلَيَّ مَاءً بَارِدًا قَالَ فَتَنَزَّلْتُ
(يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ) قُمْ فَأَنْذِرْ وَ رَبِّكَ

الْمُدَّثِّرُ (۱۰۱: ۳)

باب

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں
نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از علی بن المبارک از یحییٰ بن ابی
کثیر، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے ابو سلمہ بن عبد الرحمن سے پوچھا: سب
سے پہلے قرآن مجید کی کون سی آیت نازل ہوئی تو انہوں نے کہا: یَا أَيُّهَا
الْمُدَّثِّرُ ○ میں نے کہا: لوگ کہتے ہیں: (سب سے پہلے) اِقْرَأْ بِاسْمِ
رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ○ (نازل ہوئی ہے) تو ابو سلمہ نے کہا: میں نے
حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے اس کے متعلق سوال کیا تھا اور ان سے
اسی طرح کہا تھا جس طرح تم نے کہا ہے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
میں تم کو صرف وہی حدیث بیان کرتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے ہم
سے بیان فرمائی ہے، آپ نے فرمایا: میں نے حراء پہاڑ میں اعتکاف کیا،
جب میرا اعتکاف پورا ہو گیا تو میں پہاڑ سے نیچے اترا، پس مجھے آواز دی
گئی تو میں نے اپنی دائیں طرف دیکھا تو میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی اور
میں نے بائیں طرف دیکھا تو میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی اور میں نے
اپنے آگے دیکھا تو میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی اور میں نے اپنے پیچھے
دیکھا تو میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی، پس میں نے اپنا سراو پراٹھا یا تو میں
نے کچھ دیکھا، پس میں خدیجہ کے پاس آیا، پھر میں نے کہا: مجھ پر کپڑا
ڈالو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی انڈیلو تو انہوں نے مجھ پر کپڑا ڈالا اور مجھ پر ٹھنڈا
پانی انڈیلا، پھر یہ آیات نازل ہوئیں: یَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَأَنْذِرْ ○
وَرَبُّكَ الْمُبْدِئُ ○ (المذثر: ۱-۳) اے چادر لپیٹنے والے ○ اٹھیے پس لوگوں
کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤ ○ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے ○

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴ میں گزر چکی ہے۔

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت میں تعارض اور اس کا جواب اور جاورت اور جوارى کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جاورت ہجراء: یعنی میں نے حراء پہاڑ پر اعتکاف کیا، حراء وہ پہاڑ ہے جو شخص مکہ سے سنی کی طرف جا رہا ہو تو یہ پہاڑ اس کی
بائیں جانب ہوتا ہے۔

جوارى: اس کا معنی ہے: میرا اعتکاف۔

تو میں نے کوئی چیز دیکھی: ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور اس وقت انہوں
نے فرمایا: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ (المعلق: ۱) (اپنے رب کے نام سے پڑھیے) تو میں اس سے خوف زدہ ہو گیا، پھر میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے

پاس آیا، پس میں نے کہا: مجھے کپڑے سے ڈھانپ دو، تب یہ آیت نازل ہوئی: **يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ (المدثر: ۱) (اے چادر لپیٹنے والے!) اور جمہور کا موقف یہ ہے کہ جو آیت سب سے پہلے نازل ہوئی ہے وہ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ ہے، اور اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ سب سے پہلے **يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝** نازل ہوئی ہے، یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ہے اور یہ صحیح بخاری کی اس حدیث کے معارض نہیں ہے جس میں تصریح ہے کہ سب سے پہلے **اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ** نازل ہوئی ہے۔ (صحیح البخاری: ۳) دوسرا جواب یہ ہے کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت سے مراد اولیت حقیقی نہیں ہے بلکہ اولیت اضافی ہے یعنی دوسری آیات سے پہلے نازل ہوئی نہ کہ سب سے پہلے نازل ہوئی۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۸۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)**

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح نہیں کی۔

۲۔ بَابُ: قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ (المدثر: ۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اٹھیے پس لوگوں کو اللہ کے عذاب

سے ڈرائیے ۝ (المدثر: ۲) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کا معنی ہے: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم!) آپ اپنے بستر سے اٹھیے اور پورے عزم اور کوشش کے ساتھ اپنی قوم کو اور دوسرے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیے کیونکہ اس آیت میں مطلقاً ڈرانے کا ذکر ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۸۲)

۳۹۲۳۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ وَغَيْرُهُ قَالَا حَدَّثَنَا حَرْبُ بْنُ شَدَّادٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ جَاوَزْتُ بَحْرًا وَمَثَلَ حَدِيثُ عُثْمَانَ بْنِ عُمرَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْمُبَارَكِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمن بن مہدی وغیرہ نے حدیث بیان کی، ان دونوں نے کہا: ہمیں حرب بن شداد نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن ابی کثیر از ابی سلمہ از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے حراء پہاڑ میں اعتکاف کیا، یہ حدیث اس حدیث کی مثل ہے جو عثمان بن عمر از علی بن المبارک سے مروی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴ میں گزر چکی ہے۔

امام بخاری نے حضرت جابر کی حدیث سابق کی دوسری سند بیان کی ہے۔

۳۔ بَابُ: وَرَبُّكَ فَكَبِّرْ ۝ (المدثر: ۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اپنے رب کی بڑائی

کیجئے ۝ (المدثر: ۳) کی تفسیر

(المدثر: ۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکبیر پڑھنے کا معنی

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی اپنے رب کی تعظیم کیجئے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے پر برقرار رہیے اور یہ تکبیر نماز میں بھی ہوتی ہے اور غیر نماز میں بھی اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور آپ نے اللہ اکبر کہا، پس حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی اللہ اکبر کہا اور خوش ہوئیں اور انہوں نے جان لیا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پر عمل کیا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۸۳-۳۸۲)

۳۹۲۴۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقَسَدِ حَدَّثَنَا حَرْبُ بْنُ شَدَّادٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ سَأَلْتُ أَبَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالصمد نے حدیث بیان کی،

سَلَّمَ أَيْ الْقُرْآنَ أَنْزَلَ أَوَّلَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا الْمَذْثُورُ
فَقُلْتُ أَنْبِئْتُ أَنَّهُ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ فَقَالَ
أَبُو سَلَمَةَ سَأَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ أَيْ الْقُرْآنَ أَنْزَلَ
أَوَّلَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا الْمَذْثُورُ فَقُلْتُ أَنْبِئْتُ أَنَّهُ اقْرَأْ بِاسْمِ
رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ فَقَالَ لَا أُخْبِرُكَ إِلَّا بِمَا قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ ﷺ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ جَاوَزْتُ فِي
حَرَاءٍ فَلَمَّا قَضَيْتُ جَوَارِي مَبْطُتٌ فَاسْتَبَطَنْتُ
الْوَادِي فَتَوَدَيْتُ فَنَظَرْتُ أَمَامِي وَخَلْفِي وَعَنْ يَمِينِي
وَعَنْ شِمَالِي فَإِذَا هُوَ جَالِسٌ عَلَى كُرْسِيِّ بَيْنَ الشَّجَرِ
وَالْأَرْضِ فَأَتَيْتُ خَدِيجَةَ فَقُلْتُ دَبْرُونِي وَصُبُّوا عَلَيَّ
مَاءً بَارِدًا وَأُنْزِلْ عَلَيَّ (يَا أَيُّهَا الْمَذْثُورُ) قُمْ
فَأَنْذِرْهُ وَرَبِّكَ فَكَلِمَتُهُ (المدثر: ۱-۳)

انہوں نے کہا ہمیں حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابوسلمہ سے سوال کیا کہ سب سے پہلے قرآن مجید کی کون سی آیت نازل ہوئی تو انہوں نے بتایا: **يَا أَيُّهَا الْمَذْثُورُ** ○ میں نے کہا مجھے خبر دی گئی ہے کہ سب سے پہلے یہ آیت نازل کی گئی **اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ** ○ (العلق: ۱) (اے رسول مکرم! اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہے ○) تو ابوسلمہ نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سوال کیا تھا کہ سب سے پہلے قرآن مجید کی کون سی آیت نازل ہوئی تو انہوں نے کہا: **يَا أَيُّهَا الْمَذْثُورُ** ○ میں نے کہا مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی ہے **اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ** ○ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا میں تمہیں صرف وہی خبر دیتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، رسول ﷺ پیغمبر نے فرمایا: میں نے حراء پہاڑ میں اعتکاف کیا، پس جب میرا اعتکاف پورا ہو گیا تو میں پہاڑ سے نیچے اتر آیا اور وادی کے نشیب میں گیا تو مجھے نداء کی گئی، پس میں نے اپنے آگے اور پیچھے اور دائیں طرف اور بائیں طرف دیکھا تو اس وقت وہ (فرشتہ) آسمان اور زمین کے درمیان ایک تخت پر بیٹھا ہوا تھا، پس میں خدیجہ کے پاس آیا، پس میں نے کہا: مجھے چادر اوڑھادو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو اور اس وقت مجھ پر یہ آیت نازل کی گئی: **يَا أَيُّهَا الْمَذْثُورُ قُمْ فَأَنْذِرْهُ وَرَبِّكَ فَكَلِمَتُهُ** (المدثر: ۱-۳) اے چادر لپیٹنے والے ○ اٹھیے پس لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیے ○ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے ○

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴ میں گزر چکی ہے۔

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق، اور سورۃ المدثر کا سورۃ المزمل

سے پہلے نازل ہونا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متونی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت جابر کی حدیث میں سب سے پہلی آیت سے مراد اولیت مطلقہ نہیں ہے بلکہ اولیت مخصوصہ ہے یعنی نزول وحی کے

موقوف ہونے کے بعد جو آیت سب سے پہلے نازل ہوئی وہ **يَا أَيُّهَا الْمَذْثُورُ** ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ حضرت جابر نے اپنے اجتہاد سے یہ استخراج کیا کہ **يَا أَيُّهَا الْمَذْثُورُ** سب سے پہلے نازل ہوئی

ہے اور یہ ان کی روایت نہیں ہے اور صحیح وہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے اِقْدَأُ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ نازل ہوئی۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ حضرت جابر کی حدیث میں اولیت سے مراد ہے: جو کسی سبب سے اول نازل ہوئی اور وہ سبب ہے: آپ کا چادر لپیٹنا یا اوڑھنا اور جمہور نے جو کہا ہے کہ سب سے پہلے اِقْدَأُ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ نازل ہوئی اس سے مراد ہے: جو آیت بغیر کسی سبب کے سب سے پہلے نازل ہوئی۔

سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت کے متعلق ایک اور قول ہے جو عطاء الخراسانی سے منقول ہے کہ سورۃ المزمل سورۃ المدثر سے پہلے نازل ہوئی اور عطاء ضعیف ہے اور اس کی روایت ضعیف ہے کیونکہ کسی معین صحابی سے عطاء کی ملاقات منقول نہیں ہے اور احادیث صحیحہ کا ظاہر یہ ہے کہ سورۃ المزمل بعد میں نازل ہوئی ہے کیونکہ سورۃ المزمل میں قیام لیل اور تہجد کی نماز کا ذکر ہے اور یہ ابتداء نزول وحی سے مؤخر ہے، اس کے برخلاف سورۃ المدثر میں اس طرح نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے حراء پہاڑ میں اعتکاف کیا تھا اور اعتکاف پورا کرنے کے بعد آپ پہاڑ سے اترے جب کہ حضرت عائشہ سے جواب ابتداء وحی کی حدیث مروی ہے اس میں یہ مذکور نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ امام بیہقی نے روایت کی ہے کہ آپ ہر سال رمضان کے مہینہ میں اعتکاف کرتے تھے اور آپ کا یہ اعتکاف اس مدت میں ہوا تھا جس مدت میں وحی کا آثار نکلتا تھا اور تب حضرت جبریل آپ کے پاس نزول وحی کے موقوف ہونے کے بعد آئے تھے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۹۴، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۴۔ بَابُ: وَثِيَاكَ فَطَهَّدُ ۝

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اپنا لباس پاک رکھے ۝

(المدثر: ۳) کی تفسیر

(المدثر: ۴)

لباس پاک رکھنے کے متعلق متعدد تفاسیر اور مصنف کا مختار

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اپنے لباس کو گناہ اور عہد شکنی کے ساتھ آلودہ نہ کریں اور جب کوئی شخص اپنا عہد پورا کرے اور بیچ بولے تو عرب اس کے متعلق کہتے ہیں: اس کا لباس طاہر ہے، اور جب وہ گناہ کرے اور عہد شکنی کرے تو وہ کہتے ہیں کہ اس کا لباس گندہ ہے اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اپنے لباس کو تکبر، ظلم اور گناہ سے آلودہ نہ کریں اور اس حال میں لباس پہنیں کہ آپ گناہوں سے پاک ہوں اور ابن سیرین اور ابن زید سے منقول ہے کہ اپنے کپڑوں کو صاف کریں اور ان کو پانی سے دھوئیں اور نجاست سے پاک کریں کیونکہ مشرکین اپنے کپڑوں کو پاک اور صاف نہیں کرتے تھے اور طاؤس سے منقول ہے: اپنے کپڑوں کو دھوئیں کیونکہ کپڑوں کو دھونا بھی پاکیزگی ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ ان اکابر کا کلام اپنی جگہ ہے لیکن میرے نزدیک اس آیت کا معنی ہے: اپنا لباس پاک رکھے یعنی جس طرح وہ لباس پہلے پاک تھا اس کو اسی حالت پر پاک رکھے کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ اپنا لباس پاک کیجئے تو اس سے یہ دہم ہوگا کہ آپ کا لباس ناپاک ہے، سو اس کو پاک کریں۔

۴۹۲۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث

عَقِيلٌ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ ۛ وَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَسَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرُ قَالَ الزُّهْرِيُّ فَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ فَقَالَ لِي حَدِيثُهُ قَبِينًا أَنَا أَمِئْتُ إِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَإِذَا السَّمَاءُ الَّتِي جَاءَنِي بِحَرَاءٍ جَالِسٍ عَلَى كُرْسِيِّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَجِئْتُ مِنْهُ رُغْبًا فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ زَمَلُونِي زَمَلُونِي فَدَثَرُونِي فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ الْوَحْيَ وَالرُّجْزَ فَأَمْجَزَ قَبْلَ أَنْ تُفْرَضَ الصَّلَاةُ وَهِيَ الْوُثَانُ۔

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب (ح) اور مجھے عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے خبر دی از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا، جب آپ وحی کے رک جانے کے متعلق بیان فرما رہے تھے تو آپ نے اپنی حدیث میں فرمایا: پس جس وقت میں چل رہا تھا تو میں نے آسمان سے آواز سنی، پس میں نے اپنا سر اٹھایا تو وہی فرشتہ جو میرے پاس حراء میں آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، پس میں اس سے مرعوب ہو گیا اور میں گھبر لوٹ آیا اور میں نے کہا: مجھ پر چادر ڈالو مجھ پر چادر ڈالو تو گھبر والوں نے مجھ پر چادر ڈالی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ وَالرُّجْزَ فَأَمْجَزَ ۝ (المدثر: ۱-۵) اے چادر لپیٹنے والے!۔۔۔۔۔ اور بتوں کو چھوڑے رہے ۝ یہ نماز کے فرض ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے اور رجز کا معنی ہے: الاوثان یعنی بت۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴ میں گزر چکی ہے۔

وَشِبَابُكَ فَطَهْرٌ کی مزید تفاسیر اور حافظ ابن حجر کا تسامح

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: نماز فرض ہونے سے پہلے: اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کو فرضیت نماز سے پہلے بھی لباس پاک رکھنے کا حکم تھا۔

امام ابن المنذر نے حسن بھری سے نقل کیا ہے کہ اپنے اخلاق کو حسین بنائیں، امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ آپ پاک کپڑوں میں نماز پڑھیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام ابن المنذر نے اس آیت کے سبب نزول میں اپنی سند سے یہ روایت کی ہے کہ نبی ﷺ پر اونٹنی کی اوجھڑی یا وہ جملی ڈال دی جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۹۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: امام ابن المنذر کا یہ سبب نزول بیان کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ آیت سورۃ المدثر کی ہے جو کہ ابتداء میں اور فرضیت نماز سے پہلے کی آیت ہے اور کفار نے جو آپ کی پشت پر اوجھڑی یا اونٹنی کے بچے کی جملی ڈال تھی یہ بہت بعد کا واقعہ ہے جب آپ صحن کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، سو حافظ ابن حجر کو اس سبب نزول کو نقل کرنے میں تسامح ہوا ہے۔

۵۔ بَابُ: وَالرُّجْزُ فَأَهْجُزُ ⑤

(المذثر: ۵)

(المذثر: ۵) کی تفسیر

يُقَالُ الرُّجْزُ وَالرُّجْسُ الْعَذَابُ۔

رُجْز کا معنی بیان کیا جاتا ہے: نجاست اور عذاب۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: یہ امام ابو عبیدہ کا قول ہے اور اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ رُجْز کا معنی بت ہے اور یہ تفسیر اس آیت کے معنی کی ہے یعنی عذاب کے اسباب کو چھوڑے رکھیے جو بت ہیں۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۹۵، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ آپ گناہوں کو چھوڑے رکھیے اور مجاہد، عکرمہ، قتادہ، زہری اور ابن زید سے منقول ہے کہ آپ بتوں کو چھوڑے رکھیے اور ان کے قریب نہ جائیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ (الحج: ۳۰)

سو تم بتوں کی نجاست سے اجتناب کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بت نجس ہیں، نیز اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ ان کاموں کو چھوڑے رکھیں جو عذاب کا سبب ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اپنے دل سے دنیا کی محبت ساقط کر دیں کیونکہ وہ ہر گناہ کی اصل ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۹۲۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عَقِيلٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يُحَدِّثُ عَنْ قَتَرَةِ الْوَحْيِ قَبِينَا أَنَا أُمِّهِ سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ بَصَرِي قَبْلَ السَّمَاءِ فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ قَاعِدٌ عَلَى كُرْسِيِّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَجِئْتُ مِنْهُ حَتَّى هَوَيْتُ إِلَى الْأَرْضِ فَجِئْتُ أَهْلِي فَقُلْتُ زَمَلُونِي زَمَلُونِي فَزَمَلُونِي فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ إِلَى قَوْلِهِ فَأَهْجُزْ قَالَ أَبُو سَلَمَةَ وَالرُّجْزُ الْأَوْثَانُ ثُمَّ حَسَى الْوَحْيُ وَتَشَابَهَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم کو لیث نے حدیث بیان کی از عقیل، ابن شہاب نے کہا: میں نے ابو سلمہ سے سنا، انہوں نے کہا: مجھے حضرت جابر بن عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ وحی رک جانے کی حدیث بیان کر رہے تھے، (آپ نے فرمایا) کہ جس وقت میں جا رہا تھا تو اچانک میں نے آسمان سے ایک آواز سنی، پس میں نے آنکھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو اس پر وہی فرشتہ تھا جو میرے پاس حراء میں آیا تھا، وہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا تھا، میں اس سے مرعوب ہو گیا حتیٰ کہ میں نے زمین پر اترنے کا ارادہ کیا، پس میں اپنے گھر والوں کے پاس آیا، پس میں نے کہا: مجھے چادر اوڑھناؤ مجھے چادر اوڑھناؤ تو انہوں نے مجھے چادر اوڑھائی، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ⑤۔ وَالرُّجْزُ فَأَهْجُزْ ⑤ (المذثر: ۵)۔ اے چادر لپیٹنے والے۔۔۔۔۔ بتوں کو چھوڑے رہیے۔ ابو سلمہ نے کہا: رجز کا معنی ہے: اوثان، پھر وحی گرم ہو گئی اور لگا تار آنے لگی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳ میں گزر چکی ہے۔

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ المذثر کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور جو احادیث روایت کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ القیامہ کی تفسیر شروع کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۷۵۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ الْقِیَامَةِ

سورة القیامہ کی تفسیر

سورة القیامہ کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة القیامہ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، سورة القیامہ کی ہے اور اس میں چالیس (۴۰) آیات ہیں۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۸۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ (قرآن کو یاد کرنے

کے لیے) عجلت سے اپنی زبان کو حرکت نہ

دیں ○ (القیامہ: ۱۶) کی تفسیر

۱۔ بَابٌ: لَا تَحْرُكْ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ○

(القیامہ: ۱۶)

القیامہ: ۱۶ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے یا مطلق انسان سے؟

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

مفتدین کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس آیت میں نزول وحی کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے لیکن امام فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ قتال نے اس بات کو جائز قرار دیا ہے کہ یہ آیت انسان کے متعلق نازل ہوئی ہو جس کا اس سے پہلے درج ذیل آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے:

يُنَبِّئُ الْاِنْسَانَ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ○ (القیامہ: ۱۳) اس دن انسان کو اس کے اگلے اور پچھلے کاموں کی خبر دی جائے گی ○

قتال نے کہا کہ انسان پر اس کا اعمال نامہ پیش کیا جائے گا، پس اس سے کہا جائے گا کہ اپنا اعمال نامہ پڑھو، پس جب وہ اس کو پڑھنا شروع کرے گا تو اس پر خوف طاری ہو جائے گا، سو وہ جلدی جلدی پڑھنا شروع کرے گا تو اس سے کہا جائے گا: تم اپنی زبان کو جلدی جلدی حرکت نہ دو، تمہارے اعمال کو جمع کرنا اور ان کو تم سے پڑھوانا ہمارا ذمہ ہے، پس جب ہم تم کو پڑھائیں تو پھر تم اقرار کر کے ہمارے پڑھانے کی اتباع کرو کہ تم نے یہ کام کیے ہیں، پھر یہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم انسان کے معاملہ کو اور اس کی سزا سے متعلق امور کو بیان کریں، قتال نے کہا: یہ عمدہ توجیہ ہے اور عقل کے نزدیک کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو اس توجیہ کو رد کرے اگرچہ اس کی تائید میں احادیث اور آثار وارد نہیں ہیں، قتال کی اس تفسیر کا باعث یہ ہے کہ اس آیت اور اس سے پہلی آیات کے درمیان جو احوال قیامت بیان کیے گئے ہیں ان میں مناسبت کو بیان کرنا مشکل ہے حتیٰ کہ بعض راہبوں نے یہ گمان کیا ہے کہ اس سورت سے پہلے آیات ساقط ہو گئی ہیں اور یہ ان کے دوسرے باطل دعووں میں سے ایک ہے۔

انہی تفسیر نے اس آیت اور اس سے پہلی آیتوں کے درمیان یہ مناسبت بیان کی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب قیامت کا ذکر

فرمایا کہ جو شخص نیک اعمال میں کمی کرتا ہے وہ دنیا سے محبت کرتا ہے اور دین کا تقاضا یہ ہے کہ نیک کام کرنے میں سبقت کی جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ کی کہ اس مطلوب سے زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ وحی الہی کو توجہ سے سنا جائے اور اللہ تعالیٰ اس وحی سے جو ارادہ کرتا ہے اس کو توجہ سے سمجھا جائے اور اللہ تعالیٰ کی وحی کو یاد کرنے کے درپے ہوا جائے، پس اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ اس وحی کو یاد کرنے میں جلدی نہ کی جائے کیونکہ اس کو یاد کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے اور انسان کو چاہیے کہ وہ اس پر غور کرے کہ اس کا رب اس سے کیا چاہتا ہے، پھر اس وحی کے حکم کی اتباع کرے، پھر جب یہ جملہ معترضہ ختم ہو گیا تو پھر کلام اس سابق کلام کے ساتھ مل گیا جس میں انسان کے ذکر سے ابتداء کی گئی ہے، پس فرمایا: کَلَّا (ہرگز نہیں) یہ ڈانٹنے اور جھڑکنے کا کلمہ ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلکہ اے بنی آدم! چونکہ تم کو غفلت سے پیدا کیا گیا ہے تو تم ہر چیز میں غفلت کرتے ہو۔ اسی وجہ سے تم العاجلہ یعنی دنیا سے محبت کرتے ہو امام فخر الدین رازی نے یہاں اور بھی متعدد مناسبات ذکر کی ہیں اور آخری مناسبت یہ ذکر کی ہے کہ اس سورت کے شروع میں نفس کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ آیت درج ذیل ہے:

وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝ (القیامہ: ۲) اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں ۝

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نفس مصطفیٰ کی طرف عدول فرمایا گویا کہ فرمایا یہ تمام نفوس کی شان ہے اور اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا نفس تمام نفوس سے اشرف اور افضل ہے اس لیے آپ کا حال تمام احوال سے زیادہ کامل ہونا چاہیے، اس لیے فرمایا: آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) غفلت سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔ (القیامہ: ۱۷)، (فتح الباری ج ۷ ص ۹۶، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

القیامہ: ۱۶ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کی توجیہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں فرمایا: آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) غفلت سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں ۝ (القیامہ: ۱۶) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کو بہت اہمیت کے ساتھ پڑھتے تھے کہ کہیں آپ اس کو بھول نہ جائیں اس لیے اپنی زبان کو جلدی حرکت دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی قرآن مجید کو یاد کرنا ہمارے ذمہ ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

- وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ سُدِّي هَمَلًا - حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سُدِّي کا معنی ہے: آزاد،

بے قید اور مہمل۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدِّي ۝ کیا انسان نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اس کو یونہی (آزاد) چھوڑ دیا

(القیامہ: ۲۶) جائے گا ۝

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: سُدِّي کا معنی ہے: مہمل یعنی کیا انسان نے یہ گمان کیا ہے کہ اس کو نہ کسی کام سے منع کیا جائے گا اور نہ کسی کام کا حکم دیا جائے گا اور اس کو یونہی آزاد اور مہمل چھوڑ دیا جائے گا، عرب کہتے ہیں: اسدیت حاجتی یعنی تم نے میری ضرورت کو مہمل چھوڑ دیا گویا اس کو پورا کیے بغیر چھوڑ دیا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۹۷)

وَقَالَ لِيُفْجَرَأَمَامَهُ سَوْفَ أَتُوبُ سَوْفَ أُعْتَلُ - حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لِيُفْجَرَأَمَامَهُ (یعنی وہ

مسلل گناہ کرتا رہے اور یہ کہتا رہے:) میں عنقریب توبہ کروں گا،

عنقریب نیک کام کروں گا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ ۖ (القيامة: ۳۶) بلکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے آگے بھی (یعنی آئندہ بھی)

برے کام کرتا رہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: حاصل معنی یہ ہے کہ انسان یہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ دائمًا گناہ کرتا رہے گا اور مستقبل میں بھی گناہوں پر قائم

رہے گا اور وہ یہ کہتا ہے کہ میں عنقریب تو بہ کروں گا اور میں عنقریب نیک عمل کروں گا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۸۵)

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے یعنی انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ مستقبل میں بھی برے کام کرتا رہے اور برے

کاموں کو بالکل ترک نہ کرے، سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ وہ شخص مسلسل گناہ کرتا ہے اور کہتا رہتا ہے کہ میں عنقریب تو بہ کر لوں گا حتیٰ کہ وہ

برے کاموں میں مشغول ہوتا ہے اور اسی حال میں اس پر موت آ جاتی ہے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۹۲ فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۳۳۱ھ)

لَا وَزَرَ لَا حِصْنَ - لَا وَزَرَ کا معنی ہے: کوئی قلعہ یعنی محفوظ جگہ نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَلَّا لَا وَزَرَ ۖ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ۖ ہرگز نہیں! اس دن کہیں پناہ نہ ہوگی ۝ اس دن آپ کے رب کی

طرف ہی ٹھہرنے کی جگہ ہوگی ۝ (القيامة: ۱۱-۱۲)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الوزر کی تفسیر الحصن یعنی قلعہ کے ساتھ کی ہے اور امام ابو نعیمہ نے کہا: اس کی تفسیر ہے:

الْمُنْجَا یعنی پناہ کی جگہ۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۸۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کے لیے نہ کوئی قلعہ ہوگا اور نہ کوئی پناہ کی جگہ ہوگی،

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں کہا: اس کے لیے قلعہ نہیں ہوگا، اور حسن بصری نے اس کی تفسیر میں کہا: گویا کہ کوئی مرد

اپنے موشیوں میں ہو اور اچانک گھوڑ سواروں کی جماعت اس پر حملہ کرنے کے لیے آجائے تو وہ کہتا ہے: الْوَزْرُ، الْوَزْرُ یعنی پہاڑ کی

طرف جا کر پناہ حاصل کرو۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۹۷-۹۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان

کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے

کہا: ہمیں موسیٰ بن ابی عائشہ نے حدیث بیان کی اور وہ ثقہ ہیں از

سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ اپنی زبان کو حرکت

دیتے۔ سفیان نے اس کی یہ صفت بیان کی کہ آپ اس آیت کو یاد

کرنے کا ارادہ کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: لَا

تُحَرِّكُ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۖ (القيامة: ۱۶) آپ (قرآن کو یاد

کرنے کے لیے) غلت سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں ۝

۳۹۲۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا

مُوسَى بْنُ أَبِي عَائِشَةَ وَكَانَ ثِقَةً عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ

إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ حَرَّكَ بِهِ لِسَانَهُ وَوَصَفَ سُفْيَانُ

يُرِيدُ أَنْ يَخْفِظَهُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ ﴿لَا تُحَرِّكُ بِهِ لِسَانَكَ

لِتَعْجَلَ بِهِ﴾ (القيامة: ۱۶)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵ میں گزر چکی ہے۔

۲۔ بَابُ: إِنَّ عَلَيْنَا جُوعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝

(القیامہ: ۱۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک اس کو (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے ۝ (القیامہ: ۱۷) کی تفسیر

علامہ عینی نے لکھا ہے: القرآن مصدر ہے جیسے رجحان اور نقصان مصدر ہیں۔

۳۹۲۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ أَنَّهُ سَأَلَ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى لَا تُحَرِّكُ بِهِ لِسَانَكَ قَالَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَانَ يُحَرِّكُ شَفَتَيْهِ إِذَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ فَقِيلَ لَهُ لَا تُحَرِّكُ بِهِ لِسَانَكَ يُخْشَى أَنْ يَنْفَلِتَ مِنْهُ إِنَّ عَلَيْنَا جُوعَهُ وَقُرْآنَهُ أَنْ نَجْعَهُ فِي صَدْرِكَ وَقُرْآنَهُ أَنْ تَقْرَاهُ فَإِذَا قَرَأْتَهُ يَقُولُ أُنْزِلَ عَلَيْهِ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ أَنْ نُبَيِّنَهُ عَلَى لِسَانِكَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از اسرائیل از موسیٰ بن ابی عائشہ، انہوں نے سعید بن جبیر سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق سوال کیا: لَا تُحَرِّكُ بِهِ لِسَانَكَ (القیامہ: ۱۷) آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) عجلت سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں ۝ تو انہوں نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب آپ پر کوئی آیت نازل کی جاتی تو آپ اپنے ہونٹوں کو ہلاتے تھے تو آپ سے کہا گیا: لَا تُحَرِّكُ بِهِ لِسَانَكَ آپ اس سے ڈرتے تھے کہ کہیں آپ بھول جائیں گے (اور یہ آیت نازل فرمائی: إِنَّ عَلَيْنَا جُوعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝) (القیامہ: ۱۷) بے شک اس کو (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھنا ہمارا ذمہ ہے ۝ یعنی اس کو آپ کے سینہ میں جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھنا ہمارا ذمہ ہے۔ فَإِذَا قَرَأْتَهُ (القیامہ: ۱۸) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب آپ پر قرآن نازل کیا جائے فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝ (القیامہ: ۱۸) (سو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں) ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۝ (القیامہ: ۱۹) یعنی ہم اس کو آپ کی زبان پر بیان کریں گے (اس کا معنی بیان کریں گے)۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵ میں گزر چکی ہے۔

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی نے لکھا ہے: اس کے بعد والی حدیث اس سے زیادہ مکمل ہے، سو اس حدیث کی شرح وہیں کی جائے گی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۹۷، عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۸۶)

۳۔ بَابُ: فَإِذَا قَرَأْتَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝

(القیامہ: ۱۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں ۝ (القیامہ: ۱۸) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی آپ قرآن مجید کے احکام پر عمل کریں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۸۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قرآنہ کا معنی ہے: جو ہم نے بیان کیا فاشیغ کا معنی ہے: آپ اس پر عمل کریں۔
حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی نے لکھا ہے: اس تفسیر کی علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے جس کی امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۹۷، عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۸۷)

۴۹۲۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ
مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ
عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ لَا تُحَرِّكُ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ قَالَ
كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا نَزَلَ جِبْرِيلُ بِالْوَحْيِ
وَكَانَ مِنْهُ يُخَرِّكُ بِهِ لِسَانَهُ وَشَفَتَيْهِ فَيَسْتَدُ عَلَيْهِ
وَكَانَ يُعْرِفُ مِنْهُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ الْكَلِمَةَ الَّتِي فِي لَا أُقْسِمُ
بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا تُحَرِّكُ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ
عَلَيْنَا جُنْعَهُ وَقُرْآنَهُ قَالَ عَلَيْنَا أَنْ نَجْعَهُ فِي
صَدْرِكَ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ فَإِذَا
أُنزِلْنَا فَاسْتَبِعْ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ عَلَيْنَا أَنْ نُبَيِّنَهُ
بِلِسَانِكَ قَالَ فَكَانَ إِذَا أَتَاهُ جِبْرِيلُ أَطْرَقَ فَإِذَا
ذُفِبَ قَرَأَهُ كَمَا وَعَدَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از موسیٰ بن ابی عائشہ از سعید بن جبیر از ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے لَا تُحَرِّكُ بِهِ لِسَانَكَ (القیامہ: ۱۶) کی تفسیر میں فرمایا کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس وحی لے کر آئے اور آپ (اسے یاد کرنے کے لیے) اپنی زبان اور اپنے ہونٹوں کو ہلاتے تو یہ (عمل) آپ پر سخت گزرتا اور اس کی سختی آپ سے پہچانی جاتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے وہ آیت نازل کی جو لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ (القیامہ: ۱۶) (میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں) میں ہے: لَا تُحَرِّكُ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۚ إِنَّ عَلَيْنَا جُنْعَهُ وَقُرْآنَهُ (القیامہ: ۱۶-۱۷) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اس قرآن کو آپ کے سینہ میں جمع کریں اور آپ کو پڑھائیں۔ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۚ یعنی جب ہم قرآن کو نازل کریں تو آپ اس کو غور سے سنیں ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (القیامہ: ۱۹) یعنی آپ کی زبان سے اس کو بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: پھر جب حضرت جبرئیل آپ کے پاس آتے تو آپ اپنا سر جھکا لیتے، پھر جب حضرت جبرئیل چلے جاتے تو آپ قرآن مجید کی اس آیت کو اسی طرح پڑھتے جس طرح اللہ عزوجل نے آپ سے وعدہ فرمایا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵ میں گزر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں سورۃ القیامت کی ۱۶-۱۹ آیات ذکر کی گئی ہیں، ان کا مربوط ترجمہ حسب ذیل ہے:

آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) غلت سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں ۚ بے شک اس (قرآن کو آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے ۚ سو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں ۚ پھر ہمارے ذمہ ہے اس کا بیان ۚ

نزول وحی کے وقت نبی ﷺ پر شدت اور سختی کی کیفیت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: جب حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے کر آئے اور آپ (اسے یاد کرنے کے لیے) اپنی زبان اور اپنے ہونٹوں کو ہلاتے تو یہ (عمل) آپ پر سخت گزرتا اور اس کی سختی آپ سے پہچانی جاتی تھی، یہ جملے اس کو بیان کرنے کی تمہید ہیں کہ نزول وحی کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت شدت اور سختی ہوتی تھی حتیٰ کہ سخت سردی کے موسم میں بھی آپ کی پیشانی پر پسینہ کے قطرے نمودار ہو جاتے تھے جیسا کہ ابتداء وحی کی حدیث میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کی حدیث میں اس کا بیان گزر چکا ہے اور یہ شدت اور سختی اللہ تعالیٰ کے کلام کے ثقل کی وجہ سے ہوتی تھی۔

آپ وحی کو یاد کرتے وقت زبان اور ہونٹ دونوں کو ہلاتے تھے، پھر قرآن مجید میں صرف زبان کا ذکر کیوں کیا گیا ہے

آپ اپنی زبان اور ہونٹوں کو ہلاتے تھے: ابو عوانہ اور اسرائیل نے صرف ہونٹوں کا ذکر کیا ہے اور سفیان نے صرف زبان کا ذکر کیا ہے اور دونوں کا ہلانا مراد ہے کیونکہ ان دونوں کا ہلانا ایک دوسرے کو لازم ہے یا اس سے مراد منہ کا ہلانا ہے جو زبان اور ہونٹوں پر مشتمل ہے لیکن چونکہ بات کرنے میں اصل زبان ہے اس لیے (القیامہ: ۱۶) میں صرف زبان کا ذکر کیا گیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلدی جلدی ہونٹ ہلانے کے دو سبب اور حضرت ابن عباس نے تو آپ کو ہونٹ ہلاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، پھر انہوں نے کیسے اس کا ذکر کیا

اسرائیل کی روایت میں ہے: کیا آپ اس لیے جلدی جلدی زبان ہلاتے تھے تاکہ آپ آیت کو یاد کر لیں اور وہ آپ کو بھول نہ جائے، اور طبری نے شعبی سے روایت کی ہے کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ اس کو جلدی جلدی دہراتے کیونکہ آپ کو وحی سے محبت تھی، اس محبت کی وجہ سے آپ غلت سے دہراتے تھے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ آپ کے جلدی جلدی دہرانے کے دو سبب ہوں، ایک یہ سبب تھا کہ وہ آیت آپ کو بھول نہ جائے اور دوسرا سبب یہ تھا کہ آپ کو وحی سے محبت تھی۔

ابو عوانہ کی روایت میں مذکور ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں اس طرح ہونٹوں کو ہلاتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونٹوں کو ہلاتے تھے اور سعید بن جبیر نے کہا: میں اس طرح ہونٹوں کو ہلاتا ہوں جس طرح میں نے حضرت ابن عباس کو ہونٹ ہلاتے ہوئے دیکھا ہے، سعید بن جبیر نے یہ قید لگائی ہے کہ جس طرح میں نے حضرت ابن عباس کو ہونٹ ہلاتے ہوئے دیکھا کیونکہ حضرت ابن عباس نے اس حال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کیونکہ یہ واقعہ بعثت نبوی کی ابتداء کا ہے اور حضرت ابن عباس اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں حضرت ابن عباس کو بتا دیا ہو کہ میں اس طرح جلدی جلدی ہونٹ ہلاتا تھا اور امام ابو داؤد الطیالسی نے ابو عوانہ کی سند سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سعید بن جبیر سے فرمایا: میں تمہیں اس طرح ہونٹ ہلا کر دکھاتا ہوں جس طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہونٹ ہلاتے ہوئے دیکھا۔ صحیح بخاری کی روایت میں مذکور ہے: میں ان دونوں کو اس طرح ہلاتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو ہلاتے تھے (صحیح البخاری: ۵) اور صحیح بخاری میں اس سے پہلے ہونٹوں کا ذکر نہیں ہے، اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ یہ راویوں کے تصرف کی وجہ سے ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کی دلیل اور اس پر امام رازی کا اعتراض

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتُجِبَلَ بِهِ: یعنی آپ کے جلدی جلدی ہونٹ ہلانے کے سبب سے تاکہ آپ کو وہ آیت یاد ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ اپنے اجتہاد سے ایسا کرتے تھے اور اس حدیث میں ان کی دلیل ہے جو نبی ﷺ کے اجتہاد کے قائل ہیں۔ امام فخر الدین رازی نے کہا ہے کہ پہلے آپ کو جلدی جلدی ہونٹ ہلانے اور آیت دہرانے کی اجازت دی ہو اور بعد میں اس سے منع فرما دیا ہوتا کہ آپ کو مشقت نہ ہو، لہذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ اپنے اجتہاد سے آیت کو دہراتے تھے۔

القیامہ: ۱۸ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دو تاویلیں

جب ہم قرآن نازل کریں تو آپ غور سے سنیں، اس کے بعد حدیث میں ہے: جب حضرت جبریل آپ کے پاس آتے تو آپ اپنا سر جھکا لیتے یعنی خاموش ہو جاتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی دو تاویلیں کی ہیں، ایک یہ ہے کہ جب آپ پر قرآن نازل کیا جائے تو آپ غور سے سنیں یعنی اس کے حلال پر عمل کریں اور اس کے حرام سے اجتناب کریں اور دوسری تاویل یہ کی ہے کہ جب آپ پر قرآن نازل کیا جائے تو آپ خاموش رہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ غور سے سننا خاموش رہنے کی بہ نسبت خاص ہے کیونکہ غور سے سننے کا مطلب ہے: کان لگانا اور خاموش رہنے کا مطلب ہے: بات نہ کرنا اور ان میں سے ایک دوسرے کو مستلزم نہیں ہے، اسی لیے قرآن مجید میں ہے:

فَاَسْمِعُوا آلَهُ وَانصِتُوا۔ (الاعراف: ۲۰۳)

خطاب کے وقت سے خطاب کے بعض الفاظ کے بیان کی تاخیر کا جائز ہونا اور اس پر بحث و تمحیص

لَمْ يَنْعَلِكُمْ اَنْ عَلَيْنَا بَيَانُهُ (القیامہ: ۱۹) یعنی پھر آپ کی زبان سے اس کو بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے O

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: حدیث کے اس جملہ سے جمہور اہل سنت نے یہ استدلال کیا ہے کہ خطاب کے وقت سے بیان کو مؤخر کرنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَمْ يَنْعَلِكُمْ اَنْ عَلَيْنَا بَيَانُهُ اور لَمْ يَنْعَلِكُمْ کا لفظ تاخیر کا تقاضا کرتا ہے، امام شافعی نے اس کی تصحیح کی ہے، سب سے پہلے اس آیت سے قاضی ابوبکر بن الطیب اور ان کے قسبیین نے استدلال کیا تھا اور یہ دلیل اسی وقت قائم ہو گئی جب بیان سے مراد قرآن مجید کے الفاظ کے معانی کو بیان کرنا ہو ورنہ اگر اس سے یہ مراد ہو کہ آپ کو قرآن مجید یاد رہے گا اور آپ کی زبان سے اس کا اظہار ہوگا تو پھر یہ دلیل نہیں بن سکے گی کیونکہ بیان کا معنی اظہار بھی آتا ہے، ستارہ جب ظاہر ہو تو کہا جاتا ہے بان الکوکب اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس آیت سے مراد تمام قرآن ہے یعنی تمام قرآن کو بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے اور مجمل الفاظ تمام قرآن نہیں ہیں بلکہ قرآن مجید کے بعض الفاظ ہیں اور اس آیت میں ایسا کوئی قرینہ نہیں ہے کہ یہاں قرآن سے مراد صرف بعض مخصوص الفاظ ہیں جو مجمل ہیں۔

ابو الحسن البصری نے کہا ہے کہ لَمْ يَنْعَلِكُمْ اَنْ عَلَيْنَا بَيَانُهُ سے مراد بیان تفصیلی ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بیان اجمالی کو مؤخر کرنا جائز ہے، لہذا اس مطلوب پر استدلال مکمل نہیں ہوگا اور اس پر یہ تعاقب کیا گیا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اظہار اور تفصیل دونوں معنوں کا ارادہ کیا جائے یعنی قرآن مجید کا آپ کی زبان سے اظہار کرنا ہمارے ذمہ ہے اور قرآن مجید کے مجمل الفاظ کی تفصیل کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے کیونکہ لَمْ يَنْعَلِكُمْ اَنْ عَلَيْنَا بَيَانُهُ میں بیان کا لفظ مضاف ہے اور جنس ہے، پس یہ بیان کی تمام اصناف اور اقسام کو شامل ہے یعنی قرآن مجید کو آپ کی زبان سے ظاہر کرنا اور قرآن مجید کے احکام کو بیان کرنا اور جو امور اس کے متعلق ہیں مثلاً کسی لفظ عام کی تخصیص کرنا اور کسی لفظ مطلق کو مقید کرنا اور کسی آیت یا اس کے حکم کو منسوخ قرار دینا، یہ سب امور قرآن

مجید کے بیان میں شامل ہیں، اس حدیث کے اکثر مباحث ہم اس سے پہلے بدء الوحی کی حدیث کی شرح میں بیان کر چکے ہیں اور بعض نکات نئے بیان کیے ہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۹۹-۹۸، دار المعرف، بیروت، ۱۴۲۶ھ)
 اَوَّلَىٰ لَكَ فَأَوَّلَىٰ تَوَعَّدُ
 اَوَّلَىٰ لَكَ فَأَوَّلَىٰ اس کا معنی ہے: عذاب کی وعید۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَوَّلَىٰ لَكَ فَأَوَّلَىٰ ۖ ثُمَّ اَوَّلَىٰ لَكَ فَأَوَّلَىٰ ۖ ﴿٣٥﴾
 تیرے لیے (مرتے وقت) خرابی ہو پھر تیرے لیے (قبر میں) خرابی
 ہو ۝ پھر تیرے لیے (حشر میں) خرابی ہو، پھر تیرے لیے (دوزخ
 میں) خرابی ہو ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت میں ابو جہل کی دھمکی پر وعید فرمائی گئی ہے اور یہ لفظ تہدید اور وعید کے لیے وضع کیا گیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اَوَّلَىٰ وَثْنِیْنِ کا الٹ ہے جو کہ ویل سے ماخوذ ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ابو جہل سے فرماتا ہے: جس دن سخت گرمی ہوگی اس دن تیرے لیے عذاب ہو اور جس دن تو مرے گا اس دن تیرے لیے عذاب ہو اور جس دن تو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا اس دن تیرے لیے عذاب ہو اور جس دن تو دوزخ میں داخل کیا جائے گا اس دن تیرے لیے عذاب ہو۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۸۷)

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے پہلی آیات (۳۱-۳۳) کا ترجمہ حسب ذیل ہے:
 نہ اس نے تصدیق کی اور نہ اس نے نماز پڑھی ۝ لیکن اس نے تکذیب کی اور روگردانی کی ۝ پھر وہ اپنے گھروالوں کی طرف اڑتا ہوا گیا ۝ (القیامہ: ۳۱-۳۳) یہ آیات ابو جہل کے متعلق نازل ہوئی ہیں، اس کے بعد ابو جہل کو وعید دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (ترجمہ)

تیرے لیے (مرتے وقت) خرابی ہو، پھر تیرے لیے (قبر میں) خرابی ہو ۝ پھر تیرے لیے (حشر میں) خرابی ہو، پھر تیرے لیے (دوزخ میں) خرابی ہو ۝ (انوار تبیان القرآن ص ۹۲۸، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)
 الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ القیامۃ کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور جو احادیث روایت کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ الانسان (الدہر) کی تفسیر میں امام نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۷۶۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْإِنْسَانِ (دھر)

سورة الانسان (دھر) کی تفسیر

سورة الانسان (الدھر) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الانسان (الدھر) کی بعض آیات کی تفسیر ہے، قتادہ، سدی اور سفیان نے کہا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور الکبی سے منقول ہے کہ اس کی چند آیات مدنی ہیں اور باقی مکی ہیں، وہ چند آیات یہ ہیں: وَيَطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ (الدھر: ۹، ۸) یہ آیت قَطْرِيًّا ○ تک ہے اور حسن بصری سے منقول ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس میں ایک آیت مدنی ہے اور وہ یہ ہے وَلَا تُطْعَمُهُمْ إِلَّا بِمَا كَفَرُوا ○ (الدھر: ۲۳)

دوسرا قول یہ ہے: اس کے متعلق حسن بصری اور کبھی کا قول صحیح نہیں ہے اور احادیث میں وارد ہے کہ یہ سورت مدینہ میں حضرت علی، حضرت فاطمہ اور ان کے صاحبزادوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ شیخ بنیم۔ ابن النقیب نے ذکر کیا ہے: یہ پوری سورت مدنی ہے یہ جمہور کا قول ہے، علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ یہ سورت سورة الرحمن کے بعد اور سورة الطلاق سے پہلے نازل ہوئی ہے اور اس میں اکتیس (۳۱) آیات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

يُقَالُ مَعْنَاهُ أَلَى عَلَى الْإِنْسَانِ وَهَلْ تَكُونُ جَعْدًا وَتَكُونُ خَبْرًا وَهَذَا مِنَ الْخَبَرِ يَقُولُ كَانَ شَيْئًا قَدْ يَكُنْ مَذْكُورًا وَذَلِكَ مِنْ جِبِينِ خَلْقِهِ مِنْ طِينٍ إِلَى أَنْ يُنْفَخَ فِيهِ الرُّوحُ۔

کہا جاتا ہے کہ انسان پر ایک دور آیا، اور هل کا لفظ (بھی) نفی کے معنی میں ہوتا ہے اور (کبھی) خبر ہوتا ہے (یعنی) قد کے معنی میں ہوتا ہے اور اس آیت میں هل خبر کے معنی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انسان پہلے کوئی چیز تھا لیکن قابل ذکر چیز نہ تھا اور یہ اس وقت تھا جب اس کو مٹی سے پیدا کیا یہاں تک کہ اس میں روح پھونک دی گئی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

هَلْ أَلَى عَلَى الْإِنْسَانِ جَعْدٌ مِنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا قَدْ كُنْ مَذْكُورًا ○ (الدھر: ۱)

یقیناً انسان پر زمانہ میں ایسا وقت آچکا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا ○

علامہ یعنی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا: کہا جاتا ہے: اس قول کا قائل الفراء ہے، اس نے کہا کہ لفظ هل کبھی استفہام کے لیے ہوتا ہے اور بعد کا جملہ اس کا صلہ ہوتا ہے اور لفظ هل نفی کے لیے ہوتا ہے اور کبھی لفظ هل تحقیق کے لیے ہوتا اور قد کے معنی میں ہوتا ہے، اور اس آیت میں انسان سے مراد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

اس آیت میں فرمایا: یقیناً انسان پر زمانہ میں ایسا وقت آچکا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔

یہ وقت چالیس (۴۰) سال کا عرصہ تھا جب اس کا پتلا اس میں روح پھونکے جانے سے پہلے مکہ اور طائف کے درمیان پڑا ہوا تھا، نیز فرمایا: اس وقت کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا، یعنی اس وقت اس کا کوئی ذکر کیا جاتا تھا اور نہ ہی اس کو پہچانا جاتا تھا اور نہ یہ معلوم تھا کہ اس کا نام کیا ہے اور نہ یہ معلوم تھا کہ اس سے کس چیز کا ارادہ کیا گیا ہے۔

أَمْشَاجُ الْأَخْلَاطِ مَاءُ الْمَرْأَةِ وَمَاءُ الرَّجُلِ الدَّمُ
وَالْعَلَقَةُ وَيُقَالُ إِذَا خُلِطَ مَشِيجٌ كَقَوْلِكَ خَلِيطٌ
سے ملا دی جائے تو اس کو مشیج کہتے ہیں جیسے تم کہو خلیط اور اس کو
مَنْشُوجٌ بھی کہتے ہیں جیسے مخلوط ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ - (الدہر: ۲)

بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے امشاج کی تفسیر کی ہے: مخلوط یعنی عورت کی منی اور مرد کی منی سے ملا جلا، امشاج کا لفظ مشج کی جمع ہے، علامہ ثعلبی نے کہا ہے: یہ لفظ جمع ہے اور معنی میں واحد ہے کیونکہ یہ لفظ نطفہ کی صفت ہے اور کبھی واحد کی صفت جمع کے صیغہ سے بھی لائی جاتی ہے جیسے کہا جاتا ہے: ثوب اخلاق یعنی پھنے پرانے کپڑے۔ امام بخاری نے کہا: عورت کا پانی اور مرد کا پانی، یہ اخلاط کی تفسیر ہے یعنی یہ دونوں پانی رحم میں مخلوط ہو جاتے ہیں اور ان دونوں سے بچہ پیدا ہوتا ہے، مرد کا پانی سفید اور گاڑھا ہوتا ہے اور عورت کا پانی زرد اور پتلا ہوتا ہے اور ان میں سے جو پانی بھی غالب ہو جائے بچہ اس کے مشابہ ہوتا ہے، اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری اور عکرمہ اور مجاہد اور ربیع سے مروی ہے، پھر امام بخاری نے کہا: اور خون اور جما ہوا خون، اصل عبارت اس طرح ہے کہ پھر وہ نطفہ خون بن جاتا ہے، پھر جما ہوا خون بن جاتا ہے، پھر گوشت بن جاتا ہے، پھر ہڈی بن جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس میں کئی اور تخلیق فرماتا ہے، اور امام بخاری نے کہا: جب کوئی چیز دوسری چیز سے مل جائے تو اس کو مشیج کہتے ہیں اور یہ فعل کا وزن مفعول کے معنی میں ہے یعنی مشیج کا لفظ مشوج کے معنی میں ہے اور خلیط کا لفظ مخلوط کے معنی میں ہے۔

سَلَا سَلًا وَأَغْلَلًا - سلا سلا داغلا اس کا معنی ہے: زنجیریں اور طوق۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّا آَعَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا ۝

(الدہر: ۳) آگ تیار کر رکھی ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: السلاسل، السلسلہ کی جمع ہے یعنی زنجیریں اور ہرزنجیر ستر (۷۰) ہاتھ کی ہوگی اور اغلال، غل کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: طوق پس زنجیریں کافروں کے گلوں میں ہوں گی اور طوق ان کے ہاتھوں میں ہوگا اور سعیر ایسی آگ ہے جو کبھی نہیں بجھے گی، اور دوسرا قول یہ ہے کہ سلاسل سے مراد بیڑیاں ہیں۔

میں کہتا ہوں: لغت کی کتابوں میں اور عرف میں طوق کے متعلق مذکور ہے کہ وہ گلے میں ہوتا ہے۔

وَلَمْ يُجْرِبْغُضُّهُمْ
اور بعض نے اس کو مجری نہیں کیا یعنی سلاسل کو منصرف نہیں پڑھا اور
اس پر تنوین داخل نہیں کی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: سَلَا سَلًا جمع منتهی المجموع ہے اور وہ غیر منصرف ہوتا ہے اور قاعدہ کے مطابق اس پر تنوین نہیں آتی، لہذا اس

کو سلاسل پڑھنا چاہیے لیکن اس کے بعد جو لفظ اغلا ہے اس پر تنوین ہے تو اس کی مناسبت سے سلاسل پر بھی تنوین آگئی اور اس کو سلاسل پڑھا گیا۔ امام بخاری فرماتے ہیں: بعض نے اس کو غیر منصرف ہی رکھا ہے اور اس پر تنوین داخل نہیں کی، امام بخاری کی یہ عبارت قدیم اصطلاح پر مبنی ہے، قدیم اصطلاح میں منصرف کو مجری اور غیر منصرف کو غیر مجری کہا جاتا ہے، اس لیے امام بخاری نے کہا لَمْ يُجْزِ بَعْضُهُمْ يَعْنِي بَعْضٌ نَاسٌ اس کو منصرف نہیں کیا غیر منصرف ہی رکھا ہے اور اس پر تنوین داخل نہیں کی۔

مُسْتَطِيرًا مُنْتَذًا الْبَلَاءِ۔
مُسْتَطِيرًا اس کا معنی ہے: جو مصیبت پھیلی ہوئی ہو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يُؤْفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ
اور نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر

پھیلا ہوا ہے O

مُسْتَطِيرًا (الدر: ۷)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مُسْتَطِيرًا کی تفسیر کی ہے: جو مصیبت پھیلی ہوئی ہو، اسی طرح اس کی القراء نے تفسیر کی

ہے، دوسرا قول ہے: جب کوئی چیز شدید ہو تو کہا جاتا ہے: زَائِدًا۔

وَالْقَطِيرُ الشَّدِيدُ يُقَالُ يَوْمٌ قَطِيرٌ وَيَوْمٌ قَطِيرٌ
وَالْعَبُوسُ وَالْقَطِيرُ وَالْعَصِيبُ أَشَدُّ مَا
القَطِيرُ اس کا معنی ہے: شدید اور سخت: کہا جاتا ہے: يَوْمٌ
قَطِيرٌ وَيَوْمٌ قَطِيرٌ یعنی مصیبت کا دن اور العبوس اور القَطِيرُ
اور القَطِيرُ اور العَصِيبُ ان چاروں الفاظ کا معنی ہے: وہ ایام جن
میں مصائب بہت شدید اور سخت ہوں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبَّنَا يَوْمًا غَاسِقًا ظَرِيرًا
بے شک ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں جو بے حد

(الدر: ۱۰) ترش اور بہت سخت ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: العَبُوسُ کا معنی ہے: تنگ یا تنگی اور القَطِيرُ کا معنی ہے: طویل اور
مجاہد سے منقول ہے کہ القَطِيرُ کا معنی ہے: وہ دن جس میں چیزوں کی کھال اکڑ جائے گی اور اس دن کی شدت سے آنکھیں پتھرا
جائیں گی اور الکسائی سے منقول ہے: بہت سردی والا دن۔

وَقَالَ الْحَسَنُ الْفُضْرَةُ فِي الْوَجْهِ وَالشُّدُورُ فِي الْقَلْبِ۔
اور حسن بصری نے کہا: الْفُضْرَةُ یعنی تروتازگی چہرے میں ہوتی ہے
اور سُورُور یعنی خوشی دل میں ہوتی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَوْ قَهَمُ اللَّهُ شَرَّ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَهَمُ نَصْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ
سو اللہ نے ان کو اس دن کے شر سے بچا لیا اور ان کو تروتازگی اور

(الدر: ۱۱) فرحت عطا فرمائی O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری کی یہ تفسیر صرف علامہ نسفی اور علامہ جرجانی کی کتاب میں ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْإِرَائِكُ الشُّدُّ وَقَالَ مَقَاتِلُ
السُّدُورِ الْجَمَالُ مِنَ الدَّرِّ وَالْيَاقُوتُ۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: الْإِرَائِكُ کا معنی ہے: سُورُور یعنی
تخت اور مَقَاتِلُ نے کہا سُورُور اس حسن کو کہتے ہیں جو موتیوں اور
یاقوتوں سے حاصل ہوتا ہے۔ (دار الفکر کے نسخہ میں جمال کا لفظ

ہے جس کا معنی حسن ہے اور صحیح لفظ جمال ہے جس کا معنی مسہری ہے
یعنی موتیوں اور یاقوتوں کی مسہری۔ سعیدی غفرلہ)

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَسْرَاطِ (الدہر: ۱۳)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الْأَسْرَاطِ کی تفسیر کی ہے: سرر، یہ سریر کی جمع ہے جس کا معنی ہے: تخت یا مسند، علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ الْأَسْرَاطِ وہ تخت ہیں جو مسہری میں ہوتے ہیں اور یہ اہل یمن کی لغت ہے اور مقاتل نے کہا: الْأَسْرَاطِ موتیوں اور یاقوتوں کی مسہری ہے جو سونے، چاندی اور مختلف جواہر سے بنی ہوگی، یہ تفسیر بھی صرف علامہ نسفی اور علامہ جرجانی کی کتاب میں ہے۔
وَقَالَ الْبَرَاءُ وَذَلِكَ قُطُوفُهَا يَنْقُطُونَ كَيْفَ شَاءُوا۔
وَذَلِكَ قُطُوفُهَا اس سے یہ مراد ہے کہ وہ جس طرح چاہیں پھلوں کو توڑ لیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَذَلِكَ قُطُوفُهَا تَذَلُّلًا (الدہر: ۱۳)

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت البراءؓ نے کہا اور پھلوں کے خوشے ان کے قریب کر دیئے جائیں گے تاکہ وہ جس طرح چاہیں پھلوں کو توڑ لیں یعنی خواہ وہ کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں یا لیٹے ہوں وہ جس حال میں بھی ہوں پھلوں کو توڑ سکیں۔ یہ تفسیر بھی صرف علامہ نسفی کی کتاب میں ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ سَلْسَبِيلًا حديد الحجرۃ۔
اور مجاہد نے کہا: سلسبیلہ کا معنی ہے: حَدِيدُ الْحَجَرَةِ یعنی بہت تیزی سے بننے والا چشمہ۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: یہ تفسیر بھی صرف علامہ نسفی کی کتاب میں ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۰۰)

دار الفکر کے نسخہ میں حَدِيدُ الْحَجَرَةِ چھپا ہوا ہے، صحیح لفظ وہ ہے جس کو ہم نے فتح الباری سے نقل کیا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)
وَقَالَ مَعْمَرٌ أَسْرَهُمْ شِدَّةُ الْخَلْقِ وَكُلُّ شَيْءٍ شَدَّتَهُ
اور معمر نے کہا: شَدَّ دَنَا أَسْرَهُمْ کا معنی ہے: ہم نے ان کی خلقت اور بناوٹ خوب مضبوط کی، اور جس چیز کو بھی تم مضبوطی سے باندھو جیسے پالان اور کاغھی وغیرہ اس کو ماسور کہتے ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی معمر بن المثنیٰ ابو عبیدہ نے کہا یا معمر بن راشد نے کہا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ (الدہر: ۲۸)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الاسر کی تفسیر کی ہے: مضبوط خلقت، جو گھوڑا بہت مضبوط ہو اس کو کہا جاتا ہے: یہ شَدِيدُ الْخَلْقِ ہے، امام بخاری نے کہا: قَتَبٌ یا غَبِيطٌ سے، قَتَبٌ کا معنی ہے: پالان اور غَبِيطٌ عورتوں کے اس پالان کو کہتے ہیں جس پر ہودج کو باندھا جاتا ہے اور غَبِيطٌ کی جمع غَبِطٌ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا ہے: معمر، اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد معمر بن راشد ہے کیونکہ امام عبدالرزاق از معمر از قتادہ روایت کرتے ہیں، پس حافظ ابن حجر نے زعم کیا کہ امام عبدالرزاق بھی اپنی تفسیر میں ان سے روایت

کرتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۰۰)

علامہ عینی لکھتے ہیں: زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ معمر بن راشد ہے اور معمر بن المثنیٰ ابو عبیدہ نہیں ہے کیونکہ امام بخاری نے کتاب التفسیر میں امام ابو عبیدہ سے بہت روایات ذکر کی ہیں اور کہیں ان کے نام کا ذکر نہیں کیا تو یہاں ان کے نام کا ذکر کیسے کرتے، اس لیے صاف ظاہر ہے کہ یہ معمر بن راشد ہے۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۹۰-۳۸۷ میں کی ہے]

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الدہر کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ المرسلات کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۷۔ تفسیر سورۃ والمرسلات

سورۃ المرسلات کی تفسیر

سورۃ المرسلات کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ المرسلات کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مکی ہے، یہ ابو العباس کا قول ہے اور اس میں ایک آیت مدنی ہے اور وہ یہ ہے: وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْكُفُوا أَلْأَنفُسَ كُفُّوا ۖ (المرسلات: ۴۸) علامہ سخاوی نے کہا: یہ آیت سورۃ البہزہ کے بعد اور سورۃ ق سے پہلے نازل ہوئی ہے، اس سورت میں پچاس (۵۰) آیات ہیں۔

المرسلات کا معنی ہے: تیز ہوائیں اور عرفا کا معنی ہے: جو لگا تار ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ) میں کہتا ہوں: ہم نے حسب ذیل آیات کی تفسیر میں لکھا ہے:

وَالْمُرْسَلَاتُ عُرْفًا ۖ فَالْعَصْفُ عَصْفًا ۖ وَالنَّشْرُ نَشْرًا ۖ فَالْفَرْقَتُ فَرْقًا ۖ فَالْمُلْقِيَةُ ذِكْرًا ۖ (المرسلات: ۱-۵)

ان ہواؤں کی قسم جو مسلسل بھیجی جاتی ہیں ○ پھر ان ہواؤں کی قسم جو بہت تیز چلتی ہیں ○ پھر ان ہواؤں کی قسم جو (بادلوں کو) پھیلاتی ہیں ○ پھر ان فرشتوں کی قسم جو حق اور باطل کو الگ الگ کرنے والے ہیں ○ پھر ان فرشتوں کی قسم جو (دلوں میں) ذکر ڈالنے والے ہیں ○

ان آیات کی تفسیر ہم نے اس طرح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر یہ فرمایا ہے کہ جس قیامت کے واقع ہونے کا اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے وہ ضرور آنے والی ہے، ان پانچ چیزوں کے ناموں کا اللہ تعالیٰ نے ذکر نہیں فرمایا لیکن ان کی صفات کا ذکر فرمایا ہے، اور ان کے موصوف کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے، بعض نے کہا: ان کا موصوف ہوائیں ہیں، بعض نے کہا: ان کا موصوف قرآن مجید ہے۔ بعض نے کہا: ان کا موصوف انبیاء مہمبہ السلام ہیں اور جمہور مفسرین نے یہ کہا کہ پہلی تین صفات کا موصوف ہوائیں ہیں اور بعد کی دو صفات کا موصوف فرشتے ہیں، امام ابن جریر اور حافظ ابن کثیر وغیرہم کا یہی مختار ہے اور ہم نے بھی اسی کے موافق ترجمہ کیا ہے۔ (انوار تبيان القرآن ص ۹۳۲، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ جَنَالَاتٌ جَبَالٌ۔ اور مجاہد نے کہا جمالات کا معنی ہے: (جہاز کی) موٹی رسیاں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرِّهَا كَالْقَصْرِ ۖ كَأَنَّهُ جَمَلٌ صَفَرٌ ۖ بے شک دوزخ محل کے برابر انگارے پھینکتی ہے ○ گویا وہ زرد

(المرسلات: ۳۲-۳۳) اونٹ ہیں ○

علامہ یعنی لکھتے ہیں: امام بخاری نے جملت کی تفسیر جبال یعنی رسیوں سے کی ہے، یہ وہ موٹی رسیاں ہیں جن کے ساتھ بڑی

کشتیوں یا جہازوں کو باندھا جاتا ہے، یہ اس وقت ہے جب اس لفظ کو جیم کے پیش کے ساتھ جُمْلَت پڑھا جائے اور جب اس کو زیر جُمْلَت پڑھا جائے تو یہ جَمَالَت کی جمع ہے اور جَمَالَت کا معنی ہے: اونٹنی کا نر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر سے مروی ہے: جُمْلَت صَفَر کا معنی ہے: جہازوں کی رسیاں جو بٹی ہوئی ہوتی ہیں۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: اس سے مقصود یہ ہے کہ جس آگ کے انگارے اتنے بڑے بڑے ہوں گے وہ آگ کتنی عظیم ہوگی اور اس آگ کے انگارے اڑ کر دوزخیوں پر گریں گے اور جس شخص کے اوپر بلندی سے محل کے برابر یا اونٹ کے برابر کوئی چیز آ کر گرے اس کا کیا حال ہوگا؟ سو جب دوزخیوں کے اوپر اتنے بڑے انگارے گریں گے تو ان کا کس طرح کچھ مر نکل جائے گا، پھر ان لوگوں کو بتایا جو ایمان نہیں لاتے اور کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں ان کو ایسے عذاب کا سامنا ہوگا، پس ان کو چاہیے کہ وہ اللہ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کریں اور اس دن کی تکذیب کرنے والوں کے لیے سخت عذاب اور ہلاکت ہے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۹۳۳، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

اِنْ كُفُّوا فَلَا يَصْلُوْنَ كُفُّوا کا معنی ہے: نماز پڑھو اور لَا يَصْلُوْنَ کا معنی ہے: وہ نماز نہیں پڑھتے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اِذَا قِيلَ لَهُمْ اِنْ كُفُّوا فَاَنْتُمْ كَافِرُونَ ﴿۲۸﴾ (المرسلات: ۲۸) اور جب ان سے کہا جاتا ہے: نماز پڑھو تو وہ نماز نہیں پڑھتے ۵ علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اِنْ كُفُّوا کی تفسیر کی ہے: صِلُوا یعنی نماز پڑھو اور لَا يَصْلُوْنَ کی تفسیر ہے: لَا يَصْلُوْنَ یعنی وہ نماز نہیں پڑھتے، اس آیت میں رکوع کا اطلاق کیا گیا ہے اور اس سے مراد نماز ہے، رکوع نماز کا جز ہے اور نماز کل ہے، سو اس آیت میں جز کا اطلاق کل پر کیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: متاعل نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت ثقیف کے متعلق نازل ہوئی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اسلام لے آؤ اور نماز پڑھو، انہوں نے کہا: ہم جھکیں گے نہیں یعنی رکوع نہیں کریں گے، یہ ہمارے لیے عیب ہے، آپ نے فرمایا: اس دین میں کوئی خیر نہیں ہے جس میں رکوع اور سجود نہ ہوں۔

(انوار تبیان القرآن ص ۹۳۳، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ قرآن مجید کی ایک آیت میں ہے: هَذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُونَ ﴿۳۵﴾ (المرسلات: ۳۵) یہ وہ دن ہے جس میں وہ (نفع آور) بات نہ کر سکیں گے ۵ اور دوسری آیت میں فرمایا: وَاللَّهُ سَمَّيْنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿۳۶﴾ (الانعام: ۳۶) اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے! ہم شرک کرنے والے نہ تھے ۵ (اور یہ آیت پہلی آیت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں انہوں نے کلام کیا ہے) اور تیسری آیت میں فرمایا: الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ آلِهَتِهِمْ - (نہ: ۲۵) ہم آج ان کے سونہوں پر مہر لگا دیں گے۔ (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سوال کے جواب میں)

وَسُيِّلَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا يَنْطِقُونَ وَاللَّهُ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ آلِهَتِهِمْ فَقَالَ إِنَّهُ ذُو الْوَابِ مَرَّةً يَنْطِقُونَ وَمَرَّةً يَخْتِمُ عَلَيْهِمْ۔

فرمایا: قرآن مجید نے کفار کے مختلف احوال بیان فرمائے ہیں، کبھی وہ بات کریں گے اور کبھی ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ان تین آیتوں میں کس طرح تطبیق ہوگی؟ ایک آیت میں فرمایا: وہ بات نہیں کر سکیں گے اور دوسری آیت میں فرمایا: ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور تیسری آیت میں فرمایا: وہ کہیں گے: اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم شرک کرنے والے نہ تھے اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ بات کریں گے۔ اور جواب کا حاصل یہ ہے: کہ قیامت کے دن کے متعدد احوال ہوں گے یعنی وہ بہت طویل دن ہوگا اور اس میں مختلف مقامات ہوں گے سو وہ ایک وقت میں بات کریں گے اور دوسرے وقت میں بات نہیں کر سکیں گے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۹۱-۳۹۰ میں بیان کی ہے]

باب

۱۔ باب

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ نے حدیث بیان کی از اسرائیل از منصور از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبداللہ بنی شہنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ پر سورۃ المرسلات نازل ہوئی اور ہم اس سورت کو آپ کے منہ سے حاصل کر رہے تھے، اس وقت ایک سانپ نکلا ہم اس پر چھپے، وہ ہم پر سبقت کر کے اپنے بل میں داخل ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ تمہارے شر سے بچا لیا گیا جس طرح تم اس کے شر سے محفوظ ہو گئے۔

۴۹۳۰۔ حَدَّثَنِي مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأُنْزِلَتْ عَلَيْهِ وَالْمُرْسَلَاتِ وَإِنَّا لَنَسْتَقْفَاهَا مِنْ فِيهِ فَخَرَجَتْ حَيَّةٌ فَأَبْتَدَرْنَاهَا فَسَبَقَتْهَا فَدَخَلَتْ جُحْرَهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَقَيْتُمْ شَرَّكُمْ كَمَا وَقَيْتُمْ شَرَّهَا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۸۳۰ میں گزر چکی ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبیدۃ بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن آدم نے خبر دی از اسرائیل از منصور اسی حدیث مذکور کی اور از اسرائیل از الاغش از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبداللہ (بن مسعود) بھی اسی حدیث کی مثل مروی ہے، اسود بن عامر نے اس کی متابعت کی ہے از اسرائیل اور حفص اور ابو معاویہ اور سلیمان بن قرم نے کہا از الاغش از ابراہیم از الاسود اور یحییٰ بن حماد نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے خبر دی از مغیرہ از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابن اسحاق نے کہا: از عبدالرحمن بن الاسود از والد خود از حضرت عبداللہ بن مسعود۔

۴۹۳۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ مَنْصُورٍ بِهَذَا وَعَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ مِثْلَهُ وَتَابِعَهُ أَسْوَدُ بْنُ عَامِرٍ عَنْ إِسْرَائِيلَ وَقَالَ حَفْصٌ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ وَسَلْيَمَانُ بْنُ قَرْمٍ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ الْأَسْوَدِ قَالَ يَحْيَى بْنُ حَمَادٍ أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مُغِيرَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ

امام بخاری نے اس حدیث کی دو سندیں بیان کیں اور ایک متابعت بیان کی اور تین تعلیقات بیان کیں، پھر ان سندوں، متابعت اور تعلیقات کے بعد درج ذیل حدیث کا متن بیان کیا:

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ
عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بَيْنَنَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ
اللَّهِ ﷺ فِي غَارٍ إِذْ نَزَلَتْ عَلَيْهِ وَالْمُرْسَلَاتِ
فَتَلَقَيْنَاهَا مِنْ فِيهِ وَإِنَّ فَاهُ لَرَطَبٌ بِهَا إِذْ خَرَجَتْ
حَيَّةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَيْكُمْ اقْتُلُوهَا قَالَ
فَابْتَدَرْنَاهَا فَسَبَقْتَنَا قَالَ فَقَالَ وَقِيَتْ شَرَّكُمْ كَمَا
وَقِيَتْكُمْ شَرَّهَا

ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے
حدیث بیان کی از الأعمش از ابراہیم از الأسود، انہوں نے کہا کہ
حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جس وقت ہم رسول اللہ ﷺ
کے ساتھ ایک غار میں تھے اس وقت آپ پر سورۃ المرسلات نازل
ہوئی، ہم اس کو آپ کے منہ مبارک سے حاصل کر رہے تھے اور آپ
کا منہ اس سورت کی تلاوت سے تر تھا، اس وقت ایک سانپ نکل آیا
تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو پکڑو اور اس کو قتل کر دو، ہم اس
کی طرف جھپٹے، وہ ہم پر سبقت کر کے نکل گیا، آپ نے فرمایا: وہ
تمہارے شر سے (یعنی تمہارے حملہ سے) محفوظ ہو گیا جس طرح تم
اس کے شر (یعنی اس کے ڈسنے سے) محفوظ ہو گئے۔

اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری: ۱۸۳۰ میں گزر چکی ہے۔

موذی جانوروں اور حشرات الارض کو قتل کرنے کے متعلق احادیث اور آثار

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۳ھ لکھتے ہیں:

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ محرم حالت احرام میں کن
جانوروں کو قتل کر سکتا ہے؟ انہوں نے کہا: مجھے نبی ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے کسی نے یہ حدیث بیان کی کہ آپ یہ حکم دیتے
تھے: کانٹے والے کتے کو قتل کر دیا جائے اور چوہے کو اور بچھو کو اور چیل کو اور کوئے کو اور سانپ کو اور فرمایا: نماز میں بھی قتل کر دیا جائے۔
(صحیح مسلم: ۱۲۰۰ (۲۷۶۰) دار الفکر، بیروت)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: پانچ جانور سب کے سب فاسق ہیں، ان
کو حرم میں قتل کر دیا جائے گا: کوا، چیل، کانٹے والا کتا، بچھو اور چوہا۔ (صحیح البخاری: ۱۸۲۹، صحیح مسلم: ۱۱۹۸ (۲۷۵۶)، سنن نسائی: ۲۸۸۵)
نافع بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ بھیڑیے
کو قتل کر دیا جائے اور چوہے کو اور چیل کو، پس پوچھا گیا: سانپ اور بچھو کو؟ تو انہوں نے کہا: ان کے متعلق بھی کہا جاتا ہے، یزید بن
ہارون نے کہا: یعنی محرم قتل کر دے۔ (سنن الدارقطنی ج ۲ ص ۲۳۲، سنن البیہقی ج ۵ ص ۲۱۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ محرم بھیڑیے اور سانپ کو قتل کر دے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۵۳۷۶)

عطاء نے کہا: بھیڑیے کو اور ہر حملہ کرنے والے جانور کو قتل کر دیا جائے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۵۳۷۷)

سانپ اور دیگر موذی جانوروں کو مارنے کے متعلق احادیث اور آثار کی روشنی میں مذاہب فقہاء

کانٹے والے کتے کے متعلق ابو عمر نے کہا ہے: اس سے مراد ہر کانٹے والا درندہ ہے اور خصوصیت سے کتا مراد نہیں ہے۔

(المہذب ج ۱ ص ۱۵۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کانٹے والا کتا شیر ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸۳۷۸-۸۳۷۹)

امام طبرانی نے حضرت ہبار بن الاسود سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عتبہ بن ابی لہب کے خلاف یہ دعا کی: اے اللہ!

اس کے اوپر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط کر دے تو اس کے اوپر شیر نے حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا۔ (المعجم الکبیر لطبرانی: ۱۰۶۰)

امام مالک سے منقول ہے: ہر وہ جانور جو لوگوں پر حملہ کرے اور ان کو کانٹے مثلاً شیر اور چیتا ان کو قتل کر دیا جائے گا اور جو جانور درندوں میں سے ہو اور حملہ نہ کرے جیسے بچو اور لومڑی تو ان کو محرم قتل نہ کرے، اگر اس نے قتل کر دیا تو اس کا فدیہ دے گا اور ابن القاسم مالکی نے کہا: وہ جانور جو ابتداءً لوگوں پر حملہ نہیں کرتے اور وہ چھوٹے جانور جو حملہ نہیں کرتے تو محرم کے لیے ان کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، اور علامہ نووی شافعی نے کہا ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ محرم کے لیے کانٹے والے کتے کو صل میں اور حرم میں قتل کرنا جائز ہے، اور کانٹے والے کتے سے مراد یہ ہے کہ جو کانٹے میں مشہور ہو، قاضی عیاض نے اس قول کو امام ابو حنیفہ اور اوزاعی سے بھی نقل کیا ہے اور بھیڑیے کو بھی اس کے ساتھ لاحق کیا ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النووی ج ۸ ص ۱۱۳، کمال المعلم ج ۲ ص ۲۰۳)

علامہ ابن بطلال نے کہا ہے: امام مالک نے سانپ کو قتل کرنے کی اجازت دی ہے اور انہوں نے کہا کہ یہ کانٹے والے کتے کے حکم میں ہے، اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کانٹے والے کتے کو صل اور حرم میں قتل کر دیا جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں رہنے والے سانپوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۵۲۳۹)

بعض علماء نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے حالانکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سانپوں کو مار ڈالو اور جو ان کے حملہ سے ڈرا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے، حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ۸۳۸۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۹۹۰۰-۱۹۸۹۶)

اور دوسرے علماء نے کہا ہے: گھروں میں رہنے والے سانپوں کو صرف ان کا عہد یاد دلانے کے بعد قتل کرنا جائز ہے، ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ میں ایسے جنات ہیں جو اسلام لا چکے ہیں، اگر تم ان میں سے کسی کو دیکھو تو ان کو تین دن تک کی مہلت دو، اگر اس کے بعد بھی وہ ظاہر ہوں تو ان کو مار ڈالو۔ (صحیح مسلم: ۲۲۳۶، ۵۷۳۳)

ابو السائب بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے گھر میں گئے، انہوں نے کہا: میں نے دیکھا وہ نماز پڑھ رہے تھے، میں بیٹھ کر ان کا انتظار کرتا رہا حتیٰ کہ ان کی نماز ختم ہو جائے، پھر میں نے گھر کی ایک جانب میں کسی کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا، پس میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ سانپ تھا، میں اس کو مارنے کے لیے دوڑا تو حضرت ابوسعید نے مجھے اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے گھر کی طرف اشارہ کیا، انہوں نے کہا: کیا تم اس گھر کو دیکھ رہے ہو، میں نے کہا: جی ہاں! انہوں نے بتایا کہ اس گھر میں ہمارا ایک نوجوان رہتا تھا جس کی نئی شادی ہوئی تھی، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خندق کی طرف گئے تو اس نوجوان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوپہر کے وقت جانے کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دی اور فرمایا: تم اپنا ہتھیار لے جاؤ کیوں کہ مجھے تم پر قریظہ کے حملہ کا خطرہ ہے، پھر وہ مرد اپنا ہتھیار لے کر گیا، پھر وہ لوٹا تو اس کی بیوی دو دروازوں کے درمیان کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے اس کو غیرت کی وجہ سے مارنے کا قصد کیا تو اس کی بیوی نے کہا: اپنے نیزے کو روکو اور گھر میں داخل ہوتی کہ تم دیکھ لو کہ میں کس وجہ سے باہر نکلی ہوں، وہ گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ بہت بڑا سانپ بستر کے اوپر ہے، اس نے اس پر نیزہ مارا، پھر نکلا اور اس نیزے کو گھر میں گاڑ دیا، پس وہ سانپ اس نوجوان پر لپٹ گیا، پھر چٹا نہیں چلا کہ ان میں سے کون پہلے مرادہ سانپ یا نوجوان، پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ہم نے اس واقعہ کا ذکر کیا اور ہم نے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اسے ہمارے لیے زندہ کر دے، پھر آپ نے فرمایا: تم اپنے ساتھی کے لیے استغفار کرو، پھر آپ نے فرمایا: مدینہ میں

ایسے جنات ہیں جو اسلام لائے ہیں، پس جب تم ان میں سے کوئی چیز دیکھو تو اس کو تین دن تک نکل جانے کے لیے کہو، پھر اس کے بعد بھی اگر ظاہر ہو تو اس کو مار ڈالو کیونکہ وہ شیطان ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۲۳۶ (۵۷۳۲) سنن ابوداؤد: ۵۲۵۷، سنن ترمذی: ۱۳۸۹)

اسی طرح ابن ابی ملیک نے عائشہ بنت طلحہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے غسل خانہ میں ایک سانپ کو دیکھا تو اس کو مار ڈالا، پھر آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ سے کہا گیا کہ آپ نے ایک مسلمان کو مار ڈالا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اگر وہ مسلمان ہوتا تو امہات المومنین کے پاس نہ آتا تو آپ سے کہا گیا: وہ آپ کے پاس اس وقت آیا تھا جب آپ کپڑے پہنے ہوئی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صبح کو خوف زدہ ہو کر اٹھیں، پھر آپ نے مسکینوں پر بارہ ہزار (دینار یا درہم حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے) صدقہ کیے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۰۵، کتاب الطیر: ۱۱۱۳، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۹)

امام مالک نے کہا ہے کہ میرے نزدیک مستحب یہ ہے کہ سانپوں کو بدینہ میں بھی ڈرایا جائے اور غیر بدینہ میں بھی اور جنگلوں میں نہ ڈرایا جائے اور بدینہ میں ڈرانا زیادہ واجب ہے اور دوسروں نے کہا کہ بدینہ اور غیر بدینہ دونوں میں ڈرانا واجب ہے کیونکہ سانپوں کو قتل نہ کرنے کی علت جنات کا مسلمان ہونا ہے اور کسی مسلمان کو قتل کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ جن ہو یا انسان ہو، اور سانپ کو قتل کرنے کی تاکید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں محرم کو یہ حکم دیا کہ وہ سانپ کو قتل کر دے۔ (صحیح مسلم: ۲۲۳۵ (۵۷۳۰))

امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ اگر محرم کاٹنے والے کتے کے سوا کسی کو قتل کر دے اور سانپ اور بچھو کو اور کوئے کو اور چیل کو اور بھیڑیے کو تو اس میں فدیہ دینا ہوگا سوا اس صورت کے کہ ان موذی جانوروں نے اس پر حملہ کرنے کی ابتداء کی ہو تو اس پر فدیہ نہیں ہے اور اس کے اونٹ پر جو چھڑیاں ہوں ان کو مار ڈالا جائے گا اور اس پر کوئی فدیہ نہیں ہے اور امام زفر نے کہا ہے کہ خواہ اس پر درندوں نے حملہ کیا ہو یا نہیں اس پر ہر صورت میں ان کو قتل کرنے کی وجہ سے فدیہ لازم ہوگا۔ (المکلی لابن حزم ج ۷ ص ۲۳۹)

اور امام طحاوی نے کہا ہے کہ محرم نہ سانپ کو قتل کرے اور نہ چھکلی کو اور نہ کسی اور جانور کو سوائے چیل اور کوئے اور بچھو اور کاٹنے والے کتے اور چوہے کے۔

اور امام مالک نے کہا ہے کہ تمام چار پاؤں والے درندوں کو قتل کر دیا جائے گا مگر کوئے اور چیل کو قتل کرنا مکروہ ہے سوا اس کے کہ وہ ایذا دیں اور لومڑی اور جنگلی بلی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور ان کو قتل کرنے سے فدیہ لازم ہے سوا اس صورت کے کہ وہ ابتداءً حملہ کریں، اور چھکلی اور بچھو اور اس کے اونٹ کی چھڑی کو قتل نہیں کیا جائے گا اور اگر اس نے ان کو قتل کر دیا تو وہ صدقہ میں کچھ طعام کھائے اور اگر اس نے پھاڑنے والے پرندوں کو قتل کر دیا تو اس پر فدیہ ہے اور جوں کو بھی مارا نہیں جائے گا، اگر مار دیا تو صدقہ میں کچھ طعام کھائے اور امام شافعی کے نزدیک لومڑی کو مارنے میں فدیہ لازم ہے۔ (المکلی لابن حزم ج ۷ ص ۲۴۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: چھکلی کو مار دو کیونکہ وہ شیطان ہے۔ (مصنف عبد الرزاق: ۸۳۹۸، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۹۸۹۳) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھکلی کو مارنے کا حکم دیا ہے اور اس کو فوسف فرمایا۔ (صحیح مسلم: ۲۲۳۸ (۵۷۳۷)، سنن ابوداؤد: ۵۲۶۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانوروں کو مارنے سے منع فرمایا: جیوٹی، شہد کی مکھی، ہڈ اور انورا (ایک پرندہ جو چھوٹے پرندوں کو شکار کرتا ہے)۔

(سنن ابوداؤد: ۵۲۶۷، سنن ابن ماجہ: ۳۲۲۳، مسند احمد ج ۱ ص ۳۲، مصنف عبد الرزاق: ۸۳۱۵)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہر وہ جانور جس کی طبیعت اور سرشت میں ایذا پہنچانا اور حملہ کرنا ہو خواہ اس سے فی الحال جان اور مال میں ایذا نہ پائی جائے تو اس کو مارنے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے پھاڑنے والے تمام درندے اور وہ چوپائے جن کا کھانا حرام ہے اور حملہ کرنے والے پرندے جیسے باز، عقاب اور شاہین وغیرہ اور وہ حشرات الارض جو ایذا پہنچاتے ہوں جیسے بھڑ (تتیا) اور پسوا اور مچھر اور مکھی وغیرہ اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

(المغنی لابن قدامہ ج ۵ ص ۱۷۷-۱۷۶) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۲ ص ۳۸۵-۳۶۷، ملخصاً وملحوظاً، وزارت الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ) مصنف کے نزدیک علامہ ابن قدامہ حنبلی نے جو کچھ لکھا ہے وہ احادیث اور آثار کے زیادہ موافق اور زیادہ قرین قیاس ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۲۔ بَابُ: إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرِّهَا كَالْقَصْرِ ①
(المرسلات: ۲۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک دوزخ محل کے برابر
انگارے پھینکتی ہے ② (المرسلات: ۲۳) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

شَرِّ ز کا معنی ہے: آگ جب بھڑکتی ہے تو اس سے جو چنگاریاں نکلتی ہیں اور اس کا واحد شَرِّ ز ہے۔

محل کے برابر: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: وہ چنگاریاں قلعوں کے برابر ہیں اور قصر کی جمع تصور ہے، اور مجہد سے منقول ہے کہ اس سے مراد درخت کی لکڑیوں کا گٹھا ہے اور سعید بن جبیر اور ضحاک سے منقول ہے کہ یہ کھجور کے درخت اور دوسرے بڑے بڑے درخت ہیں اور اس کا واحد قصر ہے جیسے شَرِّ ز اور شَرِّ ز اور حُمْرٌ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۹۳)

۴۹۳۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ
حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَابِسٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ
عَبَّاسٍ إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرِّ كَالْقَصْرِ قَالَ كُنَّا نَرْفَعُ
الْخَشَبَ بِقَصْرِ ثَلَاثَةِ أَذْرُعٍ أَوْ أَقَلَّ فَتَرْفَعُهُ لِدَبَشَاءٍ
فَنُسَبِّهِهِ الْقَصْرَ (صحیح البخاری: ۴۹۳۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمن بن عابس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے اس آیت انہا ترمی بشر کالقصر کی تفسیر میں فرمایا کہ ہم سردیوں کے موسم میں تین تین ہاتھ یا اس سے کم کی لکڑیوں کو اٹھا کر لاتے تھے اور ان کو ہم قصر کہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: گویا وہ زرداونٹ ہیں ③

(المرسلات: ۳۳) کی تفسیر

۳۔ بَابُ: كَانَهُ جُمَلَتْ صُفْرًا ④

(المرسلات: ۳۳)

علامہ عینی لکھتے ہیں: گویا وہ چنگاریاں زرداونٹوں کے برابر ہیں۔

۴۹۳۳۔ حَدَّثَنَا عُمَرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى أَخْبَرَنَا
سُفْيَانُ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَابِسٍ سَمِعْتُ ابْنَ
عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا تَرْمِي بِشَرِّ كَالْقَصْرِ قَالَ كُنَّا
نَعْبُدُ إِلَى الْخَشَبَةِ ثَلَاثَةَ أَذْرُعٍ أَوْ فَوْقَ ذَلِكَ فَتَرْفَعُهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے عبدالرحمن بن عابس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن

لَيْسَتَاءَ فَنَسِيهِ الْقَصْرَ كَأَنَّهُ جِمَالَتٌ صُفْرٌ جِبَالُ
السُّفُنِ تُجْنَعُ حَتَّى تَكُونَ كَأَوْسَاطِ الرِّجَالِ
(صحیح البخاری: ۴۹۳۲)

عباس رضی اللہ عنہما سے سنا وہ انہا تو میں بشر کا قصر کی تفسیر میں
فرماتے تھے، ہم سردیوں کے موسم میں تین تین ہاتھ یا اس سے
زیادہ کی لکڑیاں اٹھا کر لاتے تھے اور ان کو ہم قصر کہتے تھے۔
جملت صفر سے مراد جہاز یا کشتی کی رسیاں ہیں جو جمع کر کے رکھی
جائیں حتیٰ کہ وہ مردوں کی کمر کے برابر موٹی ہو جائیں۔

۴۔ بَابُ: هَذَا يَوْمٌ لَا يَنْطَقُونَ ⑤

(المرسلات: ۳۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: یہ وہ دن ہے جس میں وہ (نفع

آور) بات نہ کر سکیں گے ⑤ (المرسلات: ۳۵) کی تفسیر

ملازمہ یعنی لکھتے ہیں: یعنی قیامت کے بعض احوال میں وہ بات نہیں کر سکیں گے اور بعض احوال میں وہ ایک دوسرے سے بحث
کریں گے اور بعض احوال میں ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی تو وہ بات نہیں کر سکیں گے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۹۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے
حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث
بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعش نے حدیث بیان کی، انہوں
نے کہا: مجھے ابراہیم نے حدیث بیان کی از الاسود از حضرت
عبد اللہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ
ایک غار میں تھے اس وقت آپ پر سورۃ المرسلات نازل ہوئی،
آپ اس کو تلاوت فرما رہے تھے اور میں اس سورت کو آپ کے
منہ سے حاصل کر رہا تھا اور آپ کا منہ مبارک اس سے تر تھا، اس
وقت ہم پر ایک سانپ کودا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو قتل کر دو تو
ہم اس پر جھپٹے لیکن وہ سانپ نکل گیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
وہ تمہارے شر سے بچا لیا گیا جس طرح تم اس کے شر سے بچا لے
گئے۔ عمر نے کہا: میں نے اس حدیث کو منیٰ کی غار میں اپنے والد
سے یاد کیا۔

۴۹۳۴۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي
حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنْ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ
اللَّهِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي غَارٍ إِذْ
نَزَلَتْ عَلَيْهِ وَالْمُرْسَلَاتِ فَإِنَّهُ لَيَسْلُوهَا وَإِنِّي لَأَتَلَقَاهَا
مِنْ فِيهِ وَإِنْ فَاهُ لَرَطِبٌ بِهَا إِذْ وَثَبْتُ عَلَيْنَا حِينَهُ
فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اقْتُلُوهَا قَاتِلُوا قَاتِلُوا قَاتِلُوا قَاتِلُوا
فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَقِيَّتْ شَرُّكُمْ كَمَا وَقِيْتُمْ شَرُّهَا
قَالَ عُمَرُ حَفِظْتُهُ مِنْ أَبِي بِي بِي

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۸۳۰ میں بہت تفصیل سے گزر چکی ہے۔

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ المرسلات کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور جو احادیث روایت کی تھیں ان
سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز اس کے بعد سورۃ النبأ کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور
حدیث روایت کی ہے ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۷۸۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ عَمَّ یَتَسَاءَلُوْنَ

سورۃ نبا کی تفسیر

سورۃ نبا کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ النبأ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس میں چالیس (۴۰) آیات ہیں۔

عَمَّ کی اصل عَمَّا ہے، الف کو تخفیف کے لیے حذف کر دیا گیا اور جمہور نے اسی طرح قراءت کی ہے، یتساءلون کا معنی ہے: یہ مشرکین کس چیز کے متعلق سوال کرتے ہیں؟ (عمدة القاری ج ۱ ص ۳۹۴)۔ یہ سورۃ مکی ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) یہ سوال کرنے والے کفار تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دھمکانے کے لیے فرمایا: کَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿۱﴾ ثُمَّ کَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿۲﴾ (النبأ: ۵-۴) (ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے) پھر ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے (۰) اور دھمکانا صرف کفار کے لیے مناسب ہے۔ اس سے معلوم ہوا یہ کفار تھے جو ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے۔

(۲) کفار اور مومنین دونوں سوال کرتے تھے، رہے مومنین تو وہ اس لیے سوال کرتے تھے کہ دین میں ان کی بصیرت اور قیامت پر ان کا ایمان اور زیادہ قوی ہو جائے اور رہے کفار تو وہ اسلام کا مذاق اڑانے کے لیے اور اسلام کے خلاف لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات ڈالنے کے لیے سوال کرتے تھے۔

(۳) سوال کرنے والے کفار اور مشرکین تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے تھے کہ آپ جس قیامت کا ہم سے وعدہ کر رہے ہیں وہ کب آئے گی؟ (انوار بیان القرآن ص ۹۳۵، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

قَالَ مُجَاهِدٌ لَا يَرْجُونَ حِسَابًا وَلَا يُخَافُونَہ۔ مجاہد نے کہا: لَا يَرْجُونَ حِسَابًا کا معنی ہے: وہ (اعمال کے) حساب سے نہیں ڈرتے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ﴿۲۷﴾ (النبأ: ۲۷) بے شک وہ کسی حساب کی امید نہیں رکھتے تھے ۰

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کی ہے: وہ حساب سے نہیں ڈرتے تھے اور امام عبد بن حمید نے اپنی سند کے ساتھ اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ وہ حساب کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی تصدیق نہیں کرتے اور رجاء کا لفظ امید اور خوف دونوں کے لیے مستعمل ہے۔

صَوَابًا حَقًّا فِي الدُّنْيَا وَعَلَىٰ يَدِہ۔ صَوَابًا کا معنی ہے: جس نے دنیا میں حق بات کہی تھی اور اس پر عمل کیا تھا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝ (النبا: ۲۸)

جس دن جبرئیل اور تمام فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے، اس سے کوئی بات نہیں کر سکے گا سوا اس کے جس کو رحمن نے اجازت دی اور اس نے صحیح بات کہی O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کی ہے: جس نے دنیا میں حق بات کہی اور اس پر عمل کیا اور ابوصالح نے کہا: جس نے درست بات کہی اور دنیا میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا۔

لَا يَتَكَلَّمُونَ مِنْهُ خَطَابًا إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُمْ۔ (النبا: ۲۷) اس کا معنی ہے: اس سے وہی بات کر سکیں گے جس کو وہ اجازت دے گا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ثَرَاتِ السَّلَاطِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَنُ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ۝ (النبا: ۲۷)

جو آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے، نہایت رحم فرمانے والا ہے اس سے (بغیر اجازت) بات کرنے کا کسی کو اختیار نہ ہوگا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: لَا يَمْلِكُونَ کی ضمیر آسمانوں اور زمینوں والوں کی طرف راجع ہے یعنی ان کے اختیار میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ سے بات کر سکیں، دوسرا قول یہ ہے: انہیں اس کا اختیار نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ کہیں کہ وہ عذاب تم کو دے یا ثواب زیادہ کر دے سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اجازت دے اور اللہ تعالیٰ ان کو اجازت دے دے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: شَجَّاجًا کا معنی ہے: پانی گرایا ہوا یا پانی بہایا ہوا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً شَجَّاجًا ۝ (النبا: ۱۳)

اور ہم نے برسنے والے بادلوں سے زوردار بارش نازل کی O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے شَجَّاجًا کی تفسیر کی ہے: مُنْعَصِفًا یعنی پانی گرایا ہوا، اسی طرح امام ابو عبیدہ نے اس کی تفسیر کی ہے اور یہ صرف علامہ نسفی کی تفسیر ہے۔

الْفَاقَا کا معنی ہے: ایک دوسرے سے ملے ہوئے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجَنَّتِ الْفَاقَا ۝ (النبا: ۱۶)

اور گھنے باغات O

علامہ عینی لکھتے ہیں: علامہ شعبی نے کہا ہے: الْفَاقَا کا معنی ہے: ایک دوسرے سے ملے ہوئے یا جڑے ہوئے، اس کا واحد لَفَاقٌ ہے، اور دوسروں نے کہا: اس کا واحد لَفِيفٌ ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جمع الجمع ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نَوَّحًا جَا کا معنی ہے: روشن۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَهَاجَا مُضِيئًا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجَعَلْنَا بَرًا جَا وَهَاجَا ۝ (النبا: ۱۳)

اور ہم نے سورج کو چمکتا ہوا چراغ بنایا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے وَهَاجَا کی تفسیر مُضِيئًا کی ہے، امام ابن ابی حاتم نے بھی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن

شَهْرًا قَالَ أَبَيْتُ قَالَ أَرْبَعُونَ سَنَةً قَالَ أَبَيْتُ قَالَ
ثُمَّ يُنْزَلُ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيَنْبُتُونَ كَمَا يَنْبُتُ
الْبَقْلُ نَيْسَ مِنَ الْإِنْسَانِ شَيْئًا إِلَّا يَتْلَى إِلَّا عَظْمًا
وَاحِدًا وَهُوَ عَجْبُ الذَّنْبِ وَمِنْهُ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ۔

کسی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: چالیس دن کا وقفہ ہو
گا؟ انہوں نے کہا: میں نہیں کہہ سکتا، (پھر) کسی نے پوچھا:
چالیس مہینے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نہیں کہہ سکتا،
(پھر) کسی نے پوچھا: چالیس سال؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے
کہا میں نہیں کہہ سکتا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر اللہ تعالیٰ
آسمان سے (زندگی کی) بارش نازل فرمائے گا تو لوگ اس طرح
اگنے لگیں گے جس طرح سبزہ اگتا ہے، انسان کے بدن کی ہر چیز
کل جاتی ہے سوائے ریڑھ کی ہڈی کے، وہ نہیں گلے گی وہ اس مقام کی
ہڈی ہے جہاں جانور کی دم ہوتی ہے، قیامت کے دن اس ہڈی
سے مخلوق کو (دوبارہ) پیدا کیا جائے گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۱۴ میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نہیں کہہ سکتا یعنی میں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا تو میں اپنی عقل
سے از خود کچھ نہیں کہہ سکتا اور یہ معاملہ غیب سے متعلق ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۰۴)

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ النبأ کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور حدیث روایت کی تھی ان سب کی شرح
مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ النازعات کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور حدیث روایت کی
ہے ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۹۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ النَّازِعَاتِ

سورة والنازعات کی تفسیر

سورة والنازعات کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة النازعات کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس کا نام سورة السابرة بھی ہے، یہ سورت مکی ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، علامہ سخاوی نے کہا ہے: یہ سورت سورة النبأ کے بعد اور سورة الانقطار سے پہلے نازل ہوئی ہے، اس سورت میں چھ بیس (۴۶) آیات ہیں۔

النازعات کے معنی میں کئی اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فرشتے بنو آدم کی روحوں کو کھینچ کر نکالتے ہیں اور سعید بن جبیر نے کہا: موت روحوں کو نکالتی ہے، عطا اور مکرمہ نے کہا کہ ستارے ایک افق سے دوسرے افق کی طرف نکالے جاتے ہیں، وہ طلوع ہوتے ہیں، پھر غائب ہو جاتے ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ) زُجْرَةٌ صَيْحَةٌ۔ زُجْرَةٌ اس کا معنی ہے: چیخ اور چنگھاڑ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَمَاهِي زُجْرَةٌ ذَا جَدَّةٌ ① (النازعات: ۱۳)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے زُجْرَةٌ کی تفسیر چیخ کی ہے اور یہ صرف علامہ نسفی کی تفسیر میں ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ۔ اور مجاہد نے کہا تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ اس سے مراد ہے: زلزلہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ① (النازعات: ۶)

(تم کو ضرور مرنے کے بعد زندہ کیا جائے گا) جس دن لرزائے گی

لرزانے والی ①

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے راجفة کی تفسیر زلزلہ کے ساتھ کی ہے اور علامہ الشلبی نے کہا: جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو زلزلہ آئے گا اور ہر چیز حرکت کرے گی، یہ بھی صرف علامہ نسفی کی تفسیر میں ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْآيَةُ الْكُبْرَى عَصَاُ وَيَدُهُ۔ اور مجاہد نے کہا الْآيَةُ الْكُبْرَى سے مراد ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لٹھی اور ہاتھ (ید بیضاء)۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَمَاهِي الْآيَةُ الْكُبْرَى ① (النازعات: ۶)

پھر انہوں نے اسے بہت بڑی نشانی دکھائی ①

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو بہت بڑی نشانی دکھائی، مجاہد نے اس کی تفسیر ان کی لٹھی اور ان کے ہاتھ

سے کی ہے، جب ان کا ہاتھ بغل سے باہر نکلا تو وہ چمکتا ہوا سفید تھا۔ امام عبدالرزاق نے بھی از معمر از قتادہ اسی کی مثل روایت کی ہے۔
سَمَكُهَا بَنَاهَا بِغَيْرِ عَمَدٍ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

رَافِعَ سَمَكُهَا فَسَوَّيَهَا ۝ (الانعامات: ۲۸) اللہ نے اس کی چھت بلند کی پھر اس کو ہموار بنایا ۝

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے اس کو بغیر ستون کے بنایا اور علامہ ثعلبی نے کہا ہے اللہ نے اس کی چھت بلند کی اور انفرآء نے کہا ہے ہر وہ چیز جو دوسری چیز کو اٹھالے اس کے لیے سمک کہا جاتا ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس کو ہموار اور بغیر کسی شکاف کے بنایا، یہ بھی صرف علامہ نسفی کی تفسیر ہے۔

طَغَى عَمَى۔ طَغَى کا معنی ہے: اس نے تا فرمانی اور سرکشی کی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِذْ هَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى ۝ (الانعامات: ۱۷) کہ آپ فرعون کے پاس جائیں بے شک اس نے سرکشی کی ۝

علامہ مینی لکھتے ہیں: طَغَى کا لفظ طغیان سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: حد سے تجاوز کرنا۔

يُقَالُ الثَّائِرَةُ وَالشَّيْخَرَةُ سَوَاءٌ مِثْلُ الطَّامِعِ وَالطَّيِّعِ
وَالْبَاطِلِ وَالْبَهِيلِ وَقَالَ بَعْضُهُمُ الشَّيْخَرَةُ الْبَالِيَّةُ
وَالثَّائِرَةُ الْعَظْمُ السُّجُوفُ الَّذِي تَمُرُّ بِهِ الرِّيحُ
فَيَنْخَرُ۔ کہا جاتا ہے: النَّاخِرَةُ اور النُّخْرَةُ دونوں برابر ہیں جیسے الطَّامِعُ اور الطَّيِّعُ اور البَاطِلُ اور البَهِيلُ اور دوسروں نے کہا کہ نَخْرَةُ کا معنی ہے، گلی ہوئی ہڈی اور نَخْرَةُ کا معنی ہے: کھوکھلی ہڈی کہ جس میں ہوا داخل ہو تو اس سے آواز پیدا ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

عَرَادًا كَثَافًا مَّائِجَةً ۝ (الانعامات: ۱۱) کیا جب ہم گلی ہوئی ہڈیاں ہو جائیں گے ۝

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری کی تفسیر صحیح نہیں ہے، النَّاخِرَةُ اور النُّخْرَةُ دونوں برابر نہیں ہیں، النَّاخِرَةُ اسم فاعل ہے اور النُّخْرَةُ صفت مشبہ ہے اگرچہ دونوں کا معنی ایک ہے، دوسرا سقم یہ ہے کہ النَّاخِرَةُ اور النُّخْرَةُ مونث کے صیغے ہیں اور الطَّامِعُ اور الطَّيِّعُ اور البَاطِلُ اور البَهِيلُ مذکر کے صیغے ہیں، لہذا ان کے ساتھ مثال دینا صحیح نہیں ہے، اگر امام بخاری صَانِعَةً اور صَنْعَةً کی مثال دیتے تو درست ہوتا۔

امام بخاری نے کہا، اور دوسروں نے لکھا، اس سے مراد ابن الکلبی ہے، اہل کوفہ نے اس لفظ کو نَخْرَةُ پڑھا ہے اور حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے اس کو نَاخِرَةُ پڑھا ہے۔
میں کہتا ہوں: علامہ مینی نے امام بخاری کی تفسیر پر لفظی گرفت کی ہے مگر نہ معنوی اعتبار سے امام بخاری کی تفسیر پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْخَافِرَةُ الَّتِي أَمَرْنَا الْأَوَّلُ إِلَى الْحَيَاةِ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: الخافرة اس سے مراد ہماری وہ پہلی حالت ہے جو دنیا کی زندگی میں تھی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَقُولُونَ عَرَاتُ السَّزْدِ ذُؤُنٌ فِي الْحَاوِرَةِ ۝ (الانعامات: ۱۰) وہ کہتے ہیں: کیا ہم مرنے کے بعد ضرور زندگی کی طرف لوٹائے

جائیں گے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الحافرة کی تفسیر کی ہے: الی امرنا الاول یعنی پہلی حالت، اس سے مراد ہے، پہلی زندگی، کہا جاتا ہے: رجع فلان فی حافرتہ یعنی فلاں شخص اپنے اسی راستہ کی طرف لوٹ آیا جس سے وہ آیا تھا، امام ابن ابی حاتم نے اس تعلیق کی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ قرآن مجید نے ان مشرکین مکہ کی خبر دی ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کے منکر تھے، وہ یہ کہتے تھے کہ کیا ہم ضرور پہلی زندگی کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنی کیا ہمیں موت کے بعد اس طرح زندہ کیا جائے گا جس طرح ہم موت سے پہلے زندہ تھے، ان کی اس سے مراد پہلی حالت تھی، دوسرا قول یہ ہے کہ حافرة وہ زمین ہے جس میں ان کی قبریں کھودی گئی ہیں اور فاعل بہ معنی مفعول اور حافرة بہ معنی محفوظہ ہے اور زمین کو حافرة اس لیے فرمایا ہے کہ وہ کھودی ہوئی قبروں کا مستقر ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: اس آیت میں حافرة کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: پہلی حالت پر لوٹنا اور لے لے پاؤں پلٹنا، گویا مشرکین یہ کہتے تھے کہ آیا ہم مرنے کے بعد پہلی زندگی کی طرف لوٹ جائیں گے۔ حسن بصری نے کہا ہے: اس قول سے مشرکین نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کیا ہے یعنی ایسا کبھی نہیں ہوگا۔

وَقَالَ غَيْرُهُ أَتَيَانَ مُرْسَاها مَتَى مُنْتَهَاها وَمَوْسَى اور دوسروں نے کہا ہے: أَتَيَانَ مُرْسَهَا یعنی قیامت کی انتہاء کب ہوگی، مُرْسَى کا لفظ مُرْسَى الشَّيْئَةِ سے ماخوذ ہے جہاں کشتی اخیر میں جا کر ٹھہرتی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ○
یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب

(النازعات: ۴۴) ہوگا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کی ہے کہ اس کی انتہاء کب ہے اور ضمیر قیامت کی طرف راجع ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ قیامت کا ذکر فرماتے تھے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا جاتا تھا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوگئی۔

الزَّاجِفَةُ النَّفْخَةُ الْأُولَى۔ الزَّاجِفَةُ اس سے مراد ہے: پہلی بارصور میں پھونکن۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَوْمَ تَرْجُفُ الزَّاجِفَةُ ○ (النازعات: ۶)
جس دن لرزائے گی لرزائے والی ○

یہ تعلیق اس سے پہلے بھی گزر چکی ہے۔

الزَّادِفَةُ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ۔ تَتَّبِعُهَا الزَّادِفَةُ اس سے مراد: دوسری بارصور میں پھونکنا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

تَتَّبِعُهَا الزَّادِفَةُ ○ (النازعات: ۷)
پھر اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی ○

علامہ عینی نے مؤخر الذکر دونوں تعلیقوں کی شرح نہیں کی اور نہ حافظ ابن حجر نے ان کی شرح کی ہے، تاہم علامہ عینی اور حافظ ابن حجر نے ان تعلیقوں کے بعد اس حدیث کا ذکر کیا ہے جو باب: میں آرہی ہے اور بقیہ تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ

القاری ج ۱۹ ص ۳۹۸-۳۹۶ میں کی ہے۔

۱۔ بَابُ

بَابُ

۳۹۳۶۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحَبَّاذِ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَخْرُجُ قَالَ بِأَصْبَعَيْنِهِ هَكَذَا بِالنُّوَطِ وَالَّتِي تَحْتَ الْإِبْهَامِ يُعِشْتُ وَالشَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ۔
(صحیح البخاری: ۵۳۰۱، صحیح مسلم: ۲۹۵۰)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن المقدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الفضل بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو حازم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی درمیانی انگلی اور جو انگلی انگوٹھے کے قریب ہے اس سے اس طرح اشارہ کیا اور فرمایا: مجھے اور قیامت کو اس طرح (ملا ہوا) بھیجا گیا ہے جس طرح یہ دو انگلیاں ہیں۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: اس حدیث سے قیامت کے جلد آنے کی طرف اشارہ ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۹۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: أَعْطَشُ کا معنی ہے: تاریک کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَعْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ صُحُفَهَا ۝ (النازعات: ۲۹) اور اس کی رات تاریک کر دی اور اس کا دن روشن کر دیا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے: تاریک کر دیا، یہ صرف علامہ نسفی کی تفسیر میں ہے۔

النَّظَامَةُ تُطْمَعُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ۔
النَّظَامَةُ اس کا معنی ہے: جو ہر چیز پر چھا جائے اور غالب آجائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَإِذَا جَاءَتْ النَّظَامَةُ الْكُبْرَى ۝ (النازعات: ۳۴) پس جب بڑی مصیبت آجائے گی O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے النَّظَامَةُ کی تفسیر کی ہے: جو ہر چیز پر غالب آجائے، علامہ ثعلبی نے کہا: النَّظَامَةُ اس مصیبت

کو کہتے ہیں جس کو برداشت کرنے کی طاقت نہ ہو۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۹۹)

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ النازعات کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور حدیث روایت کی تھی ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز اس کے بعد سورۃ عبس کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۸۰۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ عَبَسَ

سورۃ عبس کی تفسیر

سورۃ عبس کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ عبس کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور اس کا نام سورۃ السفرۃ بھی رکھا گیا ہے اور اس میں بیالیس (۳۲) آیات ہیں۔
علامہ سخاوی نے کہا ہے: یہ سورت سورۃ القدر سے پہلے اور سورۃ النجم کے بعد نازل ہوئی ہے۔

امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ یہ سورت حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جو نابینا تھے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور یہ کہتے رہے کہ یا رسول اللہ! مجھے ہدایت دیجئے اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مشرکین کے بڑے بڑے مرد بیٹھے ہوئے تھے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابن ام مکتوم سے اعراض کرتے رہے اور دوسروں کی طرف متوجہ ہوئے تو یہ سورت نازل ہوئی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

عَبَسَ وَتَوَلَّى كَذًا وَأَعْرَضَ۔
عَبَسَ کا معنی ہے: كَذًا وَأَعْرَضَ یعنی منہ بنایا اور پیٹھ پھیر لی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

عَبَسَ وَتَوَلَّى ○ (عبس: ۱)
رسول چیں بہ جیں ہوئے اور انہوں نے منہ پھر لیا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے عبس کی تفسیر کی ہے: كَذًا یعنی منہ بنایا، یہ امام ابو عبیدہ کی تفسیر ہے اور جو انہوں نے اس کی تفسیر اَعْرَضَ کی ہے یہ دوسروں کی تفسیر ہے اور متقدمین کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عَبَسَ کا فاعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور علامہ داؤدی کا یہ نہایت ناموس قول ہے کہ اس کا فاعل وہ کافر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ابی بن خلف تھا، اس قول کی امام عبدالرزاق نے از قادم روایت کی ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ شخص امیہ بن خلف تھا، اس قول کی امام سعید بن منصور نے روایت کی ہے اور امام ابن مردودہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ربیعہ کے دو بیٹوں عتبہ اور شیبہ سے خطاب کر رہے تھے اور ایک اور سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ایسی مجلس میں تھے جس میں مشرکین میں سے ابو جہل اور عتبہ وغیرہ تھے اور یہ روایت دیگر اقوال کی جامع ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس سورت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ان آیات پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تادیب اور ملامت کے مستحق تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن ام مکتوم کو ملامت کرنے کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں عتاب فرمایا؟
رہا یہ کہ حضرت ابن ام مکتوم ملامت کے مستحق کیوں تھے، اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) حضرت ابن ام مکتوم نابینا ہونے کی وجہ سے اگرچہ یہ نہیں دیکھ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرداران قریش سے گفتگو فرما رہے ہیں کیونکہ ان کی سماعت تو صحیح تھی، وہ کفار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کی آواز سن رہے تھے، پس ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

کلام کو منقطع کرنا اور نبی ﷺ کی غرض پوری ہونے سے پہلے اپنی غرض پوری ہونے کی کوشش کرنا نبی ﷺ کو ایذا پہنچانا ہے اور یہ عظیم معصیت ہے۔

(۲) اہم کام کو مقدم کیا جاتا ہے، حضرت ابن ام مکتوم اسلام لا چکے تھے اور دین کی تعظیم حاصل کر چکے تھے اور سردارانِ قریش ابھی اسلام نہیں لائے تھے اور ان کا اسلام لانا ایک عظیم جماعت کے اسلام لانے کا سبب تھا اور حضرت ابن ام مکتوم کا اس کام میں مداخلت کرنا ایک معمولی کام کی خاطر ایک عظیم خیر کو منقطع کرنے کا سبب تھا اس لیے ان کا یہ اقدام (بہ ظاہر) حرام تھا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ (الحجرات: ۴)

بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں ۝

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو صرف نداء کرنے سے منع فرمایا اور حضرت ابن ام مکتوم کی نداء کفار کے ایمان قبول کرنے کو قطع کرنے کے حکم میں تھی اور رسول اللہ ﷺ کی مہم کے پہ ظاہر خلاف تھی، لہذا اس کا ذنب اور معصیت ہونا ظاہر ہے، سو حضرت ابن مکتوم کا فعل پہ ظاہر گناہ تھا اور رسول اللہ ﷺ کا فعل واجب تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر کیوں عتاب فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہ ظاہر ایسا ہی تھا لیکن انبیاء کو فقراء پر اور سرداروں کو کمزوروں پر مقدم کرنے سے فقراء کے دل ٹوٹ جاتے، اس وجہ سے آپ پر عتاب کیا گیا جب کہ آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ فقراء کو نہ دھتکاریں، قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْعَدْوَةِ وَالْعَیْشِ - اور آپ ان لوگوں کو نہ دھتکاریں جو صبح اور شام اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں۔ (الانعام: ۵۲)

(انوار جہان القرآن ص ۹۳۱ فرید ہک اسٹال، لاہور، کراچی، ۱۴۳۱ھ)

اور ان کے غیر نے کہا: مُطَهَّرُونَ ﴿۱۴﴾ (مبس: ۱۴) اس کی مثل ہے لَا
يَسْتَسْئِلُونَ إِلَّا الْمَطَهَّرُونَ ﴿۱۵﴾ (الواقہ: ۷۹) (اس کتاب کو صرف
پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں) ﴿۱۶﴾ اور وہ فرشتے ہیں اور اس کی مثل
انہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: قَالُمَدَّ يَتَاتِي أَمْوَئًا ﴿۱۷﴾ (النازعات: ۵)
(پھر ان کی قسم جو) (نظام کائنات کی) تدبیر کرنے والے ہیں ﴿۱۸﴾
انہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اور صحیفوں کو پاکیزہ یا پاک کیا ہوا فرمایا
کیونکہ صحیفوں پر تطہیر کا وقوع ہوتا ہے، پس تطہیر کو صحیفوں کے حاملین
کی مثل قرار دیا۔

وَقَالَ غَيْرُهُ مُطَهَّرَةٌ لَا يَسُهَا إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ وَهَمَّ
السَّلَامُكَ وَهَذَا مِثْلُ قَوْلِهِ فَإِنَّ الدَّيْرَاتِ أَمْرًا جَعَلَ
السَّلَامُكَ وَالضُّحْفَ مُطَهَّرَةً لِأَنَّ الضُّحْفَ يَقَعُ عَلَيْهَا
الشُّطْهِيرُ فَجُعِلَ الشُّطْهِيرُ لِسَنِّ حَمَلِهَا أَيْضًا

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

۱۱۔ **فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مِّمَّا رُفِعَ لَهُ** ﴿۱۱﴾
 ۱۲۔ **سُفْرًا لِّكُتُبٍ رَّحِمَ اللَّهُ رِزْقًا لِلْعَالَمِينَ** ﴿۱۲﴾

یہ عزت والے صحیفوں میں ہے ۰ جو بلندی والے پاکیزہ ہیں ۰
 ان کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے ۰ جو عزت والے نیک ہیں ۰

ملاہ میں لکھتے ہیں: امام بخاری نے الطہورۃ کی تفسیر اس آیت سے کی ہے: اس کتاب کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں O (الواقفہ: ۷۹) یعنی جب کہ صحیفے طہیر کے وصف کے ساتھ متصف ہوتے ہیں تو صحیفوں کے حاملین یعنی فرشتوں کو بھی طہیر اور پاکیزگی

کے وصف کے ساتھ متصف فرمایا اور یہ اس طرح ہے جس طرح یہ آیت ہے: پھر ان کی قسم جو (نظام کائنات کی) تدبیر کرنے والے ہیں ○ (النارعات: ۵) کیونکہ تدبیر کرنا گھوڑوں کے سواروں کی صفت تھی تو یہ صفت گھوڑوں کے حاملین کو بھی دی گئی یعنی ان کے سواروں کو، پس فرمایا: **قَالَ الْمَدْيَرَاتِ أَمْوَرًا** ○۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس توجیہ میں تکلف ہے، علامہ معنی فرماتے ہیں: اس کا بیان یہ ہے کہ صحیفوں پر اس تطہیر کا اطلاق نہیں کیا جاتا جو تجنیس یعنی نجاست کے خلاف حقیقتاً ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ صحیفے اس سے پاک ہیں کہ وہ سگار کے ہاتھوں میں واقع ہوں، دوسری توجیہ یہ ہے کہ وہ صحیفے کلام اللہ کے غیر سے پاک ہیں، پس وہ خالص وحی اور محض حق ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْغُلْبُ الْمُنْتَفَةُ وَالْأَبْتُ مَا يَأْكُلُ اور مجاہد نے کہا: الغلب کا معنی ہے: **الْمُنْتَفَةُ** یعنی ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور گھنے اور **الْأَبْتُ** کا معنی ہے: جس کو مویٹی کھاتے

ہیں یعنی چارا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَحَدَّثَنَا أَبِي عَنْ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي نَجْمَةَ وَأَبْنَاءِ (بخاری: ۳۰-۳۱) اور گھنے باغات ○ اور میوے اور مویٹیوں کا چارا ○

علامہ معنی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الغلب کی تفسیر کی ہے: **الْمُنْتَفَةُ**، یہ التیفاف سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے: وہ چیزیں جو ایک دوسرے سے ملی ہوئی اور گھنی ہوں، اور **الْأَبْتُ** کا معنی ہے: جس تر اور خشک گھاس کو مویٹی کھاتے ہیں اور حسن بصری سے منقول ہے کہ وہ گھاس پھوس ہے جس کو چوپائے کھاتے ہیں اور انسان نہیں کھاتے، اور علامہ الشعلبی نے کہا ہے: الغلب کا معنی ہے: گھنے درخت اور اس کا واحد اغلب ہے اور اس معنی میں موی گردن والے کو بھی اغلب کہا جاتا ہے اور قتادہ سے منقول ہے کہ النخل کا معنی ہے: بھجوروں کے درخت۔

سَفَرَةُ السَّلَاحِ كَتَّةٌ وَاحِدُهُمْ سَافِرٌ سَفَرَتْ أَصْلَحَتْ بَيْنَهُمْ وَجُعِلَتْ السَّلَاحُ إِذَا نَزَلَتْ بِوَحْيِ اللَّهِ وَتَأْدِيَتِهِ كَالسَّفِيرِ الَّذِي يُصْدِحُّ بَيْنَ الْقَوْمِ سفرۃ اس کا معنی ہے: ملائکہ یعنی فرشتے اور اس کا واحد سافر ہے اور سَفَرَتْ کا معنی ہے: میں نے ان کے درمیان صلح کرائی اور فرشتے جب اللہ کی وحی لے کر نازل ہوتے ہیں اور اس کو پہنچاتے ہیں تو ان کو اس سفیر کی طرح قرار دیا جو لوگوں کے درمیان صلح کراتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَا أَيُّهَا سَفَرَةُ ○ (بخاری: ۱۵) ان کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے ○

علامہ معنی لکھتے ہیں: اور سفرۃ کا واحد سافر ہے اور قتادہ نے کہا: اس کا واحد سفیر ہے، امام بخاری نے کہا ہے کہ سفرۃ کا معنی ہے: میں نے لوگوں کے درمیان صلح کرائی، اس میں یہ اشارہ ہے کہ اسی سے سفیر کا لفظ ماخوذ ہے جو اللہ کا رسول ہوتا ہے اور قوم کا سفیر بھی وہ ہوتا ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کراتا ہے، اور حضرت ابن عباس اور مقاتل سے منقول ہے کہ سفرۃ کا معنی ہے: لکھنے والے اور یہ وہ فرشتے ہیں جو کرمانا کا تبین ہیں اور اسی وجہ سے کتاب کو سفر کہا جاتا ہے اور اس کی جمع اسفار ہے۔ تا دینہ کا لفظ اداء سے بنا ہے اور تاریخ کا لفظ ادب سے بنا ہے نہ کہ اداء سے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ تَصَدَّى تَغَافَلَ عَنْهُ اور تصدی اس کا معنی ہے: آپ اس سے غفلت کرتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَنْتَ لَهُ تَصَدَّى ۝ (نہس: ۶)

تو آپ اس کے درپے ہیں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تصدی کی تفسیر کی ہے: تغافل، یہ اصل میں تتغافل تھا، اسی طرح تصدی اصل میں تتصدی تھا، پس دو تاؤں میں سے ایک تاء کو حذف کر دیا گیا، علامہ زحشری نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے: جو آپ سے مستغنی ہوتا ہے (یعنی مشرکین) آپ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور یہی تفسیر مناسب اور مشہور ہے اور صاحب التلویح نے کہا ہے کہ صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں تصدی کی تفسیر تغافل کے ساتھ ہے اور جو دوسری تفسیروں میں ہے: وہ یہ ہے کہ تصدی کا معنی ہے: آپ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور یہی درست ہے اور اسی پر اکثر مفسرین کا اتفاق ہے۔

حافظ ابن حجر نے بھی امام بخاری پر یہی اعتراض کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۰۷)

میں کہتا ہوں: ہم نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے: استغنی کا معنی ہے: مال و دولت سے غنی ہونا کیونکہ آپ جن کو تبلیغ کر کے مسلمان کرنے کی کوشش کر رہے تھے وہ سب اصحاب ثروت اور مال دار لوگ تھے اور آپ کو توقع تھی کہ اگر یہ لوگ اسلام لے آئے تو ان کی اتباع میں بہت لوگ اسلام قبول کر لیں گے تو آپ ان کے درپے ہیں، اس کا معنی ہے: آپ ان کو مسلمان کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ (انوار تبیان القرآن ص ۹۴ فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۳۳۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَّنَا يَنْقُضُ لَا يَنْقُضُ أَحَدٌ مَا أَمَرَ بِهِ۔ اور مجاہد نے کہا: لَّنَا يَنْقُضُ کا معنی ہے: ابھی تک کسی انسان نے اس عمل پر پورا حکم نہیں کیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَلَّا لَنَنْقُضَنَّ مَا أَمَرْنَا ۝ (نہس: ۲۳)

بے شک اس نے اللہ کے حکم پر ابھی تک عمل نہیں کیا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کی تفسیر ظاہر ہے اور مجاہد کی عبارت میں ہے: ابھی تک کسی انسان نے اس حکم پر عمل نہیں کیا جو اس پر فرض کیا گیا تھا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تَرْهَقُهَا تَغْشَاهَا شِدَّةٌ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تَرْهَقُهَا اس کا معنی ہے: اس کو شدت ڈھانپ رہی ہوگی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

تَرْهَقُهَا قَشْوَةٌ ۝ (نہس: ۴۱)

ان پر سیاہی چھائی ہوگی ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تفسیر امام ابن ابی حاتم سے منقول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے چہرے پر اندھیرا، ذلت، مصیبت اور سیاہی ہوگی اور ابن زید سے منقول ہے کہ غبرة اور قشوة یعنی گرد و غبار اور سیاہی میں یہ فرق ہے کہ گرد و غبار آسمان کی طرف سے یعنی اوپر کی طرف سے آتا ہے اور سیاہی زمین کے نچلے حصہ کی طرف سے آتی ہے۔

مُسْفَرَةٌ مُسْفَرَةٌ۔ مُسْفَرَةٌ اس کا معنی ہے: روشن اور چمک دار۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ مُسْفَرَةٌ ۝ (نہس: ۳۸)

اس دن کئی چہرے چمکتے ہوئے ہوں گے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تفسیر بھی امام ابن ابی حاتم سے منقول ہے۔

بِأَيْدِي سَفَرَةٍ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَتَبَتْهُ أَسْفَارًا كُتِبَا۔
 بِأَيْدِي سَفَرَةٍ (بمیں: ۱۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے
 فرمایا اس کا معنی ہے کتابوں یعنی صحائف اعمال کو لکھنے والے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تفسیر مکرر ہے اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

سورۃ الجمعہ میں جو أَسْفَارًا کا لفظ ہے (الجمعة: ۵) وہ بھی اسی سے ماخوذ ہے۔

تَلَّهِيَ تَشَاغَلَ۔
 تَلَّهِيَ اس کا معنی ہے: (آپ دوسروں کی طرف) مشغول ہوتے
 ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَّهِيَ (بمیں: ۱۰) تو آپ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: تلہی اصل میں تلہی تھا ایک تاء کو حذف کر دیا گیا، علامہ تعلبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے اس کا معنی ہے
 آپ اس سے اعراض کر کے دوسروں کی طرف مشغول ہوتے ہیں۔

يُقَالُ وَاحِدُ الْأَسْفَارِ سَفَرٌ۔
 کہا جاتا ہے اسفار کا واحد سفر ہے یعنی کتاب۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس کی نظیر درج ذیل آیت ہے:

كَشَلُ الْجِمَامِ يَحُولُ أَسْفَارًا (الجمعة: ۵)
 اس تفسیر کو دوبارہ بالتبع ذکر کیا ہے، ابوذر کے نسخہ میں یہ تفسیر نہیں ہے۔

فَأَقْبَرُهُ يُقَالُ أَقْبَرْتُ الرَّجُلَ جَعَلْتُ لَهُ قَبْرًا قَبْرَتُهُ
 دئی اور کہا جاتا ہے قَبْرَتُهُ یعنی میں نے اس کو دفن کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَمْ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ (بمیں: ۲۱) پھر اس کو موت دی، پس اس کو قبر میں پہنچایا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: القراء نے کہا ہے: جعلته مقبوراً کہا اور جعلت له قبراً نہیں کہا کیونکہ قبر بنانے والا تو دفن کرنے والا
 ہے اور امام ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ فاقبره کا معنی ہے: میں نے اس کی قبر بنادی اور جو اس کو اپنے ہاتھ سے دفن کرتا ہے وہی اس کی قبر
 بنانے والا ہے۔ [علامہ عینی نے ان تمام تعلیقات کی شرح عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۰۱-۴۹۹ میں کی ہے]

باب ۱۔ باب

۴۹۳۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ
 قَالَ سَمِعْتُ زُرَّارَةَ بْنَ أَوْفَى يُحَدِّثُ عَنْ سَعْدِ بْنِ
 هِشَامٍ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَثَلُ
 الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهُوَ حَافِظٌ لَهُ مَعَ السَّفَرَةِ
 الْكِرَامِ الْبَرَّةِ وَمَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ وَهُوَ يَتَعَاهَدُهُ وَهُوَ
 عَلَيْهِ شَدِيدٌ فَلَهُ أَجْرَانِ۔ (صحیح مسلم: ۸۹۸)

باب
 امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی،
 انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا:
 ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے زرارہ بن
 اوفیٰ سے سنا وہ از سعد بن ہشام حدیث بیان کرتے ہیں از حضرت
 عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: جو شخص قرآن مجید پڑھتا
 ہے اس کی مثل ہے کہ وہ اسفرۃ الکرام کے ساتھ ہوگا (یعنی معزز

فرشتوں کے ساتھ ہوگا) جو اعمال لکھنے والے ہیں اور اس شخص کی مثال جو قرآن مجید پڑھتا ہے اور اس کو یاد کرنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ اس پر دشوار ہو تو اس کے لیے دوا اجر ہیں۔

قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے حافظ کی مثال اور معزز فرشتوں کے ساتھ ہونے کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مثل الذی: اس کا معنی ہے: اس حافظ قرآن کی صفت، جس طرح قرآن مجید میں ہے:

اس جنت کی صفت جس کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ (الرعد: ۳۵)

مع السفرۃ: علامہ ابن التین نے کہا ہے: وہ لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہوگا جس تلاوت کی وجہ سے وہ ثواب کا مستحق ہوگا۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: لفظ مثل زائد ہے ورنہ اس لفظ کے درمیان اور لکھنے والے فرشتوں کے درمیان کوئی رابطہ نہیں ہوگا

کیونکہ اذی موصول اور صلہ مل کر مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ جو شخص قرآن مجید پڑھتا

ہے وہ لکھنے والے معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ مَثَل مَثِیل اور شبیہ کے معنی میں ہو اور تقدیر عبارت اس

طرح ہے، جو شخص قرآن مجید پڑھتا ہے وہ معزز فرشتوں کے مشابہ ہے۔ جو قرآن مجید کو یاد کرتا ہو اور وہ اس پر دشوار ہو تو اس کے

لیے دوا اجر ہیں: یعنی تلاوت کے اعتبار سے اور یاد کرنے کی مشقت کے اعتبار سے، یہ علامہ قرطبی کا قول ہے۔

اگر تم سوال کرو کہ جو شخص حافظ ہو اور وہ قرآن مجید کی تلاوت کرے تو وہ معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا تو اس کا کیا معنی ہے؟ میں

کہتا ہوں: اس کے دو معنی ہیں: ایک معنی یہ ہے کہ اس کے لیے ایسی منازل ہوں گی جن میں وہ معزز فرشتوں کا رفیق ہوگا کیونکہ وہ

ان کی صفات کے ساتھ متصف ہے اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ معزز فرشتوں کا عمل کرے گا اور ان کے مسلک پر چلے گا۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ جو شخص قرآن مجید کو یاد کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کو یاد کرنا اس پر دشوار ہے تو اس کے لیے

دوا اجر ہیں، اس میں اختلاف ہے کہ آیا حافظ کی بہ نسبت اس کے دوا اجر ہیں یا مطلقاً اس کا اجر زیادہ ہوگا کیونکہ وہ قرآن مجید کو یاد

کرنے میں مشقت اٹھاتا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۰۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورہ عبس کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور جو حدیث روایت کی تھی ان سب کی شرح

مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز اس کے بعد سورۃ التکویر کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی

جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۸۱۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ

سورۃ اذا الشمس کورت (سورۃ التکویر) کی تفسیر

سُورَةُ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (سورة التکویر) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ التکویر کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور اس میں اسی (۲۹) آیات ہیں:

میں کہتا ہوں: ہم نے لکھا ہے: تکویر کا معنی ہے: کسی چیز کے بعض اجزاء کو اس کے اوپر لپیٹنا جیسے عمامہ کو سر کے اوپر لپیٹا جاتا

ہے۔ اس سورت میں فرمایا ہے:

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ (التکویر: ۱)

جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا

سورج کو لپیٹنے کا معنی یہ ہے کہ سورج کے بعض اجزاء کو لپیٹ کر پھینک دیا جائے گا اور جب ایسا کیا جائے گا تو اس کی روشنی جاتی

رہے گی۔ (جامع البیان جز ۳۰ ص ۸۶)

انکدرت اس کا معنی ہے: جب وہ منتشر ہو جائیں یا بکھر جائیں۔

انكَدَرَتْ اِشْتَثَرَتْ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اور جب ستارے جھڑ جائیں گے

وَإِذَا النُّجُومُ اُفْكَرَتْ ۝ (التکویر: ۲)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے انکدرت کی تفسیر اِشْتَثَرَتْ کی ہے یعنی جب ستارے بکھر جائیں اور آسمان سے زمین پر گر

جائیں، انکدر الطائر اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی پرندہ گر جائے، حضرت ابن عباس سے اس کی تفسیر منقول ہے: جب ستارے

متغیر ہو جائیں گے۔

حسن بصری نے کہا ہے کہ سُجُوت کا معنی ہے کہ سمندر کا پانی سوکھ

وَقَالَ الْحَسَنُ سُجِرَتْ ذَهَبَ مَاؤُهَا فَلَا يَبْقَى قَطْرَةٌ

جائے اور اس میں ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے اور مجاہد نے کہا ہے

وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْمَسْجُورُ الْمَبْلُوءُ وَقَالَ غَيْرُهُ سُجِرَتْ

المسجور کا معنی ہے: بھرا ہوا، اور دوسروں نے کہا ہے کہ

أَفْضَى بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ فَصَارَتْ بَحْرًا وَاحِدًا۔

سُجُوت کا معنی ہے کہ سمندر کے اجزاء ایک دوسرے سے مل

جائیں گے اور تمام سمندر مل کر ایک سمندر ہو جائے گا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے

وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ (التکویر: ۶)

علامہ عینی لکھتے ہیں: حسن بصری کی تفسیر ظاہر ہے اور اسی طرح السدی نے کہا ہے اور ابن زید اور ابن عطیہ اور سفیان اور وہب

بن منبہ نے کہا ہے: جب سمندر بھڑکائے جائیں گے اور وہ آگ ہو جائیں گے اور مجاہد نے وَالْبَحْرُ الْمَسْجُورُ ۝ (الطور: ۶) کی تفسیر

میں کہا ہے: اس سے مراد بھرا ہوا سمندر ہے، ہر چند کہ یہ لفظ اس سورت میں نہیں ہے لیکن امام بخاری نے اس کی تفسیر کو سجوت کی مناسبت سے ذکر کر دیا ہے، امام بخاری نے کہا: اور دوسروں نے بیان کیا یعنی مجاہد یا حسن بصری کے علاوہ دوسروں نے بیان کیا۔ اور یہ مقفل اور ضحاک کا قول ہے۔

وَالْخُنُسُ تَخْنِسُ فِي مُجَرَّاهَا تَرْجِعُ وَتَكْنِسُ تَسْتَتِرُ وَالْخُنُسُ: اس کا معنی ہے: تخنس یعنی وہ اپنے چلنے کی جگہ میں پھر لوٹ آتے ہیں اور تکنس: کا معنی ہے: چھپ جاتے ہیں جس طرح برن چھپ جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَا أَقْسِمُ بِالْخُنُسِ ۝ الْيَوْمَ يَكُونُ الْكَافِرُ أَلْفًا ۝ (الحکویر: ۱۵، ۱۶)

میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے ستاروں کی ○ چلنے پھرنے والے چھپنے والے ستاروں کی ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: القراء نے کہا ہے: الْخُنُسُ پانچ ستارے (سیارے) ہیں جو چلتے چلتے آخر میں جا کر پلٹ آتے ہیں، پھر جاتے ہیں، ان پانچوں کے یہ نام ہیں: (۱) بہرام (۲) زحل (۳) عطارد (۴) زہرہ (۵) مشتری۔ روایت کیا گیا ہے کہ قبیلہ مراد کا ایک مرد تھا جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کو بیان کیا۔

الْخُنُسُ الْيَوْمَ الْكَافِرُ: القراء نے کہا: یہ وہ ستارے ہیں جو دن میں چھپ جاتے ہیں، پس دکھائی نہیں دیتے اور رات میں اپنے چلنے کی جگہوں پر پہنچ جاتے ہیں۔ خُنُس کا اصل میں معنی ہے: اپنی پناہ گاہ کی طرف لوٹنا اور یہ وہ جگہیں ہیں جن کی طرف برن وغیرہ وحشی جانور پناہ لیتے ہیں اور کہا گیا ہے: خُنُس کا معنی ہے: نیل گائے جب وہ انسان کو دیکھتی ہے تو اپنی پناہ گاہ میں چھپ جاتی ہے، امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ عمرو بن شریل سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا: خُنُس کیا ہیں؟ انہوں نے کہا: میرا گمان ہے وہ نیل گائے ہیں، حضرت ابن مسعود نے فرمایا: میرا بھی یہی گمان ہے اور خُنُس کائنات کی جمع ہے کُنُس کائنات کی جمع ہے جیسے زُفْر زُفْر کی جمع ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے لکھا ہے: الْخُنُسُ کا لفظ خُنُس اسم فاعل کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: پیچھے ہٹ جانے والے، پھر جانے والے، رک جانے والے، چھپ جانے والے، مفسرین کے نزدیک اس سے مراد ستارے ہیں جو دن میں چھپ جاتے ہیں اور کُنُس کا لفظ کُنُس اسم فاعل کی جمع ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الْكُنُس سے مراد وہ ستارے ہیں جو رات میں نظر آتے ہیں اور دن میں چھپ جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے۔ (انوار جہان القرآن ص ۹۴۲، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

تَنْفَسُ اِذَا تَفَعَّمَ الشَّهَارُ۔ تنفس کا معنی ہے: دن چڑھ جائے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالضُّحَىٰ ۝ اِذَا شَفَّسَ ۝ (الحکویر: ۱۸)

اور صبح کی جب چمکنے لگے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس کی تفسیر ظاہر ہے۔

وَالطُّنِينُ: اس کا معنی ہے: الْكُثْمُ یعنی جس پر تہمت لگی ہو۔

وَالطُّنُونِ اس کا معنی ہے: جو غفل کرے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا مَوْ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۝ (الکوثر: ۲۳)

اور وہ (نبی) غیب کی خبر دینے پر بخیل نہیں ہیں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الظنّین کی تفسیر کی ہے: مُشْتَهَمٌ اور الضنّین کی تفسیر کی ہے: جو بخل کرے، علامہ ثعلبی نے کہا ہے: یعنی سیدنا محمد ﷺ غیب پر یعنی وحی پر اور آسمان کی خبر پر اور ان کو جس علم غیب پر مطلع کیا جاتا ہے ضنّین نہیں ہیں یعنی بخیل نہیں ہیں، سو وہ تم پر غیب کی خبر دینے میں بخل نہیں کریں گے بلکہ تم کو تعلیم دیں گے اور اس غیب کی خبر دیں گے، پھر علامہ ثعلبی نے کہا: یہ لفظ ظاء کے ساتھ ظنّین بھی ہے یعنی وہ جس غیب کی خبر دیتے ہیں اس میں ان پر تہمت نہیں ہے، علامہ نسفی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے: ظاء اور ضاد میں فرق کرنا واجب ہے اور ان کے مخارج کی معرفت ضروری ہے کیونکہ اکثر جمعی لوگ ان دونوں حرفوں میں فرق نہیں کرتے اور علامہ جوہری نے فصل الضاد میں کہا ہے کہ جب تم کسی چیز کے ساتھ بخل کرو تو کہتے ہو: ضنّنت بالشیئی اور فصل الضاء میں لکھا ہے: الظنّین کا معنی ہے: الْمُشْتَهَمُ اور الظَّنُّہ کا معنی ہے: تہمت۔

وَقَالَ عُمَرُ الْتَفُوسُ رُوحَتُ يُزَوِّجُ نَظِيرَهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ ثُمَّ قَرَأَ أَحْشَرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وَإِذَا التُّفُوسُ رُوحَتُ ۝ (الکوثر: ۷) کی تفسیر میں کہا ہے کہ اہل جنت اور اہل نار میں سے ہر ایک کی اس کی نظیر کے ساتھ شادی کر دی جائے گی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس

آیت کی تلاوت کی: أَحْشَرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ۔ (الصافات: ۲۲) ظالموں کو اور ان کی ازواج کو جمع کرو۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اہل جنت میں سے کسی مرد کی اس کی نظیر کے ساتھ شادی کر دی جائے گی اور اہل دوزخ میں سے کسی مرد کی اس کی نظیر کے ساتھ شادی کر دی جائے گی، اس تعلیق کی امام عہد بن حمید نے از حضرت النعمان بن بشیر از حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، اور الکلبی نے کہا: مومن کی زوجہ بڑی آنکھوں والی حور ہو گی اور کافر کی بیوی شیطان ہو گی (یعنی جنیہ) اور الربیع بن خثیم نے کہا ہے: ہر مرد اپنے صاحب عمل کے ساتھ آئے گا۔ اہل جنت میں سے اپنی نظیر کے ساتھ اور اہل دوزخ میں سے اپنی نظیر کے ساتھ اور حسن بصری نے کہا: ہر مرد کو اس کے گروہ کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور عکرمہ نے کہا: زانی مرد کا زانی عورت کے ساتھ حشر کیا جائے گا، بدکار مرد کا بدکار عورت کے ساتھ اور نیک مرد کا نیک عورت کے ساتھ حشر کیا جائے گا۔

عَشَّسَ اس کا معنی ہے: پیٹھ موڑنا۔

عَشَّسَ أَذْبَر۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالْأَيْلُ إِذَا عَشَّسَ ۝ (الکوثر: ۱۷)

اور رات کی (قسم)! جب وہ جانے لگے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اذْبَر کی جو تفسیر کی ہے یہی تفسیر امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے کی ہے اور زجاج نے کہا ہے: جب رات آئے تو کہتے ہیں: عَشَّسَ الْأَيْلُ اور جب رات جائے تب بھی کہتے ہیں: عَشَّسَ، لہذا یہ لفظ دوسروں کے درمیان مشترک ہے۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۰۳-۳۰۴ میں کی ہے]

الحمد للہ رب العالمین سورۃ الکوثر کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ الانفطار کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۸۲۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ إِذَا الشَّيَاطِينُ انْفَطَرَتْ

سُورَةُ إِذَا الشَّيَاطِينُ انْفَطَرَتْ کی تفسیر

سُورَةُ إِذَا الشَّيَاطِينُ انْفَطَرَتْ (الانفطار) کا تعارف

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الانفطار کی بعض آیات کی تفسیر ہے۔ یہ سورت مکی ہے اور اس میں انیس (۱۹) آیات ہیں۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

انْفِطَارُهَا انْشِقَاقُهَا۔ انفطار ہا اس کا معنی ہے: آسمان کا پھٹنا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِذَا الشَّيَاطِينُ انْفَطَرَتْ (الانفطار: ۱) جب آسمان پھٹ جائے گا

علامہ عینی لکھتے ہیں: الانفطار فطر سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: پھٹنا۔ یہ تفسیر صرف علامہ نسفی کی کتاب میں ہے۔

وَيَذْكُرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ بُغْيَرْتُ يَحْرُبُ مَنْ فِيهَا مِنْ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا جاتا ہے کہ بعثت کا معنی انْصَوَات۔ ہے کہ زمین اپنے اندر (مدفون) مردوں کو نکال دیں گی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِذَا النُّجُومُ بُغْيِرَتْ (الانفطار: ۴) اور جب قبریں شق کر دی جائیں گی

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کی تفسیر ظاہر ہے، القراء نے بھی یہی لکھا ہے اور یہ صرف علامہ نسفی کی کتاب میں ہے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ بُغْيَرْتُ أَثْبَرْتُ بُغْيَرْتُ حَوْضِي أَيْ جَعَلْتُ گی، جب کوئی شخص اپنے حوض کو پلٹ دے اور اس کے نیچے والے حصے کو اوپر کر دے تو وہ کہتا ہے: بُغْيَرْتُ حَوْضِي۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غیر نے کہا ہے کہ بعثت کا معنی یہ ہے کہ قبروں کو پلٹ دیا جائے گا اور زمین میں جو خزانے ہیں اور اس میں جو مردے مدفون ہیں اور سونا اور چاندی اور دیگر معدنیات ہیں ان سب کو پلٹ دیا جائے گا، امام بخاری نے کہا ہے: بعثت حوض اس میں اشارہ کیا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے حوض کو کھود کر الٹا کر دے اور اس کا نیچے والا حصہ اوپر کر دے تو وہ کہتا ہے: میں نے اپنے حوض کو الٹ دیا یا پلٹ دیا یہ تفسیر بھی صرف علامہ نسفی کی کتاب میں ہے۔

وَقَالَ الزَّيْلَعِيُّ بْنُ خَشِيمٍ فُتِّرَتْ قَاعَتْ۔ اور الریج بن خشم نے کہا ہے کہ فُتِّرَتْ کا معنی ہے: بھیس گے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِذَا الْهَامَاتُ فُتِّرَتْ (الانفطار: ۳) اور جب سمندر (اپنی جگہ سے) بہا دیے جائیں گے

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے فُجُوت کی تفسیر کی ہے: فاضت۔ یہ لفظ فیض سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: بہنا یعنی جب سمندر کا مینھا پانی کڑوے پانی سے مخلوط ہو جائے گا اور کڑوا پانی مینھے پانی سے مخلوط ہو جائے گا تو تمام سمندر کا پانی ایک ہو جائے گا۔ اس تعلیق کی امام عبد بن حمید نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

وَقَرَأَ الْأَعْمَشُ وَعَاصِمٌ فَعَدَلْتَكَ بِالتَّخْفِيفِ وَقَرَأَهُ
أَهْلُ الْحِجَازِ بِالتَّشْدِيدِ وَأَرَادَ مُعْتَدِلَ الْخَلْقِ
وَمَنْ خَفَّفَ يَعْنِي فِي أَيِّ صُورَةٍ شَاءَ إِمَّا حَسَنٌ وَإِمَّا
قَبِيحٌ أَوْ طَوِيلٌ أَوْ قَصِيرٌ۔

اور الاعمش اور عاصم نے (تخفیف کے ساتھ) پڑھا ہے فَعَدَلْتَ اور انہوں نے
اہل حجاز نے (تشدید کے ساتھ) پڑھا ہے فَعَدَلْتَ اور انہوں نے
اس سے ارادہ کیا ہے کہ اس کی تخلیق معتدل ہے اور جنہوں نے اس
لفظ کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے ارادہ کیا ہے کہ جس
صورت میں چاہا اس نے تخلیق کی خواہ حسین صورت میں خواہ قبیح
صورت میں اور خواہ طویل قامت میں خواہ کوتاہ قامت میں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

الَّذِي خَلَقَكَ فَكَوْنَكَ فَعَدَلْتَ ۖ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ
رَبُّكَ ۖ (الانفطار: ۸-۷)

علامہ مینی لکھتے ہیں: یعنی سلیمان الاعمش اور عاصم بن ابوالنجد الاسدی جو سات قرآن میں سے ایک ہیں انہوں نے (الانفطار: ۸) کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح حسن بصری اور حمزہ اور کسائی اور امام ابو حنیفہ اور ابورجاء اور عیسیٰ بن عمر اور عمر بن عبید اور کوفیوں نے پڑھا ہے، اور اہل حجاز نے اس لفظ کو دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور جنہوں نے اس کو دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے ان کی مراد یہ ہے کہ انسان کو معتدل تخلیق کے ساتھ بنایا اور جنہوں نے اس لفظ کو دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے ان کی مراد ہے: انسان کو جس طرح چاہا اس طرح بنادیا اور باقی تفسیر ظاہر ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: امام رازی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعضاء معتدل بنائے، ایسا نہیں کیا کہ ایک ہاتھ بڑا اور دوسرا ہاتھ چھوٹا ہو یا ایک ٹانگ بڑی اور دوسری ٹانگ چھوٹی ہوتی یا ایک آنکھ بڑی اور دوسری آنکھ چھوٹی ہوتی۔ اسی طرح اس کی ہڈیاں، اس کے اعصاب اور اس کی شریانیں سب بہترین حکمت پر بنائی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور قوت کا ذکر فرمایا ہے تاکہ انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی کو ترک کرے اور اس کی اطاعت اور اس کی عبادت کی طرف سبقت کرے۔ (انوار تجلیان القرآن ص ۹۴۴ فرید بک سنال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ مینی نے حمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۰۵-۴۰۴ میں کی ہے]

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الانفطار کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہوئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ المطففین کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور ایک حدیث روایت کی ہے ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۸۳۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَةِ وَّیْلِ لِلْمُطَفِّیْنَ

سُوْرَةُ وَّیْلِ لِلْمُطَفِّیْنَ کی تفسیر

سُوْرَةُ وَّیْلِ لِلْمُطَفِّیْنَ (المطففين) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس سورت کا نام ویل (المطففين) ہے اور صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں اس کا نام المطففين ہے۔ یہ اس سورت کی بعض آیات کی تفسیر ہے۔ ابوالعباس اور سعید اور محمد بن ثور نے از معمر روایت کی ہے کہ یہ سورت مکی ہے، اور اسی طرح سفیان نے کہا ہے اور اسدی نے کہا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور الکلبی سے منقول ہے کہ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب آپ مکہ سے مدینہ کی طرف جارہے تھے، اور مقاتل نے کہا: یہ سورت مدنی ہے سو ایک آیت کے جو مکہ میں نازل ہوئی ہے اور وہ آیت یہ ہے: **أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ** (المطففين: ۱۳) اور ابن النقیب کے نزدیک یہ پہلی سورت ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی اور علامہ سخاوی نے ذکر کیا ہے کہ یہ سورت سورۃ العنکبوت کے بعد نازل ہوئی ہے۔

امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ میں آئے تو لوگ ناپ تول میں بہت زیادہ کمی کرتے تھے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: **وَّیْلِ لِلْمُطَفِّیْنَ** (المطففين: ۱) (ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے سخت عذاب ہے) پھر لوگ عمدہ طریقہ سے ناپ تول کرنے لگے، اور علامہ شلبی نے لکھا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: ویل کے متعلق مقاتل نے کہا ہے کہ یہ جہنم میں ایک وادی ہے جس کی گہرائی ستر (۷۰) سال کی مسافت ہے، اس میں ستر ہزار گھانیاں ہیں اور ہر گھانی میں ستر ہزار شکاف ہیں اور ہر شکاف میں ستر ہزار غار ہیں اور ہر غار میں ستر ہزار لوہے کے تابوت ہیں اور ہر تابوت میں ستر ہزار درخت ہیں اور ہر درخت میں ستر ہزار آگ کی شاخیں ہیں اور ہر شاخ میں ستر ہزار پھل ہیں جن کا طول ستر ہزار ہاتھ ہے، ہر درخت کے نیچے ستر ہزار اڑدھے ہیں اور ستر ہزار بچھو ہیں، ہر اڑدھے کا طول ایک ماہ کی مسافت ہے اور اس کی موٹائی پہاڑ کے برابر ہے، اس کی کجور کے درخت کے برابر ڈازمیں ہیں اور اس کا زہر یلا ڈنک پہاڑ کی چوٹی کے برابر ہے اس کو القتی نے اپنی کتاب "عیون الاخبار" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور ابن وہب نے اس کی مثل "کتاب الاہوال" میں روایت کی ہے اور "صاحب الخلو" نے ذکر کیا ہے کہ "صحیح ابن حبان" میں اس حدیث کی اصل ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کافر کے اوپر نانوے تین مسلط کیے جائیں گے، کیا تم جانتے ہو تین کیا ہے؟ یہ ستر سانپ ہیں، ہر سانپ کے سات سر ہیں، وہ اس شخص کو قیامت تک ڈستے اور بھنبھورتے رہیں گے۔

المطففون وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے حقوق میں کمی کرتے ہیں اور پورا ناپ اور تول نہیں کرتے اور التطفلون کا معنی ہے: ناپ اور تول میں کمی کرنا۔ اس سورت میں چھتیس (۳۶) آیات ہیں۔ (معجم البخاری ج ۱۹ ص ۳۰۹-۳۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ بَلَّ رَانَ ثَبْتُ الْخَطِيَا۔ اور مجاہد نے کہا: بَلَّ رَانَ اس کا معنی ہے: گناہ قائم اور ثابت رہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
كَلَّا بَلَّ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٣﴾ (المطففين: ۱۳) دیا

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کی ہے: گناہ قائم اور ثابت رہے یعنی گناہوں نے ان کے دلوں کو ڈھانپ لیا اور رَانَ کا لفظ رین سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: غلبہ، جب کوئی شخص شراب کے غلبہ سے مدہوش ہو جائے تو کہا جاتا ہے: رانت الخمر على قلبه اور اس آیت کا معنی ہے کہ گناہ ان کے دلوں پر غالب آگئے اور گناہوں نے ان کے دلوں کا احاطہ کر لیا اور ان کو ڈھانپ لیا اور یہ ایسا ہے جیسے کسی صاف دہات کے اوپر زنگ چڑھ جائے۔
ثُبَّ جُوزِي۔ ثُبَّ کا معنی ہے: جزا دی گئی یا بدلہ دیا گیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
هَلْ ثُبَّ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ (المطففين: ۳۶) کفار کو اپنے کاموں کا کیا بدلہ ملا ہے

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ امام ابو عبیدہ کا قول ہے اور مجاہد سے بھی مروی ہے۔
میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: کفار دوزخ میں دیکھیں گے کہ دوزخ سے باہر نکلنے کا دروازہ کھل گیا ہے، جب وہ دوزخ کو اس دروازے تک پہنچیں گے تو وہ دروازہ بند ہو جائے گا اور مومنین جنت میں عزت والی مسندوں پر بیٹھے ہونے یہ منظر دیکھ رہے ہوں گے کہ کفار دنیا کی عزت اور تکبر کی وجہ سے آج کس قدر ذلت اور رسوائی میں ہیں، اس آیت میں ثُبَّ کا لفظ ہے یعنی کفار کو اپنے مذاق اڑانے کا کیسا ثواب ملا اور ان کے بدلہ کو استہزاء ثواب فرمایا ہے۔

(انوار تبیان القرآن ص ۹۳۶، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

وَقَالَ غَيْرُهُ الْمُطَفِّفُ لَا يَبْرِي غَيْرُهُ اور دوسروں نے کہا: مُطَفِّفٌ وہ شخص ہے جو دوسرے کا حق پورا نہیں دیتا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ﴿١١﴾ (المطففين: ۱۱) ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے شدید عذاب ہے

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی جو دوسروں کا حق پورا نہیں دیتے اور اس میں کمی کرتے ہیں۔
الزَّحْنَقُ اس کا معنی ہے: خمر یعنی انگور کی شراب، خِثَامُهُ مِشْكٌ یعنی اس کی مہر مشک ہے یعنی اس کی مٹی التسنیم ہے، یہ اہل جنت کی شراب کا نام ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
يُسْقَوْنَ مِنْ زَحْنَقٍ مَّخْمُورٍ ﴿٢٦﴾ خِثَامُهُ مِشْكٌ۔ ان کو مہر لگی ہوئی شفاف شراب پلائی جائے گی۔ اس کی مہر مشک (المطففين: ۲۵-۲۶) ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی ابرار اور نیک لوگوں سے پہلے اس مہر کی وجہ سے کسی کو وہ شراب نہیں پلائی جائے گی۔
وَمِنْ زَاجَةٍ مِنْ تَسْنِيمٍ ﴿٢٧﴾ (المطففين: ۲۷) اور اس میں (چشمہ) تسنیم کی آمیزش ہے

اور مقاتل نے کہا ہے: اس چشمہ کا نام تسنیم اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ اہل جنت کے بالا خانوں اور ان کے گھروں کے اوپر سے جنت مدین سے جنتوں کی طرف بہہ رہا ہوگا اور یہ تفسیر صرف علامہ نسفی کی کتاب میں ہے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۰۷-۴۰۵ میں کی ہے]

۴۹۳۸۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مَعْنٍ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ حَتَّى يَغِيبَ أَحَدُهُمْ فِي رُحْبِهِ إِلَى أَنْصَافِ أُذُنَيْهِ۔ (صحیح مسلم: ۲۸۶۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (المطففين: ۶) جب سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے حتیٰ کہ لوگوں میں سے ایک شخص اپنے آدھے کانوں تک پسینہ میں غائب ہوگا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے گناہوں سے ڈرتے ہوئے حاضر ہوں گے، وہ کم تو لٹے کے گناہ سے بہت تپے ہوئے اور بہت خوف زدہ ہوں گے۔

یہ حدیث امام مالک کے غرائب میں سے ہے اور یہ الموطا میں نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۰۷)

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ المطففين کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور حدیث روایت کی تھی ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ الانشقاق کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۸۴۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ اِذَا السَّيِّءُ انْشَقَّتْ

سُورَةِ اِذَا السَّيِّءُ انْشَقَّتْ کی تفسیر

سُورَةِ اِذَا السَّيِّءُ انْشَقَّتْ (الانشقاق) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس سورت کا نام اِذَا السَّيِّءُ انْشَقَّتْ بھی ہے اور الانشقاق بھی ہے، یہ اس سورت کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور اس میں پچیس (۲۵) آیات ہیں۔ (ممدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۰۷) یہ سورت مکی ہے۔

قَالَ مُجَاهِدٌ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ يَأْخُذُ كِتَابَهُ مِنْ وَرَاءِ مُجَاهِدٌ نے کہا: کتابہ بشمالہ یعنی جو شخص اپنے اعمال نامہ واپسی ظہرہ۔ پیٹھ کے پیچھے اپنے بائیں ہاتھ سے پکڑے گا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ۖ (الانشقاق: ۱۰) اور جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا ○ علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ اس کا دایاں ہاتھ گردن کی طرف منتقل کیا جائے گا اور اس کا بایں ہاتھ اس کی پیٹھ کے پیچھے کر دیا جائے گا، پھر اس کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔ اس تعلق میں جو ذکر ہے وہ اس آیت میں ہے:

وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ (الحاقة: ۲۵) رہا وہ جس کو اس کا صحیفہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ○ اور مجاہد نے کہا: اَذِنْتُ کا معنی ہے: اس نے سنا اور اپنے رب کی اطاعت کی اور اس کے اندر جو مردے تھے ان کو نکال باہر کیا اور زمین ان سے خالی ہو گئی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَأَذِنْتُ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۖ وَإِذَا الْأَنْفُسُ مُدَّتْ ۖ أَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ○ اور اپنے رب کا حکم سن کر اس کی اطاعت کرے گا اور یہی اس پر حق ہے ○ اور جب زمین پھیلا دی جائے گی ○ اور جو چھ اس کے اندر (الانشقاق: ۲-۴) ہے باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے کہا ہے کہ زمین اپنے مردوں کو باہر ڈال دے گی اور علامہ ثعلبی نے کہا ہے: وہ اپنے خزانوں کو اور مردوں کو باہر ڈال دے گی اور تَخَلَّتْ کا معنی ہے کہ زمین کے پیٹ میں کچھ نہیں رہے گا اور یہ پوری تفسیر علامہ نسفی کی کتاب میں ہے۔ وَتَخَلَّتْ جَمْعٌ مِنْ دَابَّةٍ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ○ (الانشقاق: ۱۷) اور رات کی (قسم کھاتا ہوں) اور جن چیزوں کو وہ سمیٹ لے ○

علامہ مینی لکھتے ہیں: مجاہد نے کہا ہے: اور رات ان چوپایوں کو جمع کر لے گی جو اس میں پناہ لیتے ہیں اور مکرمہ سے منقول ہے کہ رات چوپایوں، بچھوؤں اور سانپوں کو جمع کر لے گی اور مقابل نے کہا ہے: اندھیروں کو جمع کر لے گی، وسق کا معنی ہے: جمع کرنا، جب تم کسی چیز کو جمع کر لو تو کہتے ہیں: وَسَقْتُهُ۔ اور جو طعام بہت زیادہ ہو اور جمع ہو اس کو بھی وسق کہا جاتا ہے اور وسق ساٹھ (۶۰) صاع یعنی دو سو چالیس (۲۴۰) کلو گرام غلہ کو کہتے ہیں اور طعام موسوق کا معنی ہے: وہ غلہ جو بوری میں بھرا ہوا ہو۔

ظَنُّ أَنْ لَنْ يَحْوَزَ لَا يَزِجُ عَرَالَيْشًا۔
ظَنُّ أَنْ لَنْ يَحْوَزَ اس کا معنی ہے: اس نے یہ گمان کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحْوَزَ ۝ (الانشقاق: ۱۳)
اس کا یہ گمان تھا کہ وہ اللہ کی طرف نہیں لوٹے گا O

علامہ مینی لکھتے ہیں: يَحْوَزَ کا لفظ الحَوز سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: رجوع کرنا اور لوٹنا، جب تم کسی شخص کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہو: رَجَعْتُهُ اور اس کا اطلاق کسی امر کے متعلق تردد کرنے پر بھی کیا جاتا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُوعُونَ يَشْتَرُونَ۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: يُوعُونَ کا معنی ہے: يَشْتَرُونَ یعنی وہ خریدتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ۝ (الانشقاق: ۲۳)
اور اللہ خوب جاننے والا ہے جس کو یہ اپنے دلوں میں رکھے ہوئے ہیں O

علامہ مینی لکھتے ہیں: اسی یشترون یعنی خریدتے ہیں، اس کی امام ابن ابی حاتم نے علی بن ابی طلحہ سے روایت کی ہے اور مجاہد سے منقول ہے: جس کو وہ چھپاتے ہیں اور قتادہ نے کہا جس کا وہ اپنے دلوں میں زعم کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: دار الفکر کے نسخے میں اس تعلیق میں یشترون چھپا ہوا ہے، اسی طرح عمدة القاری میں بھی ہے، لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ یوعون کے معنی یشترون یعنی خریدتے ہیں نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے: محفوظ رکھتے ہیں۔

حافظ ابن حجر مستقلانی نے اس تعلیق میں لکھا ہے: یوعون کا معنی ہے یسرون یعنی جس کو وہ چھپاتے ہیں اور یہی معنی مناسب ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۱۱) ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ مینی نے عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۰۸-۴۰۷ میں ذکر کی ہے |

۱۔ بَابُ: فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ۝
اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تو اس سے عنقریب بہت آسان

حساب لیا جائے گا O (الانشقاق: ۸) کی تفسیر

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عثمان بن الاسود، انہوں نے کہا: میں نے ابن ابی سلیمہ سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، اور ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث

(الانشقاق: ۸)

۳۹۳۹۔ حَدَّثَنَا عُمَرُو بْنُ عَبْدِ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْأَسْوَدِ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَحَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنْ ابْنِ أَبِي

يُونُسَ حَاتِمَ بْنِ أَبِي صَغِيرَةَ عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ
الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ
لَيْسَ أَحَدٌ يُحَاسَبُ إِلَّا هَلَكَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ
اللَّهِ جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاكَ أَلَيْسَ يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ
فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا
يَسِيرًا قَالَ ذَاكَ الْعَرَضُ يُعْرَضُونَ وَمَنْ نُوقِشَ
الْحِسَابَ هَلَكَ

(صحیح البخاری: ۶۵۳۶-۶۵۳۷، صحیح مسلم: ۲۸۷۶، سنن ترمذی: ۲۸۷۶)
(۲۳۳۷)

بیان کی از ایوب از ابن ابی ملیکہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی
صلی اللہ علیہ وسلم، ح، اور ہمیں مسدود نے حدیث بیان کی از یحییٰ از ابی یونس
حاتم بن ابی صغیرہ از ابن ابی ملیکہ از القاسم از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا،
وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص سے بھی
حساب لیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے
بتایا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے اللہ تعالیٰ آپ پر قربان کر
دے کیا اللہ عزوجل یہ نہیں فرماتا: فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ
فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا (الانشقاق: ۸-۷) سو جس شخص
کا صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا O تو اس سے
عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا O آپ نے فرمایا: یہ تو
(حساب کو) پیش کرنا ہے جو ان پر پیش کیا جائے گا اور جس شخص
سے حساب میں مناقشہ کیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

باب مذکور کی آسان حساب سے متعلق ایک حدیث کا دوسری صحیح حدیث سے تعارض اور اس کے دو جواب

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر تم سوال کرو کہ ابو القاسم ہبہ اللہ بن الحسن المنصور الطبری نے سنن میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی
ہے کہ جس مرد سے قیامت کے دن حساب لیا جائے گا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رہا وہ شخص جس کو اس کا
صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا O تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا O (الانشقاق: ۸-۷) اس
کے اوپر اس کا عمل پڑھا جائے گا، پس جب وہ اپنے عمل کو پہچان لے گا تو اس کو بخش دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: پس اس
دن کسی گناہ گار کے گناہ کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا انسان سے نہ جن سے O (الرحمن: ۳۹) رہا کافر تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے
فرمایا: (اس دن) مجرمین اپنے حلیوں سے پہچان لیے جائیں گے اور ان کو ان کی پیشانیوں کے بالوں اور قدموں سے پکڑ لیا جائے
گا O (الرحمن: ۳۱) میں کہتا ہوں: اس سوال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہر چند کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے لیکن یہ صحت میں صحیح بخاری کی
حدیث کی ٹکمر کی نہیں ہے اور معارضہ کی شرط یہ ہے کہ دونوں حدیثیں صحت میں مساوی ہوں اور اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ حدیث صحیح
بخاری کے مقابلہ کی ہے تب بھی اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسروں نے دیگر آیات اور احادیث کی وجہ سے مخالفت کی
ہے، اگر تم یہ سوال کرو کہ حساب سے ثواب اور جزاء کو مراد لیا جاتا ہے اور کافر کے لیے تو کچھ ثواب نہیں ہوتا کہ اس کو اس کے حساب
سے جزاء دی جائے اور اس لیے کہ حساب لینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور ان کافروں سے قیامت کے دن
اللہ تعالیٰ کلام نہیں فرمائے گا (البقرہ: ۱۷۳) میں کہتا ہوں: امام محمد بن جریر طبری نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے
ایسا کلام نہیں فرمائے گا جس سے وہ خوش ہوں ورنہ تو اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: تم اس دوزخ میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو اور
مجھ سے بات نہ کرو O (المومن: ۱۰۸)

اس حدیث میں فرمایا ہے: یہ تو حساب کو پیش کرتا ہے یعنی ان کے صحیفہ اعمال کو دکھاتا ہے اور ظاہر کرتا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے کہ بندہ یہ پہچان لے کہ اس کے گناہوں سے تجاوز نہیں کیا گیا اور عرض کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کا حواس سے اور اک کیا جائے اور مناقشہ کا مطلب یہ ہے کہ اس سے اس کے گناہوں کے متعلق تفتیش کی جائے کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ (مدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۰۹، ملخص، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اسامیل نے کہا ہے: امام بخاری نے اس حدیث کی تین سندوں کو جمع کر دیا ہے جن کے متون مختلف ہیں اس کی شرح

کتاب الرقاق میں کروں گا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۱۲-۱۱۱)

میں کہتے ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے کتاب الرقاق میں اس حدیث کی حسب ذیل شرح کی ہے۔

بیماریوں اور مصیبتوں کا گناہوں کے لیے کفارہ ہونا اور مناقشہ کے عذاب ہونے اور آسان حساب کی دو تاویلیں

امام اسحاق بن راہویہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ بنتی ثبہ سے یہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے کہا: مجھے قرآن مجید میں اس سے زیادہ شدید اور کسی آیت کا علم نہیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: وہ کون سی آیت ہے؟ تو میں نے یہ آیت پڑھی:

مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ
لِيُثَاقَ وَلَا يَصِيْرًا (النساء: ۱۲۳)

اللہ کے مقابلہ میں اپنے لیے کوئی حمایتی پائے گا نہ مددگار O

سب نے فرمایا: مومن کو اس کے سب سے برے عمل کی سزا دنیا میں دے دی جائے گی، اس پر کوئی بیماری آتی ہے حتیٰ کہ اسے کوئی کاغذ بھی چبھتا ہے (تو وہ اس کی سزا ہے) لیکن جس سے حساب میں مناقشہ کیا جائے گا تو اس کو عذاب ہوگا، علامہ قرطبی نے اس کی تفسیر میں کہا ہے: یعنی اس کو اس کے ان گناہوں کی وجہ سے جو حساب سے ظاہر ہوئے دوزخ میں عذاب دیا جائے گا، علامہ قرطبی نے کہا: حضرت عائشہ بنتی ثبہ نے لفظ حساب سے استدلال کیا جو قلیل اور کثیر دونوں کو شامل ہے۔

اور علامہ قرطبی نے کہا کہ آسان حساب سے مراد صحیفہ اعمال کو پیش کرنا ہے کیونکہ مومن پر ان اعمال کو پیش کیا جائے گا جن پر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پردہ رکھا تھا اور آخرت میں ان کو معاف فرما دے گا۔

قاضی عیاض نے کہا ہے: جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا اس کو عذاب دیا گیا، اس کے دو معنی ہیں:

(۱) حساب کا نفس مناقشہ ہونا اور اس کے برے کاموں کو ظاہر کرنا اور ان پر دلائل عذاب ہے۔

(۲) مناقشہ عذاب کو مستلزم ہے، اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا وہ عذاب کا مستحق ہوگا کیونکہ بندہ جو بھی نیک کام کرتا ہے وہ اس نیکی پر اللہ تعالیٰ کے قدرت دینے کی وجہ سے کرتا ہے اور اس کے فضل اور اس کی ہدایت کی وجہ سے کرتا ہے کیونکہ محض اس کی رضا کی وجہ سے تو نیک کام کرنے والے بہت کم ہیں اور اس دوسری تاویل کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ دوسری حدیث میں ہے کہ جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا وہ ہلاک ہو گیا۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ دوسری تاویل ہی صحیح ہے کیونکہ لوگوں پر کوتاہیاں غالب ہیں، پس جس سے پوری پوری تفتیش کی گئی اور اس سے ختم ہوئی نہیں کی گئی وہ ہلاک ہو گیا۔

دوسرے دن نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ بنتی ثبہ کے معارضہ کی وجہ یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ عام ہیں کہ جس سے بھی حساب لیا جائے گا اسے عذاب دیا جائے گا اور آیت کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ بعض لوگوں کو عذاب نہیں دیا جائے گا، ان میں سے

اس طرح ہے کہ اس آیت میں حساب سے مراد یہ ہے کہ بندے پر اس کے اعمال پیش کیے جائیں گے اور اس کے اعمال و ظاہریہ جائے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرایا جائے گا، پھر اس سے درگزر کر لیا جائے گا، اس کی تائید مسند بزار اور امام طبرانی کی ان کی سندوں کے ساتھ اس روایت سے ہوتی ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان حساب کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: بندے پر اس کے صغیرہ گناہ پیش کیے جائیں گے، پھر ان سے درگزر کر لیا جائے گا اور حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جس کی نیکیاں اس کے گناہوں سے زیادہ ہوں گی اس کو جنت میں بغیر حساب کے داخل کر دیا جائے گا اور جس کے گناہ اس کی نیکیوں سے زیادہ ہوں گے تو یہ وہ شخص ہے جو ہلاک ہو جائے گا اور شفاعت صرف اسی کی مثل میں ہے اور امام بخاری نے کتاب المظالم میں اور کتاب التوحید میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ تم میں سے کسی ایک کا رب اس کے قریب ہوگا حتیٰ کہ (اپنی رحمت کا) پر اس پر رکھ دے گا اور اس سے فرمائے گا: کیا تو نے یہ، یہ عمل کیا تھا؟ بندہ کہے گا: جی ہاں! پس وہ اس کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے دنیا میں تیرا پردہ رکھا تھا اور آج کے دن میں تیری مغفرت کر دیتا ہوں۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۱۰-۶۰۹، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۳۲ھ)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تم ضرور درجہ بہ درجہ چڑھو گے ○

(الانشاق: ۱۹) کی تفسیر

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے سعید بن نصر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بشیم نے خبر دی انہوں نے کہا: ہمیں ابو بشر جعفر بن ایاس نے خبر دی از مجہد، انہوں نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: (تم ضرور ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ کی طرف سوار ہو گے)، یہ ایک حال کے بعد دوسرا حال ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

۲۔ بَابُ: لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ○

(الانشاق: ۱۹)

۴۹۳۰۔ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ النَّظَرِ أَخْبَرَنَا قُسَيْبٌ أَخْبَرَنَا أَبُو بَشِيرٍ جَعْفَرُ بْنُ إِيَّاسٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ حَالًا بَعْدَ حَالٍ قَالَ هَذَا نَبِيُّكُمْ ﷺ

(اس حدیث کی روایت میں امام بخاری مندرج ہیں۔)

امام حاکم نے اس حدیث کی شیخین کی شرط کے مطابق روایت کی ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۱۹)

ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ کی طرف منتقل ہونے کی متعدد تفاسیر

علامہ عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض احادیث میں ہے کہ تم ایک منزل کے بعد دوسری منزل پر چڑھو گے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: تم آسمان پر ایک مرتبہ دہن کی طرح چڑھو گے (یعنی تیل کی طرح) اور دوسری مرتبہ دہان کی طرح (یعنی سرخ چمڑے کی طرح) چڑھو گے، پھر آسمان پھٹ جائے گا اور شعبی نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ایک آسمان کے بعد دوسرے آسمان کی طرف چڑھیں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں جنس انسان سے خطاب ہے یعنی وہ ایک حال کے بعد دوسرے حال کی طرف چڑھے گا، تیسرا قول یہ ہے: اس سے مراد مصائب اور احوال ہیں، پھر مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آسانی کے بعد مشکل ہے اور مشکل کے بعد آسانی ہے اور خوش حالی کے بعد تنگ دہی ہے اور تنگ

دستی کے بعد خوش حالی ہے اور اس کے برعکس اور صحت کے بعد بیماری ہے اور اس کے برعکس، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انسان پہلے پیٹ میں بچہ ہوتا ہے۔ پھر دودھ پینے لگتا ہے، پھر روٹی کھانے لگتا ہے، پھر نو خیز لڑکا ہوتا ہے، پھر جوان ہوتا ہے، پھر بوز ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ تم اپنے سے پہلی امتوں کے طریقوں کو عمل کرو گے اور ان کے طبقہ پر سوار ہو گے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۳ ص ۵۱۷-۵۱۶، وزارة الاوقاف بقطر، ۱۴۲۹ھ)

طبقات کا معنی اور طبقات کی مختلف تعبیریں

علامہ بدرالدین محمود بن احمد بن حنبل متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الطبقات طبقات کی جمع ہے اور بعض طبقات بعض سے زیادہ شدید ہیں، علامہ ثعلبی نے کہا ہے: اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے، اکثر علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد ایک حال کے بعد دوسرا حال ہے اور یہ احوال قیامت ہیں، الثعلبی نے کہا ہے کہ ایک مرتبہ انسان عالم ہوتا ہے اور دوسری مرتبہ جاہل ہوتا ہے اور مقابل سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ انسان مردہ ہوتا ہے، پھر زندہ ہوتا ہے، پھر مردہ ہوتا ہے، پھر دوبارہ زندہ کیا جاتا ہے اور عطاء سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ وہ تنگ دست ہوتا ہے اور دوسری مرتبہ وہ خوش حال ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس سے منقول ہے: اس سے مراد مصائب اور ہولناکیاں ہیں، پھر موت ہے، پھر موت کے بعد زندہ ہونا ہے، پھر حساب کا پیش کیا جاتا ہے اور امام ابو عبیدہ سے منقول ہے: اس سے مراد تم سے پہلی امتوں کے طریقے اور ان کے احوال ہیں اور قاری سے منقول ہے کہ ایک حال کے بعد دوسرا حال ہوگا یعنی وہ پہلے دودھ پیتا تھا، پھر روٹی کھاتا ہے، پھر نو خیز لڑکا ہوتا ہے، پھر جوان ہوتا ہے، پھر بوز ہوتا ہے۔

نطفہ سے لے کر موت تک انسان کے اڑتیس (۳۸) احوال

۱۔ حکم، نے کہا ہے: انسان کے نطفہ سے لے کر موت تک اڑتیس (۳۸) احوال ہیں اور ان کے تینتیس اسماء ہیں: (۱) نطفہ (۲) حاتم یعنی جہاں ہوا خون (۳) منفذ یعنی گوشت کی بوٹی (۴) بذی (۵) پھر دوسری تخلیق (۶) جنین یعنی پیٹ میں بچہ (۷) ولید یعنی پیٹ سے پیدا ہوا (۸) رضیع یعنی دودھ پینے والا (۹) فطین یعنی روٹی کھانے والا (۱۰) یافع یعنی چھوٹا بچہ (۱۱) ماشی یعنی چلنے پر لے والا (۱۲) متاع یعنی کھیلنے کودنے والا بچہ (۱۳) حذور یعنی طاقت ور بچہ (۱۴) مراہق یعنی بالغ ہونے کے قریب (۱۵) متکتم یعنی جس کو احتلام ہوا (۱۶) بالغ (۱۷) امرد یعنی بے ریش (۱۸) طار یعنی جس کی مسیس بھیگ جائیں (یعنی مونچھیں آنے کے قریب ہوں) یا اس کی مونچھیں نکلتی تھیں (۱۹) باقل یعنی جب اس کے چہرے پر سبزہ نکل آئے اور ڈاڑھی کے ردیوں نکل آئیں (۲۰) مستطہ یعنی دوڑنے والا (۲۱) مطرغم یعنی مکمل حسین (۲۲) مخط یعنی جو معاملات کو خطا ملط کر دے (۲۳) صمل یعنی مضبوط جسم والا (۲۴) مستقی یعنی ڈاڑھی والا (۲۵) مستوی یعنی سیدھی قامت والا (۲۶) مصعد یعنی اوپر چڑھنے والا (۲۷) مجتمع یعنی صوری اور معنوی کمالات کا جامع (۲۸) شباب یعنی جوان (۲۹) ملہوز یعنی جب عمر بڑی ہو اور جماع کرنے سے کمزور ہو (۳۰) کهل یعنی اوجھڑا ہوا (۳۱) اعمط یعنی بوز ہونا کے بعد (۳۲) اشیع یعنی زیادہ بوز ہوا (۳۳) شہب یعنی جس کی اولاد جوان ہو (۳۴) حقل یعنی ایسا بوز ہوا جو جماع نہ کر سکے (۳۵) صفات یعنی طاقت ور بوز ہوا (۳۶) فہم یعنی جو زیادہ باتیں کرتا ہو اور اس کی باتیں بے ربط ہوں (۳۷) برہم یعنی بیوقوفانی (۳۸) میت۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہو تو وہ جنین ہے اور جب پیدا ہو جائے تو بھی ہے اور جب دور ہو جائے تو

رضیع ہے اور جب روٹی سالن کھائے تو غلام ہے یعنی لڑکا سات سال سے دس سال تک، پھر پندرہ سال کی عمر میں حزر ہے اور پھر پچیس سال کی عمر تک قمد ہے، پھر تیس سال کی عمر تک عنطن ہے، پھر چالیس سال کی عمر تک صمل ہے، پھر پچاس سال کی عمر تک کبل ہے، پھر اسی (۸۰) سال کی عمر تک شیخ ہے، پھر اس کے بعد شیخ فانی ہے۔

(ممدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۱۱-۳۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

الحمد لله رب العالمین سورۃ الانشقاق کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور احادیث روایت کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ البروج کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور حدیث روایت کی ہے ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۸۵۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ الْبُرُوجِ

سورة البروج کی تفسیر

سورة البروج کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد مینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة البروج کی بعض آیات کی تفسیر ہے۔ یہ سورت مکی ہے اور اس کی بائیس (۲۲) آیات ہیں۔

بروج بارہ ہیں اور یہ آسمان کے ہر طور تشبیہ محل ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ بروج وہ ستارے ہیں جو چاند کی منزل ہیں، تیسرا قول یہ

ہے کہ یہ بڑے بڑے سیارے ہیں اور چوتھا قول یہ ہے کہ یہ آسمان کے دروازے ہیں۔

(عمدة القاری ج ۹ ص ۳۱۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بروج کے لغوی اور عرفی معنی

حسن، مجاہد اور قتادہ نے کہا: بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں، ان کو بروج اس لیے فرمایا کہ یہ بہت ظاہر ہیں اور برج

کا معنی ظہور ہے۔

عطیہ العوفی نے کہا: برج کا معنی قلعہ اور محل ہے جس میں پہرے دار ہوں جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ۔ (النساء: ۷۸)

اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔

عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اس سے مراد وہ بارہ برج ہیں جو سات کو اکب سیارہ کی منازل ہیں۔

وہ بارہ برج یہ ہیں: (۱) الحمل (بھینہ کا بچہ) (۲) الثور (بیل) (۳) الجوزا (وہ سیاہ بکری جس کے وسط میں سفیدی ہو) (۴) السرطان

(نیکڑا) (۵) الاسد (شیر) (۶) السنبلة (گندم کا خوشہ) (۷) المیزان (ترازو) (۸) العقرب (بچھو) (۹) القوس

(آسمان) (۱۰) الجدی (بکری کا بچہ) (۱۱) الدلو (ڈول) (۱۲) الحوت (مچھلی)۔

الحمل اور العقرب برج کی منزل ہیں، الثور اور المیزان زہرۃ کی منزل ہیں، الجوزا اور سنبلة عطار کی منزل ہیں، السرطان قمر کی

منزل ہے، الاسد شمس کی منزل ہے، القوس اور الحوت مشتری کی منزل ہے، الجدی اور الدلو زحل کی منزل ہے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۵۳)

آبرو ثابت ستاروں کے اجتماع سے مینڈھے کی شکل بن جائے تو اس کو برج حمل کہتے ہیں، اور اگر ثوابت ستاروں کے اجتماع

سے شہ لی شکل بن جائے تو اس کو برج اسد کہتے ہیں اور اگر ان ستاروں کے اجتماع سے ترازو کی شکل بن جائے تو اس کو برج المیزان

کہتے ہیں۔ علی ہذا القیاس۔ (قائد اللغات ص ۱۷۹)

یہ تفصیل ہم نے الفرقان: ۶۱ کی تفسیر میں بیان کی ہے۔ (تبیان القرآن ج ۸ ص ۲۶۴، فریہ بک اسٹال، لاہور)

وَقَالَ مُبَاهِدٌ أَخَذُوا دَشَقًا لِّلْأَنْزَالِ۔ اور مجاہد نے کہا: أَخَذُوا دَشَقًا کا معنی ہے زمین میں کھودا ہوا گڑھا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ ۝ (البروج: ۳)

خندقوں والے ہلاک کیے جائیں گے

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تفسیر کو امام عبد بن حمید نے اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کیا ہے۔

فَتَنُّوا عَذَابًا ۝ (البروج: ۳)

فتنوا اس کا معنی ہے: جنہوں نے عذاب دیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ لَمْ يَشُوبُوا

بے شک جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو (آگ

قُلُوبِهِمْ عَذَابٌ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ الْحَرِيقِ ۝ (البروج: ۱۰)

کی) مصیبت میں ڈالا، پھر انہوں نے تو پ نہیں کی ان کے لیے

دوزخ کا (عام) عذاب اور (خصوصاً) جہنم کا عذاب ہے

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے فتنوا کی تفسیر کی ہے: جنہوں نے عذاب دیا اور فتنے کے کئی معنی ہیں اور ان میں سے ایک

معنی عذاب ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ۝ (الذاریات: ۱۳)

جس دن ان کو دوزخ کے عذاب میں ڈالا جائے گا

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى الْوُدُودُ الْحَبِيبُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا

النَّجِيدُ الْكَرِيمُ ۝ (البروج: ۱۳) اس کا معنی ہے ایسا دوست جو بزرگ اور

کریم ہو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَهُوَ الْعَفْوَ الْوَدُودُ ۝ (البروج: ۱۳)

اور وہی بہت بخشنے والا اور بہت دوست رکھنے والا ہے

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تفسیر صرف علامہ نسفی کی تفسیر میں ہے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۱۲-۴۱۱ میں کی ہے]

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ البروج کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے

بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ الطارق کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۸۶۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الطَّارِقِ

سورة الطارق کی تفسیر

سورة الطارق کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد مبنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الطارق کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت مکی ہے، اس سورت میں سترہ (۱۷) آیات ہیں۔

یہ سورت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو دودھ اور روٹیاں تحفہ میں دیں، پس جس وقت وہ بیٹھے ہوئے کھا رہے تھے تو اچانک ایک ستارہ ٹوٹ کر گرا، پہلے وہ پانی سے بھر گیا، پھر وہ آگ بن گیا، ابوطالب اس سے ڈر گئے اور پوچھا: یہ کیا چیز ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایک ستارہ ہے جس سے (شیطان کو) مارا گیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، پس ابوطالب کو اس پر تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۝ (الطارق: ۱) آسمان کی قسم اور رات کو طلوع ہونے والے (ستارے) کی ۝

یعنی وہ ستارہ جو رات کو ظاہر ہوتا ہے اور دن میں چھپ جاتا ہے اور رات میں ہر آنے والے کو طارق کہتے ہیں۔

(سورة الطارق: ۱۹ ص ۳۱۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

هُوَ النُّجْمُ وَمَا أَتَاكَ لَبِلاً فَهُوَ طَارِقٌ۔
هو النجم اس کا معنی وہ ستارہ ہے اور جو تمہارے پاس رات کو آئے، وہ طارق ہے۔

علامہ مبنی لکھتے ہیں: طارق کا لفظ طرق سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے کھٹکنا، یعنی جو شخص اپنی کسی ضرورت سے دروازے کو کھٹکائے اور اپنی ضرورت بتائے یہ تفسیر علامہ نسفی کی کتاب میں ہے۔

النُّجْمُ الثَّاقِبُ الْبَصِيرُ۔
النُّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ (الطارق: ۳) اس کا معنی ہے: روشن ستارہ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

النُّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ (الطارق: ۳) (وہ) نہایت روشن ستارہ (ہے) ۝

علامہ مبنی لکھتے ہیں: یہ بھی علامہ نسفی کی تفسیر میں ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ الثَّاقِبُ الَّذِي يَتَوَقَّعُ۔
اور مجاہد نے کہا: الثَّاقِبُ: کا معنی ہے: جو چمکے، بھڑکے اور روشن ہو۔

علامہ مبنی لکھتے ہیں: جر جانی سے منقول ہے کہ یہ ابو نعیم سے مروی ہے اور سدی سے منقول ہے کہ جس ستارے کو مارا جائے،
دوسرا قول ہے کہ الثاقب سے مراد ہے: ثریا۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ ذَاتُ الرَّجْمِ سَحَابٌ يَرْجُمُ بِالْأَنْطَرِ
ذات الصدوم: اس کا معنی ہے: وہ زمین جو ہزاروں بارش لائے،
ذات الصدوم: اس کا معنی ہے: وہ زمین جو ہزاروں بارش لائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝
بارش والے آسمان کی قسم ۝ اور پھٹنے والی زمین کی قسم ۝
(الطارق: ۱۱-۱۲)

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کی تفسیر ظاہر ہے، اور کہا جاتا ہے کہ آسمان ہر سال بارش کو اور بندوں کے رزق کو لاتا ہے اور اگر اس طرح نہ ہوتا تو بندے اور ان کے مویشی ہلاک ہو جاتے۔
اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ۝ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝ (الطارق: ۱۱) کی تفسیر میں کہا: بارش والے آسمان کی قسم اور ۝ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝ (الطارق: ۱۲) کی تفسیر میں کہا: سبزے، درختوں، پھلوں اور دریاؤں کی قسم۔
اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: لقول فصل: اس کا معنی ہے:
لَحَقَّ یعنی ضرور برحق ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
إِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ ۝ (الطارق: ۱۳)
بے شک یہ (قرآن حق اور باطل میں) فیصلہ کرنے والا کلام ہے ۝
علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ صرف علامہ نسفی کی تفسیر ہے اور علامہ الثعلبی نے کہا: یہ کلام برحق اور سنجیدہ ہے، یہ حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرتا ہے۔

لَتَأْتِيَ عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝ (الطارق: ۴) اس کا معنی ہے: لَا عَيْنِيهَا حَافِظٌ
یعنی مگر اس پر ایک محافظ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
إِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّتَأْتِيَهَا حَافِظٌ ۝ (الطارق: ۴)
یعنی ہر نفس کے اوپر ایک محافظ ہے ۝
علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور اس کی سند صحیح ہے لیکن امام ابو نعیمہ نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے: کلام عرب میں لَتَأْتِيَ کو الّا کے معنی میں نہیں سنا گیا اور علامہ نسفی نے اس کو اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیت میں ان نفی کے لیے ہے اور لَتَأْتِيَ الّا کے معنی میں ہے اور یہ ہذیل کی لغت ہے اور اس آیت کا معنی ہے: ہر نفس کے اوپر اس کے رب کی طرف سے ایک محافظ ہے جو اس کے اعمال کی حفاظت کرتا ہے اور وہ جو بھی اچھا یا برا کام کرتا ہے اس کو لکھتا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: علامہ نسفی کی اس عبارت میں امام ابو نعیمہ کے اس قول کا رد ہے کہ لَتَأْتِيَ کو الّا کے معنی میں نہیں سنا گیا۔
میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: اور وہی اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے اور وہ تمہارے اوپر نگرانی کرنے والے فرشتے بھیجتا ہے، قتادہ نے کہا: وہ فرشتے تمہارے عمل کی اور تمہارے رزق کی اور تمہاری موت اور حیات کی حفاظت کرتے ہیں اور جب تمہاری زندگی پوری ہو جائے اے ابن آدم! تو تمہاری روح قبض کر کے تمہارے رب کے پاس لے جاتے ہیں۔

(جامع البیان: ۲۸۵۸۵) (انوار تبيان القرآن، ص ۹۵۰، فرید یک سال، لاہور، ۱۳۳۱ھ)

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۱۳-۴۱۴ میں کی ہے]

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الطارق کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ الاعلیٰ کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور حدیث روایت کی ہے ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۸۷۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى

سُورَةُ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى کی تفسیر

سُورَةُ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى (الاعلیٰ) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد مینی نسفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت کو سورۃ الاعلیٰ بھی کہا جاتا ہے اور اس سورت کی انیس (۱۹) آیات ہیں، یہ سورۃ غنی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کی: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ○ (الاعلیٰ: ۱) پس آپ نے فرمایا: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى اور اسی طرح حضرت علی، حضرت ابو موسیٰ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر وغیرہ سے منقول ہے کہ وہ بھی اسی طرح کرتے تھے۔

امام سعید بن منصور نے سند صحیح کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ میں نے سنا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اسی طرح پڑھتے تھے:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ○ الَّذِي خَلَقَ فَسْوَی ○ اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھیے جو بے بلند ہے ○ جس نے مخلوق کو پیدا کیا، پھر اس کو درست بنایا ○ (الاعلیٰ: ۲-۱)

یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۱۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)
وَقَالَ مُجَاهِدٌ قَدَّرَ فَهَدَى قَدَّرَ لِلْإِنْسَانِ الشَّقَاءَ ○ اور مجاہد نے کہا: قَدَّرَ فَهَدَى ○ (الاعلیٰ: ۳) اس کا معنی ہے: انسان کے لیے بد بختی اور نیک بختی کو مقدر کر دیا۔

امام بن ربیع نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى ○ (الاعلیٰ: ۳) اور جس نے (صحیح) اندازہ کیا، پھر ہدایت دی ○

علامہ مینی لکھتے ہیں: اس آیت کی تفسیر ظاہر ہے۔

وَهْدَى الْإِنْعَامَ لِنَزَائِعِهَا ○ اس کا معنی ہے اور جس نے مویشیوں کو ان کی چراگاہوں کی راہ دکھائی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَّذِي أَخْرَجَ النَّوْمَ ○ (الاعلیٰ: ۴) اور جس نے چراگاہ بتائی ○

علامہ مینی لکھتے ہیں: اس کی تفسیر بھی ظاہر ہے، علامہ نسفی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِقَاءَ أَخُوْنِي مُشِيْمًا مُتَقَوِّمًا ○ لِقَاءَ أَخَوَايَ ○ (الاعلیٰ: ۵) اس کا معنی ہے: مشیتاً متعلماً یعنی

سوکھی ہوئی اور نوئی پھوئی گھاس۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَجَعَلَهُ عُشَاءً أَحْوَى ① (الاعلیٰ: ۵)

پھر تازہ گھاس کو خشک مائل بہ سیاہ کر دیا ○

علامہ یعنی لکھتے ہیں: یہ بھی علامہ نسفی کی کتاب میں ہے، أَحْوَى کا معنی ہے: وہ سیاہ ہو گئی۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ یعنی نے مدوّۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۱۳ میں کی ہے]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہ مجھے میرے والد نے خبر دی از شعبہ از ابی اسحاق از حضرت البراء بن عقیل، وہ بیان کرتے ہیں: ہمارے پاس جو سب سے پہلے نبی ﷺ کے اصحاب آئے وہ حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت ابن ام مکتوم بنی ہبہر تھے، یہ دونوں ہمیں قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے، پھر حضرت عمار اور حضرت بلال اور حضرت سعد بنی ہبہر آئے، پھر حضرت عمر بن الخطاب میں (صحیہ) کے ساتھ آئے بنی ہبہر، پھر نبی ﷺ تشریف لائے، پس میں نے نہیں دیکھا کہ اہل مدینہ کسی چیز سے اتنے خوش ہوئے ہوں جتنا ان کے آنے سے خوش ہوئے حتیٰ کہ میں نے لڑکیوں اور بچوں کو دیکھا جو یہ کہہ رہے تھے: یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں جو ہمارے پاس آ گئے ہیں آپ اس وقت تک نہیں آئے تھے حتیٰ کہ میں نے سورۃ تسبیح اسم ربّک الا علی اور اس کی مثل کئی سورتیں پڑھ چکا تھا۔

۴۹۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَوَّلُ مَنْ قَدِمَ عَلَيْنَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ فَجَعَلَا يَقْرَأَانَا الْقُرْآنَ ثُمَّ جَاءَ عَمَارٌ وَبِلَالٌ وَسَعْدُ بْنُ جَعْلٍ ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِي عَشْرِينَ ثُمَّ جَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَصَارَ رَأَيْتُ أَهْلَ الْمَدِينَةِ فَرَحُوا بِشَيْئٍ فَرَحَهُمْ بِهِ حَتَّى رَأَيْتُ الْوَلَدَ وَالصَّبِيَّانَ يَقُولُونَ هَذَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَدْ جَاءَ فَمَا جَاءَ حَتَّى قَرَأْتُ سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى فِي سُورَةٍ مِثْلِهَا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۹۲۴ میں گزر چکی ہے۔

حافظ ابن حجر کی اس پر تصریح کہ نبی ﷺ کے ساتھ بنی ہبہر لکھنا مستحب ہے خواہ روایت میں مذکور نہ ہو

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی شرح اوائل الهجرة میں گزر چکی ہے، صحیح البخاری: ۳۹۲۵ میں مذکور ہے: لڑکیاں کہہ رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے، اور یہاں ابوذر کی روایت میں بنی ہبہر کے الفاظ مذکور نہیں ہیں جو ابوذر کی روایت میں محذوف ہیں کیونکہ نبی ﷺ پر صلاۃ و سلام پڑھنا پانچ ہجری میں شروع ہوا ہے اور یہ ابتداء ہجرت کی حدیث ہے قرآن مجید میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ②

اے ایمان والو! تم بھی نبی پر درود پڑھو اور بہ کثرت سلام پڑھو ○

(الاحزاب: ۵۶)

اور صحیح قول کی بناء پر یہ سورت سن پانچ ہجری میں ہی نازل ہوئی ہے، لیکن اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ یہ آیت (درود) پوری سورت سے پہلے نازل ہو گئی ہو، پھر یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت البراء کی اس روایت میں بنی ہبہر کا لفظ حضرت البراء کے الفاظ میں ہے۔ یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ اس روایت میں بنی ہبہر کا لفظ بعد کے تابعین نے لکھ دیا ہو اور علماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ نبی

سنی پیغمبر پر صلاۃ و سلام پڑھنا مستحب ہے اور اسی طرح صحابی کے نام کے ساتھ سنی پیغمبر لکھنا مندوب اور مطلوب ہے خواہ متن حدیث میں یہ الفاظ مذکور نہ ہوں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۱۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر سے مناقشہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ علامہ ابن حجر پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ آیت درود پوری سورۃ الاحزاب پر مقدم ہو، میں کہتا ہوں کہ یہاں مانع موجود ہے کیونکہ اس کا علم نہیں ہے کہ آیت درود پوری سورت الاحزاب پر مقدم ہو، نیز انہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ نبی سنی پیغمبر پر ہر صورت میں درود پڑھنا ضروری ہے، خواہ کسی طرح بھی ہو، نیز انہوں نے کہا: یہ ضروری نہیں ہے کہ متن حدیث میں سنی پیغمبر کا لفظ صحابی نے کہا ہو، یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ یہ لفظ بعد کے تابعین نے لکھا ہو اور انہوں نے کہا کہ علماء نے تصریح کی ہے کہ نبی سنی پیغمبر پر درود پڑھنا مستحب ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ امام ابو جعفر طحاوی کا مذہب یہ ہے کہ جب بھی نبی سنی پیغمبر کا ذکر کیا جائے تو آپ پر درود پڑھا جائے۔ (مدق القاری ج ۱۹ ص ۳۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی کے درمیان مصنف کا محاکمہ

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بہت عمدہ اور وجد آفرین شرح کی ہے، ان کا یہ لکھنا بالکل صحیح ہے کہ ہر چند کہ نبی سنی پیغمبر پر سلام اور درود پڑھنے کا حکم (احزاب: ۵۶) میں پانچ ہجری میں نازل ہوا ہے لیکن آپ کے نام پر سلام پڑھنا اور درود پڑھنا ابتداء سے مشروع اور معروف تھا کیونکہ ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے شب معراج میں نماز فرض ہوئی اور اس میں نماز کے تشہد میں آپ پر سلام بھی ہے۔ السلام علیہ آتینا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور اس کے بعد آپ پر درود بھی ہے اللھم صل علی سیدنا، محمد وعلی آل محمد کیا صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم اثن حیدر صبیحہ اس کی نظیر یہ ہے کہ نماز سے پہلے وضو کرنے کا حکم تو اس آیت میں نازل ہوا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا
وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ
وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ (المائدہ: ۶)

اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو (اور تم بے وضو ہو) تو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو کعبوں سمیت دھو لو۔

سورۃ المائدہ احکام سے متعلق نازل ہونے والی آخرت سورت ہے حالانکہ نماز سے پہلے وضو کرنا تو بعثت نبوی کی ابتداء سے مشروع اور معروف تھا، اسی طرح آپ کے نام پر سلام اور درود پڑھنے کا حکم تو پانچ ہجری میں نازل ہوا لیکن آپ کے نام پر سلام اور درود پڑھنا ابتداء سے معروف اور مشروع تھا جیسا کہ فرضیت نماز کی حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں حافظ ابن حجر عسقلانی پر نازل ہوں جنہوں نے یہ لکھا کہ نبی سنی پیغمبر کے نام کے ساتھ سنی پیغمبر لکھنا مستحب ہے خواہ حدیث میں اس کا ذکر نہ ہو اور علامہ عینی پر بھی اللہ تعالیٰ کی بے حساب رحمتیں نازل ہوں کیونکہ انہوں نے حافظ ابن حجر عسقلانی کے موقف کی طرف رجوع کرتے ہوئے آخر میں یہ لکھ دیا کہ امام ابو جعفر طحاوی کا مذہب یہ ہے کہ جب بھی نبی سنی پیغمبر کا ذکر کیا جائے تو آپ پر درود پڑھا جائے۔

میری اس شرح کو بغور دل کی آنکھوں سے پڑھنا چاہیے کیونکہ یہ نعمۃ الباری کے خصائص میں سے ہے۔

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الاعلیٰ کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کیں اور حدیث روایت کی ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز اس کے بعد سورۃ الفاشیہ کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۸۸۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ هَلْ اَتٰكَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ

سورة الغاشیة کی تفسیر

سُورَةُ هَلْ اَتٰكَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ (الغاشیة) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة هَلْ اَتٰكَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اور صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں اس سورت کا نام الغاشیہ ہے، یہ سورت مکی ہے، اس پر اجماع ہے اور اس میں چھبیس (۲۶) آیات ہیں۔ الغاشیہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور غشیان کا معنی ہے: ڈھانپنا، اور قیامت کی ہولناکیاں ہر چیز کو ڈھانپ لیں گی۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ النَّصَارَى حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ○

(الغاشیہ: ۳) اس کا معنی ہے: سخت کام کرنے والے اور اس سے

مراد نصاریٰ ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجُودًا يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةً لِّلْغَامِلَةِ نَّاصِبَةٍ تَصْلِي نَارًا ○ اس دن بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے ○ کام کرنے والے

خَاشِعَةً ○ (الغاشیہ: ۲-۳) مشقت برداشت کرنے والے ○ وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں

جھونکے جائیں گے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ کی تفسیر نصاریٰ کے ساتھ کی ہے، صاحب التلویح نے کہا ہے: میں نے نہیں دیکھا کسی نے اس تعلق کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہو، علامہ عینی فرماتے ہیں: ان کا نہ دیکھنا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت منقول نہ ہو اور بے شک امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے اور اس میں یہود کا بھی اضافہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے: يَوْمَئِذٍ (اس دن) یعنی قیامت کے دن وہ ذلیل و خوار ہوں گے اور دوسرا قول ہے کہ وہ دوزخ میں ذلیل و خوار ہوں گے۔

سعید بن جبیر نے کہا: انہوں نے دنیا میں اللہ کے لیے اخلاص کے ساتھ کوئی عمل نہیں کیا، سو ان کو زنجیروں اور بیڑیوں کے ساتھ دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے گا، یہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ اور قتادہ سے روایت ہے کہ انہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے سے تکبر کیا تو ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور ان سے کام کرایا جائے گا، ضحاک سے منقول ہے کہ انہیں اس کا مکلف کیا جائے گا کہ وہ لوہے کے پہاڑ کو دوزخ میں چڑھائیں اور نصب کا معنی ہے: انہیں کام کا مادی بنایا جائے گا

اور عکرمہ سے منقول ہے کہ وہ دنیا میں گناہوں کے کام کرتے تھے تو انہیں قیامت کے دن دوزخ کی آگ میں گاڑ دیا جائے گا اور سعید بن جبیر اور زید بن اسلم سے روایت ہے: یہ راہب ہیں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں والے ہیں اور یہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ عَنِ آيَةِ بَدَعِ إِنَّا هَا وَحَاتَ شَرُّهَا اور مجاہد نے کہا: عَذَابُ آيَةِ: کا معنی ہے: وہ چشمہ گرمی کی انتہاء کو حَبِيبِ آيَةِ بَدَعِ إِنَّا هَا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

تُسْقَى مِنْ عَذَابِ آيَةٍ (الغاشیہ: ۵) انہیں کھولتے ہوئے چشمہ (کے پانی) سے پلایا جائے گا ○
علامہ مینی لکھتے ہیں: مجاہد نے آيَةِ کی تفسیر کی ہے: انتہائی گرم اور کھولتا ہوا، الجوہری نے کہا: انی الحمیم یعنی اس کی گرمی انتہاء کو پہنچ گئی۔ قرآن مجید میں ہے:

يَطْوِفُونَ فِيهَا وَبَيْنَ حَيِّمٍ اِنَّ (الرحمن: ۴۴) وہ اس دن اس (جہنم) میں اور سخت کھولتے ہوئے پانی میں گھوم رہے ہوں گے ○

اور حسن بصری نے کہا ہے: تمہارا ان لوگوں کے متعلق کیا خیال ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے قدموں پر پچاس ہزار سال تک کھڑے رہے ہوں گے، اس دن نہ وہ کوئی چیز کھائیں گے اور نہ کچھ پی سکیں گے حتیٰ کہ ان کی گردنیں پیاس سے ٹوٹ جائیں گی اور ان کے پیٹ بھوک کے مارے جل جائیں گے، ان کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا اور ان کو کھولتے ہوئے چشمہ کے پانی سے پلایا جائے گا، اور مقاتل نے کہا: وہ کھولتا ہوا چشمہ ایک پہاڑ کی جز سے نکلے گا جس کا طول ستر سال کی مسافت ہے، اس پانی کو ایک فرشتہ اوپے کے گرم پیالہ میں ڈال کر پلائے گا جس سے اس کے جگر جل جائیں گے اور اس سے اس کی ڈاڑھیں اور دانت بکھر جائیں گے اور جب وہ کھولتا ہوا پانی اس کے سینہ میں پہنچے گا تو اس کا دل جل جائے گا اور جب اس کے پیٹ میں پہنچے گا تو وہ اس طرح پھسل جائے گا جس طرح سیر پھسل جاتا ہے۔

لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَا غِيَّةً (الغاشیہ: ۱۱) لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَا غِيَّةً کا معنی ہے: گالی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَا غِيَّةً (الغاشیہ: ۱۱) جس میں کوئی شخص بے ہودہ بات نہیں سنے گا ○

علامہ مینی لکھتے ہیں: یعنی جنت میں کوئی افواہ بات نہیں سنے گا، امام بخاری نے اس کی تفسیر گالی کے ساتھ کی ہے، دوسرا قول ہے: کوئی افواہ بات اور اللغیہ العافیہ کی طرح مصدر ہے، اس کا معنی ہے: تم جنت میں جھوٹ، بہتان اور کفر نہیں سنے گے، دوسرا قول ہے: باطل کو نہیں سنے گے اور تیسرا قول ہے: معصیت کو نہیں سنے گے، چوتھا قول ہے: اور کسی قسم کو نہیں سنے گے خواہ سچی قسم ہو یا جھوٹی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تم ان کے کلام میں کوئی فضول اور بے مقصد بات نہیں سنے گے کیونکہ اہل جنت وہی بات کرتے ہیں جس میں عادت: ہوتی ہے۔

وَيُقَالُ الضَّرِيعُ نَهْتٌ يُقَالُ لَهُ الشَّبْرِيُّ يُسْتَبِيهِ أَهْلُ اور کہا جاتا ہے الضَّرِيعُ کا معنی ہے: ایک قسم کی بڑی اور
الْحَبَاذِ الضَّرِيعَةُ إِذَا تَبَيَّسَ وَهُوَ سَمٌّ۔ ترکاری جس کو شہوق کہتے ہیں جب وہ سوکھ جاتی ہے تو زہریلی
ہو جاتی ہے۔ اہل حجاز اسے ضَرِيعَ کہتے ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس قول کا قائل الفراء ہے، اس نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں یہ بات کہی ہے:

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ صَرِيحٍ ۖ لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ (الغاشیہ: ۶-۷)
 ان کا کھانا صرف خاردار خشک زبریلے درخت سے ہوگا ○
 جو نہ فر بہ کرے گا اور نہ بھوک دور کرے گا ○

مفسرین نے کہا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرکین نے کہا: ہمارے اونٹ تو صریح (زہریلی گھاس) کو کھاتے ہیں اور فر بہ ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اور مشرکین نے جھوٹ بولا تھا، ان کے اونٹ صریح کو اس وقت کھاتے تھے جب وہ تر ہوتی تھی اور خشک صریح کو نہیں کھاتے تھے۔

اگر تم سوال کرو کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ دوزخیوں کا کھانا صرف صریح ہوگا (الغاشیہ: ۶) اور دوسری آیت میں فرمایا ہے: وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غَسِيلٍ (الحاقہ: ۳۶) اور نہ (دوزخیوں کی) پیپ کے سوا (ان کا) کوئی طعام ہے ○
 اس کا جواب یہ ہے کہ عذاب کئی قسم کا ہوگا اور دوزخی بھی کئی قسم کے ہیں، بعض وہ ہیں جو قوم (تھوہر کا درخت جس کو عربی میں حنظل اور اردو میں اندرائن کہتے ہیں) کھائیں گے اور بعض وہ ہیں جو صریح کھائیں گے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ الصریح آگ کا درخت ہے، اور الخلیل نے کہا: وہ سبز رنگ کی بدبودار بوٹی ہے۔
 بِسَبْطٍ يُّسَلِّطُ وَيُفْرَأُ بِالنَّضَادِ وَالسَّيْنِ - مسبط: اس کا معنی ہے: مسلط کیا ہوا، یہ لفظ صداد سے بھی پڑھا گیا ہے اور سین سے بھی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَسْتُ عَلَيْهِمْ بِمُضْطَرٍ (الغاشیہ: ۲۲)
 آپ ان (کافروں) کو جبراً مسلمان کرنے والے نہیں ہیں ○
 علامہ عینی لکھتے ہیں: عاصم نے اس لفظ کو سین کے ساتھ مسبط پڑھا ہے، اسی طرح حمزہ نے اور باقیوں نے صداد سے مُضْطَرُ پڑھا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِيَّاَهُمْ مَرْجَعُهُمْ - اور حضرت ابن عباس نے کہا: إِيَّاَهُمْ: اس کا معنی ہے ان کے لوٹنے کی جگہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ (الغاشیہ: ۲۵)
 بے شک ہماری طرف ہی ان کا لوٹنا ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تعلیق کی امام ابن المنذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۱۶-۳۱۵ میں کی ہے]

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الغاشیہ کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ الفجر کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۸۹۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْفَجْرِ

سورة والفجر کی تفسیر

سورة والفجر کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الفجر کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت مکی ہے، ابن النقیب نے ابن ابی طلحہ سے روایت کی ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اس سورت میں تیس (۳۰) آیات ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ الفجر سے مراد پورا دن ہے اور ان سے دوسری روایت ہے کہ اس سے مراد نماز فجر ہے اور ان سے تیسری روایت ہے کہ اس سے مراد محرم کی فجر ہے اور قتادہ سے روایت ہے: اس سے مراد محرم کا پہلا دن ہے اور اسی مہینہ سے سال کی ابتداء ہوتی ہے، اور ضحاک سے منقول ہے کہ اس سے مراد ذوالحجہ کی فجر ہے اور مقاتل سے منقول ہے کہ اس سے مراد پورے سال کی صبح ہے، اور علامہ قرطبی سے منقول ہے کہ اس سے مراد قیامت تک ہر دن کی صبح ہے، اور علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ الفجر سے مراد پانی کے وہ چشمے ہیں جو پہاڑوں سے پھوٹتے ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)
وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْوُثْرَةُ: وَثْرَةٌ كَامْعَنٍ هِيَ: وَاحِدٌ يَعْنِي اللَّهُ تَعَالَى۔
اور مجاہد نے کہا: وَثْرَةٌ: کَامْعَنٍ کا معنی ہے: واحد یعنی اللہ تعالیٰ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اور جفت اور طاق راتوں کی قسم ○

وَالشَّفْعِ وَالْوُثْرَةِ ○ (الفجر: ۳)

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے کہا کہ شفع کے معنی ہیں: جوز اور وتر کا معنی ہے: اللہ عزوجل کی ذات جو واحد ہے اور امام عبد بن تمیم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ الشفع سے مراد یوم نحر ہے یعنی قربانی کا دن اور وتر سے مراد یوم عرفہ ہے اور قتادہ سے منقول ہے: بعض نمازیں دو گنا ہیں اور بعض نمازیں وتر ہیں اور یہ بھی روایت ہے کہ الشفع سے مراد حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام ہیں اور وتر سے مراد اللہ عزوجل کی ذات مقدس ہے اور مکہ اور مدینہ کے قراء نے اور بعض کوفیوں نے اس لفظ کو واؤ کی زبر کے ساتھ و تہ بڑھا ہے اور یہ اہل حجاز کی لغت ہے اور کوفہ کے تمام قراء نے اس کو واؤ کی زیر کے و تہ بڑھا ہے۔

إِنَّهُمْ ذَاتُ الْعِمَادِ ○ (الفجر: ۷) یعنی قدیم قوم عاد کے لوگ اور
العماد کا معنی ہے لے لے لوگ وہ عیسوں میں رہتے تھے یعنی خانہ بدوش جو لوگ کسی ایک جگہ قیام نہیں کرتے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وہ ارم کے لوگ تھے ستونوں جیسے لے قد والے ○

إِنَّهُمْ ذَاتُ الْعِمَادِ ○ (الفجر: ۷)

قوم عاد کا تعارف

علامہ عینی لکھتے ہیں: ارم کا لفظ قوم عاد کا عطف بیان ہے اور عاد کے دو قبیلے تھے: عاد الاولیٰ اور عاد الاخیرہ۔ عاد الاولیٰ کی طرف امام بخاری نے القدریمہ کے لفظ سے اشارہ کیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لوگ عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد سے تھے جو عاد کہلائے، اور ان کے دادا کے نام پر ان کا نام ارم رکھا گیا ہے اور ان کے بعد کے لوگوں کو عاد الاخیرہ کہا گیا ہے اور ارم کا لفظ غیر منصرف ہے، یہ قبیلہ ہے یازمین ہے اور یہ علم اور معرفت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

إِثْمَهُ ذَاتِ الْعِمَادِ کے مصداق میں اختلاف ہے۔ سعید بن المسیب نے کہا ہے کہ یہ لوگ دمشق میں تھے اور علامہ القرطبی سے منقول ہے کہ یہ لوگ الاسکندر یہ میں تھے اور مجاہد نے کہا: یہ ایک امت ہے جس کا معنی ہے: قدریمہ اور قنادہ سے منقول ہے کہ یہ عاد کا قبیلہ ہے، ابن اسحاق سے منقول ہے کہ یہ عاد کا دادا ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ قبیلہ یا شہر کا نام ہے۔

امام بخاری نے کہا: ذات العمداء یعنی بہت لمبے اور بہت شدید قوت والے۔ اور حضرت المقدام بن نضیر نے نبی سیناؑ پر سے روایت کی ہے کہ آپ نے إِثْمَهُ ذَاتِ الْعِمَادِ کا ذکر کیا تو فرمایا: ان میں سے ایک مرد کسی چٹان پر جاتا اور اس کو اپنے ہاتھ سے اٹھا کر کسی قبیلہ کے اوپر گرا کر اسے ہلاک کر دیتا، اور الکلبی سے منقول ہے کہ ان میں سے ایک مرد کے قدم کی لمبائی چار سو (۴۰۰) ہاتھ تھی، اور مقاتل سے منقول ہے کہ ان کا قد ستون کی طرح بارہ ہاتھ لمبا تھا۔

امام بخاری نے کہا: العمداء اهل عمود: العمداء مبتداء ہے اور اہل عمود اس کی خبر ہے یعنی وہ خیموں میں رہتے تھے اور کسی ایک شہر میں قیام نہیں کرتے تھے، خلاصہ یہ ہے کہ وہ لوگ خانہ بدوش تھے، کسی ایک جگہ قیام نہیں کرتے تھے، وہ لوگ سفر کرتے رہتے تھے اور بارش کی تلاش میں رہتے تھے، جہاں ان کو موسیٰیوں کے لیے چار اہل جاتا وہیں ٹھہر جاتے، پھر اپنے گھروں کی طرف لوٹ آتے تھے اور کسی ایک جگہ قیام نہیں کرتے تھے اور ان کے باغات اور کھیت تھے اور ان کے گھروادی القری میں تھے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کو ذات العمداء اس لیے فرمایا ہے کہ ان کا گھر شداد بن عاد نے بنایا تھا اور اس کی حکایت تناسیر میں مشہور ہے۔

سَوَاطِعُ الْعَذَابِ الَّذِي عَذَّبُوا بِهِ۔ سَوَاطِعُ عَذَابٍ: اس کا معنی ہے: جس چیز سے ان کو عذاب دیا گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَصَبَّ عَلَيْهِمُ رَبُّكَ سَوَاطِعَ عَذَابٍ ۝ (النجر: ۱۳)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے سَوَاطِعَ عَذَابٍ کی تفسیر کی ہے: جس چیز سے ان کو عذاب دیا گیا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عرب لوگ اس لفظ کو ہر قسم کے عذاب کے لیے بولتے ہیں اور اس میں کوڑا بھی داخل ہے اور قنادہ نے کہا: ہر وہ چیز جس سے عذاب دیا جائے وہ عذاب کا کوڑا ہے۔

أَكَلْنَا الشَّفَا وَجَنَّا الْكَثِيرَ۔ أَكَلْنَا: اس کا معنی ہے: السف یعنی ہر چیز کو لپیٹنا یا سمیٹنا اور جَنَّا: کا معنی ہے: الکثیر یعنی بہت زیادہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَتَأْكُلُونَ الثَّمَاثَ أَكْلًا لِّثًا ۖ وَتَجْتَبُونَ الْمَالَ حُبًّا ۖ جَنًّا ۝ (النجر: ۱۹-۲۰)

اور تم وراثت کا پورا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو ۝ اور تم مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو ۝

حلال اور حرام کی تمیز کے بغیر مال کھانے کی مذمت

علامہ مینی لکھتے ہیں: الشرائع کا معنی ہے: قیموں کا مال اور ان کی وراثت، اور لٹا کی تفسیر امام بخاری نے الشف کی ہے، اس کا معنی ہے: ساری چیزیں سمیت لینا، جب کوئی شخص سارا کھانا کھا جائے تو کہتے ہیں: سفت الاکل اور جب کوئی شخص ساری دوا پنی جائے تو کہتے ہیں: سفت الدواء اور جب کوئی شخص یہ ہوئے بغیر زیادہ پانی پی لے تو کہتے ہیں: سفت الماء، الحسن البصری نے کہا ہے: جو شخص اپنا حصہ اور دوسروں کا حصہ کھا جائے، اور علامہ نسفی نے لکھا ہے جو شخص حلال اور حرام کو جمع کر لے، اور بکر بن عبد اللہ نے کہا ہے: لَمْ کا معنی ہے: وراثت میں حصے سے تجاوز کرنا یعنی جس شخص کو وراثت میں جو چیز بھی ملے وہ اس کو کھا جائے اور یہ نہ پوچھے کہ آیا یہ حرام ہے یا حلال اور وہ اپنا اور دوسروں کا حصہ کھا جائے کیونکہ وہ لوگ عورتوں اور بچوں کو وراثت نہیں بناتے تھے، دوسرا قول یہ ہے کہ مرنے والے نے ظلم سے جو مال جمع کیا ہو اور ان کو اس کا پتا بھی ہو پھر بھی وہ اس کو کھا جاتے تھے، اور امام ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ لَمْ کا معنی ہے، دسترخوان پر جتنا بھی کھانا ہو اس کو تم تحقیق اور تفتیش کے بغیر کھا لو۔

جَنَّا کا معنی ہے: الکثیر اور جَنَّا جَنَّا کا معنی ہے: حرص کے ساتھ بہت زیادہ کھانا اور دوسروں کے حقوق نہ دینا۔
وَقَالَ مُجَاهِدٌ كُلُّ شَيْءٍ خَلَقَهُ فَهُوَ شَفْعٌ الشَّاءُ شَفْعٌ اور مجاہد نے کہا: ہر وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے وہ شفع و الوثر اند ثبائر و تغائی۔
یعنی جوڑا، آسمان جوڑا ہے اور وتر (یعنی واحد) اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔

علامہ مینی لکھتے ہیں: مجاہد نے قرآن کی آیت وَالشَّفْعُ وَالْوَثْرُ (انجیر: ۳) کی تفسیر میں یہ لکھا ہے: اگر تم یہ کہو کہ آسمان تو وتر ہے کیونکہ وہ سات ہیں تو میں کہوں گا کہ آسمان سے مراد آسمان اور زمین ملا کر ہیں جیسے گرم اور سرد اور مذکر اور مؤنث۔
وَقَالَ غَيْرُهُ مَوْظِعٌ عَذَابٍ كَثِيرٌ تَقُولُهَا الْقَرْبُ يَكُلُّ اور مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا کہ مَوْظِعٌ عَذَابٍ وہ لفظ ہے جس کو عرب ہر قسم کے عذاب کے لیے بولتے ہیں، اس میں کوڑا بھی داخل ہے۔

علامہ مینی لکھتے ہیں: اگر اس تعلیق کو امام بخاری اس سے پہلے مَوْظِعٌ عَذَابٍ کی تفسیر میں لکھتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔
لِبَالِيزِ صَادٍ إِلَيْهِ النَّصِيرُ۔
امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
إِنَّ رَبَّنَا لَبَالِيزٌ صَادٍ (انجیر: ۱۴)
بے شک آپ کا رب (ان کی) گھات میں ہے ○
علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کی ہے: اسی کی طرف لوٹا ہے اور اسی طرح القراء نے اس کی تفسیر کی ہے۔

علامہ مینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: الرصد الرصد سے مفعول کا وزن ہے اور اس کا معنی ہے: گھات لگانے کی جگہ۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۱۱۶)
علامہ مینی حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ بات صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کو علم صرف کا بالکل علم نہ ہو (کیونکہ مفعول اسم آلہ کا وزن ہے نہ کہ اسم ظرف کا۔ سعیدی غفرلہ) بلکہ علامہ مینی لکھتے ہیں کہ الرصد الرصد کا اسم مبالغہ ہے اور یہ رصد کا مبالغہ ہے جیسے میقات وقت کا مبالغہ ہے اور یہ اس کی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمانوں کو عذاب دینے کی تاک اور گھات

میں ہے اور نافرمان اس کے عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دیکھتا ہے اور ان کو سنتا ہے، مقاتل سے منقول ہے: وہ پل صراط پر لوگوں کی گھات میں ہے۔ پس فرشتے آنکڑے اور دوسرے آلات عذاب کے ساتھ نافرمانوں کی گھات میں ہیں۔

تَحَاضُّونَ تَحَافِظُونَ وَتَحْضُونَ تَأْمُرُونَ بِإِطَاعِهِ۔
تَحْضُونَ: اس کا معنی ہے: تم اس کی حفاظت کرتے ہو اور
تَحْضُونَ: اس کا معنی ہے: تم اس کو کھلانے کا حکم دیتے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا تَحْضُونَ عَلَى طَعَامِ الْمُسْكِينِ ۝ (انفجر: ۱۸)

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہاں پر دو قراءتیں ہیں، اہل کوفہ نے تحاضون کو الف کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسروں نے بغیر

الف کے تحضون پڑھا ہے، امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے کہ تم طعام کھلانے کا حکم دیتے ہو۔

الْمُطَهَّيَّةُ الْمَصْدَقَةُ بِالشَّوَابِ وَقَالَ الْحَسَنُ يَا أَيَّتُهَا
النَّفْسُ الْمُطَهَّيَّةُ إِذَا أَرَادَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ قَبْضَهَا
اطْمَأْنَنْتِ إِلَى اللَّهِ وَاطْمَأَنَّ اللَّهُ إِلَيْهَا وَرَضِيَ عَنْ اللَّهِ
وَعَنْهَا فَأَمَرَ بِقَبْضِ رُوحِهَا وَأَدْخَلَهَا اللَّهُ الْجَنَّةَ
وَجَعَلَهُ مِنْ عِبَادِهِ الصَّالِحِينَ۔
الْمُطَهَّيَّةُ: کا معنی ہے: جو ثواب کی تصدیق کرنے والی ہو، حسن
بصری نے يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ کی تفسیر میں کہا: جب اللہ تعالیٰ اس
روح کو قبض کرنے کا ارادہ فرمائے گا جو اللہ تعالیٰ کی طرف مطمئن
ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف مطمئن ہے اور وہ روح اللہ تعالیٰ
سے راضی ہے اور اللہ تعالیٰ اس روح سے راضی ہے تو اس روح کو
قبض کرنے کا حکم دے گا اور اللہ تعالیٰ اس روح کو جنت میں داخل
کر دے گا اور اسے اپنے نیک بندوں میں شامل کرے گا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطَهَّيَّةُ ۝ ارجعي إلى ربك راضية ۝
مَرْضِيَّةٌ ۝ (انفجر: ۲۷-۲۸)

علامہ عینی لکھتے ہیں: وہ روح اللہ کے وعدے کی تصدیق کرتے ہوئے مطمئن ہے، اور ابن کسیر نے کہا اللمطمئنة کا معنی ہے:
المخلصہ اور ابن عطاء نے کہا: جو روح اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتی ہو اور ایک آن کے لیے بھی اس پر صبر نہ کر سکے اور دوسرا قول ہے: جو
اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ ۝
یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے
مطمئن ہیں ۝ (الرعد: ۲۸)

حسن بصری نے کہا ہے کہ اس آیت میں سات جگہوں پر مونث کی ضمیر لانا ظاہر ہے کیونکہ یہ ضمیر نفس کی طرف لونی ہے، اس
تعلیق کی امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے روایت کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اطمینان کی نسبت مجاز ہے اور اس سے مراد اس کا
لازم ہے یعنی خیر کو پہنچانا، اور یہ بر بنائے مشاغل ہے اور رضا کا معنی ہے: اعتراض نہ کرنا۔

وَقَالَ غَيْرُهُ جَابُوا نَقَبُوا مِنْ جِيبِ الْقَبِيصِ قِطْعًا لَهُ
جِيبٌ يَجُوبُ الْفَلَاةَ يَقْطَعُهَا۔
اور حسن بصری کے علاوہ دوسروں نے کہا: جَابُوا نَقَبُوا کا معنی ہے:
(پھاڑ کو) تراش کر سوراخ بنایا، یہ لفظ جیب القبیص سے ماخوذ

ہے جس کا معنی ہے: قمیص کاٹ کر گریبان بنایا اور یحیوب الفلّاح کا معنی ہے: وہ شخص جنک کو قطع کرتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَتَشُودَ الَّذِينَ جَاءُوا الصَّخْرَةَ بِالْوَادِ ۝ (انجیر: ۹)

اور شہود کے لوگ تھے جنہوں نے وادی میں پتھروں کی چٹانیں

علامہ مینی لکھتے ہیں: اس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ الجیب کا معنی ہے: کاٹنا اور تراشنا۔ جب قمیص کاٹ کر گریبان بنایا جائے تو کہا جاتا ہے: جبت القميص، اسی طرح يَجُوبُ الفلاة کا معنی ہے: وہ شخص جنگل کو قطع کرتا ہے۔ اور الفراء نے کہا: جابو الصخر کا معنی ہے انہوں نے چٹانوں کو تراش کر گھر بنائے۔

لَقَالَتْ بَنَاتُهَا أَجْعَلْ أَمَّا نَحْنُ حَرْمٌ مِمَّنْ يَنْتَفِیْهِ لَبَدْلٍ خَلْدًا
نَظَارَةُ

نشانہ: یہ لفظ مستہ جمع سے ماخوذ ہے: اس کا معنی ہے: میں اس کا سارا ترکہ کھا کر اخیر تک پہنچ گیا ہوں۔

حلامہ مینی لکھتے ہیں: ابو ذر کے نسخہ میں یہ تعلیق مذکور نہیں ہے اور اس کو ساقط کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ مکرر ہے، غنقریب اس کا ذکر ہو چکا ہے اور اگر اس کو وہیں ذکر کر دیا جاتا تو زیادہ بہتر تھا۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ مینی نے عہدہ القاریت ۱۹ ص ۳۱۹-۳۱۶ میں کی ہے]

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الفجر کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ البہد کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۹۰۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ لَا اُقْسِمُ

سورة لا اقسام کی تفسیر

سورة لا اقسام (البلد) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة لَا اُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت کا نام سورة البلد بھی رکھا گیا ہے، یہ سورت مکی ہے اور اس میں بیس (۲۰) آیات ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ بِنَكَّةَ لَيْسَ عَلَيْكَ مَا عَلَى النَّاسِ فِيهِ مِنَ الْإِثْمِ۔ اور مجاہد نے کہا: بِهَذَا الْبَلَدِ (البلد: ۲) اس سے مراد مکہ ہے، یعنی لوگوں پر (اس شہر میں) لڑنے کی وجہ سے جو گناہ ہوتا ہے وہ آپ پر نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ (البلد: ۲) اس حال میں کہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس شہر سے مراد مکہ ہے، اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مستقبل میں اس شہر میں مشرکین کو جو آپ قتل کریں گے اور ان کو قید کریں گے وہ اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے اور اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ کے لیے قتال کو حلال فرما دیا حتیٰ کہ آپ نے جن کو قتل کرنا تھا ان کو قتل کیا اور جن کو گرفتار کرنا تھا ان کو گرفتار کیا، سو آپ نے ابن خطل اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا، ابوسفیان کے گھر کو حرم بنا دیا الواسطی نے کہا ہے: اس شہر سے مراد مدینہ ہے، یہ قول الشفاء میں مذکور ہے، اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے۔

وَوَالِدٍ آدَمَ وَمَا وَلَدَ۔ وَوَالِدٍ: اور اس سے مراد حضرت آدم ﷺ اور ان کی اولاد ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَوَالِدٍ آدَمَ وَمَا وَلَدَ (البلد: ۳) اور (انسان کے) والد کی قسم! اور اس کی اولاد کی! ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر حضرت آدم ﷺ اور ان کی اولاد سے کی ہے، دوسرا قول ہے کہ اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، اور رسول اللہ ﷺ ہیں اور عکرمہ اور سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ والد وہ شخص ہے کہ جس کی اولاد ہو اور مَا وَلَدَ میں مَانَفًی کے لیے ہے یعنی جو بانیجہ ہو اور اس کی اولاد نہ ہو، یہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے۔ علامہ ثعلبی نے کہا ہے: یہ قول بہت بعید ہے۔

لُبْدًا كَثِيرًا۔ لُبْدًا کا معنی ہے: کثیر یعنی بہت زیادہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُبَدًا ۝ (البعد: ۶)

وہ کہتا ہے: میں نے اپنا بہت مال خرچ کر دیا ہے ۝

علامہ مینی لکھتے ہیں: یہ کہنے والا الولید بن مغیرہ تھا، اس نے سیدنا محمد ﷺ کی عداوت میں بہت مال خرچ کر دیا تھا، اور اللہ کا لفظ تلبید سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: چیزوں کا اوپر تلے ڈھیر ہو۔

وَالشَّجْدَيْنِ الْخَيْرُ وَالشَّرُّ۔ الشَّجْدَيْنِ: اس کا معنی ہے: خیر اور شر (کے دو راستے)۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَهَذَا يَنْذُرُ الشَّجْدَيْنِ ۝ (البعد: ۱۰)

اور ہم نے اس کو (خیر اور شر کے) دونوں راستے دکھا دیئے ۝

علامہ مینی لکھتے ہیں: مجاہد اور اکثر مفسرین نے اس آیت کی اس طرح تفسیر کی ہے، اور مجد کا اصل میں معنی ہے: راستے میں بلند جگہ۔ مَسْعَبَةٌ مَسْعَبَةٌ: اس کا معنی ہے: مَسْجَعَةٌ یعنی بھوک۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَوْ اطْعَمْتُ يَوْمَ يَوْمِي مَسْعَبَتًا ۝ (البعد: ۱۳)

یا بھوک کے دن کھانا کھانا ۝

بھوک کے کو کھانا کھانا کی فضیلت

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: بھوکوں کو کھانا کھانا کی فضیلت میں یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا: اسلام کے کون سے حکم پر عمل کرنا سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: تم جس شخص کو پچانتے ہو یا نہ پچانتے ہو اس کو کھانا کھانا اور سلام کرو۔ (صحیح البخاری: ۱۲)

مَسْرَبَةُ السَّاقِطِ فِي الشَّرَابِ

مَسْرَبَةٌ: اس کا معنی ہے: جو شخص مٹی اور خاک پر پڑا ہوا ہو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَوْ مَسْكِينًا ذَا مَسْرَبَةٍ ۝ (البعد: ۱۶)

یا خاک نشین مسکین کو ۝

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کی ہے: جو شخص مٹی پر پڑا ہوا ہو، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر منقول ہے: یعنی جس شخص کے اور زمین کے درمیان کوئی بستر وغیرہ نہ ہو، اور ابن مجاہد سے اس کی تفسیر منقول ہے کہ جو شخص راستے میں پڑا ہوا ہو اور اس کا کوئی گھر نہ ہو۔

يُقَالُ فَلَا أَتَّخِمْ الْعَقَبَةَ فَلَمْ يَتَّخِمْ الْعَقَبَةَ فِي الدُّنْيَا
ثُمَّ فَتَرِ الْعَقَبَةَ فَقَالَ وَمَا أَذْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكَ
رَقَبَةٍ أَوْ اطْعَمْتُ يَوْمَ يَوْمِي مَسْعَبَةً۔

کہا جاتا ہے: فَلَا أَتَّخِمْ الْعَقَبَةَ ۝ (البعد: ۱۱) یعنی اس نے دنیا میں کوئی گھائی نہیں پھلائی، پھر گھائی کی تفسیر کی: اور آپ کو کیا معلوم کہ گھائی کیا ہے، وہ غلام کو آزاد کرنا ہے اور بھوک کے دن کھانا کھانا ہے۔ (البعد: ۱۳-۱۴)

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَا أَتَّخِمْ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَا أَذْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكَ

پس وہ دشوار گھائی سے نہیں گزرا ۝ اور آپ کیا کہے کہ وہ دشوار

گھائی کیا ہے؟ ۝ (قرض یا غلامی سے) گردن چھڑانا ۝ یا بھوک

مَسْعَبَةٍ ۝ أَوْ اطْعَمْتُ يَوْمَ يَوْمِي مَسْعَبَةً ۝

(البعد: ۱۳-۱۱) کے دن کھانا کھانا ۝

دشوار گھائی اور پل صراط کا بیان

علامہ عینی لکھتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے بھوک اور مٹی کا ذکر کیا تو یہ بیان شروع کیا کہ بھوک والے دن کیا کیا جائے اور جو خاک نشین ہو اس کے ساتھ کیا کیا جائے، پس فرمایا: دنیا میں انسان دشوار گھائی سے کیوں نہیں گزرتا کہ آخرت میں امن سے رہتا اور اَلْاِثْتِحَام کا معنی ہے: شدت اور مشقت کے ساتھ گزرتا اور داخل ہونا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس گھائی کی اہمیت بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا: آپ کیا سمجھے کہ وہ گھائی کیا ہے؟ پھر اس کی خبر نہیں دی اور اس کی تفسیر کی کہ وہ گردن چھڑانا ہے اور بھوک کے دن کھانا کھلانا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بڑے گناہوں اور ان کے بوجھ کو اور اس کے مرتکب کو گھائی کے ساتھ تشبیہ دی ہے، پس جب وہ نلام کو آزاد کر دے گا اور نیک عمل کرے گا تو اس شخص کی مثل ہوگا جو کسی دوسری گھائی سے پار گزر جائے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے: یہ گھائی جہنم میں پہاڑ ہے اور حسن بصری اور قتادہ سے منقول ہے کہ یہ دوزخ میں ایک گھائی ہے اور جہنم پر پل ہے، پس لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اس پل سے پار گزر جائیں گے اور مجاہد، نحاک اور الکلبی سے منقول ہے: یہ پل دوزخ کی پشت پر رکھا جائے گا جو تلوار سے زیادہ تیز ہوگا، اس کا طول تین ہزار سال کی مسافت ہے، اس میں لوگ سہولت سے چڑھیں گے اور اتریں گے اور اس کے پہلوؤں میں سعدان کے کانٹوں کی طرح آنکڑے ہوں گے۔

فی کَبَدٍ شِدَّةٍ۔ فی کَبَدٍ: اس کا معنی ہے: شدت اور سختی میں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ (البلد: ۴) بے شک ہم نے انسان کو اس کی مشقت میں پیدا کیا۔

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر نے اس تعلیق کی شرح نہیں کی۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: یعنی ہم نے انسان کو شدت اور مشقت کے کئی مراحل میں پیدا کیا ہے، ایک مرتبہ اس کی ماں کے پیٹ میں، پھر اس کی دودھ پینے کی مدت میں، پھر جب وہ بالغ ہو گیا تو اپنے معاش اور روزگار کے حصول کی مشقت میں مبتلا ہو گیا، پھر اس کے بعد مختلف بیماریوں اور مصائب کی شدت میں، پھر موت کی شدت میں۔

(انوار تبيان القرآن ص ۹۵۵ فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۳۳۱ھ)

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۲۱-۴۱۹ میں کی ہے]

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ البلد کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ الشمس کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور حدیث روایت کی ہے ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۹۱۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا

سورة الشمس کی تفسیر

سُورَةُ وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا (الشمس) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الشمس کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت میں پندرہ آیات ہیں اور یہ سورت مکی ہے۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۴۲۱)
وَقَالَ مُجَاهِدٌ ضُحَاهَا ضَوْءُهَا إِذَا تَلَّهَا تَبِعَهَا وَطَحَاهَا
مَعْنَى: جب وہ اس کے پیچھے آئے اور طَحَاهَا: کا معنی ہے: اور
دَحَاهَا دَشَاهَا أَغْوَاهَا

اس کو پھیلا دیا، اور دَشَاهَا: کا معنی ہے: اور اس کو گمراہ کیا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَّهَا
سورج کی قسم! اور اس کی روشنی کی! اور چاند کی قسم! جب وہ اس

(الشمس: ۱-۲) کے پیچھے آئے

اور زمین کی قسم! اور جس نے اس کو پھیلا دیا

وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا (الشمس: ۶)

اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کر لیا وہ ناکام ہو گیا

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَشَاهَا (الشمس: ۱۰)

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے الشمس وضحاہ کی تفسیر میں کہا ہے: جب سورج چمک جائے اور اس کی روشنی غالب آجائے اور
ضحا (چاشت) کا وقت اس کے بعد ہے اور قمارہ سے منقول ہے کہ وہ پورا دن ہے اور مقاتل سے منقول ہے: وہ اس کی حرارت ہے۔
اور مجاہد نے وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَّهَا (الشمس: ۲) کی تفسیر میں کہا: یعنی جب چاند سورج کی روشنی سے روشنی حاصل کرے اور یہ مہینہ
کے ابتدائی نصف میں ہوتا ہے، جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو اس کے بعد چاند ظلوغ ہو جاتا ہے۔

اور مجاہد نے وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا (الشمس: ۶) کی تفسیر میں کہا ہے کہ طَحَاهَا کا معنی ہے: دَحَاهَا یعنی اس کو پھیلا دیا، اور
الجوہری نے ذکر کیا ہے کہ دحوت الشبن دحوا کا معنی ہے: میں نے اس چیز کو پھیلا دیا اور کہا ہے کہ طَحَوْتُهُ بھی دَحَوْتُهُ کی مثل ہے
یعنی میں نے اس کو پھیلا دیا۔

اور مجاہد نے دَشَاهَا (الشمس: ۱۰) کی تفسیر میں کہا: وہ شخص ناکام ہو گیا جس نے گناہوں کا ارتکاب کیا، یعنی اس شخص سے اس
سے نفس کا محل غفلت رہا اور وہ گناہوں پر سوار ہو گیا۔

فَالْهَمَّهَا: اس کا معنی ہے: اس کے نفس کو اس کی بد بختی اور نیک بختی
فَالْهَمَّهَا غَزَقَهَا الشَّقَاءُ وَالشَّعَادَةُ۔

کی پہچان کرائی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَهُمْ هَافُ جُورًا وَتَقْوَاهَا ۝ (النفس: ۸)

پھر اس (نفس) کو اس کے برے کام اور ان سے بچنے کا طریقہ
سمجھایا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی نفس کو اس کے فجور یعنی بدبختی اور اس کے تقویٰ یعنی اس کی سعادت کو سمجھا دیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اس کے لیے خیر اور شر کو بیان کر دیا اور ان سے یہ بھی منقول ہے کہ اس کو اطاعت اور معصیت کا معنی بتایا اور یہ تفسیر علامہ نسفی کی کتاب میں ہے۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ۝ (النفس: ۸)

وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ۝ (النفس: ۸)

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَدْ مَدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذُنُوبِهِمْ فَسَوَّاهَا ۝ وَلَا يَخَافُ
عُقْبَاهَا ۝ (النفس: ۱۳-۱۵)

تو ان کے رب نے ان کے گناہ کی وجہ سے ان کو ہلاک کر کے ان
کی بستی کو ہم وار کر دیا O اور ان سے انتقام لینے سے اسے کوئی

خوف نہیں ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: قَدْ مَدَمَ عَلَيْهِمْ کا معنی ہے: ان کے رب نے اس کے رسول کی تکذیب کرنے اور اونٹنی کی کوچیوں کاٹنے کی وجہ سے ان کو ہلاک کر دیا، اور ان کی بستی کو ہم وار کر دیا یعنی یہ عذاب ان کی پوری قوم پر آیا اور ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا اور ان کی جڑ کاٹ دی۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا، امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے: عقبیٰ اَحَدٌ جب کہ عقبہا کی ضمیر نفس کے اعتبار سے مونث ہے کیونکہ نفس مونث سماعی ہے اور نفس کو عہد کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں یہ لفظ ذال کے ساتھ اخذ ہے، اس کا معنی ہے: ان کو بالعموم ہلاک کر دیا۔ علامہ نسفی نے کہا ہے کہ اللہ کو ان کے انجام کا خوف نہیں تھا اور حسن بصری سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کا یہ خوف نہیں تھا کہ ان کی ہلاکت میں جو لوگ ان کے تابع ہو گئے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمیر شمود کی طرف لوثی ہے یعنی قوم شمود کو اپنے انجام کا خوف نہیں تھا اور ضحاک، سدی اور الکلبی نے کہا کہ لَا يَخَافُ کی ضمیر کوچیوں کاٹنے والے کی طرف لوثی ہے یعنی جب قوم کا سب سے بد بخت شخص اٹھا اور اس نے اونٹنی کی کوچیوں کاٹ دیں اور وہ اپنے انجام سے نہیں ڈرتا تھا۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ يَطْعُوَاهَا بِعَصَايِهَا۔ اور مجاہد نے کہا: يَطْعُوَاهَا کا معنی ہے: بِعَصَايِهَا یعنی اپنی

نافرمانیوں کے سبب سے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا ۝ (النفس: ۱۱)

قوم ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب سے (اپنے رسول کو) جھٹلایا O
علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے: بِعَصَايِهَا یعنی اپنی نافرمانیوں کے سبب سے اور الفریابی نے مجاہد کی سند سے لکھا ہے: بِعَصَايِهَا۔

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی شرح میں لکھا ہے: مَعْصِيَتِهَا هُوَ التَّوَجُّهُ اور یہی عمدہ ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۱۸)

علامہ عینی اس پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حافظ ابن حجر نے اس کی عمدگی کی وجہ بیان نہیں کی بلکہ عمدہ تو لفظ جمع ہے جیسے امام بخاری کی تفسیر میں ہے بِعَصَايِهَا اور یہ مخفی نہیں ہے، اور طغویٰ اور طغیان دونوں واحد ہیں اور یہ طغی کا مصدر ہیں۔

میں کہتا ہوں: ممکن ہے حافظ ابن حجر عسقلانی کی مراد یہ ہو کہ طغونی مصدر ہے اور واحد ہے جمع نہیں ہے، اس لیے امام بخاری نے اس کی تفسیر جو بمعاصیہا کی ہے وہ مناسب نہیں ہے، اور جس طرح الفریابی نے اس کی تفسیر میں بتغصیتہا لکھا ہے وہی مناسب ہے اور عمدہ ہے۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح غلام حسنی نے عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۲۲-۳۲۱ میں کی ہے]

۱۔ باب

باب

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از والد خود کہ بے شک ان کو حضرت عبداللہ بن زمرہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے خطبہ دیتے ہوئے اونٹنی کا ذکر فرمایا اور اس کا ذکر فرمایا جس نے اونٹنی کی کوچیں کاٹی تھیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: إِذَا امْتَحَنَ أَشْقَاهَا (النس: ۱۲) جب (اس قوم کا) سب سے بد بخت امحا یعنی ایک عزیز مرد امحا جو مفسد تھا اور اپنے قبیلہ میں بہت قوی تھا جیسے زمرہ کا باپ (یعنی دادا) تھا، اور آپ نے عورتوں کا ذکر فرمایا، پس آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح کوزے مارنے کا ارادہ کرتا ہے، پھر شاید وہ دن کے آخری حصے میں اس کے ساتھ مباشرت کرتا ہے، پھر آپ نے ان کو اس بات پر نصیحت کی کہ وہ کسی کے گوز لگانے پر جنتے ہیں اور فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس کام پر کیوں جنتا ہے جس کام کو وہ خود کرتا ہے؟ اور ابو معاویہ نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عبداللہ بن زمرہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمرہ کے والد کی مثل جو الزبیر بن العوام کے چچا ہیں۔

۴۹۴۲۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وَهَيْبٌ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زُرَّارَةَ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَخْطُبُ وَذَكَرَ الثَّاقَةَ وَالَّذِي عَقَرَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا امْتَحَنَ أَشْقَاهَا امْتَحَنَ لَهَا رَجُلٌ عَزِيزٌ عَارِمٌ مَنِيعٌ فِي رَقِطِهِ مِثْلُ أَبِي زُرَّارَةَ وَذَكَرَ النِّسَاءُ فَقَالَ يَغْبِدُ أَحَدُكُمْ فَيَجِدُ امْرَأَتَهُ جَذْدَ الْعَبْدِ فَلَعَلَّهُ يَضَاجِعُهَا مِنْ آخِرِ يَوْمِهِ ثُمَّ وَعَظَهُمْ فِي ضَجِكِهِمْ مِنَ الضَّرْطَةِ وَقَالَ لَمْ يَضَحِكْ أَحَدُكُمْ مِمَّا يَفْعَلُ وَقَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زُرَّارَةَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مِثْلُ أَبِي زُرَّارَةَ عَمِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ (صحیح مسلم: ۲۸۵۵)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۷۷۷۳ میں گزر چکی ہے

حدیث مذکور کی سند کی تفصیل

حافظ بدرالدین محمود بن احمد مینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں وہیب کا ذکر ہے، یہ وہیب بن خالد ہیں اور ہشام کا ذکر ہے، یہ عروہ بن الزبیر بن العوام کے بیٹے ہیں جو ان کے والد سے روایت کرتے ہیں از حضرت عبداللہ بن زمرہ رضی اللہ عنہ، یہ صحابی ہیں اور الاسود بن المطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قیس القرظی کے بیٹے ہیں۔

حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اونٹنی اور اس کی کوچیوں کا ٹٹے والے کا تذکرہ

جس شخص نے حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اونٹنی کی کوچیوں کا ٹٹے والے کا نام قدیرہ تھا اور یہ قوم شمود کا وہ شخص تھا جس کی قوم شمود میں بد بختی کی مثال بیان کی جاتی تھی، اس کا رنگ سرخ تھا، آنکھیں نیلی تھیں اور قد چھوٹا تھا اور ذکر کیا گیا کہ یہ ولد الزنا تھا اور ساف نام کے ایک بستر پر پیدا ہوا تھا۔

عزیز، عارم اور منیع کے معانی اور زمعہ کے باپ کی مثل کے مصداق کا بیان

ایک ایسا مرد اٹھا جو عزیز عارم اور اپنے قبیلہ میں منیع تھا، عزیز کا معنی ہے: اس جیسے لوگ بہت کم تھے اور عارم کا معنی ہے: وہ بہت شدید بد مزاج، مفسد اور خبیث تھا، ایک قول ہے کہ وہ جاہل تھا اور منیع کا معنی ہے: وہ اپنی قوم میں بہت قوی اور طاقت ور تھا۔ وہ زمعہ کے باپ کی مثل تھا: اس سے مراد اسود ہے جس کا سند میں ذکر کیا گیا ہے جو حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کا دادا تھا، یہ ان لوگوں میں سے تھا جو رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑایا کرتے تھے، یہ مکہ میں حالت کفر میں مر گیا تھا اور اس کا بیٹا زمعہ بھی غزوہ بدر میں حالت کفر میں قتل کیا گیا تھا۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: ہو سکتا ہے کہ زمعہ کے اس باپ سے مراد وہ آزمائش ہو جس کی وجہ سے درخت کے نیچے بیعت رضوان کی گئی تھی اور وہ افریقہ میں ابن خدیج کے غزوہ میں فوت ہو گیا تھا اور القیر دان میں اس کو دفن کیا گیا تھا، علامہ قرطبی نے کہا: اگر یہ وہی شخص ہے تو اس کو اونٹنی کی کوچیوں کا ٹٹے والے مرد کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی ہے کہ یہ بھی اپنی قوم میں عزیز تھا اور اپنے مخالفین کفار کے خلاف بہت قوی اور جری تھا۔ علامہ قرطبی نے کہا: اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زمعہ کے باپ کی مثل سے مراد کوئی اور شخص ہو جس کا نام ابو زمعہ ہو۔

عورتوں کے ساتھ نرمی کرنے کی نصیحت اور گوز کی آواز سن کر ہنسنے کی مذمت

اس کے بعد آپ نے خطبہ میں خواتین کے متعلق امور کا ذکر فرمایا اور ان کو یہ نصیحت کی کہ تم عورتوں کو نہ مارا کرو کیونکہ تم دن میں عورتوں کو کوڑے مارتے ہو، پھر اسی دن شام کو ان سے مباشرت کرتے ہو۔ پھر ان کو نصیحت کی کہ تم کسی شخص کے گوز مارنے پر ہنستے ہو حالانکہ تم خود بھی یہ کام کرتے ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی بیویوں کو مارنا نہیں چاہیے اور ان پر سختی نہیں کرنی چاہیے اور یہ نصیحت کی کہ تم گوز کی آواز سن کر چشم پوشی کیا کرو اور ایسا نہ کیا کرو جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں اگر کسی شخص کا مجلس میں گوز نکل جاتا تو لوگ اس پر ہنستے تھے۔ شارح الحدیث نے اس سے منع فرمایا ہے اور یہ حکم دیا کہ اس سے اغماض اور چشم پوشی کرنی چاہیے اور اپنے کام میں مشغول رہنا چاہیے، یہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے برے کاموں میں سے ایک برا کام تھا کہ وہ مجلس میں گوز لگاتے تھے یعنی پاد مارتے تھے اور پھر اس پر ہنستے تھے۔

زمعہ کے باپ کو زبیر بن عوام کا چچا کہنے کی توجیہ

امام بخاری نے اس حدیث کی جو دوسری سند تعلیق میں بیان کی ہے اس تعلیق کو امام اسحاق بن راہویہ نے اپنی سند میں سند موصول کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس کے آخر میں لکھا ہے: زمعہ کے باپ کی مثل جو الزبیر بن عوام کا چچا ہے، اس تعلیق کی امام احمد نے بھی اپنی سند کے ساتھ ابو معاویہ سے روایت کی ہے لیکن اس کے آخر میں یہ نہیں لکھا کہ وہ الزبیر کا چچا ہے، آپ کا یہ ارشاد اس

طریقہ پر ہے کہ چچا کا بیٹا بھی چچا کے حکم میں ہوتا ہے کیونکہ زمعد کا باپ الاسود بن المطلب بن اسد تھا اور زبیر بن العوام بن خویلد بھی ابن اسد تھے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ بعض علماء نے اس میں یہ غلطی نکالی ہے اور کہا ہے کہ زمعد کا باپ زبیر کا چچا نہیں تھا، پھر انہوں نے اسی طرح اس اشکال کا جواب لکھا ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۲۳-۴۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی سے اس توجیہ کی تائید

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس تعلیق میں زمعد کے باپ کو زبیر کا چچا مجازاً کہا ہے کیونکہ زمعد کا باپ اسود بن المطلب ہے جو بنو اسد ہے اور الزبیر بن العوام بن خویلد بھی بنو اسد سے ہے، پس چچا کے بیٹے کو چچا کے قائم مقام کر کے اس پر اس اعتبار سے چچا کا اطلاق کیا گیا ہے، اسی طرح علامہ الدمیاطی نے زمعد کے باپ کی یہاں پر توجیہ کی ہے اور یہی معتمد ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۱۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الحمد لله رب العالمین سورۃ الشمس کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور جو حدیث روایت کی تھی ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ الليل کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۹۲۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى

سورة اللیل کی تفسیر

سُورَةُ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى (اللیل) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة اللیل کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت کا نام وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى ہے اور صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں اس کا نام سورة اللیل ہے۔ قتادہ، الکلبی، الشیبی اور سفیان سے روایت ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھاری قیمت میں خرید کر آزاد کیا تھا۔ عکرمہ اور عبد الرحمن بن زید نے کہا: یہ سورت مدنی ہے، یہ انصار کے ایک مرد ابو الدحداح کے متعلق نازل ہوئی اور ام سرہ کے متعلق نازل ہوئی جن کا طویل قصہ ہے۔ اس سورت میں اکیس (۲۱) آیات ہیں۔

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى ○ (اللیل: ۱) کا معنی ہے: اور رات کی قسم! جب وہ اپنی ظلمت سے دن کو چھپائے اور الزجاء نے کہا: رات افق کو اور آسمان اور زمین کے درمیان کی چیزوں کو چھپالیتی ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى بِالْخَلْفِ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کَذَّبَ بِالْحُسْنَى کی تفسیر میں

فرمایا: اس نے نیکی کی تکذیب کی یعنی صدقہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے اجر و ثواب کی تکذیب کی۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ○ (اللیل: ۹) اور نیک باتوں کی تکذیب کی ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے: اس نے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر اجر و ثواب ملنے کی تکذیب کی اور مجاہد سے منقول ہے کہ اس نے جنت کی تکذیب کی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی تکذیب کی اور پہلی تفسیر حق کے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ میں خرچ کرنے والے سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس خرچ کا بدلہ اور اجر عطا فرمائے گا۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَرَدَّى مَاتَ وَتَلَطَّى تَوَهَّجُ۔ اور مجاہد نے کہا: تَرَدَّى: اس کا معنی ہے: مر گیا اور تَلَطَّى: اس کا معنی ہے وہ بھڑک اٹھا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَمَا يَغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى ○ (اللیل: ۱۱) اور جب وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرے گا تو اس کا مال اس کے

کسی کام نہ آئے گا ○

فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّى ۝ (اللیل: ۱۳)

پس میں تم کو بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں ۝
علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے جب وہ مر جائے گا اور قنادہ اور ابو صالح سے اس کی تفسیر منقول ہے جب اس کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا، یہ آیت ابوسفیان بن حرب کے متعلق نازل ہوئی (علامہ مینی نے اسی طرح لکھا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد اسلام لے آئے تھے۔ سعیدی غفرلہ) اور تلمظی اصل میں تتلمظی تھا دو تاؤں میں سے ایک تا کو حذف کر دیا گیا اس کا معنی ہے بھڑک اٹھا۔

وَقَرَأَ عُبَيْدُ بْنُ عُمَيْرٍ تَتَلَمَّظِي۔
اور عبید بن عمیر نے اس آیت کو تتلمظی پڑھا ہے۔

علامہ مینی لکھتے ہیں: یعنی تا کا تا میں ادغام نہیں کیا۔

۱۔ باب: وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى ۝

(اللیل: ۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور دن کی (قسم) جب وہ روشن ہوا! (اللیل: ۲) کی تفسیر

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قیس بن عقبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الامش از ابراہیم از علقمہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعض اصحاب کی جماعت کے ساتھ شام میں داخل ہوا، پس ہمارے متعلق حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے سنا تو وہ ہمارے پاس آئے، انہوں نے پوچھا: کیا تم میں سے کوئی شخص قرآن پڑھنے والا ہے؟ تو ہم نے کہا: جی ہاں! پھر انہوں نے کہا: تم میں سے کون زیادہ اچھا قرآن پڑھتا ہے؟ تو میرے اصحاب نے میری طرف اشارہ کیا تو انہوں نے کہا: قرآن پڑھو تو میں نے پڑھا: وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى ۝ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى ۝ وَالذِّكْرِ وَالْأُنْثَى ۝ (اللیل: ۱-۳) اور رات کی قسم جب وہ (دن کو) چھپا لے ۝ اور دن کی (قسم) جب وہ روشن ہوا ۝ اور نر اور مادہ کی قسم ۝ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم نے خود اس آیت کو اپنے استاد یعنی حضرت ابن مسعود سے سنا ہے؟ میں نے کہا ہاں! انہوں نے کہا: میں نے بھی اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے سنا ہے اور یہ لوگ ہم پر انکار کرتے ہیں۔

۳۹۳۳۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ بْنُ عُقْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ دَخَلْتُ فِي نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ عَبْدِ اللَّهِ الشَّامِ قَسِبَ بِنَا أَبُو الدَّرْدَاءِ فَأَتَانَا فَقَالَ أَفِيكُمْ مَنْ يَقْرَأُ فَقُنَّا نَعَمْ قَالَ فَأَيُّكُمْ أَقْرَأُ فَأَشَارُوا إِلَيَّ فَقَالَ اقْرَأْ فَقَرَأْتُ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى وَالذِّكْرِ وَالْأُنْثَى قَالَ أَنْتَ سَبَقْتَهَا مِنْ فِي صَاحِبِكَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ وَأَنَا سَبَقْتُهَا مِنْ فِي النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ لَا يَأْبُونَ عَلَيْنَا۔ (صحیح مسلم: ۸۲۳، سنن ترمذی: ۲۹۳۹)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۸۷ میں گزر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں: دار الفکر کے مطبوعہ نسخہ میں یہ آیت اس طرح لکھی ہے: وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى ۝ (اللیل: ۳) صحیح البخاری: ۳۹۳۳ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے قرأت متواترہ تو اسی طرح ہے لیکن حضرت ابن مسعود اور ان کے شاگرد علقمہ وغیرہ اور حضرت ابو

الدرداء اس آیت کو الذکر والانثی پڑھتے تھے اور وہ ما خلق کو حذف کر دیتے تھے۔ (سعیدی غفرلہ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور اہل شام کا سورۃ الیل کی قراءت میں اختلاف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اہل شام حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ پر انکار کرتے تھے کیونکہ حضرت ابوالدرداء وہ ما خلق الذکر والانثی نہیں پڑھتے تھے اور الذکر والانثی پڑھتے تھے اور اہل شام کہتے تھے کہ یہ قراءت متواترہ ہے اور حضرت ابوالدرداء اس آیت میں حذف کر کے والذکر والانثی پڑھتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابُ: وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى ۝

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اس ذات کی (قسم) جس نے

نرا اور مادہ کو پیدا کیا ۝ (اللیل: ۳) کی تفسیر

(اللیل: ۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از ابراہیم، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب حضرت ابو الدرداء کے پاس آئے تو حضرت ابوالدرداء نے ان سے (کسی قاری کو) طلب کیا، پس انہوں نے اس کو پالیا، پس حضرت ابو الدرداء نے پوچھا: تم میں سے کون حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت کے موافق پڑھتا ہے، ابراہیم نے کہا: ہم سب ان کے موافق پڑھتے ہیں، پھر انہوں نے پوچھا: تم میں سے کون زیادہ حافظ ہے؟ تو سب نے علقمہ کی طرف اشارہ کیا تو حضرت ابو الدرداء نے پوچھا: تم نے حضرت ابن مسعود سے وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى ۝ (اللیل: ۱) کو کس طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے؟ علقمہ نے کہا: والذکر والانثی حضرت ابوالدرداء نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے اور یہ لوگ (اہل شام) ارادہ کرتے ہیں کہ میں وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى پڑھوں اور اللہ کی قسم! میں ان کی موافقت نہیں کروں گا۔

۴۹۴۴۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ قَدِمَ أَصْحَابُ عَبْدِ اللَّهِ عَلَى أَبِي الدَّرْدَاءِ فَطَلَبَهُمْ فَوَجَدَهُمْ فَقَالَ أَيْكُمْ يَقْرَأُ عَلَى قِرَاءَةِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كَلْنَا قَالَ فَأَيْكُمْ أَحْفَظُ فَأَشَارُوا إِلَى عَلْقَمَةَ قَالَ كَيْفَ سَمِعْتَهُ يَقْرَأُ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى قَالَ عَلْقَمَةُ وَالذَّكَرَ وَالْأُنْثَى قَالَ أَشْهَدُ أَنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ هَكَذَا وَهَؤُلَاءِ يُرِيدُونَ عَلَيَّ أَنْ أَقْرَأَ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى وَاللَّهُ لَا أَتَابِعُهُمْ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۸۷ میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابن مسعود کی قراءت متواترہ کی مخالفت کرنے کی توجیہ اور تحقیق

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے علقمہ وغیرہ سے پوچھا کہ تم میں سے کون حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق پڑھتا ہے

تو حضرت ابن مسعود کے تمام شاگردوں نے علقمہ کی طرف اشارہ کیا تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے علقمہ سے پوچھا کہ تم نے حضرت عبداللہ کو وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى کی کس طرح قراءت کرتے ہوئے سنا ہے؟ تو علقمہ نے کہا: وَالذِّكْرُ وَاللَّيْلُ یعنی وَاللَّيْلُ وَالذِّكْرُ وَاللَّيْلُ نہیں پڑھا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح یعنی وَالذِّكْرُ وَاللَّيْلُ پڑھتے ہوئے سنا ہے اور یہ اہل شام چاہتے ہیں کہ میں وَمَا خَلَقَ الذِّكْرَ وَاللَّيْلَ پڑھوں اور میں اس قراءت پر ان کی موافقت نہیں کروں گا یعنی وَمَا خَلَقَ کا اضافہ نہیں کروں گا۔

حضرت ابوالدرداء نے کہا کہ میں اہل شام کی موافقت نہیں کروں گا حالانکہ اہل شام کی قراءت متواترہ تھی اور حضرت ابوالدرداء کی قراءت یقینی تھی کیونکہ انہوں نے نبی ﷺ سے اس طرح سنا تھا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ پھر اہل شام کو چاہیے تھا کہ وہ حضرت ابوالدرداء کی مخالفت نہ کرتے تو میں کہوں گا کہ ان کی قراءت بھی یقینی تھی اور ان کی قراءت کا ثبوت بھی متواترہ سے تھا۔

علامہ المازری نے کہا ہے: اس پر اور جو اس کے حکم میں ہو اس پر اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ یہ پہلے تھا، پھر منسوخ ہو گیا اور جن کو ان کے منسوخ ہونے کا علم نہیں ہوا وہ اپنی قراءت پر قائم رہے یا یہ اس سے پہلے کا واقعہ ہے جب ان کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مصحف نہیں پہنچا تھا اور اس پر اجماع ہے کہ ہر منسوخ آیت اس مصحف سے محذوف ہو چکی ہے اور جب حضرت عثمان کا مصحف ظاہر ہو گیا تو پھر ان میں سے کوئی شخص بھی اس کے خلاف گمان نہیں رکھتا تھا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوالدرداء کی قراءت کے منسوخ ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع

علامہ ابوالکھفص عمر بن علی بن احمد انصاری الشافعی المعروف بابن المقلن التوفی ۸۰۳ھ لکھتے ہیں:

علامہ المازری کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابن ابوداؤد نے المصاحف میں حضرت ابوالدرداء کی قراءت کو نہیں لکھا اور غالباً حضرت ابوالدرداء کو قراءت متواترہ نہیں پہنچی تھی اور تمام مسلمانوں نے اس قراءت میں ان کی مخالفت کی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۳ ص ۵۳۹، وزارة الاوقاف، قطر ۱۴۲۹ھ)

حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابن مسعود کی قراءت متواترہ کی مخالفت کرنے کی مزید وجہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ہر چند کہ اس روایت کی نسبت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی طرف بہت قوی ہے مگر اب قراءت متواترہ پر اجماع ہو چکا ہے اور غالباً حضرت ابوالدرداء کی قراءت وَالذِّكْرُ وَاللَّيْلُ کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود کے شاگردوں تک اس کے منسوخ ہونے کا علم نہیں پہنچا تھا اور تعجب ہے کہ کوفہ میں جو علقمہ اور حضرت ابن مسعود کے شاگرد تھے انہوں نے بھی ان کی قراءت کے موافق نہیں پڑھا اور اسی طرح اہل شام نے بھی حضرت ابوالدرداء کی قراءت کے موافق نہیں پڑھا، اس سے یہ بات قوی ہو جاتی ہے کہ ان کی قراءت کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۲۰، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۳۔ بَابُ: فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ⑤

(اللیل: ۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پس جس نے (اللہ کی راہ میں)

دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا ○

(اللیل: ۵) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی جس نے اللہ کی راہ میں اپنے مال سے عطا کیا اور اپنے رب سے ڈرا اور حرام کاموں سے اجتناب کیا۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۲۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاعمش از سعد بن عبیدہ از ابو عبد الرحمن السلمی از حضرت علی بنی شہد وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بتبع الغرقہ میں ایک جنازے میں تھے، پس آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کا جنت میں ٹھکانا اور دوزخ میں ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے تو صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم اسی پر اعتماد نہ کر لیں؟ تو آپ نے فرمایا: تم عمل کرو، پس ہر عمل آسان کر دیا گیا ہے، پھر آپ نے یہ آیات تلاوت کیں: فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ① وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ② فَسَيُتْرَكُ ③ لِلْيُسْرَى ④ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى ⑤ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ⑥ فَسَيُتْرَكُ ⑦ لِلْعُسْرَى ⑧ (اللیل: ۵-۱) پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا ○ اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا ○ پس عنقریب ہم اس کو آسانی (جنت) مہیا کریں گے ○ اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پروا رہا ○ اور نیک باتوں کی تکذیب کی ○ پس عنقریب ہم اس کو دشواری (دوزخ) مہیا کریں گے ○

۴۹۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو نَعِيمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي بَقِيعِ الْغَرْقَدِ فِي جَنَازَةٍ فَقَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا تَشْكُلُ فَقَالَ اغْتَلُوا فَكُلُّ مُيَسَّرٍ ثُمَّ قَرَأَ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى إِلَى قَوْلِهِ لِيُغْنِيَ

(صحیح مسلم: ۲۶۳۷، سنن ترمذی: ۲۱۳۶، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۶۷۹)

اس حدیث کی مفصل شرح صحیح البخاری: ۱۳۶۲ میں کی جا چکی ہے، تاہم چند ضروری امور کا یہاں بیان کیا جا رہا ہے:

بقیع الغرقہ کا معنی

اس حدیث میں بقیع الغرقہ کا لفظ ہے ”بقیع“ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں مختلف اقسام کے درخت ہوں۔ بقیع الغرقہ اہل مدینہ کا قبرستان ہے۔

جب سب کچھ تقدیر میں لکھا ہوا ہے تو پھر عمل کی کیا ضرورت ہے

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سعادت اور شقاوت کو کتاب میں لکھ دیا ہے تو صحابہ نے قصد کیا کہ اس لکھے ہوئے کو حجت قرار دے کر عمل کرنے کو ترک کر دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ بتلایا کہ یہاں پر دو چیزیں ہیں اور

ایک چیز کی وجہ سے دوسری چیز باطل نہیں ہوتی، ایک ظاہر چیز ہے اور دوسری باطن چیز ہے اور وہی علت موجبہ ہے اور دوسری ظاہری چیز ہے اور وہ بندہ کے حق میں تہمہ لازمہ ہے اور وہ خیالی علامت ہے اور آپ نے یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو پیدا کیا ہے اور دنیا میں اس کا عمل آخرت کے انجام کی دلیل ہے، اسی لیے اللہ عزوجل نے فرمایا:

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ۖ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۖ
فَسَيُتْرَكُ لِلْيُسْرَى ۖ (اللیل: ۵-۷)

پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا ۝ اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا ۝ پس عنقریب ہم اس کو آسانی (جنت) مہیا کریں گے ۝

اس کی نظیر یہ ہے کہ انسان کی قسمت میں رزق لکھ دیا ہے لیکن اس کو کمانے کا حکم دیا ہے اور اس کی زندگی کی مدت تقدیر میں مقرر ہے لیکن اس کو بیماری کا علاج کرنے کا حکم دیا ہے، اسی طرح نیک بختی بھی اور بد بختی بھی تقدیر میں مقرر ہے لیکن اس کو نیکی کرنے اور برائی کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے، پس جس طرح وہ تقدیر کے لکھے ہوئے رزق پر اعتماد کر کے حصول رزق کے لیے جدوجہد کو ترک نہیں کرتا اور تقدیر میں لکھی ہوئی مدت پر اعتماد کر کے بیماری میں علاج کو ترک نہیں کرتا، اسی طرح اس کو چاہیے کہ وہ تقدیر میں لکھی سعادت اور شقاوت پر اعتماد کر کے نیک اعمال کے کرنے اور برے اعمال کے نہ کرنے کو ترک نہ کرے، پس تقدیر میں لکھا ہوا امر باطنی ملت موجب اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور انسان کے اعمال تہمہ لازمہ ہیں اور خیالی علامت ہیں اور امر باطنی کی وجہ سے امر ظاہری کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ (مدۃ القاری ج ۸ ص ۷۳ ملخصاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۔ بَابُ: وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۖ

(اللیل: ۶)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا

رہا ۝ (اللیل: ۶) کی تفسیر

..... امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الأعمش نے حدیث بیان کی از سعد بن عبیدہ از ابو عبد الرحمن از حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، پھر انہوں نے اسی حدیث کا ذکر کیا۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پس عنقریب ہم اس کو آسانی

(جنت) مہیا کریں گے ۝ (اللیل: ۷) کی تفسیر

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں بشر بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از سلیمان از سعد بن عبیدہ از ابو عبد الرحمن السلی از حضرت علی رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ ایک جنازے میں تھے، آپ ایک لکڑی پکڑ کر زمین کو کریدنے لگے، پھر آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کے ٹھکانے کے متعلق لکھ دیا

.... حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَنِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا نَقْعُودًا جَنْدَ الثَّيْبِيِّ سَاعِدًا فَقَدْ كَرَّ الْحَدِيثُ نَحْوَهُ

۵۔ بَابُ: فَسَيُتْرَكُ لِلْيُسْرَى ۖ

(اللیل: ۷)

۳۹۴۔ حَدَّثَنَا بَشَرُ بْنُ خَالِدٍ أَخْبَرَنَا مُعْتَمِدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلتَانٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَنِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ الثَّيْبِيِّ سَاعِدًا أَنَّهُ كَانَ فِي جَنَازَةٍ فَأَخَذَ عُودًا يَنْكُتُ فِي الْأَرْضِ فَقَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ أَوْ مِنَ الْجَهَنَّمَ فَأَلْوَا يَا سُلَٰمُونَ

اللّٰهُ أَفَلَا تَشْكُرُ قَالَ اْعْمَلُوا فَكُلُّ مُيَسَّرٌ فَأَمَّا مَنْ
أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۖ قَالَ شُعْبَةُ
وَحَدَّثَنِي بِهِ مَنْصُورٌ فَلَمْ أَنْكَرْهُ مِنْ حَدِيثِ سُلَيْمَانَ۔

گیا ہے کہ اس کا ٹھکانہ دوزخ میں ہوگا یا جنت میں، صحابہ نے کہا:
یا رسول اللہ! کیا ہم اسی پر اعتماد نہ کر لیں؟ آپ نے فرمایا: تم عمل
کرو، پس ہر عمل آسان کر دیا گیا ہے (پھر آپ نے یہ آیات
پڑھیں:) فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ۖ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۖ
(اللیل: ۵-۶) پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر
گناہوں سے بچتا رہا ۝ اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا ۝ شعبہ
نے کہا: مجھے یہ حدیث منصور نے بیان کی اور انہوں نے سلیمان کی
حدیث کا انکار نہیں کیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۶۲ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ اسی حدیث کی ایک اور سند ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۲۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے
بے پرواہ رہا ۝ (اللیل: ۸) کی تفسیر

۶۔ بَابُ: وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ۖ
(اللیل: ۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی،
انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از الامش از سعد بن
عبیدہ از ابو عبد الرحمن از حضرت علیؓ، وہ بیان کرتے ہیں کہ
ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: تم میں
سے ہر شخص کا ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے، اس کا ٹھکانا جنت سے ہوگا اور
دوزخ سے ہوگا، پس ہم نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم اسی پر اعتماد نہ
کر لیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں تم عمل کرو، پھر آپ نے یہ آیات
پڑھیں: فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ۖ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۖ
فَسَيُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ۖ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ۖ وَ كَذَّبَ
بِالْحُسْنَىٰ ۖ فَسَيُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ۖ (اللیل: ۱۰-۵) پس جس نے
(اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا ۝ اور
نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا ۝ پس عنقریب ہم اس کو آسانی
(جنت) مہیا کریں گے ۝ (اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے
پرواہ رہا ۝ اور نیک باتوں کی تکذیب) ۝ پس عنقریب ہم اس کو
دشواری (دوزخ) مہیا کریں گے ۝

۳۹۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ الْأَعْمَشِ
عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَلِيٍّ
عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ
فَقَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ
الْجَنَّةِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا
تَشْكُرُ قَالَ لَا اْعْمَلُوا فَكُلُّ مُيَسَّرٌ ثُمَّ قَرَأَ فَأَمَّا مَنْ
أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَيُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ
إِلَىٰ قَوْلِهِ فَسَيُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۶۲ میں گزر چکی ہے۔

علامہ بخاری لکھتے ہیں: یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے جس کی امام بخاری نے بخاری سے روایت کی ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۲۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور نیک باتوں کی تکذیب

کی (اللیل: ۹) کی تفسیر

۷۔ بَابُ: وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ①

(اللیل: ۹)

۴۹۳۸۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كُتِبَ فِي جَنَازَتِي فِي بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ فَأَتَانَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَعَدَ وَقَعَدْنَا حَوْلَهُ وَمَعَهُ مَخْضَرَةٌ فَتَكَسَّ فَجَعَلَ يَنْكُثُ بِمَخْضَرَتِهِ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ وَمَا مِنْ نَفْسٍ مَنفُوسَةٍ إِلَّا كُتِبَ مَكَانُهَا مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَإِلَّا قَدْ كُتِبَتْ شَقِيَّةٌ أَوْ سَعِيدَةٌ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا تَشْجَلُ عَمَّا كُتِبَ بَيْنَنَا وَنَدْعُ الْعَمَلُ فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّعَادَةِ فَسَيَصِيرُ إِلَى عَمَلٍ أَهْلِ الشَّعَادَةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَسَيَصِيرُ إِلَى عَمَلٍ أَهْلِ الشَّقَاءِ قَالَ أَمَّا أَهْلُ الشَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُونَ لِعَمَلٍ أَهْلِ الشَّعَادَةِ وَأَمَّا أَهْلُ الشَّقَاءِ فَيُيَسَّرُونَ لِعَمَلٍ أَهْلِ الشَّقَاءِ ثُمَّ قَرَأَ فَأَمَّا مَنْ أُعْطِيَ وَاشْتَمَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى الْآيَةَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از سعد بن عبیدہ از ابو عبد الرحمن السلمی از حضرت علی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم بقیع الغرقہ میں ایک جنازے میں تھے تو ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، پس آپ بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے اور آپ کے پاس ایک لکڑی تھی، پس آپ نے سر مبارک جھکایا اور لکڑی سے زمین کو کریدنے لگے، پھر فرمایا: تم میں سے جو شخص بھی ہے اور جو شخص بھی سانس لینے والا ہے اس کا جنت اور دوزخ سے ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے اور یہ لکھ دیا گیا ہے کہ وہ بد بخت ہے یا نیک بخت ہے، ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم اپنے اس لکھے ہوئے پر اعتماد نہ کر لیں اور عمل کو چھوڑ دیں، پس ہم میں سے جو شخص نیک بخت ہو گا وہ عنقریب نیک بختوں کے ساتھ مل جائے گا اور جو ہم میں سے بد بخت ہو گا عنقریب بد بختوں کے ساتھ مل جائے گا، آپ نے فرمایا: رہا وہ شخص جو نیک بخت ہے تو اس کے لیے نیک بختوں کے عمل آسان کر دیئے جائیں گے اور رہا وہ شخص جو بد بخت ہے تو اس کے لیے بد بختوں کے عمل آسان کر دیئے جائیں گے، پھر آپ نے یہ آیات پڑھیں: فَأَمَّا مَنْ أُعْطِيَ وَاشْتَمَى ① وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ② (اللیل: ۵-۶) پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ذکر کرنا ہوں سے بچا رہا ① پس عنقریب ہم اس کو آسانی (جنت) ملنا کر دیں گے ②

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۶۲ میں گزر چکی ہے۔

علامہ بخاری لکھتے ہیں: یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے جس کی امام بخاری نے عثمان بن ابی شیبہ سے روایت کی ہے، اس حدیث میں مخضرة کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: انسان اپنے ہاتھ میں جو لاشی وغیرہ رکھتا ہے، علامہ النبی نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے

کہ بادشاہ اپنے ہاتھ میں لٹھی وغیرہ رکھتے ہیں جس سے وہ اشارہ کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ہاتھ میں عصا اور لٹھی وغیرہ رکھنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸۔ بَابُ: فَسَيَسِيرُ عَلَى الْعُصْرِ ۝

(اللیل: ۱۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پس عنقریب ہم اس کو دشواری

(دوزخ) مہیا کریں گے ۝ (اللیل: ۱۰) کی تفسیر

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الائمہ، انہوں نے کہا: میں نے سعد بن عبیدہ سے سنا، وہ حدیث بیان کرتے ہیں از ابو عبد الرحمن السلمی از حضرت علی بن ابی النضر، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک جنازے میں تھے، پس آپ نے کوئی چیز پکڑی اور اس کے ساتھ زمین کریدنے لگے، پھر آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کے متعلق اس کا دوزخ میں ٹھکانا اور جنت میں ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے تو صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا پس ہم اس لکھے ہوئے پر اعتماد نہ کر لیں اور عمل کو چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا: تم عمل کرو، ہر شخص کے لیے وہ عمل آسان کر دیا گیا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ رہا وہ شخص جو اہل سعادت میں سے ہے تو اس کے لیے اہل سعادت کے عمل آسان کر دیئے جائیں گے اور رہا وہ شخص جو اہل شقاوت میں سے ہے تو اس کے لیے اہل شقاوت کے عمل آسان کر دیئے جائیں گے، پھر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں: فَاقْصِرْ عَنْ أَغْطَى وَاتَّقِ ۝ وَصَدَّقْ بِالْحُسْنَى ۝ (اللیل: ۶-۵) پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا ۝ پس عنقریب ہم اس کو آسانی (جنت) مہیا کریں گے ۝

۴۹۴۹۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ الْأَعْمَشِ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ عُبَيْدَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ فِي جَنَازَةٍ فَأَخَذَ شَيْئًا فَجَعَلَ يَنْكُثُ بِهِ الْأَرْضَ فَقَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا تَشْكِلُ عَنَّا كِتَابِنَا وَتَدْعُ الْعَمَلَ قَالَ اْعْمَلُوا فَكُلُّ مِيسَرَةٍ لَنَا خُلِقَ لَهُ أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَيُيسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَيُيسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَأَ قَامًا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى الْآيَةَ

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۶۲ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کا چھ سندوں کے ساتھ مروی ہونا

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ اس حدیث مذکور کی چھٹی سند ہے، امام بخاری نے اس حدیث کی چھ مختلف سندوں سے ہاتھ روایت کی ہے اور ہر سند کے ساتھ اس حدیث کے باب کا ایک مستقل اور الگ عنوان قائم کیا ہے، اس حدیث کے متون میں چھ کمی اور زیادتی ہے لیکن تمام متون کا مضمون واحد ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۲۹)

اہل بیت کرام کے اسماء کے ساتھ علیہ السلام لکھنے کا جواز اور رضی اللہ عنہ لکھنے کا افضل ہونا، اس کے متعلق مصنف کی تحقیق میں کہتا ہوں: امام بخاری کی یہ چھ سندیں حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب پر مبنی ہوتی ہیں، امام بخاری نے پانچ سندوں میں حضرت مولیٰ

علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھا ہے اور ایک حدیث (صحیح بخاری: ۴۹۴۷) کی سند کے ساتھ حضرت مولیٰ علی کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھا ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک رضی اللہ عنہ کے کلمات میں رضی اللہ عنہ کے کلمات سے زیادہ فضیلت ہے اور انہوں نے ایک حدیث کی سند میں حضرت مولیٰ علی کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھ کر یہ مسئلہ واضح کیا ہے کہ حضرت مولیٰ علی اور دیگر اہل بیت کہ اسماء گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھنا بھی جائز ہے کیونکہ بعض نامی اور خارجی، حضرات اہل بیت کے ساتھ عداوت رکھنے کی وجہ سے ان کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھنے کو ناجائز کہتے تھے اور اس دور میں بھی بعض ایسے متشدد لوگ ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت فاطمہ علیہا السلام یا حضرت حسنین رضی اللہ عنہما لکھنے کو ناجائز کہتے ہیں، امام بخاری پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں ہوں انہوں نے ان اہل بیت کرام کے اسماء گرامی کے ساتھ اپنی صحیح بخاری کی متعدد احادیث میں رضی اللہ عنہ لکھ کر یہ واضح کیا کہ اہل محبت کے نزدیک ان حضرات کے اسماء کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھنا جائز ہے۔

تاہم جیسا کہ ہم نے تصریح کی ہے کہ اہل بیت کرام کے اسماء مبارک کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھنے کی بہ نسبت زیادہ افضل ہے کیونکہ سلام تو ہر مومن پر پڑھا جاسکتا ہے خواہ وہ زندہ ہو یا وفات پا چکا ہو کیونکہ زندہ کو کہا جاتا ہے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور وفات یافتہ لوگوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: السلام علیکم یا اہل القبور (سنن ترمذی: ۱۰۵۳) نیز حدیث میں ہے: السلام علیکم یا اہل المقابر۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۹، سنن داری مقدمہ: ۱۵)

اور امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب کوئی مرد ایسی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ پہچانتا ہو اور اس پر سلام پڑھے تو قبر والا اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اس کو پہچانتا ہے اور اگر وہ ایسی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ نہ پہچانتا ہو اور سلام کرے تب بھی وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

عن ابی ہریرۃ قال اذا مر الرجل بقبر یعرفہ فسلم علیہ رَدَّ علیہ السلام و عرفہ واذا مر بقبر لا یعرفہ فسلم علیہ رَدَّ علیہ السلام۔

(شعب الایمان ج ۷ ص ۱۷، رقم الحدیث: ۹۲۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۰ھ)

اور امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں آئے اور فرمایا: اے مومنین کے گھر! تم پر سلام ہو اور بے شک ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔

عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی القبۃ فقال السلام علیکم ذآ قنوم مومنین وانا ان شاء اللہ ہمک لاحقون۔ الحدیث۔

(صحیح مسلم: ۴۷۲، سنن نسائی: ۱۵۰، سنن ابن ماجہ: ۴۳۰۶، مسند

ترمذی: ۸۸۸۷)

اور رضی اللہ عنہ کے کلمات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے کہے جاتے ہیں یا پھر ان کا لین اور عارفین کے لیے جو اصحاب احسان ہوں یعنی محسنین ہوں یا متقین ہوں یعنی اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرنے والے ہوں، اور ہر قسم کے گناہوں سے اجتناب کرتے ہوں۔ صحابہ اور محسنین کے لیے رضی اللہ عنہم کہنے کے ثبوت میں یہ آیت کریمہ ہے:

اور مہاجرین اور انصار میں سے (نگلی میں) سہقت کرنے والے اور سب سے پہلے ایمان لانے والے اور جن مسلمانوں نے نگلی

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَفَعْنَا اللَّهُ عَنْهُمْ دَرَجَاتٍ وَّرَعُوا

عَنْهُ (التوبہ: ۱۰۰)

میں ان کی اتباع کی اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

اور متقین اور اللہ سے بہت ڈرنے والوں اور ہر قسم کے گناہوں سے اجتناب کرنے والوں کے متعلق یہ آیت مبارک ہے:

رَاضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ
رَبَّهُ ۝ (البینہ: ۸)

اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا O

سو واضح ہو گیا کہ نبی کریم کے دعائیہ کلمات کہنا صحابہ کرام اور محسنین اور متقین کا ملین کے ساتھ مخصوص ہے جب کہ ﷺ کے دعائیہ کلمات میں ایسی کوئی تخصیص نہیں ہے ان کو ہر مسلمان کے لیے کہنا جائز ہے۔

میرے دل میں بڑے عرصہ سے یہ خواہش تھی کہ نبی کریم اور ﷺ کے درمیان فرق کو واضح کر دوں اور یہ بتاؤں کہ اہل بیت کرام کے اسماء مبارکہ کے ساتھ ﷺ لکھنا جائز ہے لیکن افضل یہی ہے کہ ان کے اسماء مبارکہ کے ساتھ بھی نبی کریم لکھا جائے۔ الحمد للہ رب العالمین صحیح بخاری کی اس حدیث کی شرح میں یہ خواہش پوری ہو گئی۔

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ اللیل کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور جو احادیث روایت کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ الضحیٰ کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۹۳۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ وَالصُّحٰی

سورۃ والضحیٰ کی تفسیر

سورۃ والضحیٰ کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ والضحیٰ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت مکی ہے اور اس میں گیارہ آیات ہیں۔

علامہ الشلبی نے کہا ہے کہ الضحیٰ کا معنی ہے: پورا دن اور قتادہ اور مقاتل نے کہا ہے: یعنی چاشت کا وقت، یہ وہ وقت ہے جس میں سورن پوری طرح بلند ہو جاتا ہے (طلوع آفتاب کے دو گھنٹے بعد) اور گرمی اور سردی میں دن معتدل ہوتا ہے اور واؤ قسم کے لیے ہے یعنی چاشت کے رب کی قسم۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۲۹)

میں کہتا ہوں کہ ہم نے سورۃ والضحیٰ کی تفسیر میں لکھا ہے: مشرکین کا یہ دعویٰ تھا کہ سیدنا محمد منجیہم کو آپ کے رب نے چھوڑ دیا اور وہ آپ سے بیزار ہو گیا، وہ اپنے اس دعویٰ پر کوئی گواہ پیش نہیں کر سکے، پھر قاعدہ کے مطابق نبی منجیہم پر لازم تھا کہ آپ ان کے اس دعویٰ کے انکار پر قسم اٹھاتے، پس قسم آپ پر آتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی جگہ دن اور رات کی قسم کھا کر فرمایا: آپ کے رب نے آپ کو نہ چھوڑا ہے اور نہ آپ سے بیزار ہوا ہے اور یہ واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اور آپ کا معاملہ واحد ہے آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے آپ کی رضا اللہ کی رضا ہے، آپ کی بیعت اللہ کی بیعت ہے، اسی طرح جو قسم آپ پر لازم آتی ہے وہ اللہ پر قسم ہے، اس لیے فرمایا: دن کی قسم! اور رات کی قسم! آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا ہے اور نہ آپ سے بیزار ہوا ہے، بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ "والضحیٰ" سے مراد ہے: آپ کے روشن چہرے کی قسم! اور "واللیل" سے مراد ہے: آپ کی سیاہ زلفوں کی قسم!۔ (تفسیر بیہ ن ۱۱ ص ۱۹۲) (انوار تبیان القرآن ص ۹۵۸ فریہ یک اسال لاہور ۱۴۳۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ إِذَا سَجَى اسْتَوَى وَقَالَ غَيْرُهُ سَجَى اور مجاہد نے کہا ہے: إِذَا سَجَى کا معنی ہے: جب رات برابر ہو جائے اُظْلَمَ وَشَكَّن۔ اور دوسروں نے کہا: جب رات تاریک ہو جائے یا ساکن ہو جائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى (۱۰ الضحیٰ: ۲) اور رات کی قسم! جب وہ پھیل جائے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تعلیق کو ابو محمد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

امام بخاری نے کہا اور مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا کہ سَجَى کا معنی ہے: جب رات تاریک ہو جائے، یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، اور انہوں نے دوسری تفسیر کی ہے: جب رات ساکن ہو جائے، یہ تفسیر بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور حسن بصری سے منقول ہے: جب رات آجائے اور ان سے یہ بھی منقول ہے: جب رات ٹھہر جائے اور ساکن ہو جائے۔ امام طبری نے کہا: ان اقوال میں اولیٰ یہ ہے کہ جب رات ساکن ہو جائے کیونکہ جب سمندر ساکن ہو تو کہا جاتا ہے: تَهْتَأُ سَاكِنًا یعنی ساکن۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس تعلیق کی یہی شرح کی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۲۲)

عَائِلًا ذُو عِيَالٍ عَائِلًا: اس کا معنی ہے: بال بچوں والا (یعنی ضرورت مند)۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَى ۝ (النضحی: ۲) آپ کو ضرورت مند پایا تو غنی کر دیا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے العائل کی تفسیر کی ہے: بال بچوں والا، اور علامہ ثعلبی نے کہا ہے، فاغناک اس کا معنی ہے کہ آپ کو پہلے حضرت خدیجہ بنتی تمیمہ کے مال سے غنی کر دیا، پھر غنیمتوں کے مال سے آپ کو غنی کر دیا، اور مقاتل نے کہا ہے: آپ کو رزق عطا کر کے آپ کو راضی کر دیا، اور ابن عطاء سے منقول ہے کہ آپ کے دل کو ضرورت مند پایا تو آپ کے دل کو غنی کر دیا۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۳۰-۳۲۹ میں کی ہے]

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ کے رب نے آپ کو نہیں

۱۔ بَابُ: مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى ۝

چھوڑا اور نہ وہ بیزار ہوا ۝ (النضحی: ۳) کی تفسیر

(النضحی: ۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاسود بن قیس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے تو آپ دو راتیں یا تین راتیں نہیں اٹھے تو آپ کے پاس ایک عورت آئی، سو اس نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم!) بے شک مجھے امید ہے کہ آپ کے شیطان نے آپ کو چھوڑ دیا ہے اور میں نے نہیں دیکھا کہ وہ دو یا تین راتوں سے آپ کے قریب آیا ہو، تب اللہ عزوجل نے یہ آیات نازل فرمائیں: وَالصُّحُفِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى ۝ وَمَا قَلَىٰ ۝ (النضحی: ۱-۳) چاشت کے وقت کی قسم! ۝ اور رات کی قسم جب وہ پھیل جائے ۝ آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ بیزار ہوا ۝

۳۹۵۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا الْأَسْوَدُ بْنُ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ جُنْدَبَ بْنَ سُفْيَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ اشْتَكَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا فَجَاءَتْ امْرَأَةً فَقَالَتْ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي لَأَرَجُو أَنْ يَكُونَ شَيْطَانُكَ قَدْ تَرَكَكَ لَمْ أَرَ قَرْبَكَ مُنْذُ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَالصُّحُفِ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى ۝ (صحیح مسلم: ۱۷۹۷)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۱۲۴ میں گزر چکی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے والی عورت کا نام

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب آپ بیمار ہونے کی وجہ سے دو یا تین راتیں تہجد کے لیے نہیں اٹھ سکے تو آپ کے پاس ایک عورت آئی، اس کی کنیت ام جمیل تھی، یہ ابولہب کی بیوی اور حرب کی بیٹی تھی اور ابوسفیان کی بہن تھی اور اس کا نام العوراء تھا۔ یعنی کافی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

صحیح بخاری کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں سورۃ والضحیٰ کے سبب نزول کے متعلق دیگر روایات اور ان کا غیر

معتبر ہونا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے اس آیت کے سبب نزول میں مجہول راویوں سے یہ روایت کی ہے کہ نبی ﷺ کے تخت کے نیچے ایک کتے کا پلا تھا جس کا آپ کو پتا نہیں تھا، اس وجہ سے حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس نہیں آئے اور آپ کے تخت کے نیچے کتے کا پلا ہونے کی وجہ سے حضرت جبریل علیہ السلام کے آپ کے پاس نہ آنے کا قصہ مشہور ہے، لیکن اس آیت کا یہ سبب نزول بیان کرنا غریب ہے بلکہ شاذ ہے اور حدیث صحیح کی بنا پر مردود ہے۔

اس آیت کے نزول کا صحیح حدیث میں یہ سبب ہے کہ آپ دو یا تین راتیں تہجد کے لیے نہیں اٹھے تھے جس کا سبب آپ کی بیماری تھا۔

اس آیت کے نزول کا تیسرا سبب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید نازل ہوا تو کئی دن تک حضرت جبریل علیہ السلام نہیں آئے، اس سے آپ کو بہت رنج ہوا اور مشرکین نے کہا: آپ کو آپ کے رب نے چھوڑ دیا اور آپ سے بیزار ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝ (الضحیٰ: ۳)

آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ بیزار ہوا

اور اسماعیل مولیٰ آل الزبیر کی سند سے روایت ہے کہ نبی ﷺ پر وحی کا آثار رک گیا، اس سے آپ غمگین ہوئے، پس آپ نے فرمایا: مجھے خوف ہے کہ میرا صاحب مجھ سے ناراض ہو گیا ہے، تب حضرت جبریل سورۃ والضحیٰ لے کر نازل ہوئے اور محمد بن عبد اللہ علی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ وحی کا آثار رک گیا تو مشرکین نے کہا: اگر یہ وحی اللہ کی طرف سے تھی تو مسلسل آتی رہتی لیکن اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو گیا، تب اللہ تعالیٰ نے مکمل سورۃ والضحیٰ اور مکمل سورہ الم نشرح نازل فرمائیں اور حق بات یہ ہے کہ سورۃ والضحیٰ کے سبب نزول میں جو وحی کا رکنا بیان کیا گیا ہے یہ اور قصہ ہے جو ابتداء وحی میں وحی کے منقطع ہونے کا قصہ ہے، یہ اس کے علاوہ ہے، نیز ابتداء وحی میں جو وحی کا انقطاع ہوا تھا وہ کئی دنوں پر محیط تھا اور وہ صرف دو یا تین راتوں تک وحی کے نہ آنے کا قصہ نہیں ہے، پس بعض راویوں پر یہ دونوں قصے غلط ملط ہو گئے اور صحیح سبب نزول وہی ہے جو صحیح بخاری میں مذکور ہے۔

پھر میں نے سیرت ابن اسحاق میں دیکھا اس میں سورۃ والضحیٰ کا ایک اور سبب نزول بیان کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ جب مشرکین نے نبی ﷺ سے ذوالقرنین اور روح وغیرہ کے متعلق سوال کیا اور آپ نے ان سے کل جواب دینے کا وعدہ فرمایا اور آپ نے ان شاء اللہ نہیں کہا تو حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس بارہ (۱۲) یا اس سے زیادہ راتوں تک نہیں آئے، اس سے آپ کو رنج ہوا اور مشرکین نے آپ کے خلاف باتیں کیں تو حضرت جبریل علیہ السلام سورۃ والضحیٰ لے کر اور ان کے سوالوں کے جوابات لے کر نازل ہوئے اور یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَقْنُزْنَ بِشَايٍ ۚ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ عَبْدًا ۖ إِلَّا أُنْ
يَشَاءُ اللَّهُ (الف: ۲۳-۲۴)

والا ہوں ○ مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

اور سورۃ والضحیٰ کا یہاں پر ذکر کرنا بہت بعید ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ ان دنوں قصوں کا زمانہ قریب قریب ہو تو بعض راویوں نے ایک قصہ کو دوسرے قصہ کے ساتھ ملا دیا اور ان میں سے کوئی قصہ بھی بعثت کی ابتداء سے متعلق نہیں ہے اور یہ بعثت کے بہت بعد کا

قصہ ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۲۳-۱۲۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۔ بَابُ: مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ کے رب نے آپ کو نہیں

(الضحیٰ: ۳)

چھوڑا اور نہ آپ سے بیزار ہوا ۝ (الضحیٰ: ۳) کی تفسیر علامہ عینی لکھتے ہیں: المستملی کی روایت میں یہ باب مکرر ہے اور دوسروں کی روایت میں یہ باب مکرر نہیں ہے کیونکہ انہوں نے پہلے باب کو ذکر نہیں کیا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۳۰)

مَا وَدَّعَكَ کو دال کی تشدید کے ساتھ اور تخفیف کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور دونوں کا معنی ایک ہے یعنی آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: تشدید کے ساتھ مَا وَدَّعَكَ پڑھنا جمہور کی قراءت ہے اور تخفیف کے ساتھ مَا وَدَّعَكَ پڑھنا ابن ابی عبیدہ کی قراءت ہے۔

امام بخاری نے کہا: ان دونوں قراءتوں کا معنی واحد ہے یعنی آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۳۰) حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: امام ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ مَا وَدَّعَكَ باب تفعیل سے ہے اور مَا وَدَّعَكَ ثَلَاثِیْ مجرد کے باب سے ہے اور ان میں فرق یہ ہے کہ باب تفعیل کے الفاظ زیادہ ہیں اور لفظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے، اس لیے مَا وَدَّعَكَ کے معنی میں ترک کرنے کا مبالغہ ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۲۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ آپ سے ناراض ہوا۔ علامہ عینی لکھتے ہیں: مَا قَلَىٰ اور قَلَىٰ اس سورت کے یہ کلمات ایک وزن پر ہیں ان کو رعایت فواصل کہا جاتا ہے اور قرآن مجید کے غیر میں ان کو رعایت جمع کہا جاتا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۳۱)

۳۹۵۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ جُنْدُبًا الْهَجَلِيَّ قَالَتْ امْرَأَةٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَرَىٰ صَاحِبَكَ إِلَّا أَبْطَاكَ فَتَزَلَّتْ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الاسود بن قیس، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جندب الجہلی بنی نضیر سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے کہا: یا رسول اللہ! میری رائے یہ ہے کہ آپ کے صاحب (یعنی حضرت جبریل علیہ السلام) نے آپ کے پاس آنے میں دیر لگا دی، تب یہ آیت نازل ہوئی: مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝ (الضحیٰ: ۳) آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ آپ سے بیزار ہوا ۝

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۱۲۴ میں گزر چکی ہے۔

دوسری حدیث میں آپ سے کہنے والی عورت کا مصداق

علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث پر یہ سوال ہوتا ہے کہ وہ عورت تو کافرہ تھی تو اس نے کیسے کہا: یا رسول اللہ! اس کا جواب یہ ہے یا تو اس عورت نے آپ کا مذاق اڑانے کے لیے یا رسول اللہ کہا تھا اور یا پھر حدیث میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کی روایت راوی کے تصرفات میں سے ہے۔ (تحقیق الکواکب الدراری ج ۷ ص ۱۹۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ)

اس پر دلیل کہ دوسری روایت میں جو عورت مذکور ہے وہ پہلی روایت میں مذکور عورت کی غیر ہے حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سیاق و سباق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں جس عورت کا یہ بیان ہے یا رسول اللہ! میری رائے ہے کہ آپ کے صاحب نے یعنی حضرت جبریل نے آپ کے پاس آنے میں تاخیر کر دی اور اس سے پہلی حدیث میں جس عورت کا ذکر ہے وہ نکڑیاں اٹھا کر لانے والی تھی کیونکہ اس نے آپ کے صاحب کو شیطان سے تعبیر کیا تھا اور کہا تھا کہ آپ کے شیطان نے آپ کو چھوڑ دیا یہ خلاف اس روایت ہے کیونکہ اس روایت میں اس عورت نے شیطان کے بجائے آپ کے صاحب کا اور چھوڑنے کے بجائے تاخیر کرنا کہا اور علامہ کرمانی نے یہ جائز قرار دیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حدیث کی عبارت میں یہ تغیر راوی کے تصرف کی وجہ سے ہو کیونکہ دونوں حدیثوں کا مخرج واحد ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۲۳-۱۲۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ نعیمی کا علامہ کرمانی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے ساتھ مناقشہ

علامہ بدر الدین نعیمی لکھتے ہیں: علامہ کرمانی نے جو کہا ہے: دو عورت کافرہ تھیں، اس پر یہ اعتراض ہے کہ علامہ کرمانی کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ امام بخاری کی اس سند کے ساتھ روایت میں جس عورت کا ذکر ہے وہ کافرہ تھیں، ہاں! امام بخاری نے پہلی سند کے ساتھ جو روایت کی ہے اس میں ہو سکتا ہے کہ وہ عورت کافرہ ہو کیونکہ اس عورت نے یہ کہا تھا کہ مجھے امید ہے کہ آپ کے شیطان نے آپ کو چھوڑ دیا اور یہ بات نہ کوئی مسلمان مرد کہہ سکتا ہے اور نہ کوئی مسلمان عورت کہہ سکتی ہے، نیز اس دوسری روایت میں اس عورت نے کہا: آپ کا صاحب اور یا رسول اللہ! کہا اور یہ بات کوئی کافر نہیں کہہ سکتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ کرمانی کی عبارت کے متعلق کہا کہ اس کی توجیہ کی گئی ہے کیونکہ دونوں روایتوں کا مخرج واحد ہے۔ حافظ ابن حجر کی اس عبارت پر یہ اعتراض ہے کہ مخرج کا واحد ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ دونوں عورتیں ایک ہوں یعنی جس عورت کا پہلی روایت میں ذکر کیا گیا ہے یہ وہی عورت ہو جس کا دوسری روایت میں ذکر کیا گیا ہے، علامہ ازہری علامہ واحدی نے عروہ سے روایت کی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے میں تاخیر کر دی تو آپ کو بہت رنج ہوا، پس حضرت خدیجہ نے کہا کہ آپ کا رب آپ سے ناراض ہو گیا تو یہ آیت نازل ہوئی، یعنی النعنی: ۳۔

حضرت جبریل علیہ السلام کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے میں تاخیر کی مدت

ابن جریر سے روایت ہے کہ یہ مدت بارہ دن تھی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پندرہ دن تھی اور ان سے ۲۵ دن تھی اور قتاد سے روایت ہے کہ چالیس (۴۰) دن تھی اور دوسرا قول ہے تین دن تھی۔ (مجمع القاری ج ۱۹ ص ۳۳۴-۳۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ النعنی کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور احادیث روایت کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہوئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ سورۃ الم نشرح کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۹۴۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَةِ اَلْمَنْشُرِ

سورة الم نشرح لك کی تفسیر

سورة الم نشرح لك کا تعارف

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورہ الم نشرح کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت مکی ہے اور اس میں آٹھ (۸) آیات ہیں۔

الم نشرح کا معنی ہے: کیا ہم نے آپ کا سینہ ایمان، نبوت، علم اور حکمت سے کھول نہیں دیا اور اس کو وسیع نہیں کر دیا اور اس میں ہمزہ استفہام حقیقی کے لیے نہیں ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۳۲)

میں کہتا ہوں: ہم نے اس سورت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ کفار کے طعن و تشنیع اور ان کی دل آزار باتوں سے نبی سنی ﷺ کو رنج ہوتا تھا اور آپ کا سینہ تنگ ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا سینہ کھول دیا اور وسیع کر دیا اور اس سے مراد آپ کا شق صدر ہے جب بچپن میں اور نبوت کے قریب اور معراج کے موقع پر آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا تھا اور اس کو علم و عرفان کے ساتھ بھر دیا گیا تھا۔ (انوار تجلیان القرآن ص ۹۵۹، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۳۳۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَزَمَكَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ۔ اور مجاہد نے کہا: وَزَمَكَ کا معنی ہے: وہ امور جو زمانہ جاہلیت میں

صادر ہوئے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَوَضَعْنَا عَنكَ وَزَمَكَ ۝ (الم نشرح: ۲) اور آپ سے (پر مشقت چیزوں کا) بوجھ اتار دیا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ فی الجاہلیۃ، وزم کی صفت ہے اور وَضَعْنَا کے متعلق نہیں ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں افضل کام کو ترک کرنے اور فاضل کو کرنے کی وجہ سے جو آپ کے اوپر بوجھ تھا ہم نے وہ بوجھ اتار دیا یعنی خطا اور سہو کے ارتکاب کی وجہ سے جو آپ پر بوجھ تھا وہ اتار دیا، دوسرا قول ہے: اس سے مراد ہے: آپ کی امت کے گناہ اور آپ کی طرف ان کی اضافت اس لیے کی ہے کہ آپ کا دل ان کی مغفرت کی فکر میں مشغول رہتا تھا۔

نبی سنی ﷺ کے ترک افضل کام اور خطا اور سہو کی تحقیق

میں کہتا ہوں: نبی سنی ﷺ سے کوئی خطا، سرزد نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ علامہ عینی کو معاف فرمائے انہوں نے نبی سنی ﷺ کی طرف کیسے خطا کی نسبت کر دی، رہا اجتہادی خطا کا معاملہ تو جمہور علماء آپ کی اجتہادی خطا کے قائل ہیں اور محققین علماء کہتے ہیں کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام سے اجتہادی خطا ہوتی تھی جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے شجر ممنوعہ سے کھانے کو تنزیہی ممانعت گمان کیا حالانکہ وہ تحریمی ممانعت تھی یا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے ایک قبیلے کو اس خیال سے تاویا گھونسا مارا کہ وہ مرے گا نہیں لیکن وہ قضاء الہی سے مر گیا تو نبی سنی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اجتہادی خطا سے بھی محفوظ رکھا ہے اور جن امور کو جمہور علماء نے آپ

کی اجتہادی خطا، کہا وہ حقیقت میں خطا نہیں ہیں بلکہ وہ وحی خفی پر مبنی ہیں اور ان میں بہت حکمتیں ہیں جن کو ہم اپنے مقام پر بیان کر چکے ہیں۔

رہا سہو کا معاملہ تو سہو کا معنی ہے: کسی چیز کی طرف سے توجہ ہٹ جانا، نبی ﷺ جب نماز میں اللہ تعالیٰ کی صفات کے مطالعہ میں مشغول ہوتے تو نماز کے کسی کام کی طرف سے آپ کی توجہ ہٹ جاتی اور آپ کو سہو ہو جاتا، ہم کو نماز میں اس لیے سہو ہوتا ہے کہ ہم دنیا کے کسی کام یا کسی بات میں مستغرق ہو کر نماز کے کسی کام کو بھول جاتے ہیں، ہم دنیا کی محبت میں اللہ کی یاد کو بھول جاتے ہیں اور نبی ﷺ نے اللہ کی محبت میں دنیا کو بھول جاتے ہیں، سو ہمارا سہو اور نسیان نقص ہے اور آپ کا سہو اور نسیان کمال اور باعث فضیلت ہے۔

رہا آپ کا کسی افضل کام کو ترک کرنا تو یہ بھی امت کی تعلیم کے لیے ہوتا ہے مثلاً آپ نے بتایا کہ فجر کے وقت جب سفیدی پھیل جائے تو نماز پڑھنے کا زیادہ اجر ہوتا ہے اور یہ افضل ہے لیکن آپ نے فجر کی نماز اول وقت اندھیرے میں بھی پڑھی اور افضل کام کو ترک کر دیا تاکہ امت کو یہ معلوم ہو جائے کہ فجر کی نماز اندھیرے میں بھی پڑھنا جائز ہے اور مسائل شرعیہ کی تعلیم دینا آپ پر فرض ہے، لہذا آپ نے جو ترک افضل کیا اس میں بھی آپ کو فرض کی ادائیگی کا اجر و ثواب ہوگا، ہمارا ترک افضل کرنا نقص ہے اور آپ کا ترک افضل کرنا یا خلاف اولیٰ کام کرنا کمال اور باعث فضیلت ہے۔

اسی طرح آپ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا لیکن آپ نے بعض اوقات کھڑے ہو کر بھی پانی پیا ہے، زمرم کا پانی آپ نے کھڑے ہو کر پیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا بھی جائز ہے اگرچہ خلاف اولیٰ ہے لیکن یہ بھی ہم کریں تو خلاف اولیٰ ہے، نبی ﷺ نے مسئلہ کی تعلیم کے لیے کھڑے ہو کر پانی پیا تو آپ کا اس میں وہی ثواب ہے جو فرض کی ادائیگی کا اجر و ثواب ہوتا ہے۔

کیونکہ علامہ عینی نے اور علامہ کرمانی نے یہاں نبی ﷺ کی طرف ترک افضل اور خطا اور سہو کی نسبت کی تھی اس لیے میں نے ضروری سمجھا کہ میں نبی ﷺ کے ترک افضل اور خطا اور سہو کی حقیقت کو واضح کروں، اللہ تعالیٰ میری جسارت کو معاف فرمائے، میں علامہ عینی کے علم کے مقابلہ میں ذرہ ناچیز سے بھی کم تر ہوں اور ان کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچتا لیکن نبی ﷺ کے ادب و احترام اور آپ کی عظمت و کمال کو بیان کرنے کے لیے لب کشائی کرنا ایک الگ بات ہے۔

النَّقْضُ أَثْقَلُ۔ انقضاء کا معنی ہے بھاری کر دیا یا بوجھل کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۖ (الم نشر: ۳) جس نے آپ کی پشت کو گراں بار کر دیا تھا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری کی اس تفسیر کی امام ابن جریر طبری نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے، عرب لوگ کہتے ہیں: انقض الجمل ظهر الناقة کہ اونٹ نے اونٹنی کی پشت کو بوجھل کر دیا، یہ اس وقت کہتے ہیں جب اونٹنی کی پشت بھاری ہو جائے، اور انشاء اللہ کہا ہے: اس کا معنی ہے: جس نے آپ کی پشت کو توڑ دیا تھا۔

مَعَ النَّفْسِ يُنْتَرَقَانِ ابْنُ عُيَيْنَةَ أَيْ مَعَ ذَلِكَ النَّفْسِ يُنْتَرَقَانِ كَقَوْلِهِ هَلْ تَرْتَضُونَ بَنَاتِنَا إِلَّا بِأَحَدِي لِحُسْنَيْنِ ذَلْنِ يَغْلِبُ غَمْرُ يُنْتَرَيْنِ۔

مَعَ النَّفْسِ يُنْتَرَقَانِ (الم نشر: ۵) ابن عیینہ نے کہا: اس مشکل کے ساتھ دوسری آسانی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: قُلْ هَلْ تَرْضَوْنَ بَنَاتِنَا إِلَّا بِأَحَدِي الْحُسْنَيْنِ* (الصف: ۵۲) تم ہماری دو بھائیوں (مخ یا شہادت) میں سے ایک کا انتظار کر رہے ہو۔

اور ایک مشکل دو آسانیوں پر کبھی غالب نہیں آسکتی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۖ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ (الم نشرح: ۵-۶) پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے ۝ بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے ۝

نحویوں کے اس قاعدہ کی وضاحت کہ جب معرفہ مکرر ہو تو ثانی اول کا عین ہوتا ہے اور جب نکرہ مکرر ہو تو ثانی اول کا غیر ہوتا ہے، لہذا الم نشرح: ۳، میں ایک مشکل کے ساتھ دو آسانیوں کا ذکر ہے اور اس کی احادیث اور آثار سے تائید

علامہ عینی لکھتے ہیں: سفیان بن عیینہ کی تفسیر میں نحویوں کے اس قاعدہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب معرفہ مکرر ہو تو ثانی اول کا عین ہوتا ہے اور جب نکرہ مکرر ہو تو ثانی اول کا غیر ہوتا ہے اور اس آیت میں العُسْر (مشکل) مکرر ہے اور وہ معرفہ ہے جس کا مطلب ہے کہ مشکل وہی ایک ہے اور یہ سب بھی مکرر ہے اور وہ نکرہ ہے، اس کا مطلب ہے کہ پہلی آسانی دوسری آسانی کی غیر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مشکل تو ایک ہے اور اس کے ساتھ آسانیاں دو ہیں، اسی لیے ابن عیینہ نے کہا کہ ایک مشکل دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آسکتی۔ ابن عیینہ نے اس آیت کی التوبہ: ۵۲ کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح مومنین کے لیے بھلائیوں کا تعدد ثابت ہے اسی طرح مومنین کے لیے آسانیوں کا تعدد ثابت ہے۔

امام ابن مردویہ نے حضرت جابر بنٹیث سے روایت کی ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں مجھ پر یہ وحی کی گئی ہے کہ ایک مشکل دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آسکتی۔

اور امام سعید بن منصور اور امام عبدالرزاق نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مشکل ایک سوراخ میں داخل ہو تو اسی سوراخ میں آسانی داخل ہو کر اس مشکل کو نکال دیتی ہے اور ایک مشکل دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آسکتی۔ اس حدیث کی سند بھی ضعیف ہے۔

امام عبد بن حمید نے اپنی سند کے ساتھ قتادہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو اس آیت کے ساتھ بشارت دی، اور فرمایا: ایک مشکل دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آسکتی۔ یہ حدیث مرسل ہے۔

امام مالک نے زید بن اسلم سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب لکھا ہے جس میں فرمایا: میرے معاملہ میں کوئی تنگی پیش آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بعد کشادگی فرمادیتا ہے اور ایک مشکل دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آسکتی۔ (یہ حدیث الموطا میں نہیں ہے)

امام حاکم نے کہا ہے: اس حدیث کی حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے روایت صحیح ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۳۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ فَإِنْ نَصَبْتُ فِي حَاجَتِكَ إِلَى رَبِّكَ۔ اور مجاہد نے کہا: فَإِنْ نَصَبْتُ کا معنی ہے: اپنی ضرورت میں بننے کی طرف رجوع کریں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۝ (الم نشر: ۷) پس جب آپ (تبلغ سے) فارغ ہوں تو عبادت پر کمر بستہ ہوں ۝ علامہ مینی لکھتے ہیں: یعنی جب آپ عبادت سے فارغ ہوں تو اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے خوب کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور امام ابو جعفر نے مجاہد سے اس طرح روایت کی ہے کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوں تو اپنی ضروریات میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آپ فرض نماز سے فارغ ہوں تو اللہ تعالیٰ سے سوال کریں اور اس کی طرف رغبت کریں اور اس سے دعا کریں اور قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ جب آپ نماز سے فارغ ہوں تو بہت مبالغہ کے ساتھ دعا کریں اور فانصب کا معنی نصب سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: کسی کام میں اپنے آپ کو تھکا دینا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس کا معنی ہے: آپ اپنی نیت اور رغبت اللہ تعالیٰ کی طرف رکھیں، اور امام ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم سے روایت کی ہے کہ جب آپ جہاد سے فارغ ہوں تو اللہ عزوجل کی عبادت کریں۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۲۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

وَيُذَكِّرُ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَلَمْ نَشْرَكَ لَكَ صَدْرَكَ شَرَعٌ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا جاتا ہے کہ اَلَمْ نَشْرَكَ لَكَ صَدْرَكَ ۝ (الم نشر: ۱) اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَلَمْ نَشْرَكَ لَكَ صَدْرَكَ ۝ (الم نشر: ۱) (اے رسول مکرم!) کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیا؟ ۝

علامہ مینی لکھتے ہیں: یہ تفسیر امام ابن مردودہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور اس روایت کی سند ضعیف ہے، اور حسن بھری سے منقول ہے کہ ہم نے آپ کے سینہ کو علم اور حلم سے بھر دیا، اور مقاتل سے منقول ہے: ہم نے آپ کے سینہ کو تنگ ہونے کے بعد وسیع کر دیا۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس تفسیر میں کوئی حدیث مرفوعہ ذکر نہیں کی اور اس تفسیر میں امام ابن حبان کی اس صحیح حدیث کو داخل کرنا چاہیے۔ حضرت ابوسعید بنی ثنیٰ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس حضرت جبرئیل آئے اور کہا: آپ کا رب ارشاد فرماتا ہے: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کا ذکر کس طرح بلند کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والا ہے، حضرت جبرئیل ۑ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ آپ کا (بھی) ذکر کیا جاتا ہے، اس حدیث کی امام شافعی، امام حید بن منصور اور امام عبدالرزاق نے مجاہد سے روایت کی ہے اور اس کا امام ترمذی اور امام حاکم نے اپنی تفسیر دا میں شبہ معراج کو آپ کے شرح صدر کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۲۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اس حدیث کی جن تعلیقات کو ہم نے علامہ مینی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے ان کی شرح علامہ مینی نے ممدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۳۴-۴۳۵ میں کی ہے۔

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الم نشر کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ التین کی تفسیر میں امام بخاری نے جو دو تعلیقات اور ایک حدیث ذکر کی ہے ان کی شرح کی جائے گی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت میں مطلقاً انسان سے خطاب ہے جیسا کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ (التین: ۴) (بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا) میں انسان کا ذکر ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے۔

[ان دونوں تعلیقوں کی شرح علامہ عینی نے عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۳۳ میں کی ہے]

۱۔ بَابُ

بَابُ

۴۹۵۲۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِثْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَدِيُّ قَالَ سَبَّغْتُ الْبِرَاءَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ فِي سَفَرٍ فَقَرَأَ فِي الْعِشَاءِ فِي إِحْدَى الرَّكَعَتَيْنِ بِالتَّيْنِ وَالتَّيْسُونَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عدی نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک سفر میں تھے تو آپ نے عشاء کی کسی ایک رکعت میں التین والتیسون کی تلاوت کی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۷۶۷ میں گزر چکی ہے۔

تَقْوِيمُ الْخَلْقِ کا معنی ہے: خلق اور بناوٹ۔

تَقْوِيمُ الْخَلْقِ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (التین: ۴)

بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا O

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس تعلیق کو امام ابو نعیم نے روایت کیا ہے اور الفریابی نے اس تعلیق کو مجاہد سے سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام ابن المنذر نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انسان کو معتدل بناوٹ کے ساتھ بنایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جو مسلمان قرآن پڑھتا ہے وہ اسفل سائلین یعنی ارذل عمر کی طرف نہیں لوٹا یا جاتا۔

اس سوال کا جواب کہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی کون سی رکعت میں سورۃ التین پڑھی تھی؟

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: بعض لوگوں نے یہ کثرت یہ سوال کیا کہ نبی ﷺ نے التین والتیسون کو پہلی رکعت میں پڑھا تھا یا دوسری رکعت میں پڑھا تھا یا پہلی اور دوسری دونوں رکعتوں میں پڑھا تھا، یا آپ نے اس سورت کے علاوہ کسی اور سورت کی بھی تلاوت کی تھی، اس وقت مجھے اس سوال کا جواب مستحضر نہیں تھا حتیٰ کہ میں نے ابوطی بن السکن کی کتاب الصحاح میں حضرت زمریہ بن خلیفہ کے تذکرہ میں پڑھا جو اہل یمامہ میں سے ایک مرد تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے نبی ﷺ کے متعلق سنا تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ہمارے سامنے اسلام کو پیش کیا، پس ہم اسلام لے آئے اور آپ نے ہمیں (مال غنیمت میں سے) حصہ عطا فرمایا اور آپ نے نماز میں وَالتَّيْنِ وَالتَّيْسُونَ اور إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ کو پڑھا، پس ہو سکتا ہے کہ یہ وہی نماز ہو جس کے متعلق حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ یہ عشاء کی نماز تھی اور یہ بھی ہو کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے اس نماز کی پہلی رکعت میں سورۃ التین پڑھی اور دوسری رکعت میں آپ نے سورۃ القدر پڑھی اور اس تقریر سے اس

سوال کا جواب مل جاتا ہے اور اس کی تقویت اس سے ہوتی ہے کہ حضرت البراء کی حدیث کے علاوہ اور کسی حدیث میں مذکور نہیں ہے کہ آپ نے عشاء کی نماز میں سورۃ التین پڑھی اور پھر حضرت زرعہ کی اس حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۲۶-۱۲۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ التین کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور حدیث روایت کی تھی ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ العلق کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۹۶۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَةِ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ

سورة اقرأ کی تفسیر

سُوْرَةُ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ (العلق) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد مینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں اس سورت کا نام سورة اقرأ ہے اور بعض نسخوں میں اس کا نام سورة العلق ہے، یہ سورت مکی ہے

اور اس میں انیس (۱۹) آیات ہیں۔

اور قتیبہ نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن خلیفہ از الحسن (البصری)، انہوں نے کہا: مصحف میں قرآن مجید کی ابتداء میں (یعنی سورة فاتحہ سے پہلے) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھو اور دو سورتوں کے درمیان ایک خط کھینچ دو۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا خُثَّاءٌ عَنْ يَحْيَىٰ بْنِ عَثَبٍ عَنْ
الْحَسَنِ قَالَ اَكْتُبُ فِي الْمَصْحَفِ فِي اَوَّلِ الْاِمَامِ بِسْمِ
اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَاجْعَلْ بَيْنَ السُّوْرَتَيْنِ خُطًّا

علامہ مینی لکھتے ہیں: اس تعلیق کی مطابقت قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

(اے رسول مکرم!) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ (العلق: ۱)

کیا ہے ○

سورة فاتحہ اور ہر سورت کے اول میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھنے یا نہ لکھنے کے متعلق حسن بصری کا مذہب

اس تعلیق کا معنی یہ ہے کہ قرآن کی ابتداء میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھو، آ یا صرف سورة فاتحہ کے اول میں لکھو یا قرآن مجید کی ہر سورت کے اول میں لکھو، اس میں علماء کے درمیان مشہور اختلاف ہے، پس حسن بصری کا مذہب وہ ہے جس کو امام بخاری نے قتیبہ بن سعید کے قول سے سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حسن بصری نے کہا: مصحف کے اول امام میں لکھو یعنی قرآن مجید کے اول میں لکھو اور قرآن مجید کا اول سورة الفاتحہ ہے تو تم فقط سورة فاتحہ کی ابتداء میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھو اور ان کے درمیان فاصلہ کی کوئی علامت لکھو، یہ سات قراء میں سے جزء کا مذہب ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ اگر حسن بصری کی مراد یہ ہے کہ دو سورتوں کے درمیان فقط خط کھینچو اور بِسْمِ اللّٰهِ نہ لکھو تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ صحابہ کا اس پر اتفاق ہے کہ سورة التوبہ کے علاوہ ہر دو سورتوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ لکھی جاتی ہے اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ ہر دو سورتوں کے درمیان خط کھینچو اور بِسْمِ اللّٰهِ نہ لکھو تو یہ مستحسن ہے، اس پر یہ رد کیا گیا ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ صرف سورة فاتحہ کی ابتداء میں لکھی جائے گی اور باقی دو سورتوں کے درمیان فرق کے لیے خط کھینچ دیا جائے گا یا کوئی علامت ڈال دی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو سورۃ فاتحہ کے اول میں اور ہر سورت کی ابتداء میں لکھنے کے متعلق مذاہب فقہاء اور علامہ ابن الملقن کا اختلاف

علامہ سیبکی نے کہا ہے: حسن بصری کے مصحف سے جو نقل کیا گیا ہے یہ شاذ ہے اور انہوں نے کہا: اس قول کی بناء پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قرآن ہے اور مصحف میں اس کو نہیں لکھا جاتا جو قرآن نہ ہو اور امام شافعی کے قول سے یہ لازم نہیں آتا کہ بِسْمِ اللّٰهِ ہر سورت کی آیت ہے اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ یہ سورۃ فاتحہ کی آیت ہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں: یہ کتاب اللہ کی ایک آیت ہے جو سورت کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور یہ امام ابو حنیفہ اور داؤد کا قول ہے۔ علامہ ابن الملقن نے کہا: ہم اس بات کو نہیں مانتے بلکہ جو شخص بھی دلائل میں غور کرے گا اس پر ظاہر ہو جائے گا کہ بِسْمِ اللّٰهِ سورۃ فاتحہ کا جزء ہے اور ہر سورت کا جزء ہے۔

(التبیین لشرح جامع الترمذی ج ۲۳ ص ۵۶۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو سورۃ فاتحہ کی ابتداء اور ہر سورت کی ابتداء میں لکھنے پر علامہ ابن الملقن کی عبارت کا رد علامہ عینی علامہ ابن الملقن کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں: بغیر دلیل کے صرف یہ کہہ دینا کہ ہم نہیں مانتے یہ درست نہیں ہے بلکہ علامہ ابن الملقن نے جو کہا ہے معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ جو آدمی دلائل میں ذرا بھی غور کرے گا اس پر یہ واضح ہو جائے گا کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہ سورۃ فاتحہ کا جزء ہے اور نہ ہر سورت کا جزء ہے بلکہ یہ آیت مستقلہ ہے جو دو سورتوں کے درمیان فصل کے لیے نازل ہوئی ہے، اسی لیے ابن القصار مالکی نے اس پر اقتصار کیا ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہر سورت کی ابتدا میں قرآن کا جزء نہیں ہے کیونکہ اِقْدَ اُپاسم رَبِّکَ میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو نہیں لکھا گیا ہے۔

(مدونة القاری ج ۱۹ ص ۴۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری کا منشاء یہ ہے کہ ہر سورت کی ابتداء میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا پڑھنا واجب نہیں ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے کہا ہے: گویا کہ امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ جب کہ اس سورت میں یعنی سورۃ العلق کی ابتداء اِقْدَ اُپاسم رَبِّکَ سے کی گئی ہے تو امام بخاری نے یہ ارادہ کیا کہ ہر سورت کی ابتداء میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ جس نے قرآن مجید کی ابتداء میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ لیا تو یہ اس کے لیے اس حکم پر عمل کرنے کے لیے کافی ہے کہ ”اپنے رب کے حکم سے پڑھو“ ہاں علامہ سیبکی نے اس حکم سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ سورۃ فاتحہ کے اول میں بِسْمِ اللّٰهِ کا ثبوت ہے کیونکہ قرآن مجید میں جو سب سے پہلے حکم نازل ہوا وہ بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے کا حکم ہے، پس قرآن مجید کے اول میں بِسْمِ اللّٰهِ کو پڑھنا اس حکم پر عمل کرنے کے زیادہ لائق ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۲۶، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ نَادِيَهُ عَشِيرَتُهُ۔ اور مجاہد نے کہا: نَادِيَهُ کا معنی ہے: اس کے رشتہ دار اور اس کا قبیلہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۖ (علق: ۱۷) اے چاہیے کہ اپنے ہم مجلس مددگاروں کو بلائے

علامہ عینی لکھتے ہیں: النادی کا معنی ہے: جس مجلس کو باتیں کرنے کے لیے منعقد کیا گیا ہو، اس کی امام ابن جریر نے اپنی سند

کے ساتھ مجاہد سے روایت کی ہے۔

الزَّيْنَةُ الْمَلَكَةُ۔

الزَّيْنَةُ: اس کا معنی ہے: فرشتے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

سَنَدُ الزَّيْنَةِ ۝ (المعلق: ۱۸)

ہم بھی عنقریب دوزخ کے مقرر کردہ فرشتوں کو بلائیں گے ۝

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ الزینۃ سے مراد فرشتے ہیں، اس کا واحد زینۃ ہے اور اس کا معنی کسی کو

دھکا دینا ہے اور دوسرا قول ہے: اس کا واحد زاین ہے اور اس سے مراد عذاب کے فرشتے ہیں جو بہت سخت اور شدید ہیں۔

وَقَالَ مَعْمَرُ الزُّجَعِيُّ الْمَرْجَعُ۔ اور معمر نے کہا: الزُّجَعِيُّ کا معنی ہے: التَّوَجُّعُ یعنی لوٹنے کی جگہ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الزُّجَعِيُّ ۝ (المعلق: ۸)

بے شک آپ کے رب کی طرف ہی لوٹنا ہے ۝

علامہ مینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے لکھا ہے کہ معمر نے کہا: اسی طرح ابو ذر کی روایت میں ہے اور اس سے مراد امام ابو عبیدہ

ہیں اور دوسروں کی روایت میں یہ عبارت نہیں ہے، پس گویا کہ یہ بھی مجاہد کا قول ہے اور امام ابو عبیدہ نے اپنی کتاب "المجاز" میں لکھا

ہے کہ المَرْجَعُ کا معنی ہے: رجوع یعنی لوٹنا۔

لَتَسْفَعَنَّ قَالَ لَنَأْخُذَنَّ وَلَتَسْفَعَنَّ بِالثُّونِ وَهِيَ

لَتَسْفَعَنَّ قَالَ لَنَأْخُذَنَّ وَلَتَسْفَعَنَّ بِالثُّونِ وَهِيَ

لَتَسْفَعَنَّ قَالَ لَنَأْخُذَنَّ وَلَتَسْفَعَنَّ بِالثُّونِ وَهِيَ

لَتَسْفَعَنَّ قَالَ لَنَأْخُذَنَّ وَلَتَسْفَعَنَّ بِالثُّونِ وَهِيَ

لَتَسْفَعَنَّ قَالَ لَنَأْخُذَنَّ وَلَتَسْفَعَنَّ بِالثُّونِ وَهِيَ

لَتَسْفَعَنَّ قَالَ لَنَأْخُذَنَّ وَلَتَسْفَعَنَّ بِالثُّونِ وَهِيَ

لَتَسْفَعَنَّ قَالَ لَنَأْخُذَنَّ وَلَتَسْفَعَنَّ بِالثُّونِ وَهِيَ

لَتَسْفَعَنَّ قَالَ لَنَأْخُذَنَّ وَلَتَسْفَعَنَّ بِالثُّونِ وَهِيَ

لَتَسْفَعَنَّ قَالَ لَنَأْخُذَنَّ وَلَتَسْفَعَنَّ بِالثُّونِ وَهِيَ

لَتَسْفَعَنَّ قَالَ لَنَأْخُذَنَّ وَلَتَسْفَعَنَّ بِالثُّونِ وَهِيَ

لَتَسْفَعَنَّ قَالَ لَنَأْخُذَنَّ وَلَتَسْفَعَنَّ بِالثُّونِ وَهِيَ

لَتَسْفَعَنَّ قَالَ لَنَأْخُذَنَّ وَلَتَسْفَعَنَّ بِالثُّونِ وَهِيَ

لَتَسْفَعَنَّ قَالَ لَنَأْخُذَنَّ وَلَتَسْفَعَنَّ بِالثُّونِ وَهِيَ

لَتَسْفَعَنَّ قَالَ لَنَأْخُذَنَّ وَلَتَسْفَعَنَّ بِالثُّونِ وَهِيَ

لَتَسْفَعَنَّ قَالَ لَنَأْخُذَنَّ وَلَتَسْفَعَنَّ بِالثُّونِ وَهِيَ

لَتَسْفَعَنَّ قَالَ لَنَأْخُذَنَّ وَلَتَسْفَعَنَّ بِالثُّونِ وَهِيَ

لَتَسْفَعَنَّ قَالَ لَنَأْخُذَنَّ وَلَتَسْفَعَنَّ بِالثُّونِ وَهِيَ

لَتَسْفَعَنَّ قَالَ لَنَأْخُذَنَّ وَلَتَسْفَعَنَّ بِالثُّونِ وَهِيَ

لَتَسْفَعَنَّ قَالَ لَنَأْخُذَنَّ وَلَتَسْفَعَنَّ بِالثُّونِ وَهِيَ

لَتَسْفَعَنَّ قَالَ لَنَأْخُذَنَّ وَلَتَسْفَعَنَّ بِالثُّونِ وَهِيَ

لَتَسْفَعَنَّ قَالَ لَنَأْخُذَنَّ وَلَتَسْفَعَنَّ بِالثُّونِ وَهِيَ

عَقِيلٌ عَنْ ابْنِ شَهَابٍ ح وَحَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ مَرْوَانَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي رِثْمَةَ أَخْبَرَنَا أَبُو صَالِحٍ سَلَمَةُ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ شَهَابٍ أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَةَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ كَانَ أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ فَكَانَ يَلْحَقُ بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّنُ فِيهِ قَالَ وَالتَّحَنُّنُ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِي ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى أَهْلِهِ وَيَتَزَوَّدَ لِذَلِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى خَدِيجَةَ فَيَتَزَوَّدُ بِبَيْتِهَا حَتَّى فَجَتْهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاءٍ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ اقْرَأْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا أَنَا بِمُتْلِي الْقُرْآنِ ثُمَّ أُرْسِلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ قُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتَّى بَدَغَ مِنِّي الْجُهْدُ ثُمَّ أُرْسِلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ قُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ حَتَّى بَدَغَ مِنِّي الْجُهْدُ ثُمَّ أُرْسِلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ الْآيَاتِ إِلَى قَوْلِهِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ فَزَجَّ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَرَجُّفُ بَوَادِرُهُ حَتَّى دَخَلَ عَلَى خَدِيجَةَ فَقَالَ رَمَلُونِ رَمَلُونِ فَرَمَلُونَهُ حَتَّى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوَغُ قَالَ لِيَخْدِجَةَ أُنَى خَدِيجَةَ مَا لِي لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي فَأَخْبَرَهَا الْخَبَرَ قَالَتْ خَدِيجَةُ كَلَّا أَبِشْرَ قَوَائِهِ لَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا قَوَائِهِ إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ فَاِنْطَلَقَتْ بِهِ خَدِيجَةُ حَتَّى أَتَتْ بِهِ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلٍ وَهُوَ ابْنُ عَمِّ خَدِيجَةَ أَخِي أَبِيهَا وَكَانَ امْرَأً تَنْصَرِي

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب (ح) اور مجھے سعید بن مروان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن عبدالعزیز بن ابی رزمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوصالح سلمو یہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ نے حدیث بیان کی از یونس بن یزید، انہوں نے کہا: مجھے ابن شہاب نے خبر دی کہ ان کو عروہ بن الزبیر نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی ﷺ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے جو وحی کی ابتداء کی گئی وہ نیند میں سچے خواب تھے، آپ جو بھی خواب دیکھتے تھے (اس کی تعبیر) روشن صبح کی مثل آ جاتی تھی، پھر آپ کے دل میں تنہائی کی محبت ڈالی گئی، پس آپ غار حرا میں چلے جاتے، سو وہاں تحنن کرتے، اس نے کہا: تحنن کا معنی ہے کئی کئی راتوں تک عبادت کرنا، اس سے پہلے کہ آپ اپنی بیوی کی طرف واپس جاتے اور وہ آپ کے لیے زادراہ تیار کرتیں، پھر آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف لوٹ آتے، پس وہ اسی کی مثل زادراہ (کھانے کی چیزیں) تیار کرتیں حتیٰ کہ آپ کے پاس اچانک وحی آ گئی اور اس وقت آپ غار حرا میں تھے، پس آپ کے پاس فرشتہ آیا، سو اس نے کہا، پڑھیے، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں، آپ نے فرمایا: پس فرشتے نے مجھ کو پکڑ کر دبایا حتیٰ کہ وہ فرشتہ مجھے دباتے ہوئے انتہائی مشقت کو پہنچ گیا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا، پس کہا: پڑھیے، میں نے کہا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر اس نے مجھ کو پکڑا پس اس نے مجھ کو دوبارہ دبایا حتیٰ کہ وہ مجھے دباتے ہوئے انتہائی مشقت کو پہنچ گیا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا، پس کہا: پڑھیے، میں نے کہا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر اس نے مجھ کو پکڑا، پس مجھ کو تیسری بار دبایا حتیٰ کہ وہ مجھے دباتے ہوئے انتہائی مشقت کو پہنچ گیا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا، پس کہا: اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (علق: ۱-۴) (اے رسول مکرّم!) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہے O

الْبَاهِيَّةُ وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعَرَبِيَّ وَيَكْتُبُ مِنَ
الْإِنْجِيلِ بِالْعَرَبِيَّةِ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَكْتُبَ وَكَانَ
شَيْخًا كَبِيرًا قَدْ عَمِيَ فَقَالَتْ خَدِيجَةُ يَا ابْنَ أُمِّی مَاذَا تَرَى
مِنْ ابْنِ أَخِيكَ قَالَ وَرَقَّةُ يَا ابْنَ أُمِّی مَاذَا تَرَى
فَأَخْبَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ بِمَا رَأَى فَقَالَ وَرَقَّةُ هَذَا
النَّامُوسُ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَى مُوسَى لِيَتَّبِعَنِي فِيهَا جَذَعًا
لِيَتَّبِعَنِي أَكُونُ حَيًّا ذَكَرَ حَرْفًا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ
أَوْ مُخْرِجِي هُمْ قَالَ وَرَقَّةُ نَعَمْ لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ بِمَا جِئْتُ
بِهِ إِلَّا أَوْذَى وَإِنْ يُدْرِكُنِي يَوْمُكَ حَيًّا أَنْصُرَكَ نَصْرًا
مُؤَزَّرًا ثُمَّ لَمْ يَنْشُبْ وَرَقَّةُ أَنْ تَوَفَّى وَفَتَرَ الْوَحْيُ فَتَرَدَّدَ
حَتَّى حَزِنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

انسان کو جے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے O پڑھیے اور آپ کا
رب ہی سب سے زیادہ کریم ہے جس نے قلم سے (لکھا)
سکھایا O یہ آیتیں آپ نے یہاں تک پڑھیں: عَلَّمَ الْإِنْسَانَ
مَا لَمْ يَعْلَمْ ⑤ (علق: ۵) انسان کو وہ سکھایا جس کو وہ نہیں جانتا
تھا O رسول اللہ ﷺ نے ان آیات کو اس حال میں دہرایا کہ
آپ کے کندھے کپکپا رہے تھے حتیٰ کہ آپ حضرت خدیجہ بنتی جہش
کے پاس آئے، پس آپ نے فرمایا: مجھے کپڑا اوڑھاؤ، مجھے کپڑا
اوڑھاؤ، پھر گھر والوں نے آپ کو کپڑا اوڑھایا حتیٰ کہ آپ سے
خوف دور ہو گیا، آپ نے حضرت خدیجہ سے فرمایا: اے خدیجہ!
مجھے کیا ہو گیا ہے مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے، پھر آپ نے حضرت
خدیجہ کو اس واقعہ کی خبر دی، حضرت خدیجہ نے کہا: ہرگز نہیں، آپ
خوش ہو جائیں، پس اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی شرمندہ
نہیں کرے گا، پس اللہ کی قسم! آپ رشتہ داروں سے تعلق
جوڑتے ہیں اور سچی بات کرتے ہیں اور لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں
اور جن کے پاس مال نہ ہو ان کے لیے کماتے ہیں اور مہمانوں کو
کھانا کھلاتے ہیں اور راہ حق میں پیش آنے والی مشکلات میں
لوگوں کی مدد کرتے ہیں، پھر حضرت خدیجہ بنتی جہش آپ کے ساتھ
چل پڑیں حتیٰ کہ آپ کو درقاہ بن نوفل کے پاس لائیں، وہ حضرت
خدیجہ کے چچا زاد تھے یعنی ان کے باپ کے بھائی تھے اور وہ
ایسے مرد تھے جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے اور وہ عربی
کتاب لکھتے تھے اور انجیل کو عربی میں لکھتے تھے جتنا اللہ تعالیٰ ان
سے لکھوانا چاہتا اور وہ بہت بوزھے ہو گئے تھے اور ماریٹا ہو چکے
تھے، پس حضرت خدیجہ نے کہا: اے میرے چچا! آپ اپنے
بھتیجے کی بات سنیں، درقاہ نے کہا: اے میرے بھتیجے! تم کیا دیکھتے
ہو؟ تو نبی ﷺ نے جو کچھ دیکھا اس کی ان کو خبر دی تو درقاہ نے
کہا: یہ وہ ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، کاش!
میں اس وقت طاقتور جوان ہوتا اور کچھ الفاظ ذکر کیے رسول اللہ
ﷺ نے فرمایا: کیا یہ لوگ مجھ کو نکال دیں گے؟ درقاہ نے کہا:
جی ہاں! جو شخص بھی آپ کے پیغام کی مثل لے کر آیا اس کو ایذا

پہنچائی گئی، پھر درقائ زیادہ دن نہ ٹھہرے کہ ان کی وفات ہو گئی اور وحی کا آنا منقطع ہو گیا حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ غمگین ہو گئے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳ میں گزر چکی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا مرسل ہونا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ہر چند کہ اس حدیث کی مکمل شرح پہلے گزر چکی ہے لیکن چونکہ فاصلہ بہت طویل ہو چکا ہے اس لیے ہم اس حدیث کی اہم اور مشکل باتوں کی شرح کریں گے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: علامہ نووی نے کہا کہ یہ حدیث مراسل صحابہ میں سے ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس قصہ کے وقت موجود نہیں تھیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۳۸)

اس حدیث کے مرسل ہونے پر بعض لوگوں کا اعتراض اور حافظ ابن حجر کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض وہ لوگ جنہوں نے علامہ نووی کی مراد کو نہیں سمجھا انہوں نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ ہو سکتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس واقعہ کو نبی ﷺ سے سنا ہو یا کسی اور صحابی سے سنا ہو اور جب یہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس واقعہ کو نبی ﷺ سے سنا ہو تو علامہ نووی نے کیسے وثوق سے یہ کہا کہ یہ حدیث مرسل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صحابی کی مرسل حدیث وہ ہوتی ہے جس کو وہ ان امور سے روایت کرے جس کا زمانہ انہوں نے نہ پایا ہو یہ خلاف ان امور کے جن کا زمانہ انہوں نے پایا ہو تو اس کی روایت کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ حدیث مرسل ہے بلکہ اس پر محمول کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اس کو خود سنا یا وہ اس وقت حاضر تھے، خواہ وہ اس کی تصریح نہ کریں اور یہ قید صحابی کی مرسل کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تابعی بھی جب کسی ایسے قصہ کی روایت کرے جس قصہ کے وقت وہ حاضر نہیں تھا تو اس کی روایت کا نام بھی حدیث مرسل رکھا جاتا ہے، ہر چند کہ یہ جائز ہے کہ اس نے اس قصہ کو اس صحابی سے سنا ہو جو اس قصہ کے وقت حاضر تھا اور رہے وہ امور جن کے زمانہ کو اس نے پایا ہو تو اس روایت کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ اس نے اس کو خود سنا یا وہ اس قصہ کے وقت حاضر تھا یہ شرطیکہ وہ راوی تدلیس سے محفوظ ہو۔ واللہ اعلم۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے اس قصہ کو سنا ہے، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ نے اس حدیث کے اثناء میں یہ کہا کہ آپ کے پاس فرشتہ آیا تو اس نے کہا: پڑھیے تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں، پس اس نے مجھ کو پکڑا، پھر مجھے دبایا۔ حضرت عائشہ کے اس قول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو اس قصہ کی خبر دی تھی، پس باقی حدیث کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا۔

اس حدیث میں آپ پر نزول وحی کی دلیل ہے اور آپ کی نبوت کی دلیل دوسری کتب حدیث میں ہے اور اس

پر دلیل کہ آپ کے پاس جو فرشتہ آیا تھا وہ حضرت جبریل تھے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے جو وحی کی ابتداء کی گئی وہ نیند میں سچے خواب تھے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: اس حدیث میں آپ پر نزول وحی کی ابتداء کی دلیل ہے کہ آپ کو نیند میں سچے خواب دکھائے جاتے تھے جن کی تعبیر روشن صبح کی طرح آ جاتی تھی، یہ آپ کی نبوت کی دلیل نہیں ہے، آپ کی نبوت کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم اور دوسری کتب

حدیث میں مذکور ہے کہ آپ پر پتھر سلام پڑھتے تھے۔

اور عبداللہ بن ابوبکر بن حزم کی مراسیل میں یہ دلیل ہے کہ جس فرشتے کو نبی ﷺ نے دیکھا وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے کیونکہ حضرت جبرئیل کے سورۃ العلق کی آیات پڑھوانے کے بعد آپ نے حضرت خدیجہ سے فرمایا: کیا میں تمہیں بتاؤں کہ جس فرشتے کے متعلق میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں نے اس فرشتہ کو خواب میں دیکھا ہے، پس وہ حضرت جبرئیل تھے جو غار حراء میں آئے تھے۔

روایاء صالحہ کا معنی، اور حراء میں آپ کب گئے تھے اور تحنث کا معنی حضرت عائشہ نے نہیں راوی نے بیان کیا ہے

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: وہ ایسے خواب تھے جو اضطرابات احلام نہیں تھے (یعنی بے سرد پاؤں اور بے تکی باتیں) اور نہ ان خوابوں میں شیطان نے اپنی طرف سے کچھ دکھا کر فریب دیا ہو اور نہ ان خوابوں میں کسی مشکل مثال کا بیان ہو۔ یہ ابن المرباط کا قول ہے لیکن اگر ان کی مشکل سے مراد یہ ہے کہ اس خواب کی تاویل اور تعبیر کا علم نہ ہو پھر تو یہ تعریف درست ہے ورنہ نہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ کئی کئی راتوں کے لیے غار حراء میں جاتے تھے، امام ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ آپ رمضان کے مہینہ میں غار حراء میں جاتے تھے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے: اس نے کہا کہ تحنث کا معنی ہے: عبادت کرنا۔ یہ ظاہر یہ اور راجح ہے یعنی حدیث کا یہ جملہ حدیث مدرج ہے اور راوی کا کلام ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کلام نہیں ہے ورنہ حدیث میں قال کی بجائے قالت ہوتا، پس ہو سکتا ہے کہ تحنث کا معنی عروہ نے بیان کیا ہو یا ان کے بعد کے راوی نے بیان کیا ہو۔

غار حراء میں عبادت کی کیفیت اور اس کے متعلق شارحین کے اقوال

اس حدیث میں آپ کی عبادت کی صفت کی تصریح نہیں ہے لیکن امام ابن اسحاق نے عبید بن عمیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ آپ کے پاس جو مساکین آتے تھے آپ ان کو کھانا کھلاتے تھے اور بعض مشائخ سے منقول ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی صفات میں تفکر کرتے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے صرف غار حراء کی تنہائی کو آپ کی عبادت کہا ہو کیونکہ لوگوں سے الگ اور علیحدہ ہونا خصوصاً جب لوگ باطل ہوں تو یہ بھی عبادت کی قبیل سے ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے کہا تھا: **إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيِّئِينَ** (الصافات: ۹۹) میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں وہ عنقریب میری راہ نمائی کرے گا

○

ارباب اصول نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ آیا نبی ﷺ نزول وحی سے پہلے کسی نبی کی شریعت کے موافق عمل کرتے تھے یا نہیں کیونکہ اگر آپ کسی کی اتباع کرتے تھے تو پھر آپ کا متبوع ہونا مستعبد ہوگا اور اگر آپ کسی کی اتباع کرتے تھے تو وہ نبی ضرور اس کا بیان فرماتے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ہاں آپ کسی نبی کی شریعت کے موافق عبادت کرتے تھے۔ اور یہ علامہ ابن الحارث کا مختار ہے اور اس کی تعیین میں سات (۷) اقوال ہیں:

(۱) ابن برہان نے کہا: آپ حضرت آدم کی شریعت کے موافق عبادت کرتے تھے (۲) اللامدی نے کہا، آپ حضرت نوح کی شریعت کی موافقت کرتے تھے (۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی موافقت کرتے تھے اور یہ ایک جماعت کا مذہب ہے: ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

کہ آپ ملت ابراہیم کی پیروی کریں۔

أَنَّا أَهْلُهَا وَإِلَهُهُمْ حَنِيفًا (نمل- ۱۲۳)

(۴) حضرت موسیٰ کی شریعت کی (۵) حضرت عیسیٰ کی شریعت کی (۶) ہر اس حکم کی جو آپ کے پاس کسی نبی کی شریعت سے پہنچا، اس کی دلیل یہ آیت مبارکہ ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمُ اقْتَدَا۟ۥ
یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی، سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں۔ (الانعام: ۹۰)

(۷) اس میں توقف ہے، اور یہ آمدی کا مختار ہے۔

اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ تیسرا قول بہت قوی ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کیونکہ آپ حج اور طواف اور قربانی وغیرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے موافق کرتے تھے۔

اور عبادت کے یہ طریقے آپ کے اعلان نبوت سے پہلے تھے اور اعلان نبوت کے بعد آپ وحی کے موافق عبادت کرتے تھے۔
نبی سلی علیہ وسلم پر وحی کی اور نبوت کی ابتداء کس وقت ہوئی

اس حدیث میں مذکور ہے: پس آپ کے پاس فرشتہ آیا اور وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جیسا کہ اس کو علامہ سیبلی نے وثوق کے ساتھ کہا ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ آپ غار حراء میں رمضان کے مہینہ میں معتکف تھے اور وحی کی ابتداء اسی غار میں ہوئی ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کو رمضان کے مہینہ میں نبی بنایا گیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت جبرئیل آپ کے پاس رمضان کے مہینہ کی ابتداء میں غار میں آئے ہوں اور اسی وقت آپ کو نبی بنایا گیا ہو اور آپ پر یہ آیت نازل کی گئی ہو: **إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ** پھر دوبارہ وہ آپ کے پاس ربیع الاول کے مہینہ میں آئے ہوں اور آپ پر یہ نازل ہوئی ہو:

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۖ قُمْ فَأَنذِرْ ۚ (المدثر: ۱-۲)
اے چادر لپیٹنے والے! اٹھیے! پس لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیے۔

اس طرح امام ابن اسحاق کا یہ قول درست ہو جاتا ہے کہ آپ کو نبی اس وقت بنایا گیا جب آپ کی پیدائش کے چالیس سال پورے ہو گئے تھے، اس وقت حضرت جبرئیل آپ کے پاس وحی لے کر آئے۔

اقرء اور ما انا بقاری کی وضاحت اور تین دفعہ اقرء کہنے کی حکمت اور سورة العلق کی پانچ آیتوں کی مناسبت اور حضرت جبرئیل کے آپ کو تین بار دبانے اور تین بار چھوڑنے کی حکمت

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: آپ پڑھیے: ہو سکتا ہے حضرت جبرئیل نے یہ اس لیے کہا ہو کہ آپ اس کے بعد والی بات سننے کے لیے ہوشیار اور متنبہ ہو جائیں اور اس سے پہلے قل محذوف ہے یعنی آپ کہیے: اقرء اور ہو سکتا ہے اس کو اس لیے حذف کیا ہو کہ یہ وہم نہ ہو کہ یہ لفظ قرآن ہے۔

امام ابن اسحاق نے عبید بن عسیر کی مرسل روایت سے یہ بیان کیا ہے کہ نبی سلی علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل ریشم کے ایک کپڑے میں ایک کتاب لکھی ہوئی لائے اور آپ سے کہا: پڑھیے تو آپ نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں، علامہ سیبلی نے کہا کہ بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے:

الْم ۖ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۚ فِيْهِ ۚ (البقرہ: ۲-۱)
الف لام میم (یہ) وہ عظیم الشان کتاب ہے جس (کے کلام اللہ

ہونے) میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔

اس کتاب سے اسی کتاب کی طرف اشارہ ہے جس کو حضرت جبرئیل علیہ السلام ریشم کے کپڑے پر لکھا ہوا لائے تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جو آپ سے تین مرتبہ کہا: اقراء (پڑھیے) اس تکرار میں یہ حکمت ہے کہ وحی ایمان کے سبب سے نازل ہوئی ہے اور ایمان کے تین اجزاء ہیں: قول، عمل اور نیت اور وحی کے بھی تین اہم مقاصد ہیں: توحید، احکام اور نقص۔

سورة العلق کی جو پانچ آیتیں نازل فرمائی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ پانچ آیتیں مقاصد قرآن پر مشتمل ہیں کیونکہ ان آیات میں توحید، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، اس کی صفات ذاتیہ اور صفات افعال اور اخبار کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر ہے، اس سورت سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا ذکر نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سورة التوبہ کے علاوہ ہر سورت کے اول میں جو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہے وہ اس سورت کا جز نہیں ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے مصحف کی ترتیب قرآن مجید کے نزول کی ترتیب کے مطابق نہیں ہے کیونکہ سب سے پہلی آیت اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْحَقَّ اور مصحف میں سب سے پہلی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہے، جب کوئی سورت یا آیت نازل ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو یہ بتا دیتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد لکھنا اور آپ کی اسی ہدایت کے مطابق قرآن مجید کو مصحف میں ترتیب کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جو آپ کو بہت زور سے دیا تھا اس میں یہ حکمت ہے تاکہ آپ اس پر متنبہ ہوں کہ آپ پر جو کلام نازل ہونے والا ہے وہ بہت ثقیل اور بوجھل ہے اور جب آپ حضرت جبرئیل کے انتہائی زور سے دبانے کو برداشت کر لیں گے تو پھر قرآن مجید کے نزول کے ثقل کو بھی برداشت کر لیں گے۔ اور جب آپ نے حضرت جبرئیل کے انتہائی زور سے دبانے کو برداشت کر لیا تو انہوں نے جان لیا کہ آپ قرآن مجید کے نزول کے ثقل کو بھی برداشت کر لیں گے، پھر اس کے بعد انہوں نے آپ کے اوپر سورة العلق کی ابتدائی پانچ آیات نازل کیں۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو تین بار جو زور سے دیا یا اس میں یہ حکمت ہے کہ تبلیغ دین کی راہ میں آپ کو تین سختیوں کا سامنا کرنا پڑے گا، ایک سختی وہ تھی جب آپ کو شعب ابی طالب میں محصور کیا گیا اور دوسری سختی وہ تھی جب آپ کو ہجرت کے لیے وطن سے نکلنا پڑا اور تیسری سختی وہ تھی جو غزوہ احد میں آپ پر اور آپ کے اصحاب پر پیش آئی حتیٰ کہ ستر (۷۰) مسلمان شہید ہو گئے اور کالی تعداد میں مسلمان زخمی ہوئے حتیٰ کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں بھی چوٹ لگی اور آپ کے چہرے پر زخم آیا اور دندان مبارک شہید ہوا۔ یہ تین سختیاں آپ پر تبلیغ اسلام کی راہ میں پیش آئیں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تین بار دبانے کے بعد آپ کو تین بار چھوڑا، اس میں یہ حکمت ہے کہ ان سختیوں کے بعد آپ کو تین آسانیاں حاصل ہوں گی: دنیا میں، برزخ میں اور آخرت میں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تسلی دی تھی اس کی توجیہ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اللہ آپ کو شرمندہ نہیں کرے گا۔

حافظ ابن جریر عسقلانی لکھتے ہیں: امام ابن اسحاق کی مرسل روایت میں ہے کہ اسماعیل بن ابی حکیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت خدیجہ نے آپ سے کہا: اے میرے عم زاد! جب آپ کے پاس آپ کا صاحب آئے تو آپ مجھے بتا سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے تو آپ نے فرمایا: اے خدیجہ! یہ جبرئیل ہیں تو حضرت خدیجہ نے کہا: آپ کھڑے ہو کر میرے بائیں زانو پر بیٹھ جائیں، پھر پوچھا: کیا آپ اب حضرت جبرئیل کو دیکھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! حضرت خدیجہ نے کہا: اب

آپ میرے دائیں زانوں پر بیٹھ جائیں، پھر کہا: اب آپ میری گود میں بیٹھ جائیں، پھر انہوں نے اپنا دوپٹا آپ کے اوپر ڈال دیا، پھر کہا: اب آپ دیکھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ حضرت خدیجہ نے کہا: تو آپ ثابت قدم رہیں اللہ کی قسم! یہ فرشتہ ہے شیطان نہیں اور امام بیہقی نے دلائل النبوت میں یہ روایت کی ہے کہ حضرت خدیجہ پہلے آپ کو عدا اس نصرانی کے پاس لے گئیں اور ان کو یہ بتایا کہ آپ کے پاس اس طرح حضرت جبریل آئے تھے تو انہوں نے کہا: حضرت جبریل اللہ تعالیٰ اور نبیوں کے درمیان امین ہیں، پھر حضرت خدیجہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔

ورقہ بن نوفل کا تذکرہ

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ابو میسرۃ کی مرسل روایت میں ہے: ورقہ نے آپ سے کہا: آپ خوش ہو جائیں، میں گواہی دیتا ہوں یہ وہی فرشتہ ہے جس نے ابن مریم کی بشارت دی تھی اور بے شک آپ کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ناموس کی مثل آیا ہے اور بے شک آپ نبی مرسل ہیں اور آپ کو عنقریب جہاد کا حکم دیا جائے گا اور اس حدیث میں ورقہ کے اسلام کی زیادہ تصریح ہے، اور امام ترمذی نے حضرت عائشہ بنتی النبی سے روایت کی ہے کہ حضرت خدیجہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ورقہ نے آپ کی تصدیق کی تھی لیکن وہ آپ کی نبوت کے ظہور سے پہلے فوت ہو گئے اور میں نے ان کو خواب میں دیکھا ان پر سفید لباس تھا اور اگر وہ اہل دوزخ سے ہوتے تو ان پر کوئی اور لباس ہوتا اور امام بزار اور امام حاکم نے حضرت عائشہ بنتی النبی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ورقہ کو برا نہ کہو کیونکہ میں نے دیکھا کہ اس کے لیے ایک جنت ہے یا دو جنتیں ہیں۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۳۱-۱۳۲ ملخصاً، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: محمد بن شہاب نے کہا: پس مجھے ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے خبر دی کہ حضرت جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انقطاع وحی کی حدیث کو بیان کرتے ہوئے اثنائے حدیث میں فرمایا: جس وقت میں جا رہا تھا تو میں نے آسمان سے ایک آواز سنی تو میں نے اوپر سر اٹھا کر دیکھا تو وہاں پر وہی فرشتہ تھا جو میرے پاس حراء میں آیا تھا وہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا تو میں اس سے خوف زدہ ہوا، پس میں واپس آ گیا، پس میں نے کہا: مجھ پر چادر ڈالو مجھ پر چادر ڈالو، پس گھر والوں نے مجھ پر چادر ڈال دی، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ ۚ وَ رَبِّكَ فَكْشَرٌ ۚ وَيَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ ۚ وَ رَبِّكَ فَكْشَرٌ ۚ وَيَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ ۚ وَ رَبِّكَ فَكْشَرٌ ۚ (المدثر: ۱-۵) اے چادر لپیٹنے والے! اٹھ، پس لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائے! اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے! اور اپنا لباس پاک رکھیے! اور بتوں کو چھوڑے رہیے! ابو سلمہ نے کہا: یہ وہ بت ہیں جن کی زمانہ جاہلیت میں

۴۹۵۴۔ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ شَهَابٍ فَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيَّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ قَالَ فِي حَدِيثِهِ بَيْنَمَا أَنَا أَمْشِي سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ بَصَرِي فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحَرَاءَ جَالِسٌ عَلَى كُرْسِيِّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَقَرِئْتُ مِنْهُ فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ رَمَلُونِي رَمَلُونِي فَدَشَرُوهُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ ۚ وَ رَبِّكَ فَكْشَرٌ ۚ وَيَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ ۚ وَ رَبِّكَ فَكْشَرٌ ۚ﴾ قَالَ أَبُو سَلَمَةَ وَهِيَ الْأَوَّلَانِ الَّتِي كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَعْبُدُونَ قَالَ ثُمَّ تَتَابَعَتِ الْوَحْيُ۔

لوگ عبادت کرتے تھے، ابو سلمہ نے کہا: پھر وحی لگا مار آنے لگی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کا مرسل ہونا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہ بھی صحابی کی مرسل روایت ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس قصہ کے وقت کو نہیں پایا لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو یا کسی اور ایسے صحابی سے سنا ہو جو اس قصہ کے وقت حاضر تھا۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

سورۃ المدثر کی ابتدائی پانچ آیتوں کی تفسیر

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں سورۃ المدثر کی ابتدائی پانچ آیتوں کا ذکر ہے اور ان پانچوں کا تعلق آپ کی رسالت کے ساتھ ہے۔ پہلی آیت میں آپ کی اس حالت کا ذکر ہے جب آپ چادر لپیٹے ہوئے تھے، اس میں آپ کے عظیم مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور دوسری آیت میں آپ کو کھڑے ہو کر عذاب سے ڈرانے کا حکم دیا ہے، اس سے مراد یا تو حقیقتاً کھڑا ہونا ہے یعنی آپ بستر سے اٹھ کر کھڑے ہوں یا اس سے مراد مجاز ہے یعنی آپ انھیں، آپ کو صرف عذاب سے ڈرانے کا حکم دیا ہے حالانکہ آپ ثواب کی بشارت دینے والے بھی ہیں کیونکہ یہ اول اسلام کا واقعہ ہے اور اس وقت عذاب سے ڈرانا متحقق تھا کیونکہ ابھی لوگوں کو ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کی ہدایت دینی تھی، پس جب مسلمانوں نے آپ کی اطاعت کی تو عذاب سے ڈرانے اور ثواب کی بشارت دینے والوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور ثواب کی بشارت

إِنَّا أَمَرْنَا سُلَيْكَ شَاهِدًا وَمُنْشِرًا وَنَذِيرًا ۝۱۰

(الاحزاب: ۴۵) دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۝

اور تیسری آیت میں رب عزوجل کی تعجید اور تعظیم کا ذکر ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ آپ نماز کو اللہ اکبر سے شروع کریں۔

اور چوتھی آیت میں آپ کو تطہیر کا حکم دیا ہے کہ آپ اپنے بدن کو بھی پاک رکھیں اور اپنے لباس کو بھی پاک رکھیں اور پانچویں آیت میں آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ان چیزوں کو چھوڑے رکھیں جو توحید کے منافی ہیں۔

سورۃ العلق اور سورۃ المدثر جن سے نزول قرآن کی ابتداء کی گئی ہے، ان میں مناسبت یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں میں الفاظ کم ہیں اور مہمونی چھوٹی آیتیں ہیں اور ان کے معانی بہت زیادہ ہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا

۲۔ بَابُ: خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۱

کیا ہے ۝ (العلق: ۲) کی تفسیر

(العلق: ۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن کبیر نے حدیث بیان

۳۹۵۵۔ حَدَّثَنَا ابْنُ بَكْرِ بْنِ حَزْزَانَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عَقِيلٍ

کی، انہوں نے کہا: ہمیں الليث نے حدیث بیان کی از عقیل از

عَنْ ابْنِ شَهَابٍ عَنْ غَزْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا

قَالَتْ أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝﴾ (العلق: ۱-۳)

ابن شہاب از عروہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی (نبوت کی) سب سے پہلے سچے خوابوں سے ابتداء کی گئی، پھر آپ کے پاس فرشتہ آیا تو اس نے کہا: اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ (العلق: ۱-۳) (اے رسول مکرم!) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہے ۝ انسان کو جسے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے ۝ پڑھیے اور آپ کا رب ہی سب سے زیادہ کریم ہے ۝

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳ میں گزر چکی ہے۔

اس آیت میں انسان سے مراد کیا ہے اس کا بیان

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

انسان سے مراد بنو آدم ہیں کیونکہ بنو آدم کو اللہ تعالیٰ نے علق سے یعنی جسے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے اور علق وہ چیز ہے جس کی طرف سب سے پہلے رحم میں نطفہ متحول ہوتا ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ انسان سے مراد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور علق سے مراد وہ مٹی ہے جو ہاتھ میں چٹ گئی تھی یا چپک گئی تھی۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۴۱، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پڑھیے اور آپ کا رب ہی سب سے زیادہ کریم ہے ۝ (العلق: ۳) کی تفسیر

۳۔ بَابُ: اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ (العلق: ۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری (ح) اور اللیث نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی، محمد نے کہا: مجھے عروہ نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ رسول اللہ ﷺ کی (نبوت کی) جس کے ساتھ سب سے پہلے ابتداء کی گئی وہ سچے خواب تھے، آپ کے پاس فرشتہ آیا پس اس نے کہا: اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ (العلق: ۱-۳) (اے رسول مکرم!) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ۝ انسان کو جسے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے ۝ پڑھیے اور آپ کا رب ہی سب سے زیادہ کریم ہے ۝ جس نے قلم سے (لکھنا) سکھایا ۝

۴۹۵۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ ۞ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ قَالَ مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ جَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝﴾ (العلق: ۱-۳)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کرم اور حلم کا بیان

علامہ بدر الدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر کرم سے بڑھ کر اپنے بندوں پر کرم فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور اللہ تعالیٰ بندوں سے درگزر فرماتا ہے اور اس کے باوجود کہ وہ کفر کرتے ہیں اور اس کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں اور جن کاموں سے ان کو منع فرمایا ہے ان کا ارتکاب کرتے ہیں اور جن کاموں کے کرنے کا ان کو حکم دیا ہے ان کاموں کو ترک کرتے ہیں، پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کو جلدی عذاب نہیں دیتا اور حلم سے کام لیتا ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کی خصوصی نعمت قلم کا بیان

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ قلم اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، اگر قلم نہ ہوتا تو احکام شرعیہ کو لکھ کر محفوظ نہ کیا جاتا اور نہ معاش کے معاملات کو لکھ کر منضبط کیا جاتا، اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں پر کرم فرمایا کہ ان کو قلم سے لکھنا سکھایا اور ان کو جہالت کے اندھیروں سے علم کی روشنی کی طرف لایا۔ اگر قلم نہ ہوتا تو علوم کو مدون نہ کیا جاتا اور حکمتوں کو مقید نہ کیا جاتا اور نہ اولین و آخرین کی خبروں کو جمع کیا جاتا اور نہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابوں کو محفوظ کیا جاتا اور نہ ہمارے نبی سیدنا محمد منجیہ عالم کی احادیث اور آثارِ صحابہ اور اقوال مجتہدین کو مدون اور منضبط کیا جاتا، غرض یہ کہ اگر قلم نہ ہوتا تو دین اور دنیا کے حصول علم کا دروازہ بند ہو جاتا۔ (انوار بیان القرآن ص ۹۱ فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جس نے قلم سے (لکھنا) سکھایا ○
(القلم: ۴) کی تفسیر

۴۔ بَابُ: الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○
(القلم: ۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب، انہوں نے کہا: میں نے عروہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا، پس نبی منجیہ عالم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف لوٹے پس فرمایا: مجھے چادر اڑھاؤ، مجھے چادر اڑھاؤ پس پوری حدیث ذکر کی۔

۳۹۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا
الْثَّيْبِيُّ عَنْ عَقِيلٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ سَمِعْتُ
عُرْوَةَ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَرَأَ
النَّبِيُّ ﷺ إِلَيَّ خَبِيرَةً فَقَالَ رَمَلُونِ
رَمَلُونِ فَنَزَلَتْ الْخَبِيرَةُ

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اس کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر کھینچیں گے ○ وہ پیشانی جو جھوٹی گناہ گار ہے ○ (القلم: ۱۶-۱۵) کی تفسیر

۵۔ بَابُ: كَلَّا لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا
بِالنَّاصِيَةِ ○ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِلَةٍ ○
(القلم: ۱۵-۱۶)

۴۹۵۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ
مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ الْجَزَرِيِّ عَنْ عِكْرِمَةَ
قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو جَهْلٍ لَيْسَ رَأَيْتُ
مُحَمَّدًا يُصَلِّي عِنْدَ الْكَعْبَةِ لَأَطَّاقَ عَلَى عُنُقِهِ
فَبَدَعَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ لَوْ فَعَلَهُ لَأَخَذَتْهُ
الْمَلَائِكَةُ تَابِعَهُ عُمَرُو بْنُ خَالِدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ
عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ۔ (سنن ترمذی: ۳۳۴۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی از معمر از عبدالکریم الجزری از عکرمہ، انہوں نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابو جہل نے کہا: اگر میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو میں ان کی گردن کو اپنے پیروں سے روندوں گا، یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: اگر اس نے ایسا کیا تو اس کو فرشتے پکڑ لیں گے۔ عبدالرزاق یا یحییٰ کی متابعت عمرو بن خالد نے کی ہے از عبید اللہ از عبدالکریم۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ابو جہل کے قول کے متعلق مرسل روایت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابو جہل کا قول نقل کیا ہے اور یہ ان کی حدیث مرسل ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابو جہل کی اس بات کہنے کا زمانہ نہیں پایا کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے تھے، امام ابن مردویہ نے بھی اپنی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ ابو جہل نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ نذرمانی ہے کہ اگر میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تو ان کو اپنے پاؤں سے روندوں گا مگر اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

ابو جہل کو اس کی دھمکی کی وجہ سے آگ کی خندق دکھائی گئی اور عقبہ بن ابی معیط کی ایذا رسانی پر فوراً کوئی

عذاب نہیں آیا، اس کی توجیہ

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام البلاذری نے یہ روایت کی ہے کہ بارہ دوزخ کے فرشتے آسمان سے نازل ہوئے جن کے سر آسمانوں میں تھے اور پیر زمین پر تھے۔

اسماعیلی نے اپنی روایت کے آخر میں عبدالکریم الجزری سے یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر یہود موت کی تمنا کرتے تو اسی وقت مر جاتے (قرآن مجید میں ہے: آپ کہیے کہ اگر دار آخرت اللہ کے نزدیک دوسرے لوگوں کے بجائے خصوصیت سے تمہارے لیے ہے یعنی یہودیوں کے لیے تو اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو ۵۰ البقرہ: ۹۴) اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر یہود موت کی تمنا کرتے تو اسی وقت مر جاتے، نیز فرمایا: اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مہبلہ کرنے آئے تھے جب وہ واپس جاتے تو اپنے اہل اور مال کو نہ پاتے۔

اور امام نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے آخر میں یہ اضافہ کیا ہے کہ ان لوگوں کو صرف اس چیز نے خوف زدہ کیا کہ ابو جہل اپنی ایڑیوں پر پلٹ رہا تھا اور اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو بچا رہا تھا، اس سے پوچھا گیا کہ کیا ہوا تو اس نے کہا: میرے اور ان کے درمیان آگ کی ایک خندق ہے اور خطرات ہیں اور پر ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ قریب آتا تو فرشتے اس کو جھپٹ کر اس کے ایک ایک عضو کو پکڑ لیتے۔ ابو جہل کے اس قول کی وجہ سے اس پر اتنی سختی کی گئی اور جب عقبہ بن ابی معیط نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر اوٹنی کے بچہ کی جھلی ڈالی تھی تو اس پر اتنی سختی نہیں کی گئی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر چند کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت نماز میں

ایذا پہنچانے میں یہ دونوں شریک تھے لیکن ابو جہل کی یہ خباثت تھی کہ اس نے آپ کو دھمکایا تھا اور آپ کی گردن مبارک روندنے کا ناپاک ارادہ کیا تھا، اگر وہ ایسا کر لیتا تو اس پر دنیا میں ہی دوزخ کا سخت عذاب آ جاتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اونٹنی کے بچے کی جہلی میں نجاست نہیں تھی، پھر بھی نبی ﷺ نے اس کے خلاف اور اس کے شرکاء کے خلاف دعائے ضرر کی تو وہ سب کے سب غزوہ بدر میں قتل کر دیئے گئے۔

نیز عمرو بن خالد کی روایت میں ہے کہ اگر ابو جہل ایسا کرتا تو سب کے سامنے فرشتے اس کو پکڑ لیتے اور اسما عیسیٰ کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اگر یہود موت کی تمنا کرتے تو اسی وقت مر جاتے اور دوزخ میں اپنے ٹھکانوں کو دیکھ لیتے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۳۵-۱۳۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الحمد لله رب العالمین سورۃ العلق کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور احادیث روایت کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ القدر کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۹۷۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْقَدْرِ

سورة القدر کی تفسیر

سورة القدر کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة القدر کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اور اکثر مفسرین کے قول کے مطابق یہ سورت مدنی ہے، علامہ ماوردی نے اس کے برعکس لکھا ہے، علامہ الواحدی نے لکھا ہے کہ یہ پہلی سورت ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی، اور علامہ ابوالعباس نے کہا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور اس سورت میں پانچ آیات ہیں۔

اس سورت کے شروع میں فرمایا: **إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ** اس میں ہاکی ضمیر قرآن مجید کی طرف راجع ہے جس کا پہلے ذکر نہیں ہے، نیز فرمایا: ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا ہے یعنی لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف اس قرآن کو اس رات میں نازل فرمایا ہے، پس اس قرآن کو بیت العزت میں رکھا، پھر حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو کتاب میں لکھوایا پھر حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام اس قرآن کو نبی سلیٰ علیہم السلام پر اول سے لے کر آخر تک تیس (۲۳) سال کی مدت میں نازل کرتے رہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۳۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

يُقَالُ السَّطْرُ هُوَ الطَّلُوعُ وَالْمَطْلَعُ الَّذِي كُتِبَ فِيهِ الْقُرْآنُ کا معنی ہے: جس جگہ سے فجر طلوع ہوتی ہے یعنی یہ اسم ظرف ہے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

سَلَّمَ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (القدر: ۵)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ اس آیت میں دو قرأتیں ہیں، **مَطْلَعُ** (لام پر زبر) اور **مَطْلَعُ** (لام کے نیچے زیر) **مَطْلَعُ** مصدر مسمی ہے اور یہ جمہور کی قرأت ہے اور اس کا معنی وہ جگہ ہے جہاں سے فجر طلوع ہوتی ہے اور یہ الکسائی اور خلف کی قراءت ہے۔

أَنْزَلْنَاهُ الْهَاءُ كِنَايَةٌ عَنِ الْقُرْآنِ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ خَرَجَ **مَخْرَجَ الْجَبِيْعِ وَالْمُنْزِلُ هُوَ اللَّهُ وَالْعَرَبُ تَوَكَّدُ فَعَلَ** **الْوَاحِدِ فَتَجْعَلُهُ بِلَفْظِ الْجَبِيْعِ لِيَكُونَ أَثَبَتٌ** **وَأَوْكَدٌ**
أَنْزَلْنَاهُ میں ہا ضمیر قرآن مجید سے کنایہ ہے، یہ جمع کا صیغہ ہے حالانکہ نازل کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے (جو واحد ہے) اور عرب لوگ تاکید کے لیے واحد کے صیغہ کو جمع کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں تاکہ وہ زیادہ ثابت اور زیادہ مؤکد ہو۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ **إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ** میں ضمیر منصوب قرآن مجید کی طرف راجع ہے اگرچہ اس کا لفظ پہلے ذکر نہیں ہے مگر وہ حکماً مذکور ہے اس اعتبار سے کہ قرآن مجید داغما رسول اللہ سلیٰ علیہم کے ذہن میں مستحضر تھا اور یا اس وجہ سے کہ

آیت کا سیاق قرآن مجید پر دلالت کرتا ہے یا اس لیے کہ پورا قرآن سورت واحد کے حکم میں ہے۔ امام بخاری نے کہا کہ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ جَمْعَ کَاصِغَةٍ یعنی قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ یہ مفرد کا صیغہ ہوتا یا اس طور کہ یوں فرماتا: اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ یعنی میں نے اس کو نازل کیا ہے، لیکن عرب تاکید کے لیے واحد کو جمع سے تعبیر کر دیتے ہیں، علامہ یعنی امام بخاری پر اعتراض کرتے ہیں کہ اصطلاح یہ ہے کہ واحد کو تعظیم کے لیے جمع سے تعبیر کیا جاتا ہے نہ کہ تاکید کے لیے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ یعنی نے عمدة القاری ج ۱ ص ۴۴۳-۴۴۴ میں کی ہے]

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورة القدر کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء الله العزيز سورة البینہ کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

٩٨- تَفْسِيرُ سُورَةِ الْبَيِّنَةِ

سورة البینہ کی تفسیر

سورة البينة كاتعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ البیہ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت کا نام سورۃ القیامہ اور سورۃ المنفکین بھی ہے، اور جمہور کے قول کے مطابق یہ سورت مدنی ہے، اور ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور یحییٰ بن سلام کا یہی مختار ہے، اور سفیان سے منقول ہے کہ مجھے پتا نہیں چلا کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی، اس سورت میں آٹھ (۸) آیات ہیں۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۴۴)

مُنْفَكِينَ رَاٰیْلَیْنِ۔
مُنْفَكِیْنِ اس کا معنی ہے: زائلین یعنی وہ اپنے کفر کو زائل کرنے والے نہیں ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۖ (المائدة: ۱)

اہل کتاب میں سے بعض کفار اور مشرکین (اپنے دین کو) چھوڑنے والے نہیں ہیں حتیٰ کہ ان کے پاس واضح دلیل آجائے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مُنْفَكَيْن کی تفسیر ذائلیین کی ہے یعنی بعض اہل کتاب اپنے کفر سے زائل ہونے والے نہیں ہیں اور فَلَک کا اصل معنی ہے فَتَحَ یعنی کھولنا اور اسی سے فَلَکُ الکتاب ماخوذ ہے یعنی کتاب کو کھولنا۔

قِيَمَةُ الْقَائِمَةِ دِينَ الْقِيَمَةِ أَضَافَ الدِّينَ إِلَى الْقِيَمَةِ اس کا معنی ہے: القائمہ یعنی قائم اور مضبوط، دینُ القیمۃ: دین کی اصناف قیمۃ کی طرف کی ہے جو مونث لفظی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ
حَقَّاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ
الْقَيِّمَةِ ۝ (البقرة: ۱۷۷)

علامہ یعنی لکھتے ہیں: اس آیت میں دین کی صفت قَیِّمَہ ہے اور وہ مونث لفظی ہے حالانکہ موصوف صفت میں مطابقت ہوتی ہے جو یہاں نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ قَیِّمَہ کا موصوف مخذوف ہے اور وہ ملت ہے یعنی دِیْنُ الْبَیِّنَۃِ۔ القَیِّمَۃ موصوف کو حذف کر کے اس کی صفت کو اس کے قائم مقام کر دیا۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ معنی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۴۴ میں کی ہے]

۱۔ باب

باب

۳۹۵۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ لَمْ يَكُنْ الَّذِينَ كَفَرُوا قَالَ وَسَمَانٍ قَالَ نَعَمْ قَبِيكُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے قتادہ سے سنا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: بے شک اللہ نے مجھے یہ حکم فرمایا ہے کہ میں تمہارے سامنے یہ آیت پڑھوں: لَمْ يَكُنْ الَّذِينَ كَفَرُوا حضرت ابی بن کعب نے پوچھا: اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پس وہ رونے لگے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۰۹ میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے اپنے نام کے متعلق سوال کرنے اور پھر رونے کی توجیہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟ اس سوال کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے یہ گمان کیا کہ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہو کہ آپ اپنی امت کے کسی مرد کے سامنے پڑھیں۔ اور حضرت ابی بن کعب کا نام نہ لیا ہو تو انہوں نے تحقیق کے لیے آپ سے دریافت کیا، اور جب نبی ﷺ نے فرمایا: ہاں! یعنی تمہارا نام لیا ہے تو وہ رونے اور رونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو اس سے کم تر خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کا نام لے لے اور جب انہیں پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام لیا ہے تو ان کو اس پر تعجب ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور یہی صالحین کی شان ہے کہ جب وہ کسی بات پر خوش ہوتے ہیں تو ان پر اللہ تعالیٰ کا خوف طاری ہو جاتا ہے۔

(عمدة القاری ج ۱ ص ۴۴۵۔ ۴۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ باب

باب

۳۹۶۰۔ حَدَّثَنَا حَشَانُ بْنُ حَشَانَ حَدَّثَنَا هِشَامُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ قَالَ أَنَسُ إِنَّ اللَّهَ سَمَانٌ لَكَ قَالَ اللَّهُ سَمَانٌ لِي فَجَعَلَ أَنْ يَكُنْ قَالَ قَتَادَةُ فَأَنْهَيْتُ أَنَّهُ قَرَأَ عَلَيْهِ لَمْ يَكُنْ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حسان بن حسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں، حضرت ابی بن کعب نے پوچھا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ سے میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے تمہارا نام لیا ہے، پس حضرت ابی رونے لگے، قتادہ نے بتایا کہ مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ آپ نے ان کے سامنے

یہ آیت پڑھی: لَمْ یُکُنِ الَّذِینَ کَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْکُتُبِ
(البینہ: ۱) بے شک اہل کتاب میں سے جو کفار ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۰۹ میں گزر چکی ہے۔

مطلق حدیث کو مقید پر محمول کرنا اور سورۃ البینہ کی آیت پڑھنے کی تخصیص اور حضرت ابی بن کعب کا نام لینے کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سے پہلی حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں تمہارے سامنے لَمْ یُکُنِ الَّذِینَ کَفَرُوا (البینہ: ۱) پڑھوں اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں، ان دونوں جملوں میں اس طرح تطبیق ہے کہ اس حدیث میں مطلق قرآن پڑھنے کا حکم ہے اور وہ مقید پر محمول ہے یعنی لَمْ یُکُنِ الَّذِینَ کَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْکُتُبِ پر کیونکہ آپ نے حضرت ابی بن کعب کے سامنے اس کے سوا اور کوئی آیت نہیں پڑھی۔

اس سورت کے پڑھنے کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں یہ آیت ہے:

رَأْسُؤْ لِّمَنْ اَللّٰهُ یَسْئَلُوْا صُحُفًا مَّطٰہِرًا ۝۱

(البینہ: ۲) کرتے ہیں ○

اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے نام کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ وہ تمام صحابہ کرام میں سب سے عظیم قاری ہیں، پس جب نبی ﷺ نے اپنے بلند مرتبہ کے باوجود ان کے سامنے قرآن پڑھا تو دوسروں کو ان کے سامنے یہ طریق اولیٰ قرآن پڑھنا چاہیے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۳۶، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

حضرت ابی بن کعب کو قرآن مجید پڑھانے اور ان کے سامنے قرآن پڑھنے کی حکمت اور سورۃ البینہ کی جامعیت علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ نبی ﷺ نے یہ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم فرمایا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں، یہ مطلق ہے اور یہ آیت لَمْ یُکُنِ الَّذِینَ کَفَرُوا کو بھی شامل ہے اور دوسری آیتوں کو بھی، قتادہ کی روایت میں ہے کہ مجھے یہ خبر دی گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قتادہ کو یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور سے پہنچی تھی جس میں یہ مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ حضرت ابی بن کعب کے سامنے آیت مبارک لَمْ یُکُنِ الَّذِینَ کَفَرُوا (البینہ: ۱) پڑھیں، پھر انہوں نے حضرت انس بن مالک سے اس کے متعلق پوچھا تو پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے قتادہ کو وہی حدیث سنائی جو ان کو دوسروں سے پہنچی تھی۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں آپ کو قرآن پڑھاؤں، اور اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو اس کے بعد آئے گی جو السعید بن ابی عروبہ از قتادہ مروی ہے۔ (صحیح البخاری: ۴۹۶۱)

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت ابی بن کعب کی قراءت میں کچھ کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان کو تجوید کے موافق پڑھائیں تاکہ وہ قراءت کو حسین بنا کر پڑھیں، اور اگر یہ قول صحیح ہو تو آپ کو دو حکم دیئے گئے، ایک میں فرمایا: آپ

ابی بن کعب کے سامنے پڑھیں اور دوسرے میں فرمایا: ان کو قرآن پڑھائیں، ان کا معنی اور مناسبت ظاہر ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے ان کے سامنے قرآن کس حکمت سے پڑھا تھا اور مختار یہ ہے تاکہ یہ امر سنت ہو جائے کہ اہل فضل اور اہل کمال کے سامنے قرآن مجید پڑھنا چاہیے اور اس میں کسی شخص کو عار نہیں ہونا چاہیے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں یہ تنبیہ تھی کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ پڑھنے اور سیکھنے کی اہلیت اور صلاحیت رکھتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ قراءت اور تجوید کے امام بن گئے تھے، اور کوئی اور شخص اس فضیلت میں ان کا شریک نہیں تھا اور ان کے اس بلند مرتبہ کو بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا کہ آپ ان کے سامنے قرآن مجید پڑھیں۔

اس سورت کو پڑھنے کا حکم دینے کی خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں توحید اور رسالت کا ذکر ہے اور جن امور سے رسالت ثابت ہوتی ہے ان کا بیان ہے اور وہ قرآن مجید ہے جو آپ کا عظیم معجزہ ہے اور اس میں ایمان کی فروغ کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اخلاص کے ساتھ عبادت کی جائے اور یوم حساب اور مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کی جگہ کا بیان ہے اور جنت اور دوزخ کا ذکر ہے اور انسانوں کی نیک بختوں اور بد بختوں کی طرف تقسیم کا ذکر ہے اور ان کا ذکر ہے جو مخلوق میں سب سے بہتر ہیں اور جو مخلوق میں سب سے بدتر ہیں اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کے احوال کا ذکر ہے اور انسان کے معاش اور روزگار کا بیان ہے، غرض یہ کہ اس سورت میں نہایت اختصار کے ساتھ مبداء اور معاد کے اہم امور کو بیان فرمایا گیا ہے اور یہ سورت قصار مفصل میں سے ہے اور انتہائی جامع ہے۔ (معدۃ القاری ج ۱ ص ۳۴۶-۳۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۹۶۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ السَّادِيُّ حَدَّثَنَا زَوْجُ
حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ
مَالِكٍ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ قَالَ لِلْأَبِيِّ بْنِ كَعْبٍ إِنَّ اللَّهَ
أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَكَ الْقُرْآنَ قَالَ اللَّهُ سَتَانِي لَكَ قَالَ
نَعَمْ قَالَ وَقَدْ ذُكِرْتُ عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِينَ قَالَ نَعَمْ
فَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں (احمد بن ابی داؤد) ابو جعفر السنادی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن ابی عروبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا ہے کہ میں تمہیں قرآن پڑھاؤں، حضرت ابی بن کعب نے پوچھا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ سے میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! انہوں نے کہا: میرا رب العالمین کے پاس ذکر کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پس ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۰۹ میں گزر چکی ہے۔

امام بخاری کی سند پر خطیب بغدادی کے اعتراض کا جواب اور اسماءہ رجال کے فن میں امام بخاری کی عظمت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن طاہر نے کہا ہے کہ امام بخاری نے احمد بن ابوداؤد سے صرف یہ ایک حدیث روایت کی ہے اور اہل بغداد اس حدیث کو محمد کے نام سے پہچانتے ہیں اور یہ حدیث محمد بن عبید اللہ بن ابوداؤد بن ابو جعفر المنادی کی روایت سے مشہور ہے کیونکہ الخطیب نے اس

حدیث کو تاریخ بغداد میں محمد بن عبید اللہ کی روایت سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو ابن المنادی سے روایت کیا ہے مگر انہوں نے اس کا نام احمد لکھا ہے اور میں نے مبعۃ اللہ الطبری سے سنا، وہ کہتے تھے کہ امام بخاری پر اشتباہ ہو گیا اور انہوں نے یہ روایت احمد بن ابوداؤد سے کی ہے حالانکہ یہ محمد بن ابوداؤد سے روایت ہے اور کہا گیا ہے کہ محمد کا ایک بھائی مصر میں تھا جس کا نام احمد تھا، ہمارے نزدیک یہ قول باطل ہے کیونکہ ہمارے علم کے مطابق ابوجعفر کا کوئی بھائی نہیں تھا یا شاید امام بخاری نے محمد اور احمد کو ایک ہی شخص گمان کر لیا۔ خطیب بغدادی کی عبارت ختم ہوئی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: خطیب کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ امام بخاری کا مرتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ وہ محمد اور احمد نام کے دو راویوں میں فرق نہ کر سکیں جب کہ امام بخاری اسماء رجال کے درمیان تمیز اور ان کے احوال سے واقفیت میں ید طولی رکھتے ہیں اور اس فن میں سب سے بڑھ کر اور ان کے سردار ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۴۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ البینہ کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور احادیث روایت کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز امام بخاری نے سورۃ الزلزال کی تفسیر میں جو تعلیق ذکر کی ہے اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۹۹۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ

سورة إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ کی تفسیر

سورة إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ (الزلزال) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الزلزال کی بعض آیات کی تفسیر ہے اس سورت کا نام إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ اور الزلزال بھی ہے، یہ سورت مکی ہے، اس سورت میں آٹھ (۸) آیات ہیں۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ کا معنی ہے: جب قیامت کی وجہ سے زمین میں شدید حرکت ہوگی، اس کو زلزلہ اور زلزال کہتے ہیں۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابٌ: فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا

صلہ دیکھے گا ○ (الزلزال: ۷) کی تفسیر

يُرَٰك ○ (الزلزال: ۷)

علامہ عینی لکھتے ہیں: صرف ابو ذر کے نسخے میں باب کا لفظ ہے، صحیح بخاری کے دیگر نسخوں میں باب کا لفظ نہیں ہے اور مثقال کا لفظ مفعول کے وزن پر ہے جو مثل سے ماخوذ ہے اور مثقال کا معنی ہے: وزن اور مقدار۔ ثعلب سے پوچھا گیا: ذرہ کا کیا معنی ہے تو انہوں نے کہا: ایک سو چوبیسوں کا وزن ایک دانہ ہے اور ذرہ ان میں سے ایک چوبیسوں کے برابر ہے اور یزید بن ہارون سے منقول ہے کہ لوگوں کا زعم ہے کہ ذرہ کا کوئی وزن نہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۳۶)

يُنْقَالُ أَوْحَىٰ لَهَا أَوْحَىٰ إِلَيْهَا وَوَحَىٰ لَهَا وَوَحَىٰ إِلَيْهَا کہا جاتا ہے: اوحی لہا کا معنی ہے: اوحی الیہا یعنی اس کی طرف وحی کی اور ووحی لہا اور ووحی إِلَيْهَا دونوں کا ایک معنی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیتوں کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَوْمَ مَن يُنْقَلُ أَخْبَارَهَا ○ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ○ (الزلزال: ۵-۴) رب نے اسے حکم دیا ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام ابو حبیہ نے یہ کہا ہے کہ اَوْحَىٰ لَهَا کا معنی ہے: اَوْحَىٰ إِلَيْهَا اور امام بخاری نے کہا: کہا جاتا ہے: اس میں یہ اشارہ ہے کہ اوحی لہا، اَوْحَىٰ إِلَيْهَا اور ووحی لہا اور ووحی إِلَيْهَا چاروں لفظوں کا معنی واحد ہے، اور ان کا استعمال لام اور الی دونوں کے ساتھ ہوتا ہے، اور اس آیت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو کلام کرنے کا حکم دیا اور کلام کرنے کی اجازت دی، اور علامہ اشعابی نے کہا ہے: یہ مجاز ہے اور اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی کی۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۶۲۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ الشَّتَّانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ الْخَيْلُ لِثَلَاثَةِ رَجُلٍ أَجْرٌ وَلِلرَّجُلِ سِتْرٌ وَعَلَى رَجُلٍ وَزْرٌ فَأَمَّا الَّذِي لَهُ أَجْرٌ فَالرَّجُلُ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَأَطَاعَ لَهَا فِي مَرْجٍ أَوْ رَوْضَةٍ فَمَا أَصَابَتْ فِي طِيلِهَا ذَلِكَ فِي الْمَرْجِ وَالرَّوْضَةِ كَانَ لَهُ حَسَنَاتٌ وَلَوْ أَنَّهَا قَطَعَتْ طِيلَهَا فَاسْتَنْتَتْ شَرَفًا أَوْ شَرَفَيْنِ كَانَتْ أَثَارَهَا وَأَرْوَاتُهَا حَسَنَاتٍ لَهُ وَلَوْ أَنَّهَا مَرَّتْ بِنَهْرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَمْ يُرْذَأَنَّ يَسْقَى بِهِ كَانَ ذَلِكَ حَسَنَاتٍ لَهُ فَهِيَ لِذَلِكَ الرَّجُلِ أَجْرٌ وَرَجُلٌ رَبَطَهَا تَغْنِيًا وَتَعَقُّيًا وَلَمْ يَنْسَ حَقَّ اللَّهِ فِي رِقَابِهَا وَلَا ظُهُورَهَا فَهِيَ لَهُ سِتْرٌ وَرَجُلٌ رَبَطَهَا فُخْرًا وَرِئَاءَ وَرِئَاءَ فَهِيَ عَلَى ذَلِكَ وَزْرٌ فَسُيِّلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ الْحُسْرِ قَالَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى فِيهَا إِلَّا هَذِهِ الْآيَةُ الْفَادَةُ الْجَامِعَةُ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از زید بن اسلم از ابو صالح الشمان از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گھوڑوں کی تین قسمیں ہیں: ایک گھوڑا مرد کے لیے باعث اجر ہے، اور ایک گھوڑا مرد کے لیے باعث پردہ پوشی ہے، اور ایک گھوڑا مرد کے لیے گناہ کا سبب ہے، پس رہا وہ گھوڑا جو اس کے لیے باعث اجر ہے یہ وہ ہے جس گھوڑے کو اس نے اللہ کی راہ میں باندھ کر رکھا، پھر اس کی رسی کو چراگاہ میں یا باغ میں لمبا کر دیا، پس اس رسی کے طول میں جو اس کی لید وغیرہ چراگاہ یا باغ میں نکلی وہ اس کے لیے نیکیاں بن جائیں گی اور اگر اس گھوڑے نے اپنی رسی کو لمبائی میں کاٹ دیا، پس وہ ایک بلندی یا دو بلندیوں پر چڑھا تو اس کے قدموں کے نشان اور اس کی لید اس کی نیکیاں ہوں گی، اور اگر وہ گھوڑا دریا کے پاس سے گزرا اور اس سے پانی پیا خواہ اس کے سوار نے اس کو پانی پلانے کا ارادہ نہ کیا ہو تو وہ بھی اس کے لیے نیکیاں ہوں گی، پس یہ وہ گھوڑا ہے جو اس کے لیے باعث اجر ہے، اور رہا وہ گھوڑا جو اس کے لیے پردہ پوشی کا سبب ہے تو یہ وہ گھوڑا ہے جس کو مرد نے خوش حالی اور سوال سے بچنے کے لیے باندھا اور اس کی گردن میں اللہ کے حق کو نہیں بھولا، اور اس کی پشت پر کسی کے سوار کرنے کو نہیں بھولا تو یہ گھوڑا اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کا سبب ہے، اور جس گھوڑے کو مرد نے فخر اور دکھاوے اور دشمن سے بدلہ لینے کے لیے باندھا تو یہ گھوڑا اس کے لیے باعث گناہ ہے، پھر رسول اللہ ﷺ سے گدھوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: مجھ پر گدھوں کے متعلق خصوصیت کے ساتھ کوئی آیت نازل نہیں کی گئی سوا اس منفرد اور جامع آیت کے: فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۖ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۖ (الزلزال: ۷-۸) سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کا صلہ دیکھے گا ۷ اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کا عذاب دیکھے گا ۸

اس حدیث کی مفصل شرح صحیح البخاری: ۱/۲۳ میں مکرر چکی ہے، تاہم بعض اہم امور کی شرح کی جا رہی ہے:

گھوڑوں پر زکوٰۃ فرض ہونے میں امام ابوحنیفہ کی دلیل اور الزلزال: ۸۔ ۷ کا جامع ہونا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: وہ مرد اس گھوڑے میں اللہ کے حق کو نہیں بھولا یعنی اس گھوڑے کی زکوٰۃ ادا کرنے کو نہیں بھولا۔ اس حدیث میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، یعنی جب اس نے گھوڑوں کو تجارت کے لیے رکھا ہو، اور اگر اس نے اس گھوڑے پر سوار ہونے کے لیے اس کو رکھا ہو یا اپنی کسی اور ضرورت کے لیے رکھا ہو تو پھر اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے الزلزال: ۸۔ ۷ کو آیت جامعہ فرمایا ہے کیونکہ اس آیت کی مثل اور کوئی آیت نہیں ہے جس کے الفاظ کم ہوں اور اس کے معانی بہت زیادہ ہوں کیونکہ یہ آیت خیر کی تمام اقسام اور شر کی تمام اقسام پر محیط ہے، اور جب کسی نے آپ سے گدھے کے حکم کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کا حکم بھی اس آیت میں ہے یعنی جس طرح کسی نے گھوڑے کو اللہ کی راہ میں باندھا تو اس کے لیے اجر ہے اسی طرح کسی نے گدھے کو اللہ کی راہ میں باندھا تو وہ گدھا بھی اس کے لیے باعث اجر ہے اور اگر کسی نے گدھے کو دکھا دے کے لیے یا کسی سے بدلہ لینے کے لیے باندھا تو وہ گدھا اس کے لیے باعث گناہ ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۳۸۔ ۳۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

دریاؤں کے پانی کو بلا اجازت پینے کا جواز اور اس پانی کو فروخت کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوحنیفہ عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف ابن السلقن المتوفی ۸۰۳ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں گھوڑے کے دریا سے پانی پینے کا ذکر ہے اور اس پر اجماع ہے کہ دریاؤں سے بغیر کسی کی اجازت کے پانی پینا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دریاؤں کو لوگوں کے اور جانوروں کے پینے کے لیے پیدا کیا ہے اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دریاؤں کا کوئی مالک نہیں ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ دریا کے پانی کو بیچنا کسی کے لیے جائز نہیں ہے کیونکہ دریا کے پانی میں غسی کا حق متعین نہیں ہے، پس جب کسی نے دریا کے پانی کو اپنے کسی برتن میں ڈال کر محفوظ کر لیا تو پھر اس کو فروخت کرنا جائز ہے اور امام مالک نے کہا ہے کہ دریا کے پانی کو زیادتی کے ساتھ اور ادھار فروخت کرنا جائز ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے اور امام محمد نے کہا کہ دریا سے پانی کی چپائش کی جاتی ہے اور اس کا وزن کیا جاتا ہے کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ ایک مد (ایک لیٹر) پانی سے وضو کرتے تھے اور ایک صاع (چار لیٹر) پانی سے غسل فرماتے تھے، اس وجہ سے امام محمد کے نزدیک اس کی بخل میں زیادتی اور ادھار جائز نہیں ہے کیونکہ سود کی حرمت کی علت کیل اور وزن ہے، امام شافعی کے نزدیک بھی اس کی زیادتی کے ساتھ اور ادھار بیع جائز نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک سود کی حرمت کی علت یہ ہے کہ وہ کھانے پینے کی جنس سے ہو۔

بعض مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس نے گھوڑے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں باندھا ہو، اس کا معنی یہ ہے کہ کسی مرد نے اسلام کی سرحد پر اپنے گھوڑے کو جہاد کے لیے تیار کر کے رکھا ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ اس شخص نے اپنے آپ کو گناہوں کے ارتکاب سے روک کر اور باندھ کر رکھا ہو۔

اس حدیث میں مرجع کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: وسیع زمین، ابو العالی نے کہا: جس زمین میں بہت زیادہ گھاس اور پانی ہو اور

اس میں چرنے کے لیے بہ کثرت مویشی آئیں۔

اور اس حدیث میں الروضۃ کا لفظ ہے: یہ وہ جگہ ہے جس میں پانی جمع ہو اور اس میں سبزیاں اور ترکاریاں ہوں اور پھل وغیرہ ہوں اور یہ جگہ بلندی پر ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے: گھوڑے نے دریا سے پانی پیا اور اس کے مالک کا ارادہ اسے پانی پلانے کا نہیں تھا: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب اس کا ارادہ پانی پلانے کا نہ ہو پھر بھی اسے اجر ملتا ہے تو جب اس کا ارادہ پانی پلانے کا ہو گا تو پھر تو قیاس ہے کہ اس کو بہت زیادہ اجر ملے گا۔

نبی سلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کرنے پر دلیل اور اس پر ایک سوال کا جواب

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: سب سے زیادہ عدل والی آیت یہ ہے:

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿٥١﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿٥٢﴾ (الزلزال: ۸-۷)

سویوزہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کا صلہ دیکھے گا ○ اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کا عذاب دیکھے گا ○

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر انکار نہیں کیا، بعض علماء نے کہا ہے کہ نبی سلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد نہیں کرتے تھے صرف وحی کے موافق حکم فرماتے تھے، ورنہ آپ اجتہاد کر کے گدھوں کا حکم بیان فرمادیتے، دوسرے علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ نبی سلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے گدھے کا حکم نہیں بیان کیا بلکہ اس کے حکم کو اس آیت کے عموم کی طرف مفوض کر دیا، ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ صحابہ نے آپ سے خچر کے متعلق نہیں پوچھا، اس کا جواب یہ ہے کہ عرب میں خچر بہت کم ہیں یا اس لیے کہ خچر گدھوں کے حکم میں ہیں۔ اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ قرآن مجید کے عموم سے استدلال کرنا چاہیے اور اس میں استنباط اور قیاس کی طرف متنبہ فرمایا ہے کیونکہ قرآن مجید میں گدھوں کا حکم نہیں ہے لیکن نبی سلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حکم کو اس آیت سے مستنبط فرمایا اور یہی نفس قیاس اور اجتہاد ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۵ ص ۷۲-۳، ۶۸، ۳۶۸، وزارة الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جو ذرہ برابر کوئی برائی کرے گا

۱۔ باب: وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

وہ اس کا عذاب دیکھے گا ○ (الزلزال: ۸) کی تفسیر

شَرًّا يَرَهُ ﴿٥٢﴾ (الزلزال: ۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی: انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے خبر دی از زید بن اسلم از ابی صالح السمان از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ سلی اللہ علیہ وسلم سے گدھوں کے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا: مجھ پر ان کے متعلق کوئی چیز نازل نہیں کی گئی مگر یہ آیت جو جامعہ اور منفرد ہے: فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿٥١﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿٥٢﴾ (الزلزال: ۸-۷) سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کا صلہ دیکھے گا ○ اور جو ذرہ برابر برائی

۳۹۶۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ لَمْ يُنَزَّلْ عَلَيَّ فِيهَا شَيْءٌ إِلَّا هَذِهِ الْآيَةُ الْجَامِعَةُ الْفَاعِلَةُ ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿٥١﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿٥٢﴾﴾ (الزلزال: ۸-۷)

کرے گا وہ اس کا عذاب دیکھے گا O

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۷۲۳ میں گزر چکی ہے۔

الزلزال: ۸۔ ۷ کی تفسیر علامہ قرطبی سے

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہاں اس حدیث کی کوئی شرح نہیں کی، تاہم میں نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کفار میں سے جو شخص بھی ذرہ برابر کوئی نیک کام کرے گا اس کو اس کی نیکی کا اجر دے دیا جائے گا اور اس کو آخرت میں کوئی اجر نہیں ملے گا اور اگر کوئی کافر کوئی برا کام کرے گا تو آخرت میں اس کو شرک کی سزا کے علاوہ اس برائی کی سزا بھی دی جائے گی اور مومنین میں سے جو شخص بھی ایک ذرہ کے برابر کوئی برائی کرے گا اس کو دنیا میں ہی اس کی برائی کی سزا دی جائے گی اور مرنے کے بعد اس کو آخرت میں اس برائی کی کوئی سزا نہیں دی جائے گی اور اس کی برائی سے درگزر کر لیا جائے گا اور اگر مومن نے ذرہ برابر کوئی نیکی کی تو اس کو قبول کر لیا جائے گا اور اس کا آخرت میں اجر زیادہ کر دیا جائے گا۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲۰ ص ۱۳۵) (انوار تجلیان القرآن ص ۹۶۳ فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۳۲۱ھ)

الزلزال: ۸ کی تفسیر مصنف کی طرف سے

یہ تو علامہ قرطبی کی تفسیر ہے اور میں یہ کہتا ہوں: اگر مومن سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا اور اس نے اس پر توبہ کر لی تو اس کا گناہ معاف کر دیا جائے گا اور اگر اس نے توبہ نہیں کی اور اس پر کوئی بیماری آئی یا کوئی آفت اور مصیبت آئی تو اس سے اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا اور اگر پھر بھی اس کے گناہ بچ رہے تو نبی ﷺ کی شفاعت سے یا اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے اس کی بخشش ہو جائے گی، اور بالفرض اگر اس کے باوجود اس کے گناہ باقی رہے تو قبر کے عذاب سے یا حشر کے دن کے طول سے یا دوزخ کے عذاب سے اس کی تطہیر کر دی جائے گی، اور مجھے امید ہے کہ اس کو قبر کا عذاب یا دوزخ کا عذاب محض صورتاً ہوگا حقیقتاً نہیں ہوگا۔

مصنف کی تفسیر پر قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے تائید اور توثیق

میں نے لکھا ہے: اگر مومن سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا اور اس نے اس پر توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے گا، اس کی دلیل درج ذیل آیات ہیں:

فَمَنْ ثَابَرَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۖ (المائدہ: ۳۹)

فَأَمَّا مَنْ ثَابَرَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا نُفْسَىٰ أَنْ يُكُونَ مِنَ الْمُؤَلَّفِينَ ۚ (القصص: ۲۷)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کی طویل حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اگر تم سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور اس کی طرف توبہ کرو کیونکہ جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کر لیتا ہے، پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۱۳۱، صحیح مسلم: ۲۷۷، سنن ابوداؤد: ۲۳۸، سنن ابن ماجہ: ۱۹۷۰، مسند احمد: ۲۵۳)

اور امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مثل ہے

جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔

سنن ابن ماجہ: ۴۲۵۰۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

اور میں نے لکھا ہے: اگر اس پر کوئی بیماری آئی یا کوئی آفت اور مصیبت آئی تو اس سے اس کا گناہ دھل جائے گا، اس کی دلیل

درج ذیل احادیث ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس آپ کی بیماری میں حاضر ہوا، اس وقت آپ کو بہت تیز بخار تھا، میں نے کہا: بے شک آپ کو بہت تیز بخار ہے، میں نے کہا: کیا یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کو دگنا اجر ہوتا ہے، آپ نے فرمایا ہاں! جس مسلمان کو بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہ ساقط کر دیتا ہے جس طرح درخت کے پتے گرتے ہیں۔ (صحیح البخاری: ۵۶۳۷، صحیح مسلم: ۲۵۷۱، سنن الکبریٰ: ۷۴۸۳)

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس مسلمان کو بھی کوئی تکلیف پہنچے خواہ کتنا چھوٹا یا اس سے زیادہ تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کے گناہ ساقط کر دیتا ہے جس طرح درخت کے پتے گرتے ہیں۔ (صحیح البخاری: ۵۶۳۸، صحیح مسلم: ۲۵۷۱، سنن الکبریٰ: ۷۴۸۳)

اور میں نے لکھا ہے: کہ اگر پھر بھی اس کے گناہ بچ گئے تو نبی ﷺ کی شفاعت سے اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے اور اس کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہوگی۔ (سنن ترمذی: ۲۳۳۶)

اور میں نے لکھا ہے: یا پھر اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اس کی دلیل یہ آیت مبارکہ ہے:

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۵۳﴾ (الزمر: ۵۳)

آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا، بے شک وہی بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

اور میں نے لکھا ہے: اگر پھر بھی اس کے گناہ بچ گئے تو قبر کے عذاب سے اس کی تطہیر ہو جائے گی اور مجھے امید ہے کہ اس کو یہ

عذاب محض صورتاً ہوگا حقیقتاً نہیں ہوگا اور اس امید کا منشاء حسب ذیل حدیث ہے:

باب فضل السجود کی ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے: حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ اہل دوزخ میں سے جن پر رحم فرمانے کا ارادہ فرمائے گا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو یہ حکم دے گا: ان کو دوزخ میں سے نکال لو جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے، پس فرشتے ان کو دوزخ سے نکالیں گے اور ان کو سجدوں کے نشانات سے پہچانیں گے اور اللہ تعالیٰ نے دوزخ پر سجدوں کے نشانات کے کھانے کو حرام فرمادیا ہے، پس ان کو دوزخ سے نکالا جائے گا، پس سجدوں کے نشان کے سوا ہر ابن آدم کو دوزخ کی آگ کھالے گی، سو ان کو دوزخ سے نکالا جائے گا اس حال میں کہ وہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے، پھر ان پر حیات کا پانی ڈالا جائے گا تو وہ اس سے اس طرح اگنے لگیں گے جس طرح کوئی دانہ سیلاب کی مٹی میں تیزی سے اگتا ہے۔ الحدیث

(صحیح البخاری: ۸۰۶، صحیح مسلم: ۱۸۲، سنن نسائی: ۱۱۳۰، سنن ابن ماجہ: ۴۳۳۶، مسند احمد، ج ۲، ص ۲۷۶، سنن الکبریٰ: ۷۷۰۳، مصنف

عبدالرزاق: ۴۰۸۵۶)

ہو سکتا ہے کہ سجدے کے نشانات کے سوا دوزخ کی آگ جسم کے جس حصہ کو جلا کر کوئلہ کرے گی وہ صرف صوز و غلاب ہو اور حقیقتاً عذاب نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس وقت اس کے دماغ کو ماؤف کر دیا ہو جس سے اسے جلنے اور درد کا ادراک اور احساس نہ ہو جیسے کسی بڑے آپریشن اور سرجری کے وقت ڈاکٹر مریض کو بے ہوش کر دیتے ہیں، اس کے جسم کو چیرا پھاڑا جاتا ہے لیکن بے ہوش ہونے کی وجہ سے اسے کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ تو اپنے مومن بندوں پر بہت رحیم اور کریم ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے یہ امید ہے کہ مومن کو دوزخ کے عذاب کے وقت اللہ تعالیٰ اس کو بے ہوش کر دے گا اور اس کو صرف صوز و غلاب ہوگا اور حقیقت میں عذاب نہیں ہوگا، یہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے، اس کے متعلق کوئی صریح حدیث نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میری سوچ غلط ہو۔ الزلزال: ۸ میں فرمایا ہے: اور جو ذرہ برابر کوئی برائے کرے گا وہ اس کا عذاب دیکھے گا O

میں کافی عرصہ اس آیت پر غور کرتا رہا کہ اگر ہر برائی پر عذاب ہو تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی آیات کا کیا محمل ہوگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تفسیر کے لیے میرا سینہ کھول دیا اور میں نے قرآن مجید کی آیات اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں اس آیت کی تفسیر کی، اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو اور میری تمام کاوشوں اور محنتوں کو قبول فرمائے۔ (امین)

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الزلزال کی تفسیر میں جو ایک تعلیق ذکر کی تھی اور احادیث روایت کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ العادیات کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۰۰۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْعَادِيَّاتِ

سورة والعاديات کی تفسیر

سورة والعاديات کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة العاديات کی بعض آیات کی تفسیر ہے، سورة العاديات کی ہے اور اس میں گیارہ (۱۱) آیات ہیں۔

حضرت ابن عباس، عطاء، مجاہد، حسن بصری، عکرمہ، الکلبی اور ابو العالیہ وغیرہ سے روایت ہے کہ العاديات سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو جہاد کے وقت اللہ کی راہ میں دوڑتے ہیں اور صبح کا معنی ہے کہ دوڑتے وقت ان کے ہانپنے اور زور زور سے سانس لینے کی جواز نکلتی ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْكُفُورُ الْكُفُورُ۔ اور مجاہد نے کہا: الْكُفُورُ کا معنی ہے: الْكُفُورُ یعنی جو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرتا ہو۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ (العاديات: ۶) بے شک انسان اپنے رب کا ضرور ناشکرا ہے

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد سے روایت ہے کہ انسان ضرور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرنے والا ہے، الکلبی نے کہا: یہ بلسان کندیہ اور حضرموت کی لغت ہے، انہوں نے کہا: اس کا معنی ہے: العاصی یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والا، اور مضراور ربیحہ کی لغت میں اس کا معنی ہے: ناشکرا اور بلسان کی لغت میں بھی اس کا معنی ہے: ناشکرا۔
يُقَالُ فَأَثَرُنْ بِهِ نَقْعًا رَفَعْنِ بِهِ عُبَارًا۔ کہا جاتا ہے: فَأَثَرُنْ بِهِ نَقْعًا (العاديات: ۴) اس کا معنی ہے: جب گھوڑے گرد و غبار اڑاتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَثَرُنْ بِهِ نَقْعًا (العاديات: ۴) پھر اس وقت وہ گرد و غبار اڑاتے ہیں

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس قول کے قائل امام ابو عبیدہ ہیں اور اس آیت کا معنی ہے کہ صبح کے وقت جب وہ گھوڑے حمد کرتے وقت گرد و غبار اڑاتے ہیں یعنی دشمن پر حملہ کرنے کے وقت۔

لِحُبِّ الْخَيْرِ مِنْ أَجْلِ حُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ لَبِخِيلٌ لِحُبِّ الْخَيْرِ اس کا معنی ہے: خیر کی محبت کی وجہ سے، لَشَدِيدٌ اس کا معنی ہے: وہ ضرور بخیل ہے اور بخیل کو شدید کہا جاتا ہے۔
وَيُقَالُ لَلْبَخِيلِ شَدِيدٌ۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ (العاديات: ۸) اور بے شک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ بھی امام ابو عبیدہ کا قول ہے، انہوں نے لام کو تعلیل کا قرار دیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ لام متعجبی کرنے کے لیے ہے یعنی وہ خیر کی محبت میں بہت قوی اور طاقت ور ہے اور خیر سے مراد مال ہے، امین زید سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کو خیر فرمایا ہے اور بعض اوقات مال خبیث اور حرام ہوتا ہے لیکن لوگ مال کو خیر شمار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے عرف کے مطابق کلام فرمایا۔

حُصِّلَ اس کا معنی ہے: مُتَبَيَّنٌ یعنی الگ کر دیا جائے گا اور جدا کر دیا جائے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ (العادیات: ۱۰) اور سینوں کی باتوں کو ظاہر کر دیا جائے گا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ بھی امام ابو عبیدہ کی تفسیر ہے، دوسرا قول ہے: اس کا معنی ہے: نکال دیا جائے گا اور ظاہر کر دیا جائے گا۔
[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۳۹-۴۴۸ میں کی ہے]

سورة العادیات کا شان نزول اور العادیات کے مختلف معانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام بزار اور امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے سواروں کی ایک جماعت کو بھیجا اور ایک ماہ تک ان کی کوئی خبر نہیں آئی، جب سورة العادیات نازل ہوئی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے کہ ایک شخص نے مجھ سے العادیات کا معنی پوچھا تو میں نے کہا: اس کا معنی ہے: گھوڑے، پھر وہ شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کو بتایا کہ میں نے کیا جواب دیا تھا تو حضرت علی نے مجھے بلایا اور مجھ سے فرمایا: العادیات سے مراد وہ اونٹ ہیں جو میدان عرفات سے مزدلفہ کی گھاٹی کی طرف دوڑتے ہیں اور امام سعید بن منصور کی حارش بن مغرب سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ العادیات کا معنی ہے: دوڑنے والے گھوڑے، دوڑنے والے اونٹ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ العادیات کا معنی ہے: دوڑنے والے گھوڑے، اور عکرمہ نے کہا کہ اونٹ حج کے موقع پر دوڑتے ہیں اور گھوڑے جہاد کے موقع پر دوڑتے ہیں اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی کہا ہے کہ العادیات سے مراد اونٹ ہیں۔ اس آیت میں العادیات کے بعد ضمما ہے جس کا معنی ہے: ہانپنا اور سندھج کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ کتے اور گھوڑے کے سوا اور کوئی جانور نہیں ہانپتا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۳۸-۱۳۹، دارالعرف، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورة العادیات کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورة القارعة کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۰۱۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْقَارِعَةِ

سورة القارعة کی تفسیر

سورة القارعة کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة القارعة کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت مکی ہے اور اس سورت میں گیارہ (۱۱) آیات ہیں۔

القارعة کا معنی ہے: قیامت کے کھٹکھٹانے سے جو مہیب آواز پیدا ہوگی۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۴۹)

كَالْفَرَّاشِ السَّبُوثِ كَغَوَّاءِ الْجَرَادِ يَزْكِبُ بَعْضُهُ
بَعْضًا كَذَلِكَ النَّاسُ يَجُولُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ

کالفراش السبوث: اس کا معنی ہے: جیسے ٹڈیاں جن کے پر نکل آئے ہوں اور وہ اڑنے کے لیے تیار ہوں اور ایک دوسرے پر چڑھ رہی ہوں، اسی طرح اس دن لوگ بھی ایک دوسرے پر سوار ہو رہے ہوں گے۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیات کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ السَّبُوثِ ۚ وَتَكُونُ
الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ السَّنُوفِ ۚ (القارعة: ۴-۵)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کالفراش السبوث کی تفسیر کی ہے: جیسے ٹڈیاں جن کے پر نکل آئے ہوں اور وہ اڑنے کے لیے تیار ہوں اور ایک دوسرے پر چڑھ رہی ہوں، اور السبوث کا معنی ہے: المستغرق اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ الفراش کا معنی ہے: وہ پروانے جو آگ پر گرتے ہیں اور الغوغاء کا معنی ہے: آواز اور بھنبھناہٹ اور اصل میں غوغاء ان ٹڈیوں کو کہتے ہیں جو اڑنے کے لیے تیار ہوں۔

كَالْعِهْنِ كَالْوَانِ الْعِهْنِ وَقَرَأَ عَبْدُ اللَّهِ كَالصُّوفِ
کالعہن کا معنی ہے: جیسے روئی کے رنگ اور حضرت عبداللہ نے اس لفظ کو کالصوف پڑھا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: العہن کا معنی ہے: اون اور اسی طرح حضرت عبداللہ نے کالعہن کی جگہ کالصوف پڑھا ہے۔

[ان دونوں تعلیقوں کی شرح علامہ عینی نے عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۴۹ میں کی ہے]

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورة القارعة کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورة العنکاش کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۰۲۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الشَّكَاثِرِ

سورة التكاثر کی تفسیر

سورة التكاثر کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة التكاثر کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت کا نام سورة التكاثر ہے اور اس کو سورة الْهَيْكُم بھی کہا جاتا ہے، یہ سورت مکی ہے اور اس میں آٹھ آیات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۳۹)

میں کہتا ہوں: ہم نے اس سورت کی تفسیر میں لکھا ہے: اَلْهَيْكُم کا معنی ہے: زیادہ ضروری چیز سے غافل ہونا، حضرت امین عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم مال اور اولاد کی کثرت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل ہو گئے، اس سورت میں علم الیقین کا ذکر ہے، کسی چیز کی خبر سن کر یا دلائل میں غور و فکر کرنے سے جو یقین حاصل ہو اس کو علم الیقین کہتے ہیں اور کسی چیز کو دیکھ کر جو یقین حاصل ہوا اسے علم الیقین کہتے ہیں اور تجربہ سے جو یقین حاصل ہو اس کو حق الیقین کہتے ہیں، اس سورت میں فرمایا ہے: تم مال کی کثرت پر غور نہ کرو کیونکہ تم کو اس فخر کرنے پر آخرت میں عذاب دیا جائے گا، کاش! تم علم الیقین کے ساتھ اپنا انجام جان لیتے یعنی اگر تم آج آخرت میں اپنا انجام جان لیتے تو مال و دولت پر فخر کرنا چھوڑ دیتے۔ (انوار بیان القرآن ص ۱۵۹ فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۳۴۱ھ)۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الشَّكَاثِرُ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے التكاثر کی تفسیر میں فرمایا: اس سے

مراد ہے: مال اور اولاد کی کثرت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَلْهَيْكُمُ الشَّكَاثِرُ (التكاثر: ۱)

تم کو زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے غافل کر دیا O

علامہ یعنی لکھتے ہیں: یعنی تم کو مال اور اولاد کی کثرت نے مشغول کر رکھا ہے، یہ تفسیر حضرت امین عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور قتادہ سے روایت ہے کہ یہ آیت یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے جو کہتے تھے کہ ہم بنو فلاں سے زیادہ ہیں، اور بنو فلاں بنو فلاں سے زیادہ ہیں، ان کو اولاد کی کثرت نے غافل کر دیا حتیٰ کہ وہ گمراہی میں مر گئے اور ابن بریدہ سے منقول ہے کہ یہ آیت انصار کے قبیلوں میں نازل ہوئی جو فخر کرتے تھے، اور مقاتل اور کلبی سے منقول ہے کہ یہ آیت بنو عبد مناف اور بنو سہم بن عمرو کے متعلق نازل ہوئی جو قبیلے کے دو قبیلے تھے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم نے سعید بن ابی ہلال کی سند سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس سورت کا نام سورة القابری لکھتے تھے۔

امام بخاری نے اس سورت کی تفسیر میں کوئی حدیث روایت نہیں کی اور مقرب کتاب الرقاق میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی

ایک روایت آئے گی جس کو اس سورت کی تفسیر میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۳۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ العنکبوت کی تفسیر میں جو ایک تعلیق ذکر کی تھی اس کی شرح مکمل ہو گئی اور اس کے بعد ان شاء الله العزیز سورۃ العصر کی تفسیر میں امام بخاری نے جو دو تعلیقیں ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۰۳۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ الْعَصْرِ

سورة العصر کی تفسیر

سورة العصر کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة العصر کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور یہ سورت مکی ہے اور اس سورت میں تین آیات ہیں۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھائی ہے یا آپ کی طرف نسبتوں کی

میں کہتا ہوں کہ ہم نے اس سورت کی تفسیر میں لکھا ہے: العصر سے مراد ہر اور زمانہ ہے، بعض مفسرین نے کہا: العصر سے مراد اس زمانہ کی قسم ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے شہر کی قسم بھی کھائی ہے، وَأَنْتَ حَتَّىٰ يَهْذَأَ الْهَكْلُ (البلد: ۲) اس شہر کی قسم جس میں آپ مقیم ہیں اور آپ کی زندگی کی قسم کھائی لَعَنَّاكَ (المجر: ۷۲) پس گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کے زمانہ کی قسم! آپ کے شہر کی قسم! آپ کی زندگی کی قسم! سوچئے! اللہ تعالیٰ آپ کی نسبتوں کی قسم کھا رہا ہے اور آپ کی نسبتیں اللہ کے نزدیک اتنی مکرم ہیں تو خود آپ کی ذات اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر مکرم ہوگی۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۷۹)

نیز میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید میں ہے:

وَالْعَصِيْرُ صَبْحًا (العادیات: ۱)

فَالْمُؤْمِرَاتُ قَدْ حَا (العادیات: ۲)

فَالْمُغْنِیَاتُ صَبْحًا (العادیات: ۳)

فَأَشْرَبْنَاهُمْ نَقْعًا (العادیات: ۴)

فَوَسَطْنَاهُمْ جَنَّاتٍ (العادیات: ۵)

ان گھوڑوں کی قسم جو بہت تیز دوڑتے ہیں ہانپتے ہوئے

پتھر پر سم مار کر چنگاریاں اڑاتے ہیں

پھر صبح کے وقت دشمن پر حملہ کرتے ہیں

پھر اس وقت وہ گرد و غبار اڑاتے ہیں

پھر دشمن کی فوج میں گھس جاتے ہیں

میرے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ ان آجوں میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم کھائی اور ان چنگاریوں کی قسم کھائی جو ان کے سم مارنے سے نکلتی ہیں اور ان کے گرد و غبار اڑانے کی قسم کھائی کیونکہ گرد و غبار کی نسبت ان گھوڑوں کی طرف ہے اور چنگاریوں کی نسبت سم کی طرف ہے اور سم کی نسبت گھوڑوں کی طرف ہے اور گھوڑوں کی نسبت مجاہدین کی طرف ہے اور مجاہدین کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے کیونکہ آپ نے ان کو دشمن پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ بھی آپ کی طرف نسبتوں کی قسم ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

اور عینی نے کہا: العصر کا معنی ہے: الدھر یعنی جس کی قسم کھائی ہے۔

وَقَالَ يَخِي الْعَصْرُ الذَّهْرَ أَفَسَمِ بِهِ۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی العصر سے مراد زمانہ ہے جس کی اللہ نے قسم کھائی ہے، حسن بھری سے منقول ہے: اس سے مراد ہے:

دوپہر سے عشاء کے وقت تک کا زمانہ، ابن کیسان سے منقول ہے: رات اور دن اور مقاتل سے منقول ہے: اس سے مراد ہے: صلاة العصر اور یہی صلاة الوسطی ہے۔

اور مجاہد نے کہا: خسر کا معنی ہے: گمراہی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے مومنین کو مستثنیٰ فرمایا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَافٍ ۖ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا۔ بے شک ہر انسان ضرور نقصان میں ہے ○ سوا ان لوگوں کے جو

(العصر: ۲-۳) ایمان لائے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے خسر کی تفسیر گمراہی سے کی ہے اور علامہ ثعلبی نے کہا: اس سے مراد نقصان ہے اور الانفس نے کہا: اس سے مراد ہلاکت ہے اور الفراء سے منقول ہے: اس سے مراد عقوبت ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے مومنین کو مستثنیٰ فرمایا کیونکہ وہ نقصان میں نہیں ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۵۰)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورة العصر کی تفسیر میں جو دو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورة الہمزہ کی تفسیر میں امام بخاری نے جو ایک تعلیق ذکر کی ہے اس کی شرح کی جائے گی۔

بسم الله الرحمن الرحيم

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۰۴۔ تفسیر سورة الهزرة

سورة الهزرة کی تفسیر

سورة الهزرة کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الهزرة کی بعض آیات کی تفسیر ہے، صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں اس کا نام سورة ذیل لکل ہزرة ہے (الهزرة: الہیہ سورت نکی ہے اور اس میں نو (۹) آیات ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ الهزرة کا معنی ہے: جو لوگ چغل خوری کرتے ہیں اور دوستوں کے درمیان تفریق کرتے ہیں اور قنادہ سے منقول ہے کہ الهزرة وہ شخص ہے جو لوگوں کا گوشت کھاتا ہو اور ان کی غیبت کرتا ہو اور الهزرة کا معنی ہے: جو بہت طعنے دیتا ہو۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۵۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت اسماء بنت یزید بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو ان لوگوں کی خبر نہ دوں جو تم میں سے سب سے اچھے ہیں، مگر انہوں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جب ان کو دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کی یاد آ جائے، پھر فرمایا: کیا میں تم کو ان لوگوں کی خبر نہ دوں جو تم میں سے سب سے برے لوگ ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو چغل کھاتے ہیں اور دوستوں کے درمیان پھوٹ اور فساد ڈالتے ہیں اور جو لوگ عیب سے بری ہیں ان میں عیب نکالتے ہیں۔ (مسند احمد: ۲۷۵۹۸)

الْحُطَّةُ اسْمُ النَّارِ مِثْلُ سَقَرَةٍ لَقِيْ-

الْحُطَّةُ: یہ دوزخ کا نام ہے جیسے سَقَرٌ اور لَقِيْ-

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَلَّا لَيَكْبِتُنَّ فِي الْحُطَّةِ ۝ (الهزرة: ۴)

برگز نہیں! وہ چورا چورا کر دینے والی (آگ) میں جھونک دیا جائے گا

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الحطمة کی تفسیر دوزخ کے ساتھ کی ہے جیسے ستر اور لقی ہے، دوزخ کا نام حطمة اس لیے رکھا ہے کیونکہ حطم کا معنی ہے: جسم کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، اور دوزخ بھی جسم کو توڑ کر چورا چورا کر دیتی ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۵۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

جو شخص بہت زیادہ کھانا کھاتا ہو اس کو بھی حطمة کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی کھانے کو چورا چورا کر دیتا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۳۹، دارالعرف، بیروت ۱۴۲۶ھ)

سورة الهزرة کے شان نزول کے متعلق روایات

علامہ ابوالفضل عمر بن علی بن احمد انصاری الشافعی المعروف بابن السلقن متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

یہ سورت الولید بن مغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، دوسرا قول ہے کہ یہ امیہ بن خلف کے متعلق نازل ہوئی ہے اور تیسرا قول ہے کہ یہ الاغنس بن شریق کے متعلق نازل ہوئی ہے اور چوتھا قول ہے کہ یہ حمید بن عامر کے متعلق نازل ہوئی ہے، اگرچہ اس سورت کا سبب نزول خاص لوگوں کے متعلق ہے لیکن اس کا حکم عام ہے، اور دلیل کا لفظ اس شخص کے متعلق کہا جاتا ہے جو کسی بلاکت میں واقع ہو۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۳ ص ۵۸۳، وزارة الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ البہزۃ کی جو تعلیق ذکر کی تھی اس کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز امام بخاری نے سورۃ الفیل کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۰۵۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ الْفِیْلِ

سورة الفیل کی تفسیر

سورة آلم تتر (الفیل) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الفیل کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت کا نام سورة آلم تتر بھی ہے، یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پانچ (۵)

آیات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۵۱)

سورة الفیل کا خلاصہ

میں کہتا ہوں: ہم نے اس سورت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابرہہ کو حبشہ کے بادشاہ نے یمن کا گورنر بنادیا، اس نے صنعاء نامی شہر میں کلیسا بنالیا، اس نے شاہ حبشہ کو خط لکھا کہ میں نے آپ کے لیے بہترین گر جا قائم کیا ہے، میری خواہش ہے کہ آئندہ عرب اس کعبہ کی بجائے اس معبد میں حج اور طواف کریں، جب یہ خبر مکہ میں پہنچی تو بنو کنانہ کے ایک شخص نے غضب میں آکر اس میں بول و براز کر دیا، یہ دیکھ کر ابرہہ سخت آگ بگولہ ہوا اور ہاتھیوں کا لشکر لے کر کعبہ کو ڈھانے کے ناپاک ارادے سے نکلا۔ مکہ سے دو میل کے فاصلے پر پہنچ کر اس نے مکہ کے لوگوں کے مویشی چھین لیے جن میں دو سو (۲۰۰) اونٹ حضرت عبدالمطلب کے تھے، اس کے بعد ابرہہ نے کسی کو بھیج کر انہیں بلوایا اور ان کی بہت عزت کی اور ترجمان کے ذریعے ان سے بات چیت ہوئی۔ ابرہہ نے کہا: تم کیا چاہتے ہو؟ حضرت عبدالمطلب نے کہا: تم میرے اونٹ واپس کر دو، ابرہہ نے تعجب سے کہا: تمہیں اونٹوں کی فکر ہے اور خانہ کعبہ کی فکر نہیں ہے، حضرت عبدالمطلب نے کہا: میں اونٹوں کا مالک ہوں اس لیے اونٹ مانگ رہا ہوں، کعبہ کا مالک اللہ تعالیٰ ہے وہ اپنا گھر خود بچائے گا، حضرت عبدالمطلب اپنے اونٹ لے کر مکہ پہنچ گئے، ابرہہ نے مکہ پر حملہ کیا، جب یہ لشکر وادی عسیر کے پاس پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے غول بھیجے جن کی چونچوں میں کنکر تھے، جس فوجی کے کسی جانب کنکر لگتا تو اس کے مقابل جانب سے نکل جاتا اور اس کے جسم کے آر پار ہو جاتا تھا۔ (جامع البیان: ۱: ۲۹۳) (انوار تبیان القرآن ص ۹۶، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

مجاہد نے کہا: آلم تتر کا معنی ہے: اَلَمْ تَعْلَمْ یعنی کیا آپ نے نہیں جانتا۔

جانا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ۝ (الفیل: ۱) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے

ساتھ کیا معاملہ کیا

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے کہا ہے: آلم تتر کا معنی ہے: کیا آپ نے نہیں جانا اور القراء نے لکھا ہے: کیا آپ کو حبشہ اور ہاتھی والوں کی خبر نہیں دی گئی، اور یہ اس لیے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھی والوں کے قہے کے وقت موجود نہیں تھے کیونکہ آپ کی

ولادت اسی سال ہوئی تھی۔

قَالَ مُجَاهِدٌ أَبَا بَيْلٍ مُتَتَابِعَةٌ مُجْتَبَعَةٌ۔
مجاہد نے کہا: ابابیل کا معنی ہے: وہ پرندے جو لگاتار آئیں اور مجتمع ہوں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَمْرًا سَلَّ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۝ (الفیل: ۳)
اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے ابابیل کی تفسیر کی ہے، وہ پرندے جو لگاتار آئیں اور اکٹھے ہوں۔ یہ تفسیر مجاہد سے منقول ہے، الثعلبی نے کہا: ابابیل کا معنی ہے: جو کثیر ہوں اور متفرق ہوں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے: ان پرندوں کی سونڈ ہوتی ہے اور پنچے ہوتے ہیں جیسے کتوں کے پنچے ہوتے ہیں اور عکرمہ سے منقول ہے: ان کے ایسے سر تھے جیسے درندوں کے سر ہوتے ہیں، ان کو اس سے پہلے دیکھا گیا نہ اس کے بعد، اور ربیع سے منقول ہے کہ ان کی کچلیاں ہوتی ہیں، اور النسفی کی تفسیر میں مذکور ہے کہ ابابیل ابال کی جمع ہے اور دوسرا قول ہے کہ یہ عبادیل کی طرح ہے، اس کا کوئی واحد نہیں ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مِنْ سَجِيلٍ هِيَ سَنَلٌ وَكَلٌّ۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے من سَجِيل کی تفسیر میں کہا: یہ سنگ اور گِل ہے یعنی پتھر اور مٹی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

تَزْمِيذُهُمْ بِحِجَابٍ مِّنْ سَجِيلٍ ۝ (الفیل: ۴)
جو انہیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سجیل کی تفسیر سنگ اور گل کے ساتھ کی ہے اور یہ فارسی زبان کے الفاظ ہیں جس کے معنی پتھر اور مٹی ہیں، امام طبری نے بھی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۵۱ میں کی ہے]

علامہ ابوالخفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

سجیل کے معنی میں اور بھی اقوال ہیں ان میں قریب ترین قول یہ ہے کہ یہ لفظ سَجَل سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے وہ کتاب جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ ان کو اس کے ساتھ عذاب دیا جائے گا یا سجیل آسمان دنیا کا نام ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۳ ص ۵۸۴، وزارة الاوقاف قطر ۱۴۲۱ھ)

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الفیل کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان کے بعد ان شاء الله العزيز سورة القریش کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۰۶۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ لَإِيلَافٍ

سورة لا يلاف (قریش) کی تفسیر

سورة لا يلاف (قریش) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یمنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة القریش کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور اس سورت کا نام سورة لا يلاف بھی ہے، ابو العباس نے ذکر کیا ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور ضحاک نے عطاء بن السائب سے یہ روایت کی ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور اس سورت میں چار آیات ہیں۔ لا يلاف قریش کا معنی ہے: قریش کو رغبت دلانے کے لیے اور یہ لام پہلی سورت کے ساتھ متصل ہے، اور الکسائی اور الانشاسی سے منقول ہے کہ یہ لام تعجب ہے یعنی قریش کے رغبت دلانے پر تعجب ہے، وہ سردی اور گرمی میں سفر کرتے ہیں اور اس بیت اللہ کے رب کی عبادت کو ترک کر دیتے ہیں، اور الزجاج سے منقول ہے کہ اس کا معنی ہے: وہ اس بیت اللہ کے رب کی عبادت کریں کیونکہ اس نے ان کو سردی اور گرمی کے موسم میں سفر کرنے کی سہولت مہیا کی اور قریش وہ ہیں جو النظر بن کنانہ کی اولاد ہیں اور جو اس کی اولاد نہیں ہیں وہ قریش نہیں ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۳۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَا يَلَافُ أَلِفُوا ذَلِكَ فَلَا يَشْقَى عَلَيْهِمْ فِي
الْبُشَاءِ وَالضَّيْفِ وَآمَنَهُمْ مِنْ كُلِّ عَدُوٍّ لَهُمْ فِي
ان کے حرم میں ہر دشمن سے محفوظ اور مامون رکھا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیتوں کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا يَلَافُ قُرَيْشٍ ۝ الْفُؤَادُ لِمَنْ خَلَّتِ الْبُشَاءُ وَالضَّيْفُ ۝
(القریش: ۱، ۲) (تمہاری) سفر سے مانوس کیا ۝

علامہ یمنی لکھتے ہیں: اس آیت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سفر کی الفت ڈال دی اور ان کو ان کے حرم میں ہر دشمن سے محفوظ اور مامون رکھا، اور ضحاک، ربیع اور سفیان سے منقول ہے اور ان کو جذام کی بیماری سے محفوظ رکھا، پس ان کے شہر میں ہذا م یعنی کوڑھ کی بیماری نہیں ہوتی تھی۔

قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ لَا يَلَافُ لِيَنْفَتِحَ عَنْ قُرَيْشٍ -
اور ابن عیینہ نے کہا لا يلاف کا معنی ہے: قریش پر میری نعمت کی
محبت ڈالنے کے لیے۔

علامہ یمنی لکھتے ہیں: یعنی سفیان بن عیینہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ قریش پر میری نعمت کی الفت اور محبت ڈالنے کے

لیے اور لا يلاف مصدر ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۵۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بیت اللہ کے رب کی عبادت کی وجہ سے اس کی خصوصی نعمت سفر میں آسانی مہیا کرتا ہے
حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں۔

اس سورت میں فرمایا ہے:

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ ۖ (القریش: ۳) پس انہیں چاہیے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں ○
یعنی اگر وہ دوسری نعمتوں کی وجہ سے گھر کے رب کی عبادت نہیں کرتے تو وہ اپنے رب کی اس نعمت کی وجہ سے اس کی عبادت کریں کہ اس نے سردی اور گرمی کے موسم میں ان کے تجارتی سفر کو آسان کر دیا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۰)
الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ القریش کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ الماعون کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۰۷۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ الْمَاعُونِ

سورة الماعون کی تفسیر

سورة الماعون کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الماعون کی بعض آیات کی تفسیر ہے، صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں اس سورت کا نام سورة ارأیت ہے اور یہ سورت کی ہے اور اس میں سات آیات ہیں۔

علامہ تعلبی نے لکھا ہے: مقاتل اور کلبی نے کہا ہے کہ یہ سورت العاص بن وائل السہمی کے متعلق نازل ہوئی ہے اور طلحہ بن کيسان سے منقول ہے کہ یہ سورت الولید بن المغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور ضحاک سے مروی ہے کہ یہ سورت عمرو بن عاص کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور دوسرا قول ہے کہ یہ سورت ہبیرہ بن وہب الخزومی کے متعلق نازل ہوئی ہے، علامہ النسفی نے کہا ہے: **أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَلِّبُ بِالذِّئْبِ** کا معنی ہے: کیا آپ اس شخص کو پہچانتے ہیں جو روز جزاء کو جھٹلاتا ہے کہ وہ کون ہے؟ اور اگر اس کو نہیں پہچانتے تو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھتکارتا ہے اور اس کو جھڑکتا ہے۔ (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ يَذْغُمُ يَذْفَعُ عَنْ حَبِّهِ يُقَالُ هُوَ مِنْ اور مجاہد نے کہا: یدغم کا معنی ہے: اس کو اس کا حق لینے سے دھتکارتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ دعت سے ماخوذ ہے، **يَذْعُونَ** کا معنی ہے ان کو دھتکادیا جائے گا اور دھکیلا جائے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَدْ لَبِثَ الَّذِي يَذْغُمُ الْيَتِيمَ (الماعون: ۲) پس یہی وہ شخص ہے جو یتیم کو دھتکے دیتا ہے

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے اس کی تفسیر کی ہے: وہ یتیم کو اس کا حق لینے سے دھتکارتا ہے، اور ابورجاء سے اس کی تفسیر منقول ہے کہ وہ یتیم کا حق ادا کرنے میں کمی کرتا ہے، امام بخاری نے کہا: یہ دعت سے ماخوذ ہے کہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب ضمیر متصل تھی تو میں کا میں میں ادا نام نہیں کیا گیا اور انہیں بتایا ہے کہ الطور: ۱۳ میں مذکور ہے۔

يَوْمَ يَذْعُونُ إِلَىٰ ثَمَرِهِمْ دَعَا جس دن ان کو دوزخ کی آگ کی طرف دھکیل کر لایا جائے گا

اگرچہ یہ آیت سورة الطور میں ہے لیکن امام بخاری نے اس کو **يَذْغُمُ الْيَتِيمَ** کی مناسبت سے یہاں ذکر کر دیا۔

سَاهُونَ لَاهُونَ ساهون اس کا مطلب ہے: غفلت کرنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ سو ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے جو اپنی نمازوں سے غفلت

کرتے ہیں (الماعون: ۵-۴)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام طبری نے بھی مجاہد سے اسی طرح روایت کی ہے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز کو اس کا وقت نکلنے کے بعد پڑھتے ہیں اور متعدد علماء نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز کو ترک کرتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد منافقین ہیں جو اس وقت نماز نہیں پڑھتے جب وہ اکیلے ہوں اور لوگ موجود نہ ہوں، اور لوگوں کے سامنے نماز پڑھتے ہیں، اور قتادہ سے منقول ہے: جو اس کی پرواہ نہ کرتا ہو کہ اس نے نماز پڑھی ہے یا نہیں پڑھی ہے۔

وَالْمَاعُونُ اس کا معنی ہے: وہ تمام چیزیں جو عرف میں مروج ہیں
وَالْمَاعُونُ النَّسَاءُ وَقَالَ عِكْرِمَةُ أَعْلَاهَا الزَّكَاةُ
اور بعض عربوں نے کہا: الماعون کا معنی ہے: پانی اور عکرمہ نے
الْمَاعُونُ وَادْنَاهَا عَارِيَةُ النَّسَاءِ
کہا: الماعون کا اعلیٰ مرتبہ فرض زکوٰۃ ہے اور اس کا ادنیٰ مرتبہ وہ
چیزیں ہیں جو عاریتاً دی جائیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَيَسْتَعِينُ الْمَاعُونُ ۝ (الماعون: ۷)

اور وہ استعمال کی معمولی چیز دینے سے منع کرتے ہیں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الماعون کی تفسیر میں تین قول ذکر کیے ہیں: پہلا قول ہے: وہ تمام چیزیں جن کا لوگ آپس میں لین دین کرتے ہیں جیسے پانی کا ڈول، کلباڑی، دیکھی اور تیر وغیرہ، یہ کلبی اور محمد بن کعب کا قول ہے، دوسرا قول ہے: پانی اور یہ سعید بن المسیب، زہری اور مقاتل کا قول ہے۔ انہوں نے کہا: قریش کی لغت میں ماعون پانی کو کہتے ہیں، تیسرا قول عکرمہ کا ہے کہ ماعون کا اعلیٰ مرتبہ زکوٰۃ ہے اور یہی حضرت ابن عمر اور حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے، امام بخاری نے کہا: جو چیزیں عاریتاً دی جاتی ہیں اور یہ گھر کی چیزوں کو شامل ہے جیسے چھلنی اور ڈول وغیرہ جو گھر میں استعمال کی جاتی ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ الماعون وہ چیزیں ہیں جن سے منع کرنا جائز نہیں ہے جیسے پانی، نمک اور آگ۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے ج ۲۰ ص ۳۰۳-۳۰۴ میں ذکر کی ہے]

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الماعون کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان تمام کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ الکوثر کی تفسیر میں امام بخاری نے جو ایک تعلیق ذکر کی ہے اور تین احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۰۸۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْكَوْثَرِ

سورة الكوثر کی تفسیر

سورة الكوثر کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الكوثر کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اور جمہور کے نزدیک یہ سورت مکی ہے، اور قتادہ، حسن بصری اور عکرمہ نے کہا کہ یہ سورت مدنی ہے، اس اختلاف کا سبب اس کے سبب نزول کا اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ سورت العاص بن وائل کے متعلق نازل ہوئی ہے، جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اتر یعنی بے نسل کہا تھا، دوسرا قول ہے کہ یہ عقبہ بن ابی معیط کے متعلق نازل ہوئی ہے اور عکرمہ سے منقول ہے کہ یہ قریش کی ایک جماعت کے متعلق نازل ہوئی ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ یہ ابو جہل کے متعلق نازل ہوئی ہے اور علامہ سیوطی نے کہا کہ یہ کعب بن الاشرف کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور اس صورت میں یہ سورت مدنی ہوگی، اس سورت میں تین (۳) آیات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ہوگی، اس سورت میں تین (۳) آیات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)
وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ شَأْنُكَ عَذُوْلٌ۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: شَأْنُكَ اس کا معنی ہے:
آپ کا دشمن۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

بے شک آپ کا دشمن ہی بے نسل ہے ○
إِنَّ شَأْنُكَ هُوَ إِلَّا يَنْتَرُ ○ (الکوثر: ۳)
علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے شَأْنُكَ کا معنی آپ کا دشمن کیا ہے، اسی طرح المستملی کی روایت میں ہے۔ (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۴)

باب

۱۔ بَابُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان کی طرف معراج کرائی گئی تو آپ نے فرمایا: میں ایک ایسے دریا پر آیا جس کے دونوں کناروں پر کھوکھلے موتیوں کے خیمے تھے میں نے کہا: اے جبریل ایہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: یہ کوثر ہے۔

۴۹۶۴۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لَنَا عُرْبٌ بِالْبَيْتِ رَسُولًا يُبْعَثُ إِلَى السَّمَاءِ قَالَتْ أُنْتِ عَلَى نَهْرٍ خَافَتَاهُ قَبَابُ الْكُلُوْ مُجَوِّفَاتُ مَا هَذَا يَا جَبْرِيلُ قَالَ هَذَا الْكَوْثَرُ۔

(ابوداؤد: ۴۷۸۳، ترمذی: ۳۳۵۹، مسلم: ۱۶۲)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۵۷ میں گزر چکی ہے۔

الکوثر کا معنی اور اس کے مصداق میں اقوال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ چیز جس کا عدد کثیر ہو یا اس کی مقدار بہت زیادہ ہو تو عرب اس کو کوثر کہتے ہیں اور اس کے مصداق میں اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک وہ حوض ہے، علامہ ابن الجوزی نے کہا: وہ نبی ﷺ کا حوض ہے، قاضی عیاض نے کہا: حوض کی احادیث صحیح ہیں اور ان پر ایمان لانا فرض ہے اور اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک وہ احادیث اپنے ظاہر پر محمول ہیں، ان میں نہ کوئی تاویل ہے اور نہ کوئی اختلاف ہے۔

عکرمہ سے منقول ہے کہ الکوثر سے مراد نبوت، قرآن اور اسلام ہے اور مجاہد سے منقول ہے: اس سے مراد ہر خیر ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ الکوثر کا مصداق نبی ﷺ کے دل میں وہ نور ہے جس نے آپ کی حق کی طرف رہنمائی کی اور آپ کو حق کے ماسوا سے منقطع کیا ہے، تیسرا قول ہے کہ اس کا مصداق شفاعت ہے، چوتھا قول ہے: امجزات، پانچواں قول ہے: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا، چھٹا قول ہے: دین کی سمجھ، ساتواں قول ہے: پانچ نمازیں، اس میں اور بھی اقوال ہیں۔

(عمدة القاری ج ۲۰ ص ۵-۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۹۶۵۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ الْكَاهِلِيُّ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ سَأَلْتُهَا عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ قَالَتْ نَهْرٌ أُعْطِيَهِ نَبِيُّكُمْ ﷺ شَاطِئَاهُ عَلَيْهِ دُرٌّ مُجَوَّفٌ آيَتُهُ كَعَدَدِ النُّجُومِ رَوَاهُ زَكْرِيَاءُ وَأَبُو الْأَخْوَصِ وَمُطَرِّفٌ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں خالد بن یزید الکاہلی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسحاق بن اسحاق نے حدیث بیان کی از ابو اسحاق از ابو عبیدہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ابو عبیدہ نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے متعلق سوال کیا: انا اعطيناك الكوثر (الکوثر: ۱) بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا ہے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: الکوثر ایک دریا ہے جو تمہارے نبی ﷺ کو عطا کیا گیا ہے، اس کی دونوں جانبوں پر کھوکھلے موتی ہیں اور اس کے برتنوں کی تعداد ستاروں کے برابر ہے۔ اس حدیث کو زکریا اور ابو الاخوص اور مطرف نے از ابو اسحاق روایت کیا ہے۔

۳۹۶۶۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا أَبُو بَشِيرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ فِي الْكَوْثَرِ هُوَ الْخَيْرُ الَّذِي أُعْطَاهُ اللَّهُ إِيَّاهُ قَالَ أَبُو بَشِيرٍ قُلْتُ لِسَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ فَإِنَّ النَّاسَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُ نَهْرٌ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ سَعِيدٌ النَّهْرُ الَّذِي فِي الْجَنَّةِ مِنَ الْخَيْرِ الَّذِي أُعْطَاهُ اللَّهُ إِيَّاهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو بشر نے حدیث بیان کی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا: الکوثر وہ خیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے، ابو بشر نے کہا: میں نے سعید بن جبیر سے پوچھا کہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ کوثر جنت میں ایک دریا ہے تو سعید نے کہا: جو دریا جنت میں ہے وہ بھی اس خیر میں

سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے۔

(یہ حدیث صحیح البخاری: ۶۵۷۸ میں بھی مذکور ہے)

الکوثر کی تفسیر میں مزید اقوال

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مکرمہ نے کہا: الکوثر، البیوت، القرآن اور الاسلام ہے اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد بر خیر ہے۔

اور اس میں اور اقوال بھی ہیں: قرآن مجید کو آسان کرنا، احکام شرعیہ میں تخفیف کرنا، آپ کے پیروکاروں اور مددگاروں کی کثرت، آپ کے ذکر کو بلند کرنا، دل میں نور، شفاعت، مقام محمود، معجزہ، نقد، کثرت فقہاء، پانچ نمازیں، نمازیوں کی کثرت، ذکر اور ذاکرین کی کثرت، فضائل کثیرہ، عمدہ اخلاق، جنت کے دو باطنی دریا، وہ حوض جس پر آپ کی امت وارد ہوگی، مقاتل نے کہا کہ کوثر جنت کا سب سے بڑا دریا ہے جس سے اہل جنت کے لیے چار دریا نکلتے ہیں: خمر کا، پانی کا، دودھ کا اور شہد کا۔

زجاج نے کہا: اس سورت کی تفسیر میں جتنے امور بیان کیے گئے ہیں وہ سب نبی ﷺ کو عطا کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت امین عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا وہاں دودر یا ظاہر تھے، وہ نیل اور فرات ہیں اور دودر یا باطن تھے وہ الکوثر اور السلسبیل ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲ ص ۵۹۱-۵۹۰، وزارة الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

الحمد لله رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الکوثر کی تفسیر میں جو ایک تعلیق ذکر کی تھی اور احادیث روایت کی تھیں ان تمام کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز امام بخاری نے سورۃ الکافرون کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۰۹۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ الْكَافِرُوْنَ

سورة الکافرون کی تفسیر

سورة الکافرون کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الکافرون کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت کا نام سورة قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ○ بھی ہے، یہ سورت مکی ہے، اس سورت میں چھ آیات ہیں۔

اس سورت میں اہل مکہ سے خطاب ہے جن میں الولید بن المغیرہ اور العاص بن وائل اور الحارث بن قیس السہمی اور الاسود بن عبد یغوث اور الاسود بن عبد المطلب اور امیہ بن خلف ہیں، انہوں نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ ہمارے دین کی پیروی کریں اور ہم آپ کے دین کی پیروی کریں گے اور ہم آپ کو اپنے تمام معاملات میں شریک کریں گے، آپ ایک سال ہمارے معبودوں کی عبادت کریں اور ہم ایک سال آپ کے معبود کی عبادت کریں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاذ اللہ میں اس سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں کسی کو اللہ کی عبادت میں شریک کروں، تب اللہ عزوجل نے سورة الکافرون کو نازل فرمایا۔

(عمدة القاری جلد ۲۰ ص ۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

يُقَالُ لَكُمْ دِيْنُكُمْ الْكُفْرُ وَدِيْنِ الْاِسْلَامِ وَلَكُمْ دِيْنُ دِيْنِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَحُذِرْتِ الْاِيَّاءُ كَمَا قَالَ يَهْدِيْنِ وَيَشْفِيْنِ۔

کہا جاتا ہے: لَكُمْ دِيْنُكُمْ یعنی تمہارے لیے تمہارا دین ہے جو کفر ہے وَلِيْ دِيْنِيْ یعنی میرے لیے میرا دین ہے جو اسلام ہے اور یوں نہیں فرمایا: دینی کیونکہ ان تمام آیات کے آخر میں نون ہے، پس یا کو حذف کر دیا گیا جیسے فرمایا ہے: يَهْدِيْنِ وَيَشْفِيْنِ (اور یہ دینی ویشفینی نہیں فرمایا کیونکہ ان آیات کے آخر میں نون ہے)۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيْ دِيْنِيْ ○ (الکافرون: ۶)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس تعلق سے اس آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تمہارے لیے تمہارا دین ہے یعنی کفر ہے اور میرے لیے میرا دین یعنی اسلام ہے۔

امام بخاری نے کہا: دینی نہیں فرمایا، اس کا حاصل یہ ہے کہ اس سورت کی تمام آیات کے آخر میں نون ہے اس لیے دینی نہیں فرمایا جیسے سورة الشعراء کی ان آیات میں ہے۔

الَّذِيْ خَلَقْنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِيْ ○ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِيْ ○ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِيْ ○ وَالَّذِيْ يُهَيِّئُ لِيْ

جس نے مجھے پیدا کیا، سو وہی مجھے ہدایت دیتا ہے ○ اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے ○ اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفا

لَمْ يُخَوِّثْنِ ۝ (الشعراء: ۸۱-۷۸)

دیتا ہے ۝ اور وہی میری روح قبض کرے گا، پھر مجھے زندہ فرمائے گا ۝

ان آیات کے آخر میں بھی یائے شکلم کو فواصل کی رعایت کے لیے حذف کر دیا گیا تاکہ تمام آیات کا آخری لفظ ایک وزن پر ہو جائے۔

اور دوسروں نے کہا کہ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ کا معنی ہے میں اب بھی ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ اپنی باقی زندگی میں ان کی عبادت کروں گا وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور آپ پر جو کلام آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کی سرکشی اور کفر کو زیادہ کرے گا۔

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ اور تعلیق مذکور کا خلاصہ

علامہ عینی لکھتے ہیں: ابو ذر کے نسخہ میں وقال غيرة (اور دوسروں نے کہا) کے الفاظ نہیں ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: درست یہ ہے کہ یہ الفاظ ہونے چاہئیں کیونکہ یہ الفراء کے کلام کا بقیہ نہیں ہے بلکہ یہ امام ابو عبیدہ کا کلام ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۳)

علامہ عینی حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں: درست یہ ہے کہ یہ الفاظ حذف ہونے چاہئیں کیونکہ اس سے پہلے یہ مذکور نہیں ہے کہ الفراء نے کہا حتیٰ کہ اس کے بعد یہ کہا جاتا: اور دوسروں نے کہا۔

امام بخاری کی اس تعلیق کا حاصل یہ ہے: نہ میں اب تمہارے خداؤں کی عبادت کرتا ہوں اور نہ مستقبل میں تمہارے خداؤں کی عبادت کروں گا گویا کہ آپ نے فرمایا: میں باطل کی عبادت نہیں کرتا اور تم حق کی عبادت نہیں کرتے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ما مصدر یہ ہے یعنی میں تمہاری عبادت نہیں کرتا اور تم میری عبادت نہیں کرتے۔ اس سورت میں اس کا تکرار ہے کیونکہ اس تکرار سے مراد تاکید ہے اور عرب لوگ تکرار سے تاکید کا اور الفہام کا ارادہ کرتے ہیں۔

امام بخاری نے کہا: یہ مخاطبین وہی لوگ ہیں جن کے متعلق المائدہ: ۶۴ میں فرمایا ہے:

وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۝ (المائدہ: ۶۴)

اور آپ پر جو کلام آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کی سرکشی اور کفر کو زیادہ کرے گا۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۷۰-۶۹ میں کی ہے] الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الکافرون کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان تمام کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز امام بخاری نے سورۃ الفتح کی تفسیر میں جو ایک تعلیق ذکر کی ہے اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۱۰۔ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْفَتْحِ

سورة الفتح کی تفسیر

سورة الفتح کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة النصر کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور اس کو سورة الفتح بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مدنی ہے، اور ابن النقیب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے یہ وہ سورت ہے: جو سب سے آخر میں نازل ہوئی اور امام الواحدی نے کہا کہ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین سے واپس آئے تھے اور اس کے نزول کے دو سال بعد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے اور مقاتل نے کہا: جب یہ سورت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے اس کو پڑھا، پس وہ دونوں خوش ہوئے، پس جب اس سورت کو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سنا تو وہ رونے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم کیوں روتے ہو؟ انہوں نے کہا: اس سورت میں آپ کی وفات کی خبر دے دی گئی ہے، پس اس کے بعد آپ اسی (۸۰) دن زندہ رہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی: اے اللہ! اس کو دین کی فقہ عطا فرما اور تاویل کا علم عطا فرما، اس سورت میں تین آیات ہیں۔

(عمدة القاری ج ۲۰ ص ۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب

۱۔ بَابُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن الربیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو الاحوص نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابو الضحیٰ از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی: اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ (النصر: ۱) جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے ○ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز میں پڑھتے تھے: سُبْحَنَكَ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي (اے اللہ! ہمارے رب! تو سبحان ہے اور تیری حمد کے ساتھ میں دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! تو مجھے بخش دے)۔

۴۹۶۷۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الزَّيْبِعِ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الطُّعَيْ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ صَلَاةً بَعْدَ أَنْ نَزَلَتْ عَلَيْهِ ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ (النصر: ۱) إِلَّا يَقُولُ فِيهَا سُبْحَانَكَ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۷۹۳ میں گزر چکی ہے۔

۲۔ بَاب

باب

۴۹۶۸۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي الطُّحَيْ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَكْثُرُ أَنْ يَقُولَ لِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَبْلِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي يَا أُولَ النَّفْسِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابی الطحی از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ آپ اپنے رکوع اور سجود میں بہ کثرت پڑھتے تھے سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَبْلِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي (اے اللہ! ہمارے رب تو پاک ہے اور تیری حمد کے ساتھ میں دعا کرتا ہوں: اے اللہ! تو مجھے بخش دے)، آپ قرآن مجید کے حکم پر عمل کرتے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۷۹۴ میں گزر چکی ہے۔

یعنی سورۃ النصر میں آپ کو جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھنے، اس کی حمد کرنے اور اس سے استغفار کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے آپ اخیر عمر میں رکوع اور سجود میں بہ کثرت حمد اور تسبیح کرتے تھے اور استغفار کرتے تھے تاکہ اس حکم پر عمل ہو۔

۳۔ بَاب۔ وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ

اللہ أَفْوَاجًا (النصر: ۲)

کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں ○

(النصر: ۲) کی تفسیر

علامہ مینی لکھتے ہیں: لوگوں سے مراد اہل یمن ہیں اور افواجاً سے مراد ہے: ایک فوج کے بعد دوسری فوج اور ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ اور پورا قبیلہ اور پوری قوم بغیر قتال کے دین اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔

(عمدة القاری ج ۲۰ ص ۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۶۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا سَأَلَهُمْ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ (النصر: ۱) قَالُوا فَتَحُ الْمَدَائِنِ وَالْقُصُورُ قَالَ مَا تَقُولُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ أَجَلٌ أَوْ مَثَلٌ خَيْرٌ لِبَحْتِهِمْ بِمَدَائِنِهِمْ نَبِيتَ لَهُ نَفْسُهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرحمن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از حبیب بن ابی ثابت از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان متعلق سوال کیا: إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ (النصر: ۱) جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے ○ تو لوگوں نے کہا: اس سے مراد شہروں اور محلات کا فتح ہونا ہے، حضرت عمر نے کہا: اے ابن عباس! تم کیا کہتے ہو؟ تو انہوں نے کہا: اس سے مراد زندگی کی مدت ہے یا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مثال بیان کی گئی ہے اور آپ کی وفات کی خبر دی گئی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۶۷ میں گزر چکی ہے۔

۴۔ بَابُ - فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ اللَّهُ تَعَالَى کے ارشاد: سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں بے

شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے ○ (النصر: ۲)

کی تفسیر

تَوَابٌ عَلَى الْعِبَادِ وَالتَّوَابُ مِنَ النَّاسِ الثَّابِتُ مِنَ الذَّنْبِ۔ اس کا معنی ہے: بندوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے اور مغفرت سے اس کی طرف رجوع کرنے والا ہے اور لوگوں میں سے تَوَابٌ وہ ہے جو گناہوں سے اطاعت کی طرف رجوع کرے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس تعلیق سے یہ اشارہ کیا ہے کہ تَوَابٌ کے دو معنی ہیں: ایک معنی ہے: وہ مغفرت کے ساتھ رجوع کرتا ہے اور توبہ قبول فرماتا ہے اور توبہ کا لغت میں معنی ہے: رجوع کرنا اور کہا گیا ہے کہ وہ گناہ گاروں کے لیے توبہ کے اسباب میسر کرتا ہے اور انہیں توبہ کی توفیق دیتا ہے اور ان کو غفلت کی نیند سے بیدار کرتا ہے اور تَوَابٌ کا دوسرا معنی بندے کی صفت ہے یعنی وہ اس گناہ سے رجوع کرتا ہے جس کا اس نے ارتکاب کیا تھا۔ (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۹-۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۹۷۰۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بَشِيرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ مَعَ أَشْيَاقٍ بِدْرٍ فَكَانَ بَعْضُهُمْ وَجَدَ فِي نَفْسِهِ فَقَالَ لِمَ تَدْخُلُ هَذَا مَعَنَا وَلَنَا أَبْنَاءٌ مِثْلُهُ فَقَالَ عُمَرُ إِنَّهُ مَنْ قَدْ عَلِمْتُمْ قَدَعَاهُ ذَاتَ يَوْمٍ فَأَدْخَلَهُ مَعَهُمْ فَمَا رُئِيتُ أَنَّهُ دَعَانِي يَوْمَئِذٍ إِلَّا لِيُرِيَهُمْ قَالَ مَا تَقُولُونَ فِي قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ○ (النصر: ۱) فَقَالَ بَعْضُهُمْ أَمَرْنَا أَنْ نَحْمَدَ اللَّهَ وَنَسْتَغْفِرَهُ إِذَا نَصَرْنَا وَفَتَحَ عَلَيْنَا وَسَكَتَ بَعْضُهُمْ فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا فَقَالَ لِي أَكْذَابُ تَقُولُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لَا قَالَ فَمَا تَقُولُ قُلْتُ هُوَ أَجَلُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَعْلَمَهُ لَهُ قَالَ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَذَلِكَ عَلَامَةٌ أَجَلِكَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَابًا فَقَالَ عُمَرُ مَا أَعْلَمُ مِنْهَا إِلَّا مَا تَقُولُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے غزوہ بدر کے بزرگوں کے ساتھ داخل کرتے تھے، پس ان بزرگوں میں سے بعض اس بات پر ناراض ہوتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ آپ اس کو ہمارے ساتھ کیوں داخل کرتے ہیں حالانکہ ہمارے بیٹے اس کی عمر کے ہیں، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہیں اس کی وجہ معلوم ہے، پھر ایک دن حضرت عمر نے حضرت ابن عباس کو بلایا، پس میں نے یہی گمان کیا کہ آپ نے مجھے اس دن اس لیے بلایا تھا کہ آپ مجھے ان کو دکھائیں، حضرت عمر نے فرمایا: آپ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ○ (النصر: ۱) جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے ○ تو ان میں سے بعض بزرگوں نے کہا: ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب ہماری مدد کی جائے اور ہمیں فتح عطا کی جائے تو ہم اللہ کی حمد کریں اور اس سے استغفار کریں اور دوسرے بزرگ خاموش رہے اور انہوں نے کچھ نہیں

کہا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے سے فرمایا: اے ابن عباس! کیا تم بھی اسی طرح کہتے ہو؟ میں نے کہا: نہیں! حضرت عمر نے پوچھا: پھر تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت حیات ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی ہے، فرمایا: إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۖ (النصر: ۱) جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے اور یہ آپ کی وفات کی علامت ہے۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ مَوْلَاكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ ۖ (النصر: ۲) سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے اور پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اس آیت کے متعلق اتنا ہی علم ہے جتنا تم بیان کر رہے ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۲۷ میں گزر چکی ہے۔
علامہ مینی لکھتے ہیں: حضرت عمر نے ان بزرگوں سے کہا: تمہیں اس کی وجہ معلوم ہے یعنی تمہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علم و فضل کا علم ہے، اور تمہیں اسلام میں ان کی سبقت اور خدمات کا بھی علم ہے۔
(عمدة القاری ج ۱۹ ص ۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

آخری سورت کی تعیین اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متعلق متعدد اقوال

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

سورة التوبة کی تفسیر میں یہ گزر چکا ہے کہ وہ آخری سورت ہے اور یہاں حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ سورة النصر قرآن مجید کی آخری سورت ہے، ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ سورة النصر مکمل آخری سورت ہے، اس کے برخلاف سورة التوبة مکمل آخری سورت نہیں ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سورة النصر حجة الوداع کے موقع پر منیٰ میں دس ذی الحجہ کو نازل ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سورة النصر کے نزول کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکیا سی (۸۱) دن زندہ رہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کے متعلق متعدد اقوال ہیں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ اس کے بعد نو (۹) راتیں زندہ رہے، مقال سے منقول ہے کہ آپ اس کے بعد سات راتیں زندہ رہے، ابن قیم نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام امور کے آخر میں استغفار کرتے تھے، جب آپ نماز کا سلام پھیرتے تو تین مرتبہ استغفر اللہ پڑھتے اور جب آپ بیت الخلاء سے نکلتے تو پڑھتے: غُفْرَانَكَ اور وضو کرنے بعد دعا کرتے: اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں میں سے بنادے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۳۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورة النصر کی تفسیر میں جو ایک تطبیق ذکر کی تھی اور احادیث روایت کی تھیں ان تمام کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز امام بخاری نے سورة المسد کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۱۱۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ الْمَسَدِ

سورۃ المسد کی تفسیر

سورۃ المسد (اللب) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ المسد کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس کا نام سورۃ لب بھی ہے، یہ سورت مکی ہے اور اس سورت میں پانچ آیات ہیں۔ ابولہب سے مراد ہے: ابولہب بن عبدالمطلب اور اس کا نام عبدالعزیٰ ہے اور اس کی ماں خزاعیہ ہے، اس کی کنیت ابولہب ہے، اس کی وجہ میں کہا گیا ہے کہ اس کے بیٹے کا نام لب تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے رخسار بہت سرخ تھے گویا کہ اس کے چہرے میں حسن کے شعلے لپکتے تھے، یہ نبی ﷺ سے سب سے زیادہ دشمنی رکھتا تھا، یہ اپنی دشمنی پر برقرار رہا حتیٰ کہ غزوہ بدر کے چند ایام کے بعد یہ مر گیا، یہ غزوہ بدر میں نہیں گیا تھا، جب اس کو معلوم ہوا کہ غزوہ بدر میں قریش کو شکست ہوگئی تو یہ غم سے مر گیا۔

(عمدة القاری ج ۲۰ ص ۱۰۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَتَبَّ خَسِرًا تَبَابٌ خُسْرًا اِنْ تَثْبِيْتُ تَذْمِيْرًا
وَتَبَّ: اس کا معنی ہے: وہ نقصان میں پڑ گیا، تَبَاب کا معنی ہے: نقصان، تَتْبِيب کا معنی ہے: تباہ کرنا اور ہلاک کرنا۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ وَتَبَّ ① (اللب: ۱)

یہ الفاظ صورتاً دعا ہیں حقیقتاً دعا نہیں بلکہ خبر ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تب کی تفسیر تباب اور خسران کے ساتھ کی ہے اور تباب کا لفظ درج ذیل آیت میں ہے:

وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ② (المومن: ۳۷)

اور تَتْبِيب کا لفظ درج ذیل آیت میں ہے۔

وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ③ (ہود: ۱۰۱)

امام بخاری نے تب کی مناسبت سے تباب اور تَتْبِيب کے الفاظ پر مشتمل آیات کا ذکر کیا ہے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ (ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں) یہ دعا ہے اور بعد میں جو وَتَبَّ فرمایا ہے یہ خبر ہے یعنی وہ ہلاک ہو گیا۔

علامہ عینی کا تسامح

میں کہتا ہوں علامہ عینی کا تہمت ید ابا لب کو دعا لکھنا درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ دعا کرنے سے پاک اور بلند و برتر ہے، دراصل یہ بھی خبر ہے اور اس کے دونوں ہاتھوں سے مراد اس کا ملک اور مال ہے یعنی اس کا ملک اور مال تباہ ہو گیا اور وہ خود بھی ہلاک ہو گیا،

البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ صورتاً دعا ہے اور حقیقتاً خبر ہے۔ (سعیدی غفرلہ) (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابُ

بَابُ

۴۹۷۱۔ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ لَنَا تَزَكَّتْ وَ أَنْذَرُ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۝ (الشعراء: ۲۱۳) وَ رَفَعْتَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى صَعِدَ الشَّافَا فَهَتَفَ يَا صَبَاحَاةَ فَقَالُوا مَنْ هَذَا فَاجْتَمَعُوا إِلَيْهِ فَقَالَ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ مِنْ سَفْحِ هَذَا الْجَبَلِ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِي قَالُوا مَا جَزَيْتَنَا عَلَيْكَ كَذِبًا قَالَ فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيِ عَذَابٍ شَدِيدٍ قَالَ أَبُو لَهَبٍ تَبَا لَكَ مَا جَمَعْتَنَا إِلَّا لِهَذَا أَتَمَّ قَامَ فَتَزَكَّتْ ثَبَّتْ يَدَا ابْنِ لَهَبٍ وَ ثَبَّ ۝ (المطلب: ۱) وَقَدْ ثَبَّ هَكَذَا قَرَأَهَا الْأَعْمَشُ يَوْمَئِذٍ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یوسف بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن مرہ نے حدیث بیان کی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: وَ أَنْذَرُ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۝ (الشعراء: ۲۱۳) اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذاب سے) ڈرائیے ۝ اور اپنے قبیلہ میں سے ان لوگوں کو جو مخلص ہیں تو رسول اللہ ﷺ باہر نکلے حتیٰ کہ آپ صفا پہاڑ پر چڑھے، پھر آپ نے بلند آواز سے فرمایا: یا صباحا (اے لوگو! ہوشیار ہو جاؤ)، پس لوگوں نے کہا: یہ کون ہے، پھر وہ آپ کی طرف جمع ہو گئے، پس آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ گھوڑے سواروں کی ایک جماعت اس پہاڑ کے چٹھے سے تم پر حملہ کرنے کے لیے نکلنے والی ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ لوگوں نے کہا: ہم نے آپ پر کبھی جھوٹ کا تجربہ نہیں کیا، تو آپ نے فرمایا: تو میں تم کو صرف سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہوں (سہ: ۴۶) ابولہب نے کہا: تمہارے لیے ہلاکت ہو کیا تم نے ہم کو صرف اس لیے جمع کیا تھا؟ پھر وہ کھڑا ہو گیا، تب یہ آیت نازل ہوئی: ثَبَّتْ يَدَا ابْنِ لَهَبٍ وَ ثَبَّ ۝ (المطلب: ۱) ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے ۝ و قد تب۔ اسی طرح اس آیت کو الاعمش نے اس دن پڑھا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۹۴ میں گزر چکی ہے۔

و رَفَعْتَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ كَمَا مَنُوعُ السَّلَاوَاتِ هُوَا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متولی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے و رَفَعْتَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ: یہ یا تو عشوہرتک کی تفسیر ہے اور یا یہ قراءت شاذہ ہے، اسامی نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کو پڑھا ہے۔ علامہ نووی نے کہا: حضرت ابن عباس کے پڑھنے میں یہ خبر ہے کہ پہلے یہ قرآن مجید کی آیت تھی، پھر اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی۔

یا صباحا کا معنی

جب کسی قوم پر کوئی حملہ کرنے کے لیے آتا ہے تو وہ مدد طلب کرنے کے لیے لوگوں کو پکارتے ہیں اور چونکہ یہ جملہ عموماً صبح کے وقت ہوتا ہے اس لیے مدد طلب کرنے والا کہتا ہے: یا صباحا یعنی دشمن نے صبح کے وقت ہم پر حملہ کر دیا ہے، سو ہماری مدد کے لیے آؤ اور ہوشیار ہو جاؤ۔ (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابُ: وَتَبَّ ۝ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور وہ ہلاک ہو جائے ۝ اس کے

مال نے اور اس کی کمائی نے اس کو کوئی فائدہ نہیں

مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۝

پہنچایا ۝ (الہب: ۱-۲) کی تفسیر

(الہب: ۱-۲)

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی اس کا مال اس کو اللہ کے عذاب سے بچانے کے لیے کام نہ آیا، کہا گیا ہے کہ اس کا مال اس کی بکریاں تھیں اور اس کے پاس قدرتی گھاس چرنے والی بکریاں تھیں اور اس کی کمائی بھی اس کے کام نہ آئی، علامہ الشعلبی نے کہا ہے کہ اس کی کمائی سے مراد اس کی اولاد ہے کیونکہ اولاد بھی باب کی کمائی ہوتی ہے اور علامہ نسفی نے کہا ہے کہ یہ ماموصولہ ہے یعنی اس نے اپنے اموال سے جو نفع کمایا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مامصدر یہ ہو یعنی اس کی کمائی۔ (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۱۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو معاویہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از عمرو بن مرہ از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ البطحاء (مکہ کی وادی) کی طرف نکلے، پس پہاڑ پر چڑھ گئے، پھر آپ نے زور سے پکارا: لوگو ہوشیار ہو جاؤ، سو آپ کی طرف قریش جمع ہو گئے، پس آپ نے فرمایا: اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ دشمن تم پر صبح کے وقت یا شام کے وقت حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا: پس میں تم کو صرف سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہوں (نہا: ۳۶) پس ابو لہب نے کہا: کیا تم نے ہم کو اس لیے جمع کیا تھا؟ تمہارے لیے ہلاکت ہو، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝ (الہب: ۱) ابو لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے ۝ آخر تک۔

۴۹۷۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ إِلَى الْبُطْحَاءِ فَصَعِدَ إِلَى الْجَبَلِ فَنَادَى يَا صَبَاحَا فَاجْتَمَعَتْ إِلَيْهِ قُرَيْشٌ فَقَالَ أَرَأَيْتُمْ إِنْ حَدَّثْتُكُمْ أَنَّ الْعَدُوَّ مُصِيبُكُمْ أَوْ مُبْسِيكُمْ أَكُنْتُمْ تُصَدِّقُونِ قَالُوا نَعَمْ قَالَ فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ فَقَالَ أَبُو لَهَبٍ أَيْهَذَا جَمَعْتَنَا تَبَّا لَكَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝ (الہب: ۱) إِلَى آخِرِهَا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۹۴ میں گزر چکی ہے۔

۳۔ بَابُ: سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝

(الہب: ۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وہ عنقریب سخت شعلوں والی آگ

میں جائے گا ۝ (الہب: ۳) کی تفسیر

۳۹۷۳۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ مُرَّةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ أَبُو لَهَبٍ تَبَاكَ أَلَيْهَذَا جَمَعْتَنَا فَتَزَكَّتْ تَبَتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ إِلَى آخِرِهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمرو بن مرہ نے حدیث بیان کی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابولہب نے کہا: تمہارے لیے ہلاکت ہو کیا تم نے ہم کو اس لیے جمع کیا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی: تَبَتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَ ۝ (المہلب: ۱) ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے ۝ آخر سورت تک۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۹۴ میں گزر چکی ہے۔

۴۔ بَابُ: وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اس کی بیوی بھی لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے ۝ (المہلب: ۴) کی تفسیر

(المہلب: ۴)

ابولہب کی بیوی کا تذکرہ

علامہ عینی لکھتے ہیں: ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اس کی بیوی ام جمیل بنت حرب تھی، یہ اس کی کنیت ہے اور اس کا نام العوراء تھا، ضحاک نے بیان کیا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے راستے میں سعدان نام کے درخت کے کانٹے پھیلا دیا کرتی تھی اور آپ ان کانٹوں پر اس طرح چلتے تھے جس طرح تم میں سے کوئی شخص ریشم پر چلتا ہے اور مرہ البہدانی سے روایت ہے کہ ام جمیل ہر روز مختلف اقسام کے کانٹے لے کر آتی تھی اور ان کو مسلمانوں کے راستے میں پھیلا دیتی تھی، ایک دن وہ لکڑیوں کا گٹھا لے کر آ رہی تھی تو تھک کر ایک پتھر پر بیٹھ گئی، سو ایک فرشتہ آیا، اس نے اس کو پیچھے سے پکڑ کر کھینچا اور ہلاک کر دیا۔ (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۱۱-۱۲)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ حَمَّالَةُ الْحَطَبِ تَبَتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ ۝ اور مجاہد نے کہا: حَمَّالَةُ الْحَطَبِ کا معنی ہے: وہ چغلیاں کھاتی تھی۔ علامہ عینی لکھتے ہیں: کہ مجاہد نے کہا ہے وہ نبی ﷺ کی اور آپ کے اصحاب کی سرکین کی طرف چغلیاں کرتی تھی اور القرآء نے کہا ہے کہ وہ چغلیاں کر کے دشمنی کی آگ بھڑکاتی تھی تو اس کو حَمَّالَةُ الْحَطَبِ سے کنایہ کیا ہے۔

فِي جَهَنَّمَ قَاعًا حَرًّا ۝ (یعنی اس کی گردن میں بھور کی چھال کی بنی ہوئی رسی ہوگی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی گردن میں درخت مثل کے چھال کی رسی ہے اور یہ دوزخ میں زنجیر ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی دنیا میں اس کی گردن میں درخت مثل کی رسی تھی اور آخرت میں اس کی گردن میں آگ کی زنجیر ہوگی، عروہ نے کہا: یہ زنجیر ستر (۷۰) ہاتھ لمبی ہوگی، اس کے منہ میں داخل ہو کر اس کی دیر سے نکل جائے گی اور اس کے جسم سے پٹ جائے گی۔ (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۱۲)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ المہلب کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور احادیث روایت کی تھیں ان تمام کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ الاخلاص کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۱۲۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ الْاِخْلَاصِ

سورة الاخلاص کی تفسیر

سورة الاخلاص کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الاخلاص کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت کا نام سورة قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ بھی ہے، یہ سورت مکی اور مدنی ہے اور اس میں چار آیات ہیں۔

یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب آپ سے قریش نے کہا یا کعب بن الاشرف نے کہا یا مالک بن الصعب نے کہا یا عامر بن الطفیل العامری نے کہا: ہمارے لیے اپنے رب کا نسب بیان کیجئے۔ (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۱۲)

یُتَعَالٰ لَا یُتَوَّنْ اَحَدٌ اِیَّیْ وَ اَحَدٌ۔

کہا جاتا ہے کہ اَحَدٌ پر تنوین نہیں پڑھی جاتی اور اَحَدٌ کا معنی ہے:

واحد۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی حالت وصل میں اَحَدٌ پر تنوین نہیں پڑھی جاتی اور اس کو لفظ اللہ سے ملا کر پڑھا جاتا ہے یعنی اَحَدٌ

اللّٰهُ الصَّمد۔

واحد اور احد کا فرق

امام بخاری نے کہا ہے: احد کا معنی ہے: واحد، امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ واحد اور احد میں کوئی فرق نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ ان میں فرق ہے، واحد کا معنی ہے: جو صفات کے لحاظ سے واحد ہو اور احد کا معنی ہے: جو ذات کے لحاظ سے واحد ہو، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ واحد وہ ہے جو ازل میں ہو اور سب سے افضل ہو کیونکہ واحد اعداد کا مبداء ہے اور احد اس پر دلالت کرتا ہے جو اپنی تمام صفات میں مخلوق سے ممتاز ہو اور اس سے شرک کے ابواب کی نفی ہو، پس احد اس کی نفی کے لیے ہے جس کو عدد کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اور واحد کہ لفظ سے عدد شروع ہوتا ہے، پس احد کے لفظ کو کلام میں انکار کی جگہ لایا جاتا ہے اور واحد کے لفظ کو کلام میں اثبات کے لیے لایا جاتا ہے۔ (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۱۳-۱۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب

۱۔ بَابُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا ہمیں ابو الزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ

۳۹۷۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ وَشَتَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ فَأَمَّا

تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ لَنْ يُعِيدَنِي كَمَا بَدَأَنِي وَلَيْسَ
أَوَّلُ الْخَلْقِ بِأَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ إِعَادَتِهِ وَأَمَّا شَيْئُهُ إِيَّايَ
فَقَوْلُهُ اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا (البقرہ: ۱۱۶) وَأَنَا الْأَخْذُ الصَّمَدُ
لَمْ أَلِدْ وَلَمْ أُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفُوًا أَحَدٌ۔

تعالیٰ فرماتا ہے: ابن آدم نے میری تکذیب کی اور اس کو یہ نہیں
چاہیے تھا اور اس نے مجھے گالی دی اور اس کو یہ نہیں چاہیے تھا رہا اس
کا میری تکذیب کرنا تو اس کا یہ کہنا ہے کہ وہ مجھے ہرگز دوبارہ زندہ
نہیں کرے گا جس طرح اس نے مجھے ابتداء پیدا کیا تھا حالانکہ
ابتداء مخلوق کو پیدا کرنا مجھ پر اس مخلوق کو دوبارہ پیدا کرنے سے
زیادہ آسان نہیں ہے اور رہا اس کا مجھے گالی دینا تو وہ اس کا یہ کہنا
ہے: اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا (البقرہ: ۱۱۶) اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے اور
حالانکہ میں احد ہوں اور الصمد (بے نیاز) ہوں۔ میری کوئی اولاد
نہیں ہے اور نہ میں کسی کی اولاد ہوں اور نہ کوئی میرا ہمسر ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۱۹۳ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احد ہونے کے متعلق ایک حدیث

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام ترمذی اور امام طبری نے اپنی سند سے ایک روایت کی ہے، اس کے آخر میں ہے: اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی
کی اولاد ہے کیونکہ جو بھی پیدا ہوتا ہے وہ عنقریب مرجاتا ہے اور جو بھی مرتا ہے اس کا کوئی وارث ہوتا ہے اور ہمارا رب نہ مرتا ہے اور
نہ اس کا کوئی وارث ہے اور نہ اس کا کوئی ہم سرا اور ہم پلہ ہے۔ اس حدیث کا شاہد مسند ابویعلیٰ اور المعجم الاوسط میں حضرت جابر بن عبد اللہ
کی روایت ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۳۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اللہ بے نیاز ہے (الاخلاص: ۲)

۲۔ باب: اللَّهُ الصَّمَدُ ①

کی تفسیر

(الاخلاص: ۲)

وَالْعَرَبُ تُسَمِّي أَوْلَادَهَا الصَّمَدَ قَالَ أَبُو ذَائِلٍ هُوَ
الشَّيْءُ الَّذِي انْتَهَى سُودُهُ

علامہ یعنی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ عرب لوگ معزز شخص کو صمد کہتے ہیں اور اسی لیے وہ سرداروں کو صمد
کہتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے جس میں شرف اور سیادت کی تمام اقسام مجتمع ہوں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ صمد
وہ شخص ہے جس کی طرف ضروریات میں رجوع کیا جاتا ہے، اور تفسیر نسفی میں صمد کے بہت معانی ذکر کیے گئے ہیں۔

(عمدة القاری ج ۲ ص ۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن منصور نے حدیث
بیان کی، انہوں نے کہا: اور ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی،
انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از امام از حضرت ابو ہریرہ
رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ

۳۹۷۵۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ وَحَدَّثَنَا
عَنْدُ الرُّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ اللَّهُ كَذَّبَنِي أَنَّهُ أَقَدَرُ
وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكُ وَشَتَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكُ أَمَّا

تَكْنِيْبُهُ إِيَّايَ أَنْ يَقُولَ إِنِّي لَنْ أُعِيدَكَ كَمَا بَدَأْتُكَ وَأَمَّا
شَسْمُهُ إِيَّايَ أَنْ يَقُولَ اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا (البقرہ: ۱۱۶)
وَأَنَا الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفُوًا
أَحَدٌ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ۔

تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ابن آدم نے میری تکذیب کی اور اس کو یہ
نہیں چاہیے تھا اور اس نے مجھے گالی دی اور اس کو یہ نہیں چاہیے تھا،
رہا اس کا میری تکذیب کرنا تو اس کا یہ کہنا ہے کہ میں اس کو ہرگز
دوبارہ زندہ نہیں کروں گا جس طرح میں نے اس کو ابتداء پیدا کیا
تھا، رہا اس کا مجھے گالی دینا تو اس کا یہ کہنا ہے: اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا
(البقرہ: ۱۱۶) اللہ اولاد رکھتا ہے O حالانکہ میں بے نیاز ہوں نہ
میری کوئی اولاد ہے اور نہ میں کسی اولاد ہوں اور نہ میرا کوئی ہم سر
اور ہم پلہ ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۱۹۳ میں گزر چکی ہے۔

كُفُوًا، كَفِيًّا اور كِفَاءًا تینوں کا معنی ایک ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: كُفُوًا میں دو پیش ہیں اور كَفِيًّا فَعِيل کے وزن پر ہے اور كِفَاءًا فَعَال کے وزن پر ہے، ان تینوں الفاظ کا
معنی واحد ہے یعنی مثال اور نظیر یعنی اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی مثال ہے اور نہ کوئی شبیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: اس کا کوئی
ہم سر اور ہم پلہ نہیں ہے، اور حمزہ اور یعقوب نے اس لفظ میں فاء پر جزم پڑھی ہے اور دیگر قراء نے فاء پر پیش اور واو پر زبر پڑھی
ہے بغیر حمزہ کے۔ (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۱۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الاخلاص کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور احادیث روایت کی تھیں ان تمام کی
شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ الفلق کی تفسیر میں امام بخاری نے جو ایک تعلیق اور ایک حدیث روایت
کی ہے اس کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۱۳۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ الْفَلَقِ

سورة الفلق کی تفسیر

سورة قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (الفلق) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الفلق کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت کا نام قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ بھی ہے، سفیان نے کہا: یہ سورت مدنی ہے، قتادہ نے کہا: یہ سورت مکی ہے، اس سورت میں پانچ آیات ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فلق کا معنی ہے: صبح اور ان سے دوسری روایت ہے کہ یہ جہنم میں ایک قید خانہ ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الفلق جہنم میں ایک کنواں ہے جو ڈھکا ہوا ہے۔

(عمدة القاری ج ۲۰ ص ۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْفَلَقُ الصُّبْحُ وَ غَاسِقُ اللَّيْلِ إِذَا وَقَبَ غُرُوبِ الشَّمْسِ يُقَالُ أَهَيَّنُ مِنْ فَرَقٍ وَفَلَقِ الصُّبْحِ وَقَبٌ إِذَا دَخَلَ لِي كُلُّ شَيْءٍ وَأَظْلَمَ۔
اور مجاہد نے کہا: فلق کا معنی ہے: صبح اور غایق اللیل کا معنی ہے: جب سورج غروب ہو جائے۔ کہا جاتا ہے أَهَيَّنُ مِنْ فَرَقِ الصبح و فلق الصبح یعنی یہ بات پو پھٹنے اور روشنی کے ظہور سے زیادہ واضح ہے اور وقب اس وقت کو کہتے ہیں جب کوئی چیز کسی چیز میں داخل ہو جائے اور اندھیرا چھا جائے اس سے مراد یہاں غروب آفتاب ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۝ (الفلق: ۳)

علامہ عینی لکھتے ہیں: اسی طرح امام ابو عبیدہ نے تفسیر کی ہے: سورج کا غروب ہونا، جب کوئی چیز دوسری چیز میں داخل ہو جائے اور اندھیرا چھا جائے تو وقب کہتے ہیں۔ القراء نے یہ کہا ہے کہ یہ چیز صبح کے نمودار ہونے سے زیادہ واضح ہے۔

(عمدة القاری ج ۲۰ ص ۱۵-۱۴)

۴۹۷۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمٍ وَعَبْدَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ حُبَيْشٍ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا بَنْ كَعْبٍ عَنِ الْمُعَوَّذَتَيْنِ فَقَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ بَيِّنْ لِي فَقُلْتُ فَتَمَنُّ نَقُولُ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عاصم اور عبدۃ از زید بن حبیش، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے السموذین (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝) کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا:

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا: مجھ سے کہا گیا تھا (کہ یہ سورتیں پڑھو) تو میں نے پڑھیں تو ہم اسی طرح کہتے ہیں جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۹۷۷ میں ہے۔

الْمُعَوَّذَتَيْنِ كَأَقْرَآنٍ هَوْنًا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ کہتے تھے کہ المعوذتین قرآن مجید سے نہیں ہیں اس لیے زر بن حبیش نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ان کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے یہ دو سورتیں پڑھائی ہیں یعنی یہ قرآن ہے، حضرت ابی بن کعب نے کہا: ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۱۵)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورة الفلق کی تفسیر میں جو ایک تعلیق ذکر کی تھی اور ایک حدیث روایت کی تھی ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز امام بخاری نے سورة الناس کی تفسیر میں جو ایک تعلیق ذکر کی ہے اور ایک حدیث روایت کی ہے اس کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۱۴۔ تَفْسِیْرُ سُورَةِ النَّاسِ

سورة الناس کی تفسیر

سورة قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (الناس) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورة الناس کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت کا نام سورة قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ بھی ہے، یہ سورت مدنی ہے اور اس

سورت میں چھ آیات ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۱۵)

وَيُذَكِّرُ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ التَّوَسُّوَسِ إِذَا وُلِدَ خَنَسَهُ الشَّيْطَانُ فَإِذَا ذَكَرَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ ذَهَبَ وَإِذَا لَمْ يَذْكُرِ اللَّهُ شَبَّتْ عَلَى قَلْبِهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وسواس کی تفسیر میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو کوئی چیز چھوتا ہے پھر جب اللہ عزوجل کا ذکر کیا جاتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کیا جاتا تو شیطان اس کے دل پر جم جاتا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس حدیث کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سند ضعیف ہے، امام طبری اور امام حاکم نے اس حدیث کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور اس کی سند میں ایک راوی حکیم بن جبیر ہے اور یہ ضعیف راوی ہے، اس حدیث میں خنس کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کو پیچھے کرنا اور اس کو اپنی جگہ سے زائل کرنا کیونکہ شیطان جب بچہ کی کوکھ میں کوئی چیز چھوتا ہے تو اس کی شدت سے وہ اس کو اس کی جگہ سے پیچھے کر دیتا ہے۔ (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۷۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي لُبَابَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ حُبَيْشٍ وَحَدَّثَنَا عَاصِمٌ عَنْ زَيْدٍ قَالَ سَأَلْتُ أَبَانَ بْنَ كَعْبٍ قُلْتُ يَا أَبَا الشَّذِيرِ إِنَّ أَخَاكَ ابْنَ مَسْعُودٍ يَقُولُ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ أَيْ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ لِي قِيلَ لِي فَقُلْتُ قَالَ فَتَنَحْنُ نَقُولُ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن ابی لبابہ نے حدیث بیان کی از زید بن حبیش (ح) اور ہمیں عاصم نے حدیث بیان کی از زید، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، میں نے کہا: اے ابوالنذر! بے شک آپ کے بھائی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس طرح اور اس طرح کہتے ہیں تو حضرت ابی نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا: مجھ سے کہا گیا تھا (کہ آپ یہ دو سورتیں پڑھیں) تو میں نے پڑھیں، حضرت ابی بن کعب نے کہا: ہم اسی طرح کہتے ہیں جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۹۷۶ میں گزر چکی ہے۔

المعوذتین کے قرآن ہونے پر احادیث سے دلائل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متونی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود اس طرح اور اس طرح کہتے ہیں یعنی یہ دو سورتیں قرآن نہیں ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا مجھ سے کہا گیا ہے کہ ان کو پڑھو، اس کا معنی یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں قرآن ہیں، اس میں صحابہ کا اختلاف رہا ہے، پھر بعد میں اختلاف اٹھ گیا اور اس پر اجماع ہو گیا کہ یہ دونوں سورتیں قرآن ہیں اور اب اگر کوئی ان کے قرآن ہونے کا انکار کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام احمد نے اور امام ابن حبان نے از عاصم یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مصحف میں معوذتین کو نہیں لکھتے تھے اور امام طبرانی نے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مصحف سے المعوذتین کو منادیتے تھے تو میں کہوں گا کہ امام بزار نے کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود کی اس مسئلہ میں کسی نے موافقت نہیں کی اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے نماز میں ان کو پڑھا ہے اور صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور امام ابن حبان نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ اگر تم ایسا کر سکو کہ نماز میں ان کی قراءت نہ چھوٹے تو ایسا کرو اور امام احمد نے یہ روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک صحابی کو معوذتین پڑھائیں اور آپ نے فرمایا: جب تم نماز پڑھو تو ان سورتوں کو پڑھو اور اس حدیث کی سند صحیح ہے، اور امام سعید بن منصور نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی اور اس کی دو رکعتوں میں المعوذتین کو پڑھا۔ (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر نے بھی ان احادیث سے استدلال کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے المعوذتین کے انکار قرآن کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متونی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

قاضی ابوبکر الباقلائی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود ان دو سورتوں کے قرآن ہونے کا انکار نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ان کو مصحف میں لکھنے سے انکار کرتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک مصحف میں ان ہی سورتوں کا لکھنا جائز ہے جن کے متعلق نبی ﷺ نے لکھنے کی اجازت دی ہو، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تک نبی ﷺ کے لکھنے کی اجازت نہیں پہنچی اور یہ حضرت ابن مسعود کی طرف سے عمدہ تادل ہے کہ انہوں نے ان سورتوں کے قرآن ہونے کا انکار نہیں کیا۔

بعض علماء کا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف انکار معوذتین کی نسبت کو باطل قرار دینا

بعض علماء نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف المعوذتین کے انکار قرآن کی نسبت کو مستبعد قرار دیتے ہوئے اس بات کا انکار کیا کہ حضرت ابن مسعود نے یہ کہا ہو کہ المعوذتین قرآن نہیں ہیں، سو حافظ ابن حجر عسقلانی ان علماء کی عبارات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے شرح المہذب میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ المعوذتین اور الفاتحہ قرآن ہیں اور جس نے ان میں سے کسی کے قرآن ہونے کا انکار کیا وہ کافر ہے اور جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کے قرآن ہونے کا انکار منقول ہے وہ باطل اور صحیح نہیں ہے۔

اور اسی کی مثل ابو محمد حزم نے کھائی کے اوائل میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے المعوذتین کے قرآن ہونے کا جو انکار منقول ہے وہ جھوٹ اور باطل ہے۔

اور اسی طرح امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کے اوائل میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ نقل جھوٹ اور باطل ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا ان بعض علماء سے اختلاف

حافظ ابن حجر عسقلانی ان مشاہیر علماء سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بغیر کسی دلیل کے روایات صحیحہ میں طعن کرنا غیر مقبول ہے بلکہ یہ روایات صحیح ہیں اور ان میں تاویل کی گنجائش ہے اور جن اجماع کا انہوں نے ذکر کیا ہے اگر اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ ہر زمانے میں یہ اجماع رہا ہے تو یہ درست نہیں اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ بعد میں المعوذتین کے قرآن ہونے پر اجماع ہو گیا تو پھر یہ درست ہے۔

اور علامہ ابن السباغ نے مانعین زکوٰۃ پر بحث کرتے ہوئے یہ کہا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ سے صرف قتال کیا ہے اور ان کو کافر نہیں قرار دیا کیونکہ اس وقت تک اس پر اجماع نہیں ہوا تھا کہ انکار زکوٰۃ کفر ہے اور اب ہم اس کو کافر کہیں گے جو زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کرے گا، اور انہوں نے کہا: اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو المعوذتین کے قرآن ہونے کا انکار منقول ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک قطعیت کے ساتھ المعوذتین کا قرآن ہونا ثابت نہیں، پھر اس کے بعد امت کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ المعوذتین قرآن ہیں۔

امام فخر الدین رازی نے یہ اشکال کیا ہے کہ اگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانے میں المعوذتین کا قرآن ہونا متواتر تھا تو پھر ان کے زمانے میں بھی ان کے قرآن ہونے کا انکار کفر ہو گا اور اگر ان کے زمانے میں المعوذتین کا متواتر نہیں تھا تو لازم آئے گا کہ بعض قرآن متواتر نہ ہو اور یہ بہت دشوار گھائی ہے جس کو عبور کرنا مشکل ہے، اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی المعوذتین کا قرآن ہونا متواتر تھا لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ تواتر ثابت نہیں تھا، پس اللہ تعالیٰ کی مدد سے اشکال کی یہ دشوار گھائی عبور ہو گئی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے المعوذتین کے انکار قرآن کی دوسری وجہ

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف ابن السلقن التونی ۸۰۳ھ لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۴۹۷ کے آخر میں مذکور ہے کہ زید نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اے ابو المنذر! آپ کے بھائی حضرت ابن مسعود اس طرح اور اس طرح کہتے ہیں تو حضرت ابی نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا: مجھ سے (المعوذتین کو پڑھنے کے لیے) کہا گیا تھا تو میں نے ان کو پڑھا، حضرت ابی نے کہا: سو ہم بھی ان کو اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔

علامہ ابن السلقن کہتے ہیں: حضرت ابی کی مراد یہ تھی کہ حضرت ابن مسعود نے المعوذتین کو اپنے مصحف میں داخل نہیں کیا اور یہ ان کا تفرد اور ان کا اجتہاد ہے کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ شارع صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت المعوذتین کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے تھے، پس انہوں نے یہ گمان کیا کہ المعوذتین وحی سے ہیں اور قرآن مجید نہیں ہیں، اور صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ المعوذتین قرآن ہیں اور انہوں نے ان دونوں سورتوں کو مصحف میں داخل کیا ہے۔ (الفتح لشرح الجامع الصحیح ج ۲ ص ۶۱۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

زرنے صراحتاً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف انکار معوذتین کی نسبت نہیں کی اس کی توجیہ

علامہ قاضی بدرالدین الدماینی محمد بن ابوبکر بن عمر القرشی المالکی التونی ۸۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب نے زر سے کہا: آپ کے بھائی ابن مسعود اس طرح اور اس طرح کہتے ہیں: (صحیح بخاری: ۴۹۷۷) زر نے صراحتاً یہ نہیں کہا کہ آپ کے بھائی حضرت ابن مسعود المعوذتین کے قرآن ہونے کا انکار کرتے ہیں، کیونکہ وہ اس طرح کہنے کو بہت سنگین بات سمجھتے تھے جب کہ تمام صحابہ کا اس پر اجماع ہے کہ المعوذتین قرآن ہیں اور وہ ان کو اپنے مصاحف میں لکھتے ہیں اور برقرار رکھتے ہیں۔

اور قاضی ابوبکر الباقلائی نے کہا ہے: حضرت ابن مسعود نے المعوذتین کے قرآن ہونے کا انکار نہیں کیا بلکہ ان کو مصحف میں لکھنے کا انکار کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ مقرر تھا کہ مصحف میں صرف اسی چیز کو لکھا جائے گا جس کو لکھنے کا نبی ﷺ نے حکم دیا ہو اور ان تک یہ حدیث نہیں پہنچی تھی کہ نبی ﷺ نے المعوذتین کو مصحف میں لکھنے کا حکم دیا ہے ورنہ وہ اس کے قرآن ہونے کا انکار نہیں کرتے تھے۔ (مصابح الجامع ج ۸ ص ۵۰۸، دار النوادر، دمشق، ۱۴۳۱ھ)

(قاضی ابوبکر الباقلائی کی یہ تاویل شرح التلخیص میں بھی مذکور ہے۔ ج ۲ ص ۱۰۲۵-۱۰۲۴)

نبی ﷺ کو المعوذتین پڑھنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا یا حضرت جبریل نے یہ حکم پہنچایا تھا

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکوری النخعی التونی ۹۳۷ھ لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۴۹۷۶ میں مذکور ہے: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے (معوذتین پڑھنے کے متعلق) سوال کیا تو آپ نے فرمایا: مجھ سے (المعوذتین پڑھنے کے لیے) کہا گیا تھا، سو میں نے ان کو پڑھا۔ رسول اللہ ﷺ سے ان کو پڑھنے کے لیے کہنے والا کون تھا؟ یا تو خود اللہ عزوجل نے آپ سے فرمایا تھا یا حضرت جبریل علیہ السلام نے، اور دوسرا احتمال زیادہ صحیح ہے کیونکہ صحیح ابن حبان: ۷۹۷ میں اس کا صراحتاً ذکر ہے، پس اس سے واضح ہو گیا کہ المعوذتین قرآن ہیں۔

مصنف کے نزدیک یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متونی ۳۲ھ کے تفردات میں سے ہے اور ان کی اجتہادی خطا ہے، ان کی رائے یہ تھی کہ نبی ﷺ کو المعوذتین پڑھ کر دم کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور یہ قرآن نہیں ہے، اس لیے وہ ان سورتوں کو اپنے مصحف سے کھرج دیتے تھے، لیکن باقی تمام صحابہ، فقہاء تابعین اور جمہور مسلمین کا موقف ان کے خلاف ہے، اس طرح حضرت ابن مسعود کے اور بھی تفردات ہیں، وہ قرآن مجید کے ایک لفظ کو اس کے مترادف کے ساتھ بدلنے کو جائز قرار دیتے تھے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

نیز علامہ الکوری لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جو المعوذتین کے قرآن ہونے کا انکار کرے تو میں کہوں گا کہ وہ شخص کافر ہو جائے گا کیونکہ اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ مصحف کے دو گتوں کے درمیان جو بھی مذکور ہے وہ قرآن ہے لیکن حضرت ابن مسعود کے زمانے میں یہ اجماع نہیں ہوا تھا لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے قرآن ہونے کی مخالفت کرتے تھے، اللہ تعالیٰ ہمیں برے انجام سے محفوظ رکھے اور حضرت ابن مسعود کی طرف سے وہی تاویل کی جائے گی جو علامہ الباقلائی نے کی ہے کہ حضرت ابن مسعود المعوذتین کے قرآن ہونے کا انکار نہیں کرتے تھے بلکہ ان کو مصحف میں لکھنے کا انکار کرتے تھے اور ان تک یہ حدیث نہیں پہنچی تھی

کہ نبی ﷺ نے ان کو مصحف میں لکھنے کا حکم دیا ہے۔ (الکوثر البخاری ج ۸ ص ۳۷۵-۳۷۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

المعوذتین کے قرآن ہونے پر خصوصی احادیث کی ضرورت نہیں بلکہ ان کے قرآن ہونے پر اجماع کافی ہے علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الزہری ہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

بعض اخبار احاد سے المعوذتین کا قرآن ہونا ثابت ہے لیکن اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ المعوذتین قرآن ہیں۔

علامہ القسطلانی نے لکھا ہے: اب اس میں اختلاف اٹھ چکا ہے اور اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ المعوذتین قرآن ہیں اور اب جو کوئی شخص ان کے قرآن ہونے کا انکار کرے گا وہ کافر ہو جائے گا۔

(ارشاد الساری ج ۷ ص ۴۴۲) (انجیر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۲۹۴، مکتبۃ الرشید، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

ہر چند کہ المعوذتین کے قرآن ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ ان کے قرآن ہونے پر اجماع ہو چکا ہے، تاہم میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ المعوذتین کے قرآن ہونے کے متعلق چند احادیث صحیحہ کو بھی باحوالہ جات ذکر کر دیا جائے تاکہ قارئین کو المعوذتین کے قرآن ہونے پر پوری بصیرت حاصل ہو جائے۔

المعوذتین کے قرآن ہونے پر خصوصی احادیث

امام ابوداؤد سلیمان بن الأشعث البستانی المتوفی ۵۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی چلا رہا تھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا: اے عقبہ! کیا میں تم کو ایسی دو سورتوں کی تعلیم نہ دوں جو باہم ملی ہوئی ہیں، پھر آپ نے مجھے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلٰقِ ۝ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ کی تعلیم دی، پس آپ نے مجھے نہیں دیکھا کہ میں ان دو سورتوں کے ساتھ بہت زیادہ خوش ہوا، پھر جب آپ صبح کی نماز پڑھانے کے لیے سواری سے اترے تو آپ نے یہ دونوں سورتیں صبح کی نماز میں لوگوں کو پڑھائیں، پھر آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے عقبہ! تم نے کیسے دیکھا؟ (سنن ابوداؤد: ۱۴۶۲، سنن نسائی: ۵۴۵۲-۵۴۵۱)

یہ حدیث درج ذیل کتب حدیث میں بھی مذکور ہے:

(مسند احمد: ج ۳ ص ۱۵۰-۱۴۹، سنن ابکبری للنسائی: ۷۸۴۸، صحیح ابن خزیمہ: ۵۳۵، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱ ص ۳۳۵-۳۳۴، مسند الشامیین: ۱۹۸، المسند رک للملک ج ۱ ص ۲۴۰، سنن بیہقی ج ۲ ص ۳۹۴) اس حدیث کی سند حسن ہے۔

عبدالرحمن بن جبیر بن نفیر الحمصی اپنے والد سے از عقبہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا معوذتین قرآن ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی اور اس نماز میں المعوذتین کو پڑھا۔

(مسند ابویعلیٰ: ۱۷۳۴، سنن نسائی: ۹۴۹، سنن ابکبری للنسائی: ۷۸۵۱-۱۰۲۴، صحیح ابن خزیمہ: ۵۳۶، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱ ص ۳۳۸-۳۳۷، المسند رک ج ۱ ص ۲۴۰، سنن بیہقی ج ۲ ص ۳۹۴)

یہ حدیث ابواسامہ حماد بن اسامہ الکوفی سے بھی مروی ہے۔ (صحیح ابن خزیمہ: ج ۱ ص ۲۶۸، صحیح ابن حبان: ۱۸۱۸)

اس حدیث کی روایت میں عبدالرحمن بن جبیر منفرد نہیں ہیں بلکہ خالد بن معدان الحمصی نے بھی از عقبہ روایت کی ہے: حضرت عقبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سرخ رنگ کا ٹمچر دیا گیا، آپ اس پر سوار ہوئے اور حضرت عقبہ اس کو چلا رہے تھے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ سے فرمایا: پڑھو انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! میں کیا پڑھوں؟ تو آپ نے فرمایا: قُلْ

أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① پھر آپ نے اس سورت کو دہرایا حتیٰ کہ حضرت عقبہ نے اس سورت کو پڑھا، پس آپ نے یہ دیکھا کہ میں اس سورت سے زیادہ خوش نہیں ہوا تو آپ نے فرمایا: شاید تم نے اس سورت کو کم درجہ کی سمجھا ہے، تم نماز میں اس مرتبہ کی سورت نہیں پڑھتے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۴۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۳۲، مشکل الآثار للطحاوی: ۱۲۶، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۳۷) اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

اسلم ابی عمران نے کہا کہ انہوں نے حضرت عقبہ سے سنا وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ پیچھے گیا اور آپ سواری پر سوار تھے، پس میں نے اپنا ہاتھ آپ کے قدم پر رکھا، پس میں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے قرآن پڑھائیے خواہ سورہ ہود سے یا سورہ یوسف سے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عقبہ بن عامر! تم ہرگز کسی ایسی سورت کو نہیں پڑھو گے جو اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ محبوب ہو اور نہ اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ بلند ہو کہ تم پڑھو: قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ①، پس اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ یہ سورت تم سے کسی نماز میں فوت نہ ہو تو تم ایسا کرو۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۹-۱۵۵، سنن دارمی: ۳۳۳۲، سنن نسائی: ۵۴۳۹-۹۳۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۳۰-۸۳۹-۱۰۲۵، صحیح ابن حبان: ۱۸۳۲-۷۹۵، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۱۲-۳۱۱، المسند رک ج ۲ ص ۵۲۰، شعب الایمان: ۱۲۱۳) امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آج رات مجھ پر ایسی آیات نازل ہوئی ہیں کہ ان کی مثل پہلے کبھی نہیں دیکھی گئیں۔ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① آخر سورت تک اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① آخر سورت تک۔

(صحیح مسلم، ۸۱۳، الرقم السلسل: ۱۷۷۵، سنن ترمذی: ۳۳۶۷، سنن نسائی: ۹۵۰، مسند احمد ج ۲ ص ۱۴۴)

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی تیسری رکعت میں سورہ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ① اور المعوذتین پڑھتے تھے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۲۳، سنن ترمذی: ۳۶۴، سنن ابن ماجہ: ۱۱۷۳)

المعوذتین کو پڑھ کر دم کرنے کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے ابن عباس! کیا میں تمہاری رہنمائی نہ کروں یا فرمایا: کیا میں تمہیں اللہ کی پناہ طلب کرنے کے لیے ان سب سے افضل چیز کی خبر نہ دوں جس سے لوگ پناہ طلب کرتے ہیں، انہوں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا: قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① یہ دو سورتیں ہیں۔ (سنن نسائی: ۵۴۳۲)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے جابر! پڑھو، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرا باپ اور میری ماں قربان ہو میں کیا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا: تم پڑھو قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① میں نے ان کو پڑھا تو آپ نے فرمایا: تم ہرگز ان کی مثل نہیں پڑھو گے۔ (سنن نسائی: ۵۴۵۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوتے تو اپنے اوپر المعوذات کو پڑھ کر دم کرتے اور اپنے ہاتھ پر پھونک مار کر اپنے اوپر پھونکتے، پھر جس درد میں آپ کی وفات ہوئی تھی تو میں ان معوذات کو پڑھتی تھی جن کو آپ پڑھتے تھے اور نبی ﷺ کے ہاتھ پر دم کر کے آپ پر پھیرتی تھی۔

(صحیح البخاری: ۵۰۱۶-۴۳۳۹، صحیح مسلم: ۲۱۹۳، سنن ابوداؤد: ۳۹۰۳، سنن ابن ماجہ: ۳۵۲۹، مسند احمد: ۲۶۲۳۹)

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ میں آپ کے ہاتھ کی برکت کی توقع پر آپ کے ہاتھ کو آپ کے اوپر پھیرتی تھی۔

حضرت عبداللہ بن حبیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک بارش کی رات میں اور سخت اندھیرے میں باہر نکلے، ہم رسول اللہ ﷺ کو تلاش کر رہے تھے تاکہ آپ ہمیں نماز پڑھائیں، پھر ہم نے آپ کو پالیا، آپ نے پوچھا: کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے تو میں نے کچھ نہیں کہا: پھر آپ نے فرمایا: تم پڑھو تو میں نے کچھ نہیں پڑھا، پھر آپ نے فرمایا: تم پڑھو تو میں نے کچھ نہیں پڑھا (پھر تیسری بار) آپ نے فرمایا: پڑھو، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں کیا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۝ اور المعوذتین جب تم شام کے وقت میں ہو اور جب تم صبح کے وقت میں ہو تین تین مرتبہ پڑھو، یہ (سورتیں) تمہیں ہر چیز سے کفایت کریں گی۔

(سنن ابوداؤد: ۵۰۸۴، سنن ترمذی: ۳۵۷۵، سنن نسائی: ۵۴۳۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نظریہ پر قوی اشکال اور جمہور صحابہ کی ایک حدیث سے دلیل

یہ معوذات کو پڑھ کر دم کرنے کی احادیث ہیں اور غالباً انہی احادیث کی وجہ سے حضرت ابن مسعود یہ سمجھتے تھے کہ المعوذتین صرف دم کرنے کے وظائف ہیں اور قرآن نہیں ہیں اور یہ ان کا تفرد اور اجتہاد ہے۔

تاہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نظریہ پر یہ اشکال ہے کہ ان احادیث میں جس طرح المعوذتین کو پڑھ کر دم کرنے کا ذکر ہے، اسی طرح ان احادیث میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۝ یعنی سورۃ اخلاص کو پڑھ کر دم کرنے کا بھی ذکر ہے، سو اگر المعوذتین کو پڑھ کر دم کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ قرآن نہ ہوں تو پھر سورۃ الاخلاص کو پڑھ کر بھی یہ لازم آئے گا کہ وہ قرآن نہ ہو حالانکہ اس کے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی قائل نہیں تھے۔

علاوہ ازیں حافظ ابن حجر عسقلانی نے درج ذیل حدیث ذکر کی ہے جس سے صراحتاً واضح ہوتا ہے کہ المعوذتین قرآن ہیں۔

امام سعید بن منصور اپنی سند کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی اور اس میں المعوذتین پڑھیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۱، دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۶ھ)

ختم قرآن کے وقت دعا کرنے کا استحباب

الحمد رب العالمین والصلوة والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ وذریئہم وازواجہم اجمعین

ہم نے اس جلد میں امام بخاری کی کتاب التفسیر سورۃ الانعام سے شروع کی تھی اور اب سورۃ الناس کی تفسیر بھی لکھی جا چکی ہے اور قرآن مجید کی تمام سورتوں کی تکمیل ہو گئی ہے اور ختم قرآن کے وقت دعا کرنا مستحب ہے۔

علامہ بیہقی بن شرف نووی متوفی ۶۷۱ھ لکھتے ہیں:

سند صحیح کے ساتھ مجاہد سے روایت ہے کہ مسلمان ختم قرآن کے وقت جمع ہوتے تھے کہ اب رحمت نازل ہوگی اور ختم قرآن کے وقت دعا کرنا بہت زیادہ مستحب ہے۔ (الاذکار ج ۱ ص ۱۲۱)

امام دارمی اپنی سند کے ساتھ حمید الاحرج سے روایت کرتے ہیں جس نے قرآن مجید کو پڑھا، پھر دعا کی تو اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۴۷۰)

اور چاہیے کہ گزرا کر دعا کی جائے اور مشکل اور اہم امور کے لیے دعا کی جائے اور زیادہ تر یا پوری دعا آخرت اور امور مسلمین سے متعلق ہو اور یہ دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اطاعت اور اپنے رسول ﷺ کی سنت کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے اور میں خصوصاً اپنے لیے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو دنیا میں مصائب، بیماریوں اور بڑھاپے کے آزار سے محفوظ رکھے اور رحمت و

سلامتی کے ساتھ نعمۃ الباری کو مکمل فرمائے اور میرا ایمان پر خاتمہ فرمائے اور آخرت میں قبر کے عذاب اور حشر کی ہولناکیوں سے اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ اور مامون رکھے اور نبی ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے جنت الفردوس عطا فرمائے اور یہی دعائیں اپنے متعلقین کے لیے کرتا ہوں، سید عمیر الحسن البرنی کے لیے اور مفتی محمد اسماعیل نورانی اور محترم حفیظ البرکات شاہ زید لطفہم کے لیے اور مولانا وقار الحسن کے لیے اور صاحبزادہ حبیب الرحمن (بریڈ فورڈ) کے لیے اور مولانا عبد المجید (برٹل) کے لیے اور ڈاکٹر خالد اعوان، ڈاکٹر شہرام اور ڈاکٹر ارشد بھٹی (ورجینا امریکہ) کے لیے اور مولانا حامد قیوم (ناروے) کے لیے اور ثمنینہ بہن (برٹل) اور بہن شمیم اختر (کراچی) کے لیے اور نعمۃ الباری کے قارئین کے لیے اور آخر میں خصوصاً مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمن زید جہم کے لیے دعا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے اور ان کو صحت اور سلامتی اور ایمان اور اسلام کے ساتھ تا حیات قائم رکھے اور ہم سب کو دارین کی نعمتیں، سعادتیں اور کامرانیوں عطا فرمائے اور آخرت کی مشکلات سے محفوظ اور مامون رکھے۔ (آمین)

کتاب التفسیر میں مذکور احادیث کی تعداد

کتاب التفسیر میں پانچ سواڑتالیس (۵۴۸) احادیث مرفوعہ ہیں عام ازیں کہ حقیقتاً ہوں یا حکماً، ان میں سے چار سو پینسٹھ (۴۶۵) احادیث موصولہ ہیں اور باقیہ معلقہ ہیں اور اس میں چار سواڑتالیس (۴۴۸) احادیث مکررات ہیں اور خالص احادیث صرف ایک سو (۱۰۰) ہیں۔

نعمۃ الباری جلد ثامن کی تکمیل

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سید المرسلین سیدنا و مولانا محمد رحمة للعالمین شفیع المذنبین قائد الغر المحجلین و علی الہ واصحابہ و ذریئہ و ازواجہ امہات المومنین و امتہ من الفقہاء و المفسرین و المحدثین و المسلمین اجمعین

میں نے 5 شوال 1431ھ / 15 ستمبر 2010ء بروز بدھ کو نعمۃ الباری کی آٹھویں جلد کی ابتداء کی تھی جو آج 9 شوال 1432ھ / 8 ستمبر 2011ء بروز جمعرات کو مکمل ہو گئی۔ اس آٹھویں جلد میں صحیح البخاری کی ۴۹۷ تک احادیث آگئی ہیں اس جلد میں 350 احادیث موصولہ ہیں اور باقیہ تعلیقات ہیں۔ یکم جنوری 2011ء سے لے کر 18 مئی 2011ء تک میں بیمار رہا اور زیادہ دماغی کام کی وجہ سے دماغ کام کرنے کے قابل نہ رہا، پھر امریکا کے بعض مجاہدین ڈاکٹر خالد اعوان، ڈاکٹر شہرام اور ڈاکٹر ارشد بھٹی نے مجھے دماغ کی تقویت کی امریکا سے دوائیں بھجوائیں اور ان کے استعمال کے بعد میرے کام کرنے کی صلاحیت کی نشاۃ ثانیہ ہو گئی اور میں نے اٹھارہ مئی 2011ء سے پھر کام شروع کر دیا، اس دوران سورۃ النور اور سورۃ الفرقان کی شرح مولانا محمد اسماعیل نورانی زید جہم نے تقریباً پچاس صفحات لکھی تھی، صحت بحال ہونے کے بعد انہوں نے یہ شرح میرے سپرد کر دی، بڑھاپے، شوگر، بلڈ پریشر، کولیسٹرول اور کمر کے درد کے عوارض کی وجہ سے اب میرے لیے لکھنا مشکل ہو گیا ہے، سواب میں بولتا ہوں اور میرے ایک مخلص اور عزیز شاگرد مولانا وقار الحسن لکھتے ہیں اور سید عمیر الحسن برنی مسودہ کو پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اپنے کرم سے نعمۃ الباری کی باقیہ جلدوں کو مکمل فرمادے اور اس کو موافقین کے لیے مفید اور فیض آفرین بنائے اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنائے، آمین یا رب العالمین ہجاء سید المرسلین۔

نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد ثامن (۸) کی ڈائری

افتتاح: ۵ شوال ۱۴۳۱ھ، ۱۵ ستمبر ۲۰۱۰ء، بروز بدھ

تقویم میلادی	تقویم ہجری	دن	ایک ماہ کے صفحات	کل صفحات	تعداد احادیث
۱۵ مارچ ۲۰۱۰ء	۱۵ شوال ۱۴۳۱ھ	بدھ			۴۲۶۷
یکم اکتوبر ۲۰۱۰ء	ذوالقعدة ۱۴۳۱ھ	جمعہ	۷۶	۷۶	۴۶۵۳
یکم نومبر ۲۰۱۰ء	ذوالحجہ ۱۴۳۱ھ	جمعہ	۱۰۱	۱۷۸	۴۷۰۶
یکم دسمبر ۲۰۱۰ء	محرم ۱۴۳۲ھ	بدھ	۹۴	۲۷۲	۴۷۴۵
یکم جنوری ۲۰۱۱ء	صفر ۱۴۳۲ھ	ہفتہ	بیماری کے ایام میں درج ذیل مہینوں میں کام معطل رہا		
یکم فروری ۲۰۱۱ء	ربیع الاول ۱۴۳۲ھ	منگل	=	=	=
یکم مارچ ۲۰۱۱ء	ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ	منگل	=	=	=
یکم اپریل ۲۰۱۱ء	جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ	جمعہ	=	=	=
۱۸ مئی ۲۰۱۱ء	جمادی الثانی ۱۴۳۲ھ	اتوار		۳۲۳	۴۷۶۸
یکم جون ۲۰۱۱ء	رجب ۱۴۳۲ھ	بدھ		۳۳۸	۴۷۷۰
یکم جولائی ۲۰۱۱ء	شعبان ۱۴۳۲ھ	جمعرات	۱۴۴	۴۸۲	۴۸۱۹
یکم اگست ۲۰۱۱ء	رمضان ۱۴۳۲ھ	جمعہ	۱۶۶	۶۴۸	۴۹۰۹
یکم ستمبر ۲۰۱۱ء	شوال ۱۴۳۲ھ	جمعرات	۱۵۰	۷۹۸	۴۹۵۸
اختتام: ۸ ستمبر ۲۰۱۱ء	۹ شوال ۱۴۳۲ھ	جمعرات	۴۲	۸۴۰	۴۹۷۷

مصادر تحقیق فی نعمۃ الباری

کتب سماویہ

- ۱۔ قرآن مجید
- ۲۔ تورات
- ۳۔ زبور
- ۴۔ انجیل

کتب احادیث

- ۵۔ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت، متوفی 150ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ: محمد سعید اینڈ سنز، کراچی
- ۶۔ امام مالک بن انس اصمعی، متوفی 179ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت، 1409ھ، المکتبۃ التوفیقیہ، دار المعرفہ، بیروت، 1420ھ
- ۷۔ امام عبداللہ بن مبارک حنفی، متوفی 181ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
- ۸۔ امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی، متوفی 183ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل
- ۹۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ: نور محمد، کارخانہ تجارت کتب، کراچی
- ۱۰۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1407ھ
- ۱۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، المسند، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1400ھ
- ۱۲۔ امام سلیمان بن داؤد الجارود شافعی، متوفی 204ھ، مسند ابو داؤد الطیالسی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1425ھ
- ۱۳۔ امام محمد بن عمر بن واقد شافعی، متوفی 207ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت 1404ھ
- ۱۴۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی شیعہ، متوفی 211ھ، مصنف عبدالرزاق، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت 1390ھ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
- ۱۵۔ امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی شافعی، متوفی 219ھ، المسند، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت
- ۱۶۔ امام سعید بن منصور خراسانی مکی شافعی، متوفی 227ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
- ۱۷۔ امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، المصنف، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1406ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
- ۱۸۔ امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

- ۱۹۔ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: مجلس علمی، بیروت، 1427ھ
- ۲۰۔ امام احمد بن حنبل، متوفی 241ھ، المسند، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت، 1398ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1413ھ، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دار الفکر، بیروت 1415ھ، مؤسسة الرسالة، بیروت 1420ھ، عالم الکتب، بیروت 1419ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ
- ۲۱۔ امام ابو عبد اللہ بن عبد الرحمن داری شافعی، متوفی 255ھ، سنن داری، مطبوعہ: دار الکتب العربی 1407ھ، دار المعرفہ، بیروت 1420ھ
- ۲۲۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1430ھ، دار ارقم، بیروت، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1431ھ، دار الفکر، بیروت 1421ھ، مؤسسة الرسالة 1431ھ، دار المعرفہ، بیروت 1425ھ، دار العلم الحدیث 1426ھ
- ۲۳۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، الادب المفرد، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1412ھ
- ۲۴۔ امام ابو الحسن مسلم بن حجاج قشیری شافعی، متوفی 261ھ، صحیح مسلم، مطبوعہ: مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ، دار الفکر، بیروت 1424ھ
- ۲۵۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ شافعی، متوفی 263ھ، سنن ابن ماجہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1415ھ، دار البیہل، بیروت، دار الفکر، بیروت 1421ھ
- ۲۶۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی شافعی، متوفی 275ھ، سنن ابو داؤد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ، دار الفکر، بیروت 1421ھ، دار المعرفہ، بیروت 1422ھ
- ۲۷۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی شافعی، متوفی 275ھ، مراسیل ابو داؤد، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
- ۲۸۔ امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1422ھ، دار البیہل، بیروت 1998ھ، دار المعرفہ، بیروت 1423ھ
- ۲۹۔ امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، 1415ھ
- ۳۰۔ امام علی بن عمر دارقطنی شافعی، متوفی 285ھ، سنن دارقطنی، مطبوعہ: نشر السنہ، لبنان، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ، دار المعرفہ، بیروت 1422ھ
- ۳۱۔ امام ابن ابی عاصم شافعی، متوفی 287ھ، الاحادیث الثانی، مطبوعہ: دار الراية، ریاض، 1411ھ
- ۳۲۔ امام احمد عمرو بن عبد الخالق بزار شافعی، متوفی 292ھ، البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار، مطبوعہ: مؤسسة الرسالة، بیروت
- ۳۳۔ امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، سنن نسائی، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1412ھ، دار الفکر، بیروت 1421ھ
- ۳۴۔ امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، عمل الیوم واللیل، مطبوعہ: مؤسسة الکتب الثقافیہ، بیروت 1408ھ

- ۳۵۔ امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303، سنن کبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1411ھ،
مؤسسۃ الرسالہ 1421ھ
- ۳۶۔ امام ابو بکر محمد بن ہارون الرویانی شافعی، متوفی 307ھ، مسند الصحابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
- ۳۷۔ امام احمد بن علی المثنیٰ التمیمی شافعی، متوفی 307ھ، مسند ابو یعلیٰ موصلی، مطبوعہ: دارالمامون التراث، بیروت 1404ھ
- ۳۸۔ امام عبد اللہ بن علی بن جارود نیشاپوری شافعی، متوفی 307ھ، المنتقی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
- ۳۹۔ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ شافعی، متوفی 311ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ: مکتبہ اسلامی، بیروت 1395ھ
- ۴۰۔ امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق شافعی، متوفی 316ھ، مسند ابو عوانہ، مطبوعہ: دارالباز، مکہ مکرمہ
- ۴۱۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، تحفۃ الاخیار، مطبوعہ: دار بلنسیہ، ریاض 1420ھ
- ۴۲۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، مشکل الآثار، مطبوعہ: مکتبہ دارالباز 1415ھ
- ۴۳۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ: مطبع مجتہائی، پاکستان، لاہور 1404ھ،
قدیمی کتب خانہ، کراچی،
- ۴۴۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالہ، بیروت 1427ھ
- ۴۵۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، مسند الطحاوی، مطبوعہ: مکتبۃ الحرمین، دہلی 1426ھ
- ۴۶۔ امام ابو جعفر محمد بن عمرو العقلمی شافعی، متوفی 322ھ، کتاب الضعفاء الکبیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
- ۴۷۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالہ، بیروت
1407ھ
- ۴۸۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت
1425ھ
- ۴۹۔ امام ابو بکر محمد بن الحسین بن عبد اللہ الآجری شافعی، متوفی 360ھ، کتاب الشریعہ، مطبوعہ: مؤسسۃ الریان 1429ھ
- ۵۰۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم صغیر، مطبوعہ: مکتبۃ سلفیہ، مدینہ منورہ 1388ھ، مکتبہ اسلامی،
بیروت 1405ھ
- ۵۱۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم کبیر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت
- ۵۲۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم اوسط، مطبوعہ: مکتبۃ المعارف، ریاض 1405ھ،
دارالفکر، بیروت 1420ھ
- ۵۳۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالہ، بیروت
1409ھ
- ۵۴۔ حافظ ابو بکر احمد بن محمد بن محمد اسحاق الدینوری المعروف بابن السنی شافعی، متوفی 364ھ، کتاب عمل الیوم واللیل، مطبوعہ:
مؤسسۃ الکتب الثقافیہ 1408ھ
- ۵۵۔ امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی شافعی، متوفی 365ھ، الاکمل فی ضعف الرجال، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت، دارالکتب العلمیہ،

بیروت 1418ھ

۵۶۔ امام ابو حفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین شافعی، متوفی 385ھ، النسخ والمسنوخ من الحدیث، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ،

بیروت 1412ھ

۵۷۔ امام عبد اللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ شافعی، متوفی 396ھ، کتاب العظمت، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۵۸۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری شافعی، متوفی 405ھ، المستدرک، مطبوعہ: دارالباز، مکہ مکرمہ، دارالمعرفہ،

بیروت 1427ھ، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1420ھ

۵۹۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن واقد الواقدی شافعی، متوفی 407ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

1424ھ

۶۰۔ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصمغانی شافعی، متوفی 430ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ،

دارالکتب العربی 1407ھ

۶۱۔ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصمغانی شافعی، متوفی 430ھ، دلائل النبوة، مطبوعہ: دارالنفائس، بیروت

۶۲۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: نشر الن، ملتان

۶۳۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت

۶۴۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۶۵۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، دلائل النبوة، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1423ھ

۶۶۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الآداب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۶۷۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ: مکتبۃ السینار، مکہ مکرمہ 1410ھ

۶۸۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1401ھ

۶۹۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، الجامع لشعب الایمان، مطبوعہ: مکتبۃ الرشید، ریاض 1423ھ

۷۰۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، البعث والنشور، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ

۷۱۔ امام ابو عمر یوسف ابن عبد البر قرطبی مالکی، متوفی 463ھ، جامع بیان العلم وفضله، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۷۲۔ امام محمد بن فتوح الحمیدی شافعی، متوفی 488ھ، الجمع بین الصمیمین، مطبوعہ: دار ابن حزم 1423ھ

۷۳۔ امام ابو شجاع شیرازی بن شہر دار بن شیرازی الدیلمی شافعی، متوفی 509ھ، الفردوس بماثر الخطاب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ،

بیروت 1406ھ

۷۴۔ امام حسین بن مسعود بغوی شافعی، متوفی 516ھ، شرح السنن، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۷۵۔ امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تاریخ دمشق الکبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت

1421ھ

۷۶۔ امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی،

بیروت 1407ھ

- ۷۷۔ امام ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، جامع المسانید، مطبوعہ: مکتبۃ الرشید، ریاض 1426ھ
- ۷۸۔ امام مجدالدین بن محمد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری شافعی، متوفی 606ھ، جامع الاصول، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ، دار ابن کثیر، بیروت 1432ھ
- ۷۹۔ امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری شافعی، متوفی 656ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ: دارالحدیث، قاہرہ 1407ھ، دار ابن کثیر، بیروت 1414ھ
- ۸۰۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، التذکرہ فی امور الآخرة، مطبوعہ: دار البخاری، مدینہ منورہ
- ۸۱۔ امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی، متوفی 676ھ، الاذکار من کلام سید الابرار، مطبوعہ: مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز 1417ھ
- ۸۲۔ امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی، متوفی 676ھ، ریاض الصالحین، قدیمی کتب خانہ، کراچی
- ۸۳۔ امام ابو محمد علی بن زکریا انصاری، متوفی 686ھ، اللہباب فی الجمع بین السنۃ والکتب، دار خضر، بیروت 1419ھ
- ۸۴۔ امام محی الدین تبریزی شافعی، متوفی 742ھ، مشکوٰۃ، مطبوعہ: اصح المطابع، دہلی، دار ارقم، بیروت، دار ابن حزم 1423ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت
- ۸۵۔ امام علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی الشافعی، متوفی 746ھ، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، مطبوعہ: الدائر المعارف النظامیہ، حمید آباد، دکن
- ۸۶۔ امام شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابوبکر المعروف بابن قیم الجوزیہ حنبلی، متوفی 751ھ، جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام علی محمد خیر الانام، مطبوعہ: دارالکتب العربی، بیروت 1417ھ، دار الطباعة المحمدیہ 1388ھ
- ۸۷۔ حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زلیحی حنفی، متوفی 762ھ، نصب الراية، مطبوعہ: مجلس علمی سورۃ ہند، 1357ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
- ۸۸۔ حافظ ابوالفرج زین الدین عبدالرحمن بن احمد بن رجب الحنبلی البغدادی الدمشقی، متوفی 795ھ، اہوال القبور و احوال اہلہا الی النشور، دارالکتب العربی، بیروت 1418ھ
- ۸۹۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر البیہقی الشافعی، متوفی 807ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ: دارالکتب العربی، بیروت 1402ھ، دار الفکر، بیروت 1414ھ
- ۹۰۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر البیہقی الشافعی، متوفی 807ھ، کشف الاستار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1404ھ
- ۹۱۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر البیہقی الشافعی، متوفی 807ھ، تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
- ۹۲۔ امام ابو العباس احمد بن ابوبکر بوسیری شافعی، متوفی 840ھ، اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرہ، مطبوعہ: مکتبۃ دارالکتب العلمیہ، بیروت 1442ھ
- ۹۳۔ امام ابو العباس احمد بن ابوبکر بوسیری شافعی، متوفی 840ھ، زوائد ابن ماجہ علی الکتب الخمسہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ

- ۹۴۔ حافظ علاؤ الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمانی حنفی، متوفی 845ھ، الجوہر النقی، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان
- ۹۵۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ڈھمی شافعی، متوفی 848ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ: مکتبہ دارالباز، مکہ مکرمہ
- ۹۶۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، الطالب العالی، مطبوعہ: مکتبہ دارالباز، مکہ مکرمہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
- ۹۷۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی احادیث الاذکار، مطبوعہ: دار ابن کثیر 1421ھ
- ۹۸۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تلخیص الحییر فی تخریج احادیث رافعی الکبیر، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1417ھ
- ۹۹۔ امام زین الدین ابوالعباس احمد بن عبداللطیف الزبیدی حنفی، متوفی 893ھ، التخرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح، مطبوعہ: مؤسسة الرسالة، 1430ھ
- ۱۰۰۔ امام عبدالرحمن بن عبدالسلام بن عبدالرحمن بن عثمان الصفوری الشافعی، متوفی 894ھ، نزہۃ المجالس و منتخب المنقاس، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ
- ۱۰۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی الشافعی، متوفی 902ھ، القول البدیع فی الصلاة علی الحبیب الشفیع، مطبوعہ: مکتبہ الحمویہ، دمشق 1408ھ
- ۱۰۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ
- ۱۰۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ
- ۱۰۴۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جمع الجوامع، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
- ۱۰۵۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، البدور السافرة، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ، دار ابن کثیر، حزم، بیروت 1414ھ
- ۱۰۶۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، شرح الصدور بشرح حال السوفی والقبور، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
- ۱۰۷۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ
- ۱۰۸۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر اسیوطی الشافعی، متوفی 974ھ، الصواعق المحرقة لی الودع علی اهل البدع والزندقة، مطبوعہ: مکتبہ القاہرہ، مصر 1385ھ
- ۱۰۹۔ علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری حنفی، متوفی 975ھ، کنز العمال، مطبوعہ: مؤسسة الرسالة، بیروت
- ۱۱۰۔ حافظ عبدالرؤف بن علی بن زین العابدین السناوی الشافعی، متوفی 1031ھ، کنوز الحقائق من حدیث خیر الخلائق، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
- ۱۱۱۔ امام محمد بن سلیمان المعری المالکی، متوفی 1094ھ، جمع اللوائد من جامع الاصول وجمع الزوائد، مطبوعہ: مکتبہ ابن کثیر

1418ھ

۱۱۲۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن درویش الحوت البیرونی الحنفی، متوفی 1276ھ، اسنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1412ھ

۱۱۳۔ الحافظ ابو الفیض احمد بن محمد بن الصدیق الغماری الحسنى الشافعی، متوفی 1380ھ، المداوی لعلل الجامع الصغیر وشرح المناوی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1996ء

۱۱۴۔ مولانا صالح بن عبد اللہ بن حمید، نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم، دار الوسیلہ للنشر والتوزیع 1425ھ

۱۱۵۔ مولانا عبد السلام بن محمد بن عمر علوش، کتاب الجامع فی الاحادیث القدسیہ، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامیہ 1426ھ

کتاب تفاسیر

۱۱۶۔ امام ابو زکریا یحییٰ بن زیاد فراء حنفی، متوفی 207ھ، معانی القرآن، مطبوعہ: بیروت

۱۱۷۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، جامع البیان، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1409ھ، دار الفکر، بیروت

۱۱۸۔ امام عبد الرحمن بن محمد بن ادريس بن ابی حاتم رازی شافعی، متوفی 327ھ، تفسیر القرآن العظیم، مطبوعہ: نزار مصطفیٰ الباز، مکرمہ 1417ھ

۱۱۹۔ امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی، متوفی 333ھ، تاویلات اہل السنۃ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۲۰۔ امام ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الشعلبی، المتوفی 427ھ، تفسیر الشعلبی، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت

1422ھ

۱۲۱۔ امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن بن عبد الملک القشیری الشافعی، متوفی 465ھ، تفسیر القشیری المستفی لطائف الاسرار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۱۲۲۔ علامہ ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری شافعی، متوفی 468ھ، الوسیط، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۲۳۔ امام شیخ الاسلام ابو المظفر السمعانی الشافعی، متوفی 489ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ: دار الوطن، ریاض 1418ھ

۱۲۴۔ علامہ محمود بن عمر بن خشری معتزلی، متوفی 538ھ، الکشاف، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ

۱۲۵۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ، تفسیر کبیر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ

۱۲۶۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ، اسرار التنزیل و انوار التاویل، مطبوعہ: دار الکتب والوثائق، بغداد عراق 1990ء

۱۲۷۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1415ھ

۱۲۸۔ قاضی ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بیضادی شیرازی شافعی، متوفی 685ھ، انوار التنزیل و اسرار التاویل، مطبوعہ: دار الفکر للنشر والتوزیع، مصر

- ۱۲۹۔ علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی حنفی، متوفی 710ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ: دارالکتب العربیہ، پشاور
- ۱۳۰۔ علامہ عبدالرحمن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی 857ھ، تفسیر الثعالبی، مطبوعہ: مؤسسة العالمی للمطبوعات، بیروت
- ۱۳۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جلالین، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
- ۱۳۲۔ علامہ اسماعیل حنفی حنفی، متوفی 1137ھ، روح البیان، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ
- ۱۳۳۔ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی، متوفی 1223ھ، تفسیر صاوی، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1421ھ
- ۱۳۴۔ علامہ السید عبداللہ سبیر، متوفی 1242ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ: دارالاسوۃ للطباعة والنشر 1421ھ
- ۱۳۵۔ علامہ ابو الفضل سید محمود آلوسی حنفی، متوفی 1270ھ، روح المعانی، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت، دارالفکر، بیروت 1417ھ
- ۱۳۶۔ نواب صدیق حسن بھوپالی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، فتح البیان، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
- ۱۳۷۔ شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، حاشیہ القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور
- ۱۳۸۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، بیان القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی، لاہور
- ۱۳۹۔ علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی بریلوی، متوفی 1367ھ، خزائن العرفان
- ۱۴۰۔ مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1391ھ، نور العرفان، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، کجرات
- ۱۴۱۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، تفہیم القرآن، مطبوعہ: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور
- ۱۴۲۔ غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی بریلوی، متوفی 1406ھ، التبیان العظیم فی تفسیر سورۃ التحریم، مطبوعہ: مکتبہ قانوس پبلی کیشنز، پاکستان 2003ء
- ۱۴۳۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری بریلوی، متوفی 1998ء، ضیاء القرآن، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
- ۱۴۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1428ھ
- ۱۴۵۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، انوار تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1431ھ
- ۱۴۶۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، ترجمہ و تحقیق و تخریج تفسیر خازن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1427ھ
- ۱۴۷۔ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثی مہاروی حنفی بریلوی غفرلہ، برکات القرآن، ترجمہ، تفسیر مدارک التنزیل، فرید بک اسٹال لاہور 1430ھ

شرح احادیث

- ۱۴۸۔ امام ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر انیشاپوری الشافعی التوکی 318ھ الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، مطبوعہ: دار الفلاح، 1430ھ
- ۱۴۹۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، معالم السنن، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
- ۱۵۰۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، اعلام السنن، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
- ۱۵۱۔ علامہ ابوالحسن علی بن خلیف بن عبد الملک ابن بطال مالکی، متوفی 448ھ، شرح صحیح بخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشید، ریاض

1420ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

- ۱۵۲۔ حافظ ابو عمرو ابن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستذکار (شرح الموطا)، مطبوعہ: مؤسسة الرسالة، بیروت 1413ھ
 ۱۵۳۔ حافظ ابو عمرو ابن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، التمهید، مطبوعہ: مکتبہ القدوسیہ، لاہور 1404ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت

1419ھ

- ۱۵۴۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی اندلسی مالکی، متوفی 543ھ، القبس فی شرح موطا ابن انس، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

- ۱۵۵۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، اکمال المعلم بہ فوائد مسلم، مطبوعہ: دارالوفاء، بیروت 1419ھ
 ۱۵۶۔ علامہ عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، کشف المشکل علی صحیح البخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

1444ھ

- ۱۵۷۔ امام ابو محمد عبد الجلیل بن موسیٰ الاندلسی المالکی، متوفی 608ھ، شعب الایمان دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
 ۱۵۸۔ امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری شافعی، متوفی 656ھ، مختصر سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت
 ۱۵۹۔ علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، متوفی 656ھ، المغنم، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت 1417ھ
 ۱۶۰۔ علامہ ابو عبداللہ فضل اللہ بن الحسن التورپشتی الشافعی، متوفی 661ھ، کتاب السیر فی شرح مصابیح السنہ، مکتبہ نزار مصطفیٰ

1422ھ

- ۱۶۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، شرح مسلم، مطبوعہ: نور محمد اصح المطابع، کراچی 1375ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ

الباز 1417ھ

- ۱۶۲۔ امام ابو محمد عبداللہ بن ابی حمزہ الاندلسی المالکی، متوفی 699ھ، بحجۃ النفوس، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1428ھ
 ۱۶۳۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، فتح الباری دار ابن الجوزی، ریاض 1417ھ
 ۱۶۴۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، الاحادیث والآثار، مطبوعہ: مکتبۃ الرشید 1429ھ
 ۱۶۵۔ علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی، متوفی 743ھ، شرح الطیبی، مطبوعہ: ادارة القرآن 1413ھ
 ۱۶۶۔ علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی، متوفی 786ھ، تحقیق الکواکب الدراری شرح البخاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت

1401ھ

- ۱۶۷۔ علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن ملقن، المتوفی ۸۰۳ھ، التوضیح لشرح الجامع

الصحيح، مطبوعہ: وزارة الادوقاف، قطر 1429ھ

- ۱۶۸۔ امام قاضی بدر الدین الدمامنی المالکی، متوفی 827ھ، مصابیح الجامع، مطبوعہ: دارالنور 1431ھ
 ۱۶۹۔ علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلیفہ وشتانی مالکی، متوفی 828ھ، اکمال المعلم، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
 ۱۷۰۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تعلیق التعلیق علی صحیح البخاری، المکتب الاسلامی، بیروت،

1420ھ

- ۱۷۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، فتح الباری، مطبوعہ: دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور

1401ھ، دار الفکر، بیروت 1420ھ، دار المعرفہ، بیروت 1426ھ

۱۷۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی 852ھ، انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری مکتبہ الرشد، ریاض، 1418ھ

۱۷۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت

۱۷۴۔ حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ: ادارة المطابع المنیریہ، مصر 1348ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۷۵۔ حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، شرح سنن ابوداؤد، مطبوعہ: مکتبہ الرشد للنشر والتوزیع 1420ھ

۱۷۶۔ علامہ محمد بن محمد سنوی مالکی، متوفی 895ھ، مکمل اکمال المعالم، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۷۷۔ امام احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ: مطبع مینہ، مصر 1306ھ

۱۷۸۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، التوشیح علی الجامع الصحیح، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۱۷۹۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الدیاج علی صحیح مسلم بن الحجاج، مطبوعہ: ادارة القرآن، کراچی 1412ھ

۱۸۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تنویر الحواکک شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: ادارة القرآن، بیروت 1418ھ

۱۸۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الرسائل العشر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1409ھ

۱۸۲۔ علامہ ابومحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، تحفۃ الباری فی شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1425ھ

۱۸۳۔ علامہ ابومحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، منہ الباری بشرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1426ھ

۱۸۴۔ علامہ شہاب الدین احمد بن حجر ایتیمی الشافعی، متوفی 974ھ، اشرف الوسائل الی فہم الشمائل، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۸۵۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، فیض القدر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1418ھ

۱۸۶۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ: اصح المطابع، کراچی

۱۸۷۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۸۸۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح مستدابی حنیفہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۱۸۹۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، مرقات، مطبوعہ: مکتبۃ ادبیہ، ملتان 1390ھ

۱۹۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار الرفیعیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۱۹۱۔ شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی غیر مقلد، متوفی 1025ھ، جہنۃ الذاکرین، مطبوعہ: مطبع مصطفیٰ البابی، مصر 1350ھ

۱۹۲۔ فیض عبدالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، افہام المعانی، مطبوعہ: مطبع حج کمار لکھنؤ، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۱۹۳۔ علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الحنفی المصری الحنفی، متوفی 1069ھ، نسیم الریاض فی شرح الشفاء، قاضی میاش، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۹۴۔ شیخ نورالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1073ھ، تیسیر القاری شرح صحیح بخاری، مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۱۹۵۔ امام محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المصری المالکی، متوفی 1122ھ، شرح الزرقانی (شرح موطا امام مالک)، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ

۱۹۶۔ شیخ ابوالطیب صدیق بن حسن الحسینی القنوجی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، عون الباری لحل ادلۃ الصحیح البخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ

۱۹۷۔ امام محمد الفضیل بن الفاطمی الشیبی الزرهونی المالکی، متوفی 1318ھ، الفجر الساطع علی الصحیح الجامع، مطبوعہ: مکتبہ الرشید، 1430ھ

۱۹۸۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، لامع الدراری علی جامع البخاری، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی

۱۹۹۔ شیخ عبدالرحمن مبارکپوری غیر مقلد، متوفی 1325ھ، تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۲۰۰۔ شیخ وحید الزمان غیر مقلد، متوفی 1328ھ، تیسیر الباری ترجمہ و تشریح صحیح بخاری، مطبوعہ: نعمانی کتب خانہ، لاہور 1990ھ

۲۰۱۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جامع الاحادیث، مطبوعہ: مکتبہ مرکز اہلسنت برکات رضا، گجرات، 1422ھ

۲۰۲۔ شیخ انور شاہ کشمیری دیوبندی، متوفی 1352ھ، فیض الباری، مطبوعہ: مطبع حجازی، مصر 1375ھ

۲۰۳۔ شیخ شبیر احمد عثمانی دیوبندی، متوفی 1369ھ، فتح الملہم، مطبوعہ: مکتبۃ الحجاز، کراچی

۲۰۴۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاغری الحنفی، متوفی 1414ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دارالکام الطیب، بیروت 1430ھ

۲۰۵۔ شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی انجیدی، متوفی 1421ھ، شرح صحیح بخاری، مکتبہ الطبری، 1429ھ

۲۰۶۔ شیخ محمد بن زکریا بن محمد کاندھلوی دیوبندی، ادجز المسالک الی موطا امام مالک، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۲۰۷۔ شیخ محمد تقی عثمانی دیوبندی، انعام الباری شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الحرماء،

۲۰۸۔ شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی، کشف الباری، مطبوعہ: مکتبہ فاروقیہ، کراچی

۲۰۸۔ ابو محمد عبد اللہ بن مانع الزرقانی، تحلیل الابریزۃ من العللیات البازیۃ علی صحیح البخاری، دارالتدوین، ریاض 1428ھ

کتب اصول حدیث

۲۱۰۔ علامہ ابوبکر محمد بن مہدی بن عثمان بن حازم الحازمی الحمدانی المتوفی 584ھ کتاب النیسل فی علم الحدیث، مکتبہ الرشید، ریاض 1428ھ

۲۱۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تقریب النوادی، مطبوعہ: مکتبہ ملیہ، مدینہ منورہ 1392ھ

- ۲۱۲۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تدریب الراوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ
۲۱۳۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح نخبہ الفکر، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ

کتاب اسماء الرجال

- ۲۱۴۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، التاريخ الكبير، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ
۲۱۵۔ امام احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، مسند الامام النسائی فی الجرح والتعديل، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1424ھ
۲۱۶۔ امام ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی شافعی، متوفی 463ھ، تاریخ بغداد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۲۱۷۔ حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزنی شافعی، متوفی 742ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ
۲۱۸۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، میزان الاعتدال، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۲۱۹۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، الکاشف، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1418ھ
۲۲۰۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تہذیب المعجم، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۲۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تقریب المعجم، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۲۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الملکالی المصنوع، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۲۲۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، طبقات الحفاظ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۲۲۴۔ حافظ صفی الدین احمد بن عبد اللہ الخزرجی الشافعی، متوفی 923ھ، خلاصۃ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ
۲۲۵۔ علامہ محمد بن طولون شافعی، متوفی 953ھ، الشذرہ فی الاحادیث المشتمہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ
۲۲۶۔ علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی الشافعی، متوفی 963ھ، تنزیہ الشریعہ المرفوعہ عن الاخبار الشریعہ المطبوعہ
۲۲۷۔ علامہ محمد طاہر بن خنی، متوفی 986ھ، تذکرۃ الموضوعات، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1401ھ
۲۲۸۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ: مکتبہ محبتی، دہلی
۲۲۹۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ، مطبوعہ: دار الباز للنشر والتوزیع
1405
۲۳۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، مطبوعہ: مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ، حلب 1389ھ
۲۳۱۔ علامہ اسماعیل بن محمد الجہلی، متوفی 1184ھ، کشف النفاق و مزیل الالہاس، مطبوعہ: مکتبہ اللزالی، دمشق
۲۳۲۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، القواعد المجموعہ فی الاحادیث الفعیہ والموضوعہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1415ھ

۲۳۳۔ یوسف عبدالرحمن المرعشی، معجم المعاجم والمشتقات، مکتبۃ الرشید، ریاض 1426ھ

کتاب لغت

۲۳۴۔ امام اللہ خلیل بن احمد فراہیدی، متوفی 175ھ، کتاب العین، مطبوعہ: انتشارات اسوہ، ایران 1414ھ
 ۲۳۵۔ امام ابو عبید القاسم بن سلام البروی الشافعی، متوفی 224ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
 ۲۳۶۔ امام ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری، متوفی 276ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1408ھ

۲۳۷۔ علامہ اسماعیل بن حماد الجوهری الشافعی، متوفی 398ھ، الصحاح، مطبوعہ: دارالعلم، بیروت 1404ھ
 ۲۳۸۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی شافعی، متوفی 502ھ، المفردات، مطبوعہ: مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1418ھ
 ۲۳۹۔ علامہ نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد النسفی الحنفی، متوفی 537ھ، طلبہ الطلبہ فی الاصلاحات الفقہیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۴۰۔ امام ابو نصر احمد بن محمد سمرقندی حنفی، متوفی 550ھ، انیس الفقہاء، فی تعریفات الالفاظ المتمد اولۃ بین الفقہاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۲۴۱۔ علامہ محمد بن اثیر الجزری الشافعی، متوفی 606ھ، نہایہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
 ۲۴۲۔ علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر رازی حنفی، متوفی 660ھ، مختار الصحاح، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۲۴۳۔ علامہ سبکی بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
 ۲۴۴۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، متوفی 711ھ، لسان العرب، مطبوعہ: نشر ادب الحوذہ، قم ایران، دارصادر، بیروت 2003ء

۲۴۵۔ علامہ علی بن محمد بن علی الجرجانی الحنفی، متوفی 816ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت
 ۲۴۶۔ علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی، متوفی 817ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت
 ۲۴۷۔ علامہ محمد طاہر بن خنی، متوفی 986ھ، مجمع بحار الانوار، مطبوعہ: مکتبۃ دارالایمان، مدینہ منورہ 1415ھ
 ۲۴۸۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زہیدی حنفی، متوفی 1205ھ، تاج العروس، مطبوعہ: المطبعۃ الخیریہ، مصر
 ۲۴۹۔ لوئیس معلوف الیسوی، متوفی 1867ء، المنجد، مطبوعہ: مطبع القاٹولیکہ، بیروت 1927ء
 ۲۵۰۔ لوئیس معلوف الیسوی، متوفی 1867ء، المنجد مترجم، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی
 ۲۵۱۔ لوئیس معلوف الیسوی، متوفی 1867ء، المنجد فی الاعلام، مطبوعہ: دارالمشرق، بیروت 1976ء
 ۲۵۲۔ لوئیس معلوف الیسوی، متوفی 1867ء، المنجد فی اللغت، مطبوعہ: انتشارات اسلام 1379ھ
 ۲۵۳۔ مولانا محمد غیاث الدین، غیاث اللغات (فارسی)، مطبوعہ: مطبع ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
 ۲۵۴۔ الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات (اردو)، مطبوعہ: مطبع فیروز سنز لمیٹڈ

- ۲۵۵۔ سعدی الوجیب، القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحاً، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، پاکستان
 ۲۵۶۔ غلام احمد پرویز، متوفی 1985ء، لغات القرآن، ادارہ طلوع اسلام، گلبرگ، لاہور 1984ء
 ۲۵۷۔ قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری حنفی، دستور العلماء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
 ۲۵۸۔ ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری، قائد اللغات، مطبوعہ: حامد ایند کمپنی، لاہور

کتب تاریخ، سیرت و فضائل

- ۲۵۹۔ امام ابو محمد عبدالمکمل بن ہشام المعافری، متوفی 218ھ، السیرۃ النبویہ، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ
 ۲۶۰۔ امام محمد بن سعد، متوفی 230ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ: دارصادر، بیروت 1388ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
 ۲۶۱۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ: دارالقلم، بیروت
 ۲۶۲۔ امام ابو بکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل السامری الخرنطی، متوفی 327ھ، مکارم الاخلاق ومعالیہا ومحمودہا وطرانہا ومرضیہا، مطبوعہ: مطبع المدنی مؤسسۃ السعودیہ، 1411ھ
 ۲۶۳۔ امام ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی، متوفی 405ھ، اعلام النبوة، داراحیاء العلوم، بیروت 1408ھ
 ۲۶۴۔ امام ابوسعید عبدالمکمل بن ابی عثمان نیشاپوری شافعی، متوفی 406ھ، شرف المصطفیٰ، مطبوعہ: دارالبشائر الاسلامیہ، مکہ مکرمہ 1424ھ
 ۲۶۵۔ حافظ ابو عمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبد البرماکی، متوفی 463ھ، الاستیعاب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
 ۲۶۶۔ امام محی الدین الحسین بن مسعود بن محمد الفراء البغوی الشافعی، متوفی 510ھ، الانوار فی شامل النبی المختار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
 ۲۶۷۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، الشفاء، مطبوعہ: عبدالتواب اکیڈمی، لبنان، دارالفکر، بیروت 1415ھ
 ۲۶۸۔ امام ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ بن احمد الحسینی السہلی، متوفی 581ھ، الروض الانف فی تفسیر سیرۃ النبویہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
 ۲۶۹۔ علامہ عبدالرحمن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، الوفاء، مطبوعہ: مکتبہ نوریہ رضویہ، بیصل آباد
 ۲۷۰۔ علامہ عبدالرحمن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، مولد العروس الشہیر بابن الجوزی، مطبوعہ: المکتبۃ الشافعیہ، بیروت
 ۲۷۱۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی اکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر شافعی، متوفی 630ھ، اسد القاب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، دارالفکر، بیروت
 ۲۷۲۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی اکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی 630ھ، الکامل فی التاريخ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
 ۲۷۳۔ علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان شافعی، متوفی 681ھ، دولیات الامان، مطبوعہ: منشورۃ الشریف الرضی،

ایران

- ۲۷۴۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، سیر اعلام النبلاء، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1417ھ
- ۲۷۵۔ شیخ ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ حنبلی، متوفی 751ھ، زاد المعاد، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1419ھ
- ۲۷۶۔ حافظ علاؤ الدین ابو عبد اللہ مغلطائی بن قلیح، متوفی 762ھ، الاشارة الى سيرة المصطفى وتاريخ من بعده من اخلفاء، مطبوعہ: دار القلم، دمشق 1416ھ

- ۲۷۷۔ علامہ تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب سبکی شافعی، متوفی 771ھ، طبقات الشافعية الكبرى، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

- ۲۷۸۔ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی 774ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1418ھ
- ۲۷۹۔ حافظ شہاب احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، الاصابہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
- ۲۸۰۔ شیخ عبد الرحمن الثعلبی، متوفی 875ھ، الانوار فی آیات النبی المختار، مطبوعہ: دار ابن حزم 1426ھ
- ۲۸۱۔ علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی شافعی، متوفی 911ھ، وفاء الوفا، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ
- ۲۸۱۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، الموابب اللدنیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
- ۲۸۳۔ علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی 942ھ، سبل الہدی والرشاد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
- ۲۸۴۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، مدارج النبوت، مکتبہ نوریہ، کھڑپاکستان 1397ھ
- ۲۸۵۔ علامہ محمد عبد الباقی زرقانی مالکی، متوفی 1124ھ، شرح الموابب اللدنیہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1393ھ
- ۲۸۶۔ شیخ عبد اللہ بن الشیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی، متوفی 1242ھ، مختصر سیرۃ الرسول، مطبوعہ: المکتبۃ السلفیہ 1399ھ

کتاب فقہ حنفی

- ۲۸۷۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (کتاب الاصل)، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی
- ۲۸۸۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (شرح الکافی)، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1398ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

- ۲۸۹۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: مصطفائی، ہند 1291ھ
- ۲۹۰۔ امام محمد بن محمد الشحیر الحاکم الشہید البیہقی الحنفی المتوفی 344ھ، الکافی، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
- ۲۹۱۔ امام ابو الیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم السمرقندی، متوفی 373ھ، خزائن الفقہ، مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، امجد اکیڈمی، لاہور 1397ھ

- ۲۹۲۔ شمس الاممہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، المسبوط، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1398ھ
- ۲۹۳۔ شمس الاممہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامیہ، افغانستان 1405ھ
- ۲۹۴۔ علامہ علاؤ الدین محمد السمرقندی، متوفی 539ھ، تحفۃ الفقہاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ
- ۲۹۵۔ الامام الاکمل الفقیہ الامجد طاہر بن عبد الرشید البخاری، متوفی 542ھ، خلاصۃ الفتاوی، مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۲۹۶۔ الوزير عون الدین ابوالمنظر سخی بن محمد ہبیرہ، متوفی 560ھ، الانصاح عن معانی الصحاح، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۲۹۷۔ علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی 587ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ: ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۹۸۔ علامہ حسین بن منصور اوزجندی، متوفی 592ھ، فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ: کبریٰ بولاق، مصر 1310ھ

۲۹۹۔ علامہ حسین بن منصور اوزجندی، متوفی 592ھ، شرح التزیادات، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۰۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، ہدایہ اولین و آخرین، مطبوعہ: شرکت علمیہ، ملتان

۳۰۱۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، کتاب التجسس والمزید، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1424ھ

۳۰۲۔ علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری، متوفی 616ھ، الحیط البرہانی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1424ھ

۳۰۳۔ علامہ ابوزکریا سخی بن شرف نودی شافعی، متوفی 676ھ، کتاب الايضاح فی مناسک الحج والعمرة، مطبوعہ: المکتبۃ الابدادیہ 1417ھ

۳۰۴۔ علامہ عبداللہ بن محمود بن مودود حنفی، متوفی 683ھ، الاختیار لتعلیل الخیار، مطبوعہ: دارفراش للنشر والتوزیع

۳۰۵۔ امام فخر الدین عثمان بن علی، متوفی 743ھ، تجرید الحقائق، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی 1421ھ

۳۰۶۔ علامہ محمد بن محمود ہابرتی، متوفی 786ھ، عنایہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۳۰۷۔ علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی 786ھ، فتاویٰ تاجدار خانہ، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1411ھ

۳۰۸۔ علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، بنایہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1411ھ

۳۰۹۔ علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی 861ھ، فتح القدیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۳۱۰۔ علامہ ابراہیم بن محمد طبری، متوفی 956ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور 1412ھ

۳۱۱۔ امام شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی، متوفی 962ھ، جامع الرموز، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، پاکستان

۳۱۲۔ علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی 970ھ، البحر الرائق، مطبوعہ: علیہ مصر 1311ھ

۳۱۳۔ امام شہاب الدین احمد محمد بن علی بن جبرائیل، متوفی 974ھ، الفتاویٰ الکبریٰ المفتیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۱۴۔ امام سراج الدین عمر بن ابراہیم بن محمد الحلی، متوفی 1005ھ، انہر القائق، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی

۳۱۵۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، فتح باب العنایہ، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۱۶۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، مناسک ملا علی قاری، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1417ھ

۳۱۷۔ ملا نظام الدین، متوفی 1061ھ، فتاویٰ مالگیری، مطبوعہ: مطبع کبریٰ امیریہ بولاق، مصر 1310ھ

۳۱۸۔ علامہ ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الملقبہ انصاری الحلی، متوفی 1089ھ، امداد الفتاح شرح نورالایضاح ونبات

- الارواح، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ ۳۱۹۔ علامہ محمد سلیمان داماد آفندی، متوفی 1078ھ، مجمع
الانھر فی شرح ملتقى البحر، مطبوعہ: المکتبۃ الغفاریہ، کوئٹہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ
- ۳۲۰۔ علامہ خیر الدین ربلی، متوفی 1081ھ، جامع الفصولین، مکتبۃ القدس، کوئٹہ 1300ھ
- ۳۲۱۔ علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی 1088ھ، الدر المختار، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ
- ۳۲۲۔ علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، متوفی 1229ھ، فتاویٰ عزیزی، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1390
- ۳۲۳۔ علامہ احمد بن محمد طحطاوی، متوفی 1231ھ، حاشیۃ الطحطاوی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
- ۳۲۴۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، منحۃ الخالق، مطبوعہ: مطبع عامیہ، مصر 1311ھ
- ۳۲۵۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ، مطبوعہ: دار الاشاعہ العربی، کوئٹہ
- ۳۲۶۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، رسائل ابن عابدین شامی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور
- ۳۲۷۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، رد المختار، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ
- ۳۲۸۔ علامہ شاہ محمد مسعود محدث دہلوی، متوفی 1309ھ، فتاویٰ مسعودی، سرہند پبلی کیشنز 1407ھ
- ۳۲۹۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، فتاویٰ رشیدیہ، مطبوعہ: محمد سعید اینڈ سنز، کراچی
- ۳۳۰۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، احسن الفتاویٰ، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی 1425ھ
- ۳۳۱۔ امام احمد رضا خان بریلوی، متوفی 1340ھ، العطا یا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور 1427ھ
- ۳۳۲۔ علامہ سید پیر مہر علی شاہ، متوفی 1356ھ، فتاویٰ مہریہ، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹر، لاہور 1418ھ
- ۳۳۳۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، بہار شریعت، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 1416
- ۳۳۴۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، فتاویٰ امجدیہ، مطبوعہ: مکتبہ رضویہ 1419ھ
- ۳۳۵۔ شیخ محمد شفیع دیوبندی، متوفی 1396ھ، جواہر الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم، کراچی 1395ھ
- ۳۳۶۔ مولانا نور اللہ نعیمی، بسیر پوری حنفی بریلوی، متوفی 1403ھ، فتاویٰ نوریہ، مطبوعہ: کبائن پرنٹر، لاہور 1983
- ۳۳۷۔ مولانا دقار الدین حنفی بریلوی، متوفی 1413ھ، دقار الفتاویٰ، مطبوعہ: بزم وقار الدین 1997
- ۳۳۸۔ مولانا محمد عبداللہ نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1982، فتاویٰ مجددیہ نعیمیہ، ناشر: مفتی اعظم سندھ اکیڈمی 1411ھ
- ۳۳۹۔ مفتی اہلسنت علامہ سید شجاعت علی قادری حنفی بریلوی، متوفی 1993، فقہ اہلسنت، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1978
- ۳۴۰۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی فیض الرحمن حنفی بریلوی غفرلہ، تفہیم المسائل، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 1407ھ
- ۳۴۱۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی، انوار الفتاویٰ، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1428ھ

کتب فقہ شافعیہ

- ۳۴۲۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، الام، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1403ھ
- ۳۴۳۔ علامہ ابوالحسن علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی، متوفی 450ھ، الحادی الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ

- ۳۴۴۔ علامہ ابواسحاق شیرازی، متوفی 455ھ، المہذب، مطبوعہ: دارالمعرف، بیروت 1393ھ
- ۳۴۵۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی 676ھ، شرح المہذب، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1423ھ
- ۳۴۶۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی 676ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ
- ۳۴۷۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر البیہقی الشافعی، متوفی 974ھ، التتائوی الحدیثیہ 1419ھ

کتاب فقہ مالکیہ

- ۳۴۸۔ امام یحییٰ بن سعید تنوخی مالکی، متوفی 256ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت
- ۳۴۹۔ امام ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی المالکی، متوفی 494ھ، المستثنیٰ شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1331ھ

- ۳۵۰۔ قاضی عبدالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفی 595ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت
- ۳۵۱۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن الخطاب المغربی، متوفی 954ھ، مواہب الجلیل شرح مختصر خلیل، مطبوعہ: مکتبۃ النجاشی، بیروت
- ۳۵۲۔ علامہ علی بن عبد اللہ بن الخرشبی، متوفی 1101ھ، الخرشبی علی مختصر خلیل، مطبوعہ: دارصادر، بیروت
- ۳۵۳۔ علامہ ابوالہریرہ کات احمد دردی مالکی، متوفی 1197ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت
- ۳۵۴۔ علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی 1219ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت

کتاب فقہ حنبلی

- ۳۵۵۔ علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، المغنی، مطبوعہ: دارالحدیث، قاہرہ 1425ھ
- ۳۵۶۔ علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، الکافی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
- ۳۵۷۔ شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، مجموعۃ الفتاویٰ، مطبوعہ: ریاض، دارالجمیل، بیروت 1418ھ
- ۳۵۸۔ شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، اقتضاء الصراط المستقیم فی مللۃ اصحاب النجم، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1424ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

- ۳۵۹۔ علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن قحاح مقدسی، متوفی 763ھ، کتاب الفروع، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت
- ۳۶۰۔ علامہ ابوالاسمین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی 885ھ، الانصاف، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1387ھ
- ۳۶۱۔ علامہ یحییٰ بن احمد صالحی، متوفی 960ھ، الاتقان، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
- ۳۶۲۔ شیخ منصور بن یونس البھوتی الحنبلی، متوفی 1015ھ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

کتاب فقہ غیر مقلدین

- ۳۶۳۔ شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی، متوفی 456ھ، المحن بالاحیاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
- ۳۶۴۔ شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی 1250ھ، نیل الاوطار، مکتبۃ الکیات الازہریہ، مصر 1398ھ، دارالوفاء، 1421ھ
- ۳۶۵۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، متوفی 1367ھ، فتاویٰ ثنائیہ، مطبوعہ: النور اکیڈمی مکتبۃ ثنائیہ سرگودھا

- ۳۶۶۔ مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی، متوفی 1805ء، فتاویٰ نذیریہ، مکتبۃ المعارف الاسلامیہ، پاکستان 1333ھ
- ۳۶۷۔ شیخ حافظ عبداللہ محدث روپڑی، متوفی 1920ء، فتاویٰ المحدث، مطبوعہ: ادارہ احیاء السنۃ النبویہ، پاکستان 1404ھ

کتب اصول فقہ

- ۳۶۸۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، الرسائل، مطبوعہ: مطبع امیر یہ کبریٰ، بولاق مصر 1312ھ
- ۳۶۹۔ فخر الاسلام علی بن محمد بزودی حنفی، متوفی 482ھ، اصول بزودی، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
- ۳۷۰۔ علامہ ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی الحنفی، متوفی 483ھ، اصول السرخسی، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت
- ۳۷۱۔ امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی 505ھ، مستصفیٰ، مطبوعہ: مطبعہ امیر یہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ
- ۳۷۲۔ علامہ علاؤ الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری الحنفی، متوفی 730ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ: دار الکتاب العربی 1411ھ
- ۳۷۳۔ علامہ جمال الدین اسنوی، متوفی 772ھ، شرح المنہاج، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ
- ۳۷۴۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی، متوفی 861ھ، تحریر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1403ھ
- ۳۷۵۔ علامہ ابن امیر الحاج حنفی، متوفی 879ھ، التقریر والتحریر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت 1403ھ
- ۳۷۶۔ بحر العلوم عبدالعلی بن نظام الدین حنفی، متوفی 1225ھ، فوائد الرحموت، مطبوعہ: مطبعہ امیر یہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ
- ۳۷۷۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ بل
- ۳۷۸۔ علامہ محمد امین بن عمر بن عابدین شامی حنفی، متوفی 1252ھ، شرح شرح المنار للعلامة الشامی، مطبوعہ: ادارة القرآن، کراچی

مذہب اربعہ

- ۳۷۹۔ علامہ عبدالوہاب شعرائی حنفی، متوفی 973ھ، میزان الشریعۃ الکبریٰ، مطبوعہ: مطبع مصطفیٰ البابی داوود، مصر 1359ھ
- دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
- ۳۸۰۔ علامہ عبدالرحمن الجزیری، الفقہ علی مذہب الاربعہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت
- ۳۸۱۔ الفتاویٰ الاسلامیہ من دارالافتاء المنصریہ القاہرہ 1400ھ
- ۳۸۲۔ ذائروہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1405ھ
- ۳۸۳۔ موسوعۃ الفقہ الاسلامی، مطبوعہ: القاہرہ 1410ھ

کتب شیعہ

- ۳۸۴۔ شیخ ابو جعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الاصول من الکافی، دار الکتب الاسلامیہ، تہران
- ۳۸۵۔ شیخ ابو جعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الفروع من الکافی، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران
- ۳۸۶۔ شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، تہذیب الاحکام، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران
- ۳۸۷۔ شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، الاستبصار، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران

- ۳۸۸۔ نوح البلاغہ (مع فارسی)، مطبوعہ: انتشارات زرین، ایران
 ۳۸۹۔ نوح البلاغہ (مع اردو)، مطبوعہ: شیخ غلام علی ایندسنز
 ۳۹۰۔ شیخ عزالدین عبدالحمید بن ابی الحدید، متوفی 656ھ، شرح نوح البلاغہ، مطبوعہ: مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان، ایران
 ۳۹۱۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، بحار الانوار، مطبوعہ: المطبعۃ الاسلامیہ، تہران 1392ھ
 ۳۹۲۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حق البقیین، مطبوعہ: خیابان ناصر خسرو، ایران 1347ھ
 ۳۹۳۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، جلاء العیون (مترجم)، مطبوعہ: انصاف پریس، لاہور
 ۳۹۴۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حیات القلوب (مترجم)، مطبوعہ: حمایت اہل بیت وقف، لاہور
 ۳۹۵۔ شیخ محمد بن حسین طباطبائی، متوفی 1293ھ، المیزان، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، ایران 1302ھ

کتاب عقائد و کلام

- ۳۹۶۔ علامہ محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی 505ھ، المعتقد من الضلال، مطبوعہ: بیئۃ الادواق، لاہور 1405ھ
 ۳۹۷۔ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قنطاری حنفی، متوفی 791ھ، شرح عقائد نسفی، مطبوعہ: نور محمد اصح المطابع، کراچی
 ۳۹۸۔ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قنطاری حنفی، متوفی 791ھ، شرح القاصد، مطبوعہ: دارالمعارف الشعمانیہ، لاہور 1401ھ
 ۳۹۹۔ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی حنفی، متوفی 816ھ، شرح مواقف، مطبوعہ: مطبعہ فنی، بلخنو
 ۴۰۰۔ علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ خیالی حنفی، متوفی 870ھ، حاشیہ انخیالی، مطبوعہ: عبدالکیم ایندسنز، پشاور
 ۴۰۱۔ علامہ عبدالوہاب شمرانی حنفی، متوفی 973ھ، ایواقیت والجواب، مطبوعہ: مطبعہ مصطفیٰ البابی، مصر 1378ھ
 ۴۰۲۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح فقہ اکبر، مطبوعہ: مطبعہ مصطفیٰ البابی، مصر 1375ھ
 ۴۰۳۔ مولانا عبدالعزیز پرہاروی حنفی، نیراس، مطبوعہ: مکتبہ قادریہ، لاہور 1397ھ

کتاب متفرقات

- ۴۰۴۔ ابوالعالی عبدالملک الجوبینی الشہید بامام الحرمین الشافعی، متوفی 478ھ، مفیث الخلق فی ترجیح القول الحق، مطبوعہ: مکتبہ قدوسیہ، لاہور 1400ھ
 ۴۰۵۔ امام ابوالفتح ظہیر الدین الولوالجی حنفی، متوفی 540ھ، الفتاویٰ الولوالجیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
 ۴۰۶۔ ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن ابوبکر الدمشقی المعروف بابن قیم حنبلی، متوفی 751ھ، الداء والدواء، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ 1410ھ
 ۴۰۷۔ علامہ علی بن سلطان القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، القائلین بوحدة الوجود، مطبوعہ: دارالماسون للتراث 1415ھ
 ۴۰۸۔ میر عبدالواحد بلگرامی حنفی، متوفی 1016ھ، سبع سنابل، مطبوعہ: حامد ایندکینی، لاہور 1402ھ
 ۴۰۹۔ ملا باقر مجلسی شیعہ، متوفی 1110ھ، نسیاء العیون، مطبوعہ: ایرانی کتب خانہ
 ۴۱۰۔ شیخ محمد اسماعیل دہلوی دیوبندی، متوفی 1246ھ، تقویۃ الایمان، مطبوعہ: مطبعہ علمی، اندرون، لاہور
 ۴۱۱۔ مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر تہنی، متوفی 1258ھ، شائم اداویہ، مطبوعہ: مدنی کتب خانہ، ملتان 1405ھ

- ۴۱۲۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، آب حیات، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان 1413ھ
- ۴۱۳۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، تحذیر الناس، دار الاشاعت، کراچی
- ۴۱۴۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی حنفی، متوفی 1304ھ، سبات الفکر فی الجہر بالذکر، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت 1408ھ
- ۴۱۵۔ شیخ محمود حسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، الحمید المقل فی تنزیہ المعز والمذل، مکتبہ مدینہ، لاہور 1409ھ
- ۴۱۶۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، ملفوظات، حامد اینڈ کمپنی، لاہور
- ۴۱۷۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین، حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1401ھ
- ۴۱۸۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، احکام شریعت، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2002ء
- ۴۱۹۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الامن والعلی، شبیر برادرز، لاہور 1396ھ
- ۴۲۰۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جمل مجلیۃ ان المکر وہ تنزیہا لیس بمعصیۃ، صدیقی پبلیشرز 2009ء
- ۴۲۱۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیہ، مطبوعہ: موسسۃ رضا الجامعۃ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ
- ۴۲۲۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، انباء الحی، موسسۃ رضا الجامعۃ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ
- ۴۲۳۔ شیخ خلیل احمد انیسٹھوی دیوبندی، متوفی 1346ھ، البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ، مطبوعہ: مطبع بلالی، لاہور
- ۴۲۴۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، گولڑہ شریف، اسلام آباد 1421ھ
- ۴۲۵۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، ملفوظات مہربیہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لمیٹڈ، لاہور 1406ھ
- ۴۲۶۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان دما اصل بہ لغیر اللہ، گولڑہ شریف کتب خانہ درگاہ غوثیہ 1421ھ
- ۴۲۷۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، شمس البدایہ فی اثبات حیات المسیح، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹر، لاہور 1406ھ
- ۴۲۸۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، مدینۃ الرسول سنہ ثانیہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹر 1415ھ
- ۴۲۹۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تصفیۃ مابین السنی والشیعہ، پاکستان انٹرنیشنل، لاہور 1399ھ
- ۴۳۰۔ مولانا فیض احمد فیض حنفی، مہر منیر، انٹرنیشنل پرنٹر، لاہور
- ۴۳۱۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، حفظ الایمان مع بسط البیان وتغیر العوان، مکتبہ تھانوی، کراچی
- ۴۳۲۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق
- ۴۳۳۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، جمال الاولیاء، مکتبہ اسلامیہ بلال گنج، لاہور
- ۴۳۴۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، خلافت و ملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور 1975ھ
- ۴۳۵۔ مولانا محمد عبد اللہ معمار امرتسری غیر مقلد، محمدیہ پاکٹ بک بجواب احمدیہ پاکٹ بک، المکتبۃ السلفیہ، لاہور 1391ھ

۴۳۶۔ ابوالحسنات غلامہ محمد اشرف سیالوی حنفی بریلوی، انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین، فیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 1998ء

- ۴۳۷۔ شیخ عبدالحی الکتانی، نظام الحکومت النبویہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت
- ۴۳۸۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، متوفی 1985ء، دو اسلام، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی
- ۴۳۹۔ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، انشورنس اسلامی معیشت میں، مطبوعہ: اسلامی پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور 1982ء
- ۴۴۰۔ اردو دائر معارف اسلامیہ، مطبوعہ: دانش گاہ پنجاب، لاہور
- ۴۴۱۔ میر عبدالواحد بلگرامی، سبع سنابل، حامد اینڈ کمپنی، لاہور
- ۴۴۲۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، صحیفہ ہمام بن منبہ، اکیڈمی آف لائف اینڈ لیسرز
- ۴۴۳۔ عقیدہ ختم نبوت، الادارہ تحفظ العقائد الاسلامیہ، پاکستان
- ۴۴۴۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی، متوفی 1346ھ، المہند علی المہند، ادارہ اسلامیات 1404ھ
- ۴۴۵۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، منظور نعمانی، عقائد علماء دیوبند اور حسام الحرمین، دارالاشاعت، کراچی

۴۴۶۔ شیخ حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، الشہاب الثاقب علی المستشرق الکاذب، میر محمد کتب خانہ، کراچی

۴۴۷۔ شیخ محمد رفیع از خان صفدر دیوبندی، متوفی 2009ء، تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموقی فی البرزخ والقبور، ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ 1407ھ

- ۴۴۸۔ شیخ محمد رفیع از خان صفدر دیوبندی، متوفی 2009ء، عبارات اکابر مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ
- ۴۴۹۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، تحفہ قادیانیت، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان 2001ء
- ۴۵۰۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، اختلاف امت اور صراط مستقیم، مکتبہ بینات بنوری ٹاؤن، کراچی 1399ھ

- ۴۵۱۔ مخدوم محمد ہاشم سندھی، متوفی 1174ھ، ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول، مکتبہ لدھیانوی، کراچی 1995ء
- ۴۵۲۔ محمد الیاس برنی، قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت 2001ء
- ۴۵۳۔ مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری بریلوی، متوفی 1354ھ، فتاویٰ دیداریہ، مکتبہ العصر، کجرات
- ۴۵۴۔ مفتی محمد عبد القیوم بڑاوردی حنفی بریلوی، متوفی 2003ء، مقالات مفتی اعظم، مطبوعہ: بزم رضا، لاہور 1428ھ
- ۴۵۵۔ مولانا محمد منشا، تاجش قصوری حنفی بریلوی غفرلہ، دعوت فکر، مطبوعہ: مکتبہ اشرفیہ، مرید کے شیخ پورہ 1403ھ
- ۴۵۶۔ غلامہ غلام رسول - عیدی حنفی بریلوی غفرلہ، حیات استاد العلماء، مطبوعہ: دارالاسلام، لاہور 1433ھ
- ۴۵۷۔ غلامہ غلام رسول - عیدی حنفی بریلوی غفرلہ، توضیح البیان، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1422ھ
- ۴۵۸۔ غلامہ غلام رسول - عیدی حنفی بریلوی غفرلہ، ذکر بالجہر، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1427ھ
- ۴۵۹۔ غلامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تذکرۃ الحمد ثین، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1426ھ
- ۴۶۰۔ غلامہ غلام رسول - عیدی حنفی بریلوی غفرلہ، مقالات سعیدی، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1428ھ

- ۳۶۱۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، مقام ولایت و نبوت، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1426ھ
- ۳۶۲۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تاریخ شجر و حجاز، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 2004ء
- ۳۶۳۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، حقائق شرح صحیح مسلم و دقائق تبیان القرآن، فرید بک اسٹال، لاہور 1425ھ

- ۳۶۴۔ مولانا غلام نصیر الدین گوٹروی حنفی بریلوی غفرلہ، سفر آخرت کی منازل، فرید بک اسٹال، لاہور 1427ھ

